2
مدارج النبوت
مصنف
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم
عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی
ناشر
مکتبۃ اسلامیہ
۴۰ اردو بازار — لاہور

مصنّف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰، اردو بازار — لاہور

نام کتاب	مدارج النبوت (جلد دوم)
مصنّف	شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ محمد اشرف نقشبندی
مطبع	تایا سنز پرنٹرز لاہور
صفحات	۸۶۶
ناشر	مکتبہ اسلامیہ
	۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست مضامین (حصہ دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وسلم

قسم دوم

نسب شریف اور حمل وولادت اور رضاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں اور کفالت عبدالمطلب اور ان کی وفات اور ابوطالب کی امانت نبوی اور آنحضرت کا سفر کرنا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمراہ ابوطالب جانب شام اور بحیر اراہب کا آپ کی نبوت کو پہچان لینا بذریعہ علامات اور آنجناب کا خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تزوج فرمانا اور تعمیر کعبہ کا ذکر' نزول وحی اور نبوت کا ثبوت' آغاز دعوت اسلام' کافروں کا آپ کو اذیت دینا' حبشہ کی جانب صحابہ کی ہجرت' وفات ابوطالب اور وصال خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا طائف کی طرف جانا اور جنات کا بیعت ہونا اور شریر لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عداوت رکھنا' انصار کا آپہنچنا اور ہجرت کے اسباب پیدا ہونا' آنحضور کا صحت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچنا اور اس قسم میں چار باب ہیں۔

باب اوّل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف' حمل وولادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ہی اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہے اور صدور کائنات کا واسطہ ہے اور آدم علیہ السلام اور تمام مخلوقات کی تخلیق کا واسطہ ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ **اول ما خلق اللہ نوری** اور تمام علوی و سفلی کون و مکاں اسی نور سے پیدا شدہ ہیں اور اسی جوہر پاک سے تمام ارواح و اشباح اور عرش و کرسی اور لوح و قلم' بہشت و دوزخ اور ملک و فلک اور انس و جن اور آسمان و زمین اور سمندر اور پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس وحدت سے اس کثرت کا پیدا ہونا اور تمام مخلوقات کا بروز ظہور اسی جوہر پاک سے ہونے کے بارے میں بڑی ہی عجیب و غریب عبارات و تعبیرات لائی گئی ہیں۔

یہ حدیث کہ **اول ما خلق اللہ العقل** محققین و محدثین کے نزدیک صحت کو پہنچی۔ دوسری حدیث **اول ما خلق اللہ القلم** کے بارے میں بھی علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث بھی عرش اور پانی کے پیدا کر دیئے جانے کے بعد کا ذکر ہے کیونکہ آیا ہے کہ **کان عرشہ علی الماء** اور بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے اور آیا ہے کہ پانی کی تخلیق عرش سے بھی

قبل واقع ہوئی۔ کیونکہ جب قلم کو پیدا فرمایا گیا تو پروردگار تعالیٰ نے اس کو حکم فرمایا کہ لکھ۔ قلم نے عرض کیا کہ کیا لکھوں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ لکھ جو کچھ پہلے سے ہے اور جو آئندہ ابد تک کے دوران پیدا کیا جائے گا۔ پس معلوم ہو گیا کہ خلقت سے قبل بھی کوئی کائن ضرور موجود تھی اور علماء نے فرمایا ہے کہ وہ عرش و کرسی اور ارواح ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور کی تخلیق اس سے بھی قبل ہوئی تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ما کان سے مراد اسی نور محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات و احوال ہوں گے۔ جو پہلے ہی اس قبل کے عالم میں ثابت شدہ ہیں۔ اور ما یکون سے مراد وہ کچھ ہو گا جو آخر میں دنیاء کے اندر ظاہر ہو اور اس اولیت کے عالم میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت ثابت تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ **کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد** اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ **انی عبد اللّٰہ وخاتم النبیین و آدم منجدل فی طینتہ** اور مختلف زبانوں میں مشہور **و آدم بین الماء والطین** ہے لیکن علماء نے فرمایا ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ الفاظ صحت کو نہیں پہنچے۔ لیکن معانی ایک ہی ہیں اور ہر اعتبار سے مراد یہ ہی ہے "تخلیق آدم سے قبل" اور گو اللہ تعالیٰ کے علم میں تمام انبیاء کی نبوت ثابت و قائم تھی۔ لیکن آنحضرت کی نبوت ملائکہ و ارواح میں ظاہر سب کو معلوم تھی اور دیگر پیغمبروں کی نبوت مخفی و مستور تھی۔ بلکہ علماء کہتے ہیں کہ اس عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روح مبارک دیگر انبیاء کی ارواح کی مربی تھی اور علوم الٰہی سے ان انبیاء کی ارواح کو فیض بخشنے والی تھی۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیاء میں تمام بنی آدم کی طرف مبعوث شدہ اور رسول بن کر آئے تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس عالم میں بنی مرسل بالفعل تھے ظاہرا" نہ کہ صرف علم الٰہی میں۔ اور یہ ممکن ہے کہ **نحن السابقون الآخرون** سے انہی معنی میں اشارہ ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بروقت میثاق بھی آنحضرت اس صفت سے موصوف تھے۔ اگرچہ آدم علیہ اسلام کے جسد میں نفخ روح کے بعد ان کی صلب سے انسانی مخلوقات کے ذرائر ظہور ہوئے جیسے کہ اکثر احادیث اس پر دلیل ہیں۔ لیکن ذرہ ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا استخراج صلب آدم سے سب سے مقدم ہے۔ واللہ اعلم اور اخبار میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آو وسلم کا نور مبارک پیدا ہوا اور پھر اس نور سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے انوار ظاہر ہوئے تو پروردگار تعالیٰ نے نور آنحضرت کو فرمایا کہ ان کے انوار پر نظر ڈالو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی طرف نظر کی۔ تو آپ کے نور مقدس نے سب انبیاء کے انوار کو ڈھانپ لیا اور سب پر غالب آگیا۔ تو ان سب نے عرض کیا۔ اے ہمارے پروردگار! یہ کون ہے۔ جس کے نور نے ہم سب کے انوار کو ڈھانپ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا نور ہے۔ اگر تم اس پر ایمان لاتے ہو تو میں تم کو انبیاء بناؤں گا۔ سب نے کہا اے پروردگار! ہم سب اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کی نبوت میں۔ پس رب العزت جل جلالہ نے فرمایا۔ پس میں تم پر گواہ بن گیا ہوں۔ اور یہ معانی ہیں حق تعالیٰ کے قول کے **واذا اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ** الایۃ۔ اور اس آیہ کریمہ کی تفسیر کا ذکر اس سے پہلے آنجناب کے فضائل شریف میں گزر چکا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ اور ان معانی کا اظہار آخرت میں ہو گا جبکہ جملہ انبیاء آنحضرت کے لوائے حمد کے نیچے ہوں گے۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ اسی طرح آپ نے شب اسراء کے موقع پر انبیاء کی امامت فرمائی۔ اور اگر آنجناب کے آمد کا اتفاق آدم و نوح اور ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے میں ہوتا تو ان پر اور ان کی امتوں پر واجب ہوتا کہ آپ پر ایمان لاتے۔ اور آپ کی مدد کرنا واجب ہوتا۔ اور اس کا حق تعالیٰ نے ان سے میثاق و عہد لیا تھا۔

اور جب قلم پیدا کیا گیا تو اسے حکم الٰہی ہوا کہ ساق عرش پر اور بہشت کے دروازوں اور پتوں اور خیموں پر لکھے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور ایک روایت میں آیا ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء** اس کے بعد قلم نے لکھا جو کچھ کہ قیامت تک ہونے والا تھا۔ چنانچہ آیا ہے کہ جب آدم علیہ اسلام کو پیدا فرمایا گیا تو حق تعالیٰ نے ان کی کنیت ابو محمد رکھی اور علماء نے بیان کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے وہ لغزش سرزد ہوئی۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے خداوند! میری لغزش بحرمت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو کیسے پہچانا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میری نظر عرش اور بہشت کے دروازوں پر پڑی۔ اور میں نے وہاں پر تحریر شدہ دیکھا۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں نے جانا کہ تیری بارگاہ میں سب سے زیادہ صاحب وقار و مرتبت وہ (محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہی ہوں گے کیونکہ تو نے اس کے نام مبارک کو اپنے نام پاک کے ساتھ رکھا۔ پس آواز آئی کہ تمہاری اولاد میں سے آخری پیغمبر ہیں۔ اور آسمانوں میں اس کا نام احمد ہے۔ اور زمین پر محمد۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا اور تجھ کو بھی اس کی طفیل پیدا کیا ہے۔ اور حدیث سلمان میں آنحضرت کی فضیلت میں آیا ہے کہ جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس نازل ہوئے۔ اور عرض کیا۔ اے محمد! تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو میں نے خلیل بنایا ہے تو تجھے اپنے حبیب بنایا ہے۔ اور اپنے نزدیک میں نے تجھ سے گرامی تر کسی کو پیدا نہیں کیا۔ اور میں نے دنیا اور اہل دنیا کو صرف اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ ان کو پہچان کراؤں تمہاری امت کی اور تمہاری منزلت و مرتبت کی۔ اور تو نہ ہوتا تو دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔ پس نوری محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی پشت میں رکھا اور آپ کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اس کے بعد آدمؑ کے تمام اجزائے جسم میں سرایت کر گیا اور آدم کو اس نور کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوقات کے اسماء کی تعلیم دی اور آدم کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کا حکم دیا اس مقام پر دو اقوال ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد **واذ قال ربک للملئکۃ** میں ملائکہ سے مراد ابلیس اور اس کے لشکر ہیں جو زمین پر تھے اور سجدہ پر مامور تھے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور فرشتوں اور جنوں کو پیدا فرمایا۔ تو ملائکہ کو آسمانوں پر ٹھہرایا اور جنیوں کو زمین پر۔ پس جنات ایک مدت تک زمین میں عبادت میں مشغول رہے اس کے بعد انہوں نے بغاوت اور ظلم کی بنیاد ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک لشکر جنوں کے استیصال اور ہلاکت کے لئے زمین پر بھیجا۔ انہیں جن کہتے تھے یعنی طور پر یا بصورت جت کی یہ جنوں کے خازن تھے۔ یہ جماعت ابلیس کو اسی گروہ ملائکہ سے گمان کرتے ہیں۔ اور قرآن کے الفاظ **وکان من الجن** اسی معانی میں آئے ہیں اور فرشتوں میں سے ابلیس اس گروہ کا پیشوا' مرشد اور سب سے بڑا عالم تھا

پس جنیوں کو جن کے تصرف میں زمین تھی نکل دیا' اور وہ پہاڑوں' جزیروں اور دریاؤں کی طرف بھاگ گئے اور فرشتوں کی یہ قسم جو کہ جن تھے زمین پر قائم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کا ملک اور آسمان دنیاء اور بہشت کا خازن ابلیس کے حوالے کر دیئے۔ ابلیس کبھی زمین پر عبادت کرتا تھا اور کبھی آسمان پر اور کسی وقت بہشت میں عبادت کرتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی اس قسم کو حکم فرمایا کہ ان کا رئیس ابلیس ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو سب سجدہ بجالائے سوائے ابلیس کے (**كذانقل فی روضة الاحباب من كتب تفاسير و تواريخ**) اور صحیح قول یہ ہے کہ آسمان و زمین کے تمام فرشتے مخاطب و مامور تھے نظم قرآن سے یہ قول زیادہ موافق ہے۔

اور صاحب مواہب الدنیہ امام جعفر صادق سے سلام اللہ علیہ و آباۂ الکرام و اولادہ العظام سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو جس نے سجدہ کیا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ اس کے بعد میکائیل بعد ازاں اسرافیل اور ان کے بعد عزرائیل اور پھر ملائکہ مقربین سجدہ بجالائے۔ اور فرمایا ہے کہ **فسجد الملائكة كلهم اجمعون** اور جب آدم کو بہشت میں داخل کیا تو اس کو اپنے ہم جنس کی خواہش ہوئی تاکہ اس سے انس و محبت قائم ہو اور ذکر حق و لمحی سے کریں۔ اور اس میں صنعت خداوندی کا ظہور و شہود ہو اللہ تعالیٰ نے آدم پر نیند طاری کر دی اس خواب و نیند کے دوران بائیں جانب کی پسلی کی ہڈی سے اللہ تعالیٰ نے حوا کو پیدا فرمادیا۔ اور اس کو اس لئے حوا کہتے ہیں کہ وہ زندہ سے پیدا کی گئیں۔ (مخلوق از حی شد) جب آدم نے حوا کو دیکھا اس کی طرف اپنا ہاتھ دراز کیا پس ملائکہ نے کہا اے آدم آہستہ ہو جاؤ (یعنی ٹھہر جاؤ) تاکہ تو اس کے ساتھ نکاح کرے اور اس کو مہر ادا کرے۔ آدم نے دریافت کیا کہ اس کا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ مہر یہ ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر تین مرتبہ درود شریف بھیجے۔ ایک روایت کے مطابق بیس مرتبہ آیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حوا کو آدم کی زوجہ بنادیا۔ اور اپنے کلام اقدس سے خطبہ پڑھا۔

پس ابلیس کو آدم پر حسد ہو گیا۔ اور اس نے آدم کو وسواس میں ڈال دیا اور اسے بہشت سے نکلوا دیا۔ جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے۔ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے۔ مختلف قسم کی دنیوی مشقتوں میں مبتلاء ہوئے۔ اور اس طرح آیا ہے کہ آدم جب زمین پر آئے تو تین سو سال تک اپنا سر آگے کو جھکائے رکھا اور آسمان کی جانب نہ اٹھایا اور نہ دیکھا۔ اور آدم کے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ مسعودی کا قول ہے کہ اگر سب اہل زمین کے آنسوؤں کو یکجا کیا جائے تو آدم علیہ السلام کے آنسو اس سے بھی زیادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کے آنسوؤں سے عود و زعفران اور زنجبیل و صندل اور دوسری خوشبودار چیزیں اگائیں۔ اور حوا روئیں تو ان کے اشکوں سے قرنفل اور دوسری خوشبودار مصالحے آگے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم کو ایسے کلمات الہام کئے گئے کہ ان کے پڑھنے سے ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ مفسرین کی کثرت کے نزدیک یہ ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں۔ **ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين** اور دیگر کلمات جو کہ استغفار کے ہیں اور کتب تفاسیر و سیرت میں مندرج ہیں۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کلمات سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ و توسل تے القاء ہوئے تھے۔ اور یہ قول دیگر اقوال کے منافی و برعکس نہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے توبہ واستغفار کی۔ اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ آدم علیہ السلام کا قصہ ان کا جنت میں داخل ہونا اور ابلیس کا وسوسہ اور آدم کا جنت سے باہر آنا یہ ایک لمبی داستان ہے اور معانی کثیرہ پر مبنی ہے۔ چونکہ راقم الحروف کا مقصود سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس قصہ سے جس قدر اس مطالب و مقصد سے متعلق ہے ہم نے اخذ کرلیا ہے۔ اور اسی طریقہ سے انہیں معانی میں دیگر انبیاء کے ذکر میں اختیار کیا گیا۔

معلوم رہے کہ عادت الٰہیہ یوں تھی کہ ہر ولادت کے موقع پر حوا سے دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی جڑواں پیدا ہوتے تھے سوائے حضرت شیث علیہ السلام کے جو کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد تھے یہ اکیلے ہی پیدا ہوئے تھے تاکہ نور نبوی مشترک نہ ہو جائے۔ اور جب آدم علیہ السلام نے وصال فرمایا۔ شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نور کو سوائے پاکیزہ عورتوں کے کسی میں منتقل نہ کرے شیث علیہ السلام نے بھی وصیت فرمائی اپنے فرزند کو جس کا نام انوش تھا۔ اور یہ وصیت ہمیشہ جاری رہی۔ یہ نور مبارک ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں منتقل ہوتا آیا۔ حتیٰ کہ یہ نور اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب اور پھر اس کے فرزند عبداللہ تک پہنچادیا۔ اور اس نسب شریف کو اللہ تعالیٰ نے جاہلیت سے پاک رکھا یعنی کہ زنا سے جو کہ جاہلیت میں متعارف تھا۔ یہاں تک کہ ادنیٰ بے غیرت جاہل لوگ اپنی عورتوں کو شرفاء کے پاس بھیجتے تھے تاکہ ان سے حاملہ ہو جائیں اور کبھی ایسے بھی ہوتا تھا کہ ایک عورت کسی مرد سے زنا کرتی رہتی تھی ایک عرصہ اس کے بعد اس کی زوجہ بن جاتی تھی چنانچہ بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نسب میں سفاح جاہلیت نام کی کوئی چیز نہ تھی اور میری ولادت سوائے نکاح اسلامیہ کے کبھی نہ ہوئی۔ اور علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے آیا ہے کہ فرمایا آنحضرت نے کہ میں نکاح سے پیدا ہوا اور سفاح سے نہیں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والد اور والدہ صاحبان تک۔ اور مجھ تک سفاح جاہلیت سے کوئی چیز نہ پہنچ سکی۔ اور دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ مصفا مہذب اور منشعب میں منتقل فرمایا۔ اور جب بھی دو شعبے ہوئے تو مجھے بہتر شعبہ میں رکھا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول مقدس **وتقلبک فی الساجدین** کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ میں نبی سے نبی کی جانب منتقل ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اصلاب انبیاء میں کروٹیں بدلتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے والدین کے ہاں پیدا ہوئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **لقد جاءکم رسول من انفسکم** کو فاکی زبر سے پڑھا اور فرمایا کہ میں تم میں سے نفیس ترین ہوں نسب و حسب کے اعتبار سے۔ اور میرے باپوں میں آدم علیہ السلام سے لے کر کوئی بھی زناکار نہیں ہوا۔ اور سب جائز نکاح کردہ تھے۔ ابو نعیم نے دلائل میں ذکر کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ جبریل علیہ السلام نے بتایا اور کہا کہ میں زمین کے مشارق و مغارب میں گھوما ہوں۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فاضل تر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اور بنی ہاشم کے بیٹوں سے فاضل تر کسی کے بیٹے نہیں دیکھے۔

اور صحیح حدیث میں اور بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے بنو کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنی کنانہ میں سے بنو قریش کو برگزیدہ فرمایا اور قریش سے بنو ہاشم کو برگزیدہ فرمایا۔ اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ کیا۔ اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو برگزیدہ کیا۔ اس میں سے بنی آدم کو برگزیدہ فرمایا اس کے بعد بنی آدم میں سے اہل عرب کو گرامی قدر بنایا۔ اس کے بعد اہل عرب میں سے مجھے سب سے زیادہ گرامی قدر بنادیا۔ تم آگاہ رہو کہ جو کوئی اہل عرب کو دوست رکھتا ہے تو ان کے ساتھ اس کی محبت میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے جو اہل عرب کو دشمن رکھتا ہے۔ تو میرے ساتھ اس کی دشمنی کی وجہ سے وہ اہل عرب سے دشمنی رکھتا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف جیسے کہ مواہب الدینہ میں مذکور ہے اس طرح ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک نسب مبارک ارباب سیر اور اصحاب علم انساب میں متفق علیہ ہے۔ اس سے اوپر صحیح طور پر معلوم نہیں ہاں اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد اسماعیل سے ہیں۔ اور ابراہیم' نوح علیہ السلام اور ادریس علیہم السلام آنحضرت کے اجداد ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب آنحضرت اپنے نسب شریف کا ذکر کرتے تو معد بن عدنان تک اس کے بعد توقف فرماتے تھے اور کہتے تھے **کذب انسابون** یعنی نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے اس طرح سے مسند الفردوس میں روایت کیا گیا ہے۔ لیکن امام بیہقی رحمتہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ قول ابن مسعود کا ہے اور وہ رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے جب آپ نے یہ آیت پاک پڑھی تھی۔ **الم یاتکم نباء الذین من قبلکم قوم نوح وعاد وثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللّٰہ** تو فرمایا تھا کہ اہل نسب نے دوروغ گوئی کی۔ مراد یہ کہ وہ علم النسب کا دعویٰ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ عدنان تک میں نسب بیان کرتا ہوں اور اس سے اوپر میں نہیں جانتا اور عروہ بن زبیر نے کہا ہے کہ ہمیں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو معد بن عدنان سے اوپر نسب شریف پہچانتا ہو۔

اور عدنان سے اسماعیل علیہ السلام تک اور ان سے آدم علیہ السلام تک بہت اختلاف ہے۔ بعض نے عدنان سے اسماعیل علیہ السلام تک تیس مردوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کا تشخص معروف نہیں ہے۔ اور ان کے حالات معلوم نہیں ہیں اور بعض نے اس سے کم اور بعض نے اس سے زیادہ بیان کئے ہیں اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنا نسب آدم علیہ السلام تک بتاتا تھا۔ پس آپ اس سے ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کو اس کی کس نے خبر دی ہے؟ اور اسی طرح ان سے نسب انبیاء کی رفعت کے بارے میں رویات کیا گیا ہے۔ (علیہم السلام)۔ پس چاہیے یہ کہ عدنان سے اوپر کے متعلق توقف کریں تاکہ اشخاص میں خلط ملط اور تبدیلی الفاظ نہ ہو جائے اور کمی بیشی نہ ہو۔ اور اس ضمن میں آنحضرت پر بھی وحی نہ فرمائی گئی تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روضتہ الاحباب کے حاشیہ میں ابن جوزی کی کتاب

النسب سے عدنان سے آدم تک بہت سے اشخاص کا ذکر کیا ہے جب اس پر اعتماد نہیں ہے نیز وہ قول علماء کے خلاف ہے لہذا ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اب میں چند مشہور و معلوم اور متفق علیہ اشخاص کے حالات بیان کرتا ہوں۔ عبدالمطلب جو تھے ان کا نام شیبہ ہے اور یہ نام اس لئے ہے کہ ولادت کے وقت ان کے سر پر سفید بال تھے۔ نیز بوجہ ان کے اچھے کاموں کی کثرت کے بھی شیبۃ الحمد کہتے ہیں۔ کیونکہ لوگ ان کی تعریف و ستائش کرتے تھے۔ اور بعض نے ان کا نام عامر بتایا ہے۔ اور صاحب مواہب نے کہا ہے کہ یہ قول ابن قتیبہ کا ہے۔ اور محمد شیرازی نے اس کی پیروی کی ہے اور عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث ہے۔ ان کے سب سے بڑے فرزند کے نام پر جن کا نام حارث تھا۔ اور ان کے نام عبدالمطلب ہونے کے بارے میں مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کا والد ہاشم مدینہ شریف گئے تھے۔ وہاں پر بنو بخار کی ایک عورت سے تزوج کیا۔ اور اس سے ایک بیٹا حاصل ہوا۔ جب مطلب جو ہاشم کا بھائی تھا مدینہ میں گئے بیٹے کو دیکھا کہ حسین صورت اور حسین سیرت ہے۔ پوچھا کہ یہ کس کا بیٹا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ہاشم کا بیٹا ہے۔ ہاشم بن عبدلمناف۔ پس مطلب نے اسے اٹھالیا اور اونٹ پر اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ چونکہ کپڑے پھٹے پرانے تھے اور شکستہ حالت میں تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ تو مطلب کہتے تھے کہ یہ میرا غلام ہے۔ اس سبب سے انہیں عبدالمطلب کہتے ہیں اور بعض یوں کہتے ہیں کہ جب ہاشم دنیا سے رخصت ہوئے تو مطلب کو وصیت کی کہ اپنے اس عبد کو لے لو جو یثرب میں ہے اس میں انہوں نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا جو مدینہ میں تھا۔ اس وجہ سے ان کو عبدالمطلب کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ابھی وہ بچہ ہی تھے کہ والد فوت ہو گیا۔ تو ان کے چچا مطلب نے ان کی پرورش کی۔ اور عرب کے دستور تھا کہ جو کوئی کسی یتیم کی پرورش کرتا تھا تو اس یتیم کو اس کا عبد (غلام) کہا کرتے تھے۔ جیسے کہ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے۔

اور جب مطلب نے وفات پائی تو اہل مکہ کی ریاست (امارت) عبدالمطلب کو ملی۔ اور حجابت خانہ کعبہ اور سقایت کے مراتب انہیں سپرد ہوئے۔ اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اور ان کا وہ بڑا احترام اور تعظیم کرتے تھے۔ اور عبدالمطلب سے مشک اذفر کی خوشبو آتی تھی۔ اور ان کی پیشانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تاباں تھا اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ یا مشکل پیش آئی تھی۔ تو کوہ ثبیر پر جو کہ مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے عبدالمطلب کو لے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عزت میں انہیں وسیلہ بناتے تھے۔ اور بارش کے قحط کے موقع پر ان کے وسیلہ سے دعائے باراں کرتے تھے۔ اور اس نور محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طفیل جو کہ ان کی پیشانی میں دکھتا تھا ان کی مشکل حل ہو جاتی تھی۔ اور کعب احبار سے روایت آئی ہے۔ کہ جب آنحضرت کا نور عبدالمطلب کے پاس پہنچا۔ اور اس فضیلت سے سرفراز ہوئے تو ایک دن حجر میں جو کہ کعبہ میں ایک مقام ہے سوئے ہوئے تھے۔ پس آپ بیدار ہوئے تو آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا۔ اور بیش بہا لباس زیب تن تھا۔ اور بڑا جلال اور حسن تھا کہ آپ حیران ہو گئے کہ یہ سب کیسے اور کہاں سے ہوا اور کس نے ایسا کیا ہے۔ پس ان کو ان کے والد نے لیا اور قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے۔ کاہنوں نے خبر دی کہ آسمانوں کے پروردگار نے حکم

فرمایا ہے کہ اس لڑکے کی شادی کردی جائے۔ گویا کہ آپ کے اس حال کو تزوج سے تعبیر کیا۔ یا انہوں نے یہ غیب کی خبردی کیونکہ کاہن لوگ ایسا دعویٰ کرتے تھے پس ان کے والد نے ان کی شادی ایک عورت کے ساتھ کردی۔ جس کا نام قیلہ تھا۔ اور اس سے حارث پیدا ہوئے۔ جو کہ عبدالمطلب کی سب سے بڑی اولاد تھی اس کے بعد قیلہ فوت ہو گئی اور اس کے بعد دوسری عورت سے شادی کی جس کا نام ہند بنت عمرو تھا اور جب ابرہہ نے یمن ملک سے چڑھائی کی اور نجاشی کی جانب سے۔ اور بیت اللہ الحرام کے انہدام کے لئے ایک بڑا سفید ہاتھی لایا۔ اور یہ خبر عبدالمطلب کو پہنچی۔ انہوں نے کہا اے گروہ قریش! مت ڈرو۔ اس خانہ خدا کا پروردگار ہے جو کہ نگہداشت کرتا ہے۔ ہم اس گھر کے رکھوالے نہیں ہیں بلکہ اس کی حفاظت میں ہم رہتے ہیں۔ پس ابرہہ آیا۔ اور (اس کے آدمی) قریش کے اونٹ اور بھیڑیں ہانک لے گئے۔ اور عبدالمطلب کی چار سو اونٹنیاں تھیں۔ پس عبدالمطلب قریشوں کے ساتھ سوار ہو کر کوہ شبیر پر آنکلے۔ پس عبدالمطلب کے ماتھے پر رسول خدا کا نور دائرہ کی شکل میں گردش کرنے لگا ہلال کی مانند اور اس کی مضبوط شعاع خانہ کعبہ پر پڑنے لگی۔ جس طرح کہ چراغ ہوتا ہے جو روشن ہو جائے۔ اور جب عبدالمطلب نے اس نور کی جانب نظر کی تو فرمایا اے گروہ قریش! واپس چلے جاؤ۔ تحقیق یہ مہم تمہارے ہاتھ سے سر ہو گئی۔ خدا کی قسم یہ نور مجھ سے حرکت میں نہیں آتا سوائے اس صورت میں کہ ہماری فتح ہو۔ پس قریش واپس لوٹ گئے اور متفرق ہو گئے۔ اور ابرہہ نے ایک آدمی بھیجا تھا تاکہ وہ قریش کے لشکر ہزیمت دے جب وہ مکہ میں آیا اور اس نے عبدالمطلب کا چہرہ دیکھا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور ایک گائے کی مانند آواز کرنے لگا جس کو ذبح کر دیا جاتا ہے جب ہوش میں آیا تو اس نے عبدالمطلب کو سجدہ کیا۔ اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فی الحقیقت قریش کا سردار ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ جب عبدالمطلب حاضر ہوئے۔ ابرہہ نے وہ ہاتھی سفید جو انہدام بیت اللہ کی خاطر لایا گیا تھا طلب کیا۔ اور جب ہاتھی کی نظر عبدالمطلب کے چہرہ پر پڑی تو وہ سجدہ میں پڑ گیا۔ حالانکہ اس ہاتھی کی ابرہہ بادشاہ کو سجدہ کرنے کی عادت نہ تھی۔ جس طرح کہ دوسرے ہاتھی سجدہ کرتے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو پھیر دیا۔ اور ہاتھی نے کہا۔ اس نور کو نیر اسلام جو تمہاری پشت میں ہے اے عبدالمطلب۔ اور وہ ہاتھی اوپر نہ اٹھتا تھا گو اس کے سر پر بھی مارتے تھے۔ پس ہاتھی یمن کی جانب واپس مڑا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ابابیلی پرندوں کو بھیجا دریا کی طرف سے ہر پرندہ تین سنگریزے اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں یہ سنگریزے مقدار میں عدس کے برابر تھے اور یہ سنگریزہ جس پر پڑتا تھا۔ وہ نیچے گر پڑتا تھا۔ اور ابرہہ کے جسم میں ایک درد اٹھا۔ حتیٰ کہ اس کی انگلیاں پارہ پارہ ہو کر گر گئیں۔ اور ان سے زرد رنگ کا پانی اور پیپ اور خون جاری ہو گئے۔ اور اس کے دل تک جسم پھٹ گیا۔ **نعوذ باللہ من غضب اللہ** اور یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات سے ہے۔ جو قبل از نبوت ظہور میں آیا اور اس قسم کے معجزات کو ارہاصات کہتے ہیں۔ جس کے معانی بنیاد رکھنا ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل کا سایہ فرمانا بھی قبل از بعثت کا واقعہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات تین قسم کے ہیں ایک قسم وہ معجزات ہیں جو قبل از نبوت ظاہر ہوئے۔ دوسری قسم وہ معجزات ہیں جو

زمانہ نبوت کے دوران ظہور میں آئے ـــــــــــــــــ کے دوران ظہور میں آئے۔ اور تیسری قسم میں وہ معجزات ہیں جو بعد از نبوت کے ہیں جو کرامات اولیاء کی صورت میں ہیں۔ اور صاحب مواہب لدینہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے بحث میں کہا ہے کہ حجاج نے کعبہ کو ویران کیا۔ اس سے کوئی چیز واقع نہ ہوئی۔ اور جواب دیا کہ ارہاصات کا ظہور پیش از نبوت تھا امر نبوت کی تاسیس کے طور پر۔ اور جب نبوت ظاہر ہو جاتی ہے اور ثابت اور متاکد ہو جاتی ہے تو ارہاص کے ذریعے دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ حجاج کی طرف سے خرابی کعبہ تخریب و فساد کے مقصد سے نہ کی گئی تھی۔ بلکہ عبداللہ بن زبیر کے تعصب اور رد کے واسطے تھی اور اس کی روایت کی عدم قبولیت کے باعث تھی جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی۔ اس کا یہ عمل اس کے زعم کے مطابق کعبہ کے اعزاز اور تعظیم کے لئے تھا۔ لہذا جب عبدالملک کو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا معلوم ہوا تو وہ پشیمان ہوا حجاج کے فعل پر اور خود قریش کے ہاتھوں عمارت کعبہ کی چند بار تجدید ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک دفعہ اس وقت ہوئی جبکہ ولادت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا سال تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اور وہ کام اصلاح کے لئے تھا نہ کہ فساد کی خاطر جیسے کہ اصحاب فیل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ہاشم کا نام اصل میں عمرو تھا۔ ہاشم ان کی اس سبب سے کہا جاتا ہے۔ کہ ہشم کے معانی روٹی کے ٹکڑے کرنا ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے اپنی قوم کو قحط سالی میں روٹیوں کے ٹکڑے کر کے کھلائے وہ یہی تھے۔ اور ان کو عمرو العلیٰ بھی کہتے تھے۔ یہ ان کے علی مرتبت کے سبب سے تھا۔ آپ صاحب حسن و جمال اور صاحب جاہ و حشم تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام اسد تھا جو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے باپ تھے۔ دوسروں کے نام تھے نفیلہ اور صفی اور عبدالمطلب جو کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد تھے لیکن ان میں سے کسی کی اولاد نہ تھی سوائے عبدالمطلب کی اولاد کے اور عبدالمناف جو تھے ان کا نام مغیرہ تھا۔ اور کنیت ابو عبد شمس تھی اور مناف ایک بت کا نام تھا۔ اور عبدالمناف کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک ہاشم تھے جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والد عبداللہ کے دادا تھے۔ ایک عبدالشمس تھے جو بنی امیہ کے جد تھے۔ اور ایک کا نام نوفل تھا وہ جبیر بن مطعم کے دادا تھے۔ اور مطلب تھے جو امام شافعی کے جد اعلیٰ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہاشم اور عبد شمس جڑواں پیدا ہوئے تھے ان دونوں کی پیشانیاں ایک دوسری سے جڑی ہوئی تھیں اور بہت کوشش کرنے کے باوجود وہ ایک دوسری سے علیحدہ نہ ہوتی تھیں یہاں تک کہ ان دونوں کے چہرے ایک دوسرے سے تلوار کے ساتھ جدا کر دیئے اس سبب سے ان دونوں کی اولاد میں آپس میں عداوت اور شمشیر زنی تک دشمنی تھی۔ (کذافی روضۃ الاحباب) اور عوام میں مشہور اس طرح ہے کہ ان دونوں کی پشتیں ایک دوسری کے ساتھ چسپاں تھیں۔ لوگوں نے انہیں تلوار کے ساتھ جدا کیا۔

اور قصی تھے اس نام کے معانی ہیں بعید۔ انہیں قصی اس لئے پکارتے تھے کہ یہ اپنے خاندان والوں سے دور ہو گئے قضاعہ کے علاقہ میں جس وقت کہ ان کی والدہ ان کے ساتھ حاملہ تھیں۔ انہیں مجمع بھی کہتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے قبائل عرب کو یکجا جمع کیا تھا۔ جو کہ بنو خزاعہ کے غلبہ کے وقت مکہ سے منتشر ہو گئے تھے۔ اور جب قصی واپس مکہ آئے اور اسے بنو

خزاعہ کے ہاتھوں سے چھوڑالیا۔ تو پھر قبائل منتشر شدہ کو مکہ میں جمع کیا اور کہتے ہیں کہ دار الندہ قصی ہی نے تعمیر کیا تھا۔ جب کبھی قریش کو کوئی مہم درپیش ہوتی تھی تو وہ دار الندوہ میں جمع ہوتے تھے اور آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ لغت میں ندوی کا معنی ہے ذکر کرنا اور ندی ملابیہ جس کے معانی مجلس ہوتے ہیں۔ مکالبت یا مخاصمت و منازعت۔ یا کلاب جمع کلب ہے۔ اس کے معانی سے مراد کثرت ہے۔ جیسے سباع سے تسمیہ کرتے ہیں۔ لوگوں نے عرابی سے پوچھا کہ تم اپنے بیٹوں کو برے ناموں سے کیوں موسوم کرتے ہو۔ جیسے کہ کلب۔ ذئب (کتا بھیڑیا) اور اپنے غلاموں کے نام اچھے رکھتے ہو جیسے کہ مرزوق اور رباح۔ اس نے کہا کہ بیٹوں کے نام دشمنوں کے لئے بدلے رکھتا ہوں۔ اور غلاموں کے نام اپنے لئے اچھے رکھتا ہوں۔ اور کلاب کا نام حکیم ہے اور بعض نے عروہ کہا ہے۔

اور مرۃ بن کعب وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ کو جمع کیا۔ اور عروبہ روز جمعہ کو کہتے ہیں۔ مرۃ جمعہ کے روز قریش کو اکٹھا کر کے انہیں خطبہ دیتے تھے اور ان کے سامنے پیغمبر آخر زمان کے مبعوث ہونے کے بارے میں ان کے سامنے ذکر کرتے تھے اور ان کو آگاہ کرتے تھے کہ وہ میری اولاد سے ہوں گے۔ اور ان کو ان کی اتباع کا حکم کرتے تھے اور ان پر ایمان لانے کے لئے کہتے تھے۔ اس ضمن میں ان کے چند شعر بھی بیان شدہ ہیں ان میں سے ایک بیت یہ ہے۔

۔ یا لیتنی شاهد فحواء دعوته انا قریش تنفی الحق خذ لانا

اور لوی تصغیر ہے لائے سے (لوی بن غالب) اور لائے کے معنی ہیں شدت و سختی جو دوران عیش آجائے۔

لیکن فہر کے بارے میں اہل سیر اور تاریخ کا ایک گروہ اس پر ہے کہ ان کا لقب ہی قریش تھا اور قریش کی نسبت ان سے ہی کرتے ہیں اور جو کوئی فہر کا بیٹا نہیں اس کو قریشی نہیں کہتے۔ بلکہ اسے کنانی کہا جاتا ہے اور اکثریت کے نزدیک نضر بن کنانہ کا لقب قریش تھا اور ان کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں۔ اور قریش بھی کہتے ہیں اور قریش نام کی متعدد وجوہات بیان کرتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ قریش ایک جانور کا نام ہے جو ایک بڑا جانور ہوتا اور مچھلیاں کھاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وہ تمام دریائی جانوروں پر طاقتور اور غالب ہوتا ہے۔ اور اس پر کوئی اور جانور غالب نہیں آتا۔ اور صراح میں بعض متقدمین شعراء کے اشعار اس معانی پر شاہد ہیں۔ بعض یوں کہتے ہیں کہ اہل عرب کے نکل جانے اور متفرق ہو جانے کے بعد ان کا لوٹ آنا اور پھر جمع ہو جانا تقرش کہلاتا ہے۔ اور یا اس لئے لقب قریش تھا کہ وہ اہل تجارت و کسب تھے۔ اور قرش کا معنی کسب کرنا اور جمع ہو جانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کے لئے آتے تھے۔ یہ لوگ فقیروں مفلسوں کے حالات کا پتہ کرتے تھے اور انہیں چیزیں دیا کرتے تھے۔ اور صراح (کتاب لغت) میں تقریش کا معنی تفتیش ہے۔ تقریش کا مطلب بر آغالیدن ( ) اور اقراش کے معانی سعی کردن برائے کسے (کسی کے لئے کوشش کرنا) ہیں۔

اور مدرکہ وہ ہیں جن کا نام عمرو تھا یا عامر تھا۔ اس لئے ان کو مدرکہ کہتے تھے کہ ایک دن وہ خرگوش کے پیچھے دوڑے اسے جالیا اور پکڑلیا۔ تو ان کے والد نے ان کا لقب مدرکہ رکھا اور اسی لقب سے وہ مشہور ہوئے بعض نے اس طرح کہا ہے کہ ان کو مدرکہ اس واسطے کہتے تھے کہ جو عزو شرف ان کے آباؤ اجداد کو حاصل تھا اسی پر انہیں آپ نے اکٹھا کیا اور وہی عزو

شرف حاصل کیا۔ بہر حال مدرکہ میں تائے تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے۔ (کذافی روضۃ الاحباب)۔ اور یہ بھی احتمال ہے
کہ وصفیہ سے اسمیہ میں نقل کے لئے ہو۔ واللہ اعلم۔

لیکن الیاس وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اونٹوں کو بصورت ہدی بیت الحرام کی طرف بھیجا۔ اور قاموس میں کہا گیا ہے
کہ وہ پہلے آدمی ہیں جنہیں یاس محرکہ (   ) اور بیان کیا ہے علماء نے کہ وہ اپنی صلب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی
تلبیہ کی آواز سنتے تھے بر موقع حج۔

لیکن مضر وہ پہلے آدمی ہیں جس نے اونٹ کے لئے حدی رکھی۔ اور یہ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوش آواز
تھے اپنے دور زندگی میں۔ اور دین اسلام پر تھے یعنی ملت ابراہیم علیہ السلام پر۔

اور نزار نزر سے بنا ہے اس کے معنی قلیل بتائے جاتے ہیں کیونکہ جب وہ پیدا ہوئے اور ان کے والد کی نظر نور محمدی
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پڑی جو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان تھا دیکھ کر نہایت ہی خوش ہوئے شدید خوش حال ہوئے
اس قدر کہ مسکینوں کو اس خوشی میں کھانا تقسیم کیا اور کہتے تھے اس مولود مبارک کے حق میں یہ سب کچھ بھی بہت تھوڑا
ہے۔ پس اسی جہت سے نزار نام رکھا اور ان کی کنیت ابو ربیعہ تھی۔

لیکن معد بن عدنان کے بارے میں معلوم رہے کہ عدنان کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک معد بن عدنان تھے جو کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اور عدنان سے اوپر نسب مبارک بیان نہیں ہوا بروایت صحیح۔ اور اہل
انساب کو اس میں اختلاف ہے جیسے کہ معلوم ہوا ہے۔ حکمت الٰہی میں بھی اس بارے وحی کی متقاضی نہیں ہوئی۔ اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اس کی خواہش نہ فرمائی۔

وصل :۔ جب اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو شر ابرہہ سے فراغت عطا فرمائی اور ابرہہ خائب و خاسر واپس لوٹا تو ایک
روز عبدالمطلب حجر میں سو رہے تھے ناگاہ انہوں نے ایک عظیم خواب دیکھا اور کانپتے ہوئے اور ڈرے ہوئے بیدار ہوئے۔
پس انہوں نے یہ قصہ کاہنوں سے بیان کیا۔ قریش کے کاہنوں نے ان سے کہا۔ اگر تمہارا یہ خواب درست ہے تو تیری پشت
سے ایسے شخص کا ظہور ہو گا کہ سب اہل زمین و آسمان اس پر ایمان لائیں گے اور لوگوں میں ایک بین علامت ظاہر ہو گی۔
پس عبدالمطلب نے فاطمہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور فاطمہ عبداللہ کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔ جو ذبیح تھے اور والد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے اور عبداللہ کا نام ذبیح مشہور و مسطور ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو بعد
اس کے کہ وہ پاٹ دیا گیا تھا۔ کھود نکالنا ہے۔ اور اس حضرہ حدوث (   ) کا قصہ بیان کریں تو یہ اولیٰ اور اتم ہو گا۔ جان لیں کہ
جب ابراہیم خلیل صلوۃ الرحمٰن علیہ کے ہاں حاجرہ کے بطن سے اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اور ان کے پیشانی میں نور محمدی چمک رہا
تھا۔ سارہ رضی اللہ عنہا جو ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ تھیں انہیں رشک آیا جسے وہ برداشت نہ کر سکیں کہ حاجرہ اور اسماعیل
کو دیکھ سکیں۔ کیونکہ ان کے اپنے بطن سے کوئی فرزند نہ تھا۔ اور یہ خواہش بھی نہ رکھتی تھیں کہ ان کے ہاں بھی فرزند ہو جو
اسی نور کے حامل ہوں۔ یہاں تک کہ سارہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ ابراہیم علیہ السلام حاجرہ اور فرزند اسماعیل کو کسی ایسی

جگہ لے جائیں کہ جہاں کوئی عمارت و زراعت اور پانی اور آبادی نہ ہو اور وہاں پر انہیں تنہا چھوڑ دیں۔ ابراہیم علیہ السلام سارہ کو خوش رکھنے پر مامور تھے۔ پس انہوں نے ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا اور ایک ایسے علاقہ میں لے گئے جہاں پر اب حرم کعبہ ہے اور انہیں اس ٹیلے کے پاس چھوڑ دیا جس پر کعبہ بنایا جانے والا تھا۔ کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے اور ان کو خدا کے سپرد کیا۔ یہ خود اس پر مامور تھے۔ پس ہاجرہ ان کھجوروں سے کھاتیں اور مشکیزہ سے پانی پیتی تھیں اور اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں۔ جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گئے اور ان پر پیاس نے غلبہ کیا۔ اس حد تک کہ اسماعیل علیہ السلام پیاس سے خاک پر تڑپنے لگے ہاجرہ بڑی اضطرار کی حالت میں انہیں اور کوہ صفا پر گئیں۔ وہاں پر ایک لحظہ ٹھہریں کہ شاید کوئی فریاد رس ہو اور پانی میسر ہو جائے۔ اس کے بعد نیچے اتریں اور کوہ مروہ کی جانب گئیں اس کے اوپر آئیں اور ایک لحظہ اس پر ٹھہریں اور اس انداز میں سات مرتبہ سعی کی۔ ہر بار اسماعیل کے سامنے آتیں اور ان کی طرف ایک نظر ڈال لیتی تھیں یہاں تک کہ آخری دفعہ انہیں قریب الہلاکت دیکھا۔ اس مرتبہ جب وہ مروہ پہاڑ پر گئیں۔ ایک آواز سنائی دی۔ اس آواز پر کان دھرا اور کہا کہ تیری آواز کو میں نے سنا ہے میری فریاد کو پہنچ۔ اور وہ جبریل تھے جو اسماعیل علیہ السلام کے سامنے چاہ زم زم کے مقام پر کھڑے تھے۔ پس جبریل نے اپنے پاؤں کی ایڑی زمین پر ماری اور زمین میں سوراخ ہوا وہاں پانی کا چشمہ ظاہر ہو گیا۔ پس ہاجرہ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے اس چشمہ کے گرد ایک حوض بنایا۔ تاکہ اس میں پانی جمع رہے۔ اور چاہ زم زم کا اصل مقام وہ تھا جہاں پر ہاجرہ نے پانی اکٹھا کیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسماعیل کی والدہ پر رحمت نازل کرے۔ اگر وہ زم زم کو چھوڑ دیتیں اور اسے گھیر نہ لیتیں تو چشمہ آب زمین پر جاری ہو جاتا اور اس روش پر 'عربی زبان میں ضعف رائے کے باعث' ترحم کیا جاتا ہے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ پس ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام اسی پانی پر پرورش پا رہے تھے۔ یہ پانی تشنگی کو دور کرتا تھا اور بھوک کو بھی اور یہ آب زم زم کے خواص میں سے ایک خاصیت ہے کہ کھانے اور پینے کے دونوں کام دیتا ہے۔ جیسے کہ دودھ ہوتا ہے۔ اور ہاجرہ اور اسماعیل کچھ عرصہ اسی طرح گزر بسر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ قوم جرہم کے لوگ یمن ملک سے اس مقام پر پہنچے اور پانی کی خاطر وہاں پر قیام کیا۔ اور اسماعیل علیہ السلام ان میں پرورش پاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حد بلوغ کو پہنچے تو قبیلہ جرہم میں ایک عورت سے شادی کی۔ اور ان سے فرزند پیدا ہوئے اور سارہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی براق پر سوار ہو کر ان کی جستجو اور نگہداشت کے لئے آتے تھے (دیکھنے کے لئے آتے تھے)۔ چنانچہ آپ چاشت کا وقت سارہ کے پاس کرتے تھے پھر مکہ کو آتے تھے اور دوپہر کے قیلولہ کے وقت تک واپس سارہ کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے پر مامور ہوئے پس اسماعیل علیہ السلام کی معاونت سے اس سرخ ٹیلے پر جہاں پہلے ہاجرہ اور اسماعیل کو چھوڑ آئے تھے عمارت کعبہ تعمیر کی اور ابراہیم علیہ السلام سے قبل اس مقام پر آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ نازل فرمایا تھا ساختہ از یاقوت اور اس کے دو دروازے تھے سبز زمرد کے ایک مشرقی دروازہ اور دوسرا مغربی اور آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ اس کے گرد طواف کریں۔ ایک

روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ زمین پر حرم خانہ بنائیے اور اس کے گرد طواف کرو جس طرح کہ تم نے فرشتوں کو کرتے دیکھا کہ طواف کرتے ہیں آسمان میں عرش کے گرد۔ پس آدم علیہ السلام ہر سال ہند سے طواف کے لئے خانہ حرم پر آتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آدم علیہ السلام نے چالیس حج پیدل ادا کئے۔ اور طوفان نوح کے وقت خانہ کعبہ ساتویں آسمان پر اٹھالیا گیا۔ **ما جاءنا من القصص فی ہذاالباب** اس سے یہاں پر مقصود ہے زم زم کا حال اس کے بھر دیئے جانے اور پھر ظاہر ہونا زمانہ عبد المطلب میں اور پھر اس کا دوبارہ کھود کر تعمیر ہونا اور عبد اللہ کا نام ذبح ہونے کا سبب بھی یہ ہی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام زندہ رہے۔ ولایت خانہ کعبہ انہی کے پاس رہی۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ثابت ان کے قائمقام ہوئے ایک عرصہ کے بعد بنو جرہم کے ساتھ ان کی مخالفت و عداوت بن گئی لیکن بعد میں اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ رشتہ داری کی بنا پر دونوں فریقوں میں مصالحت ہو گئی۔ اور جب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بہت ہو گئی تو مکہ سے باہر چلے گئے اور عرب کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور مکہ کی حکومت بنو جرہم کے پاس رہ گئی جب اس حال پر ایک مدت گزر گئی۔ قوم جرہم کا حاکم عمرو بن حارث نامی شخص تھا اس نے ظلم و فساد کی بنیاد رکھی وہاں کے باشندوں اور راہگیروں سب کو دکھ دینے لگے۔ اور ہدی کے جانور جو لوگ کعبہ شریف کو لاتے تھے اور بھیجتے تھے وہ اپنے لئے رکھ لیتے تھے۔ گردونواح میں جو قبائل عرب تھے وہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے اور ان کے استیصال کے درپے ہوئے۔ بنو جرہم کو مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ لہٰذا وہاں سے بھاگ گئے اور یمن کی جانب چلے گئے اور عمرو بن حارث نے حجر اسود خانہ کعبہ کے رکن سے اکھاڑ لیا اور طلائی ہرن بھی جو اسفندیار فارسی نے کعبہ کو بطور ہدیہ بھیجا تھا اور جسے یہ غزال الکعبہ کہتے تھے کچھ ہتھیاروں کے ساتھ جو کعبہ میں تھے چاہ زمزم میں ڈال کر چھپا دیئے اور اوپر سے زمین ہموار کر دی اور اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ اور انہوں نے جو ظلم و ستم حرم مکہ معظمہ میں روا رکھے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر مصیبت ڈال دی۔

عربی لوگ عدسہ کہتے تھے۔ ان میں سے کچھ ہلاک ہو گئے اور کچھ وہاں باہر چلے گئے۔ اس وقت اولاد اسماعیل پھر مکہ میں واپس آ گئے اور چاہ زم زم تو اس روز سے ہی ناپید اور غائب تھا۔ حتیٰ کہ جب اہل مکہ کی ریاست و حکومت عبد المطلب کے ہاتھ آئی اور چاہ زمزم کے ظہور کے متعلق ارادہ الٰہی بھی ہو گیا۔ پس خواب میں عبد المطلب سے کہا گیا کہ چاہ زمزم کو ظاہر کرنا چاہیے۔ لیکن اس کا مقام مشتبہ تھا کہ کس مقام پر ہے۔ پس اشارات و علامات سے اسے ڈھونڈ پایا اور عبد المطلب نے چاہا کہ اس کو کھودیں۔ لیکن قریش مانع ہوئے اور عبد المطلب کو ایذاء دینے پر آمادہ ہوئے اور زمزم کے مقام پر دو بت تھے۔ ان کے نام اساف اور نائلہ تھے۔ قریش نہیں چاہتے تھے کہ ان دونوں کے درمیان کنواں کھودا جائے۔ عبد المطلب اپنے ایک ہی بیٹے کے ساتھ جو اس وقت تھا اور جس کا نام حارث تھا قریش پر غالب آئے اور کنواں کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ جب تھوڑی سی زمین کھودی تو پتھر اور کنویں کے نشانات ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور وہ ہتھیار اور چھپایا ہوا طلائی غزال نکلے۔ پس کنواں مکمل ہو گیا اور پانی نکل آیا۔ اس سے عبد المطلب کا افتخار و مرتبہ اور عزت و وقار اور بھی بلند ہو گیا۔ انہوں نے نذر مانی کہ اگر

خدا تعالیٰ ان کو دس بیٹے دے گا اور وہ حد بلوغ کو پہنچیں گے اور عبد المطلب کے معاون و مددگار ہوں گے تو ان میں سے ایک کو قربان کریں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے عطا کئے۔ سب ہی بالغ ہوئے۔ ایک رات عبد المطلب کعبہ معظمہ کے نزدیک محو خواب تھے۔ کہ دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے۔ کہ اے عبد المطلب اللہ تعالیٰ سے جو نذر مانی ہوئی ہے اسے پورا کرو پس خواب سے جاگے ڈرے ہوئے اور کانپتے ہوئے اور جب اسے برداشت کرنا دشوار ہوا تو ایک دنبہ ذبح کر کے کھانا پکایا اور فقراء و مساکین کو کھلایا اس کے بعد پھر خواب میں دیکھا۔ کہ کہا گیا کہ اس سے بڑھ کر کوئی قربانی دو۔ پوچھا کہ اس سے بڑی قربانی کس چیز کی ہے کہا گیا کہ تمہارا کوئی ایک فرزند جس کی قربانی کی تم نے نذر مانی تھی۔ پس آپ بڑے غمناک ہوئے اور اپنی اولاد کو جمع کیا ان سے صورت حال بیان کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ مختار ہیں اس معاملہ میں اگر آپ سب کو ذبح کریں تو بھی ہم راضی ہیں۔ عبد المطلب اپنے بیٹوں کی اطاعت گزاری پر خوش ہوئے اور کہا کہ قرعہ ڈالتے ہیں جب قرعہ اندازی ہوئی تو عبداللہ کا نام نکلا۔ اور عبداللہ اپنے باپ کے نزدیک تمام اولاد سے زیادہ پیارے اور محبوب تھے اس لئے کہ انکی پیشانی میں نور محمدی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دمک رہا تھا) نیز وہ حسین و جمیل اور صاحب کمال اور بہادر اور پہلوان بھی تھے اور تیر اندازی میں ماہر تھے۔ پس عبد المطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور بڑی مضبوطی سے پکڑا اور ان کو اساف و نائلہ (دونوں بتوں) کے نزدیک لے آئے۔ جو کعبہ کے نزدیک دو بت تھے۔ ان کے نزدیک قربانی دی جاتی تھی جب قوم قریش کو پتہ لگا تو مانع ہوئے۔ اور عبد المطلب کو یہ کام کرنے سے روکا خصوصاً" ان کے اقرباء جو بنو مخزوم تھے اور انہیں ترغیب دی کہ حجاز میں ایک عورت ہے جو عقل و فراست میں دیگر کاہنوں سے ممتاز ہے۔ اس کے پاس جانا چاہیے۔ ابھی اس وقت تک جنات کا آسمان کی طرف اوپر چڑھنا اور فرشتوں کی باتیں سننا ممنوع نہ ہوا تھا۔ اور کہا کہ اسے یہ قصہ بتانا چاہیے کہ وہ کیا فرماتی ہے پس اس عورت کے سامنے گئے۔ اس نے کہا کہ آج چلے جاؤ کل پھر آنا۔ تاکہ میں دیکھوں کہ اس معاملہ میں مجھے جن کیا اشارہ کرتا ہے۔ اگلے دن جب کاہنہ کے ہاں حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک ایک مرد کی دیت کتنے اونٹ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ دس اونٹ۔ اس نے کہا کہ دس اونٹ اس اپنے بیٹے کے مقابل لے آؤ اور قرعہ ڈالتے جاؤ (اور اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ) اس وقت تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے اس وقت پتہ چل جائے گا کہ پروردگار راضی ہو گیا ہے کہ اتنے اونٹ اس کا فدیہ ہے۔ اور تمہارے آدمی کی خلاصی ہو جائے گی۔ عبد المطلب معہ تمام اہل قریش کے واپس مکہ میں آئے۔ اور اساف و نائلہ کے سامنے عبداللہ کے مقابل اونٹ قربان گاہ میں لائے۔ اور قرعہ ڈالا اور اسی طرح کرتے گئے یہاں تک کہ عبداللہ کے مقابلے میں جب ایک سو اونٹ ہوئے تو اونٹوں پر قرعہ نکل آیا۔ ابھی عبد المطلب کے دل کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ دوبارہ قرعہ ڈالنے پر پھر اونٹوں کے نام قرعہ نکلا۔ پس عبداللہ کے دل کا اطمینان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور عبداللہ ذبح ہونے سے بچ گئے۔ پس سو اونٹ ذبح کئے گئے اور ہر خاص و عام اور چوپائے اور پرندے وغیرہ سب کو پیٹ بھر کر کھلایا گیا۔ اس کے بعد عرب میں مرد کی دیت ایک سو اونٹ ہو گئی جبکہ اس سے قبل دس اونٹ تھے جب دور اسلام آیا تو شارع علیہ اسلام نے بھی یہی دیت مقرر فرمائی۔ اس سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ انا ابن

الذبیحین دو ذبیحوں سے مراد عبداللہ اور اسماعیل گردانے۔

صاحب مواہب نے کہا ہے کہ اسے زمخشری نے کشاف میں روایت کیا ہے۔ اور حاکم کی مستدرک کے نزدیک معاویہ بن ابی سفیان سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں تھے پس ان کے پاس ایک اعرابی آیا اور قحط اور خشک سالی اور ہلاک مال اور ضیاع عیال کی شکایت کی۔ اور عرض کیا کہ اے ابن الذبیحین! جو کچھ پروردگار تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے مجھے بھی وہ عطا فرمائیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اس سے انکار نہ فرمایا۔

تنبیہ :۔ علماء جمہور میں یہ قول مشہور ہے کہ ذبیح نام اسماعیل علیہ السلام کا ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک حضرت اسحاق کا نام ہے۔ اور اگر یہ قول صحیح ہوتا تو ابن الذبیحین کی تاویل یہ ہوگی۔ کہ اب کا لفظ عم کے لئے یعنی چچا کے واسطے آیا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن پاک) میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں اخبار ہیں۔ **اذ قال لبینہ ما تعبدون من بعدی قالوا انعبد الٰھک والہ آبائک ابراھیم واسماعیل واسحاق** اسماعیل کو اپنا اب کہا حالانکہ وہ آپ کے چچا کے تھے۔ اسی طرح اس قول کے مطابق ذبیح اسحاق ہو سکتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ان کا ابن کہا گیا جو کہ ان کے چچا تھے۔ اور ابن قیم نے پہلے قول کی ترجیح میں کہا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ذبیح مکہ میں تھے۔ لہٰذا روز نحر قربانی مکہ میں ہی کی گئی۔ اور چونکہ مروہ اور صفا کے درمیان سعی اور رمی جمرات مکہ میں ہے بوجہ تذکرہ شان اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کے اور ذکر اللہ کی اقامت کے۔ اور اگر ذبیح ملک شام میں ہوتا تو یہ قرابین و نحر بھی شام میں ہی ہوتے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں ذبیح کو حلیم کہا گیا ہے اور اس سے بڑھ کر حلیم کوئی نہیں جس نے کہ اپنی جان ذبح کے لئے پیش کر دی پروردگار کی اطاعت میں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو علیم کہا گیا ہے۔ نیز یہ عادت جاریہ ہے کہ پہلا بچہ محبوب تر ہوتا ہے۔ جب قلب خلیل کا اس سے تعلق قائم ہوا تو غیرت محبت نے اس کی قطع کا تقاضہ کیا اس کے ذبح کرنے کے ذریعے اور اسماعیل علیہ السلام کی ولادت پہلے ہوئی تھی ولادت اسحاق سے اور یہ توجیہات و ترجیہات واہی تباہی ہیں کیونکہ ان سے تو چیز کا اصل افادہ بھی کھو جاتا ہے تو قطع و یقین کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور صاحب مواہب لدنیہ نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ علماء یہود سے ایک آدمی کو عمرو بن عبدالعزیز نے پوچھا۔ جو کہ اسلام لا چکا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے کس کی قربانی کا حکم کیا گیا تھا۔ پس اس سابقہ یہودی نے کہا کہ اے امیر المومنین! خدا کی قسم۔ یہودی جانتے ہیں کہ وہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے لیکن اے معشر عرب! وہ تم سے حسد کرتے ہیں۔ نبی کہ تمہارا افضل ہو جاتا ہے کہ جس کا خدا تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور وہ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اسحاق تھے۔ انتہی شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسائل میں بیان کرتے ہیں کہ قول یہود کے ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں یہ ان کی تحریفات میں سے ہے۔ انتہی۔ لیکن یہ قول بعض مشائخ عظام کے کلام میں مذکور و مسطور ہے واللہ اعلم۔

فضائل سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ : وصل :۔ جب حضرت عبداللہ کے حسن و جمال کا عام چرچا ہوا۔ اور

داستان ذبح وفدا نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ تو قریشی عورتیں ان کی عاشق اور طالب وصل ہو گئیں اور ان کے راستے پر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ اور انہیں اپنی جانب دعوت دیتی تھیں۔ اور حق تعالیٰ نے انہیں پردہ عفت و عصمت میں محفوظ رکھا۔ اور اہل کتاب نے ان میں چند علامات دیکھیں کہ پیغمبر آخر زمان صلب عبداللہ سے ہوں گے لہٰذا انہیں دشمن سمجھنے لگے۔ اور ان کو ہلاک کرنے کے لئے گھات میں رہنے لگے۔ اور ہمیشہ ان کو مار دینے کے لئے اطراف مکہ میں آتے تھے اور عجیب و غریب آثار اور باتیں ان کے مشاہدہ میں آتی رہیں۔ اور خائب و خاسر لوٹ جاتے تھے۔ ایک روز عبداللہ شکار کے لئے گئے۔ عین اس وقت شام کی طرف سے اہل کتاب کی ایک بڑی جماعت ہاتھوں میں تلواریں سونتے ہوئے عبداللہ کے قتل کے لئے پہنچ گئے۔ وہب بن مناف جو آمنہ کے والد تھے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ تھیں وہ بھی اس صحرا میں تھے۔ انہوں نے دیکھا جنتی سواروں کا دستہ جو اس دنیاء سے مشابہت نہ رکھتے تھے غیب سے نمودار ہوئے اور اس گروہ اہل کتاب کو عبداللہ سے دفع کر دیا۔ جب وہب بن عبداللہ نے یہ حال دیکھا۔ اپنے گھر آئے اور اپنی زوجہ سے بات کی کہ میری خواہش ہے کہ اپنی بیٹی آمنہ کی شادی عبداللہ بن عبدالمطلب سے کردوں بعض دوستوں کے وسیلہ سے یہ بات عبدالمطلب کو بھی پہنچی۔ اور عبدالمطلب نے بھی چاہا کہ عبداللہ کی شادی کردیں اور ایسی عورت سے کریں جو حسب و نسب کے شرف میں اور عفت و عصمت میں ممتاز ہو۔ آمنہ بنت وہب کو ان صفات کا حامل پایا پس عبداللہ کی شادی اس سے کردی۔ منقول ہے کہ بنی اسد کی ایک عورت پر سے عبداللہ کا گذر ہوا جو کعبہ کے نزدیک کھڑی تھی۔ اس کا نام بنت نوفل اور ایک روایت کے مطابق قتیلہ تھا۔ جب اس نے عبداللہ کے چہرہ پر نظر کی۔ اس کے حسن و جمال پر عاشق ہو گئی۔ اور کہنے لگی کہ سو اونٹ جو تمہارے فدیہ میں قربان کئے گئے تھے۔ پس عفت و حیا عبداللہ کے دامنگیر ہوئی اس سے انکار کر دیا اور اس سے گزر گئے۔ دوسرے روز ایک عورت خثعمیہ نامی تھی جو کہ علم کہانت میں مکمل مہارت رکھتی تھی۔ اور مالدار تھی اس نے بھی چاہا کہ عبداللہ کو اپنے مال سے فریب دے۔ اس نے بھی وہی الفاظ عبداللہ سے کہے جو پہلی عورت نے کہے تھے۔ عبداللہ اس کے فریب میں نہ آئے اور بہانہ کر دیا کہ اپنی منزل پر پہنچ کر رمی جمرات کرلوں۔ اور پھر تمہارے پاس آتا ہوں۔ جب اپنی منزل (گھر) پہنچے۔ آمنہ کے ساتھ صحبت کی۔ نور محمدی ان سے آمنہ کے بطن میں منتقل ہو گیا اور آمنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔ اور یہ واقعہ ایام منا کے دوران کا ہے جیسے کہ کتب میں منقول ہے دوسرے وقت عبداللہ اسی عورت کے پاس سے گزرے۔ اس عورت نے عبداللہ کے چہرہ پر وہ نور نہ دیکھا اور عبداللہ سے اس نے کہا۔ جب تم مجھ سے مل کر گئے تھے کیا تم نے اس کے بعد کسی عورت سے صحبت کی تھی۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے اپنی زوجہ آمنہ بنت وہب سے صحبت کی۔ اس عورت خثعمیہ نے کہا مجھے اب تجھ سے کوئی غرض نہیں۔ وہ نور جو تیری پیشانی میں میں نے دیکھا تھا۔ میں نے چاہا کہ وہ نور میرے حصہ میں آئے لیکن وہ دوسری کے نصیب میں آگیا ہے۔ اور ایک روایت آئی ہے کہ وہ عورت جس نے اپنا نفس عبداللہ کو پیش کیا تھا۔ وہ ورقہ بن نوفل کی ہمشیرہ تھی۔ جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ ایک روایت میں ایک اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس کا نام لیلیٰ عدویہ تھا۔ اور یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ان سب عورتوں نے عبداللہ سے

درخواست کی ہو۔

بطن آمنہ رضی اللہ عنہا میں نوری محمدی کی تشریف آوری: وصل:۔ معلوم ہوا کہ نطفہ زکیہ مصطفیہ کا استقرار آمنہ رضی اللہ عنہا کے صدف بطن میں ایام حج کے دوران قول اصح کے مطابق ایام تشریق کے وسط میں جمعہ کی رات کو ہوا تھا۔ اس سبب سے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے شب جمعہ کو لیلتہ القدر سے افضل جانا ہے کیونکہ جو خیرات و برکات اور کرامات و سعادات اس رات کو عوام الناس پر اور مومنوں پر مفاض و منزل ہوئیں قیامت تک کسی رات میں نہ ہوئیں اور نہ ہوں گی۔ بلکہ تاابد نہ ہوں گی۔ اور اسی سبب سے شب میلاد کو بھی شب قدر سے افضل کہتے ہیں اور یہی سزاوار بھی ہے۔ اور اخبار میں آیا ہے کہ اس رات کو ملکوت میں نداء دی گئی کہ عالم ملکوت کو انوار قدس سے منور کردیں اور ملائکہ اور زمین و آسمان اور بہشت کے خازن کو حکم دیا گیا کہ فردوس اعلیٰ کے دروازے کھولائے۔ اور تمام عالم کو معطر ہواؤں کے ساتھ خوشبودار کردیا جائے۔ اور تمام طبقات آسمانی و زمین میں بشارت دی گئی کہ آج نور محمدی بطن آمنہ میں قرار پذیر ہوا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو تا۔ کہ تمام خیرات و برکات اور کرامات و انوار اور اسرار کا مصدر اور تخلیق عالم کا مبداء اور بنی آدم کا اصل اصول عالم ظہور کے قریب ہو گیا تھا۔ تاکہ تمام جہانوں کو منور و مشرف اور مسرور کرے۔ اور مروی ہے کہ اس رات کو تمام روئے زمین پر موجود بت زمین پر اوندھے گر پڑے۔ جیسے شیاطین آپ کی ولادت کے وقت آسمان کی جانب صعود سے ممنوع کردیئے گئے۔ اور دنیاء کے بادشاہوں کے تمام تخت شاہی سرنگوں ہو گئے۔ اور کوئی سرائے دنیا میں ایسی نہ تھی جو روشن نہ ہو گئی۔ اور کوئی مکان نہ تھا جس میں نور داخل نہ ہو گیا ہو۔ اور کوئی چوپایہ ایسا نہ تھا جس نے کلام نہ کیا ہو۔ اور مشرق کے جانوروں نے مغرب کے وحوش کو خوشخبری دی۔ اس وقت قریش سخت قحط میں مبتلا تھے اور سخت تنگی تھی۔ تمام درخت سوکھ چکے تھے اور سب چارپائے لاغر و نحیف ہو گئے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے باران رحمت بھیجی۔ اور درخت سرسبز و شاداب ہو گئے اور ہر طرف ذوق و سرور اور نعمت و حضور ظاہر ہو گئے یہاں تک کہ اس سال کا نام لوگوں نے سنتہ الفتح والابتاج رکھا۔ اور آنحضرت اپنی والدہ کے بطن میں پورے نو ماہ رہے۔ نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم۔ اور والدہ کو اس دوران کوئی درد یا تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ نہ ہی دل کو بے ذوقی و بے چینی ہوئی۔ جیسے کہ عام عورتوں کو ہوتا ہے اور آمنہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ فرمایا کہ مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ میں حاملہ ہوں اور میرے پیٹ میں بوجھ ہے جیسے کہ حاملہ عورتوں کو ہوتا ہے۔ صرف اس قدر ہوا کہ حیض منقطع ہو گیا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وجود ثقل معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابو نعیم نے اس طرح جمع کیا ہے کہ ابتداء میں ثقل محسوس ہوتا ہے لیکن ایام کے ساتھ ساتھ خفت (ہلکاپن) ہو گیا تھا۔ لیکن یہ دونوں باتیں ہی خلاف معتود و معتاد ہیں۔ کذافی امواہب' نیز ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا حاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہونے کی ایک دلیل یہ تھی کہ اس رات قریش کے ہر جانور نے کلام کیا اور کہا کہ آمنہ رسول اللہ سے حاملہ ہو گئی ہیں۔ قسم ہے پروردگار کعبہ کی وہ تمام دنیا کا امام ہے اور اہل دنیا کا چراغ ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تمام روئے زمین کے چوپایوں نے اس رات کلام کیا اور یہی مذکورہ باتیں کہیں اور آمنہ رضی

اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ آواز آئی جبکہ میں اونگھ اور نیند کے درمیان تھی۔ آواز کہتی تھی کہ تو حاملہ ہے گویا کہ میں نہ جانتی تھی کہ میں حاملہ ہوں۔ پس آواز دینے والے نے کہا کہ تم اس امت کی بہترین شخصیت سے حاملہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ تمام خلق سے بہترین شخص کے ساتھ۔ مجھے اس روز سے معلوم ہوا کہ میں حاملہ ہوں اور فرمایا کہ حمل کے عرصہ کے ہرماہ مجھے آواز آیا کرتی تھی زمین و آسمان سے کہ تم کو بشارت ہو کہ وقت آپہنچا ہے کہ ابوالقاسم میمون مبارک صلی اللہ علیہ والہ وسلم ظاہر ہو۔ نیز آمنہ نے فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میرے پیٹ میں تھے۔ میں نے ایک واقعہ میں دیکھا کہ مجھ سے ایک نور جدا ہوا ہے۔ اس سے تمام جہان منور ہو گیا ہے اور میں نے بصریٰ کے محلات دیکھ لئے۔ بصریٰ شام کی طرف ایک شہر ہے۔ اس طرح کہ ایک واقعہ وقت ولادت سے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے سوائے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی دوسرے فرزند سے آمنہ حاملہ نہ ہوئیں اور حضرت عبداللہ کا بھی کوئی اور فرزند سوائے آپ کے نہ ہوا۔ اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ آنحضرت شکم مادر میں تھے جبکہ عبداللہ کی وفات ہو گئی بعض کہتے ہیں کہ گود میں تھے بعمر آٹھ ماہ یا سات ماہ دو ماہ۔ اور یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور عبداللہ کی وفات مدینہ شریف میں ہوئی تھی۔ جب کہ آپ قریش کے ساتھ تجارت کے لئے آئے تھے۔ جب قریش یثرب سے گزرے تو حضرت عبداللہ ان سے علیحدہ ہو گئے اور یثرب میں بنو نجار جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے ان کے پاس ٹھہرے جب ان کے دوسرے ساتھی مکہ پہنچے تو عبدالمطلب نے عبداللہ کے بارے میں دریافت کیا۔ قریش نے بتایا اسے بیمار چھوڑ آئے ہیں۔ پس عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو بھیجا کہ حضرت عبداللہ کو لے آئے۔ پس اسے بتایا گیا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور دفن بھی کر دیئے گئے۔ تابعہ کے قبرستان میں اور بعض کہتے ہیں کہ ابواء کے قبرستان میں۔ یہ مدینہ کے قریب ایک گاؤں ہے اور آدمیوں کا مشہور قبرستان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا جب حضرت عبداللہ کا وصل ہوا تو ملائکہ نے کہا۔ یا الٰہی! ہمارے سردار یتیم ہو گئے محمد تیرے پیغمبر اور حبیب (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا محافظ و مددگار ہوں اور اس کا کفیل ہوں تم اس پر صلوۃ و سلام بھیجو اور اس کے لئے برکت طلب کرو اور اس کے حق میں دعا کرو **صلوۃ اللہ و ملائکۃ و النبیین و الصدیقین و الشہداء و الصالحین علی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب و برکاتہ وسلامہ**

ولادت شریفہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم:۔ وصل:۔ سبحان اللہ! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حمل شریف میں تشریف لانے کا دبدبہ اور اس کی شہرت و شان جو ان کے ظہور کا پیش خیمہ اور آنجناب کے وجود کی بشارت دینے والا ہے اس طرح کا ہو گا تو آنجناب کی ولادت شریفہ کا حال جو کہ بالفعل سعادات کے ظہور کا وقت اور نزول برکات کا سال ہو گا کیسا بابرکت والا شان ہو گا۔ تعالیٰ اللہ و جل جلالہ جمہور اہل سیر و تواریخ اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت کی ولادت شریفہ عام الفیل میں ہوئی تھی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ چالیس دن یا پچپن دن بعد یہ قول اصح ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اور بعض علماء نے اس قول پر دعویٰ اتفاق کیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ابھی اس ماہ کی دو راتیں ہی گزری تھیں اور بعض کے نزدیک آٹھ راتیں گزر چکی تھیں اور بہت سے علماء نے یہی قول

اختیار کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک دس راتیں بھی آئی ہیں۔ اور پہلا قول اشہر اور اکثر ہے۔ اور اہل مکہ کا جائے ولادت شریفہ کی زیارت اور مولود پڑھنے میں اور جو کچھ بھی اس کے آداب و اوضاع ہیں ادا کرنے میں اسی قول یعنی بارہویں رات اور پیر کے دن پر ہی عمل ہے۔ اور وحی کی ابتداء اور ہجرت مدینہ اور مدینہ میں پہنچنا اور مکہ کی فتح اور وصال شریف یہ سب پیر کے دن ہی واقع ہوئے تھے اور صبح صادق کے وقت ولادت وقوع پزیر ہوئی تھی طلوع آفتاب سے قبل اور طلوع غفر کے قریب اور وہ چاند کی منزلوں سے تین چھوٹے ستارے ہیں۔

اور مواہب لدینہ میں کہا گیا ہے کہ تمام انبیاء کی پیدائش کا وقت یہی تھا۔ اکثر اخبار طلوع فجر کے وقت پر ولادت شریف کے بارے میں آئے ہیں۔ اور دوران رات کے متعلق بھی آئے ہیں۔ نیز قرب شب کے لحاظ سے یہی طلوع فجر کا وقت ہی قابل اعتبار ہو سکتا ہے اور مواہب لدینہ میں بدر الدین زرکشی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ولادت شریف دن کے دوران ہوئی تھی۔ اور ستاروں اور کواکب و شہب کے تساقط کے واقع ہونے سے رات کو ولادت ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت و ولادت کا زمانہ ہی ظہور خوارق عادات کا زمانہ ہوتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ دن کے وقت سقوط نجوم ہو۔ واللہ اعلم۔ بعض نجومی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت مبارک کو سعد ساعات میں رکھتے ہیں اور روضۃ الاحباب میں اسے بیان کیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شرف حاصل نہیں ہے بلکہ ان سے وقت کو شرف حاصل ہوتا ہے جیسے کہ اماکن (   )۔ اور کسی مشہور باکرامت و برکت مہینہ میں جیسے کہ محرم، رجب اور رمضان ہیں ولادت شریف واقع نہ ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ جیسے کہ روایات غریب میں آیا ہے اور جیسے کہ دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اور اس روز آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اس دن میں ایک ساعت ہے کہ جو کوئی اس ساعت کے دوران دعا کرتا ہے وہ مقبول ہوتی ہے۔ لیکن وہ ساعت اس ساعت کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے جس میں سید المرسلین کی ولادت ہوئی۔ اور صاحب مواہب نے کہا ہے کہ پیر کے دن جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت کا دن ہے اللہ تعالیٰ نے عبادت کی تکلیف نہیں دی ہے جیسے کہ جمعہ کے روز ہے جس میں کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ یہ تخفیف کرامت حبیب اور کرامت ولادت شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود شریف کی کرامت امت محمدیہ پر ہے **وما ارسلنک الا رحمة للعالمین** انتہی۔ اگر ولادت شریف کے شرف و کرامت کے باعث اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت پیر کے دن (دوشنبہ) روزہ رکھا کرتے تھے اس کی وجہ آپ سے پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس روز پیدا ہوا تھا اور اس دن مجھ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا۔ رواہ مسلم۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مرظہران نامی ایک گاؤں میں جو قریب مکہ ہے اور عوام اسے وادی فاطمہ کہتے ہیں ایک راہب تھا اہل شام میں سے اس کا نام عیص تھا۔ وہ کہتا تھا کہ نزدیک ہے کہ اے اہل مکہ تم میں ایک مولود پیدا ہو جس کی تمام عرب والے اطاعت کریں گے اور وہ ملک عجم کا بھی مالک ہو جائے گا اور یہ زمانہ ان کی ولادت شریف کا ہے۔ اور مکہ میں جو کوئی بچہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ وہ راہب اس کے بارے میں پوچھتا تھا اور جب ولادت

نبوی والے دن کی صبح ہوئی عبدالمطلب اس راہب کے پاس آئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت مبارک کے بارے میں خبردی۔ تو عیص کہنے لگا کہ تم میں پیدا ہونے والا یہ بچہ وہ ہے جس کا میں نے پہلے ہی تم سے ذکر کیا تھا۔ پھر کہا کہ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔ عبدالمطلب نے کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔ تو راہب بولا۔ اللہ کی قسم میں تم میں اس مولود کی پیدائش کا منتظر تھا جسے ہم تین مخصوص علامات سے پہچانتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا ستارہ بوقت شب طلوع ہوا۔ دوسری یہ کہ اس کی پیدائش پیر کے روز ہوئی تیسری یہ کہ اس کا نام محمد ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ وہ فرماتی تھیں کہ مکہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا اور جب ولادت شریف والی وہ رات آئی۔ اس یہودی نے کہا۔ اے گروہ قریش! کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا کہ اس آخری امت کا پیغمبر ہو چکا ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامت ہے۔ وہاں پر اکٹھے بال ہیں۔ جیسے کہ گھوڑے کی گردن کے بال (عرف فرس)۔ پس لوگ یہودی کو آنحضرت کے والدہ محترمہ کے پاس لائے اور کہا کہ اپنے بیٹے کو باہر لائیں۔ پس بچہ کی پشت کو ننگا کیا گیا۔ اور یہودی نے وہ علامت دیکھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم! بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ (رواہ الحاکم)۔

اور ابو نعیم نے حسان بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت میں سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا اور میں دیکھتا ہوں اور وہ قصہ مجھے یاد ہے کہ میں یہودی کو خود سن رہا تھا کہ فریاد کرتا تھا صبح سویرے اپنی قوم سے پس وہ اس سے کہتے تھے کہ کیا ہوا ہے تجھے کہ اس طرح فریاد کر رہا ہے۔ اور ہمیں بلاتا ہے اس نے کہا۔ کہ آج ستارہ احمد طلوع ہو چکا ہے۔ کیونکہ وہ اس رات کو پیدا ہو گیا ہے۔

اور عثمان بن العاص رضی اللہ عنہما اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت شریف پر حاضر ہوئی۔ میں نے ایک نور دیکھا جس سے تمام گھر اور سرائے وغیرہ روشن ہو گئے۔ ستاروں کو میں نے دیکھا کہ زمین کے قریب ہوئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوتا تھا کہ یہ گر جائیں گے مجھ پر۔ اور تمام گھر پر انوار ہو گیا۔ اور مشہور احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ولادت کی شب میں نے ایک نور دیکھا جس سے کہ شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے انہیں خود دیکھا حلیمہ رضی اللہ عنہا سے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے والی ہے روایت آئی ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھ سے ایک شہاب (نور) نکلا۔ اس سے تمام زمین روشن ہو گئی۔ یہاں تک میں نے اس میں ملک شام کے محلات دیکھے اور مجھ سے آنحضرت صاف ستھرے پیدا ہوئے۔ ان کے ساتھ کوئی آلائش نہ تھی۔ جبکہ تمام دوسری عورتیں کے ہاں بالعموم بوقت پیدائش صریح آلائشات ہوتی ہیں اور اس ضمن میں جو دوسری حدیث آئی ہے۔ **فاخذ فی المخاض** جو دروزہ کے معانی میں ہے وہ بھی اس میں ظاہر ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں جن کا نام شفا تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ آمنہ کے ہاں جب پیدائش ہوئی تو مولود میرے ہاتھوں میں آ پڑا۔ مولود آواز کر رہا تھا۔ میں نے کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا

تھا۔ یرحمک اللہ شفا کہتی ہیں کہ مشرق و مغرب میں روشنی ہو گئی۔ حتیٰ کہ میں نے بعض محلات شام دیکھ لئے اس روشنی میں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے روم کے محلات۔ اور قصور شام والی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ شام آنحضرت کا ملک ہے۔ اور سابقہ کتب میں آیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جائے پیدائش مکہ ہے۔ ہجرت گاہ مدینہ ہے اور ملک ان کا شام ہے۔ اور اسی لئے آپ کا واقعہ اسراء (معراج) ملک شام کی طرف بیت المقدس تک ہے۔ اور ملک شام کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ پر خوف اور کپکپی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد دائیں طرف سے ایک نور پیدا ہوا اور کوئی کہنے والا کہتا تھا کہ اسے کہاں لے گئے تھے دوسرے نے اس کے جواب میں کہا اسے مغرب کی طرف لے گئے تھے۔ اور ادھر کے تمام متبرک مقامات کی سیر کرائی۔ پھر ایک بائیں جانب سے پیدا ہوا۔ اور کوئی کہنے والا کہتا تھا۔ تم اسے کہاں لے گئے تھے۔ تو دوسرا اسے کہتا تھا کہ اسے مشرق کی جانب لے گئے اور وہاں کی سب متبرک مقامات کی سیر کرائی۔ اور ابراہیم علیہ السلام خلیل کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے اپنے سینہ پر لٹایا اور اس کے لئے طہارت و برکت کی دعا کی اور حضرت شفاء کہتی ہیں کہ یہ حدیث ہمیشہ میرے دل میں رہی۔ یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث ہوئے اور میں سب سے پہلے اسلام لے آئی۔

نیز آمنہ رضی اللہ عنہا ذکر کرتی ہیں کہ مجھے ایک نداء آئی دوران خواب جب مجھے حاملہ چھ ماہ گزرے تھے۔ مجھے کہا کہ اے آمنہ تیرے پیٹ میں سب جہانوں میں سے بہترین شخصیت ہے جب تو اس کو جنے گی تو اس کا نام محمدؐ رکھنا۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھ۔ بظاہر اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نام رکھا تھا۔ اور دوسری حدیث میں آیا کہ عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافی چیز نہیں ہے۔ کما لا یخفٰی

اور آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے جب دردزہ ہوا ولادت والے دن جو کہ عورتوں کو ہوتا ہے۔ تو میں اس وقت اکیلی تھی اپنے گھر میں اور عبدالمطلب طواف کعبہ میں مصروف تھے۔ میں نے ایک عظیم آواز سنی جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندہ ہے جو اپنے بازو میرے دل پر ملتا ہے۔ تو مجھ سے خوف دور ہو گیا اور وہ درد بھی رفع ہو گیا۔ اس کے بعد کیا دیکھتی ہوں کہ میرے نزدیک سفید رنگ کا مشروب پڑا ہے۔ میں نے وہ پیا اور مجھے قرار آ گیا۔ پس میں نے ایک نور بلند دیکھا اور اپنے نزدیک بلند قامت عورتوں کو دیکھا کھجور کے درخت کی مانند جیسے کہ گویا وہ عبد مناف کی بیٹیاں ہوں۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ کہاں سے نمودار ہوئیں۔ پس ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ میں فرعون کی بیوی آسیہ ہوں دوسری نے کہا کہ میں عمران کی دختر مریم ہوں اور یہ دوسری عورتیں حوران عین ہیں اور مجھ پر یہ امر شدید ہو گیا۔ اور ہر ساعت میں ایک عظیم اور پہلی آواز سے زیادہ ڈرانے والی آواز سنتی تھی۔ اسی اثناء حال میں نے دیکھا کہ سفید ریشمی کپڑا ہے جو لمبا پھیلایا ہوا ہے۔ اور آدمیوں کو دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں چاندی کے برتن ہیں۔ اس کے بعد میں نے پرندوں کا ایک جھنڈ دیکھا کہ وہ میرے سامنے آئے اور انہوں نے میرے حجرہ کو ڈھانپ لیا۔ ان کی

چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے میری نظروں سے حجابات دور کر دیئے تھے اور میں نے زمین کے مشارق اور مغارب کو دیکھا۔ اور میں نے تین جھنڈے دیکھے۔ ایک مشرق میں تھا دوسرا مغرب میں تھا اور تیسرا جھنڈا کعبہ کی چھت لگایا ہوا تھا۔ اور مجھے دردزہ ہوا اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میں نے جنا۔ اس کے بعد میں نے اس کو سجدہ میں پڑے ہوئے دیکھا اپنی دونوں مسبحہ انگلیاں جانب آسمان اٹھائے ہوئے مانند متضرع مبتہل۔ اس کے بعد ایک سفید بادل نظر آیا۔ اس نے مولود کو پوشیدہ کر لیا۔ اسے غائب کر لیا۔ میری نظروں سے اور ایک آواز دینے والے کو میں سنتی تھی کہ کہہ رہا تھا اسے زمین کے مشارق و مغارب میں گھماؤ اور دریاؤں اور سمندروں میں چکر لگواؤ تاکہ اس کے اہل اسے نام صفت اور صورت کے لحاظ سے پہچان لیں اور جان لیں کہ اس کا نام ماحی ہے۔ جو آثار شرک کو محو کر دے گا۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رکھا تو ایک بڑا نورانی بادل دیکھا۔ اس میں سے گھوڑوں کی آوازیں اور بازوؤں کے ہلنے اور آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیتی تھی۔ حتیٰ کہ اس ابر نے بچہ کو ڈھانپ لیا اور مجھ سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ایک منادی والے کو اعلان کرتے ہوئے میں نے سنا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تمام روئے زمین پر پھیراؤ اور اسے سب روحانی مخلوق اور جن وانس اور فرشتوں اور پرند وحوش کے سامنے پیش کرو اور دکھاؤ۔ اور اسے خلق آدم، معرفت شیث، شجاعت نوح، خلت، ابراہیم، لسان اسماعیل، رضائے اسحاق، فصاحت صالح، حکمت لوط، بشری یعقوب، شدت موسیٰ، صبر ایوب، طاعت یونس، جہاد یوشع، صوت داؤد، حب دانیال، وقار الیاس، عصمت یحییٰ اور زہد عیسیٰ دے دو۔ اور اخلاق پیغمبران کے سمندر میں اسے غوطہ لگواؤ۔ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد وہ بادل چھٹ گیا۔ پس محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک سبز ریشمی کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ اور اس حریر پارہ (ریشمی کپڑا) سے چشمے کی مانند پانی ٹپکتا تھا۔ اور کہنے والا تھا۔ زہے زہے محمد کو تمام دنیاء پر پھیرا گیا ہے۔ کوئی مخلوق دنیا کی باقی نہیں رہی جو ان کے قبضہ میں مطیع و منقاد نہ ہوئی ہو اس کے بعد میں نے اس پر نظر کی تو ایسے لگتے تھے جیسے چودھویں کے چاند ہیں اور ان سے مشک اذفر کے خوشبو کی مہکیں اٹھ رہی تھیں اور تین نفر کھڑے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا برتن تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں زمرد کا چشت تھا اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید ریشم کا کپڑا تھا۔ اس کے بعد ایک مہر (خاتم) نکالی کہ دیکھنے والوں کی نظروں کو حیران کر دینے والی۔ اس کے بعد اسے سات بار دھویا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر لگا دی۔ اور آپ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹا اور اوپر اٹھایا۔ ایک ساعت اپنے بازوؤں میں رکھا۔ اور پھر میرے سپرد کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں شب ولادت کو کعبہ میں تھا۔ جب آدھی رات ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکتا ہے۔ اور سجدہ کیا۔ اور اس سے تکبیر کی آواز آئی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر رب **محمد ان مصطفیٰ الان قدطہرنی ربی من انجاس الاصنام وار جاس المشرکین۔** اور غیب سے آواز آئی کہ خدائے کعبہ کی قسم۔ کعبہ کو برگزیدہ کیا گیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ حق تعالیٰ نے کعبہ کو اس کا قبلہ بنایا ہے اور اس کا مبارک

مسکن بنایا۔ اور جو بت کعبہ میں تھے وہ پارہ پارہ ہو گئے اور بڑا بت جسے 'ہبل' کہتے تھے وہ منہ کے بل گرا ہوا تھا اور آواز آئی کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پیدا ہوئے ہیں اور اس رحمت کا نزول ہوا ہے۔

اور جان لو کہ جمہور اہل سیر کے نزدیک یہ ہے کہ آنحضرت ختنہ شدہ اور ناف بریدہ متولد ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اللہ رب العزت جل جلالہ کے نزدیک میری جملہ عزت و کرامت سے یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا۔ اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہ دیکھا اور یہ اس صورت میں پیدا ہونے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں: "تا کہ کسی مخلوق کو خلقت آنحضرت کی تکمیل میں دخل نہ ہو۔ اور تاکہ آپ میں کوئی عیب لاحق نہ ہو جائے۔ اور متاخرین میں سے بعض نے اس سے انکار کیا ہے اور اس حدیث میں انہوں نے طعن کیا ہے۔ لیکن حاکم نے مستدرک میں دعویٰ تواتر کیا ہے۔ اور ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی صحت میں کلام ہے۔ پھر یہ تواتر کیسے ہو سکتی ہے۔ اور بعض اہل سیرت نے بیان کیا ہے۔ کہ آپ کا ختنہ جبریل علیہ السلام نے کیا تھا اس وقت جب کہ آپ کا شق صدر اور تطہیر قلب مبارک ہوئی تھی۔ اور ایک قول یہ ہے عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ختنہ کیا تھا۔ اور لوگوں کو کھانا کھلایا (واللہ اعلم)۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا ختنہ سنت ہے یا کہ واجب پہلا مذہب امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور بعض شافعین کا ہے۔ اور دوسرا قول امام شافعی اور بعض مالکیوں کا ہے۔ اور آنحضرت کی ولادت کے سلسلے میں آیات و کرامات اتنی زیادہ ہیں کہ حد حصرت و احصار میں نہیں آسکتیں۔ اور جو کچھ مذکور ہوا ہے یہ ان میں سے ایک ٹکڑا ہے مشہور ترین اور ابہر و اعجب کرامت و آیت یہ ہے کہ ایوان کسریٰ لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور بعض علماء نے چودہ کے عدد میں ایک اشارہ گمان کیا ہے۔ وہ یہ کہ ان کے بادشاہ چودہ ہوئے۔ اس کے بعد چار سالوں کے اندر دس آدمی مالک ہو گئے۔ اور باقی ماندہ کے بھی مالک ہو گئے۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہا تک۔ (کذافی المواہب) اور روضۃ الاحباب میں خلافت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک لکھا ہے۔ اور ان علامات سے ایک دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا بھی ہے۔ اور اس کا پانی زیر زمین چلا گیا اور رود خانہ ساوہ جسے وادی ساوہ کہتے ہیں جاری ہو گیا۔ حالانکہ اس سے قبل اسے منقطع ہوئے ایک ہزار سال گزر چکا تھا۔ اور فارسیوں کا آتشکدہ بجھ گیا تھا۔ جو کہ گزشتہ ایک ہزار سے گرم تھا۔ کسریٰ ایران نے اس پر بڑی جزع فزع کی اور خوفزدہ ہوا۔ اگرچہ اس نے چنداں دلیری ظاہری کی اور لوگوں سے اپنے خوف کو اخفاء میں رکھا۔ اس کے شہر کے قاضی القضاۃ جسے موبدان کہتے تھے اس نے بھی خواب میں دیکھا کہ تیز اور سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے تھے اور وہ دجلہ سے گزر کر شہروں میں منتشر ہو گئے۔ موبدان نے اس کی تعبیر یہ کی کہ بلاد عرب میں کوئی حادثہ واقع ہو گا۔ جس سے کہ عرب ہلک مغلوب و منہزم ہو جائے گا۔ کسریٰ نے آدمی کاہنوں کے پاس بھیجے کہ تحقیق حال کریں۔ خصوصاً سطیح کے پاس جو کہ سب سے زیادہ کہانت کا ماہر تھا۔ اور اس کا حال بھی عجیب و غریب تھا کہتے ہیں اس کے جسم کی ہڈیاں (جوڑ) نہ تھیں اور وہ قیام و قعود پر قدرت نہ رکھتا تھا سوائے اس وقت کے جب کہ وہ غضبناک ہوتا۔ اس میں ہوا بھر جاتی تھی اور وہ اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اور

اس کے اعضاء میں کوئی ہڈی نہ تھی سوائے استخوان جمجمہ کے اور ہاتھوں کے سروں کے۔ گویا کہ وہ گوشت کے ساتھ سطح بن چکا تھا۔ جب لوگوں کی خواہش ہوتی کہ اس کو لپیٹ لیں جیسے کہ کپڑا تو اس کو لپیٹ کرلے جاتے تھے اور کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ اس کے سینہ پر تھا۔ اور اس کا سر اور گردن نہ تھے۔ اور کہتے ہیں کہ اس کی عمر تقریباً چھ سو سال تھی اور جب چاہتے کہ وہ کہانت کرے اور غیب کی خبریں دے۔ تو اس کو بلاتے تھے۔ جس طرح کہ مشک کو بلایا جاتا ہے۔ پس اس کا سانس چل پڑتا تھا اور مغیبات سے خبردیتا تھا۔ لہٰذا جب کسریٰ کے آدمی سطیح کے پاس آئے۔ سطیح سکرات موت کی حالت میں تھا۔ کسریٰ کے آدمی نے سلام کیا اور کسریٰ کی طرف سے بھی ادب بجالایا۔ اور کسریٰ کا پیغام دیا لیکن سطیح نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آدمی نے چند شعر پڑھے جو کسریٰ کے سوال اور حال پر مشتمل تھے۔ جب سطیح نے وہ شعر سنے تو ہنسا اور کہا کہ جس وقت تلاوت قرآن ظاہر ہوگی۔ اور صاحب عصاء یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ظاہر ہو جائیں گے تو سماوہ ندی جاری ہو جائے گی اور دریائے ساوہ خشک ہو جائے گا۔ اور آتشکدہ ایران بجھ جائے گا۔ اور سطیح بھی نہ رہے گا۔ اور اس سراچہ دنیاء سے اپنا رخت زندگی باندھ کر چلا جائے گا یعنی مرجائے گا۔ سطیح نے یہ کلام پورا کیا۔ اور گر پڑا اور مر گیا۔ حق تعالیٰ نے ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کی مملکت فارس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مفتوح فرمائی۔ اور یزدجرد لشکر اسلام کے سامنے سے بھاگ گیا اس کے بعد اس نے چند مرتبہ لشکر جمع کیا اور لڑائی کی شکست کھا کر خراسان کی جانب بھاگ گیا۔ اور خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسے سن 31ھ میں مرو کے مقام پر کسی دکان نے اسے مار ڈالا۔

اور ازانجملہ بتوں کا منہ کے بل گرنا بھی ہے۔ اور وہ سب نگوں سار ہو گئے۔ اور قریش کی ایک جماعت کا ایک بت تھا۔ کہ ہر سال کے اختتام پر اس بت کے گرد وہ اکٹھے ہوتے تھے۔ اور عید مناتے تھے اور اس کے سامنے معتکف ہوتے تھے۔ ایک رات انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اپنے مقام سے ہٹ کر اپنے منہ کے بل گرا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے پکڑ کر اس کے مقام پر کھڑا کیا۔ وہ پھر نگوں سار ہو گیا۔ انہوں نے پھر سیدھا کیا۔ وہ تیسری دفعہ بھی سر کے بل گر گیا۔ جب انہوں نے اس بات کا مشاہدہ کیا تو بڑے غمگین اور رنجیدہ ہوئے۔ اور اس کی جگہ پر اسے محکم کر دیا۔ انہوں نے بت کے پیٹ کے اندر سے ایک آواز سنی۔ کہ کہنے والا کہتا تھا۔ شعر۔

تروی بمولود اضاء ت بنوره
جمیع فجاج الارض بالشرق و المغرب
وخرت له الاوثان طرا و اعدت
قلوب ملوک ارض جمعا من الرعب

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شب ولادت کا ہے۔

شب میلاد محمد چہ شب انور بود

کز و زمکہ تاشام منور گردید
مکہ و شام چہ باشد کہ زمشرق تاغرب
ہمہ راگشت محیط و ہمہ جا درگردید
ہمہ آفاق زانوار منور گشتہ
ہمہ اکناف زاخلاق معطر گردید
چوں زگنجینہ اعطا بدوستش کوثر شد
دشمنش سوختہ داغ ہو الابتر گردید
عاقبت برفلک عز و علا جا دارد
ہرکہ از صدق و یقین خاک بریں درگردید
ہرگز ازہیچ سموے نہ پذیرد خشکی
ہرگیاہے کہ ز ابر کرمش تر گردید
للّٰہ الحمد کہ از دنیا و دیں حق را!
ہمہ از دولت آں شاہ میسر گردید

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دودھ نوش فرمانا۔ وصل:۔ سب سے پہلے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسم کو دودھ پلایا وہ ثوبیہ تھی۔ وہ ابولہب کی کنیز تھی۔ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متولد ہوئے۔ اس ثوبیہ نے ابولہب کو بشارت دی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند پیدا ہوا ہے۔ اس خوشی میں ابولہب نے اسے آزاد کر دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ انہیں دودھ پلائے۔ ابولہب نے جو یہ خوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارک پر کی اس کے باعث حق تعالیٰ نے ابولہب کے عذاب میں کمی فرمادی ہر سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھا لیا۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس میں میلاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنے والوں کے لئے سند ہے۔ جو کہ مل بھی خرچ کرتے ہیں۔ یعنی ابولہب جو کہ کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن پاک میں ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ اسے میلاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوشی کرنے اور ثوبیہ کا دودھ خرچ کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ نے جزا عطا فرمائی ہے۔ تو اس مسلمان کی جزا کا اندازہ فرمائیں جو آنحضرت سے محبت بھی کرتا ہے خوشی بھی مناتا ہے اور اپنا مل بھی نچھاور کرتا ہے۔ لیکن چاہیے اس مولود شریف کے انعقاد میں وہ بدعات نہ ہوں جو لوگوں نے وضع کرلی ہیں۔ مثلاً گانا' بجانا' ممنوع آلات موسیقی اور وہ امور جن کی ممانعت ہے تاکہ ان کے باعث حرماں نصیبی نہ ہو۔

اور ثوبیہ کے ایمان لانے میں علماء میں اختلاف ہے۔ بعض محدثین نے اسے صحابیات میں شمار کیا ہے۔ اور کتب سیر میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے دودھ پلانے کے باعث اس کا بڑا احترام کرتے تھے اور مدینہ مطہرہ

سے اس کے لئے ملبوسات اور انعامات بھیجا کرتے تھے اس کی وفات آٹھویں سال میں واقعہ خیبر کے بعد ہوئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب غزوہ فتح مکہ میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ کیا ثوبیہ کے خویش و اقارب سے کوئی موجود ہے۔ لیکن کوئی نہ ملا۔ (کذافی روضۃ الاحباب)۔

اور اسی ثوبیہ نے حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حمزہ رضائی بھائی ثابت ہوئے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ صرف سات روز نوش کیا تھا۔ اور چند روز ثوبیہ دودھ پلاتی رہی اور آپ کو دودھ پلانے میں جو مشہور و معروف قبیلہ تھا بہ سلسلہ اعتدال آب وہوا اور فصاحت و بلاغت۔

اور آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ فصیح عرب ہوں کیونکہ میں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں دودھ پلایا گیا ہوں۔ اور حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پلانے کا قصہ اور جو کچھ اس میں فضائل و کرامات اور معجزات واقع ہوئے وہ حد حصر و احصار سے باہر ہیں۔ ان میں مختصر طور پر کچھ قلمبند کئے جاتے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ابن اسحاق اور ابن راہویہ اور ابویعلی اور طبرانی اور بیہقی اور ابونعیم بیان کرتے ہیں حلیمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہ حلیمہ نے کہا کہ میں بنو سعد بن بکر کی عورتوں کے ساتھ دودھ پلانے کے لئے بچے طلب کرنے کے لئے مکہ میں آئی۔ اس سال قحط باراں تھا کہ آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا تھا۔ اور ہمارے پاس ایک گدھی تھی جو کمزوری کے باعث راستہ نہ چل سکتی تھی۔ اور ایک اونٹنی تھی جو دودھ کا قطرہ بھی نہ دیتی تھی۔ اور میرے ساتھ میرا بچہ اور میرا خاوند بھی تھا۔ اور تنگدستی کے باعث ہمارا یہ حال تھا کہ نہ رات کو نیند آتی تھی اور نہ دن کو چین ہوتا تھا جب میری قوم کی عورتیں مکہ پہنچیں۔ انہوں نے رضاعت کے لئے بچے لے لئے سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے۔ کیونکہ جب سنتی تھیں کہ وہ یتیم ہے تو قبول نہ کرتی تھیں۔ کوئی ایسی عورت باقی نہ رہ گئی جس نے کوئی بچہ نہ لے لیا ہو سوائے میرے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سوا کوئی اور بچہ حاصل نہ ہوا۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ واللہ مجھے گوارا نہیں کہ میں مکہ سے واپس چلی جاؤں اور کوئی بچہ اپنے ساتھ نہ لے جاؤں میں اسی یتیم بچے کی طرف جاتی ہوں اور اسے اپنے ساتھ لیجاتی ہوں۔ میں نے اس بچہ کو دیکھا کہ دودھ سے بھی سفید تر صوف کے کپڑے میں لپیٹا ہوا ہے۔ اور اس سے خوشبو آرہی ہے اور اس کے نیچے سبز حریر بچھا ہوا تھا۔ اور کمر کے بل وہ سویا ہوا تھا۔ اور خراٹے بھرتا ہے' خراٹے بھرنا دوران نیند آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔ یہاں تک کہ کبر سنی میں ایسے ہی تھا۔

پس میں نے چاہا کہ اسے بیدار کروں۔ پس میں اس کے حسن و جمال پر عاشق ہوگئی میں آہستہ سے اس کے قریب ہوئی اور اس کے سینہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور مسکرایا۔ اور میری طرف اس نے نگاہ کی اور اس کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جو آسمان تک بلند ہوا۔ اور میں وہ دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔ اور اسے اپنی گود میں لے لیا تاکہ میں اسے دودھ پلاؤں۔ اپنا دایاں پستان اس کے منہ میں ڈالا۔ اس نے وہ

دودھ پیا۔ میں نے چاہا کہ بائیں پستان کا دودھ بھی دوں۔ لیکن اس نے وہ نہ پکڑا اور نہ دودھ پیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو ابتدائے حال سے ہی عدالت کا الہام کر رکھا تھا تاکہ انصاف ملحوظ نظر رکھیں۔ اور آپ جانتے تھے کہ آپ کا ایک دودھ شریک بھی ہے یعنی حلیمہ کا بیٹا پس اس وقت سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ ایک پستان کو اپنے رضاعی بھائی کے لئے محفوظ رکھتے تھے۔ میں اس بچہ آنحضرت کو اپنی رہائش گاہ پر لے گئی۔ اور اپنے خاوند کو دکھلایا وہ آپ کے حسن و جمال سے عاشق ہو گیا۔ اور سجدہ میں گر گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی اونٹنی کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے دھن دودھ سے بھرے پڑے ہیں۔ جبکہ اس سے قبل اس کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ بھی نہ تھا۔ اس نے اس کا دودھ دوہا۔ خود بھی پیا اور میں نے بھی پیا ہم دونوں سیر ہو گئے اور بڑے خوش باش رات خیر و برکت کے ساتھ سوئے۔ جبکہ قبل ازاں ہمیں بھوک کے سبب نیند نہ آیا کرتی تھی۔ میرے زوج نے مجھے کہا۔ اے حلیمہ! تجھے خوشخبری ہو۔ کہ تجھے یہ بچہ مل گیا۔ کیا تو نہیں دیکھتی کہ اس ذات مبارک سے ہمیں کیا کیا خیر و برکت میسر ہوئی ہے؟ مجھے امید ہے کہ اس خیر و برکت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہو گا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم چند راتیں مکہ میں رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے پاس ہی رہے۔

ایک رات کو میں نے دیکھا کہ آنحضرت کے گرد ایک نور حلقہ بنائے ہوئے ہے اور ایک سبز پوشاک آدمی آپ کے سرہانے کھڑا ہے۔ پس میں نے اپنے شوہر کو جگایا۔ اور کہا کہ اٹھو اور یہ دیکھو میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ اے حلیمہ خاموش رہو۔ اور اپنی بات کو پوشیدہ رکھ کیونکہ جس روز سے یہ فرزند متولد ہوا ہے۔ یہود کے احبار کو کھانا پینا چھوٹ گیا ہے۔ اور ان کو آرام و قرار نہیں رہا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پس لوگوں نے ایک دوسرے کو الوداع کیا۔ اور میں نے بھی آمنہ رضی اللہ عنہا کو الوداع کیا اور اپنی گدھی پر سوار ہو گئی۔ اور اپنے آگے میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بٹھالیا۔ میری گدھی چست و چالاک ہو گئی۔ اور اپنی گردن اوپر اٹھائے ہوئے چل رہی تھی جب کعبہ شریف کے نزدیک پہنچی۔ تو سجدہ بجالائی۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ اور چل پڑی اور اپنی ہم قوم عورتوں کی سواریوں سے آگے نکل گئی۔ لوگ متعجب ہوئے اور میرے ساتھ آنے والی عورتیں کہنے لگیں۔ کہ اے بنت ابی ذویب۔ یہ وہی گدھی ہے۔ جس پر تو سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھی۔ اور تجھے گراتی تھی اور درست اور سیدھی راستہ بھی نہ چل سکتی تھی۔ پس میں نے کہا خدا کی قسم یہ وہی گدھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرزند کی برکت سے اسے طاقتور بنا دیا ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ اللہ کی قسم۔ یہ تو عظیم شان ہے۔ حلیمہ نے کہا کہ میں اپنی گدھی کی آواز سنتی ہوں۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اللہ کی قسم۔ میری بہت بڑی شان ہے میں مردہ صورت ہو چکی تھی مجھے زندہ کر دیا۔ میں لاغر تھی مجھے فربہ کر دیا۔ اے بنی سعد کی عورتو! تم پر تعجب ہے کہ تم غفلت میں پڑی ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میری پشت پر کون سوار ہے۔ میری پیٹھ پر سوار سید المرسلین' خیر الاولین و آخرین اور حبیب رب العالمین ہے۔ اور راستہ جاتے ہوئے مجھے دائیں جانب جانب سے اور آوازیں آتی تھیں کہ اے حلیمہ تو غنی ہو گئی ہے۔ اور بنی سعد کی سب عورتوں سے افضل ہو گئی ہے اور جس بھیڑوں کے ریوڑ پر سے میرا گزر ہوتا وہ بھیڑیں مجھ سے

کہتی تھیں کہ اے حلیمہ! کیا تو جانتی ہے کہ جس کو دودھ پلاتی ہے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور زمین و آسمان کے پروردگار کا رسول ہے۔ اور تمام فرزندان آدم میں سے بہترین ہے۔ اور راستے میں ہم جس منزل پر بھی اترے تھے اللہ تعالیٰ اسے سرسبز و شاداب کر دیتا تھا باوجود اس امر کے قحط سالی تھی۔ اور جب ہم اپنے بنو سعد قبیلہ کے گھروں میں پہنچے۔ دیکھا کہ کوئی بھی زمین اس سے زیادہ ویران اور خشک تر نہ تھی اور میری بھیڑ بکریاں چراگاہ میں جاتی تھیں اور شام کو سیر و سیراب اور دودھ سے لدی ہوئی آتی تھیں ہم ان کا دودھ دوہ لیتے تھے اور پی لیتے تھے۔ اور میری قوم اپنے چرواہوں کو کہتی تھی کہ تم اس چراگاہ میں کیوں نہیں چراتے جس میں بنت ابی ذویب کے چرواہے چراتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ برکات و خیرات ہمارے گھر میں کہاں سے آئی تھیں یہ برکت و نشاط چراگاہ غیب اور   سے ہیں پس قوم کے چرواہے ہمارے چرواہوں کے ساتھ چرانے لگے۔ پروردگار تعالیٰ نے ان کے اموال میں اور بکریوں میں بھی خیر و برکت پیدا فرمادی جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قبیلہ میں رہے تمام خیرات و برکات ہمارے شامل حال رہیں اور میں یہ تمام کچھ آنحضرت کے وجود شریف کی برکت سے جانتی تھی۔

حلیمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آنحضرت باتیں کرنے لگے میں نے سنا کہ آپ کہتے تھے **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر الحمد رب العالمین وسبحان اللّٰہ بکرۃً میلا** اور میں سنتی تھی کہ آپ بوقت شب اپنے دل میں فرماتے تھے۔ **لا الہ الا اللّٰہ قدوسا ناصت العیون والرحمٰن لا تاخذہ سنۃ ولا نوم**

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھولے میں ہوتے ہوئے چاند سے باتیں کرنا اور چاند کی جانب اشارے کرنا اور چاند کا اسی طرف ہو جانا جدھر اشارہ فرماتے تھے اور فرشتوں کا آپ کے گہوارہ کو حرکت دینا معجزات میں مذکور ہے اور حلیمہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت اپنے کپڑوں میں پیشاب و پاخانہ ہرگز نہ کرتے تھے جیسے کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ اور روز معین وقت پر بول و براز کرتے تھے۔ ہرگاہ کہ میں کوشش کرتی تھی کہ آپ کے منہ مبارک پر سے دودھ وغیرہ صاف کر دوں یا دھوؤں۔ غیب سے ہی مجھ سے پہلے یہ کام کر دیا جاتا تھا۔ اگر شرمگاہ ننگی ہو جاتی تو آپ حرکت کرتے اور فریاد کرتے جب تک میں دوبارہ پردہ دے دیتی تھی۔ اور اگر لباس پہنانے میں میں تاخیر کرتی تو غیب سے پہنا دیا جاتا تھا۔ اور جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو چھوٹے بچے کھیلنے کے لئے آتے لیکن یہ ان سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔ اور ان کو کھیلنے سے منع کرتے تھے کہ اور فرماتے تھے ہمیں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔

اسی کی مانند حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو بعض قصوں اور کہانیوں میں آیا ہے کہ آنحضرت لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ یہ روایت اسے رد کرتی ہے اور کتاب کے شروع میں اس بارے میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس طرح پرورش پارہے تھے کہ جس کی دوسرے بچوں کے ساتھ کوئی نسبت و مماثلت نہ تھی۔ آپ ایک دن میں اس قدر نشوونما پاتے کہ دوسرے جس قدر ایک ماہ میں پاتے ہیں۔ اور ایک ماہ میں اتنا بڑھتے جتنا دوسرے ایک سال میں۔ اور ہر روز آفتاب کی مانند ایک نور نیچے

اترتا تھا اور آپ کو ڈھانپ لیتا تھا اور واپس چلا جاتا تھا۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ ہر روز دو سفید رنگ کے پرندے اور ایک روایت کے مطابق آدمی سفید لباس پہنے آتے تھے اور آنحضرت کے گریبان میں گھس جاتے تھے۔ اور غائب ہو جاتے تھے۔ آپ رویانہ کرتے تھے نہ بدخلقی کرتے تھے۔ ہمیشہ دائیں ہاتھ سے شروع کرتے تھے۔ اور جس چیز پر ہاتھ رکھتے۔ پہلے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اور میں آنحضرت کی ہیبت کے باعث اپنے شوہر کو اپنے پاس نہ آنے دیتی تھی۔ یہاں تک کہ دو سال گزر گئے۔

اور حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کو کسی دور جگہ پر ہرگز نہ جانے دیتی تھی ایک دن میں نے غفلت کی تو آپ شیما کے ساتھ چلے گئے جو آپ کی رضاعی بہن تھی اور تھی۔ دن گرمی کا تھا میں آپ کی تلاش میں باہر آئی پس میں نے آپ کو شیما کے ہمراہ پایا تو میں نے شیما سے کہا کہ تو ان کو گرم ہوا میں کیوں لائی ہے۔ اس نے کہا کہ ان کو گرمی نہیں لگی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ایک بادل آپ کے سر اقدس پر سایہ کئے رہتا تھا اور جس طرف یہ جاتے تھے وہ بھی ساتھ ساتھ جاتا تھا حتیٰ کہ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ **الحدیث**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت پر بادل کا سایہ کرنا آپ کے بچپن سے ہی چلا آتا تھا۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ بات دائمی نہ تھی کہ ہر وقت بادل آپ کے سر پر سایہ کئے نہ رہتا تھا۔ ایسا صرف اس وقت ہوتا تھا جبکہ اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شق صدر شریف اور غسل دیئے جانے کا واقعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حلیمہ کے پاس قیام کے دوران کا واقعہ ہے۔

وہ یوں ہوا کہ ایک دن آپ نے حلیمہ سے فرمایا کہ اے امی! تو مجھے میرے بھائیوں کے ساتھ جو کہ باہر چراگاہ میں جاتے ہیں کیوں نہیں بھیجتی کہ میں بھی سیر کر آؤں اور تمہاری بکریاں چراؤں۔ پس حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کے بالوں کو کنگھی کی۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ کپڑے پہنائے اور اس لئے کہ آپ کو نظر بد نہ لگے آپ کے گلے میں جزع یمانی آویزاں کیا۔ آنحضرت نے وہ توڑ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا میرا پروردگار ہی کافی نگہبان ہے۔ آنحضرت اپنے بھائیوں کے ساتھ باہر چلے گئے اور بکریاں چرانے لگے۔ جب آدھا دن گزر گیا۔ حلیمہ نے دیکھا کہ اس کا فرزند ضمرہ بھاگا بھاگا آرہا ہے اور روتا اور چلاتا ہے یا اماں! یا اماں! یا اباجان! یا اباجان! اپنے بیٹے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا پتہ کرو کیونکہ تین شخص اسے پہاڑ کے اوپر لے گئے اور اس کا سینہ چاک کیا۔ اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا حال گزرا۔ پس حلیمہ اور اس کا شوہر بھاگے۔ جب آنحضرت کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ نے ہمیں دیکھا تو تبسم فرمایا۔ آنحضور کی میں نے سر آنکھیں چومیں۔ اور پوچھا کہ تجھ پر ہماری جانیں قربان ہیں۔ کیا واقعہ پیش آیا۔ پس آنحضرت نے وہ سارا قصہ بیان فرمایا۔ یہ قصہ احادیث نبوی کی کتب میں کچھ اختلاف عبارت کے ساتھ مندرج ہے۔

ابو نعیم اور عساکر نے حدیث شداء بن اوس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں بنی لیث بن بکر کے قبیلہ میں دودھ پیتا تھا جبکہ ایک روز میں اپنے ساتھی بچوں کے ساتھ وادی میں تھا کہ اچانک میں نے تین آدمی دیکھے جن کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا اور برف سے بھرا ہوا تھا اور ایک روایت کے مطابق ہے کہ ایک

کے ہاتھ میں چاندی کا برتن تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا جو برف سے پر تھا۔ انہوں نے مجھے میرے دوستوں میں سے پکڑ لیا۔ میرے دوست بھاگے بھاگے اپنے محلہ میں آئے۔ ان تین آدمیوں میں سے ایک نے مجھے نرمی سے زمین پر لٹایا۔ اور میرے سینہ کو اوپر سے ناف تک چیرا۔ میں یہ سب حال دیکھ رہا تھا۔ اور اس سے مجھے کوئی درد وغیرہ نہ ہوا۔ اس کے بعد باہر نکالا۔ اور اسے اس برف کے ساتھ دھویا اور اچھی طرح دھویا۔ پھر اسے اس کے مقام پر رکھ دیا۔ پھر دوسرا آدمی اٹھا اور اس نے پہلے سے کہا کہ تم اب ایک طرف ہو جاؤ۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ میرے سینے میں ڈالا۔ اور میرا قلب باہر نکالا اور میں اس کی طرف دیکھتا تھا۔ پھر اس نے اسے چیرا۔ اور اس میں سے گوشت کا سیاہ ٹکڑا نکالا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سیاہ نکتہ۔ اور اسے پھینک دیا۔ اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا اور قلب کو اس چیز کے ساتھ پر کر دیا جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ اور ایک روایت میں اس سے تعبیر "سکینہ" کی گئی ہے۔ (اطمینان)۔ پھر اس نے دائیں اور بائیں ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا گویا کہ کوئی چیز پکڑتا تھا۔ ناگاہ اس نے نور کی ایک مہر پکڑی جسے دیکھ کر آنکھیں حیران ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے ساتھ میرے دل پر مہر لگا دی۔ پھر میرا دل نور کے ساتھ بھر گیا اور وہ نبوت و حکمت کا نور تھا۔ پھر دل اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس مہر کی ٹھنڈک اور خوشگواری ایک زمانے تک میں محسوس کرتا رہا۔ اور مواہب لدنیہ کی عبارت اس طرح ہے۔ کہ فرمایا۔ **فجدت برد ذالک الخاتم فی صددی** اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس کی خوشی اور خنکی میں اب تک اپنے اعصاب اور مفاصل میں پاتا ہوں۔ اور ظاہر یوں ہوتا ہے کہ اس برودت کا وجدان تمام عمر رہا۔ واللہ اعلم۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب میرا پائی سے دھویا۔ تو دوسرے آدمی سے کہتا تھا۔ کہ برف کا ٹھنڈا پانی لاؤ۔ پس دونوں پانیوں سے مجھے دھویا۔ اور یہ روایت مناسب ہے۔ کیونکہ دعائے ماثورہ میں آیا ہے۔ **اللھم اغسل عنی خطایا بماء اثلجم والبرد** اور دوسری روایت میں ہے۔ **بالماء الثلج والبرد** اور اس غسل کا مقصد طہارت کی مختلف انواع تھیں۔ پس دوسرے نے کہا۔ کہ آپ نے اپنا کام ختم کر لیا ہے۔ آپ ہٹ جائیں پھر میرے سینہ پر منتہائے عانہ تک اپنا ہاتھ پھیرا۔ اور وہ شگاف برابر ہو گیا۔ پھر نرمی سے مجھے اٹھایا۔ اور اپنے سینوں سے مجھے لگایا اور میری دونوں آنکھوں کے مابین بوسہ دیا۔ اور کہنے لگے کہ اے خدا کے دوست مت ڈرو اگر تو تمہاری آنکھیں خیر سے روشن ہوں اور تو خوش رہے۔ پھر مجھے اسی جگہ چھوڑ دیا اور وہ اڑ گئے۔ اور آسمان میں داخل ہو گئے۔ اور مجھے اس میں نظر آتے ہیں۔

اور حدیث انس رضی اللہ عنہ میں حلیہ شریف کے بیان میں آیا ہے۔ کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سینہ اور شکم مبارک پر ایک باریک اور لمبی لکیر کی صورت میں اس کا نقش اور نشان دیکھتے تھے۔

اور علماء نے فرمایا ہے کہ غسل قلب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام انبیاء کے لئے عام ہے۔ کیونکہ ان میں سے شیطان کا حصہ نکلا ہوا ہے۔ اور معلوم رہنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر صرف بچپن میں ہی نہ ہوا تھا جب وہ حلیمہ کے پاس تھے بلکہ یہ متعدد بار ہوا ہے ان میں سے ایک اس وقت ہوا اور دوسرا اس وقت ہوا جب آپ چھ سال کے تھے۔ اور دسویں سال میں بھی مروی ہوا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں

ثابت ہو چکا ہے کہ شب معراج میں بھی واقع ہوا تھا اور بعض علماء نے ان تمام کو ایک رسالہ میں مجموعاً ذکر کیا ہے اور ہم نے یہ شرح مشکوۃ میں اور اس کتاب کے شروع میں بھی اس کا ذکر کر دیا ہے۔ اور مہر نبوت کا بھی سابقاً ذکر ہو چکا ہے۔

حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے شق صدر کا قضیہ واقع ہونے کے بعد میرا شوہر اور دوسرے آدمی مجھ سے کہنے لگے کہ بہتر ہے کہ اس فرزند کو اس کی والدہ اور والد کے پاس پہنچا دے قبل اس کے کہ اسے کوئی آسیب پہنچے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ پس میں نے انہیں لیا اور مکہ کی جانب روانہ ہوئی۔ جب میں مکہ کے گردو نواح میں پہنچی تو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو ایک جگہ پر بٹھایا تاکہ میں قضائے حاجت کرلوں۔ جب میں واپس آئی تو اسے نہ پایا۔ ہر چند آپ کا کوئی نشان ڈھونڈنے لگی لیکن کوئی علامت نہ پائی جب میں ناامید ہوگئی تو سر پر ہاتھ رکھ کر میں نے پکارا۔ **وامحمداہ واولداہ** اچانک دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں لاٹھی پکڑے میرے نزدیک آیا۔ اور کہا اے سعدیہ! کیا ہوا ہے تجھے کہ تو اس طرح آہ و پکار کرتی ہے۔ میں نے کہا کہ محمد بن عبد المطلب کو ایک مدت تک میں نے دودھ پلایا تھا۔ اب انہیں لائی تھی کہ اس کی ماں کے سپرد کروں۔ وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ گریہ نہ کر۔ اور غم نہ کھا میں تجھے اس کا پتہ دیتا ہوں جو جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو اسے تجھ تک پہنچا بھی سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ میری جان تجھ پر فدا ہو۔ وہ کون ہے اس نے کہا کہ بزرگ بت ہبل ہے جو عالی قدر ہے اور جانتا ہے کہ تیرا فرزند کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ تم پر صد افسوس۔ کیا تو نے نہ دیکھا تھا کہ اس کی پیدائش کی رات بتوں پر کیا گزری تھی اور کیا تم نے سنا بھی تھا؟ یہ سب شکستہ اور سرنگوں ہو گئے تھے۔ وہ مجھے زبردستی ہبل کے پاس لے گیا اور اس نے اس کے گرد طواف کیا۔ اور میرا قصہ عرض کیا۔ ہبل منہ کے بل گر پڑا۔ اور بت بھی گر گئے۔ اور ان کے اندر سے آواز نکلی۔ کہ اے بوڑھے یہاں سے دور چلا جا اور اس بچے کا نام ہمارے سامنے مت لے۔ کیونکہ ہماری اور دیگر تمام بتوں کی نیز بت پرستوں کی ہلاکت اس کے ہاتھ پر ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ اسے ضائع نہ ہونے دے گا اور وہ ہر حال میں اس کا نگہبان ہے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ پھر میں عبد المطلب کے پاس آئی۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو کہا اے حلیمہ تجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے پریشان دیکھ رہا ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بھی تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ میں نے کہا اے ابو حارث! محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو میں ساتھ لائی تھی بڑی اچھی صورت میں۔ جب مکہ میں پہنچی اسے ایک جگہ پر بٹھایا کہ قضائے حاجت کرلوں۔ وہ مجھ سے غائب ہو گیا ہے۔ بہتیرا ڈھونڈا ہے مگر کوئی اس کی خبر نہیں ملی۔ پس عبد المطلب صفا پہاڑ پر آئے اور اہل قریش کو آواز دی۔ یا آل غالب! پس سب قریش یہ سن کر اس کے پاس جمع ہو گئے اور عبد المطلب سے کہنے لگے کہ اے سردار! تجھے کیا مشکل پیش آئی ہے۔ آپ نے کہا کہ میرا بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) گم ہو گیا ہے۔ پس عبد المطلب اور دیگر سب قریش سوار ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ علاقہ مکہ کے تمام نشیب و فراز ڈھونڈ مارے۔ لیکن آپ کو نہ پایا۔ پس عبد المطلب مسجد حرام کے اندر گئے۔ طواف کعبہ کیا۔ اور اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کی۔ پس آپ کو غیب سے آواز آئی کہ اے لوگو! غم نہ کرو

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس نے کہا کہ وادی تہامہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ عبدالمطلب وادی تہامہ کے جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں ورقہ بن نوفل ان سے ملے وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ حتی کہ وادی تہامہ میں پہنچے۔ آنحضرت کو دیکھا کہ کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھے ہیں اور اس کے پتے چن رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا کہ اے لڑکے تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ عبدالمطلب نے کہا میری جان تم پر قربان میں تمہارا دادا ہوں عبدالمطلب۔ پس آپ کو اپنے آگے سواری پر بٹھایا اور مکہ میں لے آئے۔ اس خوشی میں بہت سا سونا اور اونٹ بے شمار آپ نے صدقہ میں تقسیم کئے۔ اور حلیمہ رضی اللہ عنہا کو انواع و اقسام انعامات دئے اور اس پر بہت سے احسانات فرمائے۔ اور اسے واپس قبیلہ بنو سعد میں بھیج دیا۔ یہ قصہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گم ہونے کا بعد اس کے کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا مکہ لائیں۔ اور خدا تعالٰی ہی جانتا ہے کہ اس میں کیا راز تھا۔ اور بعض مفسرین کرام نے آیہ کریمہ **ووجدک ضالا فھدی** کی تفسیر بھی یہی کی ہے۔

اور شق صدر کا واقعہ آنحضرت کو حلیمہ کے مکہ میں واپس لانے سے پیشتر کا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کو آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں مکہ میں لائی۔ اور چونکہ حلیمہ نے آنحضرت کی اپنے پاس موجودگی میں بڑی خیر و برکت دیکھی تھی لہٰذا اسے یہ خواہش تھی کہ کچھ عرصہ اور اس کے پاس رہیں۔ آمنہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے مکہ میں پھیلی ہوئی وباء سے اندیشہ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو واپس اپنے قبیلہ میں لے جاؤں۔ آمنہ اس پر راضی ہو گئیں۔ اور حلیمہ آپ کو واپس اپنے قبیلہ میں لے گئیں آپ بنو سعد میں مزید دو سال یا تین سال رہے۔ اور اسی دوران شق صدر واقع ہوا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال۔

حلیمہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں لانے اور آپ کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کرنے کے بعد ام ایمن جو حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی کنیز تھیں اور آنحضرت کو ورثہ میں ملی تھیں آپ کی حفاظت و خدمت بجا لاتی تھیں مواہب الدینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمن کی نگہداشت میں آپ والدہ محترمہ کی وفات کے بعد آئے تھے' جب صبح ہوتی تھی تو ایک بار آپ زم زم پی لیتے تھے۔ اور رات ہونے تک کوئی چیز طلب نہ کرتے تھے۔ اکثر دفعہ آپ کے سامنے دوپہر کا کھانا پیش کیا جاتا تو آپ فرماتے مجھے کھانے کی طلب نہیں۔

xx

باب دوم

آنحضرت کی کفالت بدست عبدالمطلب میں اور وفات عبدالمطلب' ابوطالب کی اعانت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان کے ساتھ سفر کرنا بجانب شام اور بحیرا کا آپ کی نبوت شناخت کر لینا علامات سے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ترویج۔ کعبہ شریف کی تعمیر کا ذکر وغیرہ میں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر مبارک چار سال یا پانچ سال یا چھ سال یا آٹھ سال ہوئی اور بعض بارہ سال کہتے ہیں اور تمام اقوال میں اصح قول یہ ہے کہ چھ یا سات سال تو آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کو ام ایمن کے ہمراہ مدینہ شریف میں بنو النجار میں ان کے والد کے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے لے گئیں۔ وہاں پر ایک دو ماہ رہے اس کے بعد واپس مکہ کو روانہ ہوئے۔ جب ابواء کے مقام پر جو مدینہ شریف کے قریب ہے۔ پہنچے تو آمنہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی۔ اور ان کو اسی جگہ ان کو دفن کر دیا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر مکہ میں جانب معلٰی حجون میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابواء کے مقام پر دفن کے بعد مکہ میں منتقل کیا گیا ہو گا۔ اور اس احتمال میں بھی بعد پایا جاتا ہے۔ مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہ امور یاد کیا کرتے تھے جو اپنی والدہ کے ہمراہ مدینہ کے قیام کے دوران دیکھے تھے۔ اور جب اس سرائے کو دیکھا تو کہتے تھے اس مقام پر میری والدہ نے نزول فرمایا تھا۔ اور یہودیوں کی ایک جماعت جو وہاں پر آیا جایا کرتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ امت کا پیغمبر تھا۔ اور یہ اس کا دار ہجرت (ہجرت کی جگہ) ہے مجھے وہ یاد ہے۔

اور ابو نعیم نے زہری کے طریق سے روایت کیا ہے اسماء بنت رہم سے کہ انہوں نے کہا کہ میں آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چھوٹے تھے ابھی پانچ سال کے۔ اور آمنہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب آپ کے کفیل اور تربیت دینے والے ہوئے یہاں تک کہ تمام فرزندوں سے بڑھ کر آپ سے پیار کرتے تھے اور آپ کو بڑے معزز و مکرم رکھتے تھے اور آپ کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم عبدالمطلب کے پاس ہمہ اوقات یعنی خلوت و جلوت میں آتے جاتے تھے اور ان کی مسند پر بیٹھ جاتے تھے۔ اور جب عبدالمطلب کے بعض خواص ادب کے لحاظ سے آنحضرت کو اس سے منع کرنا چاہتے تو عبدالمطلب کہتے تھے کہ میرے بیٹے کو میری مسند پر بیٹھنے دو۔ اس کے دل میں شرف و بزرگی کا احساس ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ یہ شرف کے ایسے مرتبہ پر پہنچیں گے کہ عرب میں اس سے پہلے اس مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچا۔ نہ ہی ان کے بعد کوئی اس مرتبہ کو پائے گا۔

اور اہل قیافہ عبدالمطلب کو کہا کرتے تھے کہ اس فرزند کی اچھی طرح نگہداشت کرو۔ اور اس کی حفاظت کرو۔ کیونکہ ہم نے کسی کے قدم کو آج تک نہیں دیکھا جو مقام ابراہیم پر موجود نقش قدم کے ساتھ اس (آنحضرت) کے قدم سے زیادہ مشابہت رکھنے والا ہو۔ اور اس سال عبدالمطلب دیگر اشراف قریش کے ساتھ سیف ذی یزن کی تہنیت کے سلسلہ میں ملک شام کی طرف گئے اور اس نے عبدالمطلب کو یہ بشارت دی کہ تمہاری نسل سے پیغمبر آخرالزمان ظاہر ہوں گے۔ جیسے کہ یہ قصہ آنحضرتؐ کے فضائل کے باب میں سابقہ امتوں کے آنحضرت کے متعلق خبر دینے کے بارے میں گزر چکا ہے۔ اور عبدالمطلب نے وہاں سے واپس آجانے کے بعد دیکھا کہ قریش میں قحط پڑ گیا ہے جو چند سال جاری رہا۔ تو ہاتف غیبی کے اشارے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عبدالمطلب نے دعائے استسقاء کی۔ ان کو اپنے کندھے پر بٹھا کر کوہ ابی قبیس پر لے گئے اور بارش کے لئے دعا کی۔ تو بڑی بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ گزشتہ سالہا قحط کی کمی کو پورا کر دیا۔ اور جب عبدالمطلب نے وصال پایا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دو سال یا ایک سو دس سال اور ایک سو بیس سال تھی اور ایک روایت کے مطابق ایک سو چالیس سال تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب کے سپرد کی۔ حالانکہ زبیر بن عبدالمطلب بھی آنحضرت کے چچا ہی تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ اور ابو طالب کے درمیان زیادہ محبت و ربط تھا۔ اور عبدالمطلب نے ابو طالب کو وصیت فرمائی تھی کہ آنحضرت کی محافظت نہایت درجہ بجالائیں۔ اس بارے میں ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبدالمطلب کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے اور نو اور دس اور چھ سال بھی کہا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اختیار دے دیا تھا کہ اپنے چچاؤں میں سے جس کی کفالت چاہیں اختیار کرلیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کو اختیار کیا اور ابو طالب نے نہایت عمدہ و احسن طریق سے آپ کی کفالت کی قبل از ظہور نبوت۔ اور بعد از نبوت بھی آنحضرت کو مقدم رکھتے تھے اور ان کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور ان کو اپنے ساتھ سلایا کرتے تھے۔ اور گھر باہر ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ابو طالب نے بہت سے اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ بیت۔

- وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود وهذا محمد

اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہا نے اس پر تضمین کی ہے۔ اور کہا شعر۔

- الم تر ان الله ارسل عبده بآياته والله اعلى وامجد
و شق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود وهذا محمد

(کذافی روضۃ الاحباب)

اور کفالت ابو طالب کے دوران بھی مکہ میں قحط سالی تھی اور ابن عساکر نے غروط سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مکہ میں میں آیا تو وہاں قحط تھا۔ بہت بڑا قحط۔ پس قریش ابو طالب کے پاس آئے۔ اور ابو طالب برائے دعا استسقاء باہر نکلے۔ اس وقت ان کے گرد قریشیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ان میں ایک

بچہ آفتاب کی طرح روشن و تاباں بچہ تھا۔ جیسے کہ آفتاب کے چہرہ سے بادل کا ٹکڑا دور ہٹ جائے۔ پس ابوطالب نے اسے لیا۔ اس کی پشت کعبہ کے ساتھ لگادی۔ پس اس بچہ نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ جبکہ حال یہ تھا کہ آسمان پر بادل کا نام و نشان نہ تھا۔ پس چاروں طرف سے بادل الڈ آئے اور اکٹھے ہو گئے اور برسنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ندی بہنے لگی۔ اور وادی پر ہو گئی پانی کے ساتھ اور اس ضمن میں ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قصیدہ کہا ہے۔ شعر۔

وابیض یستسقی انعمام بوجه شمال التیامی عصمه للارامل

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدح میں کہے گئے ابوطالب کے قصیدہ میں سے یہ ایک شعر ہے اور محمد بن اسحاق نے اس قصیدہ کو اسی اشعار پر مشتمل ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ اشعار اس وقت کہے جب قریش نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اجتماع کیا اور جب کوئی آدمی آپ کا دین قبول کرنے کا ارادہ کرتا اس کو یہ متنفر کرتے۔ ان اشعار میں قریش کی اور ان کی آپ سے عداوت و انکار کی مذمت اور ہجو کی گئی ہے۔ اور ترغیب دی گئی ہے کہ آنحضرت کی اطاعت کی جائے اور ان کا دین (اسلام) قبول کیا جائے۔ اور ابن التین نے کہا ہے کہ ان اشعار میں دلالت پائی جاتی ہے کہ ابوطالب آنحضرت کی نبوت کو جانتے تھے آنحضرت کی بعثت سے قبل بحیرہ راہب کے خبر دینے سے۔ جس کا اصل نام جرجلیس تھا۔ اس نے اور اس کے علاوہ دوسروں نے جو خبریں آنحضرت کی شان کے بارے میں دی تھیں۔

اور شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ ابو طالب کا یہ شعر بعد از بعثت نبوی کا ہے اور ابوطالب کے آنحضرت کی نبوت سے واقف ہونے کے بارے میں بہت سی اخبار میں آیا ہے اور انہی سے شیعہ حضرات نے ابوطالب کے ایمان و اسلام کی دلیل لی ہے اور کہا ہے کہ میں نے علی بن حمزہ نصری کو دیکھا اور وہ کتاب بھی جس میں اس نے ابوطالب کے اشعار کو جمع کیا ہے اور یہ گمان کیا تھا اس نے کہ ابوطالب مسلمان تھے اور اسلام پر فوت ہوئے تھے۔

اور حشویہ کا گمان ہے کہ وہ کافر ہی فوت ہوئے تھے۔ اور ایک چیز پر اپنے دعوئی کی بنا رکھی ہے۔ جس میں کہ اس امر پر کوئی دلالت نہ ہے۔ انتہی کلام ابن حجر۔

اور علماء حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ ابوطالب کے عدم قبول اسلام پر دلائل رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابوطالب کی وفات کے وقت ان کے سرہانے جا بیٹھے اور ان کو دعوت اسلام دی۔ لیکن ان کی طرف سے اجابت و قبولیت واقع نہ ہوئی۔ نیز وہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سر ان کے قریب کیا۔ اور ان کو کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بتایا۔ اور کہا یا رسول اللہ! آپ کے چچا اسلام لے آئے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خوش ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ اور بارہویں سال آپ نے ملک شام کی طرف سفر کیا۔ جب آپ بصریٰ پہنچے۔ جو کہ شام کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اور اس سفر کے دوران بحیرا راہب کا قصہ ہے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آخر الزماں پیغمبر ہونے کی صفات تورات و انجیل اور دوسری آسمانی کتب

میں پڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے آپ کو پہچان لیا۔ یہ بحیرا راہب نصاریٰ کے احبار میں سے تھا۔ اور زاہد و تقویٰ جیسی صفات میں ممتاز تھا۔ بصریٰ کے نزدیک ایک بستی میں اس نے خانقاہ بنائی ہوئی تھی۔ عرصہ دراز گزر چکا تھا کہ یہ راہب پیغمبر آخر الزمان کی زیارت کرنے کے انتظار میں وہاں بیٹھا اپنی زندگی گزار رہا تھا۔ جب اس راہ سے قریش کا قافلہ گزرتا تھا اور وہاں قیام کرتا تھا۔ بحیرا راہب اپنی خانقاہ میں چلا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ قافلہ قریش آیا تو بحیرا راہب نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا ان پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ جب آنحضرت ابو طالب کے ساتھ ایک درخت کے نیچے آئے اور بیٹھ گئے وہ بادل اس درخت کے اوپر آکر ٹھہر گیا۔ بحیرا یہ حال دیکھ کر متحیر و متعجب ہو کر رہ گیا۔ پس بحیرا نے ان کے لئے ضیافت کا انتظار کیا۔ اور اہل قافلہ کو طلب کیا۔ ابو طالب نے آنحضرت کو وہیں چھوڑا اور خود قافلہ والوں کے ساتھ آگیا۔ بحیر راہب نے جب ان کی منزل گاہ کی طرف دیکھا تو بادل کا ٹکڑا بھی وہیں کھڑا تھا درخت کے اوپر۔ بحیرا نے پوچھا کیا تم میں سے کوئی شخص ہے جو یہاں نہیں آیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بلالیا گیا اور وہ بادل بھی آنجناب کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے ساتھ آگیا۔

اور روایات میں آیا ہے کہ جب قافلہ عقبہ جل آیا تو بحیرا راہب نے ہر درخت اور روڑے کو یہ کہتے سنا۔ **السلام علیک یا رسول اللہ** اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی اسی ہیئت میں جس میں کہ اس نے کتب سماویہ میں پڑھا تھا۔ اور اس کو چوم لیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بحیرا ایمان لایا۔ اور آپ کی تصدیق کی۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پس بحیرا راہب ان لوگوں میں سے ایک ہے۔ جو آنجناب پر قبل از نبوت ایمان لائے تھے۔ جیسے قصہ اصحاب القریہ میں حبیب نجار وغیرہ ہیں اور ابن مندہ اور ابو نعیم نے اس کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور یہ اس قول پر مبنی ہے جو صحابی کی تعریف میں معتبر روایت ہوا ہے۔ اگرچہ قبل از نبوت ہی ہو۔ اور مذہب مختار اس کے خلاف ہے اور اس لحاظ سے تو ورقہ بن نوفل اقرب ہے۔ صحابی کے نام کے اطلاق میں۔ کیونکہ وہ مبادی نبوت میں تھا۔ اور اس بارے میں تحقیق دوسرے مقام پر ہے۔ اور اس سفر کے دوران روم سے سات اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لئے نکلے ہوئے تھے۔

بحیرا راہب نے قافلہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے واضح دلائل کی طرف اشارہ کردیا اور کہا کہ یہ بچہ وہ شخص ہے جس کے اوصاف تم نے تورات وانجیل اور زبور میں پڑھے ہیں اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی امر چاہتا ہے تو کوئی شخص اسے بدل نہیں سکتا۔ اور علماء سے منقول ہے کہ بحیرا نے ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت کے لئے ہدایت کی یہود و نصاریٰ سے۔ کیونکہ یہ بچہ پیغمبر آخر الزمان ہوگا۔ اور اس کا دین سب دیگر دینوں کو منسوخ کردے گا۔ اسے شام مت لے جاؤ۔ کیونکہ یہودی اس کے دشمن ہیں۔ پس ابو طالب نے اپنا سامان تجارت بصریٰ ہی میں فروخت کردیا اور مکہ کو واپس چلے گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جماعت کے ساتھ واپس مکہ بھیج دیا۔ اور خود شام کی طرف چلے گئے۔ اور یہ ایک مشہور قصہ ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا

ہے۔ اور حاکم نے اسے کہا ہے سوائے اس کے کہ بعض طرق میں یہ واقع ہوا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہا نے بلال رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ مکہ کو بھیجا اور یہ درست نہیں ہے کیونکہ ابوبکر اس سفر میں آنحضرت کے ہمراہ نہ تھے اور نہ ہی بلال کو ابھی تک خریدا تھا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے چھوٹے تھے دو سال عمر میں۔ اور آنحضرت کی عمر بارہ سال تھی۔ اور شیخ ابن حجر رحمتہ اللہ نے اصابہ میں کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس میں سوائے اس لفظ کے کوئی منکر نہیں ہے۔ پس یہ مدرج اور منقطع محمول کی جاتی ہے دوسری حدیث سے بوجہ بعض راویوں کے وہم کے۔ ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہا کی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ صحبت روایت کی گئی ہے۔ جیسے کہ مواہب لدنیہ میں۔

چنانچہ ابن مندہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سفر کے ساتھ شام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت تھی بغرض تجارت اور ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیس سال تھے۔ حتیٰ کہ ایک مقام پر قیام کیا۔ وہاں ایک درخت تھا کنار کا۔ اور اس کے سایہ میں بیٹھ گئے اور ابوبکر بحیرا نامی راہب کے پاس گئے تاکہ اس سے کوئی چیز پوچھے۔ بحیرا راہب نے کہا کہ جو شخص درخت کے نیچے بیٹھا ہے وہ کون ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ بحیرا نے کہا خدا کی قسم یہ پیغمبر خدا ہے۔ کیونکہ اخبار میں آیا ہے کہ اس درخت کے نیچے عیسیٰ کے بعد کوئی نہ بیٹھے گا سوائے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں آنحضرت کی تصدیق آ گئی۔ لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اتباع اختیار کی۔ شیخ ابن حجر نے کہا ہے کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے۔ تو یہ دوسرا سفر ہو گا۔ ابوطالب والا نہیں۔ انتھی اور ایسے ہی آنجناب کے فضل و کمال اور مشاہدہ ملائکہ اور ان کا آپ کی خدمت میں ہونے اور نزول میں برکات وغیرہ اخبار و آثار میں آئے ہیں۔

اور ابوطالب نے آپ کے ایسے حالات کا مشاہدہ کاہنوں اور طبیبوں کے سامنے بیان کیا۔ اور انہوں نے خبر دی کہ یہ حالات شیطانی وسوسوں اور جسمانی امراض کی وجہ سے نہ ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پچیسویں بار برائے تجارت شام کی طرف گئے اور مضاربت پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے گئے۔ کہا گیا ہے کہ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہا کہ میرے پاس مال نہیں رہا۔ اور وقت یہ ہے کہ قافلہ قریش شام جانے والا ہے۔ اور خدیجہ جو کہ قریش کے مالداروں میں سے ہے آدمیوں کو مضاربت اور خدیجہ جو کہ قریش کے مالداروں میں سے ہے آدمیوں کو مضاربت پر مال دیتی ہے اور تجارت پر بھیجتی ہے۔ اگر تو اسی کام کے لئے اس کے ہاں خود کو پیش کرے تو وہ ضرور مال دے گی تاکہ تو اس سے تجارت کرے۔ شاید اس وسیلہ سے ہمیں مال حاصل ہو جائے۔ اور صحیح وہ ہے کہ خدیجہ کو امین مطلوب تھا۔ تاکہ اپنا مال اس کی سپرد کرے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو امین نہ پایا۔ اور قبل از ظہور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خود سارے قریش محمد امین کہا کرتے تھے۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پس خدیجہ نے

کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ کہ اگر آپ میرا مال لے کر شام کی طرف جائیں اور اللہ تعالیٰ منافع دے تو جو آپ کی مراد ہو گی میں دوں گی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب کے ساتھ مشاورت کے بعد قبول کیا۔ پس خدیجہ نے اپنا غلام جس کا نام میسرہ تھا۔ ہمراہ کر دیا۔ اور اپنے عزیزوں میں سے بھی ایک شخص خزیمہ ان دونوں کو آنحضرت کی خدمت میں کر دیا۔

واقعہ نسطورا راہب :۔ اور اس سفر میں بھی جب بصریٰ پہنچے۔ نسطورا راہب کی خانقاہ میں ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے۔ نسطورا راہب نے دیکھا تو کہا کہ اس درخت کے نیچے سوائے پیغمبر کے کوئی نہیں بیٹھتا۔ علاوہ ازیں وہ درخت بے برگ وبار تھا۔ اس کی لکڑی بھی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اور پتے جھڑ چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کے نیچے تشریف فرما ہونے سے وہ سرسبز اور میوہ دار ہو گیا۔ نسطورا راہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ میں تجھے لات اور عزیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہارا نام کیا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ مجھ سے دور ہو جا۔ تمہاری اس بات سے گراں تر بات کبھی کسی عرب نے مجھ سے نہیں کی۔ یہ بات سب سے زیادہ دشوار تر ہے میرے لئے اسی طرح بحیرا راہب نے بھی آنحضرت کو قسم دلائی تھی جو آپ نے رد فرمائی۔

خدیجہ سے نکاح :۔ اور نسطورا کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا۔ اس نے اس میں دیکھا اور کہا۔ اس خدا کی قسم جس نے عیسیٰ پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ وہی ہے۔ القصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سامان کو بصریٰ میں فروخت کیا۔ اور دوسروں سے دوگنا فائدہ ہوا۔ آپ کی رفاقت کی برکت کے باعث دوسروں کو بھی منافع ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے تو دوپہر کا وقت تھا خدیجہ بالاخانے میں کچھ عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے دیکھا۔ کہ دو پرندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر سایہ کئے ہیں۔ اور روضۃ الاحباب میں اسی طرح کہا گیا ہے۔ اور مواہب اللدنیہ میں کہا گیا ہے کہ خدیجہ نے دیکھا کہ آنحضرت کے سر اقدس پر دو فرشتوں نے سایہ کیا ہوا ہے۔ اور یہ تو خود ظاہر ہے کہ وہ فرشتے ہی تھے جو پرندوں کی صورت میں تھے۔ ورنہ پرندوں کو سایہ کرنے کی صلاحیت کہاں۔ اور میسرہ غلام نے اور خزیمہ نے بھی جو خوارق و کرامات آنحضرت کے دیکھے تھے انہوں نے بھی بیان کئے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آنحضرت کے ساتھ نکاح کر لینے کی شدید خواہش پیدا ہو گئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی جملہ عورتوں سے زیادہ عقل کامل فہم و شعور اور احتیاط و کفایت کی مالک تھی۔ اور سب سے زیادہ اشرف و انسب تھی۔ اور مال بھی وافر رکھتی تھی اور تمام اشراف قریش اس سے نکاح کے طالب تھے۔ اور انہوں نے خدیجہ سے پیشکش بھی کی تھی لیکن خدیجہ نے قبول نہ کی' پس خدیجہ نے ایک عورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا کہ معلوم کرے کہ آیا وہ شادی کرنے پر راغب ہیں یا کہ نہیں۔ اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح کر لینے پر ترغیب دی۔ اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تجھے نکاح کر لینے میں کونسی چیز مانع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ساز و سامان نہ ہے۔ اس نے کہا اگر عورت

صاحب جمال ومال ہو اور اشرف النسب ہوتے ہوئے تمہاری شادی وغیرہ کے اخراجات کی کفالت بھی کرے تو کیا آپ رغبت فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اس طرح کی عورت کہاں ہو گی۔ اس نے کہا خدیجہ بنت خویلد آپ کو بہت چاہتی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو اسے راغب اور راضی کروں۔ پس وہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی۔ اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہاری خواستگاری فرماتے ہیں۔ پس خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا۔ کہ وہ آئے اور خدیجہ کو محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی زوجگی میں دیدے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ابو طالب' حمزہ اور دیگر چچاؤں اور ابو بکر اور خاندان مضر کے روسا کے ساتھ خدیجہ کے گھر پر تشریف لائے اور نکاح پڑھا دیا۔

خطبہ نکاح:۔ اور مواہب لدینہ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کا والد خویلد اس نکاح کے وقت زندہ تھا۔ اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس روز خدیجہ کا والد زندہ نہ تھا بلکہ عمرو بن اسد ہی تھا۔ واللہ اعلم۔ اور ابو طالب نے فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ حمد و شکر گزاری ہے اس خدا کے لئے جس نے ہمیں فرزندان ابراہیم اور اولاد اسماعیل سے پیدا فرمایا۔ اور ہمیں معد اور مضر کی صلبوں سے پیدا کیا۔ اور اپنے گھر (بیت اللہ) کا نگہبان اور اپنے حرم کے پیشوا بنایا اور وہ گھر ہمیں عطا فرمایا کہ اطراف و جوانب سے لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ اور ہمیں ایسا حرم عطا کیا کہ ہر شخص وہاں آتا ہے اور اسے امن ملتی ہے۔ اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنا دیا۔ امابعد۔ حق یہ ہے کہ میرے بھائی عبد اللہ بن عبد المطلب کا یہ بیٹا وہ ہے جس کی مثال قریش میں اور کوئی نہیں۔ اگرچہ اس کے پاس مال کی قلت ہے اور مال و دولت ایک پرچھائیں ہے جو زائل ہو جاتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ شخص ہے جس کی قرابت اور خویشی کو تم سب خوب پہچانتے ہو جو ہمارے ساتھ ہے۔ اور تحقیق کہ وہ خدیجہ بنت خویلد کی خواستگاری کرتا ہے اور اس کا مہر میرے مال میں سے بیس اونٹ مقرر کرتا ہے۔ اور قسم ہے خدا کی کہ اس کے بعد شان عظیم ہو گی اور اس کے حق میں بہت بڑا امر ظاہر ہو گا۔ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابو طالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو خدیجہ کے چچا کا بیٹا تھا اس نے بھی خطبہ پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا

اس خدا کی حمد ہے اور سپاس گزاری ہے جس نے ہمیں بنایا جیسا کہ تو نے ذکر کیا ہے۔ اے ابو طالب اور ہمیں فضیلت عطا کی جیسے کہ تو نے بتایا ہے۔ پس ہم تمام عرب کے بزرگ اور پیشوا ہیں اور آپ تمام فضیلتوں کے حامل ہیں جن کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص بھی تمہارے فخر و شرف کو رد نہیں کر سکتا۔ پس ہم نے تمہارے ساتھ پیوند اور رشتہ داری کے لئے رغبت کی ہے۔ اے قریش! گواہ رہنا کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی زوجگی میں دے دیا ہے۔ چار سو مثقال مہر پر اور ابو طالب نے کہا اے ورقہ! میں چاہتا ہوں کہ اس میں خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد بھی شریک ہو۔ پس عمرو بن اسد نے کہا۔ اے گروہ قریش! گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبد اللہ کے نکاح میں دے دیا۔ پھر طرفین سے ایجاب و قبول ہوا۔ (کذافی روضۃ الاحباب و مواہب لدینہ نقل از بعض روایات) کہ خدیجہ کا مہر بارہ نش و اوقیا تھا اور اوقیہ چالیس درہم ہوتا ہے۔ پس اس روایت کی رو سے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ اور نش کے معانی نصف اوقیہ ہے۔

اور ان دو روایتوں کی مطابقت خطبہ ابو طالب والی روایت کے ساتھ یوں ہے کہ شاید اس زمانہ میں بیس اونٹوں کی قیمت پانچ سو درہم ہو گی۔ اور یا چار سو مثقال سونے کے برابر ہو گی۔ واللہ اعلم۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ دف بجائیں اور رقص کریں۔ اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔ اپنے چچا کو کہو کہ تمہارے اونٹوں میں سے ایک کو قربان کرلے اور لوگوں کو کھانا کھلائے۔ اور اسی روز زفاف بھی ہوا۔ اور اس رشتہ داری پر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شادمان (خوش) ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں ہمیشہ خوش رکھے (اور ہمیشہ آپ کے باوقار انداز میں درجات بلند تر کرتا رہے اور تمام جہانوں میں اعلیٰ سرفرازی فرمائے)۔ ابو طالب نے بھی بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ **الحمد للہ الذی اذھب عنا الکرب ورفع عنا الھموم**

اور مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے قول **وجدک عائلا فاغنی** کی تفسیر یہ کی ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کے ساتھ غنی کر دیا۔ اور یہ بات ظاہری اعتبار سے ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو **ما اغنی الاغنیاء** ہیں اور آپ کی نظر میں کونین بھی ہیچ ہیں۔ اور **پینتیسویں** سال میں قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو کی جو کہ سیلاب آجانے سے خستہ عمارت ہو چکی تھی۔ روم سے ایک آدمی آیا تھا جس کا نام باقوم تھا۔ وہ فن تعمیر میں استاد تھا۔ اسے کہا گیا کہ وہ تعمیر کرے۔ اور تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔

تعمیر خانہ کعبہ:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ان میں شامل تھے۔ آپ پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ دوسرے لوگوں نے اپنے تہبند اتار کر اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ تاکہ پتھروں کی روشنی سے انہیں آزار نہ پہنچے اور زمانہ جاہلیت میں کشف عورت (شرمگاہوں کا ننگا ہونا) عام تھا۔ اور عہد اسلام میں یہ ستر عورت موکد اور مقرر کر دی گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوسرے لوگوں کی طرح نہ کیا۔ حضرت عباس نے شفقت سے آپ کو اس پر آمادہ کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاہا کہ اپنا تہبند اتاریں اور آنحضرت کے غیب سے ندا آئی کہ اپنی پوشیدہ جگہوں کو ڈھانپو۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلی ندا تھی جو غیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دی گئی۔ اس کے علاوہ آنحضرت کو کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔

واقعہ حجر اسود:۔ منقول ہے کہ حجر اسود کے اس کی جگہ پر نصب کرنے کے بارے میں قبائل قریش میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اور ہر قبیلہ یہ دعویٰ کرنے لگا کہ یہ کام وہ کرے گا۔ اور قریب تھا کہ قتل و غارت تک نوبت پہنچے۔ آخر قرار پایا کہ صبح سویرے جو سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازہ سے داخل ہو۔ وہ حکم ہو گا۔ اگلے دن الصباح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دروازہ سے داخل ہوئے۔ دیکھ کر سب پکارے کہ امین آیا ہے۔ لہٰذا سب آپ کو حکم بنانے پر راضی ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی چادر پاک بچھائی۔ اپنے ہاتھوں سے حجر اسود کو اس میں اٹھا کر رکھا۔ اور فرمایا کہ ہر قبیلہ سے ایک

آدمی آئے اور اس چادر کا گوشہ پکڑے۔ اس طرح اٹھا کر جب مناسب مقام پر لائے تو آنحضرت نے حجر اسود اٹھا کر اسے اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

اور خانہ کعبہ کو چھ ستونوں پر استوار کیا۔ جیسے کہ احادیث میں آیا ہے اور مورخین نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ وہ تعمیر طوفان نوح میں غرق ہو گئی۔ اس کے بعد ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ ازاں بعد عمالقہ نے اور پھر قبیلہ جرہم نے بنایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیر سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث سنی اس کے باعث تعمیر کیا۔ پھر عبدالملک بن مروان کے فرمان کے مطابق اس کے امیر الامراء حجاج نے اس میں کچھ تبدیلی کی۔ اور وہ تعمیر اب تک باقی ہے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ بنائے مروانیہ کو اکھاڑ دے۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمارت کعبہ کو درست کرے۔ اپنے دور کے امام حضرت امام مالک سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ ام مالک نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! کعبہ سے متعلق اپنا خیال ترک کر دے تاکہ یہ بازیچہ بادشاہاں نہ ہو جائے۔ کہ ایک دوسرے کی تعریف و توصیف کی خاطر اس تبدیلیاں نہ کرتے رہیں اور تخریب کعبہ کے مرتکب نہ ہوں۔ اجمالی طور پر اس میں یہ کلام ہے اور مکہ کی تفصیل و تاریخ مذکور ہے۔

اور تاریخ ارزقی میں مقاتل سے حدیث مرفوع آئی ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار! میں مغموم رہتا ہوں۔ اور تیرے نور سے کوئی چیز نہیں پاتا ہوں۔ کہ جس کی عبادت ہو سکے پس خدا تعالیٰ نے بیت المعمور کو خانہ کعبہ کے مقام پر نازل فرمایا۔

اس کے بعد یہ بیت معمور عہد نوح علیہ السلام میں اوپر اٹھالیا گیا

لیکن بنائے کعبہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ وہب بن منبہ سے روایت لائے ہیں کہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی ہے۔ سب سے پہلے شیث علیہ السلام نے اسے تعمیر کیا۔ اسی طرح ابن البرنے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ دوسری مرتبہ خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ اور اس کا ذکر نص قرآن اور حدیث نبوی میں ہے۔ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے اور اس پر جزم کیا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں آئی جو بتائے کہ قبل از خلیل بیت اللہ موجود تھا۔ بلکہ یہ ہے کہ خلیل علیہ السلام نے بنائے کعبہ رکھی اور اسمٰعیل علیہ السلام اپنی گردن پر پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی حدیث آیا ہے کہ جو پتھر اسمٰعیل علیہ السلام لاتے تھے وہ پانچ پہاڑوں سے لاتے تھے۔ یعنی کوہ حرا' کوہ ثبیر' کوہ لبنان' کوہ طور اور کوہ جودی' اور بعض روایات میں حرا کا پہاڑ' کوہ ابو قبیس' کوہ قدس' کوہ ورکان اور رضوی مذکور ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں سے فرشتے پتھر اٹھا کر لاتے تھے اور اسمٰعیل کی مدد کرتے تھے۔ پتھر لانے میں اور یہ اسمٰعیل علیہ السلام کا معجزہ تھا اور دوسری تعمیریں عمالقہ اور جرہم کی ہیں۔ ان دونوں کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ عمالقہ کے ہاتھ ولایت مکہ مقدم ہے بہ نسبت ولایت جرہم کے۔ لہٰذا عمالقہ کی تعمیر ہی مقدم ہو گی۔ دیگر تعمیر کعبہ از قصی بن کلاب ہے تعمیر خلیل کے بعد

اور اس کے بعد قریش کی تعمیر ہے۔ اور قریش کی تعمیر صحیح سند سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارک سے پینتیسویں سال میں ہوئی تھی۔ جیسے کہ اس سے قبل گزر چکا ہے اور ایک روایت میں پچیسواں سال مذکور ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ اور سلیمان بن خلیل مکی نے کہا ہے کہ ثلاثین سال (تیسویں سال) میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ قول غیر معروف ہے اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس کی تحریر اور کتابت سے خمس (پانچ) کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔

اس کے علاوہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر ہے بہ سبب اس حدیث کے جو انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی انہوں نے قواعد خلیل پر ہی تعمیر کی۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان کے حکم سے ہ حجاج کی تعمیر ہے اس نے بنائے ابن زبیر کو بدل دیا۔ اور کہتے ہیں کہ جب عبدالملک نے سنا تو وہ پشیمان ہوا جب اسے حارث بن ابی ربیع مخزومی نے خبر دی جیسے کہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث سنی تھی جس طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سنی تھی۔ واللہ اعلم۔

xx

باب سوم

ابتدائے وحی' ثبوت نبوت' ظہور دعوت' اذیت و عداوت کفار۔ صحابہ کے حبشہ کی جانب ہجرت فرمانا۔ ابوطالب کی وفات اور موت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بجانب طائف جانا اور جنوں کا بیعت ہونا وغیرہ۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر شریف کا چالیسواں سال آپہنچا تو وحی کی صبح نورانی کے ظہور سے جہان منور ہو گیا اور مطلع عنایت سے آفتاب ہدایت و نور طلوع ہوا۔ اور قول صحیح کے مطابق اس نور کا ظہور بروز پیر ماہ ربیع الاول کی آٹھویں یا تیسری تاریخ کو سال فیل سے اکتالیسواں سال ہوا۔ اور ایک جماعت نے آیہ کریمہ **شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن** اور قول حق تعالیٰ سبحانہ **انا انزلناہ فی لیلۃ القدر** سے آغاز وحی کا گمان رمضان شریف میں کیا ہے۔ کیونکہ پہلی چیز جو حق جل و علیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر انعام و اکرام ہوئی وہ قرآن کا نزول ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نزول قرآن رمضان کے مہینہ میں ہوا۔ لہٰذا ثابت ہو جاتا ہے کہ ابتدائے وحی بھی رمضان میں ہی ہو گی۔ اور مفسرین کی اکثریت کے نزدیک یہ نزول قران لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ہے۔ کیونکہ مروی ہے کہ قرآن پاک یک بارگی پورے کا پورا ماہ رمضان میں شب قدر کے دوران لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور وہاں سے حسب مصلحت و واقعات تھوڑا تھوڑا تیئس سال کی مدت میں نزول مکمل ہوا۔ اور نزول قرآن اس کی ترتیب کے خلاف واقعات کی مطابقت میں ہوا۔ ترتیب جو لوح محفوظ میں ہے۔ جیسے کہ فقہ کی کتاب ہوتی ہے۔ کہ اس میں خاص ترتیب سے مسائل مذکور ہوتے ہیں اور اس میں سے لوگ پہلے یا بعد میں ہر حادثہ کے واقعہ ہونے پر متعلقہ مسائل نکالتے ہیں۔

غار حرا میں خلوت گزینی:۔ اور بعض کے نزدیک آغاز وحی ماہ رجب میں ہوئی۔ اس سے متعلقہ اقوال غریب ہیں اور آیا ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب آگیا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لوگوں سے خلوت و تنہائی محبوب ہو گئی۔ لہٰذا وہ کوہ حراء میں جا کر تنہائی میں بیٹھ گئے۔ اور اسے جبل ثور بھی کہتے ہیں اور وہاں پر جمال کعبہ سے آنکھوں کو روشن کرتے تھے اور عبادت کرتے تھے اور اپنے آپ میں مستغرق رہتے تھے۔ اور علماء کو اس میں اختلاف ہے کہ آپ کی وہ عبادت فکر و تدبر تھا یا کہ ذکر تھا۔ مذہب مختار یہ ہے کہ قلبی اور لسانی ذکر کے ساتھ تھی اور شریعت ابراہیمی پر عمل فرماتے یا ہر اس بات پر عمل تھا جو آپ کے نزدیک انبیاء کی شریعتوں سے ثابت ہوتی تھی یا عقل میں اچھی معلوم ہوتی تھی۔ اور آپ اپنے ساتھ اپنی خوراک لے جاتے تھے۔ جب وہ خوراک ختم ہو جاتی تھی یا اہل خانہ کی طرف دل مائل ہوتا تو آپ پہاڑ سے اتر آتے تھے اور چند روز کی خوراک لے کر پھر وہاں جا کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ سے باہر آجاتے تھے اور ایک ماہ غار حرا میں خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے اور جب ایام

وحی نزدیک ہوئے تو مکمل خلوت اور تنہائی اختیار کرلی اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ ناگہاں آپ پر حق نازل ہوا اور وحی وارد ہوئی اور قرآن نازل ہوا۔

اور یہ خیال نہ کریں کہ ظہور نبوت اور وحی کا نزول آنجناب کے مجاہدہ و ریاضت کی بناء پر ہوا۔ کیونکہ نبوت محض وہبی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت وعطا ہے۔ اس میں کسب عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ شعر۔

تبارک اللہ ما وحی بمکتسب ولا نبی علی غیب بمتہم

ہاں ولایت کسبی اور سببی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں کسب و ریاضت کو دخل ہوتا ہے۔ اور اس کی تاثیر ہوتی ہے کیونکہ اس سے بعض عوالم کا کشف بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نبوت ایک خاص قرب اور مخصوص نسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ وحی آسمانی جس کے حامل روح القدس ہوتے ہیں جن کا نام جبریل ہے محض اللہ تعالیٰ کے اصطفا اور اجتباء سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جب وحی آئی آنحضرت کو فرشتہ نے وحی کے طور پر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تجھے خوشخبری ہو کہ میں جبریل ہوں۔ اور مجھے خدا نے تیری طرف بھیجا ہے اور آپ اس امت کے جنوں اور انسانوں کی طرف خدا کے رسول ہیں۔ ان کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دو۔ اور کہا کہ اے محمدا پڑھو۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں اور پڑھنا نہیں جانتا یعنی میں امی ہوں۔ کہ میں نے پڑھنا اور لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ پس مجھے جبریل نے اپنے بغل میں لے لیا۔ اور مجھے اس قدر بھینچا جتنی کہ مجھ میں قوت برداشت تھی۔ اور حدیث کے الفاظ کا احتمال دو معانی پر ہے۔ ظاہر معانی اول پر محمول ہے۔ اور اسی معانی کی علماء نے تصریح کی ہے۔ پس جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو چھوڑا اور کہا کہ پڑھیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ جبریل نے پھر پکڑا بغل میں دبا۔ اتنا دبایا جتنی مجھ میں طاقت برداشت تھی۔ پھر چھوڑا اور کہا کہ پڑھو میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری مرتبہ مجھے پکڑ کر اپنے پہلو میں دبا۔ اور چھوڑا اور پھر کہا کہ پڑھیں۔ **اقراء باسم ربک الذی خلق○ خلق النسان من علق○ اقراء وربک الاکرام الذی علم بالقلم○ علم الانسان مالم یعلم** اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) شیطان کی شر سے تعوذ کرو۔ تو آنحضرت نے فرمایا **استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم** اور کہا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** اور پھر کہا کہ پڑھو **اقراء باسم ربک الذی خلق○** الخ

مراد یہ ہے کہ تو اپنی قوت وطاقت کی طرف نہ دیکھ۔ بلکہ ہماری تائید وقوت کے ساتھ دیکھ کیونکہ ہم تیرے پروردگار اور معلم ہیں۔ اور یہ پہلو میں لے کر بھینچنا حضرت جبریل کا تصرف تھا کہ آنحضرت کے وجود شریف میں انوار ملکوتی کے دخول سے یا قبول وحی کے مقصد کے لئے اور تاکہ اس کے ماسوا سے خالی ہو جائیں۔ نیز اس قول کے ثقل و بوجھ کی طرف اشارہ ہے جو کہ القاء ہوتا ہے آپ پر جیسے کہ قرآن میں آیا ہے۔ **انا سنلقی علیک قولا ثقیلا** نیز اس جانب اشارہ ہے جو کہ القاء ہوتا ہے آپ پر جیسے کہ قرآن میں آیا ہے۔ **انا سنلقی علیک قولا ثقیلا** نیز اس جانب اشارہ ہے کہ یہ تخیل و وسواس کی قسم سے نہیں ہے۔ کیونکہ تخیل اور وسواس کی تاثیر جسم میں نہیں ہوتی اور جو تکرار ہوا۔ یہ تقریر و تاکید میں مبالغہ کے طور

پر تھا۔ (کذا قیل) اور اس جگہ آنحضرت کے اس قول کے بارے میں کلام ہے جو آپ نے فرمایا کہ **ما انا بقاری** کیونکہ کسی امی کا کسی دوسرے کی تعلیم و تلقین سے کوئی کلام پڑھنا کوئی ناممکن بات نہیں۔ اس میں کوئی بعد نہیں بلوجود اس فصاحت و بلاغت کے جو آنحضرت رکھتے تھے۔ اور امیت کسی لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے اور لکھنے کے منافات میں ہے۔ اور یہ آنحضرت نے اس مقام کی ہیبت و دہشت کے باعث فرمایا ہو گا۔ لیکن حدیث کے شارحین نے امیت پر ہی محمول کیا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب جبرئیل نے کہا کہ اے محمد پڑھو۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ کیا پڑھو۔ کہ میں ہرگز پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پس جبرئیل نے نے بہشتی حریر جس میں بدر ویا قوت پیوستہ تھے پر لکھا ہوا مکتوب نکالا اور کہا کہ پڑھو۔ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑا ہوا نہیں ہوں اور اس مکتوب میں بھی کوئی چیز تحریر شدہ نظر نہیں آتی۔ پس جبرئیل نے آپ کو اپنے ساتھ لگا کر خوب دبایا۔ الی آخر الکلام۔ یہ معنی امیت کے مناسب ہیں۔ اس کے بعد جبرئیل نے زمین پر پاؤں مارا۔ وہاں سے پانی کا چشمہ ظاہر ہوا پس وضو کیا۔ کہ کلی کی۔ ناک میں پانی چڑھایا۔ اور ہاتھ پاؤں سے ہر ایک کو تین بار دھویا۔ ایک بار سر کا مسح کیا اور اس طرح کر کے آنحضرت کو وضوء کرنا سکھایا۔ یہ تعلیم غالباً" فعلی تھی۔ تعلیم قولی کی بجائے یہ فعل کر کے مثال دے کر تعلیم دینا زیادہ اسہل و اوغل تھا۔ آنحضرت نے بھی وضوء فرمایا۔ پس جبرئیل علیہ السلام نے ایک چلو پانی اٹھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ڈالا۔ پھر آگے بڑھے اور دو رکعت نماز گزاری۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جبرئیل کی اقتداء کی۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ طریقہ ہے وضوء کرنے کا اور نماز ادا کرنے کا۔ اور اس کلام سے تعلیم قولی بھی واقع ہو گئی۔ ازاں بعد جبرئیل آسمان پر چلے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ کی طرف رجوع فرمایا اس حال میں کہ راستہ میں گزرتے ہوئے ہر پتھر ہر کنکر اور درخت آپ کو عرض کرتا تھا۔ **السلام علیک یا رسول اللہ** پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واپس آ گئے اس حال میں کہ آپ کا قلب شریف لرزتا تھا۔ اور کندھے اور گردن کا درمیانی حصہ جسم بھی کانپ رہا تھا۔ اور اس طرح بڑے ڈر اور خوف کے وقت ہوتا تھا۔ جیسے کہ ذبح کے وقت گائے مشاہدہ میں آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ **زملونی زملونی**۔ یعنی مجھ پر کمبل ڈال دو۔ مجھ پر کمبل ڈال دو۔ پس آپ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا اور آپ کے بدن مبارک پر کمبل ڈال دیا گیا۔ اور آپ پر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا تاکہ آپ سے ڈر دور ہو جائے یہاں تک کہ آپ کی طبیعت بحال ہوئی۔ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنا حال بتایا اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ مصائب و بلیات میں میری جان مبتلا نہ ہو جائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ غم نہ کریں اور خوش رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو بلاؤں میں نہ ڈالے گا۔ اور ذلیل نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ آپ سے نیک سلوک کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور اہل و عیال کا بوجھ برداشت کرتے ہیں اور محنت کرتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی بچی اور جائز و درست کاموں اور حوادث میں مدد کرتے ہیں اور باطل میں ہرگز نہیں پڑتے۔ یتیموں کو جگہ دیتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ امانتدار ہیں۔ درماندہ اور عاجزوں کی دستگیری کرتے ہیں اور فقیروں اور غریبوں سے نیک سلوک کرتے ہیں اور خلق کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ خوش رہیں

خوش خلق ہیں۔ حسین آواز والے ہیں۔ خوش کردار و خوش گفتار ہیں۔ اور آپ عالی ہمت ہیں۔ مراد یہ کہ جس میں یہ صفات
ہیں وہ ہرگز برائی میں نہیں پڑتا۔ اور ویرانی سے سابقہ نہیں پڑتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خدیجہ رضی اللہ
عنہا نے تسلی دی اس انداز و دلالت کے ساتھ۔ یہ دلیل ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حقائق امور اور صدق احوال کو کمال
درجہ تک سمجھتی اور پہچانتی تھیں۔ اور دیگر روایت میں آیا ہے کہ جب آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آپ نے
اپنے احوال سے مطلع کیا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو گئیں بوجہ انتہائی مسرت کے۔ اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا
آپ کو تائید و تقویت کے واسطے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ ایسے آدمی تھے جو قریش کے دین اور
ان کی جاہلانہ رسومات کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ دین انصاریٰ میں داخل ہو چکے تھے توحید پرست بن گئے تھے علم انجیل سے خوب
واقف تھے اور انجیل میں سے عربی زبان میں لکھتے بھی تھے۔ عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور آنکھوں سے نابینا بوڑھے تھے۔ ان
سے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو کہ کیا کہتا ہے۔ حضرت خدیجہ نے آنحضرت کو
ورقہ کا برادر زادہ کہا یہ عرب میں عرف عام تھا کہ ایک دوسرے کو بھائی یا برادر زادہ کہتے ہیں۔ اور مخاطب کرتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ یہ ورقہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد تھے۔ پس ورقہ نے
کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بتایا
اور اپنا حال بیان فرمایا۔ پس ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہ ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم)۔ آپ کو بشارت ہو کہ خدا کے رسول ہیں آپ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ پیغمبر ہیں جس کی بشارت عیسیٰ علیہ
السلام نے دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہو گا اس کا نام احمد ہے۔ اور (اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ
جلدی ہی جہاد و قتل پر مامور ہوں گے کافروں کے خلاف کاش کہ میں اس روز زندہ رہتا اور جوان و توانا ہوتا جبکہ تیری قوم تجھے
باہر نکالے گی۔ اس شہر سے۔ آنحضرت نے پوچھا کیا مجھے وہ باہر نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا کہ ہاں۔ جو کچھ آپ لے کر آئے
ہیں جو بھی ایسی چیز لے کر آیا اسے دشمن سمجھا گیا اور اذیت دی گئی۔ یعنی کہ یہی سنت الٰہی جاری ہے کہ کافر ہمیشہ پیغمبروں کے
دشمن ہو جاتے ہیں کوئی ایسا پیغمبر آج تک نہیں آیا جسے کافروں نے دشمن نہ گردانا ہو۔ اگر میں اس دن زندہ ہوا تو تمہاری مدد
کروں گا۔ جیسا کہ مدد کرنے کا حق ہے بڑی قوت سے پس دیر ہو گئی کہ ورقہ وفات پا گئے۔ اس نے ظہور دعوت اسلام کا عہد
نہ پایا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور تصدیق کرنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے زمانہ نبوت
کو نہ پایا۔

اور خود ایک جماعت ہے اشخاص کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر آپ کے صورت عنصری میں وجود و ظہور
سے قبل ہی آپ پر ایمان لائے تھے۔ مثلاً حبیب نجار وغیرہ بلکہ ان اشخاص کی خصوصیت کیا آپ پر تو تمام انبیاء و رسل اور ان
کی امتیں ایمان لائی تھیں۔

ورقہ بن نوفل کی صحابیت:۔ اور آیا کہ ورقہ کو صحابی کہا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں صحابی کی تعریف جو ظاہراً کی گئی

نے یہ ہے۔ من رای النبیی مومنا اس پر صحابی کا اطلاق صادق ہے۔ اس میں علماء نے ظہور دعوت کی شرط نہیں لگائی۔ لیکن مشکوٰۃ میں ایک حدیث لائی گئی ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ورقہ کا حال پوچھا اس کی وفات کے بعد۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے اسے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہے۔ اور یہ ایمان کی علامت ہے۔ یہاں پر توقف واقع ہوتا ہے کہ جب یقیناً مومن ہو گیا تو ایمان کی علامت اور دلالت کی کیا ضرورت ہے سوائے اس لئے کہ تاکید و تقریر کے لئے ہو۔ اور روضۃ الاحباب میں ایک حدیث لائی گئی ہے کہ میں نے قس کو جنت میں دیکھا کہ اس نے سبز لباس پہنا ہے۔ کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور قس سے مراد ورقہ ہیں اور قس یا قیس نصاریٰ کے دانشمند اور رئیس کو کہتے ہیں جو دین و علم میں رئیس ہو۔ اور مواہب لدنیہ میں کہا ہے کہ سب سے پہلا مسلمان جو ہوا وہ ورقہ ہے اور ابن مندہ نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے۔

آنحضرت کو ورقہ کے پاس لے جانے میں حکمت:۔ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کو جو ورقہ کے پاس لے گئیں اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ حیرت و اشتباہ کے موقع پر علماء اور اہل بصائر کے پاس مشاورت و استفسار اور انکشاف کی خاطر جانا لازم ہے تاکہ وہ مقصود کی طرف رہنمائی فرمائیں اور صوفیا اور طالبان اور سالکان طریقت کے اپنے مشائخ سے تمسک کرنے اور اپنے معاملات و واقعات ان سے عرض کرنے کی دلیل بھی یہاں سے ملتی ہے تاکہ وہ راز کو کھولیں اور حقیقت حال واضح کریں۔ لہٰذا یہ چیز صوفیاء میں متعارف اور معہود ہے۔ جیسے کہ بعض صوفی علماء نے ذکر کیا ہے۔

تنبیہہ:۔ اس مقام پر جو اشکال اور اشتباہ وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث بخاری کا سیاق جیسے کہ مواہب لدنیہ اور روضۃ الاحباب میں بھی وارد ہوئی ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ترساں و لرزاں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنا اور کہنا کہ مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت کو اچھی صفات اور بلند کمالات کے ثبوت سے اطمینان دلانا کہ ایسی صفات کا حامل شخص بلیات اور خذلان و ذلالت سے محفوظ رہتا ہے اور خدیجہ کا آنحضرت کو ورقہ کے پاس لے جانا اور اس سے بعد از نبوت کا حال منکشف ہونا اور جبرئیل علیہ السلام کا نزول اور ان کا غار حرا میں وارد ہونا اس میں علم و معرفت کا حصول پایا جاتا ہے آنحضرت کی نبوت کے بارے میں۔ خواہ آنحضرت میں ضروری علم کی تخلیق سے ہو کہ جبرئیل فرشتہ ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا نہ کہ کوئی جن یا شیطان جیسے کہ حق تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام میں ضروری علم پیدا فرماتا ہے۔ کہ اس کلام کرنے والا خدا تعالیٰ ہے اور اسے بھیجنے والا پروردگار ہے نہ کہ کوئی غیر۔ چنانچہ اکثریت علماء کا نظریہ یہی ہے۔ اور خواہ جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ پر علم کے لئے فائدہ مند معجزات کے ظہور کے ساتھ استدلال قائم کرنے سے جیسے کہ اس اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے جن سے کہ ہم آنحضرت کے صدق و سچائی کو پہچان گئے جیسے کہ بعض علماء نے کہا ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حراء میں داخل ہونے کے بعد اور اس سے پہلے بھی آوازیں سنتے تھے۔ جو ہر جانب سے آتی تھیں "یا محمد یا رسول اللہ" لیکن کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ نزول وحی سے قبل آپ نے بچاس آوازیں سنی تھیں اور کوئی آواز دینے والا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور سات سال کا عرصہ روشنی اور نور رہے اور اس سے آپ خوش تھے۔ خواہ اس روشنائی سے مراد نور محسوس ہو یا نور علم و یقین جو کہ دل کو خوش کرنے والا یا شرح قلب کرنے والا تھا اور آپ ہر پتھر اور ہر سبز پودے سے سلام کی آواز سنتے تھے۔ اور جامع الاصول اور کتاب الوفاء میں منقول ہے کہ

ابتدائے نبوت میں فرشتوں کا خدمت بجالانا۔ ابتدائے نبوت میں تین سال تک اسرائیل فرشتہ آنحضرت کی خدمت میں رہا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نیچے آگئے اور وحی لائے۔ اور صاحب سفر السعادت نے کہا ہے کہ سات سال کی عمر میں پھر اسرائیل کو حکم دیا کہ آنحضرت کی خدمت میں قیام کرے۔ پس ہمیشہ اسرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قریب رہتے تھے۔ حتی کہ گیارہواں سال مکمل ہو جاتا ہے اور کوئی بات نہ کرتے تھے سوائے ایک یا دو کلمات کے۔ اور اسی طرح میکائیل علیہ السلام کے متعلق بھی کہا گیا ہے اس وقت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بارگاہ نبوت میں رہ کر خدمت بجالائیں۔ یہ آنحضرت کی رفیق کے طور پر اتیس سال خدمت میں رہے لیکن یہ آنحضرت کے سامنے ظاہر تو ہوتے تھے لیکن وحی نہیں لاتے تھے۔ وحی لانا بھی انہی کا کام ہے۔ بلوجود ان انوار اور بزرگی کے ظہور کے تردد والہام اور شک و ابہام کا احتمال ہوتا ہے۔ پس یہ ڈر اور خوف جو آنحضرت نے محسوس کیا۔ یہ اس مقام کے از حد ہیبت اور جلال کے باعث تھا کیونکہ قوت بشری اس مقام کی سطوت کے غالب آنے کی باعث بے تاب ہو گئی اور اگر اس طرح نہ ہوتا جو کہ آیات وعلامات کا ظہور بتدریج ہوا اور انوار بھی بتدریج ظاہر ہوئے اور آپ کو ان انوار سے استفادہ کے لئے تیار کیا گیا اور آپ کو ان انفعلات سے مانوس کیا گیا تو مشکل تھا کہ آنحضرت کے کارخانہ وجود کا نظام اپنی حالت پر بحال رہتا۔ بلکہ ہلاکت پر انجام پذیر ہوتا اور آنحضرت کا یہ قول مبارک کہ "خشیت علی نفسی" اس میں اس حال کی مشکلات کی جانب اشارہ ہوگا۔ اور اسے ان ہی معانی پر محمول کرنا چاہیے۔

اور یا یہ کہ اس بار نبوت کا گراں بوجھ اور اس امانت کی ادائیگی کی صعوبت و مشکلات جب تصور میں آتی تھیں تو آپ کی قوت کی کمر ٹوٹ جاتی تھی۔ اور اپنی جان کا خطرہ و خدشہ محسوس کرتے تھے کہ بوجھ تلے ہلاک ہو جائے گی تو اس لحاظ سے آپ نے فرمایا۔ خشیت علٰی نفسی اور یہ جو کہا گیا ہے کہ آپ کا یہ خوف و خشیت اس وقت سے پہلے تھا جبکہ آپ کا علم ہو گیا کہ جبریل خدا کی طرف سے آئے ہیں نہ کہ کوئی جن یا شیطان اور آنحضرت کو یہ شاق گزرا کہ لوگ آپ کو مجنون کہیں گے اور کاہن پکاریں گے۔ قصہ کے سیاق کو مد نظر رکھتے ہوئے جو علماء نے بتایا ہے۔ نادر ہے۔ کیونکہ یہ خوف تو نزول جبریل اور ورود وحی اور نبوت کے متعلق علم حاصل ہو جانے کے بعد ہوا تھا۔ اور آیات وعلامات کے مشاہدہ اور انوار و اسرار کے ظہور کے بعد ہوا جیسے کہ معلوم ہوا اور اگر ابتدائے حال میں اس وقت سے قبل جبکہ بعض آیات کا ظہور ہوا جن میں اشتباہ کا احتمال تھا ثابت کریں تو وہ بھی درست ہی آتا ہے۔ لیکن اس قصہ کا سیاق جیسے کہ حدیث بخاری وغیرہ میں واقع ہوا ہے درست نہیں آتا۔ اور ورقہ کے پاس خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے جانا اس لئے نہ تھا کہ

شک و ریب کو مٹایا جائے اور اصل علم و یقین حاصل ہو بلکہ یہ مزید یقین و اطمینان اور اتمام حجت اور محبت کے ظہور کی خاطر تھا جو کہ نور علیٰ نور کے حکم میں آتا ہے۔ اور اگر اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حال پر بھی دیکھیں تو بھی وجہ صحت کا حامل ہے۔ کیونکہ انہوں نے کمل صفات کی موجودگی سے جو کہ گمراہی ذلالت کے منافی ہیں استدلال کر کے نظریاتی علم حاصل کیا کہ شاید اس میں بھی وہم اور غیر کے احتمال کا دخل ہو سکتا ہو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حال میں آنحضور کو کسی قسم کا کوئی احتمال یا اشتباہ ہونے کا حاشاو کلا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ہم نے بیان کیا ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ورقہ کی گفتگو اور تسلی دینے سے اطمینان ہوا تو وہ یوں ہو گا جیسے بعض معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے۔ **اشھد انی رسول اللّٰہ** صرف اس لئے کہ لوگوں کے ذہنوں میں بات آجائے اور وہ سمجھ جائیں اور باعث مزید تصدیق و ایمان ہو جائے اور یہ معانی اور مطلب اچھے اور مثبت انداز میں سمجھے جائیں اور اس مقام میں نیک فطرتی سے قائم رہنا چاہیے۔ اور عبادت میں ابہام کے باعث قوم کو راہ سے بے راہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور تائید و توفیق اور صدالت صرف اللہ تعالیٰ ملک العلام کی جانب سے ہی ہے۔

اور جو کچھ مذکور ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ قرآن میں سے جو سب سے پہلے نازل ہوا وہ سورۃ **اقرا باسم ربک الذی** اور امام محی الدین نووی نے کہا ہے کہ یہ ہی بہتر ہے۔ اور اس پر سب سلف و خلف ہیں لیکن وہ جو جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے **یاایھا المدثر** نازل ہوئی تھی امام نوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ سخن ضعیف ہے۔ بلکہ باطل ہے۔ **یاایھا المدثر** کا نزول تو فطرت کے وحی کے بعد ہوا تھا۔ جیسے آئندہ بیان آئے گا اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جو پہلے نازل ہوا وہ چیز سورۃ فاتحہ ہے۔ جیسے کہ بعض مفسرین کا قول ہے۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہ ہے۔ اگر ہو بھی تو اس میں احتمال ہے۔ یہ **اقراء باسم ربک** اور **یاایھا المدثر** کے نزول کے بعد نزول وحی کے بارے میں خبر ہو گی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت **استعذ باللّٰہ من الشیطان الرحیم** نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ جبریل نے کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) استعاذہ کریں۔ پس آنحضرت نے فرمایا **استعیذ باللّٰہ من الشیطان الرحیم** اور کہا کہ پڑھو **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** اس کے بعد کہا۔ **اقراء باسم ربک الذی خلق** (کذا ذکر صاحب المواہب الدینہ)

علاوہ ازیں جان لیں کہ علماء نے یہ ذکر نہیں کیا کہ فتور وحی چند گھڑیوں کے بعد ہوا۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ فتور وحی کی مدت تین سال تھی اور ابن اسحاق نے اس پر جزم کیا ہے۔ اور مواہب الدینا میں کہا گیا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نبوت نیچے بھیجی گئی اس وقت وہ چالیس سال کے تھے۔ پس تین سال تک آغاز نبوت میں اسرافیل آپ کے پاس رہے اور آپ کو تین سال کلمہ شریف کی تعلیم دیتے تھے اس وقت اور کوئی چیز قرآن سے نازل نہ ہوئی اس کی زبان پر۔ اور جب تین سال گزر گئے تو آپ کی نبوت جبریل علیہ السلام کے قریب ہوئی۔ پس آپ پر بیس سال قرآن نازل ہوتا رہا۔ انتہی۔ اور روضۃ الاحباب میں کہا ہے کہ ان

ایام میں پیغمبر علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام دکھائی دیتے تھے اور انھیں تسکین دیتے تھے۔ لیکن ان کے پاس قرآن نہ پڑھتے تھے۔ اور آنحضرت فترت وحی میں غمناک تھے استقدر کہ چند دفعہ قصد کیا کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیں۔ اور ہر مرتبہ جبرئیل علیہ السلام آپ پر ظاہر ہوتے تھے اور وہ کہتے تھے۔ **الک رسول اللہ حقا** اور کہتے تھے کہ میں آپ کو دوست اور بھائی ہوں۔

اور کتابوں میں آیا ہے کہ اس دوران آنحضرت نے جبرئیل کو زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا دیکھا۔ اس نظر سے بھی آپ کو خوف و ہراس محسوس ہوا۔ اور اپنے گھر آگئے اور کہا کہ زملونی۔ جیسے کہ اس سے پہلے قصہ حراء میں کہا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ **یایھا المدثر قم فانذر** پھر وحی متواتر و متتابع ہو گئی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت کی نبوت آپ کی رسالت سے مقدم تھی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اور محدثین کے مذہب میں نبوت میں تبلیغ اور انداز شرط نہیں ہے۔ اور نزول وحی صرف تکمیل نفس کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ سورۃ اقراء آنحضرت کی تعلیم و تکمیل کے لئے نازل ہوئی اور وہ نبوت ہے اس کے بعد سورۃ اقراء آنحضرت کی تعلیم و تکمیل کے لئے نازل ہوئی۔ اور وہ نبوت ہے۔ اس کے بعد سورۃ **یایھا المدثر** برائے تبلیغ و انداز نازل ہوئی اور یہ رسالت ہے۔

اقسام وحی:۔ وصل:۔ معلوم ہو کہ علماء نے وحی کو چند مراتب میں بیان کیا ہے۔ اول سچے خواب جیسے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ پہلے جو شروع ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب صالحہ تھے۔ اور کتب میں آیا ہے کہ چھ ماہ تک ایسے ہی تھا۔ اور اس مدت کو دور نبوت میں شامل کرنے میں علماء کو کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مرتبہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلب شریف میں جبرئیل علیہ السلام القاء کرتے تھے جبکہ آنحضرت جبرئیل کو نہ دیکھتے تھے۔ جیسے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ روح القدس میرے دل میں ڈال دیتے تھے۔ کہ کوئی نفس (آدمی) اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرے اور اسے استیفاء نہ کرے۔ الحدیث۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ تیسرے مرتبہ یہ تھا کہ جبرئیل علیہ السلام آدمی کی تمثیل میں آتے تھے۔ اور آنحضرت کو خطاب کرتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت اسے یاد کر لیتے تھے جو کچھ جبرئیل بتاتے تھے۔ اکثر دفعہ جبرئیل دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئے جو کہ آنحضرت کے صحابی تھے قبیلہ بن قلب سے اور بڑے خوش شکل اور حسن و جمال نہایت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب دحیہ تجارت کی غرض سے نکلتے تھے تو عورتیں محمل نشین ان کو دیکھا کرتی تھیں اور جبرئیل علیہ السلام کا دحیہ کی شکل میں ہونے میں بھی علماء کو کلام ہے۔ اہل نظر لوگ یہاں پر یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ جب جبرئیل دحیہ کی صورت میں تمثیل کرتے تھے تو اس وقت جبرئیل کی روح کہاں ہوتی تھی نہ اگر جثہ شریف میں ہی ہوتی تھی تو کہ اصلی صورت پس جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا وہ روح جبرئیل نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ اس کا جسم۔ اور اگر وہ اسی جسم میں ہوتے تھے جو دحیہ کی صورت میں تھا تو لازما" اپنے اصلی جسم سے علیحدہ ہو کر ہی اس جسم میں آتے تھے۔ تو آیا کہ جسد سے روح منتقل ہو جانے کی وجہ سے کیا جبرئیل مرجاتے تھے یا کہ وہ جسد روح **منتقلہ** سے خالی رہ جاتا تھا۔ اور بے روح ہی

زندہ رہتا تھا۔

اور مواہب الدنیہ میں علامہ عینی شارح بخاری جو حنفی المذہب ہیں سے منقول ہے کہ انتقال روح موجب موت نہ ہوتا تھا پس جسد باقی رہتا تھا۔ اور اس سے کسی چیز کی مفارقت سے اس کو نقصان نہ پہنچتا تھا۔ اور جسد ثانی میں انتقال روح شہیدوں کی روح کی طرح ہے کہ وہ سبز پرندوں جیسے اجسام میں چلی جاتی ہیں۔ اور جسموں کی موت مفارقت ارواح سے واجب نہیں ہے عقلی طور پر بلکہ یہ تو ایک عادت ہے جو حق تعالیٰ نے بنی آدم میں جاری فرمادی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ غیر بنی آدم میں یہی عادت ہو۔ بلکہ عقلاً" غیر بنی آدم میں بھی جائز ہے اور حق سبحانہ کی قدرت میں داخل ہے یہ کلام ظاہری ہے جو بعض علماء نے کیا ہے۔ اور اہل تحقیق کے نزدیک وحیہ کی صورت میں تمثیل کی کیفیت یہ تھی کہ جبرئیل کے ذہن میں اس کی قدرت کاملہ اور ارادت شاملہ کے سبب وحیہ کی مانند صورت علیہ انہیں صفات سے جو وحیہ میں تھیں افاضہ وجود کرتے وحیہ کی صورت میں دکھائی دیتی تھی۔ اور وہ صورت علیہ ان صفات سے ملتبس ہو کر موجود ہو جاتی تھی۔ جبکہ جبرئیل اپنے مقام میں ثابت و کائن ہوتے تھے اپنی ملکی ذات و صفات کے ساتھ۔ اور وحیہ بھی اپنی صورت میں موجود رہتے تھے جو ان کی تھی۔ اور تمثل کی یہ صورت عین جبرئیل نہ تھی۔ کیونکہ جبرئیل کی حقیقت دوسری تھی۔ اور صورت بھی اور تھی۔ اور نہ ہی یہ تمثل غیر جبرئیل تھی کیونکہ تمام جبرئیل کی ذات و صفات تھیں جو اس صورت میں آتی تھیں۔ اور ممثل شدہ ہوتی تھیں۔ جیسے کہ اہل توحید حق سبحانہ کے ظہور اور اس کے تمثل بصورت عالم (جہان) کے ضمن میں کہتے ہیں۔ اور اسی طریق پر ہے مثل روحانیت کی بصورت جسمانیات اور تمثل حق بصورت بشر اور بعض کامل اولیاء کا تمثل بصورت متعددہ۔ لہٰذا اسے جان لو۔ کبھی جبرئیل غیر وحیہ صورت میں بھی آتے تھے۔ جیسے کہ جبرئیل کا ذکر حدیث جبرئیل میں ہے۔ جس میں اسلام۔ ایمان اور احسان کا بیان ہے۔

چوتھے یہ کہ جبرئیل صلتہ الجرس (گھنٹی کی آواز) کی صورت میں آتے تھے۔ یعنی آواز آتی تھی۔ اور اس سے کلمات کی تفہیم سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی کو نہ ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تمام اقسام وحی میں سے یہ سخت ترین صورت تھی۔ کیونکہ آنجناب کی جبیں مبارک سے پسینہ چل پڑتا تھا۔ اور کبھی آپ کی سواری کا اونٹ نیچے بیٹھ جاتا تھا۔ اور تحقیق ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اس صورت میں وحی آئی کہ آپ کا سر اقدس زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھا۔ پس زید کی ران اس قدر گراں ہو گئی کہ قریب تھا کہ ٹوٹ جائے۔

اور طبرانی نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں کاتب وحی کی خدمت سرانجام دیتا تھا۔ اور جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو اسی طرح ہوتا تھا کہ آنحضرت پر شدت کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ جس سے چاندی کے دانوں کی مانند سخت پسینہ آجاتا تھا۔ ایک دن یوں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میری ران پر استراحت فرماتے۔ پس مجھ پر بڑا ہی بوجھ پڑ گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری ٹانگ ٹوٹ جائے۔ اور اس طرح ہوا کہ میں اپنی اس ٹانگ سے راستے پر نہیں چل سکتا۔ اور جب آپ پر سورۃ مائدہ کا نزول ہوا تو قریب تھا کہ آنحضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ناقہ پر سوار تھے اس کا بازو ٹوٹ جائے۔

علاوہ ازیں مطلق وحی میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس کے باعث آپ کو بڑا کرب ہوتا تھا۔ اور آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خاکستری رنگ کی مانند ہو جاتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمبارک ڈھلک جاتا تھا اور قریبی صحابہ کے سر بھی جھک جاتے تھے اور جب نزول وحی سے کشادگی ہو جاتی تو اپنا سرمبارک اوپر اٹھا لیتے تھے۔ اور محققین نے کہا ہے کہ افاضہ میں شرط مناسبت ہے۔ پس کبھی تو جبریل کی ملکیت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر غلبہ کرتی تھی اور انہیں بے خود کر دیتی تھی اور اپنے عالم میں لے جاتی تھی اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت جبریل پر غالب آجاتی تھی۔ اور اسے بشری صورت میں بنا لیتی تھی۔ اور یہ صورت اور عدد میں بشارت ہوتی تھی اور پہلی وعید و نذارت کی صورت ہے۔

پانچویں اس طرح تھا کہ کبھی آپ فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے تھے۔ کہ اس کے چھ سو بازو تھے۔ اور جو کچھ خدا چاہتا تھا وہ وحی پہنچاتا تھا۔ جیسے کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے اور کہتے ہیں اس طرح دو مرتبہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

چھٹے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی جبکہ آپ آسمانوں سے بھی اوپر تھے۔ آپ پر پانچ نمازیں وغیرہ وحی فرمائی گئیں۔

ساتویں یہ کہ رب العزت آپ سے بلاوساطت کلام فرماتے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا تھا۔

آٹھویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بے حجاب اور آشکارہ طور پر آپ سے کلام فرمایا۔ اور ظاہراً" یہ ہے کہ آسمانوں سے اوپر آپ پر اللہ تعالیٰ نے اسی طرح وحی فرمائی تھی وہ اسی قبیل سے تھی اور صاحب مواہب نے کہا ہے کہ کسی کا مذہب یہ ہے کہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو شب معراج میں دیکھا تھا۔ یہ مسئلہ اختلافیہ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پروردگار تعالیٰ وتقدس کو خواب میں دیکھتے تھے۔ اور اس سے کلام کرتے تھے۔ جیسے کہ آیا ہے کہ پروردگار کو آپ نے احسن صورت میں دیکھا۔ پس اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھے تو میں نے ان کے لمس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ اور مجھ سے پوچھا کہ ملاء اعلیٰ۔ کس بات میں جھگڑتے تھے۔ الحدیث بطولہ۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کہ جس سے علم حاصل ہوتا ہے اور وہ صائب تھا کو بھی اقسام وحی میں شمار کیا ہے اور صاحب مواہب کہتے ہیں کہ اس پر علماء نے اتفاق کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اجتہاد فرماتے تھے تو درست فرماتے تھے کیونکہ آپ قطعاً" معصوم عن الخطاء تھے۔ جبکہ امت کا اجتہاد اس کے برعکس ہے۔ اور کتب اصول میں یہ مشہور ہے کہ خطاء پر آپ قائم وبرقرار نہ رہتے تھے۔ بلکہ اس پر آنجناب کو تنبیہ کر دی جاتی تھی۔ جیسے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مذکور ہے۔ اور صاحب مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو چھیالیس قسموں کی وحی فرمائی گئی۔ اور اس کا ذکر فتح الباری میں کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ غالباً "یہ حال وحی کے مختلف احوال کے اعتبار سے ہے اور مجموعی طور پر جو کچھ مذکور ہوا اس میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور آدم علیہ السلام پر بارہ دفعہ۔ ادریس علیہ السلام پر چار دفعہ اور نوح علیہ السلام پر پچاس دفعہ اور ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس بار اور موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار بار اور عیسیٰ علیہ السلام پر دو بار **صلوٰۃ اللہ وسلامہ علی انبینا وعلیہم اجمعین** اسی طرح منقول ہے صاحب مواہب لدینہ سے۔ واللہ اعلم۔

اور کہتے ہیں کہ عبادات میں سے جو پہلی چیز واجب ہوئی ایمان و توحید کے بعد وہ دو رکعت نماز تھی۔ جو جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تعلیم فرمائی۔ اور ان کے ساتھ ادا کی۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ پہلی نماز کی دو رکعت فرض تھیں دن میں اور دو رکعت عشاء کے وقت۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق تھا۔ **وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار** اور فتح الباری میں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واقعہ اسراء سے قبل نماز ادا کیا کرتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی۔ لیکن اس بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا پنج گانہ نماز سے قبل نماز کی کوئی چیز فرض تھی؟ پس بعض نے کہا ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے کے وقت پر نماز فرض تھی اور قبل از غروب کے وقت پر بھی نماز فرض تھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول حجت و دلیل ہے۔ **وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا** الخ۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر لوگوں کو ڈرانا اور دعوت توحید دینا واجب ہوا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے قیام لیل فرض کیا جیسے کہ صورت مزمل کے شروع پر مذکور ہے اس کے بعد اس حکم کو اسی سورۃ کے آخر پر منسوخ کر دیا اور اس کے بعد پنج گانہ نمازیں واجب ہونے پر لیلۃ الاسراء میں سب منسوخ کر دیا گیا۔

سب سے مومن اور مصدق:۔ وصل:۔ علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون آنحضرت پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی وہ کون تھا۔ جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ وہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حرا پہاڑ سے آئے اور نزول وحی کی خبر دی۔ تو یہ ایمان لائے اور تصدیق بھی کی۔ اور آنحضرت کے صدق و سچائی پر استدلال بھی کیا اور آپ کی پیروی کی۔ ان کے بعد سب سے اول و اسبق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت اور اسماء بنت ابی بکر وغیرہم اور صحابہ کی ایک جماعت اور تابعین اور علماء وغیرہ کے نزدیک بھی یہی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اول علی بن ابی طالب ایمان لائے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تربیت میں تھے۔ اور آپ کرم اللہ وجہہ اس وقت چھوٹے ہی تھے حد بلوغ کو نہ پہنچے تھے۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے۔۔

سبقتکم الی الاسلام طرا صبیا ما بلغت اوان حلمی

اور اس وقت آپ کی عمر شریف صرف دس برس تھی جیسے کہ طبری نے حکایت کیا ہے۔ اور ابو عمر بن عبد البر نے کہا ہے کہ جنہوں نے اول ایمان لانے والا شخص حضرت علی کو شمار کیا ہے وہ حضرت سلمان 'ابوذر' خباب' جابر' ابو سعید خدری'

اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور ابن شہاب اور قتادہ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے ورقہ بن نوفل ہیں۔ اور شیخ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ اورع اور احوط یہ ہے کہ کہا جائے کہ آزاد مردوں میں سے ابوبکر ہیں۔ اور لڑکوں میں علی ہیں۔ عورتوں سے خدیجہ الکبریٰ غلاموں میں سے زید بن حارث اور بندوں میں سے بلال رضی اللہ عنہم۔ واللہ اعلم۔ اور ابن البر نے دعویٰ کیا ہے کہ اتفاق اس پر ہے کہ پہلے علی ایمان لائے رضی اللہ عنہم۔ لیکن وہ چھوٹے تھے لہٰذا پوشیدہ رکھا ابوطالب کے خوف کے باعث۔ اور ابوبکر اسلام لائے تو اس کا اظہار کر دیا اور اس کی تاکید بھی کرتے تھے۔ اور حسن نے جو علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابوبکر نے سبقت کی چار چیزوں میں جو مجھے میسر نہ ہوئیں۔ کہ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کرنے میں سبقت کی۔ ہجرت میں قدم رکھنے میں غار میں رفاقت میں اور اقامت صلوۃ اور اس کے اظہار میں اور میں شعب میں تھا اور میں اسے پوشیدہ رکھتا تھا۔ اس کے بعد اسلام لائے زید بن حارث، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ان کے بعد اسلام لائے ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح اور ابوسلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد نو آدمیوں کے بعد اور ارقم مخزومی۔ عثمان بن بن مظعون اور عبداللہ بن بن مسعود اور سعید بن زید اور فاطمہ بنت الخطاب اور ابن سعد نے کہا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہ عنہا کے بعد اول ایمان لانے والی ام الفضل زوجہ عباس اور اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

وصل :۔ تین سال تک حال اس طرح رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس امر کے پوشیدہ رکھنے پر مامور تھے اور اس پر صبر کرنے پر حکم تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم خفیہ ہی دعوت اسلام دیتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی **فاصدع بما تومروا عرض عن المشرکین** یعنی جو کچھ آپ کو امر کیا گیا ہے اس کا اظہار کرو اور آشکارہ طور پر دعوت دو۔ اور مشرکوں سے اپنا منہ پھیر لو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کا اظہار ہے۔ اور اظہار حجت اور حق و باطل کے درمیان فرق کا اظہار ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کے معاملہ میں اجتہاد و قصد میں مضبوط کمر باندھ لی۔ اور قریش کوئی تعرض نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں سے تعرض کرنے لگے۔ اور حکم کرتے تھے کہ یہ بت اور ان کی پرستش کرنے والے سب نار جہنم میں جائیں گے پس کفار و مشرکین پر وحشت چھا گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درپے آزار و اضرار ہو گئے۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت و مخالفت پر اتفاق کر لیا سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ سے عصمت نصیب ہوئی اور اسلام لانے کی توفیق عطا ہوئی۔ یہ واقعات سال چہارم کے ہیں۔ پس آنجناب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا ابوطالب آپ کی حمایت کرتے تھے اور آپ کو ایذا دینے سے قریش کو منع کرتے تھے۔ اور آنحضرت اور قریش کے درمیان آڑے آتے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت کا کام مزید سخت ہو گیا اور قوم کے لوگ ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اور آپس میں عداوت کو انہوں نے ظاہر کر دیا۔ اور قریش متفق ہو گئے کہ جو کوئی ان میں سے ایمان لائے گا اسے عذاب کریں گے اور فتنہ میں ڈالیں گے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے چچا ابوطالب اور بنوہاشم ماسوائے ابولہب کے ذریعے سے منع رکھا۔ اور اپنی قرابتداری کی بنا پر بنوالمطلب بھی تمام کے تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و رعایت میں ہو گئے۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کے پاس تھے۔ اور ان کو دعوت اسلام دے رہے تھے کہ قریش وہاں اکٹھے ہو گئے اور ابوطالب کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایذا اور آزار پہنچانے کے لئے قریش کا قاصد آیا۔ تاکہ وہ آنحضرت کو ان قریش کے سپرد کریں۔ تو ابوطالب نے کہا کہ اگر اونٹنی کسی غیر بچہ سے محبت کر سکتی ہے۔ تو میں آنحضرت کے تمہارے حوالے کر دیتا ہوں (مراد یہ کہ کسی دوسرے کا بچہ جو قریش بدل میں دینے کی پیش کش کرتے تھے۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے کہا اگر اونٹنی غیر بچہ سے محبت نہیں رکھتی تو میں کیسے غیر کو اپنا سکتا ہوں۔ لہٰذا تمہارے سپرد لینا پچہ نہ کروں گا)۔ اور آنحضرت سے مخاطب ہوتے ہوئے چند اشعار کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ خدا کی قسم وہ ہرگز تمہیں کوئی تکلیف و ایذا نہ دے سکیں گے۔ پس تو اپنے امر کا خوب اظہار کرے۔ تجھے کوئی ذرہ یا تنگی نہ ہے اور شاد ہو اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور تو نے مجھے دعوت اسلام دی ہے۔ اور کہا ہے کہ تو میرا ناصح اور خیر خواہ ہے۔ تحقیق تو نے درست کہا ہے اور تو امین ہے۔ اور تو نے اس دین کا اظہار کیا ہے۔ جو سب ادیان میں بہترین ہے۔ اگر مجھے لوگوں کی ملامت اور گالی گلوچ کا ڈر نہ ہوتا تو مجھے بہر حال کشادہ دل اور اسلام قبول کرنے والا پاتا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پاس جاتے تھے اور ان کے پیچھے گھومتے پھرتے تھے اور دعوت اسلام دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے باپ دادوں کا دین چھوڑ دو۔ اور اس کے قریب آؤ اور بعض کافر قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے۔ بعض شاعر کہتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ کاہن ہے اور کچھ آپ کو مجنون کہتے تھے۔

منقول ہے کہ کفار قریش نے آپس میں اتفاق کیا کہ جب حج کا موسم آتا ہے۔ تو اکناف و اطراف عرب سے قبائل آئیں گے۔ جب وہ اس شخص کی آواز سنیں گے تو لازماً وہ اس کے سامنے آئیں گے اور اس کی بات سنیں گے اور اس کے کہنے میں آ جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں اقرار کرنا چاہیے کہ ہم اس کی عیب جوئی کریں اور مذمت کریں گے تاکہ لوگوں کے دل اس کی طرف سے پھر جائیں۔ اور اس کی طرف راغب نہ ہوں۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اچھا ہم اسے کاہن بتائیں گے۔ اس پر ولید بن مغیرہ جو ان میں عمر رسیدہ اور عقلمند تھا۔ کہنے لگا کہ ہم نے بڑے کاہن دیکھے ہیں۔ اس شخص کا کلام کاہنوں کے کلام و الفاظ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ اور وہ قبائل جو آئیں گے تمہیں ہی جھوٹا اور دروغ گو کہیں گے پھر کہنے لگے کہ اچھا ہم اسے مجنون پکاریں گے۔ اس نے کہا کہ ہم اچھی طرح واقف ہیں کہ اسے کوئی وسوسہ یا جنون نہ ہے۔ تو کہنے لگے ہم کہیں گے کہ شاعر ہے۔ اس نے کہا کہ ہم شاعر کو بھی خوب پہچانتے ہیں اور شاعری کی اقسام بھی خوب جانتے ہیں۔ اس کا کلام شاعری نہیں ہے۔ پس وہ کہنے لگے کہ ہم کہیں گے یہ جادوگر ہے تو ولید نے کہا کہ جادو کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور یہ

طہارت و نظافت اور پاکیزگی جو اس کے حال میں شامل ہے۔ نجس و پلید جادوگروں سے اس کی کوئی نسبت یا لگاؤ نہیں ہے۔ اور کہا جو کلام محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) لایا ہے۔ اس میں بڑی ملاوت اور طلاوت ہے۔ اتنی کہ کسی اور کلام میں نہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اس کا کلام دلوں اور جانوں میں تصرف کرنے والا اور اثر کرنے والا ہے۔ اور اس قدر باپ بیٹوں اور بھائیوں میں اور خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی مناسبت اور مشابہت جادو سے ہے۔ لہذا اگر اسے جادوگر اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں گو اس کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ پس اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ولید بن مغیرہ کے متعلق یہ کلام بھیجا۔ **انه فکر وقدر فقتل کیف قدر ثم قتل کیف قدر** الایات' اور کبھی ان کافروں میں سے کوئی ایک ہوتا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر خاک پھینکا کرتا تھا اور اس میں بکری کا خون پھینکتا تھا۔ اور دوسرا آپ کے راستے میں کانٹے پھینکتا اور آنجناب کے جسم اقدس پر پتھر بھی مارتا تھا۔ رباعی

سیمیں بدنے کش از گل آزار شود　　وز سلیہ سنبل رخش افگار شود
بنگر چہ رسد بردلش از غم کہ رہش　　از دست ستم گیراں پر از خار شود

اور آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گردن مبارک کو کپڑا ڈال کر مروڑتے جبکہ آپ سجدہ میں ہوتے یہاں تک کہ نزدیک ہوتا تھا کہ آنکھیں باہر آگریں۔ اور ان میں سے ایک آدمی بڑا سخت **خنقه** کرتا (یعنی　　) پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور درمیان میں جا الجھے اور آپ کو رہا کرایا۔ اور انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر پیچھے کی جانب اتنا کھینچا کہ ان کے زیادہ تر بال نیچے اکھڑ کر گر گئے۔ اور ان کے سر کو زخمی کر دیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان کے سر مبارک پر اتنے جوتے (العیاذ باللہ) برسائے کہ وہ بے ہوش گر پڑے۔ اور ابوبکر کہتے تھے۔ **اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم** اور یہی قول آل فرعون کے ایک مومن کا ہے جو فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے حق میں کہتا تھا۔

اور صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اسی اثناء میں کہ جب ہمارے رسول خدا کے ساتھ صحن کعبہ میں کھڑے تھے۔ اچانک عقبہ بن ابی معیط وہاں آنکلا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گردن مبارک میں اپنا کپڑا ڈال لیا اور اسے موڑ کر کھینچا اور سخت گھونٹا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اس مدہوش کا کندھا پکڑ کر اسے دور ہٹا دیا اور فرمایا **اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ** اور علماء نے کہا ہے کہ آل فرعون کے مومن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ (بدرجہا) افضل ہیں۔ کیونکہ اس نے تو صرف زبان سے ہی اقتصار کیا تھا جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زبان اور ہاتھ دونوں سے مدد فرمائی۔ اور قول و فعل کے ساتھ انتصار فرمایا۔ اور کہتے ہیں کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اس بارے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت و دلیری کو مانتے ہیں اور اس باب میں عجیب و غریب قصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کعبہ کے نزدیک نماز ادا کر رہے تھے اور قریش وہاں مجلس میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ ان میں سے ایک نے کہا اس کی طرف دیکھو۔ کون ہے تم میں سے جو فلاں قبیلہ میں اونٹ ذبح کیا گیا ہے اس کی

اوجھلائے۔ اور اس کے (آنسرور کے) دونوں کندھوں کے درمیان میں رکھ دے۔ پس ان سب بدبختوں سے ایک گیا۔ اوجھ لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دونوں شانوں کے ان کے اوپر ڈال دی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ثابت رہے سجدہ میں اور سر اوپر اور وہ دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے اس طرح کہ ہنستے ہنستے ایک دوسرے کے اوپر گرتے تھے۔ حتیٰ کہ فاروق رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے اس بوجھ کو دور ہٹایا۔ پشت نبوی سے اور ان بدبختوں کو برا بھلا کہا۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے نماز مکمل کرلی۔ تو ان پر آپ نے دعا فرمائی۔ **الھم علیک بقریش** اس کے بعد ان میں سے ابو جہل اور کچھ دیگر اشقیاء پر بددعا فرمائی۔ اور وہ سب جنگ بدر کے دن ہلاک ہوئے۔ اور وہ لعنت کے کنویں میں پھینکے گئے۔ جیسے باب الغزوات میں آئے گا۔ اور آنحضرت نے بہت صبر اور درگزر فرمائی۔ لیکن جب معاملہ حد سے گزر گیا اور نماز میں بے ادبی کرنے لگے۔ اور وقت آگیا اور پروردگار کی طرف سے حکم ہوا جو کچھ کہ آپہنچا۔ **نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔**

علم حق گرچہ مواسا ہاکند لیک چوں از حد بگذرد رسواکند

اور علماء نے اس حدیث میں کلام کیا ہے فقاہت کے باب میں۔ کہ جب باوجود نجاست آپہنچے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں قائم رہے۔ تو بعض اس طرف گئے ہیں کہ دوران نماز نجاست واصابت ہو تو نماز کی صحت پر حرف نہیں آتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اوجھ یا کھایا جانے والا گوشت نجس نہیں ہوتا۔ لیکن امام نووی نے کہا ہے کہ آنحضرت نہ جانتے تھے کہ ان کی پشت مبارک پر کیا چیز دھری ہے لہٰذا سجدہ جاری رکھا سابقہ طہارت کے باعث۔ اور اس پر یہ کلام وارد ہوتا ہے کہ پھر علم ہو جانے کے بعد آپ نے نماز کا اعادہ کیوں نہ کیا اور علماء نے کہا ہے کہ اگر نماز نفل تھی۔ اور ظاہراً" نفل ہی معلوم ہوتی ہے تو اعادہ لازم نہ تھا۔ اگر فرض تھی تو شاید اعادہ بھی آپ نے کیا ہو۔ اور اس میں بھی کلام ہے کہ اگر اعادہ بھی کیا گیا ہو۔ تو نقل کی گئی ہوگی جبکہ حال یہ ہے کہ نقل کی گئی ہے۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے نماز فاسد پر تقدیر بعید از خیال ہے۔ واللہ اعلم۔

وصل:۔ جس طرح کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مختلف قسم کی ایذائیں دیتے تھے۔ اسی طرح وہ فقراء اور کمزور صحابہ کرام کو بھی تکلیف اور سزائیں دیتے تھے۔ تاکہ ان کو اسلام سے منہ موڑنے پر مجبور کردیں اور ان کو وہ لوہے کی زرہ پہنادیتے اور کھلی دھوپ بوقت دوپہر میں پھینک دیتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر چھوٹے لڑکوں کے حوالے کردیتے تھے اور اس طرح ان کو مکہ کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں گھماتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے اور ان کو گھسیٹتے تھے یہاں تک کہ ان کے جسم پر زخم آجاتے اور گردن میں رسی سے زخموں کے نشان ابھر آتے تھے۔ اور ان کے آقا امیہ بن خلف جمحی تھا وہ ان کو مکہ کے ریگستان میں لے جاکر گرم ریت پر ننگے جسم سے لٹادیتے تھے اور کڑکڑاتی دھوپ میں تپتے ہوئے پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیتے تھے۔ اور ان کے جسم کے گوشت میں میخیں گاڑ دیتے تھے۔ اور سخت دھوپ میں پھینک چھوڑتے تھے۔ اور اوپر سے مارتے تھے۔ اور وہ رضی اللہ عنہ پکارتے تھے۔ احد۔ احد۔ ان کے جسم و جان پر عذاب

ہوتا تھا۔ لیکن عذاب کی تلخی کو ان کے ایمان کی شیرینی فرحت میں بدل دیتی تھی۔ ایک دن ان کو اسی طرح عذاب کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے سر پر جا پہنچے۔ اور ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بلال کو خریدتے میں مجھے کیوں نہ شریک کر لیا۔ اے ابوبکر! حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ میں نے اس کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والد اور والدہ کو بھی قسم قسم کے عذاب دیتے تھے۔ ایک روز ان کو چلچلاتی دھوپ میں ڈال کر عذاب دے رہے تھے تو ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا گذر ہوا۔ اور دیکھا کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہے۔ تو فرمایا۔ **اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنة** ابوجہل لعین نے سمیہ ام عمار کی شرمگاہ میں نیزہ مارا اور وہ شہید ہو گئیں۔ اور عمار کے والد کو بھی شہید کر دیا۔ دین اسلام پر سب سے پہلے شہید ہونے والے یہی تھے۔ رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔

اور منقول ہے کہ بعض قریش یہودیوں کے پاس گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی نبوت کے متعلق پوچھا یہودیوں نے کہا اس کو تین چیزوں کے متعلق پوچھو اگر اس نے دو چیزوں کا جواب دیا اور تیسری کا نہ دیا تو جان لینا کہ وہ نبی مرسل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ فتنہ انگیز ہے۔ پہلی چیز ان کو ان جوانمرد لوگوں کے متعلق پوچھو جو سابقہ زمانہ میں طلب خدا میں نکلے۔ مراد اصحاب کہف سے ہے۔ دوسرے ان کو اس شخص کے متعلق پوچھو۔ جس نے زمین کے چاروں کونوں تک سفر کیا۔ یعنی ذوالقرنین۔ اور تیسرے ان کو روح کے بارے میں پوچھو۔ کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ (جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ سوالات کئے تو آپ نے فرمایا کہ کل پھر آنا۔ میں جواب دوں گا۔ اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا۔ لہذا آپ پر وحی اس بارے میں نازل نہ ہوئی۔ یہ قول سبحانہ و تعالیٰ اس بارے میں۔ **ولا تقولن لشیئی انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللّٰہ** پس قرآن اصحاب کہف کے ذکر اور ذوالقرنین کے تذکرہ کے ساتھ نازل ہوا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ دونوں قصے ان کے سامنے بیان کر دیئے اور حقیقت روح کے بارے میں آپ نے نہ بتایا۔

اور روح کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ آیا روح سے مراد کوئی انسان ہے یا جبریل علیہ السلام ہیں۔ یا کہ فرشتوں کی جماعت ہے جو کہ قیامت کے روز تنہا صف بستہ ہوں گے۔ انہوں نے یہ مراد اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لی ہے۔ **یوم یقوم الروح والملائکته صفا** اور یہ بھی کہتے ہیں کہ راجح اس جانب ہے کہ روح انسانی مراد ہے۔ پس بعض علماء نے کہا ہے اور یہی لوگوں میں بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول قل الروح من امر ربی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی روح کی حقیقت کا علم رکھتی ہے۔ دوسرے کسی کو اس کی حقیقت کی معرفت تک پہنچ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی ماہیت روح پر مطلع نہ کیا ہو۔ بلکہ آیت میں یہ احتمال ہے کہ آنحضرت کو مطلع فرمایا ہو گا اور یہ حکم دیا ہو گا کہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں۔ اور بعض علماء نے قیامت کے علم

کے بارے میں بھی اسی طرح کے معانی لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور ان معانی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا یعنی کہ اس قوم سے خطاب ہے جنہوں نے سوال کیا تھا یعنی کہ تم اس قابل نہیں کہ اس حقیقت کو سمجھ سکو۔ اس کی مانند کرو۔ پس علامت نبوت بھی ان کو نہ بتانا اور نہ خبر دینا ہی ہے نہ کہ نہ جاننا اور نہ آگاہ ہونا یہی وجہ ہے کہ یہود نے بھی کہا تھا کہ اگر اس کا جواب دیں گے تو نبی مرسل نہ ہوں گے۔ فافہم۔

اور یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) خصه الله بنور العلم واليقين کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف کیسے جرات کر سکتا ہے کہ حقیقت روح کے متعلق سید المرسلین اور امام العارفین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم کی نفی کرے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی ذات وصفات کا علم عطا فرمایا ہے۔ اور تمام اولین و آخرین کے تمام علوم کو بڑا اور ظاہر دروازہ کھول دیا ہوا ہے۔ تو روح انسانی کی حقیقت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو اس کی جامعہ حقیقت کے مقابل ایک قطرہ ہے۔ دریا میں سے ایک اور ذرہ ہے۔ فافهم وبالله التوفيق۔

وصل:۔ جب سید الابرار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ کرام پر کفار کے ظلم و ستم حد سے گزر گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اجازت عطا فرمائی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں وہ امن و امان کی جگہ تھی۔ اور اس ملک میں غریبوں پر ظلم کا ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا تھا۔ یہ واقعہ ۵ھ نبوی کے رجب کے مہینے کا ہے۔ پس گیارہ مرد اور ایک قول کے مطابق بارہ مرد اور چار عورتیں دوسرے قول کے مطابق پانچ عورتیں چپکے سے مکہ سے نکل گئے اور بعض مرد اپنے اہل و عیال سمیت اور بعض بلا اہل و عیال سمندر کے کنارے پیادہ پہنچ گئے۔ وہاں سے کشتیوں میں بیٹھ گئے۔ اور حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ پس وہ حبشہ میں پہنچ گئے۔ بادشاہ نجاشی کے علاقہ میں اور ان شریروں کی شر سے محفوظ ہو گئے اور نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے ہیں اور اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا سب سے پہلے جو شخص اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت پر نکلے وہ عثمان بن عفان تھے۔ یعنی اپنی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ نکلے اور جب ان کی سلامتی کی خبر ملنے میں دیر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تشویش ہونے لگی۔ پس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے عثمان کو دیکھا ہے کہ اپنی زوجہ کو ایک گدھے پر سوار کئے جا رہے تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ درست ہے کہ عثمان پہلے شخص ہیں جو اپنی زوجہ کو ساتھ لئے ہجرت پر نکلے ہیں حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر کے بعد اور جب صحابہ کرام حبشہ میں پہنچ گئے تو وہاں امن و امان میں رہنے لگے۔ اور ایک عرصہ کے بعد انہوں نے یہ غلط خبر سنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح کی افواہ پھیلی ہوئی ہے تو حبشہ سے نکل آئے۔ جب مکہ کے گرد و نواح میں آئے اور معلوم ہوا کہ اس صلح کو کوئی اعتبار نہیں اور کفار اسی طرح مسلمانوں کے درپئے آزار ہیں۔ تو ہر کوئی مہاجر مکہ میں کسی کی پناہ میں آگیا۔ اور پھر دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اجازت لے کر حبشہ کو روانہ ہو گئے۔ اور اس دفعہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت حبشہ کو نکلی۔ اور جب تک آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں تھے۔ جس کسی مسلمان کو کفار ایذاء دیتے تھے وہ حبشہ چلا جاتا تھا۔ جب کافروں کو حبشہ میں مسلمانوں کے امن و استقرار کا پتہ چلا۔ تو

عمر بن العاص کو دوسرے ساتھیوں سمیت ہدیے اور تحائف دے کر نجاشی کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو ان کی قوم کی طرف واپس بھیج دے۔ جب یہ گروہ نجاشی کی مجلس میں پہنچا۔ اس کے سامنے سجدہ بجالائے اور تحائف پیش کئے۔ خوشلدی کی اور مسلمانوں کو واپس کرنے کے لئے امراء سلطنت سے بھی سفارش کروائی۔ نجاشی نے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی قوم میرے ملک میں میری پناہ میں آئی ہو اور اسے واپس اس کے دشمنوں کے سپرد کردوں اور حکم فرمایا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تاکہ وہ بھی بات کریں اور اپنے دین وملت کے بارے میں بتائیں پس وہ بھی نجاشی کے دربار میں آئے اور اسلام کی سجدۂ تحیت نہ کیا۔ جیسے کہ حبشہ میں رسم تھی۔ نجاشی نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہا جو مہاجرین میں تھے انہوں نے کہا کہ ہم پروردگار کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے ہمیں ہمارے پیغمبر نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے دین اسلام اور اس کے احکام بڑے موال انداز میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کئے۔ اور نجاشی کے دل میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے کلام و گفتگو سے ہیبت پیدا ہوئی۔ اور کہا کہ جو کلام اس پیغمبر پر نازل ہوا ہے اس میں کچھ پڑھو۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا شروع حصہ تلاوت فرمایا۔ تلاوت قرآنی کو سن کر نجاشی اور دوسرے تمام ارکان دولت جو وہاں موجود تھے تلاوت کے اثر سے رونے لگے اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم یہ کلام اور وہ کلام جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ ایک ہی جگہ سے نازل شدہ ہیں۔ اور نجاشی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم)۔ اور یہ وہی ہیں جن کی آمد کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے تحائف واپس کردیئے اور وہ دربار نجاشی سے خائب و خاسر نکل آئے۔

وصل :- قبل ازیں مجمل طور پر اس بات کا ذکر آیا تھا کہ حبشہ سے کچھ مہاجر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور کفار قریش میں صلح ہو جانے کی خبر سن کر حبشہ سے نکل کر مکہ میں آئے اور پھر واپس حبشہ چلے گئے۔ اس کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مشرکوں کو تبلیغ کر رہے تھے اور انہیں ان کے بدانجام سے ڈراتے ہوئے سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی۔ آپ جب اس آیت پر پہنچے۔ **افریتم الات والعزی ومنات الثالثه الاخری** اس وقت شیطان نے مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی۔ **تلک الغرانیق العلی وان شفاعتین لترتجی** اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے سورہ مکمل کی۔ اور سجدہ میں گئے اور مسلمان بھی سجدے میں چلے گئے۔ مشرکوں نے بھی ان کی موافقت کی اور سجدہ میں پڑ گئے۔ اور مسجد حرام میں موجود ہر کافر سجدہ میں گر گیا۔ سوائے امیہ بن خلف جمحی کے۔ ایک قول مشہور یہ ہے کہ اس نے مٹی کی ایک مٹھی بھر کر اٹھائی اور اپنی قوم کے منہ پر ماری۔ اور کہا پس مشرک خوش ہو گئے۔ اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے ہمارے معبودوں کو یاد کیا ہے۔ اور ان کی تعریف کی ہے اور ان کے لئے شفاعت کا اختیار ثابت کیا ہے۔ اور ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے۔ اور ہم ان کو نہ خالق سمجھتے ہیں اور نہ رزق دینے والے اور ان کو ہم زندہ کرنے والے اور مارنے والے نہیں جانتے۔ اور اس امر میں جب محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے ہمارے ساتھ اتفاق کر لیا تو ہم بھی اس کے ساتھ صلح کرتے ہیں۔ اور اس کو اس کے ساتھیوں کو ایذا دینے سے اپنے ہاتھ

روکتے ہیں۔ یہ خبر اطراف و اکناف میں عام مشہور ہو گئی۔ شیطان نے یہ خبر خود شائع کی۔ جب یہ خبر حبشہ میں مہاجرین کو پہنچی۔ تو اسے سچی خیال کرتے ہوئے اپنے وطن کو لوٹے۔ جب یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے موجب حزن و ملال ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ **ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا انا اتمنی القی الشیطان فی امینتم فبنسخ اللہ مایلقی الشیطان ثم بحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم** جب یہ آیت کافروں نے سنی تو کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پشیمان ہو گئے ہیں (یعنی منحرف ہو گئے ہیں) اس سے جو انہوں نے ہمارے معبودوں کے متعلق ذکر کیا تھا۔ تو ہم بھی صلح سے باز آگئے ہیں۔ دوبارہ انہوں نے مسلمانوں کو ایذاء دینا شروع کر دیا۔ اور مہاجرین بھی واپس حبشہ کو چلے گئے۔ جیسے کہ واقعہ ہوا لیکن اس قصہ اور اس حادثہ کے وقوع کی صحت میں علماء کو کلام ہے۔ اور تحقیق قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شفاء میں کلام کیا ہے اور اس قصہ کی اصل کو ست کہا ہے اور اس کی شافعی روائی وجہ بیان کی ہے۔ اور امام فخر الدین نے اپنی تفسیر میں اس قصہ کو باطل کہا ہے اور زندیقوں کا وضع کردہ ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ابن زبعری کی مفتریات سے ہے۔ اور یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اس زبان حق ترجمان پر بتوں کی مدح آئے جبکہ اس کی شان **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیی یوحی** ہے۔ اور یہ محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمداً "یا سہواً" وہ چیز قرآن میں اضافہ کر دیں جو اس میں نہیں ہے خصوصاً جبکہ وہ چیز ہو بھی اس چیز کے منافی جو کہ اصل میں لائی گئی ہے۔ یعنی توحید کے خلاف ہوا۔ اور حال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں۔ اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ وہ قصہ نقل و روایت کی رو سے غریب ثابت نہیں ہے اور وہ تمام روایت میں مطعون ہیں اور بخاری نے اپنی صحیح میں خود روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ النجم پڑھی اور آپ کے ساتھ مسلمانوں مشرکوں اور جن و انس سب نے سجدہ کیا۔ اور اس کو ارباب صحاح نے کثرت طرق سے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں کوئی غرانیق نہیں اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بتوں کی تعظیم کرنے کا عمل تجویز کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ پس میں نے عقل و نقل کے طریق پر جان لیا کہ یہ قصہ موضوع اور باطل ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ یہ زنادقہ کا وضع کردہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ انتہی۔ اس طرح جمہور علماء اور محدث نے کہا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نے جیسے کہ ابو حاتم۔ طبری اور ابن منذر اور ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر وغیرہم نے ان طریقوں سے جو اکثریت کے نزدیک منقطع اور مرسل اور مضطرب اور غیر صحیح ہیں۔ روایت کیا ہے اور قطع نظر از صحت مجموعاً" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فی الجملہ اس کی کوئی اصل موجود ہے اور ثبوت کے اعتبار کوئی اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی توجیہ کی جائے اور ظاہری معانی سے اسے خارج کیا جائے۔ تاکہ مذکورہ محذورات سے باہر نکل جائے۔ اور تحقیق اس بارے میں بڑے بعید قسم کے مسالک کے تاویلات و توجیہات کی گئی ہیں۔ جو تسلی و تشفی کا موجب نہیں ہو سکتیں۔

لہذا بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے یہ کلمات اس وقت نکلے جب آپ پر

لاشعوری کی حالت غالب تھی۔ اور جب یہ بات عام پھیل گئی اور آپ کو پتہ چلا اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو استحکام بخشا۔ یہ طبری نے قتادہ سے بیان کیا ہے اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ نے اس قول کو رد کیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ولایت شیطان کا کوئی جواز نہ ہے حالت نیند کے اندر۔ اور بعض نے کہا ہے کہ شیطان لعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضطرب و پریشان کردیا تھا لہٰذا آپ سے یہ کلمات بے اختیار صادر ہوئے۔ اور یہ بات پہلی بات سے زیادہ فاسد اور نامعقول ہے بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول مقدس کے ان عبادی لیس لک علیھم سلطان اگر شیطان کو اس طور سے قدرت و طاقت ہوتی تو کسی ایک کو طاعت حق کی قوت نہ ہوتی اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ مشرک لوگ اپنے معبودوں کا ذکر کیا کرتے تھے اور ان کو توصیف بیان کیا کرتے تھے۔ پس انہیں اوصاف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذہن مبارک میں تعلق پکڑا اور وہ آنجناب کے حافظہ میں تھے۔ پس وہ "سہوا" آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہو گئے۔ اور اس قول کو بھی قاضی علیہ الرحمتہ اللہ نے رد کیا ہے اور یہ اس کے لائق تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر پہنچے۔ ومنات الثالثۃ الاخریٰ تو مشرکوں کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کو مزید مزمت بیان کریں گے لہٰذا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت میں خلط ملط کر دیا۔ جیسے کہ ان کی قرآن کے متعلق سابقہ عادت تھی۔ اور یہ شیطان کی طرف نسبت کردیا گیا کہ اس کا سبب وہ ہے۔ یا شیطان سے مراد شیطانی جنس ہے جو کہ شیاطین انس کو بھی شامل ہے۔

اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قرات میں ترتیل کرتے تھے اور توقف و سکتہ وغیرہ ادا کرتے تھے آیات کی روش کے مطابق۔ پس شیطان نے ان سکتوں کے مقام پر یہ کلمات ادا کر دیئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے مانند آواز بنائی۔ پس جو کوئی اس وقت قریب تھا اس نے سن لی پس اس نے گمان کیا کہ یہ آواز بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہے۔ لہٰذا اس کی اشاعت کی۔ اور صاحب مواہب الدینہ نے کہا ہے۔ یہ احسن وجوہ میں سے ہے اور اسے ابن العربی نے اچھا کہا ہے جو کہ اعاظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت انبیاء اور رسولوں میں جاری ہے کہ جب وہ کوئی بات کہتے ہیں تو شیطان اس میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ کلمات کے ساتھ۔ اور یہ نص اور دلیل ہے کہ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں شیطان نے زیادتی کردی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات نہ فرمائے تھے۔ صاحب مواہب نے کہا اور تحقیق اس قول پر طبری نے اپنی جلالت قدر اور وسعت علم اور ہاتھ کی شدت کے ساتھ سبقت کی ہے اپنی نظر میں پس اس کو بہتر جانا ہے۔ انتھی۔ اگر یہ توجیہات و تاویلات فرض کے اعتبار سے کی جاتی ہیں تو اس قصہ کا ثبوت ہیں۔

لیکن اگر یہ قضیہ موضوع ہو اور باطل تو اس آیت کے معنی کیا ہیں۔ اور شیطانی القاء سے کیا مراد ہے اور ان احکام کو کونسی آیات ناسخ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

قصہ کے ثبوت کے اعتبار سے تمنی قرات کے معنی میں (الفظ) ہے اور انفیت کے معنی قرات آئے ہیں۔ اور قصہ کے موضوع اور باطل ہونے کے اعتبار سے تمنی وانفیت سے معنی آرزو رکھنا اور نفس کی خواہش اور اس کی شہوت اور سوچنا اور دنیا کی طرف میلان و مشغولیت ظاہر کرنا اور دلوں میں ایک قسم کا وسوسہ اور سہو رکھنا اور اس کا باطن میں رہ پانا مراد ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر بلا اصرار و استمرار یہ جائز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول از لیغان علی قلبی واستغفر اللہ اس پر محمول ہے اور کبھی قوم کے ایمان لانے کی شدید خواہش اور ایسی چیز کے نزول کی آرزو جس کا اعلان عنقریب متوقع ہو اور جو ان کے لئے انس و الفت کا موجب ہوتی ہو اور ان کے دلوں کو نرم کردیتی ہو پر مشتمل ہوتی ہے اور اسے شیطان کی القاء سے تعبیر کیا اور چونکہ عصمت ثابت ہے وہ اس القاء کو باطل کرتی ہے اور ارشاد اور تنبیہہ سے عدو کمل پاک کردیتی ہے ایک چیز سے جو اس کو زائل کردیتی ہے اور اس آیات کو ثابت کرتی ہے جو امر آخرت میں استغراق کی داعی ہو جیسے کہ فرمایا ہے یحکم اللہ بایاتہ اور اللہ جل و علی کی اس میں حکمت ہے۔ جس کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

اور یہ بیضاوی کا کلام ہے۔ اور اس قصہ کو نقل بھی کیا ہے اور اس کا رد کیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ یہ آیت انبیاء صلوۃ اللہ وسلامہ علیہم کے لئے سہو اور وسوسہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور منقول ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ لیکن ہجرت اول یا ہجرت ثانی میں علماء کے کلام میں بالفعل مجھے اس کی کوئی تصریح نہیں ملی۔ اور ظاہر یہی ہے کہ ہجرت ثانی ہی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اور روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تیرھویں سال کا ہجرت مدینہ سے قبل اور بیعت عقبہ ثانیہ سے بعد کا۔ اور انہوں نے رضی اللہ عنہ نے ہجرت فرمائی۔ تو شہر کے لوگ کہنے لگے کہ ابوبکر اگر شہر سے باہر چلا جائے تو پھر شہر میں کس طرح کوئی رہ سکتا ہے۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس موڑ لیا گیا۔ اور جب برک الغماد پہنچے جو ایک گاؤں کا نام ہے تو وہاں سے مکہ کو مراجعت فرمائی۔ تو قبیلہ قارہ کے سردار مالک بن الدغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا بمقابلہ قریش کی شرارتوں کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے اندر عبادت کیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی۔ اس میں یہ نماز پڑھتے تھے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور رویا کرتے تھے۔ آپ بڑے نرم دل تھے۔ قرائت قرآن میں بہت زیادہ رویا کرتے تھے جیسے کہ یہ اپنی آنکھوں کے مالک ہیں۔ پس آپ کے گرد مشرکین کی عورتیں آکر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ اور لڑکے اور چھوٹے بچے بھی ان کے آجاتے تھے اور وہ قرآن سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے اور یہ فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی۔ جو اور کسی صحابی میں نہ تھی کہ جب اسلام پوشیدہ تھا انہوں نے علانیہ مسجد بنائی۔ اور قرآن پڑھتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔ پس مشرکین قریش نے خدشہ محسوس کیا اور ابن الدغنہ کو کہنے لگے۔ کہ ہمیں خدشہ ہے کہ ہمارے عورتیں اور بچے فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ لہٰذا تم اس شخص کو اس کام سے باز رکھو۔ اگر یہ پسند کرتا ہے اس طرح کرنا تو یہ اپنے پروردگار کی عبادت اپنے گھر کے اندر کرے۔ اگر یہ اسی طرح ظاہر ہو کر کرنا چاہتا ہے تو تم وہ اپنا عہد توڑ دو جو اس کے ساتھ تم نے کیا ہے اور اسے اپنی پناہ میں لیا ہوا ہے۔ تاکہ ہم بھی تیرا عہد توڑ دیں۔ جب حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو ابن الدغنہ کو کہا۔ میں تمہاری پناہ کو رد کرتا ہوں اور خدا کی پناہ پر راضی ہوں۔ (رواہ بخاری)

وصل:۔ چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رضاعی بھائی اور حقیقی چچا یعنی حمزہ بن عبدالمطلب اسلام لائے وہ قریش میں ایک غیر تمند بہادر جوان تھے اور بڑے شدید تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش پر اپنے اسلام کے ساتھ غالب اور قوی ہو گئے۔

علماء بیان کرتے تھے کہ ایک روز ابو جہل لعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف دی تھی اور گالیاں بھی دیں یہ خبر حمزہ تک پہنچی۔ وہ شکار سے واپس آئے تھے اور طواف کعبہ کر رہے تھے پس یہ سنتے ہی وہ غضب میں آگئے۔ اور وہیں سے ابو جہل کے پاس گئے۔ حمزہ کے کندھے پر کمان تھی۔ آپ نے وہی ابو جہل کے سر پر ماری اور اس کا سر توڑ دیا۔ اور کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو ایذا دیتے ہو اور گالیاں دیتے ہو۔ حالانکہ میں بھی اس کے دین پر ہوں۔ اسی جگہ سے پھر حمزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ اور ایمان لے آئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حمزہ پانچویں سال میں اسلام لائے تھے واللہ اعلم اور عمر بن الخطاب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ تین دن بعد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ **اللهم اعز الاسلام بعمر بن بشام اور بعمر من الخطاب** اے خداوند! اسلام کو ابو جہل اس کا نام عمر بن ہشام تھا۔ یا عمر بن خطاب کے ساتھ قوی و غالب فرما۔ یہ دو شخص اپنی قوم میں زیادہ سخت اور زیادہ طاقت ور تھے۔ لیکن چونکہ ابو جہل ان میں سے تھا۔ (جن کا بیان اس آیت میں ہے) **ختم اللہ علیٰ قلوبھم سواء علیھم انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون** لہذا دعا کی قبولیت اس کے حق میں نہ ہوئی اور حضرت عمر ابن الخطاب جو کہ بعض تجلیات کی وجہ سے حقیقت کو سمجھ نہ سکے تھے اور ان کے لئے یہ امر وقت مناسب پر موقوف تھا ان کے حق میں دعا قبول ہو گئی اور مشہور یہ ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد صرف انتالیس تک پہنچتی تھی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شمولیت سے چالیس پورے ہو گئے۔ اور مدینہ طیبہ کی زیارت کرنے والے بوقت زیارت اس طرح سلام کہتے ہیں۔ **السلام علیک یا من کمل اللہ بہ الاربعین** اور مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ چالیس اور کچھ مرد تھے اور گیارہ عورتیں تھیں۔ اور تعجب خیز بات ہے کہ اتنی مدت تک اسلام لانے میں انہوں نے تاخیر کی اگر قیاس کیا جائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقدیم ایمان سے۔ لیکن اس میں حضرت عمر کے اسلام کے ذریعے قوت دین کا اظہار مطلوب تھا۔ اور چالیس کا عدد کمال و تکمیل کے لحاظ سے بڑا اثر رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور کفر کی حالت میں عمر بن خطاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے صحابہ کے حق میں کوئی ایذاء و سزا و جفا قسم کی کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی۔ اور ان کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف الفاظ میں مختلف عبارات اور قسم قسم کی حکایات منقول ہیں اور ہو سکتا ہے کہ سب صحیح و واقعی ہوں اور راویوں نے جو جو کچھ انہیں سمجھ میں آیا انہوں نے روایت کر دیا۔ واللہ اعلم۔

مواہب الدینہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اسلام میری بہن کے

ذریعے پہنچا۔ اور ان کی بہن زید بن عمر بن نفیل کی زوجہ تھیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ اور حدیث کے آخر پر عشرہ مبشرہ کی بشارت مذکور ہے۔ انہوں نے کہا پس میں اپنی بہن کے پاس آیا اور اس کو کہا کہ اے اپنی دشمن! تحقیق مجھے خبر ملی ہے کہ تم صابی ہو گئے ہو۔ اور صابی اسے کہا جاتا ہے جو ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین میں چلا جاتا ہے۔ اور قریش مسلمانوں کو صابی کہتے تھے کیونکہ وہ اپنے اباء کے دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرتے تھے۔ پس میں نے اپنی بہن کو مارا۔ اس کا خون بہنے لگا۔ جب خون کو دیکھا تو میری بہن رونے لگی۔ اور کہا کہ تو جو تیرے جی میں آئے کر۔ بلاشک میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اندرون خانہ میں آیا جبکہ سخت خشمناک تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کتاب ہے گھر کے ایک گوشہ میں جس میں لکھا ہوا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اور جب میں نے الرحیم کا لفظ پڑھا۔ میں ڈر گیا۔ کانپ اٹھا اور صحیفہ کو اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ دوبارہ اس پر نظر کی۔ تو دیکھا کہ لکھا ہوا ہے۔ **سبتح لللّٰه ما فی السموت والارض وهو العزیز الحکیم۔ له ملک السموت والارض یحیی ویمیت وهو علی کل شیئی قدیر هو الاول والاخر و ظاہر والباطن وهو بکل شیئی علیم۔** حتیٰ کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول پر پہنچا۔ **وامنو باللّٰه ورسوله** پس میں نے کہا۔ **اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمد ارسول اللّٰه** پس میں قوم کے پاس باہر آیا۔ یعنی مسلمانوں کے پاس جو کہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کر رہے تھے۔ اس وجہ سے کہ وہ خوش تھے کیونکہ انہوں نے مجھے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سن لیا تھا۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس مکہ کے اسفل حصہ میں واقع گھر میں حاضر ہوا۔ اس سے مراد دار ارقم تھا۔ جہاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کچھ عرصہ پوشیدہ رہتے تھے پس میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دو آدمیوں نے میرے بازو پکڑے ہوئے تھے جب میں آنحضرت کے قریب گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو۔ پس انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ پس میں آنحضرت کے دونوں ہاتھوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ آپ نے میرا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے ابن خطاب مسلمان ہو جاؤ۔ خداوند اس کے دل کو ہدایت فرما۔ پس میں نے کہا۔ **اشهد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمد رسول اللّٰه** پس تمام مسلمانوں نے نہایت بلند نعرہ تکبیر مارا جو کہ تمام مکہ میں سنا گیا۔ اور اس وقت تک ہر شخص جو اسلام لاتا تھا مخفی رکھتا تھا اور اس وقت علانیہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں ایک آدمی کے پاس گیا جس کی عادت تھی کہ وہ کوئی راز کی بات پوشیدہ نہ رکھا کرتا تھا میں نے اس کو کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ پس اس شخص نے بلند آواز سے ادھر ادھر کہہ دیا کہ ابن الخطاب صابی ہو گیا ہے اور ہمیشہ سے میں لوگوں کو مارا کرتا تھا اور لوگ مجھے مارتے تھے۔ پس میرے خالو ابو جہل نے کہا (ابو جہل ابن خطاب کا خالو تھا)۔ یہ شور و غوغہ کیسا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ابن خطاب ہے کہ مسلمان ہو گیا ہے۔ پس ابو جہل مقام حجر پر کھڑا ہوا اور اہل مکہ کو اشارہ کر کے کہنے لگا۔ کہ آگاہ رہو کہ میں نے اپنی بہن کے بیٹے کو امان دی ہے۔ پس لوگ مجھ سے دور ہو گئے۔ اس روایت میں اس طرح آیا ہے اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس شقی القلب انسان نے عمر بن خطاب کے ساتھ سختیاں کیں اور لڑائیاں کیں۔ یہاں تک کہ زبوں حال ہو گیا۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں تھا کہ ہمیشہ آدمیوں سے جنگ کرتا تھا اور ان کو مارتا تھا اور مجھے مارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو

قوی کردیا۔ والحمد للّٰہ۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عمر اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچا تو ان کی قرائت قرآن کی آواز سنی اور وہ سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے اسے انہوں نے صحیفہ میں لکھا ہوا تھا۔ عمر نے کہا کہ یہ صحیفہ کیا ہے مجھے دو۔ اس کی بہن نے کہا کہ تم شرک کی نجاست سے آلودہ ہو اور وہ کتاب ہے جس کی توصیف اس طرح آئی ہے۔ لا یمسه الا المطہرون پس عمر نے غسل کیا اور سورۃ طٰہٰ کو شروع سے یہاں تک پڑھا۔ وان تجهر بالقول لیعلم السرو اخفى اللّٰہ لا الٰہ الا ہو له الاسماء الحسنى۔ پس عمر رونے لگے اور کہا کہ کتنا اچھا کلام ہے یہ اور خداوند جس کی یہ صفت ہے وہ اس لائق ہے کہ سوائے اس کے کسی کی لوگ پرستش نہ کریں۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اس وقت عمر نے کہا کہ پیغمبر کہاں ہیں تاکہ میں ان کے پاس جاؤں۔ پس عمر بن خطاب گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ڈر کے باعث دروازہ نہ کھولتے تھے۔ آنحضرت نے حکم فرمایا کہ دروازہ کھول دیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آگے بڑھے عمر کے دونوں بازو پکڑ لئے اور ایک روایت کے مطابق کمر کو پکڑ لیا۔ اور خوب بھینچا۔ اور کہا کہ اے عمر اگر تو صلح سے آیا ہے تو میں اپنے ہاتھ تم سے کھینچ لیتا ہوں۔ اور اگر تو جنگ کے لئے آیا ہے تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات عمر نے سنی تو ہیبت اور خوف سے اس کا سارا جسم کانپ اٹھا۔ اور ہاتھ سے تلوار نیچے گر پڑی۔ اور سر کو آگے جھکا دیا۔ اور کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانک رسول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی سے تکبیر بلند کی۔ اور ساتھیوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ چونکہ ان کا نعرہ تکبیر اور آواز قریش کے گروہ تک پہنچ گئی۔ اس وقت حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! کافر لات اور عزیٰ کو آشکارہ طور پر پوجتے ہیں اور آپ دین حق کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر، حمزہ اور علی رضوان اللہ علیہم کے ساتھ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کافروں کی جماعت کو ضرب و حرب کے ذریعے وہاں سے دور کردیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں آئے۔ اور صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ (کذا ذکر فی روضة الاحباب مع اختیار)۔

اور کہتے ہیں کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ یایها النبی حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المؤمنین اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلاشبہ اہل آسمان نے عمر کے اسلام لانے پر خوشی محسوس کی ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

وصل:۔ اور ساتویں سال میں جب قریش نے حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے اور ہجرت حبشہ سے اور دوسرے قبائل میں اسلام کے پھیلنے سے دین اسلام کی عزت و قوت کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کا حسد و عداوت اور زیادہ ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل و ہلاکت کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ابوطالب کی حمایت و کفالت میں تھے۔ لہٰذا کسی کا تعرض نہ کر سکتے تھے۔ پس وہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر ہمارے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں اور یا اپنے بھتیجے کو باز رکھیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہے۔ ابوطالب نے آنحضرت کو بلایا اور کہا کہ قوم کے لوگ آئے تھے۔ اور اس اس طرح کہہ گئے ہیں۔ اب تو اپنی جان کو بچا کیونکہ مجھ میں اور تم میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا! تمہارا خیال ہے کہ میں یہ کام تمہاری حمایت و پناہ میں سرانجام دیتا ہوں۔ میرا پروردگار میرا حامی اور مددگار ہے اس نے مجھے یہ کام کرنے کا حکم فرمایا ہے جب تک یہ مہم مکمل نہیں ہو جاتی میں اس سے ہرگز باز نہ رہوں گا۔ اور یہ چھوڑ کر نہ بیٹھوں گا اگر تو مجھے تقویت دے اور میری موافقت کرے تو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ اور سعادت مندی ہے۔ ورنہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید ہی کافی ہے۔ یہ کہہ کر آپ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوطالب کو آنحضرت کے کلام سے رقت پیدا ہو گئی اور ہمت بندھ گئی۔ اور کہا تو اپنے کام میں مشغول ہو جا۔ اب کعبہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں ان کی طاقت نہیں کہ تم پر دست درازی کریں۔ اور اس باب میں ایک شعر کہا جس کا یہ مضمون ہے۔ خدا کی قسم وہ ہرگز تمہاری طرف دیکھ بھی نہیں سکتے اپنے گروہ کے ساتھ جب تک کہ میں زیر خاک دفن نہیں کر دیا جاتا۔ تم اپنے کام کو کھلے عام سرانجام دو اور کسی قسم کا کوئی اندیشہ مت کر خوش رہو اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ پس ابوطالب نے بنو ہاشم کو جمع کیا اور بنو مطلب نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور یہ سب لوگ دشمنی کے سبب گویہ کافر تھے لیکن اپنی جاہلیت کی عادت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنی شعب کے اندر لے آئے۔ سوائے ابولہب کے۔ گو وہ بھی بنو ہاشم سے ہی تھا لیکن ان میں نہ آیا اور نہ ہی ان کی اس نے موافقت کی۔ اور تمام قریش نے آپس میں اتفاق کر کے یہ عہد باندھا کہ ہم بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ کسی قسم کا لین دین' دوستی' مناکحت اور ملنا جلنا اور کلام نہ کریں گے اور قطع تعلق کریں گے۔ انہیں اس زمین پر کسی قسم کا کوئی منافع و فائدہ حاصل نہ کرنے دیں گے۔ اور بازاروں کے دوکانداروں کو منع کر دیا کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کریں۔ اور جب موسم حج میں وہ باہر آتے تھے تو ادھر ادھر سے آئے ہوئے لوگوں سے کوئی چیز خریدتے تھے اس سے بھی قریش لوگوں کو منع کرتے تھے۔ اور خود وہ چیز بہت مہنگے داموں خرید لیتے تھے۔ اور اس باب میں انہوں نے عہد نامہ لکھا اور اس پر مہر لگا کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ کہ ان کے درمیان ہرگز صلح نہ ہو گی جب تک محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قتل نہ کر دیا جائے اور کہتے ہیں کہ جس نے یہ عہد نامہ لکھا تھا اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ (النعم ما قال من قال)۔ بیت

یار کو دوست شود جملہ جہاں دشمن باش — بخت کو پشت مدہ روے زمین لشکر گیر

یریدون ان یطفؤا نور اللّٰہ بافواھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ اور یہ واقعہ محرم کے چاند کے دوران ہوا تھا نبوت سے ساتویں سال میں۔ اور تین سال اسی طرح اس حال پر گزر گئے۔ جب تکلیف و تنگی حد سے گزری قریش کی ایک جماعت جنہیں بنو ہاشم اور بنو مطلب سے قرابت تھی۔ انہیں ان کے حال پر شفقت و رحم آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل

میں ڈالا کہ وہ اس عہد کو توڑ دیں۔ اور سراپا ظلم صحیفہ تحریر شدہ کو پھاڑ دیں۔ یہاں تک کہ قریش میں جھگڑا اور لڑائی کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ اس صحیفہ کو حاضر کیا جائے۔ ابو طالب نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ہمیں خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس صحیفہ پر غالب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں سے ظلم و جور اور قطع تعلق پر مفہوم عبارت کو کھا گئی ہے۔ اور اللہ اور رسول کا نام باقی چھوڑا ہے۔ اگر وہ اس خبر دینے میں جھوٹا ثابت ہو تو جو کچھ چاہو اس کے ساتھ تم کرو۔ اور اگر وہ سچا ہو تو پھر یہی کافی ہے کہ اس صحیفہ کے مضمون سے درگزر کرو پھر قریش نے وہ صحیفہ کھولا تو وہ اسی طرح ہی دیکھا۔ جیسا پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تمام قریش شرمندہ ہو گئے اور انہوں نے اپنے سر جھکا لئے اس کے باوجود ابو جہل اور اس کے ساتھی بہتیرا کہتے تھے کہ یہ عہد نہ توڑا جائے ابو طالب اپنے دوستوں کے ساتھ کعبہ کے پردوں کے درمیان آیا اور دعا کی۔ **اللھم انصرنا علی من ظلمنا وقطع ارحمنا واستحل مایحرم علینا** اور واپس شعب میں چلے گئے اور وہ جماعت جو عہد توڑنے میں کوشاں تھی غالب آ گئی۔ انہوں نے ہتھیار پہنے اور شعب ابو طالب میں آئے۔ بنو مطلب کو باہر نکال لائے یہاں تک کہ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے اور مخالفین کچھ تعرض نہ کر سکے۔ یہ صورت حال ہجرت کے دسویں سال میں تھی۔

اور اسی سال کے دوران فارس اور روم میں جنگ واقع ہوئی اور فارس اس میں غالب رہا۔ یعنی فتح یاب ہوا۔ جب یہ خبر عرب میں پہنچی تو کفار قریش کو خوشی ہوئی اور وہ مسلمانوں کو کہنے لگے کہ ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اور آئندہ بھی ہم ہی تم پر غالب آئیں گے۔ اپنے بھائیوں سے مراد اہل فارس تھے۔ اس اعتبار سے کہ وہ اہل ملت و کتاب نہ تھے اور مسلمانوں کے بھائیوں سے ان کی مراد اہل روم تھے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور ملت نصرانیت پر تھے۔ مسلمانوں کو اس بات کا رنج ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ **الم۔ غلبت الروم فی اوفی الارض وھم من بعد علیھم سیخیون فی بضع سنین** اللہ سبحانہ نے یہ خبر دی کہ اگرچہ اس سال روم والے اہل فارس کے ہاتھوں مغلوب ہوئے ہیں۔ بالآخر وہی (روم والے) چند سالوں میں غالب آ جائیں گے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خبر الٰہی پر مکمل اعتماد کے ساتھ قریش کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے گا۔ یعنی کہ تمہیں خوش نہ کرے گا۔ خدا کی قسم۔ چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ روم کو فارس پر غالب کر دے گا۔ پس ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر کی تکذیب کی۔ اور ان کے ساتھ یہ شرط باندھی کہ اگر تین سال تک رومی غالب آ جائیں فارسیوں پر تو میں دس جوان اونٹ تجھ کو دوں گا۔ ورنہ تم مجھے دو گے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ قصہ عرض خدمت کیا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کرو اور مدت میں بھی اضافہ کر لو۔ اور یہ اسی اعتبار سے ہے کہ تین سے دس تک کا عدد بضع کہلاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مبہم طور پر فرمایا اور تعین نہ فرمایا۔ تو احتیاط اسی میں ہے کہ تین سال کے عرصہ کی تعیین نہ کریں ممکن ہے کہ تین سال کے اندر غلبہ روم نہ ہو۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ گئے اور نو سال کا عرصہ مکمل کر لیا اور اونٹوں کی تعداد بھی ایک سو مقرر کر لی۔ اور ایک دوسرے سے ضامن بھی لے لئے۔

پس جنگ بدر کے روز یا حدیبیہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ رومیوں کو فارس والوں پر فتح و ظفر حاصل ہوئی ہے۔ اور حدیبیہ کے دن والی روایت زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ نزول آیت کے سال سے جو کہ بعثت کا دسواں سال تھا صلح حدیبیہ تک جو ۶ھ میں ہوئی نو سال درست ہوتے تھے پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف یا اس کے ضامن سے سو اونٹ لے لئے۔ (کذافی روضۃ الاحباب)

بیضاوی نے فرمایا ہے کہ ابی بن خلف کے وارثوں سے اونٹ وصول کئے۔ کیونکہ ابی تو غزوہ احد میں جہنم واصل ہو گیا تھا۔

اور منقول ہے کہ جب اس جیتی ہوئی شرط کے اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے۔ سو اونٹ۔ تو آپ نے حکم فرمایا کہ ان اونٹوں کو صدقہ کو دو۔ اور غالباً" یہ تصدیق کرنے کا حکم اس نعمت کے حصول کے شکرانہ میں کیا گیا تھا۔ اور یا اس شبہ کی بنا پر جو کہ شرط کے مال میں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ابوبکر صدیق والی شرط کا قصہ قمار بازی کی تحریم کئے جانے سے پیشتر کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک فاسد عقود بھی عقد ربا وغیرہ کی مانند دار حرب میں مسلمانوں اور کفار میں جائز ہے۔ اس میں تدبر لازم ہے کہ اس آیت میں دو قرائت ہیں۔ ایک اس طرح ہے کہ غلبت بصیغہ مجہول اور اس قرائت کی بنا یہ ہے کہ روم اپنے فارس پر غلبہ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے۔ اس آیت کے نزول سے تین سال کے عرصہ تک مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اور ان کے شہروں کو فتح کیا۔ اور ضافت علیہم پہلی قرائت کے مطابق از قسم اضافت مصدر ہے مفعول کی جانب اور دوسری قرات کے مطابق فاعل کی جانب۔

فصل:۔ اور اس سال میں یعنی دسویں سال میں ابوطالب نے وفات پائی۔ اور مواہب لدینہ میں کہا گیا ہے کہ جب انچاس سال آٹھ ماہ اور گیارہ روز گزرے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا فوت ہو گئے اور بعض نے کہا ہے کہ دسویں سال کے ماہ شوال کے نصف پر۔ بعض نے کہا کہ ہجرت سے تین سال قبل اور ان کی عمر اس وقت ستاسی سال تھی۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے چچا کی موت کے وقت اس سے فرماتے تھے کہ کلمہ پڑھو۔ **لا الہ الا اللہ** تاکہ قیامت کے روز میں اس کلمہ کے باعث تمہاری شفاعت کر سکوں جب ابوطالب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس قدر خواہش دیکھی۔ تو کہا اے میرے بھتیجے! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش کہیں گے کہ میں نے موت سے ڈرتے ہوئے یہ کلمہ پڑھا ہے تو بہر حال ضرور پڑھ لیتا۔ اور تمہاری آنکھیں اس کے باعث روشن کرتا۔ اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ اگر مجھے یہ خوف دامنگیر نہ ہوتا کہ میرے بعد تمہیں تنگ کریں گے یہ کہہ کر تمہارا چچا موت سے ڈر گیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ ابوطالب نے کچھ اشعار کہے۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ تم نے مجھے دعوت اسلام دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم مجھے نصیحت کرنے والے اور میرے ہمدرد ہو۔ اور تم نے ہر آئینہ درست کہا ہے اور تمہاری ذات نے وہ دین ظاہر کیا ہے کہ بلاشبہ میں نے جان لیا کہ وہ دین مخلوق کے تمام ادیان میں سے بہترین ہے۔ اگر لوگوں کی طرف سے ملامت و

عذر اور گالیوں کا ڈر نہ ہوتا تو ہر حال تو مجھے جوانمرد پاتا اور اس دین کو قبول کرنے والا اور ظاہر کرنے والا پاتا۔ اس پر قریش نے ابوطالب سے فریاد کی کہ کیا اپنے باپ دادوں اور بزرگوں عبدالمطلب و ہاشم اور عبدالمناف کے دین و ملت سے پھرتے ہو تو ابوطالب نے کہا کہ نہیں بلکہ ابوطالب تو اپنے بزرگوں کے دین پر ہی جارہا ہے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ ابوطالب نے بوقت مرگ بنی مطلب کو بلایا۔ کہ تم ہمیشہ اچھائی اور نیکی پر رہو گے اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی بات سنو گے اور اس کے حکم کی اتباع کرو گے اور اس کی اعانت و امداد کرو گے اور اسے مدد دو گے تاکہ تم فلاح و ہدایت پاؤ۔ اور مواھب الدینہ میں ہشام بن السائب سے آیا ہے کہ اس نے کہا جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو قریش کے اکابر کو اس نے اپنے پاس جمع کیا اور ان کو وصیت کی کہ اے قریش تم خدا کے برگزیدہ ہو اس کی ساری مخلوق میں سے۔ اور میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ نیکی کرو۔ کیونکہ وہ امین ہے قریش میں۔ اور عرب میں صدیق ہے۔ اور ہر چیز جس کی میں وصیت کرتا ہوں اور ان سب چیزوں کا جامع ہے اور تحقیق وہ ایسی چیز لایا ہے۔ جسے دلوں نے قبول کیا ہے۔ اور زبانوں نے انکار کیا ہے صرف ملامت کے ڈر سے اور خدا تعالیٰ کی قسم۔ گویا کہ میں دیکھتا ہوں عرب کے فقراء اور درویشوں کو اور دیہات کے علاقہ کے بادیہ نشینوں کو اور ضعیفوں اور مسکینوں کو کہ وہ سب اس کی دعوت دین کو قبول کرتے ہیں اور اس کے کلمہ کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے کام کو بڑا محترم جانتے ہیں۔ پس قریش کے روسا اور اکابر سب نگوں سار ہو گئے اور ان کا خانہ خراب ہو گیا۔ اور ان میں سے جو ضعیف تھے وہ طاقتور ہو گئے اور جو ان میں عظیم ترین تھے وہ رسول خدا کے سامنے محتاج ترین ہو کر رہ گئے اور آنحضرت سے بعید ترین لوگ قریش میں سے جو تھے وہ آنحضرت کے نزدیک زیادہ بانصیب اور بہرہ مند ہو گئے۔ اور بلاشبہ عرب لوگوں نے آپ کے ساتھ خالص دوستی قائم کی۔ اور آنحضرت کے لئے اپنے دل کو صاف کر لیا۔ اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی۔ اے قریش کی جماعت! تم بھی اس کے دوست بن کر رہو اور اس کی جماعت کی حمایت کرنے والے بنو۔ خدا کی قسم۔ کوئی بھی شخص جو اس کی اتباع اختیار کرتا ہے وہ راہ ہدایت پاتا ہے۔ اور اس کا کام مطلوبہ وسائل پاتا ہے۔ اور کوئی بھی شخص اس کی سیرت اپنانے والا ہو وہ نیک بخت ہو جاتا ہے۔ اگر میری جان مزید کچھ مدت زندہ رہتی اور میری موت کو تاخیر ہو جاتی تو ہر حال اس سے میں حوادث و آفات کو دور رکھتا۔ یہ کچھ کہا اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بالجملہ ابوطالب کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں اعانت و امداد و حمایت و رعایت اور بڑی مدح و ثنا اور آپ کی علو شان اور رفعت مقام اشعار اور اخبار میں بہت آئی ہے اس کے باوجود علماء کہتے ہیں کہ وہ ایمان نہ لائے تھے۔ اور دنیا سے بحیثیت مسلمان رخصت نہ ہوئے۔ جواب دیا جاتا ہے کہ وہ زبان سے اقرار کر چکے تھے۔ انہوں نے دل سے تصدیق کی۔ لیکن ان کی طرف سے قبول و اطاعت ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اور معتبر یہی ہے کہ تصدیق و اقرار کیا تھا لیکن جیسے کہ کتب کلام میں تحقیق ہے اور احادیث و اخبار میں ابوطالب کی طرف سے قبول و تسلیم اور اطاعت گزاری ثبوت کو نہیں پہنچی سوائے اس کے جو کہ ابن اسحاق کی روایت میں آیا ہے کہ وہ وفات کے قریب ایمان لے آئے تھے اور کہا ہے کہ اس کی موت قریب ہو گئی تو عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابوطالب کے لب ہلتے

ہیں۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے کان لگایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے برادر زادہ! اللہ کی قسم۔ تحقیق میرے بھائی نے کلمہ شریف پڑھا ہے۔ جس کا تو نے امر کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سنا۔ جو کچھ کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ کفر ابو طالب کے بارے میں کیونکہ اس نے اپنے کلام کے آخر پر کہا تھا علی ملت عبدالمطلب اور لا الہ الا اللہ نہ کہا تھا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں بہر حال تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ جب تک کہ مجھے منع نہ کر دیا جائے اس سے۔ پس یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ ماکان لنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانو اولی قربی نیز آیا ہے کہ ابو طالب کے متعلق نازل ہوا ہے۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ابو طالب وہ تھے کہ انہوں نے آپ کی حمایت کی۔ نصرت و امداد کی اور آپ کے لئے غیض و غضب بھی کرتے تھے۔ کیا ان میں سے کوئی چیز ان کو فائدہ بھی دے گی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ میں نے ان کو درکات و غمرات نار (دوزخ میں گہری آگ میں) پایا۔ پس میں ان کو ضحضاح میں لے آیا۔ یعنی اس آگ میں جس سے کہ ان کے دماغ کو جوش پہنچتا ہے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ اس کا دماغ اس کے پاؤں کی طرف میلان کرتا ہے۔ نیز یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے کم اور ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو گا قیامت کے روز۔ ان کو صرف آتشین جوتا پہنایا جائے گا۔ جس سے کہ اس کا دماغ جوش کھاتا ہے۔ اور اس نظریہ پر یہ ہے کہ آیا ہے کہ کفار کے نیک عمل تخفیف عذاب کا باعث ہیں۔ اور روضۃ الاحباب میں بھی ابو طالب کے کفر کی اخبار مندرج ہے۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا۔ ان عمک الشیخ الضال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رونے لگے۔ اور فرمایا۔ جاؤ غسل دو۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انہ مات مشرکا آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اس کو زمین میں دفن کر دو نیز یہ بھی فرمایا یاغفو اللہ لہ ورحمہ نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابو طالب کے جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے میرے چچا! تو صلہ رحمی بجالایا۔ اور میرے حق میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔

بالجملہ یہ ابو طالب کے ایمان والا قضیہ غرابت سے خالی نہیں ہے۔ اور اس طرح جو کہ آیا ہے کہ جب اہل قریش نے مخاصمت و مزاحمت کی تو ابو طالب نے کہا کہ میں ملت عبدالمطلب پر مرتا ہوں اور ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عبدالمطلب اور اس کی تمام قوم دوزخ میں ہے اور متاخرین نے اثبات کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آباؤ اجداد پاک و مصفا تھے شرک و کفر سے۔ اس میں کم از کم یہ ہو سکتا ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ اور صرف نظر کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

اور ابو طالب کی وفات سے تین روز یا پانچ روز بعد امیر المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی۔ وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تزویج میں پچیس سال رہیں۔ آنحضرت نے اس سال کو عام الحزن کہا۔ اور آپ نہایت رنج و غم کے باعث اپنے گھر سے جو کہ بیت الحزن بن گیا تھا بہت کم باہر آتے تھے اور کفار نے زیادہ سے زیادہ جور و ستم شروع کر دیا۔ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اور حضرت سودہ بنت زمعہ قریہ عامریہ بیوہ تھیں اور عائشہ کنواری تھیں چھ سال کی عمر کی۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف ہجرت کے بعد واقع ہوا۔ باقی تذکرہ انشاء اللہ ازواج مطہرات کے ذکر میں آئے گا۔

تھوڑے سے وقت کے لئے ابولہب جو آنحضرت کا چچا تھا۔ بوجہ خاندانی قرابت آنحضور کی حمایت کا دم بھرنے لگا لیکن جب اس نے سنا کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب اور اس کی قوم کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تو ابولہب نے دست حمایت پیچھے کھینچ لیا۔ اور پھر کفار کی طرف سے ایذا و نقصان پہنچانے میں شریک ہو گیا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں نہ رہ سکتے تھے۔ وہ دعوت تبلیغ پر قبیلہ بکر بن وائل کی طرف نکلے جب آپ وہاں پہنچے۔ انہیں دعوت اسلام دی لیکن انہوں نے کوئی جگہ نہ دی یعنی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ وہاں سے قبیلہ قحطان کی جانب روانہ ہوئے پہلے تو انہوں نے جگہ دے دی لیکن پھر پشیمان ہو گئے۔ آنحضور وہاں سے طائف اور بنو ثقیف میں رہے اور دعوت اسلام دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے ہرگز قبول نہ کی۔ اور انہوں نے آنحضرت کے پیچھے اپنے غلاموں اور بے وقوف بچوں کو لگا دیا تاکہ آپ کو آزار پہنچائیں اور وہ آپ کو تنگ کرتے تھے شور مچاتے تھے اور گالیاں دیتے تھے۔ آپ کے پیچھے چلتے ہوئے پتھر مارتے تھے۔ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاؤں مبارک زخمی کر دیئے اور خون بہنے لگا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب پتھروں کی ضربات کے باعث آپ زمین پر گر جاتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے تو وہ آپ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتے تھے۔ اور جب آپ چلتے تھے تو پھر آپ پر پتھر پھینکتے تھے اور ہنسی اڑاتے تھے اور زید بن حارثہ اپنے آپ کو آن حضور کے دفاع میں ڈھال بناتے تھے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ بیت

؎ زور اغیار واز دیوار سنگ یاری آید بلائے درد منداں اور ودیوار می آید

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ طریقہ حق اور منصب نبوت کس قدر دشوار اور سخت ہے **البلاء علی قدر ابو لاء الانبیاء واشد بلاء ثم الامثل فالامثل**

اور صحیح بخاری میں اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شریف آئی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا۔ کہ آیا آپ کے لئے روز احد سے زیادہ سخت دن بھی کوئی آیا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق تمہاری قوم سے مجھے مصیبتیں اور سختیاں بڑی پہنچیں۔ اور عقبہ کے دن جو کچھ شدت و سختی مجھے ان کی طرف سے پہنچی وہ سخت ترین دن تھا جبکہ میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال سے پناہ طلب کی اور اسے دعوت بھی دی اس نے قبول نہ کی جو کچھ کہ میں چاہتا تھا۔ پس میں وہاں سے روانہ ہوا بحالت مہموم و مغموم اور اس وقت بالکل بے خود تھا۔ اور اسی طرح قرن ثعالب تک رہا اور پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ بادل کا ایک

ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ پس میں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ اس میں حضرت جبریل ہیں اس نے مجھے آواز دی۔ اور کہا کہ تحقیق حق تعالیٰ نے تمہاری قوم کی باتیں سنی ہیں یعنی اہل مکہ اور جو کچھ انہوں نے تمہاری تردید کی اور تمہاری دعوت کا تمہیں جواب دیا۔ تحقیق تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا گیا ہے۔ تاکہ تم چاہو اسے حکم دو۔ پس مجھے پہاڑوں کے فرشتہ ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کا جواب خود سنا ہے۔ اور میں ملک الجبال ہوں' دنیا کے تمام پہاڑ میرے حوالہ میں ہیں۔ اور تحقیق تمہارے پروردگار نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ جو کچھ تم چاہو مجھے حکم دو۔ اگر تو چاہے کہ میں اخشبین کو اٹھا کر ان پر پھینک دوں جو کہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان مکہ آباد ہے۔ اور ان کو پیس ڈالوں اور ہلاک کر دوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان پشتوں سے کسی کو پیدا فرمائے گا جو خدا کی عبادت کرے گا۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے گا۔ اور یہ ابن یالیل اہل طائف کے اکابر سے تھا۔ اور بنو ثقیف میں سے بھی اور قران الثعالب ایک مقام کا نام ہے۔ جو اہل نجد کا مقام میقات ہے۔ اور اس کو قرآن المنازل کہتے ہیں۔ اور صاحب مواہب نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم طائف میں دس روز تک قیام پذیر رہے۔ اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ قیام کی مدت ایک ماہ تھی۔ واللہ اعلم۔

وصل:۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اہل طائف نے قبول نہ کیا تو آپ مکہ کو واپس لوٹے بڑی وحشت اور حیرانی میں راستے میں وہ ایک باغ میں پہنچے۔ جو عتبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا۔ جب انہوں نے آنحضرت کو پریشان حال دیکھا تو رحم کی رگ پھڑکی۔ اور انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام جس کا نام عداس تھا کے ہاتھ انگوروں کا ایک گچھا بھیجا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے کھانے کے لئے گچھے کو ہاتھ لگایا تو زبان سے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر عداس نے آنحضرت کے چہرہ مبارک پر نگاہ کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ میں نے یہ کلام کبھی اس شہر کے کسی آدمی سے نہیں سنا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اے عداس! تو کہاں کا رہنے والا ہے۔؟ اور تمہارا دین کونسا ہے؟ عداس نے جواب دیا کہ میں نصرانی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس صالح آدمی یونس بن متی کے شہر سے ہو۔ عداس نے کہا کہ آپ یونس کے متعلق کیا جانتے ہیں اور اسے کس طرح پہچانتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرا بھائی ہے اور میری طرح وہ بھی پیغمبر ہے۔ پھر عداس نے سوال کیا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہے عداس کہنے لگا کہ دیر ہوئی کہ میں نے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی نعت تورات میں پڑھی کہ۔ آپ کو خدا تعالیٰ اہل مکہ میں مبعوث فرمائے گا۔ اور وہ آپ کی بات نہ مانیں گے اور آپ کو وہاں سے نکال دیں گے۔ اور آخر کار آپ کو کامیابی ہو گی اور آپ کا دین تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا۔ پس عداس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دونوں ہاتھوں مبارک کو بوسہ دیا اور آپ کے دونوں پاؤں مبارک بھی چومے اور مسلمان ہو گیا۔

ضعیفوں کے لئے دعا: اور ایک دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ضعف و ناتوانی اور عاجزی و درماندگی کے حال میں پڑھتے تھے اور کمزوروں درماندوں اور بے چارہ امتیوں کو اس کے پڑھنے کی تعلیم و تلقین کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ **اللھم انی مشکو الیک ضعف قوتی وقلة حلیتی وھو انی عند المخلوتین انت ارحم الرحمین وانت رب المستضفین وربی الی من**

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب ابو طالب فوت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پاپیادہ طائف کی طرف گئے۔ اور اہل طائف کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ پس آپ محزون و مغموم ایک درخت کے نیچے آئے اور سایہ میں بیٹھ گئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اور فرمایا۔ **اللھم انی اشکو الیک الی** آخر یہ دعا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے اور ترجمہ یہ ہے جو روضۃ الاحباب میں دیا گیا ہے اے خدا تعالیٰ جو کہ میرے لئے پرستش اور عبادت کے لائق ہے میں شکایت کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں گریہ کرتا ہوں اپنے وسائل کے ضعف اور قلت کے متعلق اور لوگوں کے نزدیک اپنی ذلت و خواری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ تو الرحم الرحمین ہے اور ہر ضعیف و مسکین کا تو پروردگار ہے۔ اور میرا بھی پروردگار ہے۔ اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے/ ایسے بدمنہ دشمن کے کہ جب مجھے وہ دیکھتا ہے اپنا چہرہ ترش بنالیتا ہے۔ اور اس کو تو نے امر کا مالک کیا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غضب واقع نہیں ہوا تو مجھے کوئی باک نہیں ہے۔ لیکن تیرا عافیت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ تیرے چہرہ کے نور کی پناہ لیتا ہوں۔ وہ نور جس نے کہ اندھیروں کو روشن کیا ہے اور کار دنیا و آخرت کی اس سے اصلاح ہے۔ اس سے کہ تیری سختی اور غضب مجھ پر نازل ہو۔ اور عتاب کرنے کا تجھے ہی حق ہے۔ جس وقت تک کہ تو راضی ہو جائے اور تجھے ہی طاقت و قوت ہے۔

بیعت جنات: اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بطن نخلہ پہنچے جو کہ مکہ سے ایک شب کی مسافت پر واقع مقام ہے آپ وہیں ٹھہرے حتیٰ کہ رات ہو گئی۔ جب آپ نے وہاں رات کی نماز میں قیام کے دوران قرآن پاک کی تلاوت فرمائی تو سات اور ایک روایت کے مطابق نو افراد جنات جو شام ملک کے ایک شہر ضیبین سے تھے انہوں نے آنحضرت کی آواز دوران نماز قرات قرآن کرتے ہوئے سنی اس آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ **واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن** حتیٰ کہ آنحضرت نماز سے فارغ ہوئے تو اس جماعت جنات نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ظاہر کر دیا۔ آپ نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے واپس ملک شام میں اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور اپنی قوم سے انہوں نے کہا **یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی الایتہ (کذافی روضتہ الاحباب)**

اور مواہب الدینہ میں حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ نقل کیا گیا ہے جو یہ تقاضہ کرتا ہے ان

چند جنوں نے قرآن پاک سنا۔ لیکن حاضر نہ ہوئے۔ اس دفعہ صرف وہی قرآن کا سننا ہی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قوم کی طرف رجوع کیا۔ اور اس کے بعد وہ جماعتوں اور گروہوں میں حاضر ہوئے جماعت کے بعد جماعت اور فوج کے بعد فوج حاضر ہوتے رہے اور ایمان لاتے رہے۔ اور منقول ہے کہ حرم مکہ کے درختوں میں سے ایک درخت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے باتیں کرنے لگا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہ! آپ کی ملاقات شریف کے لئے جنیاں آرہی ہیں۔ اور حجون نامی کنویں پر انہوں نے نزول کیا ہے یہ کنواں بالا مکہ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے استقبال کے لئے مکہ سے نکلے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے لیا اور حجون کی جانب متوجہ ہوگئے۔ جب آپ حجون کی گھاٹی میں پہنچے تو آپ نے وہاں پر اپنی انگلی سے ایک دائرہ کھینچ دیا اور ابن مسعود سے فرمایا کہ اس دائرہ سے باہر نہ آنا کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور آپ نے نماز میں سورۃ پاک طہ تلاوت فرمائی ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار جنیاں اور ایک قول کے مطابق چھ صد ہزار جنیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہیں دعوت ایمان دی اور وہ سب مسلمان ہو گئے اور آیا ہے کہ جنیوں نے نبوت کے بارے میں معجزہ طلب کیا۔ پس ایک درخت جو اس وادی میں تھا آیا اور آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو رسول خدا ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنیوں نے مجھ سے خوراک طلب کی۔ اپنے لئے اور اپنے چار پایوں کے لئے بھی پس آنحضرت نے مقرر فرمایا کہ ان کی خوارک ہڈیاں ہوں گی اور ان کے چارپائیوں کے لئے گوبر خوراک ہو گی۔ اور آپ نے فرمایا کہ کوئی ہڈی ایسی نہیں کہ جس پر وہ اللہ تعالیٰ کا نام پڑھتے تو اس پر ان کی ضرورت سے وافر گوشت نہیں آجاتا۔ اور کوئی گوبر ایسا نہیں جس سے کہ ان کے مویشیوں کو دانہ نہ ملے۔ اور یہی مقام ہے کہ منع کر دیا گیا استنجا کرنا ہڈی سے یا گوبر سے۔

اور جب آنحضرت ؑ نے طائف سے مکہ کو مراجعت فرمائی۔ تو آپ یکایک مکہ میں داخل نہ ہوئے۔ تاکہ اہل مکہ طائف والوں کے سخت ظالمانہ سلوک کی خبر سن کر ظلم و ستم کرنا اختیار نہ کرلیں۔ اور ثقیف والوں کی مانند عمل نہ کریں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کی طرف پناہ اور امان طلبی کے لئے کسی آدمی کو بھیجا لیکن سوائے مطعم بن عدی کے کسی نے قبول نہ کیا۔ جب آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اس کے پاس پہنچا۔ اس نے قبول کر لیا پس آنحضرت مکہ میں آئے۔ حجر اسود اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ **زاد اللہ تعظیما وتشریفا** اور دو رکعت نماز گزاری۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

وصل:۔ مدینہ کی قوم انصار کی آمد میں مکہ میں انکا بیعت ہونا۔ اور واقعات باعث ہجرت اور آنحضور کا صحیح وسلامت مدینہ پہنچ جانا۔

بیعت عقبہ منیٰ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارھویں سال میں ایام حج میں عقبہ منیٰ میں کھڑے تھے۔ ناگاہ اہل

مدینہ سے بنو خزرج قبیلہ کا ایک گروہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آنحضرت نے ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا بھیجا ہے اگر تم میری متابعت کرو گے کہ دین و دنیا میں سعادت پاؤ گے۔ اور انہوں نے یہود مدینہ سے سنا تھا کہ آخر الزمان پیغمبر کے ظہور کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ جب انہوں نے آنسرور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات سنی اور آپ کا جمال باکمال دیکھا۔ تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ خدا کی قسم۔ یہ وہی پیغمبر ہے جس کا ذکر یہود کیا کرتے تھے۔ اس فرصت کو غنیمت سمجھو۔ اور اس پر ایمان لے آؤ۔ تاکہ مدینہ سے کوئی شخص تم پر سبقت نہ لے جائے۔ پس وہ مسلمان ہو گئے اور وہ چھ آدمی تھے۔ اور انصار کا پورا قصہ ہجرت کے مباحث میں آئے گا۔

اور قصہ معراج بارہویں سال میں واقعہ ہوا۔ ہجرت سے ایک سال پہلے۔ اور اس قصہ شریفہ مطہرہ کا ذکر اس سے پہلے آنحضرتؐ کے فضائل کے باب میں گزر چکا ہے۔ اور پانچوں نمازوں کی فرضیت بھی اس سال میں ہوئی اور وہ جو آیا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں وہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ ہو گی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت شدہ ہے کہ احوال وحی کے ابتداء میں پہلے دن اور اس کے بعد نماز فرضی تھی لیکن پنج گانہ نماز کی فرضیت معراج میں بارھویں سال ہوئی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات دسویں سال نبوت میں ہوئی تھی۔ جیسے کہ معلوم ہوا۔

XX

باب چہارم

معلوم ہو کہ کثرت شرائع اور احکام کے بعد اور قریش نافرجام کی عداوت کی شدت کے باعث اللہ تعالیٰ کی جانب چشم انتظار کھولے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سبب پیدا کیا جائے کہ کسی قوم کو ادھر ملتفت کر دے جو دین اسلام کی تائید اور مدد کرنے والی ہو اور عدائے دین کا مقابلہ کر سکے۔ اس نیت سے مجمعوں میں اور ان موسموں میں جبکہ قبائل عرب اس جگہ جمع ہوتے تھے آنحضرت وہاں حاضر ہوتے تھے اور اظہار دین اور تبلیغ رسالت کرتے تھے تاکہ انہیں قبول دین کی سعادت حاصل ہو اور اس کام میں ان کی نصرت شامل ہو۔ قبائل عرب تمام اس سعادت کے ادراک اور اس دولت کے حصول میں متوقف اور متردد ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جو قوم اس (پیغمبر) کی قریبی ہے اور اس کے احوال کو بہتر طور پر جانتی ہے جب تک وہ اطاعت گزار نہیں ہو جاتی دوسروں کے لئے بہتر ہے کہ وہ توقف ہی کریں اور متردد رہیں۔ اسی اثناء میں قبیلہ بنی عبدالاشہل کے بعض لوگ قریش کے ساتھ حلف و معاہدہ کے لئے مدینہ سے مکہ آئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام دی ان میں سے ایک جوان جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اس نے کہا اے قوم اس شخص کی بیعت کر لو۔ خدا کی قسم اس مرد سے عہد معاہدہ کر لینا بہتر ہے۔ اس حلف یا معاہدہ سے جو قریش سے کیا جائے اور یہ کام اس سے زیادہ اہم ہے۔ ایک اور شخص جو ان کا رئیس تھا وہ اس سعادت کے ادراک میں مانع ہوا اور کہنے لگا کہ دیکھو کیا واقع ہوتا ہے دوسرے بھی اس کے خوف سے چپ ہو گئے قریش سے حلف کا معاملہ اور بیعت کا معاملہ بھی توقف میں رکھا اور مدینہ شریف کو واپس ہو گئے۔ اور ایاس بن معاذ اپنا رخت حیات سمیٹ کر دار آخرت میں جا پہنچے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو کر فوت ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب کی طرف سے یہ ہوا کہ مدینہ سے ایک جماعت بنو خزرج کی موسم حج میں آئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آ گئے اور فرمایا کہ پروردگار عالمیاں نے مجھے اپنی رسالت دے کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے اور میری قوم امر الٰہی اور احکام دین کی تبلیغ سے مجھے روکتی ہے۔ اگر تم لوگ ایمان لے آؤ۔ دین کی مدد کرو تو دنیا و آخرت میں سعادت پاؤ گے۔ انہوں نے آنحضرت سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ تو وہی پیغمبر ہے آخر الزماں آفتاب رسالت طلوع ہونے والا ہے۔ اور ہم اس کی حمایت کے سایہ میں تم لوگوں کو ہلاک کر دیں گے۔ اے قوم آگاہ ہو جاؤ۔ اور پہل کر لو۔ اس پر ایمان لے آؤ تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ یاب ہوں۔ اور یہود کی طاقت کا ہاتھ تمہاری طرف سے کوتاہ ہو جائے پس وہ قبول اسلام کی سعادت کے ساتھ اور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کرنے کا عہد کر کے واپس مدینہ کو چلے گئے۔ اور اس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مرتبہ اولیٰ میں مقام عقبہ پر جو کہ جبل منی ہے واقع ہوئی۔ اور جمرۃ العقبہ بھی جو واقع ہوئی وہ بھی اسی معانی میں ہے۔ آج کل اس مقام پر ایک مسجد تعمیر شدہ ہے جس کی موجودگی اور اس قصہ بیعت کے استحضار سے مشتاق غیر

ملکیوں کے دلوں میں ایک تازہ ذوق و نور آتا ہے اور دعا اور تضرع اور زاری کا باعث بنتا ہے۔ اور بیعت عقبہ اولیٰ میں شامل لوگ اصح قول کے مطابق چھ تھے اور حضرت سعد بن زرارہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی انہیں میں سے ہیں۔

جب یہ جماعت مدینہ شریف گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تذکرہ مدینہ میں عام ہو گیا۔ اور مدینہ کی محافل و مجالس اور لوگوں کے گھر آنحضور کی ذکر شریف سے معطر و منور ہونے لگے اور دعوت اسلام عام ہو گئی۔ یہ گیارہواں سال تھا۔ اور آئندہ موسم میں قبیلہ اوس و خزرج کے بارہ آدمی یا مذکورہ چھ آدمی اور ایک قول کے مطابق پانچ افراد عبادہ بن صامت اور عویم بن ساعدہ انہی میں سے ہیں آئے اور اسی عقبہ کے نزدیک بیعت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اسی جماعت سے ایک آدمی ذکوان بن عبدالقیس زرقی تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہی مکہ میں رہائش اختیار کر لی اور پھر مدینہ شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ آیا۔ اس کو علماء مہاجر انصاری کہتے ہیں اور آنحضرت نے اس جماعت کی التماس پر حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ ان کو قرآن سکھائیں اور دین سمجھائیں اور ان کے ساتھ مل کر دین کی جماعت قائم کریں۔ اور اس سال میں مدینہ میں جمعہ بھی قائم کیا گیا۔ اور معصب بن عمیر اس قوم کے تعاون و کوشش سے دعوت اسلام عام دینے لگے اور شرائع احکام کی اشاعت میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ ایک روز بنی عبدالاشہل کے ایک باغ میں لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے آپ نے قرآن کی تلاوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث بیان فرمائیں۔ یہ خبر سعد بن معاذ کو ملی جو قوم کے اکابر میں سے تھا اور اسعد بن زرارہ کے خالو کا بیٹا تھا۔ سعد بن معاذ۔ یہ خبر سن کر ہاتھ میں نیزہ لے کر اس باغ میں آیا اور کھڑا ہو گیا۔ اور رئیسوں اور اکابر کی عادت کے مطابق تشدد اور تکبر کا اظہار کرنے لگا۔

پس ایک جماعت کا جو سلسلہ انتظام و التیام قائم ہو گیا تھا وہ اس کے کہنے سے درہم برہم ہو گیا۔ دوسرے دن معصب بن عمیر ہمراہ اسعد بن زرارہ اسی مقام پر دعوت اسلام اور تلاوت قرآن کے لئے پھر آئے۔ لوگوں نے پھر سعد معاذ کو خبر کی آج و اگرچہ انکار سے ہی پیش آیا۔ لیکن اتنی شدت و حدت نہ تھی جتنی کہ اس دن تھی جب اسعد بن زرارہ نے اس کو قدرے نرم دیکھا تو کہا اے میری خالہ کے بیٹے پہلے سنو کہ یہ مرد کیا کہتا ہے۔ اگر وہ گمراہی کے راستہ پر جاتا ہے تو تم اس سے بہتر چیز پیش کرو اور اس سے زیادہ راہ راست دکھاؤ اور اگر وہ درست اور بہتر کہتا ہے۔ اور ہدایت کے راستہ پر ہے۔ تو پھر اسے برا بھلا کیوں کہتے ہو۔ اور اس کی موجودگی کو غنیمت شمار کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا کہ یہ کیا کہتا ہے جو کچھ یہ کہتا ہے وہ کہے۔ معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے یہ سورۃ پڑھی بسم اللہ الرحمٰن حم والکتاب المبین انا جعلناہ قرانا عربیا لعلکم تعقلو وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم افنضرب عنکم لذکر صفحا ان کنتم قوم مسرفین وکم ارسلنا من نبی فی الاولین سعد بن معاذ ان کلمات عظیم البرکات کا سن کر اپنا آپ چھوڑ چکا تھا مگر ابھی اس نے قبولیت اسلام کا اظہار نہ کیا لیکن نور ایمان اس کے باطن میں جاگزین ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوا۔ اور تمام عبدالاشہل کو بلایا اور اسلام قبول کیا۔ اور ان کو بھی مسلمان کیا الحمد للہ علی ذالک اور معصب بن

عمیران احکام و شرائع کی تعلیم دینے کے بعد جن کا اسے حکم دیا گیا تھا واپس موسم حج میں مکہ میں خدمت رسالت ماب میں پہنچے۔ ان کے ساتھ ان کے ساتھی انصار کی ایک بڑی جماعت تھی بصورت قافلہ حجاج نیز مشرک لوگ بھی ساتھ تھے جو ان کی قوم سے تھے۔ بڑی جماعت تھی تقریباً پانچ صد افراد پر مشتمل اور ایک روایت کے مطابق اوس و خزرج سے تین ہزار لوگ تھے۔ اور انہوں نے سید کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ملاقات کی سعادت حاصل کی اور ان میں سے ایک گروہ نے جس میں ستر آدمی تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق تہتر مرد و عورت تھے تشریق کی راتوں میں اسی مقام عقبہ پر اکٹھے ہونے کا وعدہ کیا۔ جب مقررہ رات آ پہنچی۔ دو تہائی رات گزر جانے کے بعد مشرک لوگوں میں جو کہ ان کے ساتھ تھے خفیہ طور پر نکل آئے اور عقبہ کے قریبی پہاڑ پر جمع ہو گئے۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے ظہور کے منتظر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کو ساتھ لیا۔ وہ بھی ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حال پر شفقت کے باعث وہ بھی ساتھ آئے۔ اور اسی مذکورہ مقام پر پہنچے اور ایک قول کے مطابق اس قوم سے پہلے پہنچ گئے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ اس ساری جماعت کو مشرف بہ اسلام فرمایا۔ حضرت عباس نے کہا اے قوم! کیا تم جانتے ہو ہمارے درمیان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کیا مرتبہ و مقام اور شرف و عزت ہے۔ ہم نے بہتیرا اس کو منع کیا۔ لیکن یہ ہماری بات نہ سنتا تھا۔ اور تمہارے ساتھ اجتماع و اتفاق سے باز نہ آئے۔ اب اگر تمہاری ہمدردی و وفا ان کے ساتھ پکی' مستحکم اور محقق ہے۔ اور ان کے ساتھ موافقت کا عہد مضبوط اور موکد ہے۔ اور تمہیں اپنے آپ پر اعتماد ہے کہ ان کے ساتھ وفاداری کرو گے جو کہ وعدہ کیا ہے۔ تو بس یہی مطلوب ہے۔ ورنہ ابھی جواب دے دو۔ تاکہ بعد میں تمہیں پشیمان نہ ہو۔ اور ہمیں انتقام لینے کے لئے تیار ہونے کے مقام پر نہ لے آؤ' انہوں نے کہا اے عباس! جو تم نے کہا ہے وہ ہم نے سن لیا ہے اور سمجھ لیا ہے یا رسول اللہ! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ آپ جو اپنے لئے اور اپنے پروردگار کے لئے ہم سے عہد لینا چاہتے ہیں وہ لے لیں۔ حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوۃ نے قرآن کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور نصیحت فرمائی کہ عہد خدا یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغ رسالت میں میری مدد و اعانت کرو۔ اس بارے میں جو کوئی بھی مانع ہو اس سے جہاد و قتل کرنے سے گریز نہ کرو۔ اور فرمایا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو اس بارے میں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ تم نے سن لیا ہے اور میری اتباع و فرمانبرداری کرو گے۔ خوشی و غمی تمام حالتوں میں اور یہ کہ خواہ تنگی ہو یا فراوانی تم اپنے مال راہ خدا میں خرچ کرو گے۔ اور نیک کام کرو گے اور برے کاموں سے منع رہو گے۔ اور ہمیشہ سچ بولو گے اور کسی بھی ملامت کنندہ سے نہ ڈرو گے اور یہ کہ تم میرے ساتھ دوستی رکھو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم میری نگہداشت کرو گے جیسے کہ تم اپنی جانوں کی اپنے فرزندوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت و نگہداشت کرتے ہو۔

انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ جانتے ہی ہیں کہ باپ دادوں سے لے کر اب تک ہمارا کام جنگ و قتل ہے۔ لیکن ہمارے اور یہودیوں کے درمیان سابقہ روابط اور معاہدے ہیں۔ اب ان سب کو ہم قطع کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح نہ ہو کہ

جب اللہ تعالیٰ آپ کو نصرت و غلبہ عطا کرے تو آپ واپس اپنی قوم کی جانب چلے جائیں۔ اور ہم تمہارہ جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا۔ اس طرح بالکل نہ ہو گا۔ میں تمہارا اور تم میرے جان و جسم ہمارے اکٹھے ہیں۔ میرا جینا تمہارے ساتھ ہو گا اور مرنا بھی۔ میری قبر بھی تمہارے درمیان ہو گی اور میرے رہائش بھی تمہارے ساتھ ہو گی۔ جو کوئی تمہارے ساتھ جنگ کرے گا میں اس کے خلاف لڑوں گا جو کوئی تم سے صلح کرے گا میں بھی اس کے ساتھ صلح رکھوں گا۔

بیعت عقبہ ثانیہ:۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم سب آپ کی محبت کے راستہ میں مارے جائیں۔ ہمارا سب جان و مال بھی آپ پر فدا ہو گا اس کی جزا کیا ہو گی۔ آپ نے فرمایا اس کی جنت ہو گی۔ جس میں نہریں بہتی ہوں گی۔ تو انہوں نے کہا ربح البیع بسم اللہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں اور اسی حال پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **ان اللہ اشتری من المومنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة** اسے عقبہ کبریٰ کہا جاتا ہے اور بعض ارباب سیرت نے اسے عقبہ ثانیہ کا نام دیا ہے۔ اور قوم کے کلام کے تقاضہ کے مطابق اس کا نام عقبہ ثالثہ مناسب نام ہے۔ یہ واقعہ تیرھویں سال کا ہے ذوالحجہ کے مہینہ میں ہجرت سے تین ماہ قبل۔ اس کے بعد ہجرت کا واقعہ وقوع میں آیا۔ اور جو کچھ اس سے پہلے ہوا وہ گیارھویں سال میں تھا جیسے کہ سابقاً گزر چکا ہے۔

بارہ نقیب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان میں سے بارہ آدمیوں کو چنا اور ان کو ان کے نقیب اور رئیس بنایا تاکہ وہ ان کے حالات کے محافظ ہوں اور یہ بارہ افراد انصار کے اکابر اور روسائیں اس دوران ایک انصاری نے کہا۔ یا رسول اللہ! اگر آپ فرمائیں تو جتنے مشرک آج منی میں جمع ہیں انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تلوار کھینچوں اور مشرکوں کو قتل کر دوں۔ پس انصار اپنے ٹھکانوں پر جا ٹھہرے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت سے رخصت کی التماس کی اور عرض کیا کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے ساتھ ہو لیں اور ہمارے اس علاقہ میں ہمارے ساتھ چلیں تو زہے سعادت۔ حکم ان کا حکم ہے۔ جو کچھ فرمائیں ہم جان و دل سے فرمانبردار ہیں آپ نے فرمایا کہ ابھی مکہ سے باہر نکل جانے کا مجھے حکم نہیں ہوا اور میری ہجرت کا مقام متعین نہیں ہوا۔ جس وقت جس جگہ کا حکم ہوا میں چلا جاؤں گا۔ یہ کہا اور انصار کو رخصت فرما دیا۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ رضی عنہم۔

تصور میں لانا چاہیے کہ یہ کیسا جمعیت دل اور حضور ذوق و سرور کا وقت تھا۔ اس موقع اور اس حضور ذوق و سرور پر جائیں فدا ہوں۔

؎ باش تا پیش جمل توبہار گراست یک گل ازصد نشگفت است گلستان ترا

اور جب کفار قریش کو انصار کی متابعت کی خبر ملی۔ تو سینوں پر ناامیدی کے ہاتھ مارنے لگے اور اپنے سروں پر خاک ندامت ڈالی۔

وصل:۔ جب قبائل انصار اپنا عہد و قرار پکا کرنے کے بعد اپنے علاقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو سید کائنات علیہ افضل الصلوۃ اکمل التحیات جناب صمدیت جل جلالہ کی جانب متوجہ ہوئے اس لئے کہ ہجرت کا اختیار مل جائے اور وقت مقرر ہو جائے اور مقام بھی جہاں ہجرت ہو پہلے ایک مقام دکھایا گیا جس کی علامات و صفات دو تین مقامات پر مناسب آتی تھیں۔ ہجر جو کہ بحرین کے شہروں میں سے تھا۔ قنسرین ایک مقام تھا جو ملک شام میں تھا۔ اور یثرب جو علاقہ حجاز میں تھا۔ بعد ازاں مدینہ شریف (یثرب) بذریعہ مزید انکشاف و ظہور تمیز مقرر و مخصوص ہو گیا۔ اس اشتراک و ابہام کے بعد مدینہ کی تخصیص و تعین ہونے میں زیادہ احترام و اکرام کا باعث اور زیادہ تسلی و اطمینان کا سبب تھا یہ اس میں حکمت تھی جیسے کہ عزیز مہمان کو متعدد منزلات اور مختلف قیامگاہیں دکھائی جاتی ہیں۔ اور اسے ان میں سے اختیار کرنے کا مختار بنایا جاتا ہے۔ یا چونکہ یہ خواب میں دکھایا گیا تھا۔ پس صفائے قلب میں احوال و اوقات کے اختلاف کے مطابق فرق نظر آیا۔ واللہ اعلم۔

اور روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں نے مکہ سے ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کی ہے مجھے گمان ہوا کہ وہ زمین علہ یا ہجر کی ہو گی حالانکہ وہ خود مدینہ تھا اور مروی ہے کہ آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا مجھے تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ وہ نخلستان والی زمین ہے اور دو پہاڑوں کے درمیان تھی۔ یعنی مدینہ (کذافی روضتہ الاحباب)۔

اور ابھی آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خروج کا وقت اور خروج کی میعاد نہیں بتائی گئی تھی لیکن آپ نے بعض حضرات کو مدینہ کی طرف رخصت فرما دیا تھا اور کچھ ایام کے بعد اکثر صحابہ کرام مدینہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مثلاً عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بمعہ اپنے بھائی زید بن الخطاب اور عیاش بن ربیعہ معہ بیس سواروں صحابہ کبار اور حمزہ بن عبدالمطلب اور عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ بن عبداللہ اور عثمان بن عفان اور زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود اور بلال وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مدارج النبوت میں کہا گیا ہے کہ اکثر صحابہ پوشیدہ اور مخفی طور پر گئے سوائے حضرت عمر بن خطاب کے جو کہ تلوار میان میں رکھے ہوئے کمان ہاتھ میں پکڑے ہوئے اور نیزہ اٹھائے ہوئے کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر لیا۔ حالانکہ قریش کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے آرام و قرار کے ساتھ کعبہ کا ساتھ مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نماز تعدیل ارکان کے ساتھ اطمینان سے ادا کی اور کہا کہ اس گروہ کفار کی زندگی ناخوشگوار ہو کہ انہوں نے پاؤں میں روندے جانے والے پتھروں کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے بیٹے کو یتیم کرے اور اپنی زوجہ کو بیوہ چھوڑنا چاہتا ہے۔ وہ میرا پیچھا کرے۔ پس کسی شخص کو حرکت کرنے کی مجال نہ ہوئی اور کوئی ان کے تعاقب میں نہ گیا۔

اور صحابہ میں سے سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ پیچھے نہ رہا۔ (کما قالوا) اور یا اس سے یہ مراد ہے کہ اعیان صحابہ اور ان میں سے اکابر و مشاہیر میں سے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی نہ رہا کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد مشرکین مکہ کمزور صحابہ پر جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ہجرت پر نہ جا سکے ایذاء کرتے تھے اور ان کو مختلف مصائب میں مبتلا کرتے تھے۔ نیز اس پر قرآن ناطق ہے۔ کہ کمزور (مستضعفین) کہتے تھے۔ **ربنا اخرجنا من هذا القرية الظالم الايته**

یہ بھی آیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چاہا کہ سفر مدینہ کا ساز و سامان تیار کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صبر کرو کیونکہ میں بھی امیدوار ہوں کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم دیا جائے اور کہ ہم اکٹھے چلیں اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو کیوں میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سفر میں میرا رفیق بنائے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خواہش ہو گئی کہ وہ آنحضرت کے مصاحب ہوں اور جب مکہ کے مشرکوں نے ابتدائی ترقی و کمال اور اسباب وانتظام رخت سفر کا دیکھا اور مدینہ کی طرف ہجرت صحابہ سے بھی انہوں نے استدلال کیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہجرت کر جائیں گے۔ لہٰذا مشورہ کر کے انہوں نے اس مہم میں شر و فساد برپا کرنے کی ٹھان لی اور اس زمانہ میں ان کا سرگروہ ابو جہل لعین تھا۔ اور دوسرے شیطان بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ اور ابلیس لعین بھی ان کے قریب ہو گیا۔ اور ایک نجدی بوڑھے کی صورت میں آیا اور ان کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ پس بعض کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو عذاب دینا اور مکہ سے نکال دینا بہتر کہا گیا۔ بعض کہنے لگے آپ کو قید کر لینے میں مصلحت ہے اور بعض کی رائے تھی کہ آنجناب کو قتل وہلاک کر دینا بہتر ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی یہ آیت ان شقی القلب آدمیوں کے انہی جذبات کا پتہ دیتی ہے۔ **واذ يمكربک الذين كفرو ليثبتوک او يقتلوک او يخرجوک و يمكرون ويمكرو الله والله خير الماكرين** ابو جہل نے کہا کہ پانچ قبیلوں میں سے پانچ شخص ہونے چاہئیں اور وہ پانچوں اکٹھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تلواریں ماریں۔ تاکہ بنو ہاشم کو ان پر پانچ مختلف قبائل سے طلب قصاص کی قوت نہ ہو۔ اس نجدی بوڑھے نے تمام مشورے رد کر دیئے اور ابو جہل کی رائے کو سراہا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس حال کا مشاہدہ کیا تو ہجرت کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ یہ سنت انبیاء ہے۔ سلام اللہ علیہم اجمعین۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس ہجرت کا اذان اس آیہ کریمہ کی رو سے ہے۔ **وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا** اور روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ حکم لائے کہ **ان الله يامرک بالهجرت** اور علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ جس کی تعبیر بھی انہوں نے ہجرت کے بارے میں کی۔ وہ تعبیر خواب کے علماء میں کامل تھے۔ یعنی آنحضرت اور آپ کے صحابہ کرام کی مدینہ کی جانب ہجرت۔ اور آنحضرت کا اسی جگہ وصال پانا اور مدفون ہونا مدینہ میں اور اس کا ذکر روضۃ الاحباب میں ہے۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چاہا کہ صبح کو ہجرت کر جائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بستر پر سوئیں۔ تاکہ مشرک لوگوں کو شک والتباس ہو جائے اور وہ حقیقت

حال کو نہ جان سکیں اور اصل وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ جانے کی یہ تھی کہ کفار مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امانت و دیانت میں پکا اور سچا ہونا کا اعتقاد رکھتے تھے جو امانتیں ان کے پاس رکھی تھیں۔ ان کو (علی) ادا کر دیں۔ اور کفار لوگ آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امین کہا کرتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوابگاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سو گئے اور اپنے اوپر وہی چادر اوڑھ لی جو آنحضرت اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت میں سب سے پہلے جس نے اپنے اپ کو فدا کیا وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور علماء نے کہا ہے کہ آیہ کریمہ اسی ضمن میں نازل شدہ ہے۔ **ومن الناس من یشتری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه واللّٰه رؤف بالعباد۔** اور اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شعر بھی نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ شعر۔

- **وقیت بنفسی خیر من وطی الثری ومن طاف بالبیت العتیق والحجر**
رسول اله خاف ان یمکروا به فنجاه نوالطول الا له من المکر

مواہب الدینہ میں یہی دو شعر ذکر کیے گئے ہیں اور روضتہ الاحباب میں دو مزید اشعار مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔۔

- **وبات رسول اللّٰه فی الغار امنا موتی فی حفظ الا له و فی ستر**
وبت اراعلیهم وما یتهمونني فنز وطنت نفسی علی القتل والاسر ۰

اور اس شعر میں آنحضرت کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس سفر میں رفاقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا یہ عمل بھی فدا کاری کا موجب ہے۔ اور اس مقام پر علماء کو کلام ہے کہ اس وقت ان دونوں میں کون زیادہ شجاعت میں کاملر اور قوی تر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کہ جنہوں نے بالفعل اپنی جان ایثار کر دی اور فدا کر دی یا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جرات جو کہ آنحضرت کے ساتھ گئے۔ اور عظیم مہلک حالات میں اپنے آپ کو ڈالا۔ جبکہ اس فعل میں آپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔ بعض کے نزدیک یہ قوی تر ہے کہ جو آنحضرت کی خوابگاہ میں سوئے۔ جبکہ دشمن ننگی تلواریں تانے ہوئے ہلاک کرنے کے لئے دروازہ پر کھڑے تھے اور اس جگہ تو ہلاکت کا احتمل تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شمولیت کی پناہ میں روانہ ہوئے تھے۔ اور اس جگہ بھی قریش دشمنوں کو یہ قوت نہ تھی کہ وہ ابوطالب کے بیٹے کے سر پر پل پڑیں کیونکہ ابوطالب بنو ہاشم کا شریف فرد اور رئیس تھا۔ اور روضتہ الاحباب میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنا دل قوی رکھو۔ کہ وہ کافر تجھے کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ نیز منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری شجاعتیں تو لڑائی جنگ میں ہیں۔ جہاں کہ ہر دو جانب سے ہلاکت کا خوف ہوتا ہے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ ہیں کہ جو باوجود اس کے کہ قریش شدید دشمن اور نہایت درجہ جاہل تھے پھر بھی ان سے الجھتے رہتے تھے۔ اور ہمیشہ ان سے دست و گریباں ہوتے رہتے تھے۔ اور بالکل لحاظ نہ کرتے تھے۔ آپ کی یہ شجاعت فائق ہے۔ واللہ اعلم۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے سر مبارک پر چادر لپیٹے ہوئے گھر سے باہر آئے پس اللہ تعالیٰ نے کفار کی

آنکھیں اندھی کر دیں۔ اور ان میں سے کسی نے بھی آنحضرت کو نہ دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مٹھی خاک لے کر ان کے چہروں پر پھینک دی۔ یہ خاک ہر کافر کے سر پر پڑی اور آپ نے سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی **فھم لا یبصرون** تک اور ایک روایت ہے کہ جب آپ نے یہ پڑھا تو **جعلنا بینک وبین الذین لا یومنون بالاخرۃ حجابا مستورا** کا بھی ساتھ اضافہ کیا۔ اور ان کے سامنے سے باہر آگئے۔ اور رابی حاتم کی روایت ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے کہ جس جس کو یہ خاک جا کر لگی۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں جو بدر کی جنگ میں ہلاک نہ ہو گیا ہو۔ اور علماء سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باہر آئے تو ابو جہل نے بطور استہزاء (مذاق) کہا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہے کہ کہتا ہے کہ اگر تم میرے دین کے تابع ہو جاؤ تو ملک عرب و عجم تمہارا ہو جائے گا اور بہشت بریں میں تمہارا ٹھکانا بنے گا اور اگر تم میری متابعت نہیں کرو گے تو دنیا میں میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ اور آخرت میں دوزخ ہاویہ میں جاؤ گے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہاں میں اس طرح فرماتا ہوں اور اس طرح ہی ہو گا۔ اور تم بھی ان دوزخیوں میں سے ہی ایک ہو گے جن کی میں نے خبر دی ہے۔ اس کے بعد آپ نے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور پھینکی۔ اور اسی اثناء میں جماعت کفار نگونسار کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یہاں کھڑے ہو اور کس کا انتظار ہے۔ انہوں نے کہا صبح کا انتظار ہے۔ اس لئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو قتل کر دیں اس نے کہا کہ تم لوگوں پر افسوس کیا۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نہ تھے جو تمہارے سامنے سے باہر آئے تھے ابو جہل اور دیگر کفار نے خاک ندامت اپنے سروں میں ڈالی۔ اور صبح کے وقت جب علی بن ابی طالب کو دیکھا تو کہنے لگے کہ تمہارے صاحب کہاں چلے گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے اپنے رسول کے حال کو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب مکہ معظمہ سے باہر نکلے تو حرم شریف میں ایک مقام جزواہ پر آئے۔ وہاں پر آپ نے کھڑے ہو کر مکہ کو مخاطب فرما کر کہا۔ واللہ! تو میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین زمین ہو اور اگر تمہارے باشندے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا۔ اور ایک جماعت اس حدیث سے دلیل و حجت قائم کرتی ہے۔ کہ مکہ شریف مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ اور ایک گروہ علماء ہے جو مدینہ شریف کو مکہ سے افضل گردانتے ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہاں سے باہر نکالا اور مدینہ شریف لے گیا اور وہاں پر ہی مقیم فرمایا۔ اور آثار و انوار کے ظہور اور فتوحات و فیوضات کا مبداء اسے بنایا اور علماء میں یہ بحث ہے۔ جو ہم نے اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب جو کہ مدینہ مطہرہ کی تاریخ ہے اس میں اسے تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے اور ہر دو جانب کے دلائل نقل کر کے مکہ پر مدینہ شریف کو افضل قرار دیا ہے۔ پس وہاں پر دیکھیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ اس اثناء میں کہ جب ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک روز سخت دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وقت وہاں آئے جس وقت کہ کبھی قبل ازاں نہ آئے تھے۔ تو ابوبکر رضی

اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں کوئی بڑا امر عظیم ہے جس کے باعث آپ اس وقت تشریف لائے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اذن چاہا (اجازت طلب فرمائی) اور کہا کہ جو کوئی بھی تمہارے پاس ہے گھر میں اسے علیحدہ کر دو۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! گھر میں میرے پاس کوئی بھی موجود نہیں سوائے آپ کی زوجہ (عائشہ) کے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابو بکر کو ہجرت کی خبر دی۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا (دوران سفر ہجرت) ابو بکر بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہے گا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ اور روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ خوشی سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور اس وقت تک میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ کسی کو خوشی سے بھی رونا آ جاتا ہے۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوجہ خوشی رونے کی خبر دینا یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذوق دریافت کے حال کے قرینہ سے ہے ورنہ درمیان میں مکہ سے ہجرت کا اندوہ غم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مشقت و محنت کا بوجھ بھی تھا۔ واللہ اعلم۔

اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دو اونٹ تھے جو چار سو درہم میں خریدے تھے اور ایک روایت میں ہے آٹھ سو درہم میں خریدے تھے۔ اور چار ماہ سے انہیں تیار کرتے پالتے اور ان کی نگہداشت کر رہے تھے۔ آپ نے دونوں اونٹ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے تاکہ آپ ان میں سے ایک قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ قبول کرتا ہوں لیکن ابتاع کی شرط کے ساتھ۔ پس آنحضرت نے چار سو درہم میں ایک اونٹ خرید لیا۔ اس سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر اموال کثیر خرچ کرتے رہے تھے پھر ابو بکر کا آنحضرت کے ساتھ نہایت درجہ کا صدق وایثار اور اتفاق و اتحاد تھا۔ اس کے باوجود اونٹنی خریدنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ نے نہ چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی کے استعانت و امداد طلب فرمائیں۔ چنانچہ اس بارے میں آیہ کریمہ **لا تشرک بعبادۃ ربہ احد** میں اشارہ نظر آتا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق اس ناقہ کا نام قصوا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق جدعا تھا۔ بعد ازاں بنی دیل سے ایک شخص جس کا نام عبداللہ بن ار یقط تھا۔ جو راستہ دکھانے اور تحفظ اسرار میں مشہور تھا۔ اسے جرت پر رہبری کے لئے ساتھ لے لیا۔ وہ تین روز کے بعد وہ دونوں اونٹوں کو لے کر جبل ثور پر حاضر ہوا۔ اور وہ شخص دین کفر پر تھا۔ اور امام نووی رحمتہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کا اسلام لانا معلوم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اور بیعت عقبہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مکہ میں آئے ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے اور کچھ روز اوپر۔ اور بعض نے اڑھائی ماہ اور بعض نے تین ماہ کا عرصہ کہا ہے یا اس کے قریب وغیرہ۔ ماہ ربیع الاول میں پانچویں تاریخ کو اور اصح یہ ہے کہ دو شنبہ (سوموار) کا دن تھا۔ دونوں روایات میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ مکہ سے ابتدائے خروج پنج شنبہ کے دن تھا اور غار سے روانگی پیر کے روز تھی۔ اور یہ وجہ بہت سی روایات کے موافق ہے۔ جیسے کہ الحافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اور اس بات پر سوائے حضرت علی اور آل ابو بکر کے کوئی مطلع نہ تھا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کھڑکی کے راستے باہر آئے جو گھر کے عقبی جانب تھی۔ اور آج بھی وہ مکان بمعہ اس کھڑکی کے اسی

طرح موجود ہے اور رات کے اندھیرے میں روانہ ہو گئے غار ثور کی طرف رجوع تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے بڑی عجلت سے سفر کے لئے اسباب کی تیاری کر دی اور وہ بند نہیں تھا جس سے سفر کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر نے اپنا کمر بند دو ٹکڑے کیا۔ عرب میں یہ معمول تھا کہ عورتیں کمر بند کو آزار سے اوپر باندھا کرتی تھیں۔ اس کے ایک ٹکڑے سے۔۔ میان کے منہ باندھ کر مضبوط کیا اور دوسرا ٹکڑا میان ( ) کے اوپر باندھا۔ اسی وجہ سے ان کو ذات النطاقین کہتے ہیں۔ اور عبداللہ بن ابی ابکر جو ایک دانا اور ہوشیار جوان تھے اسے مقرر کیا گیا کہ دن وہ قریش میں گزارے اور رات کو روانہ غار ثور پر آیا کرے۔ اور اس طرح وہ کفار کے متعلق خبر دیتا رہے۔

اور علماء کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھتے تھے انہوں نے وہ اپنے ساتھ لے لئے اور آگے آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے پیچھے کہ کہیں دشمن کمین گاہ میں نہ بیٹھا ہو۔ اور آیا ہے کہ راستہ میں آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور غار ثور کے اندر پہنچایا پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ بذات خود غار کے اندر تشریف لائے۔ کہ کوئی آفت یا موذی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچ سکے اور غار کے اندر سانپ اور بچھوؤں کا مسکن تھا۔ پس ابوبکر اندر آ گئے۔ بیٹھ گئے اور احتیاط کی۔ اور غار کے اندر اندھیرا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ قیمتی چادر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ غار میں جو بھی سوراخ پاتے اسے چادر کا ٹکڑا پھاڑ کر اس سے بند کر دیتے تھے۔ ایک سوراخ باقی تھا لیکن چادر ختم ہو چکی تھی۔ لہٰذا اپنے پاؤں کی ایڑھی مضبوطی سے اس میں رکھ دی۔ پھر آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اندر تشریف لے آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اندر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سانپ اور بچھو کاٹتے رہے۔ لیکن ابوبکر تھے دم نہیں مارتے تھے۔ اور حرکت نہ کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بیدار ہو جائیں۔ لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر گرے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر **لا تحزن ان اللہ معنا** حق سبحانہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں آرام پیدا فرمادیا۔ اس کے بعد آپ کو ہوام (سانپ اور بچھو) نقصان نہ پہنچا سکے۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاؤں مبارک کی طرف دیکھا۔ تو دیکھا کہ ان سے خون ٹپک رہا ہے اور مجھے رونا آ گیا۔ اور میں نے جانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قسم کی محنت و جفا کے عادی نہیں ہیں۔ اور اہل معرفت نے کہا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ فرعون نے ہمیں آلیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں۔ **ان معی ربی سیھدین** اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریش کے حال سے شکایت پیش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ **لا تحزن ان اللہ معنا** پس موسیٰ کی نظر پہلے اپنی ذات پر پڑی اس کے بعد انہوں نے ربوبیت الہیہ کی شہادت دی۔ پس شہود موسیٰ اسی طرح ہوئی۔ جیسے کہا گیا ہے کہ **ما رائیت شیئا الا ورایت اللہ قبلہ** اور یہ جو شہود ہے اتم اور اکمل ہے۔

اور مواہب الدنیہ میں بعض اہل معرفت سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جو قول قوم بنی اسرائیل سے تھا اس میں تامل کرنا چاہیے۔ وہ ان معیی ربی اور جو آنحضرت کا قول ہے ابوبکر سے اس پر بھی وہ ہے ان اللہ معنا پس موسیٰ علیہ السلام نے شہود معیت کو اپنے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اور یہ معیت ربی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے ذریعے دوسروں تک نہ پہنچی لیکن ہمارے نبی کریم نے معیت الہیہ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب متعدی کر دیا اور اپنے نور سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی غیر معیت کو ظاہر بھی کیا اور آپ سے ابوبکر کو بھی سرایت معیت ہوئی۔ اور ان پر سکینہ کا نزول ہوا ورنہ ابوبکر اس تجلی و شہود کے تحت ثابت قدم نہ رہتے۔

علاوہ ازیں موسیٰ علیہ السلام کی شہود معیت ربوبیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی شہود معیت و ربوبیت میں فرق ہے۔ انتھی۔ یہ بندہ (شیخ عبدالحق) نور اللہ قلبہ بنور الصدق والیقین کہتا ہے کہ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے طلب رویت اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب سے طلب رویت میں فرق ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنے لئے رویت طلب کی یہ کہہ کر ارنی انظر الیک اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ارنا حقائق الاشیاء بلفظ جمع اس سے آپ نے متبعین کو بھی شامل فرمالیا۔ نیز در پردہ بات کی یعنی حقائق اشیاء کی طلب فرمائی۔ اور یہ نہ فرمایا کہ ارنی ذالک یہ بوجہ کمال معرفت اور ادب کے تھا۔ اور حقیقت الحقائق حق تعالیٰ ہے اور یہ بھی ایک کمال معرفت اور حقیقت کا ادراک و شعور ہے۔ فافہم۔ واللہ علم۔ اور جب آنحضرت غار کے اندر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے کیکر پہاڑی کا درخت غار کے دہانہ پر اگا دیا اور جنگلی کبوتروں کا ایک جوڑا (نر اور مادہ) بھیجا حتیٰ کہ انہوں نے وہاں پر اپنا آشیانہ بنالیا اور وہاں پر انڈے بھی دیئے۔ اور مکڑی کو حکم دیا کہ وہ وہاں پر اپنا گھر بنے (جالے کا گھر) اور مواہب الدنیہ میں مسند بزار سے منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اسی جوڑا کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا سے قیامت تک شکاری اور ہلاکت سے محفوظ رہیں گے۔ اور ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے عنکبوت یعنی مکڑی نے داؤد علیہ السلام کے لئے جالا بنایا جبکہ ان کو جالوت نے طلب کیا تھا۔ اور دوسری بار مکڑی نے ہماری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جالے کا پردہ کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کافروں میں سے کوئی ایک بھی اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا تو وہ کافر ہمیں پالیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر! تمہارا کیا خیال ہے۔ ان دو شخصوں کے متعلق جن کی طرف خدا ہو۔ اس سے مراد آنجناب بذات خود اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ کافر کہنے لگے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس غار میں آئے ہوتے تو کبوتروں کے انڈے ٹوٹ گئے ہوتے اور مکڑی کا جالا (گھر) ویران ہو چکا ہوتا۔ اور یہ درخت جو یہاں اگا ہوا ہے۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی عمر میں سے پہلے کا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے باپ سے بھی پہلے کا ہے۔

اور باوجود اس امر کے کافر یہ جانتے تھے کہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی مقام پر ہیں اور جو لوگ کفار نے آنحضرت کی تلاش میں بھیجے تھے انہوں نے آنحضرت کے پاؤں کی نشانات و علامات سے یہ بتا دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہاں سے گزرے ہیں اور یہ بھی کہ وہ یہاں پر ہی ہیں اور یہ واقعہ آنسرور کے اعظم معجزات میں سے ہے۔ اور بلند دیواروں اور تحفظات سے زیادہ اشد اور قوی تحفظ تھا۔ کما قال شعر۔

وقایتہ اللہ اغنت من مضاعف ۔ من الدروح و عن عل من الاظم

تاکہ یہ معلوم ہو جائے اللہ تعالیٰ کا لشکر بادشاہ کے لشکر کے خلاف ہے۔ کیونکہ کمزور چیزوں کے ذریعے جیسے کہ مچھر اور مکڑی وغیرہ ہیں فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔

اور آپ کا قیام غار میں تین راتیں تھا اور بعض نے بارہ دن کہا ہے۔ اور اس توہم اور اشتباہ کا وجود اس طرح ہے کہ آپ غار میں دو شنبہ کو تشریف لائے اور پنج شنبہ کو وہاں سے نکلے۔ اگر یہ پنج شنبہ کا دن وہی ہے۔ جو دو شنبہ کے دن تک تین رات دن ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ کوئی اور پنج شنبہ کا دن ہے تو پھر بارہ تیرہ دن ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور دنوں کی صحیح تعداد جو مشہور ہے وہ تین رات دن ہے اور عبداللہ بن ابی اکبران کے ساتھ غار کے دہانہ پر ٹھہرتے تھے اور صبح روزانہ قریش میں مکہ کے ساتھ کرتے تھے۔ گویا کہ رات آپ غار پر رہتے تھے اور جو کچھ خبریں قریش کے متعلق دن کے دوران دیکھی سنی ہوتی تھیں وہ آنحضرت کی بارگاہ میں کر دیتا تھا۔ اور عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور بھیڑیں چرایا کرتے تھے۔ وہ ہر رات کو وہاں پر دودھ پہنچاتا تھا جس کے ساتھ اس جگہ یہ گزارہ کرتے تھے۔

اور اس راقم الحروف کے دل میں آتا ہے کہ اس غار کی بناوٹ اس نہج پر واقع ہوئی ہے کہ اس میں داخل ہونا تو ممکن ہے لیکن اس میں سے باہر نکلنا ناممکن ہے بوجہ مکڑی کے جالے کے اور کبوتروں کے انڈے وہاں پر دینے اور درخت کے اگنے سے۔ پس اس قیام کے دوران وضوء اور استنجاء کی خاطر کیا کرتے ہوں گے۔ شاید اس کی احتیاج ہی نہ واقع ہوئی ہو۔ اور یا بطور معجزہ غار سے باہر نکلتے ہوں گے اور حال کے وقت داخل ہونے والی جانب اب کشادہ دروازہ ہے۔ اس سے باہر آتے ہیں شاید اس کے بعد لوگوں نے اپنی آسانی اور تسہیل کے لئے دہانے کو کشادہ کر دیا ہو۔ یا جیسے کہ بعض کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہاں سے خروج کا وقت آیا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے اپنا پر مارا اور دروازہ ظاہر ہو گیا اور میں نے دیکھا ہے کہ اس بات سے ارباب حدیث و شرح میں سے کسی نے تعرض نہیں کیا۔ جس پر ضعیف آدمی (شیخ عبدالحق) اس غار کی زیارت کے واسطے وہاں حاضر ہوا۔ تو ہماری جماعت میں ایک شخص بڑا جسیم طویل اور عریض تھا۔ کہا گیا کہ پہلے وہ داخل ہو پس اس شخص نے پڑھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور درود شریف پڑھا پھر بالکل بلا تکلف جلدی سے وہ داخل ہو گیا۔ اس فقیر (شیخ صاحب) کے منہ سے بے اختیار بلند آواز سے سرزد ہوا۔ سبحان اللہ۔ اور یہ خیال دل میں جاگزین ہوا کہ ایک وقت وہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آیات کبریٰ کے نظارہ کے لئے عرش اعلیٰ پر لے جایا گیا اور ایک روز یہ بھی تھا کہ شہود کی رو کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وہی شہود جو وہاں پر تھا وہ یہاں بھی تھا بلا تفرق و تفاوت۔ اور اگر تفاوت کوئی تھا بھی تو وہ کشف صفات میں تھا۔ شہود ذات ایک ہی تھا۔ بیت۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینم ۔ گہے برپشت پائے خود نہ بنیم

واللہ اعلم۔ پس رات وہاں پر ہی اسی انوار و اسرار میں گزار دی گئی۔ اور کچھ دنوں بعد پھر ایک دن آنحضرت سید امام علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کے خیال سے اس جگہ پر صبح سے شام تک دعا اور صلوٰۃ و سلام میں گزاری واللہ الحبیب۔

غار حراء سے روانگی:۔ وصل:۔ جب تین راتیں غار کے اندر گزر گئیں۔ تو تیسری رات کو صبح کو عبداللہ بن ارتیقط جس کو ہدایت و رہبری کے لئے اجرت پر متعین فرمایا ہوا تھا۔ اس نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ دونوں اونٹوں کو غار کے دہانہ لے آئے گا۔ اور اس نے وہ اونٹ پیش خدمت کر دیئے۔ حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ بھی آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم جدعا نامی اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ سوار کرا لیا۔ اور عبداللہ اور عامر دوسرے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اور ساحلی راستہ اختیار کر لیا اور وہ دن اور رات سفر جاری رکھا۔ جب اگلی صبح ہوئی اور سورج گرم ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے کسی جائے آرام کے متلاشی ہوئے۔ ایک جگہ ڈھونڈی جہاں سایہ تھا۔ ایک پتھر تھا جس کا سایہ تھا اس جگہ کو ہموار کیا اور چادر (یا کپڑا) جو ساتھ تھا (پوستین) وہ رکھ دی۔ آنحضرت نے اس پر تکیہ فرمایا اور سو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس صحراء میں ایک جوان دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ نے اس سے دودھ طلب کیا۔ جب تھوڑا سا دودھ لیا تو اس میں کچھ پانی ڈال دیا تاکہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اور اہل عرب کا یہ معمول ہے کہ جب دودھ تازہ ہو تو گرم ہوتا ہے لہٰذا اس میں پانی ڈال لیتے ہیں اور پیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کیا جو کہ اس وقت تک جاگ اٹھے تھے۔ دودھ نوش فرمایا اور سوار ہو گئے اور کوچ فرمایا۔ اس مقام پر علماء فرماتے ہیں کہ کس طرح یہ روا ہو سکتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکریوں کے چرواہے سے دودھ لیا جبکہ اس نے مالک سے اجازت نہ لی تھی اور نہ ہی ریوڑ کے مالک کو اس کا علم ہوا۔ اور اس کا جواب دیتے ہیں کہ قریش کی عام عادت تھی کہ وہ چرواہوں کو اذن کر دیتے تھے کہ اگر کوئی راہ گزر پیش آئے اور دودھ طلب کرے تو اسے دودھ دے دیا جائے۔ اور یا پھر چرواہے کا مالک ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آشنا ہو گا اور اسے پہچانتا ہو گا۔ پس آپ نے دودھ پر اعتماد طریق سے لے لیا۔ اور اس کا بھی احتمال ہے۔ اس کی قیمت ادا کر دی ہو گی۔ اور چرواہے کو یہ اجازت ہو گی کہ وہ دودھ بیچ لے۔ واللہ اعلم۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب امر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مخفی ہو گیا۔ تو ہمارے پاس قریش کا ایک گروہ آیا جس میں ابوجہل بھی تھا۔ لعنۃ اللہ علیہ۔ پس میں ان کے پاس باہر آئی۔ اس نے کہا کہ تمہارا والد کہاں ہے میں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم مجھے علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ پس اس لعین نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور وہ بڑا فاش خبیث تھا اور میرے رخسارہ پر آپ نے طمانچہ مارا جس سے میرے کان کی بالی نکل کر گر گئی۔

واقعہ عجیبہ و غریبہ:۔ اور وہ واقعہ عجیبہ و غریبہ جو اس سفر کے دوران پیش آیا۔ کہ ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کا خیمہ

جو کہ قدید میں تھا۔ اس میں ان کا نزول ہوا اور یہ ایک عورت شادی شدہ عقلمند عورت تھی اور ایک خیمہ کے دروازہ پر بیٹھتی تھی اور راہگزروں کی مہمان نوازی کرتی تھی اور کھانا اور پانی دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے کھجوریں دودھ اور گوشت طلب فرمایا۔ تاکہ تناول فرمائیں لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز حاضر نہ کی گئی وہ کہنے لگی کہ اس سال ہمارے علاقہ میں صورت قحط اور تنگی حال ہے۔ اگر میرے پاس کوئی چیز ہوتی تو ضرور آپ کی مہمانی بجالاتی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نظر فرمائی تو اس کے خیمہ کے ایک کونہ میں ایک بکری دیکھی جو بڑی کمزور اور درماندہ تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے جو گھر پر ہی رہ گئی ہے اور چراگاہ میں نہیں گئی۔ اس نے کہا کہ یہ جدا کر دی گئی ہے اور چھوڑ دی گئی ہے یہ کمزور تھی اور ریوڑ کے ساتھ نہ جا سکتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ آیا یہ دودھ دیتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ بکری اس قدر کمزور اور بوڑھی ہے کہ اس پر دودھ دینے کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اجازت دیتی ہے کہ میں اس کا دودھ دوہوں۔ اس نے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر تم دیکھتے ہو کہ وہ دودھ دیتی ہے تو دودھ دوہ لو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بکری کا ایک پاؤں دوسرے پر چڑھا دیا۔ اور اپنا ہاتھ مبارک اس کے تھنوں پر رکھا اور خدا تعالیٰ کا نام لیا۔ اور آپ نے دعا فرمائی کہ **اللھم بارک لھا فی شاتھا** اے خداوند ام معبد کو اس کی بکری میں برکت عطا فرما۔ پس وہ بکری دودھ سے پر ہو گئی یہاں تک کہ اس کے پاؤں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے بوجہ زیادہ دودھ کے۔ اور اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ ام معبد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے برتن طلب فرمایا جس سے کہ ایک گروہ آدمیوں کا سیر ہو جاتا ہے۔ پس اہل خیمہ کو دودھ پلایا اور وہ سیراب ہو گئے اس کے بعد اپنے ہمراہیوں کو دیا۔ پھر آپ نے خود نوش فرمایا۔ پھر آپ نے دوبارہ دودھ دوہیا۔ دوبارہ پلایا گیا اور برتن بھی دودھ سے بھر گئے۔ اس کے بعد بکری کے ام معبد کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ بکری جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ لگے وہ اسی سال زندہ رہی۔ یہاں تک کہ عام الرمادہ میں جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت قحط کا سال تھا۔ اور بڑی مخلوق اس میں ہلاک ہو گئی۔ اس بکری کو اس وقت بھی دوہا جاتا تھا صبح و شام دونوں وقت جبکہ علاقہ میں اور نہ کوئی بکری ہی باقی تھی اور نہ دودھ۔ نہ تھوڑا نہ زیادہ۔

اس کے بعد ابو معبد یعنی ام معبد کا خاوند آیا۔ اس کا نام اکثم بن الجون تھا۔ اور وہ کمزور بکریوں کو ہانکے آتا تھا جو نہایت لاغری کی وجہ سے زمین پر گر رہی تھیں اور ان کی ہڈیوں میں گودا نہ تھا اس نے گھر پر دودھ سے بھرے ہوئے برتن دیکھے۔ اس نے کہا اے ام معبد! یہ کہاں سے آیا دودھ تمہارے پاس۔ گھر میں تو دودھ دینے والی کوئی بکری نہ تھی۔ اور شیر دار بکریاں سب چراگاہ میں تھیں۔ ام معبد نے کہا۔ اللہ کی قسم۔ ہمارے ہاں سے ایک ایسا مرد ہو کر گیا ہے جس کی صفات اس اس طرح ہیں۔ وہ خوشرو اور خوشبو ہے۔ پس اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اوصاف و اخلاق اور شکل و شمائل بیان کئے اور بڑے فصیح و بلیغ اور دلچسپ انداز میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حلیہ شریف بیان کیا۔ پس ابو معبد نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ شخص سوائے اہل قریش کے اس شخص کے اور کوئی نہیں ہے جس کی وہ تلاش میں ہیں۔ اور اس کا نام اور ذکر کا ڈنکا

پورے عالم میں بج رہا ہے۔ اگر میں موجود ہوتا تو ضرور ان سے التماس کرتا کہ مجھے اپنے ساتھ ملالیں۔ اور میں اس کی خدمت گزاری بجالاتا۔ اور مجھے امید ہے کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا اور اس کے ساتھ مل جاؤں گا۔

علماء سے منقول ہے کہ اس کے بعد ام معبد اور اس کے خاوند نے ہجرت کی اور اسلام لائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رخصت ہو جانے کے بعد چند روز ہوئے تو مکہ والوں نے ہاتف کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہتا تھا۔

جزی اللّٰہ رب الناس خیر جزائہ　　　ارفیقین علی خیمتی ام معبد
ہما نزلا بالبر ثم ترھلا　　　فقد فاز من امسی رفیق محمد

اور دیگر ابیات بھی تھے جن میں قریش کی مذمت تھی اور ام معبد کی بکری کے تذکرہ پر مشتمل تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس کا دودھ دھونا اور دوسرے اشعار۔ جن کے جواب میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ اور یہ تمام اشعار روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ اور ام معبد کے اس واقعہ کی مانند ایک اور راعی کا قصہ بھی درج ہے۔ جس کے پاس اسکی اونٹنی دودھ نہ دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کا دودھ دوہا۔ دودھ بہت پیدا ہوا۔ سفر ہجرت کے دوران ہونے والے دیگر واقعات سے سراقہ بن مالک بن جعشم کا واقعہ ہے۔ جو یوں ہے کہ قریش نے لوگوں میں اعلان کر دیا تھا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اور اس کے ساتھی کو مار دے گا یا انہیں قید کرلائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے سراقہ کے پاس کوئی آدمی یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ (سراقہ) یہ کام کرے۔ پس سراقہ کا کہنا ہے کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور دوڑ اٹھا۔ یہاں تک کہ میں ان کے نزدیک جا پہنچا۔ میرا گھوڑا سر کے بل گر پڑا۔ اور میں بھی زمین پر آرہا۔ دوبارہ سوار ہوا اور گھوڑے کو چلایا۔ حتیٰ کہ میں ان کے اتنا نزدیک ہو گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تلاوت قرآن کی آواز مجھے سنائی دیتی تھی۔ اچانک میرے گھوڑے کی اگلی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں اور میں گھوڑے کی پشت سے زمین پر کود پڑا۔ اور گھوڑے پر میں نے سختی کی (یعنی مارا) کہ اوپر اٹھے۔ لیکن وہ اپنی ٹانگیں زمین سے باہر نہ نکال سکا۔ حتیٰ کہ ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میری طرف نگاہ فرمائی اور اس وقت میرے اور ان کے درمیان ایک یا دو نیزہ سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **اللھم اکفنا شرہ بما شئت** اور اس وقت میرے گھوڑے کی چاروں ٹانگیں زانوؤں تک زمین میں چلی گئیں میں نے فریاد بلند کی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) دعا فرمایئے میرا گھوڑا باہر نکل آئے اور مجھے آپ سے کوئی تعرض نہ ہو گا نیز میں نے یہ بھی شرط کی کہ جو کوئی آدمی آپ کے تعاقب میں آئے گا اسے واپس موڑ دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا **اللھم ان کان صادقا فاطلق فرسہ** اس وقت میرے گھوڑے کی ٹانگیں زمین سے باہر آگئیں۔ پس میں نے آنحضرت کی خدمت میں زاد و متاع پیش کئے۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمائے اور فرمایا کہ ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور تم سے ہم کچھ نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ میری بات کو مخفی رکھنا اور ابھی سراقہ کے اسلام لانے کا وقت نہ آیا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے مکہ فتح فرمایا سراقہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ایک جماعت کے ساتھ آیا اور مسلمان ہو گیا۔

اور منقول ہے کہ جب سراقہ نزدیک پہنچا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا متلاشی نزدیک آ پہنچا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ **لا تحزن ان اللّٰہ معنا** اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا کی۔ پس سراقہ کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور اس نے امان طلب کی۔ اور سراقہ نے کہا کہ پس میں جان گیا کہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غالب ہو گا۔ اور میں نے آپ حضرات کو مال پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔

دوسرا واقعہ ابو ہریرہ اسلمی کا ہے جسے ابو سلیمان خطابی نے نقل کیا ہے۔ کہ جس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ اور مدینہ کے نواح میں پہنچے تو بریدہ اسلمی اپنے ساتھ ستر دوسرے اشخاص کے ساتھ کفار قریش کے ایماء پر اور آنحضرت کی گرفتاری پر ان کا وعدہ کردہ سو اونٹوں کا انعام حاصل کرنے کے لالچ میں سید الرسل صلوت اللہ وسلامہ علیہ کو پکڑنے کے لئے آیا۔ آنحضرت نے اس سے پوچھا کہ تو کون شخص ہے اور تمہارا نام کیا ہے اس نے کہا میرا نام بریدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حسب عادت بطریق تفاؤل "بریدہ" لفظ کے مادہ اشتقاق یعنی برودت کی روشنی میں جس کی بنا سلامتی سکون اور جمعیت ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہمارا امر (یعنی ہماری تحریک اسلام) کامیاب رہی اور ہمارے کام میں صلح یعنی خوشی اور ٹھنڈک ہو گی۔ کیونکہ بالآخر ہمارا کام رو بہ صلاحیت ہے۔ پھر آپ نے فرمایا (بریدہ سے) تم کس قبیلہ سے ہو۔ اس نے کہا کہ بنی اسلم سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا **سلمنا**۔ یعنی ہم نے خیر اور سلامتی پائی ہے۔ پھر فرمایا کون سے بنی اسلم سے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ بنی سہم سے۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا **اصبت سہمک**۔ تو نے اپنا سہم پالیا مراد یہ کہ تو نے اسلام سے اپنا حصہ اور نصیب پالیا اس کے بعد بریدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ تو آنحضرت نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ رسول ہوں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بریدہ صرف آپ کا نام نامی ہی سن کر ایمان لے آیا۔ اور کہا **اشہد ان لا الہ الا اللّٰہ اشہد ان محمد عبدہ و رسولہ** اس کے ساتھ جو آدمیوں کی جماعت تھی وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔

بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ مدینہ شریف میں داخل ہوں تو چاہیے کہ آپ کے ساتھ آپ کا جھنڈا بھی ہو۔ پس بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ سر سے اتارا۔ اور نیزہ پر باندھ لیا۔ اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آگے آگے چل پڑا۔ عرض کیا یا رسول اللہ کس سعادتمند شخص کی رہائش گاہ کو آپ اپنی تشریف فرمائی سے مشرف فرمائیں گے۔ یعنی عرض کیا کہ اگر میرے گھر پر تشریف فرما ہوں تو زہے سعادت۔ آپ نے فرمایا کہ میری ناقہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں پر یہ بیٹھ جائے گی۔ وہی ہماری منزل ہو گی۔ نظم۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ می برد ہرجا کہ خاطر خواہ اوست

نبود راہ نیست در کوئے تو مشتاقان شیدارا ۔۔۔ خم زلفت بقلاب محبت می کشد مارا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعض اصحاب کامل نصاب ملک شام کے شہروں کی جانب تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقام پر پہنچنے کے ساتھ ہی اس جگہ آپہنچے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے سفید کپڑے ہدیہ کے طور پر دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں استقبال:۔ وصل:۔ چونکہ محبت شعار انصار مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بارے میں سن لیا ہوا تھا لہٰذا وہ ہر صبح کو مدینہ کی بلند جگہوں پر آکر آپ کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب دوپہر کو سخت دھوپ ہو جاتی تھی تو واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ ایک دن صبح سے دوپہر تک انتظار کرنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس واپس آچکے تھے کہ اچانک ایک یہودی جو اس مخصوص مقام پر کھڑا تھا اس نے دیکھا کہ آدمیوں کی ایک جماعت آرہی ہے اور اس نے سمجھ لیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں جو چلے آرہے ہیں۔ اس نے وہاں سے قریبی انصار کے ایک قبیلہ کو آواز دی کہ تمہارا مقصد مقصود اور مطلوب آپہنچا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ہتھیار وغیرہ پہن لئے اور آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لئے آگئے اور پر آپ سے جاملاقات کی اور مبارکباد دی۔ اور بڑی خوشیاں منائیں اور جوان لوگ اور چھوٹے بچے اور عورتیں اور مرد سب چھوٹے بڑے استقبال میں کھڑے یہ کہہ رہے تھے۔ رسول اللہ جاء نبی اللّٰہ وحشی جانور بھی جیسے کہ ان کی عادت ہے اچھل رہے تھے کھیل رہے تھے۔ اور فرح اور سرور کی دادوے رہے تھے۔

اور علماء نے کہا ہے کہ بنو نجار کی لڑکیوں کی ایک جماعت آنحضرت کی تشریف آوری کی خوشی میں دفیں بجاتی ہوئی حاضر ہوئیں اور وہ دف بجاتی تھیں اور یہ گاتی تھیں۔

۔ نحن جوار من بنی النجار　　یا حبذ ا محمد من جار

اور قبیلہ بنو النجار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جانب سے قرابت کی نسبت حاصل تھی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے قبائل انصار! کیا تم مجھے دوست رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں بھی تمہیں دوست رکھتا ہوں۔ اور قبائل انصار کی مستورات گلی کوچوں کے دروں پر اور گھروں کے دروازوں پر اور چھتوں پر نکل آئیں تھیں اور اس طرح سے استقبالیہ نغمہ گاتی تھیں۔

۔ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع　　وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع

اور بعض روایت میں اتنا مزید آیا ہے۔ ایھا المبعوث فینا بالامر المطاع اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اس وقت آٹھ یا نو سال کا لڑکا تھا مجھے ابھی تک یاد ہے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف میں آئے۔ تو آپ کے ظہور کے نور سے مدینہ کے در و دیوار روشن ہو گئے تھے۔ جیسے کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس دن جبکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس جہان سے پوشیدہ ہو گئے تو تمام جگہیں تیرہ و تار ہو گئیں یعنی ہر جگہ اندھیرا چھا گیا بعینہ جیسے کہ سورج غروب ہو جاتا ہے۔

اور مدینہ شریف میں آپ کا ورود بروز دوشنبہ اور ماہ ربیع الاول کی بارہویں یا تیرھویں تاریخ کو ہوا۔ اور یہ اختلاف رؤیت ہلال کے باعث ہے اور امام نووی نے کتب سیر میں بارہ تاریخ پر ہی جزم فرمایا ہے۔ اور روضۃ الاحباب اور دوسرے اقوال کے مطابق بھی یہی ہے کہ یہی صحیح اور درست ہے۔ اور آپ مکہ سے ستائیس تاریخ ماہ صفر کو نکلے تھے آپ کا خروج ماہ ربیع الاول کے شروع میں ہوا۔ اور علماء سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ جس دن آپ مدینہ شریف میں داخل ہوئے وہ دوشنبہ کا دن تھا۔ اور ماہ ربیع الاول تھا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ماہ کی کونسی تاریخ تھی۔ اور دوشنبہ کے دن کے فضائل میں سے یہ ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت شریفہ اور آپ کی ابتدائے بعثت اور آپ کی ہجرت اور آپ کا مدینہ میں قدم مبارک آنا اور آپ کا وصال مبارک یہ سب امور دوشنبہ کے دن ہی واقع ہوئے۔ (کذا قالوا)۔

اور ارباب سیر کے سامنے تاریخ نویسی کی ابتداء بھی آنحضور کے مدینہ شریف میں تشریف آوری کے دن سے ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے۔ لیکن لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ تاریخ کی ابتداء اور اس کا لکھا جانا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ جلالت نشان میں ہوا۔ ماہ محرم سے جناب ولایت ماب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اتفاق سے اور پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم عمرو بن عوف کے گھروں میں تشریف فرمائے ہوئے۔ جہاں پر کہ مسجد قبا تعمیر شدہ ہے۔ اور وہاں پر ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تین روز بعد مکہ سے آپہنچے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خوشی ہوئی اور روضۃ الاحباب میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے پیادہ پا سفر طے کیا۔ اور پیدل چل چل کر ان کے قدموں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان پر لعاب دہن مبارک لگایا اور انہیں صحت ہو گئی۔ انتہی۔

اور یہ بھی اسی طرح ہے۔ جس طرح کہ آپ نے غزوہ خیبر کے موقع پر ان کی آنکھوں سے کیا۔ اپنا لعاب دہن مبارک ان کی آنکھوں پر لگایا تو اسی وقت آنکھوں کو شفاء حاصل ہوئی۔ اور درد چشم ختم ہو گیا۔ منقول ہے کہ تشریف آوری کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا سر مبارک جھکائے درخت کے سایہ تلے بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں سے ملاقات اور ان کے سوالات کا جواب دینے میں مشغول تھے اور لوگوں کا اژدھام اور ان کا اشتیاق بہت زیادہ تھا۔ اور انصار میں سے بعض لوگ وہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس سے قبل نہ دیکھنے کے باعث ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے کہ وہ آنحضرت ہیں اور انہی کو سلام کہتے تھے اور ادب بجالاتے تھے اور جب درخت کا سایہ کم ہو گیا بوجہ سورج کے بلند ہو جانے سے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اس خیال کو جانتے ہوئے اپنی چادر پکڑی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سر کے اوپر کر کے کھڑے ہو گئے۔ اس طرح سے انہوں نے لوگوں کے اشتباہ کو رفع کر دیا اور صاحب مواہب نے کہا ہے کہ اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دھوپ آگئی۔ اور بادل کا سایہ کرنا یا کسی فرشتہ کا آپ پر سایہ کرنا آپ کی ہجرت مبارک سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جیسے کہ اس نشست سے صراحت ہوتی ہے۔ اور آپ نے اس مقام پر چند روز قیام فرمایا۔ ایک قول کے مطابق چودہ روز دوسرے قول کے مطابق بیس دن اور ایک اور قول

کے مطابق صرف چار دن یعنی دو شنبہ سے شنبہ اور چہار اور پنج شنبہ۔ اور پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ بہر حال آپ جمعہ کے روز دن چڑھے آپ نکلے اور بطن وادی میں راستہ پر اس مقام پر جہاں کہ اب مسجد صغیر تعمیر کردہ ہے جمعہ کی نماز ادا کی۔ اور بشارت و نذارت پر مبنی ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اہل ایمان کے دلوں کو منور فرمایا۔ اس کے بعد یعنی نماز جمعہ کے بعد آپ سوار ہوئے اور باطن مدینہ باسکینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ قبائل انصار بھی پیادہ و سوار اکٹھے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمرکاب روانہ ہوئے۔ اور بنی عمرو بن عوف جو قبا کے رہنے والے تھے وہ آنحضرت کی بارگاہ میں عذر خواہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شاید سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دامن عزت و جلال پر کوئی ہماری جانب سے ملال آگیا ہے جو یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی بستی کی طرف مامور ہوں جو کہ اکالتہ القریٰ ہے۔ اور اکالتہ القریٰ مدینہ مطہرہ کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے بوجہ تمام شہروں پر اس کا تسلط ہونے کے اور تمام اقطار و اطراف میں اس کے غلبہ امر کے سبب سے۔ اور بعض علماء نے اس کے فضل و عظمت کے معنی میں یہ نام قرار دیا ہے۔

اور رام القریٰ مکہ کا نام ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب باہر تشریف لائے تو ہر قبیلہ آنحضرت کے راستہ پر توقع لئے ہوئے انتظار میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا تھا کہ ہمارے ہاں تشریف فرما ہوں۔ اور حضور کے درود و نزول کے لئے اپنے اپنے گھر کی پیش کش کرتے تھے اور حضور کے لئے خدمت گزاری اور جاں سپاری اور دوستی و مودت کرتے ہوئے نعمت و ثروت کا اظہار کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سب کو دعائے خیر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری ناقہ مامور من اللہ ہے۔ جس جگہ بیٹھے گی اسی جگہ پر میری منزل ہوگی۔ اس کے بعد راستہ پر چل پڑے اور مدینہ طیبہ کے مرکز کی جانب جاتے ہوئے منتظر تھے کہ ناقہ کس جگہ پر بیٹھتی تھی حتیٰ کہ اس مقام پر پہنچے جہاں کہ مسجد نبوی واقع ہے۔ بے اختیار اونٹنی وہاں پر بیٹھ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بھی ناقہ کی پشت پر بیٹھے ہوئے وحی کی مخصوص حالت طاری ہوگئی۔ پس ناقہ اس جگہ سے پھر اٹھی اور وہاں سے چند قدم آگے بڑھی اور پھر واپس مڑی اور اسی جگہ پر بیٹھی جہاں کہ پہلے بیٹھی تھی۔ گویا کہ ناقہ نے اس جانے اور آنے سے مسجد کی جگہ کی حد بندی کر دی۔ جیسے کہ بعد میں واقع ہوا۔

اور اس مقام پر قریب ترین گھر ابو ایوب انصاری کا تھا۔ اور ابو ایوب انصاری نے آنحضرت کی اونٹنی کی پشت سے آپ کا سامان وغیرہ اٹھالیا اور آنحضور کی نظروں کے سامنے کھڑے ہوگ گئے اور واللہ اعلم احتمال یہ بھی ہے کہ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اشارہ کر دیا ہو۔ جیسے کہ روضتہ الاحباب میں مندرج ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سامان کو اپنے گھر لے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ **المرء مع رحله** مراد یہ کہ ہر آدمی کی منزل وہاں ہوتی ہے جہاں پر اس کا سامان ہوتا ہے۔ پس ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا گھر بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری سے مشرف ہوگیا۔ **ذالک فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء بیته**۔

مبارک منزلے کاں خانہ رامای چنیں باشد ہمایوں کشور کاں عرصہ راشاہے چنیں باشد

اور ابن جوزی نے قرابت بنو بخار کی حکایات یہاں نقل کی ہیں اور روضۃ الاحباب وغیرہ کے کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے جو کہ اس سے مقدم ہے اور ہر اعتبار سے اس کا وقوع اس شہر مکرمہ میں ہے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میرے گھر پر نزول فرمایا تو آنجناب نے نچلی منزل کو اختیار فرمایا۔ میں اور میرا والد اور میرے فرزند اوپر والی منزل میں رہنے لگے میں نے بارگاہ نبوت میں درخواست پیش کی کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ مجھے بالاخانہ میں سکونت رکھتے ہوئے بڑی کلفت اور حرج محسوس ہوتا ہے کہ سرور انبیاء تو نیچے رہیں اور ہم اوپر بیٹھتے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ بالاخانہ اختیار فرمالیں۔ تاکہ ہم نیچے آ جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لئے پائین خانہ ہی بہتر اور زیادہ مناسب اور موافق ہے کیونکہ ہمارے ساتھ لوگوں کی جماعت ہے۔ لوگ گروہ در گروہ ہماری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ تم اور تمہارے اہل خانہ بالا خانے پر ہی رہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہی یہ التماس کرتے رہتے تھے کہ آپ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بالاخانے پر آجائیں۔ یہاں تک کہ آپ بالاخانے پر چلے گئے اور ابو ایوب اور ان کے اہل خانہ نیچے آگئے۔

اور صحیح روایات کے مطابق ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آٹھ ماہ تک قیام پذیر رہے۔ اور روایت میں اس سے کم و بیش مدت بھی مذکور ہے۔

قسم سوم:۔ ہجرت کے تمام سالوں کے واقعات کے بارے میں ابتداء سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیماری اور وصال شریف تک۔ چونکہ یہ سب دس سال کا عرصہ ہے۔ آنحضرت کے مدینہ شریف میں دس سال کے قیام کے واقعات علیحدہ علیحدہ سال کے شمار سے بیان کرتے ہیں اور ہر سال کے لئے علیحدہ باب باندھیں گے۔ لہٰذا اس لحاظ سے بھی دس باب ہوں گے۔

علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قیام کے دس سالوں کے واقعات علیحدہ علیحدہ سال کے حساب سے بیان کئے ہیں۔ اور بعض واقعات کے بارے میں اختلاف بھی آیا ہے کہ کس سن میں وقوع پذیر ہوئے اور ایک سن کے واقعات کے ذکر میں تقدیم و تاخیر بھی واقع ہوئی ہے اور مواہب الدینہ میں لفظ سنوات کے ساتھ بیان کو مقید نہیں کیا گیا۔ اور معارج النبوت میں ہر سال میں واقعہ اول واقعہ دوم و سوم و چہارم اس طرح بیان کئے گئے ہیں مثلاً کہا گیا ہے کہ اگر اس بارے میں عدد بیان کرنے میں بیان حال اور اس کا مرتبہ مراد ہے۔ پس چاہیے کہ وقوع بھی وقت کی اسی ترتیب سے ہو۔ لیکن ظاہراً یہ ہے کہ صرف عدد ہی مقصود ہے اور دوسری کتابوں میں ہم نے سنوات کی یہ ترتیب اور واقعات کا بیان کتاب روضۃ الاحباب کی موافقت میں کیا ہے جو کہ ایک مشہور اور متداول کتاب ہے۔

اور معلوم رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد پہلا واقعہ مسجد قبا کی بنیاد رکھنا ہے۔ جو کہ آنحضرت کے عمرو بن عوف کے گھروں پر تشریف فرما ہونے کے دوران ہوا جیسے کہ گزر چکا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے پتھر رکھا اور خلفاء ثلاثہ نے ماسوا حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ آنحضرت کے تشریف آور ہونے سے تین دن بعد پہنچے تھے مکہ سے قبا پتھر اٹھا اٹھا کر پھینکے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی وہاں پہنچنے کے بعد پتھر اٹھانے میں شمولیت کی ہوگی۔

اسلام میں اولین مسجد:۔ اور یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی۔ اور اولین مسجد ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی صحابہ کرام کے جماعت کے ساتھ۔ اور بعض نے ان الفاظ میں کہا ہے کہ یہ پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کے لئے بنائی گئی اگرچہ اس سے پہلے بھی مسجد بنائی جاچکی تھی لیکن وہ اس کے لئے مخصوص تھی جس نے اسے بنایا تھا۔ (کذافی المواہب) اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مسجد تھی جو انہوں نے ابتدائے اسلام میں اپنے دروازے پر بنائی تھی اور اس میں نماز ادا کرتے تھے۔ تعمیر مسجد کے بارے میں آیت کریمہ **لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیمط فیه رجال یحبون ان یتطهروا واللّٰه یحب المطهرون** اکثر مفسرین کے قول کے مطابق اسی مسجد کی شان میں نازل شدہ ہے کیونکہ یہ اول مسجد ہے جو دین اسلام میں بنائی گئی۔ بعض علماء اس جانب گئے ہیں کہ اس سے مراد مسجد اعظم یعنی مسجد نبوی ہے اور بعض احادیث بھی اس قول کی تائید میں وارد شدہ ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ آیت پاک کا مفہوم دونوں مساجد پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ دونوں مساجد کی بنیاد و تاسیس تقویٰ پر رکھی گئی۔ فافہم پس ہو سکتا ہے کہ دونوں مسجدیں ہی مراد اور مصداق ہوں۔ جیسے کہ بعض علماء حدیث کے کلام میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آنحضور نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی طرف جاؤ اور ان کے پیچھے پیچھے خود ادھر متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے اور جا رہے تھے۔ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی وہ مسجد قبا تھی اور امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ **قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المسجد الذی ابئس علی التقوٰی من اول یوم هو مسجد قبا قال اللّٰه جل ثناءه فیه رجال یحبون ان یتهروا واللّٰه یحب المطهرون** اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کامل طور پر وضو کرتا ہے اور مسجد قبا میں آتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے۔ اسے عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ مسجد اطراف عالم میں ہوتی تو اس کی طلب میں اونٹوں کے ذریعے یلغاریں ہوتیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے جھاڑو دیا اور کس و خاشاک سے صاف کی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ جو دو رکعت نماز مسجد قبا میں ادا کی جائیں۔ وہ میرے نزدیک بیت المقدس کی دوبار زیارت کرنے سے محبوب تر ہیں۔ اور لوگوں کو معلوم ہو کہ اس مسجد میں کیا کیا برکات ہیں۔ تو لوگ اس کی زیارت سے مشرف ہونے میں کسی بھی قصد و کوشش سے گریز نہ کرتے۔ اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اسناد کے ساتھ آیا ہے اور مسجد قبا کے مناقب بہت ہیں۔

عبداللہ بن سلام کا واقعہ :۔ اور پہلے سال کے واقعات میں سے عبداللہ بن سلام کا واقعہ ہے۔ جو احبار یہود میں سے تھے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ وہ اس طرح ہے کہ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے تو لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ میں بھی ان کی موافقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر آنجناب کے چہرہ اقدس پر پڑی۔ تو میں نے جان لیا کہ آپ کا چہرہ جھوٹے لوگوں کے چہروں کی مانند نہ ہے۔ اور میں نے یہ بھی سنا کہ آپ کہتے تھے۔ **یایھا الناس افشوا السلام** اے لوگوں اسلام عام کرو۔ یعنی خویش و بیگانہ سب کو سلام علیکم کہا کرو۔ اور اسے صرف خویش و اقارب تک مخصوص نہ رکھو اور نہ واقف حضرات تک۔ نیز فرماتے تھے۔ **اطعموا الطعام** کھانا کھلایا کرو۔ یعنی فقراء سے محبت کرو اور درویشوں اور محتاجوں کی غمخواری کیا کرو۔ وصلوا الارحام۔ یعنی رشتہ داری کرو اور شب خیزی کیا کرو جب کہ عام لوگ سوتے ہیں۔ اور یہ پہلا وعظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ شریف میں فرمایا۔ پس میں اپنے گھر واپس آگیا۔ دوسری دفعہ پھر علیحدگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحبت کی اور تین سوال پوچھے۔ جن کا جواب سوئے پیغمبر کے کوئی نہیں جانتا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ قیامت کی علامات سے پہلی علامات کیا ہو گی۔ دوسرا یہ کہ بہشت میں سب سے پہلا طعام مومنوں کے لئے دسترخوان پر کیا ہو گا۔ تیسرا یہ کہ کیا وجہ ہے کہ بیٹا کبھی باپ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور کبھی ماں کے ساتھ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے ان تینوں سوالات کے جواب ارشاد فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کی پہلی نشانی یہ ہو گی کہ مشرق کی طرف سے آگ پیدا ہو گی جو لوگوں کو مغرب کی طرف ہانک لے جائے گی۔ جیسے کہ چرواہے بکریاں ہانکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ پہلا کھانا جو اہل بہشت کی طرف لائیں گے وہ اس مچھلی کے جگر کے ساتھ منسلکہ گوشت ہو گا۔ جس کی پشت پر زمین قائم ہے۔ اور وہ طعام بڑا لزیز اور پسندیدہ ہے۔ اور احادیث میں آیا ہے کہ پروردگار تعالیٰ اپنی قدرت سے زمین کو مثل روٹی سفید کر دے گا۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ والد اور والدہ میں سے جس کا نطفہ پہلے رحم میں گرتا ہے یا زیادہ گرتا ہے مولود اس سے مشابہ ہوتا ہے عبداللہ بن سلام نے اپنے سوال کا جواب سنا تو پکار اٹھے اور کہا **اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ** اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ یہ قوم یہود ہے جو بہت جھوٹے ہیں اور بہتان باندھنے والے ہیں اور وہ مجھے سیادت و ریاست کے علم میں مسلمہ شخصیت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا سردار اور ان کے سردار کا بیٹا اور ان میں سے سب سے زیادہ عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں۔ جب وہ سنیں گے کہ میں ایمان لے آیا ہوں تو وہ بہتان کریں گے اور اس کے الٹ عمل کریں گے میری التماس ہے کہ قبل اس کے میرا ایمان لانا ظاہر ہو آپ امتحان کریں اور اس جماعت یہود سے میرے احوال پوچھیں۔ اور سنیں کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ پر پوشیدہ کر دیا۔ اور یہود کو طلب فرمایا۔ ان کو وعظ و ہدایت کی اور فرمایا کہ اس خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ تم جانتے ہو۔ اور تورات میں تم پڑھ چکے ہو

کہ میں رسول خدا ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے تم مجھ پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ تم خدا کے رسول ہو پھر فرمایا کہ تمہارے درمیان عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا وہ تو ہمارا سردار ہے۔ اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ ہم میں سب سے زیادہ علم والا ہے اور سب سے زیادہ علم والے کا بیٹا ہے۔ وہ ہمارا پیشوا ہے۔ بہترین اور داناترین ہے اور ہم میں سے داناترین کا بیٹا ہے یعنی وہ اور اس کے آباؤ نسب بزرگ چلے آئے ہیں۔ اور رئیس ہوئے ہیں پھر آنحضور نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جائے تو تم کیا کہو گے۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کی اس پر نظر ہے وہ کیوں ایمان لائے گا۔ آنحضرت نے یہ الفاظ بار بار کہے اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اے ابن سلام باہر آؤ۔ پس عبداللہ بن سلام شہادت دیتے ہوئے باہر آئے اور کہا کہ اے گروہ یہود! خدا تعالیٰ سے ڈرو اور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ تم بھی جانتے ہو کہ وہ رسول خدا ہے انہوں نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ ہم بالکل نہیں جانتے اور عبداللہ بن سلام کے حق میں کہنے لگے۔ کہ یہ ہم میں سے برا ہے اور ہمارے برے برے کا بیٹا ہے۔ اور ہم میں سب سے زیادہ جاہل ہے اور سب سے زیادہ جاہل کا بیٹا ہے۔ یہ بدترین ہے اور بدترین کا بیٹا ہے اور یہ کہ جاہل ترین ہے اور اسی ساعت انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ہمارا سردار ہے اور سردار کا بیٹا ہے اور سب سے بڑا عالم ہے اور بڑے عالم کا بیٹا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جب صبح سعادت اسلامی و ایمانی طلوع کی ابتداء انصار کے گھروں کی طرف سے ہوئی تھی۔ لہٰذا یہود یا یہود کے خون انصار کی دشمنی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں بھی حرکت میں آیا بعض نے عداوت کے اظہار کی کوشش کی۔ اور جتنا کہ وہ کر سکتے تھے انہوں نے اپنی ہلاکت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مثال کے طور پر حیی بن اخطب اور اس کا بھائی یاسر بن اخطب جو کہ اس قوم میں سے سب سے زیادہ عداوت کی شدت میں مبتلا تھے۔ وغیرہم اور اس گروہ میں سے بعض شقی القلوب نے منافقت کو اپنا حیلہ وسیلہ بنایا اور اسی کو اپنی فانی زندگی کے لئے اپنا سرمایہ جمع کیا۔ اور اوس اور خزرج کے دو قبیلوں سے بعض نے منافقت میں یہود کا ساتھ دیا۔ اور منافقوں کی اکثریت یہود سے ہی تھی اور یہود کے بعض بڑے بڑے علماء جن کی جبین اقبال پر رحمت ازلی نے سعادت مندی تحریر کی ہوئی تھی۔ اس معرفت کے سبب جو وہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں رکھتے تھے اور رسالت سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حقیقت کو پہنچانتے تھے اسی معرفت کے تقاضہ سے انہوں بلاتردد اور توقف اطاعت کی گردن جھکادی اور اسلام کا بلند بخت ہار اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اور سعادت ازلی سے ہمکنار ہوئے جیسے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان سے زیادہ جاننے پہچاننے والا در حقیقت یہود میں اور کوئی نہ تھا۔ انہوں نے آسمانی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال و اوصاف پڑھے تھے اور آپ کی بعثت و رسالت اور تشریف آوری کے منتظر تھے اور باپ اپنے بیٹوں کو وصیت کر جاتے تھے اور خوشخبری دے جاتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان تشریف لائیں گے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابنآء ھم** یہ یہود محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو پہچانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے

بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور چونکہ والدین کی معرفت بیٹوں کے متعلق علم یقینی پر شدہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پہچان کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پس کہا گیا۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم باوجود اس معرفت کے یہود لیدی شقاوت وبال میں گرفتار ہے۔ مصرعہ۔

علمے کہ حق نماید جہالت است

سال اول میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہما جو آنحضور کے غلام تھے۔ ان کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ کو بھیجا تاکہ وہ فاطمہ کو اور ام کلثوم اور سودہ بنت زمعہ اور اسامہ اور ان کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہم کو مدینہ میں لے آئیں۔ پس وہ گئے اور اس جماعت کو لے آئے اور عبداللہ بن ابوبکر نے اپنے باپ کے اہل و عیال کو ساتھ لیا اور اس جماعت کے ساتھ مدینہ میں لے آیا۔

سن اول میں دوسرے واقعات سے مدینہ کی مسجد عظیم کی بنیاد رکھنا ہے۔ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اونٹنی آپ کو لے کر آئی اور جہاں اب منبر شریف ہے اس جگہ پر بیٹھ گئی۔ پھر اٹھی چند قدم لئے آگے کی جانب پھر لوٹی اور اس طرح اس نے احاطہ مسجد کی حد بندی کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بھی وحی کی حالت طاری ہو گئی۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں عریش تعمیر کروں۔ عریش موسیٰ کی مانند جس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہیں ہوتی۔ عریش وہ مکان ہوتا ہے جس پر لکڑی اور پتوں سے چھت ڈالی جائے الحدیث۔ اور مسجد بنانے سے پہلے جاں بھی نماز کا وقت ہوتا تھا نماز ادا کر لیتے تھے۔ وہاں پر ایک احاطہ (جگہ تھی) تھا جو بنو نجار کا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بنو نجار! اس کی قیمت لے لیں بنو نجار نے کہا کہ ہم اس کی قیمت نہ لیں گے۔ بلکہ مفت دیکر اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کریں گے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ وہ احاطہ یعنی جگہ کس کی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ دو یتیم بچوں کی ہے اور انہوں نے اس جگہ کو وہاں پر کھجوریں سکھانے کے لئے بنایا ہوا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وہ احاطہ خرید لیا۔ پس بنو بخار نے عرض کیا کہ ہم اس کی قیمت ان دو یتیموں کو دے دیتے ہیں۔ اور یہ جگہ آپ کو بخش دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان دو یتیموں نے خود کہا ہم اس جگہ کی قیمت نہیں لیتے اور آنحضرت کو بخش دیتے ہیں۔ لیکن آنحضرت نے اس سے انکار کر دیا اور دس مثقال سونے کے عوض وہ جگہ خرید لی۔ یہ قیمت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا کی جو وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لائے تھے۔ جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

اور طبرانی کی روایت کردہ غریب احادیث سے یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک انصار کو جو مسجد شریف (اس جگہ) کا ہمسایہ تھا اشارہ فرمایا کہ کیا تم اپنی زمین کا ٹکڑہ جو تمہارا ہے۔ بہشت میں تمہارے گھر بن جانے کے عوض فروخت کر سکتے ہو تاکہ یہ جگہ ہم مسجد میں شامل کر لیں اور مسجد وسیع بنا لیں۔ چونکہ اس انصاری نے اس کی توفیق نہ پائی تو

اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میں ایک عیالدار آدمی ہوں مجھے یہ گنجائش نہیں کہ بلاقیمت دے سکوں۔ لہٰذا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ جگہ دس ہزار درہم کے عوض خرید لی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس جگہ کو مسجد میں داخل کردیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر و برکت اور رضا کی طلب میں طبیعتیں اور حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اور وہ انصاری فقیر تھا اور صاحب عیال تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے بھی قبولیت واقع نہ ہوئی۔ اور یہ صحابہ شروع شروع میں سب کے سب مہذب الاخلاق نہ تھے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ لاہ وسلم کی صحبت میں رفتہ رفتہ مہذب ہو گئے۔

اسی طرح ایک اور جگہ بھی واقع ہوا۔ والتوفیق من اللّٰہ اور اس ناہموار جگہ پر درخت تھے اور مشرکوں کا قبرستان تھا۔ پس آنحضرت نے حکم فرمایا تو درختوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور گڑھوں کو ہموار کردیا۔ اور قبروں کو بھی پست کردیا۔ اور اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر مسجد بنائیں اور پہلے وہاں پر قبرستان ہو تو قبریں صاف کردی جاتی ہیں اور ہموار کردیا جاتا ہے۔ اور مسجد کی خاطر قبروں کو کھودینا اور ہموار کردینا درست ہے اور شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا صرف مشرکوں کی قبروں کے واسطے ہی جائز ہو۔ واللہ اعلم۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اینٹیں بنائیں تاکہ ان سے عمارت بنائیں۔ اور مدینہ منورہ میں ابھی تک وہ جگہ جہاں پر اینٹیں بنائی گئی تھیں جنت البقیع کی جانب موجود و متعین ہے۔ پس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئیں اور کھجور کی شاخوں کی چھت بنائی گئی اور ستون کھجور کی لکڑی سے بنائے اور اس زمانہ میں چھت شریف اس طرح تھی کہ اگر بارش ہوتی تھی تو پانی اندر ٹپکتا تھا اور چھت سے کیچڑ مٹی بھی گرتی تھی۔ اور مسجد کی زمین کیچڑ بھری ہو جاتی تھی۔ اور اسی طرح کیچڑ میں مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور صحابہ کرام اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو اینٹیں لاتے اور کہتے تھے ایک اینٹ اپنے حصہ کی اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے حصہ ہے۔ جبکہ دوسرے سب ایک ایک اینٹ لاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں دوسروں کی نسبت دوگنا اجر عطا ہوگا نیز آپ نے یہ بھی خبر دی کہ آخرت میں تمہارا توشہ (خوراک) دودھ کا شربت ہوگا۔ اور تمہیں باغی نوجوان ہلاک کریں گے۔ اور روایت میں یہ لفظ مزید آئے ہیں۔ کہ تم ان کو جنت لے جانا چاہو گے اور وہ تمہیں آگ میں لے جانا چاہیں گے۔

اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور آپ کے شکم مبارک پر مٹی چپک جاتی تھی۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہ نفس نفیس اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں۔ اور کام کر رہے ہیں تو اور بھی مستعد ہو گئے اور یہ رجز پڑھتے تھے:

۔ لئن تعد نا والنبی یعمل ذ اک اذ ا العمل المضلل

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی صحابہ کو ترغیب اور شوق دلانے کے لئے اس کار خیر میں اس طرح پڑھتے تھے:

اللھم لا خیر الا خیر الاخرۃ فارحم الانصار والمھاجرہ

اور روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے کپڑوں میں اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے اور فرماتے تھے۔

شعر۔

ھذا الحمال لاحمال خیر ھذا ابر ربنا و طھر

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ رجز بھی پڑھتے تھے۔

اللھم لا خیر الا خیر الاخرہ فارحم الانصار والمھاجرہ

اور مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ ابن شہاب نے کہا ہے کہ ہمیں یہ بات نہیں پہنچی ہے کہ آنحضرت نے اس کے علاوہ کوئی اور شعر کبھی بیت کی تمثیل میں کیا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جو ممنوع تھا وہ انشاء شعر ہے نہ کہ انشاء اور تمثیل کے طریقہ پر انشاء پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور شروع میں مسجد نبوی کا طول قبلہ سے شمال کی حد تک چون گز تھا اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھا اور فتح خیبر والے سال میں ۷ھ مسجد کی تعمیر میں تجدید کی گئی اور ہر دو جانب سو سو گز لمبائی ہو گئی۔ اس کے بعد اس میں اضافے اور تبدیلیاں ہوتی گئیں۔ اور اس میں تکلفات اور زینت و تزئین راہ پاتے گئے۔ اور وہ تمام کچھ ہم نے تاریخ مدینہ میں ذکر کر دیا ہے اور اس بنائے مسجد میں قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس کے بعد اس میں تحویل آ گئی۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں محراب کی علامت جو کہ اب مساجد میں پائی جاتی ہیں نہیں تھی۔ اس محراب کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جبکہ وہ ولید بن عبدالملک کی جانب سے مدینہ کے امیر تھے۔ اور انہوں نے مسجد کی عمارت تعمیر کی۔ مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے مسجد میں ایک مقام مظل تھا یعنی ایک جگہ تھی جس پر سایہ کیا ہوا تھا۔ جس میں بیٹھا کرتے تھے اور اس جگہ کو مساکین نے اپنی رہائش کی جگہ بنایا تھا۔ جو کہ اپنی جائے رہائش نہ رکھتے تھے اور اسے صفہ کہتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو رات کے وقت اپنے پاس بلایا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک غنی اور صاحب ثروت صحابی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ ان کی ضیافت کریں۔ اور ان کو اضیاف اللہ (اللہ تعالیٰ کے مہمان) کہتے تھے۔ اور ان میں ایک گروہ کو آپ نے اپنا مہمان بنا لیا۔

اور صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے ستر آدمیوں کو دیکھا ہے جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور کسی کے پاس چادر نہ تھی صرف تہبند ہی تھا اور یا گودڑی جسے وہ اپنی گردن میں باندھے ہوئے ہوتے تھے۔ بعض کو وہ نصف پنڈلی تک پہنچتی تھی اور کسی کو ٹخنوں تک اور سجدہ کے وقت اس کو لپیٹ لیتے تھے تاکہ ان کی ستر ننگی نہ ہو۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر سے بھی زیادہ تھی۔ (کذا قال صاحب مواہب) اور اس سے زیادہ تعداد ہونے میں کسی کو کیا کلام ہے۔ اور یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ ایک وقت پر وہ چار سو تک تعداد ہو گئی تھی۔ کبھی بوجہ موت یا شادی وغیرہ ہونے کے باعث اس تعداد میں کمی بھی آ جاتی

تھی۔ اور کبھی تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ اور ان میں سے ستر آدمی شہید ہو گئے تھے غزوہ بیر معونہ میں۔ جو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل ہوا تھا۔ اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صفہ مسجد ہی کو کہتے تھے جو سب سے پہلے بنائی گئی تھی۔ اور تحویل قبلہ شریف کے بعد اس وقت نہ تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ستون کے ساتھ تکیہ کر کے خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اور جب بنایا گیا تو پھر آپ ممبر پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ وہ ستون آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مفارقت کے باعث فریاد کرنے لگا اور رونے لگا۔ مواہب میں کہا گیا کہ یہ واقعہ ۸ھ کا ہے یا ۷ھ کا۔ اور بعض اہل سیر نے کہا ہے کہ اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مٹی کے بنے ہوئے منبر پر بیٹھ کر خطبہ فرماتے تھے جبکہ لکڑی کا منبر ابھی نہ بنایا گیا تھا۔ اور احادیث صحیح ناطق ہیں اور سند ہیں اس بارے میں کہ جب آنحضرت منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھنے لگے تو ستون نے رونا شروع کر دیا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسجد کے پہلو میں کچی اینٹوں سے گھر بھی تعمیر کئے اور درختوں کی شاخوں سے ان پر چھت ڈالے اور اس وقت آپ کی ازواج پاک حضرت عائشہ اور سودہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔

پس آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور سودہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک ایک علیحدہ گھر بنایا۔ اور پھر آپ ابی ایوب انصاری کے گھر سے ان گھروں میں منتقل ہو گئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے زفاف فرمایا اور زفاف عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایک واقعہ ہے جو اول سال ہجری میں نو ماہ کے بعد شوال کے مہینہ میں ہوا۔ اور مکی زندگی کے احوال میں یہ معلوم ہو چکا ہوا ہے کہ دسویں سال کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عائشہ اور سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح فرمایا۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم مدینہ میں آئے میرے والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ محلہ سنح میں خبیب بن لیساف یا خارجہ بن زید کے پاس اترے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے ہاں آئے۔ آنحضرت کے گرد انصار مرد عورتوں کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ میری والدہ نے مجھے پکڑا اور میرے بالوں کو کنگھی کی اور چہرہ نکالا اور میرا منہ دھویا اور مجھے اپنے ساتھ کھینچا تاکہ مجھے اس مکان کے دروازہ پر پہنچائیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے۔ میرا نفس (سانس) مجھ پر تنگ ہونے لگا۔ پس ایک لحظہ توقف کیا حتی کہ مجھ میں تسکین اور اطمینان پیدا ہوا۔ پس مجھے اندر لایا گیا اندرون خانہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میری والدہ نے مجھے لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پہلو میں بٹھا دیا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی زوجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے اس میں برکت دے اور اس کی وجہ سے آپ کو برکت عطا فرمائے پس لوگ گھر سے باہر چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے ساتھ زفاف فرمایا۔ اور کوئی اونٹ یا بکری ذبح نہ کی گئی۔ اور شادی کا کھانا جسے ولیمہ کہتے ہیں صرف ایک پیالہ دودھ کا تھا اور وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے آیا تھا اور میں اس دن نو سال کی تھی۔

اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ عائشہ کے زفاف کے دن میں موجود تھی۔ خدا کی قسم اس وقت ولیمہ کھانا کوئی موجود نہ تھا سوائے ایک پیالہ دودھ کے جس میں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کچھ نوش فرمایا اس کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمایا۔ وہ پکڑنے میں شرم محسوس کرتی تھیں میں نے کہا کہ پیغمبر کے ہاتھ کو رد نہ کرو اور لے لو۔ پس اس نے بڑی شرم کے ساتھ پکڑ لیا اور اس میں سے تھوڑی مقدار میں پیا۔

سال اول کے واقعات سے ایک یہ ہے کہ ہجرت کرنے کے باعث بعض مہاجرین بیمار ہو گئے مدینہ کے آب و ہوا کے باعث۔ اس میں قدیم زمانہ میں بڑا تعین تھا اور اس کی زمین بخار اور وباء کی زمین تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد پاکیزہ اور صحت و سلامتی والی ہو گئی۔ اور بخار اور وباء آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا سے اس بلدہ طیبہ (شہر) سے جحفہ کی طرف منتقل ہو گئے جو کہ دار الشرک و طغیان تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بلال اور عامر رضی اللہ عنہ کو بخار نے آلیا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار چڑھ گیا تو آپ کہتے تھے۔

کل امرء مصبح فی اہلہ　　　　واطوت ادنی من شراک نعلہ

ہر شخص نے اپنے اہل میں صبح کی ہے۔ اور حال یہ ہے کہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کو آئیں جب انہوں نے والد کی یہ بات سنی تو کہا خدا کی قسم میرا باپ بے ہوش ہے۔ ان کو خبر نہیں کہ ان کی زبان سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں۔ اور بلال اور عامر رضی اللہ عنہما کو بھی دوسرے کونے میں پڑے ہوئے دیکھا کہ وہ مکہ کے کفار کو لعنت کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے انہیں مکہ سے نکالا۔ اور مکہ شہر اس کے مختلف مقامات اور چشمے اور اس کے پانیوں اور چراگاہوں کی یاد میں شعر کہہ رہے تھے اور واویلہ کر رہے تھے۔ اور اپنی طبیعت کے لحاظ سے اور بخار کی بے ہوشی سے ہذیان بول رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے حال کے بارے میں رسول خدا سے شکایت کی۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے خداوند! ہمارے لئے مدینہ کو محبوب کر دے۔ جیسے کہ ہماری محبت مکہ سے تھی یا اس سے بھی زیادہ۔ اور اس کی ہوا کو صحیح اور درست کر دے ہمارے جسموں کے لئے اور ہمیں برکت عطا فرما صاع اور مد میں اور مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی عارفوں اور منتہیوں کو بھی طبیعت کے لحاظ سے جزع فزع کی صورت پیش آ جاتی ہے اور ان کے حال میں بھی بیماری اور مصیبت سرایت کر جاتی ہے۔ اور تسلیم و رضا دل کے مقامات میں سے ہے۔ اگر قلب پر برقرار ہو تو نفس اور طبیعت کو اضطراب سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

حضرت سلمان کا اسلام لانا:۔ اور سال اول کے واقعات سے تشریع اذان کا واقعہ ہے اور اس کا ذکر عبادات کے باب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہ ہے بعض اس کو دوسرے سال کے واقعات میں شمار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اس سال کے واقعات سے سلمان فارسی کا اسلام لانا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اصفہان کے رہنے والے

تھے اور ان کی قوم گھوڑوں کی عبادت کرتی تھی۔ سلمان فارسی دین کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے وہ دین نصرانیت میں داخل ہو گئے اس کے مدت بعد ایک نصاریٰ راہب کی ہدایت کے مطابق مدینہ کی راہ لی۔ تاکہ وہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ جب وہ باہر نکلے تو عرب لوگوں کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ پس ایک عربی گروہ نے ان کو قید کر لیا اور فروخت کر دیا یہود کے ہاتھ پس یہود نے ان سے رہائی کی شرائط تحریر کروالیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی اس مکاتبت کا عوضانہ ادا کرنے میں مدد فرمائی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ انکو آزادی کی شرط خرید فرمالیا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ دس یا بارہ مقلبات پر فروخت کئے گئے حتیٰ کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ الہ وسلم تک پہنچ گئے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ سلمان اسلام لائے۔

ان کے اسلام لانے کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک روز کھجوروں کا تھال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ پوچھا کہ یہ کھجوریں کیسی ہیں اے سلمان! سلمان نے عرض کیا۔ حضور یہ صدقہ کی ہیں۔ آپ اور آپ کے اصحاب کے لئے لایا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اے سلمان انہیں اٹھالو۔ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ پس سلمان وہ اٹھا کر لے گئے۔ اگلے دن پھر آئے اور کھجوریں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے رکھیں۔ آپ نے پوچھا اے سلمان! یہ کیا ہے۔ عرض کیا حضور آپ کے لئے اور آپ کے صحابہ کے لئے ہدیہ ہے۔

اور ہدیہ اور صدقہ میں یہ فرق ہے کہ صدقہ فقراء کو دیتے ہیں اور بطور مہربانی اور ترحم دیتے ہیں اور ہدیہ بڑوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ بطور پیش کش۔ اور عاجزی پیش کی جاتی ہے اور ادب بجالایا جاتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ اور کھاؤ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی اور ایمان لے آئے اور اس علامت سے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شناخت کرلی۔

اور سلمان یہود کے غلام تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے انہیں خرید لیا۔ اور اکثریت نے آپ کی عمر تین سو پچاس سال بتائی ہے اور بہت سے علماء نے دو سو پچاس سال کہا ہے۔ اور یہی درست ہے اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا۔ واللہ اعلم۔

اور مدینہ شریف میں خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ہی دیا تھا۔ اور بتایا کہ خندق کھودنا جس وقت دشمن چڑھائی کر کے آجائے ہمارے دیار میں معمول عام ہے۔ اور خندق کی کھدائی کے وقت مہاجرین و انصار سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھگڑتے تھے اور سلمان قوی آدمی تھے۔ پس انصار نے کہا کہ سلیمان ہم میں رہے گا خندق کی کھدائی میں۔ اور مہاجرین کہتے تھے کہ نہیں بلکہ وہ ہم میں رہیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان میرے اہل بیت سے ہو گا اور وہ ایک ایسا شخص ہے کہ جنت بھی اس کی مشتاق ہے۔ (کما جاء فی الحدیث)

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو زید بن کا حاکم مقرر کر دیا اور اس وقت سلمان اپنی محنت کر کے کھاتے

تھے اور جو کچھ ان کو بیت المال سے ملتا تھا وہ صدقہ کر دیتے تھے اور وہ فقیری کو پسند کرتے تھے اور یہ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ان کے بہت زیادہ مناقب ہیں۔ اور انہوں نے مدینہ شریف میں ۳۵ھ میں زمانہ عثمان رضی اللہ عنہ میں وصال پایا اور بعض نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بتایا ہے۔ اصح قول پہلا ہی ہے اور یہ اپنے آپ کو سلمان بن الاسلام کہا کرتے تھے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تحقیق قریش جانتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں خطاب مجھ کو عزیز تھا (والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ)۔ لیکن عمر بن السلام حضرت سلمان بن الاسلام کا بھائی ہے۔

مواخات:۔ اور سال اول کے واقعات سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ مہاجرین و انصار میں سلسلہ مواخات قائم فرمایا۔ اور ہر گروہ سے یہ پنتالیس اشخاص تھے۔ اور ایک قول کے مطابق انصار سے پچاس آدمیوں نے اس مواخات کو اختیار فرمایا۔ اور ان میں سلسلہ مواخات حق۔ مواسات اور وراثت کے بارے میں بھائی چارہ قائم کیا۔ اور یہ سب کچھ اس آیہ کریمہ کے نزول سے پہلے ہوا۔ **واولوا لارحم بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ** اور اس آیت کے نزول کے بعد عقد مواخات منسوخ ہو گیا۔

اور روضۃ الاحباب میں شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری میں ابن البر کا منقول قول نقل کیا ہے کہ ایک سلسلہ مواخات اور تھا اور وہ صرف مہاجرین تک مخصوص تھا جو انہوں نے ایک دوسرے سے قائم کیا۔ جیسے کہ یہ مواخات حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ میں اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما میں اور عثمان بن عفان اور عبد الرحمٰن بن عوف میں قائم تھی پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے یاروں کے درمیان عقد برادری باندھا ہے اور مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اور ہمیں کوئی بھائی نہیں دیا۔ میرا بھائی کون ہے؟ آنسرور نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا بھائی میں ہوں اور فرمایا کہ **انت اخی فی الدنیا والاخرہ۔**

نماز میں اضافہ:۔ اور اول سال کے وقعات سے نماز حضر میں اضافہ ہونے کا واقعہ ہے صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کو تشریف لائے ہوئے دو ماہ گزر گئے تو ماہ ربیع الاخر میں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک سال کے عرصہ کے بعد صلوٰۃ حضر میں زیادتی کر دی گئی۔ اس سے قبل سوائے نماز شام کے سب نمازیں دو رکعت تھیں۔ اور شام کی نماز تین رکعت تھی۔ پس ظہر' عصر اور عشاء کی نمازوں میں اضافہ کر دیا۔ اور فجر کی نماز میں اضافہ نہ کیا گیا بوجہ قرات کی طوالت کے جو اس میں ہے اور مغرب کی نماز میں اضافہ اس لئے نہ کیا کیونکہ وہ دن کا وتر ہے۔

اور صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت لائی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں اس کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ شریف کو ہجرت فرمائی۔ تو دو رکعتوں کی بجائے چار فرض کی گئیں اور دوران سفر نماز وہی دو رکعت ہی رکھی گئیں۔ اور حنفیہ اس حدیث سے تمسک کرتے ہیں سفر میں قصر کے وجوب میں۔ اور ظاہراً اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعتیں تھیں بعد میں مسافر کے لئے تخفیف کر دی گئی۔ اس کی اس حدیث پر **ان اللہ وضع عن**

المسافر نصف صلوٰۃ اور بعض نے کہا ہے کہ حضر میں نماز چار رکعتیں شروع ہوئیں۔ اور سفر میں دو (رواہ مسلم وغیرہ) اور بالجملہ (مذہب حنفی قصر پر ہے اور امام شافعی رحمتہ اللہ کے نزدیک رخصت ہے اور اگر چار رکعت ادا کریں تو یہ عزیمت ہوگی اور حنفیہ کے نزدیک بھی رخصت کا اطلاق کرتے ہیں مجازی طور پر اور اس مقام کی پوری تحقیق اصول فقہ میں ہے۔

بھیڑیئے کا باتیں کرنا۔ اور سال اول کے واقعات میں بھیڑیئے کے باتیں کرنے کا واقعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ مدینہ سے باہر ایک گلہ سے ایک بھیڑ کو بھیڑیا پکڑ کر لے گیا۔ چرواہا بھیڑیئے کے پیچھے بھاگا۔ اور اس سے بکری چھڑوالی بھیڑیئے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا تم نے وہ مجھ سے لے لیا ہے۔ چرواہا حیران رہ گیا۔ اور کہا کہ کتنی عجیب بات ہے۔ کہ گرگ کا باتیں کرنا اتنا تعجب خیز نہیں عجیب تر بات یہ ہے کہ مدینہ کے سنگستان اور نخلستان کے درمیان ایک شخص جو آئندہ کی خبریں دیتا ہے۔ اور ماضی کی بھی۔ اور تم لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے ہو پس وہ چرواہا جو کہ یہودی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس گرگ کا قصہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ اور وہ وقت قریب آگیا ہے کہ آدمی اپنے گھر سے باہر گیا ہو گا اور ابھی واپس گھر نہ جائے گا کہ اس کا جوتا اور اس کا عصاء اسے خبر دے گا جو کچھ کہ اس کے گھر میں کلام کیا گیا ہو گا اس کی عدم موجودگی میں اس حکایت کو قوم معجزات میں شمار کرتی ہے۔ اس لئے کہ یہ صدق نبوت پر دلالت کرتی ہے اور معجزات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی نعلین اور عصاء کے خبر دینے کے متعلق اور یہ کہ بھیڑیئے کا کلام بھی در حقیقت معجزہ ہے جو کہ اس مقام پر ظاہر ہوا۔ یہ اسی قیاس کی بناء پر ہے جس پر یہ کہ ولی کی کرامت در حقیقت معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے۔

اور سال اول کے واقعات سے یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا عاشورہ کے دن کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ یہودی لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے تھے کہ اس روز موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی شر سے نجات پائی۔ اور قبطی لوگ دریائے نیل میں غرق ہو گئے۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے اس کے شکرانہ میں اس روز کا باقی تمام زندگی میں روزہ رکھتے رہے اس پر سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اپنے بھائی کی سنت کے احیاء کے لئے اور اس کی اتباع کے لئے زیادہ حقدار اور اولیٰ ہیں۔ اور آپ نے منادی کو کہا کہ وہ اعلان کر دے کہ تمام مسلمان اس دن کا روزہ رکھیں اور اس کے بعد آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی فرمایا کہ وہ بھی روزہ رکھیں۔

اور علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خبر کے صدق و سچائی کی خبر بذریعہ وحی ہو گئی تھی یا تواتر سے اور یا آپ کو اس جماعت نے خبر دے دی تھی جو مسلمان ہو چکے تھے ان کی علماء میں سے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ ورنہ شرائع میں کافر کی خبر معتبر نہیں ہوتی اور جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کے متعلق یہ اہتمام و تاکید باقی نہ رہی۔ اور فرما دیا کہ جو کوئی چاہے روزہ رکھ لے جو نہ رکھنا چاہے وہ نہ رکھے۔ (کذافی روضتہ الاحباب)

اور بعض کتب سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور ماہ رمضان کے روزے فرض ہو جانے کے بعد عاشورہ کے روزے کی فرضیت ساقط ہو گئی اور حدیث بخاری اور ابوداؤد اور مسلم اور موطا اور ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں قریش عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی رکھتے تھے اور علماء نے کہا ہے کہ قریش کا عاشورہ کے روزے کا خیال اور حفاظت رکھنا شاید سابقہ شریعت کے باعث تھا اس کی وہ تعظیم کرتے تھے اور کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ اس روز۔

اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قریش نے جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بڑے گناہ کئے تھے۔ ان کا ان کا دلوں میں بڑا ڈر پیدا ہوا۔ پس ان کو کا روزہ بتایا گیا تاکہ ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (کذا فی فتح الباری) اور سفر سعادت میں کہا گیا ہے کہ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عاشورہ کے روز روزہ رکھا کرتے تھے ا۔ اور جامع الاصول میں نسائی سے منقول ہے کہ چار چیزیں ہیں جن کو آنحضرت نے ترک نہ فرمایا تھا۔ عاشورہ کا روزہ اور ذی الحجہ ماہ کی دسویں تاریخ اور بارہویں کا روزہ اور ایک دن اس سے قبل کل اور ایک روز اس سے بعد کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں کا روزہ رکھا جائے اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کو ہی رکھا جائے اور فتح مکہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال میں ہوا تو ضرور روزہ رکھوں گا نویں تاریخ کا بھی یعنی کہ میں اسے میں یوم عاشورہ کے ساتھ ضم کر لوں گا۔ اس سے اہل کتاب کی مخالفت مقصود تھی جو کہ صرف یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور اس کی تعظیم کے بارے میں امام احمد اور بزار کی روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ روز عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو یعنی اس سے پہلے دن کا اور اس سے بعد والے دن بھی روزہ رکھو۔ (کذا فی سفر السعادت) اور روزہ عاشورہ کے فضائل میں آیا ہے کہ عاشورہ کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور عرفہ کے روزے کا ثواب یا کفارہ دو سال کے گناہوں کا واقع ہوا ہے اور بعض علماء نے اس باب میں ایک نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ عاشورہ کا روزہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ہے اور عرفہ کا روزہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت میں ہے لہٰذا اس کا ثواب اس سے زیادہ ہو تو اس کی یہ صورت ہے۔

اور سال اول کے واقعات سے براء بن معرور کی وفات ہے۔ اور وہ انصار کے نقیبوں میں سے تھے خزرجی و اسلمی جنہوں نے کہ پہلے سب سے بیعت کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کے دوران اور اپنی قوم کے قول میں دوسرے۔ اور جس نے کہ سب سے پہلے اپنے مال میں سے ایک تہائی کی وصیت کی تھی۔ اور پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے کہ نقیبوں میں سے وصال پایا۔ اور وہ انصار کے سردار تھے اور ان کے بزرگ بڑے آدمی تھے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مدینہ شریف آنے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی تھی اور مدینہ آجانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وارض عنہ وقد فعلت اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی

وفات بھی اسی سال میں واقع ہوئی۔ وہ بھی انصار کے نقیبوں میں سے تھے۔ وہ عقبہ اولی اور ثانیہ دونوں میں حاضر خدمت ہوئے تھے اور بیعت کی تھی۔ اور اور یہ پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے انصار کو مدینہ میں اکٹھا کیا اور دین اسلام کی تائید میں اجتماع کیا اور انصار کے گھروں کے افراد بڑی تعداد میں ایمان لائے اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اسلام نہ آگیا ہو۔ یہ حضرت سال اول میں ان ایام میں فوت ہوئے جب مسجد کی بنیاد رکھی گئی تھی یعنی ہجرت کے چھ ماہ بعد اور جنت البقیع میں دفن ہوئے وہ یہ شخص تھے اور مہاجرین عثمان بن مظعون کا نام لیتے ہیں۔

اور اسی سال کے دوران کلثوم بن الہدم انصار میں سے اور عثمان بن مظعون مہاجرین میں سے فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔ اسی سال میں مشرکوں میں سے بھی ایک گروہ آدمیوں کا فوت ہو گیا۔ ان میں سے عاص بن وائل سہمی جو عمرو بن العاص کا باپ تھا اور ولید بن مغیرہ جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ اور کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ نزع کی حالت میں بہت جزع فزع کرتا تھا۔ ابو جہل نے اس سے کہا اے میرے چچا تو کیوں جزع فزع کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ کا دین مکہ میں نہ جاری ہو جائے۔ ابو سفیان کہنے لگے کہ میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کا دین یہاں ظہور نہ کرے گا لہذا مت ڈرو۔ اور مکہ کے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ ابو کبشہ ایک آدمی تھا جو دور جاہلیت میں عبادت کرتا تھا۔ اس واسطے وہ لوگ اس مشابہت کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کا بیٹا کہا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ابو کبشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رضاعی آباؤ اجداد میں سے تھا۔

سنہ ۲ھ کے واقعات

قبلہ کی تبدیلی:۔ سال دوم ہجری میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے ایک واقعہ تحویل قبلہ کا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو پہلے سولہ یا سترہ ماہ آپ نے بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نمازیں ادا کیں۔ اور اس پر آپ حق تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے اور باوجود اس امر کے کہ یہ بات اسلام لانے والے سابقہ یہودیوں کے لئے باعث تالیف قلوب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پسند تھا کہ ان کے لئے قبلہ مسجد حرام ہو جو کہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ اور آپ کو مسلسل انتظار تھا اور دیکھ رہے تھے کہ کب اس بارے میں وحی کا نزول ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سبحانہ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔ **قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضها فول وجهک شطر المسجد الحرام** اور قبلہ بیت المقدس منسوخ ہو گیا۔

اور اس ضمن میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی دور میں آپ کا قبلہ بیت المقدس تھا یا کہ کعبہ شریف اکثریت اس طرف ہے کہ قبلہ بیت المقدس تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کھڑے ہوا کرتے تھے کہ آنحضرت اور بیت المقدس کے درمیان کعبہ شریف ہوتا تھا اور اسی پر آپ کا عمل رہا۔ یہاں

تک کہ آپ مدینہ شریف لے آئے۔ پس قبلہ مسجد حرام کی جانب تبدیل ہو گیا۔ اور جماعت علماء کی کہتی ہے کہ قبلہ کعبہ شریف ہی تھا۔ اور مکہ میں بیت المقدس بھی ہو گیا اور آپ نے تین سال تک اس کی طرف نماز گزاری اور جب مدینہ آئے تو سترہ ماہ کے بعد کعبہ شریف قبلہ ہو گیا۔ اس لحاظ سے نسخ قبلہ متعدد بار ہوا۔ یعنی کہ پہلے تو قبلہ کعبہ شریف ہی تھا۔ پھر یہ منسوخ ہوا اور مکہ میں ہی بیت المقدس قبلہ ہو گیا۔ اس کے بعد پھر بیت المقدس منسوخ ہو گیا اور مدینہ مطہرہ میں کعبہ شریف قبلہ مقرر ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ **حقیقة الحال علی وجه الکمال**

اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محلیات میں سے ایک کے گھر میں تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ پس صحابہ کرام جو خدمت میں حاضر تھے ان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بنی سلمہ نے ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ اس میں نماز پڑھتے تھے کہ دوسری رکعت کے رکوع کے دوران تحویل قبلہ کے متعلق وحی نازل ہوئی پس قبلہ کعبہ شریف کی جانب ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ہی ان کی اقتداء میں کھڑی نمازیوں کی صفوں نے بھی رخ پھیر لیا اور نماز مکمل کی اور بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی وحی نماز کے اندر نہیں بلکہ خارج از نماز کی حالت میں نازل ہوئی اور ایک قول ہے کہ یہ نماز ظہر تھی جس میں تحویل قبلہ واقع ہوئی۔ اور یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اپنی مسجد میں ادا کر رہے تھے۔ اور پہلے قول اثبت ہے۔

اور بخاری صحیح میں جو آیا ہے کہ پہلی نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ رخ ادا کی وہ نماز عصر تھی۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ پہلی نماز جو پوری کی پوری آپ نے کعبہ کے رخ ادا کی وہ عصر کی نماز تھی۔ (کذافی روضة الاحباب) اور مدینہ مطہرہ میں مغرب کی طرف ایک مسجد فتح ہے جو نصف میل کی مسافت پر وادی عقیق اور بیر رومہ کے نزدیک ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جسے مسجد قبلتین کہتے ہیں کیونکہ تحویل قبلہ کا واقعہ وہاں پر ہوا تھا ظاہر ہے کہ اس صحابیہ کا گھر جس میں تحویل قبلہ ہوئی اسی مقام پر تھا۔ اور کعبہ شریف اور بیت المقدس اس مقام پر ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اس طرح سے کہ اگر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو پشت کعبہ کی طرف ہوتی ہے اور اگر منہ کعبہ کی طرف کریں تو پشت بیت المقدس کی طرف ہوتی ہے۔

اور جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو بعض یہود اور منافقین کو شک ہو گیا

پس یہ آیت نازل ہوئی **وللّٰه المشرق والمغرب یهدی من یشاءِ الٰی صراط مستقیم** یعنی کہ یہ حکم الٰہی پر منحصر ہے۔ پھیر دے بدل دے اور مومنوں میں سے بعض آدمی یہ کہتے تھے کہ جو آدمی تحویل قبلہ سے پہلے وصال پا چکے ہیں مثلاً براء بن معرور اور اسعد بن زرارہ وغیرہم۔ انہوں نے جو صرف بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کی تھیں۔ ان کا کیا بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ **وما کان اللّٰه لیضیع ایمانکم** اور یہاں پر ایمان سے مراد صلوٰۃ ہے کیونکہ یہ ایمان کے اعمال میں سے اقویٰ اور اعظم ہے۔ اور اس بارے میں توقف کا کیا مقام ہے۔ وہ بھی حکم الٰہی سے تھا اور یہ بھی اس اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ منسوخ ہونے سے سابقہ حکم باطل نہیں ہو جاتا۔ دونوں میں حق

ہیں۔

اور جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو مدینہ شریف کی مسجد کی بنیاد بھی دوسری رکھنی پڑی۔ مسجد قباء میں بھی تبدیلی کی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود صحابہ کے ساتھ پتھر اٹھاتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی:۔ اور دوسرے سال ہجری کے واقعات سے حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؓ کا نکاح ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت شریفہ صحیح قول کے مطابق قبل از نبوت ہے پانچ سال جبکہ قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی کیونکہ سیلاب اس میں داخل ہو گیا تھا۔ اور ان کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے ۲ھ میں کیا گیا اس وقت رمضان شریف کا مہینہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ رجب میں شادی ہوئی۔ بعض علماء نے کہا ہے ماہ صفر میں اور بعض کے مطابق غزوہ احد کے بعد۔ (کذافی جامع الاصول)

اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے وقت سولہ سال تھی اور بعض علماء کے مطابق اٹھارہ سال اور بعض نے پندرہ سال بتائی ہے اور علی رضی اللہ عنہ اکیس سال پانچ ماہ کے تھے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس بارے میں وحی کا انتظار ہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواستگاری کی۔ آنحضرت نے وہی جواب دیا۔ اور مشکوۃ شریف میں آیا ہے کہ جب ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے درخواست کی تھی اس وقت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آنحضرت نے فرمایا تھا کہ وہ ابھی صغیر سن ہے۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ کو ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ ان سے اہل و خواص نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے سوال کرو حضرت علی نے کہا مجھے آنحضور سے شرم آتی ہے۔ نیز انہوں نے ابوبکر اور عمر کو انکار کر دیا ہے تو مجھے وہ کیونکر دیں گے۔ ان سے کہا گیا کہ تم آنحضرت کے نزدیک ترین آدمی ہو۔ ان کے چچا کے بیٹے ہو اور ابوطالب کے فرزند ہو جاؤ اور شرم نہ محسوس کرو پس حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کو سلام عرض کیا آنحضرت نے ان کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ کس غرض سے میرے پاس آئے ہو۔ اے ابوطالب کے بیٹے! عرض کیا کہ فاطمہ کے لئے درخواست پیش کرنے آیا ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مرحبا و اھلا" اس سے زیادہ نہ کہا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا پس آنحضرت پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی جیسی کہ بوقت وحی ہوتی ہے۔ اور آپ از خود رفتہ ہو گئے اس کے بعد وہ کیفیت جاتی رہی اور آپ بحال خود آ گئے اور فرمایا اے انس! پروردگار عرش کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے حکم فرماتا ہے کہ فاطمہ کا نکاح علی کے ساتھ کر دو۔ اے انس جاؤ اور ابوبکر' عمر' عثمان' طلحہ اور زبیر اور انصار کی جماعت کو بلا لاؤ۔ پس یہ سب حضرات حاضر ہو گئے اور آنحضرت نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر شادی کرنے کی ترغیب دی اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ چار سو مثقال چاندی حق مہر مقرر ہوا اور فرمایا

اے علی تو قبول کرتا ہے اور راضی ہے حضرت علی نے عرض کیا کہ میں نے قبول کیا اور راضی ہوا۔ اس کے بعد چھوہاروں کا ایک تھال لیا اور لوگوں میں بکھیر دیا۔ اور اس مقام پر فقراء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مستحب ہے کہ نکاح کوانی کی تقریب میں شکر اور بادام لٹائے جائیں اور مواہب الدینہ میں خطبہ نقل کیا گیا ہے:

خطبہ نکاح:۔ الحمد للّٰہ الحمد للّٰہ حوا بنعمة المعبود بقدرة اعطاع بسلطلنه المرهوب من عذابه وسطوتة النافذ امره فی سمائه وارضیه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم باحکامه واعزهم بدنیه واکرمهم بنبیه محمد صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم ان اللّٰہ تبارک اسمه وتعالت عظمته جبل المصاهرة سببا لاحقا وامرا مفترضا وشح به الارحارم والزم الا نام فقال عز من قائل وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وکان ربک قدیرا فامر اللّٰہ تعالیٰ یجری الی قضائه و قضاء یجری الی قدره ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یحواللّٰہ ما یشاء ویثبت و عنده ام الکتاب ثم ان اللّٰہ امرنی ان تزوج فاطمة من علم بن ابی طالب الخ۔

اور جزری نے اپنی حصن حصین میں حبان کی صحیح میں سے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی کے ساتھ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو آپ گھر میں تشریف لائے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرے لئے پانی لاؤ حضرت فاطمہ نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اسے پانی سے بھر کر لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے پکڑ کر اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور فاطمہ سے فرمایا کہ آگے آؤ وہ آئیں تو آپ نے وہ پانی ان کے سینہ مبارک اور سر مبارک پر چھڑک دیا۔ اور فرمایا اے خداوند! میں اسے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اور اس کی اولاد کو بھی مردود شیطان سے۔ پھر فرمایا۔ اے فاطمہ! میری طرف پشت کرو انہوں نے ایسا ہی کیا تو آپ نے ان کے کندھوں کے درمیان پانی انڈیلا۔ اور فرمایا اے خداوند میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پھر فرمایا کہ پانی لاؤ۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں جانتا تھا جو کچھ آنحضرت کرنا چاہتے تھے لہٰذا میں کھڑا ہو گیا میں نے پیالہ پانی سے بھرا اور لے آیا۔ پس آنحضرت نے اسے لیا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور مجھے فرمایا کہ آگے آؤ۔ میں آیا تو آپ نے پانی میرے سر پر ڈالا۔ اور میرے منہ پر بھی اور فرمایا اللهم انی اعیذه بک وزریته من الشیطان الرجیم پھر فرمایا کہ اپنے اہل کے ساتھ آؤ۔ بسم اللّٰہ والبرکة

اور بعض نے روایات میں آیا ہے کہ نکاح کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی کے پاس بعد از عشاء تشریف لائے۔ پس آپ نے پانی کا ایک برتن اٹھایا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور معوذتین پڑھیں۔ اور دعا کی اور حضرت علی سے حکم فرمایا کہ اس پانی کو پئے اور وضو کرے۔ پھر حضرت فاطمہ کو حکم فرمایا کہ وہ بھی اس پانی کو پئے اور وضو کرے پھر آپ نے فرمایا کہ اے خداوند! یہ دونوں مجھ سے ہے۔ اور میں ان میں سے ہوں۔ خداوند جس طرح تو نے مجھ سے پلیدی کو دور کیا ہے اور مجھے پاک فرمایا ہے۔ ان دونوں کو بھی پاک کر دے۔ اس کے بعد ان دونوں کو فرمایا کہ جاؤ اپنی خوابگاہ

میں چلے جاؤ اور فرمایا اے خداوند ان کے درمیان پیوند اور الفت عطا فرما اور ان میں برکت دے۔ اور ان کی اولاد میں بھی۔ ان کی پریشانی دور فرمادے اور ان کو نیک بخت کردے اور ان پر برکت فرما اور ان سے بہت سی پاک اولاد پیدا فرما۔

اور خطیب نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فاطمہ کا علی سے نکاح کیا۔ رضی اللہ عنہما۔ تو فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پس آنحضرت نے پوچھا کہ اے میری بیٹی تم کیوں روئی ہو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے مجھے ایسے شخص کے ساتھ بیاہا ہے کہ جس کے پاس کوئی مال نہیں اور نہ کوئی چیز ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو راضی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری روئے زمین پر سے دو آدمیوں کو برگزیدہ فرمایا۔ ان دونوں میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا خاوند ہے۔ اور حاکم کی روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کیا تو راضی نہیں ہے کہ میں نے تمہاری شادی اس آدمی سے کی ہے کہ جواز روئے اسلام مسلمانوں میں سب سے پہلا ہے اور علم کے اعتبار سے ان میں سے داناترین ہے۔ اور تو میری امت کی عورتوں میں سے بہترین ہو جیسے کہ مریم اپنی قوم میں تھی۔ اور طبرانی کی روایت میں آیا ہے کہ فرمایا میں نے تمہیں اس سے بیاہا ہے جو دنیا میں نیک بخت ہے اور آخرت میں صالحین سے ہے اور آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ حضرت علی نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ گھوڑا تمہارے لئے ضروری ہے۔ لیکن زرہ کو تم فروخت کردو اور اس کی قیمت وصول کر کے میرے پاس لاؤ۔ پس حضرت علی نے زرہ چار سو اسی درہم کی فروخت کردی اور پیسے آنحضرت کے پاس لے آئے۔ آنحضرت نے ان میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دی۔ تاکہ خوشبو میں خرچ کردیں اور باقی ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد کردیئے۔ تاکہ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں صرف کریں اور اس کا یہ کام سرانجام دیں اور گھر کا ساز و سامان خریدیں۔

اور مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے مقرر فرمادیا کہ اندرون خانہ کے کام مثلاً روٹی پکانا' جھاڑو دینا اور چکی پیسنا وغیرہ یہ کام فاطمۃ الزہرہ کریں گی اور باہر کے کام یعنی اونٹوں کو پانی پلانا اور بازار سے چیزیں خرید لانا وغیرہ یہ کام حضرت علی سرانجام دیں گے۔ اور یا ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد ان کے ساتھ قیام کریں۔ اور روایات میں آیا ہے کہ آتش کے پاس بیٹھنے' روٹی پکانے اور گھر میں جھاڑو دینے اور چکی پیسنے سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ کا رنگ بدل گیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ بھی متاثر ہو گئے۔ سخت و شوخ ہو گئے۔ اور ان کا لباس بھی غبار آلود ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ ایک خدمت گار طلب کرنے کے لئے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز سکھاتا ہوں جو غلام سے بہتر ہے۔ جس وقت تم خوابگاہ میں جاؤ تو تینتیس بار سبحان اللہ پڑھ لو۔ اور تینتیس بار الحمد للہ پڑھو اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہرگز یہ ورد ترک نہ کیا بلکہ جنگ صفین کی رات کو بھی۔

اور مواہب الدنیہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کھلایا اور اس زمانہ میں اس سے بہتر کوئی ولیمہ

نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زرہ کو ایک یہودی کے پاس گروی رکھا بعوض نصف پیمانہ جو کے۔ اور ولیمہ میں چند صاع جو اور کھجور اور حیش (دودھ سے مرکب بنا کر خشک کردہ) تھے (رواہ احمد در مناقب)۔

روزے اور عید کی فرضیت:۔ ۲ھ کے واقعات میں سے فرضیت رمضان شریف اور نماز عید اور صدقہ فطر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مدینہ آئے ہوئے اٹھارہ ماہ ہو گئے اور صاحب مواہب کہتے ہیں کہ اس سے پیشتر زکوۃ فرض ہو چکی تھی اور زکوۃ بھی اسی سال میں فرض ہوئی تھی۔ اور بعض علماء نے فرضیت زکوۃ پیش از ہجرت بتائی ہے۔ انتہی۔

جہاد کا حکم:۔ اور اسی دوسرے سال ہجری میں جہاد و قتل کا حکم ہوا۔ اور جہاد کی اجازت کردی گئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا اذن الذین یقاتلون بانہم ظلمو و ان اللہ علی نصرھم لقدیر اور دوسری آیات جن میں جہاد و قتل کا حکم واقع ہوا اور اس سے قبل آنحضرت جہاد و قتل سے منع فرماتے تھے۔ اور آپ کے سامنے صحابہ کرام مضروب اور زخمی آئے تھے تو آپ کو فرماتے تھے کہ صبر کرو کیونکہ جہاد و قتل کا مجھے حکم نہیں ہوا یہاں تک کہ ہجرت فرمائی۔ اور چونکہ مکہ میں مشرک بہت تھے اور ایک قسم کا وہ غلبہ رکھتے تھے اور مسلمان تھوڑے تھے اور کمزور بھی تھے لہذا قتل میں تاخیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت و مصلحت تھی حتیٰ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف آ گئے اور صحابہ بھی اکٹھے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے قائم ہو گئے۔ اور مدینہ ان کے لئے ملجا و ماویٰ بن گیا۔ تو شریعت میں دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد و قتل جائز ہو گیا۔ خذلھم واللہ وما النصر الا من عند اللہ اور ارباب سیر نے یہ اصطلاح جاری کی کہ جس لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہ نفس نفیس خود شامل ہوئے اسے غزوہ غزوات کہتے ہیں۔ اور جہاں آپ خود نہ گئے بلکہ فوج بھیجی اس کو بعث اور سریہ کہتے ہیں اور سریہ کا لفظ اصل میں سری سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہیں فوج کا ایک دستہ جو دشمن کے خلاف بھیجا گیا اور صاحب مواہب سریہ کا معنی بتاتے ہیں کہ ایک دستہ فوج کا جو دوسری فوج سے نکل آئے اور اس کی تعداد ایک سو سے لے کر پانچ سو تک کے اندر اندر ہو اور پانچ سو سے زیادہ تعداد والے دستہ کو نسر کہتے ہیں۔ اور اگر آٹھ سو سے زیادہ ہو جائے تو اسے جیش کہتے ہیں اور اگر اس کی تعداد چار ہزار ہو جائے تو اسے جحفل کہتے ہیں اور خمیس بہت بڑے لشکر کو کہتے ہیں۔ جس کے پانچ حصے ہوتے ہیں یعنی مقدمہ اور قارب اور میمنہ اور میسرہ اور ساقہ اور جو لشکر اکٹھا ہو اور وہ منتشر نہ ہو اسے کیبہ کہتے ہیں اور مجموعی طور پر تمام غزوات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہ نفس نفیس خود شامل ہوئے تعداد میں ستائیس ہیں۔ (کذافی المواہب)۔

اور صاحب روضۃ الاحباب نے ایک قول کے مطابق اکیس اور ایک قول کے مطابق چوبیس نقل کئے ہیں اور ان کی وجہ تطبیق بھی نقل کی ہے اور تعجب ہے کہ صحیح البخاری میں حضرت زید بن ارقم کی روایت سے نوے غزوات مذکور ہوئے ہیں اس قول کا ذکر نہیں کیا ہے اور ان غزوات میں سے جن غزوات میں خود قتل کیا ہے۔ وہ غزوہ بدر' احد' احزاب' بنو

قریظہ' بنو المصطلق' خیبر' فتح مکہ' حنین اور طائف ہیں اور سرایہ کی تعداد سینتالیس تھی۔ بعض نے چھپن بتائے ہیں اور صحیح البخاری میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ پہلا غزوا جو آنحضرت نے کیا غزوہ ابوا تھا۔ اس کے بعد بواط۔ اس کے بعد عشیرہ۔ اور ابوا ایک مقام کا نام ہے۔ جو جحفہ کے قریب ہے۔ اس کی اصل ابود ہے وباء سے۔ ابواء کو ودان بھی کہتے ہیں اور بعض کتابوں میں غزوہ ودان بھی واقع ہوا ہے اور صاحب مواہب نے کہا ہے کہ ابوا اور ودان دو مقامات ہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں درمیان میں تین میل کی مسافت ہے اور بواط جینہ کے پہاڑوں میں ایک پہاڑ ہے جو ینبع اور عشیرہ کے قریب ہے۔ اور بخاری شریف میں عسیرہ بھی کہا گیا ہے۔ لیکن غزوہ عسرہ غزوہ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے اور لوگوں نے اس میں دشواریوں کا سامنا کیا اور بڑی محنت اٹھائی۔ اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اب ہم ترتیب سے تین غزوات کا ذکر کرتے ہیں جن کے درمیان سریے بھی واقع ہوئے۔ اور کتابوں میں ان واقعات کا ذکر اسی طرح ہے۔ کہ پہلے غزوہ ابوا' اور روضتہ الاحباب میں کہا ہے کہ پہلے سال کا آخر تھا یا دوسرے سال کا شروع تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ شریف میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور خود صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ قبیلہ قریش کے ایک قافلہ بنی ضمرہ پر قہر کی خاطر نکلے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ جب ابوا کے مقام پر پہنچے تو بنی ضمرہ کا پیشوا مخشی بن عمرو ضموی صلح سے پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی صلح پر راضی ہوئے اور صلحنامہ لکھا گیا اور پندرہ روز کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد ایک قول کے مطابق ابوا کے مقام سے ہی اور ایک قول کے مطابق واقعہ سے پہلے ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے ساٹھ مہاجرین کے دستہ کے ساتھ قریش کے ایک گروہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ جو مکہ سے ایک مہم پر نکلے تھے اور ان کا سردار ابوسفیان بن حرب تھا۔ اور ایک قول کے مطابق عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ اور ان کے لئے سفید جھنڈا باندھا گیا اور جھنڈے کا حامل مسطح بن اثاثہ بن عباد بن المطلب بن المناف قریشی مطلبی تھا جو افک عائشہ رضی اللہ عنہا میں شامل تھا۔

لشکر اسلام کا پہلا جھنڈا:۔ اور روضتہ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلا جھنڈا جو لشکر اسلام کے لئے تیار ہوا۔ اہل سیر کی اکثریت کے مطابق یہ ہی تھا اور یہ قول ایک لحاظ سے درست ہے کیونکہ سریہ ابوعبیدہ بن الحارث کا واقعہ غزوہ ابواء سے پہلے کا ہے اور مواہب میں کہا گیا ہے کہ غزوہ ابواء جو کہ اس سریہ سے پہلے ہوا اس میں بھی ایک جھنڈا تھا۔ اور اس کو حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ پہلا جھنڈا وہ ہے جو سریہ حمزہ بن عبدالمطلب میں تھا اس کا ذکر آئندہ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سریہ حمزہ بن عبدالمطلب:۔ پس ایک دوسرے پر تیر پھینکے۔ سعد بن ابی وقاص جو کہ لشکر اسلام میں تھے وہ بھی تیر پھینک رہے تھے اور راہ خدا میں جو سب سے پہلا تیر چلایا گیا وہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے

پاس آٹھ تیر تھے۔ انہوں نے وہ سب پھینک دیئے اور ان میں سے ایک تیر بھی خطانہ گیا۔ یا ان کا تیر کسی آدمی کو جا کر لگتا تھا اور یا اس کے جانور کو۔ ان دونوں لشکروں میں تلوار کی جنگ نہ ہوئی اور کفار اس تصور سے بھی ڈرتے تھے کہ عقب میں دوسرا اسلامی لشکر بھی ہے۔ وہ ڈر گئے اور راہ فرار اختیار کی۔ لیکن مسلمان ان کے تعاقب میں نہ گئے۔ اور مدینہ کو واپس آ گئے اور مقداد بن الاسود اور عتبہ بن عزوان رضی اللہ عنہ دو جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی تھے جو تجارت کی غرض سے لشکر کفار کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ وہ دونوں بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مل گئے۔

اور انہی ایام میں جبکہ عبیدہ بن الحارث کو بھیجا گیا تھا۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس مکہ کو آرہا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجر مسلمانوں کے ساتھ بھیجا اور اس کارواں پر ارسال فرمایا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انصاری تھے۔ لیکن یہ محض وہم ہے تحقیق یہ ہے کہ انصار کو غزوہ بدر سے پہلے کبھی نہ بھیجا گیا تھا۔ (کما قال المواہب) اور ان کے لئے سفید رنگ کا علم تیار کیا اور اس لشکر کا علمبردار ابو مرثد غنوی تھا اور بعض اہل سیر کے قول کے مطابق سب سے پہلا جھنڈا جو اسلام میں تیار کیا گیا وہ یہ ہی تھا۔

اور سابقاً کہہ چکے ہیں کہ اس سے پہلے سریہ عبیدہ بن حارث واقعہ ہوا تھا۔ اور اکثریت اسی پر ہیں اور صاحب مواہب ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ اس طرح ہمیں علم ہوا ہے کہ پہلا جھنڈا جو اسلام میں ہوا وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا جھنڈا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس امر میں لوگوں میں اشکال و اشتباہ اس طرح ہے کہ یہ دونوں سریہ قریب قریب ہی واقعہ ہوئے (وقتاً وجاء") لہٰذا مشتبہ ہو گیا کہ کون سا پہلے واقعہ ہوا اور صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ بات مشکل ہو جاتی ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ بعث حمزہ ساتویں مہینہ میں واقعہ ہوا ہے اور بعض عبیدہ آٹھویں ماہ میں اور کہتے ہیں کہ احتمال یہ ہے کہ ہر دو جھنڈوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باندھا ہو گا ایک ہی وقت پر اور بعد میں ابی عبیدہ متاخر ہو گئے ہوں گے آٹھویں ماہ تک اس وجہ سے کہ ارادہ ایسے پر ہو گا واللہ اعلم۔

پس مسلمان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ساحل دریا کے قریب تک گئے۔ اور لشکر کفار پر جا پہنچے اور ان کی تعداد تین ہزار تھی تقریباً اور ابو جہل اور ابو سفیان بھی ان میں تھے۔ پس ہر دو فریق نے تساہل سے کام لیا اور مجدی بن عمرو جہنی جو کہ دونوں فریقوں کا حلیف تھا۔ اس نے جنگ نہ ہونے دی۔ ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ اور اس کا قافلہ مکہ کو چلے گئے اور حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ آ گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے بعد سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ واقع ہوا۔ وہ بیس مہاجرین کے ساتھ ایک اور قافلہ قریش پر چڑھائی کے لئے خرار کی طرف بھیجے گئے۔ خرار ایک وادی کا نام ہے جو حجاز میں جحفہ کے قریب ہے اور اس کے لئے سفید جھنڈا باندھا گیا جسے مقداد بن الاسود اٹھائے ہوئے تھے جب یہ اس مقام پر پہنچے تو ان کے وہاں پہنچنے سے ایک روز پہلے قافلہ وہاں سے گزر چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے مدینہ کو واپسی اختیار کی۔

فائدہ:۔ معلوم رہے کہ احادیث میں جھنڈے کا تذکرہ ہے اور وہ جھنڈا جو جنگ میں بلند کیا جاتا ہے۔ اور وہاں پر صاحب لشکر کی پہچان اس کے ذریعہ ہوتی ہے اور بعض اسے امیر لشکر اٹھاتا ہے اور تحقیق اہل لغت کی ایک جماعت نے لواء اور رایت

کے درمیان فرق کی تصریح کی ہے لیکن امام احمد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رایت (بڑا جھنڈا) سیاہ رنگ کا تھا اور ان کا جھنڈا (لواء) سفید رنگ کا تھا۔ اور طبرانی میں بھی بریدہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح آیا ہے اور ابن عدی کے نزدیک بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح آیا ہے ابن عدی نے اتنا
زیادہ لکھا ہے کہ اس میں **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا اور ظاہر یہی ان میں فرق پایا جاتا ہے۔ اور شاید کہ یہ فرق دونوں اطراف میں ہے اور ابن اسحاق اور ابوالاسود نے عروہ سے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے رایات (بڑے بڑے جھنڈے) غزوہ خیبر میں بنائے گئے اور اس سے قبل سوائے لواء کے کوئی اور چیز معروف نہ تھی۔ ان سب کا ذکر صاحب مواہب الدینہ نے کیا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق بیان نہیں کیا۔

لواء اور رایت میں فرق:۔ اور بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ رایت بڑا جھنڈا ہوتا ہے اور لواء چھوٹے جھنڈے کو کہتے ہیں اور قاموس میں کہا گیا ہے کہ **اللواء بالمد العلم** اور صراح میں کہا گیا ہے کہ لواء چھوٹا جھنڈا ہوتا ہے اور رایت کا وہاں ذکر نہیں کیا۔

غزوہ بواط:۔ اور اسی دوسرے سال ہجری میں ہجرت سے تیرھویں مہینہ میں ماہ ربیع الاول میں غزوہ بواط واقع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سفید جھنڈا عطا کیا اور مدینہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اور بعض علماء کے مطابق حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اور دو سو صحابہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے ایک قافلہ قریش کے خلاف جس میں امیہ بن خلف جمحی بھی شامل تھا نکلے۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ قریش کا ایک سو آدمی تھا اور دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ بواط کے مقام تک پہنچے اور پھر واپس لوٹ گئے۔

غزوہ عشیرہ:۔ اس کے بعد غزوہ عشیرہ واقع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمادی الاول میں مدینہ سے نکلے اور بعض کہتے ہیں کہ ۲ھ میں جمادی الاخر کے مہینہ میں یعنی ہجرت سے سولہ ماہ بعد۔ ڈیڑھ سو صحابہ کا لشکر ساتھ تھا اور ایک روایت کے مطابق دو سو آدمی تھے۔ اور سفید رنگ کا جھنڈا تیار کر کے حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اور ابو سلمہ بن عبد الاسد کو مدینہ پر عامل مقرر کیا۔ یہ قصد ابوسفیان کے قافلہ کے خلاف تھا جو ایک بڑے قافلہ کے ساتھ تجارت کی غرض سے نکلا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشیرہ کے مقام تک پہنچے۔ وہاں پر چند دن آپ نے قیام فرمایا اور جب یہ تحقیق ہو گئی کہ قافلہ ابوسفیان یہاں سے کچھ روز پہلے گزر گیا تھا تو آپ نے بنو کنانہ میں سے بنی مدلج کی ایک جماعت کے ساتھ مصالحہ اور معاہدہ دوستی تحریر کرنے کے بعد واپس مدینہ منورہ آگئے اور روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ اس سفر کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب کنیت عطا فرمائی۔ ان کا قصہ

اس طرح ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور علی بن ابوطالب غزوہ عشیرہ میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے۔ یہ زمین ریگستانی تھی اور ہم گرد آلود ہو گئے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمارے سرہانے آکر ہمیں جگایا اور علی کرم اللہ وجہ سے فرمایا اباتراب اس کے بعد فرمایا کہ اے علی! میں تجھے بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت آدمی کون ہے۔ علی نے کہاہاں یا رسول اللہ! مطلع فرمایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بدبخت ترین شخص دو ہیں۔ ایک وہ ہے۔ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کے پاؤں کاٹے تھے اور دوسرا وہ جو تمہارے چہرہ مبارک اور ڈاڑھی مبارک کو خون آلود کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے ان کے سر اور چہرہ پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ ان دونوں کتابوں میں اسی طرح آیا ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی کنیت کا قصہ اس طرح ہے کہ بخاری اور مسلم نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اس کے بعد باہر چلے گئے اور جاکر مسجد میں سو گئے۔ جب حضرت رسول خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ علی کو گھر میں نہ دیکھ کر پوچھا کہ وہ کہاں ہیں میرے چچازاد یعنی حضرت علی اور زبان عربی میں یہ معمول ہے جو اس طرح کہتے ہیں اور آپ نے پسند نہ فرمایا کہ تمہارے زوج یعنی خاوند یا اسی طرح کچھ اور کہیں فاطمتہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ تلخی واقع ہو گئی ہے۔ پس انہوں نے غصہ کیا اور باہر چلے گئے اور میرے پاس یہاں دوپہر کا قیلولہ نہیں فرمایا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی کو فرمایا کہ پتہ کرے علی کہاں ہیں پس وہ شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ وہ مسجد میں ہیں اور سو رہے ہیں۔ پس آنحضرت مسجد میں ان کے سرہانے آگئے اور دیکھا کہ پہلو کے بل سوئے ہوئے ہیں۔ اور پہلو سے ان کی چادر گر گئی ہوئی ہے اور بدن مبارک خاک آلود ہو چکا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے اباتراب اٹھو۔ (قم اباتراب) پس اس دن سے ان کی کنیت ابوتراب ہو گئی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کنیت کو اصل کنیت کے ساتھ جمع کیا ہے۔ ایک کنیت ابوالحسن ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ پسند کرتے تھے اور آپ کے مخالفین اور معاندین بھی آپ کو اس کنیت سے پکارتے تھے۔ اور ان کی تحقیر و تنقیص کا قصد کرتے تھے حالانکہ اس کنیت میں علی رضی اللہ عنہ کی بڑی تعظیم و تکریم ہے۔

کرز بن جابر فہری کا واقعہ:۔ اسی دوسرے سال ہجری میں مدینہ شریف کی چراگاہ میں مدینہ کے اونٹ چر رہے تھے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے اونٹ بھی تھے ان پر کرز بن جابر فہری آیا اور ان کو بھگا لے گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے جھنڈا تیار کر کے علی رضی اللہ کے سپرد کیا اور باہر نکلے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر عامل مقرر کیا اور خود صحابہ کے ایک لشکر کے ساتھ نکلے اور وادی سفوان تک پہنچ گئے۔ یہ بدر کے نواح میں ایک مقام ہے اس واسطے سے اسے غزوہ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں جب وہاں پہنچے تو یہ خبر تصدیق ہو گئی کہ وہ وہاں سے گزر چکا ہے اور وہ ہاتھ نہ آیا۔ پس وہاں سے واپس مدینہ آگئے اور اسے بھی غزوات میں شمار کیا گیا ہے۔ اور بعض نے اسے غزوہ بدر اولیٰ کا نام

دیا ہے۔ اور روضۃ الاحباب کے حاشیہ پر جہاں غزوات کے عنوانات درج کئے گئے ہیں وہاں اسے غزوہ طلب کرز بن فہری نام لکھا گیا ہے۔ اور مواہب میں غزوہ عبداللہ بن جحش واقع ہوا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی کے لڑکے تھے اور زینب بنت جحش کے بھائی تھے۔ ان کے ساتھ دس آدمی اور ایک روایت کے مطابق کبار صحابہ میں سے بارہ شخص تھے جیسے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص' عکاشہ بن محصن' عتبہ بن غزوان' اور واقد بن عبداللہ تیمی وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم۔ اور اس سریہ میں عبداللہ بن جحش امیرالمومنین کا نام دیئے گئے اور وہ جو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے امیرالمومنین بنے وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام خلفاء میں سے جو سب سے پہلے اس نام اور لقب سے پکارے گئے وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام خلفاء میں سے جو سب سے پہلے اس نام اور لقب سے پکارے گئے وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں لغوی اور اصطلاحی معانی کے لحاظ سے۔

علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خط لکھ کر ان کے سپرد کر دیا اور حکم دیا کہ دو روز تک اس خط کو نہیں پڑھنا۔ جب دو دن گزر جائیں تو اسے کھول کر پڑھنا اللہ جانتا ہے کہ دو روز تک خط کے اخفاء میں کیا راز تھا۔ بالجملہ دو دن کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے وہ خط پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ مضمون یہ تھا کہ خدا تعالیٰ عزاسمہ کے نام اور برکت سے چلتے جاؤ اپنے ساتھیوں سمیت یہاں تک کہ تم بطن نخلہ (ایک مقام ہے) کے مقام پر ٹھہرو۔ اور وہاں پر کاروان قریش کا انتظار کرو۔ اور چاہیے کہ کسی آدمی کو اکراہ و جبر سے اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ جو کوئی چاہے تمہارے ساتھ چلے اور جو چاہے وہ واپس آ جائے جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خط کے مضمون کا پتہ چلا تو حکم کے مطابق بطن نخلہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جو عبداللہ کے ہمراہ تھے۔ جس اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے اسے گم کر بیٹھے اور عبداللہ بن جحش سے اجازت لے کر اونٹ تلاش کرنے چلے گئے حضرت عبداللہ جب بطن نخلہ پہنچے۔ وہاں قافلہ قریش کی گھات میں منتظر بیٹھ گئے ناگاہ طائف کی طرف سے قریش کا قافلہ اس مقام پر پہنچ گیا اور منقی اور چمڑا اور طائف کو دوسرا مال متاع لادا ہوا تھا کفار کے قافلہ میں عمرو بن الحضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھے اور وہ ماہ رجب کا پہلا دن تھا اور مسلمانوں کو شک ہوا کہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے۔ پس انہوں نے جلدی کی کہ رجب کا مہینہ نہ ہو جائے اور ماہ حرام کی ہتک لازم نہ آئے۔ پس اہل قافلہ پر چڑھ دوڑے اور واقد بن عبداللہ تیمی نے عمرو بن الحضرمی پر تیر مارا۔ اور اسے مار ڈالا۔ اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا باقی سب بھاگ گئے اور اس قافلہ کا سب سامان غنیمت میں آیا۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلا مال غنیمت تھا۔ اور پہلے قیدی عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان تھے۔ پس عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مال غنیمت اور قیدیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے۔

اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ مال اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے جدا کر دیا' اور ابھی تک خمس سے متعلقہ آیت نازل نہ ہوئی تھی جب مشرکین اور یہودی صورت حال سے آگاہ

ہوئے۔ تو زبان طعن دراز کی اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے ماہ حرام کو حلال بنالیا ہے۔ اور تاخت و تاراج کرنے اور خون بہانے کا حکم دے دیا ہے ماہ حرام میں۔ اور حرمت کی ہتک کی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اموال اور قیدیوں کا فیصلہ موقوف رکھا۔ اور فرمایا کہ کوئی شخص ان میں کسی قسم کا تصرف نہ کرے۔ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کہ میں نے تم کو یہ حکم نہ دیا تھا کہ ماہ حرام میں قتل کرنا۔ اس طرح سے ان کی سرزنش فرمائی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی سرزنش کی۔ چنانچہ عبداللہ بن جحش اور ان کے سب ساتھی اپنے کئے پر رنجیدہ اور پشیمان ہوئے اگرچہ یہ کام انہوں نے اشتباہ میں کیا تھا پھر بھی ان کا گمان تھا کہ حق تعالیٰ ان پر غضب فرمائے گا۔ اور امید رکھتے تھے ان کی توبہ قبول ہوگی اور ان سے درگزر فرمایا جائے گا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ **یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به و المسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل** الایہ اور اس آیت کا حاصل مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شہر حرام میں قتل گناہ ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اے کافرو! تم سے وہ گناہ سرزد ہوئے ہیں کہ لوگوں کو اسلام سے منع کرنا اور اسلام سے روگردان کرنا اور اطاعت گزاری اللہ تعالیٰ سے مانع ہونا اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا اور مسجد حرام میں مسلمانوں کو دور رکھنا اور اس مسجد سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور مومنوں کو نکال دینا یہ گناہ اس خطاء کے مقابلہ میں زیادہ بڑے ہیں جو کہ اہل سریہ سے ہوئی۔ اور وہ بھی شک و التباس پر مبنی تھی اور جن فتنوں کا ارتکاب تم کرچکے ہو یعنی شرک اور اخراج مومنین یہ ابن الحضرمی کے قتل اور ابن کیسان وغیرہ کو قیدی بنالینے سے بڑھ کر ہیں۔ پس تم کس منہ سے ان پر طعن تشنیع کرتے ہو اور اس میں ایک قسم کا احتزار پایا جاتا ہے مسلمانوں کی طرف سے۔ پس عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو رنج و غم سے نجات حاصل ہوئی اور انہیں خوشی حاصل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ مال غنیمت تقسیم کردیا جو اب تک موقوف رکھا تھا اور خمس حصہ قبول کرلیا۔ اور ایک روایت ہے کہ آنحضرت نے اسے غزوہ بدر کے مال کے ساتھ تقسیم فرمادیا جو کہ اس کے بعد واقع ہوا اور اس کے بعد اہل مکہ نے اپنے اسیروں حکم اور عثمان کے لئے فدیہ بھیجا تاکہ ان کو رہا کرائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میرے وہ دو صحابہ سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جو اونٹ کی تلاش میں گئے تھے سلامت واپس نہیں آجاتے میں قیدیوں کو رہا نہیں کروں گا۔ اور وہ اہل سریہ کے مدینہ آجانے تک ابھی نہ آئے تھے۔ وہ واپس آگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حکم کو دعوت اسلام دی اور وہ مسلمان ہوگیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ہی ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ وہ بیر معونہ کے روز شہید ہوگئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور کفر پر ہی مرا۔ **نعوذ بالله منه۔**

بدر کی وجہ تسمیہ:۔ اور ۲ھ کا بڑا واقعہ غزوہ بدر ہے۔ اس کو غزوہ بدر کبریٰ اور بدر عظمیٰ بھی کہتے ہیں اور بدر ایک مشہور بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ کے نام سے منسوب ہے جو کہ اس جگہ پر قیام پذیر ہوا تھا۔ اور بدر بن الحارث سے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک کنواں وہاں پر کھودا تھا اس کنویں کا پانی صاف تھا اس میں بدر نظر آتا تھا اور یا اس کا دائرہ

وسیع تھا اس لئے اس کے نام پر وہاں کی بستی کا نام بدر ہو گیا تھا۔

جنگ بدر:۔ اور غزوات میں سے یہ بڑا غزوہ ہے کہ اس سے دین کی عزت و شوکت اس سے روئے اسلام اور مشرف اور تبلیل ہو گیا۔ اور یوم الفرقان سے یہ ہی مراد ہے۔ کیونکہ اس سے حق اور باطل میں فرق ہو گیا یوم التقی الجمعان اور اس میں مسلمان اور کافر جمع ہوئے اور حق تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزیز کر لیا اور باوجود مسلمانوں کی قلت اور کافروں کی کثرت کے بنائے کفر کو پامال اور خراب کر دیا اور اسے توڑ دیا حالانکہ دشمنان دین کے پاس زیادہ سامان جنگ اور گھوڑے وغیرہ کثرت سے تھے اور وہ بڑے متکبر تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عزت عطا فرمائی اور اپنے دین کو قوی فرمایا۔ اور اس کے چہرہ جاہ و جلال کو تابانی بخشی اور شیطانی گروہ کو رسوا کر دیا۔ اور اس کے چہرہ کو سیاہ کر دیا اور مومنین بندوں پر احسان فرمایا اور فرمایا۔ **لقد نصر کم اللہ ببدر و انتم اذلۃ** تاکہ یہ جان لیں کہ مدد خدا کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ کثرت دشمن یا قلت سے۔ **وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم**

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس غزوہ کے لئے روانگی انیس ۱۹ھ بعد از ہجرت رمضان شریف کی بارہویں تاریخ کو ہوئی تھی اور بعض نے آٹھویں ۸ھ کا ذکر کیا ہے۔ اور سترھویں تاریخ کو جمعہ کے روز جنگ و قتل واقع ہوا اور بعض نے ہفتہ کا دن کہا ہے۔ اور مدینہ مطہرہ میں ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا اور اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کے انصار بھی نکلے تھے۔ اور اس سے قبل وہ کبھی نہ آئے تھے کسی غزوہ میں یا سریہ میں۔ کیونکہ بیعت عقبہ میں ان کا اقرار یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دشمنوں سے حفاظت کریں گے اور آپ سے انہیں باز رکھیں گے اور اپنے ملک میں کسی کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کوئی تعرض نہ کرنے دیں گے۔ اور اس غزوہ میں مسلمانوں کو کل تعداد تین سو تیرہ تھی۔ ان میں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار تھے اور وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں تھے وہ تین سو پانچ تھے۔ اسی آدمی مہاجرین سے اور باقی سب انصار تھے اور آٹھ شخص اور تھے جو کسی نہ کسی عذر کے باعث حاضر نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں مال غنیمت سے ان کا حصہ عطا فرمایا اور اہل سیر نے ان کو اصحاب بدر میں شمار کیا ہے۔ تین مہاجر تھے ایک عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنی زوجہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دختر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمار داری کی خاطر مدینہ شریف میں رہے۔ اور حضرت طلحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جو کہ مشرکوں کے قافلے کے تجسس میں گئے ہوئے تھے اور پانچ شخص انصار سے تھے۔ ان کے نام کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اور مسلمان فوج کے پاس سوائے تین گھوڑوں اور ستر اونٹوں اور چھ زرہوں اور آٹھ تلواروں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور دو دو یا تین تین مسلمانوں کو سواری کے لئے ایک اونٹ ملا تھا باری باری سواری کرنے کے لئے۔

اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھی سوار حضرت علی مرتضیٰ اور زید بن حارث رضی اللہ عنہما تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تھی۔ تو وہ کہتے تھے یا رسول اللہ آپ سوار ہوں اور

ہم آپ کے ہمرکاب پیدل چلیں گے۔ اس پر آنحضرت فرماتے تھے کہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو۔ اور میں اجر کے حصول میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔

اور مشرکوں کے پاس ایک ہزار یا نو سو پانچ سو پچاس جنگجو آدمی تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ایک ہزار سے کم اور نو سو یا پانچ سو پچاس جنگجو آدمی تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ایک ہزار سے کم اور نو سو سے زیادہ تھے نیز ان کے پاس ایک سو گھوڑے سات سو اونٹ یا اس سے بھی زیادہ تھے اور وہ بڑا کروفر اور شان و شوکت اور تکبر رکھتے تھے اور بڑا ساز و سامان ان کے ساتھ تھا۔ اور ان کے تمام سوار بلکہ پیادوں کی اکثریت بھی زرہ پوش تھے اور ان کے ساتھ بہت سی مغنیہ عورتیں بھی تھیں۔ اور عیش و طرب کا سامان بھی تھا۔ یہ کفار راستے میں جہاں بھی پانی آتا وہاں قیام کرتے وہاں پر عورتیں دفین بجاتیں اور گانے والے اہل اسلام کے خلاف طعن آمیز گانے گاتے۔ اور قریش کا ہر سردار ایک دن کا کھانا مہیا کرتا تھا اور روزانہ گیارہ اونٹ ذبح کرتے تھے۔ اور یہ واقعہ بدر مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی کوشش کے بغیر وقوع پذیر ہوا۔ اور آنحضرت کا قصد صرف قریش سے تعرض کرنا تھا۔

اور قریش کا عظیم قافلہ تھا جو شام سے آرہا تھا۔ اور اس میں قریش کا مال و اموال تھے۔ امیر قافلہ ابوسفیان تھا اور تیس سواروں کے ساتھ شام سے آرہا تھا۔ عمرو بن العاص بھی ان کے ساتھ تھا۔ حتیٰ کہ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ اے صحابہ! قافلہ آرہا ہے۔ اس کے ساتھ اموال کثیر ہیں اور دشمنوں کی تعداد قلیل ہے۔ ان کی طرف نکلیں شاید اس سے اللہ تعالیٰ تمہیں سامان عطا فرمائے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور فرمایا یا اللہ! یہ پیادہ ہیں ان کے سوار کردے اور یہ بھوکے ہیں ان میں سیر فرمادے یہ برہنہ ہیں ان کو کپڑے عطا فرما۔ یہ حقیر ہیں ان کو تونگر کردے اپنے فضل سے۔ پس اس سفر سے کوئی مسلمان شخص ایسا واپس نہ لوٹا جسے اونٹ کپڑے اور مال و متاع ہاتھ نہ لگا ہو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو بھیجا تاکہ وہ قافلہ کی کوئی خبر لائیں۔ پس وہ معلومات حاصل کر کے مدینہ منورہ کو واپس آئے۔ اور جب ابوسفیان اس مقام پر پہنچا وہاں سے اس نے لوگوں کو پوچھا کہ کوئی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیوں ان کے جاسوسوں کی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ دو شتر سوار فلاں فلاں مقام پر اترے تھے اور پھر جلدی سے چلے گئے تھے پس ابوسفیان اس مقام آیا وہاں پر اس نے اونٹوں کی مینگنیاں دیکھیں۔ انہیں توڑ کر دیکھا تو ان میں کھجوریں دیکھیں۔ اور کہا کہ خدا کی قسم ان اونٹوں نے یثرب کا پھل کھایا ہوا ہے۔ اور غالباً یہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے جاسوس تھے جو گشت پر تھے پس وہ بدر کو اپنے بائیں جانب چھوڑتے ہوئے ساحلی راستے سے مکہ کو روانہ ہوا۔ اور بڑی تیزی سے سفر کرنے لگے اور جب اس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کی اپنی طرف توجہ کے بارے میں سنا تو ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ جلدی سے بھیجا تاکہ اہل مکہ کو خبر دے کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہم پر چڑھائی کے قصد پر ہیں جس طرح بھی تم کرسکو جلدی سے مقابلہ کے لئے پہنچو اور اپنے اموال کو بچاؤ۔ پس ضمضم بن عمرو تمام

عجلت کے ساتھ مکہ پہنچا اور کفار کو خبردار کر دیا۔ جب ابو جہل لعین نے یہ خبر سنی کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کے ساتھی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی عمرو بن الحضرمی کا قافلہ ہی ہے۔ واللہ ایسے نہیں ہے۔

اور علماء نے فرمایا کہ ضمضم کے مکہ پہنچنے سے پہلے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا کہ ایک شترسوار آیا اور ابطح کے مقام پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کہا اے قریش کی جماعت! جلدی کرو۔ اور اپنے مارے جانے کی جگہ پر آجاؤ اور جب اس خواب کی خبر ابو جہل علیہ اللعنۃ کو پہنچی۔ تو عباس سے کہا اے ابوالفضل تم میں یہ عورت کب سے پیغمبر ہو چکی ہے۔ اور کہا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارے مرد پیغمبری کا دعویٰ کرتے ہیں جو اب عورتیں بھی دعوت نبوت کرنے لگی ہیں۔ میں تین دن تک صبر کروں گا اگر کوئی اس کا نتیجہ نہ نکلا۔ تو میں ایک خط تحریر کر کے چاروں طرف قبائل میں مشتہر کر دوں گا کہ اے بنو ہاشم تم سارے عرب میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے ہو۔ اور ضمضم غفاری سے بھی روایت کرتے ہیں کہ قافلہ سے جدا ہوا اور مکہ کو رخ کیا تو میں نے بھی خواب دیکھا کہ ایک اونٹ پر سوار ہوں اور خون سے بھرپور ایک وادی میں گزرتا ہوں۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے جان لیا کہ قریش کو بہت بڑی مصیبت پہنچے گی۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ ضمضم کے اس خواب سے بنو ہاشم بڑے خوش و مسرور ہوئے۔ کہ عاتکہ کے خواب کا یہ بھی ایک گواہ ہے۔

پس اہل مکہ نے بڑی جلدی سے تیاری کی۔ اور یہ مقرر کیا کہ مکہ میں جو بھی دو آدمی گھر کے ہوں ان میں سے ایک جنگ کے لئے چلے اور مکہ کے رؤسا تو سب کے سب تیار ہو گئے۔ کسی نے بھی توقف و تخلف نہ کیا۔ سوائے ابولہب کے اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن المغیرہ کو بھیجا۔ اور امیہ بن خلف جمحی بھی مکہ سے باہر نہ جانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس تک یہ خبر پہنچی تھی کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی تھی کہ امیہ بن خلف میرے یاروں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اور آنحضرت کی دی ہوئی خبر کو کفار بھی مصدقہ سمجھا کرتے تھے۔ پس ابو جہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ابو صفوان تم اہل وادی کے سردار ہو۔ جب لوگوں کو پتہ چلے گا کہ تم علیحدہ ہو گئے ہو تو تمام لوگ علیحدہ ہو جائیں گے اور ہم سر نہ ہو گی۔ ابو جہل نے اس قدر مبالغہ آرائی کی کہ وہ مکہ سے نکلنے پر راضی ہو گیا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ نے کعبہ پر ندا دی کہ اے اہل مکہ جلدی جلدی باہر نکلو اور اپنے اموال اور اپنے قافلے کو بحفاظت لے آؤ۔ اگر تم سے پہلے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ گئے تو ہرگز بہتری نہ ہو گی۔ پس ایک ہزار آدمی جنگجو باہر نکل آئے۔ اور بڑے غرور و تکبر اور کروفر اور ساز و سامان اور آلات غنا و طرب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جیسے کہ مذکور ہوا۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور قریش کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر دی۔ آنحضرت نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے دونوں گروہوں میں سے ایک کا یا قریش کا قافلہ اور یا خود قریش ایک صحابہ کو قافلہ زیادہ پسند تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے ساتھ قتل کے بارے میں کیوں نہ ذکر فرمایا تاکہ ہم اس کے لئے آمادہ ہو جاتے اور اس کا انتظار کر لیتے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ کارواں ساحل سمندر پر سے گزر گیا ہے۔ اب یہ ابو جہل ہے جو تمہارے سامنے آیا ہے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کارواں کو پکڑ لیجئے اور قتل کو

چھوڑ دیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب میں آگئے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بات کی اور بہت اچھی بات کی۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بات کی اور اچھی بات کی پس آنحضرت کو ان کی باتیں پسند آئیں۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی ان کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نظر فرمائیں اور اپنا کلام درست فرمائیں۔ اور اس کلام کو چھوڑ دیں پس خدا کی قسم اگر آپ عدن تک بھی چلیں تو انصار میں سے کوئی مرد آپ سے علیحدہ نہ ہوگا۔ پس رسول خدا نے اس کے لئے بھی دعائے خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقداد بن عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ جس جگہ پسند فرمائیں وہاں چلیں۔ ہم آپ کو اس طرح نہ کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ **اذھب انت وربک فقاتلا۔ انا ھٰہنا قاعدون** بلکہ ہم تو عرض کریں گے **اذھب انت وربک وانا معکم مقاتلون** خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم آپ کے ساتھ چلیں گے جس جگہ بھی آپ جائیں۔ اگرچہ برک غماد تک ہی آپ کیوں نہ جائیں اور وہ حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور اس کے بعد فرمایا۔ تمہارا اشارہ میری جانب ہے اور مقصود انصار سے خطاب تھا اور ان کے حال سے متعلق وضاحت و انکشاف شارحین نے اس کلام کی شرح میں کہا ہے کہ چونکہ انصار نے بیعت عقبہ میں کہا تھا کہ جب تک آپ یہاں ہیں ہم آپ کے عہد سے باہر ہیں۔ اور جب آپ ہمارے گھروں میں تشریف فرما ہوں گے ہم ہر اس چیز کو آپ سے باز رکھیں گے اور آپ کی حمایت کریں گے جیسے ہم اپنے آپ سے اور اپنی اولاد سے باز رکھتے ہیں۔ اس سخن سے یہ بو آتی ہے کہ ان کی حمایت آپ کے مدینہ میں ہونے کے ساتھ مخصوص ہے اگر کوئی دشمن آپ سے مدینہ کے اندر تعرض کرے۔ لیکن اب حال یہ تھا کہ معاملہ مدینہ سے باہر تھا لہٰذا ان کی حمایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شامل نہ ہے۔ اور یہ احتمال و وہم عبارت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کے حال کا کمل درجہ کا انکشاف ہے۔ اور ظاہراً اس طرح ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ آپ جب ہمارے دیار میں تشریف فرما ہوں گے تو ہم ہمیشہ آپ کی حمایت اور خدمت میں رہیں گے۔ پس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس طرح نہیں ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہم اس پر شہادت دیتے ہیں جو کچھ آپ خدا سے لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور یہ کہ اسے سن کر اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کا وعدہ وعید آپ کو ہم دے چکے ہیں۔ پس یا رسول اللہ! آپ جس جگہ بھی چاہیں جائیں ہمیں اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ سمندر میں بھی ہمیں اپنے ساتھ لے چلیں تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔ اور ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا ہمیں دشمن سے لڑنے میں کوئی عذر نہ ہے دشمن سے مقابلہ ہو گا تو ہم صابر و صادق رہیں گے امید ہے اللہ ایسا ہی کرے گا کہ آپ خوش ہوں پس آپ جہاں چاہیں ہمیں لے چلیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سعد بن معاذ کی یہ بات سن کر خوش ہوئے اور خوشی سے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر برکت و نصرت ہو اور تمہیں بشارت ہو کہ فتح و نصرت آپ کی ہو گی۔ تحقیق میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں میں سے

ایک کا وعدہ فرمایا ہے یعنی قافلہ قریش یا قوم قریش خدا کی قسم میں ان کی ہلاکت کی جگہوں کا ملاحظہ فرما رہا ہوں۔ اور آپ نے بدر میں قریش کی ہلاکت گاہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر ہاتھ رکھتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ یہ جگہ فلاں کے مرنے کی ہے اس جگہ پر فلاں قریشی مارا جائے گا اور اس مقام پر فلاں فلاں مارا جائے گا اور آپ مارے جانے والوں کا ایک ایک کا نام لیتے تھے۔ پس وہ عین اسی مقامات پر مرے جہاں پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ رکھا تھا۔

تنبیہ: صاحب مواہب الدینہ نے ابن سید الناس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عیوان الاثر میں لکھا ہے کہ ہم نے طریق مسلم پر روایت کیا ہے کہ یہ قول جو سعد بن معاذ سے روایت کیا گیا ہے اصل میں قول سعد بن عبادہ ہے۔ لیکن معروف یہ ہے کہ یہ قول جو سعد بن معاذ کا ہے۔ ابن اسحاق وغیرہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

اور علماء نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بدر میں موجودگی پر اختلاف کیا ہے ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے ان کا اصحاب بدر میں ذکر نہیں کیا اور واقدی' مدائنی اور ابن کلبی نے اہل بدر میں ان کا ذکر کیا ہے اقتسمی منقول ہے کہ جب قریش منزل جحفہ پر نزول کیا تو جہم بن الصلت بن مخرم وبن مطلب بن عبد مناف نے جواب میں دیکھا کہ ایک آدمی گھوڑے پر بیٹھا آرہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے اور کہتا ہے کہ عتبہ سعبہ اور ابو الحکم بن ہشام اور امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے چھری اونٹ کے گلے میں ماری اور لشکر قریش کا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہا کہ جس میں خون کا شوشہ نہ پڑا ہوا۔ جب اس واقعہ کی خبر ابو جہل کی پہنچی تو کہنے لگا کہ یہ دوسرا پیغمبر ہے جو بنی المطلب سے ہے۔ جلدی ان کو پتہ چل جائے گا کہ مقتول اصل میں کون ہے۔ جب کہ ایک دوسرے سے مقابل ہوں گے۔ **(کذا ذکر فی وضتہ الاحباب)**

اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشرکوں کے گروہ کا سردار ہمیشہ ہی بارگاہ نبوت کا منکر اور ہنسی اڑانے والا تھا۔ اور جلدی ہی یہ جان لے گا جیسے کہ اس نے اپنی پلید زبان سے کہا تھا کہ جان لیں گے کہ مقتول کون کون ہیں۔ یہاں تک کہ معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما جو عفرا کے بیٹے تھے۔ انہوں نے اس کو زخمی کر کے ذلت و خواری کی خاک پر گرایا۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ آکر اس کے سینہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اس کا سر تن سے جدا کر دیتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من الشقاوۃ**

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ ابو سفیان قافلہ کو خطرے کی جگہ سے آگے گذار لے گیا اور کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ تم اپنے قافلہ کی محافظت کے لئے مکہ سے نکلے تھے۔ جب قافلہ محفوظ ہو گیا۔ تو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعرض مت کریں۔ اور مکہ کے عقلمند مردوں اور عورتوں نے بھی ان کو خروج سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا اور عتبہ اور شیبہ بھی اسی طرف تھے اور عداس نصرانی جو کہ عتبہ اور شیبہ کا غلام تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا تھا۔ اس نے بھی کہا کہ اے میرے آقا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ان کے خلاف جنگ پر مت جاؤ اور انکا سابقہ مستو معمول بھی اس سے مانع تھا۔ لیکن وہی ابو جہل تھا کہ اس کو خون چڑھا ہوا تھا۔ وہ اس فتنہ سے باز نہیں رہتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم محمد صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے سے نہیں رہیں گے اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم کہ ہم واپس نہ جائیں گے جب تک کہ میدان بدر میں تین دن قیام نہ کریں۔ اونٹ ذبح کر کے عیش و عشرت نہ کرلیں اور وہاں شراب پئیں گے اور گانے سنیں گے۔ تاکہ ہمارے عظمت و شوکت کا چرچا اطراف عرب کے قبائل میں ہو جائے اور اس کے بعد وہ ہمیشہ ہم سے خوفزدہ رہیں گے۔

اور میدان بدر میں عرب کے موسموں میں سے ایک موسم میں ایک بار لوگ ہر سال اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ اور اس لعین نے تو زبان قال سے بات جو کی تھی وہ زبان حال میں حقیقتاً یہ تھی کہ ہم واپس نہ جائیں گے جب تک کہ میدان بدر میں نہ پہنچ جائیں۔ اور فسق و فجور اور فساد کو کفر و شرک کے ساتھ مجتمع نہ کرلیں۔ اور خاک ذلت پر نہ سولیں۔ اور جہنم میں چلے جائیں تاکہ ہماری بری عاقبت اور شقاوت حال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں دائم اور باقی رہے اور اہل عالم اس سے عبرت حاصل کریں۔ **نعوذ باللہ من سوء العاقبۃ**. اور ابو سفیان باوجود اس کے کہ اس نے قریش کو بدر پر جانے سے منع کیا تھا۔ جب اس نے قافلہ کو مکہ میں پہنچالیا تو فوراً واپس مڑا اور قریش کے لشکر میں پہنچ گیا۔ اور معرکہ بدر میں زخمی ہو کر بھاگ گیا اور بروقت ہزیمت یہ کہتا تھا کہ میں نے اس مقام سے منکر تر مقام کوئی نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم ابو جہل بڑا نامبارک (یعنی منحوس) ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بدر کے قریب آکر قیام پذیر ہوئے اور دوسری جانب قریش آٹھہرے۔ جس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں آیا ہے۔ **انا انتم بالعدوۃ الدنیا وھم بالعدوۃ القصویٰ** اور عدوی کے معنی شط وادی ہیں اور دنیاء دنو سے یعنی مدینہ کے قریب اور قصویٰ کا معنی ہیں مدینہ سے دور۔ پس مسلمانوں نے عدوہ دنیاء میں نزول کیا مدینہ کی جانب اور کفار کا نزول عدوہ قصوئی میں تھا مکہ کی طرف اور جس جانب مسلمانوں کا نزول ہوا وہ ریگستان تھا اس میں آدمیوں کے پاؤں اور جانوروں کے سم گھٹنوں تک دھنس جاتے تھے اور ان پر پیاس کا بھی غلبہ تھا اور جس جانب کافروں نے پڑاؤ کیا تھا اس طرف پانی کی ایک جگہ تھی۔ انہوں نے گھڑے کھود کر ان میں پانی لا بھرا تھا۔ اور مسلمانوں نے جنابت وحدث کی حالت میں رات گزاری صبح ہوئی شیطان نے وسوسہ ڈالا۔ کہ تم یہ گمان نہ کرو تم حق پر ہو اور تم میں خدا کا پیغمبر ہے اور کہ تم خدا کے دوست ہو۔ اور اس وقت مشرک پانی پر غالب آگئے ہیں اور تمہاری جان تشنگی سے لبوں پر آگئی ہے۔ اور محدث اور جنبی بھی ہو اور دشمنوں کا خیال ہے کہ تم پیاس سے کمزور ہو جاؤ اور جس طرح وہ چاہے تمہیں ختم کر دے پس خدا تعالیٰ نے وہاں بارش بھیج دی۔ بارش برسی تو سب پانی سے سیراب ہوئے۔ غسل کئے اور وضوء کئے۔ اونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھی بھر لئے۔ اور جو ریتلی زمین تھی وہ پختہ ہو گئی اور کفار کی جانب سخت زمین پر کیچڑ اور دلدل ہو گئی۔ پس شیطانی وسوسہ دفع ہو گیا اور اطمینان حاصل ہوا۔ اسی کے متعلق اللہ سبحانہ کا ارشاد خبر دیتا ہے۔ **وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم ویذھب عنکم رجز الشیطان الایہ**۔

اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دوستوں کے ساتھ میدان بدر میں چکر لگایا اور آپ اپنا ہاتھ زمین پر رکھتے تھے اور مشرکوں کو موت وہلاکت کی جگہ متعین فرمادیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ فلاں اور فلاں کی ہلاکت گاہ

ہے۔ اور سب کی ہلاکت کی جگہ متعین فرمادی اس طرح سے جب مشرک مرے تو ان جگہوں سے انچ بھر ادھر ادھر نہ تھے۔ جیسے کہ اس سے پہلے انصار کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے لئے ایک عریش بنا دیتے ہیں۔ تاکہ آپ اس پر قیام فرمائیں اور عریش وہ چھپر یا کھٹیہ ہوتی ہے جو باغوں میں لکڑی اور پتوں سے بنایا جاتا ہے اور اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں اور زیادہ تر وہ کھجور کی لکڑی اور پتوں سے بنایا جاتا ہے اور نہایا میں کہا گیا ہے۔ **العریش کل ما یستظل به** اور جیسے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی مسجد شریف کے باب میں فرمایا کہ پروردگار تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ عریش موسیٰ علیہ السلام کی طرح کا عریش بناؤں۔ اور مسجد شریف بھی ابتدائے حال میں کھجور کی لکڑی اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ نیز یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ عریش سے باہر موجود تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محافظت کر رہے تھے نیز آیا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ عریش میں رہیں اور آپ کی سواری آپ کے پاس مہیا رکھتے ہیں اور ہم جنگ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر خداوند تعالیٰ ہمیں غلبہ و فتح عطا فرمائے تو فبہا۔ اور اگر دوسری صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوں اور مدینہ میں جو ہمارے ساتھی ہیں ان کے پاس چلے جائیں کیونکہ آپ کی محبت میں وہ ہم سے کم نہیں ہیں۔ اور انہوں نے اگر جانا کہ قضیہ جنگ پر ہی انجام پذیر ہوگا تو وہ آپ سے علیحدہ نہ ہوں گے۔ اور آج وہ آپ کے نہایت مخلص اور ہمدرد ہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سعد کے حق میں دعائے خیر فرمائی پس آپ کے لئے عریش بنایا گیا۔ آج کل اس عریش (جھونپڑی) کی جگہ مسجد بنادی گئی ہوئی ہے جیسے کہ دیگر آثار شریف کے ساتھ مساجد تعمیر شدہ ہیں۔ پس لشکر کفار ظاہر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو دیکھا تو دعا مانگی۔ یا رب! یہ قوم قریش بڑے تکبر سے یہاں پہنچی ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ تجھ سے اور تیرے رسول سے جنگ کریں اے خدا! میں تیری نصرت کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا لشکر بھی آگیا۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ قریش نے اپنا ایک آدمی بھیجا تاکہ دیکھے کہ لشکر اسلام کس قدر ہے۔ اس نے سوار ہو کر مسلمانوں کے لشکر کے گرد چکر لگایا۔ اور کہا کہ تین سو آدمی ہوں گے۔ کم و بیش۔ اطراف و جوانب کو بھی دیکھا۔ لیکن کوئی آدمی نظر نہ آیا اور کہا اے گروہ قریش لیکن میں نے بلاؤں کو دیکھا ہے جو کہ موتوں کو اٹھائے ہوئے تھے اور میں دیکھتا ہوں کہ یثرب کے اونٹوں پر زہر قاتل لدا ہوا ہے یعنی کہ ان سے جنگ کرنا تمہاری ہلاکت ہو گی۔ جب تم مارے گئے تو تمہارے پسماندگان کی کیا زندگی ہوگی۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ واپس چلے جاؤ اور جنگ سے باز رہو۔ حکیم بن حزام جو کہ اس وقت کافروں میں تھا جب اس نے یہ بات سنی۔ تو وہ عتبہ کے پاس گیا اور کہا اے ابوالولید! تم قریش سے بزرگ اور پیشوا ہو۔ کیا تو چاہتا ہے کہ رہتی دنیا تک تمہارا ذکر خیر باقی رہے۔ عتبہ نے کہا اے حکیم کیا کرنا چاہیے۔ اس نے کہا کہ قریش کے لوگوں کو واپس موڑ دو۔ اس نے کہا مجھے قبول ہے۔ اور کہا کہ ابوجہل کے پاس جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ تو کچھ کر سکتا ہے کہ واپس چلا جائے اور لوگوں کو بھی واپس لے چلے۔ پس ابوجہل کے پاس گیا اور عتبہ کا

پیغام پہنچایا۔ ناگاہ ابوجہل عتبہ کے پاس آیا اور کہا انتفخ سحرک اس میں عتبہ کی بزدلی کی طرف اشارہ ہے۔ اور بزدلی کی جانب بھی عتبہ نے کہا کہ نزدیک ہے کہ معلوم ہو جائے کہ کون بزدل ہے اور کون برباد ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ عتبہ نے ابوجہل سے کہا کہ اے سفید کی ہوئی دبر والے تو مجھے سرزنش کرتا ہے کہتے ہیں کہ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ کے چوتڑوں پر برص کا سفید نشان تھا اور اسے زعفران سے رنگ کرتا ہے

اور جب لشکر اسلام آیا تو انہوں نے اپنی صفیں برابر کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں دشمنوں پر حملہ نہ کرنا۔ اور اگر وہ تمہارے نزدیک آئیں تو ان کو تیر مارو۔ لیکن بڑے صرفہ سے تیر ماریں تاکہ تیر ختم نہ ہو جائیں۔

حکایت:۔ اس مقام پر علماء نے ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی صفوں کو درست کرتے تھے۔ ہاتھ میں ایک لکڑی پکڑی ہوئی تھی۔ آپ ایک صحابی سواد بن غزیہ کے پاس بڑے خوش طبعی کی کیفیت میں پہنچے۔ وہ قطار سے کچھ آگے نکل ہوئے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ لکڑی اس کے سینہ پر لگائی۔ اور فرمایا۔ استوایا سوادا یعنی اے سواد برابر ہو جاؤ ٹھیک طرح ہے۔ حضرت سواد نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے مجھے ضرب ماری ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ عدالت و انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے قصاص دیں۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر کپڑا اٹھا دیا اور فرمایا کہ قصاص لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ اپنا منہ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا اور بوسہ دیا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ آخری وقت ہے اور اس وقت میں شہید ہو جاؤں گا۔ چاہتا تھا کہ آخر عمر میں میرا جسم آپ حضور کے جسم اقدس سے مس کر جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حق میں دعائے خیر دی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

پس سب سے پہلے جو لشکر کفار سے باہر آئے وہ ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے۔ اور انہوں نے اپنا مقابل طلب کیا۔ لشکر اسلام سے بھی تین شخص نکلے۔ عوف اور معاذ جو کہ حارث کے بیٹے تھے۔ اور عبداللہ بن رواحہ۔ کفار نے کہا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم انصار سے ہیں۔ وہ کہنے لگے ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بیٹے اور چچا آئیں۔ اور ان میں سے ایک نے آواز دی۔ اے محمد! ہمارے مقابلے پر ہماری قوم (قریش) کے لوگوں کو بھیجو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اٹھو اور مقابلہ کرو۔ پس وہ تینوں آگئے اور مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ کفار نے کہا کہ ہاں تم ہمارے مناسب ہو۔ مقابلہ شروع ہو گیا۔ عبیدہ عمر رسیدہ تھے۔ اسی سال سے تجاوز کر رہے تھے انہوں عتبہ کا مقابلہ کیا۔ حمزہ شیبہ کے مقابل ہوئے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس آیا ہے۔ اور حضرت علی ولید بن عتبہ کے مقابل ہوئے پس علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا۔ اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مقابل کو مار ڈالا۔ عبیدہ اور اس کے مدمقابل نے ایک دوسرے پر ضرب لگائی۔

عبیدہ کو گھٹنے پر زخم آیا۔ حضرت حمزہ اور علی ان کی طرف لپکے اور عبیدہ کے مقابل کو قتل کرنے میں ان کی مدد کی اور قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے رضی اللہ عنہم۔ ان کی پنڈلی سے مغز بہ رہا تھا۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا شہید نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں تم شہید ہو۔ پوچھا اس واسطے تھا کہ انہوں نے کمٹ کیا لیکن بالفعل جان نہ دی تھی۔ اور فقہاء کو اس صورت میں اختلاف ہے۔ جیسے کہ کتب فقہ میں مذکور ہے اور بدر سے واپسی کے وقت وادی صفراء یا روحا میں انہوں نے انتقال فرمایا اور اسی جگہ پر مدفون ہوئے رضی اللہ عنہ۔

قتل ابو جہل:۔ اور حضرت معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما دو بھائی تھے عفرا کے بیٹے۔ وہ ابو جہل کو ڈھونڈ رہے تھے جب انہوں نے اس کو دیکھ لیا۔ تو وہ دو بازوں کی طرح اپنی جگہ سے اس پر جھپٹے۔ اور اسے تلواروں سے مارنے لگے اور اسے سواری سے گرا دیا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے تلوار ماری اور اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دی اور ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخم لگایا اور میرا بازو کٹ گیا کندھے سے۔ اس طرح کہ میرے پہلو میں لٹکنے لگا۔ اس کے باوجود میں جنگ کر رہا تھا۔ آخر تنگ آکر میں نے اس لٹکتے بازو کو اپنے پاؤں تلے لے کر کھینچا اور اسے پہلو سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد معوذ بن عفراء نے ابو جہل کو ضرب ماری اور اسے نیچے پھینک دیا۔ لیکن ابھی اس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے ابو جہل کے مارے جانے کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے دونوں ہی علیحدہ علیحدہ مدعی ہوئے کہ میں نے مارا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں عرض کیا کہ نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی تلواروں پر نظر ڈالی۔ اور فرمایا کہ تم دونوں نے اسے جہنم رسید کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ ابو جہل کا سلمان معاذ کا ہو گا۔

اور منقول ہے کہ باوجود اس زخم کے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ زمانہ عثمان رضی اللہ بن عفان تک زندہ رہے۔ اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ نے ابن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی خدمت میں آئے اور ان کا بازو پہلو میں لٹک رہا تھا کھال کے ساتھ۔ پس آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک اس کو لگایا پس وہ بازو ان کے بدن کے ساتھ چپک گیا اور درست ہو گیا۔ پس وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔ اور علماء کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاذ کو ابو جہل کا سلمان لے لینے کا حکم اس لئے فرمایا کہ وہ اس کے زخمی کرنے سے گرا تھا گو زخمی کرنے میں دونوں شامل تھے اور آنحضرت کا یہ فرمانا کلا کما قتلتماہ دوسرے کا دل خوش کرنے کے لئے تھا اس حیثیت سے اسے بھی قتل ابو جہل میں مشارکت حاصل ہے۔ لیکن جہاں تک قتل شرعی کا تعلق ہے۔ کہ کون قاتل تھا تو معاذ کا فعل ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ معوذ بھی شریک ہو گئے۔ یہ ان کی تلواروں کو دیکھنے سے معلوم ہوا۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو دیکھا کہ ابھی اس میں زندگی کی رمق ہے۔ پس اس کا سر کاٹ دیا۔ جیسے کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ کون ہے جو جائے اور ابو جہل کے بارے میں خبر لائے پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے۔ اور دیکھا اس کو عفراء کے بیٹوں نے اسے مارا ہے اور اس کو ٹھنڈا کر دیا

ہے پس وہ ابن مسعود ابو جہل کے سینہ پر بیٹھ گئے اور اس کی پلپلی ریش کو پکڑا اور کہا کہ کیا تو ہی ابو جہل ہے۔ اخزاک اللّٰہ یا عدو اللّٰہ ابو جہل نے کہا کہ اس سے زیادہ نہیں ہوا کہ ایک مرد کو اس کی قوم نے مار دیا۔ کاش کہ مجھے کوئی غیر دہقان آدمی قتل کرتا۔ دہقان سے اس کی مراد انصار مدینہ تھی۔ کیونکہ وہ اہل زراعت تھے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ ابو جہل کو اس امت کا فرعون کہا جاتا ہے لیکن اصل میں وہ فرعون سے بھی بدتر تھا۔ وہ اس لئے کہ فرعون جب غرق ہوا تو جان گیا کہ اس نے برا عمل کیا ہے اور غلطی کا اعتراف کر لیا۔ لیکن یہ بدبخت آخر حال تک اس طرح رہا کہ خوار اور زار زمین پر پڑا تھا پھر بھی تکبر کرتا تھا لعنۃ اللہ علیہ۔ پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس منحوس کا سر کاٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ پس آنحضرت نے فرمایا۔ الحمد للّٰہ الذی اخزاک یا عدو اللّٰہ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سجدہ شکر بجالائے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے فقہا کرام حدوث نعمت متجددہ اور مکروہ بلیات کے دفعیہ پر سجدہ شکر کے استحباب کے قائل ہوئے ہیں۔

اور علماء کرام میں نماز کے علاوہ سوائے سجدہ تلاوت کے دوسرے سجدوں کے بارے میں مشروعیت میں اختلاف ہے جیسے کہ سجدہ شکر اور سجدہ مناجات۔ جمہور علماء اور احناف اس کے قائل نہیں ہیں۔ اور جو اس حدیث میں آیا ہے اس سے سجدہ نماز مراد لیتے ہیں۔ ایک روایت دیگر کے مطابق یہ ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔

اور مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لڑائی میں آدمیوں کو ایک دوسرے سے الجھے دیکھا اور کافروں کی کثرت اور اپنے اصحاب کی قلت کو دیکھا تو عریش میں آگئے اور قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھالئے اور پروردگار کے سامنے سوال و مناجات میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ عریش میں سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت مانگتے تھے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ اور عرض کرتے تھے اے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اور کہتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ اگر تو نے اس جماعت اسلام کو ہلاک کر دیا۔ تو کوئی بھی اس زمین پر تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا اور دعا میں آپ نے اس قدر الحاح و عاجزی کی کہ آپ کے کندھے مبارک سے آنجناب کی چادر مبارک بھی گر گئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر آنجناب کے دوش پر رکھی اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! اب آپ الحاح و سوال کرنا بس فرمادیں کافی ہے اسی قدر کہ جتنا آپ نے اب تک سوال و الحاح کیا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب تھے۔ اور نماز میں دعا بھی فرمائی اور کہا اے خداوندا! مجھے نیچا نہ چھوڑنا اور اپنا وعدہ پورا فرما۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں بدر کے دن قتال کر رہا تھا اور ہر بار آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آتا تھا عریش میں اور ان کو دیکھتا تھا کہ سجدہ میں یہ فرماتے تھے۔ یا حی یا قیوم۔ برحمتک استغیث اور آیا ہے کہ آنحضرت حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ عریش میں تھے۔ اچانک آنحضرت پر ہلکی سے نیند طاری ہوئی۔ پس آپ تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اور فرمایا۔ اے

ابوبکرا خدا کی نصرت آپہنچی ہے یہ کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آئے۔ اور ان کے اگلے دونوں دانت گرد آلود تھے اور آپ عریش سے باہر نکلے لوگوں کو جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے اور فرمایا کہ جو کوئی کسی کافر کو مارے گا اس کافر کا مال اسی کے لئے ہوگا۔ قسم ہے مجھے اس خدا کی جس کے دست قدرت میں محمد کی بقائے حیات ہے کہ جو کوئی بھی ثواب کی خاطر اور رضائے حق کے حصول کے لئے جنگ کرے۔ اگر اس میں وہ مارا جائے گا تو اسی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ بہشت میں ہوگا۔ اس وقت عمر بن الحمام اپنے ہاتھ میں چند کھجوریں لئے کھا رہے تھے۔ کہنے لگے خوشی کی بات ہے کہ اب میرے اور بہشت کے درمیان کوئی واسطہ باقی نہ ہے سوائے اس کے کہ میں کفار کے ہاتھوں مارا جاؤں۔ پس انہوں نے اپنے ہاتھ کھجوریں پھینک دیں۔ اپنی تلوار کو پکڑا اور کافروں پر لوٹ پڑے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

تنبیہہ :۔ روضۃ الاحباب میں آنحضور کی مناجات والی حدیث اور دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال و الحاح کے بارے میں اسی قدر مذکور ہے اور اس میں شارحین کو طویل کلام ہے اور یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ کس طرح جائز ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت کو دعا میں سوال و الحاح کرنے سے باز رکھنے کا امر کرنے کا اقدام کرتے ہیں اور آنجناب کی امید کو تقویت دیتے ہیں اور ان کے یقین کو مزید مضبوط بناتے ہیں۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام احمد و ارفع اور اجل و اطلاہے۔ اور آنجناب کا یقین بھی سب کے یقین سے بڑھ کر ہے۔ اس کا چکر بوجوہ جواب دیتے ہیں۔ امام سہیلی نے کہا ہے کہ حضرت صدیق اس وقت مقام رجا میں تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام خوف و شہود میں تھے۔ کیونکہ اللہ پروردگار جو چاہے وہ کرتا ہے۔ اور آنحضرت کو خوف تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جائے گی۔ پس آپ کا وہ خوف عبادت ہو گیا اور یہ آپ کا ایک کمال تھا نہ کہ نقص۔ اور خطابی کہتے ہیں کہ کسی کو یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر فوقیت رکھتے تھے۔ بلکہ آنحضرت کا وہ فعل ان کے صحابہ پر شفقت اور ان کے لئے تقویت قلوب کا باعث تھا پس آپ نے توجہ اور دعا اور الحاح اور ابتہال میں مبالغہ فرمایا۔ تاکہ سکون و آرام حاصل ہو جائے صحابہ کو اور ان کے دلوں کو ثابت قدمی اور تقویت حاصل ہو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت کی دعا اور سوال ہمیشہ مستجاب ہے۔ لہٰذا جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ جو کچھ کہ عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک گئے اور جان لیا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ اس لئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے دل میں طمانیت اور قوت حاصل ہو گئی۔ لہٰذا آپ نے اس کے بعد یہ فرمایا۔ سیہزم الجمع ویولون الدبر اور آنحضرت اس وقت مقام خوف میں تھے۔ اور وہ اکمل حالات صلوۃ ہوتا ہے۔ اور آنحضرت کے روبرو یہ جائز تھا کہ اس روز نصرت الٰہی واقع نہ ہو کیونکہ اس کی نصرت کا وعدہ اس واقعہ کے لئے معین نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو مجمل تھا۔ خطابی کہتے ہیں کہ یہ ہے جو کہ ظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہ جو کہ آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد تیری کوئی عبادت نہ کرے گا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اگر آپ ہلاک کر دیئے گئے اور آپ کے ساتھی بھی۔ تو آپ کے بعد کوئی دیگر نبی مبعوث نہ ہوگا اور نہ کوئی ایمان و عبادت کی دعوت دے گا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا میں شدت اجتہاد اور آپ کی مشقت اس لئے تھی کہ آپ نے دیکھا کہ مسلمان موت کے بارے میں سوچتے ہیں اور فرشتے بھی قتال میں کھڑے ہوئے ہیں۔ پس آپ نے چاہا کہ خود بھی تیز اجتہاد فرمائیں اور جہاد دو قسم کا ہوتا ہے ایک جہاد بالسیف اور دوسرا جہاد بالدعا اور سنت یہ ہے کہ امام لشکر سے وراء رہتا ہے اور ان کے ساتھ قتال نہیں کرتا۔ پس سب ہی جدوجہد اور اجتہاد میں لگے تھے۔ آپ نے چاہا کہ ان دو قسم کے اجتہاد سے باز رہ کر راحت میں نہ رہیں یہ سب کچھ صاحب مواہب الدینہ نے نقل کیا ہے۔ قائل اس مقام پر کلام ہے بالکل مناسب مقام پر۔ یعنی کہ سیدی احمد رزوق جو محققین علماء صوفیہ اور مغرب کے مشاہیر مشائخ میں سے ہیں۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ مقام الوہیت کے ادب کی رعایت سے ایک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے وعدہ کے صدق و وثوق کے باوجود یہ اعتقاد واجب ہے کہ اس اللہ تعالیٰ کی ذات پر کوئی حق واجب نہ ہے۔ اور ان دو اصل اور دو قاعدوں کا اعتبار اور ان کے درمیان تطبیق یہ ایک واجب طریقہ ایمان ہے۔ پس اگر قبولیت کا وعدہ معین وقت میں نہیں ہے تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں اور اگر معین وقت پر بھی ہوا ہو اور اس معود کی اجابت اس وقت میں واقع نہیں ہوئی۔ تو بھی صدق وعدہ میں شک و تردد نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وقوع وعدہ کا تعلق اسباب و شرائط سے ہو۔ جن سے کہ وہ دانائے مطلق عزشانہ متاثر و مخصوص ہو اور بندہ کو اس کی طرف سے اس کے متعلق اطلاع نہ دی ہو۔ ولا یحیطون بشئی من علمه الا بما شاء اور اللہ پر یہ واجب نہ ہے کہ جو کچھ اس کے علم میں ہے اسے قیود اور شروط کے ساتھ بیان فرمائے۔ اور بندہ کو اس پر اطلاع بخشے اکثر اوقات اس طرح ہے کہ اس کی حکمت بالغہ اخفا اور کتمان کا تقاضا کرتی ہے۔ بندہ کی نظر میں اس کی ربوبیت کی سطوت و شان کے لحاظ سے اور بندہ پر عبودیت کے احکام کے تقاضہ کے پیش نظر جس طرح کہ ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیه الصلوٰة الملک الجلیل نے ادب کا لحاظ رکھا کہ پہلے اپنی قوم سے کہا کہ والا اخاف ماتشرکون به اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ رسولوں کو کوئی خوف نہ ہے اور کہ دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی پس اسے استثنا کیا اور فرمایا۔ الا ان یشاء ربی شیئا اس کے بعد فرمایا۔ وسع ربی کل شئی علما وعدہ صادق پر عدم وثوق کے وہم کے دفعیہ کے لئے اور تحقیق اللہ تعالیٰ کے علم پر نظر رکھتے ہوئے یعنی یہ کہ استثناء کیا ہے لیکن میں نے استثناء اس لحاظ سے نہیں کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر وثوق و یقین نہیں رکھتا جو اس نے کیا ہوا ہے کہ رسولوں پر دشمنوں کا غلبہ اور تسلط نہ ہوگا بلکہ ذات باری تعالیٰ کے علم کی طرف دیکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور حق ادب بجالاتے ہوئے کیا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور مبشرین کا خوف حکم لاابالی کے خوف کے باعث ہوتا ہے۔ نہ کہ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر عدم وثوق کے باعث۔ فافہم۔

اسی طور پر شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ وما یکون لنا ان نعود فیها اور ہرگز ایسا نہیں ہے اور نہ ہی یہ لائق ہے کہ ہم تمہاری ملت میں آئیں جو کہ کفر ہے۔ پھر فرمایا الا ان یشاء ربی وسع ربی کل شیئی علما جس طرح کہ تقریر پذیر ہوا۔ اور اسی طرح استلاع علم الٰہی کی جانب توجہ اور رجوع کے لحاظ سے تھا۔ کہ سید المرسلین صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے روز فرمایا۔
اللهم ان اهلکت هذه العصابته لن تعبد علی وجه الارض اور اس وقت حضرت ابوبکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر پہنچ گئے اور عرض کیا۔ **هل یارسول الله منا شدبک فان الله منجز لک ما وعدک** امام ابوحامد غزالی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال اتم اور اکمل ہے۔ مراد یہ کہ وہم نہ کیا جائے اور نہ اس کی گنجائش ہے کہ وعدہ حق پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ وثوق ویقین تھا۔ حاشا وکلا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک تو اس وقت مقام ادب ایبہ میں اور اس کے اتساع علم پر تھی اور اللہ تعالیٰ کی الا ابالیت کا خوف تھا۔ اور معرف صفات حق اور ملاحظہ حقیقت کے لحاظ سے یہ مقام اعلیٰ وارفع ہے۔ اور ابوبکر صدیق رضی کی نظر ظاہر حکم شریعت پر تھی جو کہ وعدہ حق کی صدق وسچائی میں واقع ہے۔

اور اسی طرح حق جل وعلا نے روز احد اور روز احزاب وعدہ فرمایا تھا۔ اور جنگ حنین اور مکہ میں دخول کے وقت بھی۔ اور اس کی شرائط کی پنہاں رکھا۔ اور ان معانی میں دو مثالیں انبیاء علیہم الصلوت اللہ وسلامہ کے حالات میں بلا کے نزول کے وقت اور دشمنوں کے خلاف جہاد میں واقع ہیں اور یہی راز ہے جو کہ پہلے کہا جاچکا ہے۔

اور بالجملہ یہ کہ جس طرح اللہ کریم سبحانہ کے وعدہ میں اللہ تعالیٰ کا عدم اتہام واجب ہے اسی طرح اس کے نزدیک اس کے فعل حکمت میں بھی لازم ہے۔ اول اس کی حکمت کی رو سے اور دوسرا اس کے قہر کی رو سے اور قدود بھی قہر ہوتا ہے۔ نیز بارگاہ رب العزت کے مقربوں کا حال بھی مقام معرفت پر اسی طرح ہوتا ہے۔ کہ **لا یسئال عما یفعل ولا یعترض علی ما یقول یفعل الله ما یشاء ویحکم ما یرید**

اور روایت میں آیا ہے کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ یعنی لشکر اسلام اور لشکر کفر۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگریزوں کی ایک مٹھی بھری اور کافروں کے منوں پر پھینکی اور فرمایا۔ شاہت الوجوہ (ان کے چہرے برے ہو گئے) اور کوئی ایک مشرک بھی ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں میں اور دونوں نتھنوں میں وہ سنگریزے نہ پڑے ہوں۔ اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور ان کے سرداروں میں کئی مارے گئے اور کئی قیدی بنائے گئے۔

اور صاحب مواہب الدینہ نے کہا ہے کہ آیہ کریمہ۔ **وما رمیت اذ رمیت ولا کن الله رمی** اسی روز بدر کے بارے میں ہی نازل ہوئی جو آنحضرت نے کنکروں کی مٹھی ماری تھی۔ اگرچہ آپ نے اس طرح غزوہ حنین کے روز بھی کیا تھا۔ جیسے آئندہ انشاء اللہ ذکر آئے گا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ایک جماعت نے اس سے یہ اعتقاد قائم کیا ہے کہ اس سے مراد ہے بندوں کا اس فعل کا سبب ہونا اور اس کی کامیابی پروردگار تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بندوں کی طرف اسناد افعال کے جبر و ابطال کے مذہب پر دلیل گردانی ہے۔ اور اصل میں فہم قرآن میں اس جماعت کا یہ قول غلط ہے اور اگر اسی طرح ہی ہو تا تو فعل رمی کی تخصیص کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی اسی طرح تسلیم کرنا پڑ جائے گا۔ **وما صلیت اذ صلیت ولکن الله صلی** اور **وما صمت اذ صمت ولا کن الله صام** اور اگر یہی اصول ہم بندوں کے تمام افعال اور طاعات اور

معاصی میں قائم رکھیں تو یہ صریح گمراہی ہوگی اور اگر صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال تک ہی محدود رکھیں تو بھی یہ غلط ہوگا بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ فعل نبی نہیں ہوتا ہے بلکہ فعل خدا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا برخلاف اس کے دوسرے افعال کے کیونکہ وہ بندہ کے کئے ہوئے فعل ہیں اور اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور معجزہ میں بھی بندہ کا کسب نہیں ہے۔ پس اس آیت کے یہ معنی ہیں ما رمیت اذ رمیت کسبا کیونکہ یہ بھی تمام افعل میں جاری ہے۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس کا مبداء تجھ سے ہے اور اس کی نہایت خدا سے ہے۔ اور اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ قول قدسی ہے:

فلم تقتلوهم ولا كن اللّٰه قتلهم فافهم و باللّٰه التوفيق

عکاش بن محصن اسدی کا واقعہ:۔ اور روایت کی ہے ابن اسحاق نے کہ عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں اپنی تلوار سے قتل وغارت کر رہے تھے کہ ان کی تلوار ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک لکڑی پکڑائی جو کہ آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا کہ اس کے ساتھ قتل کرو۔ پس عکاشہ کے ہاتھ میں وہ لکڑی تلوار بن گئی جو کہ لمبے قد کے اور سخت پشت والی اور سفید لوہے کی تھی۔ پس وہ اس کے ساتھ قتل کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اور اس تلوار کا نام عون رکھ دیا گیا اس کے بعد ہمیشہ وہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور اس وقت بھی وہ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔

جنگ بدر میں ملائکہ کی حاضری اور قتل:۔ وصل:۔ اور غزوہ بدر اعظم کے فضائل میں سے فرشتوں کا آنا اور قتل کرنا ہے صاحب مواہب الدینہ کہتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا تھا کسی غزوہ میں سوائے غزوہ بدر کے دوسرے غزوات کے دنوں میں وہ امداد دی گئی تھی۔ لیکن قتل صرف اس عظیم الشان غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی تصریح عماد ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ اور کہا کہ معروف یہ ہے کہ فرشتوں نے قتل نہ کیا تھا سوائے روز بدر کے اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فرشتوں نے کبھی قتل نہیں کیا سوائے روز بدر کے۔ اور مرزوق نے یہ کہا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ فرشتوں نے قتل نہ کیا سوائے غزوہ بدر کے روز کے۔ بدر کے علاوہ دنوں میں فرشتے صرف حاضر ہی ہوتے تھے۔ اور نہایتہ البیان نے فی تفسیر القرآن میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور یوم حنین کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا فرشتوں نے حنین کے روز قتل کیا تھا یا کہ نہیں اس جگہ دو قول ہیں۔ جمہور اس پر ہیں کہ قتل نہیں کیا۔ اور مسلم اپنی صحیح میں اس قول کو رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں حضرت بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں۔ روز احد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب دو آدمی دیکھے گئے انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو نہ اس سے پیشتر کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی

بعد میں بھی دیکھا۔ یعنی وہ جبرئیل اور میکائیل علیہ السلام تھے اور انہوں نے قتل کیا اور اشد قتل کیا۔ اور امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ مل کر کافروں کو قتل کرنے کے لئے فرشتوں کے نازل ہونے میں آنحضرت کا اکرام اور عزت پائے جاتے ہیں اور ان کا بیان یہ ہے کہ قتل ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص نہ تھا اور نووی کہتے ہیں کہ یہی بہتر ہے اور صواب ہے اس آدمی کے خلاف جو یہ گمان رکھتا ہے یوم بدر کے ساتھ قتل ملائکہ مخصوص تھا۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت ملائکہ صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہ ہے۔ بلکہ ان کی تو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اولیاء بھی دیکھتے تھے۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ) ثبتہ اللہ علی الطریق الحق والیقین عرض کرتا ہے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جبکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک مرد کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے اور جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ صاحب کون ہیں تو آنحضرت نے فرمایا کہ یہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ جبرئیل نے کہا کہ اس نے ہمیں سلام علیکم کیوں نہیں کہا۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مجلس کے برخاست ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! یہ جو شخص آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کون تھا آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے اور تم نے سلام کیوں نہ کیا۔ عرض کیا حضور مجھے شرم آ رہی تھی اور اس شخص کے جمال و جلال کی ہیبت بھی طاری ہو گئی تھی۔ ہاں اگر کہا جائے کہ جبرئیل کو صورت خاص میں دیکھنا صرف انبیاء سے مخصوص ہے۔ تو یہ درست ہو گا۔ اور حق یہ ہے وحی نازل ہونا مخصوص ہے نہ کہ فرشتوں کو دیکھنا۔ واللہ اعلم۔

غزوہ بدر میں قتال ملائکہ کے ضمن میں آیات و احادیث

اب ہم وہ آیات و احادیث بیان کرتے ہیں جو روز بدر قتل ملائکہ کے ضمن میں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(۱) **اذا تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین۔** یعنی کہ تابعین۔ آئندہ بعض کے پیچھے بعض۔ یکے بعد دیگرے اور اگر مردفین کا لفظ دال مفتوح کے ساتھ قرات ہو تو معانی ہوں گے۔ بعض کے پیچھے بعض۔ مراد یہ کہ اس وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھیجا۔ اس طرح سورۃ انفال میں آیا ہے۔

(۲) اور سورۃ آل عمران میں اس طرح ہے۔ **الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثۃ الاف من الملئکۃ منزلین** اور وجہ توفیق یہ ہے کہ ان میں سے ہزار فرشتوں کے ہراول میں آئے یا ان کے پیچھے نازل ہوئے۔ اور ان میں سے جنہوں نے قتل میں حصہ لیا وہ تعداد میں ایک ہزار تھے۔ اور ان کے مقاتلوں کے ضمن میں علماء میں اختلاف آیا ہے۔ (کذا قال بیضاوی) اور بعض نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ ایک ہزار کے بعد تین ہزار کو بھیجا۔

(۳) اور یہ بھی سورۃ آل عمران میں ہی کہا گیا ہے۔ **بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین** مواہب میں شعبی سے منقول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نہ آئے

تھے بلکہ پروردگار تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ رکھو اور تم پر کافر چڑھ آئیں تو فی الفور اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائیں گے۔

اور مواہب میں حضرت ربیع بن انس سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ہزار فرشتے کی مدد بھیجی۔ اس کے بعد وہ پانچ ہزار ہو گئے۔ اور ابو قتادہ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ روز بدر پروردگار تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی اور اس جگہ سے معلوم ہو کہ پانچ ہزار فرشتہ کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقوع میں آئی ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز بدر ایک ہوا چلی جس کی مانند ہوا اس سے قبل کبھی نہ دیکھی تھی اس کے بعد پھر ایک ہوا چلی اور اس کے بعد پھر اس کے مانند ایک ہوا چلی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے جبرئیل علیہ السلام تھے جن کے ساتھ ایک ہزار فرشتے تھے۔ دوسرے میکائیل تھے وہ بھی ایک ہزار فرشتوں کے تھے۔ اور تیسری مرتبہ جو ہوا چلی وہ اسرافیل تھے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے نبی غفار کے ایک شخص نے ذکر کیا۔ کہ میں اور میرا چچازاد بھائی دونوں میدان بدر سے قریبی پہاڑ پر آگئے تاکہ دیکھیں کہ شکست کس فریق کو ہوتی ہے۔ اور ہم اس وقت مشرک ہی تھے۔ اور ارادہ تھا کہ جس کو ہزیمت ہوگی اسے ہم غارت کریں گے۔ پہاڑ پر ہی موجود ہوتے ہوئے ہم نے اچانک دیکھا کہ ہمارے قریب ایک بادل آیا ہے اس میں سے گھوڑوں کو ہنہنانے کی آوازیں آتی ہیں۔ اور ایک کہنے والے کو ہم نے یہ کہتے ہوئے سنا۔ اقدام حیزوم۔ میرے چچا کا بیٹا وہیں گر پڑا اور مرگیا اور میں بھی مرنے کے قریب تھا۔ لیکن میں نے ضبط رکھا اپنے آپ پر اور علماء نے کہا ہے حیزوم حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا نام ہے اور اقدام کو انصر اور اکرم ہر دو کے وزن پر پڑھا گیا ہے۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پانچ سو فرشتوں کے ہمراہ نزول کیا اور میکائیل نے پانچ صد کے ساتھ مردوں کی صورت میں جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے سفید کپڑے اور سروں پر سفید عمامے پہنے ہوئے تھے۔ جن کے دونوں کنارے ان کے کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ روز بدر فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ ان کے سروں پر سفید عمامے تھے اور روز حنین سبز عمامے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز بدر میں فرشتوں کی علامت صفیہ عمامے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ بدر کے روز فرشتوں کی علامت سیاہ عمامے تھے اور غزوہ حنین کے روز سرخ عمامے۔ اور روایات سفید اور سرخ اور زرد سب رنگ آئے ہیں۔ بعض کے اس طرح کے تھے اور بعض کے اس طرح کے۔ ظاہر یہ ہے کہ احادیث سے کہ فرشتے مردوں کی صورت میں دکھائی دیتے تھے۔

اور بعض روایات میں آیا ہے کہ مشرکین لوگ فرشتوں کے گھوڑوں کی آوازیں تو سنتے تھے۔ لیکن ان کو گھوڑے دکھائی نہ دیتے تھے۔ اور جب کوئی مسلمان کسی کافر کے پیچھے پڑتا تھا کہ اس کو مارے، تو قبل ازیں کہ وہ اس تک پہنچے وہ دیکھتا تھا کہ اس کا قتل شدہ سر زمین پر پڑا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ روز بدر فرشتوں کی ضرب صرف سر پر یا بند کمر پر پڑی تھی اور

کسی جگہ پر نہیں اور یہ ہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالٰی کے اس قول کی۔ فاضربوا فوق الاعناق اے الروس واضربو منھم کل بنان مفصل۔ اور بیضاوی نے کہا ہے کہ فوق الاعناق ای المزابح او الروس وضربوا عنھم کل بنان ای الاصابع اور تفسیر کشاف میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اطراف ہیں۔ یعنی ان کی رکابیں کاٹی گئیں یا ان کی اطراف۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ فرشتوں کے قتل کردہ لاشوں کی علامت یہ تھی۔ ان کی گردنوں یا ہڈیوں پر سیاہ نشانات تھے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی ایک کافر کے پیچھے دوڑا ناگاہ اس تازیانے کی ضرب کی آواز سنی اور ایک سوار کی آواز بھی سنی جو کہتا تھا۔ اقدام حیزوم۔ نظر کی تو دیکھا وہ کافر اس سے آگے زمین پر پڑا ہے اور اس کا چہرہ پھٹا ہوا ہے۔ اور اس کی ناک ٹوٹی ہوئی ہے۔ پس اس انصاری نے اپنا مشاہدہ حال پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب امداد آسمان سوم سے تھی۔

منقول ہے کہ بدر سے واپسی کے بعد جب اہل مدینہ مجاہدین بدر سے برائے تہنیت ان سے ملتے تو اصحاب بدر جواب میں کہتے تھے کہ تم یہ مبارک و تہنیت کس چیز کی دیتے ہو۔ کیونکہ یہ فتح ہمارے قوت بازوں سے نہیں حاصل ہوئی۔ ہم کافروں کو دیکھتے تھے کہ ان کے سر جسموں سے کٹ کر گرتے تھے لیکن ان کو تلوار مارنے والے کوئی نظر نہ آتا تھا نیز کافر اس طرح بھی گرتے تھے جس طرح کہ اونٹ جن کے ہاتھوں کو پاؤں کو باندھا ہوا ہوتا ہے گرتے ہیں ہم جاتے تھے اور ان کے سر کاٹ دیتے تھے۔ یہ بات خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک کانوں تک پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو یہ کام انجام دے رہے تھے۔

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ سب کا حال اس طرح تھا۔ بعض کافروں نے صحابہ کے ساتھ لڑائی اور مقاتلت بھی کی تھی۔ اور بعض کے سر ضرب ملائکہ سے تن سے جدا ہوئے تھے۔ جیسے کہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور بعض کے ساتھ اس طرح ہوا (یعنی انکے سر صحابہ نے جدا کئے)۔

ابولہب کا انجام:۔ اور کتابوں میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فتح و کامیابی اور کافروں کے قتل ہونے کی خبر مکہ میں پہنچی۔ تو ابولہب اور دوسرے کافر جو مکہ میں تھے بڑے متعجب اور حیران ہو گئے۔ اور ابوسفیان بن الحارث جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا زاد تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے میدان بدر سے بھاگ کر مکہ پہنچے۔ تو ابولہب نے کہا اے میرے بھتیجے تمہارے پاس پکی خبر ہے آؤ اور مجھے خبر دو جو تم رکھتے ہو۔ اس نے کہا کہ اے میرے چچا۔ ہم اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ ایک میدان میں تھے کہ بس ہم نے یہی دیکھا کہ ہم سے ہمارے ہتھیار چھین لئے ہیں۔ اور ہمارے ہاتھوں کو ہمارے کندھوں پر باندھ دیا ہے۔ اور زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس پہنے آدمی نظر آتے تھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور کوئی شخص ان کو کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ عباس کا غلام ابو رافع کہتا ہے کہ میں نے کہا اللہ کی قسم وہ تو فرشتے تھے۔ ابولہب نے نہایت غصے اور غضب سے میرے منہ پر مکا مارا۔ اور مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ میرے سینے پر بیٹھ کر مارنے لگا۔ اور حال یہ تھا کہ میں کمزور آدمی تھا اس سے مقابلے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ عباس رضی

اللہ عنہ کی زوجہ ام فضل کو پتہ چلا تو اس نے لاٹھی پکڑی اور اس کے سر پر ماری ابولہب خوار و ذلیل ہو کر اپنے گھر میں گھس گیا۔ سات روز کے بعد اس کے چہرے پر عدسہ کی زحمت نمودار ہوئی اور وہ مر گیا۔ اور عربی لوگ اس کو منحوس گردانتے تھے۔ اور دشمنی کے خوف سے کوئی آدمی اس کو ہاتھ نہ لگاتا تھا یہاں تک کہ وہ تین روز اسی طرح پڑا رہا۔ بعد ازاں کچھ آدمی اٹھانے والے اجرت پر لئے گئے۔ انہوں نے اس کو اٹھایا اور مکہ سے باہر نکال لے گئے۔ اور ایک قبر کھود کر اس کو اس میں پھینک دیا۔ اور اوپر سے اس کی قبر میں پتھر پھینک کر قبر بھر دی۔

قتل ملائکہ میں حکمت :۔ اور مواہب الدنیہ میں شیخ تقی الدین سبکی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ فرشتوں کے قتل میں کیا حکمت تھی جبکہ جبریل علیہ السلام یہ طاقت رکھتے تھے کہ اپنے پروں میں صرف ایک پر سے ہی وہ تمام کافروں کو اٹھا لیتے اور ہلاک کر سکتے تھے شیخ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے ہوا کہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے صحابہ کا شمار ہو۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور فرشتے مدد اور نصرت کے لئے تھے اور امداد لشکروں کی یہی عادت ہے۔ اور اس جگہ رعایت اسباب کا لحاظ رکھا گیا ہے اپنے بندوں میں۔ اور فاعل حقیقی وہی ذات تعالیٰ شانہ ہے۔ انتہی۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ علی الطریق الحق والیقین کہتا ہے کہ اصل میں یہ سوال ان عوام الناس کی طرف سے ہے جو کہ تدبیرات الٰہی اور ترتیب اسباب اور اس اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عظم کمالانہ کی لامتناہی حکمتوں پر نظر نہیں رکھتے۔ ورنہ وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اجتہاد و قتل کی بھی کیا حاجت تھی۔ حق تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے قہر و جلال سے تمام کافروں کو ہلاک کر دے۔ اور اپنے نور ہدایت و کمل سے کفر اور گمراہی کے آثار مٹا دے۔ اور یہ عوام نہیں جانتے کہ مومنوں کے ثواب و اجر و کافروں کے عذاب و عقاب کا دار و مدار دوسری چیزوں پر ہے جو عالم اسباب و اضلاع سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور وہ ضبط و حصر اور احصار و شمار کی حد سے باہر ہیں۔ واللہ علیم و حکیم۔

جنگ بدر میں کافر مقتولین کی تعداد ستر تھی۔ اور دوسرے قیدی بن گئے اور مسلمانوں سے چودہ مجاہدین شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین سے اور آٹھ انصار سے۔ چھ بنو خزرج سے تھے اور دو بنو اوس سے اس مقام پر یہ وہم نہ گزرے کہ مسلمانوں کی جماعت سے شہید ہونا اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے خلاف ہوا۔ نہیں بلکہ وعدہ تھا دین اسلام کے اعلاء و سربلندی اور کافروں کی خواری اور ذلت کا اور وہ بدرجہ اتم حاصل ہو گیا۔ اور اگر بعض کو درجہ شہادت عطا کرنے کا اور یہ فضیلت عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا۔ اور اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی تو یہ مقصد کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے کہ بعض کفار کا باقی زندہ رہنا اور ان کو ہلاک نہ ہونا منافی وعدہ نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان ستر مقتول قریشیوں میں سے چوبیس کے لئے حکم فرمایا کہ ان کو بدر کے مقام پر واقع ایک کنویں میں پھینک دیا جائے کہ پلید کنواں تھا اور لوگ اس میں مردار وغیرہ پھینک دیتے تھے۔

کافر لاشوں سے کلام :۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ دشمن پر جب غلبہ اور فتح حاصل

ہوتی تھی تو آنحضور اس میدان میں تین روز تک قیام کیا کرتے تھے۔ میدان بدر میں بھی آپ نے تین روز قیام فرمایا بعد از جنگ تیسرے روز آپ کے حکم سے حضور کا خچر پیش خدمت کیا گیا۔ آپ اس پر سوار ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ چلی۔ اور وہ کہتے تھے کہ شاید کسی خاص کام کے لئے کہیں روانہ ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ اس کنویں پر تشریف لائے جس میں ان لاشوں کو پھینکا تھا۔ پس آپ نے ان کا ایک ایک کا نام لے کر ان کو پکارا۔ اور پکارتے تھے۔ اے فلاں بن فلاں اے فلاں بن فلاں۔ بعض روایات میں صراحت سے آیا ہے کہ آپ پکارتے تھے۔ یا عتبہ بن ربیع۔ اور یا شیبہ بن ربیع۔ یا ابو جہل بن ہشام۔ اب جبکہ تم پردہ میں ہو گئے ہو اور شیبہ بن ربیع۔ یا ابو جہل بن ہشام اب جبکہ تم پردہ میں ہو گئے ہو اور خدا کا عذاب تم نے دیکھ لیا ہے۔ کیا تمہیں اب اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کاش تم خدا کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے۔ یعنی تم آرزو اب کرتے ہو کہ تم مسلمانوں میں سے ہوتے۔ اور فرمایا کہ کیا تم نے اس وعدہ کو سچا پایا ہے جو حق تعالیٰ نے کیا تھا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم بدخویش اور جاہل تھے اے وہ لوگو! جو کنویں میں پڑے ہوئے ہو کیونکہ تم نے مجھے جھوٹا کہا اور لوگوں نے میرے سچا ہونے کی تصدیق کی تھی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں کے ساتھ کیا باتیں کر رہے ہیں جن کی روح موجود نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ یہ بات جو میں کہتا ہوں وہ سنتے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔

سماع موتی کا ثبوت:۔ وصل:۔ معلوم ہو کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ اور صریح ہے کہ وہ مرے ہوئے لوگ جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اس کا سماع اور علم اور شعور رکھتے تھے اور اسی صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس چلتے ہیں تو میت ان کے جوتوں کے گھسٹنے کی آواز کو سنتی ہے۔ اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنت البقیع میں زیارت قبور کے واقعہ کے بارے میں آیا ہے کہ آپ نے اہل قبول کو سلام کیا اور ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے قبروں والو! سلام ہو تم پر۔ اے مسلمانوں کیا تم کو بھی کچھ ملا ہے جس کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا اور ہم بھی انشاء اللہ آپ کے پیچھے یہاں آنے والے ہیں۔ اور کسی ایسی چیز سے خطاب کرنا جو نہ سن سکے اور نہ سمجھ سکے معقول نہیں ہے۔ اور نزدیک ہے کہ قبیلہ عبث میں شمار کیا جائے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

اور شیخ ابن الہمام نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ اکثر مشائخ حنفیہ اس نظریہ کے قائل ہیں کہ میت نہیں سن سکتی اور انہوں نے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے کہ اگر شخص یہ قسم اٹھائے کہ میں فلاں کے ساتھ کلام نہ کروں گا اور اس نے اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو وہ قسم کو توڑنے والا شمار نہیں ہوتا کیونکہ میت کو سمجھنے کی حیثیت و قابلیت حاصل نہیں ہوتی۔ اور اس کا جواب انہوں نے حدیث مسلم سے دیا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ آدمیوں کے جوتوں کے گھسیٹنے کی آواز میت سنتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ لاش کو قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب کے لئے

رکھا جاتا ہے۔ اور ان کی یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ میت کو قبر میں سننے اور سمجھنے کی اہلیت حاصل ہے۔ اور میت کو زندہ کرنا وقت سوال کے ساتھ مخصوص ہے اس سے پہلے زندہ کرنا چہ معنی دارد۔ اور انہوں نے حدیث مذکورہ سے جواب دیا ہے جو ان کے مسلک کے خلاف نص ہے۔ اور یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کا معجزہ ہے جیسے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تاکہ ان کو زیادہ توبیخ اور حسرت و ندامت کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آواز سنوائے۔ لیکن یہ پوشیدہ نہ رہے کہ یہ مجرد احتمال اور تاویل پر محمول ہے اور جب تک استحالت سماع پر دلیل مکمل نہ ہو جائے اس پر احتمال نہیں کیا جا سکتا۔ پروردگار عزوجل اس پر قادر ہے۔ اور ادراک کے لئے حواس سبب کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ حق تعالیٰ مجرد تخلیق کر سکتا ہے۔ جیسے کہ کتب مذہب میں مقرر کیا گیا ہے اور کبھی یہ ہے کہ یہ ضرب المثل کے باب سے ہوتا ہے۔ نہ کہ حقیقت اور حقیقت کلام مراد نہیں ہے اور یہ جواب پہلے جواب سے بھی بعید تر اور زیادہ کمزور ہے اور اس جماعت منکرین کے قوی ترین شبہات یہ ہیں کہ جب یہ حدیث عمر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ بات کیسے فرماتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور** تحقیق اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نہیں سنا سکتا مردوں کو اور تو اس کو سنانے والا نہیں جو کہ قبر میں ہیں اور علماء فرماتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاویل فرمائی۔ اور فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ کہیں کہ تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا وہ حق ہے نیز انہوں نے کہا کہ عمر کو وہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے بجائے علم کے سمع کہا۔ اور میت کو انتقال کے بعد آخرت کی حقیقت کا علم ہو جاتا ہے۔ اور بالجملہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار فرمایا اور انہوں نے ان دو آیتوں سے استدلال فرمایا جو کہ اوپر مذکور ہوئی ہیں۔

لیکن علماء کرام نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول اور ان کے استدلال از قرآن کا جواب دیا ہے اور ان کے قول کو قبول نہیں کیا۔ اور مواہب الدینہ میں اسماعیل سے منقول ہوا کہ انہوں نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بڑے فہم و ذکا کی مالک تھیں اور ان سے عمیق علوم کی حامل روایات کثرت سے آئی ہیں۔ لیکن ثقہ روایت کو رد کرنے کی کوئی سبیل اور گنجائش نہیں ہے۔ جیسے کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ سوائے اس کے کہ نص سے رد کیا جائے اور نص بھی اسی کی مثل وہم مرتبہ ہو اور وہ نسخ یا تخصیص یا استحالہ پر دلالت کرتی ہو۔ اور مذکورہ آیت قرآنی میں احتمال ہے اور آیت کے معانی یہ ہیں کہ مردہ کو تم نہیں سنواتے بلکہ خدا سنواتا ہے اور من فی القبور سے مراد کافر ہیں اور عدم سمع سے مراد عدم اجابت حق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دو آیات کافروں کو دعوت ایمان دینے اور ان کے حق کو نہ قبول کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

نیز علماء نے فرمایا ہے کہ موتی سے مراد قلوب ہیں۔ اور قبور سے مراد ان کے جسم ہیں۔ جن میں دل مردہ پڑے ہیں۔

تحقیق مواہب الدینہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مغازی محمد بن اسحاق میں جید اسناد کے ساتھ اور مسند امام احمد بن حنبل میں بھی اسناد حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے مثل روایت آئی ہے۔ گویا کہ بعد میں عائشہ

رضی اللہ عنہا نے انکار سماع موتی سے رجوع فرمالیا تھا۔ اور اس کا سبب صحابہ کبار سے ان کے نزدیک سماع موتی اور ان کے علم و شعور کے ثبوت میں بہت سے احادیث و آثار ہیں۔ اور اس کے برخلاف کوئی قاطع دلیل ثابت نہیں ہو سکی۔ اور اس مقام میں شرح مشکوۃ میں طویل کلام مذکور ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور علماء نے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں پھینک دیا جائے عتبہ بن ربیعہ کو خاک مذلت میں گھسیٹتے ہوئے جب کنویں میں پھینکا گیا۔ جب اس کے بیٹے ابو حذیفہ نے اس کو اس حال میں دیکھا۔ تو بحکم طبیعت اس پر بڑا گراں گزرا۔ اور اسے اس نے مکروہ تصور کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے چہرہ پر نظر فرمائی تو دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے اور چہرہ سے شکایت و حزن کے آثار ظاہر ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابا حذیفہ! کیا اپنے باپ کا حال دیکھ کر تمہارے دل میں کوئی تبدیلی آگئی ہے؟ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم مجھے اسلام کے حق ہونے میں تو کوئی شک نہیں گزرا۔ لیکن یہ کہ میرا باپ ذی رائے اور علم والا تھا۔ اور اچھے اوب و اخلاق رکھتا تھا میں امیدوار تھا کہ یہ صفات اس کو ضرور اسلام میں لے آئیں گی۔ اب میں نے دیکھا ہے کہ وہ اس سعادت سے محروم رہا ہے۔ اس سے میں غمناک ہوا ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اچھی صفات اور نیک آداب و اخلاق حصول ایمان کے لئے لازمی مستقل اسباب نہیں ہے بلکہ حصول ایمان کا دارومدار محض ہدایت و فضل اور عطائے الٰہی پر ہے۔ مصرعہ۔

عشق کارے است کہ موقوف ہدایت باشد

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کراہت طبیعت جو کہ اختیار میں نہیں ہوتی اس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا اگر دل برقرار ہو اور مرکز یقین پر ثابت ہو۔ اور صبر و رضا اور تسلیم کا مقام بھی اسی حکم میں ہے اور حدیث کے عمدہ فوائد میں سے یہ ہے کہ حقانیت رسول اللہ صلوۃ اللہ وسلامہ علیہ العلیٰ وافضلہا پر صحابہ کا یقین کس قدر تھا اسے تصور میں لانا چاہیے کہ ایک صحابی کے باپ کو جو اچھی صفات مذکورہ بالا حامل تھا اس حال میں خاک مذلت پر کھینچتے ہیں اور کنویں میں ڈال دیتے ہیں تو تھوڑا سا ملال اور کراہت جو اس صحابی کی طبیعت پر آتی ہے اس پر بھی اس پر عتاب فرماتے ہیں اور وہ صحابی عذر و معذرت کرتا ہے۔ جب حق منکشف ہو جاتا ہے اور اس پر مرتبہ یقین حاصل ہو جاتا ہے تو تمام حجاب اور موانع رفع ہو جاتے ہیں العالی لا یزدالی او صافہ کے یہی معانی ہیں۔

نیز علماء نے بیان کیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دوستوں اور صحابہ سے فرمایا تھا۔ کہ میں جانتا ہوں کہ بنو ہاشم میں سے ایک جماعت کو مشرکین جبر و اکراہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ جو کوئی بھی تم سے کسی بنو ہاشم اور خصوصاً عباس بن عبد المطلب پر پہنچے وہ اسے مارنے میں شتابی نہ کرے اس پر اسی ابو حذیفہ جو کہ عتبہ بن ربیعہ کا بیٹا تھا کہا۔ ہم اپنے باپوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباس بن عبد المطلب کو چھوڑ دیں۔ اللہ کی قسم اگر میں اس تک

پونچا۔ اسے تلوار ماروں گا اور اس کا کام تمام کروں گا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے ابو حفص کیا تم سنتے ہو کہ ابو حذیفہ کیا کہتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ آنحضرت نے مجھے کنیت کے ساتھ پکارا۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کروں کیونکہ یہ منافق ہو چکا ہے۔ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات جو میں نے کہی تھی اس کے لئے ہمیشہ ترساں و لرزاں رہا۔ اور اپنے آپ سے میں کہتا تھا کہ اس گناہ کا کفارہ اور کوئی چیز نہیں سوائے اس کے کہ میں خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ پس یہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

اسیران بدر کا حال:۔ وصل:۔ لیکن بدر کے قیدی بھی تعداد میں ان کے مقتولوں کی طرح تعداد میں ستر تھے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب۔ اور آپ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث بن عبد المطلب تھے۔ اور رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور وہ ایمان بھی لے آئے۔ اور یہ معلوم نہ تھا کہ ان ستر قیدیوں میں سے کون کون ایمان لا چکے ہیں اور کون کون کفر پر قائم ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور جب قیدیوں کی گردنوں میں رسے ڈال کر اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس لائے تو آپ نے فرمایا کہ ان کے متعلق پروردگار تعالیٰ و تقدس کا کام تعجب خیز ہے۔ کہ ان کو پابجولاں بہشت کی طرف لایا جا رہا ہے یعنی کہ وہ تو مسلمان نہیں ہونا چاہتے لیکن حق تعالیٰ زبردستی ان کو باندھ کر بارگاہ میں لاتا ہے اور بہشت میں داخل کرتا ہے۔ اور اسی طور پر تکالیف شرعیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو ان تکالیف سے مقید کر کے اپنی بارگاہ کی طرف لاتا ہے اور ان کی بہشت میں داخل فرماتا ہے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے سے ایمان لائے ہوئے تھے لیکن وہ اس امر کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ اور غزوہ بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ لائے گئے تھے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کے سامنے حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئیں اسے چاہیے کہ وہ ان کو قتل نہ کرے کیونکہ ان کی زبردستی ساتھ لایا گیا ہے۔ لیکن جب وہ فدیہ دینے کے وقت بعند ہوئے کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے جبراً ساتھ لایا گیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اسلام اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ بظاہر تم نے ہمارے ساتھ جنگ کی ہے لہذا تمہیں چاہیے کہ تم فدیہ ادا کرو۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ روز بدر اسلام لائے تھے اور فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انہوں نے مقام ابواء پر استقبال کیا تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور ان کے ساتھ ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور اپنے اسلام لانے کو مخفی رکھا اور فتح مکہ کے روز ظاہر کیا اور ان کا اسلام قبل از روز بدر سے تھا۔ اور وہ پسند کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیچھے پیچھے ہجرت کر آئیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارا قیام تمہاری اپنی جگہ پر بہتر ہے نیز یہ بھی آیا ہے کہ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ تھا کہ وہ بیس اوقیہ سونا اپنے ساتھ

لائے تاکہ اس سے مشرکین کو بدر میں کھانا مہیا کریں۔ پس ان سے جنگ میں وہ دولت لے لی گئی اور اسے مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ پس انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس بیس اوقیہ سونے میں سے فدیہ کا حساب لے لیا جائے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ بات قبول نہ فرمائی اور فرمایا کہ وہ مال ایسا ہے جو تم اعانت کفار کے لئے اپنے ساتھ مکہ سے باہر لائے تھے۔ اب وہ مال جنگ مسلمانوں کے لئے غنیمت ہو چکا ہے اس کو فدیہ کے حساب میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے پاس اور ہرگز کوئی چیز نہیں کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا چچا لوگوں سے گدائی کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سونا کہاں گیا جو تم نے مکہ سے نکلتے وقت اپنی زوجہ ام فضل کے سپرد کیا تھا۔ عرض کیا کہ آپ کو اس کی خبر کیسے ہوئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے پروردگار نے اس کی خبر دی ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو سچا ہے کیونکہ اس کے متعلق سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کو پتہ نہ تھا۔ پس عباس اسلام لے آئے اور کہا **اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک رسول الله** اور پہلے سے ہی ایمان لائے ہوئے ہونے کے متعلق روایات کے اعتبار سے اس سے مراد اظہار اسلام ہو سکتا ہے کیونکہ پہلے وہ اپنا اسلام لانا پوشیدہ رکھتے تھے۔ **والله اعلم بحقيقة الحال على وجه الكمال۔**

اور علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عباس رضی اللہ عنہ کو قید کیا تھا اس کا نام ابوالیسر تھا۔ اور وہ ایک نمزور اور کوتاہ قد آدمی تھا اور حضرت عباس بڑے جسیم اور بلا قامت تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ سب لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھے تک پہنچتے تھے قد کے لحاظ سے اور عباس حضرت عبدالمطلب کے کندھے تک پہنچتے تھے۔ اور عبدالمطلب بڑے مہیب اور طویل القامت تھے۔ پس لوگوں نے حضرت عباس سے پوچھا کہ ابوالیسر نے کس طرح آپ کو گرفتار کیا تھا۔ جبکہ وہ بڑے حقیر جسم تھے۔ اگر آپ چاہتے تو اسے اپنے ہاتھ میں مروڑ سکتے تھے۔ حضرت عباس نے کہا کہ ہاں بات تو ایسی ہی ہے لیکن ہوا اس طرح کہ جب وہ میرے سامنے آئے تو مجھے خندمہ کی مانند نظر آئے اور خندمہ نامی پہاڑ مکہ کے پہاڑوں سے ہے۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوالیسر سے پوچھا کہ تو نے عباس کو کس طرح اسیر کر لیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کام میں ایک مرد نے امداد دی تھی جسے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور وہ بڑا ہیبت ناک تھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ ایک کریم فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی تھی۔ اور علماء نے بیان کیا ہے کہ اسیران بدر کو جب بند کیا تو رات ہوئی تو حضرت عباس کراہتے تھے کیونکہ ان کی رسیاں سخت باندھی ہوئی تھیں۔ چونکہ ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی سنتے تھے۔ لہذا آپ سو نہ سکے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ سوتے کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے چچا کے کراہنے کے باعث۔ چونکہ انصار نے آنحضرت کی رضا عباس کے رسے ڈھیلے کرنے میں پائی تو انہوں نے حضرت عباس کے بند ڈھیلے کر دیئے اور حضرت عباس سو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ہوا

کہ اب عباس کے کراہنے کی آواز سنائی نہیں دیتی تو صحابہ نے عرض کیا حضور! ہم نے ان کے بند ڈھیلے کر دیئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا پھر تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ہر فعل نہ ترک اور لطف و قہر اور اخذ و عفو میں حکم الٰہی کے پابند تھے۔ آپ نفس کی خواہش سے کچھ نہ کرتے تھے اور آپ کی تمام حرکات تقدیر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتی تھیں۔

معلوم رہے کہ جب بدر کے قیدیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے ساتھ سلوک کرنے کے بارے میں مشورہ کیا آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا کہ فدیہ وصول کیا جائے اور پھر آزاد کیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ انہیں قتل نہ کیا جائے شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے دے اور وہ اسلام لے آئیں۔ یا رسول اللہ ان سے فدیہ وصول کر لیں تاکہ اس سے صحابہ کو تقویت حاصل ہو۔ پھر آپ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ائمہ کفر ہیں اور کافروں کے پیشوا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال لینے سے بے نیاز کیا ہوا ہے۔ فلاں شخص جو میرا قریبی ہے اس کو میرے حوالے کیا جائے اور عقیل کو علی کے سپرد کر دیں۔ اور عباس کو حمزہ کے حوالے کریں۔ تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ پس آنحضرت نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ کی جانب میلان فرمایا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ بعض لوگوں کے دلوں کو نرم کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سکہ سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض آدمیوں کے دلوں کو سخت کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اور اے ابو بکر تمہارا حال ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے۔ جنہوں نے کہا تھا کہ **فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم** اور اے عمر! تمہارا حال نوح علیہ السلام کی طرح ہے انہوں نے کہا تھا۔ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** پس وحی آئی۔ کہ اپنے صحابہ کو ان دونوں باتوں میں سے یعنی قیدیوں کو قتل کرنا یا فدیہ لے کر چھوڑنا کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق دے دو اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ سال ان ستر قیدیوں کے بدلے میں تم میں ستر آدمی شہید کئے جائیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی یہ شرط قبول کرتے ہیں کہ ان اسیروں کی تعداد کے برابر ہم میں سے شہید کئے جائیں۔ پس آئندہ سال غزوہ احد میں اسی طرح واقع ہوا۔ کہ مسلمانوں میں سے ستر آدمی شہید ہوئے اور حضرت حمزہ عبد المطلب اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما انہی شہداء میں سے ہیں۔

اور جب اصحاب رسول فدیہ لینے میں مشغول ہوئے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ **ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون الدنیا واللہ یرید الاخرہ واللہ عزیز حکیم** کسی پیغمبر کو یہ لائق نہیں ہے کہ اس کے لئے لوگ اسیر بنیں جب تک کہ ان میں سے بہت سے قتل نہ ہوں۔ اور ان کے قتل میں مبالغہ کرے۔ تم فدیہ لینا چاہتے ہو جو کہ دنیا کی متاع ہے اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں۔ اور دین کی سربلندی اور خدا تعالیٰ غالب ہے جو کہ اپنے دوستوں کو غالب کرتا ہے دشمنوں پر اور وہ حکیم اور دانا ہے جو کچھ کہ لائق اور مناسب ہے

ہر حال میں ہر وقت کبھی وہ قتل کرنے اور قیدی بنانے کا حکم فرماتا ہے جس وقت کہ شوکت کافروں کو حاصل ہوتی ہے اور کبھی وہ قتل اور فدیہ کے درمیان اختیار دیتا ہے اور کبھی احسان اور فدیہ جس وقت کہ غلبہ مومنوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **فاما منا بعد واما فداء** اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں پس کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ساتھی کس چیز کے باعث رو رہے ہیں۔ تاکہ میں بھی روؤں اگر مجھے رونا آئے اور اگر رونا نہ بھی آئے تو بتکلف رونے کی کوشش کروں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے ساتھیوں پر روتا ہوں کہ انہوں نے فدیہ لینا اختیار کیا ہے۔ اور میرے سامنے ان کا عذاب پیش کیا گیا ہے جو اس درخت سے بھی قریب تر ہے۔ اور آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا جو اس جگہ پر نزدیک ہی تھا۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب بھیجا جاتا تو کسی کو نجات نہ ملتی سوائے عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کیونکہ اس رائے میں حضرت سعد بھی حضرت عمر کے ساتھ تھے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ صحابہ نے فدیہ لینا اس لئے اختیار کیا تھا کہ ان کو بڑی رغبت تھی بدر کے قیدیوں کے اسلام لانے کی شاید کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور یہ بھی رغبت تھی کہ آئندہ ان کو مرتبہ شہادت مل جائے۔ اور اپنے اقرباء پر مہربانی اور رقت کے باعث بھی اور یا کسی اور اعتبار سے واللہ اعلم۔ اس مقام پر یہ آیت نازل شدہ ہے۔ **ولو لا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم** یعنی اگر پہلے سے ہی حکم الٰہی نہ ہو چکا ہوا ہو تا یعنی کہ لوح محفوظ پر موجود ہے تو بہر حال فدیہ کرنے پر تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ اور حکم سابق سے مراد یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے کو عذاب نہ ہو گا۔ اور یا یہ حکم اور اہل بدر کو عذاب نہ کیا جائے گا یا یہ کہ کسی قوم کو بھی اس چیز کے بارے میں عذاب نہ کیا جائے گا جس کے متعلق صراحت سے ممانعت نہ کی گئی ہو۔ یا یہ کہ فدیہ جو تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ **فکلو مما غنمتم حلا لا طیبا**

اور علماء نے فرمایا ہے کہ یہ تخییر اور فدیہ آنحضرت نے اجتہاد سے لیا تھا نہ کہ وحی کے مطابق۔ اور آنحضرت کے لئے بعض احکام میں اجتہادات تھے۔ جیسے کہ اس حکم میں اور شہد کی تحریم میں۔ اور کبھی خطا بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن آپ اس کو مقرر و قائم نہ رکھتے تھے تنبیہہ کر دیئے جاتے تھے خطا پر۔ اور اس حکم میں ہیں تمام انبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین۔ (کذا قالو)۔

اس جگہ پر علماء ایک اشکال لاتے ہیں کہ جب صحابہ کو قتل اور فدیہ میں اختیار دے دیا گیا تھا تو عذاب کا باعث کیوں ہوا۔ اور تخییر اس کے منافی ہے۔ اس کا جواب دیا ہے کہ تخییر بر سبیل امتحان تھا۔ جیسے کہ عورتوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تخییر تھا۔ یعنی دنیا اختیار کرنا یا آخرت کو۔ اور اس میں اختیار یہ تھا کہ آیا وہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس میں اللہ کی رضا ہے یا کہ وہ جس کی طرف ان کے نفس کا میلان ہے۔ اور جب انہوں نے وہ چیز اختیار کی

جس کی طرف انکا نفسانی میلان تھا تو اس پر وہ زیر عتاب آئے۔

اور توربشتی نے حدیث تخییر کو بعید از صحت قرار دیا ہے کیونکہ وہ اس چیز کے خلاف ہے جو کہ ظاہر تنزیل ہے اور ترمذی نے بھی اس کو غریب کے حکم میں رکھا ہے۔ اور طیبی نے کہا ہے کہ حکم غرابت مواجب طعن نہیں ہے کیونکہ غریب حدیث بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کہا ہے کہ اس جگہ غریب کا معنی ہے شاذو نادر۔ صاحب جامع الاصول نے اس کی تصریح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

روضۃ الاحباب میں شرح صحیح البخاری شیخ ابن حجر سے منقول ہے کہ ترمذی اور نسائی اور ابن حبان اور حاکم نے اسناد صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اپنے صحابہ کو اسیران بدر کو قتل کرنے یا ان سے فدیہ لینے میں اختیار دے دیں اس شرط کے ساتھ کہ اسیران بدر کی تعداد کے برابر آئندہ سال مسلمانوں میں سے اتنے آدمی شہید ہوں گے۔ حضرات صحابہ کو مخیر کردیا گیا اور انہوں نے فدیہ لینا اختیار کیا۔ انتہی۔

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ فدیہ لینے پر فیصلہ ہو گیا قیدیوں کی ایک جماعت جو کہ نادار تھے اور ان سے کوئی مفاد حاصل نہ تھا ان کو آزاد کردیا گیا۔ اور ان سے یہ عہد لیا گیا کہ اس کے بعد کبھی وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ پر نہ آئیں۔ ایک گروہ قیدیوں کا تھا وہ لکھنا جانتے تھے ان پر مقرر فرمایا کہ وہ ہر قیدی دو انصار بچوں کو لکھنا سکھادیں۔ اور جو اپنے پاس مال رکھتے تھے ان کے لئے یہ تھا کہ ہر قیدی اپنی استعداد کے مطابق سونا دیوے۔ اور عاصم بن ثابت کو حکم فرمایا جو کہ عاصم بن عمر بن خطاب کے اجداد سے تھا۔ (شاید یہ راوی کا وہم ہے ورنہ یہ صاحب عاصم کے خالو تھے۔ زرقانی) کہ عقبہ بن ابی معیط شقی کو قتل کر دیں۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روز ان نماز اونٹ کی اوجھ ڈال دی تھی اور یہ قتل کئے جانے کا مستحق تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قضیہ سے آخر ماہ رمضان میں فارغ ہوئے اور ماہ شوال کے پہلے روز زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ مدینہ مطہرہ بھیجا۔ وہ کل دوپہر وہاں پہنچے جس وقت کہ مدینہ والے حضرت رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تھے۔ **لو هذا هو الصحيح**۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن کے وقت آ گئے۔ تو اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ واللہ اعلم۔

فضائل اہل بدر:۔ وصل:۔ صحابہ بدر کے فضائل میں بہت سی احادیث آئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ **ان اللہ قد اطلع علی اہل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم** اور ایک روایت میں آیا ہے۔ **فقد وجبت لکم الجنۃ** اور کتب حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ اسی باب سے ہے جو کہ صحیح بخاری میں بیان کیا گیا ہے اور نیز بیان کیا گیا ہے کہ حارثہ ایک نوجوان تھا جو روز بدر شہید ہو گئے تھے اس کی والدہ آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ مجھے خبر دیجئے کہ حارثہ اس وقت کہاں ہے۔ اگر بہشت میں ہے تو میں ثواب کی منتظر رہوں گی اور اگر کسی اور جگہ ہے تو میں روؤں گی اور آپ

دیکھیں گے کیسا گریہ کرتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو روتی ہے اور سمجھتی ہے کہ کسی ایک بہشت میں ہے۔ نہیں بلکہ وہ تو بہت سے بہشتوں میں ہے اور وہ جنت فردوس میں ہے اور یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کیونکہ ایک روز جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ آپس میں اہل بدر کو کیا مرتبہ دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ان کو افضل ترین شمار کرتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ ہم بھی روز بدر شمولیت کرنے والے فرشتوں کو افضل ترین ملائکہ شمار کرتے ہیں فتح سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی سفرا میں تشریف لائے۔ مال غنیمت کی تقسیم فرمائی۔ اور ذوالفقار تلوار جو کہ بدر کے مال غنیمت سے تھی اسے اپنے لئے مخصوص فرمایا اور وہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی یہ عطائے شمشیر غزوہ خندق کے موقع پر فرمائی۔ اور اسے ذوالفقار اس لئے کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے اس تلوار کی پشت پر اس طرح سے صناعی کی گئی تھی جیسے کہ پشت کی ہڈیاں ہوتی ہیں۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش پر غزوہ بدر میں غالب آئے اسی دن رومی اہل فارس پر غالب آئے تھے اور ان کے غلبہ سے مسلمانوں کو مزید خوشی اور شادمانی ہوئی جیسے کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

منقول ہے کہ بدر سے واپسی کے بعد ابو سفیان اموی نے قریش کو عام ممانعت کردی تھی کہ وہ اظہار مصیبت اور گریہ وزاری نہ کریں تاکہ ان کا یہ فعل دشمنوں کی طرف سے موجب لعن وتشنیع نہ بن جائے باوجود اس امر کے کہ اس کا ایک بیٹا حنظلہ مارا گیا تھا۔ اور دوسرا بیٹا عمرو قیدی بنالیا گیا تھا اور اس نے قسم اٹھار کھی تھی کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کے ساتھ جنگ کر کے انتقام نہ لے گا نہ سر کو تیل و کنگھی کرلے گا اور نہ ہی اجلاو ستھرا لباس پہنے گا۔ اور نہ ہی اس وقت تک عورتوں سے مصاحبت و مجامعت کرے گا۔ اور اس کی بیوی ہندہ نے بھی یہ قسم اٹھائی تھی۔ کیونکہ اس کا باپ عتبہ اور اس کا بیٹا حنظلہ مارے گئے تھے۔ اور غزوہ احد میں مشرکوں کا امیر لشکر ابو سفیان ہی تھا۔

منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ بدر سے واپس مدینہ مطہرہ کو روانہ ہوئے تو راستہ میں روحا کے مقام پر مدینہ سے آکر ان لوگوں نے آپ کا استقبال کیا جو کسی نہ کسی عذر کے باعث آپ سے علیحدہ رہے تھے۔ روحا کا مقام مدینہ سے چھتیس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ ان لوگوں نے اپنی اپنی معذوریاں پیش کیں۔ سب قبول ہو گئیں۔ کیونکہ جنگ و قتال کے لئے باہر نکلنا متعین شدہ نہ تھا بلکہ قافلہ کی تاخت و تاراج تھی۔ اور قتال تو اچانک واقع ہو گیا تھا۔ لہذا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی غزوہ میں بھی علیحدہ نہ ہوا تھا۔ سوائے غزوہ تبوک کے۔ اور اس کے علاوہ غزوہ بدر میں علیحدہ رہا۔ اور غزوہ بدر سے علیحدہ رہنے والے کسی بھی آدمی پر عتاب نہ ہوا تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے۔ اچانک اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کے اور کفار کے درمیان اجتماع کروادیا بغیر کسی میعاد کے اٹھتی۔ اس کے باوجود بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کہا تھا کہ انہوں نے فرمایا۔ **لا یستوی القاعدون من المومنین عن بدر والخارجون الی بدر**

اس جگہ ایک غریب حکایت ہے جو عوام الناس میں شہرت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ

حکایت کہ بدر کے پہاڑوں میں ایک مقام ہے اس مقام میں نقارہ کی مانند ایک آواز سنائی دیتی ہے جو وقت کے بادشاہوں کے نزدیک فتح و نصرت کی علامت سمجھی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ایک نشانی ہے جو حق تعالیٰ نے مومنوں کی فتح اور نصرت جو اس وادی فتح مبین اور نصرت عزیز کے طور پر واقع ہوئی۔ کے متعلق ہمیشہ کے لئے وہاں قائم کردی ہے۔ بعض علماء سے سنا گیا ہے کہ اس جگہ پر ہوا اودھر اودھر مڑ مڑا کر گزرتی ہے جس سے یہ آواز پیدا ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔ اور صاحب مواہب الدینہ نے آثار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی کشش و محبت کے باعث اس پر اعتبار کیا ہے اور اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے میں نے بہت سے حاجیوں سے سنا ہے کہ جب وہ وہاں سے گزرتے ہیں تو وہ اس آواز کو وہاں سے سنتے ہیں۔ اور کئی دفعہ میں نے اس کا انکار کیا اور کبھی کبھی میں اس کی تاویل کرتا تھا کہ شاید وہ جگہ سخت ہو گی اور چارپایوں کے سموں کی آواز وہاں گونجتی ہو گی پس لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ ریگستانی زمین ہے اور نرم ہے۔ اکثر وہاں پر سے اونٹ گزرتے ہیں۔ اور اونٹوں کے پاؤں سخت زمین پر بھی آواز پیدا نہیں کرتے اور نرم ریت پر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا رحمان فرمایا اور میں وہاں کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس جگہ پر پہنچ کر میں سواری سے اتر پڑا اور پیادہ پا چلنے لگا۔ اور اس وقت میرے ہاتھ میں ایک لمبی سی لکڑی تھی۔ جو سعدان کے درخت کی تھی۔ اس درخت کو ام غیلان بھی کہتے ہیں۔ اور تحقیق یہ کہ میں وہ جو خبر میں نے اس مقام کے بارے میں سنی تھی بھول چکا تھا۔ اور اس روز وہاں میں سیر کر رہا تھا۔ وہاں پر ایک غلام نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ ڈھول کی آواز سن رہے ہیں؟ جب میں نے ان کی بات سنی تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور مجھے وہ حکایت یاد آگئی جو میں نے لوگوں سے سنی تھی۔ اور اوپر فضا میں ہوا چل رہی تھی۔ پس میں نے طبل کی آواز سنی تو مدہوش ہو گیا اس کیفیت سے جو بوجہ خوشی اور ہیبت کی وجہ پیدا ہوئی اور اس چیز سے۔ جس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ پس میں نے شبہ کیا اور کہا کہ شاید اس لکڑی کے اندر ہوا رک چکی ہو گی جو کہ میرے ہاتھ میں ہے جس سے مجھے یہ آواز سنائی دیتی ہے۔ اور حال یہ تھا کہ میں تحقیق کی خواہش رکھتا تھا اس عظیم علامت کی۔ پس میں نے اپنے ہاتھ سے لکڑی زمین پر پھینک دی اور زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر دہشت اور وحشت کے باعث کھڑا ہو گیا۔ پس میں نے اچھی طرح سے وہ آواز سنی جو واقعی طبل کی آواز تھی جس میں ہرگز کوئی شک نہ رہا اور وہ درحقیقت ڈھول ہی کی آواز تھی۔ اور یہ یمن کی سمت سے تھی اور مکہ مشرفہ کی جانب سیر کر رہے تھے اس کے بعد میدان بدر میں اترے اور وہ آواز میں بار بار سارا دن سنتا رہا۔ اور تحقیق مجھے خبر دی گئی کہ وہ آواز ہر کسی کو سنائی نہیں دیتی ہے۔ انتھی۔

مصنف کا واقعہ:۔ اور راقم الحروف (شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ) جب اس مقام شریف پر پہنچا اور میدان بدر کی زیارت سے مشرف ہوا جو کہ مومنوں کی فتح و نصرت کا مقام تھا۔ تو ایک عجیب فسیح و وسیع اور لطیف و منور مقام میرے سامنے تھا جسے دیکھ کر معرکہ جنگ اور آنحضور سید انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام منصورین رضی اللہ عنہم کی یاد آجاتی ہے اور

وہ نقشہ خیال میں آجاتا ہے اور میرا قصد تھا کہ میں یہ مقام بھی دیکھ لوں اور وہ آواز بھی مشہور ہو چکی ہے سن لو۔ اس وادی کے باشندوں کی ایک جماعت جو وہاں پر کھڑی تھی میں نے ان سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ ہاں۔ وہ ایک ایسی شے ہے جو کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور انہوں نے اس روزدار لہجہ میں کہا جس سے کہ طلب و شماتت کا جذبہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور جب میں مکہ شریف میں آیا تو جس طرح کہ مذکور ہوا میں نے علماء و مشائخ سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا واللہ اعلم۔ اور ایک اور مضحکہ خیز عجیب بات یہ ہے کہ یہ فقیر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میدان بدر میں ان بشارتوں کے مطابق جو ہم تاریخ مدینہ میں لکھ چکے ہیں میں حضور سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام کی طلب و تجسس میں تھا اچانک وہاں پر ایک عرابی کھڑا تھا وہ ہر بار کہتا تھا۔ **هذا مقام محمد (صلی اللّٰہ علیه واله وسلم) و هذا مقام ابی جهل (لعنته اللّٰه علیه)** جب اس نے بہت دفعہ اس طرح کہا تو میں نے اس سے کہا۔ رخ و لعنتہ اللہ علیہ۔ یعنی کہ ابی جہل کے نام کے ساتھ کہو لعنتہ اللہ علیہ۔ پس وہ اس جاہلیت کے باعث جو ان کی طبیعتوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہنے لگا **لا ۔ ۔ ۔ کان قریشیا** (نہیں' نہیں۔ وہ قریشی تھا) غزوہ بدر کا ذکر یہاں پر مکمل ہو گیا جو کہ دوسرے سال ہجرت میں واقع ہوا تھا۔

سریہ عمیرؓ: اور دوسرے سال ہجرت کے واقعات میں سے سریہ عمیر بن عدی بن خرشہ ہے۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عصماء بنت مروان زوجہ زید بن حطمی۔ یہودی ایک یہودی عورت کے لئے بھیجا تاکہ اس کو قتل کر دیا جائے اور یہودیوں کی معروف عورتوں میں سے وہ ملعون ایک بے حیاء عورت تھی اور بڑی زبان آور تھی۔ وہ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی عیب جوئی کرتی رہتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں ہجو بیانی کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایذاء کا باعث بنی رہتی تھی پس عمیر رضی اللہ عنہ بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عصماء کے گھر میں رات کے وقت گئے۔ اس کا گھر مدینہ سے باہر تھا اس وقت اس کے گرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے ان میں سے ایک کو وہ دودھ دیتی تھی۔ پس اس سے اس بچہ شیر خوار کو علیحدہ کر دیا اور اپنی تلوار اس کے سینہ پر رکھ دی۔ یہاں تک کہ اس کی پشت میں تلوار گزار دی اور رات کو ہی عمیر رضی اللہ عنہ واپس آگئے اور صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اسے دیکھ کر آنحضرت نے پوچھا کہ کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کر دیا ہے۔ جواب عرض کیا۔ ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ **لا ینتطح فیها غفران** اور یہ پہلا کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا گیا۔ (کذافی روضتہ الاحباب)

اور مواہب میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عمیر بن عدی آنکھوں سے نابینا تھا۔ اور معارج النبوت میں کہا گیا ہے کہ عمیر بن عدی الخطمی قدمائے اسلام میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہ۔ اور خلوص نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل وعلا کی محبت میں اور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دوستی کے لحاظ سے شہرت یافتہ تھے۔ اور اس نے نذر مانی تھی کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلامتی سے مدینہ مطہرہ واپس آگئے تو اس ملعون عورت کو قتل کر دوں گا۔ اور عمیر رضی اللہ عنہ اس

سفر کے دوران آنکھوں کی نابینا ہونے کے باعث سواری پر سوار نہ ہوئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک عزیز کے گھر تشریف لے گئے تو اسی رات عمیر رضی اللہ عنہ ایک رہنما کو ساتھ لیکر اس معلونہ کے گھر چلے گئے اور معلوم کیا کہ اس کے پستان پر ایک بچہ دودھ پی رہا ہے۔ اس بچہ کو اس سے جدا کر دیا۔ الی آخرا القصہ۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ شاید اس میں مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو آنحضرت سے اس فعل کے بارے میں پوچھا کہ کیا مجھ پر کچھ واجب ہوتا ہے یا کہ نہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **لا ینتطح فیھا غزان** اور یہ ضرب المثل پہلی بار آنحضرت سے سنی گئی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **انا جبتم ان تنظرو الی رجل نصر اللّٰہ ورسولہ بالغیب فانظرو الی عمیر بن عدی** مراد یہ ہے کہ اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ ایسے مرد کو دیکھو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیب میں مدد کی تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس نابینا کی طرف دیکھیں کہ اس نے کس قدر سعی کی ہے اور طاعت خدا میں کیا کچھ کیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **لا تقل الاعمی ولکنہ البصیر۔** انتہی

پوشیدہ نہ رہے کہ معارج کی عبارت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ عمیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنے طور پر بغیر حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا لہذا اس کا عنوان بھی انہوں نے سریہ عمیر بن عدی کے نام سے تحریر نہیں کیا جیسے کہ روضۃ الاحباب میں کہا گیا۔ واللہ اعلم۔

غزوہ قرقرۃ الکدر:۔ اور اسی سال میں غزوہ قرقرۃ الکدر واقع ہوا یہ ایک مقام کا نام اور قرقرۃ نرم زمین کا نام ہے۔ اور کدر ایک قسم کا پرندہ ہے۔ اس کے رنگ میں سیاہی ہوتی ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ اس مقام پر بنو غطفان اور بنو سلیم کا ایک گروہ مجتمع ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک جماعت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوئے۔ اور ایک جھنڈا بھی ترتیب دیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ اور حضرت سباع بن عرفطہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا۔ رضی اللہ عنہ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ابن ام مکتوم کو بنایا۔ اور جب اس مقام پر پہنچے۔ وہاں پر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک جماعت کو دشمنوں کی طرف بھیجا اور خود بطن وادی کو روانہ ہو گئے۔ کچھ چرواہوں کو دیکھا جو اپنے اونٹ چرا رہے تھے۔ ان میں ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ آنحضرت نے اس سے پوچھا کہ بنی سلیم اور بنو غطفان کہاں ہیں۔ اس نے کہا کہ پانی کے قریب ڈیرہ لگا رہے تھے۔ اب معلوم نہیں کہ کس جگہ پر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اونٹوں کو مدینہ کی طرف ہانک لیا۔ اونٹ تعداد میں پانچ سو تھے اور صحابہ دو سو۔ خمس نکال لینے کے بعد اونٹ صحابہ میں تقسیم فرمائے اور ہر صحابی کو دو اونٹ ملے۔ اور معارج النبوت میں کہا گیا ہے کہ بعض نے زیادہ تعداد میں لکھے ہیں اور اس روایت سے یا صحابہ کی تعداد دو صد سے کم ہو گی اور یا اونٹ پانچ سو سے زیادہ ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ اور یسار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوفزدہ ہوا تو آپ نے یسار کو آزاد کر دیا۔ اور یسار آنحضرت کے مشہور غلاموں میں ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز ادا کر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ یسار بھی لوگوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہے۔ آنحضرت اس کا حال دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور آپ نے اس کو آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اس مقام پر تین روز تھا اور بعض نے دو دن لکھا ہے اور اس سفر کی مجموعی مدت پندرہ روز تھی اور بعض اہل سیر نے یہ واقعہ غزوہ سویق سے بعد کا لکھا ہے۔ اور بعض نے اس کو تیسرے سال ہجری میں شمار کیا ہے۔ اور مواہب الدینہ میں غزوہ قرقرۃ کے بعد سریہ سالم بن عمیر لکھا ہے۔

سریہ سالم:۔ اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ابی عفک یہودی کی طرف بھیجا۔ اور وہ بوڑھا آدمی تھا اس کی عمر ایک سو بیس سال کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ لوگوں کو آنحضرت کے خلاف بھڑکاتا تھا اور آپ کے بارے میں اشعار بھی کہتا تھا۔ پس اس کی طرف حضرت سالم رضی اللہ عنہ گئے اور اس کے جگر پر تلوار رکھ دی۔ اور اس میں گھونپ دی پس وہ دشمن خدا نے ایک آواز نکالی اور مر گیا۔ اور روضۃ الاحباب اور معارج النبوت میں اس سریہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد غزوہ قینقاع واقع ہوا۔

غزوہ قینقاع:۔ یہ یہود مدینہ میں سے ایک قبیلہ تھا اور بڑے بہادر اور صابر تھے۔ یہ غزوہ نصف ماہ شوال میں ہجرت سے بیس ماہ بعد اور غزوہ بدر کے بعد واقع ہوا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کافروں کا تین قسم کا سلوک تھا۔ ایک گروہ وہ تھا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصالحت کر لی تھی کہ آپ کے ساتھ ہم جنگ نہ کریں گے۔ اور آپ کے دشمنوں کو بھی مدد نہ دیں گے آپ کے خلاف اور اگر دشمن حملہ آور ہو گا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد میں رہیں گے۔ اس معاہدہ پر یہود کے تین گروہ تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ اور کافروں کی دوسری قسم وہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرتے تھے اور عداوت رکھتے تھے۔ مثلاً قریش اور ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ رکھنے والے اور تیسری قسم وہ تھی جو نہ آپ کے دوست تھے اور نہ ہی دشمن مثلاً عربی لوگوں کے وہ گروہ جو اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اور آنحضرت کا معاملہ اپنی قوم کے ساتھ کیسا رہتا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگ وہ بھی تھے جو ظاہر میں دوستی رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور اندر سے دشمن تھے اور یہ لوگ منافق تھے۔ جن کا باطن ظاہر کے موافق نہ تھا اور ان کے دل اور زبان اکٹھے نہ تھے۔

یہود میں سے نقض عہد سب سے پہلے کرنے والے بنو قینقاع تھے۔ پس واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال کے مہینہ میں ان کے ساتھ جنگ کی۔ اور مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو بنو قینقاع کے یہودیوں نے حسد و بغاوت اور عناد ظاہر کیا۔ اور کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جماعت کے ساتھ جنگ کی ہے جو لڑائی کرنے میں اچھے ماہر نہ تھے۔ اگر ہمارے ساتھ جنگ ہوتی تو پھر دیکھتے کہ ہم اس کے ساتھ کیسے جنگ کرتے ہیں۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ ان کے نقض عہد کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک مسلمان عورت بازار میں ایک زرگر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہودی اور اس عورت کے پیچھے سے آیا اور اس کے زیر جامہ کا دامن اٹھا کر اسی جانب اس کی پشت پر گرہ دے دی۔ اور مواہب میں یہ فعل اس زرگر کا ہی بتایا گیا ہے۔ جب وہ عورت اوپر اٹھی تو وہ برہنہ ہو گئی اور اس کی شرمگاہ ننگی ہو گئی۔ پس وہاں پر موجود لوگ اس عورت پر بڑے ہنسے اور عورت نے فریاد بلند کی۔ ایک مسلمان وہاں پر کھڑا تھا۔ اس نے تلوار کھینچ لی۔ اور اس یہودی کو یا اس زرگر کو مار ڈالا۔ پس یہودی قوم بھی جمع ہو گئی اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ جب یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آیا۔ آپ نے اس قوم کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ تمہیں خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں جو کچھ مصیبت آئی ہے تم کو بھی نہ آجائے۔ یہودیوں نے بھی کچھ ترکی بہ ترکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جواباً" کہہ دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم جان گئے کہ یہ قوم نقض عہد پر تلی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ **واما تخافن من قوم خيانته فانبذا ينهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين** اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ ڈرتے ہیں۔ کہ کوئی معاہدہ قوم نقض عہد کر دے گی پس ان کے عہد ان کی طرف انصاف کے ساتھ پھینک دو۔ اور اپنی طرف سے لڑائی میں عجلت نہ کریں کہ کہیں تمہاری جانب سے نقض عہد نہ ہو جائے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کی تیاری کی۔ اور مدینہ مطہرہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور سفید علم باندھا۔ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور بنو نضیر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا پندرہ دن تک محاصرہ کر رکھا۔ پس خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور تنگ آگئے اور اپنا قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ اور وہ اس پر راضی ہو گئے کہ ان کا مال و متاع سب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے لیں اور ان کے اہل و عیال اور بچے انہیں چھوڑ دیئے جائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر باندھ دیئے جائیں۔ اور چاہا کہ قتل کا حکم ارشاد فرمائیں۔ عبداللہ بن ابی سلول مشہور منافق نے ان کے گناہ کی معافی کے لئے درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخواست رد کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعراض فرمایا تو درخواست اور الحاح اور از حد بے حیائی اور بے ادبی کی حد سے بڑھ کر اس نے ان کی رہائی کے لئے آنحضرت کو تنگ کیا۔ پس اس پر اور اس قوم پر لعنت کر کے ان کے قتل سے درگزر فرمایا۔ اور ان کے لئے جلاوطنی کا حکم جاری فرما دیا۔ ابن سلول نے اس باب میں بھی الحاح و زاری کی لیکن قبول نہ ہوئی۔ اور وہ یہودی حضرت عبادہ بن صامت کے ساتھ بھی حلف رکھتے تھے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان کے ساتھ حلف سے بیزار تھے اور ان کو ان کے گھروں سے باہر نکال دیا گیا۔ اور وہ وہاں سے بطرف شام اپنی زرعی اراضی کی طرف چلے گئے۔ کچھ مدت کے بعد وہ سب ہلاک ہو گئے ان کے اموال و اسلحہ مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوئے آنحضرت نے ان میں سے اپنے لئے تین کمان تین تلواریں اور تین نیزے اختیار فرمائے اور ایک زرہ محمد بن مسلمہ اور دوسری سعد بن معاذ کو عطا فرما دی۔ رضی اللہ عنہم۔

اور کہا جاتا ہے کہ ان میں تین ہزار آدمی زرہ پوش تھے اور آپ کے حکم کے مطابق پانچواں حصہ اموال کا جدا کر دیا۔

اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ یہ پہلا خمس تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق رکھا گیا اور جب آپ غزوہ بنی قینقاع سے واپس آئے تو نحر صحابہ کرام کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا جبکہ آپ نے عید کی نماز ادا کرلی۔

امیہ بن صلت کی وفات :- اور اس سال امیہ بن الصلت شاعر فوت ہوا جو زمانہ جاہلیت میں دین میں آچکا تھا۔ بتوں کی عبادت سے باز آچکا تھا۔ اور ظہور نبوت کا منتظر تھا۔ اور اپنے ذاتی فضائل کے احساس سے اپنے دماغ نبوت و رسالت کی خواہش رکھتا تھا اور جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ظہور کی خبر سنی اور بوجہ حسد اور سابقہ شقاوت ازلی کفر میں مبتلا ہو گیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے علم و حکمت پر متضمن اشعار سنے تو اس کے حق میں آپ نے فرمایا کہ اس کی زبان ایمان لے آئی اور اس کا دل کافر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے اس کے اشعار مسلمان ہو گئے لیکن اس کا دل کافر رہا۔

غزوہ سویق :- اس کے بعد ذو الحجہ کی پانچویں شب کو اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ صفر کے مہینے میں غزوہ سویق واقع ہوا تھا۔ اور اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ ابو سفیان نے بدر کے بعد یہ قسم کھائی تھی کہ عورت کو مس نہ کرے گا جب تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ سے انتقال نہ لے گا۔ پس دو سو قریش کے سواروں کے ساتھ اور ایک روایت کے مطابق چالیس سواروں کے ساتھ نکلا اور مدینہ مطہرہ سے تین میل کے فاصلہ پر عریض کے مقام پر پہنچ گیا۔ وہاں پر ایک درخت کو جلایا اور ایک انصاری آدمی کو شہید کیا۔ پس ابو سفیان نے سوچ لیا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر دی ہے۔ اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتقال لے لیا ہے۔ اور مکہ کی جانب چلا گیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین و انصار سے دو سو سواروں کے ساتھ نکلے۔ اور ابو سفیان اور اس کے ہمراہیوں نے ستو وغیرہ (اسد کا سامان) راستے میں پھینک دیا۔ اس لئے کہ ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے وہ ستو پکڑ لئے اس لئے اس کو غزوہ سویق کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں سے لڑائی نہ کی تھی۔ اور واپس مدینہ مطہرہ کو آگئے اور اس سفر میں آنحضرت مدینہ سے پانچ روز باہر رہے تھے۔ اور بعض اہل سیر نے غزوہ سویق کا ذکر تیسرے سال ہجرت میں کیا ہے۔ اور اس سال کے ماہ ذوالحجہ میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے وصال پایا اور شوال کے مہینے میں عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے تھے۔

واقعات سال سوم بعد از ہجرت

اس سال غزوہ غطفان واقع ہوا۔ اسے غزوہ ذی امر بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ غزوہ انمار بھی اس کا نام ہے۔ یہ نجد کے گرد و نواح میں تھا۔ ماہ ربیع الاول میں جبکہ اس کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں اور اس کا سبب یہ تھا کہ نجد کے مقامات میں ایک مقام ذی امر پر بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت جمع ہو چکی ہے تاکہ وہ حوالی مدینہ میں قتل و غارت اور لوٹ مار

جائیں اور اجتماع وعثور بن حارث محاربی سے وہاں پر کیا تھا۔ خطیب بغدادی نے اس کا نام غورث لکھا ہے۔ وہ ایک دلیر جنگجو آدمی تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور چار سو پچاس سواروں کے ساتھ نکلے۔ مدینہ شریف میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ جب آپ اس علاقہ میں پہنچے تو وہ بھاگ گئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ گزین ہو گئے۔ مسلمانوں کو بنی ثعلبہ کا ایک آدمی مل گیا اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ پس وہ مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملا دیا۔ اور جنگ واقع نہ ہوئی۔ اچانک بارش ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے کپڑے بھیگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ملبوسات ایک درخت کی شاک پر ڈالے تاکہ خشک ہو جائیں۔ اور خود اس درخت کے نیچے آرام کرنے لگے اور کفار پہاڑ کی چوٹی سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے وعثور سے کہا کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکیلے ہی درخت کے نیچے آرام پذیر ہیں۔ اور اس کے ساتھی اس سے کافی دور ہیں۔ کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ اس پر اپنا ہاتھ بڑھائے۔ (عثور نے اپنی تلوار اٹھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر آکر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ کون ہے جو آج میرے ہاتھ سے تمہیں بچائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بذات خود میرا نگہبان و محافظ ہے۔ پس جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور اس کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ آنحضرت نے وہ پکڑی اور اس سے فرمایا اب مجھ سے تمہیں کون بچائے گا۔ اس نے عرض کیا کہ کوئی نہیں اور پھر کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلوار اس کے حوالے کر دی۔ اور وہ واپس اپنی قوم کے پاس چلا گیا۔ وہ کہنے لگے کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ تو تلوار کھینچ کر اس کے سر پر پہنچا لیکن تم نے کچھ نہ کہا۔ اس نے کہا کہ میں نے سفید رنگ بلند و بالا قامت آدمی کو دیکھا اس نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر مارا۔ جیسے کہ میں پشت کے بل زمین پر گر گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ اور یہ آیت پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل ہوئی۔ **یایہا الذین امنوا اذکر ونعمۃ اللہ علیکم انہم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیہم فکف ایدیہم عنکم الایہ** پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ اور اس سفر کی مدت گیارہ دن تھی اور صاحب مواہب الدینہ نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں ہوا تھا۔ انتہی۔ اور میں (شیخ عبدالحق) خدا کی دی ہوئی توفیق سے عرض کرتا ہوں کہ صحیح بخاری میں صلوت خوف کی حدیث میں غزوہ ذات الرقاع کا ذکر آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے اور اپنی تلوار درخت کی ایک شاخ سے لٹکائی ہوئی تھی۔ پس اعرابی آیا اور آپ کی تلوار مبارک اس نے پکڑی۔ اسے کھینچا اور آپ کے سر مبارک پر آکھڑا ہوا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے۔ تو اعرابی نے کہا من **یمنعک منی** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ اس کے ہاتھ سے شمشیر گر پڑی آپ نے وہ پکڑی اور اس کو بٹھا دیا۔ اس جگہ بخاری شریف میں اس کے ایمان کا کوئی تذکرہ نہ ہے۔ سوائے اس کے قسطلانی نے واقدی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ ایمان لے آیا۔ اور پھر وہ

اپنی قوم کے پاس گیا اس کے ذریعہ سے بہت سی مخلوق راہ راست پر آگئی۔ اور یہ سارا کلام غزوہ الرقاع کے بیان میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

کعب بن اشرف یہودی کا قتل:۔ اس تیسرے سال کا ایک واقعہ کعب بن اشرف یہودی کا قتل ہے جو ربیع الاول کی چودھویں رات کو واقع ہوا۔ اور اس واقعہ کا نام مواہب الدینہ میں سریہ محمد بن مسلمہ کہا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور ہمیشہ رسول خدا اور مسلمانوں کی ہجو بیان کرتا رہتا تھا اور ان کو ایذا پہنچاتا رہتا تھا اور قریش کفار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑائی پر اکساتا رہتا تھا۔ جب بدر کی فتح کی خبر اس کو پہنچی اور یہ بھی سنا کہ قریش کے سردار مارے گئے ہیں تو بڑا رنجیدہ ہوا اور قریش کی پرسش احوال کے لئے مکہ بھی گیا۔ اور بدر کے مقتولوں پر رویا اور مرثیے بھی کہے۔ اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑائی پر کفار کو رغبت دلائی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور مسلمان آپ کے پاس اکٹھے ہو گئے یہود اور مشرکوں کو دیکھا کہ مسلمانوں کو سخت ایذاء دیتے ہیں تو آپ نے ان کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور جب آپ نے اس ملعون کے متعلق سنا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ابن الشرف کی شر سے متعلق تو ہی میری کفالت فرما جس طرح کہ تو چاہے اور جس سے چاہے پس اللہ تعالیٰ سے اس کی ہلاکت اور قتل مامور ہو گیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ ایک جماعت کو اس کے قتل کے لئے بھیجیں اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون ابن الشرف کی شر کا قلع قمع کرے گا کیونکہ اب وہ برملا طور پر ہمارے ساتھ عداوت رکھتا ہے اور ہماری اور دیگر مسلمانوں کی ہجو بیانی کرتا رہتا ہے۔ اور مشرکوں کو ترغیب دیتا ہے اور ہمارے خلاف لڑائی کے لئے ان کو جمع کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس بارے میں مجھے اطلاع دی ہے اور حکم دیا ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی **الم ترا الی الملاء الذین اوتو نصیبا من الکتاب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھولاء ہدی من الذین آمنوا سبیلا اولئک الذین لعنہم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا**

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ محمد بن مسلمہ کو فرمایا کہ سعد بن معاذ سے بھی مشورہ کر لیں رضی اللہ عنہما اور چار دیگر صحابی بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے۔ ابو نائلہ جس کا نام سلکان بن سلامتہ تھا وہ کعب بن اشرف کا بھائی تھا رضاعی بھائی اور اس کا ندیم بھی رہا تھا اور جاہلیت میں۔ اور عباد بن بشر اور حارث بن اوس بن معاذ اور ابو جبش بن جبر یہ سب قبیلہ اوس سے تھے۔ اور روضۃ الاحباب میں یہ قصہ تفصیل سے درج کیا گیا ہے اور ہم نے حدیث صحیح بخاری کو اس قصہ کی اصل کی حیثیت سے لیا ہے اور اس کا ترجمہ کر کے موافق یا مخالف کی طرف سے زیادتی یا کمی کو اس میں ضم کر دیا ہے اور ترجمہ کر دیا ہے۔ روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کے بارے میں کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کے قتل کے لئے آمادہ ہو۔ کیونکہ اس نے خدا اور رسول خدا

کو ایذا پہنچائی ہے۔ پس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ میں اس کو قتل کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور محمد بن مسلمہ نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اگر اس کو قتل کرنے اور فریب دینے میں چند باتیں ایسی کہہ دی جائیں جو مبادی النظر میں بظاہر جناب سے نقض عہد معلوم ہوں تو اس کی اجازت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم چاہو کہہ لینا۔ اور جس طریقہ سے ہو سکے اس کو مار ڈالو۔ پس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہم سے ہمارے اموال میں سے صدقات و زکوۃ وغیرہ طلب کرتا ہے۔ اور ہم کو تنگی میں ڈالا ہوا ہے۔ یعنی اخذ صدقات اور دیگر تکلیف سے۔ جس کی تشریح کی گئی ہے اور حدیث بخاری میں اسی طرح ہے اور روضۃ الاحباب میں یہ بھی اور اس سے زائد بھی آیا ہے۔ یعنی کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہمارے لئے تمام بلاؤں اور مصیبتوں کا باعث ہے۔ یعنی کہ تمام عرب کے باشندوں کو ہمارے خلاف لڑائی پر کھڑا کر دیا ہے اور تجارت کے راستے مسدود کر دیئے ہیں اور ہر وقت ہم سے صدقات طلب کرتا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ ہم کو اتنا بھی میسر نہیں کہ ہم خود اپنے پیٹ پال سکیں۔ اور ہمیں تنگی اور دکھ میں ڈال دیا ہے۔ کعب نے کہا کہ خدا کی قسم۔ تم اس سے مزید دکھ اٹھاؤ گے اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس وقت ہم نے خود اس کی متابعت اختیار کی ہے اور اس کے ساتھ ہم بات کر چکے ہیں۔ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم اپنی بات سے پھر جائیں۔ وہ ملعون یہ بات سن کر خوش ہوا۔

محمد بن مسلمہ اور حضرت معاذ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہم جو کہ ساتھ تھے سب نے کہا کہ ہمیں ضرورت پڑ گئی ہے اور ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہمیں ایک یا دو وسق غلہ (یہاں راوی کو شک ہے) قرض دے دو۔ وسق ساٹھ صاع کے برابر ہے۔ ایک روایت میں وسق کا ذکر نہیں آیا بلکہ صرف یہ آیا ہے کہ کچھ مقدار ہمیں غلہ کی قرض دو۔ جیسے کہ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے۔ کعب نے کہا کہ ہاں تم کو قرض دیتا ہوں۔ اس شرط پر کہ کوئی چیز میرے پاس گروی رکھ دو۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا چیز گروی رکھیں۔ اس نے کہا کہ اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی کر دو۔ یہ کہنے لگے کہ ہم اپنی عورتیں تمہارے پاس کس طرح گروی کر سکتے ہیں۔ اس حال میں جبکہ تم عرب میں سب سے زیادہ حسین و جمیل ہو۔ اور عورتیں خوب صورت چہروں کی طرف میلان رکھتی ہیں۔ ممکن وہ تمہارے ساتھ مبتلا ہو جاوے۔ اور ادب و تعظیم کی وجہ سے یہ نہ کہا کہ تم عورتوں سے مبتلا ہو جاؤ گے اور بدکاری کرو گے۔ اس لئے کہ وہ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ کعب نے کہا اگر تم عورتیں گروی نہیں کرتے تو اپنے بیٹوں کو گروی کر دو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بیٹوں کو گروی کیسے رکھیں۔ لوگ ہمیں طعن و دشنام کریں گے اور بیٹوں پر عیب رکھیں گے کہ ایک دو وسق کے عوض گروی کر دیئے گئے اس کی بجائے ہم آپ کے پاس اپنا اسلحہ اور ہتھیار رہن کر دیتے ہیں۔ اور اسی طرح لائمہ کی تفسیر ہتھیار کی گئی ہے اور اہل لغت کہتے ہیں کہ لائمہ کا معنی زرہ ہوتا ہے۔ پس بن مسلمہ نے کہا کہ ہم رات کو آنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ابو نائلہ بھی تھے جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے اور دور جاہلیت میں اس کے ندیم تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ محمد بن مسلمہ کا بھی اس سے رضائی تعلق تھا۔ پس (رات کو) محمد

بن مسلمہ اور ابونائلہ نے کعب کو آواز دی۔ اس نے قلعہ کی جانب بلایا اور چاہتا تھا کہ ان کے پاس قلعہ کی طرف سے آئے۔ اور اس کی شادی ابھی ابھی ہوئی تھی۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو اور کس کے پاس جارہے ہو رات کے وقت کعب نے کہا کہ کوئی نہیں ہے صرف محمد بن مسلمہ اور اس کے بھائی ابونائلہ ہیں۔ عورت نے کہا کہ میں ایک آواز سن رہی ہوں جس سے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ خون ٹپکتا ہے۔ اس عورت کو یہ معانی کہاں سے معلوم ہوئے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ وقت اور حال کے مشاہدہ سے تھا کہ یہ لوگ غیر معتاد طریقے سے بے وقت آئے ہیں اور اس کو صحابہ کی محبت کا بھی علم تھا جو صحابہ آنحضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے' اور اس خبث وعداوت کا بھی علم تھا جو وہ بدبخت آنحضرت کے ساتھ رکھتا تھا اور اگر محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھی وحشت ناک آوازیں کعب کے لئے نہ دیتے تو اس عورت کو کیسے وحشت ہو سکتی تھی جو کہ اس کو بالفعل ہوئی۔ اور قسطلانی نے کہا ہے کہ یہ عبارت طالب شر کی طرف اشارہ ہے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں آیا ہے کہ انی لا عرف فی صوته الشر اور جب عورت نے خروج کعب پر ممانعت میں مبالغہ کیا۔ تو کعب نے کہا کہ اگر کسی کریم بزرگ شخص کو نیزہ مارنے اور ہلاکت کی طرف سے بھی بلایا جائے تو بہر حال وہ قبول کرتا ہے اور اس طرف چلا جاتا ہے۔ جدھر اس کو بلایا جاتا ہے۔ پس محمد بن مسلمہ اپنے چار ساتھیوں سمیت اندر آیا جو کہ اس سے اتفاق رکھتے تھے اور ان سے یہ بات پکائی ہوئی تھی کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا۔ اور جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے بال پکڑ لئے ہیں اور ان کو بل دے لیا ہے تو تم اس کی گردن اڑا دینا۔ پس کعب اپنے سر اور جسم کو کپڑے سے لپیٹے ہوئے باہر آیا اور اس کے سر کے بالوں سے خوشبو آرہی تھی۔ محمد بن مسلمہ نے اس سے کہا کہ جس قسم کی خوشبو آج تمہارے بالوں سے آرہی ہے۔ ایسی خوشبو اس سے قبل میں نے کبھی نہیں سونگھی اس نے کہا کہ میں نے عرب کی سب سے زیادہ معطر اور خوبصورت عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ تمہارے سر کے بالوں کو سونگھ لوں۔ پس اس نے اس کے بالوں کو پکڑا اور سونگھا اور دوسرے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ اور بالوں کو چھوڑ دیا۔ پھر دوبارہ بالوں کو پکڑا اور سونگھا اور مضبوطی سے بالوں کو بل دے لیا۔ اور کہا کہ اس دشمن خدا کی گردن قلم کردو۔ پس انہوں نے اس ملعون کو مار دیا اور اس کا سر تن سے جدا کر لیا۔ اور مدینہ کی طرف چل دیئے۔ اتفاقاً" حارث بن اوس کو اپنے ساتھیوں کی تلوار سے زخم ہو گیا تھا۔

کعب کے قلعہ کے آدمی باہر نکلے لیکن وہ دوسرے راستہ پر چل دیئے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھیوں کو نہ دیکھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست بقیع میں پہنچے تو انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شب میں مشغول تھے۔ آپ نے جب ان کی تکبیر کی آواز سنی تو جان گئے کہ کعب کو انہوں نے مار دیا ہے آپ نے خود تکبیر بلند کی۔ اور جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس دشمن خدا کا سر آنحضور کے قدموں کے قریب خاک پر رکھ دیا۔ اور یہ پہلا سر تھا جو اسلام میں کاٹ کر لایا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حارث بن اوس کو جو ساتھیوں کی تلوار سے زخم آگیا تھا اس پر اپنا لعاب دہن مبارک

لگادیا۔ وہ زخم جس سے کہ خون بہ رہا تھا اسی وقت مل گیا اور ٹھیک ہو گیا۔ والحمد للہ

اس مقام پر بعض عوج طبع لوگوں کے ذہنوں میں آتا ہے کہ کعب بن اشرف کو بہانے اور دغا سے قتل کرنا بارگاہ نبوت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ گمان صرف عدم فہم مقصود سے ہے۔ کیونکہ وہ واجب القتل تھا۔ حق تعالیٰ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی عہدہ معاہدہ بھی نہ تھا اور جیسے کیسے بھی ممکن تھا اسے مار ڈالنا تھا۔ اور اگر وہ جنگ میں بھی مارا گیا ہوتا تو وہ بھی اسی باب میں ہوتا۔ اور اہل شرک کا قتل کرنا اور ان کے شر و فساد کا دفعیہ بغرض اصلاح عالم اور اہل خیر بالکل اسی طرح ہے۔ جیسے کہ درختوں کی زائد شاخوں کو کاٹ دیا جاتا ہے اس لئے کہ میوہ دار شاخوں کی اصلاح ہو جائے اور ان کے کاٹ دینے میں مصلحتیں ہوتی ہیں کہ جب تک ان کو کاٹا نہ جائے درخت پھل نہیں دیتے۔ اور یہ کعب بن اشرف خود بھی اہل ایمان و تصدیق لوگوں سے نہ تھا۔ پس یہاں شک و اشتباہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ (**نسال اللہ العافیۃ**)

غزوہ بحران:۔ اور اسی سال غزوہ بحران بھی واقع ہوا۔ اس کو غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں اس کا سبب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو یہ خبر پہنچی کہ اس جگہ پر بنو سلیم کا ایک بہت بڑا گروہ اکٹھا ہوا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تین سو صحابہ کے لشکر کے ساتھ نکلے۔ اور آپ نے وہاں آکر دیکھا کہ وہ منتشر ہو چکے ہیں اور اپنے گھروں اور پناہ گاہوں میں جا کر چھپ گئے۔ پس آنحضور واپس آگئے اور جنگ نہ ہوئی۔ اور مدینہ شریف پر ام مکتوم کو عامل بنایا گیا تھا۔ اور اس سفر کی مدت دس روز تھی (کذا فی المواہب اللدنیہ) اور یہ غزوہ مواہب میں مذکور ہے لیکن دوسری کتب میں نہیں ملتا۔

سریہ قردۃ:۔ اور اسی سال سریہ قردہ واقع ہوا۔ یہ نجد کے پانیوں میں سے پانی کی ایک جگہ تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ساعت شریفہ تک یہ بات پہنچی کہ قریش کا ایک قافلہ اعراق کے راستے ملک شام کو جا رہا ہے۔ اس سے پہلے قریش حجاز کے راستے شام جایا کرتے تھے۔ وہ واقعہ بدر کے بعد ڈر گئے اور وہ راستہ ترک کر دیا۔ اور اعراق کا راستہ اختیار کر لیا۔ اس بار ان کے تاجروں کا بڑا گروہ نکلا جن میں ابو سفیان اور صفوان بن امیہ بھی تھے۔ اور ان کے ساتھ بڑا مال و متاع اور چاندی سونا وغیرہ تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ یہ وقت جمادی الاخری کا مہینہ اور ہجرت سے اٹھائیس ماہ بعد تھا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سو سوار تھے۔ پس یہ فوجی دستہ قافلہ کے سر پر جا پہنچا۔ قافلے میں موجود بڑے بڑے سردار بھاگ گئے۔ باقی سارے قافلہ کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ پانچواں حصہ جدا کر لیا جائے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ یعنی خمس بیس ہزار درہم تھا۔ اور بعض روایات میں پچیس ہزار درہم تھے۔ باقی سب مال اہل سریہ پر تقسیم کر دیا گیا۔ اور ابن اسحاق نے اس قضیہ کا ذکر کعب بن اشرف یہودی کے قتل سے پہلے کیا ہے اور اس سال کعب بن اشرف کے قتل کے بعد ———— کے بعد ابو رافع کے قتل کا واقعہ ہوا۔ یہ حجاز کا ایک بڑا تاجر تھا۔ اور یہ واقعہ کعب کے قتل کے واقعہ سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ اور اس باب میں صحیح بخاری میں دو حدیثیں آئی ہیں۔ جن میں تھوڑا سا اختلاف آیا ہے۔ ہم وہ دونوں یہاں

اکثمی نقل کرتے ہیں۔ اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک قول کے مطابق اس کا قتل چوتھے سال میں ہوا۔ اور ایک قول کے مطابق پانچویں سال میں اور ایک قول کے مطابق چھٹے سال میں اور یہی قوی ترین قول ہے۔ اور اس کا ایراد سال پر کعب بن اشرف کے قتل کے مناسب ہو گا جیسے کہ حدیث بخاری میں بھی اس جگہ پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور قسطلانی نے شرح میں رمضان شریف میں لکھا ہے۔ اور علماء نے ابو رافع کا نام عبداللہ بتایا ہے۔ اور بعض نے سلام بتایا ہے۔ سلام بن ابی الحقیق۔ اور یہ کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا کنانہ صفیہ کا خاوند تھا۔ اس کا ذکر غزوہ خیبر میں آئے گا۔ وہ ارض حجاز میں ایک قلعہ میں رہتا تھا۔ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذاء دینے میں مشغول رہتا تھا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کے لئے مشرکوں کو امداد فراہم کرتا تھا۔

ابو رافع کا قتل:۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ قاتلان کعب قبیلہ اوس سے تھے جنہوں نے توفیق الٰہی سے یہ بڑا کام کیا تھا اور اسلام کی نیک خدمت بجالائے۔ لہٰذا ابو خزرج کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اعدائے دین میں سے کعب کی مثل کا کوئی شخص قتل کریں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ابو رافع بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے میں کوشاں رہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ میں مشرکوں کو مال و منال سے امداد فراہم کرتا ہے اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ابو رافع کے قتل کے لئے کوئی حکم یا ترغیب نہ دی گئی تھی۔ بلکہ خزرج والوں نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو آنحضرت نے اجازت دے دی اور اس کام کے لئے ان کے آدمیوں کی ایک جماعت ترتیب دی ان کا امیر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ابو رافع کا قلعہ خیبر میں تھا۔ یہ اجازت ملنے کے بعد ادھر کو روانہ ہوئے۔ یہ بوقت غروب آفتاب کے وقت وہاں پہنچے۔ اس وقت چراگاہ سے چوپائے واپس قلعہ کے اندر لائے جا رہے تھے۔ عبداللہ بن عتیک نے ساتھیوں سے کہا کہ تم یہاں بیٹھو اور اس مقام پر رہنا۔ میں قلعہ کے دربان کے ساتھ مل ملا کر قلعہ کے اندر داخل ہوتا ہوں اور تم کو بھی اندر لے آؤں گا۔ چنانچہ وہ قلعہ کے قریب آئے اور اپنا سر چھپائے رکھا۔ اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے کہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس طرح ظاہر کیا جیسے کہ اہل حصار میں سے ہیں پس دربان نے آواز دی کہ اے بندہ خدا اگر اندر آنا چاہتا ہے تو جلدی سے آؤ۔ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں۔ پس میں اندر آ گیا اور جہاں گدھے باندھے جاتے تھے وہاں پر چھپ گیا۔ جب لوگ ابو رافع کے ساتھ کھانا کھلانے میں مصروف ہوئے اور باتیں کیں اور اٹھ کر چلے گئے اور سب حرکت ساکن ہو گئیں اور تمام آوازیں فرد ہو گئیں۔ اور دربان کو دیکھا کہ دروازہ کی چابی طاقچہ میں رکھ دی ہے۔ اور خود سو گیا ہے۔ میں اٹھا چابی اور دروازہ کھول دیا۔ اس لئے کہ اگر اہل قلعہ کو میرا پتہ بھی چل جائے تو میں آسانی سے بھاگ کر دروازہ سے باہر نکل جاؤں۔ بعد ازاں مجھے پتہ چلا کہ ابو رافع بالاخانے میں ہے اور جاگ رہا ہے اور ایک قصہ خواں اس کے سامنے کہانی سنا رہا ہے۔ اور حدیث بخاری میں آیا ہے کہ کہانیاں سنا رہا تھا جب فارغ ہوئے تو ابو رافع سو گیا۔

اس وقت میں نے بالاخانے کے دروازے کھول دیئے۔ اور اندر چلا گیا اور جس کمرے کا دروازہ بھی کھولتا تھا اس کو اندر

سے بند جاتا تھا تاکہ اگر ان کو پتہ بھی چل جائے تو مجھ تک نہ پہنچ سکیں اور میں اس کمرہ تک پہنچ گیا جس میں کہ ابو رافع تھا اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ اور کمرے میں اندھیرا تھا۔ مجھے پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ کمرے میں کس جانب سویا ہوا ہے۔ پس میں نے ندا دی اور کہا۔ اے ابا رافع! وہ بیدار ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کون ہے۔ پس میں نے آواز کی سمت پر تلوار چھکی۔ لیکن مجھ پر نہایت دہشت کا غلبہ ہونے کے باعث تلوار کارگر نہ ہوئی۔ پس ابو رافع نے فریاد بلند کی اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ ایک لحظہ کے بعد پھر واپس آیا۔ میں نے اپنی آواز بدل لی۔ اور اس طرح بولا جیسے کہ کوئی اس کی فریاد کو پہنچ کر بولتا ہے۔ میں نے کہا ابو رافع یہ کیسی آواز تھی۔ اس نے کہا تمہاری ماں پر افسوس۔ گھر میں کوئی آدمی ہے اور اس نے مجھ پر تلوار ماری ہے۔ اس دفعہ بھی اس کی آواز کی سمت میں تلوار ی ماری لیکن اس دفعہ بھی چنداں کارگر نہ ہوئی۔ پھر میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی اور اتنے زور سے دبائی کہ وہ اس کی پشت سے باہر جا نکلی۔ جب اس کی ہڈیوں کی آواز سنی۔ اور اس کا کام تمام ہو گیا پس میں نے کمرے کے دروازے کھولے اور سیڑھیوں پر پہنچا۔ اور پھر نچلی سیڑھی پر قمارات کو چاندنی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ زمین ہے۔ لہٰذا گر پڑا اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پنڈلی ٹوٹ گئی پس اس ٹوٹے پاؤں کو اپنی پگڑی سے باندھا اور ایک پاؤں پر اچھل اچھل کر روانہ ہوا۔ اور اپنے ساتھیوں سے آملا اور ہم قلعہ سے باہر ٹھہرے رہے چنانچہ ہم نے نوحہ خوانوں کی آوازیں سنیں اور لوگوں کو کہتے سنا کہ حجاز کا تاجر مارا گیا ہے اس کے بعد میرے ساتھی مجھے اٹھا کر مدینہ تک لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے خبر سنی تو بڑے خوش ہوئے اور میرے شکستہ پاؤں پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ وہ فوراً ٹھیک ہو گیا اور میں اپنی جگہ پر تندرست کھڑا ہو گیا۔ اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ابو رافع کے قتل کی روایت صحیح بخاری میں مندرج ہے اور کتب سیر میں دیگر طریق سے مذکور ہے لیکن جو صحیح میں مذکور ہے وہ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم باسرارہ۔ انتہی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارک:۔ اور اس سال نصف ماہ رمضان کو سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ بتول ریحانہ مشموم امام سموم نور دیدہ مصطفیٰ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ ان اہل بیت طہارت کے حالات اپنے مناسب مقام پر مذکور ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دختر عمر بن خطاب اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہم سے نکاح:۔ اس تیسرے سال ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دختر اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما سے آنحضرت نے نکاح فرمایا۔ ان کا حال بھی ان کے مناسب مقام پر بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

غزوہ احد

اور اسی تیسرے سال ہجرت میں غزوہ احد واقع ہوا۔ شوال کا مہینہ تھا گیارھویں رات گذر چکی تھی یا ساتویں اور بعض

نے نصف شوال لکھا ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ سے منقول یہ ہے کہ بدر کے بعد دسویں سال۔ ان سے منقول ہے کہ ہجرت سے اکتیس ماہ بعد۔ اور یہ غزوہ بھی عظیم غزوات سے ہے۔ غزوات اسلام میں قریب قریب بدر کے برابر۔ اس جگہ یعنی بدر میں حسن و جمال اور فضل و کمال کا ظہور تھا اور اس میں شان کبریا اور ناز و جلال کا ظہور تھا بوجہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینے کے۔ جیسے کہ سابقا" بیان کیا گیا ہے۔ اور بعض صحابہ کے استقامت سے تزلزل کے باعث جن کے لئے کہ آنحضرت نے تعین و ثبت فرمایا تھا۔ اور مال غنیمت اور متاع دنیا کی طرف میلان کے باعث جیسے آیہ کریمہ ہے۔ **منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرہ** تزلزل ' وحشت اور دوسری چیزیں جو مذکور ہوئیں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور معارج النبوت میں کہا گیا ہے کہ احد کے وحشت ناک غزوہ میں بھی آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مسلمانوں کو ہی فتح و نصرت اور عزت و رفعت ملی۔ اور مواہب میں بعض علماء سے منقول ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہزیمت ہوئی اسے توبہ کروانی چاہیے۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دینا چاہیے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقین کامل پر تھے لہٰذا ان کے لئے اسناد ہزیمت نفی یقین پر مستلزم ہوتی ہیں اور یہ موجب کفر ہے اور احد ایک مشہور پہاڑ ہے مدینہ شریف کے قریب۔ اور لفظ احد کا اشتق توحد سے ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے پہاڑوں سے علیحدہ اور منقطع ہے۔ اور مدینہ شریف سے شمال کی جانب دو میل کی مسافت پر یا اس سے زیادہ پر واقع ہے۔ جہاں اس کے ساتھ کوئی دوسرا پہاڑ پیوند و پیوسط نہیں ہے۔ نیز اس لئے کہ وہ اہل ایمان و توحید کی نصرت و مدد کا مقام ہے اور اس نکتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر احد نام کا اطلاق اہل اسلام کے طرف کے لحاظ سے ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ کہ اس کا یہ نام قدمی اور پرانا چلا آتا ہے۔ اسلام سے بھی پہلے سے۔ اور اس پہاڑ کے فضائل میں بہت سی احادیث ہیں۔ ہماری کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں وہ سب مذکور ہیں اور اس پہاڑ کی فضیلت میں یہ حدیث مشہور ہے۔ **احد جبل یحبنا ونحبہ** یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظر پاک احد پہاڑ پر پڑی آپ نے تکبیر بلند کی اور فرمایا۔ **ھذا جبل یحبنا ونحبہ علی باب من ابواب الجنۃ** پھر مدینہ شریف کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام عیر ہے۔ اس کی شان میں آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ **وعیر جبل یبغضنا ونبغضہ علی باب من ابواب النار** اس جگہ سے معلوم ہوا کہ جمادات میں بھی بغض عداوت اور سعادت و شقاوت ظاہر ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ہر دو جانب سے محبت مذکور ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جانب سے احد کے پہاڑ کے لئے اور احد پہاڑ کی طرف سے آنحضرت کے لئے محبت مذکور ہے اور یہ جانبین کی محبت حقیقت پر محمول ہے۔ لہٰذا اس احد پہاڑ کے لئے آیا ہے۔ جبل جنتہ۔ اور جنت سید کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جگہ ہے۔ **والمرء مع من احبہ** اور پہاڑوں میں عشق و محبت کا وجود تسبیح کے وجود کے حکم پر ہے جو جمادات میں ہے۔ **وان من شیئی الا یسبح بحمدہ** اور چونکہ پہاڑ اور تمام جمادات اللہ تعالیٰ کے ذکر و تسبیح کے مقامات ہیں۔ اور وہ حبیب علیہ الصلوات والسلام سے محبت رکھنے کی صفت

سے بھی موصوف ہوں تو اس میں کیا مشکل ہے۔
اور اس پہاڑ رفیع الشان کے بارے میں آنحضور کا یہ فرمانا اسکن یا احد فانما علیک نبی و صدیق و شہیدان پہاڑ کے عقل و فہم پر دلیل ہے۔ اور عقل و فہم کے لوازمات میں سے عشق و محبت ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درختوں کا سلام کرنا اور لکڑی کے ستون کا آپ کی مفارقت میں گریہ کرنا اس مطلوب کے حق میں واضح دلائل ہیں اور اس محبت کی تاویل وغیرہ کرنا نادانی ہے۔ اور اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ اس جگہ محبت سے مسرت کی طرف اشارہ ہے جو اس علاقہ کے اعظم و ارفع آثار میں سے اس پہاڑ کو دیکھ کر محسوس ہوئی۔ جو کہ وہ زبان حال سے مدینہ اور اس کے باشندوں کے بارے میں بشارت کی خبر دیتا تھا۔ اور یہ مجہول کا کام ہے۔ یہ بھی علم اور قیاس و عقل کی تنگی کے باعث ہے اور حق وہ ہی ہے جو ارباب بصیرت نے کہا ہے۔ اور اس جگہ طویل گفتگو ہے ہم پھر اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں جو کہ غزوہ احد کے اسباب کا بیان ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب بدر سے مشرکین واپس مکہ آئے اور ابو سفیان اپنے قافلہ کو لے کر آیا اور ان کا تمام سامان دار الندوہ میں رکھا تھا۔ قریش کے سردار اور ان کے بیٹے بدر میں قتل کردیئے گئے تھے۔ لوگوں نے ابو سفیان کو کہا کہ لوگوں کو کہے کہ اپنے اموال کے ذریعے ہماری مدد کو تاکہ اس سے لشکر کو مسلح کرلیا جائے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے) انتقال لیں۔ اور اس کے خلاف جنگ کو نکل سکیں۔ آہ تم کس قدر بے عقل ہو۔ تم چاہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور اس کے صحابہ سے کینہ بر آری کریں۔ اللہ تعالیٰ جو تم سے انتقال لے گا اس کا علاج کیا کرو گے۔ کہ انا من المجرمین منتقمون اور علماء بیان کرتے ہیں کہ مجموعی طور پر ایک ہزار اونٹ مال و اموال سے لدا ہوا تھا۔ اس کا راس المال پچاس ہزار اور ربح پچیس ہزار ہوا۔ پس پچاس ہزار کو مالکوں کے سپرد کردیا اور ربح پچیس ہزار کو فوج کے سامان کی تیاری میں صرف کیا اور ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وان الذین کفرو ینفقون اموالهم لیصدوا عن سبیل اللّٰه فسینفقونها ثم تكون عليهم حسرة ثم يغلبون اس کے بعد چرب زبان عربوں کو جن میں عمرو بن العاص بھی تھے عرب کے قبائل میں بھیجا۔ تاکہ ان کو اپنی مدد و اعانت کے لئے کہیں۔ اس طرح بہت زیادہ لشکر جمع کیا۔ اور بکرو اور بیدل ہو گئے اور اپنے ساتھ عورتوں کا ایک گروہ بھی لے گئے۔ تاکہ وہ مقتولین بدر پر نوحہ خوانی کریں کیونکہ ان کے مارے جانے کا زخم بھی ابھی تازہ تھا اور جنگی ترانے گائیں جن سے انتقال لینے اور قتل کرنے کا جذبہ تازہ ہو اور اس پر تاکید ہو۔ گو ابو سفیان عورتوں کو ساتھ لے جانے پر اتنا راضی نہ تھا لیکن اس کی زوجہ ہند جو کہ عتبہ بن ربیعہ کی دختر تھی وہ عورتوں کو ساتھ جانے پر بضد تھی۔ اور جب لشکر تیار ہوا تو تین ہزار آدمی جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور عورتوں کے پچاس ہودج شمار کئے گئے اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف جنگ پر نکلے سبحان اللہ۔ کہاں جاتے ہیں اور کس کام کے لئے جاتے ہیں۔ اور کس کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ نعوذ باللّٰه من غفلة والشقاوة

اور حضرت عباس بن عبد المطلب جو کہ اس وقت مکہ میں تھے انہوں نے ایک خط حضرت رسالت پناہ کی خدمت میں

ارسال کیا اور ان کے لشکر کی تیاری اور تعداد کے متعلق خبر دی۔ اور قاصد کو کہا کہ تین روز کے اندر اندر خبر پہنچادے۔ پس یہ لشکر جرار مدینہ منورہ کی طرف چلا اور قرار پایا کہ اس کا سردار ابو سفیان ہو گا۔ کیونکہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عداوت میں سخت تھا۔ جب یہ لشکر مدینہ سے پانچ چھ میل کی مسافت پر مقام ذوالحلیفہ پر پہنچا تو وہاں تین روز تک قیام کیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت خباب بن المنذر کو جو کہ بڑے صاحب عزم و رزم تھے بھیجا تاکہ وہ دشمن کے لشکر کی تعداد اور کیفیت کی خبر لائے۔ اور جو کچھ عباس بن عبدالمطلب نے لکھا تھا اور جو کچھ اصل میں واقع ہے پورا پورا پتہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل اللھم بک احول وبک اصول** اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر کسی کو خبر ملے جس میں دشمن وغیرہ کی طرف سے خوف و ہراس ہو تو چاہیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی جانب رجوع کرے۔ اور اس پر توکل کرے اور اس سے امداد و استعانت کا طلبگار ہو۔

اور معارج النبوت میں واقدی سے منقول ہے کہ جب مشرکین ابواء کے مقام پر پہنچے تو کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی والدہ کی قبر اس جگہ پر ہے اسے کھود کر ہڈیاں باہر نکال لیں۔ تاکہ اگر ہماری عورتیں اس کی قید میں آپڑیں تو ہم کہیں گے کہ تمہاری والدہ کی ہڈیاں ہمارے پاس ہیں۔ ہمارے عورتوں کے عوض وہ ہڈیاں ہم سے لے لو۔ اور ایسا نہ بھی ہو تو پھر بھی مال کثیر دے کر ہم سے ہڈیاں حاصل کرے گا۔ جب لشکریوں نے اس بارے میں ابو سفیان سے مشورہ کیا۔ تو اس نے اس رائے کو پوشیدہ اور مخفی رکھا اور کہا کہ بنو بکر اور بنو خزاعہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے حلیف اور دوست ہیں۔ اگر ان کو اس بات کی خبر ہو گئی تو وہ ہمارے تمام مردوں کو قبروں سے نکال لیں گے پس ابو سفیان لشکر کو لے کر وہاں سے روانہ ہو پڑا۔ اور بطن وادی جا اترے احد پہاڑ کی جانب سے مدینہ شریف کے مقابل۔ اور جمعہ کی رات میں کہ ہفتہ کے روز دونوں فریق آپس میں ملیں گے۔ بعض بڑے بڑے صحابہ جیسے کہ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ۔ ولید بن حضیر دلیر اور بہادر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت میں کھڑے رہے اور ساری رات بیدار رہے۔ اور بعض مسلمان اس رات مدینہ شریف کی حفاظت کرتے رہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ گائیں ذبح کی جارہی ہیں اور کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے اور دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو مضبوط زرہ میں کر لیا ہے۔ اس طرح خواب مواہب الدینہ روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ اور معارج النبوت میں یوں ذکر کیا ہے کہ میں نے مضبوط زرہ پہن رکھی ہے اور میری شمشیر ذوالفقار میں چند رخنے پڑ گئے ہیں۔ اور گائیں تمام ماری گئی ہیں۔ اور ان کے بعد مینڈھا ذبح کیا گیا ہے اور ذوالفقار نام کی تلوار مب بن حجاج سہمی کی تھی جو بدر میں غنیمت میں آئی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دشمنوں کے لئے وہ خود رکھ لی تھی۔ اور غزوہ خندق تک یہ آنحضرت کے پاس رہی۔ غزوہ خندق میں آپ نے یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ اور صحیح بخاری میں صرف تلوار لکھی ہے۔ (یعنی ذوالفقار نام نہیں) لیکن قسطلانی نے کہا ہے کہ اس سے مراد ذوالفقار ہی ہے۔ صحیح بخاری میں خواب کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو جنبش دی۔

تو اس کا دستہ منقطع ہو گیا۔ پس یہ وہ چیز تھی جو مسلمان کو احد کے دن شکستگی اور ہزیمت کی صورت میں پہنچی اس کے بعد میں نے اس کو بلایا دوسری بار۔ پس وہ پہلے سے بہتر ہو گئی۔ پس یہ وہ چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے فتح اور اجتماع مومنین کی صورت میں لایا۔ اور یہ خبر روضۃ الاحباب اور معارج النبوت میں ذکر نہیں کی گئی۔

اب رہی یہ بات کہ خواب کی تعبیر میں جو کچھ کہا گیا۔ زرہ محکم سے مراد مدینہ شریف ہے۔ اور ذوالفقار میں رخنہ پڑنے سے مراد وہ مصیبت ہے جو مجھ پر پڑی یعنی جو کچھ آنحضور کے لب مبارک دندان شریف اور رخسار مبارک کو پہنچی۔ اور ذوالفقار میں رخنہ سے مراد ہے کہ اہل بیت آنحضرت سے ایک شخص شہید ہو گا۔ شاید اس مرد سے سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ ہوں گے اور گائیں ماری جانا سے مراد ہے صحابہ کا شہید ہونا۔

اور مخفی نہ رہے کہ بقر ایک جنس کا نام ہے۔ پس مواہب کی عبارت جو کہا گیا ہے کہ بقر سے آدمی مراد ہیں جو صحابہ سے شہید ہوں گے بہتر تعبیر ہے لیکن کبش سے روضۃ الاحباب میں مراد لی گئی ہے۔ لشکر قریش کا دنبہ یعنی ان کا کبار میں سے ایک۔ جس کو کبش الکتیبہ کہتے تھے۔ مارا جائے گا۔ اور معارج النبوت میں کہا گیا ہے۔ دشمنوں کے کبار میں سے ایک۔ (کذا قالوا)

اور اس مسکین (شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ) کے ذہن میں اس طرح آتا ہے کہ بقر جس کا معنی بیل ہے اس سے مراد عمومی صحابہ ہیں۔ اور بالخصوص کبش سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ حملہ کرنے میں سینگو والے نر مینڈھے کی طرح تھے واللہ اعلم۔ کہ جو لوگ انصار میں سے مشہد بدر میں حاضر نہ تھے وہ بڑی حسرت و افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ اب کوئی ایسا قضیہ واقع اور معرکہ ہو۔ تو اس تقصیر کی تلافی کریں۔ چنانچہ اس کی مثل تھا جو بنو اوس کے ہاتھوں کعب بن اشرف کا قتل واقع ہوا تو بنو خزرج نے چاہا کہ ان کے ہاتھوں بھی کوئی اس طرح کا کارنامہ واقع ہوا

اور مسلمانوں کی آپس میں رائے میں اختلاف تھا۔ کچھ کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نہ جانا چاہیے اور عورتوں اور بچوں کو قلعہ میں بھیج دینا چاہیے۔ اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے شریف بھی ان کے مطابق ہی تھی۔ اور عبداللہ بن ابی منافق نے بھی یہ ہی رائے دی۔ لیکن حمزہ بن عبدالمطلب اور مہاجرین سے ایک جماعت اور سعدہ بن عبادہ اور بنو اوس اور بنو حزرج سے ایک جماعت یہ کہتے تھے کہ اگر ہم شہر میں محصور ہو گئے تو دشمن اس سے ہماری کمزوری کی دلیل لیں گے جو ان کے لئے مزید جرات کا سبب ہو گا اور باوجود اس کے کہ ہم بدر میں تین سو مرد بھی نہ تھے۔ پروردگار تعالیٰ نے ہماری نصرت فرمائی تھی۔ اور آج الحمد للہ ہمارا لشکر قوی ہے۔ اور تعداد میں بھی کافی ہیں۔ اور عرصہ سے ہم اس قسم کے دن کی آرزو رکھتے تھے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم۔ ہم احد کے میدان میں خوش ہیں۔ فتح ہو یا شہادت ہمیں دونوں پسند ہیں اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس خدا کی قسم جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے۔ میں اپنا روزہ افطار نہ کروں گا جب تک مشرکوں کے ساتھ اپنی تلوار سے جنگ نہ کروں اور انصار میں سے نعمان بن مالک دلاور دل اور جانبازوں میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ خواب بیل کا

جو ذبح آپ کو خواب میں دکھلایا گیا ہے وہ میری شہادت ہے۔ اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی خدا نہ ہے۔ میں بہشت میں داخل ہوتا ہوں آنحضرت نے فرمایا کہ کس سبب سے اس نے عرض کیا کہ سبب یہ ہے کہ میں خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ اور معرکہ جنگ میں دشمنوں کے پیچھے سے نہیں ہٹوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم درست کہتے ہو۔ اور نعمان رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں مرتبہ شہادت پایا۔ اس جگہ سے معلوم ہوا کہ مومن صادق اگر جزم کرے بلکہ قسم بھی اٹھالے کہ میں بہشت میں داخل ہوتا ہوں تو درست ہوتا ہے۔ اور نفس قصد ہی کرنا چاہیے۔ اور یہ در حقیقت غلبہ امید واعدہ حق پر الحق یقین اور حسن ظن ہے پروردگار تعالیٰ پر انه لا یخیب من رجاہ القصہ صحابہ کرام نے اتنا مبالغہ اور الحاح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بیرون مدینہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ واللہ اعلم۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ اور جہاد کا امر فرمایا اور خبر ارشاد فرمایا کہ تمہاری نصرت امداد فرمائی جائے گی اگر تم صبر کرو گے اور ثابت قدم رہو گے اور حکم فرمایا کہ فوج کو تیار و مرتب کیا جائے۔ پس وہ جماعت جو باہر جا کر لڑنے کی خواہش رکھتی تھی خوش ہو گئی۔

اور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عصر کی نماز گزاری تو حجرہ میں تشریف لے گئے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ کی خدمت میں اندر چلے گئے اور (میرو سیلہ فی الدرین) کے سر مبارک پر دستار شریف پہنائی۔ اور جسم مبارک پر زرہ سجائی۔ اور ہتھیار زیب تن کرائے اور حجرہ شریف کے دروازے پر آدمیوں کا ہجوم آپ کے باہر لانے کا منتظر کھڑا تھا اور سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ آنحضرت پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ زمام اختیار ان کے سپرد کی جائے۔ اور بہتر ہے کہ آپ پر اکراہ و مبالغہ نہ کیا جائے۔ اسی گفتگو میں تھے کہ خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوۃ و اکمل تسلیمات حجرہ شریف سے مسلح باہر تشریف لائے۔ سر پر دستار مبارک سجائے زرہ پہنے ہوئے کمر باندھے ہوئے شمشیر حمائل کئے اور نیزہ ہاتھ مبارک میں پکڑے ہوئے آپ باہر تشریف فرما ہوئے۔ جب صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس صورت میں دیکھا تو سب حیران و پریشان ہوئے اور سب کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ کی رائے مبارک کے خلاف قدم اٹھائیں جو کچھ آپ کے دل میں آتا ہے ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ ہم سے خطا سرزد ہوئی ہے جو ہم اس سے پہلے اسرار کرتے رہے ہیں۔ (میرے آقا و مولا) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تم سے کہا تھا لیکن تم نے نہ سنا اور مبالغہ اور الحاح کیا۔ اب یہ سزاوار نہیں ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہتھیار پہن لے تو پھر واپس اتارے جب تک کہ خدا تعالیٰ حکم نہ فرمائے اس کے اور اس کے دشمنوں کے مابین اور اب جو کچھ میں فرماتا ہوں اور جو کرتا ہوں وہ سنو اور کرو۔ اور صبر و استقامت اختیار کرو۔ نصرت و اعانت آپ کے لئے ہو گی۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس غزوہ کی ابتدائے کار اختلاف و کراہت سے تھی۔ شاید اسی لئے ابتدائے جنگ میں اختلال اور تزلزل رونما ہوا لیکن چونکہ بالآخر اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہی دیا گیا آپ باہر تشریف لائے اور پکا ارادہ کر لیا۔ بمطابق حکم **فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ** آخر کار فتح و ظفر واپس میسر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

تین جھنڈے ترتیب دیئے گئے۔ مہاجرین کا جھنڈا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ اور بنو اوس کا جھنڈا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور خزرج کا جھنڈا خباب بن المنذر کے ہاتھ عطا کئے گئے۔ رضی اللہ عنہم اور حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا گیا اور میرے محبوب اور وسیلہ اعظم فی العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احد کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام مسلمان بھی آنجناب کے ہمرکاب تھے۔ ان میں سے ایک سو آدمی زرہ پوش تھے۔ اور فوج کے اعداد و افراد ایک ہزار تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق نو سو تھے۔ اور سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما دونوں زرہ پہنے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب منزل شیخین پر پہنچے تو لشکر کا ایک گروہ تھا جن سے خشونت کی آواز سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کان شریف تک پہنچی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ ہیں۔ یہودیوں میں سے آپ نے ارشاد فرمایا۔ **لا تستنصروا باھل الشرک علی اہل الشرک** اس جگہ پر لشکر ٹھہر گیا اور صحابہ میں سے صغیر سن لڑکوں کو مثلاً عبداللہ بن عمر بن خطاب' زید بن ثابت' اسامہ بن زید' زید بن ارقم' براء بن عازب' ابو سعید خدری' سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج وغیرہم رضی اللہ عنہم تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا گیا کہ وہ واپس مدینہ شریف چلے جائیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! رافع تیر انداز ہے۔ تو آنحضرت (مختار کائنات) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ نے رافع کو اجازت دے دی ہے اور میں رافع کو زمین پر پچھاڑ سکتا ہوں مشفق دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کشتی کریں۔ جب کشتی ہوئی تو سمرہ نے رافع کو زمین پر گرا دیا۔ پس سمرہ کو بھی اجازت عطا فرمائی گئی۔ جب آفتاب غروب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کی۔ اور سب نے باجماعت نماز ادا کی۔ اسی جگہ پر رات بسر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنو بخار میں اترے تھے۔ اور مشرک بھی نزدیک تھے وہ دیکھتے تھے کہ لشکر اسلام کیا کر رہا ہے۔ انہوں نے بھی عکرمہ بن ابو جہل کو مقرر فرمایا کہ وہ ان کے لشکر کی نگہداشت کرے۔ جب صبح طلوع ہوئی۔ تو سالار دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ نے رہنما طلب فرمایا۔ ابو حثمہ حارثی یہ خدمت بجالائے۔ پس آنحضرت شاہسوار عالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابو حثمہ راہنما بنے۔ اور آنحضرت محبوب دو عالم کو میدان احد میں پہنچایا۔ دوران راہ ایک منافق پر گزر ہوا جس کا نام مربع بن قیلی تھا۔ اور وہ کور باطن و ظاہر تھا۔ و منافق اٹھا اور لشکر اسلام پر مٹی پھینکنے لگا۔ دراصل وہ اپنے روزگار پر پھینک رہا تھا۔ میرے محبوب آنحضرت سے کہنے لگا اگر تم رسول خدا ہوتے تو میرے حائط میں داخل نہ ہوتے اور اسے خراب نہ کرتے حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر کمان دے ماری۔ اور اس منافق کا سر پھوڑ دیا۔ نبی کریم مجاہد الٰہی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **فان الاعمیٰ اعمی القلب۔**

اور جب آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احد میں پہنچے تو صبح کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ پس بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پکاری اور تکبیر بلند کی۔ لوگوں نے صفیں درست کیں اور باجماعت نماز ادا کی۔ اور آنحضرت نے ایک زرہ بغل میں پہنی اور

دوسری زرہ اس کے اوپر پہن لی۔ اور سر مبارک پر خود رکھ لیا۔ اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اسباب سے تمسک کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فعل سید المتوکلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے اور در حقیقت ثقہ توکل تقدیر الٰہی پر ہے۔ اور اسباب سے معاشرت بھی جملہ تقدیر سے ہے بندگی میں داخل ہے۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اشجع الناس تھے۔ اور جس قدر کوئی شجاع ہوتا ہے اسی قدر وہ جنگ میں زیادہ دندغہ ناک' زیادہ کارگزار اور آلات جنگ کا زیادہ نگہدار ہوتا ہے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی سرگروہ منافقاں تھا۔ اس کا گروہ تقریباً تین سو آدمی تھے۔ اس مقام سے یا اس سے پہلی منزل سے ہی اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلا گیا تھا۔ تحقیق یہ ہے کہ میدان احد میں پہنچنے سے پہلے ہی وہ واپس مڑ گئے تھے اور احد تک جو کہ مومنوں اور موحدوں کا مقام ہے نہ پہنچ سکے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو شناسائے دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے کفر و نفاق کے باعث واپس بھیج دیا تھا۔

جنگ احد:۔ وصل:۔ جب لشکر اسلام احد میں پہنچا دونوں لشکروں نے صفیں باندھیں مسلمانوں نے پائین احد کے ساتھ اپنی صفیں باندھیں اور ان شور بختوں نے اس شورستان میں صفیں آراستہ کیں جو کہ وہاں پر ہے۔ اور آنحضرت آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود راست فرمائیں اور اس طرح ترتیب دی کہ کوہ احد بشت پر تھا اور مدینہ شریف سامنے تھا۔ اور وہاں ایک پہاڑ ہے جس کو عینین کہتے ہیں یہ آپ کے بائیں جانب تھا اس پہاڑ میں ایک درہ تھا جو خطرناک تھا کہ دشمن چھپ کر اس طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس جگہ تیر انداز کے طور پر بٹھا دیا تاکہ وہ نگاہ رکھیں کہ کافر اس طرف سے آ کر مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو جائیں اور ان کو تاکید کی کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ خواہ مسلمان غالب آئیں یا مغلوب ہوں یہاں تک مبالغہ سے یہ حکم دیا کہ فرمایا کہ خواہ تم دیکھو کہ ہمیں پرندے نوچتے ہیں پھر بھی تم اپنی جگہ مت چھوڑنا جب تک کہ میں تمہارے پاس کسی آدمی کو نہ بھیجوں اگر تم دیکھو کہ ہم نے کفار کی قوم کو شکست دے دی ہے پھر بھی تم یہاں سے جنبش نہ کریں۔ اور اگر وہ ہم کو مار بھی دیں تو پھر بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا۔

اور عکاشہ بن محصن اسدی کو میمنہ پر اور ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ پر اور ابو عبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص کو مقدمہ پر اور مقداد بن عمرو کو ساقہ پر مقرر فرمایا اور مشرکوں نے بھی اپنی صفیں درست کیں۔ خالد بن ولید میمنہ پر اور عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ پر اور ابو سفیان کو قلب لشکر پر تعین کیا گیا۔ اور صفوان بن امیہ اور ایک روایت کے مطابق عمرو بن العاص کو پچھلے حصہ پر پہاڑ کے شگاف کے برابر متعین کر دیا۔ اور عبداللہ بن ربیعہ کو تیر اندازوں کا امیر متعین کیا۔ اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس کو کبش کتیبہ کہتے تھے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ میرے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں تلوار تھی۔ اور اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

؎ فی الجبن عار فی الاقبال مکرمة والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو یہ تلوار لے اور اس کا حق ادا کرے پس آدمی وہ تلوار لینے

کے لئے اٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار ان کو نہ دی۔ اس کے بعد ابودجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ! اس کا حق کیا ہے آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اسے دشمن پر مارے یہاں تک کہ منحنی ہوجائے اور ریڑھی ابودجانہ نے عرض کیا کہ میں اس کا حق ادا کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تلوار عطا فرمائی۔

اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ بہادر آدمی تھے۔ میدان جنگ میں ٹہلتے تھے۔ آنحضرت نے اسے اس متکبرانہ انداز میں دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ رفتار ناپسند ہے سوائے اس جگہ کے یعنی میدان جنگ میں داخل ہوگئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب سرخ کپڑے سے باندھ لیا۔ اور معرکہ جنگ میں داخل ہوگئے اور کہا جاتا ہے کہ جب وہ سرخ عصابہ سر پر باندھتے تھے تو سخت جنگ کرتے تھے۔ اور جو بھی مشرک آپ کے سامنے آتا تھا اس کو قتل کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے قریب ابوسفیان کی زوجہ تک پہنچ گئے وہ عورتوں کے ساتھ مل کر رجزیہ نغمے گارہی تھیں اور دفیں بجاتی تھیں۔ اور کشتگان بدر پر نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ اور کشتگان بدر پر نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ ابودجانہ نے شمشیر کھینچی تاکہ ہند کو قتل کریں لیکن پھر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اور کہا کہ یہ تلوار اس سے زیادہ گرامی القدر ہے کہ اس عورت کا خون بہایا جائے اور یہ اس کے خون سے آلودہ ہو۔ پس دونوں جانب سے جنگ سخت ہوئی۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے کفار کی طرف سے جس نے لشکر اسلام پر تیر پھینکا وہ ابوعامر فاسق تھا۔ اس کو ابوعامر راہب بھی کہتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کے ساتھ آیا آواز دی۔ اور کہا کہ میں ابوعامر ہوں۔ لعنت اللہ علیہ۔ مسلمانوں نے کہا **لا مرحبا بک ولا اہلا یافاسق** پس اس نے اپنی قوم کے ساتھ مل کر تیر اندازی شروع کردی۔ اس کے ساتھ قریش کے چند غلام تھے۔ جو لشکر اسلام پر پتھر مارتے تھے۔ مسلمان بھی ان پر تیر اور پتھر مار رہے تھے یہاں تک کہ وہ فاسق اپنے یاروں سمیت بھاگ گیا اور یہ بدبخت نور نبوت کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال شریف اور بعثت مبارک کے متعلق خبر دیتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد منکر ہوگیا اور اپنے قول سے پھر گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کی اور اس کا تمام قصہ اس باب میں مذکور ہوچکا ہے۔ جس میں سابقہ امتوں اور کتابوں سے آنحضرتؐ کے بارے میں بشارات واخبار مذکور ہوئی ہے۔

اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو کافروں کا علمبردار تھا۔ نکلا اور اس نے آواز دی۔ اور اپنا مدمقابل طلب کیا۔ اس کے جواب میں شیر خدا حضرت علی رضی عنہ وکرم اللہ وجہہ نکلے اور اس سے جنگ کی اور اس کے سر پر تلوار ماری جو مغز تک چیرتی ہوئی چلی گئی۔ آپ پھر واپس آگئے اور اپنے ساتھیوں میں آملے۔ دوستوں نے کہا کہ تم نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کردیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہ زمین پر گر پڑا تو اس کی عورت نمودار ہوئی۔ اور اس نے مجھے قسم دی تاکہ میں اس سے درگزر کروں اس کے بعد اس سے مزید کچھ کرنے سے مجھے شرم محسوس ہوئی۔ اور مجھے علم ہوگیا کہ وہ جلدی ہی خود بخود مرجائے گا اور بعض روایات میں آیا ہے کہ مصعب بن عمیر نے اس کو مار دیا تھا اور علماء کا قول ہے کہ کبس کتیبہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں مارا جاتا ہوا دیکھا تھا وہ یہی طلحہ تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے کافروں پر لگاتار حملے کرنے شروع کر دیئے کافروں کی صفوں کو توڑ دیا۔ اسکے بعد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کر دیا۔ اس نے کفار کا جھنڈا اٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے دونوں شانوں کے درمیان تلوار ماری۔ یہاں تک کہ اس کا ایک بازو اور ایک کندھا نیچے گر پڑے اور اس کا پھیپھڑا ظاہر ہو گیا۔ پھر حمزہ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور آپ کہتے آتے تھے انا ابن ساقی الحجیج۔ یعنی میں ہوں حجاج کو پانی پلانے والے کا بیٹا اس سے مراد عبدالمطلب ہیں۔ جن کے حوالے سقایہ حرم تھا۔ اس کے بعد کفار کا جھنڈا ابو سعید بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا۔ اس کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ختم کر دیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ کافروں کا جھنڈا اوس سے زیادہ مشرکوں نے اٹھایا یہاں تک کہ عورت عمرہ نامی جو علقمہ حارثیہ کی بیٹی تھی اس نے جھنڈا اٹھایا اور یہ تمام کے تمام مارے گئے اور جس کسی نے بھی لشکر کفار سے سر اٹھایا۔ وہ مارا گیا۔ سر قلم کر دیا گیا اس کے بعد مومنوں نے یکبار کافروں پر حملہ کر دیا۔ مشرکین میدان سے بھاگ نکلے اور شکست کھائی۔ اور گانے والی عورتیں پہلے جو گیت گا رہی تھیں اب وہ مسرور کے بجائے نوحہ و فریاد اور واویلا کر رہی تھیں۔ اور اپنے ہاتھوں سے انہوں نے دفیں پھینک دی تھیں اور دامن کوہ کی طرف بھاگ گئیں۔ خالد بن ولید نے چاہا کہ پہاڑ کے درہ کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن تیر اندازوں نے اس پر تیر پھینک کر اسے واپس موڑ دیا۔ خالد نے چند بار یہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا آخر کار وہ واپس چلا گیا اور ابھی و کمین گاہ ہی میں تھا۔ القصہ مسلمان کافروں پر غالب آئے اور فتحیاب ہوئے۔ کافروں نے راہ فرار اختیار کی۔ اور ہزیمت اور ذلت کافروں کی جانب مقرر ہو گئی ناگاہ اقبالمندی کے محبوب کو بری نظر لگ گئی۔ وہ اسطرح ہوا کہ جب تیر اندازوں کی جماعت نے دیکھا کہ لشکر کفار بھاگ اٹھا ہے۔ اور مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی۔ اور بے صبری کی عبداللہ بن جبیر خود ان کا امیر تھا۔ انہوں نے ہر چند ان کو نصیحت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو تاکیدیں کی تھیں ان کی سنائیں کہ اپنی جگہ اور مرکز نہ چھوڑیں لیکن سب بے سود ان کی اکثریت چلی گئی۔ اور غارت و غنیمت میں مشغول ہو گئے اور عبداللہ بن جبیر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جو تعداد میں دس بھی نہ تھے۔ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ خالد بن ولید جس نے اس سے پہلے چند بار کوشش کی تھی کہ ادھر سے مسلمان فوج پر حملہ کرے۔ لیکن ہر بار تیر اندازوں کے باعث خائب وخاسر واپس مڑتا رہا تھا وہ ابھی مایوس نہ ہوا تھا۔ اور کمین گاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مومنوں کی غفلت و مساہلت کا منتظر تھا اس نے عکرمہ بن ابو جہل لعنت اللہ علیہ اور کچھ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا ان کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کر کے شگاف کوہ سے باہر نکلے اور مسلمانوں کے عقب سے آئے تلواریں کھینچیں اور مسلمانوں کو قتل کرنے لگے۔ لشکر اسلام میں بڑا اضطراب برپا ہوا۔ تمام لشکر درہم برہم ہو گیا شور و غل مچا اور ان میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ ایک دوسرے ہی کو قتل کرنے لگے۔ اور اپنے پرائے کا شعور نہ رہا۔ یہاں تک کہ علماء کہتے ہیں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو دو زخم مسلمانوں ہی سے ہوئے۔ اور ابو بردہ کو بھی دو زخم پہنچے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے فرمایا ھو فی سبیل اللہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کا باپ یمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہر چند

حذیفہ نے فریاد کی کہ یہ میرے والد ہیں اور مسلمان ہیں لیکن کسی نے نہ سنی اور ان کو شہید کر دیا۔ پس حذیفہ نے کہا اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور تم پر رحمت فرمائے اور حذیفہ ہمیشہ اپنے والد کے قاتلوں کے لئے استغفار ہی کرتے رہے۔ جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آئی تو آپ نے فرمایا کہ یمان کی دیت ادا کی جائے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیت وصول کی اور ایسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔ پس اشرار کا غلبہ ہو گیا اور اخیار سب بھاگ گئے یکبار معاملہ پہلے کے الٹ ہو گیا۔ کافر جلادانہ انداز میں مسلمانوں کو شہید کرنے لگے۔ اور اس جماعت سے رسول خدا کی جو نافرمانی ہوئی تھی اور جو کہ وہ دنیا کے مال کے لالچ میں پڑ گئے تھے۔ لشکر اسلام کو شکست کا سامنہ کرنا پڑا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اور ابھی مسلمانوں سے عنایت الٰہی منقطع نہ ہوئی تھی۔ اور سب کو معاف فرمادیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس پر نظر عنایت و قبول ڈالتے ہیں اسے رد نہیں فرمایا جاتا اور یہ تمام ثمرات محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے کا ہے اور ان ہی کی طفیل ہے جیسے آیا کریمہ اس پر ناطق ہے ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استز لھم الشیطان ببعض ماکسبو ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور الرحیم۔

علماء فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس وقت چار اقسام میں کٹ گئے تھے۔ ایک جماعت وہ تھی جو جنگ کر رہی تھی اور شہید ہو رہی تھی۔ دوسرا گروہ تھا جو بھاگ گیا اور پہاڑ کے نشیب و شعوب میں چھپ گئے۔ کچھ شہر کو چلے گئے اور وہاں جا ٹھہرے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے۔ اور مقاتلہ و جنگ کے فرو ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اس آیت کریمہ کے نزول سے ان کے حق میں عفو و مغفرت لکھی گئی۔ اور ایک جماعت اپنے مرکز پر ثابت قدم رہی اور قائم و دائم رہی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

اس مقام پر دل میں آتا ہے کہ سبحان اللہ۔ یہ وہی خالد بن ولید ہیں جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اور اسلام میں انہوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا خالد اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے۔ (سیف اللہ) اور باوجود سطوع الانواء اور بروز اسرار کے یہ کیسے تجلیات درمیان میں حائل تھے۔ الامور سر ھو فیہ باوتنا تہا اور خالد کا والد ولید بن مغیرہ سخت قسم کے کافروں سے تھا جیسے کہ عکرمہ کا باپ ابو جہل اور یہ دونوں سعادتمند ان دونوں بے سعادتوں میں سے تھے گویا ان دونوں مردوں میں یہ اتفاقی بات تھی۔ اب ہم دونوں کے لئے رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جبکہ ان کے والدوں کے لئے لعنتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ یخرج الحیی من المیت اور کبھی اس کے برعکس بھی واقع ہوتا ہے۔ واللہ علی کل شئی قدیر

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ جس وقت لشکر اسلام میں اختلاف و اشتباک پڑا۔ اور ایک دوسرے سے ہی الجھ پڑے ابن بتہ جو بے سعادتوں کا سردار تھا اس نے آواز بلند کی۔ الا ان محمد قد قتل دیگر روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے جعل بن سراقہ کی صورت اختیار کر لی اور یہ آواز دی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خوت بن جبیر اور ابو بردہ نے روایت کیا ہے کہ جعل بن سراقہ ہمارے پہلو میں تھا اور ہم وہ آواز اس کے علاوہ کسی اور سے سن رہے تھے۔

اور غریب روایات سے ایک یہ کہ معارج النبوۃ میں ہے کہ شیطان کی آواز جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھروں میں بھی سنی گئی جب یہ آواز فاطمۃ الزہرہ نے سنی سر پر ہاتھ رکھ کر گھر سے باہر دوڑیں اور روتی تھیں اور ہاشمی خاندان کی عورتیں بھی روتی تھیں اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ آواز کے سننے کے بعد حضرت فاطمہ میدان احد میں پہنچیں کیونکہ ان کا ذکر اس جگہ پر آتا ہے اور اگرچہ مسلمان متزلزل ہو گئے تھے اور انہوں نے بے صبری کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی جگہ پر ثابت اور قائم تھے اور سوائے چودہ آدمیوں کے ساتھ مہاجرین سے اور سات انصار سے آپ کے ساتھ کوئی نہ رہا مہاجرین سے ابوبکر صدیق' علی مرتضیٰ عبدالرحمن بن عوف' سعد بن وقاص' زبیر بن عوام' طلحہ بن عبد اللہ ابوعبیدہ بن الجراح تھے اور انصار سے خباب بن المنذر۔ ابودجانہ' عاصم بن ثابت سہل بن حنیف' اسیر بن حضیر۔ سعد بن معاذ اور حارث بن صمہ تھے رضی اللہ عنہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور روضۃ الاحباب میں آیا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ بھی ان ہی میں تھے۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ علی بطریق الحق والیقین کہتا ہے کہ تعجب ہے کہ ان میں حضرت عمر بن خطاب کا ذکر نہیں کیا۔ آپ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے جبکہ صحابہ واپس آپ کے پاس جمع تھے۔ اور ابوسفیان نے آواز دی تھی۔ **هل فی القوم ابن ابی قحافه وهل فی القوم ابن الخطاب** اور آنحضرت نے فرمایا تھا کہ جواب نہ دینا۔ آخر عمر بن خطاب بے تاب ہو گئے اور اس کو انہوں نے جواب دیا لیکن اس سے قبل ان کا ذکر نہیں کیا کہ آیا وہ تیر اندازوں میں تھے یا ان میں تھے جنہوں نے ہزیمت کھائی۔ یا ان میں تھے جو متزلزل اور مختلط ہو گئے تھے۔ وہ حکایت مشکل اور مشتبہ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

ہاں عثمان رضی اللہ عنہ کے ذکر میں ایا ہے کہ وہ بھاگ گئے تھے روز احد میں جیسے کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ مجھ کو خبر دو کہ عثمان روز احد بھاگ آئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں اس مرد نے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بدر سے غائب رہے۔ اور میدان بدر میں حاضر نہ ہوئے ابن عمر نے کہا۔ ہاں اس مرد نے کہا کہ وہ بیعت الرضوان سے علیحدہ رہے تھے اور اس میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ ابن عمر نے کہا۔ ہاں پس اس مرد نے تکبیر بلند کی۔ پس ابن عمر نے کہا کہ آؤ میں تم کو بتاؤں کہ جو کچھ تم نے پوچھا ہے۔ فرار عثمان کے متعلق میدان احد سے میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ معافی عطا فرمائی۔ اور اشارہ کیا اس آیت کی طرف جو سابقہ درج کی جاچکی ہے اور ان کو بدر سے غائب ہونا اس لئے تھا کہ دختر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے تحت تھیں اور وہ بیمار تھیں پس ان کو اپنی بیٹی کی تیمارداری کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چھوڑ گئے تھے اور فرمایا تھا کہ مجھے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا بدر میں حاضر آدمی کے لئے ہو گا۔ اور بیعت الرضوان سے آپ کا غائب ہونا اس لئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا کہ ان سے کہہ دیں کہ آنحضرت عمرہ کے لئے آئے ہیں نہ کہ جنگ کے لئے۔ اور اگر عثمان سے عزیز تر کوئی موجود ہوتا تو اس کو ضرور بھیجتے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ بھیجے گئے اور بیعت رضوان آپ کے مکہ چلے جانے کے بعد ہوئی تھی۔ اور آنحضرت نے اپنے دائیں ہاتھ کو پکڑا اور اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پس ابن عمر نے اس مرد سے

کہا کہ یہ علم اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور یہ ایک ایسا شخص تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑا اعتقاد رکھتا تھا۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں داخل تھے جس نے ہزیمت کھائی تھی۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ کا حال خصوصی طور پر بیان نہیں کیا گیا کہ آیا وہ اس جماعت میں تھے جو عبداللہ بن جبیر کے ساتھ تھی رضی اللہ عنہ۔ اور جنہوں نے زخم کھائے اور ایک دوسرے پر چل پڑے۔ اور وہ جو کہ باقی رہ گئے تھے اور شہید ہو گئے تھے۔ اور اگر وہ اس جماعت میں بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باقی رہ گئے تھے تو کیوں ان کا ذکر حدیث میں نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت:۔ وصل:۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مجمل طور پر حصہ یہ ہے کہ جب جنگ کے لئے صفیں باندھیں گئیں تو سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی نکلے اور آواز دی کہ ہے کہ کوئی میرا مد مقابل جو آکر مجھ سے جنگ کرے۔ پس حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نکلے اور اس پر حملہ کیا۔ پس وہ آدمی جہنم رسید ہو گیا۔ وحشی نامی ایک دشمن ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ جب حمزہ رضی اللہ عنہ نزدیک آئے۔ تو وحشی نے اپنا حربہ ان پر پھینکا وہ اس طرح سے لگا کہ دوسری طرف سے اس کا سرا ظاہر ہو گیا۔ پس حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحیح البخاری میں جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری سے روایت لائی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک سفر میں عبید اللہ بن عدی بن الخیار کے ساتھ نکلا جب ہم حمص پہنچے تو مجھے عبید اللہ بن عدی نے کہا کیا تم رغبت رکھتے ہو کہ وحشی کو ہم دیکھیں اور پوچھیں کہ کس طرح اس نے حمزہ کو شہید کیا تھا۔ کہاں کہ ہاں۔ یہ وحشی حمص میں تھا۔ پس ہم نے لوگوں سے اس کی جائے رہائش پوچھی۔ انہوں نے کہا وہ ہے۔ جو ایک بڑی مشک کی مانند ایک کوشک کے سایہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ پس ہم اس کے سر پر پہنچ گئے۔ تھوڑا توقف کیا پھر ہم نے اس سے سلام علیکم کہی۔ پس اس نے جواب دیا عبداللہ بن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سر اور چہرہ اپنے عمامہ میں چھپایا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ اے وحشی! کیا مجھے پہچانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ پس عبداللہ نے اپنا عمامہ کھول دیا اور چہرہ ننگا کیا اور پوچھا کہ آیا تم بتاؤ گے شہادت حمزہ رضی اللہ عنہ کا حال۔ اس نے کہا ہاں۔ بتاؤں گا۔ حمزہ نے بدر میں طعیمہ بن عدی بن الخیار کو مار دیا تھا پس میرے آقا نے مجھ سے کہا (جبیر بن مطعم) اگر تم میرے چچا کے بدلے میں حمزہ کو قتل کرو گے تو تم آزاد کر دیئے جاؤ گے۔ وحشی نے کہا جس وقت لوگ سیال عینین ایک پہاڑ ہے۔ احد پہاڑ کے برابر مقصود اس سے غزوہ احد ہے۔ میں آدمیوں کے ساتھ نکلا جنگ کے لئے جب جنگ کے لئے صف بندی ہوئی سباع باہر نکلا اور کہنے لگا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلہ کو آئے۔ حمزہ بن عبدالمطلب نکلے اور کہا اے ام انمار مقطعۃ البظور کے بیٹے تم خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہو۔ پس اس پر حملہ کیا تو وہ روز گذشتہ کی طرح ہو گیا۔ وحشی کہنے لگا۔ اور میں ایک بھاری پتھر کے پیچھے تھا۔ جب حمزہ میرے نزدیک آئے تو میں نے اپنا حربہ (بھالا) ان کی طرف پھینکا جو ان کی دونوں رانوں کے درمیان سے اگلی طرف نکل آیا۔

جب لوگ وہاں سے واپس لوٹے مکہ کی طرف میں بھی ان کے ساتھ واپس گیا۔ اور وہاں اقامت پذیر ہوا۔ یہاں تک

کہ اسلام مکہ میں پھیل گیا۔ اس کے بعد میں طائف کی جانب نکل گیا۔ یعنی بھاگ گیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طائف کو فتح کر لیا۔ تو اہل طائف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف اپنے ایلچی بھیجے۔ اور مجھے لوگوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایلچیوں کو نقصان و تکلیف نہیں دیتے۔ مراد یہ کہ تم بھی اس جماعت کے ساتھ جاؤ۔ تاکہ تو سلامت رہ جائے حتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کیا تم ہی وحشی ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا کیا تم نے حمزہ کو شہید کیا تھا۔ میں نے عرض کیا جو بات آپ تک پہنچی ہے درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اپنا چہرہ میرے سامنے سے غائب (دور ہٹا) سکتے ہو؟ پس میں وہاں سے چلا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد مسیلمہ کذاب فوج لے کر نکلا۔ میں مسیلمہ کی طرف آیا کہ شاید اس کو میں قتل کر سکوں اور اس طرح سے قتل حمزہ کا بدلہ چکا سکوں۔ پس میں اس کی طرف آیا۔ پھر واقعہ ہو گئی بات جو کہ ہوئی۔

اچانک میں نے دیکھا کہ ایک آدمی دیوار کے درمیان میں کھڑا تھا۔ گویا کہ کوئی خچر ہے جس کے بال پراگندہ تھے پس میں نے اپنا حربہ اس پر پھینکا وہ اس کے دونوں پستانوں کے درمیان سے گزر کر پشت سے جا ظاہر ہوا۔ اس وقت انصار سے ایک آدمی اس کی طرف لپکا اور اس پر تلوار ماری پس لونڈی نے کہا جو کہ چھت پر کھڑی تھی کہ امیر المومنین کو حبشی غلام نے مار دیا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری کا ترجمہ ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ جب طعیمہ بن عدی کے کہنے پر وحشی قتل حمزہ کے لئے احد کی طرف آیا۔ تو عتبہ کی بیٹی ہند جو ابو سفیان کی بیوی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں تھی۔ وہ وحشی کو راستہ میں جا ملی۔ اور اس نے بھی اس کو تحریض دلائی کہ یہ بہادری کرو تاکہ تم ہمارے دل بھی جیت لو اور آزادی بھی حاصل کر لو۔ اور میں بھی تمہیں کہتی ہوں کہ میرے باپ عتبہ کو بدر میں حمزہ نے مار دیا تھا وحشی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جنگ میں حمزہ رضی اللہ عنہ شیر مست کی طرح آرہے ہیں اپنی قوم کے درمیان۔ اور اس نے قریش کی صفوں کو چیر دیا اور منتشر کر دیا۔ ناگاہ کفار کی صفوں سے سباع بن عبد العزی خزاعی نکل کر مبارز طلب کر رہا تھا حمزہ باہر نکلے اور آکر سباع کو قتل کر دیا۔ اور میں ایک پتھر کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور میں حربہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ میرا حربہ کم ہی خطا جاتا تھا جب حمزہ غفلت کی حالت میں میرے نزدیک پہنچے۔ تو میں نے اپنا حربہ ان کی طرف پھینکا۔ وہ آپ کے جسم کی دوسری جانب آنمودار ہوا۔ حمزہ نے میری طرف رخ کیا تو میں بھاگ اٹھا۔ پس حمزہ واپس جاتے ہوئے راستہ پر ہی گر پڑے۔ اور ان کے ساتھی ان پر پہنچ گئے انہوں نے ان کو آواز دے کر پکارا۔ یا ابا عمارہ۔ لیکن انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں جان گیا کہ حمزہ ختم ہو گئے ہیں۔ میں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ ان پر سے لوگ چلے گئے میں گیا اور اپنا حربہ اٹھالیا۔ پھر میں نے ان کا پیٹ چاک کر دیا۔ اور ان کا جگر نکال لیا۔ ہند کے پاس لے گیا اور کہا کہ یہ تمہارے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر ہے۔ اس نے مجھ سے لے کر اسے چبایا اور پھر پھینک دیا۔ گویا کہ اس نے کہا ہوا تھا کہ جب حمزہ کو مارو تو اس کا جگر نکال کر میرے پاس لاؤ۔ یا اس قاسی القلب حبشی نے یہ کام اپنے طور پر کیا اور ہند نے اپنا لباس چادر اور تمام زیورات مجھے دے دیئے۔ اور وعدہ

کیا کہ جب مکہ جاؤں گی تو سونے کے دس دینار سرخ تجھے مزید دوں گی۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے ان کی لاش دکھاؤ۔ میں اس کو لاش پر لے گیا۔ اس نے لاش کے کان ناک اور آلہ تناسل کاٹ لئے اور اپنے ساتھ مکہ میں لے گئی۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبانے کا باعث ہند کو آکلۃ الاکباد کہتے ہیں (جگر خوار۔ رضی اللّٰہ تعالٰی عن حمزۃ ثم رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ

بیان کیا گیا ہے کہ جب کافر میدان سے چلے گئے۔ تو مسلمان میدان میں آئے اور اپنے شہدا کی لاشوں کو دیکھنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ما فعل عمی مافعل حمزۃ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم حضرت حمزہ کی لاش پر آئے۔ اور ان کو اس حالت میں دیکھا۔ رونے لگے اور روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اور صورت حال بیان کی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آئے اور فرمایا ما وقفت موقفا اغیظ من ھذا اس وقت آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم اگر قریش پر مجھے غلبہ حاصل ہوا تو ان میں آپ کے بدلے میں ستر آدمیوں کی لاشوں کا مثلہ کروں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت پاک لائے۔ ان عاقبتم فعاقبو مثل ماعوقبتم ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین یعنی اگر تم عذاب کرو اور سزا دو تو اسی کی طرح کرو جس طرح انہوں نے تم سے کیا ہے۔ اگر صبر کرو تو بہرحال صابرین کے حق میں صبر کرنا بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ واللہ میں صبر کرتا ہوں اور اس دعویٰ سے درگزر کرتا ہوں اور اس کے عوض آپ نے ستر مرتبہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے استغفار کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر صفیہ کی دلداری حائل نہ ہوتی تو میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو دفن نہ کرتا تاکہ ان کی لاش کو پرندے اور بھیڑیئے کھا جاتے اور یوم آخرت کو وہ ان میں سے محشور ہوتے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے دور سے نمودار ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بیٹے زبیر بن العوم کو فرمایا اپنی والدہ کو واپس موڑ دو۔ تاکہ وہ اپنے بھائی کو اس حال میں نہ دیکھے اور روضۃ الاحباب میں مندرج ہے کہ آخر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ کی لاش پر آئیں۔ اور وہ اور فاطمہ دونوں ہی ان پر روئیں اور ان کے رونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رونا آ گیا۔ اور فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب کو ساتوں آسمانوں میں رہنے والوں میں اسد اللہ اور اسد رسولہ لکھا گیا ہے اور حکم فرمایا تاکہ ان کے لئے قبر کھودی جائے اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ اور شہدا کی تدفین اور نماز جنازہ کے بارے میں باب کے آخری حصہ میں تذکرہ ہو گا۔

وصل:- دیگر صحابہ نے بھی جنگ میں کارہائے نمایاں دکھائے اور محبت و اخلاص کا بجالائے اور شرف شہادت حاصل کیا اور بعض باقی رہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے شہید شدہ لوگوں میں آپ کی تلاش کی لیکن آپ وہاں پر نہ ملے تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ حق تعالیٰ نے ہمارے برے فعل کے باعث اپنے پیغمبر کو آسمان پر اٹھا لیا ہے۔ اب میرے لئے اس

سے بہتر کوئی عمل نہیں کہ میں کافروں کو قتل و غارت کروں اور اسی طرح شہید ہو جاؤں۔ پس میں نے تلوار کھینچی اور دشمنوں پر شدید حملہ کیا وہ منتشر ہو گئے۔ ناگاہ میں نے آنحضرت کو دیکھا کہ بالکل سلامت ہیں۔ میں جان گیا کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرشتوں کی حفاظت میں لے لیا تھا۔

منقول ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزیمت کھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب میں آگئے اور آنجناب کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے۔ وہ مروارید کے موتیوں کی طرح تھے۔ اس حالت میں آپ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر نظر فرمائی۔ جو آنجناب کے پہلو مبارک میں کھڑے تھے فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں ملحق نہیں ہوئے ہو۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ **لا کفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ** کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاؤں تحقیق میں آپ کی اقتدا میں ہوں مجھے تو صرف آپ سے سروکار ہے۔ بھائیوں سے اور دوستوں سے اور ان بھائیوں کے ساتھ جو غنیمت کے پیچھے پڑے اور فرار ہو گئے ان سے کوئی میرا تعلق نہیں ہے۔ اسی دوران کافروں کے ایک گروہ نے آپ کی طرف توجہ کی آپ نے فرمایا اے علی! ان کافروں کے گروہ سے میری حفاظت کرو۔ اور خدمت و نصرت کا حق بجالاؤ۔ یہ وقت نصرت کا ہے علی رضی اللہ عنہ اس گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں ان کے غلبہ سے باہر کیا اور ان کو منتشر کر دیا اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کیا۔

روایات میں آیا ہے کہ اس وقت فرشتے بھی حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں اور بائیں دونوں جانب حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کھڑے تھے۔ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ آپ کی وہ محافظت کر رہے تھے۔ اور کفار کے ساتھ انہوں نے لڑائی کی اور مشہور یہ ہے کہ فرشتوں کی جنگ صرف بدر میں ہوئی تھی اور اس کے علاوہ دوسری جنگوں میں فرشتوں کی موجودگی اعانت اور امداد و نصرت ثابت ہے۔ اور محاربہ اور مقاتلہ نہیں۔ جیسے کہ اس معانی میں غزوہ بدر کے باب میں ذکر گزر چکا ہے۔

اور میں (شیخ عبدالحق) عرض کرتا ہوں کہ واللہ اعلم۔ ہو سکتا ہے کہ ہزار کے بعد ہزار فرشتوں کا نزول اور کافروں کا قتل غزوہ بدر سے مخصوص ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں اس وقت غزوہ احد میں جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کا موجود ہونا کیونکہ وہ درگاہ نبوی کے غلام ہیں۔ خادم ہیں اگر یہاں بھی اور لڑائی بھی فرشتوں نے کی ہو تو یہ منافی نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے یہ بہادری کی اور آنحضرت کی نصرت و محافظت کی۔ جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ بری کمال محبت و وفا اور جوانمردی ہے جو علی آپ کے ساتھ بجالا رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں نہ ہو کہ **انہ منی وانا منہ** تحقیق وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال محبت۔ یگانگت اور اتحاد و تعلق کی طرف کنایہ ہے۔

اور روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرت نے یہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ **وانا منکم** یعنی میں آپ

دونوں سے ہوں اور فرماتے ہیں علماء کہ اس وقت ایک آواز غیب سے سنائی دی جو کہتی تھی۔ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار معارج النبوۃ میں بھی آیا ہے اور کشف الغمہ میں بھی اس سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ واقعہ آیا ہے۔ اور اس کے آخر میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی اپنی مدح سن رہے ہو۔ جو رضوان نامی ایک فرشتہ آسمان پر کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ انتہی

اور روضۃ الاحباب میں کہا ہے کہ یہ حدیث ان معانی میں بعض اکابر محدثین اور اہل سیر اپنی کتب میں لائے ہیں۔ لیکن ذہبی جو محک رجال ہیں انہوں نے میزان الاعتدال میں۔ راوی کو ضعیف و کذاب کہا ہے۔ واللہ اعلم یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) خصہ اللہ . بمزید الیقین عرض کرتا ہے کہ ظاہر طور پر ناد علی کا قصہ بھی اس معاملہ اور معرکہ میں واقع ہوا ہے لیکن کتب حدیث میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم اور بالجملہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مبازرت اور محاربت اور شجاعت کا حق اس مرتبہ پر کیا کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا۔

قیس سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سعد سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے مجھے احد کے دن ساٹھ زخم اور چوٹیں لگی تھیں۔ کہ ان میں سے چار سے میں زمین پر گر پڑا تھا اور ہر بار جب میں گرتا تو ایک مرد خوبصورت اور خوشبو مجھے میرا بازو پکڑ کر اٹھاتا تھا اور پھر کہتا تھا کہ کافروں کی طرف متوجہ ہو جائیے کیونکہ تم خدا اور اس کے رسول کی طاعت میں ہو۔ اور وہ دونوں تجھ سے راضی ہیں۔ جنگ سے فراغ کے بعد میں نے یہ واقع حضرت رسالت مآب کی خدمت میں عرض کیا۔ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اس آدمی کو پہچانتا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ لیکن دحیہ کلبی اس سے مشابہت رکھتے ہیں رضی اللہ عنہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی۔ خدا تعالیٰ تیری آنکھ کو روشن کرے۔ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے بھی روز احد کارہائے شجاعت وجود میں آئے جو قبولیت اور دخول جنت کا سبب ہیں۔ انہوں نے عظیم قتل کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ طلحہ ان میں سے ہے جنہوں نے اپنے اوپر واجب حق ادا کر دیا۔ اور علماء کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ نے اپنا ہاتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ڈھال بنائے رکھا۔ اور اس سے وہ ابن قمئہ کی تلوار کو رد کرتے تھے۔ اس طرح سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کافر جو تیر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پھینکتے تھے طلحہ نے ان کے سامنے اپنا ہاتھ ڈھال بنائے رکھا۔ ایک تیر ان کی خنصر پر لگا جس سے وہ بے کار ہو گئی تھی۔

روایت میں آیا ہے کہ روز احد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اسی زخم لگے تھے۔ ایک مرتبہ دو تلواریں ان کے سر پر لگیں۔ جن کے ضرر سے وہ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے منہ پر پانی چھڑکا۔ تو ہوش میں آئے اور پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال کیسا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ خیریت ہے۔ انہوں نے ہی مجھے آپ تک بھیجا ہے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ سن کر کہنے لگے۔ الحمد للہ جو مصیبت بھی اس کے

بعد ہو گی۔ ان کے باقی حالات کا تذکرہ ابن قمعہ کی شرارت کے بیان میں آئے گا جو ملعون ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن النصر جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے بدر کے دن حاضر نہ ہوئے تھے انہوں نے چاہا کہ روز احد میں حاضر ہو کر پچھلی کوتاہی کا تدارک کریں۔ انہوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو بتایا گیا کہ سنا ہے آپ شہید ہو گئے ہیں۔ پس صحابہ کو کہنے لگے کہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ تم زندہ رہو اور تمہارے رسول کو کافر شہید کر دیں تلوار کھینچی اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ اتفاقاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا خدا کی قسم مجھے احد کی طرف سے بہشت کی خوشبو آ رہی تھی۔ یہ کہہ کر کفار کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ اور گھمسان کا زوردار محاربہ عظیم کیا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اور یہ صحت کو پہنچی ہوئی بات ہے کہ ان کو اسی اور کچھ مزید زخم آئے تھے اس طرح کہ ان کا جثہ مبارک کشتگان میں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ شناخت نہیں ہو سکتا تھا ان کی بہن نے ان کی ایک انگلی پر خال کے نشان سے ان کو پہچانا۔ رضی اللہ عنہ دائماً ابداً۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی فی سبیل اللہ جہاد و تیر اندازی میں صف اول میں تھے۔ وہ بھی احد کے دن تیر اندازی پر مامور تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے۔ یا سعد! تیر مارو خدا ک ابی و امی ایک کافر مالک بن زبیر نامی تھا کہ اس پلید کے کئے ہوئے زخموں سے کچھ مسلمان ہو گئے تھے اور زخمی بھی ہو گئے تھے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھ پر تیر مارا۔ وہ تیر اس کے سر کے پیچھے سے جا نمودار ہوا۔ اور کافر جہنم رسید ہوا۔ اور اہل اسلام اس کے ضرر سے نجات یافتہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر کی **احباب اللہ دعوتک وسرو رمیک** پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا مبارک کا صدقہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات ہو گئے اس طرح کہ لوگ ان کی دعا سے برکت کی جستجو کرنے لگے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے لوگ ان سے کہتے تھے کہ بیمار لوگ تمہاری دعا سے تندرست ہو جاتے ہیں۔ تم کیوں دعا نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بینائی واپس دے دے۔ آپ کہتے تھے کہ مجھے اپنی نظر کے مقابلہ میں قضائے الٰہی محبوب تر ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جو حکم فرمائے وہ مجھے عزیز تر ہے بمقابلہ بینائی کے۔

ابو طلحہ انصاری کا حال:۔ اور ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کھڑے تھے اور اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ڈھال بنائے ہوئے تھے یہ بھی فن تیر اندازی میں پوری پوری مہارت رکھتے تھے اور پورے زور سے کمان کو کھینچتے تھے روز احد ان کے ہاتھ دو تین کمانیں ٹوٹ گئی تھیں۔ اور یہ بلند آواز تھے۔ اپنے ترکش سے تیر پھینک چکے۔ یہ کل پچاس تیر تھے۔ ہر تیر جو دشمن کی طرف پھینکتے تھے اس کے ساتھ نعرہ بلند کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یا رسول اللہ! **نفسی دون نفسک جعلنی اللہ نداک** میری جان و تن آپ پر فدا ہو۔ اور جب ان کے تمام تیر ختم ہو جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زمین سے لکڑی پکڑ کر آپ کو دیتے تھے اور فرماتے تھے۔ یہ

لو اور مار والے ابا طلحہ! لہٰذا جب طلحہ و لکڑی کمان میں رکھتے تھے تو وہ تیر بن جاتی تھی۔ اور یہ اسے دشمن کی طرف چلا دیتے تھے۔ اور جب کوئی مسلمان آنحضرت کے پاس سے گزرتا تھا جس کے پاس تیر ہوتے تھے تو آپ اسے فرماتے تھے کہ یہ تیر ابو طلحہ کے لئے یہاں رکھ دو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو طلحہ کی آواز لشکر میں چالیس آدمیوں کی آواز سے بھی بہتر تھی۔ اور باوجود ابو طلحہ کے تیر اندازی میں کمل ماہر ہونے کے اس فن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشہور ہوئے تھے جس کے وہ فی سبیل اللہ تیر اندازی میں حامل تھے۔ اور ان کی اس میں اقامت کے باعث واللہ اعلم۔

اور روز احد ایک تیر قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ رخسار پر آلگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی آنکھ واپس اسکی جگہ پر رکھی اور فرمایا۔ **اللھم اکسہ جمالہ** پس دونوں آنکھوں میں بہترین اور تیز ترین آنکھ یہ بن گئی۔

اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو کھجور کے درخت کی ایک شاخ عطا فرمائی وہ ان کے ہاتھ میں جاکر تلوار بن گئی۔ جس طرح کہ غزوہ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔ اور حضرت عبداللہ کی اس تلوار کا نام عرجون تھا اور عکاشہ کی تلوار کا نام عون تھا۔ اور عرجون تلوار خلیفہ باللہ کے امراء میں سے ایک امیر کے ہاتھ دو سو دینار کے عوض فروخت ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

درگاہ نبوت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دلاوروں اور جانبازوں میں سے ایک حضرت **حنظلہ** رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو **حنظلہ** غسیل اور غسیل ملائکہ کہتے ہیں۔ وہ مدینہ مطہرہ میں تھے۔ اور اسی رات زوجہ کے ساتھ شادی کے بعد ہم خواب ہوئے تھے اور صبح کو غسل کرنے لگے ابھی ایک جانب سے سر دھویا تھا کہ سنا کہ صحابہ پر وقت تنگی کا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ غیب سے ایک آواز سنائی دی۔ **یا غسیل اللہ ارکبی۔** اسی حالت جنابت میں غسل کی طاقت نہ رہی۔ اور میدان احد میں آپہنچے۔ اور جنگ کی اور بہت سے کفار کو جہنم رسید کیا اور خود بھی شہید ہو گئے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کو غسل دیتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ حال اس کا کیسا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اس کا حال اس کی زوجہ جس کا نام جمیلہ ہے اس سے اور وہ عبداللہ بن ابی کی بہن ہے ہے اس سے پوچھو۔ جمیلہ نے حقیقت حال کھولی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ غسل از ملائکہ اس کی جنابت کے باعث تھا۔ اسی سے بعض ائمہ جیسے کہ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے تمسک کیا ہے کہ شہید کے لئے غسل کے قائل نہیں جبکہ وہ مذہبی ہو۔

اور جمیلہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا رات کے وقت کہ آسمان میں ایک فرجہ نمودار ہوئی ہے۔ اور اس سے **حنظلہ** آسمان میں داخل ہو گئے اور پھر وہ فرجہ بند کر دی گئی۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی تھی کہ حضرت **حنظلہ** شہید ہو جائیں گے۔

اور حضرت ابو سعید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جب یہ

سخن میں نے سنا تو میں حنظلہ رضی اللہ عنہ پر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سر سے ٹھنڈے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں نے یہ صورت مجیہ آنحضرت کی خدمت میں بیان کی۔

اور نہایت عجیب حکایات سے عمرو بن جموح انصاری اعرج کی حکایات ہے ان کے چار بیٹے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں معرکہ ہائے جہاد میں جنگ کرتے تھے۔ غزوہ احد میں اس نے چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موافقت کرے تو اس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ تم اعرج ( ) ہو ولیس علی الاعرج حرج اور تمہارے چار بیٹے جو آنحضرت کی خدمت ہیں۔ اس نے کہا کہ کتنی اچھی بات ہے کہ میرے بیٹے بہشت میں جائیں اور میں تمہارے سامنے کیوں بیٹھا رہوں۔ اس کی زوجہ نے کہا کہ یہ میری نظر میں ہے۔ کہ یہ بھاگ کر واپس آیا ہے۔ جب یہ بات عمرو نے سنی۔ اس نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور دعا کی۔ اللھم لا تردنی الی اہلی اور باہر نکل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اپنی قوم کی طرف سے ممانعت کئے جانے کے متعلق بتایا۔ اور کہا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میں اپنے لنگڑے پاؤں کے ساتھ بہشت کے باغ میں چہل قدمی کروں گا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ عذرک اللّٰہ ولا جناح علیک عمرو نے دوبارہ التماس پیش کی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے اجازت دے دی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن جموح کو جنگ میں دیکھا کہ ٹہلتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں بہشت کا مشتاق ہوں۔ اس کا ایک بیٹا بھی باپ کے پیچھے بھاگا۔ اور جنگ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ روایت میں آیا ہے کہ عمرو بن جموح کی بیوی ہند اپنے شوہر اور بیٹے کو اپنے بھائی کو اٹھا کر مدینہ لا رہی تھی کہ ان کو دفن کرے۔ ہند کا اونٹ زانوں کے بل نیچے ہو گیا۔ ہر بار اونٹ کی سختی سے اٹھاتی تھی اور مدینہ کی جانب متوجہ کرتی تھی لیکن پھر جھک جاتا تھا۔ ایک بار اسے اٹھایا اور منہ احد کی طرف کیا۔ اونٹ چل پڑا۔ ہند نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹ مامور ہے۔ اور پوچھا کہ کیا عمرو نے تجھ سے کوئی بات کی تھی۔ اس نے کہا ہاں اس نے احد کی طرف آنے کے وقت رو ہو کر یہ دعا کی تھی۔ کہ اے اللہ اس کے بعد مجھے میرے اہل بیت کی طرف مت لوٹانا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں چلتا تھا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت:۔ وصل:۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب مسلمانوں نے میدان احد میں ہزیمت کھائی۔ اس وقت حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں مہاجرین کا جھنڈا تھا۔ ابن قمئہ ملعون ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور تلوار کی ضرب سے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ پھینکا۔ انہوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا۔ اور کہنے لگے۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اور اس ملعون نے دوسری ضرب سے ان کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ حضرت مصعب نے پھر وہی کلمات دہرائے۔ اور دونوں بازوؤں سے جھنڈے کو سینہ کے ساتھ جکڑ لیا۔ پھر اس ملعون نے ان پر تیر مارا اس سے وہ زمین پر گر گئے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ ابھی یہ آیت نازل نہ ہوئی تھی جو ان کی زبان پر جاری ہو گئی تھی۔ جب جھنڈا زمین پر گر پڑا تو مصعب کے بھائی ابو الروم رضی اللہ عنہ نے وہ جھنڈا خود اٹھا لیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ

حق تعالیٰ نے مصعب کی شکل میں ایک فرشتہ بھیج دیا تھا حتی کہ اس نے مسلمانوں کے جھنڈے کو بلند کیا۔ اور اس دن آخر پر جب جنگ ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے مصعب آگے آؤ۔ اس فرشتے نے عرض کیا کہ میں مصعب نہیں ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جان گئے کہ وہ فرشتہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کے لئے بھیجا تھا اس کے بعد ابو الرام نے وہ جھنڈا اٹھالیا اور مدینہ شریف تک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آگے آگے چلتے آئے۔ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اجلا صحابہ اور فضلاء صحابہ میں سے ہوئے ہیں انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ اور بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد بھیجا تھا مدینہ کی طرف انصار کے ساتھ ایک روایت کے مطابق عقبہ اولیٰ کے بعد۔ تاکہ ان کی تعلیم دیں دین کی اور فقہ کی۔ اور وہ عیش و کامرانی کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ نعمت یافتہ تھے۔ اور جب اسلام لائے تو زہد اختیار کیا۔ ایک دن اس کو آنحضرت نے دیکھا کہ بکری کی کھال جسم کے ساتھ باندھی ہے۔ تو فرمایا کہ اس مرد کو دیکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ایمان کے لئے روشن کیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے کہ اس کے ماں اور باپ اس کے لئے دو سو درہم میں لباس خریدتے تھے۔ پس اس کو خدا اور اس کے رسول کی محبت اس حالت میں لائی ہے جو تم دیکھتے ہو۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے اربعین صوفیہ میں روایت کیا ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور دیلمی نے اور ابن عساکر نے۔

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ: اور میدان شجاعت و جلادت کے شہ سواروں اور معرکہ شجاعت کے سپہ سالاروں میں سے حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے حضرت حارث بن عقبہ بن قابوس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اگرچہ شروع میں جب مسلمان غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوئے تو یہ بھی ان کے ساتھ جنگ چھوڑ کر مل گئے تھے۔

لیکن خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل ان کے عقب سے آگئے حضرت وہب اور حارث نے ان کے مقابلے میں کھڑے ہو کر ثابت قدمی دکھائی۔ اور بہادری اور مردانگی کی داد خوب دی اسی حال کے دوران اشرار کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ ومن بھذہ الفرقة کون ہے جو اس گروہ کو دفع کرے۔ حضرت وہب بول اٹھے میں ہوں یا رسول اللہ۔ پس تیر اندازی پر ہاتھ کھولا۔ اور ان بتوں کے پجاریوں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد دشمنوں کا ایک گروہ نمودار ہوا۔ پھر آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ من بھذہ الکیتبة پھر حضرت وہب نے پھر وہی جواب دیا اور تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اور ان کو قتل کرنا شروع کر دیا وہ بھی راہ فرار اختیار کر گئے۔ اس کے بعد پھر ایک گروہ ظاہر ہوا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ من لھو لاء وہب بولے میں ہوں یا رسول اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا والبشتر بالجنة حضرت وہب یہ خوشخبری سن کر خوش ہو گئے اور تلوار لے کر کافروں کے گروہ میں جا گھسے اور قتل و غارت کرنے لگے۔ کافروں نے ان کو محاصرہ میں لے لیا اور نیزوں اور تلواروں سے زخمی کر کے نیچے گرا دیا۔ اور یہ شہید ہو گئے ان کے بعد ان کا برادر زادہ حارث بڑی کشش کے بعد شہادت کے مرتبہ کو پہنچا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے مزنی کی طرح کی موت نصیب ہو۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے غزوہ احد میں جس دلاوری پر دلی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہب بن قابوس کو دیکھا کسی اور معرکہ میں کسی اور شخص سے نہیں دیکھا نیز فرمایا کہ مزنی کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سرہانے کھڑے تھے اور فرمایا۔ رضی اللہ عنہ فانی عنک واض اس کے بعد دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قبر میں اتارا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور بعض آدمی ان میں سے بھی تھے کہ اسی روز اللہ تعالیٰ کی عنایت ان کے حال میں دستگیر ہوئی اور ان کے دلوں میں نور ہدایت آگیا۔ جیسے عمر بن ثابت بن رقیس ایک آدمی تھا اسے دین اسلام میں شک تھا اگرچہ اس کی قوم ایمان لا چکی تھی اور اس کو بھی ثبات و استقامت کی نصیحت کرتی تھی۔ لیکن سب بے سود تھی۔ اتفاق سے اسی روز جبکہ مسلمان غزوہ احد کی طرف متوجہ ہوئے عمر کے دل پر سے غفلت کا قفل کھل گیا۔ اور اس کے دل میں نور یقین آگیا۔ اپنے ہتھیار اٹھائے اور میدان جنگ میں آگیا اور اس طرح لڑائی کی کہ زخمی اور کمزور ہو کر مقتولین میں گر گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو بشارت ملی۔ آپ نے فرمایا۔ انه لمن اهل الجنة

علاوہ ازیں ایک یہودی تھا جس کا نام مخریق تھا۔ اور بنی اسرائیل کے احبار سے تھا۔ اور بڑا مالدار تھا اور سابقہ کتب میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں صفات پڑھی ہوئی تھیں۔ لیکن عادت و معمول یہود کے مطابق یہودیت پر قائم تھا۔ اسی روز جبکہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احد کے لئے نکلے اور اس دن ہفتہ کا روز تھا۔ دعوت اسلام نے مخریق کے دل میں استحکام پکڑا۔ اور اس نے اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی انہوں نے عذر کیا تو مخریق نے کہا۔ یہ بالکل درست ہے اور حق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی امداد کرو تاکہ دنیا و آخرت کا شرف تم کو حاصل ہو۔ انہوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے جائز نہیں کہ جنگ کریں۔ مخریق نے کہا یہ تو یہودیت کے مطابق ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نے یہودیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ پس وہ اٹھا اور اپنی تلوار اٹھائی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا اور مسلمان ہوا۔ اور وصیت کی کہ بعد اس کا مال و متاع آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں دیا جائے۔ اور درست اعتقاد کے ساتھ مشرکوں سے جنگ کرنے لگے۔ اور خوب تلوار چلائی یہاں تک کہ شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصرف فرمایا۔ اور اس کے حق میں یوں ارشاد فرمایا۔ کہ مخریق خیر یہود۔

غزوہ بدر میں عورتوں کا عمل:۔ وصل:۔ بعض مومن عورتیں بھی ساتھ تھیں جو غزات کی خدمت بجالاتی تھیں۔ ان کو پانی پلاتی تھیں اور جہاد کرتی تھیں اور قتل بھی کیا۔ مثلاً نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہ تھیں وہ بڑی شیرزن تھی۔ اور معرکوں میں بڑی بہادر اور دلیر تھی۔ اس نے اپنے شوہر زید بن عاصم اور دونوں بیٹوں عمارہ اور عبد اللہ کے ساتھ پورا پورا اتفاق و اہتمام کیا۔ نسیبہ فرماتی ہیں کہ احد کے دن میرے پاس ایک مشک تھی۔ اس سے میں مسلمانوں کو پانی دیتی

تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ کافر دوبارہ حملہ کر کے مسلمانوں کو شہید کرنے لگے ہیں تو میں نے پانی دینا چھوڑ دیا اور اہل کفرو ضلال کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مجھے تیس زخم آئے ان میں سے ایک زخم ایسا تھا کہ اس کا علاج ایک سال تک کرتی رہی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ زخم کس کی ضرب سے آیا تھا۔ تو فرمایا کہ ابن قمئہ لعین کی ضرب سے زخم آیا ہے۔ اور میں نے بھی اس پر ضربیں لگائیں لیکن اس نے دو زرہیں پہنی ہوئیں تھیں۔ ان پر ضربیں کارگر نہ ہوتیں تھیں۔ اور مجھے جب زخم ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بیٹے عمارہ کو آواز دی کہ جلدی سے اپنی والدہ کے پاس پہنچو اور اسے لے آؤ۔ اور اس کے زخم کو باندھ دو نسیبہ فرماتی ہیں کہ میں اور میری اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کافروں سے مقابلہ کر رہے تھے جب کہ اصحاب ہزیمت کھا گئے تھے اور ان کے سامنے سے چلے گئے تھے اور میں ڈھال نہ رکھتی تھی۔ ناگاہ آنحضرت کی نظر پاک ایک صحابی پر پڑی۔ اس کے پاس ڈھال تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی ڈھال کسی کو دے دو جو جنگ کر رہا ہے۔ اس نے اپنی ڈھال ہاتھ سے پھینک دی۔ میں نے وہ ڈھال اٹھالی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد مشرکوں کے حملوں کو پسپا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک کافر سوار نے مجھ پر تلوار ماری اس کا گھوڑا گر پڑا اور سوار اس سے علیحدہ ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ہم پر تھی۔ انہوں نے میرے بیٹے کو آواز دی اے عمارہ! اپنی والدہ کی طرف جلدی جاؤ۔ پس میں اور میرے بیٹے نے آنحضرت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کافر کو قتل کر دیا۔

اور عبداللہ بن سیبہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ اس روز مجھے ایک مشرک نے ایسا زخم لگایا کہ اس سے خون نہ رکتا تھا۔ میری والدہ نے وہ زخم باندھ دیا اور کہا کہ اٹھو اور مشرکوں کے قتل میں مشغول ہو جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ام عمارہ! تمہارے جیسی طاقت اور ہمت کون رکھتا ہے اسی اثنا میں وہ شخص جس نے میرے بیٹے کو زخم لگایا تھا سامنے سے گزرا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے ام عمارہ یہ ہے وہ شخص جس نے تمہارے بیٹے کو زخم لگایا تھا۔ نسیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تلوار اس کافر کی پنڈلی پر ماری تو وہ گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ حضور کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ اے ام عمارہ! تو نے اپنے بیٹے کا انتقام لے لیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے دشمن پر فتح عطا فرمائی۔ اور اس کی ہلاکت سے تمہاری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ نسیبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! آپ دعا فرمائیں کہ میں جنت میں آپ کے اہل بیت کے ساتھ آپ کے ساتھیوں میں سے ہو جاؤں۔ آنحضرت نے اس کے اور اس کے فرزندوں اور اس کے شوہر کے حق میں دعا فرمائی۔ **اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنۃ** میری ماں نے کہا کہ اس دعا کے بعد کوئی بھی مصیبت مجھ پر آئی تو مجھے کوئی باک نہ ہے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ نسیبہ مسیلمہ کذاب کے معرکہ میں بھی حاضر تھی نسیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جنگ یمامہ کے روز مسیلمہ کی تلاش میں تھی کہ اچانک ایک شقی القلب نے مجھے تلوار ماری۔ اور میرا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ خدا کی قسم۔ اس کے باوجود میں قتل سے باز نہ آئی۔ ایک لحظہ کے بعد میں نے اس لعین کو مرا ہوا پایا۔ اور دیکھا کہ میرا بیٹا عبداللہ اس کے ناپاک خون سے آلودہ اپنی تلوار کو پاک کر رہا ہے اس وقت میں سجدہ شکر بجا لائی اور اپنے بیٹے کے زخم کا

مداوا کرنے میں مشغول ہوئی۔ سبحان اللہ والحمد اللہ یہ کیسی عورت تھی کہ شیر کی طرح آتی تھی اور کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ مادہ ہے یا نر (یا اللہ اس صحابیہ رسول) پر راضی رہ دائما ابدا۔ ان پر زیادہ سے زیادہ رحمتیں فرما۔ (آمین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایذاء و آزار:۔ وصل:۔ صحابہ کرام کی حرب و ضرب اور ان کا کافروں کو قتل کرنا اس غزوہ میں اور مارنا اور شہید ہونا اور آنحضرت پر اپنی جانیں فدا کرنا اور عہد وفا پورا کرنا تو جو کچھ بیان ہوا اس سے بھی کہیں زیادہ تھا اور اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو ایذاو آزار پہنچا وہ جدا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ فجار سے پانچ شخصوں نے آپس میں عہد کیا کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کریں گے۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن قمہ تھا۔ جو ان سب سے زیادہ الجروا غلظ اور شدید تھا۔ اور عتبہ بن ابی وقاص زہری جو کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لب مبارک اور دندان شریف اسی کی ضرب سے ٹوٹے تھے۔ اور عبداللہ بن شہاب زہری اور ابی ابن خلف۔ اور بعض نے کہا کہ عبداللہ بن حمید اسدی بھی ان میں سے ہی تھا ان اشقیاء کو پتہ نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے ہاتھ پر شہید نہ ہونے والے تھے اور جب تک اسلام دوسرے ادیان پر غالب نہ آجائے آپ دنیا سے رخصت ہونے والے نہ تھے۔ یہ اشقیاء اس حقیقت کا علم نہ رکھتے تھے۔ **یریدون ان یطفؤا نور اللّٰہ بافواھہم واللّٰہ مقم نورہ ولوکرہ الکافرین۔**

ابن قمہ ملعون نے اس قدر پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مارے کہ آنحضور کی رخسار مبارک خون آلودہ ہو گئے (**اللہم صلی علی رخسار محمد وسلم**) اور خود کے حلقے آپ کے رخساروں میں چپ گئے۔ (یا اللہ میرے محبوب کے خود اور رخسار مبارک و مقدس پر پتھر مارنے والے کو سخت سے سخت سلوک فرما) وہ اس قدر شدت سے لگے کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے اگلے دانتوں سے ایک حلقہ باہر کھینچا۔ آپ کے دانت مبارک گر پڑے۔ اور دوسرا حلقہ دوسرے دانتوں سے کھینچا تو وہ دانت مبارک بھی گر گئے۔ (اے اللہ! اپنے حبیب اور میرے محبوب کے دانت گرانے کا باعث ہونے والے ابن قمہ ملعون کو اسی طرح جہنم کی آگ میں گرا اور اسی لحاظ ان کو رستم کہتے تھے۔ اور آپ کی پیشانی نورانی بھی زخمی ہوئی۔ اور اس سے خون بہنے لگا۔ (اے اللہ! اپنے حبیب اور میرے محبوب کی پیشانی مبارک پر ہمیشہ ہمیشہ رحمتیں اور سلامتیاں بھیج۔ امین)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم (میرے محبوب پاک) اپنی چادر مبارک و اطہر سے خون کو پونچھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسی قوم کس طرح نجات پاسکتی ہے جو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتی ہے۔ حالانکہ وہ انہیں خدا کی طرف بلاتا ہے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ آیہ کریمہ لائے **لیس لک من الامر شیئی اویتوب علیہم اویعربہم فانہم ظالمون** تجھے اس میں کوئی دخل نہیں تعرض یا اعتراض نہیں۔ سب اختیار پروردگار تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو ان کو بخش دے اور اپنی رحمت نازل فرمائے یا ان کو عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ اور تمہارا کام صرف ان کو ڈرانا اور جہاد کرنا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نفس مقدس کی تادیب و تہذیب کے لئے ہے کہ بشریت کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور دائرہ عبودیت سے باہر نہ ہو جائے

اور اس جگہ اس آیت کے نزول کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قنوت میں قبائل کفار پر دعا کی۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خون کو صاف کرتے تھے اور کوئی قطرہ زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر گیا تو اہل زمین پر آسمان سے ہرچند عذاب نازل ہو جائے گا جو ان کو ہلاک کر دے گا اور زمین سے ہرگز ایک تنکا بھی گھاس کا نہ اگے گا اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔ **اللھم غفر لقومی فانھم لا یعلمون**

عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر حضور نبوی کی طرف پھینکا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب زیریں پر لگا۔ اس سے اگلے دندان مبارک ایک طرف سے شکستہ ہو گئے اور عبداللہ بن شہاب نے ایک پتھر مارا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ جب آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے پر انوار سے خون بہنے لگا تو میرے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ اس مقام پر رکھ لیا اور خون کو چوسنے لگے اور نگلنے لگے پس اس میں لوگوں نے کلام کیا۔ تو سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میرے خون سے مس کرے گا اس تک جہنم کی آگ نہ پہنچے گی۔

روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آنجناب کے چہرہ اقدس سے خون کو دھوتے تھے لیکن خون تھمتا نہ تھا۔ پس کپڑے کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر چھڑکی اور خون بند ہو گیا۔ علماء نے کہا ہے کہ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زخم کا علاج و دوا بوسیدہ ہڈیوں سے کیا یہاں تک کہ زخم کا نشان باقی نہ رہا۔ اور روضۃ الاحباب میں شیخ ابن حجر سے منقول ہے کہ انہوں نے شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ عبدالرزاق معمر سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر انوار پر تلوار سے ستر ضربیں لگائیں۔ لیکن حق تعالیٰ نے سب کی شر سے آپ کو محفوظ رکھا۔ اور علماء نے کہا ہے یہ ستر عدد حقیقت پر مبنی تھا یا کثرت پر مبالغہ فرمایا ہے۔

اور منقول ہے کہ ابن قمہ ملعون نے اپنی تلوار آنحضرت کے ماری اور اس کی ضرب سے اور اپنے اسلحہ کے بوجھ سے جو آپ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے قریب ہی ان ملعونوں کے کھودے ہوئے ایک گڑھے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم گر گئے اس طرح سے کہ آپ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور آپ کے مبارک و مقدس زانوؤں پر خراشیں آ گئیں۔ اس وقت اس ملعون نے آواز بلند کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مارے گئے ہیں۔ اور شیطان لعنۃ اللہ علیہ نے بھی آواز دی کہ تحقیق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مارے گئے ہیں اور ابو سفیان نے کہا کہ اے قریش کی فوج۔ تم میں سے کس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مہم کو انجام تک پہنچایا۔ اس ابن قمہ نے کہا کہ میں نے اس کو مار دیا ہے۔ ابو سفیان نے کہا ہم تمہارے ہاتھ میں سوار کرتے ہیں جس طرح کہ عجمی اپنے مردان مقابل کو مسودہ کرتے ہیں۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گڑھے میں آپڑے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کو اپنی بغل

میں لے لیا۔ حتیٰ کہ آپ زمین سے اٹھے اور علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھوں سے پکڑا اور آپ کی مدد کی یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پانچ شخصوں کے لئے دعا کی کہ وہ مزید ایک سال زندگی کا مکمل نہ کریں ان میں سے بعض تو اسی روز مارے گئے اور بعض اس سال کے اندر قہر جہنم میں جا گرے۔ لیکن ابن قمہ سگ ملعون نے اپنی تلوار سے آپ پر ضرب ماری اور کہا کہ یہ لو یہ میری طرف سے تلوار کی ضرب ہے میں ابن قمہ ہوں۔ سید الرسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ افماک اللہ واذلک خدا تعالیٰ تجھ کو خوار و ذلیل کرے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اسی سال وہ بکریوں کے ریوڑ کے پاس پہاڑ پر سویا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑی مینڈھے کو بھیجا۔ اس نے اپنے سینگ اس کے پیٹ میں گھسیڑ کر منہ میں سے نکال دیئے۔ (کذافی روضتہ الاحباب)۔ اور اس عبارت کی ظاہر روش سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن قمہ احد کے روز یا اس کے قریب قریب ہی نہ مارا گیا۔ بلکہ ایک عرصہ کے بعد یہ واقع ہوا۔

اور معارج النبوت کی عبارت اس طرح ہے کہ مشرکوں کی مکہ کی واپسی کے بعد ایک روز ابن قمہ پہاڑ پر سویا ہوا تھا۔ کہ فرمان الٰہی سے ایک پہاڑی مینڈھا اس کے سر پر آیا۔ الخ۔

اور ابی بن خلف جو تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا۔ کہ تمہارا قاتل میں ہوں گا۔ اور اس کے دل میں یہ یقینی اندیشہ جاگزین ہو چکا تھا۔ لہٰذا جب قریش مکہ سے احد کے لئے نکلے تو یہ ان کے ساتھ احد میں نہیں آنا چاہتا تھا اس خدشہ کے باعث کہ مارا جائے اور ابو سفیان اس کو زبردستی اپنے ساتھ لایا جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے اور اس کا قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ اسیران بدر میں تھا۔ جب فدیہ دینا قبول کرنے کے بعد مکہ کو مراجعت کی تاکہ فدیہ ادا کرے۔ اس بے حیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کہا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ اسے اتنا دانہ چرواؤں گا کہ موٹا ہو جائے پھر اس پر سوار ہو کر تمہارے ساتھ جنگ کے لئے آؤں گا اور تجھے قتل کروں گا۔ آنحضرت نے فرمایا یہ تو نہیں ہوگا البتہ میں تم کو قتل کروں گا۔ جبکہ تم اس گھوڑے پر سوار ہو گے اور تمہارا قتل میرے ہاتھ پر ہی ہونے والا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور علماء فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں میں بدترین اور بدبخت وہ ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ سے قتل کریں۔ کیونکہ وہ واجب القتل ہوگا اور احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابی بن خلف سے آگاہ رہو۔ اس ناخلف کو مجھے خبر کئے بغیر قتل نہ کریں اگر اسے آتا دیکھو تو مجھے پتہ دینا۔ ناگاہ جنگ کے آخر پر وہ اپنے گھوڑے پر سوار نمودار ہوا۔ جب اس کی نظر آنحضرت پر پڑی تو نا قابل بیان باتیں کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اگر آج تم ابی سے بچ جاؤ تو ابی کو نجات نہ ملے۔ اس بے حیا کو اگرچہ یقین تھا کہ وہ آنحضرت کے ہاتھ سے مارا جانے والا ہے اس طرح کے الفاظ یہ خون گرفتہ بے حیاء کرتا تھا۔ صحابہ کرام عرض کرتے تھے یا رسول اللہ ہمیں اجازت فرمائیں کہ اس پر حملہ کریں اور اسے جہنم کو بھیجیں۔ جب وہ لعین نزدیک آیا تو اس جگہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کھڑے تھے آنحضرت صلی نے ان سے نیزہ لیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن

الصمہ رضی اللہ کھڑے تھے آنحضرت نے ان سے نیزہ لیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن الصمہ رضی اللہ سے لیا۔ اور ابی کی طرف پھینکا اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے نیزہ چھینا اور پھر اس کی طرف پھینکا۔ نیزہ اس شقی کی گردن پر لگا۔ اس نے فوراً گھوڑے کی باگیں موڑیں اور اپنی قوم میں جا کر مل گیا اور اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور بیل کی مانند فریاد کرنے لگا۔ اس کی قوم کے لوگ اسے کہتے تھے کہ تمہارا زخم سوائے ایک خراش کے کچھ نہیں۔ تو یہ سب جزع فزع اور فریاد کیوں کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ زخم کس کی ضرب کے اثر سے ہے؟ میں جانتا ہوں کہ اس زخم کے باعث میں اپنی جان سلامت نہ لے جاؤں گا۔ اور اگر یہی زخم جو مجھ کو تنہا پر ہے تمام اہل ذوالمجاز کو ہوتا تو سب کے سب فی الفور مر جاتے۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تمہارا قاتل ہوں گا اور کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میرے منہ پر بصاق ( ) بھی پھینک دیتے تو یقیناً" مجھے مار دیتے۔ اور وہ اس طرح ہی چلاتا رہا یہاں تک مشرکوں کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی مکہ سے ایک منزل پیچھے مرا الظہران میں دوزخ میں پہنچ گیا ہو اور مواہب الدینہ میں واقدی سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ابن ابی خلف بطن رابغ میں مرا تھا۔ اور فرماتے ہیں کہ میں بطن رابغ گیا تھا۔ جبکہ رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا کہ اچانک وہاں پر آگ روشن ہوئی مجھے اس آگ سے ڈر آیا۔ اچانک اس آگ میں سے ایک مرد نمودار ہوا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اور پیاس سے فریاد کرتا تھا۔ اور دوسرا ایک مرد تھا جو کہتا تھا کہ اس کو پانی مت دو۔ کیونکہ یہ قتیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔ یہ ابی بن خلف ہے لعنۃ اللہ علیہ۔

علاوہ ازیں عبداللہ بن حمید بھی گھوڑا دوڑا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حملہ آوار ہوا۔ لیکن ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کی ایک ضرب سے اس کو زمین پر گرا دیا۔

اور عتبہ ابی وقاص کا معلوم نہیں ہوا کہ اس کی موت کس طرح واقع ہوئی معارج النبوۃ میں عبداللہ بن شہاب نے اجمالی طور پر کہا ہے کہ ان پانچ آدمیوں میں سے باقیماندہ بھی برے طریقے سے اس سال کے اندر اندر ہلاک ہو گئے۔

وصل:۔ کتب میں آیا ہے کہ جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت طلحہ اور علی رضی اللہ عنہما کی مدد سے اس گھڑے سے باہر تشریف لائے اور صحابہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت شعب احد کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور چاہتے تھے کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں۔ لیکن زخموں اور کوفت کی وجہ سے ضعف و کمزوری حائل تھی ابو سفیان مشرکوں کے ایک گروہ سمیت چاہتا تھا کہ پہاڑ کی دوسری جانب سے اوپر چڑھ کر ان پر حملہ کریں اور انہیں شعب میں نہ آنے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھائے اور فرمایا۔ **اللھم لا تذر ان یعلونا** اے میرے اللہ تعالیٰ! انہیں آگے بڑھنے سے روک دے اور ایک روایت میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو ایک جماعت کے ساتھ مل کر ان مشرکوں کی راہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور اس گروہ سے لڑائی کر کے ان کو منتشر کر دیا یا وہاں سے دور ہٹا دیا پس وہ مشرک میدان جنگ میں ادھر ادھر بھاگنے کودنے لگے۔ خوشی مناتے تھے اور رجزیہ اشعار پڑھتے تھے اور مسرت کا اظہار کرتے تھے اور ان کی عورتیں مثلاً ہند وغیرہ

مسلمان شہداء کی لاشوں پر گئیں اور سوائے حضرت **حنظلہ** غسیل **ملائکہ** کے سب لاشوں کا مثلہ کیا گیا اور ان کے شکم چاک کر دیئے جگر نکال لئے۔ اور شہداء کے کان اور ناک کاٹ لئے اور ان کو دھاگوں میں پرو کر گلوں میں ڈالے اور بازوؤں پر باندھ لئے۔ جیسے کہ بازو بند ہوتے ہیں۔ اور حضرت **حنظلہ** کو مثلہ نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابو عامر راہب کے بیٹے تھے ابو عامر کو ابو عامر فاسق کہتے تھے۔ اور وہ مشرکوں کے ساتھ تھا اور سب سے پہلے جس نے مسلمانوں پر حملہ کیا وہ ہی تھا۔ لعنتہ اللہ علیہ۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ضعف اور کمزوری کے باعث وہاں پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے آپ چاہتے تھے کہ پہاڑ کے اوپر آجائیں لیکن ایک بھاری پتھر سامنے تھا جس پر چڑھا نہ جاتا تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ باوجود اپنے زخموں کے بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے کندھے پر اپنا پاؤں مبارک رکھ کر اوپر چڑھ گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا **اوجب طلحتہ** یعنی طلحہ نے اپنے اوپر بہشت واجب کر لیا ہے۔

اس کے بعد ابو سفیان نے چاہا کہ معلوم کرے کہ آیا خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات زندوں میں ہیں یا کہ مردوں میں وہ احد کے نزدیک آیا ہے اور آواز دی۔ کہ کیا اس جماعت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس کا جواب نہ دینا اس نے پھر آواز دی کہ کیا ابو قحافہ تم میں ہے۔ اب بھی آپ نے فرمایا کہ جواب نہ دینا۔ اس نے پھر پکارا کیا ابن خطاب تم میں ہے۔ اس بار بھی آپ نے فرمایا کہ جواب نہ دیں۔ پس ابو سفیان نے اپنی قوم کی طرف منہ موڑ لیا۔ اور کہا یہ جن کے نام میں نے پکارے ہیں سب مارے گئے ہیں کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے طاقت ہو گئے اور بلند آواز سے کہا۔ **کذبت یا عدو اللہ** یعنی اے دشمن خدا تم نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ جن کے نام تو نے لئے ہیں سب کے سب زندہ ہیں۔ پس ابو سفیان اپنے بتوں کی تعریف کرنے لگا۔ اور کہنے لگا اعلیٰ ہبل۔ یعنی بلند باش ہبل کیونکہ تمہاری برکت سے ہم کو برکت حاصل ہوئی۔ اور نصرت ملی۔ ابو سفیان نے مکہ سے آتے وقت ہبل بت سے مدد چاہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے جواب میں کہو۔ اللہ اعلیٰ واجل ابو سفیان نے کہا۔ **لعزی لنا ولا غزی لکم** آنحضرت نے فرمایا کہ جواباً" کہو **اللہ مولانا ولا مولی لکم** ابو سفیان نے کہا کہ آج کا دن یوم بدر کا بدلہ ہے اور جنگ تو ایک ڈول کی مشابہت ہے کہ کبھی ایک کا پڑھے تو دوسرے کا خالی اور کبھی یہ بھرا ہوا ہے تو وہ خالی ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی برابری نہیں ہے ہمارے مقتول **جنتہ** میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔ اس کے بعد ابو سفیان نے کہا۔ کہ تمہارے مقتولوں کا مثلہ کیا گیا ہے اس کا حکم میں نے نہ دیا تھا۔ لیکن میں اسے برا بھی نہیں سمجھتا اس کے بعد پھر کہا کہ ہماری تمہاری ملاقات آئندہ سال میدان بدر میں پھر ہو گی۔ پس وہ بزعم خود مظفر و منصور چلا گیا۔ اور حقیقت میں وہ مخذول و مقہور تھا۔

وصل:۔ جب مشرکہ واپس مکہ کو روانہ ہوئے تو صحابہ کے دل میں یہ خدشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مشرک مدینہ کا عزم کریں اور غارت ولوٹ مار نہ کریں اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دشمنوں کے عقب میں جائیں۔ تاکہ اس خبر کی تحقیق کریں۔ پس وہ حکم کے مطابق یہ خبر لائے کہ مشرکین مکہ کو روانہ ہو گئے

ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد کبھی بھی مشرک ہم پر فتح یاب نہ ہو سکیں گے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ مکہ کو فتح کریں گے۔ اور جب مشرکین مکہ کو روانہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد کبھی بھی مشرک ہم پر غلبہ نہ ہو سکیں گے۔ اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ مکہ کو فتح کریں گے۔ اور جب مشرکین مکہ کو چلے گئے تو مسلمانوں نے اپنے شہداء کی تلاش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا علی مرتضیٰ گئے اور حمزہ کے بارے میں معلوم کیا اور آنحضرت کو بتایا پس آپ تشریف لے گئے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ الی اخر القصہ۔

اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو سعد بن ربیع بن عمرو انصاری عقبی بدری جو کہ محبان و مخلصین درگاہ سے ہے کہ متعلق خبر لائے کہ وہ زندہ ہیں یا کہ شہید ہو گئے ہیں ایک انصاری اس غرض کے لئے گئے اس نے دیکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کشتگان میں پڑے ہیں اور ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی ہے۔ انہوں نے حضور خواجہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے کہا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہنچادیں اور عرض کرنا کہ سعد عرض کرتا ہے۔ **جزاک اللہ عنا یا رسول اللہ افضل ما اجزی نبیا عن امیہ** یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے بہترین جزا جو کبھی کسی پیغمبر کو اس کی امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دی ہو۔ اور اسی طرح یاروں کو میرا اسلام پہنچانا۔ اور کہنا کہ اگر تم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری میں کوئی کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لئے کوئی عذر نہ ہو گا۔ حضرت سعد نے یہ کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد وہ انصاری مرد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں واپس حاضر ہوا۔ اور صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا **اللھم ارض عن سعد بن الربیع** سبحان اللہ! کیسی محبت و اخلاص ہے کہ جان دیتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں اور عذر پیش کرتے ہیں۔ جب یقین ہو گیا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اور دین اسلام میں جو آنحضرت لے کر آئے۔ اور ترتیب آثار اور ان کے انوار کا ظہور دیکھا جن پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ تو مزید کیا جائے توقف ہو سکتی ہے۔ اور اشتباہ کی کیا گنجائش باقی ہے۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ شہید جب اپنی جان دینے اور قربان ہو جانے کی ٹھان لیتا ہے تو اس کے سامنے ایسی چیز منکشف ہوتی ہے اور دکھائی دیتی ہے جو دوسروں کو دکھائی نہیں دیتی۔ حقیقت کار اصل میں وہی جان فدا کرنا ہے بااختیار طور پر باقی سب فروع ہیں اور اس سے فروتر ہے۔

مشائخ کی حکایات میں آیا ہے کہ ایک حریر (کپڑا) نے شیخ عبداللہ بن حنیف رحمتہ اللہ علیہ کو کہا۔ **الشھادۃ ھو بزل الروح** اور حضرت صوفیا کا کلام دقیق ہوتا ہے لہٰذا اس پر جہالت و غفلت سے نظر کر کے معترض نہ ہونا چاہیے۔

اور شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں آیا ہے کہ بعض اہل حدیث و سیر اس نظریہ کے حامل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد جس کو بھی لایا جاتا تھا اسے حمزہ

رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا اور نماز پڑھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر دفعہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک یہ ہے کہ نماز تکرار نہ پڑھی گئی۔ یہ شافعیہ کا مذہب ہے اور احناف اس پر ہیں۔ اور یہ بحث تفصیل سے سفر السعادۃ کی شرح درج کی گئی ہے وہاں سے دیکھنی چاہیے۔ لیکن شہداء کو غسل نہ دیا گیا بلکہ آپ نے فرمایا کہ ان کے خون آلودہ کپڑوں میں ہی دفن کر دیا جائے اور فرمایا کہ کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو اسی حالت میں اٹھائے کہ ان کے زخموں سے خون جاری ہو گا اور فرمایا کہ خون کا رنگ خون کی طرح ہی ہو گا۔ لیکن اس کی بو کستوری کی خوشبو کی مانند ہو گی۔ اور فرمایا کہ کسی مقتول کو کسی دوسری جگہ نہ لے جائیں۔ اگر کسی کو لے گئے ہیں تو واپس لے آئیں۔ جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے باپ عبداللہ کو مدینہ لے گئے تھے۔ آپ نے حکم فرمایا کہ واپس میدان احد میں لے آئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جن شہداء کی آپس میں محبت زیادہ تھی انہیں اکٹھے ایک جگہ پر مدفون کریں ایک ہی قبر میں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے خواہرزادہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ کے ساتھ ایک قبر میں رکھا۔ وکذا لک اور بعض کو یعنی تین تین شہداء کو ایک قبر میں رکھا گیا۔ اور فرمایا کہ جس نے قرآن زیادہ پڑھا ہوا تھا اسے لحد کے نزدیک تر رکھا جائے اور دن کے آخری حصہ میں مدینہ کو واپس آئے۔ اور ہر قبیلہ کی عورتیں اور مرد استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور اس ملک اقبال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو سب کی امیدوں آرزوؤں کے مرکز ہیں کی سلامتی اور بقائے ذات پر شکر گزاری بجالائے۔ اور جس کسی کو کوئی مصیبت درپیش آتی تھی آنحضرت کی سلامتی کے پیش نظر وہ آسان سمجھتا تھا اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ آپ کی مصیبت کے علاوہ اور سب مصائب آسان ہیچ اور خفیر ہیں۔

ایک عورت تھی جس کے خاوند' بیٹا اور باپ اور اس کے قریبی شہید ہو چکے تھے۔ وہ پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو زندہ ہیں نا۔ اگر وہ زندہ ہیں تو مجھے کسی بھی دوسرے کی شہادت کا کوئی غم نہ ہے اور نہ کوئی خوف۔

؎ من و دل گر فدا شیدم چہ باک — غرض اندر میان سلامت تست

جب آپ ہمارے پاس ہیں تو سب ہمارے پاس ہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قبیلہ بنی عبد الاشہل میں پہنچے۔ سعد بن معاذ اسی قبیلہ سے تھے۔ تو کبشہ بنت رافع جو سعد بن معاذ کی والدہ تھی باہر نکلیں۔ اور بھاگ کر آئی تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھوڑے پر سوار کھڑے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت سعد نے کہا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ حضور کی خدمت میں آرہی ہیں۔ آپ نے اسے مرحبا فرمایا۔ جب وہ نزدیک آئی اور حضور کا دیدار مبارک حاصل کیا تو کہنے لگی یا رسول اللہ جب میں نے آپ کو سلامت پالیا ہے تو ہر مصیبت کا گھونٹ جو آئے نوش کر سکتی ہوں۔ سید الرسل صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعزیت فرمائی اور فرمایا اے ام سعد! تجھے خوشخبری ہو اور اپنے دیگر اہل و عیال کو بھی بشارت دو کہ جن لوگوں نے جام شہادت نوش کیا ہے وہ بہشت کے محلات میں ہیں اور سیرو تفریح کرتے ہیں اور ان کی شفاعت ان کے اہل کے لئے بھی قبول ہو گئی ہے۔ کبشہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا

رسول اللہ! میں اس حال سے راضی ہو گئی ہوں۔ اور اس بشارت کے بعد اب تہنیت کا مقام ہے نہ کہ تعزیت کا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان کے پسماندگان کے لئے دعا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ اللهم انهب حزن قلوبهم اجر مصيبتهم

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم ارشاد فرمایا کہ جو کوئی زخمی ہے وہ اپنے گھر میں چلا جائے۔ اور اپنے زخموں کا علاج خود کرے۔ اور بنو اشہل میں زخمی بہت تھے۔ ان میں سے قریب قریب تیس آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ کے آستانہ مبارک تک آئے۔ آپ کو آپ کے آستانہ مبارک پر پہنچایا اور پھر خود اپنے گھر کو واپس آئے۔

فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا:۔ منقول ہے کہ جب مصیبت زدہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استقبال کے لئے حاضر ہوئے تو فاطمہ جو حمزہ رضی اللہ عنہ کی دختر تھیں راستے پر آئی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر جوق در جوق آ رہا ہے۔ اس نے ہرچند تلاش کیا۔ لیکن اپنے باپ کو لشکر میں نہ دیکھا اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میرے والد کہاں ہیں لشکر میں نظر نہیں آتے۔ حضرت صدیق کا دل جل اٹھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ آنحضرت کے ساتھ آ رہے ہیں۔ جب خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے تو والد پھر بھی نظر نہ آئے وہ آگے بڑھیں اور خواجہ کائنات کی سواری کی لگام پکڑلی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد کہاں ہیں۔ آنحضور خواجہ من نے فرمایا کہ تمہارا باپ میں ہوں۔ عرض کیا یا رسول! اس بات سے بوئے خون آتی ہے اور یہ کہتے ہی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور حضور کے ساتھیوں کی آنکھوں میں بھی اسے دیکھ کر آنسو ٹپک پڑے اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے والد کی شہادت کی کیفیت بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اے بیٹا اگر میں اس کا حال بیان کروں تو تمہارے دل کو اس کے برداشت کی طاقت نہیں ہوگی۔ اس سے ضعیفہ اہ و نالہ اور خروش و پکار اور زیادہ ہو گئی۔

اس مقام پر عجیب و غریب ایک حکایت ہے جو نقل کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف میں نزول فرمایا تو انصار کے گھروں سے عورتوں کے رونے کی آوازیں آ رہیں تھیں سوائے حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے آپ نے فرمایا۔ لكن حمزة لا بواكى له مراد یہ کہ حمزہ لئے رونے والی عورت کوئی نہیں جب انصار نے یہ بات سنی تو اپنی عورتوں سے کہا کہ پہلے حمزہؓ کے گھر پر جاؤ اور اس پر روؤ۔ اس کے بعد اپنے گھروں میں گریا کرنا۔ انصار کی عورتیں شام اور عشاء کے درمیان حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر آئیں۔ اور آدھی رات تک ان پر روتی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو رہے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے رونے کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے بیان کیا گیا کہ انصار کی عورتیں حضور والا کے چچا پر رو رہیں ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور فرمایا۔ رضى الله عنلن وعن اولادكن واولاد اولادكن اس طرح معارج النبوت میں ہے۔ اور روضۃ الاحباب میں اس قدر مزید ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ میرا مقصود یہ نہ تھا کہ

عورتیں آئیں اور حمزہ کے لئے گریہ کریں۔ اور آپ نے نوحہ کرنے سے ممانعت فرمائی اور اس امر میں بڑا مبالغہ اور تاکید فرمائی۔ انتہی۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) ثبتہ اللہ الطریق والیقین عرض کرتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ لکن حمزۃ لا بواکی لہ اس سے حمزہ رضی اللہ عنہ کا تأسف' تألم اور غربت و مصیبت ہے۔ جس حالت میں وہ شہید کئے گئے وہ معلوم ہی ہے اور غربت یہ کہ ان کا کوئی نہ تھا جو روتا۔ اور رونا بلا نوحہ ممنوع بھی نہیں ہے اور انصار نے اس طرح سمجھ لیا کہ شاید آنحضرت کا مقصود یہ ہے کہ عورتیں آئیں اور روئیں اور آنحضرت نے بھی جب ان کی جانب سے استرضاء اور امتثال کا مشاہدہ کیا اور ہو سکتا ہے کہ نوحہ گری راہ پا جائے تو آپ نے منع فرما دیا۔ اور اس میں مبالغہ فرمایا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نوحہ کرنا مباح ہو۔ اور بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

اور یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ جنگ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے چار آدمی مہاجرین سے اور چھیاسٹھ انصار سے اور کفار نگونسار سے قریباً تیس آدمی جہنم رسید ہوئے اور جب مسلمانوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مصیبت ہمیں کہاں سے آپڑی۔ تو حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں آیت نازل فرمائی۔ **ولما اصابتکم مصیبة قد اصبتم مثلیها قلتم انی هذا قل هو من عند انفسکم** جب تم کو مصیبت آئی۔ یعنی قتل و زخمی ہونا اور تم میں ستر آدمی شہید ہونا غزوہ احد میں تحقیق یہ تمہارے ہی ہاتھ سے تمہیں مصیبت آئی۔ اور اسی کے برابر بدر میں دشمن قتل ہوئے تھے اور کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) یہ تمہارے نفسوں کے باعث تھا کہ تم نے حکم کی مخالفت کی مرکز چھوڑ کر اور وعدہ فتح ثابت قدمی اور مطاوعت اور مدینہ مطہرہ سے بے توقف خروج کے ساتھ مشروط تھا۔ اور آنحضرت کے امر اور اذن کا انتظار جیسے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے یا بدر کے دن فدا کاری اختیار کرنا خواہ تم سے ستر آدمی شہید ہی کیوں نہ ہو جاتے۔ جیسے کہ غزوہ بدر میں مذکور ہوا بعد میں مومنوں کے دلداری فرمائی گئی۔ اور فرمایا۔ **ما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ**۔ یعنی جو کچھ ہزیمت و قتل کا تمہیں سامنا کرنا پڑا۔ یہ قضائے حق تعالیٰ سے تھا۔ اور مومن کو جب پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ اسے مصیبت آئی ہے۔ وہ قضاء خدا سے سبحانہ و تعالیٰ تو اس سے اسے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی مصیبت آسان ہو جاتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایمان کسی قدر غم و اندوہ کو زائل کرتا ہے۔

شہدائے احد کے فضائل:۔ **فصل:۔** اور شہادت مطلق کے فضائل کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں بالخصوص فرمایا۔ کہ جب انہوں نے دوسرے عالم میں انتقال کیا تو حق تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کی صورت دی اور ہر روز وہ پرندے بہشت کی نہروں کے کے کناروں پر آتے ہیں اور ان سے پانی پیتے ہیں اور بہشت کے میوے کھاتے ہیں اور بہشت کے محلات و منازل اور باغوں میں پرواز کرتے ہیں اور بہشت کی سیر کے بعد جب فارغ ہوتے ہیں تو رات کے وقت جو ساق عرش سے نورانی قندیلیں لٹکی ہیں۔ ان کی طرف واپس چلے جاتے ہیں اور جب ان کو یہ دولت اور ناز و نعمت عطا ہوئی تو وہ حق تعالیٰ کی مناجات کرنے لگے کہ اے اللہ تعالیٰ۔ کون ہے جو ہمارا پیغام ہمارے

بھائیوں کو پہنچادے۔ اور حصول حضوری اور جمعیت و فاہیت اور ہماری عیش مطرب اور پاکیزہ کھانے پینے کے بارے میں ان کو بتادے تاکہ وہ اپنی دنیوی حیات کو غنیمت سمجھیں۔ اور غزات و جہاد میں پہل و تقدیم کریں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کام میں کروں گا۔ پس یہ آیت بھیجی۔ لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتھم اللّٰہ من فضلہ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ان پر تجلی فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ اے شہیدو اور اے جان نثارو تم جو کچھ بھی چاہتے ہو مجھ سے طلب کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے مولا اور اے ہمارے پروردگار! ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ارواح کو پھر ہمارے جسموں میں بھیجا جائے۔ اور ہم کو دنیا میں بھیجے تاکہ تیری رضا کے لئے ہم دوسری بار شہید ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کسی کو ہم قبض کر لیتے ہیں اسے پھر دنیا میں نہیں بھیجتے اس مقام پر شارحین سخن کرتے ہیں۔ دوسری بار شہید ہونے کے لئے حیات دنیوی کی خواہش کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ ثواب تو وہی ملتا ہے جو پہلی بار شہید ہونے سے مل گیا۔ اس میں زیادتی کیا ہے جواب یہ ہے کہ شاید وہ خیال کرتے ہوں دوسری بار شہید ہونے سے ثواب زیادہ ہوگا بحکم لئن شکرتم لا زیدیکم اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہادت بظاہر السالک دکھائی دیتی ہے حقیقت میں اس کا ذوق و لذات ایسے خوب ہوں جو دوبارہ وہ اس کی آرزو کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد اس نعمت کی نفاست کا بیان اور اس عطا شدہ جزا پر رضاء شکر کا اظہار کرنا ہو۔ یعنی کہ ہم کوئی دوسری نعمت نہیں چاہتے اور نہ آرزو رکھتے ہیں اور نہ اس سے بالاتر کوئی نعمت سمجھتے جانتے ہیں اور اگر چاہتے ہیں تو صرف یہی چاہتے ہیں جو ہم کو مل چکا ہے۔ فافہم۔ اور یہ عالم برزخ ہے اور دیدار الٰہی آخرت کو ہوگا۔ ورنہ وہ اس کے طالب گار ہوتے۔ جو کہ سب نعمتوں سے بالاتر ہے۔ اور ظاہر حدیث اور آیت یہ ہے کہ حیات شہداء اور حیات حقیقی جسمانی ہے نہ کہ صرف معنوی اور روحانی چنانچہ بعض کے کلام سے یہ ظاہر ہے اور باوجود اس کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے اعلیٰ اور اکمل ہیں اور اس مسئلہ حیات انبیاء کو ہم پوری تفصیل کے ساتھ کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں جو کہ مدینہ مطہرہ کے احوال میں رقم شدہ ہے ذکر کر دیا ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے موقع پر اس میں سے کچھ ذکر کریں گے۔

تنبیہہ:۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جوف طیور میں ارواح کا لایا جانا اس طرح نہیں ہے جیسے کہ ارواح اجسام انسانی میں ہوتی ہیں کیونکہ وہ تصرف کرنے والے اور مدبر ہوتے ہیں کیونکہ طیور کے بدن ارواح انسانی کی تدبیر و تصرف کے قبول کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور لازم آتا ہے کہ مرتبہ انسانی سے مرتبہ حیوانی میں نازل ہوئے بلکہ یہ تو اس طریقہ پر ہے جیسے صندوقوں یا برتنوں پر جواہرات ہوتے ہیں۔ (کذا قالو) لیکن اس لحاظ سے ان کا جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا مشکل ہوتا ہے گویا کہ وہ پرندوں کی صورتوں پر آدمی ہیں۔ جیسے کہ دنیا کی دوسری صورتیں رکھتے ہیں۔ اس جگہ پر طیور کی صورتیں رکھتے ہیں لیکن اس مقام بھی تناسخ کا وہم گزرتا ہے کہ ایک بدن سے دوسرے بدن میں روح منتقل ہوئی اور اس بدن کی صورت اس بدن غیر ہے۔ اس وہم کا دفعیہ اس طرح ہے کہ تناسخ کا بطلان دنیا میں ہے۔ جو حشر و نشر کی مبطل ہے۔ اس جگہ ایسا نہ ہے۔ بلکہ یہاں

معاملہ یہ ہے کہ برزخ میں بدن دنوی روح سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اصلی حقیقی بدن میں آجاتی ہے۔ (کذا قیل)

اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ ارواح ان پرندوں سے متحد اور متمثل کر دیتے ہیں اور یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ یدخل فی جوف طیور۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ شاید عالم برزخ میں مرتبہ طیور پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حشرو نشر کے بعد اصلی بدن پیدا کر کے مرتبہ انسانی پر لے آتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔

مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ حافظ عماد الدین بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ مسند امام احمد میں ایک حدیث روایت کی ہے اس میں ہر مومن کو بشارت دی گئی ہے کہ اس کی روح بہشت میں ہوتی ہے اور وہاں چرتی ہے اور جو کچھ اس میں ہے اسے نصرت و سرور کے ساتھ دیکھتی ہے۔ اور جو کچھ اس کے لئے عزت و اکرام کے طور پر وہاں تیار کیا گیا ہوتا ہے اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور یہ حدیث اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے اس میں ائمہ اربعہ اور ارباب مذاہب میں تین حضرات ہیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ شافعی سے انہوں نے امام مالک سے انہوں نے زہری سے انہوں نے عبدالرحمٰن سے انہوں نے اپنے والد کعب بن مالک سے رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہ انہوں نے فرمایا کہ مومن کی روح ایک طائر ہے۔ جو بہشت کے درختوں سے کھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے واپس اس کے جس کی طرف لاتا ہے اس دن جبکہ اس کو اٹھاتا ہے۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن کی روح بہشت میں پرندے کی صورت میں ہوتی ہے اور شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے حواصل و جوف میں ہوتی ہیں پس شہداء کی روحیں راکب کی مانند ہیں یہ نسبت عام مومنین کی ارواح کے **فسال اللہ الکریم ایمیتنا علی الایمان۔**

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احد کی جنگ سے فارغ ہوئے آپنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور مسلمانوں سے تعزیت فرمائی۔ اور ان کی خبر دی اس اجر و ثواب کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیه فمنهم من قضی نحبه ومنهم ینتظر**

اور ابی قروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شہداء احد کی قبروں کی زیارت کی۔ اور کہا کہ اے خدا تعالیٰ جو کہ تحقیق لائق پرستش ہے۔ تیرا یہ بندہ اور رسول گواہ ہے کہ یہ جماعت تیری رضا کی طلب میں شہید ہوئی تھی اور اس کے بعد فرمایا جو کوئی ان کی زیارت کرتا ہے اور تحیت و سلام پہنچاتا ہے۔ وہ اس کا جواب دیتے ہیں قیامت کے روز تک۔

نیز منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شہدائے احد کی زیارت کو جاتے تو فرماتے۔ **السلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار** اور اس کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا۔ اور حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز میں صحرائے احد میں سے گزری۔ تو میں نے کہا السلام علیکم یا عم رسول اللہ۔ تو میں نے آواز سنی۔ علیک السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

اور عطاف بن خلد مخزومی اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئی اور میرے ساتھ سوائے دو غلاموں کے جو میری حفاظت کرتے تھے اور کوئی نہ تھا۔ میں نے یہ سنا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے کہ ان کو سلام کیا کرو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ پس میں نے سلام کیا اور جواب بھی سنا یہ بھی سنا وہ کہتے تھے۔ تحقیق ہم تجھ کو پہچانتے ہیں۔ پس میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا بوجہ ہیبت کے۔ پس میں سوار ہو گئی اور روانہ ہو گئی اور شہدائے احد کے فضائل میں اخبار و آثار بہت آئے ہیں۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ چھیالیس سال کے عرصہ کے بعد بعض شہدائے احد کی قبروں کو کھولا گیا تو وہ بالکل اسی طرح تروتازہ تھے اپنے کفنوں کے ساتھ جیسے کہ پھولوں کے غنچے ہوتے ہیں گویا کہ وہ اسی روز دفن کئے گئے تھے۔ اور ان میں بعض دیکھے گئے کہ اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور جب زخموں پر سے ان کے ہاتھ ہٹاتے تھے تو تازہ خون بہنے لگتا تھا اور جب ہاتھوں کو چھوڑتے تھے تو واپس اپنے زخموں پر وہ ہاتھ رکھ لیتے تھے۔

ان واقعات میں سے جو ان قبروں کو کھولنے کے موجب بنے ایک یہ ہے کہ ایک شخص کا ایک قرابت دار ایک جنبی کے ساتھ مدفون ہو گیا تھا۔ صریح اجازت کے ساتھ جو آنحضرت نے ان کو دی تھی۔ یا ولادت حال یا قیاس اجتہاد سے انہوں نے اس کو نکالا۔ اور علیحدہ دفن کیا۔ اور بعض قبریں ان تک سیلاب پہنچ جانے کے باعث مکشوف ہوئیں۔ اور یہ حال قلیل الوقوع تھا اور اکثر قبور اس وقت مکشوف ہوئیں جب حضرت معاویہؓ نے اپنی امارات کے زمانہ میں احد سے ایک نہر گزاری اس شہید مقدس کی طرف اور اکثر قبور شہداء اس غرض سے کھول گئیں اور شہدا کو قبور سے باہر نکالا گیا۔ اور تاریخ مدینہ میں امام تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ سے شفاء الاسقام کے ضمن میں منقول ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نہر کھدوا رہے تھے۔ وہ نہر ان شہیدوں کے قریب سے گزری۔ تو ایک کدال حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو جالگا اس سے خون جاری ہو گیا۔ جب یہ نہر کی کھدائی جاری تھی۔ مدینہ کے حاکم نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ امیر المومنین کی نہر کھودی جا رہی ہے۔ اگر کسی کے عزیز کی قبر ہو تو اسے نکالے اور کسی دوسری جگہ پر منتقل کر لے۔ واللہ اعلم۔ ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے کہ جب ابو سفیان اور دوسرے مشرک جنگ احد سے واپس مکہ کو لوٹے تو واپس آجانے پر پشیمان ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم زحمت بھی اٹھائی۔ لشکر جمع کیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر غلبہ بھی کیا اور اس کے بہت سے صحابہ کو قتل بھی کیا۔ اور پھر نامکمل کام چھوڑ کر واپس آ گئے۔ مصلحت اس میں ہے کہ پھر مڑیں اور اس کے تمام اصحاب کو قتل کریں اس کے بعد مکہ کو مراجعت کریں عکرمہ بن ابی جہل اس بارے میں ابو سفیان سے متفق تھا لیکن صفوان بن امیہ کی رائے مخالف تھی۔ اس نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہ ہے۔ شاید محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے صحابہ اس مصیبت کے باعث جو ان پر پڑی اب بڑے انتقامی اور غضبناک جذبات میں ہوں وہ تمام بنو اوس خزرج کو جو پہلے احد میں حاضر نہ تھے جمع کر کے تمہارے ساتھ مقاتلہ کریں۔ اور اس بارے میں سخت کوشش و جدوجہد کریں اور تم پر غلبہ پالیں اور مغلوبیت کے بعد پھر وہ تم پر غالب آ جائیں اور قضیہ الٹ ہی ہو جائے۔

جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ملی تو آپ نے چاہا کہ دشمنوں پر رعب ڈالیں اور مشرک جان لیں کہ اہل اسلام میں ان کے ساتھ لڑنے کی شوکت و قوت موجود ہے۔ تو جنگ احد سے اگلے دن بروز اتوار (یک شنبہ) آنحضرت نے حکم فرمایا کہ اعلان کریں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مشرکوں سے جہاد کے لئے جلدی آؤ۔ اور چاہیے کہ جو جو لوگ احد سے غیر حاضر تھے۔ ان میں سے کوئی نہ آئے کیونکہ آپ کی منشاء یہ تھی کہ مشرک جان لیں۔ کہ جو مسلمان احد میں حاضر تھے ان میں بھی سابقہ حرب و قتل سے کوئی کمزوری نہیں آئی ہے جس سے وہ جنگ نہ کر سکیں اور یہ کہ وہ احد سے غیر حاضر رہنے والے اوسیوں یا خزرجیوں کی امداد کے محتاج نہیں ہیں۔ صحابہ نے جب سنا کہ حکم اس طرح ہے تو سب نے اطاعت و انقیاد پر کمر باندھ لی۔ اور اپنے زخموں پر پٹیاں باندھ کر لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور حضرت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ہتھیار پہن کر بر سر راہ کھڑے ہو گئے۔ اور لشکر اسلام آپ کے ساتھ آ کر مل گیا۔ پس ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔
الذین استجابوا اللّٰہ والرسول من بعد ما اصابہم القرح للذین احسنو منہم واتقوا اجر عظیم اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو اپنے باپ کے تعدد عیال کے عذر سے احد میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے بھی اجازت دے دیں تاکہ اس غزوہ میں خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ پس آپ نے اس کو اجازت دے دی اور سوائے ان کے کسی اور سابقہ غیر حاضر احد کو اجازت نہ دی حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ مطہرہ میں خلیفہ بنایا اور جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب اور ایک روایت کے مطابق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اور مدینہ شریف سے تین میل کے فاصلہ پر حمراء الاسد کے مقام پر چلے گئے جو ذی الحلیفہ کو جانے والے راستہ کے بائیں جانب ایک مقام ہے۔ جب رات ہوئی تو آنحضرت نے حکم فرمایا تاکہ پانچ سو جگہوں پر علیحدہ علیحدہ آگ جلائیں۔ اس لئے کہ اس سے لشکر کی کثرت ظاہر ہو اس راستہ سے گزرنے والوں کی نظر اور خیال میں تاکہ وہ یہ بات مشرکوں کو سنا دیں اور دیکھیں تو ان کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہو۔ واللہ اعلم۔

اور معبد جو ام معبد کا بیٹا تھا خزاعی وہ ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا۔ لیکن وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھتا تھا۔ کیونکہ بنوں خزاعہ آنحضرت کے حلیف اور ہم سوگند تھے۔ وہ اس دوران مکہ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حمراء الاسد کے مقام پر ملاقات کی اور صحابہ کے بارے تعزیت کی۔ اور مقصد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ابو سفیان اور دیگر تمام مشرکین کے پاس پہنچا۔ ابو سفیان نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے بارے میں کیا خبر ہے۔ معبد نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اصحاب احد اور دیگر پر مشتمل ایک بڑی فوج کے ساتھ تم سے انتقال لینے کی خاطر آ رہے ہیں اور مدینہ مطہرہ سے باہر آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو حمراء الاسد کے مقام پر چھوڑا ہے۔ کفار نے کہا کہ یہ تم کیسی بات کر رہے ہو۔ معبد نے کہا کہ خدا کی قسم میں درست کہہ رہا ہوں اور میرا خیال یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تم یہاں سے رخصت ہو تم ان کو گھوڑوں کے ماتھے دیکھ لو گے۔

مخفی نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غیر حاضرین احد کو اپنے ساتھ شامل نہ کیا تھا جیسے کہ پہلے معلوم

ہو چکا۔ پس معبد نے جو یہ کہا کہ صحابہ حاضرین احد کے علاوہ دوسروں کو بھی ساتھ لئے ہوئے ہیں۔ یا تو یہ دروغ مصلحت آمیز تھا۔ اور یا ممکن ہے اس کا گمان اسی طرح ہو اور اس نے اس کی تحقیق نہ کی ہو گی۔ واللہ اعلم۔ اس خبر سے مشرکین کو قوی وہم اور بڑا خوف ہوا۔ لہٰذا پوری عجلت کے ساتھ وہ مکہ کو روانہ ہو گئے۔ اور معبد نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قاصد بھیجا اور تمام حال بتا دیا۔ اور ابوسفیان نے بھی ایک گروہ مدینہ کو بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو خبر دے کہ مشرکین تمہارے قتل و استیصال کی طرف متوجہ ہیں لہٰذا ہوشیار رہو۔ جب وہ گروہ حمراء الاسد پہنچے تو دیکھ کر ڈر گئے اور مسلمانوں سے ابوسفیان کی بات کہی مسلمانوں نے خدا پر توکل کرتے ہوئے کہا۔ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** اور انہی معانی میں یہ آیت پاک خبر دیتی ہے۔ **الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالو حسبنا اللہ ونعم الوکیل**

اور اس جگہ تنبیہ ہے کہ مومن کو اگر دشمنوں سے خوف و ہراس ہو تو یہ کلمات پڑھے تاکہ ان سے نجات پائے۔ ادعیہ ماثورہ میں یہ کلمہ زیادہ آیا ہے۔ **نعم المولی ونعم النصیر۔**

اور اس جگہ ابوعزہ شاعر جو اسیران بدر میں تھا اور بغیر فدیہ کے چھوڑا گیا تھا اس شرط پر بعد میں کبھی مومنوں کے خلاف جنگ میں نہ آئے اس نے نقض عہد کیا اور احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں آیا۔ وہ یہاں گرفتار ہوا اور آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور فرمایا۔ **لا یلدغ المومن من حجر مرتین**

سریہ رجیع:۔ ہجرت سے چوتھے سال پہلے چھ ماہ پر سفر کے دوران جو واقعات پیش آئے ان میں سے ایک واقعہ سریہ رجیع ہے۔ یہ مکہ اور عفان کے درمیان حجاز کے علاقہ میں ایک پانی والی جگہ ہے۔ چونکہ یہ قضیہ اس کے قریب واقع ہوا لہٰذا اسی کے نام کے ساتھ منسوب کیا گیا۔ اس قصہ میں عضل اور قارا کا ذکر ہے یہ دو مقامات ہیں اور دوسرا سریہ بیر معونہ ہے۔ جو سال چہارم کی اول ششماہی میں واقع ہوئے اور سریہ بیر معونہ میں رعل اور ذکوان کا ذکر ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ رجیع کا واقعہ رجیع سال تیسرے کے آخر میں ہوا تھا اور بیر معونہ سال چہارم کے شروع میں علماء فرماتے ہیں کہ اصحاب رجیع اور بیر معونہ کی خبر ایک ہی رات کو آئی تھی اور ترجمہ بخاری سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بیر معونہ اور رجیع ایک ہی واقعہ کے نام ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ رجیع سریہ عاصم اور خبیب ہے اور ان کے ساتھی۔ اور یہ عضل اور قارہ کے ساتھ ہے۔ اور بیر معونہ دوسرا سریہ ہے اور وہ رعل اور ذکوان کے ساتھ ہے اور بخاری نے دونوں کو بوجہ تقارب اکٹھا کر دیا ہے لیکن بخاری کی بھی یہ مراد نہیں ہے کہ یہ قضیہ ایک ہی ہے۔

لیکن سریہ رجیع کی تفصیل اس طرح ہے کہ احد سے واپسی کے بعد سفیان بن خالد جو کہ اشقیاء میں سے تھا عضل او رقارہ کے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ میں آیا کہ قریش کی تہنیت کرے جو کہ احد سے فتح اور غلبہ کی صورت میں واپس آئے تھے۔ جب یہ آیا تو اس نے سنا کہ سلافہ بنت سعد جو طلحہ بن ابی طلحہ کی بیوی تھی ابی طلحہ جنگ احد میں کافروں کا عالمبردار تھا۔ سلافہ کا خاوند اور دو بیٹے احد میں مارے گئے تھے اس لئے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی اس کے دو بیٹوں کے

قاتل عاصم بن ثابت کا سر کاٹ لائے اس کو وہ ایک سو اونٹ انعام دے گی۔ معارج النبوت کی عبارت اسی طرح واقعہ ہوئی ہے۔ اور اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلافہ کی یہ نذر بالخصوص عاصم بن ثابت کے بارے میں تھی اور روضتہ الاحباب میں ہے کہ اس عورت نے شرط کی تھی۔ کہ جو کوئی اس کے دو بیٹوں کے قاتلوں میں سے کسی کا ایک کا سر لائے گا۔ اس کو بہترین ایک سو اونٹ دے گی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک کو عاصم بن ثابت نے قتل کیا تھا اور ایک کو طلحہ بن عبید اللہ نے اور ایک کو زبیر بن عوام نے مارا تھا۔ اس جگہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی نذر صرف عاصم بن ثابت کے لئے تھی اور عاصم کا ذکر اس لئے آگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاصم کو سریہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ بہر حال سفیان بن خالد کو یہ لالچ ہوا کہ وہ اس عورت کا مقصد حاصل کرے اور سو اونٹ اس کے ہاتھ لگیں۔ پس وہ اس منصوبہ پر برانگیختہ ہوا اور سات شریر آدمیوں کو مدینہ بھیجا۔ اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے جانا اور اظہار اسلام کرنا۔ اور عرض کرنا کہ صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ساتھ بھیجیں جو ہماری قوم کو شریعت کے احکام سکھائیں شاید کہ وہ سلافہ کے بیٹوں کے قاتلوں میں سے بھی کسی کو تمہارے ساتھ بھیج دیں۔ جس سے ہمارا مدعا بر آئے۔ پس عضل اور قارہ کی قوم سے سات آدمی مدینہ میں آئے اور کہا یا رسول اللہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہمارے قبیلہ سے ایک جماعت ہمارے ساتھ مسلمان ہو گئی ہے۔ آپ اپنے یاروں میں سے ایک جماعت ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔

صحیح بخاری میں سفیان بن خالد کا قصد اور سلافہ کے بیٹوں کا قتل اور سو اونٹوں کی نذر اور سفیان کا اس کو قبول کرنا۔ الخ۔ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اسی جگہ سے ابتداء کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سریہ بھیجا اور اس پر عاصم بن ثابت کو امیر بنایا۔ پس یہ سریہ عسفان اور مکہ کے درمیان گیا۔ الی آخر القصہ۔ اور اس طریقے سے کتب سیر میں مذکور ہے کہ سفیان بن خالد نے اپنی قوم کے سات آدمیوں کو آنحضرت کی خدمت میں بھیجا۔ وہ منافقانہ طور پر اسلام لائے۔ اور ایک جماعت صحابہ کی بھیجی جانے کے لئے التماس کی۔ اور عاصم کو سریہ کے ساتھ بھیجا جانے کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ کہ یہ لوگ ثابت بن ابی الاقلح جو عاصم کا باپ تھا کے ہاں اترے اور عاصم کے ساتھ محبت والفت کی بنیاد رکھی۔ اور صبح و شام عاصم کے ساتھ رہتے تھے۔ اور عاصم کو کہا کہ کیا اچھا ہو تاکہ آنحضرت جن لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیجنے والے ہیں ان میں تم بھی ہوتے پس آنحضرت نے ان سات آدمیوں کے ساتھ بھیجنے کے لئے دس آدمی نامزد کئے عاصم اور حبیب بن عدی اور مرثد اور عبد اللہ بن طارق اور خالد بن ابی البکیر اور زید بن الدثنہ ان میں شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم۔ اور قول صحیح اور قول مرثد کے مطابق عاصم کو امیر بنایا گیا۔ پس ان دس آدمیوں نے اپنے ہتھیار لئے اور ان سات منافقوں کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچے جسے ہراۃ کہتے تھے عسفان اور مکہ کے درمیان ان سات منافقوں سے ایک آدمی جدا ہو کر سفیان بن خالد کے پاس آیا۔ اور عاصم رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی آمد کی خبر دی۔ اور وہ جہنمی کتا اپنے ساتھ دو سو ملعونوں کو لے کر اور ایک روایت کے مطابق ایک سو تیر انداز لے کر مسلمانوں پر آیا۔ صبح کا وقت تھا جبکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت ایک مقام پر اترے جو رجیع کے قریب تھا اور مدینہ شریف سے جو کھجوریں ہمراہ لائے تھے کھانے لگے پھر پہاڑ

کے اوپر چلے گئے۔ اور ابن سعد کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں کو حالات کا احساس ہوا تو ایک ٹیلے پر پناہ لی۔ اور سابقہ روایت سے ظاہراً" یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفار کے آنے سے پہلے ہی احساس ہو گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ظاہراً" احساس کی وجہ اس ایک ملعون کا دوسروں سے علیحدہ ہو جانا تھا کہ اس سے فریب اور دغا کا احساس ہوا قبیلہ بنو نبیان کی ایک عورت جو رجیع کی جائے آب کے پاس بکریاں چرا رہی تھی اس نے دیکھا کہ اس میں کھجوریں پڑی ہیں۔ اس نے کہا خدا کی قسم یہ تو یثرب کی کھجوریں ہیں کیونکہ مدینہ کی کھجوریں چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں۔ اس علامت سے اس نے پہچانیں تو اس نے کہا کہ اے ڈھونڈنے والے لوگوں کی جماعت! تمہارے مطلوب نے اس جگہ رات گزاری ہے کفار وہاں سے فوراً روانہ ہو پڑے۔ اور وہ بدرو کافر سب کے آگے آگے آ رہا تھا خالد بن ابی الکبیر نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو سلیمان! تمہارے مہمانوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ حضرت عاصم نے اس کی بات کی تصدیق کی اور ساتھیوں کو کافروں کا قتل کرنے کی ترغیب دی۔ اور کہا اے یارو! درجہ شہادت کے حصول کو غنیمت سمجھو اور دین کے دشمنوں کے ساتھ **مقاتلہ** کرو۔ جب کافروں نے دیکھا کہ مسلمان تو مارنے مرنے پر تلے ہوئے ہیں تو نصیحت کرنا شروع کیا کہ خود کو موت کے حوالے کیوں کرتے ہو۔ کیونکہ تمہیں ہمارے مقابلہ کی طاقت نہ ہے۔ عاصم کہنے لگے ہمیں موت کا کوئی خوف نہ ہے۔ کیونکہ ہم اپنے دین کے باعث بصیرت وہدایت پر ہیں اور جان دینا ایک کارنامہ ہے۔ کافر نے کہا اے عاصم! جلدی مت کرو۔ اور اپنے آپ کو موت کے حوالے مت کرو۔ ہم تم کو امان دیتے ہیں۔ حضرت عاصم نے کہا کہ میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتا ہوں اور خدا سے میں نے عہد کیا ہے اور اس سے درخواست کی ہے کہ میں کسی کافر کے عضو کو مس نہ کروں۔ اور میں نے سنا ہے کہ سلافہ زن طلحہ نے نذر مانی ہے کہ میرے کاسہ سر میں شراب پئے گی۔ اس نے کہا اے خداوند! ہمارے حال کی خبر ہمارے پیغمبر کو کر دے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور اپنے رسول کو خبر دے دی جو کچھ کہ ان کو مصیبت آن پڑی تھی۔ یہ کہہ کر تیر اندازی شروع کر دی۔ جب حضرت عاصم کے تیر ختم ہو گئے تو نیزہ پکڑ لیا۔ اور قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار کھینچ لی اور قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ اور کہا اے خداوند میں نے اول روز سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے۔ اے خدا! تو آخر روز میرے جسم کو کافروں سے محفوظ فرما۔ پس مشرکوں نے تیروں کی بارش کی اور عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اور وہ جو کہا کہ میں نے پہلے دن ہی تیرے دین کی حمایت کی تو آخری روز میرے جسم کو محفوظ رکھ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ بربنائے عمل اجر و معاوضہ طلب کیا۔ بلکہ اس سے مقصود صرف امیدواری ہے۔ کہ چونکہ وہ بھی اس نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ لہٰذا یہ بھی اپنے فضل و کرم سے عطا فرما۔ کیونکہ اہل حقیقت کا طریقہ باب قرب میں اجر طلب کرنا نہیں ہوتا۔ ان کی نظر تو معاملہ شریعت میں صدق حق پر ہوتی ہے۔ آیہ کریمہ دلالت کرتی ہے اس ضمن میں۔ **ان تنصرو اللہ ینصرکم** حجت ہے۔ جب ارباب شقاوت نے قصد کیا کہ ان کا سر تن سے جدا کر کے سلافہ کے پاس لے جائیں اور شرط کردہ سو اونٹ حاصل کریں۔ تو حق تعالیٰ نے بروں (زنبور) کا ایک لشکر بھیج دیا انہوں نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کے گرد حلقہ میں قطاریں باندھ لیں۔

اور جو کوئی بھی آگے بڑھتا اس پر یہ زنبور یکبارگی حملہ کر دیتے تھے۔ اور ڈنگ مار مار کر اسے وہاں سے بھگا دیتے تھے حتیٰ کہ کسی کو یہ طاقت نہ تھی کہ حضرت عاصم کے نزدیک پھٹکے اور رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیج دیا جو دشمنوں میں سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا جسد مبارک نکال لے گیا۔

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم نذر کے اونٹ عاصم رضی اللہ عنہ کے قتل کے نتیجہ میں سلافہ بنت سعد سے طلب کرنے کے لئے آئے۔ تو اس نے کہا کہ میں نے شرط کی تھی کہ میرے بیٹوں کے قاتلوں میں سے کسی کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ یا اس کا سر لاؤ تو سو اونٹ دوں گی۔ تم نے دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی نہ کیا۔ لہٰذا اونٹ کاہے کو دوں۔ پس یہ خائب و خاسر لوٹے۔ لعنۃ اللہ علیہ اجمعین اور دوسرے ساتھیوں میں سے مقابلہ میں چھ آدمی شہید ہو گئے۔ اور خبیب بن عدی اور عبد اللہ بن طارق اور زید بن الدسنہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑ سے اتر کر اپنے آپ کو مشرکوں کے حوالے کر دیا۔ کافر بدبختوں نے عہد شکنی کی۔ اور ان کے ہاتھوں کو کمانوں کے ساتھ باندھ لیا جب عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے ان کا عذر و بہانہ دیکھا۔ تو حیلہ کے ساتھ اپنا ہاتھ بند سے چھوڑا لیا۔ اور تلوار کھینچ کر دشمنوں پر حملہ کر دیا اور آخر کار کافروں کی سنگ باری کے باعث شہید ہو گئے اور حضرت خبیب اور زید رضی اللہ عنہ کو مکہ میں لے آئے اور بیچ دیا۔ حضرت خبیب کو حارث بن عامر بن نوفل کی بیٹی نے سو اونٹ کے عوض خریدا تاکہ حارث بن عامر کے بدلے میں جسے خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ قتل کرے اور حضرت زید کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں کے عوض خریدا۔ تاکہ وہ ان کو اپنے باپ کے بدل میں جسے حضرت زید نے میدان بدر میں قتل کیا تھا۔ قتل کرے اور یہ مکہ معظمہ میں ماہ ذیقعد میں لائے گئے تھے۔ پس دونوں کو قید کر دیا گیا کہ حرمت کے مہینے گزر جائیں اور حدیث بخاری میں آیا ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جب مکہ میں قید تھے تو لوگوں نے ان کو دیکھا کہ خوشہ انگور پکڑے کھا رہے ہیں حالانکہ مکہ میں اس وقت کسی بھی پھل کا موسم نہ تھا۔ وہ لوہے میں بندھے ہوئے قید تھے۔ اور وہ رزق تھا۔ جو پروردگار تعالیٰ نے ان پر ارزانی فرمایا تھا۔

اور جب حرمت کے مہینے گزر گئے تو زمین حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر حضرت خبیب اور زید رضی اللہ عنہما کو پھانسی چڑھا دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قریش سے التماس کی کہ ان کو چھوڑ دیں تاکہ دو رکعت نماز ادا کر لیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالا اور انہوں نے التماس قبول کر لی۔ اور مقتولوں میں سے خبیب رضی اللہ عنہ کی یہ سنت یادگار رہ گئی اور حضرت خبیب نے کہا کہ یہ بات نہ ہو کہ کہتے کہ خبیب نے موت کے ڈر سے نماز لمبی کر لی ہے اور آپ نے چند بیت کہے۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ مجھے کوئی خوف نہ ہے مارا جانے سے جبکہ میں مسلمانی کی حالت میں مارا جاتا ہوں جیسے بھی میں مرا جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا میں مارا جا رہا ہوں اور خدا تعالیٰ چاہے تو میرے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں پر بھی برکت دے سکتا ہے پس کافروں پر نظر کی نگاہ ڈالی اور دعا کی اور کہا اے خداوندا! ان کافروں کو گن لے اور ان کو علیحدہ علیحدہ جان سے مار اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ۔ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور وہاں پر موجود حاضرین کی اکثرت تھوڑے وقفے بعد میں ہی اللہ تعالیٰ نے ابتلاؤں میں مبتلا کر دیا۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابو سفیان فرماتے ہیں کہ

میں اس واقعہ میں حاضر تھا۔ میرے والد نے مجھے زمین پر سلا دیا بوجہ اس کی دعا کے خوف اور ہیبت کے۔ اور ان میں یہ مشہور تھا کہ اگر کوئی بددعا کرے تو زمین پر لیٹے ہوئے پر دعا کا اثر نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ۔ یہ کیا جہالت اور غلو ہے۔ کہ اگر تم غلامان محمد میں سے۔ کسی ایک کی بددعا سے اتنا ڈرتے ہو تو ملاحظہ کرو کہ یہ اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔ اور اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ہاں ڈرتے ہو تو یہ ملاحظہ کرو کہ یہ اس سے کیوں نہیں ڈرتے اور اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ہاں ڈرتے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑی ہیں لیکن ان کے دلوں کا شقاوت اور عناد ایمان لانے نہیں دیتا۔ **نعوذ باللہ من ذالک**

اس کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی پر چڑھایا اس صورت میں کہ ان کا منہ مبارک مدینہ مطہرہ کی طرف تھا اور کعبہ کی طرف سے انکا منہ پھیر دیا گیا تھا۔ حضرت حبیب کہنے لگے کہ اس سے مجھے کیا نقصان ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** اور خود ان کا قبلہ حقیقی مدینہ طیبہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہاں پر ہیں۔ پس کفار نے ان سے کہا تم دین اسلام سے باز آجاؤ تاکہ تمہیں آزاد کردیں۔ خبیب نے کہا۔ اس فدائے رب العزت کی قسم اگر تمام روئے زمین مجھے دے دی جائے تو پھر بھی میں اپنے دین سے منہ موڑنے والا نہیں۔ ایک جان کیا اس پر سو جانیں فدا کرتا ہوں۔ مصرعہ۔

من جاں از برائے دوست می دارم دوست

کافروں نے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری بجائے اس پھانسی پر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہوتے اور تم اپنے گھر میں خوش باش ہوتے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں نہیں چاہتا آنحضرت کے پاؤں مبارک میں کانٹا بھی لگے اور اپنے گھر پر رہوں۔ بالجملہ یہ کہ کافروں نے مختلف تخویفات و تشدیدات اور ہذیانات کے ذریعے چاہا کہ ان کو دین مستقیم سے برگشتہ کریں لیکن وہ ہرگز نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ قرار پایا کہ اس کو مار دیا جائے۔ اس وقت حضرت خبیبؓ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ میں یہاں سوائے دشمنوں کے کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی بھی یہاں نہیں ہے جو میرا پیغام تیرے حبیب تک پہنچا دے۔ اے خداوند میرا اسلام ان تک پہنچادے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس میں تھا کہ اچانک آنحضرت پر علامت وحی ظاہر ہوئی۔ بعد ازاں فرمایا علیہ السلام و رحمتہ اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ خبیب کو قریش نے شہید کر دیا ہے اور یہ جبریل علیہ السلام آئے ہیں جبریل اور ان کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

پس مشرکوں نے بدر میں مارے گئے کافروں کے پسماندگان کو آواز دی جن کے باپ بدر میں قتل ہو گئے تھے۔ وہ ہاتھ میں نیزے لے کر اور خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم میں مارنے لگے اور وہ ضرب کے روز سے مضطرب ہو جاتے تھے۔ اور حرکت کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا چہرہ قبلہ کی جانب ہو گیا تو کہنے لگے کہ تمام حمدیں خدا تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرا منہ قبلہ کی طرف کر دیا۔ جس کے ساتھ وہ خود بھی اور اس کے پیغمبر کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ راضی ہے۔ اگر ان کا روئے

مبارک بہر حال جانب قبلہ حقیقی تھا لیکن وہ چاہتے تھے (خبیب) کہ اس میں ظاہر و باطن 'صورت و معنی' اور حقیقت و شریعت کو مجتمع کریں۔ اس کے بعد ایک شقی القلب کے پنانیزہ ان کے سینہ بے کینہ میں مارا۔ اس طرح کہ وہ پشت کی طرف سے نکل آیا۔ پس انہوں نے کلمہ توحید پڑھا اور اس طرح کلمہ شریف کا ورد کرتے ہوئے اس جان فانی سے دار آخرت کو سدھار دے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

اور جب حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ کو پھانسی کے پاس لائے تو انہوں نے بھی حضرت خبیب کی طرح نماز ادا کی۔ اور جو کچھ انہوں نے حضرت خبیب سے کہا تھا۔ وہی کچھ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بھی کہا۔ اور جو کچھ انہوں نے حضرت خبیب کے ساتھ کیا تھا اسی طرح ان سے کیا۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی روش پر شہید ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ کے نسطاس نامی غلام نے شہید کیا۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت خبیب اور زید رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے تو ابو سفیان نے کہا کہ میں نے کسی کے ساتھیوں کو اس قدر مہربان نہیں دیکھا اور خدا کا رجتا کہ (محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے صحابہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر ہیں اور چونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کے بعد بھی پھانسی پر ہی لٹکتا چھوڑ دیا۔ لہٰذا یہ حرکت کافروں نے ان کی مزید رسوائی کے لئے کی بہ نسبت حضرت زید کے۔ کیونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھا۔ لہٰذا ان کی شان و عزت کا اہتمام بھی بیشتر ہوا۔ اور خبیب رضی اللہ عنہ کو اتنا عرصہ تک پھانس پر ہی رکھا جب تک کہ ان کی شہادت کی خبر تمام عرب میں پھیل گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بھی ان کی وقیت حال بذریعہ وحی منکشف ہو گئی۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں فرمایا کہ تم میں سے ہے کوئی جو جائے اور خبیب کو پھانسی سے اتارے اور اس کی جزاء بہشت بریں ہو۔ پس حضرت زبیر بن العوام اور مقداء بن الاسود رضی اللہ عنہما اس مقصد کے لئے مکہ کی طرف چل پڑے۔ وہ دن کے وقت چھپے رہتے تھے اور رات کے دوران سفر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک رات وہ تنعیم پہنچے جہاں پر خبیب کو پھانسی چڑھایا گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ چالیس آدمی پھانسی کے اردگرد سوئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حضرت خبیب کو آہستہ سے پھانسی سے اتارا اور وہ چالیس روز گزر چکے تھے ابھی حضرت خبیب بالکل تازہ تھے اور اب تک ان کے زخموں سے خون ٹپکتا تھا اور اس میں سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی۔ حضرت زبیر نے ان کو گھوڑے پر لاد لیا اور دونوں ساتھی واپس مڑے۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو خبر ہوئی پس ستر سوار ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ان تک پہنچ گئے۔ حضرت زید نے خبیب کی لاش کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اور زمین نے فوراً اسے اپنے اندر مخفی کر لیا۔ اس سبب سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بلیع الارض کہا گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ کافروں کی طرف کر کے فرمایا۔ میں زبیر بن العوام ہوں میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہے۔ اور یہ میرے ساتھی مقداد بن الاسود ہیں۔ ہم دونوں شیر ہیں جو اپنے جنگل کے طرف جا رہے ہیں اور اپنے راستے کے تمام موانع دفع کرتے جاتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو ہم تمہارے

ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ کرتے ہیں اور اگر تم چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ۔ پس کافر واپس مکہ کو چلے گئے اور زبیر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں مدینہ شریف میں پہنچ گئے۔ اور اس وقت حضرت جبریل مجلس رسالت مآب میں حاضر تھے۔ انہوں نے اپنا منہ آنحضرت کی طرف کیا اور کہا کہ آپ کے ان دونوں یاروں کے بارے میں فرشتے آپس میں بحث کر رہے ہیں صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

سریہ ابو سلمہ ؓ: اور ہجرت پینتیس ماہ بعد سریہ ابو سلمہ عبداللہ بن الاسد مخزومی واقع ہوا۔ ان کو ایک سو پچاس مہاجرین و انصار جن میں ابو عبیدہ بن الجراح اور سعد بن ابی وقاص اور اسید بن حضیر اور ارقم بن وغیرہ شامل تھے انکو بنی اسد پر بھیجا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خبر ملی تھی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنے فرمانبرداروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے خلاف جنگ کی ترغیب و تحریص کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ مدینہ کا قصد کریں اور حوالی مدینہ میں غارت و تاراج کریں اور ایک روایت کے مطابق ہے کہ انہوں نے ایک لشکر جمع کر لیا ہے اور مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ راستے میں پشیمان ہو کر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ابو سلمہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ قبل اس کے کہ وہ واقف ہوں اور لشکر جمع کر کے تمہارے علاقہ پر چڑھائی کر دیں تم ان پر پہنچ جاؤ اور قتل و غارت کرو۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سریہ کے انداز میں چلے اور بنی اسد کے پانیوں میں سے ایک آب گاہ قطن نامی پر پہنچ گئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ فید کے علاقہ میں ایک پہاڑ ہے اور جو کچھ بھی اس مقام پر ملا غلا اور مویشی وغیرہ سب لوٹ لئے۔ وہاں پر موجود بعض آدمیوں کو قید کر لیا اور کچھ وہاں سے بھاگ کر اپنی قوم سے جا ملے اور مسلمانوں کی کثرت وحدت کے بارے میں خبر کی۔ قوم بنو اسد نے جب یہ خبر سنی تو گھروں سے نکل گئے اور ہر کوئی کسی گوشہ میں جا کر چھپ گیا حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ان کے ٹھکانوں پر آئے اور تاخت و تاراج کیا اور اموال غنیمت جمع کئے اور غنائم میں سے خمس نکال کر باقی سب کچھ تقسیم کر دیا۔ ہر ایک کو سات اونٹ اور کچھ بکریاں ملیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ بنو اسد ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آئے اور صف بندی کی۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک مشرک کو مار دیا اور سپاہ اسلام کو آواز دی کہ حملہ کر دو۔ پس ابو سلمہ اور دیگر تمام مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ اور لشکر کفار کو بھگا دیا اور خود سلما اور غانما مدینہ لوٹ آئے اور اس سریہ ابو سلمہ میں یہ لشکر دس دن مدینہ سے باہر رہا۔

سریہ عبداللہ بن انیس ؓ: اور پینتیس ماہ بعد از ہجرت سریہ عبداللہ بن انیس بھی واقع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ سفیان بن خالد ہذلی کو قتل کر دیں جو عرنہ میں رہتا تھا اور اس کا ذکر سریہ رجیع میں گزر چکا ہے۔ اور دین اسلام کو اس کی شر اور فساد سے پاک کرے اور اس کا باعث یہ تھا کہ وہ ملعون عاصم بن ثابت اور ان کے یاروں کی شہادت اور ان کو فروخت کرنے اور خبیب کے قتل کا باعث تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عن صحابہ رسول۔ جیسے

کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے اور باوجود بے حیائی کے اور شرو فساد پر اکتفانہ کرنے کے چاہتا تھا کہ ایک لشکر ترتیب دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف جنگ کرے۔ جب یہ خبر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی۔ تو حضرت عبداللہ جہنی انصاری مدنی عقبی جو کہ بہادر و شجاع تھے کو سفیان بن خالد کی شرو فساد کے دفعیہ کے لئے بھیجا چونکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سفیان بن خالد کو پہچانتے نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے التماس کی کہ سفیان کی علامت بتادیں تاکہ وہ علامت دیکھ کر اس کو قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا وہ ایک مرد ہے اس شکل کا جب اس سے ملاقات ہو تو اس سے ڈرنا کہ شیطان تمہارے دل میں نہ آ جائے۔ عبداللہ بن انیس نے آنحضرت سے اجازت لی کہ جو چاہیں اس سے کہہ کر اس کو فریب دے سکیں۔ جیسے کہ کعب بن اشرف یہودی اور ابو رافع تاجر حجاز کے بارے میں گزر چکا ہے۔ پس انہوں نے اپنی تلوار اٹھائی اور قطع منازل کے بعد بطن عرنہ میں پہنچ گئے۔ ایک شخص کو ایک گروہ کے ساتھ دیکھا۔ اس کی شکل و صفات آنحضرت کی بیان کردہ کے مطابق تھیں۔ پس اس صفت سے اس کو پہچان لیا۔ **صدق اللہ ورسولہ** اور جب سفیان کی نظر عبداللہ پر پڑی تو پوچھا کہ یہ مرد کون ہے عبداللہ نے کہا کہ میں بنو خزاعہ سے ایک آدمی ہوں اور حضرت عبداللہ نے اپنے آپکو بنو خزاعہ سے متعلق ظاہر کیا شاید اس میں کوئی مصلحت ہو گی۔ اور کہا کہ اے سفیان میں نے سنا ہے کہ تو ایک لشکر تیار کر رہا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف قتال کرے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ چلوں اور بہت سی باتیں اس کو خوش کرنے والی کہیں اور اس کے ساتھ چلے گئے حتیٰ کہ اس کے خیمہ میں پہنچے۔ اور اس کے ساتھی منتشر ہو گئے۔ پس عبداللہ اس کے خیمہ میں آئے اور اپنی تیغ کے ساتھ اس کا سر کاٹ کر مدینہ کی راہ لی۔ اور راستہ پر ایک غار میں چھپ گئے۔ اور حق جل و علیٰ نے مکڑی کو حکم کیا تو اس نے غار کے دہانہ پر جالا تن کر اس کو غار ہجرت کے مشابہ بنادیا۔

جب سفیان کی قوم کو پتہ چلا تو عبداللہ کے تعاقب میں بھاگے۔ اور بہتیرا ڈھونڈا لیکن اس کو نہ پایا۔ پس عبداللہ رضی اللہ عنہ غار سے نکلے اور اپنی راہ چلے۔ رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو چھپے رہتے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے اور آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مسجد میں دیکھا۔ اور اس نامبارک ناپاک کا سر حضور کے قدموں میں لا پھینکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مسجد میں دیکھا۔ اور اس نامبارک ناپاک کا سر حضور کے قدموں میں لا پھینکا۔ آنحضرت صلی الہ علیہ و آلہ وسلم اور اور صحابہ رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے۔

اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو ایک عصا عطاء فرمایا اور فرمایا کہ تم بہشت میں اس عصاء پر تکیہ کرو گے۔ اس سے ان کے بہشت میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہ عصا ان کے ہاتھ میں ہمیشہ رہا۔ حتیٰ کہ وصال کے وقت انہوں نے اپنے اقارب سے کہا کہ یہ عصاء میرے کفن میں میرے ساتھ لپیٹ دینا اور میرے ساتھ ہی میری قبر میں رکھ دینا اور اس سریہ میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تیرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔

قصہ بیر معونہ:۔ اور ہجرت سے چھتیس ماہ بعد یعنی سال چہارم ماہ صفر کے دوران جنگ احد کے چار ماہ بعد قصہ بیر معونہ

رونما ہوا۔ اسے سریہ المنذر بن عمرو اور سریہ القرز بھی کہتے ہیں اور بیر معونہ ایک مقام ہے ہزیل کے علاقہ میں مکہ اور عسفان کے درمیان اور جس طرح محمد بن اسحاق اور دوسرے اصحاب سیر نے یہ بیان کیا ہے قصہ اس طرح ہے کہ ایک شخص ابو براء عامر بن مالک بن جعفر تھا جو ملاعب الاسنہ کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی نیزوں کے ساتھ کھیلنے والا اور نیزوں کے ساتھ اسکی لڑائی بڑی مشہور تھی۔ یہ قبیلہ نجد اور بنی عامر سے تھا۔ یہ مدینہ آیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا اور آنحضرت نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے دین اسلام تو قبول نہ کیا لیکن دین اسلام کی تعریف بہت کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا دین شریف ہے اور تمہاری ملت حنیف ہے اور کہا کہ میری قوم بڑی ہے اگر آپ اپنے صحابہ کی جماعت میرے ساتھ بھیجیں تو شاید میری ساری قوم قبیلہ نجد اور بنی عامر میں بھیجیں تو شاید آپ کا دین متین قبول کرلیں۔ اور آپ کی دعوت قبول کریں۔ مراد یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا دین قبول کرلوں اور آپ کے امر میں اعانت کروں لیکن قوم سے خدشہ رکھتا ہوں اور اگر آپ اپنے چند یار بھیج دیں جو ان کو دعوت دیں تو شاید مسلمان ہو جائیں۔ اور مجھے بھی اس سے کوئی باک نہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اہل نجد سے مطمئن نہیں ہوں مجھے خدشہ ہے کہ وہ میرے صحابہ پر ہاتھ نہ اٹھائیں ابو براء عامر نے کہا۔ آپ کوئی خوف و دغدغہ دل میں نہ لائیں۔ آپ کے ساتھی میری پناہ میں ہوں گے اور میں ان کو اپنے علاقہ میں رکھوں گا اور کسی کو اجازت نہ دوں گا کہ ان سے کوئی تعرض کریں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے فقرا صحابہ سے ستر آدمی اور ایک روایت کے مطابق چالیس صحابی اور ایک روایت کے مطابق تیس آدمیوں کو بھیجا۔ اور اس جماعت کا یہ کام تھا کہ ہر روز پانی اور ایندھن ازواج مطہرات کے حجروں میں پہنچاتے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ اسے بیچتے تھے اور عوصلہ میں جلنے والی نقدی سے اپنی خوراک خریدتے تھے اور اصحاب صفہ کے لئے بھی اور ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے آب شیریں لاتے تھے۔ اور جب رات ہو جاتی تھی تو نماز اور ذکر و فکر اور قرآن خوانی میں مشغول ہو جاتے تھے اور ان کو قراء صحابہ بھی کہا جاتا تھا۔ ان میں سے اکثر انصار سے تھے اور بعض مہاجر تھے۔ اور ان کے اسماء میں سے جو کہ کتب احادیث و سیر میں مذکور میں سولہ آدمیوں کے نام مندرج ہیں۔ اور ہم نے صرف ان کا ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے جو اس سریہ کے قصہ میں مذکور ہوئے ہیں۔ اور اس جماعت صحابہ پر آنحضرت نے منذر بن عمرو کو امیر بنایا۔ اور ایک مکتوب نجد اور بنی عامر کے رؤسا کی طرف لکھا۔ وہ ان کے حوالے کیا۔ اور ابو براء عامر کا ایک بھتیجا تھا عامر بن الطفیل بن مالک۔ وہ اسلام اور اہل اسلام کا دشمن تھا۔ جبکہ ابو براء اسلام اور اہل اسلام سے عداوت نہ رکھتا تھا۔

اور جب یہ مسلمان بیر معونہ پر اترے۔ اور اونٹ عمرو بن امیہ ضمری اور حارث بن صمہ کو دیئے جو ان کے ساتھیوں میں تھے۔ تا کہ ان کو چراگاہ میں لے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مکتوب مرغوب ایک اور ساتھی کو دیا اس کا نام حرام بن الحام تھا اور ام سلیم کا بھائی تھا جو انس بن مالک کی خالہ تھیں اور صحیح بخاری کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی عامر کی طرف یہ ہی بھیجے گئے لیکن ارباب سیر نے امیر قوم منذر بن عمرو کے بارے میں لکھا ہے کہ بہرحال آنحضرت صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کا مکتوب حرام بن ملحان کو دیا گیا وہ اسے عامر بن الطفیل کے پاس لے گئے حرام دو اور آدمی ساتھ لیکر ان کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ ان کے قریب آ گئے تو حرام نے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں جاتا ہوں اگر مجھے امان دی گئی تو تم بھی آ جانا اور اگر مجھے انہوں نے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں سے جا ملنا۔ پس حرام اندر ان کے پاس گئے۔ اور کہا کہ کیا آپ امان دیتے ہیں تاکہ میں تم تک رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پیغام پہنچاؤں۔ اسی اثناء میں جبکہ حرام ان سے بات کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا جو حرام کے عقب میں نیزہ لئے آیا تھا۔ اس نے نیزہ حرام رضی اللہ عنہ کو مارا وہ اسطرح لگا کہ دوسری جانب آ نکلا۔ پس حرام رضی اللہ عنہ اپنے خون کو اپنے چہرے اور سر سے پونچھتے تھے اور کہنے لگے' **اللہ اکبر فزت و رب الکعبتہ**۔ یعنی میں نے اپنا مقصود پالیا۔ جو کہ امتثال حکم رسول اللہ ہے اور درجہ شہادت کا حصول ہے پس عامر بن الطفیل نے بنی عامر سے مدد چاہی تاکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و رضی اللہ عنہم کے خلاف جنگ کریں۔ بنو عامر چونکہ جانتے تھے کہ ابو براء نے مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھا ہوا ہے لہٰذا انہوں نے عامر بن الطفیل کی درخواست قبول نہ کی اور انہوں نے کہا کہ ہم ابو براء کی دی ہوئی پناہ کو توڑنا قبول نہیں کرتے پس تمام بنو عامر نے مسلمانوں سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ پس عامر بن الطفیل نے دوسرے قبائل سلیم۔ عصیہ اور رعل اور ذکوان کی طرف آدمی بھیجا اور ان سے استمداد اور اعانت کا طالب گار ہوا۔ اور ایک بڑی جماعت اکٹھی کر کے بیر معونہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور اپنے لشکر سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ اہل اسلام نے جب اپنے آپ کو گرداب بلا میں مستغرق دیکھا تو بارگاہ ایزدی میں روئے۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں کوئی شخص اب نظر نہیں آتا جو ہمارا اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچا دے پس جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان دردمندوں کا سلام آنحضرت کی بارگاہ میں پہنچایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان شہداء کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کو دی اور فرمایا کہ تمہارے یار مصیبت زدہ ہیں اور انہوں نے پروردگار تعالیٰ و تقدس سے سوال کیا کہ ہماری خبر ہمارے بھائیوں کو کر دے۔ ہم اے اللہ تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہو جا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا و ارضانا** یہ آیت کچھ عرصہ قرآن میں پڑھی جاتی رہی۔ بعد میں یہ منسوخ التلاوت ہو گئی۔ آمدیم بر سر قصہ کہ مسلمانوں نے کافروں کے ساتھ اس حد تک مقاتلہ و جنگ کی کہ سب کے سب مسلمان شہید ہو گئے سوائے منذرین بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ان سے کافروں نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔ انہوں نے بھی ان کی امان کو قبول نہ کیا اور ان سے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اور عمرو بن امیہ ضمری اور حارث بن صمہ جو مسلمانوں کے اونٹ چراگاہ میں لے گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے اور چاہا کہ بشکر گاہ میں آئیں۔ تو انہوں نے پرندوں کو دیکھا کہ لشکر کے اردگرد منڈلاتے ہیں اور بڑا گرد و غبار اٹھا ہوا ہے۔ اور کافروں کے سوار بلندی پر کھڑے ہیں۔ یہ آگے گئے تو دیکھا کہ ان کے سب ساتھی مارے گئے ہیں اور زمین پر پڑے ہیں ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ آپ کس طرح کرنے میں مصلحت ہے۔ عمرو نے کہا کہ اب مصلحت یہ ہے کہ رسول خدا صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور آپ کو اس حال کی خبر دیں۔ حارث رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ شہادت کا موقع آن پہنچا ہے اسے غنیمت شمار کرنا چاہیے۔ پس کافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے جنگ کی۔ ان میں دو آدمیوں کو قتل کر دیا اور مشرکوں نے دونوں کو پکڑ لیا۔ باوجود اس کے کہ کافر اب ان کا خون کرنے سے درگزر کر چکے تھے۔ حارث رضی اللہ عنہ نے پھر بھی ان سے جنگ شروع کر دی اور ان کے دو آدمی مزید قتل کر دیئے اور پھر خود شہید ہو گئے اور عمرو رضی اللہ عنہ کی انگلی اور پیشانی کے بال عامر بن الطفیل نے رکھ لئے اور ان کو آزاد کر دیا کیونکہ اس کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی ہوئی تھی۔ اس حیلہ سے عمرو رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور رخصت دے دی کہ مدینہ جائے اور اس سے کہا کہ کیا تو اپنے سب یاروں کو پہچانتا ہے انہوں نے کہا کہ ہاں پہچانتا ہوں پس وہ کشتگان میں آیا اور ایک ایک کا نام و نسب پوچھا۔ پس کہا کہ کوئی تمہارا یاد ہے جو یہاں ان میں تجھے دکھائی نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نظر نہیں آتے جو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ عامر بن الطفیل نے پوچھا کہ وہ کس طرح کا آدمی تھا۔ عمرو نے کہا کہ وہ ہمارے فاضلوں میں سے تھا اور وہ اولین مسلمانوں میں سے ہے۔ عامر بن الطفیل نے کہا کہ جب وہ مارا گیا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کو آسمان کی طرف اٹھائے لے جا رہے ہیں۔

اور یہ عامر بن فہیرہ پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بھائی کے غلام تھے۔ ان کی خدمت بجالاتے تھے۔ پس ان کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اور پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے اور مدینہ کی طرف سفر ہجرت میں ان کے ساتھ تیسرے شخص یہ تھے اور قدیم الاسلام تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دار ارقم میں آنے سے بھی پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ اس عامر بن الطفیل شقی نے ان لوگوں کی یہ کرامات و برکات دیکھیں پھر بھی ان کے قتل سے پشیمان نہ ہوا اور ایمان بھی نہ لایا اس سے زیادہ شقاوت اور عناد کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اور آدمی جس کا نام جبار بن سلمی کہتے تھے اور وہ بنی کلاب سے تھا وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ اس سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ جب میں نے اپنا نیزہ عامر بن فہیرہ پر مارا۔ اور وہ دوسری طرف جسم کے جا نکلا تو میں نے عامر کی آواز سنی۔ انہوں نے کہا فزت واللہ۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ میں اپنے آپ میں یہ سوچنے لگا کہ اس نے جو کہا تھا فزت واللہ۔ اس سے کیا مراد تھی۔ پھر میں ضحاک بن سفیان کلابی کے پاس گیا اور اس کو اس حال سے خبر کی۔ اس نے کہا کہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اس نے کہا فزت واللہ بالجنۃ۔ اور میں نے اسے کہا کہ میرے سامنے اسلام پیش کر وپس میں مسلمان ہو گیا۔ اور وہ جو اس کا حال میں نے دیکھا تھا وہ میرے اسلام لانے کا باعث ہوا۔ سبحان اللہ سعادت مندوں کا یہ حال ہے کہ یہ حال دیکھنے اور بات سننے سے نور اسلام دل میں آ گیا اس بدبخت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ شقاوت و عناد کا مادہ اور زیادہ ہو گیا ہے۔ **انما تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمٰن بالغیب فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم**

منقول ہے کہ ضحاک بن سفیان نے ایک مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف بھیجا جس میں جبار بن سلمٰی کے اسلام لانے کی خبر تھی۔ نیز یہ کہ اس نے دیکھا تھا کہ عامر بن فہیرہ آسمان پر اٹھالئے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ درست ہے کہ ملائکہ نے ان کا جثہ دفن کردیا ہے اور ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں لے گئے اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ عامر بن الطفیل نے کہا کہ میں نے عامر بن فہیرہ کو دیکھا بعد از قتل کہ اس کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ یہاں تک کہ میں ان کے اور زمین کے درمیان بھی دیکھتا تھا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف رکھ دیئے گئے۔

اور قسطلانی نے کہا ہے کہ واقدی سے روایت ہے کہ زمین نے ان کو پوشیدہ کرلیا۔ اور مشرکوں نے ان کو نہ دیکھا۔

منقول ہے کہ ابوبراء اس بغاوت سے بڑے متعالم اور محزون ہوا جو اس کے برادر زادہ نے یاران رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کی اور اس کو بڑا افسوس ہوا۔ اور اسی سبب سے وہ انہی دنوں میں عالم آخرت کو سدھارا۔

اب یہ ایک اور قسم ہے کہ ابوبراء شرف دین اسلام کو جانتا تھا۔ اور کمال نبوی سے واقف تھا پھر بھی ایمان نہ لایا اور منقاد نہ ہوا اور وہ عامر بن الطفیل کی شقاوت دیکھئے اور اس عامر بن مالک کی بدنصیبی کا مشاہدہ کریں ادھر شیطان غالب آگیا اور ادھر ہوس دنیا نے راہ روکے رکھی۔ واللہ الہادیٰ۔

اور روایت ہے کہ ابوبراء کے بیٹے ربیعہ نے عامر پر حملہ کیا اور قوم مجلس میں اس پر نیزہ مارا اور ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہلاک نہ ہوا بعد ازاں طاعون کی بیماری جیسے کہ اونٹوں کا طاعون ہوتا ہے ظاہر ہوئی۔ اور یہ بھی گھوڑے پر سواری کی حالت میں مرگیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا کی تھی۔ **اللھم اکفی عامرا** اور ابن الطفیل کی حماقتوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے لئے کہا تھا۔ پہلی یہ کہ وہ ریگستانی علاقہ میں مقیم ہوں یعنی ریگستانی علاقہ لے اور مجھے پتھریلا علاقہ دے دیں۔ اور یا مجھے اپنا خلیفہ بنائیں اور یا میں آپ سے جنگ کروں کا اہل غطفان کے لشکر کے ساتھ۔ ہزار سرخ گھوڑوں اور ہزار سرخ اونٹنیوں کے ساتھ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **اللھم اکفی عامرا** اور جب قرا کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہنچی تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ اتنا کہ اس سے قبل کبھی کسی مصیبت میں نہیں ہوا تھا۔ آپ ایک ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک صبح کی نماز میں رعل وذکوان اور عنیہ اور دوسرے ان تمام قبائل کے بارے میں دعا فرماتے رہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت کی دعا میں بنی لحیان کا ذکر بھی ہوتا تھا اور ہو بیر معونہ میں داخل نہ تھا۔ بلکہ وہ قضیہ رجیع میں تھا۔ لیکن آپ نے ان پر بھی دعا کی۔

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ ان سب کی خبر ایک ہی وقت پر آنحضرت کو ملی تھی۔ پس آپ نے طوائف اور قبائل پر دعا فرمائی ایک ہی دعا میں۔ اور بخاری کی حدیث میں لحیان کا ذکر ہے اور توجیہہ وہ ہی ہے۔

غزوہ بنو نضیر:۔ اور اسی سال کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحابہ کبار کو ساتھ لے کر یہودیوں یعنی بنی نضیر کے مقامات پر (محلّہ میں) تشریف لائے تھے صحابہ جیسے کہ ابوبکر صدیق، عمر، علی، طلحہ اور زبیر وغیرہ مہاجرین سے اور سعد

بن معاذ۔ رسید بن حضیر، سعد بن عبادہ وغیرہ انصار سے ساتھ تھے۔ اور بنو نضیر یہودی قبائل میں ایک بڑا قبیلہ تھا۔ یہ قضیہ بھی بیر معونہ کے بعد چوتھے سال کے اندر واقع ہوا جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات ابن اسحاق اور سہیلی نے کہی ہے کہ غزوہ بنو نضیر جنگ بدر کے چھ ماہ بعد اور غزوہ احد سے پہلے واقع ہوا۔ اور امام بخاری نے غزوہ بنو نضیر کا ذکر کعب بن اشرف اور ابی رافع کے قتل اور ذکر غزوہ احد سے پہلے غزوہ بدر کے ابواب آخر میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن اسحاق کا قول صحیح تر ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ ان کے محلّہ میں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے ابو القاسم آپ کچھ دیر بیٹھیں تاکہ ہم آپ کو ضیافت کریں اور آپ کے صحابہ کی بھی۔ اور یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس سے قبل کنیت مخاطب کرتے تھے تاکہ ملزم نہ ٹھہریں۔ باوجود اس بات کہ کہ اپ کا اسم شریف ان کے کتب و صحائف میں مذکور ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی پشت ان کے مکان کی دیوار سے لگا کر بیٹھ گئے۔ پس یہود میں سے حیی بن اخطب جو حضور کا سخت دشمن تھا۔ اس نے یہود سے کہا اے یہودیو اس کے بعد کبھی بھی تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ خلوت کا موقع نہ ملے گا۔ ایک شخص مکان کی چھت سے ایک بھاری پتھر اس کے سر پر گرا دے اور اس کو ہلاک کر دے۔ تاکہ ہم اس کی موجودگی کی زحمت سے خلاصی پائیں۔ عمرو بن حجاش نے کہا میں یہ کام کرتا ہوں۔ سلام مشکم نے ان کو اس خیال سے منع کیا کہ ابھی اس کو اس بارے میں آسمان سے خبردار کر دیا جائے گا اور ہم نقض عہد کے مجرم ہو جائیں گے۔ لیکن وہ منع نہ ہوئے اور وہ شقی القلب پتھر لے کر جب مقام خاص پر آیا تاکہ آپ پر گرا دے۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ کو ان کے مکرو فریب سے آگاہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بغیر اپنے ساتھیوں کو اطلاع کئے ہوئے اس ہیئت میں جیسے کوئی قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے اٹھے اور مدینہ کی طرف چل دیئے۔ جب یاروں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آنے میں دیر کر دی ہے تو اٹھے اور آپ کے تعاقب میں چل پڑے اور آنجناب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آنحضرت نے صحابہ کو حقیقت حال سے خبر دی اور علماء نے فرمایا ہے کہ اس واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **یا ایھا الذین امنوا نکرو نعمۃ اللّٰہ علیکم انھم قوم ان یبسطوا لیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم** اور جب یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غائب ہو جانے کے بارے میں علم ہوا تو احبار یہود میں سے کنانہ نے ان کو کہا کہ اے قوم! میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو تمہارے فریب سے آگاہ کر دیا ہے۔ اے قوم! تم اپنے آپ کو فریب میں نہ ڈالو۔ وہ رسول خدا ہے اور خاتم انبیاء ہے اور تم کو طمع یہ تھا کہ خاتم انبیاء حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہو۔ حق تعالیٰ نے جسے چاہا یہ نعمت عطا فرمائی اور سعادت کا دروازہ جس پر اس نے چاہا کھول دیا اور جو صفات ہم نے تورات میں آخر الزمان پیغمبر کی ہم نے پڑی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں اور میرے دل میں یہ بات آ رہی ہے کہ وہ یہاں سے تمہاری جلاوطنی کا حکم کرے گا۔ اب مصلحت اس میں ہے کہ دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرو۔ اصوب و اولیٰ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ کیونکہ اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ تاکہ تم اس دیار سے باہر نہ نکالے جاؤ اور یا جزیہ دینا قبول کر لو۔ تاکہ تمہارے مال اور اولاد محفوظ رہیں۔ یہود نے کہا کہ ہم ملک چھوڑنا پسند کریں گے۔

لیکن دین موسیٰ کو ترک نہیں کر سکتے۔

اور بنی نضیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں یہ عہد قرار پایا ہوا تھا۔ اور جب غزوہ بدر میں مومنوں کو نصرت حاصل ہوئی تو یہ کہتے تھے کہ وہ تورات میں مذکور نبی موعود ہے اور جب احد کے روز مسلمانوں کو ہزیمت کی صورت کا سامنا ہوا۔ تو ان کو شک پڑ گیا اور انہوں نے ابو سفیان کے ساتھ حلف اٹھایا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہود کے پاس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور کہا کہ یہودی میرے ملک سے نکل جائیں اس لئے کہ تم نے غدری کی ہے۔ اور تم کو دس روز کی مہلت دی جاتی ہے۔ دس روز کے بعد جو کوئی یہاں رہے گا اس کی گردن قلم کر دی جائے گی۔ پس یہود نے جلاوطن ہونے کے خیال سے اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ اپنے اونٹوں کو وہ صحرا سے لے آئے اور دوسرے اونٹ بھی کرایہ پر حاصل کئے۔ ناگاہ منافقوں کے رئیس عبداللہ بن سلول کا ایلچی ان کے پاس آیا کہ اپنا وطن ترک نہ کریں۔ بلکہ اپنے قلعوں میں فارغ البال و فارغ الیاک بیٹھ جائیں میں دو ہزار بہادروں کے لشکر کے ساتھ تمہاری مدد میں ہوں۔ اور یہودی قبیلہ بنو قریظہ اپنے حلیفوں سمیت جو کہ بنی غطفان میں وہ بھی تمہارے ساتھ ہیں اور یہ منافق آدمی بھی نہایت عداوت و حماقت کے باعث اور اپنے نفاق کے باعث ظاہر ہوا اور اس قسم کی عداوت کا اظہار کیا۔ اور نہایت حماقت کے باعث یہ نہ سمجھ سکا کہ اتنی بڑی تعداد میں بہادر قریش آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف غالب نہ آسکے تو ان یہود کی قلعے اور وہ خود کیا چیز ہیں۔ ہاں یہود اس منافق کی بات سے مغرور اور مسرور ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم اپنے ملک سے باہر ہرگز نہ جائیں گے آپ جو کر سکتے ہیں کر لیں۔

جب یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سید البشر کی ساعت مبارک کو پہنچی تو آپ نے بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور آنحضرت آقائے من و جملہ اہل اسلام کے اشارہ پر مسلمانوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ پس آں سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور ایک جھنڈا تیار کر کے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور مدینہ مطہرہ سے باہر نکلے۔ اور عصر کی نماز بنی نضیر کے علاقہ کی فضاء میں ادا کی۔ اور یہود کا علاقہ مدینہ منورہ کے قریب ہی تھا۔ جب یہودیوں نے سپاہ اسلام کو دیکھا تو قلعوں کے دروازے بند کر لئے اور پتھر اور تیر پھینکنے لگے۔ اور عشاء کے وقت تک جنگ کرتے رہے۔ اور جب مومنوں نے عشاء کی نماز ادا کر لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چند ساتھیوں سمیت اپنے آستانہ رسالت پر تشریف لائے اور تمام صحابہ کرام جن کے سردار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے یا علی رضی اللہ عنہ (اختلاف روایات) نے صبح کے وقت تک یہود کا محاصرہ کئے رکھا۔

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خیمہ مبارک بنی خطمہ کے علاقہ میں نصب کیا ہوا تھا۔ عزوکہ جو کہ ایک یہودی تیر انداز تھا اس نے تیر پھینکا تیرا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خیمہ شریف کو لگا۔ لہذا وہاں سے آپ کا خیمہ دوسری جگہ پر نصب کر دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی گھات میں تھے۔ ناگاہ حضرت علی نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ برہنہ تلوار لئے دو دوسرے آدمیوں کے ساتھ باہر نکلا حضرت علی نے اس پر حملہ کر دیا اور اس پلید کا سر منحوس

جسم سے کاٹ کر آنحضرت قبلہ دوعالم کی خدمت میں پیش کر دیا اس کے بعد اس کے ساتھیوں کے سر بھی کاٹ کر آپ کے پاس لائے گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ اور ان یہودیوں کی فریاد کو نہ ابن ابی سلول ہی پہنچا اور نہ ان کے دوسرے حلیف قبائل ہی آئے آنحضرت نے ابولیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا تاکہ وہ یہودیوں کے درختوں کو کاٹ دیں۔ اور ایک روایت میں ہے آگ لگائی گئی۔ پس ابولیلیٰ نے یہود کے درختوں سے ایک خاص قسم کی کھجور کے درخت کاٹے اور کہا کہ یہود کے لئے ان درختوں کا کاٹنا جلنا اصعب و اتعب گزرتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے اروناہی قسم کے درخت کاٹے اور کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہود کی یہ مملکات عنقریب اہل اسلام کے قبضہ میں آئیں گی پس جو کچھ ان کے لئے بہتر ہے وہ میں چھوڑتا ہوں۔

اور روضتہ الاحباب میں اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہود کے کھجور کے درخت کاٹ دو۔ سوائے ایک قسم کھجور کے جس کو اجوہ کہتے ہیں۔ صحابہ ان کے کاٹنے میں مشغول ہو گئے اور اس روایت میں منافات ہے پہلی روایت سے۔ کیونکہ ظاہر عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت نے درختوں کو کاٹنے یا جلانے کا مطلق حکم فرمایا۔ مگر وہ کہ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت میں اس طرح حکم فرمایا اور دوسرے وقت میں اس طرح۔

اور منقول ہے کہ یہود بنو نضیر نے کہا کہ تم مسلمان ہو تم پر درخت کاٹنا حلال نہیں ہے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تو فساد سے منع کرتے پس وہ درخت کاٹنے کا حکم کیسے کرتے ہیں۔ پس مسلمانوں نے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ قطع نہیں کرتے۔ پس ان کے آثار مٹا دینے کا حکم فرمایا گیا۔ **نعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ ورسولہ** اور جناب عزت جل جلالہ سے حکم آیا **ما قطعتم من لینۃ اوترکتمو ہا قائمۃ علی اصولہا فباذن اللّٰہ ولیجزی الفاسقون** اور صاحب مواہب امام سہیلی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں درختوں کے کاٹنے کا بارے میں شک و شبہ پڑ گیا یہاں تک کہ خداتعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔ پس آیت میں یہ بیان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ان کے درخت نہ جلائے سوائے ان کے جو یہود کی قوت کا باعث تھے اور ان کی قوت عجوہ کھجور سے تھی اور برنی سے (عجوہ اور برنی دونوں کھجور کی اقسام ہیں) پس حق سبحانہ کے قول میں **ما قطعتم من لینۃ** کہا گیا اور **من نخیلۃ** نہیں فرمایا گیا۔ علی العموم میں تنبیہ ہے ان درختوں کے کاٹنے پر جو دشمنوں کے درختوں میں باعث قوت و غذا ہوتے ہیں۔ اور صاحب کشاف نے تفسیر کی ہے کہ **لینتہ** درخت کو کہتے ہیں اور بیضاوی ان کی متابعت کرتے ہوئے **لینتہ** کی تفسیر نخلہ کریمہ تفسیر کی ہے۔ اور کہا کہ اس آیت میں دلیل ہے کفار کے علاقہ کے انہدام کی اور ان کے درختوں کو کاٹنے کی تاکہ ان کے لئے مزید غیظ کا باعث ہو۔ اور صراح میں کہا گیا ہے کہ **لینتہ** درخت کی ایک قسم ہے۔ اور قاموس میں کہا گیا ہے کہ لون و قل سے مراد درخت ہے اور قل کہتے ہیں اور کھجور کو۔ اس مقام پر یہ کلام ہے قوم کا اور یہ اضطراب سے خالی نہ ہے۔ فتدبرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بنو نضیر کے درختوں کو جلا دیا۔ اور اس قصہ اور حادثہ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہے وہان علی سراۃ بنی لوی حریق

بالبویرۃ مستطیر۔ اور بویرہ ایک جگہ کا نام ہے جس پر بنی نضیر کے درخت تھے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا دونوں عمل ہوئے تھے۔ القصہ حق تعالیٰ نے بنو نضیر کے دلوں میں خوف ڈال دیا۔ اور ان پر رعب طاری ہو گیا۔ اور انہوں نے کسی کو حضرت مقدسہ بنویہ کی خدمت میں یہ کہنے کو بھیجا کہ ہمیں چھوڑ دیا جائے ہم آپ کے علاقہ سے نکل جاتے ہیں۔ اور جلاوطن ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ آج تمہاری درخواست قبول نہیں ہے سوائے۔ اس کے اپنا تمام اسلحہ چھوڑ جاؤ اور جو اموال تمہارے چارپائے اٹھا سکتے ہیں وہ لے جاؤ۔ یہودی اپنی ضرورت اور اضطرار کے باعث رضامند ہو گئے۔ اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے خراب کرنے لگے۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے۔ **هو الذی اخرج الذین کفرو من اهل الکتاب من دیارهم تاقول سبحانہٗ وقذف فی قلوبهم الرعب فاعتبر وایا اولی الابصار** اور چھ سو اونٹ لاد کر بعض یہود شام کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ خیبر کی طرف گیا اور ایک طائفہ کسی دوسری جانب جلاوطن ہو گیا۔ اور دین اسلام ان کے شر و فساد سے پاک ہو گیا اور وہ مضمون وجود میں آگیا۔ **ان المدینة تنفی خبثها کما ینفی الکیر خبث الحدید۔**

منقول ہے کہ ان مخذولوں نے باہر نکلتے وقت اپنے آپ کو خوب مزین کیا اور دفیں بجاتے تھے اور گانے گاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ اور غزوات و جہاد سے مراد اہل کفر و عناد کی شر و فساد سے ساحت دین کو پاک کرنے کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ جیسے کہ مضر شاخوں کو کاٹ دیا جاتا ہے کہ پھل دینے والی شاخوں کو پھل دینے سے روکاوٹ نہ بنے اور کہیں کہ ان کو قتل کر دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس سے آثار شرک اور مادہ فساد ختم ہو جاتا ہے جبکہ ان کی جلاوطنی میں ان کے خبث کا وجود باقی رہ جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان سے غداری اور عہد شکنی واقعہ ہوئی تھی۔ لہٰذا ان کی سزا دی گئی جلاوطنی کا حکم فرمایا گیا جو جنگ اور قتل پر کھڑے ہو گئے ان کو قتل کر دیا گیا۔ اور جب قتل سے باز آ گئے تو باقی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اور ان کی طرف سے قتل کے بغیر ان کو قتل کر دینے کا حکم نہ فرمایا گیا۔ اور چونکہ سب کچھ حکم الٰہی سے ہوا لہٰذا اس میں مجال سخن بڑی تنگ ہے۔ اور جو کچھ کہا گیا ہے یہ نکتہ اور حکمت کا بیان ہے جو قتل مشرکین و مفسدین میں ہے۔ اور اصل حکم الٰہی ہے۔ خواہ قتل کا ہو یا جلاوطنی کا۔ اور باقی ان کے تمام اموال و جہات اور ضیاع و عقار سب فے میں داخل کئے گئے۔ ان کے محصولات اور منقولات بھی سب فے اس کو کہتے ہیں جو بے محاربہ اور انتصار غنیمت میں آئے۔ اور جو کچھ جنگ و قتل سے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہوتا ہے۔ یہ ارباب سیر میں خاص اصطلاحیں ہیں۔ اور کبھی دونوں ہی ایک دوسرے کے معانی میں آ جاتے ہیں۔ اور یہ سب اموال خاصہ شریفہ میں داخل ہوئے اور اس سے کوئی خمس یا تقسیم روانہ رکھی گئی۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب مال اور فدک وغیرہ کو اپنی ضروریات اور اپنے اہل و عیال اور دیگر مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ بنو نضیر کا اسلحہ پچاس زرہیں پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں اور اس سے جس شخص کو جس چیز کی طلب تھی اس کو آنحضرت نے عطا فرما دی۔

منقول ہے کہ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے مہاجرین انصار کے گھروں میں بذیر

رضی اللہ عنہ نے وصال پایا۔ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ مروی ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت قریب آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب فوت ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ پس آپ نے فرمایا کہ ان کی قبر بقیع میں کھودی جائے۔ قبر میں لحد بنائی گئی اور جب قبر کھودنے سے فارغ ہو گئے تو سرور انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام قبر میں اترے اور لحد میں لیٹ گئے اور قرآن پاک کی تلاوت کی اور ان کی قبر کے پاس ستر تکبیر نماز بھی پڑھی۔ ان کے مناقب میں آیا ہے کہ فرمایا کہ کوئی شخص ضغطہ قبر سے مامون نہیں سوائے فاطمہ بنت الاسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حضرت قاسم رضی اللہ عنہ بھی نہیں جو کہ آپ کے عزیز فرزند تھے۔ اور صغر سنی ہی وفات پا گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ابراہیم بھی نہیں جو کہ ان سے بھی چھوٹی عمر میں وصال پا گئے تھے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص خبر لایا کہ ام جعفر اور علی اور عقیل وفات پا گئی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اٹھو تاکہ میں اپنی ماں کی طرف جاؤں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اٹھے اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ اٹھے۔ اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ جیسے کہ ان کے سروں پر پرند بیٹھے ہوں آنحضرت کی متابعت میں چلنے لگے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر پہنچے تو اپنے بدن مبارک سے اپنا پیراہن مبارک اتارا اور ان کو دیا اور فرمایا کہ غسل کے بعد اسے کفن کے ساتھ شامل کر لینا۔ اور جب ان کا جنازہ باہر لایا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جنازہ کا ایک پایہ اپنے کندھے مبارک پر اٹھایا۔ اور تمام راستہ میں کبھی جنازے کے آگے اور کبھی پچھلا پایہ اٹھاتے گئے جب قبر کے مقام پر پہنچے تو آپ لحد کے اندر آئے اور لیٹ گئے۔ پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اندر لے آؤ بسم اللہ و علی اسم اللہ۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! فاطمہ بنت اسد کے بارے میں آپ سے دو چیزیں دیکھی ہیں۔ جو کسی اور کے باب میں دیکھنے میں نہ آئیں۔ آپ اپنی قمیض مبارک کو ان کا کفن بنایا۔ اور ان کی لحد مبارک میں آپ تشریف لائے اور لیٹے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قمیض کو ان کا لباس بنانے میں یہ غرض تھی کہ ان کو آتش دوزخ مس نہ کرے۔ اور لحد میں اترنے کا مقصد تھا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کی قبر کو وسعت عطا فرمائے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ابی طالب کے بعد سوائے فاطمہ بنت اسد کے کوئی نہ تھا۔ جو میرے ساتھ نیکو کار تھا۔ میں نے ان کو اپنا پیراہن پہنایا تاکہ جلبائے بہشت ان کے نصیب میں ہو جائیں۔ اور ان کی قبر میں لیٹا۔ تاکہ قبر کی مصیبت و بلا سے خلاصی پائیں۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد فوت ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان پر آئے اور ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرماتے تھے۔ یا امی بعد امی۔ اور ان کی بڑی تعریف فرمائی۔ اور اپنے کرتا کو ان کا کفن بنایا اس کے بعد اسامہ بن زید۔ ابو ایوب انصاری اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ان کے لئے قبر کھودیں۔ اور ان کی لحد شریف کو اپنے ہاتھ سے ہموار کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے مٹی باہر نکالی اور فارغ ہوئے تو خود لحد میں

اترے۔ اور فرمایا اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حیی لا یموت اغفر لامی فاطمہ بنت اسد ووسع علیہا مدخلہا بحق نبیک والانبیاء قبلی فانک ارحم الرحمین اور چار تکبیریں پڑھیں اور لحد میں اتارا۔ اور حضرت عباس اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کبھی کسی شخص کی قبر میں نہ اترے تھے۔ سوائے پانچ افراد کے 'تین عورتیں اور دو مرد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی قبر مکہ میں اور دوسری چار مدینہ میں حضرت خدیجہ کے بیٹے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ترتیب پائی تھی۔ عبداللہ المزنی۔ ان کو ذوالبجادین کہتے ہیں۔ اور ام رومان کی قبر جو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔ اور فاطمہ بنت اسد کی قبر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارک:۔ اور اسی سال کے دوران شعبان کی چوتھی تاریخ کو ریحانہ رسول، نور دیدہ بتول امام شہید سعید ابوعبداللہ حسین رضی اللہ عنہ متولد ہوئے۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا امام حسن رضی اللہ کی ولادت مبارک کے پچاس راتیں بعد امام حسین رضی اللہ عنہ سے حاملہ ہوئیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو عورتوں کو حیض ونفاس ہوتا ہے وہ نہ تھا لہٰذا آپ کو حور جنت سے تشبیہ دے کر آپ کا اسم حور جنت لیا جاتا ہے۔

غزوہ بدر موعد۔ وصل:۔ اور اسی سال میں غزوہ بدر موعود واقع ہوا اسے غزوہ بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ احد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا۔ آئندہ سال تمہارے ساتھ بدر میں جنگ کرنے کا ہم وعدہ کرتے ہیں اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہا تھا کہ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ بعض اصحاب نے کہا۔ اور بیضاوی کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہا تھا۔ ہاں پس اگلے موعودہ سال میں ابوسفیان اسباب جنگ کی ترتیب اور اسباب قتال کا تہیہ میں مشغول ہوا۔ اور قریش کو خروج مکہ پر ترغیب و تحریص کی۔ لیکن اس نے تکلف کیا اور جلدی کی تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ڈر گیا ہے اور جنگ کے لئے نہیں نکل سکا۔ نعیم بن مسعود اشجعی جو مدینہ سے مکہ آچکا تھا اس نے قریش کو لشکر اسلام کی شوکت اور اسباب قتال کی فراہمی برائے جنگ موعد کے بارے میں خبر دی اور کہا کہ مدینہ اس طرح لشکر سے پر ہے جیسے کہ رمان ہے۔ (یعنی جیسے انار دانوں سے پر ہوتا ہے) ابوسفیان نے اس سے ملاقات کی۔ اور کہا کہ غزوہ احد میں ہمارا وعدہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ اس طرح تھا۔ لیکن اس سال ہمارے علاقہ اور شہروں میں قحط ہے۔ اور چارپایوں کے لئے صحرا میں خوراک نہ ہے۔ لہٰذا اگر تم مدینہ جاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کو ہمارے خلاف جنگ کے لئے نکلنے سے باز رکھو تاکہ وعدہ خلافی ان کی طرف سے سرزد ہو۔ تو میں تم کو بیس اونٹ سہ سال عمر میں تمہیں دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ نعیم مدینہ گیا اور اپنا سر منڈوالیا۔ اور اس طرح دکھائی دینے لگا جیسے عمرہ کے لئے گیا تھا۔ اور تفسیر کشاف سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ عمرہ کے لئے گیا تھا۔ اور اس نے لشکر اسلام کو قریش کے لشکر کی شان وشوکت اور مکہ سے برائے جنگ برآمد ہونے

کی اطلاع دی۔ اور کہا کہ مصلحت اس طرح نظر آتی ہے۔ کہ آپ مدینہ مطہرہ سے باہر نہ نکلیں کیونکہ میرا گمان ہے کہ اگر ان سے مقابلہ کروگے تو تم میں سے کوئی بھی ایک بھی وہاں سے سلامت نہ نکلے گا سوائے اس کے جو فرار اختیار کر جائے مسلمانوں نے نعیم کو سچا سمجھتے ہوئے مدینہ سے نکلنے سے گریز کیا حتیٰ کہ اس طرح گمان ہونے لگا کہ اس غزوہ کے لئے کوئی شخص بھی باہر نہ نکلے گا۔

یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سمع شریف تک پہنچی اور صحابہ کے خوف کے بارے میں معلوم ہوا۔ اور گمان کیا کہ کوئی بھی ان سے باہر نہ نکلے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس طرح کی ابتدائی باتیں کی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں جنگ کے لئے نکلوں گا خواہ میرے ساتھ ایک شخص بھی نہ ہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ بات کی تو مسلمان خوش ہو گئے اور ان کے دلوں میں شیطان نے جو وسوسہ ڈالا تھا وہ نکل گیا اور ان کے باطن میں قوت و شوکت آگئی اور جنگ کے لئے نکلنے کے لئے آمادہ و تیار ہو گئے۔ پس عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو جھنڈا عطا کیا۔ اور ایک ہزار پانچ سو بہادروں کے ساتھ نکلے۔ اس طرح کتب سیر میں ہے اور صاحب کشاف نے ستر آدمی لکھا ہے۔ اور بیضاوی نے ان کی متابعت کی ہے لیکن عرض ہے کہ یہ سخن قطع نظر اس سے کہ روایت صحیح ہے یا انہیں معقولیت کے لحاظ سے بھی بعید از حقیقت ہے کہ اس قسم کے واقعہ میں آپ ستر اشخاص کے ساتھ نکلیں سوائے اس کے کہ ابتدائے خروج ستر آدمی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اور بعد ازاں دوسروں نے اتباع کی ہو۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ اس لشکر میں دس گھوڑوں سے زیادہ نہ تھے اور مسلمانوں نے بہت اموال تجارت اپنے ساتھ لئے۔ میدان بدر میں آکر اترے۔ اور وہاں پر آٹھ دن تک قیام کیا۔ اور مال اچھی قیمت پر فروخت کیا حتیٰ کہ ایک ایک درہم کے بدلے دو دو درہم حاصل ہوئے اور سرور و حضور کے ساتھ مدینہ میں واپس آئے اور مشرکوں سے ملاقات و مقابلہ کی نوبت نہ آئی۔ یہ آیت پاک وہاں پر نازل ہوئی۔ **الذین قال لہم الناس قد جمعوا لکم فاخشر فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسہم سوء الایۃ۔**

اور فرماتے ہیں کہ ابوسفیان دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ ان کے پاس پچاس گھوڑے تھے۔ اور مرالظہران کے مقام سے واپس مکہ کو چلے گئے یہ مقام مکہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ بہانہ یہ کیا کہ صحرا خشک ہے اور جانوروں کے لئے خوراک اور آدمیوں کے لئے دودھ پیدا نہیں ہوتا۔ اور اصل میں شوکت لشکر اسلام کا رعب اور خوف تھا۔ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ کیا ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے صحابہ سے جنگ کا وعدہ کیا تھا لیکن تو نہ کر سکا اور وہ ہم پر دلیر ہو گئے۔ اس وقت اسباب جنگ کے ارادہ سے خندق کھودنے میں معروف ہو گئے اور اہل مکہ اس سفر کو جیش السویق کہتے تھے۔ اس لئے کہ ان کو طعام میسر نہ تھا جو کھاتے اور اہل مکہ ابوسفیان کو طعنے مارتے

تھے کہ کیا یہ ستو کھانے کے لئے ہی تم نکل پڑے تھے۔ اور غزوہ سویق جس کا ذکر سال دوم میں گزر چکا ہے وہ علیحدہ ہے۔ اس میں بھی یہ ستو ساتھ لے گئے تھے اور جب بھاگے تھے تو ستو راستے میں پھینک گئے تھے۔

زنا کی سزا بمطابق کتب یہود:۔ اور اسی سال ایک مرد نے ایک یہودی عورت سے زنا کیا پس آنحضرت نے ہر دو کے لئے شریعت محمدی کے مطابق رجم کی سزا دی ظاہرا" وہ ذمی تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم بھی خود اس پر اسی عمل کرتے ہیں اور تورات میں حکم زنا وہ ہے کہ زانی اور زانیہ دونوں کے منہ کالے کرتے ہیں اور دونوں کو ایک شتر پر سوار کر کے شہر میں گھماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں جھوٹ بولا ہے بلکہ تورات دونوں موافق ہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو احبار یہود میں سے تھے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مدینہ منورہ آنے پر شروع شروع میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے اس یہودی جوڑے کو جھوٹا کہا۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ تورات لائیں وہ لائی گئی اور ایک یہودی پڑھنے لگا جب وہ رجم کی آیت پر پہنچا تو اس پر ہاتھ رکھ لیا اور آیت کو چھپالیا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو آیت رجم ظاہر ہو گئی ابن سلام نے وہ آیت پڑھی۔ اور اس زانی کو سنگسار کیا گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تورات سیکھنا:۔ اور اس سال کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ تورات کی عبارت سیکھیں۔ تاکہ ہمیں خطوط و مکاتیب میں تحریف و تبدیلی کا سامنا کرنا پڑے پس انہوں نے پندرہ دن میں وہ سیکھ لی۔ (کذافی روضۃ الاحباب) گویا کہ زید کو تورات پڑھنا سیکھنے کا حکم اسی حکم رجم کی بنا پر دیا گیا۔ لیکن دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہود ہماری طرف کوئی چیز لکھتے ہیں۔ اور ہم بھی ان کی طرف کچھ لکھتے ہیں۔ اور یہود کو کہتے ہیں کہ وہ لکھے۔ اور وہ ہی ان کا لکھا ہوا آمدہ خط پڑھے بھی۔ اور ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں۔ اور ان پر اعتماد نہیں رکھتے کہ وہ کیا لکھتے ہیں۔ اور کیا پڑھتے ہیں۔ تم ان کی خط و کتابت کو سیکھو۔ تاکہ ہم ان کی تلبیس و مکر سے امن میں ہو جائیں۔ پس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی خط و کتاب پندرہ دن میں سیکھ لی تھی۔

طعمہ بن البیرق کی چوری کا واقعہ:۔ اور اسی سال کے دوران طعمہ بن البیرق کی چوری کا واقعہ ہوا۔ وہ بنی ظفر سے تھا۔ اس نے قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے زرہ چرالی۔ قتادہ اس کے پڑوسی تھے۔ آٹے کے تھیلے میں رکھ کر لے گیا۔ تھیلے میں سوراخ تھے۔ ان سے آٹا گرنے لگا طعمہ نے سمجھا کہ چوری ظاہر نہ ہو جائے۔ پس اس نے اسے زید بن السمین یہودی کے گھر میں پھینک دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کے سپرد کر دیا۔ دوسرے روز جب ابن السمین کے گھر میں گئے تو وہاں سے زرہ اور تھیلا بر آمد ہوئے۔ لہٰذا اسے مواخذہ کرتے ہوئے باہر لے آئے۔ زید نے کہا کہ یہ عمل طعمہ کا ہے۔ وہ لا کر میرے گھر میں پھینک گیا تھا یا یہ کہا کہ میرے پاس بطور امانت رکھ گیا تھا۔ اور یہودیوں کی ایک جماعت نے اس پر گواہی دی۔ پس قتادہ اور زید دونوں طعمہ کے گھر گئے اور پوچھا کہ تم نے یہ کام کیا ہے طعمہ نے انکار کیا۔ اور اس کی قوم باوجود

اس بات کے کہ جانتے تھے کہ جاہلیت میں چوری کیا کرتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ طعمہ اس تہمت سے بری ہے اور یہ گناہ اس یہودی کا ہے اور انہوں نے خیال کیا کہ چونکہ طعمہ مسلمان ہے لہذا آنحضرت اس کی طرفداری کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کیا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ **انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما** پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو گیا گناہ طعمہ نے کیا ہے۔ پس ابن سیمین سے ہاتھ کھینچ لیا اور طعمہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ پس وہ بھاگ گیا اور مکہ چلا گیا اور وہاں پر بھی چوری کی اور لوگوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ اور اس کو انہوں نے قتل کر دیا۔ اور ایک روایت ہے کہ وہاں سے بھی بھاگ گیا۔ اور کشتی میں بھی کسی کی جیب چرالی۔ پس لوگوں نے اس کو سمندر میں پھینک دیا۔ اس جگہ سے معلوم ہوا کہ چوری کرنا ایک عادت ہوتی ہے جو آدمی سے جدا نہیں ہوتی۔ اور اس کام میں سر اور جان چلے جاتے ہیں اور اکثر گناہ اور بری عادتیں یہی حال رکھتی ہیں۔

تحریم شراب کا حکم:۔ اور اسی سال کے دوران بمطابق قول مشہور اور ایک اور قول کے مطابق چھٹے سال میں اور ایک قول کے مطابق آٹھویں سال میں اور بعض نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تحریم شراب واقع ہوئی اور کہتے ہیں کہ پہلی آیت جو شراب کے بارے میں نازل ہوئی یہ آیت ہے۔ **من ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا و رزقا حسنا** اور اس آیت میں عام اباحت تھی کہ لوگ اسے پینے میں مشغول رہے لیکن بعض صحابہ جو کمال عقل اور وفور رائے سے آراستہ تھے ان مفاسد کے باعث جو شراب سے مترتب ہوتے ہیں اسے نہیں پیتے تھے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما تھے کہ جاہلیت اور دور اسلام میں بھی شراب نہ پیتے تھے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ **ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تحریم شراب کا مقدمہ یعنی آغاز ہے اور جب یہ آیت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھی تو انہوں نے کہا۔ **اللھم بین لنا بیانا شافیا فی الخمر** پس بعض صحابہ اس آیت کی رو سے شراب سے مکمل طور پر مجتنب ہو گئے اور کہتے تھے کہ چونکہ اس میں کثرت اس چیز کی ہے جو اسم کبیر ہے لہذا اسے ترک کر دینا بہتر ہے اور ایک گروہ صحابہ کا اس واسطے کہ اس میں فائدہ ہے کبھی کبھی استعمال کر لیتے تھے۔ حتی کہ ایک روز عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ضیافت کی تھی وہاں پر شراب پی گئی۔ اور مدہوشی کی حد تک پہنچ گئے۔ پس شام کی نماز کا وقت ہوا۔ نماز میں ان کے امام نے سورۃ یا ایہا الکافرون پڑھی کلمہ لا کی طرح کے ساتھ جو کہ اس میں واقع ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ **یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ماتقولون** پس صحابہ میں سے ایک گروہ نے کہا کہ جو چیز نماز کے ترک کا باعث ہوتی ہے اور اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں اس کا ارتکاب عمل کیسے کیا جا سکتا ہے۔ پس اس فعل سے باز آ گئے اور دوسری جماعت صحابہ اس طرح شراب پیتے تھے کہ نماز کے وقت میں حرج واقع نہ ہو اور مستی واقع نہ ہو یہاں تک کہ ایک انصاری نے دعوت کی۔ اور اونٹوں کا گوشت بھونا۔ اس میں مدعوئین نے

مدعوئین نے شراب پی۔ اور مست ہو گئے اور ایک دوسرے پر تفاخر کرنے لگے۔ اور تفاخر و مباقات پر مبنی اشعار پڑھتے تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ لکھا اور اس میں انصار کی ہجو کی اور اپنی قوم کی تعریف کی۔ ایک آدمی نے اونٹ کی کوہان کو ایک ہڈی پکڑ کر حضرت سعد کے سر پر ماری اور ان کا سر زخمی کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انصار کے خلاف شکایت کی۔ جب اس حال کی خبر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو دوبارہ انہوں نے دعا کرنا شروع کی **اللھم بین لنا بیانا شافیا فی الخمر** پس یہ آیت نازل ہوئی۔ **یاایھا الذین امنوا انما الخیر ومیسرو الانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم عدعوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منھون** اور اس آیت میں تحریم خمر میں بڑی تاکید اور مبالغہ ہے اور دس دلیلوں میں متضمن ہے۔ جیسے کہ علماء نے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا یہاں تک کہ مدینہ کے بازاروں میں اعلان کر دیا گیا کہ آگاہ ہو جائیں کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ پس لوگوں نے شراب پینا بند کر دیا اور جس جس گھر میں شراب کے مٹکے تھے وہ پھینک دیئے گئے اس طرح ہوا کہ مدینہ کی گلیوں میں پانی کی مانند شراب بہنے لگا۔

اور شراب کی حرمت اور اس کے پینے والے کی وعید میں بہت سی احادیث ثابت ہو چکی ہیں۔ اور ان سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

(اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد واصحاب محمد بارک وسلم)

سال پنجم بعد از ہجرت کے واقعات

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح:۔ اور سال پنجم بعد از ہجرت کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ تزوج فرمایا اور ان سے زفاف کے بارے میں آیت حجاب نازل ہوئی بقول اہل سیر۔ چنانچہ ان کا قصہ ازواج مطہرات کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہو گا۔

غزوہ مریسیع:۔ اس سال کے دوران غزوہ مریسیع واقعہ ہوا۔ یہ ایک پانی کی جگہ کا نام ہے۔ جو بنو خزاعہ کے علاقہ میں تھا۔ اور اس غزوہ کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں اور پانچویں سال کے ماہ شعبان کی دو راتیں گزرنے کے بعد دو شنبہ کے دن واقع ہوا اور ابن اسحاق نے سن چھ ہجری کہا ہے۔ اور موسیٰ بن عقبہ نے سن چار ہجری کہا ہے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ یہ سبق قلم ہے کہ بجائے پانچ کے چار لکھا گیا ہے۔ اور مختار یہ ہے کہ سن پانچ میں ہی واقع ہوا۔

اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حاکم بن ضرار کہ اس قوم کا رئیس تھا اس نے بعض قبائل عرب کو دعوت دی کہ اکٹھے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف جنگ کریں۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہنچی۔ تو آپ نے اپنے مشہور صحابی بریدہ بن الحصیب کو اس قوم کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ پکی خبر لائیں اور ان کو اجازت دی کہ

جو کچھ بھی مقتضائے وقت محسوس کرو ان سے گفتگو کرو۔ پس حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ پس حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ انکے پاس گئے۔ اور کہا کہ سننے میں آیا ہے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف جنگ کی دعوت دے رہے ہو۔ اگر یہ خبر واقع ہی درست ہے تو میں تمہارے ساتھ معاونت کرتا ہوں۔ اور میں اس کے خلاف تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گا۔ وہ جماعت حضرت بریدہ کی تکریم بجالائے۔ اور کہنے لگے کہ ہاں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف جنگ کرنے کا ہمارا پکا ارادہ ہے۔ بریدہ نے کہا تو مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے آدمی اکٹھے کروں اور جنگ کی تیاری کر کے تمہارے پاس ہم آملیں۔ اس بہانہ سے ان میں سے نکل آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں تمام حقیقت حال بیان کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لشکر تیار فرمایا اور نکل پڑے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا۔ اور مہاجرین کا علم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کے مقدمہ پر متعین فرمایا۔ اور اسی لشکر میں مہاجرین کے تیس گھوڑے تھے اور بیس گھوڑے انصار کے پاس تھے۔ اور بہت سے منافقین بھی دنیوی لالچ کے تحت مال غنیمت کے حصول کے لئے ساتھ تھے راستے میں کافروں کا ایک جاسوس پکڑا گیا۔ اس سے ان کے لشکر کی خبر پوچھی گئی پہلے تو اس نے انکار کیا۔ بعد ازاں اس نے اعتراف کیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا اور جب یہ خبر حارث کو پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ اس کی طرف آرہے ہیں۔ تو اس سے بنی المصطلق کے دلوں پر رعب طاری ہوا اور اطراف و کناف سے اس کے پاس لوگوں کا جو بہت بڑا اجتماع ہوا تھا وہ سب منتشر ہو گیا۔ اور ہر کوئی اپنے گھر کو واپس چلا گیا۔ اور حارث کے پاس سوائے بنی المصطلق کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاہ مریسیع پر نزول فرمایا۔ اور اس سفر میں ازواج مطہرات میں سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ کافروں نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دیا در میدان جنگ میں قدم رکھا۔ جب ہر دو جانب سے صفیں درست کی گئیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ کافروں کو آواز دیں اور کہیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں تو ان کے خون اور اموال سب محفوظ رکھے جائیں گے لیکن انہوں نے انکار کیا۔ لہٰذا لشکر اسلام نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں مشرکوں کا علمبردار قتل کر دیا۔ اور انہوں نے شکست کھائی اور ان میں سے دس آدمی مارے گئے باقی تمام عورتیں اور مرد قید کر لئے گئے اور مال غنیمت کے ساتھ بہت سے چارپائے جانور اور بکریاں ہاتھ آئے۔ اور مسلمانوں میں سے ایک آدمی شہید ہوا۔

اور حدیث صحیح البخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان پر اس وقت حملہ کر دیا جبکہ وہ غافل تھے اور ان کے چارپائے پانی پی رہے تھے پس ان پر مقاتلہ کیا گیا۔

علماء سے منقول ہے کہ جب جنگ کی آگ بجھ گئی تو مشرکوں میں سے ایک آدمی آیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ یہ آدمی بنی

المصطلق سے تھا۔ اس نے بتایا کہ ہم نے اس جنگ میں سفید لباسوں میں ملبوس اور ابلق گھوڑوں پر سوار لوگوں کو لشکر اسلام میں دیکھا ہے۔ جن کی مثل پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جو امہات مومنین میں سے ہیں وہ بھی اس غزوہ کے اسیروں میں تھیں۔ اور اس حارث بن ابی ضرار کی دختر تھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غنائم وغیرہ کی تقسیم سے فارغ ہوئے۔ تو آپ میرے ساتھ پانی کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ جویریہ بلو کہ ایک عورت بڑی شیریں ملیح اور حسن و جمال رکھتی تھیں کہ جو کوئی اسے دیکھتا تھا۔ اس پر فدا ہو جاتا تھا وہ آپہنچی میرے دل میں آتش غیرت بھڑکی۔ کہ ایسا نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اس کو اپنی ازواج میں شامل کرلیں۔ اور آخر کار وہی ہوا۔

اور جب جویریہ آئیں تو اس کی پہلی بات یہ تھی جو اس نے کی اس نے کہا یا رسول اللہ! میں مسلمان آپ کے پاس آئی ہوں۔ **اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک رسول الله** اور کہا کہ میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میں اس قبیلہ کی سردار اور پیشواء ہوں۔ اب لشکر اسلام میں اسیر ہوں اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی گئی ہوں۔ اور اس نے میرے ساتھ مکاتبت کی ہے۔ اس قدر مال کی جو میں ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھی۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ میری اعانت فرمائیں گے۔ تا کہ میں مکاتبت کی رقم ادا کرسکوں۔ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسا ہی کروں گا بلکہ اس سے بہتر عمل تمہارے ساتھ کروں گا۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ اس سے بہتر عمل کیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری مکاتبت کا عوضانہ میں تجھ کو دیتا ہوں اور تجھ کو میں اپنے نکاح میں لاتا ہوں۔ پس ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیجا۔ مکاتبت ادا کردی۔ اور اسے آزاد کرانے کے بعد اس سے تزوج فرمایا۔ جب صحابہ کو اس عمل کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حرم کے عزیز و اقارب کا ہمارے پاس قیدی رہنا مناسب نہیں ہے۔ پس سب کو آزاد کر دیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ بنو المصطلق کے کل قیدی تعداد میں ایک سو نوے سے زیادہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جویریہ سے بڑھ کر خیر و برکت والی عورت میرے علم میں اور کوئی نہیں۔

اور جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمارے پاس آنے سے پہلے میں نے خواب میں واقعہ دیکھا کہ یثرت (مدینہ) کی طرف سے چاند نازل ہو رہا ہے اور وہ میری گود میں آ گرا ہے۔ میں نے یہ واقعہ کسی اور سے ذکر نہ کیا۔ یہاں تک کہ ہو گیا جو کچھ کہ ہوا۔ اور پہلے جویریہ کا نام برہ تھا جس کے معنی ہیں نیکو کار خواجہ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھا۔ اور نام بدل دینا آپ کا معمول تھا خواہ نام اچھا ہی ہو تا۔ لیکن اس میں آپ نے اس طرح کراہت محسوس کی کہ گویا اگر پوچھے کہ اس گھر میں برہ (نیکو کار) ہے۔ تو جواب دیں کہ نہیں گھر میں برہ نہیں ہے۔

اور اس غزوہ میں اس منافق ملعون ابو الفضول سردار منافقاں عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا **لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل** اور اس میں مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کی۔ اور اس سے یہ منشاء تھی کہ شان بن و

برجہنی جو عمرو بن عوف خزرجی کا حلیف تھا اور جہجاہ بن سعید غفاری جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اجیر تھے ان کے درمیان۔ کسی چیز پر معمولی سا نزاع ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ ان دونوں کے ڈول کنویں میں گر پڑے تھے۔ دونوں ڈول ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ ان میں سے ایک ڈول نکل آیا۔ سنان نے کہا یہ ڈول میرا ہے۔ اور جہجاہ نے کہا کہ یہ ڈول میرا ہے۔ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ ڈول سنان کا تھا۔ انجام یہ ہوا کہ جہجاہ نے ایک مکہ سنان کے منہ پر مارا۔ اور اس سے خون نکل آیا چونکہ سنان انصار کا حلیف تھا اس نے ان سے استغاثہ کیا۔ اور جہجاہ نے مہاجرین کی طرف رخ کیا۔ پس دونوں طرفوں سے دو جماعتیں اسلحہ پہن کر آگئیں۔ اور قریب تھا کہ فتنہ کی آگ بھڑک اٹھے پس مہاجرین سے ایک گروہ نے سنان سے درخواست کی کہ وہ اپنے حق سے درگزر کرے اور ان کی التماس پر سنان اپنے حق سے دست بردار ہو گیا۔ یہ خبر عبداللہ بن ابی منافق تک پہنچی اور سابقاً گزر چکا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین بھی ہمراہ تھے۔ اور یہ منافق بھی انصار کے قبیلہ سے تھا۔ جب اس نے سنا کہ جہجاہ جس کی نسبت مہاجرین سے ہے نے سنان کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا ہے۔ جو کہ انصار کا حلیف ہے تو اس کی رگ عداوت و کفر و نفاق پھڑکی۔ تو منافقوں کا ایک گروہ اس وقت جو پاس بیٹھا تھا۔ ان سے کہنے لگا کہ یہ قدرت اور تمکنت جو مہاجرین رکھتے ہیں۔ یہ ہماری وجہ سے دی ہوئی ہے اس کے باوجود وہ ہمارے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتے ہیں۔ ہماری اور تمہاری مثل اس طرح ہے کہ کہا گیا ہے۔ سمن کلبک لیکلک اپنے کتوں کو فربہ کرتا کہ تم کو کھائے۔ اور کہا کہ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو بہر حال ذلیل تر کو عزیز تر باہر نکال دے گا جیسے کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل اور عزت والے سے مراد وہ اپنی ناپاک ذات لیتا تھا۔ اور اذل سے اس کی مراد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات تھی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ عز سے مراد اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو لیتا ہو اور اذل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے یاروں کو لیتا ہو۔ جیسے کہ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد آیا ہے۔ واللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولا کن المنافقین لا یعلمون واللہ اعلم۔

اور زید بن ارقم انصاری اس مجلس میں حاضر تھے جس میں اس ملعون نے یہ باتیں کہی تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ سنا تھا سب سنا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مجلس شریف میں موجود تھے۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید زید کو اس کی بات سننے میں کچھ خطا ہو گئی ہے۔ پس زید نے قسم اٹھا کر پھر وہی بات دہرائی۔ پس اس منافق کی بات لشکر اسلام میں فاش ہو گئی۔ اور انصار کی ایک جماعت نے زید بن ارقم کی سرزنش کی۔ کہ تو نے قوم کے سردار پر جھوٹ باندھا ہے۔ زید نے کہا۔ واللہ۔ میں نے یہ بات اس سے سنی۔ اور مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس بارے میں اپنے پیغمبر پر وحی نازل فرمائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول! مجھے اجازت عطا فرمائیں تاکہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ آنحضرت نے فرمایا اگر ہم اس کو مار دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے صحابہ کو خود ہی مار دیتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو حکم فرمایا کہ وہاں سے کوچ کریں۔ گو ہوا بڑی شدید اور گرم تھی۔ مقصود یہ تھا کہ لوگ منافقین کے بارے میں سوچ و فکر نہ

کریں اور نہ اس گفتگو میں پڑیں۔ پس حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہوا ہے جو اس بے وقت کوچ کا حکم فرمادیا ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم تک یہ بات نہیں پہنچی جو کچھ تمہارے عبداللہ ابن ابی نے کہا ہے؟ تو اسید نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ چاہتے' میں تو اس کو مدینہ سے باہر نکال دیں۔ کیونکہ آپ ہی عزت والے ہیں وہ ذلیل ہے اور عزت تو اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہی ہے۔ اس وقت پھر کہا یا رسول اللہ! اس پر مہربانی اور درگزر فرمائیں۔ کیونکہ مدینہ شریف میں آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ کے لوگوں نے اتفاق کیا تھا کہ مدینہ کی حکومت و ریاست کا تاج اس کے سر پر پہنائیں اور اس کو مدینہ کا رئیس اور امیر بنالیں اور آپ کی تشریف آوری سے اس کی امارت و حکومت چھن گئی۔ پس اب اس کو حسد ہے جو کہ اس طرح کی یاوہ گوئی کرتا ہے۔

پس آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس شریف سے اٹھ کر چند انصار اس منافق کے پاس گئے اور بتایا تمہارے متعلق اس طرح کی باتیں آنحضرت سے کہی گئی ہیں۔ اگر واقعہ تم نے کہی ہیں تو چلو اور حاضر ہو کر عذر خواہی کرو۔ اگر تم نے نہیں کہیں تو ان سے انکار کردو وہاں جاکر۔ اور قسم اٹھاؤ اور ہرگز جھوٹ نہ بولنا کیونکہ تمہاری مذمت میں قرآن میں آیات کا نزول ہو جائے گا۔ پس وہ منافق آیا اور جھوٹی قسم اٹھائی۔ اور کہا کہ زید نے جو باتیں کہی ہیں میں نے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کہی۔ اور اس نے سب جھوٹی باتیں آپ تک پہنچائی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس سے بڑا رنج و ملال اور تنگدلی ہوئی۔ پس سورۃ منافقون نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ کو بلا بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم کو بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمادی ہے اور اس منافق کی تکذیب کی ہے۔ پس حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اور اس کی سرزنش کی۔ اور کہا کہ اٹھو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس چلو۔ تاکہ وہ تمہارے لئے استغفار فرمائیں لیکن اس سیاہ باطن اور دل کے اندھے نے اس سے اپنا منہ پھیر لیا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ **واذا قیل لھم تعالو ایستغفر لکم رسول اللہ لووا رؤسھم ورایتھم یصدون وھم مستکبرون**

اور مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کا ایک بیٹا تھا۔ وہ مسلمان' موحد' مخلص اور درگاہ نبوی کا بڑا محب تھا۔ جب مراجعت کے وقت مسلمان وادی عتیق میں پہنچے وہ بیٹا آیا اور راستہ پر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کا باپ عبداللہ بن ابی آیا اور اس نے چاہا کہ شہر میں داخل ہو۔ بیٹے نے اس کے گھوڑے کی عنان پکڑلی اور روک لیا اور کہا۔ قسم خدا کی۔ میں تم کو نہ چھوڑوں گا کہ تو شہر میں داخل ہو جب تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اجازت نہ دیں اور تو یہ نہ کہے کہ عزیز آدم آنحضرت ہیں اور اہل عالم میں ذلیل ترین تم ہو۔ جو شخص بھی یہ حال دیکھتا تھا حیران ہو تا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ بیٹا باپ کو شہر مدینہ مطہرہ میں داخل ہونے سے روکے ہوئے ہے اور باپ سے الجھا ہوا ہے اور باپ یہ کہہ رہا ہے۔ **انا اذل من النساء** اور وہ پھر بھی اسی طرح اس کو روکے ہوئے ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ شہر میں آجائے۔ پس عبداللہ وہاں سے آگے گزر گیا۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ غزوہ بنی مصطلق سے مراجعت کے وقت جب مدینہ مطہرہ کے نزدیک پہنچے تو شدید ہوا چلی۔ گمان اس طرح کرنے لگے کہ شاید دشمنوں نے مدینہ مطہرہ پر حملہ کردیا ہے اور غارت و تاراج کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مت ڈرو۔ کیونکہ مدینہ مطہرہ تمام آفات و مخافات سے مامون ہے کیونکہ اس کا کوئی گوشہ اور کوئی چھوٹا پتھر بھی ایسا نہیں جس کے ساتھ ایک فرشتہ کھڑا نہ ہو۔ جو مدینہ شریف کو گھیرے ہوئے ہیں اور اس کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن آج ہوا یہ ہے کہ ایک عظیم منافق مرگیا ہے اور وہ منافق زید بن رفاعہ تھا۔ عبداللہ بن ابی کا دوست تھا اور اس منافق (عبداللہ بن ابی) کو اس کی فوتیدگی کا بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ یہ دونوں آپس میں بڑی محبت رکھتے تھے۔ اس طرح ہیں الفاظ حدیث۔

اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہوا کے چلنے سے صحابہ کو دشمن کی تاخت و تاراج کا گمان کیوں ہوا۔ نیز یہ کہ اس ہوا کے چلنے کا منافق کے مرنے سے کیا تعلق تھا۔ واللہ اعلم۔ اور اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ مطہرہ سے اٹھائیس روز باہر رہے۔

تیمم کے بارے میں آیت:۔ اسی پانچویں سال ہجری میں تیمم کے متعلق آیت نازل ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری اور مسلم شریف میں روایت آئی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے۔ اس کے بعد آپ نے تیمم کی حدیث بیان فرمائی۔ صاحب مواہب نے کہا ہے کہ ابن عبدالبر کا ایک قول فتح الباری میں منقول ہے کہ تیمم کی آیت غزوہ بنی المصطلق میں نازل ہوئی۔ اور اسی پر استذکار میں جزم کیا گیا ہے اور ابن سعد اور ابن حبان بھی اسی کی جانب سبقت کرتے ہیں۔

ہار کا گم ہو جانا:۔ روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ اسی سفر کے دوران یا کسی اور میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہ کا ہار گم ہوگیا۔ یہ مدینہ شریف کی قریبی منزل کا واقعہ ہے۔ اس منزل کا نام صلصل تھا یہ مدینہ کے قریب ہی ہے۔ چونکہ ہار گم ہوگیا تھا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر توقف فرمالیا تاکہ گم شدہ ہار مل جائے یہاں پر پانی مفقود تھا۔ اور لوگ بھی اپنے پاس پانی نہ رکھتے تھے۔ قریب تھا کہ نماز قضا ہو جائے تو لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاکر شکایت کرنے لگے کہ یہ ابتلاء ان کے باعث وارد ہوئی۔ پس حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت عائشہ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمارہے تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ عائشہ کو ناراض ہونے لگے۔ اور اپنا ہاتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں نیزے کی طرح مارا۔ لیکن سیدہ نے ہرگز حرکت نہ کی کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محو خواب تھا جاگ نہ پڑیں پس صبح کا وقت ہوگیا اور نماز ادا کرنے کے لئے وضو کی خاطر پانی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور آیت تیمم نازل فرمائی۔ اور اسلامی فوج نے تیمم سے نماز ادا کی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا **ما ھی باول برکتکم یا آل ابوبکر** اے ابوبکر کی اولاد!

تمہاری یہ اولین برکت نہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی بہت سے برکات اہل اسلام کو حاصل ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ بعد ازاں جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا تو یا کہ اس واقعہ میں یہ حکمت تھی کہ شریعت میں اہل اسلام کے واسطے آسانی اور سہولت میسر ہو جائے۔

مسئلہ عزل:۔ غزوہ بنی المصطلق میں مسلمانوں کو باندیاں حاصل ہوئیں اور ان پر خواہش کا غلبہ ہوا۔ اور مسافرت بھی لمبی ہو گئی۔ لہٰذا ملک یمین کے طریقے پر باندیوں کے ساتھ ہم بستر ہوتے تھے عزل کہتے ہیں عورت کی شرمگاہ میں سے مادہ تولید کو باہر نکالنا اس لئے کہ وہ حاملہ نہ ہوں۔ اور صحابہ آپس میں کہتے تھے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہم میں موجود تھے۔ لیکن اس بارے میں ہم نے آپ سے نہ پوچھا تھا۔ پھر انہوں نے آنحضرت سے اس بارے میں دریافت کیا کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خواہ تم عزل کرو یا نہ کرو۔ جسے پیدا ہونا ہے وہ ہو گا۔ یہاں پر اباحت کے معانی بھی ہیں اور حرمت کے بھی۔ اور فقہ میں یہ مذہب مقرر ہے کہ باندی میں عزل جائز ہے۔ لیکن (حرہ) آزاد عورت (بیوی) میں اس کی اجازت کے بغیر یہ عزل جائز نہ ہے۔ اور جو منکوحہ باندی ہو اس کے متعلق روایت ہے کہ مولیٰ کی اجازت نہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

واقعہ افک:۔ اس سال کے دوران غزوہ بنی المصطلق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قضیہ تھا افک الف کی کسرا اور فتح کے ساتھ۔ اس کے معانی کذب ہوتے ہیں بعض نے کہا کہ افک کا معانی ہے دروغ بلیغ کامل۔ بعض نے افک سے مراد بہتان لیا ہے۔ اور یہ پھیرنے اور واپس کرنے کے معانی میں بھی مستعمل ہے۔ اور کذب میں بھی اپنی جگہ سے پھیرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے افک کا قصہ عجیب و غریب قصوں میں سے ایک ہے۔ اور غصہ کے باعث جگر کا خون نکلتا ہے بخاری شریف میں کئی مقامات پر اس کا بیان موجود ہے اس کا تذکرہ ایک جگہ کتاب غزوات میں آیا ہے۔ اس کا ترجمہ کریں گے اور جو کمی یا زیادتی دکھائی دے گی۔ وہ کسی دیگر باب میں مذکور ہو گی (والعون من اللہ تعالیٰ) زہری نے بسند عروہ اور دوسری جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کسی سفر کا ہوتا تو آپ ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے تھے جس کا نام نکلتا تھا اس کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس غزوہ کے موقع پر بھی آپ نے قرعہ اندازی فرمائی۔ جس میں آپ نے غزوہ فرمایا۔ اس طرح بخاری شریف میں مبہم بیان ہے۔ لیکن شارحین نے اس سے مراد غزوہ مریسیع لیا ہے۔ جس کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہا جاتا ہے۔ پس میرے نام پر قرعہ نکلا۔ پس میں آنحضرت کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئی۔
یہ واقعہ آیت پردہ کے نزول کے بعد کا ہے لہٰذا میری خاطر ہودج تیار کیا گیا ہے مجھے ہودج میں اٹھایا جاتا تھا اور اس میں اتارا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور واپس تشریف لائے مدینہ کے نزدیک ہم پہنچے تو آپ نے رات کے وقت ہی کوچ کا حکم فرمایا۔ اعلان ہوا تو میں ہودج سے نکلی اور قضائے حاجت کے لئے تنہا چلی گئی۔ فراغت کے بعد

اپنی جگہ قیام پر واپس آئی تو میں نے اپنے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا میرا ہار ٹوٹ کر گر چکا ہے جو مہرائے ظفار سے بنایا گیا تھا۔ دوبارہ میں قضائے حاجت کے مقام پر گئی اور ہار کی تلاش کی 'تلاش کرتے تاخیر ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد میرے ہودج کو اٹھا کر جو لوگ اونٹ پر رکھتے تھے اور مجھے اٹھاتے تھے وہ آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھا اور مستحکم کر دیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہودج میں موجود ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں سبک اور ہلکی ہوا کرتی تھیں۔ ان لوگوں کو ہودج کی سبکی محسوس نہ ہوئی اور اونٹ لے کر روانہ ہو گئے جبکہ میں ابھی وہاں پر تھی جہاں ہار گم ہوا تھا۔ میں اس کی تلاش میں معروف تھی کہ تمام لشکر روانہ ہو گیا۔ میں واپس جائے قیام پر آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ نہ کوئی بلانے والا تھا اور نہ ہی کوئی پکار کا جواب دینے والا تھا۔ ازاں بعد میں وہاں پر ہی ٹھہر گئی۔ میں نے سوچا کہ جب وہ مجھے نہ پالیں گے تو تلاش کریں گے اور اسی جگہ پر واپس تلاش میں آئیں گے۔ میں وہاں پر بیٹھی تھی کہ نیند کا غلبہ ہوا اور اس میں سو گئی۔ صفوان بن المعطل سلمی ذکوان لشکر سے پیچھے رہا کرتے تھے کیونکہ وہ مقرر تھے۔ کہ کوئی گری پڑی چیز یا وہاں پر چھوٹ گئی ہوئی چیز کو اس کے مالک تک پہنچائیں۔ جیسے کہ کوئی کپڑا و پیالہ وغیرہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صبح کا وقت ہوا تو صفوان کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس نے خیال کیا کہ شائد کوئی لشکری سویا ہوا یہاں رہ گیا ہے۔ پھر انہوں نے مجھ کو پہچان لیا۔ انہوں نے مجھ کو قبل از حجاب دیکھا ہوا تھا۔ لہٰذا پہچانتے ہی کہا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون صفوان کا یہ کہنا یہ اس وجہ سے تھا کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا صحراء میں پیچھے اکیلے رہ جانا ایک بڑی مصیبت اور بڑا واقع ہے کہ ان کو چھوڑ دیا گیا۔ یا اس واسطے کہ ان کی وجہ سے اہل اسلام کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور یا یہ استرجاع اس گمان کے تحت ہے کہ کسی آفت و ہلاکت میں پڑ جانے کا خدشہ ہے یا بعد میں رونما ہونے والے واقعات کے باعث۔

بعض کا خیال اس طرح ہے کہ صفوان کا گمان تھا شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وصال پا چکی ہیں اس وجہ سے انہوں نے استرجاع کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ صفوان نے استرجاع پڑھا تو میں جاگی۔ اور اپنے آپ کو میں نے ڈھانپا۔ خدا تعالیٰ کی قسم کہ صفوان نے ایک بات تک بھی مجھ سے نہ کی اور نہ ہی اس سے زیادہ ان کی زبان سے کچھ سنا۔ جو کہ انہوں نے استرجاع پڑھا تھا۔ ازاں بعد صفوان اپنا اونٹ لائے۔ اسے بٹھایا۔ اور اس پر اپنا پاؤں رکھا تاکہ سیدہ آسانی سے سوار ہو جائیں۔ اور سہارا دینے کی ضرورت نہ رہے میں اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اونٹ کی جانب گئی اور اس پر سوار ہو گئی۔ صفوان نے نکیل پکڑی اور روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم لشکر میں پہنچے اس وقت لوگ اترے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اچانک منزل گاہ میں منافقین کی طرف سے گزر ہوا عبداللہ ابن ابی اور اس کے موافقین اور متبعین منافق تھے۔ پھر ان اہل افک یعنی کذابوں نے اپنی زبانیں دراز کیں اور ہلاک ہو گئے جن کو ہلاک ہونا تھا۔ افک میں سب سے زیادہ بکواس کرنے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ وہ ہر جگہ اس واقعہ کا چرچا کرتا اور اشاعت کرتا پھرتا تھا۔ اور اپنی طرف سے عجیب عجیب مختلف باتیں ساتھ ملاتا اور اشتعال و تردد پیدا کرتا تھا۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ چند مسلمان بھی ان منافقوں کی باتوں میں آگئے اور وہ بھی ان کے ہم نوا ہو گئے حسان بن ثابت۔ مسطح بن اثاثہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے

حمنہ بنت جحش جو زینب بنت جحش ام المومنین کی ہمشیرہ تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ چند اور لوگ بھی اس چکر میں آگئے جن کے نام ذکر نہیں کئے گئے۔ اس حدیث کے راوی عروہ کہتے ہیں کہ ان کے نام میرے علم میں نہیں سوائے اس کے کہ وہ عصبہ تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔ **ان الذین جاء وا بالافک عصبة منکم** بے شک جن لوگوں نے افک میں حصہ لیا وہ تم میں سے عصبہ ہیں۔ عصبہ دس سے چالیس تک کی تعداد پر مشتمل گروہ کو کہا جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں مدینہ میں پہنچ کر بیمار پڑ گئی اور ایک ماہ تک بیماری رہی۔ اس دوران لوگ اہل افک کی باتوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اور عوام میں اچھی طرح یہ بات پھیل چکی تھی حالانکہ مجھے اس کا کوئی علم نہ ہوا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مزاج مبارک اس دوران اپنی بیماری کے بارے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور مجھے حیرت تھی کہ وجہ کیا ہے دوران علالت آنحضور کی طرف سے مجھ پر وہ لطف و مہربانی نہ تھی جو دیگر بیماریوں کے دوران ہوا کرتی تھی۔

۔ یارما بالما چنانکہ بود نماند ۔ من مہربان چنانکہ بود نماد

آپ کا عمل اس دوران صرف یہاں تک تھا کہ آپ گھر میں آتے تھے اور سنت متمرہ کے مطابق گھر والوں کو سلام کہتے تھے اور پوچھتے تھے کہ اس عورت کا حال کیسا ہے ایک روایت میں اس طرح ہے تمہاری بیماری کا حال کیا ہے اتنا پوچھ کر آپ واپس چلے جاتے تھے میرے پاس آکر تشریف نہ رکھتے تھے۔ آپ کی طرف سے اس عدم توجہ پر میرا دل ٹوٹ جاتا تھا۔ جبکہ اصل حقیقت میں نہ جانتی تھی۔ حتیٰ کہ بیماری کے باعث میں نہایت کمزور ہو گئی۔ ایک شب کو میں مسطح کی والدہ کے ہمراہ مناصع کی جانب گئی جہاں پر لوگ قضائے حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔

اس دور میں بیت الخلاء نہ ہوتے تھے اور لوگ قضائے حاجت کے لئے صحرا کی طرف جاتے تھے لہٰذا میں رات کے وقت ہی قضائے حاجت کے لئے جایا کرتی تھی۔ قضائے حاجت سے فارغ ہوئی۔ ام مسطح کے ہمراہ واپس آرہی تھی کہ اس کا پاؤں چادر میں الجھا۔ اس وقت اس نے کہا مسطح ہلاک ہو اور منہ کے بل گرے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم اس شخص کو برا بھلا کہہ رہی ہو جو اہل بدر سے ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے۔ وہ آدمی جو اول مہاجرین سے ہے۔ ام مسطح کہنے لگی۔ اے عائشہ اے بے سمجھ۔ کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ مسطح کیا کہتا ہے۔ اور کیا کچھ کہتا پھرتا ہے پھر اس نے اہل افک کی باتیں بتائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ ازاں بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ میرے سر میں ایک دھواں سا چڑھا۔ اور میں بے ہوش ہو گئی اور زمین پر گر گئی میں گھر واپس آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور پوچھا کہ تمہارے اس مریض کا حال کیسا ہے میں نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں اصل میں میں چاہتی تھی کہ اس خبر کے بارے میں اچھی طرح پتہ کروں۔ آپ نے اجازت عطا فرمائی۔ میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ اے اماں یہ کس طرح کی باتیں میں نے سنی ہیں۔ جو کہ لوگ کہتے پھرتے ہیں۔ میری والدہ نے کہا کہ اے بیٹی تم حوصلہ رکھو۔ یہ تمہاری بابت معاملہ درست ہو جائے گا۔ تم غم مت کرو۔ خدا تعالیٰ کی

قسم۔ کسی آدمی کے پاس اس طرح کی عورت کم ہی ہو گی۔ جو کہ خوبصورت' نیک سیرت' اور بزرگ اور مرتبہ والی ہو اور وہ اس کے ساتھ محبت کرتا ہو۔ اور وہ عورت اس مرد سے محبت رکھتی ہو اور اپنی جان اس پر قربان کرتی ہو۔ مگر یہ کہ لوگ قسم قسم کی باتیں اس پر لگائیں اور شرارتی لوگ ان پر عتاب آئیں۔ میں نے کہا کہ کیا یہ درست کہ لوگوں نے اس طرح کہا ہے۔ یہ درست ہے کہ لوگوں نے اس اس طرح کہا ہے اور یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے۔ اور کیا اس طرح کی افواہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی سنی ہیں اور کیا میرے باپ نے بھی یہ سب کچھ سنا ہے۔ اس کے بعد مجھ پر رونا آگیا اور ساری رات میں روتی رہی۔ حتیٰ کہ صبح ہوئی تو اس وقت بھی میری آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ میں نے آنکھوں کو سرمہ بھی نہ لگایا تھا اور ساری رات میں سوئی بھی نہ تھی۔ دن بھی سارا گزر گیا لیکن آنکھوں سے آنسو خشک نہ ہوئے تھے۔ نہ نیند ہی آئی۔ میرے والد دوسرے کمرے میں بیٹھے تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ میرے رونے کی آواز ان تک پہنچی تو وہ بھی روتے ہوئے نکلے اور مجھے آکر تسلی دینے لگے۔ اور فرمایا کہ عائشہ! تم مت روؤ۔ صبر کرو۔ اور دلفگار مت ہو۔ انتظار کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ارشاد ہوتا ہے۔

جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بارے میں پریشان ہوئے اور میری بگڑی ہوئی خستہ خراب حالت دیکھی۔ تو اکثر اوقات آپ اپنے گھر میں مضطرب بیٹھے رہتے تھے۔ اور اس ضمن میں نزول وحی میں خاصی تاخیر ہوئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ تاکہ ان سے پوچھیں اور میرے حال کے متعلق ان سے حقیقت کی وضاحت ہو۔ پس اسامہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کی پاکیزگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر دو جانب سے محبت و عنایت کے بارے میں جانتے تھے وہ سب کچھ بیان کیا حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کے اہل خانہ میں' میں صرف خیر و خوبی ہی دیکھتا ہوں (اس کے علاوہ کوئی بری بات کبھی میں نے نہیں دیکھی) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے لئے خدا تعالیٰ نے مردوں کو محدود نہیں کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی بہت سی عورتیں ہیں آپ بریرہ سے پوچھیں جو لونڈی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمتگار ہیں۔ تاکہ وہ ٹھیک ٹھیک حالات آپ کی خدمت میں عرض کرے یعنی احوال عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو درست بتائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور پوچھا اے بریرہ کیا تم نے عائشہ کا کوئی فعل ایسا دیکھا ہے۔ جو تم کو شک میں ڈالنے والا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بریرہ نے عرض کیا۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں نے عائشہ سے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ وہ چھوٹی عمر کی ابھی بچی ہے غافل ہے کہ سو جاتی ہے اور بکری آتی ہے تو گوندھا ہوا آٹا یا خمیر کھا جاتی ہے اور چلی جاتی ہے جو کچھ صحیح البخاری میں مذکور ہے یہی کچھ ہے اور حضرت علی اسامہ اور بریرہ سے احوال دریافت کئے۔ انہوں نے اس طرح جوابات عرض کئے۔

لیکن بعض علماء سیر نے حضرت عمر بن خطاب اور عثمان رضی اللہ عنہما کا قصہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مشاورت فرمائی اور انہوں نے بھی اپنا اپنا جواب عرض کیا اور وہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی موافقت میں کلام عرض کیا۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے جسم اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے۔ اس لئے کہ مکھی نجاسات پر بیٹھتی ہے۔ اور اس کے پاؤں وہاں سے آلود ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن پاک کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نجاست آلود دیگر چیزوں سے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نگہداشت میں نہ رکھے۔ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ حضور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ نجس زمین پر پڑے۔ اور جب حق تعالیٰ آپ کے سایہ شریف کی اس قدر حفاظت فرماتا ہے۔ تو کیوں نہ آپ کے حرم محترم کی بھی ناشائستہ افعال سے صیانت و حفاظت کرتا ہوگا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی عنہ نے عرض کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ روا نہیں رکھتے کہ ملوث نعلین دوران نماز آپ کے پاؤں مبارک میں ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر کردی کہ ان کو اتار دو اپنے پاؤں مبارک سے۔ اور اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات واقعہ درست ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی آپ کو آگاہ فرماتا۔ آپ خاطر جمع رکھیں ہو سکتا ہے آپ کو حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ آگاہ فرمادے۔ جب آنحضرت نے یہ باتیں سنیں تو مسجد میں تشریف لائے۔ اور خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ کون ہے جو میری مدد کرے اور اس آدمی سے بدلہ لے جس نے مجھے میرے اہل بیت سے متعلق سخت ایذادی ہے آپ کی مراد عبداللہ بن ابی سے تھی۔

خدا کی قسم میں نے اپنے اہل خانہ میں سوائے نیک امر کے اور کچھ نہیں پایا۔ اور تحقیق اس مرد کا نام و ذکر میرے سامنے کیا گیا ہے جس سے ہمیشہ میں نے نیکی اور خوش افعالی ملاحظہ کی ہے۔ یعنی صفوان بن المعطل۔ ان کو منافقوں نے اس فعل شنیع کا الزام لگایا تھا اور صفوان نیک آدمی تھے۔ فاضل اور عابد تھے۔ وہ ہرگز ایسے الزام کے لائق نہ تھے اور کوئی ادنیٰ عقل کا آدمی بھی ایسے تہمت ان پر نہ لگاتا تھا۔ اور کونسا فہم و وہم ایسی گنجائش رکھتا ہے سوائے منافق کے جو کہ نہایت شدید قسم کا منافق۔ حاسد اور شیطان تھا۔ یعنی عبداللہ بن ابی منافق اور ایسی بات کا ہونا عبداللہ منافق اور حمنہ کی طرف اتنا حیران کن نہیں ہے جتنا تعجب خیز یہ حضرت حسان اور مسطح رضی اللہ عنہما کی طرف سے ہے جو اس بلاء اور خبط آوز جنون میں مبتلا ہو گئے۔ القصہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس منافق کی تہدید و توبیخ کی۔ اور وہ قبیلہ خزرج سے تھا۔ پس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس سے تھے اٹھے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کا ساتھ دیتا ہوں اور اس سے انتقال لیتا ہوں۔ اگر وہ قبیلہ اوس سے ہے تو میں اس کی گردن کاٹ دیتا ہوں۔ اور اگر وہ میرے بھائیوں یعنی قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ مجھے حکم ارشاد فرمائیں تاکہ میں اسے بجالاؤں۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ خزرج کے پیشوا تھے اٹھے اور سعد بن معاذ سے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے۔ پس اسید بن حضیر جو ہو آور منافقوں کی طرف سے باتیں کرتے ہو اور منافقوں کی طرح زبان مجاولہ استعمال کرتے ہو۔ پس سعد بن معاذ کے چچا کے بیٹے تھے اٹھے اور سعد بن عبادہ سے کہنے لگے کہ تم نے جھوٹ کہا ہے۔ تم منافق اوسیوں اور خزرجیوں کے درمیان لڑائی واقع ہو گئی اور پرانی قبائلی

عصبیت کی رگ حرکت میں آگئی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اس سے باز رکھا اور ان کو ساکن کر دیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے باپ کے گھر میں تھی اور یہ سب باتیں مجھ تک پہنچتی تھیں میں گریہ کرتی تھی اور روتی تھی۔ اور بڑی کمزور دکھائی دیتی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ رونا دھونا میرا جگر پھاڑ دے گا۔ دو راتیں اور ایک دن اسی کیفیت میں گزر گیا کہ میرا کام مسلسل رونا اور بے خوابی میں رہنا تھا اور میری والدہ اور والد دونوں میرے پاس ہوتے تھے۔ اور میں روتی تھی اور میرے رونے کے باعث وہ بھی رو پڑتے تھے۔

انصار کی ایک عورت تھی جو میرے ساتھ دوستی رکھتی تھی۔ وہ بھی میرے پاس آئی اور رونے لگی اسی حال میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اندر آگئے آپ نے سلام کہا اور بیٹھ گئے اور وہ میرے نزدیک اس گفت و شنید کے بعد ہرگز نہ بیٹھے تھے۔ اور ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اور میرے بارے میں آنحضرت پر اس دوران کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ پس آپ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے۔ والدہ نے کہا کہ تپ لرزہ سے بیمار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب بیٹھے تو آپ نے تشہید پڑھا اور پھر فرمایا اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے اس طرح کی باتیں پہنچی ہیں۔ پس اگر تو ان سے بری اور پاک ہے تو نزدیک ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری پاکیزگی کا اعلان کرے۔ اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے اور تم سے کوئی چیز صادر ہوئی ہے تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگو اور توبہ کرو اور خدا تعالیٰ کی جانب رجوع کرو۔ تحقیق جب بندہ اعتراف گناہ کرتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتا ہے۔ پس جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا مقالہ مکمل کر لیا۔ تو میرے آنسو رک گئے۔ اور میری آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ رہا یہ اس وجہ سے کہ خوش تھی کہ اس سے مجھے بشارت ملی۔ اور یا بوجہ حدوث غضب کے باعث جو راہ پا چکا تھا۔ واللہ اعلم۔ **بحقیقته الحال**۔ اور میں نے اپنے والد سے عرض کیا۔ کہ میری طرف سے رسول خدا کو جواب دیجئے۔ والد نے کہا کہ قسم خدا کی میں سوچ نہیں پاتا کہ رسول خدا سے کیا کہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ رسول خدا کو میری طرف سے جواب دیں۔ والدہ نے بھی کہا کہ میں نہیں جانتی کہ رسول خدا سے کیا کہوں۔ پس میں نے عرض کیا کہ میں ابھی چھوٹی عمر کی لڑکی ہوں۔ اور قرآن سے بھی زیادہ علم ابھی نہیں پڑھا۔ خدا تعالیٰ کی قسم۔ بہرحال جو کچھ آپ نے سنا ہے اور جو آپ کے دلوں میں قرار پا چکا ہے اور تم نے اس کی تصدیق کی ہے پس اگر میں کہوں کہ میں پاک اور منزہ ہوں۔ تو آپ میری تصدیق نہ کریں گے اور میری بات پر اعتبار نہ کریں گے۔ اور اگر میں اس بات کا اعتراف کروں جس سے خدا جانتا ہے کہ میں بالکل پاک ہوں تو آپ تصدیق کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قسم۔ میں خود کو آپ کو مثل پدر یوسف پاتی ہوں کہ انہوں نے کہا تھا۔ **فصبر جمیل واللہ المستعین علی ماتصفون** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حزن و غم کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کا نام میری زبان پر نہ آسکا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے کہا مگر یوسف کے لئے جنہوں نے کہا تھا۔ **فصبر جمیل** اس جگہ نہایت حزن و اضطراب سے کہ یوسف کا باپ بھی نہ کہا اور بعض نسخوں میں آیا ہے کہ کہا مگر پدر یعقوب کو لیکن بخاری کی بعض روایات میں یعقوب کا نام بھی آیا ہے اور یہ زیادہ درست ہے۔ اور شاید کہ راوی نے خود درست کر کے روایت کی ہو۔ واللہ اعلم **بحقیقته الحال** علی

وجہ الکمال۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور اپنا منہ پھیرلیا اور تکیہ کرلیا خدا جانتا ہے کہ میں پاک ہوں اور میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالٰی نے مجھے پاک گردانا ہے اور میری پاکیزگی کی وہ خبر دینے والا ہے۔ لیکن خدا کی قسم۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میری شان میں وحی نازل ہوگی جو پڑھی جاتی رہے گی۔ اور میرے خیال میں میری شان اس سے زیادہ حقیر ہے کہ میرے حق میں کسی بات سے متعلق اللہ تعالٰی کلام فرمائے۔ لیکن امید رکھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب دکھلایا جائے گا۔ جس میں مجھے پاک دکھلایا جائے گا پس خدا تعالٰی کی قسم کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجلس شریف سے اٹھے بھی نہ تھے اور اہل خانہ سے کوئی بھی باہر نہ گیا تھا کہ وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نزول وحی کی حالت طاری ہوگئی شدت کے ساتھ یہاں تک کہ پسینہ مبارک کے قطرے مرواوید کے چھوٹے چھوٹے موتیوں کی طرح گرنے لگے یہ اس قول کی گرانی کے باعث تھے جو کہ آپ پر بھیجا جا رہا تھا۔ پس آنحضرت پر سے وہ حالت کشادہ ہوئی اور حال یہ تھا کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ پس سب سے پہلی بات جو آنحضرت نے فرمائی وہ یہ تھی کہ اے عائشہ! تم کو اللہ تعالٰی بری کرتا ہے اور پاک گردانتا ہے۔ اور اس تہمت سے تمہاری پاکیزگی کی اللہ تعالٰی نے گواہی دی ہے۔ اور تمہاری شان میں قرآن نازل فرمایا ہے پس میری والدہ نے مجھ سے کہا اٹھو اور آنحضرت کی طرف چلی جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں ان کی طرف نہ جاؤں گی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فرمایا کہ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! پیغمبر خدا کا شکریہ ادا کرو میں نے کہا کہ میں صرف خدا تعالٰی کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھے پاک گردانا ہے اور جس نے میرے حق میں قرآن نازل فرمایا۔ اور یہ مستی حال تھی جو عائشہ رضی اللہ عنہا پر غالب آگئی تھی۔ ورنہ یہ ان کو پاک گردانا جانا اور ان کے حق میں قرآن کا نزول ہونا یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ و طفیل ہی تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا شکر وساطت ادا کرنا ان پر (یعنی ہماری ماں عائشہ رضی اللہ عنہ) پر واجب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا ناز میں آگئیں۔ لیکن یہ ناز ایسا تھا کہ جس میں صد نیاز تھا۔

شکر ایزد کہ میان من واؤ صلح افتاد
حوریاں رقص کناں ساغر و پیمانہ زوند

الحمد للّٰہ جھوٹوں اور منافقوں کے منہ کالے ہوئے۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ آیات تلاوت فرمائیں جو کہ اس وقت نازل ہوئی تھیں اور فرمایا۔

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ ان الذین جاؤ بالافک عصبة لاتحسبوہ شرلکم بل ھو خیر لکم

بلاشبہ جن لوگوں نے بہتان باندھا۔ تم میں سے وہ عصبہ ہیں۔ اس کو تم اپنے لئے برا مت خیال کرو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

ازاں بعد آپ نے دس آیات سورۃ نور کی تلاوت فرمائیں اور ازاں بعد آپ خوش خوش مسجد میں آگئے۔ صحابہ کو جمع

فرمایا۔ اور خطبہ ارشاد فرمایا اور جو آیات نازل ہوئی تھیں صحابہ کو سنائیں۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ آیات پڑھ چکے جو سیدہ عائشہ صدیقہ کی برات میں نازل ہوئی تھیں تو جن لوگوں نے یہ تہمت لگائی تھی ان کو بلایا اور ان پر قذف کی حد جاری فرمائی گئی۔ ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے گئے یہ چار شخص تھے حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اور عبداللہ بن ابی کچھ روایات میں عبداللہ بن ابی پر حد جاری ہونے کا تذکرہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے میرے بارے میں پوچھا کہ تم اس کو کیسی جانتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے کان اور آنکھیں ان کے بارے میں کچھ سننے سے محفوظ رکھتی ہوں جبکہ میں سنا کچھ نہ ہو اور دیکھوں جبکہ میں نے کچھ دیکھا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی قسم میں ان کے متعلق سوائے خیر و خوبی کے کچھ نہیں جانتی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ازواج مطہرات سے یہ زینب وہی ہیں جو مجھ سے برابری کیا کرتی تھیں اور آنحضرت کی خدمت میں میرے حسن و جمال اور میری قدر و منزلت کے مشابہ اپنے آپ کو بتاتی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ان کو حفاظت میں رکھا۔ اور انہوں نے نہ حسد کیا اور نہ ہی کوئی بری بات منہ سے نکالی۔ لیکن ان کی بہن حمنہ ان سے لڑتی جھگڑتی تھیں کہ وہ میرے متعلق کیوں کچھ نہیں کہتیں۔ پس وہ ہلاکت میں گر گئی اور ہلاکت میں پڑنے والوں میں شریک ہوئی۔ حدیث کے راوی عروہ کا بیان ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس آدمی کے بارے میں اس طرح کی بری باتیں کی گئیں یعنی حضرت صفوان بن المعطل وہ فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں نے کسی بھی عورت کا پردہ نہیں اٹھایا۔ مراد یہ کہ میں نے کسی عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا۔ امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ صفوان نامرد تھے اور ان کا عضو تناسل ناکارہ ہو چکا ہوا تھا جو ایک دھاگے یا کپڑے کی لیر کے مانند تھا۔

عروہ سے مروی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا کہتے تھے۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ کے روبرو میں نے بھی حضرت حسان کی مذمت کی تھی۔ تو سیدہ عائشہ نے فرمایا کہ اس کو برا مت کہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی نعت خوانی میں مشرکین کی ہجو اور مذمت کرتا ہے اور مخاصمت اور مفاخرت کرتا ہے۔

یہ بندہ مسکین عفا اللہ عنہ (شیخ عبدالحق) عرض کرتا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ پر حیرت آتی ہے کہ ان کے متعلق آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔ **ان اللہ یوید حسانا بروح القدس ما دام ینا فح عن رسول اللہ** بے شک اللہ تعالیٰ حسان کی تائید فرماتا ہے روح القدس سے جب تک وہ رسول اللہ کی جانب سے منافحت اور مخاصمت کرتا ہے اس کے باوجود وہ اس نہایت پرخطر بھنور میں الجھ گئے اور نفس و حرص اور شیطان کے جھانسے میں آگئے اور حدیث پاک میں ان کے روح القدس سے تائید پانے کے لئے منافحت کی حالت کی شرط رکھی گئی ہے۔ ان کے تمام احوال میں تائید شامل نہیں۔ پس ظاہر یہی ہے کہ فطرت شاعری نے ان کو اس شناعت اور معصیت میں پھنسا دیا تھا۔ **نعوذ باللہ من ذالک**

مولفین سیرت بیان کرتے ہیں کہ ازاں بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف کرنا شروع کردی تھی۔ اس لئے کہ سابقہ غلط بیانیوں کی تلافی ہو۔ لیکن ایسے قصور کی تلافی کیسے ممکن ہے۔ جو حد سے بڑا ہوا ہو۔ ہاں توبہ اور شرمندگی ہو سکتی ہے۔

حضرت سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے راویوں میں حضرت مسروق بھی ہیں جو اکابر تابعین میں شمار ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تعریف و ستائش میں حضرت حسان کے بہت سے اشعار ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ جس کا مضمون یوں ہے۔ سیدہ عائشہ عفیفہ۔ پاک دامن منزہ پاک دامن ہیں اور عقل و شعور میں ان کو کسی شک و شبہ سے متہم کیا جانا ناممکن ہے وہ بھوکی ہوتی ہیں کہ صبح ہو جاتی ہے ایسی عورتوں کے گوشت سے جو غفلت میں ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کسی کی چغلی نہ کھانی چاہیے کیونکہ قرآن سے وضاحت ہے کہ غیبت کرنا مسلمان بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **ایحب احدکم ان یاکل لحم آخیہ میت** اس پر (ہماری ماں) سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ **لکنک لست کذالک** لیکن اے حسان! تم غیبت کرنے والے کی طرح نہیں ہو۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح کی غیبت کے مرتکب تم ہوئے ایسی غیبت کبھی نہیں ہوگی۔ مسروق کا کہنا ہے کہ میں نے اس پر حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ پھر حسان رضی اللہ عنہ کو اپنی بارگاہ میں آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا۔ **والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم** تو حضرت سیدہ صدیقہ عائشہ نے فرمایا۔ نابینا ہونے سے زیادہ بڑا عذاب کیا ہوگا اور اس واقعہ کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ اندھے ہو چکے تھے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے حق کی پہچان نہ کی۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منافحت اور مہاجات کیا کرتے تھے۔ (**سبحان اللہ وبحمدہ**) اے عائشہ صدیقہ سیدہ رضی اللہ عنہا آپ کتنی بڑی حق شناس اور خوش خلق ہیں۔

جہاں تک مسطح بن اثاثہ کے بارے میں ہے یہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ ابھی یہ چھوٹے تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی قرابت اور محتاجی کے باعث ان کو پالا تھا۔ حضرت صدیق ان کی غمخواری فرماتے تھے اور کھانے پہننے کی ضروریات کی کفالت کرتے تھے جب مسطح نے افک کے قضیہ میں عبداللہ بن ابی کی تائید کی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بحکم شریعت یہ قسم کھائی کہ کبھی مسطح کے لئے آئندہ خرچ نہ کروں گا۔ اس پر یہ آیت پاک آنحضرت پر نازل ہوئی۔

ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ

تم میں سے دین میں فضیلت کے حامل اور مال میں وسعت کے مالک قسم نہ اٹھایا کریں کہ ان یوتوا اولی القربٰی یعنی اپنے اقربا کو خرچہ نہ دیں گے۔

اس سے یہ مراد ہے کہ یہ قسم نہ اٹھائیں کہ ہم اپنے قریبی مسکینوں اور محتاجوں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہجرت پزیر ہونے والوں کو خرچہ نہیں دیں گے اور حضرت مسطح بھی قریبی ہے اور مسکین و مہاجر تھے۔ **والیصفحوا** یعنی در گزر کرو۔ اور اس کے کئے ہوئے جرم کو نظرانداز کرو۔ **واللہ غفور رحیم** باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں سے انتقال لینے پر قدرت رکھتا ہے پھر بھی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پس اخلاق ایسے کو تم بھی اپناؤ اس میں کمل ایمان ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ہی حق ہے لہٰذا ہم یہی اپنائیں گے جس کو ہمارا رب تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ پس مسطح کا مقررہ روزینہ ان پر بدستور جاری رکھا۔ اور فرمایا میں اس پر سے اس کو کبھی بند نہ کروں گا۔

بڑے بڑے مشائخ کا بیان ہے کہ دنیا اور آخرت کی محبت کے لحاظ سے لوگوں کی چار اقسام ہیں۔ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں کہ وہ ابتداء سے لوگوں کو ایذاء دیتے ہیں خواہ ان کو کوئی ایذا بھی نہ دے۔ یہ ذلیل ترین اور ادنیٰ ترین ہیں۔ اور اعتبار کے دائرہ سے خارج ہیں۔ دوسری قسم کو وہ لوگ ہیں۔ جو ایذاء کا بدلہ ایذاو وازار سے لیتے ہیں اور حسب حکم شریعت اس کی سزا دیتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ تیسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور انتقام نہیں لیتے ہیں اور حسب حکم شریعت اس کی سزا دیتے ہیں۔ یہ خواص مسلمان ہیں چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو برائی کے بدلے میں نیکی کرتے ہیں اور ظلم کے مقابلے میں ایثار و وفا سے کام لیتے ہیں۔ یہ مقام صدیقین کا ہے اور یہ اخص و خواص ہیں اس آیت مذکورہ میں تربیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقصود ہے تاکہ وہ صدیقیت کے مقام پر متمیم رہیں۔ اور کمل کے دائرہ سے باہر نہ ہوں۔ اس تنبیہہ کے علاوہ بھی یہ بات ہوتی ہے کہ اگر اچھی صفات والا مرد ذمائم اور شنائع میں مبتلا ہو گیا ہے تو بھی وہ رحم اور مہربانی کے لائق ہے۔ مراد یہ کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے بدری ہونے نے ان کے لئے شفاعت کا کام دیا اور اللہ تعالیٰ ان کا مدد گار ہوا۔ **ان اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم** بے شک بدر والوں کو اللہ تعالیٰ اطلاع دیتا ہے کہ تم جیسے چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (سبحان اللہ) یہی وجہ ہے کہ (ہماری ماں) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسطح کی ماں کو منع کیا تھا کہ وہ مسطح کو برا بھلا نہ کہے۔ فرمایا تم اس کو برا کہتی ہو جو بدر میں حاضر تھا اور وہ اولین مہاجرین سے ہے کہ پس مسطح کو ان مغمومات کلیہ میں شامل کرتے ہیں اور ان پر مہربانی و شفقت کرتے ہیں۔ اور اس آیت پاک سے اہل سنت و جماعت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ جس طرح کہ حکیم ثنائی نے یہ کہا ہے:

بود چنداں کرامت و فضلش
کہ او بوالفضل خوانند ذوالفضلش

اور ہم اگر فضل سے مراد مال و منال کی فراوانی لیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **ویضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ** اور ان معانی میں اکثر جگہ پر قرآن میں لفظ فضل استعمال ہوا ہے۔ اس کا قول واللہ مستدرک قرار پائے گا جیسے کہ مخفی نہ ہے۔

دفعیہ شبہات:۔ تنبیہہ:۔ لوگوں نے اس طرح سمجھا ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بڑی سہل انگاری دکھائی۔ (واللہ اعلم)۔ لیکن کچھ کتب سیرت میں آیا ہے کہ جس طرح عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم سے مکھی اور سایہ کی مثالوں سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تسکین خاطر حاصل کی۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نعلین مبارک کا قصہ نقل کیا ہے گو قصہ کے آغاز پر حضرت علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا تھا تو حضرت علی نے عرض کیا تھا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تنگی نہیں فرمائی اور ان کے علاوہ بھی بہت سی عورتیں ہیں۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تنگی۔ حرج اور حیرانی و پریشانی محسوس کرتے ہیں تو حضرت علی نے اس غم و اندوہ کو دور کرنے کے لئے وہ راہ اختیار فرمائی۔ ان کا یہ طریقہ محبت و اخوت اور خیر خواہی کے اعتبار سے ہو گا۔ یہ بالکل عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جو محبت و خیر خواہی رکھتے تھے وہ حضرت علی کو عائشہ صدیقہ سے تو بہر حال نہ تھی۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رعایت سے ایسی بات کہی ہو گی۔

اس مقام پر پھر بھی تعجب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (ہماری ماں) کو آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جس قدر محبت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو مد نظر نہ رکھا۔ **لا و اللّٰہ** فرمایا جس طرح کہ عربوں کا طریق گفتگو ہے اور کہا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا (باندی) سے پوچھ لیں۔ وہ شب و روز عائشہ کی خدمت کرتی ہیں۔ وہ ان کے ٹھیک ٹھیک احوال سے باخبر ہوں گی۔ اور جب آنحضرت نے مشورہ لینے کی نیت فرمائی تو سب صحابہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی خیر و خوبی پر ہی اتفاق کیا۔ اس مقام پر بہت سے اخبار و احادیث ہیں لیکن جو کچھ صحاح ستہ میں ہے۔ میں نے صرف وہ نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے علاوہ ہم پر کچھ لازم نہیں آتا۔ **والعہدۃ علی الراوی** تمام تر ذمہ داری راوی پر ہے۔ ہم مودت خلوص اور محبت کی رو سے دونوں جانب اپنی نسبت رکھتے ہوئے صفائے قلب سے موصوف ہیں۔ (واللہ الحمد)

صحیح بخاری میں زہری سے روایت ہے اور زہری کی روایت اس باب میں اصل ہے اور کتاب "صغیر" کی اتباع کرتے ہیں اور وہ سیدہ عائشہ سے اکابر تابعین میں ہیں تمام احادیث کو اکٹھا کر کے ایک لمبی حدیث روایت کی ہے۔ جو مذکور ہوئی ہے۔ ایک اور حدیث بھی ہے اس کے راوی بھی زہری ہیں کہتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے دریافت کیا کہ آیا تمہیں کوئی ایسی روایت ملی ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ حضرت رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل ہیں۔ جنہوں نے سیدہ صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی تھی۔ میں نے کہا ایسی کوئی روایات نہیں پہنچی۔ اور وہ ان لوگوں سے نہیں ہیں۔ لیکن تمہاری قوم یعنی قریش سے دو آدمیوں نے مجھے خبر دی ہے ایک ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور دوسرے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام ہیں۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن مشہور تابعی ہیں اور ائمہ اور علماء سے ہیں اور وہ مدینہ شریف فقہا سبعہ سے ہیں اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بھی علماء و فقہا میں سے ہیں زہری نے کہا ہے کہ ان دونوں نے مجھے بتایا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہم دونوں سے فریاد کی تھی۔ کہ علی میرے بارے میں خاموش رہے۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ بخاری کے

راویوں سے ہیں انہوں نے لفظ مسلم فتح لام سے روایت کیا ہے۔ اس کے معنی سلامت سے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس معاملہ میں غور کرے اور اس میں پڑھنے سے اپنے آپ کو بچائے۔ بخاری کی ایک اور روایت ہے اس میں اس قدر الفاظ مزید آئے ہیں۔ **فراجعوہ فلم یرجع** ازاں بعد لوگ اس مسئلہ میں ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے ایک حرف سے رجوع نہ کیا۔ یعنی سوائے لفظ مسلم کے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ روایت میں اس طرح ہی لفظ مسلم آیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زہری کی مراد اپنی روایت کی تقویت و تائید تھی۔ یا کچھ ان روایات سے احتراز ہے جن میں "مسلما" کی بجائے مسینا آیا ہے۔ واللہ اعلم **بحقیقتہ الحال۔**

اس مقام کے بارے میں بخاری شریف میں ہی ایک حدیث موجود ہے۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جسم مبارک بوجھل ہوا اور درد اور تکلیف میں شدت آ گئی۔ تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت چاہی کہ باریاں موقوف کر دیں۔ تاکہ آپ میری گھر میں تیمارداری کرائیں۔ پس جملہ ازواج مطہرات نے اجازت دے دی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شانہ مبارک سے مسجد شریف میں ہر روز اس طرح تشریف لے جاتے تھے کہ آپ دو شخصوں کے درمیان سہارا لیتے تھے اور ان دونوں پر اپنا بوجھ ڈالے ہوئے تھے۔ اور آنجناب کے دونوں پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اس کی وجہ انتہائی کمزوری اور نقاہت تھی۔ وہ دو شخص ایک تو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہوتے تھے اور دوسرے آپ حضور کے اہل بیت سے ہوتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عبید اللہ بن عبد اللہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے سیدہ صدیقہ عائشہ سے سنا وہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا تو ابن عباس نے مجھے فرمایا۔ کہ سیدہ عائشہ نے جس دوسرے شخص کا نام نہیں لیا کیا تم جانتے ہو وہ کون تھا۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ اب سیدہ عائشہ کے حضرت علی کا نام نہ لینے میں شارحین حدیث میں اختلاف ہے۔ بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ اس نزاع کے باعث ہے جو ان کے درمیان تھے۔ اس وجہ سے علی کا انہوں نے نام نہ لیا۔ حالانکہ حق و صواب اس طرح سے ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حضرت علی کا نام نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ ایک جانب تو تعین ہو چکا تھا کہ عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب متعین نہ تھا۔ کسی وقت کوئی ہوتا تھا اور کبھی کوئی کبھی حضرت علی ہوتے تھے۔ کبھی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ہوتے تھے اور کبھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہوتے تھے اور یہ تمام لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت سے تھے۔ لہذا سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام متعین و شخص نہ کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

غزوہ خندق

ہجرت کے بعد پانچوں سال کے واقعات میں سے غزوہ خندق کا واقعہ بھی ہے اس کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے غزوہ

خندق کہا جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مدینہ شریف کے گرد خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جیسا آئندہ مذکورہ ہو گا۔ قاموس میں ہے۔ خندق کندہ کا معرب ہے اور اسے غزوہ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ دشمنی و عداوت کی وجہ سے قریش کے ساتھ یہودیوں کے کئی قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے تھے اور یہ سب گروہ اکٹھے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔

خندق کھودنا عربوں کا معمول نہ تھا۔ اس طرف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا۔ انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ جب فارس میں جب دشمن گھیرا ڈالیں تو (ان کو روکنے کے لئے) خندق کھودی جاتی ہے آنحضرت نے سلمان کی رائے قبول کی اور سلع کی طرف خندق کھودنے کا حکم جاری فرمایا۔ اور اس عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم خود بھی شریک کار ہوئے حالانکہ یہ حالت تھی کہ بھوک کے باعث شکم مبارک پر آپ نے پتھر باندھے ہوئے تھے جس طرح کہ آپ کا معمول تھا۔ اس بات کا ذکر طعام کا تذکرہ میں حضور کی عادت مبارک کے باب میں مذکور ہو چکی ہے۔ اس کی بنا پر صحابہ میں بھی اشتیاق و ذوق پیدا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کے آغاز میں اس کے بارے میں آیات نازل کی ہیں۔ ارباب سیر میں اس غزوہ کے واقع ہونے کی تاریخ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کے مطابق یہ غزوہ سال چہارم ہجری ماہ شوال میں واقع ہوا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں پانچ ہجری میں ہوا۔ دوسرے اہل مغازی بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ جبکہ بخاری موسیٰ بن عقبہ کے قول کی طرف ہیں اور ان کا استدلال ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں احد کے دن عرض کیا تھا کہ آنحضور غزوہ احد میں شمولیت کی اجازت فرمائیں۔ اس وقت یہ چودہ برس کے تھے۔ تو آپ نے ان کو جہاد کی اجازت نہ دی تھی۔

غزوہ خندق کے دن ان کو آنحضور نے اجازت فرما دی تھی۔ کیونکہ ان کی عمر پندرہ سال ہو گئی تھی پس یہ معلوم ہو گیا کہ غزوہ احد اور خندق کے درمیان ایک سال سے زیادہ فرق نہیں تھا اور غزوہ احد تیسرے سال ہجرت میں ہوا۔ لہٰذا خندق کی جنگ چوتھے سال میں ہوئی۔ یہ دلیل ان کی پوری نہیں اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ غزوہ خندق سال پنجم میں ہوا تھا۔ یہ بھی امکان ہے کہ جب غزوہ احد ہوا ابن عمر رضی اللہ عنہ ابھی چودھویں سال میں داخل ہی ہوئے ہوں اور احزاب کے وقت پندرہ سال مکمل ہو چکے ہوں۔ یہی جواب امام بیہقی نے دیا ہے اور شیخ ولی دین اعراقی کا قول ہے کہ مشہور یہی ہے کہ غزوہ خندق چوتھے سال میں واقع ہوا۔ یہاں ہم نے روضتہ الاحباب کے طریقے پر سنوات قائم رکھے ہیں اور انہوں نے لکھا ہے کہ پانچواں سال تھا۔ پس ہم نے بھی پانچواں ہی لکھا ہے۔

یہ غزوہ اس طرح واقع ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کو جلاوطن کرایا تھا۔ اور وہ منتشر ہو کر متعدد شہروں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان میں سے جو خیبر جا کر آباد ہوئے وہ مکہ آئے اور قریش سے گفتگو کی کہ ہم صرف اس غرض سے آئے ہیں کہ تمہارے ساتھ ہم عہد کریں کہ ہم مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عداوت و مخالفت رکھیں گے اور ان کی طاقت کو توڑیں گے۔ ابو سفیان کہنے لگے۔ **مرحبا بکم واھلا** اس سے زیادہ اچھی

اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے خلاف عداوت و دشمنی میں ہمیں مدد دی جائے۔ پھر وہ کعبہ کے پردے کے پاس آئے اور آپس میں عہد و پیمان کیا۔ ابو سفیان نے کہا اے گروہ یہود! تم اہل کتاب سے ہو اور علماء اور احبار سے تم بتاؤ کہ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا۔ ہم خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے ہیں ہم بڑی بڑی کوہانوں والے اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں۔ اور بیت اللہ کے جو حاجی آتے ہیں ان کو کھانا پانی اور دودھ مہیا کرتے ہیں۔ ہم بتوں کو پوجا کرتے ہیں۔ جو کہ ہمارے باپ دادوں سے رسم ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے اور نئی باتیں ظاہر کی ہیں۔ تم بتاؤ کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں یا کہ وہ؟ یہود دین و دنیا دونوں کو بیچ دینے والے ہیں انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلہ میں تم راہ راست پر ہو۔ اس موقع پر اس آیت کا نزول ہوا۔

الم تر الی الذین اتوا نصیبا من الکتاب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھولاء اھدی من الذین امنوا سبیلا اولئک الذین لعنھم اللہ و من یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا وکفی بجھنم سعیرا

اے میرے حبیب! کیا تم نے نہیں دیکھا ان کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا۔ وہ بتوں پر ایمان لائے اور شیطان پر اور کفر کرنے والوں سے کہنے لگے۔ کہ یہ راستہ ایمانداروں کے راستہ سے زیادہ سیدھا ہے۔ یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جن پر اللہ لعنت کرے ان کا کوئی مددگار نہ ہے۔

مکہ کے قریش کے ساتھ یہودیوں کا عہد و پیمان ہو گیا اور قول و قرار ہو گئے اور یہودی ان کے ساتھ مل گئے تو مکہ سے یہودی نکلے اور بنو غطفان کی جانب روانہ ہو گئے۔ بنو غطفان قیس کا قبیلہ ہے۔ اس کو بھی اپنے ساتھ عداوت نبوی میں تیار کر لیا اور یہ مہر بھی کیا کہ خیبر کی ایک سال کی کھجوریں ان کو دی جائیں گی۔ بعد ازاں مکہ سے قریش کی فوج نکلی۔ ابو سفیان ان کا امیر تھا۔ اس کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ یہ لشکر مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ ان کے ساتھ دیگر عربی قبیلے اسلم۔ اشجع' ابو مرہ' کنانہ' فرازہ اور غطفان بھی مرالظہران کے مقام پر آملے۔ سب کی مل کر تعداد دس ہزار ہو گئی اہل اسلام کے لشکر کی تعداد ان کے مقابلے میں صرف تین ہزار تھی۔ اسلامی لشکر کے پاس چھتیس گھوڑے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ اسے غزوہ احزاب کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ سلم کے دربار نبوت میں یہ خبر پہنچی تو آپ نے مہاجرین و انصار کو طلب فرمایا اور ان سے غزوہ کے متعلق مشاورت فرمائی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جن مقامات پر خندقوں کی ضرورت تھی آپ وہاں پر تشریف لے گئے سلع پہاڑ کی طرف مشرق کی طرف کھلے میدان میں خندق کھودنا شروع کیا گیا کیونکہ مدینہ منورہ کے بعض پہلو عمارتوں اور بازاروں سے مسدود تھے۔ اور لشکر اسلام سلع پہاڑ کے ساتھ مقیم ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر سرخ رنگ کا چمڑے کا خیمہ لگایا گیا۔ پہلے خندقوں کے لئے نشانات لگا دیئے گئے ہر دس آدمیوں کے واسطے چالیس گز زمین تقسیم کی گئی۔ اور دیگر ایک روایت کے مطابق ہر دس

آدمیوں کو دس گز کھودنے کو کہا گیا۔ جناب سلمان فارسی اکیلے ہی دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ کتب سیر میں ہے کہ ہر روز پانچ گز کھود لیتے تھے۔ اور اس کی گہرائی بھی پانچ گز ہی ہوتی تھی۔ سلمان رضی اللہ عنہ کے متعلق مہاجرین و انصار آپس میں جھگڑنے لگے۔ ہر فریق چاہتا تھا کہ سلمان ہمارے ساتھ مل کر کام کرے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔ **سلمان من الاهل البیت** سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ قیس بن صعصعہ ایک آدمی بد نظر میں بڑا مشہور تھا۔ لوگوں کو اس کی بری نظر لگ جاتی تھی۔ اس نے سلمان رضی اللہ عنہ کو بھی نظر لگائی۔ "العین الحق" کے حکم کے مطابق سلمان بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا قیس بن صعصعہ کو وضو کرائیں۔ پھر وضو کا پانی ایک برتن میں جمع کرائیں۔ پھر وہ پانی سلمان پر بہادیں۔ برتن کو ان کی پشت کی جانب سے ٹیڑھا کریں اس طرح کیا گیا۔ اور وہ فوراً درست و صحیح ہو گئے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر بھی واقع ہوا۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نہاتے ہوئے دیکھا۔ اس طرح عامر کی نظر سہل کو لگ گئی عامر نے کہا کہ اس طرح کے خوبصورت و حسین جسم والا شخص میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا خواہ پردہ دار عورت ہی کیوں نہ ہو۔ اتنا کہنے پر ہی سہل زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے آنحضرت کو خبر دی اور کہا کہ سہل بن حنیف زمین پر گرے ہوئے ہیں اور اپنا سر اوپر نہیں اٹھا سکتے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا کسی آدمی نے ان کے متعلق کچھ کہا ہے جو اس طرح ہو گیا ہے۔ لوگوں نے عامر کی کہی ہوئی بات بتائی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ان کا علاج اس طریقے پر کیا فرمایا کہ عامر کو غسل کراؤ۔ وہ اپنا منہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیاں دونوں رانیں دونوں پاؤں اور زیر تہبند حصہ کو دھوئیں۔ پھر وہ پانی جمع شدہ کو سہل پر بہادیں۔ پس اس طرح کیا گیا اور سہل فوراً ہی ٹھیک ہو گئے مختصر یہ کہ صحابہ کرام خندق کی کھدائی میں لگ گئے۔ کھدائی کرنے کے آلات کدال پھاوڑہ چھینی اور ہتھوڑا وغیرہ یہودی قریظہ سے مستعار لئے تھے۔ بنو قریظہ کی اس وقت مسلمانوں کے ساتھ صلح تھی۔ اور وہ اپنے عہد پر کاربند تھے اور وہ قریش کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کو پسند نہ کرتے تھے ہوا ٹھنڈی چل رہی تھی اور صحابہ پر بھوک کا غلبہ تھا۔ پھر بھی وہ ہمہ تن خندق کی کھدائی میں مصروف تھے صحابہ اپنے کندھوں اور سروں پر مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے۔ وہ غلام بھی نہیں رکھتے تھے جو یہ کام کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم صحابہ کی یہ محنت مشقت اور خندق کھودنے میں ان کی جفاکشی اور رنج کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے۔ **اللهم لا عیش الا عیش الاخرہ فاغفر لا نصار والمهاجرہ**

ارباب سیر کا خیال ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ وہ فاضل صحابہ اور شعراء سے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے انکا یہ شعر قبول کیا اور خود پڑھا۔ صحابہ بھی آنحضور کے ساتھ ہم زبان ہو کر کہتے تھے۔ **نحن الذین بایعنا محمدا علی الجهاد مابقینا ابدا** بعض روایات میں آخر پر اس قدر مزید مروی ہوا ہے۔

ولعن عضلا و انصارہ هم کلفونا ثقل الحجارة

اے اللہ عضل و قارہ اور اس کے مددگاروں پر لعنت کر۔ کیونکہ انہوں نے ہم کو پتھروں کے بوجھ سے تکلیف دی

ہے۔

صحیح بخاری میں براء بن عازب نے روایت کیا ہے کہ احزاب کا دن ہوا تو آنحضور نے خندق کھودی۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ خندق کی مٹی کو اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بدن اقدس کی تبلائی پر مٹی غالب آگئی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کثیر الشعر تھے۔ لوگوں نے اپ کے یہ اشعار اس دن آپ سے سنے۔ جو ابن رواحہ کے کلمات ہیں آپ یہ پڑھتے تھے۔

اللھم لو لا انت ما ھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن مسکینة علینا وثبت الاقدام ان لا قینا
ان الاولی بغوا علینا ان ارادو افتنة ابینا

اور آنحضرت ابینا ابینا کے الفاظ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ معنی یہ ہیں کہ اے خدا اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ ہم تصدیق بجالاتے۔ نہ نمازیں پڑھتے۔ اے خدا ہم پر سکینہ نازل کر۔ اور جب دشمنوں سے جنگ ہو تو ہمارے قدم ثابت و برقرار رکھنا۔ بلاشبہ پہلے گروہ نے ہم پر چڑھائی کی ہے۔ اگر ان کا ارادہ فتنہ کا ہے۔ تو ہم انکار کرتے ہیں۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آنحضور کثیر الشعر تھے۔ امام قسطلانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد سینہ مبارک کے بال مبارک ہیں اور کہتے ہیں یہ اس سے تعارض رکھتا ہے جو کچھ آنسرور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حلیہ مبارک میں مذکور ہے۔ کہ کان دقیق المشربة یعنی کہ آپ کے سینہ اقدس پر اکٹھے بالوں کی ایک لکیری تھی۔ لہٰذا ان کا دقیق ہونا کثرت کے متعارض نہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ منتشر نہ تھے۔ بلکہ مستطیل تھے۔

خندق کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار علامات و نشانات ظاہر ہوئے۔ ان میں ایک وہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ان کا بیان ہے کہ ہم خندق کی کھدائی میں لگے تھے اچانک ایک پتھر بڑا سخت نکلا اس پر چھینی اور ہتھوڑا ہرگز اثر نہ کرتے تھے۔ تو آنحضور کی خدمت میں صحابہ کرام آئے اور عرض کیا کہ پتھر کی ایک چٹان نکلی ہے وہ خندق کھودنے میں رکاوٹ بن گئی ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حال یہ تھا کہ آپ کے پیٹ مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھے ہوئے تھے۔ آنحضرت نے ہتھوڑا لیا اور اس چٹان پر مارا۔ اس سے وہ ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ اور مسند احمد اور نسائی میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے اس سے زیادہ مروی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جب آنحضرت نے ہم کو خندق کھودنے کا حکم کیا۔ تو ہمارے سامنے پتھر کی ایک چٹان اس طرح کی ظاہر ہوئی۔ جس پر ہتھوڑا چھینی وغیرہ کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ اس کے بارے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی۔ آپ آئے۔ ہتھوڑا پکڑا اور بسم اللہ کہہ کر چٹان پر ہتھوڑا مارا۔ ایک تہائی چٹان ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی۔ اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھ کو شام کی چابیاں عطا فرمائی گئی ہیں۔ خدا کی قسم اس ضرب میں میں نے شام کے سرخ رنگ کے محلات دیکھ لئے ہیں پھر آپ نے دوسری ضرب ماری۔ اور دوسری

تہائی پتھر ٹوٹ کر بکھر گیا۔ پھر فرمایا اللہ اکبر۔ مجھے فارس کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں خدا کی قسم میں نے مدائن کے سفید کنگرے اس وقت دیکھ لئے ہیں۔ پھر آپ نے مدائن کے کنگروں کی علامات بیان فرمائیں۔ تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بے شک وہ کنگرے اسی طرح کے ہیں جس طرح آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ مدائن ملک فارس کا ایک شہر ہے اس کو نوشیرواں نے آباد کیا تھا۔ ازاں بعد آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی۔ اس سے باقی پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو گیا اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں بھی عطا کی گئی ہیں۔ خدا کی قسم اس جگہ سے جہاں پر میں اس وقت کھڑا ہوں صنعا کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

اور معجزات جو ان دونوں میں ظاہر ہوئے ان میں سے ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے میں زیادتی فرمانا ہے یہ باب المعجزات میں مذکور ہو چکا ہے۔

یہ بھی ایک معجزہ ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے سے ایک لڑکی ہاتھ میں چند کھجوریں لے کر گزری۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے لڑکی نے جواب دیا کہ چند کھجوریں ہیں میری والدہ نے میرے والد کے ناشتہ کے لئے بھیجی ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کھجوریں میرے پاس لاؤ کھجوریں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں دے دی گئیں آپ نے ایک کپڑا طلب فرمایا اور اس میں ان کھجوروں کو ڈال دیا۔ ازاں بعد آپ نے حکم فرمایا کہ سب خندق والوں کو بلایا جائے۔ جملہ اہل خندق حاضر ہو گئے۔ اور سب نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بیس دن خندق کی کھدوائی جاری رہی۔ اور واقدی نے کہا ہے کہ چوبیس دن تک کام ہوتا رہا اور امام نووی روضہ میں پندرہ دن لکھتے ہیں کچھ روایات کے مطابق مکمل ایک مہینہ اس کام میں صرف ہوا۔ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں خندق کا کام پورا ہو گیا تھا خندق کی کھدائی سے فراغت ہوئی تو کافروں کا لشکر آنکلا اور اس کے ساتھ ان کے تمام حمایتی قبائل بھی آئے اور وہاں اتر پڑے۔ کل تعداد دس ہزار تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اپنے تین ہزار کے لشکر کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں قیام پذیر ہوئے۔ دونوں فوجوں کے درمیان خندق واقع تھی۔

دشمن خدا حی بن اخطب اپنی پرانی عداوت کے باعث اور بنو نضیر کی جلاوطنی کے باعث جو اسے عداوت ہوئی اس کی وجہ سے ابوسفیان کے کہنے پر بھی وہ کعب کے پاس آیا۔ کعب بن قریضہ کی طرف سے آنحضرت کے ساتھ عہد و پیمان کئے ہوئے تھے۔ اس کو قریضہ کا ساتھ دینے کی دعوت دی لیکن آنحضرت کے ساتھ عہد پر بنو قریضہ نے پابند ہوتے ہوئے انکار کر دیا۔ اور حیی بن اخطب پر اپنا دروازہ بند کر دیا۔ اور کعب نے حیی کو گالی دی اور کہنے لگا۔ اے بدبخت! ہم آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ عہد کئے ہوئے ہیں اس کو ہم توڑ نہیں سکتے۔ حیی نے پھر بھی دروازہ کھولنے پر اصرار کیا اور کئی بہانے بنائے۔ اور کعب کو طعنہ مارتے ہوئے کہنے لگا کہ شاید تو میری ضیافت کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اس لئے دروازہ نہیں کھولتے ہو۔ عربوں میں چونکہ بخل وحشت سے بڑھ کر کوئی اور زیادہ بڑی خصلت تصور نہ کی جاتی تھی۔ کعب کے لئے یہ بات بڑی گراں تھی۔ پس اس نے دروازہ کھولا اور اس کو ساتھ لے کر بیٹھ گیا۔ حیی نے اس کو آنحضرت کی دشمنی پر تیار کرنے کی

بڑی کوشش کی لیکن وہ انکار ہی کرتا رہا۔ حتی بھی حیلے بنانے میں نصف شیطان سے کم نہ تھا اس نے کعب کو اپنے مکرو فریب میں پھنسالیا اور اپنا مقصد پورا کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنو قریضہ کے بارے میں خبر لائیں۔ دیگر ایک روایت ہے کہ انکے ساتھ آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم کی ایک جماعت بھیجی کہ یہ سب قریضہ کو تلقین کریں کہ اپنے عہد پر قائم رہیں لیکن ان سب نے تمام بنو قریضہ کو بڑی خباثت اور بد ترین حالت میں دیکھا۔

تمام قبائل معہ قریش جب مسلمانوں کی عداوت اور استیصال کے لئے کھڑے ہو گئے تو اس وقت بنو قریظہ کی عہد شکنی اس میں مزید شدت کا باعث بنی۔ تو مسلمانوں کو بڑا خوف ہوا اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک بڑی مصیبت میں محسوس کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** پھر بھی جن مسلمانوں کے دل کمزور تھے ان کی کیفیت بوجہ خوف اور شوکت کفار قابو سے باہر تھی۔ اور نہایت رعب اور خوف کے باعث ان کی آنکھیں تحیر زدہ تھیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اذ جاؤا کم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا هنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا۔	جب تم پر آ چڑھے کفار تمہارے اوپر سے اور نیچے سے اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں اور خنجروں میں سے تمہارے دل اٹک گئے تھے۔ اور اللہ کے بارے میں مختلف قسم کا گمان کرنے لگے۔ وہاں پر مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے۔ اور انہیں اچھی طرح سے ہلایا جھنجوڑا۔

منافق لوگ اور کمزور الایمان لوگ کہتے تھے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہمارے ساتھ وعدہ فرماتے تھے کہ تم کو قیصرو کسریٰ کے خزانے ملیں گے حالانکہ ہم لاچار اور مجبور محض ہو چکے ہیں۔ پس یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی گئی۔

واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبهم مرض ما وعدنا اللہ ورسوله الا غرورا	جب منافق کہتے تھے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے صرف دھوکے کا وعدہ کیا۔

ایسے کہنے والوں نے بہانے بنائے اور جانے کی اجازت مانگی کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں کوئی بھی حفاظت کرنے والا نہ ہے اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن میں بیان فرمایا ہے۔

واذ قال الطائفة منهم یا اهل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منهم النبی یقولون ان بیوتنا عورة وما	جب ان میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ اے یثرب کے باشندو۔ تمہارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی مقام نہیں لہٰذا واپس چلو اور ان سے ایک فریق

ھی ان یریدون الا فرار نے نبی کریم سے اجازت مانگی کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں حالانکہ وہ خالی نہ ہیں۔ وہ تو صرف فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ شریف کے مکانوں' گھروں اور قلعوں کی حفاظت کے واسطے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو معہ تین سو آدمیوں کے بھیجا۔ اور قریش نے باختلاف اقوال' بیس دن تک یا چوبیس دن تک یا ستائیں دن تک محاصرہ کئے رکھا۔ دوران محاصرہ ہر رات کے وقت حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آدمیوں کی ایک جماعت ساتھ لئے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خیمہ شریف کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ مشرک لوگ آکر آپ کے خیمہ کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ لیکن خندق کو پار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

ہر دو افواج میں خوب محاربہ و مقاتلہ واقع ہوا۔ بالخصوص اس غزوہ کے دوران حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقاتلہ و محاربہ تو عقل و شعور سے باہر ہے۔ جس طرح حدیثوں میں آیا ہے۔ **المبارزة علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة**

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور اپنی تلوار ذوالفقار نامی ان کو دی۔ جتنا دکھ اور تکلیف اور محنت اور مشقت اس غزوہ میں آنجناب اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو برداشت کرنا پڑا کسی اور غزوہ میں نہ ہوا تھا۔ گو جنگ احد میں بڑی شدت اور تکلیف و مشقت ہوئی لیکن وہ تو ایک روز کے لئے تھیں اور اس وقت قریش بھی اکیلے تھے۔ لیکن خندق کا دن وہ تھا جب عرب کے تمام قبائل اکٹھے ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہلاکت واستیصال کرنے کو آچڑھے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کا واقعہ بھی اسی غزوہ کے عظیم واقعات سے ہے۔ (ہماری ماں) سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ غزوہ خندق میں ایک دن خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقابل کافروں نے جنگ شروع کی ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زرہ پہن کر پیادہ یا سوار ایستادہ تھے۔ دو روایات ہیں۔ سیدہ صدیقہ عائشہ ارشاد فرماتی ہیں۔ کہ اس دوران میں مدینہ شریف کے ایک قلعہ میں سعد بن معاذ کی والدہ کے ساتھ تھی۔ وہاں سے حضرت سعد بن معاذ ایک تنگ اور چھوٹی زرہ پہنے گزرے' ہاتھوں اور پاؤں کے واسطے یہ زرہ پوری نہ تھی اور کفایت نہ کرتی تھی۔ اس لئے کہ سعد بن معاذ لمبے قد والے عظیم مرد تھے۔ ام سعد نے ان سے کہا کہ جلدی جلدی جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ اے سعد کی والدہ اگر سعد اس سے بڑی زرہ پہن لیتے تو وہ بہتر رہتی۔ میں خدشہ محسوس کرتی ہوں کہ ان کے ہاتھوں پر کوئی تیر نہ آلگے۔ ام سعد کہنے لگیں کہ خدا تعالیٰ وہ حکم صرف فرماتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ حضرت سعد کنارہ خندق پر پہنچ گئے کفار کی فوج سے ایک شخص حبان بن العرق باہر نکلا اور حضرت سعد پر ایک تیر پھینکا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا خذو انا بن العرقہ مراد یہ کہ تیر آیا ہے اور میں عرقہ

کافر زندہ ہوں۔ وہ تیر حضرت سعد کی رگ اکحل پر لگا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **حرق اللّٰہ وجھک فی النار** اکحل ایک رگ ہے جو کہنی کے جوڑ میں ہوتی ہے اگر وہ کٹ جائے تو سارے جسم کا خون نکل جاتا ہے۔ یہی رگ عرق الحیاۃ یا ہفت اندام بھی کہلاتی ہے اس کی شاخیں تمام عضووں میں ہوتی ہیں۔ ہاتھ میں ایک رگ اکحل نام کی ہوتی اور پشت میں رگ کو ابر کہا جاتا ہے۔ اور ان میں نساء ہوتی ہے۔ ایک مرض کا نام عرق النساء اسی لئے ہے۔ حضرت سعد نے زخمی ہو کر جان لیا کہ اب میرا زندہ رہنا دشوار ہے تو انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر قریش کے ساتھ تیرے رسول کو مزید کوئی جنگ لڑنا ہے تو مجھے نہ مار تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر ان سے مقاتلہ کر سکوں۔ ورنہ یا اللہ یہی تیر میری شہادت کا سبب بنا دے لیکن یا اللہ مجھے اس قدر ضرور ہمت مہلت عطا فرما کہ بنو قریظہ کی عہد شکنی کا انجام میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ اس کی دعا کے بعد فوراً ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا۔ اور سعد رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ بنو قریظہ کا انجام آپ کو اس سے بعد معلوم ہو جائے گا۔

بخاری شریف میں عائشہ صدیقہ سیدہ مطہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔ اے خدا تجھے علم ہے کہ میں سب سے محبوب قوم اس کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اس قوم کو سمجھتا ہوں جس نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور گھر سے نکال دیا۔ اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ مزید لڑنا ہے تو مجھے ضرور زندہ رکھ تاکہ ان کے خلاف جہاد کروں۔ اور اگر آئندہ کے لئے جنگ اٹھا دی گئی ہے اور باقی نہیں رہی تو مجھے ہلاک کر دے۔ بعد ازاں زخم کھل گیا اور خون دوبارہ بہنے لگا۔ اور ان کی دعا قبول ہو گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ ایک دن تمام خندق پر کفار نے یکبارگی متفقہ حملہ کر دیا۔ اس روز رات ہونے تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ پس ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے قضا ہو گئیں۔ یہ واقعہ صلوۃ خوف کی مشروعیت سے پہلے کا ہے۔ یہ ممکن ہے بوجہ نسیان ہو۔ مقابلہ بند ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا کہ وہ اذان اور اقامت کہیں۔ اور ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ اس کے بعد ہر قضا شدہ نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور بالترتیب قضا نمازیں پڑھی گئیں۔ اور کافروں کے حق میں بددعا فرمائی گئی۔ **ملاء اللّٰہ بیوتھم وقبورھم نارا کما شغلونا عن صلوۃ الوسطی** نماز وسطیٰ سے نماز عصر مراد لی جاتی ہے۔

یہ حدیث وضاحت و صراحت کرتی ہے کہ صلوۃ وسطیٰ سے نماز عصر ہی مراد ہے اور صلوۃ وسطیٰ کی تعیین میں جو اختلاف صحابہ اور علماء میں پایا جاتا ہے بقول علماء وہ اختلاف اجتہاد کی بناء پر ہے۔ جو اس حدیث کی اطلاع ہونے سے قبل ہے۔ لیکن جب مطلع ہو گئے تو اختلاف کے لئے گنجائش نہ ہے۔ اور حدیث سے صاف ظاہر کہ سورج ڈوب چکا تھا۔ اور اس کی صراحت بھی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ غابت الشمس اور مسلم کی حدیث میں اس طرح آیا ہے حتی احمر الشمس او اصفرت۔ یہاں تک کہ سورج سرخ ہو گیا۔ یا زرد ہو گیا۔ اور بخاری میں آیا ہے **بعد ما کاد الشمس یغرب** اس کے بعد قریب تھا کہ سورج غروب ہو جائے اور یہ بھی امکان ہے کہ مصروفیت کی وجہ سے نماز کا وقت گزر چکا اور پھر مغرب کے بعد نماز ادا کی

ہو۔ جس طرح شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے کہا ہے۔ اور موطا میں ظہر کا ذکر بھی ہے۔ بعض روایات میں ہے مشرکین نے چار نمازوں کے اوقات کے دوران مسلمانوں کو مشغول رکھا۔ اور عصر کی نماز کا ذکر بالخصوص اس لئے کیا گیا ہو گا کہ اس کی فضیلت بہت ہے۔ واللہ اعلم۔

کافر قبائل میں اختلاف پڑ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص نعیم بن مسعود اشجعی غطفانی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں آکر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے حاضر ہو کر کہا تھا۔ یا رسول اللہ میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں۔ اور کسی ایک آدمی کو بھی میرے مسلمان ہونے کا پتہ نہ ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے صحابہ کرام اور غلاموں کے ساتھ میں خدمت بجالاؤں اور ان حملہ آور کافر قبائل میں تفرقہ اور اختلاف پیدا کروں۔ کیا مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنی خواہش کے مطابق عمل کروں۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ فاالحرب خزعة جنگ داؤ ہوتی ہے۔ ازاں بعد نعیم بن مسعود قریش اور دوسرے قبائل کے پاس گئے اور ان سے کچھ اس طرح کی باتیں کی جس سے ان کے درمیان اختلاف کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ اور انہوں نے اتفاق و استقامت کے مرکز کو چھوڑ دیا۔ پہلے نعیم بنو قریضہ کے پاس گئے۔ اور کہنے لگے تم خود واقف ہو کہ میں تمہارے ساتھ کس قدر دوستی اور محبت رکھتا ہوں۔ تم اچھی طرح سوچو کہ قریش اور بنی غطفان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف جنگ پر آئے ہیں اور تم بھی ان کی اعانت کرتے ہو اور تمہیں یہ پتہ نہ ہے کہ یہ تمام کچھ بھی کرنہ پائیں گے۔ چار و ناچار یہ غم کا بوجھ اٹھائے گھروں کو لوٹیں گے اور یہ لوگ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں گے اور تم طاقت نہیں رکھتے کہ اکیلے ان سے مقابلہ کر سکو۔ پس مسلمان تم کو کچل کر رکھ دیں گے۔ پھر نعیم قریش اور غطفان کی طرف گئے اور اس طرح کی باتیں ان کے ساتھ کیں اس طرح سے ان کا اتحاد و اتفاق کو ختم کر دیا۔ یہ نتیجہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا جو انہوں نے کفار کے حق میں فرمائی تھی۔

اے اللہ تعالیٰ تو ہی قرآن کو نازل فرمانے والا ہے اور تو جلد حساب کرنے والا ہے۔ ان قبائل کو ہزیمت دے اے اللہ ان کو شکست دے اور لڑکھڑا دے اور ان پر ہمیں نصرت عطا فرما۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خندق کے آخری تین روز میں ظہر اور عصر کے درمیان مسجد فتح میں لگاتار دعا فرماتے رہے تھے۔ یعنی بروز دو شنبہ تین شنبہ اور چہار شنبہ پس آنحضرت کی دعا مبارک مقبول ہو گئی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی واقعہ مجھے پیش نہ آیا تھا۔ لیکن پھر بھی میں نے دعا کی اور وہ قبول ہوئی (یعنی جابر رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی درمیانی گھڑی کی اہمیت بیان کر رہے ہیں)۔ کچھ مشائخ نے بھی اس طرح فرمایا کہ چہار شنبہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان دعا کریں تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس وقت دعا مانگنی چاہیے۔ مراد یہ ہے کہ مشائخ نے یہ نظریہ وہیں سے اخذ کیا ہے۔

امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ خندق کے روز میں نے

گزارش کی۔ یا رسول اللہ! ہمارے دل منہ کو آرہے ہیں کوئی دعا ہے جو میں پڑھوں تو آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو۔ **اللھم استر عورا تنا و امن روعاتنا** اور ینبوع الحیات جو ابن ظفر کی کتاب ہے کہ آنحضرت نے یہ دعا فرمائی۔ **یا صریخ المکروبین ویا مجیب المضطرین اکشف ھمی وغمی وکربتی ترٰی مانزل بی و باصحابی** آپ کی دعا قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آندھی اور زلزلہ بھیج دیا جس سے کفار کے لشکر کا برا حال ہوا۔ ان کی دیگیں وغیرہ الٹ گئیں۔ خیمے اکھڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت بھیجی اس نے کافروں کے خیموں کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور خیموں میں آگ لگ گئی اور کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اس کے باعث ان کو سوائے بھاگ جانے کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ قرآن پاک نے ان کی حالت بیان فرمائی۔ **یاایھا الذین امنوا ذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذجاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا وکان اللّٰہ بما تعملون بصیرا وکفی اللّٰہ المومنین القتال وکان اللّٰہ قویا عزیزا** اس کے بعد صبح کی ہوا نے خیمے اکھاڑ پھینکے۔ دیگیں الٹ دیں۔ کفار کے منہ خاک آلود ہوئے اور سنگریزوں کی مار پڑی۔ اور ان کے ہر گوشے ان کے کانوں میں تکبیروں کی آوازیں سنیں۔ ازاں بعد وہ رات کے دوران فرار ہو گئے اور اپنا وزن دار سامان وغیرہ راستے میں پھینکتے ہوئے بھاگ گئے شیخ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو کافروں پر یہ آندھی اس بار عقیم سے سخت تر ہوتی جو قوم عاد پر بھیجی گئی تھی۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک پر تعجب نکتہ بیان کیا ہے کہ احزاب والی رات کے وقت باد صبا نے باد شمال سے کہا کہ آؤ ہم دونوں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت کریں۔ باد شمال نے جواب دیا باد صبا کو۔ **ان الحرۃ لا تسیر باللیل** حرہ یعنی ایک آزاد اور اصیل و شریف عورت رات کے وقت نہیں چلتی۔ باد صباء نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر غضب فرمائے اور اس کو عقیم (بانجھ) کر دیا۔ پس وہ ہوا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی وہ باد صباء تھی میری مدد کی گئی اور عاد کی قوم دبور (باد شمال) سے ہلاک کر دی گئی صبا وہ ہوا ہے جو مطلع ثریا سے اٹھ کر بنات النعش تک چلا کرتی ہے۔ اور اس کے مقابل پر دبور اور باد شمال ہے۔ اور یہ ہوا وہ ہے کہ جس وقت تم قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہو۔ تو یہ تمہارے سامنے آتی ہے اور تمہارے دائیں ہاتھ ہوتی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ ہوا وہ ہے جو مطلع شمس سے بنات النعش کے درمیان میں یا مطلع شمس نسر طائع کر مسقط تک چلا کرتی ہے۔ اور قریباً وہ رات میں چلا کرتی ہے اس کا ذکر قاموس میں آیا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ جس رات کافر فرار ہوئے حضرت حزیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کفار کے لشکر میں گئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ان پر ہوا کا ایک طوفان برپا ہوا ہے۔

دیگوں کے ڈھکنے اڑ گئے اور اوندھے ہو گرے۔ ان کے خیمے بھی اکھڑ گئے اور آگ بگولے بن بن کر ان کا ہنکاتے ہوئے لئے جاتی تھی۔ ان کے گھوڑوں نے لشکر میں دوڑنا کودنا اور بھاگنا پھرنا شروع کر دیا۔ اور ان پر جو سنگریزے آ کر گر رہے تھے ان کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ ابو سفیان دیکھا گیا کہ خیمہ سے باہر آیا ہے اور حال یہ تھا کہ آگ سے تپ رہا تھا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تیر کمان میں رکھ کر چاہا کہ ابو سفیان پر ماریں لیکن پھر انہوں نے وہ تیر کمان سے واپس نکال لیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حکم تھا۔ کہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ کاش وہ تیر ابو سفیان کو مار دیتے اور لوگوں کو اس کی شر اور برائی سے چھٹکارا دلا دیتے۔ مگر اس نے خود ہی نجات حاصل کر لی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے ہم پر نہ آئیں گے۔ بلکہ ان پر اب ہم ہی حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہی واقع ہوا۔ اس غزوہ کے بعد کفار کو کبھی اتنی فرصت نہ ملی اور نہ قوت حاصل ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے اور کوئی لشکر مقابلے میں لاتے۔ اس سے اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے لئے حدیبیہ تشریف فرما ہوئے۔ آپ کا یہ سفر فتح مکہ کا پیش خیمہ اور آغاز تھا۔ اور یہ سفر حدیبیہ آئندہ جملہ فتوحات کا باب فتح تھا۔ کیونکہ اس آیہ کریمہ میں اسی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ **انا فتحنا لک فتحنا مبینا**

حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں فوج کفار سے واپس آیا تو میں نے راستہ میں بیس سوار اپنے سروں پر سفید عمامے باندھے دیکھے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ آپنے آقاء سے عرض کریں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے لشکر کفار سے نجات عطا فرمائی ہے۔ میں آنحضرت کے قیام کی جگہ پر آیا تو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ آنحضور کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم بات پیش آیا کرتی تھی تو آپ نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد آنحضور نے مجھے نزدیک آنے کے لئے اشارہ فرمایا۔ میں آپ کے قریب گیا تو آپ نے مجھے خوشخبری دی اور آپ نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک سے نور چمکنے لگا۔ **الحمد للّٰہ** یہ انجام ہوا قریش نافرجام کا۔ اور جو فوج ابو سفیان لایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا استیصال کرے (العیاذ باللہ) وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اقبال مزید بڑھایا جائے۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ ابو سفیان جب غزوہ خندق سے واپس چلا گیا تو اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا تو اس نے کہا کہ کوئی ایسا آدمی تم میں سے ہو جو مدینہ پاک جائے اور گھات میں بیٹھے اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے ہمارا انتقام لے۔ اس لئے کہ وہ بازاروں میں آتے جاتے ہیں اور ہر دوست اور دشمن سے بے خوف ولاپرواہ ہو کر اپنی رسالت کی تبلیغ کرتے ہیں اور بدوی شخص اٹھا اور کہا اگر تو میری تقویت کرے تو یہ کام میں کروں گا میرے پاس ایک نہایت تیز اور براں خنجر ہے اس سے ان کا کام تمام کروں گا۔ ابو سفیان نے سواری کے لئے اسے ایک اونٹ دیا اور سفر خرچ بھی دیا اور نصیحت کی کہ اس راز کو مخفی رکھا جائے پس وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جناب رسالت

ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی قبیلہ میں مسجد میں نصیحت فرما رہے تھے۔ وہ بدوی اس جگہ آ پہنچا۔ اس نے پوچھا کہ یہ ابن عبدالمطلب ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا ہاں میں ابن عبدالمطلب ہوں۔ وہ بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف آیا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ آدمی ہے جو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس سے کہا کہ تم سچ سچ بتاؤ کیونکہ سچائی ہی تجھ کو نجات دلا سکتی ہے۔ تو اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو امان دے دی اور فرمایا کہ جاؤ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ تو بدوی نے کہا کہ **اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک رسول الله** اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں نے جس وقت آپ کو دیکھا تھا تو میری عقل کا طائر اڑ گیا تھا۔ اور میرا جسم لرزنے اور کانپنے لگا تھا۔ کیونکہ کسی کو میرے دلی ارادے کی اطلاع نہ تھی۔ سوائے میرے اور ابوسفیان کے۔ اور میں یہ جان گیا تھا کہ ابوسفیان اور شیطان کی جنگ کے مقابل آپ کے محافظ خدا تعالیٰ ہے۔ وہ بدوی یہ باتیں کر رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تبسم فرما رہے تھے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واصحابہ وبارک وسلم۔

غزوہ بنو قریظہ:۔ اسی سال کے دوران غزوہ خندق کے فوراً بعد غزوہ بنو **قریظہ** واقع ہوا۔ بنو قریظہ یہودی قبیلہ تھا۔ اور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے برابر کا بڑا قبیلہ تھا۔ بادی النظر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ غزوہ اس وجہ سے واقعہ ہوا کہ بنو قریظہ عہد شکن ہو چکے تھے۔ اور قریش کی مدد میں حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ حیی بن اخطب کو جو کہ شر اور فساد کی جڑ تھا نکال دیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس غزوہ کی یہ وجہ نہ تھی بلکہ یوں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غزوہ خندق سے مراجعت فرمائی تو فوری طور پر جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ فوری طور پر بنو قریظہ پر پہنچ جائیں۔ اور ان کو ہرگز مہلت نہ دیں میں نے اور میرے ساتھی بہت سے دیگر فرشتوں نے اپنے ہتھیار ابھی نہیں اتارے ہیں (واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب معلوم ہو جائے گا۔)

اور اگر اس طرح نہ بھی حقیقت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تدبیر کے مطابق اگر یہ غزوہ ہوا ہو تو پھر بھی یہ حکم رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔ بلکہ سارے غزوات اسی طرح ہیں۔ لیکن اس غزوہ کے لئے جبرئیل آئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔ یہ حکم اس قوم کے قتل سے تعلق رکھتا تھا۔ جیسے کہ آئندہ بیان ہو گا۔ یہ تمام باتیں اسی باب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ واپس تشریف فرما ہوئے تو اسی دن یہ غزوہ بنی قریظہ واقعہ ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ سیدہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے سر مبارک اور جسم پاک سے گرد و غبار جھاڑا اور ہتھیار اتارے اور غسل میں مصروف تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ سر مبارک کی ایک جانب کو دھو چکے تھے اور دوسری طرف ابھی نہ دھوئی تھی اور ایک روایت یہ

ہے کہ آپ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب بھی کسی سفر سے واپسی فرماتے تو سب سے قبل آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لایا کرتے تھے اور انہیں بوسہ دیا کرتے تھے۔ ناگاہ گھر کے باہر سے ہی ایک آدمی نے سلام پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے میں بھی دروازہ پر جا پہنچی دروازہ سے باہر جناب وحیہ کلبی تھے۔ ان کے چہرہ اور سامنے والے دانتوں پر گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ اور ایک سفید اونٹ پر سواری کئے ہوئے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی چادر مبارک سے ان کے سر پر سے گرد کو جھاڑ دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند باتیں کیں۔ حضور جب گھر میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر میرے پاس آئے تھے۔ کہ فوراً ہی میں بنی قریظہ کی طرف توجہ کروں۔ ایک روایت اس طرح ہے کہ انہوں نے سر پر استبرق کا عمامہ باندھا ہوا تھا۔ اور خچر پر سوار تھے خچر پر قطیفہ دیباء کی چادر ڈالی ہوئی تھی۔

بخاری شریف میں حدیث آئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور آپ نے اپنے ہتھیار اتار کر غسل فرمایا۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے ہتھیار اتار دیئے ہیں۔ لیکن ہم نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ آپ چلیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر چلیں خدا تعالیٰ کی قسم میں جاتا ہوں اور ان کے قلعوں میں تہلکہ ڈالتا ہوں اور انہیں پامال کرتا ہوں' اور ان پر زلزلہ وارد کرتا ہوں جیسے مرغی کا انڈا پتھر پر مارا جاتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام واپس گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ گویا میں نے بنی غنم کی گلی میں جبرئیل کی سواری سے گرد و غبار اڑتے ہوئے دیکھا۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ مدینہ پاک میں اعلان کر دیں اے خدا تعالیٰ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ۔ اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے والا ہے وہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے قبل نماز عصر نہ پڑھے۔

حضرت رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش پر مقرر کئے گئے اور ان کو علم عطا کیا گیا۔ اور ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا گیا۔ اور آنحضور اپنے گھوڑے لحیف نامی پر سوار ہو گئے۔ اور دو کوتل گھوڑے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کو تیار کر لیا اور اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے آنحضرت کی دائیں ہاتھ کی جانب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے بائیں ہاتھ پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کے آگے مہاجرین و انصار کے اکابرین چل رہے تھے اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ لشکر میں چھتیس گھوڑے تھے۔ اکابرین چل رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ بنی بخار بھی تیار ہو کر راستہ پر منتظر کھڑے۔ آپ نے پوچھا کہ کس نے تم کو کہا تھا کہ تیار ہو کر راستہ پر کھڑے رہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ وحیہ کلبی نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ جو پہلے ہی روانہ ہو چکے ہیں عصر کی نماز کا وقت ہوا تو چند صحابہ نے راہ پر ہی نماز ادا کر لی۔ اور انہوں نے آنحضرت کے حکم کو بنو قریظہ میں جانے سے

پہلے نماز عصر ادا کریں سے مراد لی کہ آپ کا مقصد اس سے تاکید' مبالغہ اور جلدی پہنچنا تھا۔ کچھ صحابہ نے عصر کی نماز ادا نہ کی۔ لیکن جب بنو قریضہ میں پہنچے تو انہوں نے عشاء کی نماز کے بعد نماز عصر ادا کی۔ ان کا یہ عمل حکم ظاہر کے مطابق تھا۔ اس لئے کہ آنحضرت نے حکم دیا تھا کہ نماز نہ پڑھیں بلکہ بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہر دو جماعت کے عمل کو برقرار رکھا۔ اور کسی کو زجر و توبیخ نہ کی گئی یہ واقعہ ان مجتہدین کے لئے بھی حجت ہے تو اپنے اجتہاد اور رائے کے مطابق عمل پذیر ہوتے ہیں اور یہ ان محدثین کے لئے بھی حجت ہے جو اہل ظواہر ہیں۔ اور ظاہر حدیث پر عمل پذیر ہوتے ہیں اور رائے اور اجتہاد کو اس میں داخل نہیں کرتے۔

عصر کی نماز کا تذکرہ بخاری میں ہے جبکہ مسلم شریف کی روایت میں نماز ظہر مذکور ہے اور بخاری اور مسلم دونوں ہی ایک شیخ اور ایک سند پر متفق و موافق ہیں۔ مسلم کی موافقت میں ابو۔علی' ابن سعد اور ابن حبان ہیں۔ ہر دو روایات کی تطبیق میں بہت احتمالات ہیں۔ ایک تحریر ہے کہ ظہر کا حکم صرف ان کے لئے دیا گیا جنہوں نے ابھی تک نماز ظہر ادا نہ کی تھی۔ ان کے لئے فرمایا گیا کہ وہاں پہنچنے سے قبل ظہر نہ پڑھی جائے۔ لہٰذا ان لوگوں نے وہاں جا کر نماز ظہر ادا کی۔ اور جمع اور تطبیق کرتے ہوئے بعض نے یہ کہا کہ ظہر کا حکم ان لوگوں کے لئے تھا جو طاقتور تھے اور بنو قریضہ کی قریبی منازل میں قیام پذیر تھے۔ کہ وہ ظہر ادا نہ کریں۔ جب تک وہاں نہ پہنچ جائیں۔ اور کمزوروں اور ضعفا کے لئے حکم یہ فرمایا کہ وہاں پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کریں۔ اسی طرح امام قسطلانی نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

جب شام اور سونے کے درمیان کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنو قریظہ کی بستی میں آ پہنچے ابن اسحاق کے قول کے مطابق پچیس دن تک انکا محاصرہ کئے رکھا اور ابن سعد نے اپنی روایت میں پندرہ دن لکھا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صبح سے رات تک تمام وقت ان پر تیروں کی بارش کرتے رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ محاصرہ کی مدت کے دوران کھجوروں کی خوراک تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کتنا اچھا کھانا ہے یہ۔

محاصرے میں طوالت آئی تو اللہ تعالیٰ نے بنو قریضہ کے قلوب میں رعب اور خوف ڈال دیا۔ پس وہ کہنے لگے کہ ہم بھی جلاوطنی اختیار کر لیتے ہیں جیسے کہ بنو نضیر نے کیا تھا۔ اور ہم کو چھوڑ دیا جائے ہم اپنے بال بچے لے کر نکل جاتے ہیں اور جو کچھ سامان اور ہتھیار ہمارے اونٹ اٹھا سکتے ہیں وہ ہم لے جاتے ہیں۔ لیکن نبی محترم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم مال و اسباب اور ہتھیار بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ ہمیں یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیں۔ کہ ہم اپنے بیوی بچوں کے ہاتھ پکڑے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا **الا ان تنزلوا علی** مگر یہ ہے کہ تم سب میرے سامنے پیش ہو۔ یہ سن کر وہ حیران ہو گئے۔

ازاں بعد یہودیوں کے سردار کعب بن اسد اور حیی بن اخطب جو کعب کی پناہ میں تھا دونوں مجلس میں موجود تھے دونوں نے قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے یہودیوں کے گروہ! محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر ایمان لے آؤ۔ یہ وہی رسول ہیں اللہ تعالٰی کے جن کے بارے میں تورات میں اوصاف مذکور ہیں۔ اور تم خود بھی واقف ہو کہ یہی آخر الزمان نبی ہیں۔ ہم نے تو ان کی مخالفت حسد و بغض کے باعث کی تھی۔ اگر تم ان پر ایمان لے آؤ گے تو تمہارے مال اور جانیں سلامت ہوں گی یہود نے انکار کیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنا دین نہ چھوڑیں گے اور نہ ہی تورات پر کوئی دیگر کتاب افضل تسلیم کریں گے۔ سبحان اللہ! کس قدر جہالت ہے عناد اور شقاوت قلبی ہے باوجود اس کے کہ علم و پہچان ہے اور دنیاء اور آخرت کی سلامتی اسی میں مضمر ہے پھر بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالٰی کا قول قرآن پاک میں ہے۔

یعرفونه کما یعرفون ابناءهم و جحدوا بهاوا ستقیتها انفسهم	وہ آنحضرت کو پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ پھر آپ سے لڑتے ہیں اور ان کے نفسوں نے ان کو ورغلایا ہے۔

ان کے لئے تورات میں بھی یہی حکم ہے۔ اس کے باوجود ان کا سردار کعب ایمان نہ لایا اور اطاعت اختیار نہ کی۔ اور ان یہودیوں کی پیروی میں دوزخ میں چلا گیا۔ اس کو صرف یہ خدشہ تھا کہ لوگ اس کو کہیں گے تم جان کے ڈر سے ایمان لائے ہو اور یہ کہ اس کی قوم اسے برا بھلا کہے گی۔

ازاں بعد کعب نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کو میں تین باتوں کا عام اختیار دیتا ہوں پہلی چیز یہ ہے کہ تم ایمان لے آؤ جس طرح میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اگر ایمان لانے سے انکار کرتے ہو تو پھر آؤ ہم خود اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیں۔ اور خود یہاں سے نکل کر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے جنگ و قتال کرتے ہیں۔ اور پھر دیکھتے ہیں کہ خدا کیا کرتا ہے۔ اگر ہم مارے جائیں گے تو کسی کو ہم اپنے پیچھے نہ چھوڑیں گے کہ وہ رسوا اور ذلیل ہو۔ اور اگر ہم کو کامیابی ہو گئی تو عورتیں اور بچے بعد میں اور پیدا ہو سکیں گے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ بے گناہ افراد کو مار ڈالنا ہم کس طرح پسند کر سکتے ہیں۔ اور جز زندگی عزیز و اقارب اور بیوی' بچوں کے بغیر ہو وہ کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ کعب نے کہا اگر یہ بھی تم پسند نہیں کرتے ہو تو تیسری چیز یہ ہے کہ آؤ رات کے وقت اکٹھے یکبارگی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے صحابہ پر جو غفلت کی نیند میں ہوں گے حملہ کر دیں اور اچانک حملہ سے شب خون ماریں اور پھر دیکھیں کہ حالات کیسے ہوتے ہیں۔ اور آج رات بھی ہفتہ کی ہے۔ یہود نے جواب دیا کہ یہ رات ہمارے دین میں بڑی معظم ہے۔ ہم گزشتہ لوگوں کی طرح اس کی بے حرمتی نہیں کر سکتے۔ اور مسخ اور خسف وغیرہ کی سزاء کے مستحق بننے کو قبول نہیں کرتے۔

اس غزوہ کے نرالے اور تعجب خیز واقعات بھی ہیں ان میں سے ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر اوس رضی اللہ عنہ کا واقع ہے۔ اس لئے کہ یہ صاحب ان کے حلیف تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں طلب کر کے فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ تاکہ تمہارے ساتھ وہ اپنے بارے میں کوئی مشورہ کر سکیں۔ پس آنحضرت نے ابولبابہ کو یہود کی طرف بھیج دیا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ جب ان کے قلعہ میں داخل ہوئے تو یہود نے ان کا استقبال کیا۔ اور ان کے بچے اور عورتیں ابولبابہ کے سامنے رونے اور پیٹنے لگیں۔ اور انہوں نے شکایت کی محاصرہ بڑا سخت ہے اور ہم نہایت پریشان ہیں یہ سب کچھ دیکھ کر ابولبابہ کو ان پر رحم آیا۔ پھر یہود نے ان سے پوچھا کہ تم کیا رائے دیتے ہو۔ کیا ہم قلعہ سے اتر آئیں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں نیچے اتر جاؤ اور ساتھ ہی اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارہ سے سمجھایا۔ مراد یہ تھی تمہارے اترنے پر تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ فوراً ہی ابولبابہ پریشان ہو گئے اور استرجاع پڑھنا شروع کیا۔ اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں خیانت کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ اس کے بعد ابولبابہ قلعہ یہود سے نکل آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ملے بغیر مسجد نبوی مبارک میں جا کر اپنے اپ کو ایک ستون سے باندھ دیا۔ (یہ ستون آج مسجد شریف میں موجود ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے۔ "اسطوانہ ابولبابہ") اور کہا ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرا یہ گناہ نہ بخشے اور یاد رہے کہ کوئی آدمی اس ستون سے سوائے وقت نماز کے ہرگز نہ کھلے جس وقت تک میری توبہ قبول نہ ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ میرے پاس اگر حاضر ہو جاتے تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک واستغفر الله لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما** اب چونکہ انہوں نے بذات خود بارگاہ الٰہیہ میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو ستون سے بندھا ہے۔ میں اس کو کھول نہیں سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ ان کو گناہ نہ بخش دے۔ اور اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ ان کو دختر آکر ان کو کھجوریں کھلا کر چند گھونٹ پانی کے پلا جایا کرتی تھی۔ نماز کے وقت کھولا جاتا تھا کہ نماز پڑھ لیں۔ یا قضائے حاجت سے فراغت حاصل کر لیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ایک بڑی زنجیر میں جکڑ رکھا تھا۔ پندرہ روز گزر گئے یہاں تک کہ وہ سماعت سے محروم ہو گئے۔ اور ان کی بینائی بھی قریباً ختم ہونے والی تھی۔ اسی حال میں پندرہ دن گزرے تو ابولبابہ کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں وحی کا نزول ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے۔ اور وقت سحری تھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تبسم کرتے ہوئے سنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہنسی کس بات پر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہمیشہ خوش و خنداں رکھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ابولبابہ کی توبہ قبول ہو چکی ہے۔ اور ان کا گناہ

بخشا گیا ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے گزارش کی اگر حضور مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تو ابولبابہ کو اس کی بشارت دوں آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرنا چاہتی ہو تو جاؤ اور اسے خوشخبری دے دو۔ ازاں بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے دروازہ شریف پر کھڑی ہو گئیں یہ واقعہ آیہ حجاب کے نزول سے قبل کا ہے اور سیدہ نے پکارا ابولبابہ! تم کو خوش خبری ہو کہ تمہاری توبہ قبول ہو چکی ہے۔ اس پر مسجد میں موجود حضرات بھاگے تاکہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھول دیں۔ لیکن ابولبابہ نے کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود تشریف فرما ہو کر نہ کھولیں تم مجھے نہ کھولو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز کی خاطر مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے خود ابولبابہ کی زنجیر کھولی۔

صاحب مواہب لدینہ نے کہا ہے کہ بیہقی نے دلائل النبوت میں ،سند مجاہد روایت کیا ہے۔ **فاعترفوا بذنبهم** (انہوں نے اپنا گناہ تسلیم کر لیا۔) یہ آیت ابولبابہ کی شان میں آتی ہے۔ جبکہ انہوں نے یہود کو جواب دیتے ہوئے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر یہ اشارہ کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو ذبح کر دیں گے اگر تم میرے کہنے پر نیچے اترے اور بیہقی نے کہا ہے اور محمد اسحاق کے خیال میں یہ ہی ہے کہ ان کا بندھا جانا اس وقت پر ہی تھا اور ہم کو ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملی ہے۔ جس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ مسجد نبوی میں اس لئے بندھے گئے تھے۔ کہ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے جس طرح ابن المسیب کا قول ہے۔ اور اس وقت یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ پہلا قول ہی مشہور تر ہے۔ اور یہی کتب سیر میں مذکور ہے۔ اور جہاں تک غزوہ تبوک میں تخلف کی بات ہے۔ تو وہ بالخصوص ان تین اشخاص سے متعلق و منحصر ہے جن کا ذکر قرآن پاک میں آ چکا ہے۔ **وعلى الثلاثة الذين خلفوا** لیکن جو لوگ پیچھے رہ جانے کو تین شخصوں پر موقوف نہیں کرتے ہیں۔ اور ان تین کے علاوہ بھی بتاتے ہیں اور ابولبابہ کو ان میں شامل رکھتے ہیں تو ان میں سے توبہ کی قبولیت صرف ان تین آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو مدہوشی اور سرمستی کی بنا پر اہل حال کی مانند باندھ لیا تھا۔ اور توبہ تو ندامت اور پشمانی ہوتی ہے۔ لیکن یہ جان کو گھلنا اور اپنے نفس کو عذاب میں مبتلا کرنا یہ صورت توبہ نہ ہے یہاں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام بھی اپنے احوال کے دوران مستی و مدہوشی میں آ جاتے تھے۔ اور آنحضرت نے جو انہیں برقرار رکھا وہ صحیح ہے اور مشائخ اور صوفیہ کو اس میں دلیل و حجت حاصل ہوتی ہے اور جو ان کے منکرین ہیں ان کے حق میں رد اور ابطال ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔ **انک لاتهدی من احببت** (بے شک تم اسے جسے تم چاہتے ہو ہدایت نہیں دے سکتے) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ جھومنے لگے اور وجد میں آ گئے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے دیا کے تذکرہ کے موقع جو یہ کہا۔ **لا مجرم معاذ او اهله ههنا** (معاذ اور اس کے گھر والوں کو اس سے محروم نہ رکھیں اور

عائشہ صدیقہ سیدہ طاہرہ ہماری ماں) رضی اللہ عنہا کا ان کا برات اور پاکیزگی کے وقت یہ کہنا کہ انا لا اشکر الا ربی جب کہ ان کے والد نے کہا تھا کہ یا عائشۃ اشکری رسول اللہ اور اس طرح کی دیگر صحابہ سے جو باتیں آئی ہیں یہ تمام کی تمام سرمستی اور مدہوشی کے زمرہ میں ہی ہیں۔

مختصر یہ کہ جب بنو قریظہ محاصرہ سے بیزار ہوئے تو وہ رضامند ہو گئے کہ مطیع ہو کر قلعہ سے نیچے اتر آئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کے سامنے وہ عاجز آ گئے اور مجبور ہو گئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ جو فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کردیں وہ فریقین کو تسلیم ہو گا۔ اس کے بعد آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کے مردوں کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیں۔ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا گیا کہ یہود کی عورتیں بچے اور ان کے مال و متاع سب جمع کئے جائیں اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں کے قلعہ سے پندرہ سو تلواریں۔ تین صد زرہیں۔ اور دو ہزار تیرے پندرہ صد ڈھالیں نکالی گئیں۔ اور بہت سامال و اسباب برآمد ہوا۔ گائیں بھینسیں' بکریاں اور دیگر جانور بے شمار تھے۔

انصار کے قبیلہ اوس کے لوگوں کے یہ یہود حلیف تھے۔ لہذا بنی اوس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بنو قینقاع عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے۔ ان پر آپ نے رحم فرمادیا تھا اور ان کے ساتھ سو آدمیوں کو بھی معاف کر دیا تھا جن میں تین سو زرہ پوش بھی تھے انہی کی مانند بنو قریظہ پر بھی رحم و کرم فرمایا جائے اور ان کے جرائم سے درگزر فرمایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے جواب میں سکوت اختیار فرمایا اور اپنی شان بے نیازی ظاہر فرمائی اور اس کے بعد کسی کو بھیجا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلایا جائے جو کہ بوجہ زخمی ہونے کے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے انہیں دراز گوش پر سوار کر کے لایا گیا۔ یہ آتے ہوئے بنو قریظہ کے نواح میں آئے تو اوسیوں نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بنو قریظہ کا فیصلہ آپ پر ڈالا ہے۔ اور بنو قریظہ آپ کے طلفار سے ہیں اور وہ بھی ہر طرف سے منہ موڑ کر آپ سے اپنی امید لگا چکے ہیں۔ آپ بھی قبل ازیں مشاہدہ کر چکے ہیں کہ بنی قینقاع عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے اور ابن ابی نے ان کو پوری کوشش کر کے چھوڑا دیا تھا۔ پس آپ بھی بنی قریظہ کے بارے میں شفقت و مہربانی فرمائیں تاکہ ان کو قتل سے نجات مل جائے اوس کے لوگ ہر طرح سے حضرت سعد سے التماس کرتے رہے لیکن حضرت سعد تھے کہ بدستور خاموش رہے اور جواب میں کچھ نہ کہا۔ جس وقت حد سے زیادہ منت کرنے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجرم ہیں ان کی سفارش کی جائے پس بنی اوس بھی مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ قتل کا حکم ہی ہو گا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مجلس نبوی کے قریب آپہنچے بخاری میں ذکر آیا ہے کہ جب حضرت سعد مسجد کے نزدیک آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ قوموا الی سیدکم

کھڑے ہو جاؤ اور اپنے سردار کی تعظیم بجالاؤ۔ بنی اوس کے لوگ کھڑے ہو گئے اور دراز گوش سے ان کو اتار کر لائے اور ان کے بیٹھنے کے لئے چڑے کا فرش بچھادیا۔ اس جگہ سے بعض لوگوں نے قیام کرنا ثابت کیا ہے۔ کہ مجلس میں داخل ہونے والے شخص کے لئے قیام کرنا چاہیے۔ جس طرح کہ اس وقت بھی متعارف ہے۔ لیکن ان کا استدلال ادھورا ہے۔ کیونکہ یہ قیام تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے دراز گوش سے نیچے اتارنے کے واسطے تھا۔ اس لئے کہ وہ تو زخمی تھے۔ نیز وہ بڑے جسیم اور عظیم البجہ تھے۔ اس قیام سے مراد ان کی تعظیم و تکریم نہیں تھی۔ اس لئے فرمایا گیا تھا قوموا الی سیدکم جیساکہ حدیث بخاری میں مروی ہے۔ یہاں پر لفظ لسیدکم نہ فرمایا گیا تھا۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ روضۃ الاحباب میں لسیدکم لکھا ہے اور انہوں نے یہ نکتہ ملحوظ نہیں رکھا اور اس بارے میں شارحین حدیث کہتے ہیں کہ اگر یہ برائے تعظیم و تکریم بھی ہو۔ تو اس میں خصوصاً" اس روز مصلحت پنہاں تھی۔ اس لئے کہ انہیں اس واسطے بلایا گیا تھا کہ وہ فیصلہ کریں اور حکم صادر کریں۔ للذا ان کی خاطر یہ اہتمام کیا گیا کہ ان کے لئے فرش بچھایا اور اس قدر ان کی تعظیم بجالائی گئی۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ جو حکم کریں وہ اسے مانا جائے اور اس کے سامنے اطاعت جھکا دیا جائے۔ اور جہاں تک تذکرہ مسجد کی بات ہے۔ تو یہ وہ مقام تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بنو قریظہ کے علاقہ میں نماز پڑھنے کے لئے خط کھینچ دیا ہوا تھا۔ اور جب اقامت ہوتی تھی تو اس جگہ پر نمازیں پڑھتے تھے اس جگہ سے مراد مسجد نبوی شریف نہ ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھ گئے۔ اس وقت ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا۔ اوس کے لوگ یہودیوں کی خاطر دوبارہ حضرت سعد سے نرمی اور مہربانی برتنے کی باتیں کرنے لگے۔ حضرت سعد نے کہا۔ کہ خدا تعالیٰ کا تمہارے ساتھ یہ عہد اور میثاق ہے کہ جو حکم میں کروں تم اس پر راضی ہو گے۔ تمام نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے حکم پر راضی ہوں گے اس دوران حضرت سعد نے اپنا رخ حضور سید کائنات کی طرف بوجہ تعظیم و تکریم اور حضور کے ادب و احترام کے باعث نہ کیا۔ اور آنجناب کی جانب توجہ کرنے سے گریز ہی رکھا اور کہا جو کوئی بھی یہاں اس وقت موجود ہے کیا وہ میرے حکم پر راضی ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حکم وہی ہو گا جو تم حکم کرو گے پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا۔ کہ بنو قریظہ کے مرد قتل کئے جائیں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور باندیاں بنایا جائے۔ اور ان کے مال و متاع وغیرہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے سعد! تم نے وہ حکم کیا ہے جو ان کے بارے میں سات آسمانوں پر سے رب تعالیٰ نے ان کی خاطر حکم فرمایا تھا۔ ایک روایت اس طرح ہے کہ تم نے خدا کے حکم کے ساتھ حکم کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تم نے ملک کے حکم سے حکم کیا ہے لفظ ملک کسر لام سے ہو تو معنی اللہ تعالیٰ اور فتح لام سے ہو تو مراد ہے کہ تم جبرئیل علیہ السلام۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے سعد! حکم دو ان کے متعلق تو سعد نے جواب دیا کہ حکم دینا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی لائق ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ بے شک خدا تعالیٰ نے تم کو حکم فرمایا ہے کہ تم ان کے بارے میں حکم دو۔

ازاں بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی قریظہ کے ہاتھ اسی طرح ہی گردنوں سے بندھے رہیں اور ان کو مدینہ شریف میں لے چلو۔ اور وہاں قید کرو۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے ان قیدیوں کے سامنے دوران قید کھجوریں ڈال دیتے تھے اور وہ ہاتھوں کے بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے دانتوں سے ہی کھجور اٹھاتے تھے اور کھاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے آئے تو آپ نے حکم فرمایا کہ زمین کے اندر ایک گہرا گڑھا کھودیں مانند خندق کے۔ پھر حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تلواریں کھینچ لیں اور ان سب کے سر اڑا دیئے اور خون خندق میں بہایا گیا۔

جس وقت حیی بن اخطب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روبرو لایا گیا تو آپ نے اسے فرمایا۔ اے دشمن خدا! آخر کار اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے ہاتھ میں قید میں ڈال دیا اور تجھ پر ذلت اور خواری کو مسلط فرمایا۔ اور تجھ پر مجھے غلبہ دے کر مجھے حاکم بنا دیا۔ اب بھی وہ شقی القلب محض شوخی اور بے ادبی کرنے سے نہ ہچکچایا۔ اور اس نے کہا کہ میں نے آپ کے ساتھ دشمنی اور عداوت کی ہے اس بارے میں اپنے آپ پر ملامت نہیں کرتا ہوں لیکن من یخذل اللہ مالہ من عزیز جسے اللہ تعالیٰ رسوا کرتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہ ہے میں نے اپنے لئے عزت کی جستجو کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مند کیا۔ اس لعین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ نہایت عداوت اور مخاصمت تھی۔ اور آپ سے دشمنی رکھنے پر فطری طور پر یہ بے اختیار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے اس وقت یہی حیی بن اخطب آپ کی بارگاہ میں صبح سے شام تک بیٹھا رہتا تھا اور منافقت پر تھا شام کو وقت پر اپنے گھر جاتا تھا تو اس کا بھائی یاسر بن اخطب پوچھتا تھا کہ کیا یہ وہی ہیں جن کے اوصاف تورات میں ہم نے پڑھے ہیں۔ تو حیی کہا کرتا تھا۔ کہ ہاں ھو ھو یعنی ہاں یہ وہی ہیں لیکن میرے دل میں سوائے عداوت کے کچھ نہیں ہے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین اسی حیی بن اخطب کی دختر تھیں۔ یہ غزوہ خیبر میں قید ہو کر آئی تھیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔ یہ تذکرہ آئندہ آئے گا۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جب اپنی تلوار ذوالفقار کھینچی تو حیی بن اخطب نے اپنی گردن جھکا دی تھی اور آپ نے اس کی گردن اڑا کر اس کو اسفل السافلین میں پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد کعب بن اسد کو لایا گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اے کعب! تم ایمان لے آؤ۔ تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ کعب نے جواب دیا کہ میں ضرور آپ کی تصدیق

کرتا اور اطاعت بجالاتا لیکن مجھے شرم آتی ہے کہ لوگ مجھے کہیں گے مارے جانے کے خوف سے عاجز ہو کر یہ ایمان لایا ہے پس میں یہودی دین پر ہی مرتا ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کو بھی اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیا جائے۔ دو دن اور رات حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما بنو قریظہ کو قتل کرتے رہے۔ رات ہو جانے پر مشعل روشن کی گئی اور باقی ماندہ کو بھی جہنم رسید کیا گیا۔

اہل سیرت کے مطابق ان کی کل تعداد چار سو تھی۔ اور چھ سو کہنے والوں کا بھی ایک گروہ ہے اور ایک جماعت اہل سیر کی سات سو بتاتی ہے اور ایک اور جماعت ہے وہ نو سو کی تعداد کہتی ہے کہ یہ بھی امکان ہے کہ اصل میں چار سو ہی ہوں اور باقی لوگ ان کے خدام اور موالی وغیرہ شامل ہوں۔ ان کے مال و متاع کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور کچھ قیدی آزاد بھی کئے گئے اور بعض ہبہ فرما دیئے۔ اور ریحانہ بنت عمرو کو اپنے لئے اختیار کرنے کے لئے مختص فرمایا اور ملک ۔یمین کی طرح ان میں تصرف فرمایا۔ آپ نے یہ بھی چاہا کہ ان کو آزاد کر کے اپنی بیوی بنا لیا جائے لیکن انہوں نے اپنی یہی حیثیت پسند فرمائی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے اور آپ کے لئے اس میں آسانی ہے (واللہ اعلم)

یہاں پر دو حکایات بڑی عجیب بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بنو قریظہ کا ایک یہودی بوڑھا آدمی زبیر بن باطاء نامی تھا اس کو حضرت ثابت بن قیس بن شماس پر کوئی سابقہ حق حاصل تھا اس وجہ سے ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ زبیر مجھ کو عطا فرمائیں۔ آنحضور نے فرمایا کہ تجھے دے دیا۔ پھر حضرت ثابت نے عرض کیا کہ اس کے بیوی بچے بھی آزاد فرمائے جائیں۔ آنحضرت نے یہ بھی قبول فرمایا اس کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کا مال و متاع اور املاک بھی اسے عطا فرما دیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی قبول فرمایا۔ ازاں بعد بوڑھے زبیر نے کعب بن اسد کا حال دریافت کیا۔ اور حیی بن اخطب کے بارے میں بھی پوچھا کہ وہ کہاں ہے نیز فلاں شخص کہاں اور فلاں کہا ہے اسے بتایا گیا کہ وہ سب عدم میں چلے گئے۔ اور تمام کو مار دیا گیا ہے۔ زبیر کہنے لگا کہ خدا کی قسم میرے لئے ان رفیقوں کی مفارقت موت سے تلخ تر ہے۔ لہٰذا میں اس سابقہ خدمت کا حق جو مجھے تم پر ہے یہ مانگتا ہوں کہ مجھے بھی ان کے پاس ہی پہنچا دیا جائے۔ اس کے بعد ثابت رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس واجب القتل یہودی کو جہنم میں پہنچا دیا اور ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر کو زبیری کے سپرد کیا کہ وہ خود ہی اپنا سر کاٹ لے۔

اور دوسری حکایت سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ اور فرماتی ہیں بنو قریظہ کی ایک عورت نے اپنے خاوند کی یاد میں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ وہ خاوند کی محبت اور جدائی میں بڑی جلتی اور روتی تھی دفعتہ کسی نے اس کو پکارا۔ وہ ہنستی ہوئی بڑی خوشی سے گئی اور کہا کہ کیا مجھے بلایا گیا ہے کہ میں قتل کی جاؤں۔ اسے بتایا گیا کہ اسلام میں عورتوں کو مارنے کا قاعدہ نہیں ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں بنی قریظہ کی شادی شدہ عورت

ہوں اور ہم دونوں یعنی بیوی اور خاوند ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ جس وقت محاصرہ بڑا شدید ہو گیا۔ میرے خاوند نے کہا۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر غالب آ گئے۔ تو ہمارے مرد قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور عورتیں قیدی بنیں گی اور باندیاں بنائی جائیں گی۔ میں نے اپنے شوہر کو جواب دیا کہ اب وصال کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اور میں بغیر تمہارے خوش نہ رہ سکوں گی۔ میرے خاوند نے کہا کہ تم کو کہنا سچ ہے اور تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے تمہارے مار دیئے جانے کا ایک یہ طریقہ ہے کہ زبیر بن باطاء کے ساتھ جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تم ان پر چکی کا پاٹ پھینکو۔ وہ ان کے سروں پر گرے گا۔ ہو سکتا ہے ان میں کوئی مر بھی جائے تو تجھ کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ پس اس عورت نے پتھر نیچے لڑھکایا۔ جو حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر پڑا۔ جس سے وہ شہید ہو گئے اس کے قصاص میں اس عورت کو بلایا گیا۔ سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قصاص میں ماری جانے پر اس کی ہنسی اور خوشی مجھے مدت تک نہ بھولی۔ کتنا عجیب ہے کہ باطل عشق و محبت کی فریب کاری بھی یہاں تک ہے کہ اپنی جان محبوب پر قربان کرنے میں خوشی ظاہر کی جاتی ہے۔ جیسے کہ یہودی بوڑھا آدمی زبیر بن باطاء نے کیا اور نیز اس ناپاک و نافرجام کا فعل تھا۔ اس کے مقابلے میں ان لوگوں کے لئے ایمان لانا اور مسلمان ہو جانا دشوار تر تھا۔ (نعوذ باللہ من الجہل والغوایتہ)

یہودی قریظہ کے قتل سے مسلمانوں کو فراغت حاصل ہوئی تو سعدی بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر کھل گیا اور اس سے خون جاری ہو گیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سرہانے موجود تھے اور آپ نے حضرت سعد کا سر اپنے زانوئے اقدس پر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے خدا! سعد کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ۔ اس نے تیرے رسول کی تصدیق کی تھی اور اس پر اسلام کے جائز حقوق اس نے ادا کئے تھے۔ اے خدا اس کی روح کو بہترین طریقہ سے قبض فرما جس طرح کہ محبوبوں کی روحیں قبض فرماتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی تو اپنی آنکھیں کھول کر حضور سے کہا۔ السلام علیکم یا رسول اللہ۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ نے تبلیغ رسالت اس طرح فرمائی جس طرح کہ مطلوب تھا۔ اس کے بعد آنحضرت کے زانوئے اقدس سے اپنا سر اٹھایا اور عذر خواہی پیش کرتے ہوئے آپ سے رخصت کی اجازت طلب کی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ رحمت الٰہی میں داخل ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت جبرئل علیہ السلام استبرق کا عمامہ سر پر باندھے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے صحابہ سے کوئی وصال پا چکا ہے۔ اس کی روح کے استقبال کے واسطے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔

اس کے بعد آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان کی تجہیز و تکفین کی گئی۔

آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے حاضر ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قد طویل تھا اور بڑے جسیم شخص تھے۔ لیکن اس کے برعکس ان کا جنازہ ہلکا ہے کیونکہ اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں مروی ہے کہ قبر کے دباؤ سے اگر کوئی محفوظ رہ سکتا تو وہ سعد بن معاذ ہوتے۔ لیکن اس نیک بندہ پر قبر نے تنگی کی اور اس کے بعد کشادگی اور فراخی فرمائی گئی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ سعد کی موت پر عرش الٰہی کو جنبش ہوئی یہ حدیث بخاری اور مسلم کی روایت کردہ ہے۔ اور اس کی تاویل میں علماء کی رائے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے اس کو ظاہر پر معمول کیا ہے۔ اور عرش الٰہی نے ان کی رُوح کی آمد میں خوشی سے حرکت کی اور یا ان کے وصال پانے کے حزن و ملال میں جنبش کی اور اللہ تعالیٰ نے عرش میں تمیز اور ادراک پیدا فرمائی۔ اس بنا پر اس کو خوشی و مسرت یا اندوہ و ملال ملا۔ جس طرح کہ پتھروں کے ضمن میں ہے۔ **وان منها لما يهبط من خشية الله** بلاشبہ کچھ پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف کے باعث نیچے آتے ہیں اور ظاہر حدیث یہ ہی ہے اور مارزی کا یہی مذہب مختار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرش کی حرکت ظاہر ہے اور ایسا ہونا بعید از عقل نہ ہے۔ اس لئے کہ عرش بھی ایک جسم ہے اور اجسام کو حرکت و سکون ہوتا ہے۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ اہتزاز سے مراد بشارت اور خوشی کا حصول ہے اور حرکت و جنبش نہیں۔ عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ فلاں آدمی مکارم سے اہتزاز کرتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فلاں جسم جنبش میں اور اضطراب میں آگیا ہے۔ بلکہ اس سے مراد خوشی اور مسرت ہوئی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں ان کے وصال کی عظمت کا اشارہ اور عربی لوگ عظیم چیز کو عظیم چیزوں کے ساتھ نسبت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ جہان میں اندھیرا ہو گیا اور اس کے مرجانے سے قیامت آ گئی۔

ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہیں کہ اہتزاز کا مطلب ہے جنازہ اور نعش۔ یہ باطل ہے اور مذکورہ شدہ روایات اس کی رد میں ہیں اور یہ تو مسلمہ ہے۔ **اهتزا لموته عرش الرحمٰن** ان کی موت پر عرش الٰہی نے جنبش کی۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے حاملین عرش مراد ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حریر کا جوڑا پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام اس کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتے تھے اور اس کی نرمی پر متعجب ہوتے تھے۔ اور اعرابی کہتے تھے کہ آنحضرت کے لئے یہ آسمان سے بھیجا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جنت میں سعد بن معاذ کا رومال اس سے بہتر ہے اور زیادہ نرم ہے۔ یہ غایت مبالغہ کیونکہ رومال ادنیٰ کپڑا ہوتا ہے۔ جس سے بدن کو خشک کیا جاتا ہے اور میل وغیرہ صاف کرتے ہیں۔ پس یہ کپڑا اگر اس قدر اعلیٰ اور نفاست والا ہے تو دوسرے لباس کی صورت کیا ہوگی۔ لازماً" وہ اس سے بڑھ کر نفیس ہوگا اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔

محمد بن المنذر کی روایت سے ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے کسی

آدمی نے خاک کی ایک مٹھی اٹھائی۔ اور اپنے ساتھ لے گیا۔ ازاں بعد اس نے دیکھا کہ وہ مٹی مشک اذخر بن چکی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ حتیٰ کہ حضور کے روخ انور پر حیرانی اور تعجب ظاہر ہوئے۔

ابن سعد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت سعد کی قبر کھودنے والوں میں شامل تھا اس سے مشک کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ ان کی یہ کرامات اور بزرگی ان کو اس لئے حاصل ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی اور خوشنودی کو حاصل کیا تھا۔ اور اس بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وہ حکم کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی حق ترجمان زبان پر فرمایا جس کو اوس قبیلہ کے افراد نہ پا سکے اور وہ عرف و عادت میں مبتلا ہو گئے اور ظاہر پر نظر رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم نے ایسا حکم کیا ہے جو سات آسمانوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے۔ حضرت سعد نے بنی اوس کی منت اور ساجت کی طرف دھیان نہ دیا تھا اور حق یہ ہے کہ بنو قریضہ کے اس قضیہ میں اپنی ذلالت اور خاص کیفیت کی رو سے غرابت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ ایک ہی روز میں اس تعداد میں لوگ قتل کئے گئے۔ اور اس میں غرابت ہے بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمام کافر واجب القتل ہیں۔ اگر کسی جگہ ایک ہزار یا بارہ صد کافر قتل بھی کر دیئے جائیں تو اس سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ **اقتلوا المشرکین کافۃ** اس آیت میں کافروں کو ذلیل کرنا اسلام کی شان و شوکت اور مسلمانوں کی عزت کے لئے ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ بعض کمزور طبع آدمیوں کو یہ گمان گزرے کہ یہ فعل رفق اور شفقت کی صف کے منافی ہے اس طرح کہ خیال ان کی کج طبعی اور مسلمانوں کے راستہ سے انحراف ہے۔ یہ بات تحقیق شدہ اور ثابت شدہ ہے کہ ایمان اور اعتقاد کی صفت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہر عمل اور حکم اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے اور حق ہے۔ پس یہ وساوس اور طبیعت کا خلجان غیر معقول اور باطل ہے اور صدق ایمان کے نہ ہونے کی نشانی ہے۔ بنو نضیر کے لئے جلاوطنی اور بنو قریضہ کے لئے قتل کا حکم ہونے میں کوئی نزاع نہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ وہاں جلاوطنی کا حکم کیوں کیا اور یہاں قتل کا حکم کس وجہ سے۔ (تو جان لو کہ) **یفعل اللہ مایشاء ویحکم ما یرید** کسی کو اللہ تعالیٰ کے فعل اور حکم میں کوئی اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ ہے اور اگر کوئی حکمت امر کا متلاشی ہو اور فرق کی تلاش کرتا ہوں تو یہ بات اور ہے ہو سکتا ہے کہ بنو قریضہ کے خبث و شرک کی بنا پر وہ زیادہ شدت اور قتل کے مستحق ہوں۔ کیونکہ انہوں نے عہد و پیمان توڑا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمن قریش کے ساتھ مل کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف محاربہ کیا اور مقاتلہ کیا۔ اور انہوں نے حیی بن اخطب کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم کیا جو شدید دشمن دین تھا۔ ہم یہ توجیہہ اس کے لئے کرتے ہیں جو عقل اور طبیعت میں مبتلا ہے ورنہ حکمت سے واقفیت کی یہاں ہرگز کوئی ضرورت نہ ہے حکمت کو حکم مطلق پر چھوڑو اور یہ ایمان رکھو

کہ تمہارا اس حکمت کا سے واقف ہونا ایمان کی شرط میں داخل نہیں۔ مراد ان حق کا مذہب اس طرح ہے کہ اللہ تعالٰی پر رعایت حکمت کا وجوب نہ ہے۔ اس لئے کہ وہ مختار عام ہے گو ہر کام میں لاتعداد حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں لیکن وہ حکمت کی رعایت اگر نہیں فرماتا تو اس پر لازم بھی نہیں ہے اور یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ وہ کہتا پھرے کہ اس اس طرح کیوں نہیں کیا گیا ہے۔ عقل و شعور کا اعتراض کرنے والا ہاتھ اللہ تعالٰی کے عزوجل کے دامن سے نہایت کوتاہ تر ہے۔ **یفعل اللہ مایشاء ویحکم ما یرید** یہی مفہوم ہے اور اہل اسلام کے لئے یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

یہ تو بالکل عیاں ہے کہ قتل اس کے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں تھا کہ اس قضیہ میں اللہ تعالٰی کا حکم یہ ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ تم نے وہی حکم کیا ہے جو ساتوں آسمانوں سے اللہ تعالٰی کا حکم ہے۔ یہ مقام ہے جس پر بنی اوس کی نظر بظاہر قاصر تھی۔ کیونکہ وہ ان کے لئے منت و سماجت کرتے تھے اور سابقہ معاہدے اور حقوق ان کے ملحوظ خاطر تھے۔ لہٰذا وہ کس طرح حق کو پہچان سکتے تھے۔ ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم اور آپ کی چشم پوشی پر انہوں نے اعتماد کیا اور آپ کی خدمت میں عرض کیا لہٰذا آپ نے بھی ان کو جواب نہ دیا بلکہ آپ خاموش اور تغافل ظاہر کیا۔ **عفا اللہ عنہم** سوائے ان کے اور کوئی صحابی اس بارے بولا تک نہیں تھا۔ کامل ایمان اور سچا اسلام یہ ہی ہے جو کچھ کہ حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما صحابہ رسول نے کر دکھایا۔ وہ سارا دن اور کسی قدر رات کو بھی یہود کو قتل کرنے اور ان کا خون بہانے میں لگے رہے۔

بعض طباع ناقص ڈیڑھی بھی ہو سکتی ہیں گو ان میں کفر کا شائبہ موجود نہ بھی ہو۔ پھر بھی ان کی طبیعتوں میں اس قتل سے کچھ ناپسندیدگی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہو گا کیونکہ وہ جہالت اور کفار کی بستیوں کے قریب رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر اس قسم کے لوگوں سے یہ کہا جائے کہ تم ایک جانور ذبح کرو تو وہ یہ کام بھی نہیں کر سکتے خواہ وہ جانور مر ہی کیوں نہ جائے۔ اس طرح کی باتیں کچھ درویشوں سے بھی مشاہدہ میں آئی ہیں ہو سکتا ہے وہ بھی اس عارضہ میں مبتلا ہوں اور ان کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو۔ پھر بھی یہ گوشہ خالی از جہالت نہ ہے اور جہالت عذر نہیں ہو سکتا مطلوب تو اتباع ہے۔

نہ بے حکم شرح آب خوردن خطا است
دگر خواں بفتوئی بریزی روا است

اور اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حکم تو اللہ کا یہ ہی تھا کہ ان سب کو قتل ہی کر دیا جائے۔ تو پھر ثابت بن قیس کی درخواست پر زبیر بن باطاء کو بخشا چہ معنی دارد۔ اس کا جواب یوں ہے کہ ان یہود میں سے زبیر بن باطاء کو بخش

دینے کا حکم فرمایا گیا۔ اور اہل حرب سے فدیہ وصول کرنے کے بعد یا ان پر احسان فرما کر امان دینا اور چھوڑ دینا یہ حکم شریعت میں داخل ہے۔

شرح کے احکام میں آنحضرت مالک اور مختار ہیں:۔ صحیح اور مختار مذہب یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو احکام تفویض فرمائے گئے ہیں۔ آپ جسے چاہیں جو چاہیں فرمائیں۔ ایک فعل ایک کے حق میں حرام قرار دے دیں اور دوسرے کے حق میں وہی فعل مباح فرمادیں۔ ایسی مثالیں بہت موجود ہیں جیسے کہ حق کی اتباع کرنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور ایک شریعت لازم فرمادی۔

قبیلہ مزینہ کا مسلمان ہو جانا:۔ یہ واقعہ بھی اسی سال کا ہے کہ بلال بن حارث مزنی اپنے قبیلہ کے دیگر چار سو آدمیوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوا اور یہ سب اسلام لے آئے آنحضرت نے ان کو واپس ان کی بستی میں بھیج دیا اور فرمایا کہ تم جس جگہ بھی رہو گے مہاجرین میں شامل ہو گے۔ پس وہ آپ کی اجازت کے مطابق اپنے اپنے شہروں کی جانب چلے گئے۔ بلا بن ہارث نواع فرع میں عامل تھے۔ وہ مدینہ شریف سے پانچ دن کی مسافت کے فاصلہ پر ہے۔ یہی بلال بن حارث رضی اللہ فتح مکہ کے روز مزینہ کی جانب سے جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے یہ روایت ان کے بیٹے حارث اور علقمہ بن وقاص کی ہے اور سوائے بخاری اور مسلم راویوں کے واسطہ کے ساتھ ان سے ہی حدیث روایت کی گئی ہے۔ ان کا ایک فرزند حسان نامی بصرہ میں محدث ہو گزرے ہیں۔ وہ ۱۶۰ء میں ہوئے ہیں۔ ان کی عمر ۸۰ سال ہوئی۔

چاند گرہن کا واقعہ:۔ اس سال چاند گرہن بھی واقع ہوا جیسا کہ روضتہ الاحباب میں بتایا گیا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ مدینہ شریف کے یہود نے طشت بجائے کیونکہ وہ کہتے تھے ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز خسوف میں مشغول رہے تاوقتیکہ چاند دوبارہ روشن ہو گیا۔

سورج گرہن:۔ ہجرت کے بعد دسویں سال میں جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم نے وصال فرمایا اس دن سورج گرہن واقع ہوا جیسے کہ مناسب مقام پر مذکور ہو گا۔ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ سورج گرہن کی وجہ وفات ابراہیم ہے۔ اس بنا پہ اعتقاد تھا کہ ان لوگوں میں پہلے سے مشہور تھا کہ چاند گرہن یا سورج گرہن ہمیشہ کسی بڑی موت یا بڑے حادثہ کے موقع پر واقع ہوتا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی علامات سے ہیں۔ ان کو کسی کی موت کے موقع پر گہن نہیں لگتا۔ تم نمازیں پڑھو صدقہ دو اور استغفار کرو اور ان کی نمازوں کا حال پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

غزوہ دومتہ الجندل:۔ اس کے سال کے دوران دومتہ الجندل کا غزوہ واقع ہوا۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو

اس جگہ سے کوفہ تک دس منزل پر واقع ہے اور دمشق تک بھی فاصلہ دس منزل کا ہے۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ ایک قلعہ کا نام دومتہ الجندل ہے۔ جس کی بنیاد پتھر پر ہے۔ یہاں پر کھجور اور جو پیدا ہوتے ہیں مواہب میں ایک شہر کا نام دومتہ الجندل بتایا گیا ہے اور اس شہر سے دمشق پانچ رات کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ جبکہ مدینہ شریف سے پندرہ یا سولہ رات کا سفر ہے۔ دوی بن اسماعیل کے نام پر یہ نام رکھا گیا ہوا ہے اس نے وہاں پر قیام کیا تھا اور قاموس میں بتایا گیا ہے کہ اس کو دوماجزل بھی کہا جاتا ہے۔ غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر آئی کہ اس علاقہ میں ایک بڑی جمعت اکٹھی ہو چکی ہے اور راہ گیروں کو تنگ کرتی ہے اور ان پر بڑا ظلم و زیادتی کرتی ہے اور اس جگہ کا نصرانی حکمران جس کا نام اکیدر ہے وہ بھی ایک بڑی فوج لئے وہاں پر کھڑا ہے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ اور مقاتلہ کرے۔

جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہزار صحابہ کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور روانہ ہوئے۔ مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے ایک راہبر رہنمائی کی خاطر مقرر کیا گیا۔ آپ رات کے وقت سفر کرتے تھے اور دن کو آرام فرماتے تھے۔ اور آپ راستہ چھوڑ کر قیام فرماتے تھے۔ ان شہروں کے نزدیک گئے تو راہبر نے بتایا کہ دشمنوں کے مویشی اور دیگر جانور نزدیک ہیں۔ وہ تمام مویشی گھیر لئے گئے۔ چرواہے بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اس میدان میں اقامت پذیر ہوئے اور دشمنوں کا کوئی آدمی وہاں نہ رہ گیا۔ آپ وہاں پر کئی دن مقیم رہے چھوٹے چھوٹے متعدد فوجی دستے بھی ادھر ادھر بھیجے۔ ہر طرف وہ گئے لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ ہاں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو پکڑ لیا اور بارگاہ نبوت میں پیش کیا۔ آنحضرت نے اس آدمی سے اس قوم کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے بتایا کہ آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی تیزی سے یہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے وہ آدمی مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلی کے ساتھ صحیح و سالم معہ مال غنیمت واپس تشریف لائے۔ اس سفر میں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ لگا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ دوران سفر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ وصال پا گئیں۔ نبی کریم نے ان کی قبر پر نماز پڑھی حضرت سعد نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میری والدہ کی وفات ناگہانی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ان کو اگر وقت میسر آتا تو ضرور وہ صدقہ دیتیں اگر میں صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب والدہ کو مل سکتا ہے یا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یقیناً اسے ثواب ملے گا۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پانی لہذا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوا کر والدہ کے نام وقف کر دیا۔ اور کہا کہ **هذه لام سعد** یعنی یہ کنواں ام سعد کے لئے ہے۔

میت کے صدقہ کا ثواب:۔ بدنی عبادت کا ثواب میت کو ملنے کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن مالی عبادت میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اتفاق سے جائز ہے علماء نے بیان کیا ہے کہ شیخ عزالدین بن عبد السلام اس دنیا

سے رخصت ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اور کہا کہ ہم لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر قرآن پڑھتے ہیں۔ کیا تم لوگوں کو وہ پہنچ جاتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ دنیا میں ہم اس کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن یہاں آکر پتہ چلا ہے کہ پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سریہ ابو عبیدہ بن الجراح سیف البحر کی طرف:۔ اسی سال میں ذوالحجہ کے مہینہ میں سریہ ابوعبیدہ بن الجراح واقع ہوا۔ معارج النبوۃ میں نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے ابو عبیدہ بن الجراح کو ایک جماعت کے ساتھ سیف البحر کی طرف بھیجا۔ دورانِ سفر کھجوریں ہی زاد راہ تھیں اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر روز ہر شخص صرف ایک کھجور پر گزر تا تھا۔ اور آخر پر آدھی کھجور پر بھی گزارا کرنا پڑا۔ اور اسی طرح کچھ عرصہ کے لئے رہا۔ جب ان کو بڑی مشکل کا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ساحل پر ایک بڑی مچھلی پھینکی جس کا گوشت تین سو آدمی ایک ماہ تک کھاتے رہے اور کتاب مستقصی میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ میں اپنے اونٹ سمیت اس مچھلی کی ایک پسلی کے نیچے سے گزر جاتا ہے۔ انتہیٰ

اور مشکوۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ ہم لوگ جیش الخبط پر جہاد مصروف تھے۔ ہم پر ابو عبیدہ بن اجراح امیر بنائے گئے تھے۔ اس کے بعد ہمیں بری بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو دریا میں سے ایک مچھلی عطا فرمائی۔ اس سے پہلے ہم نے ایسی مچھلی کبھی نہ دیکھی تھی۔ کچھ روایات میں آیا ہے کہ دریا کے کنارے پر ہم کو ایک آبی جانور مل گیا۔ جسے ہم مچھلی کہنے کے بجیر کچھ اور ہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ایک روایت میں دابۃ العنبر مروی ہے یعنی جانور جو عنبر کہلاتا ہے یہ ایک بڑی مچھلی ہوتی ہے۔ اس کی کھال سے ڈھال بنائی جاتی ہے۔ اس ڈھال کا نام بھی عنبر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ اسے اس وجہ سے دابۃ العنبر کہا جاتا ہو کہ عنبر ایک مشہور خوشبو ہے۔ جو اس سے ہی نکلتی ہو۔ قاموس میں بتایا گیا ہے کہ عنبر ایک بحری جانور کا فضلہ ہوتا ہے۔ یا ایسے چشمہ سے ہے جو بحر میں واقع ہے۔ اور نام سمکہ بحریہ ہے۔ اس کے پوست سے ڈھال بنائی جاتی ہے۔ ہم نے اس سے نصف مہینہ گوشت کھایا۔ ازاں ازاں بعد ابو عبیدہ نے اس کی ایک ہڈی لی لیسی کہتے ہیں کہ وہ پسلی تھی۔ اس ہڈی کے نیچے ایک سوار گزر گیا۔ اور سنن میں روایت ہوا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ہڈی کو کھڑا کیا اور دیکھا کہ اس کے نیچے سے ایک اونٹ گزر گیا واپس آنے پر یہ قصہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے اس سے کھاؤ اور اس سے تمہارے پاس اگر کچھ باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ یہ رزق کرامت کے طور پر ان کو حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم نے اس میں سے کچھ آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کھایا (متفق علیہ)۔

درخت سے لکڑی کے ساتھ پتے جھاڑنے کو خبط کہا جاتا ہے اور اس سریہ کو جیش الخبط بھی کہتے ہیں کیونکہ

انہیں بھوک سے بے قرار ہو کر درختوں کے پتے جھاڑ کر اور ابال کر کھانے پڑے تھے۔ اور ان کی گرمی کے باعث منہ میں چھالے اور زخم ہو گئے تھے۔ اور لب اونٹ کے لبوں کی طرح ہو چکے تھے۔ یہ سریہ روضۃ الاحباب میں مذکور نہیں ہے۔ ہاں چھٹے سال کے آخر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ساتھ صرف اس قدر مندرج ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ان کے مقتل کی جانب روانہ کیا۔ تا کہ اس جماعت سے انتقال کیا جائے۔ جیسا کہ آئندہ مذکور ہو گا۔

سنہ ۶ھ کے واقعات

حج کی فرضیت:۔ قول جمہور یہ ہے کہ چھٹے سال کے دوران حج فرض ہوا۔ لیکن علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ نویں سال میں حج فرض ہوا تھا۔ علماء جمہور یہ دلیل دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **واتموا الحج والعمرة للّٰه** اور اللہ تعالیٰ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو۔ یہ آیت چھٹے سال میں نازل ہوئی اور وہ فرماتے ہیں کہ اتمام حج کے معانی ہیں حج کے مبادیات سرانجام دینا۔ اس کی تائید علقمہ، مسروق اور ابراہیم نخعی اجلہ تابعین کی قرائت بلفظ اقیموا سے ہوتی ہے اور طبرانی نے صحیح اسناد کے ساتھ اس قرائت کو روایت کیا ہے۔

اور نویں سال میں حج فرض ہونے کا مذہب رکھنے والے علماء کی دلیل وہ آیت ہے جو سورۃ آل عمران کے شروع میں آئی ہے۔ **وللّٰه على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا** یہ آیت نویں سال میں نازل ہوئی تھی۔ اس کو عام الوفود بھی کہا جاتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد میں سورۃ برات سنانے کے لئے اسی نویں سال میں بھیجے گئے تھے۔ بعض علماء اسے ہی دلیل اور حجت کے لحاظ سے قول راجح اور مختار سمجھتے ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسباب سفر مہیا کرنے میں لگ گئے تھے۔ لیکن بوجہ غزوات یہ ممکن نہ ہو سکا کہ آپ تشریف لے جاتے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو حج کرانے کے لئے بھیجے گئے۔ ان علماء کا کہنا ہے کہ گو یہ آیت **اتموا الحج والعمرة** چھٹے سال میں نزول کے باوجود بھی فرضیت حج پر دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ **اتموا الحج** سے ظاہری معانی کا اعتبار سے مبادیات حج کو پورا کرنے کا حکم مراد ہے نہ کہ حج اور عمرہ۔ بلکہ اس میں یہ حکم ہے کہ حج اور عمرہ کے انتظامات شروع کرو تاکہ اس کی ادائیگی کے وقت تک مکمل کر سکو۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ شروع کے بعد اتمام حج کا حکم چھٹے سال میں نازل ہوا ہو اور اس ابتدائے فرضیت نویں سال میں ہوئی ہو۔

فتح الباری میں علماء سے منقول ہے کہ یہ آیت مقتضی ہے کہ فرضیت حج اس سے پہلے ہوئی ہو اور اس سے پہلے حج و عمرہ نہ ہو تو بعد از شروع اس کا اتمام و اتکمال چہ معنی وارد۔ انتہی۔ اور یہ عیاں ہے کہ کاتب الحروف کو قبل از مشاہدہ فتح الباری اس طرح توارد ہوا تھا۔ لیکن اب اس طرح خیال بھی آتا ہے کہ بعد از شروع حج و عمرہ کے اتمام سے فرضیت لازم

نہیں آتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ نقل ہو اور اتمام و تکمیل کا حکم بعد از شروع فرمایا گیا ہو جس طرح کہ مکہ میں پرانی رسم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی قبل از ہجرت حج ادا کر چکے ہیں۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ کتنے ادا کئے تھے۔ ان کو تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ اس کے تمام کے ساتھ حکم فرمانے میں یہ ہی کافی ہے اور اسلام کے زمانہ میں اس کی فرضیت ہو گئی۔ گو اس توجیہ میں بعد پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

غزوہ ذات الرقاع:۔ اسی سال میں غزوہ ذات الرقاع کے وقوع پر تمام مورخین اور اہل سیر کا اتفاق ہے اور ابن اسحاق کے نزدیک یہ ہے کہ یہ غزوہ چوتھے سال میں بنو نضیر کے قضیہ کے بعد ہوا اور بخاری میں غزوہ خیبر کے بعد بیان کیا ہے پھر انہوں نے اس کا ذکر غزوہ خیبر سے پہلے کیا ہے اور غزوہ خندق کا ذکر قضیہ بنو قریظہ کے بعد کیا ہے یا پھر ممکن ہے کہ کئی بار ہوا ہو۔ ایک مرتبہ غزوہ خیبر سے پہلے ہوا ہو اور دوسری دفعہ اس کے بعد۔ مواہب الدینہ میں اس مقام پر طویل الاطائل کلام ہے۔ لیکن جس قدر اس کے وقوع کے سبب اور اس کے نام کے لئے ضروری ہے ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

اس کے واقع کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی بکریاں بیچنے کے واسطے مدینہ میں آیا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خبر دی کہ غطفان کے بنو انمار اور بنو ثعلبہ نے ایک فوج اکٹھی کر لی ہے اور چاہتے ہیں کہ مدینہ پر حملہ آور ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چھ سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک روایت میں سات سو بھی مذکور ہوا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مدینہ میں خلیفہ بنائے گئے کچھ علماء کہتے ہیں کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے موضع نخل کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہ مواضع نجد میں غطفان کے علاقہ میں واقع ہے اور مدینہ شریف سے دو دن کے سفر کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرت نے دیکھا وہاں گرد و نواح کے مواضع اور بستیوں میں سوائے عورتوں کو کوئی موجود نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آمد کی خبر ملتے ہی وہ پہاڑوں اور ٹیلوں میں بھاگ گئے تھے اور چھپ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اموال تاراج کئے پھر بھی کسی نے تعرض نہ کیا۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ جو عورتیں گھروں میں رہ گئی تھیں ان کو قید کر لیا تھا اس سفر میں پندرہ دن گزرے تھے۔ نماز ادا کرنے میں خوف تھا کہ تمام کے نماز میں مشغول ہو جانے پر دشمن حملہ آور نہ ہو جائیں لہٰذا نماز خوف ادا کی گئی۔ نماز خوف کئی وجوحات سے روایت میں آئی ہے کتاب سفر السعادت میں یہ تمام وجوہ مفصل بیان کی گئی ہیں۔ یہی سب سے پہلی نماز خوف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ادا کی تھی۔ ازاں بعد آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ شریف واپس آ گئے اور کوئی لڑائی وغیرہ واقع نہ ہوئی تھی۔

جہاں تک غزوہ الرقاع کے نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے صحیح بخاری سے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ہم اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ ہم چھ آدمی تھے۔ اور ہمارے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ ہم باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ تمام کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ اور میرے پاؤں کے ناخن ہی اتر چکے تھے اور ہم سب نے اپنے پیروں پر پٹیاں لپیٹی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے اس غزوہ کا نام ذات

الرقاع ہو گیا۔ (رقعہ کا معنی ہے پٹی) نیز صحیح بخاری میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کر دی تو اسے بیان کرنا ان کو ناگوار گزرا۔ اس لئے کہ عمل اور تزکیہ نفس میں فساد نہ آجائے۔

جو واقعات غزوہ کے دوران واقع ہوئے ان سے ایک یہ ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سواری کئے ہوئے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اونٹ تیز رفتاری سے چلے۔ لیکن اونٹ بڑا کمزور تھا اور سست رو تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنا عصاء مارا اور وہ بڑا تند اور تیز ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ جابر! تم اتنے تیز کیوں چل رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نئی شادی کی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ شادی باکرہ سے کی ہے یا کہ ثیبہ سے اور آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے باکرہ سے کیوں نہ کی۔ تاکہ وہ تمہارے ساتھ کھیلتی اور تم اس کے ساتھ کھیلتے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور انہوں نے نو بیٹیاں یا سات چھوڑی ہیں۔ لہٰذا میں نے ثیبہ عورت سے شادی کی ہے۔ تاکہ وہ ان کی خدمت و تربیت کر سکے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر سے وہ اونٹ خرید لیا اور یہ شرط ہوئی کہ مدینہ شریف تک جابر اس پر سوار ہو کر جائیں گے اور وہاں وہ اونٹ آنحضور کو دے دیں گے اور قیمت وصول کر لیں گے مدینہ شریف پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمت حضرت جابر کو ادا کر دی اور اونٹ بھی ان کو واپس دے دیا اس حدیث سے بیع مشروط کی اجازت ظاہر ہو جاتی ہے اور فقہاء نے اس کی ممانعت فرمائی ہے سوائے اس کے کہ کسی دیگر حدیث سے ہو۔ بعض کے نزدیک اس حدیث میں اضطراب ہے اور ضمن میں لمبی بحث ہے جو اپنے مناسب مقام پر مذکور ہے۔

اس غزوہ کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے۔ اسی دوران ایک اعرابی آکر آپ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنی تلوار کھینچ لی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگ پڑے۔ اعرابی بولا۔ کون ہے جو اس وقت مجھ سے تمہیں بچائے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اللہ۔ پھر آنحضرت اٹھ کھڑے ہوئے' اعرابی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ آنحضرت نے وہ تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑی اور فرمایا کہ کون ہے جو تجھ کو مجھ سے روکے گا۔ اعرابی کہنے لگا کہ آپ مجھے بخش دیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اعرابی کہنے لگا میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ کے خلاف جنگ نہ کروں گا نہ ہی آپ کے خلاف لڑنے والوں میں شامل ہوں گا۔ آنحضرت نے اس کا سر اس کو بخش دیا وہ اعرابی اپنی قوم میں واپس گیا۔ تو کہنے لگا میں سب سے بہتر شخص کے پاس سے ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کو اس نے اسلام قبول کرایا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اعرابی کی پیٹھ میں شدید درد اٹھا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ اس طرح کا ایک واقعہ غزوہ غطفان کے دوران بھی گزر چکا ہے۔

غزوہ بنو لحیان:۔ غزوہ بنو لحیان بھی اس سال میں ربیع الاول کے مہینہ میں واقع ہوا اور ابن حزم کا قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ غزوہ پانچویں سال میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس غزوہ کی وجہ یہ ہے کہ عاصم بن ثابت خبیب بن ابی رضی اللہ عنہما اور

ان کے دوسرے ساتھیوں کا واقعہ رونما ہوا جو تیسرے سال میں مذکور ہو چکا ہے۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ الہ وسلم متواتر رنج والم ظاہر فرماتے رہے۔ لیکن متواتر غزوات کی وجہ سے فرصت میسر نہ ہوئی کہ بنی لحیان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو سکتے اور اپنے صحابہ کا انتقام لیتے حتیٰ کہ ہجرت کے چھٹا سال بھی آگیا۔ آپ نے دو صد مہاجرین و انصار ہمراہ لئے اور بنو لحیان کی طرف نکلے۔ ان میں بیس سوار تھے۔ آپ اس انداز سے سفر کر رہے تھے جس سے معلوم ہو کہ آپ بجانب شام جا رہے ہیں۔ مراد یہ تھی کہ بنو لحیان پر اچانک نمودار ہوں اور ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف میں خلیفہ بنایا گیا۔ اور آپ بڑی سرعت سے اس جگہ پر جا پہنچے جہاں پر سریہ رجیع کے مسلمان شہید و اسیر کر لئے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے ان کے حق میں استغفار اور دعائے خیر فرمائی۔ بنو لحیان کو آنحضرت کی تشریف آوری کا پتہ چلا تو فوراً بھاگ گئے۔ پہاڑوں پر جا چھپے اس طرح انہوں نے گرداب ہلاکت سے اپنی جانیں بچائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک دن وہاں ٹھہرے۔ چاروں طرف اپنے فوجی دستے پھیلا دیئے۔ اس کے بعد آپ عسفان چلے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق کو (رضی اللہ عنہ) ایک جماعت کے ساتھ ایک روایت کے مطابق دس سواروں کی جمعیت کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف روانہ فرمایا اور ایک قول ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ اسلامی لشکر کا دبدبہ اور غلغلہ قریش کے کانوں تک بھی جا پہنچے اور وہ گھبرا جائیں اور خوفزدہ بھی ہوں یہ لوگ جائے متعینہ پر پہنچ گئے اور کسی دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ اس کے بعد یہ وہاں سے واپس آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ آملے۔ اس سفر میں کل عرصہ چودہ شب و روز صرف ہوئے۔

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بخلاف بنو کلاب :۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیس سواروں کا دستہ دیا اور بنو کلاب کی سرکوبی کے واسطے ضریہ کے مقام پر بھیجا۔ یہ مدینہ شریف سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ان کے سروں پر اچانک پہنچ جائیں۔ پس محمد بن مسلمہ رات کے دوران سفر کرتے اور دن کو پوشیدہ ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ اچانک یہ ان کے سروں پر جا نکلے اور شبخون مارا۔ کچھ کافر قتل ہوئے باقی سب بھاگ گئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اونٹ بکریاں اپنے ساتھ لئے اور مدینہ شریف آگئے۔ آنحضرت نے خمس نکال کر باقی تقسیم فرما دیئے کل تعداد ایک صد پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں اور اس سفر میں پندرہ روز لگے دیگر ایک روایت میں انیس روز لکھا ہے۔

یاد رہے کہ سریہ محمد بن مسلمہ دو ہیں۔ اس سریہ کو صاحب روضۃ الاحباب نے کتاب کے حاشیہ میں سریہ محمد بن مسلمہ بقرطا تحریر کیا ہے اس قدر وہاں مندرج ہے جو بیان کر دیا گیا ہے۔

سریہ محمد بن مسلمہ بخلاف بنی ثعلبہ :۔ اس سریہ میں محمد بن مسلمہ کو ذی القصہ روانا کیا گیا۔ یہ بنی ثعلبہ کی بستیوں میں سے ایک بستی تھی۔ محمد بن مسلمہ کے ساتھ دس شخص دیئے گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان پر

رات کے وقت جا نکلے۔ اس وقت قریباً سو آدمی جمع ہو گئے اور دونوں طرف سے تیر اندازی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ کفار نے اکٹھے حملہ کر دیا اور نیزوں سے ان کو شہید کر ڈالا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور زمین پر گرے۔ ان کے ٹخنے زخمی ہو گئے تھے۔ ایک مسلمان نے ان کے پاس آ کر انہیں اوپر اٹھایا اور کندھوں پر اٹھا کر انہیں مدینہ شریف لے پہنچا۔ ازاں بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس مجاہدین کے ساتھ ابو عبیدہ بن الجراح کو بھیجا یہ مہینہ ربیع الآخر تھا۔ اس دفعہ انہیں برباد کیا گیا۔ کفار بھاگے اور پہاڑوں پر چڑھ کر چھپ گئے۔ ایک آدمی ملا جو کہ مسلمان ہو گیا اور اس کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے گھروں سے ان کا مال و متاع اکٹھا کر کے مدینہ شریف میں لایا گیا۔ آنحضرت نے پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے بعد باقی مال ان میں تقسیم فرما دیا۔ معارج النبوت میں جو آیا ہے کہ ثمامہ کے ہاتھ باندھ کر قید کیا گیا۔ یہ خالی از غرابت نہ ہے اور اس قصہ کو بھی چھٹے سال میں شامل کر کے محمد بن مسلمہ سے منسوب کر دیا گیا ہے اور وہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت۔

سریہ محمد بن مسلمہ نجد کی طرف:۔ صحابہ کے ہمراہ نجد کی طرف بھیجا۔ انہوں نے قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک آدمی ثمامہ بن اثال نامی کے ہاتھ باندھ کر قید کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیں۔ پھر نبی کریم اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا۔ ثمامہ! تمہارا کیا حال ہے اور تم اپنے متعلق کیا رائے رکھتے ہو۔ اس نے کہا اے محمد! میں ٹھیک ہوں۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو ایک خونی کو قتل کریں گے۔ مراد یہ ہے کہ وہ قاتل تھا اور مستحق قتل تھا اور اگر آپ مجھ پر احسان فرمائیں تو آپ کا یہ احسان شکر گزر پر ہو گا۔ مراد یہ ہے کہ میں چھوڑ دینے پر آپ کا احسان مند ہوں گا اور اگر آپ فدیہ میں مال طلب کریں تو آپ کی خواہش کے مطابق مال دوں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس سے چلے گئے۔ اگلا دن ہوا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آئے اور وہی پہلے والا سوال کیا۔ اس نے بھی وہی جواب دیا حتیٰ کہ تیسرا دن ہوا تو وہی سوال ہوا اور اس کا وہی جواب دیا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو کھول دیا جائے اور رہا کر دیا جائے۔ ثمامہ مسجد کے قریب ہی ایک کھجور کے درخت کے پاس جا کر نہایا اور مسجد میں داخل ہوا۔ پھر اس نے بلند آواز کے ساتھ پڑھا۔ **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله** پھر کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) میرے نزدیک اس زمین پر آپ سے زیادہ دشمن اور کوئی نہ تھا اور اب یہ حالت ہے کہ سب انسانوں سے زیادہ آپ کا چہرہ انور میرے لئے محبوب ہے۔ پہلے آپ کے دین سے زیادہ برا دین میرے نزدیک اور کوئی نہ تھا۔ اب آپ کا دین مجھے محبوب ترین ہے۔ قبل ازیں مبغوض ترین شہر میرے نزدیک آپ کا شہر تھا۔ اب یہی آپ کا شہر میرے لئے محبوب ترین شہر ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ عمرہ ادا کر لوں لیکن آپ کے لشکر نے مجھے گرفتار کر لیا۔ لہٰذا اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بشارت دینے کے بعد عمرہ ادا کرنے کی اجازت فرمائی۔ ثمامہ مکہ کے قریب پہنچا تو کسی نے اس سے کہا کہ تم صحابی ہو گئے ہو۔ یعنی اپنے دین سے پھر کر دوسرے دین آ گئے ہو کافر لوگ اہل اسلام

کو صحابی کہتے تھے۔ یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ دین حق کو چھوڑ دیا ہے اور باطل دین اختیار کر لیا ہے۔ ثمامہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں ہرگز صابی نہیں ہوا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں۔ پھر انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کی قسم بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تم ثمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی حاصل نہ کر سکو گے۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور بخاری نے مختصر طور بیان کیا ہے۔

غزوہ ذی قرد:۔ غزوہ ذی قرد بھی اس سال میں واقع ہوا۔ مدینہ شریف سے ایک برید کے فاصلہ پر یہ ایک چشمہ واقع ہے۔ یہ نام چشمہ کا ہے۔ دوران قصہ یہ بیان ہو گا۔ اسے غزوہ غابہ بھی کہا جاتا ہے یہ بھی ایک مقام کا نام ہے۔ در حقیقت غابہ ایک جنگل ہے۔ یہ غزوہ حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا۔ اہل سیر متفق ہیں اور بخاری کا بیان ہے کہ یہ غزوہ خیبر سے تین دن قبل واقع ہوا۔ اسی طرح مسلم نے بھی کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ غزوہ ذی قرد کے وقوع کی تاریخ سے متعلق صحیح میں مروی شدہ بیان میں بہ نسبت اہل سیر صحیح تر ہے۔ واللہ اعلم۔

غزوہ ذی قرد کے وقوع کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس بیس **بفچہ** تھے۔ **بفچہ** وہ دودھ دینے والا اونٹ ہوتا ہے جو بچہ جننے کے قریب ہو۔ وہ غابہ میں چر رہے تھے۔ وہاں پر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی رہائش پذیر تھے۔ اتفاقاً انہوں نے سوچا کہ وہاں سے تھوڑے دنوں کے لئے آ جائیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وہاں سے آنے کی اجازت مانگی لیکن آپ نے اجازت عطا نہ فرمائی۔ پھر بھی انہوں نے بڑی منت سماجت کی تاکہ اجازت دے دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے غطفان کی جانب سے اطمینان نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو وہ تم پر حملہ کر دیں۔ منت و سماجت میں مبالغہ کے باعث حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اجازت عطا فرمائی۔ ساتھ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں گویا کہ بنو غطفان تم پر حملہ کر رہے ہیں اور تمہارا بیٹا انہوں نے شہید کر دیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے حال پر مجھ کو بڑی حیرانی ہوئی کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس طرح فرماتے ہیں اور میں اپنے مطالبہ پر ضد کر رہا ہوں۔ آخر جو کچھ آنحضرت نے فرمایا تھا وہی کچھ واقع ہو گیا اور تعجب خیز واقعہ یہ ہے کہ اتنے جلیل القدر اور عظیم المرتبت سے اس قسم کا واقعہ سرزد ہوا۔ جبکہ یہ صحابی ہمیشہ ہی رضائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طالب رہے ہیں۔ ان سے ایسی بات میں اصرار اور مبالغہ ہوا جس سے کہ آنحضرت توقف فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی اس طرح سے تھی عتبہ بن حصین نے چالیس کافروں کو ساتھ لے کر حملہ کر دیا۔ اونٹ اس نے لوٹ لئے۔ دونوں چرواہے بھی شہید کر دیئے۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو بھی شہید کر دیا۔ اتفاق تھا کہ سلمہ بن الاکوع اور حضرت رباح رضی اللہ عنہما جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلام تھے۔ سحری کے وقت اس جانب نکلے تھے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے رباح رضی اللہ عنہ کو جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اطلاع دینے کے لئے کہا۔ اور کہا کہ میں خود کفار کا تعاقب کرتا ہوں۔ آنحضرت نے اطلاع ملتے ہی آواز دی۔ **یا خیل اللّٰہ ارکبی** اے اللہ کے لشکر سوار ہو جاؤ آپ کے اعلان کا پہلا حصہ یہ تھا بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پانچ سو اور دوسری روایت کے

مطابق سات صحابہ ساتھ لئے اور سوار ہو کر تعاقب میں نکلے۔ حضرت ابن کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف میں خلیفہ بنایا۔ مقدار رضی اللہ عنہ کے نیزہ پر جھنڈا لہرایا گیا اور حکم فرمایا کہ آگے بڑھو تمہارے ساتھی بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ اس سے مراد یہ تھی فوج کے دیگر آدمی بھی تمہارے پیچھے پیچھے ہی آجائیں گے۔ مسلمہ بن الاکوع اس سے قبل تعاقب کفار میں تھے۔ مسلمہ رضی اللہ عنہ نہایت بہادر و شجاع تھے۔ جنگوں میں پیدل ہوتے ہوئے سواروں پر حملہ آور ہوا کرتے تھے اور سوار مدمقابل کو نیچے گرادیتے تھے۔ نیز یہ تیر اندازی میں یگانہ زمانہ شخص تھے۔ انہوں نے درخت کے نیچے تین مرتبہ بیعت کی۔ (بیعت رضوان) شروع میں پھر درمیان میں اور پھر آخر میں۔ مسلمہ نے جب مدینہ شریف کی طرف رباح رضی اللہ عنہ کو برائے اطلاع بھیج دیا تو خود ایک ٹیلہ پر چڑھے اور کھڑے ہو کر زور سے آواز دی۔ اور تین دفعہ بلند آواز سے پکارا۔ و اصباحاہ لوٹ مار کے متعلق خبر دینے کے لئے یہ الفاظ ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں غارتگروں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میرے پاس میری تلوار اور کمان تھے میں کافروں پر تیر برساتا تھا۔ ہر تیر سے ایک نہ ایک شخص ضرور زخمی ہو کر گرتا تھا۔ وہ جنگل درختوں سے بھرا پڑا تھا۔ دشمن کا کوئی آدمی مجھ پر تیر پھینکتا تھا تو میں کسی درخت کے پیچھے ہو جاتا تھا۔ اس طرح میں بچ جاتا تھا۔ کسی وقت میں کسی بلند چوٹی پر جا کر ان پر پتھر بھی برسانے لگتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ تنگ آگئے اور اپنی جان مجھ سے بچانے کے لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ چھوڑ دیئے اور فرار ہوئے۔ میں نے اونٹوں کو مدینہ شریف کی طرف ہنکار دیا اور خود انہی کے تعاقب میں چلا۔ میں نے ان کو اس قدر تیروں سے زخمی کیا کہ وہ عاجز اور پریشان ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نیزے اور کپڑے بھی گرانے لگے۔ اس لئے وہ مجھے ان کو جمع کرنے میں مصروف کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ ان کے ساتھ لڑنے سے میں رک جاؤں وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے اس پر میں ایک پتھر رکھ دیتا تھا اور خود انہی کے پیچھے پڑ جاتا تھا۔ حتی کہ اس طرح ان سے تیس نیزے اور تیس عدد ہی چادریں ان سے لے لی گئیں دوپہر کے وقت فرازہ کے کافروں کی ایک جماعت ان کی امداد کو پہنچ گئی۔ پس وہ سب مل کر میرے طرف متوجہ ہوئے۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ درختوں کی اوٹ سے وہ سوار بھی دکھائی دینے لگے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بطور ہراول پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔ سب سے آگے آگے اخرام اسدی تھے وہ بڑے بہادر جوانمرد تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سعادت مندوں سے ایک تھے۔ ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں مارس رسول اللہ بھی کہا کرتے تھے۔ اس قصہ کے آخر پر یہ بھی مذکور ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ **خیر فرسانها الیوم ابوقتادہ** آج تمام گھوڑ سواروں میں ابو قتادہ بہترین ہیں۔ **وخیر رجالنا مسلمة** پیدل چلنے والوں میں سلمہ بہترین ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے حضرت مقدار بن اسود کندی رضی اللہ عنہ آرہے تھے۔ مشرکوں نے جب مسلمانوں کو بھی آتے دیکھ لیا تو راہ فرار اختیار کی۔ اخرم رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں چلے۔ میں پہاڑ سے فوراً اترا اور اخرم کی لگام کو پکڑ لیا۔ اور ان سے کہا کہ صبر کرو تاکہ دیگر صحابہ بھی آپہنچیں۔ اخرم کہنے لگے۔ اے سلمہ! اگر تم خدا تعالیٰ اور روز جزا پر ایمان دار ہو اور جنت دوزخ کو حق جانتے ہو تو میرے اور شہادت کے درمیان مانع نہ ہو پس میں نے ان کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اور اخرم رضی اللہ عنہ **محتبہ بن**

حصین کے بیٹے عبدالرحمٰن کے پاس جا پہنچے اس پر نیزہ مارا جو کارگر ثابت نہ ہوا۔ پھر عبدالرحمٰن نے اپنا نیزہ اخرام کو مارا۔ جس سے اخرم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور ان کے گھوڑے پر وہ خود سوار ہو گیا۔ اس کے بعد ابو قتادہ اس کے قریب آئے اور وہی نیزہ عبدالرحمٰن کو مارا اور وہ جہنم رسید ہوا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کا مقولہ پورا ہو گیا۔ **کما تدین تدان**

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عبدالرحمن مارا گیا تو ہم نے کفار کا تعاقب شروع کر دیا۔ پس سب کافر گھاٹی میں داخل ہو گئے۔ اس گھاٹی میں پانی کا چشمہ تھا۔ اس کا نام ذی قرد تھا۔ یہ غزوہ اسی سے منسوب ہے۔ کافر وہاں سے پانی پینا چاہتے تھے۔ لیکن ہمارے قریب ہونے کے باعث بوجہ خوف وہ پانی نہ پی سکے کنارے سے ہی وہ بڑے تیزی سے بھاگنے لگے۔ میں اکیلا ہی سورج ہونے تک ان کا تعاقب کرتا رہا۔ اور ان کے دو گھوڑے حاصل کئے اور واپس آگیا۔

سبحان اللہ وماشاء اللہ کس قدر جواں مرد اور بہادر ہیں سلمہ رضی اللہ عنہ اور کتنی محبت و شیفتگی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ۔ اس بہادری کا باعث نہ اونٹ ہیں نہ ان کا گم ہونا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں تمام مال ومتاع کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ آپ اس قدر مال کے لئے لشکر کشی فرماتے بلکہ یہ تو اس لئے تھا کہ فساد ختم ہو۔ دین اسلام کی شوکت کا اظہار ہو اور کافر نگونسار کئے جائیں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں واپس ذی قرد میں آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے لشکر سمیت وہاں پر تشریف فرمائیں اور جو اونٹ دشمنوں کا مال غنیمت مجھے ملا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کا جگر اور کوہان بھون رہے ہیں کہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کریں۔ میں بارگاہ نبوت میں پیش خدمت ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کافر پیاس سے بے تاب اور حواس باختہ بھاگتے جا رہے ہیں۔ آپ مجھے اجازت فرمائیں کہ جناب کے صحابہ سے ایک سو آدمی منتخب کر لوں اور دشمنوں کا تعاقب کروں اور کوئی ایک کفر بھی زندہ نہ چھوڑوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اس طرح کرو گے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے آپ کو عزت وکرامت عطا فرمائی میں ایسا ضرور کروں گا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آپ کے دندان مبارک کا نور چمکنے لگا۔ اور فرمایا۔ اے اکوع کے بیٹے! **اذ وملکت فاسجح** جب قابو پاؤ تو نرمی اور رفق اختیار کرنا۔ مراد یہ ہے کہ زیادہ شدت اور سختی نہ کرنا کیونکہ مقصد تو صرف دین کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کرنا ہے۔ اور بحمد اللہ ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی غلفان میں مہمانی کی جا رہی ہے۔ ازاں بعد ایک آدمی نے غلفان سے آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ ایک اونٹ ذبح کر کے کھال اتار رہے تھے جبکہ ایک سمت سے کچھ گرد وغبار اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ انہوں نے گمان کیا کہ یہ اسلامی لشکر آ رہا ہو گا۔ پس وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔

اس کے بعد بنی عمرو اور بنی عوف کے لوگ بھی بطور کمک مدینہ شریف سے آپہنچے ان میں سوار اور پیادہ سب ہی شامل تھے۔ لیکن ادھر کام ختم ہو چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج ہمارے سواروں میں ابو قتادہ بہترین ہیں اور سلمہ پیادوں میں بہترین ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیادہ اور سوار کا حصہ مجھ کو عطا فرمایا اور اپنا

ردیف بھی بنایا۔ مراد یہ کہ مجھے اپنے پیچھے سوار کیا۔ سبحان اللہ کیا نصیب ہیں اور کتنے قابل رشک مقدر ہیں۔ اس مقام پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دن ایک رات قیام فرمایا۔ پھر مدینہ شریف تشریف لے آئے۔ اس غزوہ میں تمام تر وقت سفر پانچ راتیں ہوئیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سفر کے دوران بھی نماز خوف ادا کی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دوران سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھوڑے سے نیچے آگرنے کے باعث حضور کی پنڈلی یا ران مجروح ہو گئی تھی۔ لہٰذا مدینہ شریف پہنچ کر آپ نے بیٹھ کر نماز ادا کی آپ نے صحابہ کرام کو بھی امام کی متابعت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ لیکن اکثر علماء اس حدیث کو منسوخ تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ صحیح ثابت شدہ ہے کہ مرض الموت کے دوران رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا کی تھی اور صحابہ کھڑے ہو کر اقتداء میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کو برقرار ہی فرمایا۔

سریہ عکاشہ بن محصن اسدی:۔ اسی سال کے دوران حضرت عکاشہ بن محصن اسدی کو چالیس آدمی دے کر بھیجا گیا۔ یہ بنو اسد کے خلاف غمر کے مقام پر بھیجے گئے۔ اس بستی کے نواح میں پہنچے تو بنی اسد کو ان کے آگے کی خبر ہوئی۔ وہ فرار ہو گئے اور گھر خالی چھوڑ کر چلے گئے۔ مسلمان بستی میں آئے تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ صرف ایک شخص ملا۔ ان کو امان دی گئی اور رہبری پر متعین فرمایا تا کہ وہ اس جگہ لے چلے جہاں پر ان کے مویشی وغیرہ جانور موجود تھے۔ جب وہاں گئے تو دو سو اونٹ ملے۔ انہیں لیا اور مدینہ شریف آگئے۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ:۔ اسی سال میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک جمعیت دے کر بنو سلیم کی طرف بھیجا۔ یہ بطن نخلہ کے پاس موضع جموم کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچے اور بنی سلیم کے مویشی قبضہ میں کر لیے۔ چند آدمیوں کو قیدی بھی بنایا۔ اور مدینہ شریف واپس آئے۔ صرف اس قدر روضۃ الاحباب میں مندرج ہے۔ لیکن مواہب الدینہ میں اس طرح آیا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنی سلیم کی جانب بھیجا۔ ان کا مقام موضع جموم تھا۔ اس کو جموح بھی کہتے تھے۔ یہ مدینہ شریف سے چار کوس کے فاصلہ پر واقعہ ہے اور بطن نخلہ کے ایک گوشہ میں ہے۔ یہ چھٹے سال کا ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ وہاں سے ایک عورت حلیمہ نامی ملی۔ اس عورت سے بنی سلیم کے محلوں سے ایک محلہ کی طرف رہنمائی حاصل ہوئی وہاں پر اونٹ بکریاں اور قیدی ملے۔ ان قیدیوں میں اس عورت کا خاوند بھی قید تھا۔ ان سب کو اپنے ساتھ لیا اور زید رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں آحاضر ہوئے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس عورت اور اس کے شوہر کو بخش دیا۔

حضرت زید بن حارثہ کا دوسرا سریہ:۔ اس سال میں سریہ زید بن حارثہ کو دوسری مرتبہ موضع عیص کی طرف بھیجا گیا۔ یہ مدینہ شریف سے چار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ شام کی طرف سے آنے والے کاروان قریش کی جستجو میں تھا

اس سریہ میں ستر سوار تھے انہوں نے قافلے کو پکڑ لیا اور ان سے تمام مال و متاع قبضہ میں کر لیا۔ صفوان بن امیہ کے پاس بہت سی چاندی تھی وہ بھی قابو کر لی اور وہ سب قید کر لئے گئے سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خاوند ابوالعاص بن ربیع بھی ان میں شامل تھے۔ ازاں بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی ان کی دی ہوئی پناہ کو قائم رکھا۔ اس کے بعد ابوالعاص مکہ چلے گئے وہاں پر یہ مسلمان ہو گئے اور ایمان لے آنے کے بعد یہ مدینہ شریف چلے آئے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ یہ غزوہ بدر کے اسیروں میں شامل تھے۔ مکہ کے لوگوں نے اپنے اپنے قیدیوں کو فدیے ادا کئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس وقت مکہ میں ابوالعاص کے پاس ہی تھیں۔ اس زمانہ میں مومنہ عورت کا نکاح مشرک کے ساتھ درست ہوتا تھا۔ انہوں نے ابوالعاص کا فدیہ دینے کے لئے وہ ہار جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود اپنے گلے میں پہنا کرتی تھیں اور بیٹی کو جہیز میں دے دیا تھا۔ بھیجا سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ ہار دیکھ کر رقت آ گئی۔ آپ نے صحابہ کو فرمایا کہ اگر ابوالعاص سے فدیہ وصول نہ کرو اور ان پر احسان کر کے چھوڑ دیں تو یہ بہتر ہے۔ صحابہ کرام نے بسرو چشم قبول کیا۔ آنحضرت نے ابوالعاص کو آزاد کر دیا اور آپ نے اس سے آئندہ کے لئے وعدہ لیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ شریف میں بھیج دے اس کے بعد آپ نے سیدہ کو لانے کے لئے آدمیوں کو بھیجا اور سیدہ زینب مدینہ شریف تشریف لے آئیں ابھی تک ابوالعاص مسلمان نہ ہوئے حتیٰ کہ چھٹے سال ابوالعاص تجارت کے لئے شام کی طرف گئے۔ یہ قریش کے قافلہ کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ قافلے کو مسلمانوں نے پکڑ لیا اور سب آدمیوں کو اسیر کر لیا۔ ابوالعاص بھی ساتھ شامل تھے۔ ابوالعاص نے کوئی آدمی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی خدمت میں مدینہ بھیجا کہ ان کو وہ اپنی پناہ میں لے لیں۔ اس کے بعد سیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں گزارش کی۔ حضور نے بھی قبول فرمایا۔ اس طرح ابوالعاص کو رہائی ملی۔ لوگ ابوالعاص سے کہنے لگے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ تمہارے ساتھ جو مال تھا وہ بھی تمہیں مل جائے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے۔ حاشا اللہ تعالیٰ کی پناہ میں اپنے اسلام کو مال کی ہوس سے آلودہ نہ کروں گا۔ ابوالعاص اس کے بعد مکہ چلے گئے۔ اور لوگوں کو مال سپرد کر دیا۔ اس کے بعد کہا اے مکہ والو! تم اپنا مال پورا کر لو۔ اور اس کے بعد پڑھا۔ **اشهد ان لا اله الله واشهد ان محمد رسول الله** کتاب اسد الغابہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالعاص شام کی طرف جاتے ہوئے مسلمانوں نے گھیر لیا اور اس وقت یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کی پناہ میں لے گئے تھے لیکن صحیح یہ ہی ہے کہ واپسی پر یہ واقعہ ہوا۔ اس طرح اہل سیر بھی بیان کرتے ہیں اور اصابہ میں شیخ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ بھی یہ ہی تحقیق کر چکے ہیں۔

سریہ زید بن حارثہ بطرف وادی القریٰ:۔ اس سال کے دوران زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو وادی القریٰ بھیجا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زید رضی اللہ عنہ تجارت کے واسطے ملک شام کی طرف سفر پر تھے۔ ان کے ساتھیوں نے بھی اپنا بہت سا مال ان کے سپرد کیا ہوا تھا۔ وادی القریٰ کے نزدیک قبیلہ فزارہ کی ایک شاخ بنی بدر کے لوگوں نے ان کا راستہ روکا

دونوں فریقوں میں گھمسان کی جنگ و قتل واقع ہوا۔ ان کی تعداد زیادہ تھی اور مسلمان تھوڑے تھے۔ کافروں کو غلبہ حاصل ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کو زدوکوب بھی بہت کیا۔ مال وغیرہ بھی لوٹ لے گئے۔ مسلمان شکست خوردہ واپس مدینہ شریف آ گئے اور دربار رسالت میں اپنی داستان بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ اور جمعیت دے دی اور انہوں نے رات کو سفر کیا اور دن کے وقت یہ چھپے رہتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت صبح کے وقت وہاں پہنچے اور اپنا انتقام ان سے لیا کچھ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ ان کی عورتیں قیدی بنائی گئیں۔ باقی سب بھاگ گئے۔ یہ چند سرایہ روضۃ الاحباب میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیان شدہ ہیں۔ لیکن مواہب الدینہ نے ان کے علاوہ بھی کچھ سرایہ بیان کئے ہیں ان میں سے ایک سریہ ہے۔

سریہ زید بن حارثہ بجانب ام قرفہ:۔ اسی سال رمضان شریف کے مہینہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ام قرفہ فاطمہ بنت ربیع بن زید فراریہ کی طرف بھیجے گئے۔ یہ عورت ام القریٰ کے گرد و نواح میں ہوتی تھی۔ یہ مدینہ شریف سے سات منزل کے فاصلہ پر رہتی تھی۔ یہ اس علاقہ کی ملکہ اور سردار مانی جاتی تھی۔ یہاں پر سریہ وادی القریٰ کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام قرفہ کو قید کر لیا۔ وہ بڑی ضعیفہ تھی اسے سخت زدوکوب کیا گیا۔ اس کے دونوں پاؤں باندھے گئے اور الگ الگ دو اونٹوں کے پاؤں کے ساتھ باندھ دیئے۔ اس کے بعد اونٹوں کو دوڑا دیا۔ تو اس عورت کے پرخچے اڑ گئے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ واپس مدینہ شریف آ گئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دروازہ مبارک پر دستک دی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قمیض بھی زیب تن نہ فرمائی اور گھر سے باہر تشریف لے آئے اور آپ اپنا لباس مقدس بغل میں لئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت زید کو اپنی بغل میں لے کر ان کا بوسہ لیا۔ پھر اس عورت کے بارے میں پوچھا تو حضرت زید نے اپنی کامیابی بیان کی۔

سریہ زید بن حارث بجانب طرف:۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک سریہ طرف کی جانب بھی واقع ہوا ہے۔ مدینہ شریف سے چھتیس میل دور یہ ایک چشمہ ہے۔ حضرت زید کے ساتھ پندرہ آدمی تھے۔ یہ جب بنی ثعلبہ میں پہنچے تو وہاں پر صرف اونٹ اور بکریاں تھیں۔ لوگ فرار ہو چکے ہوئے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بیس اونٹ لے کر صبح کے وقت مدینہ شریف آئے اور کسی بھی حربی شخص سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کل چار راتیں سفر میں گزریں۔

بخشی کی طرف سریہ زید بن حارثہ:۔ بخشی وادی قریٰ کے عقب میں ہے اسکی طرف بھی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک سریہ واقع ہوا ہے۔ یہ سریہ جمادی الاخر کے مہینہ میں واقعہ ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھیجا تھا اور قیصر نے ان کو ایک خلعت اور دیگر تحفے دیئے تھے۔ راستے میں ہنید نے بخشی کے غلاموں کے ساتھ مل کر ان پر راہزنی کی اور بنو الضبیب کے

لوگوں کو پتہ چلا تو انہوں نے ان پر حملہ کر کے سامان وغیرہ لوٹ لیا۔ حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارگاہ میں پہنچے اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پانچ سو آدمیوں کی جمعیت دے کر بھیجا۔ حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ دوبارہ بھیجا۔ یہ دن کے وقت پوشیدہ رہتے تھے اور رات کے دوران سفر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بوقت صبح اس قوم پر جا حملہ آور ہوئے۔ انہیں قتل کیا گیا اور ان پر شدت کی گئی۔ ہنید اور اس کا بیٹا قتل کر دیئے گئے۔ ان کی ایک ہزار بکریاں اور ایک سو عورتیں اور بچے بھی اسیر کے لئے گئے۔ دوسری طرف زید بن رفاعہ جذامی نے اپنی قوم کے کچھ آدمی اپنے ساتھ لئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر بیان کیا اور ایک خط بھی تحریری طور پر پیش خدمت کیا۔ جس میں درج تھا میں اور میری قوم چند دن پہلے مسلمان ہو چکے ہوئے ہیں یہ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ان تمام کو معہ اموال چھوڑ دیا جائے۔ پس ان کے اموال لوٹا دیئے گئے۔

وادی قریٰ کی طرف سریہ زید بن حارثہ :۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک سریہ وادی قریٰ کی جانب بھیجا۔ اس سریہ میں مسلمان کافی تعداد میں شہید ہو گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی میدان جنگ سے زخمی حالت میں اٹھا کر لائے گئے۔ ابھی وہ زندگی کی رمق رکھتے تھے۔

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے متعدد بار لشکر کشی کی ہے کچھ وہ غالب رہے اور چند میں وہ مغلوب رہے۔ یہ سبب معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ سرایہ روضۃ الاحباب میں کیوں مذکور نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی تذکرہ **معارج النبوۃ** ہے (واللہ اعلم)

بنی کعب کی جانب سریہ عبدالرحمٰن بن عوف :۔ اسی سال کے دوران حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بن کعب قبیلہ کی طرف بھیجے گئے۔ ان کا مقام دومۃ الجندل تھا۔ ارباب سیر نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر اپنے روبرو بٹھالیا۔ اور ان کے سر پر اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ عمامہ باندھا دیگر ایک روایت میں غزوہ کا ذکر بھی ہوا ہے اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ **اعز بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ** اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرو اور جنگ کرو ہر اس سے جو کافر ہے۔ خدا کے نام سے۔ غنیمت میں خیانت کا مرتکب نہ ہونا۔ فریب کاری نہ کرنا بچے قتل نہ کرنا۔ ایک اور روایت ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کر لیں تو ان کے سردار کی بیٹی طلب کرنا۔ پس وہ روانہ ہو گئے۔ اور دومۃ الجندل کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں پر یہ قیام کر کے متواتر تین دن دعوت اسلام دیتے رہے۔ ان کا سردار اصبغ بن عمرو کلبی نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ اور کافی لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور وہ لوگ جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہوئے جنہیں اسلام لانے کی توفیق نہ ہو سکی۔

واقعات مذکورہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب غزوات و سرایہ میں یہ دستور کار فرما ہو گا گو ہر واقعہ کے ساتھ اس کی سراحت نہیں کی گئی۔ کیونکہ شریعت کا حکم اسی طرح ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصبع کی دختر کے ساتھ نکاح فرمایا۔ دختر کا نام تماضر تھا۔ پھر مدینہ شریف لوٹ آئے۔ ان سے ہی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تھے۔ یہ امام دین ہوئے اور اکابر تابعین سے ہوئے اور مدینہ شریف کے فقہائے سبعہ میں سے تھے۔

فدک کی طرف سریہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ:۔ موضع فدک میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ اسی سال بھیجا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں خبر آئی کہ بنی سعد بن بکر ایک فوج اکٹھی کر رہے ہیں جس کی غرض خیبر کے یہود کو امداد دینا تھی تاکہ یہ تمام مجتمع ہو کر مدینہ شریف پر حملہ آور ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ دوران شب سفر کرتے تھے اور دن کے دوران پوشیدہ رہتے تھے حتیٰ کہ فدک اور خیبر کے درمیان ان پر جا حملہ کیا۔ بنو سعد کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو پانچ سو اونٹ اور ایک ہزار بکریاں غنیمت میں ملیں۔ ازاں بعد بلا کسی ضرور نقصان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ شریف آ گئے۔

قضیہ عکل:۔ یہ قضیہ عکل بھی اسی سال واقع ہوا جس کو سریہ کرز بن جابر فہری بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق یہ جمادی الاخریٰ میں غزوہ ذی قرد کے بعد وقوع میں آیا جبکہ امام بخاری نے اس کا ذکر ماہ ذیقعد میں بعد از حدیبیہ کہا ہے۔ واقدی ماہ شوال میں کرتے ہیں اور ابن سعد اور ابن حبان نے ان کی پیروی کی ہے۔ صحیح البخاری میں کتاب المغازی کے اندر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ عکل اور عرینہ کے باشندے خدمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حاضر ہوئے اور اسلام کا اظہار و اقرار اپنی زبان سے کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! ہم اونٹوں اور بکریوں والے لوگ ہیں۔ اور ہم زراعت پیشہ نہیں ہیں۔ ہماری زمینوں میں چارہ اور کھجوریں نہیں اگتی ہیں۔ نہ ہم شہری بود وباش کے عادی لوگ ہیں مدینہ شریف کی آب و ہوا ان کو پسند نہ آئی یہ ان کے مزاج سے موافقت نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا وہ بیمار ہو گئے اور ان کے پیٹوں پر ورم ظاہر ہوا اور ان کے رنگ بھی زرد ہو گئے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کو اونٹ دے دیئے جائیں دو عدد یا تین یا دس عدد تک کا حکم کیا اور آپ نے فرمایا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اونٹ مسجد قبا کے گرد و نواح میں جبل عید کے نزدیک تھے ان لوگوں نے بمطابق حکم رسالت اونٹوں کا دودھ اور پیشاب نوش کیا۔ پس وہ سارے تندرست ہو گئے اس مسئلہ میں علماء کے متعدد اقوال آئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہوتا ہے۔ پاک نہ ہونے کی صورت میں آنحضرت پینے کا حکم ہرگز نہ فرماتے۔

دوسرا قول ہے کہ پینے کا یہ حکم صرف علاج کی خاطر تھا اور تیسرا قول ہے کہ ہے تو وہ نجس اور حرام لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حکم بمطابق وحی اس قوم سے مخصوص تھا۔ اس لئے وہ تندرست ہو گئے اور اپنے حال پر آ گئے لیکن اس

کے بعد وہ اسلام کے اظہار کے بعد کافر ہو گئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کو شہید کر دیا اور خود اونٹ لے کر دوڑ گئے۔ یہ خبر مدینہ شریف پہنچی تو ان کے تعاقب کا حکم فرمایا گیا نیز فرمایا کہ ان کی آنکھوں میں سلاخ پھیر کر دھوپ میں پھینک دیں تاکہ وہ مر جائیں۔

ایک روایت میں آیا کہ مقطوع الاعضاء کو نہ داغیں۔ جس طرح کہ معمول ہے کہ دست بریدہ کو خون بند کرنے کی غرض سے داغتے ہیں کہ ہلاک نہ ہو جائے برعکس ان کے تاکہ خون جاری رہے ان کو داغ نہ دیں تاکہ وہ مر جائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک میرے مشاہدہ میں آیا ہے۔ وہ زمین کو دانتوں کے ساتھ کاٹتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ وہ پانی طلب کرتے تھے تو آنحضرت جواب دیتے تھے کہ تمہارے واسطے دوزخ کی آتش ہے ان کی آنکھوں میں سلاخ پھیرنا۔ ان کے ہاتھ کاٹنا اور دھوپ میں ڈال دینا نیز داغ نہ دینا یہ بطور قصاص تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چرواہوں سے انہوں نے اس طرح ہی کیا تھا۔ ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ اونٹ لے جانے سے قبل یہ لوگ اصحاب صفہ کی طرف آکر بیٹھے تھے۔

یہاں پر ہو سکتا ہے کہ بعض بے عقل اور کم فہم لوگ گمان کریں کہ ان کے کفر اور ان کی حرکات اس سے پہلے ہی آنحضرت پر کیوں نہ مکشوف ہو گئے تھے۔ مسلمانوں میں وہ کیوں چھوڑ دیئے گئے۔ کیوں نہ نکال دیئے گئے۔ یہ تمام تر باتیں جاہلانہ ہیں۔ کیونکہ ان کے احوال اور انجام سے باخبر ہونے کا ذریعہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وحی اور اعلام الہیہ تھا۔ اس موقع پر نہ ہوا۔ اس میں حکمتیں مخفی ہوں گی جن کو سوائے اللہ تعالیٰ علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا۔ تمام اہل کشف اور اہل خبر اولیاء کا حال بھی یہ ہی ہے۔ یہ ناپاک آدمی تعداد میں آٹھ تھے اور اونٹ پندرہ تھے اور تعداد لشکر بیس سوار تھی۔

ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ یسار رضی اللہ عنہ نام کا ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام تھا۔ ایک روز اسے بڑی اچھی طرح سے نماز ادا کرتے ہوئے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلم نے دیکھا۔ آپ نے اس کو آزاد کر دیا اور ان اونٹوں کی حفاظت و نگہداشت کے لئے اس کو بھیج دیا۔ یسار رضی اللہ عنہ اس جگہ قیام رکھتے تھے۔ اس کے بعد عرینہ کی ایک قوم نے آکر اسلام کا اظہار کیا۔ اس اثنا میں ان کو بخار اور لرزہ کی بیماری ہو گئی اور ان کے پیٹ بڑھ گئے۔ ان لوگوں نے یسار رضی اللہ عنہ پر سختیاں کیں۔ ان کو ذبح کر دیا۔ ان کی آنکھوں میں کانٹے بھی چبھوئے اور اونٹوں کو ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو پکڑنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجا۔ اس جماعت کا امیر کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو انہوں نے پکڑ لیا اور لے آئے۔ ان کے ہاتھ کاٹ کر آنکھوں میں سلاخ پھیر دی گئی۔ حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ لعنتہ اللہ علیہم۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو سلاخ پھیرنے کو مکروہ جانتے ہوئے اس آیت پاک کا نزول فرمایا۔ **انما جزا الذین یحاربون اللّٰہ رسولہ** یہاں پر صاحب مواہب لدنیہ کا قول ہے کہ آنکھوں میں سلاخوں کو پھیرنے کو اللہ تعالیٰ نے مکروہ جانا اس مردویہ کی یہ بات مسلم کی روایت کے برعکس ہے۔ اس لئے کہ سلاخیں پھیرنا یا دیگر باتیں یہ سب

بطور قصاص تھا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیونکر مکروہ ہو سکتی تھیں۔ فتح الباری میں آیا ہے کہ ابن التین کا گمان یہ ہے کہ عرینہ اور عکل ایک ہی قبیلہ کے دو نام ہیں۔ جبکہ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ یہ علیحدہ علیحدہ دو قبیلے ہیں عکل عدنان سے ہیں اور عرینہ قحطان سے ہیں۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا سریہ بھی اسی سال کے واقعات میں سے ہے۔ یہ سریہ خیبر کی طرف اسیر بن رزم یہودی کی طرف بھیجا گیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو رافع بن ابی الحقیق ہلاک کر دیا گیا تو وہاں کے یہودیوں نے اسیر کو اپنا سردار بنایا۔ اسیر غطفان اور دوسرے قبیلوں میں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف انہیں مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ بارگاہ رسالت میں جب یہ خبر ملی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو معہ دیگر تین شخصوں کے بھیجا کہ حقیقت معلوم کریں۔ وہ واپس وہی خبر لائے۔ اس کے بعد انہی اشخاص کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اسیر کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس کے پاس جا کر کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آؤ تاکہ وہ تم کو خیبر پر عامل مقرر فرمائیں اور تم پر احسان کریں۔ وہ بھی اس لالچ میں آگیا۔ اس نے اپنے ساتھ تین اور یہودی آدمی لے لئے۔ تاکہ ہر مسلمان آدمی کے برابر میں ایک یہودی ہو۔ وہاں سے روانہ ہو پڑے۔ قرقرہ کے مقام پر آکر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ اور اپنے اونٹ سے نیچے اتر آئے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں نے بھی اس کے ساتھی یہودیوں کو قتل کر دیا۔ اور مسلمانوں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ اس کے بعد یہ بارگاہ نبوت میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں سے تم کو نجات عطا فرمائی ہے۔

عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف:۔ اسی سال کے دوران عمرو بن امیہ ضمری کو مکہ میں ابو سفیان بن حرب کی طرف بھیجا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کو ابو سفیان نے مدینہ شریف بھیجا کہ وہ اپنے خنجر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر دھوکہ سے حملہ آور ہو حضرت سلمان بن اسلم رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ ابو سفیان کی طرف جبار بن صخر رضی اللہ عنہ بھیجے گئے تاکہ موقع بنے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ پس عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مکہ آئے اور ایک رات کو جبکہ وہ طواف کعبہ میں مشغول تھے ابو سفیان کے بیٹے معاویہ نے ان کو دیکھ لیا۔ معاویہ نے ان کے بارے میں قریش کو بتایا۔ قریش ان کے متعلق جستجو کرنے لگے اور لوگوں کو کہا کہ اے مکہ والو! عمرو بن امیہ مکہ میں موجود ہے اس سے خبردار رہنا اور جاہلیت میں مشہور تھا کہ عمرو بن امیہ اچانک قتل کر دیتے ہیں۔ مکہ والوں نے اتفاق کر لیا کہ ان کو ڈھونڈ کر قتل کیا جائے۔ عمرو اور سلمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں مکہ والوں کو پتہ چل جانے پر دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ سلمہ بن اسلم تو مدینہ شریف واپس آگئے۔ اور عمرو بن امیہ مکہ کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں پوشیدہ ہو گئے۔

عمرو بن امیہ نے بیان کی اہے کہ اس اثناء میں عثمان بن مالک سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اپنا خنجر اس کے سینہ میں گھونپا۔ اس کے چیخنے کی آواز اتنی بلند تھی کہ سن کر کئی لوگ ادھر آ گئے اور انہوں نے مجھے پکڑنے کے لئے قصد کیا۔ میں ایک غار میں چھپ گیا تھا اس میں سے دوسرے غار میں چلا گیا۔ اس غار میں مجھے ایک کانا آدمی دکھائی دیا۔ وہ اپنی بکریاں دھوپ سے سایہ میں لایا تھا اور ٹیک لگا کر وہ یہ شعر پڑھنے لگا۔

۔ فلست بمسلم ما دمت حیا ولست ادین دین المسلمین

اس کا مطلب ہے کہ میں تمام زندگی مسلمان نہ ہوں گا اور مسلمانوں کا دین اختیار ہرگز نہ کروں گا اس کے بعد اس نے شان رسالت میں گستاخی شروع کی۔ میں نے صبر کیا تاکہ وہ سو جائے اس کے بعد اس کی درست آنکھ پر میں نے اپنی کمان کی نوک رکھی اور اتنا دبایا کہ وہ اس کے دماغ تک چلی گئی۔ اور اس نے اپنی جان جہنم کے داروغہ کے سپرد کر دی اس کے بعد میں غار سے باہر آ گیا۔ اس وقت قریش کے دو جاسوس آدمی میرے پاس آئے میں نے ان میں سے ایک پر تیر مارا اور دوسرا فرار ہو گیا۔ اس کے بعد میں صحیح و سلامت مدینہ شریف آ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو گیا۔ میرا ساتھی بھی بخیریت مدینہ شریف آ چکا تھا۔ ابوسفیان کو حقیقت معلوم ہوئی تو اس نے اپنی حفاظت کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کا بڑا اہتمام کرنے لگا۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ افسوس ابھی ابوسفیان کی موت کا وقت ہی نہ آیا تھا کہ میرے ہاتھ سے بچ گیا تھا۔

بارش کی دعا:۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بارش کے لئے دعائے استسقاء فرمائی۔ اہل سیرت بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے بعد چھٹے سال کے دوران رمضان شریف کے مہینہ میں مدینہ میں قحط پڑ گیا لوگ آنحضرت کی بارگاہ میں استسقاء اور استغاثہ کی خاطر درخواست کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش فرما دی کتاب سفر السعادت کے مولف نے کہا ہے کہ چھ موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعائے استسقاء فرمائی ہے۔ پہلا یہ کہ آپ نے بروز جمعہ دوران خطبہ بارش کے لئے دعا فرمائی اور آپ نے فرمایا۔ **اللہم اغثنا اللہم اغثنا اللہم استغفنا اللہم استغفناء** بخاری مسلم' موطا' ابوداؤد اور نسائی میں مختلف روایات سے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قحط پڑ گیا۔ جمعہ کے روز آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دفعتہ" ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ۔ **ھلک المال۔ وجاء العیال فادع لنا۔** مال ہلاک ہو گئے ہیں اور اہل و عیال بھوکے ہیں۔ ہمارے واسطے دعا فرمائیں اور ایک روایت میں آیا ہے **قحط المطر دا احمرت الشجر وھلکت البھائم** اور ایک روایت میں آیا ہے۔ **ھلکت المواشی واھلکت العیال ھلکت الناس** آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔ **اللہم اغثنا اللہم اغثنا۔** آپ نے اس طرح چار دفعہ فرمایا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تین مرتبہ فرمایا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے دو مرتبہ یا تین بار فرمایا۔ **اللہم اسقنا۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم۔ بادل کا ایک ٹکڑا بھی

اس وقت آسمان پر ہمیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ ابھی نیچے نہ کئے تھے کہ بادل امڈ امڈ کر آگئے۔ جیسے کہ پہاڑ ہوتے ہیں اور برسنا شروع کیا۔ وہ دن دوسرا دن پھر تیسرا دن یہاں تک کہ دوسرا جمعہ مبارک بھی آگیا اور بارش بدستور جاری تھی۔ دوسرے جمعہ کو وہی اعرابی دوبارہ حاضر ہوا اور کہا۔ یا رسول اللہ! **هدم البناء و غرق المال۔** دوسری روایت میں آیا ہے۔ **هلكت الاموال وانقطعت السبيل** اموال ہلاک ہو گئے ہیں اور راستے بند ہو چکے ہیں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو منتشر فرمادے۔ پس آنحضرت نے دونوں ہاتھ مبارک بلند کئے اور ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ آنحضرت نے آدمی کی زود رنجی پر تبسم فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ **اللهم حوالينا ولا علينا** اے اللہ ہمارے اردگرد بارش برسا اور ہم پر نہ برسا۔ ایک اور روایت میں اس قدر مزید آیا ہے۔ **اللهم على الاكام والضرب وبطون الاوديته ومنابت الشجر۔** اے اللہ تعالیٰ کھیتوں پر باغوں پر چشموں پر اور درختوں کی جڑوں پر بارش برسا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم جس جانب اپنی انگلی مبارک سے اشارہ کرتے جاتے تھے وہاں سے بادل چھٹتا جاتا تھا۔ حتی کہ مدینہ منورہ پر سے بادل صاف ہو گیا اور وادیاں پانی سے بھر گئیں اردگرد بارش جاری رہی۔ اور اسی طرح ایک ماہ تک یہ سلسلہ بارش جاری رہا۔ جس طرف سے بھی کوئی آدمی آتا تھا۔ وہ بارش کی خبر دیتا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مدینہ کے اوپر سے بادل پیچھے ہٹ گیا تھا اور ایک قطرہ بھی مدینہ پر نہ گرا۔ یہ واقعہ جمعہ کے روز مسجد نبوی میں خطبہ کے دوران ہوا۔

دوسرا وہ ہے جو ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لوگوں نے قحط اور خشک سالی کی شکایت پیش کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا۔ عیدگاہ میں منبر بچھایا جائے اور ایک مخصوص دن پر صحابہ کو وہاں اکٹھا ہونے کا حکم فرمایا۔ پس صحابہ کرام اس دن وہاں جمع ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج چڑھنے کے بعد بڑے خضوع و خشوع اور عجز و انکسار کے ساتھ تشریف فرما ہوئے عیدگاہ میں آکر منبر پر کھڑے ہو گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کا یہ حصہ محفوظ ہے۔ آپ نے فرمایا **بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم مالك يوم الدين لا اله الا اللّٰه يفعل ما يريد۔ اللهم انت اللّٰه لا اله الا انت تفعل ما تريد اللهم انت اللّٰه لا اله الا انت الغنى ونحن الفقراء انزل علينا الغيث واجعل ما انزلت لنا قوة وبلاغا الى حين** اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن اور نہایت رحم والا ہے۔ سب حمدیں اللہ کے واسطے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ رحمٰن و رحیم ہے یوم جزا کا وہ مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہ ہے۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے اے اللہ! تیرے بغیر کوئی معبود نہ ہے۔ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے ہمارے اللہ' سوائے تیرے کوئی قابل پرستش نہ ہے تو غنی ہے اور ہم حقیر ہے ہم پر بارش نازل فرما اور اس بارش کو ہمارے لئے قوت بنادے اور ہماری پریشانی میں بلاغ بنا۔

ازاں بعد نبی کریم نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر تضرع اور ابتہال کا آغاز فرمایا اور اپنے ہاتھوں کا اٹھانے میں مبالغہ فرمایا۔

یہاں تک کہ دونوں بغلوں مبارک کی سفیدی نمودار ہو گئی۔ اس کے بعد قبلہ رخ ہو گئے۔ حاضرین کی جانب پشت مبارک اور باہر والا حصہ اندر کی جانب ہو گیا۔ یہ چادر مبارک کالے رنگ کی تھی۔ اس طریقہ سے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا فرمائی پھر منبر شریف سے نیچے اتر کے نماز شروع کی۔ دو رکعت نماز بلا اذان اور اقامت ادا فرمائی اور قرات با آواز جہر کی اول رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ **سبح اسم ربک اعلیٰ** تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں **هل اتک حديث الغاشيه** اور روایت میں سورہ ق اور **اقتربت الساعة** بھی آئی ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخر پر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نماز سے فارغ ہو جاتے پر اللہ تعالیٰ نے بجلی اور کڑک کے ساتھ بادلوں کو بھیجا۔ وہ برسنے لگے حتیٰ کہ مسجد نبوی تک پہنچتے تک پانی بہنے لگا جس وقت لوگوں کی پریشانی اور عجلت ملاحظہ میں آئی تو تبسم فرمایا کہ دانتوں مبارک کی تابانی نمودار ہوئی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے نیز گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں۔

تیسرے اس طرح واقع ہوا کہ مدینہ شریف کی مسجد میں جمعہ ادا کیا اور دعائے **استسقاء** بھی فرمائی گئی جس طرح بیہقی نے حضرت یزید بن عبداللہ سلمیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے دلائل النبوت میں نقل کیا ہے کہ غزوہ تبوک سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے تو بنو فرازہ کا ایک تباہ حال وفد پیش خدمت ہوا۔ جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ انہوں نے قحط کے بارے میں تکلیف بیان کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری خاطر اپنے رب سے دعا فرمائیں اور اپنے رب سے ہمارے واسطے شفاعت کریں۔ تاکہ آپ کے باعث وہ شفاعت فرمادے آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ تم لوگوں پر حیف ہے رب تعالیٰ ہی سے تمام لوگ شفاعت کرو۔ ایسی ذات اور کوئی نہیں جس سے اللہ تعالیٰ شفاعت کرے۔ **لا اله الا الله العلی العظيم** جب تم آہ و زاری اور فریاد و استغاثہ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق تبسم فرماتا ہے درمیان میں کھڑا ہوا۔ وہ کہنے لگا کیا رب تعالیٰ بھی تبسم فرماتا ہے۔ اعرابی نے کہا پھر ہم رب تعالیٰ سے ہرگز خیر طلب نہیں کریں گے کیونکہ وہ تبسم فرماتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ اعرابی کی یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر دعا کے لئے ہاتھ مبارک اٹھائے اور بارش کے واسطے دعا فرمائی۔ حتیٰ کہ ایک ہفتہ تک بارش جاری رہی۔ الحدیث۔ اس تیسری صورت میں نماز استسقاء اور آپ کا خطبہ محفوظ نہ رہے۔ بلکہ صرف دعا کرنا محفوظ ہے۔

چوتھا موقع اس طرح سے تھا کہ آپ نے مدینہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں دعا کی اور بیٹھے بیٹھے استسقاء فرمائی۔ آپ منبر پر بھی تشریف فرما نہ ہوئے تھے۔ اس دعا کا صرف یہ حصہ محفوظ ہے۔ **اللهم اسقنا غليثا مريعا عاجلا غير راثيا** اور ایک روایت میں **غير عاجل نافعا غير ضار** آیا ہے۔

پانچویں مرتبہ یوں ہوا کہ مدینہ شریف کے ایک مکان میں آپ نے دعا فرمائی۔ وہ مکان مسجد شریف سے باہر زوراء کے نزدیک ہے۔ اس کو احجار الزیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ مسجد نبوی کے باب السلام کے قریب ہے۔ اس مقام پر آپ نے ایک

مرتبہ استسقاء فرمائی تھی۔

اور اس طرح کا چھٹا واقعہ دوران غزوات کا ہے کیونکہ کچھ غزوات میں مشرکین پانی کے چشموں پر قابض ہو گئے اور انہوں نے پانی کے کنارے پر پڑاؤ ڈال لیا۔ اس طرح مسلمان بغیر پانی کے رہ گئے تھے۔ ان پر پیاس نے غلبہ کیا تو انہوں نے اپنی شکایت بارگاہ نبوت میں پیش کی۔ منافق اور مشرک لوگ کہنے لگے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) واقعہ اللہ کے نبی ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اہل اسلام کی خاطر بارش کی دعا فرماتے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصاء مار کر بارہ چشمے جاری فرمائے تھے۔ کافروں نے وہی مثال دی ہو گی۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا اے مسلمانوں تم بھی مایوس نہ ہو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم کو بھی پانی عطا کر دے۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں مبارک اٹھا کر دعا فرمائی۔ فوراً بادل امڈ آئے جن سے عالم تاریک ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی۔ استسقاء کی یہ چھ صورتیں کتاب سفر السعادت میں مذکور ہیں۔

جب قریش قحط میں مبتلا ہوئے تو اسی طرح آپ نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی تھی۔ اس میں آپ نے فرمایا **اللھم سنین کسنی یوسف** اور ایک میں آیا ہے۔ **سبعا کسبع یوسف** مراد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح ان پر بھی اتنے ہی سال یا سات سال قحط پڑا رہا۔ ان لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تضرع کرنا اور آہ زاری کرنا مشہور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ جب بارش کے لئے دعا کرتے تھے تو اپنے جسم مبارک کے کچھ حصہ پر سے لباس مبارک اتار لیتے تھے تاکہ اس حصہ پر بارش کا پانی گرے اور آپ فرماتے تھے۔ **لانہ حدیث عھد البریۃ**

جناب امام ابو حنیفہ امام اعظم کے نزدیک بارش کی دعا میں کوئی نماز مسنون نہیں۔ وہ صرف یہ دعا اور استغفار ہی ہے۔ جیسے کہ اللہ عز اسمہ کا ارشاد ہے۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا	اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرو۔ جو آسمانوں
یرسل السماء علیکم مرارا۔	سے تم پر موسلا دھار بارش نازل کرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ زیادہ تر احادیث میں استسقاء کی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے۔ نماز نہیں ہے۔ سوائے ایک مرتبہ کے کہ آپ میدان عیدگاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ دو رکعت نماز ادا کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔ لیکن یہ حدیث معہ اپنی جملہ خصوصیات پایہ صحت تک نہیں پہنچی اور یا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ سنت اس وقت ہو سکتی تھی اگر آپ شدت سے اس پر مواظبت کرتے اور یا باوجود اس کو بعض اوقات ترک کرنے کے اکثر اس پر عمل فرمایا ہو تک جبکہ اس طرح آپ نے سوائے ایک مرتبہ کے کبھی نہ کیا تھا اور یہ بات بھی صحیح ثابت شدہ ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے استسقاء کی تھی اور اس میں یہی دعا اور استغفار تھی۔ استسقاء میں اگر

نماز مسنون ہوتی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں نہ ہوتی باوجود اس کے مشہور ہونے کے اور آپ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نبوت کے زمانہ سے نہایت قریب تھا۔ لہذا باوجود کسی مسنون کا علم ہونے کے حضرت عمر کا اسے ترک کر دینا بالکل ہی ناممکن سی بات ہے۔ اور جو علماء کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز واجب نہ ہے۔ ان کا مقصد ہے کہ جماعت اور دوسری خصوصیات سے نماز ادا کرنا مسنون نہیں ہے۔ لہذا کوئی آدمی اگر اکیلے میں نماز ادا کرے۔ تضرع اور زاری کا اظہار کرے اور دعا اور استغفار کا یہ طریقہ اختیار کرے تو درست اور احسن ہے۔ مختصر یہ کہ استسقاء سے متعلقہ جملہ احادیث خالی از اضطراب نہیں ہیں اور اکثر ان خصوصیات کی حامل احادیث کی سند میں ضعف بھی پایا جاتا ہے۔ پس امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سب کے خلاصہ و مقصود کو لے لیا ہے اور وہ یہی دعا اور استغفار ہے۔ اور نماز کو بھی جواز میں رکھا ہے اور خطبہ وغیرہ بھی اثبات میں رکھا ہے جبکہ ان کا ماخذ یقینی و حتمی طور پر ثابت ہو صاحبین اور دیگر تینوں ائمہ استسقاء میں جماعت اور خطبہ مسنون جانتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف جناب امام ابو حنیفہ کی تائید پر ہیں۔ لیکن اس وقت احناف کے مذہب میں بھی صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے علماء نے فرمایا ہے استسقاء میں جو چیز حقیقتاً مقصود ہے وہ سنت کی پیروی اور مراسم ابودیت کی اقامت ہے۔ بارش کا برسنا اور دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ **واللہ ذوالفضل العظیم۔**

عمرہ حدیبیہ

ہجرت کے بعد چھٹے سال کے دوران ذیقعد کے مہینے میں سوموار کے روز عمرہ کے قصد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لے گئے۔

مکہ شریف سے نو میل کے فاصلے پر مقام حدیبیہ ہے اور یہ مقام حل و حرم کا جامع مقام ہے۔ علماء کا قول ہے کہ زیادہ علاقہ حرم کا ہے۔ حدیبیہ فی الحقیقت ایک کنواں ہے۔ یا یہ نام ایک درخت کا ہے جو یہاں پر ہے۔ اب یہ نام اس جگہ کا ہو گیا ہے جو مخصوص جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں متعین تھی اور معلوم تھی۔ وہ جگہ زمانہ صحابہ میں مبہم اور مجہول بن گئی اور لوگ وہ جگہ یقینی طور پر معلوم نہ ہونے کے باعث اس کی زیارت سے محروم ہو گئے۔ جس سمت میں آپ نے سفر کیا تھا وہ سمت معلوم ہے لیکن وہ مخصوص جگہ یقینی معلوم نہیں ہے حضرت سعید بن المسیب اکابر تابعین سے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے والد سے صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ وہ بھی درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے تھے انہوں نے فرمایا کہ ہم دوسرے سال وہاں گئے تو ہم اس جگہ کو پہچان نہ سکے تھے۔ اور طارق بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا ہے کہ میں حج کے واسطے گیا تو ایک جماعت کو میں نے حدیبیہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت مکہ جانے کا راستہ یہی راہ حدیبیہ تھی۔ اب حدیبیہ دائیں ہاتھ پر رہ جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کو اس جگہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے میں

نے دیکھا۔ اور پوچھا کہ یہ کیسی مسجد ہے۔ اور اس مقام پر کیوں بنی۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ اس درخت والی جگہ ہے جس کے نیچے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لقد رضی اللہ عن المومنین انیبا یعونک تحت الشجرۃ مراد یہ تھی کہ وہ جگہ جس پر درخت کے نیچے حدیبیہ میں بیعت ہوئی یہ ہی ہے۔ لوگوں نے اس مقام پر مسجد بنالی ہے جیسے کہ مدینہ شریف جملہ آثار مصطفویہ میں اور آپ کی راہوں میں مسجدیں بنائی ہوئی ہیں۔ اور اس مقام کو باعث برکت گردانتے ہوئے لوگ وہاں پر برکت حاصل کرتے ہیں اور نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت طارق نے فرمایا کہ ازاں بعد مدینہ شریف میں میں نے سعید بن المسیب کے پاس آکر واقعہ بیان کیا۔ توانہوں نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ جگہ جہاں درخت قائم تھا ہمیں بھلادی گئی ہے۔ پس اس کو پانے کی قدرت ہم نہیں رکھتے اور وہ مقام ہمارے لئے مبہم ہو چکا ہے۔ سعید بن المسیب نے کہا کہ آنحضرت کے صحابہ وہ جگہ معلوم نہیں کر سکتے۔ تمہیں کیسے علم ہوا اور تم نے کس طرح وہ جگہ پالی۔ مراد یہ کہ کیا تم صحابہ سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ جبکہ آنحضرت کی صحبت کی بنا پر وہ زیادہ علم و معرفت رکھتے تھے۔ ہاں لوگوں نے وہاں پر اپنے قیاس و گمان کے مطابق مسجد بنائی ہو گی لیکن اب تک اس مخصوص مقام کا تعین کسی آدمی کو حاصل نہیں۔

یہاں پر حضرت سعید بن المسیب کے کلام میں یہ تنبیہہ پائی جاتی ہے کہ بزرگان اور مقربین کے مقابلے میں زیادہ علم رکھنے کا دعویٰ نامعقول اور نامقبول ہوتا ہے۔ صرف ان کے بتائے ہوئے پر ہی اکتفا کرلینی چاہیے اور اسے تسلیم کرلینا چاہیے۔ تواضع اور انکساری کے باب میں یہ بہت بڑا قاعدہ ہے۔ یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسلامی لشکر کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت میں چودہ سو کی تعداد مروی ہے۔ ایک کے مطابق پندرہ سو اور ایک روایت میں تیرا سو بھی آئی ہے۔ ان کی جمع و توفیق میں یہ کہا جاتا ہے کہ اصل میں چودہ سو سے اوپر تھے۔ پندرہ سو کہنے والوں نے کسر کو بڑھایا ہو گا۔ اور چودہ سو کہنے والوں نے کسر کو حذف کیا ہو گا۔ اہل عرب حساب میں اس طرح کی سہل انگاری کے عادی ہیں۔ اور کسر ملحوظ نہیں رکھتے جس طرح کہ مولف مواہب الدینہ بیان کرتے ہیں۔ ایک روایت میں پندرہ سو بیس صحابہ کی تعداد مروی ہے۔ ان سب روایات کی جمع یوں ہونی چاہیے۔ کہ سال حدیبیہ میں سات رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چودہ سو اور کچھ صحابہ کو ہمراہ لے کر مدینہ شریف سے نکلے۔ امام نووی بھی اسی جمع پر اپنی کتاب میں اعتماد کرتے ہیں جہاں تک تیرہ سو والی روایت ہے۔ یہ امکان ہو سکتا ہے کہ راوی کو اتنی ہی تعداد کا پتہ ہو۔ زیادہ تعداد کی خبر اسے نہ ہو سکی ہو۔ لیکن ان تمام کو دیکھنے والے صاحب نے کل تعداد کا مجموعہ نقل کیا ہو۔ اور اصول حدیث میں مقرر و مبین ہو چکی ہے کہ ثقہ راوی کی طرف سے اضافہ لائق تسلیم ہوتا ہے اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ یہ توجیہہ اور تاویل سولہ سو اور سترہ سو والی روایات پر بھی اطلاق ہو سکتی ہے جیسے کہ بعض ایسی روایات ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

لیکن اس میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی ظاہرا" عبادات یوں متعارف ہے کہ ایک ہزار اور چار سو تھے یا ہزار اور پانچ صد تھے یا ہزار اور تین سو تھے۔ اس طرح نہیں کہ چودہ سو پندرہ سو اور تیرا سو تھے۔ اس کی تاویل یوں ہوئی

ہے۔ کہ سو سو کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں۔ ان تیرہ یا چودہ اور پندرہ سو کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ تنگ علماء ظاہر کرتے ہیں۔ (کذا قیل)

غزوہ حدیبیہ فتوحات اور فیوضات کا سرچشمہ ثابت ہوا ہے۔ جو اس کے بعد حاصل ہوئے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ تم فتح کو فتح شمار کرتے ہو۔ مراد یہ ہے کہ جو **انا فتحنا لک فتحا مبینا** میں ہے۔ اس سے تم فتح مکہ مراد لیتے ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح مکہ فتح ہے لیکن ہم بیعت رضوان کو فتح سمجھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ تو فتح ہی ہے بیعت رضوان فتح عظیم ہے۔

آیت پاک انا فتحنا سے مراد میں محدثین کی رائے مختلف ہے۔ یعنی یہ فتح مکہ ہے یا کہ فتح حدیبیہ ہے یا اس سے مراد بعد میں ہونے والی فتوحات ہیں۔ بیضاوی نے کہا ہے کہ فتح مکہ کا اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے اور تحقق وقوع کی وجہ سے اس کو ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یا یہ اس فتح کے ساتھ ہے جو اس سال کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میسر ہوئی مثال کے طور پر فتح خیبر اور فتح فدک اور یا اس میں صلح حدیبیہ کی خبر دے کر اس کو فتح کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے واقع ہونے سے مشرکین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلبہ اور فتح مندی کا حصول ہوا۔ اہل شرک صلح کی جستجو کرنے لگے اور یہ صلح فتح مکہ کا سبب اور اس کا زینہ ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقی سارے عرب کے لئے فراغت مل گئی۔ پس اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غزوات کئے اور متعدد مقامات مفتوح ہو گئے اور اسلام میں مخلوق کی کثرت داخل ہوئی۔ حدیبیہ میں علامات عظیمہ کا اظہار ہوا۔ اس سال روم کو فتح حاصل ہوئی اور اس کو ایران پر غلبہ حاصل ہوا اور سورۃ روم میں آنحضرت کی فتح کی پہچان کرائی گئی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فتح کے بارے میں یہ اختلاف قدیم سے ہے تحقیق یہ ہے آیات میں مختلف مراد ہے۔ آیت **انا فتحنا لک** سے حدیبیہ مراد ہے۔ کیونکہ فتح کا مبداء ہے اور اس پر وہ صلح ترتیب میں آئی جس میں امن اور رفع جنگ ہے اور **واثابھم فتحا قریبا** میں خیبر کی فتح کا ذکر ہے۔ اور **فجعل من دون ذالک فتحا قریبا** سے مراد حدیبیہ ہی کی فتح ہے اور **انا جاء نصر اللّٰہ والفتح** میں فتح مکہ مقصود ہے۔ ارباب سیر نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ صحابہ سمیت مکہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں کعبہ شریف کی چابی ہے۔ بعض صحابہ نے اپنے سروں کو منڈوایا ہے اور کچھ نے بالوں کو ترشوایا ہے جب یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ سے بیان کیا تو انہیں بڑی مسرت حاصل ہوئی اور سوچنے لگے کہ اس کی تعبیر اسی سال ظاہر ہوگی۔ جس وقت حدیبیہ کا قضیہ دیگر نہج پر مرتب ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ یہ اسی سال میں ہو جائے گا۔ اب میں مکمل قصہ حدیبیہ بیان کرتا ہوں۔

غزوہ حدیبیہ:۔ خواب دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسباب سفر فراہم کرنے لگے۔ صحابہ سے فرمایا کہ میں عمرہ کے لئے جاؤں گا تم بھی تیار ہو جاؤ۔ پھر آپ مدینہ شریف سے باہر آئے۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں

خلیفہ بتایا گیا صحابہ کی اکثریت نے سوائے تلوار کے اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لیا۔ اس لئے تلوار مسافروں کا ہتھیار کہا جاتا تھا۔ چند صحابہ نے پورے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کا بندوبست کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جائز قرار نہ فرمایا۔ ہدی کے اونٹ جمع کئے گئے۔ کل ستر تھے۔ ابوجہل کا وہ اونٹ بھی ان میں تھا جو غزوہ بدر میں غنیمت میں ملا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے لئے مخصوص فرمالیا تھا۔ اہل توفیق صحابہ نے ہدی کو ساتھ لیا۔ نماز ظہر ذوالحلیفہ میں ادا کی گئی اونٹوں پر قلاوے ڈال دیئے گئے اور اشعار فرمایا گیا۔ صحابہ نے آنحضرت کی پیروی کی۔ اشعار سے مراد ہے اونٹ کے کوہان کو دونوں طرف سے چیرنا۔ تاکہ اس سے خون نکل آئے۔ یہ سنت ہے اور ضروری ہے کہ زخم گہرا نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اشعار مکروہ منقول ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ دوسرے اماموں نے اس پر طعن کیا ہے۔ اشعار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم سے صحیح حدیث میں روایت ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو مکروہ جاننا چہ معنی دارد؟ لیکن امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں مبالغہ اور گہرے زخم کو کراہت میں رکھا ہے۔ وجہ یہ کہ عام لوگ گہرا زخم لگاتے ہیں۔ اشعار کا مقصد ہوتا ہے خبردار کیا جائے کہ یہ جانور ہدی کا ہے اور اس مقصد کے پیش نظر گردن میں جوتیاں لٹکانا بھی سنت ہے۔

قریش مکہ کو آنحضرت کی آمد کا پتہ چلا تو آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دینے پر سب متفق ہو گئے۔ اور ارد گرد کے قبائل اور جماعتوں کو بھی اپنے ساتھ ملایا۔ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور مکہ سے نکلے کفار کی فوج نے مکہ کے قریب موضوع بلدہ میں قیام کیا۔ یہ جدہ کو جانے والے راستہ پر واقع ہے عکرمہ بن ابوجہل اور خالد بن ولید ہراول پر مقرر کئے گئے۔ اس بارے میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر ہوئی کہ قریش مکہ میں داخل ہونے میں سد راہ بن گئے ہیں تو آپ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا نہ مناسب ہو گا کہ جو لوگ قریش کی مدد کے لئے ان کے ساتھ شامل ہیں ان کے اہل و عیال پر ہم حملہ کر دیں تاکہ وہ اپنے اہل و عیال کو بچانے کے لئے قریش سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس کے بعد ہم قریش کے ساتھ زیادہ آسانی سے نپٹ سکتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یا رسول اللہ! ہم اس سال عمرہ کی نیت لے کر آئے ہیں۔ کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ہم نے تیاری نہیں کی نہ ہی ہمارا یہ ارادہ ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ ہم اپنے ارادہ پر ہی قائم رہیں۔ ہاں اگر مکہ شریف میں آپ حضور کے داخلہ پر قریش آڑے آئے تو ہم ان کے خلاف ضرور جنگ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست اور پسندیدہ قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چل پڑو۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رضا تھی۔ لیکن آپ نے صحابہ کے دلوں کی کیفیت اور رائے دریافت کرنے کے لئے فرمایا اور مسند امام احمد کی حدیث میں اس قدر مزید آیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ خالد بن ولید ہراول دستہ کے ساتھ غمیم کے مقام پر موجود ہے تم دائیں طرف سے ہو چلو۔ تاکہ ہم صبح کے وقت اچانک ان پر جا پہنچیں۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ مسلمانوں کا اختیار کردہ راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ وہاں سے گزرنا انتہائی دشوار تھا۔ ریگستان میں صحابہ کی مشکلات کو دیکھ کر ان کے زخموں پر یہ کہہ کر مرہم رکھا کہ جنت کے دروازوں میں سے

یہ بھی ایک دروازہ ہے۔ یہ عبارت معارج النبوۃ میں ہے۔ اور **خفته الجنة بالمكارة** کے لحاظ سے یہ حقیقت بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی بھی سختیاں برداشت کی جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعدد بار جنت و دوزخ کی مثالیں بیان کیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا **رایت الجنة فی عرض هذا الحائط** میں نے اس دیوار میں جنت کو ملاحظہ فرمایا۔ اس مقام پر بھی اس طرح کا معاملہ ہوگا۔ جب پہاڑوں کو عبور کر کے میدانی علاقہ میں آگئے۔ تو آنجناب نے فرمایا۔ **نستغفر الله ونتوب اليه** یعنی کسی کے دل میں راستہ کی مشکلات کے بارے میں کوئی ایسا ویسا گمان گزرا ہوگا جس پر آپ نے استغفار فرمائی اور تنبیہ فرمادی۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب تک لشکر کا گرد و غبار خالد کی آنکھوں میں نہ پڑا اسے اسلامی لشکر کی پیش قدمی کا ہرگز علم نہ ہو سکا۔ لہٰذا وہ بھاگا اور قریش کے ساتھ جا شامل ہوا اور حقیقت سے قریش کو آگاہ کیا۔ مقام ثنیہ پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اونٹنی جس کا نام قصوی تھا زانو کے بل بیٹھی۔ بہتیرا جھڑکا گیا لیکن وہ نہ اٹھی۔ ثنیہ کے مقام بھی حدیبیہ کے نزدیک ہے۔ لوگوں نے بھی حل حل کر آواز سے اسے اٹھانے کا قصد کیا۔ لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگ کہنے لگے۔ خلات قصوئی۔ یعنی قصوئی تھک گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **ما خلات القصوى وما ذاك لها بخلق** قصوئی نہ تھکی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے۔ لکن **حبسها حابس الفيل** لیکن اسے تو ہاتھی کو روکنے والے نے روکا ہے۔ مراد یہ کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے لائے ہوئے ہاتھیوں کو روکا تھا اور اس کو بٹھادیا تھا یہاں بھی ہو ہی حکم **الٰہیہ محتمل** ہے۔

صحابہ کرام مکہ میں داخل ہونے کے خواہشمند تھے اور قریش مانع تھے۔ لہٰذا جنگ و قتل ضروری تھا کہ جو کہ حرمت حرم کے خلاف تھا۔ گو ان کا ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے باز رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اس حالت کا انکشاف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کعبہ کی تعظیم و حرمت کے پیش نظر قریش کی ہر کہی ہوئی بات مجھے قبول ہوگی۔ پھر آپ نے قصوئی کو اشارہ فرمایا وہ اٹھ کر چلنے لگی۔ آنحضرت نے راستہ چھوڑ کر حدیبیہ کے میدان میں کنویں کے کنارے پر نزول فرمایا۔ کنویں کے اندر پانی بہت تھوڑا تھا۔ لوگوں نے تھوڑا تھوڑا پانی اس میں سے نکالا کچھ دیر کے بعد پانی بالکل ختم ہوگیا نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی گئی۔ آپ نے کمان میں ایک تیر چڑھا کر کنویں میں پھینکا۔ تیر کا کنویں میں پہنچنا تھا کہ پانی جوش مارنے لگا اور سارا لشکر پانی پیتا رہا۔ اس منزل میں پانی کم تھا۔ لہٰذا متعدد معجزات ظاہر ہوئے۔ جن میں ایک یہ بھی ہے جو مذکور ہوا۔ ایک دفعہ پھر پانی کی کمی حضورؐ کی خدمت میں بیان کی گئی۔ پس آپ نے کنویں کے کنارے پر تشریف فرما کر وضو فرمایا اور اپنے وضو اور کلی کے پانی کو کنویں میں گرایا۔ پس کنویں میں پانی جوش مارنے لگا۔ آدمیوں اور جانوروں تمام نے سیر ہو کر پانی پیا۔ ایک مرتبہ پھر لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! اس منزل میں پانی بالکل نہیں ہے سوائے آپ کے پیالہ مبارک کے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اس کے بعد پیالے میں اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا آپ کی

انگلیوں سے پانی ابلنے لگا۔ اس حدیث کے راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو وہ پانی تمام کے واسطے کافی ہوتا اور کم نہ ہوتا۔ اس وقت کے دوران لوگوں نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پانی کی کمی کے بارے میں شکایت کی آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہو گئی ہر طرف جل تھل ہو گیا اور یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ رات کو بارش ہوئی۔ صبح کے وقت آنحضرت نے نماز سے فراغت کے بعد صحابہ کو ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا رب تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ خدا اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے بارش بھیج دی۔ میرے بندوں نے صبح اس حالت میں کی کہ بعض کافر ہیں اور بعض مومن ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئی ہے تو وہ مومن ہوئے اور جو کہتے ہیں کہ ستاروں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ کافر ہو گئے۔ جن لوگوں کے نزدیک چاند کا کسی خاص منزل میں آ جانا نزول باراں کا سبب ہوتا ہے اور ان کا یقین ہو کہ فلاں منزل پر چاند کے آنے سے لازماً بارش ہوتی ہے اور بارش کا نہ ہونا ناممکن ہے اور جب فلاں منزل پر چاند نہ آئے تو بارش بالکل نہیں ہو گی۔ یہ عقیدہ اور یہ الفاظ دونوں ہی کفر ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر عقیدہ اس طرح ہو کہ چاند فلاں منزل پر بھی نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو بارش ہو جیسے کہ علوی اور سفلی اسباب فراہم ہونے پر بارش ہوتی ہے تو یہ کفر نہیں ہے اگر زبانی نہ کہا جائے تو ایمان اور توحید کے قریب اور مناسب اور زیادہ ہو گا۔ بعض روایات میں دیکھا ہے۔ ان کی صحت سے اللہ تعالیٰ ہی بہتر واقف ہے۔ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے استسقاء کیا۔ تو آپ نے فرمایا اگر چاند کی منزل کو شمار کر کے دعا کرو گے تو بہتر ہو گا مراد یہ تھی کہ حقیقی سبب یعنی فضل خداوندی اور عادی سبب یعنی چاند کی مخصوص منزل دونوں اکٹھے ہو جائیں گے۔ اگر چاند کے مخصوص منزل پر ہونے سے ہی بارش ہو سکتی ہو اور یقینی ہوتی تو پھر بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔

قریش مکہ کا مغرور ہو جانا:۔ **وصل:۔** مشرکین کے علم میں جب یہ بات آ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مد نظر حرمت حرم ہے اور ان کا ارادہ نہیں ہے کہ وہ قریش سے محاربہ و مقاتلہ یا ان کا قلع قمع کریں۔ تو وہ غرور میں آ گئے اور جہالت و بد خوئی اور اپنی حرماں نصیبی پر مضبوطی سے قائم ہو گئے اور سرکشی کرنے لگے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیان کرنے کے لئے دوسرے لوگوں کو بیچ میں ڈالا۔ پہلے انہوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی بمعہ اس کی قوم کے کچھ آدمیوں کو بھیجا۔ بدیل کا قبیلہ خزاعہ دور جاہلیت میں اور اسلامی حالت میں بھی مخلصان بارگاہ رسالت سے تھا۔ یہ مکہ والوں کے راز کی خبریں مدینہ شریف میں آنحضرت کو دیا کرتے تھے۔ اور ہنوز بدیل بن ورقہ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ کچھ علماء نے ان کو متقدم الاسلام صحابی تحریر کیا ہے۔ کچھ علماء نے کہا ہے کہ بدیل اور اس کا بیٹا عبداللہ اور حکیم بن حزام فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور حنین و طائف اور تبوک میں بدیل اپنے فرزندوں سمیت شامل ہوئے تھے اور انہوں نے زمانہ نبوت میں شہادت پائی تھی۔ بعض جنگ صفین میں شہید ہونا کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ بدیل نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ قریش دوسرے قبائل سمیت اکٹھے ہو کر حدیبیہ کے کنوؤں پر اترے ہوئے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے اور زیارت حرم سے روکنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے رکے تو وہ مقاتلہ کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے آنے کا مقصد کسی سے جنگ و قتل نہیں ہے۔ ہم صرف زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ قریش کا میلان جنگ کی طرف ہے آپ نے فرمایا اس میں ان کا نقصان ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ان کے اور اپنے درمیان ایک مدت تک عدم جنگ کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا اس میں ان کا نقصان ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ان کے اور اپنے درمیان ایک مدت تک عدم جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اور وہ مجھے دوسرے مشرکین کے لئے چھوڑ دیں۔ میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ اگر میں ان سے مغلوب ہو جاؤں تو یہی قریش کی مراد ہے۔ اور اگر میں غالب رہوں تو دیگر لوگوں کی طرح قریش بھی میری متابعت کرلیں اور نہ بھی کریں تو پھر بھی مدت مقررہ تک یہ محاربہ و مقاتلہ سے رکے رہیں۔ ان باتوں سے اگر قریش انکار کریں گے تو مجھے قسم ہے خدا تعالیٰ کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں قریش سے جنگ کرتا رہوں گا تا وقتیکہ میری گردن جدا نہ کردی جائے۔ اس میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ فرمائے گا اور اپنے دین کی نصرت فرمائے گا۔ بدیل نے عرض کیا کہ آپ نے جو باتیں کی ہیں وہ بڑی جلدی میں قریش کو بتاتا ہوں۔ پھر وہ اٹھ کر لشکر کفار کی جانب رخصت ہو گیا اور ان سے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باتیں سن آیا ہوں تم اجازت دیتے ہو تو میں تمہیں سناتا ہوں عکرمہ بن ابو جہل اور حکم بن العاص کی طرح کے بے وقوفوں نے کہا کہ ہمیں ان کی باتیں سننے کی کوئی حاجت نہیں۔ ان کے برعکس ان میں سے دانشمند اور سمجھدار لوگوں نے بدیل سے آنحضرت کی باتیں سنانے کے لئے کہا۔ پس بدیل نے سب کچھ بتا دیا۔ نیز یہ بھی کہا کہ میں اپنی طرف سے رائے دیتا ہوں کہ اے قریش تم جنگ اور مقاتلہ کے لئے عجلت مت کرو۔ ان کی غرض صرف کعبہ شریف کی زیارت ہے۔ وہ جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ لہٰذا تمہارے لئے بھی جدال و قتل سے باز رہنا ہی بہتر ہے۔ قریش کو بدیل کی باتوں پر اعتماد نہ ہوا اور سوچا کہ شاید بدیل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ سازش میں شریک ہو گئے ہیں۔ کیونکہ قبیلہ خزاعہ ہمیشہ سے رسول اللہ صلی اللہ و آلہ وسلم سے مخلص اور ان کے محب رہے تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے قریشیو! میں تمہارے بیٹوں کی طرح ہوں اور تم میرے لئے باپ کی طرح ہو۔ وہ کہنے لگے ہاں اسی طرح ہی ہے۔ پھر عروہ نے کہا کہ کیا تم مجھ پر خیانت اور دشمنی کا شک رکھتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ بالکل نہیں۔ پھر عروہ نے قریش کے ساتھ اپنے سابقہ حقوق و روابط کا حوالہ دیا۔ اس شخص عروہ کے پہلے ہی لوگوں کے ساتھ کافی حقوق اور معاہدے موجود تھے۔ جس طرح کہ آئندہ بیان میں معلوم ہو جائے گا۔ اس عروہ کو عروہ بن مسعود یعنی عبداللہ بن مسعود کے برادر تصور نہ کریں بلکہ یہ عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔ جبکہ عبداللہ بن مسعود ہذلی تھے۔ اس وقت تک عروہ بن مسعود ثقفی مسلمان نہ ہوا تھا بلکہ بعد میں مسلمان ہو کر آیا۔ اس کی چار سے زیادہ ازواج تھیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے صرف چار اپنے نکاح میں موجود رکھو باقی بیویوں کو رخصت دے دو۔ اس کے بعد آنحضرت سے اجازت لے کر یہ اپنے وطن

واپس چلا گیا تھا اور جا کر اس نے اپنی قوم کو بھی اسلام لانے کی دعوت دی۔ لیکن قوم نے انکار کر کے سرکشی کی۔ حتی کہ فجر کی نماز کے وقت عروہ بن مسعود ثقفی نے اپنے مکان میں موجود کھڑکی کو کھول کر اذان کہی۔ ابھی کلمہ شہادت ہی پکار رہے تھے جبکہ کسی ثقفی نے ان کو تیر مارا جس سے یہ شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابن مسعود کا قصہ صاحب یٰس کے قصہ کی طرح ہے وہ اپنی قوم کی جانب گیا تھا تو قوم نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

القصہ عروہ نے قریش سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باتیں بڑی اچھی اور پسندیدہ ہیں۔ ان کو مان لینا ضروری ہے اگر تم مجھے اجازت دیتے ہو تو میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ تاکہ دیکھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور مصلحت کس طرح ہے پس عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وہی باتیں کیں جو آپ نے بدیل کے ساتھ کی تھیں۔ عروہ کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ بتائیں کہ اگر آپ نے اپنوں کا استحصال کیا تو یہ کونسی کارنامہ ہو گا اس سے پہلے آج تک کسی عرب نے اپنی اصل کو ہلاک نہیں کیا اور اس طرح کا سلوک اپنی قوم کے ساتھ نہیں کیا ہے جیسا کہ آپ کریں گے اور اگر آپ ان سے مغلوب ہوئے تو کیا آپ جانتے ہیں پھر آپ کا انجام کیا ہو گا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ آپ کے پاس کچھ اوباش قسم کے لوگوں کا اجتماع ہو گیا ہے۔ اگر کوئی ایسا وقت آیا تو یہ لوگ آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں گے عروہ کی یہ بیہودہ بات زمانہ کے معمول پر مبنی قیاس تھا یعنی جیسے کہ دنیادار ارباب دولت اور حریص لوگ کرتے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح ہو گا لیکن اس جگہ تو نبوت و رسالت' خدا کی دعوت' ہر آسمانی اور وحی الٰہی میں اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں تھی عروہ کی بات سن کر مجلس میں موجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا آپ نے اس کے بتوں کی توہین کرنا شروع کی اور اس کو عرب کے عرف عام کے مطابق گالی دی۔ فرمایا۔ **امصص بظر اللات** یعنی لات کی شرمگاہ کو چاٹو مص کا معنی چاٹنا اور بظر وہ گوشت ہوتا ہے جو لوتھڑا عورت کو ختنہ کرنے کے بعد لٹکا رہتا ہے۔ اور لات قریش اور ثقیف کا بت تھا۔ وہ لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔ عربوں کا معمول تھا کہ کسی کو اگر سخت گالی دیتے تھے تو کہتے تھے۔ **امصص بظر امک** یعنی اپنی ماں کی شرمگاہ چاٹو یہاں پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ماں کی بجائے لات کہا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں غرور سے پیش آرہا تھا۔ اور آنحضرت کے صحابہ کو غیر مخلص اور فرار ہونے والا کہتا تھا۔ پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **انحن نفر منه و ندعه** کیا ہم دوڑ جائیں گے اور آنحضور کو اکیلے ہی چھوڑ دیں گے؟ عروہ نے یہ سن کر اپنا سر اوپر اٹھایا۔ اور کہنے لگا یہ شخص کون ہے جو اس طرح کہہ رہا ہے صحابہ نے کہا یہ ابوبکر صدیق ہیں۔ تو عروہ نے کہا کہ اے ابوبکر! تمہیں معلوم رہے کہ تمہارا مجھ پر ایک حق ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم میں وہ اتار نہیں سکا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم کو لازما" جواب دیتا اور تمہیں سزا بھی دیتا۔

عروہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ حق تھا کہ جاہلیت کے زمانہ میں عروہ پر دیت لازم قرار پائی تھی اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور برادران عقبہ نے عروہ کی اعانت کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دس جوان اونٹ عروہ کو دیئے تھے۔ دیگر ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ عروہ نے اپنے سب دوستوں اور

ساتھیوں سے امداد طلب کی۔ پھر بھی ایک گلے یا دو گلے سے زیادہ کسی نے کچھ نہ دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دس عدد گائیں دی تھیں کتب سیر میں بیان کیا گیا ہے کہ عروہ دوران گفتگو بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دھاڑی مبارک کو ہاتھ لگاتا تھا۔ جس طرح کہ کمینے عرب کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کا کندھا عروہ کے ہاتھ سے لگایا اور کہا۔ اے بے ادب! اپنا ہاتھ بچاکر رکھ اور ادب کی حد سے آگے مت بڑھو۔ عروہ نے پوچھا یہ آدمی کون ہے مجھے ایذا دینے والا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تو کوئی صحابی اتنا گستاخ نہیں ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ عروہ نے اس کو کہا اے غدار! میں نے تو غدر کی اصلاح اور حکم کے نفاذ میں تمہارے لئے کوشش کی تھی اور تمہاری رہنمائی کی تھی اور تم ہو کہ میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کر رہے ہو۔

حضرت مغیرہ کا غدر اور عروہ کے ذریعے اس کی اصلاح کا جو مذکور ہوا ہے۔ یہ واقعہ کیا ہے۔ یہ بات سے بات نکلی ہے اور مضمون کی طوالت کا باعث ہے پھر بھی چونکہ ارباب سیر نے اس کا ذکر کیا ہے لہٰذا ہم بھی یہاں پر قصہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یوں ہے کہ کبھی جاہلیت کے وقت ثقیف میں سے بنو مالک کے تیرہ آدمیوں کے ہمراہ مغیرہ شاہ مقوقس بادشاہ سکندریہ کے ہاں گئے مقوقس نے مغیرہ کے مقابلے میں بنو مالک کے ساتھ ترجیحی سلوک روا رکھا اور ان کو عطاہائے شائستہ سے مشرف کیا اور تحائف بائستہ عطا فرمائے۔ سکندریہ سے واپسی کے دوران راستہ پر یہ گروہ شراب سے مدہوش ہوا پڑا تھا کہ مغیرہ کو جو حسد اور عداوت ان سے ہو گئی تھی اس کی وجہ سے ان تمام کو قتل کر دیا۔ ان کا مال و اسباب قابو کیا اور مدینہ پہنچ گئے۔ وہ اموال غنائم میں داخل کئے اور خود مسلمان ہو گئے نبی کریم آقائے دوجہان نے ارشاد فرمایا مغیرہ تمہارا ایمان لانا تو درست ہے۔ لیکن ہمیں تمہارا یہ مال ہے اس کی حاجت نہیں ہے۔ اس میں سے خمس ہم نہیں لیتے۔ اس بارے میں مکہ میں جب معلوم ہوا تو بنی مالک کے رئیس مسعود بن عمرو کے ساتھ گفت و شنید کرنے والا شخص یہی عروہ تھا۔ اس نے معاملہ کی اصلاح میں بڑی جدوجہد کی تھی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ پر تیرہ مقتولوں کی دیت واجب الوصول تھی۔ یہ دیت ان کے وارثوں کو ادا کرتا تھی۔ ورثا دیت وصول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس پر مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کنبہ اور ان کی قوم محاربہ و مقاتلہ پر نکلی۔ عروہ نے بیچ بچاؤ کرایا اور حیلے بہانے سے یہ معاملہ ختم کرا دیا۔ اب عروہ نے اپنی باتوں میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ کیا تھا۔

جیسے کہ اہل سیر نے ذکر کیا ہے عروہ بن مسعود گوشہ چشم سے آنحضرت کی مجلس میں صحابہ کی طرف بھی دیکھ رہا تھا اور اس نے ان کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و احترام بجالاتے ہوئے اور حضور کا ادب و تکریم کرتے ہوئے دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ واپس مشرکین میں جاکر کہنے لگا۔ اے گروہ قریش! میں بڑے بڑے متکبر اور مغرور بادشاہوں کی مجالس میں شامل ہوا ہوں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا ہے۔ میں قیصر روم اور کسریٰ ایران اور نجاشی شاہ حبشہ کے درباروں میں گیا ہوں۔ لیکن کسی کے دربار میں نہیں دیکھا کہ خادم اس طرح سے ادب و احترام بجالاتے ہوں جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ ان کا ادب بجالاتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر اپنے منہ سے لعاب نکالیں تو صحابہ اسے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔ اگر چھوٹے سے اور معمولی کام کے لئے بھی حکم کریں تو بزرگ

ترین صحابہ بھی تعمیل میں سبقت کا قصد کرتے ہیں۔ ان کے سامنے بات بھی آواز کو دبا کر کرتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) گفتگو کریں تو صحابہ بڑے ادب سے سنتے ہیں۔ آپ کے ساتھ نظریں ملا کر بات نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی اپنی نظر ان کے چہرہ مبارک پر جما سکتا ہے۔ جس وقت وضوء فرماتے ہیں تو صحابہ وضو کے پانی کے حصول میں جھگڑتے ہیں۔ گویا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں خونریزی ہو جائے گی' آپ جس وقت سر مبارک اور بالوں میں کنگھی کرتے ہیں تو اگر کوئی بال مبارک ہو تو صحابہ اس کو بطور تبرک بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ لیتے ہیں۔ اور پھر اس تبرک کو بڑا محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کیفیات کا مشاہدہ میں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ اس کے بعد عروہ نے صحابہ کرام کی شجاعت و مردانگی' بہادری اور آپس میں اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و محبت بیان کئے اور کہا اس سے بڑھ کر تو ممکن نہیں کیا جا سکتا' خدا تعالیٰ کی قسم میں اس طرح کا لشکر دیکھ کر آیا ہوں جو تم سے ہرگز منہ نہ پھیرے گا یہاں تک کہ تم سب کو ہلاک نہ کر دے۔ یا تم پر غالب نہ آ جائے۔ عروہ نے جو احوال دیکھے تھے بغیر کسی کی بیشی کے اس نے بیان کر دیئے تھے اس لئے کہ بالآخر وہ ایمان لانے والا تھا۔ اس قدر شدید متعصب بھی نہ تھا جتنے کہ دوسرے تھے نیز یہ بڑا تجربہ کار اور قدر شناس شخص تھا۔ اس کے باوجود شقی القلب مشرک اپنے انکار پر ڈٹے رہے اور کہا کہ اس طرح کی نصیحت آموز گفتگو ہمیں پسند نہیں ہے۔ ہم اپنے ارادے پر مضبوطی سے قائم ہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کو مکہ شریف میں ہرگز نہ داخل ہونے دیں گے۔ نہ ہی کعبہ کی زیارت کی اجازت دیں گے۔ وہ اس مرتبہ واپس چلے جائیں اور اگلے سال آ جائیں۔ عروہ کے آنے جانے اور اس کی کوشش سے صلح کی بنیاد بن گئی۔ اس وقت قبیلہ جس کا ایک شخص آنحضرت سے ملاقات کی غرض سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا نام حلیس تھا۔ قریش سے اس نے اجازت لی اور اسلامی لشکر کے پاس چلا گیا۔ اسے دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا یہ آدمی قربانی کے جانوروں کی عزت کرنے والی قوم کا فرد ہے۔ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کرو اور اس کے سامنے سے گزارو۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم صحابہ کو ساتھ لیا اور لبیک کہتے ہوئے اس کے استقبال کو آئے۔ حلیس نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ جنگ و قتال کرنے والے نہیں یہ تو بغرض زیارت آئے ہوئے ہیں تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور کہا۔ سبحان اللہ۔ اس قوم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ انہیں زیارت کعبہ اور طواف سے روکے۔ یہ تو عمرہ ادا کرنے آئے ہیں پھر کہا۔ **هلكت قريش ورب الكعبة** کعبہ کے رب کی قسم قریش مارے جائیں گے یہ دیکھ کر حلیس بغیر اس کے آنحضرت سے ملاقات کرے واپس چلا گیا۔ قریش کے پاس آیا اور کہا میں نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ لیا ہے۔ وہ اونٹوں کا اشعار اور تقلید کرنے کے بعد زیارت کعبہ کے واسطے آئے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اس سے باز رکھنا مجھے پسند نہیں ہے۔ قریش نے حلیس کو قابل اعتبار تصور نہ کیا اور اس نے جو مشورہ دیا اسے انہوں نے اس کی کم فہمی اور سادگی کا نتیجہ سمجھا اور بڑی شقاوت و قساوت سے کہنے لگے۔ اے حلیس! تم ایک دیہاتی آدمی ہو۔ تم امور ملکی سے ناواقف ہو۔ ان کی یہ بات سن کر حلیس کو بڑا غصہ آیا اور کہنے لگا اے قریش! ہم اس معاملہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کو زیارت کعبہ اور طواف سے روکا تو میں تمام

احابیش سمیت تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اس پر قریش عذر خواہی کی اور اس کی تسلی کے لئے کہنے لگے اے جیش چھوڑو ان باتوں کو۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے اپنی مرضی سے صلح کر رہے ہیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ قریش کی طرف سے آدمی آتے تھے اور قریش کی وہ قسلوت قلبی کو دور کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ پھر بھی اشقیاء اپنی سختی پر قائم تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواہش کی کہ اس بارے میں کوئی اپنا آدمی ان کی طرف بھیجیں اور کوشش کریں۔ پس پہلے آپ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص حراش بن امیہ کعبی نامی بھیجا کہ جاکر ان کو یقین دلائے کہ آنحضرت صرف کعبہ کی زیارت اور عمرہ ادا کرنے آئے ہیں نہ کہ جنگ کرنے کے لئے آپ نے اس کو ایک اونٹ دے بھیجا۔ وہ قریش کے پاس گئے قریش انہیں قتل کرنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن حراش کی قوم کے جو لوگ مکہ میں تھے انہوں نے اس کو چھڑا دیا اور اس کو آنحضرت کی طرف بھیج دیا۔ قریش نے ان کے اونٹ کو بھی زخمی کیا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چاہیے کہ تم مکہ جاکر ان لوگوں کو سمجھاؤ کہ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ جانتے ہی ہیں کہ میرے ساتھ قریش کس قدر عداوت رکھتے ہیں اور کس حد تک شدت رکھتے ہیں۔ اگر مجھ پر قابو پائیں تو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے اور بنو عدی کا کوئی آدمی مکہ میں موجود نہیں جو ان کی شرارتوں کے برعکس میری حمایت کرے اور حفاظت کر سکے۔ اس معاملہ میں بڑا مناسب ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجا جائے۔ قریش کو وہ بہت عزیز ہیں اور ان کے عزیز و اقارب بھی مکہ میں بہت ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عثمان بن عفان کو مکہ بھیجا تا کہ وہ ابو سفیان اور قریش کے صنادید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارادہ سے آگاہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کے مطابق عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ ملاح کے مقام پر انہوں نے مشرکین سے ملاقات کی۔ ان کو آنحضرت کا پیغام دیا لیکن کافر پھر بھی اپنی جہالت اور عداوت پر قائم رہے۔ سبحان اللہ۔ کس قدر جاہل لوگ تھے وہ جو ابھی تک جہالت و تعصب پر اڑے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو بڑی نرمی برت رہے تھے۔ ان کو سمجھاتے تھے کہ ہم جنگ نہیں کرنا چاہتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی شدت و محاربہ فرماتے تو ان کے کلیجے منہ کو آتے جیسے کہ قصہ کے آخر پر معلوم ہو گا۔ ابان بن سعید بن العاص نے عثمان رضی اللہ عنہ کی بڑی عزت کی اور ان کی سواری پر خود ان کے ساتھ بیٹھا۔ اور ان کو مکہ میں لے گیا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کا پیغام ابو سفیان اور صنادید قریش کو دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو قوم کے ساتھ نہ آئے تھے۔ حضرت عثمان نے دیکھا کہ یہ سب بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس آجانا چاہا۔ پھر وہ عثمان کی دلجوئی کرنے لگے اور کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اٹھ کر طواف کعبہ کر لو لیکن انہوں نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم طواف نہ کریں میں طواف نہیں کر سکتا۔ مشرکین حضرت عثمان کی بات سن کر ناراض ہو گئے اور ان کو واپس آنے سے روکا۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کو چلے گئے تو صحابہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ عثمان بڑے

خوش قسمت ہیں کہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوں گے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان کے بارے میں ہم خیال رکھتے ہیں کہ وہ بغیر ہمارے طواف کعبہ نہ کریں گے۔ کچھ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اور بھی دس مہاجرین آپ سے اجازت لے کر مکہ گئے تھے۔ اس کے بعد افواہ پھیلی کہ مکہ والوں نے عثمان کو دیگر دس مہاجرین سمیت قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سنی تو بڑا رنج ہوا۔ لہٰذا آپ ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر بیٹھ گئے اور صحابہ سے بیعت لی کہ اگر جنگ ہوتی تو ہرگز منہ نہ پھیریں گے۔ اس بیعت کی خبر قرآن پاک میں اس آیت میں دی ہے۔ **لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ** یہی وجہ ہے کہ اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ شخص جو بیعت رضوان میں شامل ہوا۔ اس کو آگ نہیں پہنچے گی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو کوئی حدیبیہ میں حاضر تھا۔ اہل بدر اور احد کے لئے بھی اس طرح ہی روایت ہوا ہے۔ دوران بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے بایاں ہاتھ کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا۔ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر آپ نے دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھا اور حضرت رضی اللہ عنہ کی طرف بیعت فرمائی ہو سکتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں افواہ قتل پھیلنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہو کہ بیعت رضوان واقع ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب قریش کو اس کے متعلق علم ہوا تو وہ خوفزدہ ہوئے اور ان کے دل ہراساں ہو گئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ پس وہ پریشان ہوئے اور انہوں نے صلح کو اختیار کر لیا۔ انہوں نے سہیل بن عمرو کو اس بارے میں بات کرنے کے لئے بھیجا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ حلیس کے جانے کے بعد اور سہیل بن عمرو کی آمد سے پہلے ایک شخص کرز بن حفص اسلامی لشکر میں آیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو دیکھتے ہی یہ فرمادیا کہ یہ کرز بن حفص فاجر آدمی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ غادر مرد ہے مراد یہ کہ فریب کار اور مکار ہے کرز بن حفص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا کہ اتنے میں سہیل بن عمرو بھی بارگاہ نبوت میں آ پہنچا تو آنحضرت نے فرمایا سہل امرنا۔ یعنی اب ہمارا کام سہل ہو گیا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ **قد سہل لکم امرکم** تمہارے لئے تمہارا کام آسان ہو گیا ہے۔ کرز بن حفص اور خویطب بن عبدالعزیٰ بھی سہیل کے ساتھ مل گئے۔ لیکن مہم کے ذمہ دار سہیل ہی تھے یہی سہیل بن عمرو بدر کے دن کافروں کا خطیب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یارسول اللہ آپ اس کے (سہیل) کے دانت توڑ دیں تاکہ آئندہ آپ کے خلاف یہ خطبہ نہ کر سکے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے امید ہے کہ یہ ایک مقام پر کھڑا ہو کر اس طرح کا خطبہ دے گا جو محمود ہو گا اور پسند کیا جائے گا۔ چنانچہ یہ سہیل مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا اور جس مقام کے بارے میں آنحضرت نے بتایا تھا کہ سہیل خطبہ دے گا وہاں کھڑا ہو کر اور وہ خطبہ پسندیدہ ہو گا۔ یہ وہ مقام تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسم اس دنیاء سے رخصت ہو گئے تو مکہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے اس وقت اسی سہیل بن عمرو نے کھڑے ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق میں خطبہ دیا تھا گویا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود خطبہ سن رہے تھے۔ سہیل نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور اختلاف کرنے سے منع کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی

اللہ عنہ کے دور خلافت میں سہیل نے عواس کے طاعون میں وصال پایا۔ یہ ۱۸ھ میں ہوا۔ سہیل کی اولاد سے کوئی فرد باقی نہ بچا۔ سہیل کے فرزند ابو جندل تھے وہ بھی اس طاعون میں ہی فوت ہوئے تھے۔

بارگاہ نبوت میں صلح کی گفت و شنید کا آغاز سہیل نے کیا اور کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے آدمیوں کا ایک گروہ آپ نے قید کر رکھا ہے ان کو رہا فرمادیں۔ یہ اس طرح ہوا تھا کہ کفار نے سوچا تھا کہ شاید مسلمانوں سے جنگ کی نوبت آجائے لہٰذا انہوں نے جانچنے کے لئے کہ مسلمان تعداد میں کتنے ہیں۔ اپنے پچاس آدمی بھیجے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جن کو آنحضرت نے مسلمہ کے ساتھ بھیجا تھا نے ان پچاس آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔ اور دربار نبوت میں پیش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ انہیں قید میں رکھو۔ سہیل نے ان کی رہائی کے لئے کہا تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم لوگوں نے گزشتہ رات سے عثمان اور ان کے دس ساتھیوں کو روکا ہوا ہے۔ تم ان کو چھوڑ دو تو میں بھی تمہارے قید شدہ آدمیوں کو رہا کردوں گا۔ پس خویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص نے سہیل کی رضامندی کے ساتھ کوئی آدمی مکہ بھیج دیا۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں روکے ہوئے صحابہ کو بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد یہ قیدی بھی رہا کردیئے جائیں گے۔ پس عثمان بن عفان معہ دس ہمراہوں کے واپس آگئے اس طرح معارج النبوت میں مندرج ہے۔ اور روضۃ الاحباب میں یوں ہے کہ کافروں کے جو پچاس آدمی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ لائے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی وقت ان پر شفقت فرمائی اور ان کو مکہ بھیج دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپسی کا ذکر اس روایت میں اس وقت کیا گیا ہے جب صلح واقع ہو گئی۔ صلحنامہ بھی تحریر ہو چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کو روک لیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ تم کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ جب تک عثمان یہاں نہ آجائیں۔ پھر سہیل نے قریش کی طرف لکھ کر بھیجا کہ عثمان کو بھیج دو تاکہ مجھے بھی رہائی ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سہیل کو وہاں روانہ کردیا۔ مواہب الدینہ میں ایسے ہی تحریر کیا ہے واللہ اعلم۔

صلحنامہ حدیبیہ:۔ حویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص اور نے صلح سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلی شرط یہ رکھی کہ اس سال آپ کو واپس چلے جانا چاہیے اور اگلے سال ادا کرنے کے لئے آئیں اور آئندہ دس سال کا عرصہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح ہی رہے گی۔ جنگ وجدل اور مغلبہ نہ ہو گا۔ ہر دو فریقین امن اور صلح سے رہیں گے۔ دونوں فریقوں کے حلیف اور ہم عہد لوگ کسی کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ اس صلح کی مدت دس سال مشہور ہے اسی طرح کتب سیر میں ہے لیکن ابوداؤد میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مسعد ابو نعیم میں عبداللہ بن ابن دینار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس مصالحت کا عرصہ چار سال تھا حاکم نے بھی مستدرک میں یہ ہی روایت کیا ہے۔ (کما منقول فی مواہب الدینہ)

صلح کی دوسری شرط تھی کہ آئندہ سال عمرہ کی ادائیگی کے لئے جب آئیں گے تو مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام نہ ہو گا۔ اور تلواریں نیام کے اندر ہی رکھی جائیں۔

تیسری شرط حیران کن یہ تھی کہ اگر ہماری طرف سے کوئی آدمی آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہو کر ہی کیوں نہ آیا ہو آپ اس کو ہمارے پاس بھیج دیں گے لیکن آپ کا کوئی آدمی ہمارے پاس آئے گا تو ہم لوٹائیں گے نہیں۔ مسلمان یہ سن کر حیران تھے اور کہتے تھے کہ ہم کیسے اس شخص کو واپس کر سکتے ہیں جو مسلمان ہو چکا ہو اور ایک روایت ہے کہ سہیل نے یہ شرط پیش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح ہی ہو گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ اس شرط پر رضامند ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا اے عمر! ان کی جانب سے کوئی آدمی مسلمان ہو کر آئے گا اور ہم اس کو واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی خاطر آزادی اور کشادگی کی کوئی راہ پیدا کر دے گا اور ہماری طرف سے منحرف ہو کر جو شخص ان کے پاس جائے گا اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہو گا وہ صحبت کفار کے ہی لائق ہو گا۔ اور یہ آخری شق نہایت کم وقوع میں آئے گی۔ لیکن پہلی شق کے مطابق وقوع ہو گا۔ لیکن آخر کار انجام اور معاملہ بخیر و خوبی ہو گا۔ جس طرح کہ قصہ کے آخر پر ابو بصیر کا واقعہ آئے گا۔ تو اچھی طرح سے وضاحت ہو گی۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابو جندل بیڑیوں میں محبوس مسلمانوں میں کلمہ شہادت پڑھتا آ گیا۔ یہ پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوا تھا لیکن سہیل نے اس کو قید کر رکھا تھا سہیل کہنے لگا یہ پہلی بات ہے اس پر صلح ہو چکی ہے آپ اس کو میرے حوالے کر دیں اور ہماری طرف واپس کر دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلحنامہ کی کتابت سے فراغت نہیں ہوئی ہے۔ جب صلح نامہ مکمل ہو جائے گا۔ سہیل نے مقابلہ و مجادلہ اور ضد کا مظاہرہ کیا اور کہا۔ اگر آپ اس کو واپس نہیں کرتے تو ہم صلح نہیں کرتے اور ہمارے اور تمہارے درمیان کسی بات پر بھی صلح نہ رہے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری خاطر اس ایک امر کو مستثنیٰ کر دو اور نرمی اور آسانی برتو سہیل نے کہا کہ میں ایسے نہیں کرتا ہوں۔ آپ نے دوبارہ اس کو فرمایا کہ مان لو لیکن اس نے کہا کہ میں نہیں مانتا ہوں۔ آنحضرت نے بڑا اصرار اور بڑا مبالغہ فرمایا لیکن فرزند کے اسلام لانے سے سہیل نے عداوت قساوت کے باعث قبول نہ کیا۔ گو کرز بن حفص نے کہا کہ ہم مان لیتے ہیں جو کہ فاجر اور غدار تھا لیکن سہیل نے پھر بھی منظور نہ کیا بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو جندل کو ان کے حوالے کر دیا' اور فرمایا کہ اس پر اب ایذا اور عذاب نہ کرنا۔ کرز ضامن ٹھہرا اور ابو جندل رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ اے مسلمانوں مجھ کو مشرکین کے حوالے نہ کریں۔ میں ایک مومن' اور مسلمان کی حیثیت سے تمہاری پناہ میں داخل ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ کس کس طرح کے عذاب یہ کافر مجھ پر کرتے رہے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو جندل! صبر کرو اپنے دل کو خوش رکھو اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو۔ وہ تیرے لئے ضرور کشادگی اور آزادی کا راستہ پیدا فرمائے گا۔ اس وقت ان لوگوں سے شرط کا نفاذ ہو چکا ہے اور عہد بندھ گیا ہے۔ ہم غداری اور بے وفائی کرنے والے نہیں ہیں۔ تم صبر سے کام لو۔ **فان الصبر مفتاح الفرج** بے شک صبر چابی ہے کشادگی کی۔ علماء کرام نے اس جگہ دو توجیہات پیش کی ہیں۔

ایک توجیہ یہ ہے کہ ان کی اس حالت میں اجر و ثواب ہے۔ اور اس کا حصول غنیمت ہے اور وہ رخصت پر عمل پیرا

ہو اور اپنا ظاہر باطن کے مطابق نہ رکھے ور کفار پر اپنا اسلام ظاہر نہ کرے تو پھر بھی جائز ہو گا۔ دوسری یہ ہے کہ باپ خواہ کتنا ہی مخالف اور نامہربان ہو۔ پدری تعلق کا جذبہ منقطع نہیں ہو تا جب تک کہ اسے موت نہ آجائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کے قتل کر دینے پر بڑی ترغیب دی اور خوب واضح طور پر اس کو سمجھایا کہ مشرک نجس ہوتے ہیں ان کا خون کتوں کے خون کی طرح ہوتا ہے اپنے باپ کو قتل کر دو۔ پھر بھی ابوجندل اپنے باپ کو ہلاک نہ کر سکے۔ اور اس بارے نخیلی کا مظاہرہ کیا۔ اور یہ کام باپ بھی نہ کر سکا اسے بھی یہ ہمت نہ پڑی کہ اپنے بیٹے کو ہلاک کر دے۔

مختصر یہ کہ صلح کی شرطیں طے ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اوس بن خولی رضی اللہ عنہ کو کاغذ اور قلم روات دیئے۔ وہ خط و کتابت کے ماہر تھے۔ تاکہ وہ صلحنامہ تحریر کریں۔ اس سے سہیل بولا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) چاہیے کہ آپ کا چچازاد بھائی علی (رضی اللہ عنہ) صلحنامہ لکھے۔ ظاہراً اس بات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مصالحت اور معاہدہ کرنے اور اس کو توڑنے کے معاملے میں احق و اولیٰ آدمی وہی ہوتے ہیں جو عصبات اور اس کے گھر والے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ توبہ پڑھ کر سنانے کے واسطے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھیجے گئے تھے۔ اس سورۃ میں کافروں کا نقض عہد اور ان کی توبہ مذکور ہے۔ حالانکہ امیرالحج بنا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلے بھیجا جا چکا تھا۔ جیسے کہ پہلے بھیجا جا چکا تھا جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے کہا یا عثمان (رضی اللہ عنہ) تحریر کریں۔ وجہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی عصبات سے تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے داماد تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو بلا کر لکھنے کا حکم فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل کہنے لگا۔ ہم رحمٰن کو پہچانتے نہیں۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا یہ الرحمٰن الرحیم کیا ہوتا ہے۔ ہم اس کو جانتے نہیں ہیں۔ لہذا اس طرح تحریر کرو۔ ۔بسمک جیسے کہ عموماً لکھا جاتا ہے۔ جاہلیت میں اسی طرح ہی متعارف تھا کہ خط کے عنوان پر ۔بسمک لکھا کرتے تھے۔ اس وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کلمات موجود نہ تھے۔ یہ تو اسلام میں آئے ہیں۔ اس کے جواب میں مسلمان کہنے لگے۔ واللہ ہم تو ہرگز یہ تحریر نہ کریں گے۔ بلکہ لکھیں گے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اے علی! لکھو **بسمک اللہم** حضرت علی نے عرض کیا کہ میں نے یہ ہی تحریر کیا ہے۔ (**بسمک اللہم**) سہیل یونہی جھگڑا کر رہا تھا کیونکہ مضمون تو دونوں کلاموں کا ایک ہی تھا اور کافروں کے مطابہ میں بھی کوئی خرابی نہیں تھی۔ یہ خرابی تو اس وقت ہوئی جب وہ کہتے کہ ہمارے بتوں یا شیطانوں کے نام تحریر کرو۔ پھر آنحضرت نے فرمایا لکھو۔ **ھذا ما قاضی به محمد رسول اللّٰہ** یہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ نے فیصلہ کیا ہے۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) حضرت علی نے ایسے ہی لکھا سہیل کہنے لگا۔ ہم تو آپ کو رسول مانتے ہی نہیں۔ قسم خدا کی۔ اگر آپ کو ہم خدا کا رسول جانتے تو آپ کو زیارت کعبہ سے ہرگز نہ روکاوٹ کرتے۔ آپ اس طرح لکھیں۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ثم صلے اللہ

علیہ وسلم) تحریر کرو۔ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اور رسول اللہ کے الفاظ مٹا کر ابن عبد اللہ تحریر کردو۔ جناب علی مرتضیٰ نے عرض کیا کہ میں تو بالکل وصف رسالت کو مٹا نہیں سکتا۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاغذ قلم ہاتھ سے رکھ دیئے اور اپنا ہاتھ تلوار پر رکھ لیا۔ رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو انکار کیا یہ انتہائی درجہ کے عشق و محبت پر دلالت کرتا ہے اس میں ترک ادب لازم نہیں آتا بلکہ یہ تو عین امتثال و ادب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تحریر خود لی اور رسول کے الفاظ مٹا دیئے اور وہاں پر ابن عبد اللہ لکھ دیا۔ اس حدیث سے عبارت ظاہر کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے ساتھ یہ الفاظ تحریر کیے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ایسا لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ جس طرح قیصرو کسریٰ کو خطوط لکھنے کے وقت روایت میں آیا ہے۔ اور عربوں کے کلام میں اس طرح کا مجاز متعارف ہے۔ اس بارے میں لمبی بحث ہے۔ آخر پر ہم ذکر کریں گے۔

معارج النبوت میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! آئندہ تم کو بھی اسی طرح کا معاملہ پیش آئے گا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ صفین میں جب صلح ہوئی تو صلح نامہ میں یہ لکھا گیا کہ امیر المومنین علی کی معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ صلح کی یہ کتابت ہے معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ امیر المومنین کا لفظ محو کر دیا جائے۔ اور لکھ دیں علی بن ابی طالب اگر اس کو میں امیر المومنین تسلیم کرتا ہوتا تو اس کے خلاف جنگ نہ کرتا بلکہ ان کی اطاعت اور پیروی بجا لاتا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے درست فرمایا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق ہی تحریر کیا گیا۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ جس دن صلح حدیبیہ ہوئی تھی صحابہ کرام نہایت غمگین ہو گئے اس کا ایک یہ سبب تھا کہ صحابہ نے یہ خیال کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خواب کی تعبیر اسی سال ہی واقع ہو گی' اور مکہ فتح ہو جائے گا' مسلمان مسجد حرام میں داخل ہو جائیں گے۔ تاریخ میں یوں آیا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا دل اس روز نہایت ہی پریشان تھا۔ اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روبرو اس انداز سے پیش ہوا۔ جس میں قبل ازاں کبھی نہ ہوا تھا۔ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں برحق نبی ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر نہیں؟ اور کیا ہمارے مخالفین باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں تم حق پر ہو اور مخالفین ہی باطل پر ہیں۔ پھر میں نے گزارش کی کہ جب ایسا ہے تو ہم ذلالت و حقارت کیوں اٹھائیں اور اس طرح کی صلح کر کے واپس کیوں جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ خطاب کے بیٹے! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کا حکم سے ہٹ کر کچھ نہیں کرتا ہوں۔ میرا امداد کرنے والا اور اعانت کرنے والا وہ ہی ہے۔ وہ مجھ کو یونہی نہ چھوڑ دے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صلح حسب واقع ہوئی۔ اس میں رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہ ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا۔ کیا ہمارے ساتھ آپ نے یہ وعدہ نہ کیا تھا

کہ عنقریب ہی ہم مکہ میں جاکر طواف کعبہ ادا کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں اس طرح ہی فرمایا تھا۔ لیکن یہ تو میں نے نہ کہا تھا کہ یہ اسی سال ہی ہو گا۔ اے عمر! غم مت کرو۔ کعبہ شریف کی زیارت اور طواف سے تم لازما" مشرف ہو گے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اسی طرح غمزدہ حالت میں مجلس نبوت سے اٹھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ان کے ساتھ ہی اسی طرح کی گفتگو کی جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کی تھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی جواب وہی دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس حکایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا علم اور ان کا صدق و یقین اور ان کی متابعت کس قدر بلند اور مرتبہ کمال کی تھی۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔ **ماصب اللّٰہ فی صدری شئیا الا وصبت فی صدر ابی بکر الصدیق** جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا۔ میں نے وہ سب کچھ ابوبکر صدیق میں ڈال دیا۔

دیگر ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عمر! تم جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رکاب سعادت کو تھام لو۔ کسی طور بھی معترض نہ ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لہذا اب وحی کے مواقف کرتے ہیں اس میں مصلحت ہو گی اور اللہ تعالیٰ آنحضرت کا ناصر اور معاون ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات کسی شک و انکار پر مبنی نہ تھی بلکہ یہ معلوم کرنے کے لئے تھی۔ حاشہ وہ اس سے پاک ہیں۔ پھر بھی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میری عمر گزر چکی ہے اور میں متواتر استغفار کرتا ہوں اس شیطانی وسوسہ اور نفس کے دھوکے پر اس روز میرے دل کو ہوا تھا۔ میں نیک اعمال کے ذریعے توسل کرتا ہوں جیسے کہ روزہ نوافل۔ غلام آزاد کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا۔ اس لئے کہ کفارہ ہو جائے اور مجھے بریت حاصل ہو جائے۔

نقل کیا گیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے عرصہ کے دوران اس قدر تعداد میں مشرک لوگ اسلام لائے کہ بعثت سے لے کر مصالحت کے وقت تک جتنی تعداد مسلمانوں کی تھی اس کے برابر مزید ہو گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں ایسی فتح کوئی نہ حاصل ہوئی تھی جو صلح حدیبیہ کے برابر سمجھی جا سکے۔ لیکن یہ چیز عقل سے وراء ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان ہی راز تھا۔ لیکن لوگ جلد باز ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو جلد باز نہیں ہے۔ وہ اس سے پاک ہے (**سبحان اللّٰہ وبحمدہ**)

مولف مواہب لدنیہ کے مطابق صلح حدیبیہ کی بنا پر جو مصالح مرتب ہوئے اور جو واضح طور پر اور بالکل عیاں فوائد حاصل ہوئے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کے نتیجہ کے طور پر ہی فتح مکہ واقع ہوئی تھی اور مکہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بہت لوگ خدا تعالیٰ کے دین میں آئے۔ سبب یہ تھا کہ قبل از صلح کفار کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط نہ ہوتا تھا اور ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوضاع و اطوار اور ان کے دیگر احوال عیاں نہ تھے۔ جیسے کہ ہونے چاہئیں اور کافروں کی مسلمانوں کے ساتھ صحبت نہ ہوتی تھی جس سے انہیں یہ چیزیں معلوم ہوتیں اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال و صفات کا پتہ چلتا اور حقیقت کا اظہار ہوتا صلح حدیبیہ کے باعث کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا

موقع ملا۔ وہ مدینہ شریف میں بھی آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے حالات دیکھے سنے اور کافروں کے سامنے بڑی بے باکی سے صحابہ کرام قرآن پڑھتے تھے اور بحث و مناظرہ بھی کرتے تھے۔ مسلمان لوگ مکہ میں جاکر اپنے اہل و عیال کے ساتھ خلوت میں بیٹھے تھے۔ دوستوں اور عزیزوں سے ہم مجلس ہوتے تھے اور انہیں پند و نصائح بھی کرتے تھے۔ مکہ والوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال مبارک آپ کے بین معجزات اور ظاہرہ آثار سننے دیکھنے کا موقع ملا اور انہیں علامات نبوت اور آنحضرت کے حسین سیرت اور خوبی طریقت سے آگاہی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ان کے دلوں میں انس پیدا ہوا اور ایمان و احکام کی جانب میلان پیدا ہوا۔ یہ لوگ پہلے ایسے تھے کہ کفر و طغیان کی باتوں اور شیطانی فریب کے سوا اور کچھ سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ سے مکہ کی فتح تک کے درمیانی وقت میں لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا خاص تعلق قائم ہو گیا۔ حتی کہ نور فتح اجاگر ہوا اور دین اسلام کے براہین ظاہر ہوئے اور قبائل قریش کے علاوہ جتنے بھی عربی لوگ تھے جن کی رہائش وادیوں اور پہاڑوں میں تھی۔ وہ لوگ مکہ فتح ہونے اور وہاں کے باشندوں کے اسلام لانے پر اپنا اسلام لانا موقوف کئے تھے۔ مکہ شریف فتح ہونے اور قریش کے اسلام لانے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ظاہر ہوا۔

اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح جب آگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ تعالیٰ کے دین میں شامل ہوتے ہیں۔

یہ تمام امور و فتوح حدیبیہ کے بنیادی چشمہ سے پھوٹے تھے اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ فرمان ہے کہ **انا فتحنا لک فتحا مبینا** مفسرین کی اکثریت کے نزدیک اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور اس کے ساتھ ہی سابقہ مذکورہ اقوال شامل ہیں۔

اس امر میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا مشرکین کے ساتھ کسی غیرتی مسلمان کا اس طرح کی صلح کرنا جائز ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کی طرف آجائے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ علماء کی ایک جماعت کے مطابق حضرت ابوجندل اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے حالات کے موافق یہ جائز ہے۔ لیکن علماء ایک یہ سب کچھ منسوخ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **انا بری من مسلم بین المشرکین** میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان ہو۔ یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ لیکن مذہب شافعی میں عاقل پاگل اور بچوں کے لئے حکم میں فرق ہے۔ مراد یہ ہے کہ پاگل اور بچے واپس نہ کئے جائیں گے اور عاقل لوٹ دیا جائے گا۔

آنحضرت کے ہاتھ مبارک سے تحریر پر بحث:۔ تنبیہہ:۔ اس سے قبل یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اہل سیر اور علماء تواریخ میں اختلاف ہے۔ کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نام مبارک بذات خود اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا تھا یا کہ یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی لکھنے کا حکم ہوا تھا۔ جو علماء پہلے قول کو مانتے ہیں وہ ظاہر حدیث پر استدلال و تمسک قائم کرتے ہیں۔ یعنی کہ آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ مجھے دکھاؤ جس جگہ پر محمد رسول اللہ تحریر کیا ہوا

ہے۔ پس حضرت علی نے وہ جگہ دکھائی۔ آنحضرت نے لفظ رسول اللہ کو مٹا کر وہاں وہاں پر ابن عبد اللہ تحریر کر دیا۔ ابو الولید باجی بھی اسی جانب گئے ہیں۔ یہ مغرب کے اعاظم علما میں سے تھے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگرچہ لکھنا نہ جانتے تھے پھر بھی یہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ہی لکھا۔ اس پر ابو الولید کے ہم عصر اندلسی علماء نے ان کو برا کہا تھا اور ان کو کفر و زندقہ سے منسوب کیا۔ اس لئے کہ ان کی یہ بات قرآنی نص کے منافی ہے۔ ان علماء میں سے ایک عالم نے ان منافی میں یہ شعر بھی کہا تھا۔

برئیت عن شری دنیا بآخرته
وقال ان رسول اللہ قد کتبه

اس کے معانی یہ ہیں کہ اس شخص سے مجھے بیزاری ہے جس نے اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دیا۔ اور کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بدست خویش تحریر کیا تھا۔

اندلس کے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس سے منزہ فرمایا ہے کہ وہ کتابت فرمائیں یا دیکھ کر پڑھیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی امی پیدا کیا اور یہی چیز آپ کی نبوت پر دلیل فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ **وکنت تتلوا من قبله من کتاب وتخطه بیمینک اذا لا رتاب المبطلون** اور اس سے قبل آپ نے کسی کتاب کو نہ پڑھا تھا۔ نہ ہی اپنے ہاتھ سے اس کو آپ نے تحریر کیا تھا۔

اگر اس طرح ہوتا تو یقین ہے کہ لوگوں کو شک و شبہ ہو جاتا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کتابت کرنا ثابت کریں تو یہ اس برہان کے باطل ہونے کا سبب ہوتا ہے اور یہ باعث کفر ہو گا۔ علماء میں جب یہ مناظرہ قائم ہو گیا تو وقت کے امیر نے ان تمام کو مجتمع کر کے کہا۔ کہ یہ قرآن کے خلاف نہیں بلکہ یہ قرآن کے مفہوم سے اخذ ہوا ہے۔ کیونکہ نفی نزول قرآن سے ماقبل کے ساتھ مقید کی گئی ہے۔ جس وقت امیت محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم متحقق اور ثابت ہو چکی تو پھر اس کا ظہور معجزانہ ہوا اور شک اور ارتیاب اس میں نہ رہا۔ اس میں ہرگز کوئی حرج یا ممانعت نہ ہے کہ بعد از تحقیق امیت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلا سیکھے ہی کتابت سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔

ابن وحیہ بیان کرتے ہیں کہ افریقہ کے علماء کی ایک جماعت اس ضمن میں باجی کی موافقت میں ہے اور ابن وحیہ بھی علماء اکابر میں سے ایک ہیں اور ان علماء میں ابن وحیہ کے شیخ بھی تھے جن کا نام ابوذر تھا اور وہ بخاری کے راویوں میں سے ایک ہیں اور ابو الفتح نیشاپوری اور اس وقت کے دیگر علماء بھی انہی کے ساتھ تھے اور ان علماء عصر سے بعض نے استدلال کیا۔ اس سے جو ابن ابی شیبہ نے بطریق مجاہد عون بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ **کہا مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حتی کتب** رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وصال نہ پایا یہاں تک کہ آپ نے کتابت کی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ منقولہ میں نے شعبی سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ عون نے درست کہا ہے۔ بلاشبہ میں نے بھی اسی طرح کسی سے سنا

ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اخبار و آثار روایت ہوئے ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معرفت حروف و تحریر اور حسن تصویر پر دلالت ہوتی ہے جیسے کہ آنحضرت نے اپنے کاتب سے فرمایا کہ اپنا قلم اپنے کان پر رکھو۔ تمہاری یاداشت کے واسطے یہ زیادہ معاون ہے اور حضرت امیہ سے آپ نے فرمایا تھا جس وقت آنجناب کے پاس وہ لکھا رہے تھے۔ سیاہی کو سیاہ رکھو اور قلم بناؤ۔ باکو مکمل کرو سین کھینچ کر تحریر کرو۔ جیم گول کرو۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا۔ لیکن یہ بھی تو امر بعید نہیں ہے کہ آپ کو صنعت و طریق کتابت بھی عطا فرمائے گئے ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر شے کا علم عطا فرمایا ہے۔ جمہور علماء نے ان تمام حدیثوں کو ضعف پر مبنی کہا اور واقعہ حدیبیہ کے بارے میں کہا کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور کاتب علی ہی ہیں اور مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے باب میں اصل ہے۔ اس حدیث میں صراحت ہے۔ جس طرح کہ صحیح بخاری میں روایت ہوا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے حکم سے یہ الفاظ تحریر کئے۔ جہاں تک اس نکتے کے بارے میں ہے۔ جو راوی کے قول میں ہے کہ آنحضرت نے کاغذ پکڑ کر کہا کہ اس کلمہ کی جگہ بتاؤ جس کو مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تھا۔ تو یہ صرف اتنا ہی کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا۔ یہ نہیں کہ خود اس کی بجائے لکھا۔ گویا کہ قول راوی میں حزف کرنے کا ثبوت ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے کہ آپ نے لفظ مٹانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاغذ دیا تو حضرت علی نے اس جگہ پر دوبارہ تحریر کی۔ لہٰذا کتب کا معنی کتابت کا حکم ہو گا۔ اس طرح کلام میں بہت آیا ہے۔ جس طرح کہ قیصرو کسریٰ کی جانب خطوط تحریر کرتے وقت آیا ہے اور حدیث کو ظاہر پر بھی معمول کیا جائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ نے اس دن اپنے ہاتھ سے لکھا ہو۔ بغیر اس کے کہ آپ تحریر کرنا جانتے ہوں اور صفت کتابت سے آگاہ ہوں اور یہ کتابت کرنے کے بعد امیت کی صفت سے باہر آ چکے ہوں۔ کیونکہ بہت لوگ جو لکھنا تو نہیں جانتے پھر بھی کچھ کلمات کی صورتوں اور بناوٹوں کی ان کو جان پہچان ہوتی ہے۔ پھر بھی وہ امیت سے خارج نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ کئی بادشاہ اس قسم کے ہوئے ہیں۔

امکان یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک سے کتابت ہوئی باوجود اس کے کہ آپ کتابت نہ جانتے تھے۔ اور آپ کی خواہش کے مطابق معجزہ کے طور پر ہوا ہو اس سے آپ امیت سے بھی باہر نہیں آ جاتے یہ جواب ابو جعفر کتانی نے دیا تھا۔ یہ صاحب ائمہ اصول سے ہیں اور ان کی اتباع میں ابن جوزی نے یہ تمام بیان کئے ہیں۔

یہ بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصتہ اللہ۔ بمزید الصدق والیقین (شیخ عبدالحق مولف مدارج) عرض کرتا ہے کہ اگر بدست خود اپنا نام مبارک لکھنے میں کلام ہے تو اس کی مخالفت کرنے کی مجال بھی تھوڑی ہے۔ جب کہ حدیث پاک کی ظاہر عبارت اس پر دلالت کرتی ہے اور یہ واقعہ بطور معجزہ ہے اور آنحضرت کی امیت اور دلیل نبوت کے خلاف نہیں اور اگر کہا جائے کہ نزول قرآن سے پہلے پہلے امیت اور عدم وجود خط و کتابت ثابت شدہ ہے۔ بعد میں کتابت کا علم حاصل ہو تو اس سے کوئی ضرر نہیں اور شک و ارتیاب کے گرداب میں نہیں پھنسے گا۔ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس طرح تو معاند کو شبہ ہو

سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خط وکتابت سے تو واقف تھے لیکن اسے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ اور قرآن کے الفاظ **وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب وولا تخطہ بیمینک۔** معاند کو کوئی فائدہ نہ دیتے۔ شیخ ابن حجر کا قول ہے کہ حق وصواب اسی طرح ہے کہ کتب کے معانی تحریر کرنے کا حکم فرمایا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

صلح حدیبیہ کے بعد قربانی:۔ وصل:۔ صلح نامہ کی کتابت ہو گئی اور تمام بڑے بڑے صحابہ کرام اور کچھ مشرکوں نے بھی اپنی گواہیاں ثبت کردیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اب تم اٹھ کر اپنے ہدی کے جانور ذبح کرو اور اپنے سروں کے بال منڈوالو اور احرام کھول دو۔ صحابہ کو عمرہ ادا کرنے کے بغیر واپسی کا بڑا دکھ تھا۔ اس وجہ سے کوئی صحابی بھی نہ اٹھا اور آنحضرت کے حکم کے مطابق کھڑا نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم غضب میں آگئے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں چلے گئے اور حکم کی بجا آوری میں صحابہ کے توقف کرنے کی شکایت کی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت آپ صحابہ کو معذور گردانیں۔ اس لئے کہ ان کو بڑا صدمہ اور رنج پہنچا ہے۔ ان کے دلوں میں مکہ کے فتح ہونے کی امید تھی اور ان کو یقین تھا کہ وہ عمرہ ادا کر کے ہی مدینہ کی طرف واپس ہوں گے۔ فقدان مطلوب کے باوجود آپ نے قریش سے صلح کرلی ہے اور جو کچھ صحابہ آپ سے چاہتے تھے آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اگر آپ حضور کی یہ خواہش ہے کہ آپ کے صحابہ قربانی کریں اور سر منڈوائیں تو آپ خود اٹھیں اور کسی سے کوئی کلام کئے بغیر اپنے اونٹ قربان کریں۔ اور اپنا سر مبارک منڈوالیں۔ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ اس طرح کر رہے ہیں تو ان کو آپ کی متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ اور وہ سب وہی کام کریں گے جو آپ نے کیا ہوگا۔ پس آنحضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے خیمہ سے باہر آئے اور اپنے بال مبارک منڈوائے صحابہ نے بھی ایسے ہی کیا۔ لیکن غم واندوہ کے باعث ان کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو مار دیں پس بعض نے بال منڈوائے اور بعض نے بال ترشوائے نبی کریم رؤف و رحیم نے فرمایا۔ **اللھم اغفر للمحلقین** اور بعض صحابہ نے کہا والمقصرین یا رسول اللہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہی فرمایا۔ **اللھم اغفر للمحلقین** اور صحابہ کہتے والمقصرین۔ آنحضرت نے چوتھی مرتبہ والمقصرین فرمایا۔ پس آپ نے سر منڈوانے والوں کی زیادہ فضیلت کا اظہار فرمایا۔

ابوجہل کا اونٹ بچانے کی کوشش:۔ منقول ہے کہ ابوجہل کا اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں میں تھا اور مشرکین اسے ذبح ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ سہیل بن عمرو جو کہ صلح کا سبب اور مرتب تھا اس نے ان کو اس سے منع کیا۔ اور جھڑکا اور کہا کہ اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو اس کے عوض ایک سو اونٹ دو شاید کہ آنحضرت قبول فرمائیں۔ پس آنحضرت کی بارگاہ نبوت میں عوضانہ کے اونٹوں کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اونٹ قربانی کے لئے نامزد نہ کیا ہوتا تو تمہاری درخواست قبول کرلیتے اور ان بدبختوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہ بات شرائط صلح میں شامل نہ کی۔ شاید اس لئے کہ آپ نے ممکن ہے قبول نہ کیا ہو اور علماء فرماتے ہیں کہ ابوجہل لعنت اللہ علیہ کا اونٹ

قربان کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ کفار کو غیظ میں لایا جائے اور ان کی دل شکستگی ہو۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے بیس اونٹ ذبح فرمائے جن میں شتر ابو جہل بھی شامل تھا۔ باقی اونٹ حضرت ناجیہ بن جندل رضی اللہ عنہ کے سپرد کئے تاکہ مکہ میں لے کر جائے اور مروہ میں ذبح کرے اور وہاں کے فقراء و مساکین میں گوشت تقسیم کر دے۔ بعض نے کہا ہے کہ تمام اونٹ حدیبیہ میں ہی ذبح کئے گئے تھے اس جگہ سے استدلال کر کے امام شافعی کے نزدیک حرم میں قربانی کرنا شرط نہیں ہے۔ لیکن احناف کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں شامل ہے اور کچھ حصہ بیرون از حرم ہے۔

بالوں کے غسالہ میں شفاء:۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب قربانی کی مہم اور سر منڈوانے اور بال ترشوانے میں فراغت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا بھیجی یہاں تک کہ اس نے مسلمانوں کے بالوں کو مکہ میں لے جا کر حرم میں بکھیر دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے بالوں کو قریبی کھجور کے درخت پر پھینک دیا۔ صحابہ کرام نے وہاں ہجوم کیا اور ایک دوسرے سے بال چھینتے تھے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بہتیری کوشش کی کہ چند بال مبارک مجھے حاصل ہو گئے اور وہ ہمیشہ میرے پاس رہے۔ ان کو دھو کر غسالہ کا پانی میں بیماروں کو دیا کرتی تھی اور ان کو شفا ملتی تھی۔

اور حدیبیہ میں لشکر اسلام کا قیام قریباً بیس روز تھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مراجعت فرمائی اور ضجنان کی منزل پر اور ایک روایت کے مطابق کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے تو سورۃ انا فتحنا جو کہ مقاصد دینی و دنیاوی کے حصول اور کمالات ظاہری و باطنی پر مشتمل ہے نازل ہوئی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جسے میں ہر اس شخص کے مقابلے میں جس پر سورج طلوع ہوتا ہے عزیز تر رکھتا ہوں پس صحابہ کے سامنے انا فتحنالک سورۃ تلاوت فرمائی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جسے میں ہر اس چیز کے مقابلے میں جس پر سورج طلوع ہوتا ہے عزیز تر رکھتا ہوں۔ پس صحابہ کے سامنے انا فتحنالک سورۃ تلاوت فرمائی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کو مبارک دی اور صحابہ کرام نے آنحضرت کی خدمت میں مبارک باد پیش کی۔ اور سابقاً گذر چکا ہے کہ اس فتح سے مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک مراد صلح حدیبیہ ہے جو کہ فتوحات کثیرہ اور فیوضات عظمٰی کا مبداء و مقدمہ ہے اور اس معنی میں مفصل تقریر گزر چکی ہے اور علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ مراد فتح مکہ ہے اور بعض علماء اس سے فتح خیبر مراد لیتے ہیں۔ گویا فتوحات ابھی واقع نہ ہوئی تھیں لیکن صیغہ ماضی میں تذکرہ سے ان کا تحقق کیا جیسے کہ لسان عرب میں عادت ہے اور روشن قرآن پاک ہے۔ واللہ اعلم۔

قصہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ:۔ اور اس قصہ حدیبیہ میں واقع شدہ عجیب و غریب واقعات میں سے ابو بصیر کا قصہ ہے۔ ابو بصیر ثقفی جو کہ بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلح کر کے حدیبیہ کے سفر سے مدینہ شریف پہنچے۔ تو یہ ابو بصیر مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگ آیا اور سات روز پیادہ سفر کے بعد آنحضرت کے پاس آیا اور قریش نے اس کی

جستجو میں دو آدمی بھیجے۔ ایک بنی عامر سے تھا جس کا نام معلوم نہیں ہوا اور دوسرا شخص کوثر نامی تھا جو کہ اس کا ملازم تھا۔ ایک خط دے کر ان کو مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بھیجا جس میں لکھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چاہیے کہ صلحنامہ حدیبیہ کی شرائط کے مطابق ابوبصیر کو واپس کر دیں۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکوں کی طرف بھیجتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس قوم نے ہمارے ساتھ عہد کیا ہوا ہے تو خود بھی وہ جانتا ہے اور ہم عذر کرنے والے نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ تمہارے کام میں کشائش فرمادے گا اور کوئی راستہ تمہاری آزادی کا پیدا فرمائے گا۔ پس وہ دونوں مشرک ابوبصیر کو لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب انہوں نے ذی الحلیفہ کے مقام پر قیام کیا تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ وہاں کی مسجد میں آئے دو رکعت نماز ادا کی اور توشہ سفر جو اس کے ساتھ تھا اپنے سامنے رکھا اور ان دونوں ہمراہیوں کو بھی بلایا اور اپنے ساتھ بٹھالیا اور ایک دوسرے سے انس پیدا کیا۔ ابوبصیر نے عامری سے اس کا نام ونسب پوچھا اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تمہاری تلوار کتنی اچھی دکھائی دیتی ہے۔ عامری نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور کہنے لگا۔ ایسے ہی ہے جیسے کہ تم نے کہا ہے۔ میں نے بارہا اس تلوار کو آزمایا ہے اور اس سے کام لیا ہے۔ ابوبصیر نے کہا کہ یہ تلوار مجھے دیں تاکہ میں اسے دیکھوں۔ عامری نے غفلت میں یہ تلوار ابوبصیر کے ہاتھ میں دے دی۔ ابوبصیر نے ایک ہی وار سے اس عامری کا کام تمام کر دیا اور کوثر اپنی جان بچا کر الٹے پاؤں بھاگا اور مجلس نبوت میں آ پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دور سے دیکھ کر فرمایا یہ آدمی ہے کہ بڑا خوفزدہ ہے۔ جب نزدیک آیا تو کہا کہ میرا ساتھی قتل کر دیا گیا ہے اور میں بھی اسی خوف میں ہوں۔ اسی ساعت ابوبصیر بھی تلوار گلے میں حمائل کئے ہوئے اور عامری کے خچر پر سوار مدینہ میں آ داخل ہوا۔ اور مجلس تقدس کی طرف آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اپنا عہد پورا کر دکھایا۔ اور مجھے ان کے حوالے فرمادیا اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے مجھے ان سے نجات عطا فرمادی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ویل ابوبصیر حرب لو کان له احد مراد یہ کہ ابوبصیر جنگ بھڑکانے والا ہے اور تیز کرنے والا ہے اور بھی جو اس کی مدد واعانت کرے۔ اس بات میں ابوبصیر کے لئے اشارہ ہے کہ وہ بھاگ جائے۔ اور یہ مشورہ بھی اس میں پایا جاتا ہے کہ مکہ میں محبوس وقید مسلمان جو ہیں وہ بھی اس سے ملحق ہو جائیں۔ شارحین نے اس عبارت کے معانی میں اس طرح کہا ہے اور ان معنوں میں اس کی مذمت نہیں ہے۔ بلکہ تعجب وحیرانی ہے کہ عجب بہادر آدمی ہے کہ اگر اس کو کوئی مدد اور اعانت کرے تو یہ بڑے کام سر انجام دے سکتا ہے۔ جیسے کہ بعد میں واقع ہوا۔ یہ بات مدح کا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ گو کلام کا سیاق ومقام کا مقتضیٰ یہ غمازی کرتے ہیں کہ سرزنش اور شکایت کی جارہی ہے کہ یہ آدمی جنگ اور فتنہ برپا کرے گا کیا کوئی مراد ہے جو اس کو سمجھادے کہ یہ ہمارے پاس نہ آئے بلکہ یہاں سے چلا جائے۔ کیونکہ اس کا ہمارے پاس رہنا جنگ اور فتنہ کا باعث ہے نیز یہ کہ کوئی آدمی ہے جو اس کو پکڑ کر قریش کے حوالے کر دے۔ اس میں بھاگ جانے کی بھی ترغیب وتعلیم ومفہوم ہے۔ (فافہم)

ابوبصیر نے جب آنحضرت کے یہ الفاظ سنے کہ پھر پکڑ کر قریش کے حوالے کر دیں گے۔ وہ مسجد شریف سے باہر آیا اور

فرار کی راہ لی۔ وہ ساحل دریا پر آگیا اور عیص نامی منزل پر پہنچا اور وہ شام کی طرف بغرض تجارت جانے کا قریش کا راستہ تھا۔ پس اس کے گرد اور بھی آدمی جمع ہو گئے اور مکہ سے جو بھی کافر مسلمان ہوتا تھا وہ اس کے پاس آجاتا تھا اور اس سے مل جاتا تھا۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا جو کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا اور حدیبیہ میں آنحضرت کی خدمت میں مسلمان کی حیثیت سے آیا تھا اور آپ نے اسے اس کے باپ کے سپرد کیا تھا۔ اس کو ابو بصیر کے قصہ کی خبر دی۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی باپ سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس آ گئے۔ حتیٰ کہ جمع کثیر (بڑی جماعت) اکٹھی ہو گئی۔ تین سو کے قریب' اور قریش کافروں کا جو قافلہ بھی وہاں سے گزرتا تھا ان کو ہلاک کر دیتے تھے۔ اور ان کے اموال وغیرہ چھین لیتے تھے یہاں تک کہ قریش ان سے بڑے تنگ آ گئے اور اپنے کئے پر بڑے پشیمان ہوئے انہوں نے ابو سفیان بن حرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور خدائے رحیم کی قسم دے کر عرض کیا کہ اس جماعت کو اپنے پاس طلب فرمالیں۔ ہم صلحنامہ کی اس شرط سے دست بردار ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی ہمارا آدمی آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں رہے گا ہمیں اسے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ پس خواجہ کائنات علیہ **افضل الصلوۃ واکمل التسلیمات** نے کسی کو ان کے پاس بھیجا اور انہیں اپنے پاس بلایا اور ایک روایت میں ہے کہ ابو بصیر کو ایک خط لکھا کہ اپنی جماعت کے ساتھ ہمارے پاس آ جاؤ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پہنچا اس وقت ابو بصیر رضی اللہ عنہ حالت نزع میں تھے۔ نامہ رسول کو اپنے ہاتھ میں لے کر سر آنکھوں پر رکھا اور اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ و عن جمیع اصحاب رسول اللہ۔ پس ابو جندل رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دیا اور تجہیز و تکفین کے بعد دفن کر دیا اور ان کے قبر کے نزدیک ایک مسجد بنادی اور اپنے یاروں سمیت مدینہ میں آ گئے۔

بادشاہوں کی طرف وفود اور فرامین

دنیا کے بادشاہوں اور اکناف اور اطراف کے سلطانوں کو اسی سال آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفود فرامین ارسال فرمائے اور بعض ارباب سیر کا خیال ہے کہ یہ ماہ محرم ۷ھ میں بھیجے گئے تھے ظاہراً" معلوم ہوتا ہے کہ سال ششم کا آخری تھا اور سال ہفتم کا آغاز تھا یا سال ششم میں ارادہ فرمایا ہوگا اور سال ہفتم میں ارسال کئے ہوں گے۔ یا بعض تو سال ششم میں ارسال ہوئے ہوں گے اور بعض سال ہفتم میں اس میں اشتباہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواہش فرمائی کہ ان بادشاہوں کو فرمان جاری فرمایا جائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ مکتوب پر اگر مہر ثبت نہ ہو تو وہ اعتبار نہیں کرتے اور اس کو نہیں پڑھتے۔ پس آنحضرت کے لئے انگشتری بنائی گئی۔ انگوٹھی طلائی تھی اور صحابہ میں سے بھی اہل توفیق نے اپنی اپنی انگوٹھی بنوائی۔ پس جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے عرض کیا کہ مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہے۔ پس آپ نے اپنے دست مبارک سے انگوٹھی کو علیحدہ کر دیا۔ صحابہ نے بھی نکال دیں اور آپ نے فرمایا کہ چاندی کی انگوٹھی بنائیں۔ اس کا حلقہ اور نگین بھی چاندی کا ہو۔ نگینہ پر محمد رسول اللہ نقش تھا

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ ایک سطر میں اور رسول ایک سطر میں اور محمد ایک سطر میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صورت یہ تھی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن بادشاہوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکتوبات ارسال فرمائے ان میں سے ایک نجاشی تھا جو شاہ حبشہ تھا۔ اور ہرقل شاہ روم اور مدائن کا بادشاہ کسریٰ اور مقوقس والی اسکندریہ اور حارث بن ابی شمر غسانی حاکم شام اور ہوذہ بن علی حنفی والئی یمامہ۔ یہ چھ افراد ہیں جن کی طرف لکھا گیا اور بعض اہل سیر نے ہفتم بھی شمار کیا ہے۔ یعنی منذر بن ساوی حاکم بحرین۔

علماء بیان کرتے ہیں کہ جو قاصد جس بادشاہ کی طرف بھی بھیجا گیا اس کو اس بادشاہ اور ملک کی زبان بذریعہ الہام بولنا آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قاصد کو وہ زبان الہام فرمائی اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معجزات سے ایک معجزہ تھا۔ کا نام اصحمہ تھا اور اس کی طرف قاصد عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے اور نجاشی بڑے سعادت مندوں سے تھا کیونکہ جب مکتوب مقدس اسے موصول ہوا تو اس نے بڑا احترام کیا تخت سے نیچے اتر آیا زمین پر بیٹھ گیا تعظیم کے ساتھ خط کو پکڑ کر چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور حکم فرمایا کہ اس خط کو پڑھا جائے خط کا مضمون ان معانی پر مشتمل تھا۔ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی بادشاہ حبشہ کی طرف تحقیق میں تمہاری جانب اس خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا بھیجتا ہوں۔ جو بادشاہ برحق' بے نیاز' مطلق پاک نقائص سے اور عیبوں سے ہے اور تمام آفات و عیوب سے سلامت ہے۔ اپنے پیغمبروں کی آیات اور معجزات سے تصدیق کرنے والا ہے اور قیادت کی پریشانی سے اپنے بندوں کو امن و سکون دینے والا ہے اور ان کو اعلیٰ درجات میں پہنچانے والا ہے۔ سب اشیاء پر غالب ہے اور وہ جبار متکبر اور دانا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ اور محصنہ تھیں اور عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں۔ پس خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی جیسے کہ آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تھا اور ان میں اپنی روح سے روح پھونکی تھی۔ امابعد۔ میں تحقیق تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور تحقیق میں نے اپنے چچا زاد بھائی جعفر بن ابن طالب کو تمہاری طرف بھیجا ہے۔ نیز وہ مسلمان بھی جو اس کے ساتھ ہیں۔ چاہیے کہ تم تکبر اور جبر کرنا چھوڑ دو اور میری نصیحت کو قبول کرو۔ اور اطاعت و انقیاد میں آجاؤ۔ والسلام من اتبع الھدیٰ نجاشی نے کلمہ طیب اور کلمہ شہادت اپنی زبان سے پڑھا اور کہا کہ اگر مجھ سے یہ ہو سکتا تو میں خود اس پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوتا اور زیارت سے خود مشرف ہوتا۔

نجاشی کا جوابی خط:۔ نجاشی نے آنحضرت کے مکتوب کا جواب لکھا۔ مضمون یہ تھا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** نجاشی بادشاہ حبشہ سے محمد رسول اللہ کی طرف۔ اے پیغمبر خدا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو رحمت ہو اور برکات خداوندی ہوں معبود سوائے اس خدا تعالیٰ کے لائق عبادت نہیں اور وہ ہی مجھے راہ دکھانے والا ہے۔ اسلام کی طرف۔ امابعد۔ تحقیق آپ کا نامہ مبارک مجھے موصول ہوا ہے اور جو کچھ آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ زمین و آسمان کے رب کی قسم وہ اس سے قطعاً" زیادہ کچھ نہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ لکھا کہ کھجور کی گٹھلی پر موجود چھلکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں تحقیق میں آپ کی شریعت کی حقیقت کو جانتا تھا اور میں نے آپ کے چچا زاد بھائی

اور اس کے ساتھیوں کو احترام سے رکھا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سچ فرماتے ہیں اور گزشتہ پیغمبروں اور سابقہ کتب نے آپ کی تصدیق کی ہے اور میں آپ کے چچا محترم کے بیٹے کے وسیلہ سے آپ کی بیعت کرتا ہوں اور اس کے ہاتھ پر اسلام لاتا ہوں والحمد للّٰہ رب العالمین اور اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت اقدس میں بھیجتا ہوں۔ اس کا نام ارحی بن اصحمہ ہے۔ اور اگر آپ حکم فرمائیں اے اللہ تعالیٰ کے رسول تو میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ بالکل حق و سچ ہے۔ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

آنحضرت کا دوسرا خط بجانب نجاشی:۔ اور منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کی طرف ایک اور خط لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ جو مہاجرات سے ہے کو میرے ساتھ نکاح کے لئے دعوت دو اور اسے مدینہ طیبہ بھیج دو اور مہاجرین حبشہ کی جماعت کو بھیج دو پس نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ام حبیبہ کا نکاح پڑھا اور خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا۔ تاکہ وہ اس کو آنحضرت کی زوجیت میں دے دیں۔ چار سو مثقال سونا مہر مقرر کیا۔ سب مہاجرین کو ساز و سامان دے کر تیار کیا اور دو کشتیوں میں عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ مدینہ شریف کی طرف بھیج دیا۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ نجاشی نے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک صندوقچی منگوائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دو مکتوبات اس میں محفوظ کر لئے۔ اور کہا کہ یہ دونوں خطوط مبارک جب تک حبشہ میں ہوں گے خیر و برکت رہے گی اور اہل سیرت بیان کرتے ہیں کہ وہ دونوں مکتوبات اب تک حبشہ میں محفوظ ہیں اور اہل حبشہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ مواہب الدینہ میں آیا ہے کہ نجاشی وہی اصحمہ تھا۔ نبوت کے پانچویں سال میں مسلمان ہجرت کر کے اس کے پاس چلے گئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو چھٹے سال ہجری میں اپنا فرمان مقدس ارسال کیا تھا اور حضرت اصحمہ نجاشی ہجرت کے نویں سال کے دوران وصال پا گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مدینہ شریف میں ادا کی تھی۔ اور ان کے بعد جو نجاشی والی حبشہ بنا۔ اس کی طرف بھی آنحضرت نے خط مبارک لکھا تھا۔ اس کا اسلام لانا بھی معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ اس کا نام اور مورخین نے ان دونوں نجاشیوں میں کچھ خلط ملط کر دیا ہے اور تمیز نہیں رکھی اور صحیح مسلم نے نقل کیا ہے کہ رسول خدا نے نجاشی کی طرف خط لکھا تھا اور وہ نجاشی یہ نہ تھا جس پر آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔ انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔

ہرقل کے نام خط:۔ اور ہرقل نام ہے قیصر روم کا' قاموس میں کہا گیا ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے سکہ اور اشرفیاں بنائی تھیں اور وہ پہلا شخص ہے جس نے احداث بدحیت کیا تھا۔ اس کی طرف مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بحیثیت قاصد روانہ کئے گئے تھے۔ یہ وہ دحیہ کلبی ہیں جن کی صورت میں اکثر جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے۔ یہ بڑے حسن و جمال والے تھے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم تھا کہ وہ

یہ خط حاکم بصریٰ کو پہنچا دیں۔ وہ کسی کو تمہارے ہمراہ کر دے گا۔ تاکہ ہرقل کے پاس پہنچیں پس حضرت دحیہ بارگاہ نبوت کے حکم عالی کے مطابق روانہ ہو گئے جب یہ بصریٰ کے مقام پر ملک شام میں پہنچے تو حارث بن ابی شمر جو اس خطہ کا بزرگ رئیس تھا اس نے عدی بن حاتم کو ان کا ساتھی بنایا اور انہیں ہرقل کے دار السلطنت میں بھیج دیا۔ اتفاقاً" ان دنوں ہرقل بیت المقدس کی زیارت کو گیا ہوا تھا۔ اس نے نذر مانی ہوئی تھی کہ جب ایرانی بادشاہ کے قبضہ سے روم کا وہ علاقہ جو اس کے قبضہ میں آ چکا ہوا تھا واپس مل جائے گا اور رومی فارسیوں پر غالب آئیں گے۔ تو قسطنطنیہ روم سے ننگے پاؤں بیت المقدس جائے گا اور مسجد اقصیٰ میں نماز گزارے گا اور عبادت کرے گا۔ جب روم فارس پر غالب آیا تو ہرقل نے حکم دیا تاکہ راستہ میں فرش بچھایا جائے۔ اور اس پر پھول اور خوشبوئیں ڈالی جائیں۔ ان پر ہرقل پاؤں رکھتے ہوئے ننگے پاؤں بیت المقدس گیا تھا اور وہاں قیام کئے ہوئے تھا۔ بیت المقدس میں دوران قیام ایک رات کو اس نے ستاروں کے احکام و روش پر نظر ڈالی۔ اس کو ایک ایسی چیز معلوم ہوئی جس سے اس کی ذات میں مکمل تبدیلی پیدا ہو گئی۔ پس وہ خبیث النفس اور منکر ا لبیت بن کر اٹھا۔ اس کے مقربوں نے اس سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ آج تجھے ہم مکدر اور غمزدہ دیکھتے ہیں۔ تو کہنے لگا کہ کل اوضاع فلکی سے اس طرح ظاہر ہوا کہ ملک الختان ظاہر ہو چکا ہے۔ وہ ایسی قوم کا بادشاہ ہے جن میں ختنہ کرنا سنت ہے اور نزدیک ہے کہ اسکا دست تسلط میرے ملک کے گرد و نواح میں دراز ہو۔ اس علاقہ کے شہروں پر وہ قابض ہوں گے۔ پھر پوچھا کہ بتاؤ وہ کونسی قوم ہے جس میں ختنہ کرنا سنت ہے۔ مقربوں نے کہا کہ اس زمانہ میں یہود ختنہ کرتے ہیں۔ پس ہرقل نے حکم دیا کہ جہاں کہیں بھی کوئی یہودی ملے اسے قتل کر دیا جائے اسی اثنا میں قیصر کے کانوں میں یہ بات پہنچائی گئی کہ عرب سے ایک شخص آیا ہے جو بلاد عرب میں بڑے عجیب و غریب واقعات رونما ہونے کے بارے میں تعجب خیز بات سناتا ہے جس سے ظہور نور نبوت اور آنحضرت کے احوال شریف ثابت ہوتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان لوگوں نے یہ بھی تحقیق کی کہ وہ شخص ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے کہا کہ وہ جو مجھے نجوم کے دلائل سے معلوم ہوا تھا۔ وہ اس جماعت کے بادشاہ کا ظہور ہے۔ اسی دوران حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے ہرقل کو خط پہنچا دیا۔ مضمون خط یہ تھا۔ **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم محمد بن عبداللہ** خدا کے بندہ اور رسول کی طرف سے روم کے ہرقل عظیم کی طرف' سلام اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ امابعد تحقیق میں تجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ۔ تاکہ تم سلامت رہو اور اس کا تجھے خدا تعالیٰ اجر دے گا۔ اور پشت پھیرے گا اور روگردانی کرے گا اس بات سے اور میرا دین قبول نہ کرو گے تو تم پر تمہارا اور تمہاری رعایا سب کا گناہ ہو گا۔ **یا اهل الکتاب تعالو الی کلمة سواء بلننینا وبینکم الا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰہ فان تولو فقولوا اشهد وابانا مسلمون۔** اے اہل کتاب آؤ کلمہ کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے۔ کہ ہم سوائے خدا کی کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اس کا کوئی شریک بنائیں اور خدا کے سوا کسی کو ایک دوسرے کا ارباب نہ بنائیں اگر تم اب اعراض کرو گے تو پھر کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کے مضمون سے ہرقل واقف ہوا تو بہت زدہ ہو گیا اور ماتھے پر پسینہ

نمودار ہو گیا۔ اس کی مجلس میں شور اٹھا۔ ہرقل نے اپنے درباریوں سے کہا کہ پتہ کرو کہ کوئی آدمی ہمارے ملک میں ہے جو اس داعی نبوت کا ہم قوم ہو۔ تاکہ اس سے اس کے احوال کا پتہ کریں اس وقت ابوسفیان بن حرب بعد از صلح حدیبیہ ملک شام میں تجارت کے واسطے گیا ہوا تھا۔ وہ کئی مرتبہ آنحضرت سے جنگ کر چکا تھا۔ ہرقل کے حکم کے مطابق اس کو بیت المقدس میں لے جایا گیا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے روایت کیا ہے کہ اس نے بتایا کہ ہم جس وقت دربار قیصری میں داخل ہوئے تو ہرقل نے پوچھا۔ تم میں سے کون اس داعی نبوت سے قریب تر ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کا زیادہ نزدیکی ہوں۔ اس لئے کہ وہ میرے چچا کے فرزند ہیں۔ ابوسفیان کی یہ بات بظاہر صحیح نہ تھی۔ یہ رشتہ بتانے سے اس کی مراد تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے اباء واجداد میں یہ نسبت تھی۔ اس لئے کہ ابوسفیان کا دادا امیہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف تھا اور آنحضرت کے جد عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے۔ اس طرح سے تھوڑا اوپر جاکر یہ ایک ہی خاندان ہے۔ ابوسفیان نے بتایا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھے اپنے قریب بلا لیا۔ اور میرے پیچھے میرے ساتھی کھڑے کر دیئے۔ پھر ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان کے ساتھیوں سے یہ کہو کہ میں اس داعی نبوت کے حالات سے کچھ ابوسفیان سے پوچھوں گا۔ اگر یہ غلط بتائے تو تم کہہ دینا کہ یہ جھوٹ ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ شرم نہ ہوتی کہ مجھ سے جھوٹ نقل ہو جائے تو میں آنحضرت پر کئی قسم کے جھوٹ و بہتان بناتا۔ ابوسفیان نے یہ سچ کہا تھا کیونکہ بارگاہ نبوت سے اس کی عداوت مقتضی تھی کہ وہ آپ پر جھوٹ و بہتان باندھتا۔ اور اس کا کہنا کہ شرم آتی تھی یہ بھی اس نے کہا ہے۔ اس لئے کہ شرم و حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کے پاس ایمان تھا ہی نہیں۔ البتہ اس کو لوگوں میں ذلیل و رسواء ہونے کا خدشہ ضرور تھا۔ نیز ہرقل نے اس کے ساتھی بھی مقرر کر دیئے تھے۔ اگر اس نے جھوٹ بولا تو مجھے بتا دینا اس لئے کہ اس کو سزا دی جائے لہٰذا ابوسفیان کو یہ ہی خوف تھا۔ اس کے علاوہ کوئی چیز مانع نہ تھی۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھے پوچھا۔ کہ تمہارے درمیان اس کا نسب کیسا ہے۔ میں نے بتایا کہ وہ ہم میں صاحب نسب ہے اور بڑے شریف ہے کیونکہ اولاد عبد مناف میں بنی ہاشم بڑے شریف ہوئے ہیں۔

حدیث پاک میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں قریش اور قریش سے ہاشم کو اور اولاد ہاشم سے عبدالمطلب کو برگزیدہ فرمایا۔ پس ان سب برگزیدوں میں سے میں زیادہ برگزیدہ ہوں۔

ہرقل نے کہا انبیاء اور مرسلین شریف النسب ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی پیروی کرنے والوں کو شرم یا عار محسوس نہ ہو۔ اس کے بعد ہرقل نے پوچھا۔ کیا اس سے قبل بھی قوم قریش اور عرب سے کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اگر اس طرح ہوتا تو میں یہ کہتا کہ یہ تو اپنے باپ کی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ نبوت کو ذریعہ بنائے اور باپ کی مملکت حاصل کرے ہرقل نے پوچھا کیا اس کی پیروی طاقتور اور بڑے لوگ کرتے ہیں یا کہ کمزور اور مفلس لوگ۔ میں نے کہا کمزور لوگ۔ ہرقل نے کہا عام طور پر کمزور اور محتاج لوگ ہی انبیاء کی

پیروی کیا کرتے ہیں۔ پھر ہرقل نے کہا کیا اس کے پیرو کاروں بدن بڑھتے جاتے ہیں یا کہ کم ہوتے جاتے ہیں۔ میں نے کہا بڑھتے جاتے ہیں' وہ کہنے لگا اسی طرح ایمان کا کام آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ہرقل نے پوچھا کہ کیا اس کے دین سے کوئی آدمی پھرا بھی ہے اور دین مکروہ و ناگوار سمجھ کر کسی نے روگردانی کی ہے۔ میں نے کہا' نہیں۔ اس نے کہا کہ ایمان کا مزہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایمان کا سرور جب جان اور روح میں سرایت کرتا ہے تو پھر جاتا نہیں۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ کیا لوگ دعوت نبوت سے قبل اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا ہے۔ درست ہے۔ اب بھی وہ لوگوں پر جھوٹ نہیں باندھے گا اور خدا سے جھوٹ منسوب نہ کرے گا۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ کیا وہ عذر کا دعویٰ کرتا ہے۔ یعنی جنگ و لڑائی سے متعلق عہد باندھنے کے بعد اسے توڑتا ہے اور اس کے خلاف عمل کرتا ہے میں نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگا۔ یہی نبیوں کی صفت ہوتی ہے۔ وہ عذر نہیں کرتے۔ یہ عذر اور بد عہدی طالب دنیا لوگ کرتے ہیں اور انبیاء دنیا کے طالب نہیں ہوتے۔ ابو سفیان نے بتایا کہ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ان دنوں اس کے اور ہمارے درمیان صلح ہو چکی ہے۔ عہد و پیمان ہو گیا ہے۔ ابو سفیان نے بیان کیا ہے کہ میں نے سوچا کہ شاید اس بات سے ان کی کوئی کمی نمودار ہو جائے گی اور تنقیص کا کوئی پہلو قائم ہو گا۔ لیکن یہ تو امکان اور احتمال کے طور پر بات تھی۔ لیکن خدا کی قسم ہرقل نے اس بات کی طرف کوئی توجہ ہی نہ کی۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ احتمال اپنی جانب سے قائم کیا گیا ہے۔ پھر ہرقل نے پوچھا کیا اس کے ساتھ تمہاری کوئی جنگ ہوئی ہے۔ یا کہ نہیں میں نے کہا۔ ہوئی ہے اس نے جنگ کی کیفیت اور حالات بیان کرنے کا حکم دیا۔ میں نے بیان کیا۔ کہ کبھی انہوں نے ہم پر غلبہ پایا جیسے کہ جنگ بدر میں اور کبھی ہم غالب رہے۔ مثلاً میدان احد میں۔ ہرقل نے کہا کہ انبیاء کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ کبھی دشمن ان پر غالب بھی آتا ہے۔ لیکن آخر کار غلبہ و نصرت انبیاء ہی کی ہوتی ہے۔ ہرقل نے کہا کہ وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ وہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے اور کسی چیز کو شریک نہ سمجھنے کا حکم دیتا ہے اور حکم کرتا ہے کہ جو کچھ تمہارے باپ دادا کہتے اور کرتے تھے اس کو ترک کر دو اور وہ نماز' روزہ' صدقہ و خیرات' سچ بولنے تقویٰ اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ ہرقل نے کہا کہ جو کچھ تم نے بتایا ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی صفات حمیدہ اور عادات محمودہ رہی ہیں۔

اس مقام پر حیرانی ہے کہ ہرقل نے یہ کیوں نہ ابو سفیان سے پوچھا کہ پھر تم لوگ اس کی اطاعت کیوں بجا نہیں لاتے اور کیوں اس پر ایمان نہیں لے آتے۔ امکان یہ بھی ہے کہ اس نے خود ہی سوچ لیا ہو گا کہ یہ جواب دیں گے کہ وہ ہمارے باپ داروں کے عمل کے مخالف حکم فرماتا ہے۔ ہرقل نے یہ سوال نہ پوچھا تھا وہ جانتا تھا کہ یہ کافر و معاندین ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے ایک ریشمی کپڑے میں آنحضرت کا مکتوب لپیٹ لیا اور ایک صندوق میں محفوظ کر لیا۔ وہ خط ہرقل کی اولاد میں رہا اور کسی بھی بادشاہ نے وہ مکتوب اپنے عمل سے باہر نہ نکالا۔

اس کے بعد ہرقل قیصر روم کہنے لگا۔ اے ابو سفیان! جو کچھ صفات حمیدہ آنحضرت کے تم نے بیان کئے ہیں۔ اگر یہ فی الواقع ہیں تو جلدی ہی وہ اس مملکت کو مغلوب کر لیں گے اور ان شہروں پر حکمران ہوں گے اور مجھے یہ علم ہے کہ ان صفات کا

حامل ایک نبی ضرور ہو گا۔ لیکن مجھے یہ یقینی علم نہیں ہے کہ وہ تمہاری قوم سے ظاہر ہو گا اور میں یہ جانتا ہوتا اور ممکن ہوتا تو ضرور میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کرتا اور اس سعادت سے مشرف ہوتا۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد ہرقل حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو علیحدگی میں لے گیا اور کہا خدا کی قسم میں یہ جانتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے اور آنحضرت وہی ہیں جس کے انتظار میں ہم تھے اور جن کی صفات کتب آسمانی میں ہم پڑھ چکے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے ان کی اتباع اختیار کرلی تو روم کے لوگ مجھ کو جان سے مار دیں گے۔

ازاں بعد ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ایک اور شخص کے پاس بھیجا۔ وہ رومیوں سے تھا اس کا نام صنعاطر تھا۔ یہ شخص انصاری اور عیسوییں دین کا امام تھا۔ حضرت دحیہ ان کے پاس پہنچے تو اس نے بھی اسی طرح کہا کہ خدا کی قسم محمد برحق ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) جو صفات ان کی تم نے بیان کی ہیں وہ ہم اپنی کتب سے بھی پڑھ چکے ہیں۔ ہمیں ان کی نبوت میں کوئی شک نہ ہے۔ پھر صنعاطر کھڑا ہو گیا اور کنیسہ میں آکر کہنے لگا۔ ہمیں احمد عربی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا ایک خط موصول ہوا ہے۔ اس میں ہمیں دین حق قبول کرنے کی دعوت ہے۔ ان کی رسالت اظہر من الشمس ہے۔ تم اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اس کے رسول ہیں۔ صنعاطر کی یہ گواہی جب نصاریٰ نے سنی تو نیزوں اور تلواروں سے اس کو شہید کرڈالا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے ہرقل کے پاس آکر سارا حال بیان کیا۔ ہرقل نے کہا میں نے پہلے ہی تمہیں کہا تھا کہ مجھے نصاریٰ سے خوف ہے۔ خدا کی قسم قوم میں صناطر مجھ سے بزرگ تر تھا اور اہل روم کا میری نسبت صنعاطر کے ساتھ زیادہ اعتقاد تھا۔ یہ بات صحیح ثابت شدہ ہے کہ صنعاطر کے بارے میں سن کر ہرقل بیت المقدس سے حمص چلا گیا۔ یہ اس کا پایہ تخت تھا۔ وہاں اس نے روم کے بڑے بڑے لوگوں کو بلا کر سکرہ میں ٹھہرایا۔ سکرہ وہ محل ہوتا ہے جس کے چاروں طرف گاؤں کی طرح چھوٹے چھوٹے گھر بنے ہوں۔ پھر اس نے حکم دیا کہ دروازے بند کردیئے جائیں۔ پھر بادشاہ محل کے ایک دریچہ سے ظاہر ہوا اور کہا۔ اے روم کے باشندو! اگر تمہیں اپنی فلاح اور نجات اور راہ راست مطلوب ہے اور اپنا ملک قائم رکھنا چاہتے ہو تو اس نبی کی پیروی اختیار کرلو جو کہ مبعوث ہو چکا ہے۔ رومی یہ سن کر بھاگنے اور گدھوں کی طرح لاتیں مارنے لگے اور دروازوں کی طرف رخ کیا تو دروازے بند تھے۔ ہرقل ان کا یہ حال دیکھ کر مایوس ہو گیا اور حکم دیا کہ سب واپس آجاؤ۔ وہ آئے تو اس نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ یہ تو میں نے دین میں تمہاری صلابت آزمانے کے لئے کہا تھا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم مستحکم ہو۔ پس وہ سب راضی ہو گئے اور اس کو سجدہ کرکے واپس چلے گئے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ ہرقل آخر کار یہ تھا اور علماء میں اختلاف الرائے ہے کہ ہرقل دنیا سے مسلمان گیا تھا یا کہ نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ ہرقل نے دنیاء کو عقبیٰ پر ترجیح دی اور وہ مسلمان نہ ہوا۔ جس طرح کہ حدیث بخاری سے عیاں ہے اس لئے کہ اس واقعہ کے دو سال بعد ہرقل نے غزوہ موتہ میں اہل اسلام سے جنگ کی۔ جس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد شہید ہو گئی جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ بیان ہو گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی مروی ہے کہ وہ لشکر کو مسلح و تیار کرکے تبوک کی طرف

جنگ کے لئے آیا تھا۔ دوسری جماعت علماء کی یہ کہتی ہے کہ امکان پایا جاتا ہے کہ ہرقل پوشیدہ طور پر مسلمان ہو گیا ہو اور اس کی بادشاہت چھن جانے اور ہلاک ہو جانے کے خوف سے یہ گناہ اس سے واقع ہوئے ہوں۔ لیکن مسند احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں تبوک سے مکتوب لکھا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جھوٹ کہا ہے بلکہ وہ نصرانیت پر ہی قائم ہے۔ (واللہ اعلم)

مورخین میں اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان خود ہرقل کو یا اس کے بیٹے کو پکڑ کر لے آئے تھے۔ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ہرقل ہی کو لائے تھے۔ کذا فی فتح الباری (واللہ اعلم)

کسریٰ بادشاہ فارس

کسریٰ خسرو کا معرب ہے اور یہ فارس (ایران) کے بادشاہ کا لقب تھا۔ اس وقت فارس کا بادشاہ پرویز بن ہرمز نوشیراں تھا۔ اور یہ کہ نوشیرواں موجود تھا۔ جیسے کہ عام مشہور ہے **ولدت فی زمن الملک العا د ل** میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ لیکن محدثین اسے نہیں کہتے اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ شرک کی صفت کے ساتھ عدل کی صفت بھی ہو۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ان الشرک لظلم عظیم** مورخین کہتے ہیں۔ کہ عدل کا مطلب ہے رعایا کی نگہداشت' فریاد رسی اور داد رسی۔ اس کو عام محاورہ میں عدل کہا جاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے اسے عادل کہا جانا بعید ہے اس بادشاہ کے پاس مکتوب لے کر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ یہ قدیم الاسلام اور سابقین اولین مہاجرین سے تھے اور یہ سہم بن عمرو بطنی کی طرف منسوب تھے جو کہ قریش کی ایک شاخ تھی۔ ان کو حکم فرمایا مکتوب حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ وہ کسریٰ تک پہنچا دے گا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

خط بنام کسریٰ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام۔ سلام اس پر جو دین کی پیروی کرے اور خدا پر ایمان رکھتا ہو اور شہادت کہ اللہ ایک ہے اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں میں تمہیں دعوت اسلام دیتا ہوں بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ خوف دلاؤں اور ان کو ڈراؤں اور کافروں پر حجت تمام ہو۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامت رہو گے اور سرکشی کے مرتکب ہو گے تو سب مجوسوں کو وبال بھی تم پر ہی ہو گا۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط کسریٰ کو ملا تو اس نے کہا مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا بندہ اور رعایا ہو کر اس طرح کا خط لکھتا ہے۔ (**نعوذ باللّٰہ من ذ الک**) کیا پرویز کو یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے مخصوص بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام بندوں پر سردار و حکم بنا کر بھیجا ہے۔ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اس پر گستاخی بھی کی کہ کیا محمد نے اپنا نام میرے نام کے اوپر تحریر کیا ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ جاہل یہ بھی نہ جان سکا کہ مکتوب نویسی کی یہی روش ہے۔ کہ من فلاں الی فلاں۔ اور حضور کے نام نامی تو عرش پر لکھا ہے۔ تو کیا ہے

اور تیرا نام کیا ہے۔ پس اس کافر نے غصے میں مکتوب کو پھاڑ دیا۔ اور واہی تباہی بکواس کرنے لگا اور عبداللہ بن حذافہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور مکتوب شریف کا جواب بھی نہ لکھا۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم واصحابہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس نے خط کو پھاڑا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو پھاڑے اس کے بعد اس نے حاکم یمن باذان کو لکھا کہ اس طرح سنا گیا ہے۔ کہ عرب میں حجاز کے اندر ایک شخص دعویٰ پیغمبری کرتا ہے۔ چاہیے کہ دو آدمی معتمد علیہ بھیجو تاکہ اس کو باندھ کر میرے پیش کریں۔ باذان نے اس حکم کے مطابق اپنے خادمان خاص سے ایک شخص جس کا نام بانویہ تھا اور وہ فارس کے بڑے علماء اور بہادروں سے تھا ایک دوسرے آدمی کے ساتھ جو کہ فارسیوں میں ممتاز تھا تفتیش و تحقیق احوال کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ ان دو شخصوں کے ساتھ کسریٰ کی خدمت میں پہنچو جو کہ آپ کو بلاتا ہے۔ پس وہ دونوں آدمی طائف پہنچے۔ وہاں قریش کے سردار ابوسفیان اور صوفوان بن امیہ وغیرہ تھے۔ ان سے انہوں نے آنحضرت کے حالات پوچھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں اور وہ کافر خوش ہوئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کسریٰ بادشاہ سے الجھ پڑے ہیں۔ امید ہے کہ ہماری خواہش کے مطابق یہ مہم سرانجام ہوگی۔ القصہ وہ دونوں شخص مدینہ میں آنحضرت کی مجلس میں شریف میں آئے اور گفتگو شروع کی انہوں نے کہا کہ شہنشاہ کسریٰ نے حاکم یمن باذان کو خط لکھا کہ آپ کو اپنے معتمد آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس بھیجیں اور بادشاہ باذان نے اسی غرض سے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کو خسرو کے پاس دارالسلطنت میں لے جائیں۔ اگر آپ خوشی اور رغبت کے ساتھ ہمارے ساتھ چلیں گے تو بادشاہ کسریٰ کو باذان سفارش لکھے گا۔ تاکہ سابقہ گناہ کی معافی مل جائے اور اگر آپ انکار کریں گے تو آپ کسریٰ کی صولت و سطوت جانتے ہیں کہ وہ کس طرح کا بادشاہ ہے۔ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک کردے گا۔ اور تمہارے شہر اور ملک برباد کردے گا۔ پس انہوں نے باذان کا خط آنحضرت کو دیا۔ آنحضرت کو جب ان کی بکواس یا وہ گوئی کی خبر ہوئی تو آپ نے تبسم فرمایا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ دونوں بابویہ اور خرخرہ ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ریشمی کپڑے زیب تن کرکے زریں اور اس میں (چاندی کے) ٹکے کمر میں باندھے اور داڑھیاں منڈائے ہوئے اور مونچھیں لمبی رکھے ہوئے جن کے لب ڈھکے ہوئے تھے۔ بروش مجوسیاں آئے تھے۔ جب آنحضرت نے ان کو اس صورت میں دیکھا تو کراہت محسوس کی۔ اور ارشاد فرمایا۔ تم پر بڑا افسوس ہے کہ تمہیں اس طرح کی صورت بنانے کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں کس نے کہا ہے کہ داڑھیاں منڈواؤ اور مونچھیں چھوڑو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے رب کسریٰ کا حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر آپ نے ان کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ دونوں آدمی دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اور ثواب و عقاب کے ساتھ ترغیب و ترہیب دی انہوں نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)۔ آپ اٹھ کر راہ سفر اختیار کریں۔ تاکہ آپ کو ہم شہنشاہ کے پاس لے چلیں اور آپ نے انکار کیا تو عجم کا شہنشاہ ایک ہی ضرب کے ساتھ آپ کو اپنے حال پر واپس لائے گا اور سب کو قتل کردے گا۔ یا جلاوطن کرے گا۔ روایت میں آیا ہے کہ یہ دونوں پلید کافر بے ادبی سے گفتگو

گرتے تھے اور ان کا رویہ نامناسب تھا پھر بھی عظمت نشان نبوت اور مجلس پاک کی ہیبت ان پر اتنی زیادہ تھی کہ ان کے تمام اعضائے بدن کانپتے تھے۔ اور ہیبت سے پگھل جانے کے قریب تھے۔ اور ان کے تمام جسم کے جوڑ کھل جائیں کیونکہ بے ادبی کے ساتھ وہ دربار نبوت میں پیش آئے تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو معاف رکھتے ہوئے چاہا کہ بازان کے خط کا جواب لکھا جائے آنحضرت نے انہیں فرمایا کہ آج تم اپنی قیامگاہ پر ٹھہرو۔ کل پھر آنا تو دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔

جب یہ دونوں قاصد حضور کی مجلس سے نکلے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا' اگر کچھ وقت اور اس مجلس میں ہم ٹھہرتے تو یہ ڈر تھا کہ کہیں رعب سے ہم ہلاک ہو جاتے دوسرے نے کہا کہ اس طرح کی ہیبت ساری عمر میں کبھی مجھ پر طاری نہ ہوئی تھی۔ جس طرح کی اور جتنی آج ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔ اور اس کا کلام خدا کا کلام ہے۔ اگلے دن یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو آپ نے فرمایا۔ اپنے صاحب کو یعنی بازان کو بتادو کہ میرے رب تعالیٰ نے تمہارے شہنشاہ کا بوجھ اتار دیا ہے خسرو کو قتل کر دیا گیا ہے۔ سات گھنٹے قبل دوران شب اس کے فرزند شیرویہ کو اس پر مسلط کیا گیا حتی کہ اس نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ رات منگل کی رات تھی۔ جمادالاخر کی دسویں تاریخ ۷ھ تھا اور اپنے صاحب بازان سے یہ بھی کہہ دینا کہ میرا دین بڑی جلدی کسریٰ کی سلطنت پر غالب آجائے گا اور اگر تم اسلام قبول کرلو تو جس قدر علاقہ تمہارے قبضہ میں ہے وہ تیرے تصرف میں ہی کر دیا جائے گا اور فارسیوں پر ہم تجھ کو حاکم مقرر کریں گے۔ پھر دونوں قاصد وہاں سے روانہ ہو گئے اور مدینہ سے نکل گئے۔ یمن میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا بازان کو بتایا۔ اور مجلس نبوی میں اپنے مشاہدات بھی بازان کو بتائے۔ بازان نے پوچھا کہ اس کے پہریدار اور نگرانی محافظ مقرر ہیں۔ قاصدوں نے بتایا۔ کوئی نہیں وہ بے دھڑک بازاروں اور گلیوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ بازان نے کہا کہ جو کچھ تم نے بتایا ہے یہ چیزیں بادشاہوں کے کلام میں نہیں ہوتیں میرے خیال کے مطابق وہ نبی اور رسول ہیں۔ ان کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور مجھ سے پہلے کوئی بادشاہ ان پر ایمان نہ لائے گا۔ اسی وقت خسرو کے بیٹے شیرویہ کا خط بازان کو پہنچ گیا۔ مضمون یہ تھا۔

کسریٰ فارس ملک کے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کو بلاجرم و خیانت ہلاک کر دیتا تھا۔ پس اس کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ اور اس کی برائی سے لوگوں کی حفاظت کی ہے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ میری اطاعت کرو اور دوسرے لوگوں کو بھی میری اطاعت و فرمانبرداری کے لئے کہہ دو۔ نیز خبردار! جس صاحب دولت نے عرب و عجم میں دعویٰ نبوت کیا ہے اس سے ہرگز کوئی تعرض نہ کریں تاآنکہ ان کے بارے میں میرا حکم تمہیں نہ ملے۔ بازان کو جب یہ سب کچھ معلوم ہوا تو اس نے بغیر کسی توقف و تاخیر کے بڑے خلوص کے ساتھ کلمہ توحید پڑھ لیا اور اس ملک میں رہنے والے سب فارسی لوگوں نے ابھی اس کے ساتھ ہی کلمہ توحید پڑھا اور اسلام لے آئے اہل فارس کے دیگر حالات جو شیرویہ کی حکومت کے بعد جو تھے اور جو معاملہ شیرویہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ہوا وہ کتب تاریخ سے دیکھ لیں۔

مصر کے بادشاہ مقوقس کا معاملہ

مقوقس مصر اور سکندریہ کا حکمران تھا۔ حضرت حاطب بن ابی ملتعہ اس کی طرف قاصد گئے۔ یہ مشہور اصحابی ہیں ہرقل کے نام لکھے گئے خط کے مضمون کے مطابق ہی مقوقس کی طرف مکتوب کا مضمون تھا۔ آنحضرت کا مکتوب گرامی جب مقوقس کو پہنچا تو بڑا ادب و احترام بجالایا اور اچھی گفتگو کی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں طلب کیا اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات و نعوت سنفیں اور وہ تمام کی تمام آنحضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی بیان کردہ صفات کے مطابق تھیں۔ مقوقس نے کہا کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی آمد کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ بے شک ان کو غلبہ حاصل ہو گا اور ان ملکوں پر ان کے صحابہ قابض ہوں گے۔ لیکن وہ نہ ایمان لایا اور نہ مطیع و نقاد ہوا۔

صاحب مواہب لکھتے ہیں کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے مقوقس کے دربار میں پہنچ کر فرمایا۔ اے مقوقس! اس ملک میں تم سے قبل ایک شخص گزر چکا ہے۔ جس کا دعویٰ تھا انا ربکم العلی میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ **فاخذ اللّٰہ نکال الاخرۃ والاولی** اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقال لے لیا۔ تم اپنے غیر سے عبرت حاصل کرو اس لئے کہ کوئی تجھ سے عبرت نہ لے۔ مقوقس نے جواب دیا کہ ہمارا ایک دین ہے اسے ہم ترک نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ ہمیں اس سے بہتر دین ملے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کے دین کی جانب دعوت دیتا ہوں جو کہ اسلام ہے۔ اس دین کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ دوسرے ادیان سے بے نیازی عطا کرے گا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس نبی پاک نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ لیکن قریش شدید ترین لوگ تھے اور سب سے زیادہ دشمن یہود ہیں اور ان کے بعد نصاریٰ' مجھے اپنی حیات کی قسم' جیسی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق دی تھی اس جیسی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہ دی تھی اور ہم تمہیں اس طرح قرآن کی طرف دعوت دیتے ہیں جس طرح تم تورات والوں کو انجیل کی دعوت دیتے ہو اور جس نبی کو جو قوم ملی ہے وہ اس کی امت بنی۔ پس اس قوم پر واجب ہے کہ یہ اس نبی کی مطیع و منقاد ہو جائے اور تو نے بھی اس نبی کو پایا ہے۔ لہٰذا تم بھی ایمان لاؤ اور ان کی امت میں شامل ہو جاؤ۔ ہم آپ کو مسیح کے دین سے منحرف نہیں کرتے ہیں بلکہ آپ کو مسیح کے دین کا حکم بتا رہے ہیں۔ (مراد یہ اس کا حکم ہے کہ آخری نبی پر ایمان لانا)۔ مقوقس نے کہا۔ میں نے اس نبی کے متعلق سوچ لیا ہے اور مجھے علم ہو گیا ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ باعث نفرت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی مرغوب چیز سے ممانعت کرتے ہیں' مجھے یہ بھی خبر ہو چکی ہے کہ وہ جادوگر نہیں ہے اور نہ وہ کوئی دروغ گو کاہن ہے۔ اور ابھی میں مزید غور کر رہا ہوں۔ بعد ازاں مقوقس نے آنحضرت کے مکتوب کو ہاتھی دانت کے ایک صندوق میں حفاظت سے رکھ لیا اور کاتب کو حکم فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں اپنامہ تحریر کرے۔ اس کا مضمون یوں تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بن عبداللہ کی خدمت میں از طرف

مقوقس عظیم القبط' المعبد' میں نے آپ کا مکتوب شریف پڑھا۔ اس میں جو لکھا گیا ہے اور جس چیز کی طرف آپ نے بلایا ہے۔ اس کو سمجھ لیا۔ بے شک مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی باقی ہے جو خاتم الانبیاء ہوگا میں گمان کرتا ہوں کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا میں نے آپ کے ایلچی کا احترام کیا ہے۔ آپ کی خدمت میں ماریہ اور سیرین کو بھیج رہا ہوں۔ یہ قبط میں عظیم مرتبہ کی حامل ہیں اور سواری کی خاطر ایک اونٹ پیش کرتا ہوں۔ والسلام مقوقس نے مزید کچھ نہ لکھا اور اس نے اسلام قبول

اور استیعاب میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں شاہ اسکندریہ مقوقس کی طرف مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھیجا اور آنحضرت کا مکتوب میں نے اس کو دیا تو اس نے میرا قیام اپنے محل میں کرایا اور متعدد راتیں میں اس کے پاس رہا۔ پھر اس نے اپنے بطارقہ کو جمع کیا اور مجھے کہا کہ اپنے آقا کے بارے میں مجھے بتاؤ کیا وہ خدا کا رسول ہے؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں وہ خدا کے رسول ہیں۔ مقوس نے کہا۔ جن لوگوں نے ان کو اپنے شہر سے نکال دیا ان کے حق میں اس نے بددعا کیوں نہیں کی؟ میں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکڑ کر سولی پر بھی چڑھا دیا لیکن انہوں نے ان کے لئے بددعا نہ فرمائی۔ تاکہ حق تعالیٰ ان کو ہلاک کرتا۔ مقوقس کہنے لگا۔ تم نے درست کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی حکم ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس خبیث نے اپنی بادشاہی کے باعث بخیلی کی ہے حالانکہ اس کی وہ بادشاہت نہ رہے گی۔ یہ مقوقس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوت ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مقوقس کے تحائف قبول فرمائے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو ایمان لانے کے بعد آپ نے اپنے لئے مختص فرما لیا اور ان کے ساتھ ملک یمین کی حیثیت سے تصرف فرمایا ان کے بطن سے جناب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تولد ہوئے اور سیرین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی گئی۔ ان کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حسان تولد ہوئے

تنبیہہ :۔ کتاب روضۃ الاحباب سے پتہ چلتا ہے کہ مقوقس نے آنحضرت کی خدمت میں چار باندیاں بھیجی تھیں ماریہ اور سیرین دونوں بہنیں 'ایک خواجہ سراء ایک سفید اشتر جس کو دلدل کہا جاتا ہے۔ ایک دراز گوش اس کا نام عفیر یا یعفور کہا جاتا ہے۔ ایک نیزہ بیس قد کا خلعت اور ایک ہزار مثقال سونا۔ یہ تحائف صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے لئے ایک سو مثقال سونا۔ پانچ کپڑے بطور انعام دیئے ازاں بعد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت نے ملک یمین کے طور پر اپنے تصرف میں رکھا ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ سیرین رضی اللہ عنہا حضرت حسان بن ثابت کو دے دی گئیں۔ باقی جو دو کنیزیں تھیں ان کے اسماء اور احوال معلوم نہیں ہوئے۔ "اس دراز گوش پر گاہے گاہے آنحضرت سواری کرتے تھے حتیٰ کہ وہ حج الوداع میں مر گیا۔ روضۃ الاحباب میں یوں ہی مذکور ہے۔ دیگر ایک روایت میں ہے۔ اس دراز گوش نے آنحضرت کی جدائی میں اپنے آپ کو ایک کنویں میں گرا کر ختم کر دیا۔ اس کی قبر اس کنویں میں بن گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی

اللہ عنہ بھی اس پر سواری فرماتے تھے۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔"

"بچہارم علی شاہ دلدل سوار"

دلدل وہی سفید اونٹ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اس پر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سواری کرتے تھے۔ حتیٰ کہ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ دلدل مر گیا تھا کہا جاتا ہے کہ اس کے دانت گر چکے تھے لہٰذا پانی میں آٹا ملا کر اسے پلایا جاتا تھا۔

اور خواجہ سرکا حال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حال کے ساتھ دسویں سال کے ذکر میں آئے گا۔ مواہب لدینہ کے مطابق ان تحائف میں شہد بھی بیان کیا جاتا ہے۔ یہ شہد "بنہان" کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے بہت پسند فرمایا اور بنہان کے شہد میں برکت کے لئے آپ نے دعا بھی فرمائی۔ بنہان مصر میں ایک گاؤں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا بارک اللّٰہ فی غسل بنھان کتب سیر میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور دلدل کا ذکر مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)۔

حارث بن ابی شمر غسانی کے نام خط

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس اپنا قاصد حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کو شام کی سرحد پر پہنچ کر پتہ چلا کہ حارث شاہی غواط دمشق جا چکا ہے اس لئے کہ بیت المقدس میں آئے ہوئے ہرقل کے واسطے تحفے ترتیب دے سکے اور اس کو بھیجے۔ حضرت شجاع غواط میں کئی دن تک ٹھہرے۔ لیکن حارث کے ساتھ ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ حارث کے ایک پہریدار کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو چکی تھی۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اسے ذریعہ بنا کر آنحضرت کا خط حارث کو پہنچائیں۔ کئی دن گزر گئے لیکن وہ دکھائی نہ دیا اتفاق سے ایک دن حارث باہر نکلا۔ یہ سر پر تاج پہنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت شجاع نے اس سے ملاقات کر کے آنحضرت کا مکتوب گرامی اس کو دیا۔ اس نے خط پڑھا اور زمین پر پھینک دیا۔ اور ناز یبا گفتگو کی اور حکم دے دیا کہ گھوڑوں کی نعل بندی کریں تاکہ آنحضرت کے خلاف جنگ کے لئے روانہ ہوں۔ ہرقل کو بھی ایک درخواست تحریر کی۔ اس میں آنحضرت کا خط آنے اور اس کے جواب میں حارث کے جنگ کے لئے تیار ہونے اور روانہ ہونے کا حال لکھا قیصر کی طرف سے جواب آیا کہ کچھ دیر کے لئے رکے رہو۔ پہلے میرے پاس حاضر ہو۔ ہرقل کا خط حارث کو موصول ہوا تو اس نے حضرت شجاع کو بلایا اور پوچھا کہ تم کب اپنے آقا کی خدمت میں جاؤ گے۔ انہوں نے بتایا کہ کل جاؤں گا۔ حارث نے ان کو ایک سو مثقال سونا دیا اور ان کو رخصت کر دیا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ سے حارث کے پہریدار نے یہ سب حال سنا۔ اور رقت میں آ گیا اور روتا ہوا کہنے لگا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کی شریعت کے متعلق انجیل میں وہی توصیف پڑھی ہے جو تم نے بتائی ہے اس

وقت میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور آنحضرت کی تصدیق کرتا ہوں۔ لیکن مجھے حارث سے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کردے گا۔ اس حاجب نے حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کا بڑا ادب و احترام کیا اور ان کی متعدد دعوتیں کیں۔ ان کو زاد راہ کے ساتھ کچھ کپڑے بھی دیئے۔۔۔ واپس حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں تمام روداد بیان کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ **هلكه** یعنی وہ ہلاک ہوا یا اس کا ملک تباہ ہو جائے۔ بعد ازاں سال فتح مکہ میں حارث جہنم میں چلا گیا' اور جبلہ بن ایہم غسانی اس کی مملکت پر قابض ہو گیا۔ چند اہل سیر کا گمان یہ ہے کہ حارث اسلام لے آیا تھا۔ لیکن قیصر سے ڈرتے ہوئے اس نے پوشیدہ رکھا۔ (واللہ اعلم)

ہودہ بن حنفی والئ یمامہ کو مکتوب

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مکتوب مبارک ہودہ بن حنفی یمامہ کے حاکم کو بھی ارسال کیا۔ حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ قاصد تھے۔ آنحضرت کا خط مبارک ہودہ کو موصول ہوا تو اس نے اسے پڑھا اور حضرت سلیط کو بڑی عزت اور احترام کیا۔ ان کو اپنے محل میں ٹھہرایا۔ خط مبارک کا مضمون یہ تھا۔ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** محمد رسول اللہ کی طرف سے ہودہ بن حنفی کے نام سلام ہو ہدایت کی پیروی کرنے والے پر۔ واضح ہو کہ میرا دین عنقریب خف و حاضر کی انتہا تک ظاہر ہو گا۔ اونٹ بکریوں وغیرہ کے سموں کو خف کہتے ہیں اور گھوڑے خچر گدھوں وغیرہ کے کھروں کو حاضر کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ جہاں تک چارپائیوں کے پاؤں پہنچ سکتے ہیں اور آبادی کا آخری کنارہ ہو۔ وہاں تک میرا دین پھیلے گا۔ لہٰذا تم اسلام لے آؤ تاکہ دنیا اور آخرت کی آفات و آلام سے سلامت رہو۔ ہودہ نے آپ کے گرامی نامہ کا جواب دیا اس کا مضمون یہ ہے۔ کتنا عمدہ یہ طریقہ ہے کہ کسی کو دعوت اسلام دینے کا۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں۔ اور عرب کے لوگ مجھ سے خوفزدہ ہیں ان کے دل مجھ سے ہیبت زدہ ہیں اور ان کی نظروں میں میرا مقام عظیم ہے۔ لہٰذا آپ میری خاطر چند کام کردیں تاکہ میں آپ کی پیروی اختیار کرلوں اپنے کچھ شہروں کا معاملہ حل و عقد میرے حوالے کریں وہ میرے اقتدار میں کردیں تاکہ میں آپ کی پیروی۔۔۔۔۔۔ کروں اور میں آپ کی طرف آجاؤں۔ حضرت سلیط کو اس سے جائزہ دیا اور ایک جوڑا لباس کا بڑا خوبصورت دیا جو۔ ہجر کا بنا ہوا تھا۔ اور ان کو مناسب انعام بھی دیا اور رخصت کردیا۔ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف واپس کر ہودہ کا خط آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیا جس میں اس نے امارت و حکومت مانگی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **لو سئالنی سبابة من الارض یا دمانی یده** اگر مجھ سے زمین سے کھجور کے خوشہ کے برابر بھی مانگے تو اس کو نہ دوں اور نہ ہی یہ جائز رکھوں۔ ہلاک ہو وہ ملک جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ سبابہ کھجور کے خوشے کو کہا جاتا ہے۔ جس کو طلع بھی کہتے ہیں کھجور کا پہلا حصہ طلع دوسرا طلع تیسرا بسر چوتھا رطب اور پانچواں تمر ہوتا ہے۔ روضۃ الاحباب میں آیا ہے کہ سیرت کے فن کے کچھ اکابر لوگوں نے سبابہ کو انگشت سبابہ تحریر کیا ہے اور ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر وہ زمین سے ایک انگلی کے برابر طلب کرے تو میں نہ دوں۔ (واللہ اعلم)

اہل سیر کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے وقت ہوذہ کے مرنے کی خبر حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد یمامہ میں ایک کذاب نمودار ہو گا وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا اور پھر وہ قتل ہو جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اپنے مناسب مقام پر اس کا مفصل ذکر ہو گا۔ یہ چھ مکتوبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس وقت کے بادشاہوں کو تحریر کئے گئے تھے۔

بحرین کی طرف خط مبارک

کچھ اہل سیر نے آپ کا ایک اور خط کا ذکر کیا ہے۔ وہ بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ سے خط لے کر گئے۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے اور واقدی نے اس کو اپنی سند سے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اس جگہ سے اس کا مضمون نقل کیا۔ وہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط منذر بن ساوی کی طرف علاء بن الحضرمی کے ہاتھ لکھ کر بھیجا۔ اس میں اس کو اسلام کی دعوت دی اور منذر رضی اللہ عنہ نے بایں مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے آپ کا مکتوب مبارک پڑھا ہے جو آپ نے اہل بحرین کی طرف لکھا ہے ان سے چند لوگوں نے اسلام سے محبت ظاہر کی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اور بعض نے انکار کیا اور اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ ہوئے مثلاً یہود اور مجوس۔ لہٰذا اب آپ کا جو حکم ارشاد ہو گا اس کے مطابق میں عمل پیرا ہوں گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دوبارہ اس کی طرف لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے بنام منذر۔ تم پر سلام ہو۔ تمہاری جانب سے میں خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہ ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امابعد میں تم کو اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص کسی کو نصیحت کرے اور کسی کی خیر خواہی کرے وہ نہیں خیر خواہی کرتا مگر اپنی۔ جو کوئی میرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کی پیروی کرے۔ بے شک وہ میری ہی اطاعت و پیروی ہے اور میرے قاصدوں سے خیر خواہی کرنا میری ہی خیر خواہی کرنا ہے۔ تمہارے خیر خواہی کرنے کی تعریف میرے قاصد کرتے ہیں۔ میں تمہاری قوم کی سفارش اور شفاعت تم سے کرتا ہوں۔ اس لئے تم اہل اسلام کو دین کی تعلیم اور شریعت کے احکام کی تعلیم میں مشغول کرو۔ ان کی خطاؤں پر عفو و درگزر کرو۔ اس وقت تم اصلاح کے راستہ پر رہو گے۔ یہودیت و مجوسیت پر قائم رہنے والوں پر جزیہ لگاؤ۔ اہل اسلام ان کا ذبیحہ نہ کھائیں اور ان سے مناکحت بھی نہ کریں۔ جزیہ کی وصولی کا منصب علاء الحضرمی کو دیا جاتا ہے۔ حضرت علاء الحضرمی جذیہ وصول کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ مال بھیج دیا کرتے تھے۔

یہ بھی واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو دینی اور دنیوی معاملات میں خطوط اقوام و اعیان اور مختلف اشخاص کی طرف تحریر فرمائے تھے وہ بہت ہیں۔ یہاں تو صرف وہ مکتوبات درج کرنے تھے جو آپ نے صرف بادشاہوں کی

طرف لکھے تھے۔ بلکہ صرف وہ چھٹے سال ہجرت کے دوران تحریر کئے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جو خط منذر بن ساری کی طرف لکھا گیا تھا روضۃ الاحباب نے اس کا تذکرہ سال ہشتم میں کیا ہے اور فتح مکہ کے بعد اور غزوہ خیبر کے بعد جبلہ بن ایہم غسانی کو ساتویں سال میں خط لکھا گیا تھا۔ وہ حارث غسانی کے بعد بادشاہ بنا تھا۔ لہٰذا یہ واضح اور معلوم ہو چکا ہو گا کہ یہاں صرف ان خطوط کا تذکرہ ہی مقصود تھا جو صرف بادشاہوں کو چھٹے سال میں تحریر کئے گئے تھے۔

ملک عمان کی طرف مکتوب شریف

اس مقام پر مواہب لدنیہ ہمیں ایک خط ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ملک عمان کو بھیجا تھا بدست حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ بھی اس سال میں گیا تھا یا نہیں۔ لیکن یہ خط اس مقام کے مناسب ہے لہٰذا درج کیا جاتا ہے اس کا مضمون یوں تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد بن عبداللہ و رسولہ کی طرف سے جیفر اور عبد جلند کے بیٹوں کے نام۔ سلام اس شخص پر جو سیدھے راستے کی پیروی کرے اما بعد۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم اسلام قبول کر لو تاکہ سلامتی میں رہو۔ بلاشبہ تمام لوگوں کی طرف میں رسول بن کر آیا ہوں حتیٰ کہ جب تک کوئی زندہ رہے میں اس کو ڈراتا ہوں۔ مراد یہ کہ جب تک وہ قلبی حیات کے ساتھ زندہ ہے ہم نے کفار پر حجت قائم کر دی ہے۔ تو اگر اسلام قبول کرے تو تم کو وہی حکمران ہم مقرر کرتے ہیں اور میں تجھے ہی تمہارے ملک پر برقرار رکھتا ہوں۔ اگر تم انکار کر کے اسلام سے فرار اختیار کرو تو تمہارا ملک تم سے چھین لیا جائے گا اور میرے گھوڑے تمہارے میدانوں میں پھرتے ہوں گے۔ میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آجائے گی۔ یہ مکتوب مبارک ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا اور خط پر مہر لگائی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں روانہ ہو گیا اور عمان پہنچا۔ وہاں پہنچ کر میں نے عبد سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اس لئے کہ جلند کے دونوں بیٹوں عبد اور جیفر میں سے عبد بہتر اخلاق والا اور نرم آدمی تھا۔ میں نے کہا میں رسول خدا کا قاصد آیا ہوں اور مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔ تمہارا بھائی عمر اور ملک کے لحاظ سے تم پر مقدم ہے لہٰذا میں تجھے اسکے پاس لے چلتا ہوں۔ تاکہ وہ خط کو پڑھے اور تجھے بھی سنائے وہ کہنے لگا تم کس قسم کی دعوت دیتے ہو میں نے کہا کہ میں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں۔ اس پر ایمان لے آؤ اور جس کسی کی بھی اس کے سواء عبادت و پیروی کرتے ہو اس کو ترک کر دو۔ اور یہ شہادت دو کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔ عبد کہنے لگا۔ اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے فرزند ہو۔ اس کے متعلق بتاؤ کہ اس نے کیا کیا ہے اسی کے مطابق ہم بھی عمل کر لیں گے میں نے کہا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کاش وہ بھی مسلمان ہو جاتا اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق کرتا اور اس وقت تک تو میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان نہ لایا تھا۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو ہدایت فرمائی اور میں نے اسلام قبول کر لیا اس نے پوچھا۔ تم کب مسلمان ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ اس نے پوچھا۔ تم کب مسلمان ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔

اس نے پوچھا تم ایمان لانے کے بعد کہاں رہے میں نے بتایا کہ نجاشی شاہ حبشہ کے پاس رہا ہوں۔ میں نے یہ بھی اس کو بتایا کہ نجاشی بھی ایمان لا چکا ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس پر اس کی قوم اور رعایا نے کیسے کیا۔ میں نے کہا برقرار رہے اور اس نے اس کی پیروی کی۔ پھر اس نے پوچھا کہ نصاریٰ کے دانشمند لوگوں اور راہبوں کا رویہ کیسا رہا۔ کیا وہ اس کے تابع ہی رہے اور اس کی پیروی کی۔ میں نے بتایا۔ ہاں عبد نے کہا عمرو سوچ کر بولو۔ تم کیا کہتے ہو۔ کسی شخص کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے اس کی جھوٹ بولنے کی صفت سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور صفت نہ ہے۔ میں نے کہا میں جھوٹ ہرگز نہیں بولتا اور ہمارے دین میں جھوٹ حلال نہیں۔ پھر اس نے پوچھا۔ بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز کا حکم فرماتے ہیں اور کس چیز سے ممانعت کرتے ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کا وہ حکم فرماتے ہیں اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے ممانعت فرماتے ہیں۔ آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم اور شر سے باز رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ زنا' شراب خوری' بتوں کی پوجا اور صلیب کے ماننے سے ممانعت فرماتے ہیں۔ عبد کہنے لگا۔ نہایت عمدہ تعلیم ہے اور بہت عمدہ ان کی دعوت ہے۔ اگر میرا بھائی میری بات تسلیم کرے اور میرے موافق ہو جائے تو ہم دونوں بھائی سوار ہو کر جائیں اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور آپ کی تصدیق کریں اور ان پر ایمان بھی لائیں۔ لیکن میرا بھائی تو اپنے ملک و بادشاہت کی حرص رکھتا ہے وہ تو اسے چھوڑنے کا نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر تمہارا بھائی مسلمان ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قوم پر اس کو ہی حاکم متعین فرما دیں گے۔ پھر وہ اپنے قوم کے مالدار اشخاص سے صدقہ وصول کر کے اپنی قوم کے محتاجوں اور فقیروں کو دے گا۔ عبد نے کہا خدا کی قسم یہ تو نہایت ہی اچھا کام ہے۔ مجھے صدقہ کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اموال میں کیا صدقہ فرض فرماتے ہیں۔ میں نے مفصل طور پر احکام صدقہ بیان کئے۔ اونٹوں پر بھی صدقہ کی تشریح و تفصیل اس کو بتائی۔ وہ کہنے لگا اے عمرو! جو اونٹ ہم درختوں پر چراتے ہیں اور چشموں کا پانی پلاتے ہیں کیا صدقہ ان پر بھی لاگو ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ ان پر بھی صدقہ ہے۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم۔ ہماری قوم یہ حکم ماننے والی نہیں ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ دنوں تک میں منتظر رہا۔ عبد نے اپنے بھائی کے پاس جا کر میرے آنے کی اطلاع دی۔ اس کے بعد ایک دن اس نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو اس کے ندیموں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ لیکن اس نے ان کو منع کر دیا۔ ان سے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ لہٰذا مجھے انہوں نے چھوڑ دیا۔ میں آگے بڑھا اور چاہا کہ بیٹھ جاؤ لیکن انہوں نے مجھ کو بیٹھنے سے ممانعت کر دی۔ میں اس کی طرف دیکھنے لگا اس نے مہر کو توڑا اور خط پڑھا۔ خط کو آخر تک پڑھ کر اس نے بھائی کو خط دے دیا۔ اس نے بھی خط پڑھا۔ میں اس کے بھائی کو اس سے زیادہ نرم دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا کہ قریش کا انجام کیسا ہوا۔ میں نے بتایا کہ وہ سب آنحضرت کی اطاعت و پیروی اختیار کر چکے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا شوق اور رغبت سے دین میں آئے ہیں یا کہ تلوار سے مغلوب و مقہور ہونے کی صورت میں۔ نیز اس نے پوچھا کہ ان کے ساتھ موافقت کرنے والے لوگ کون ہیں۔ میں نے بتایا کہ لوگوں نے بڑی رغبت اور بڑا شوق ظاہر کیا اور بلا جبر و اکراہ دین میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنی عقلیں ہدایت حق کے موافق بنائیں۔ اس لئے کہ وہ اس سے قبل گمراہی میں پڑے تھے۔

سوائے تیرے باقی رہنے والا کوئی دوسرا میرے علم میں نہیں ہے اور اگر آج تم نے اسلام قبول نہ کیا۔ تو تم چھوڑے نہ جاؤ گے۔ اسلامی گھوڑے تجھ کو پامال کر کے رکھ دیں گے۔ تم اسلام لے آؤ تاکہ سلامت رہو۔ اور تم ہی کو تمہاری قوم پر حاکم مقرر کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اسلام کے گھوڑے تجھ پر دوڑتے ہوئے آئیں گے وہ کہنے لگا کہ آج کے لئے مجھے مہلت دے دو۔ کل دوبارہ میرے پاس آنا کہ تمہیں کوئی جواب دیا جاسکے۔ اس کے بعد میں پھر اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اس نے کہا اے عمرو! اگر میرے بھائی نے اپنے ملک کا بخل نہ کیا تو مجھے امید ہے وہ سلامت رہے گا۔ اگلے دن میں پھر اس کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ تمہارے بھائی تک میری رسائی نہیں ہو سکی مجھے اس کے پاس تم پہنچاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ میں تمہاری دعوت کے بارے میں سوچ رہا ہوں میں تمام عربوں سے کمزور ہوں۔ اسی شخص کے مقابلہ میں میں جو چیز میرے ہاتھ میں ہے اس پر قادر نہیں ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کے گھوڑے یہاں پہنچیں۔ اور اگر اس کے گھوڑے یہاں پہنچے تو مجھے ایک ایسی جنگ کا خوف ہے جس طرح کی جنگ و قتل سے اس کا قبل ازیں سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ میں نے اس کو کہا کہ میں کل یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں۔ اس کو میرے چلے جانے کا یقین ہوا۔ تو میرے وہاں سے نکل آنے کے بعد وہ دونوں بھائی علیحدگی میں چلے گئے اور دونوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ اگلی صبح کو انہوں نے مجھے بلا بھیجا اور پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور دونوں ہی مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے دونوں اسلام میں داخل ہو گئے۔ (والحمد للہ رب العالمین)

خولہ بنت ثعلبہ کے ظہار کا واقعہ:۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت ثعلبہ بن قیس بن مالک بن الجراح کا اس کے خاوند اوس بن احزم انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ظہار کا واقعہ بھی اسی سال میں ہوا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ خولہ بڑی خوبصورت اور عقل مند و نیک عورت تھی اور اس کا شوہر اوس بن احزم کو تلو فہم اور جنونی تھا۔ اور وہ عمر کے آخری حصہ میں ضعیف و فقیر اور بد خلق اندھا ہو گیا تھا۔ ایک روز اس نے خولہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بستر پر طلب کیا۔ خولہ نے اس کا کہا نہ مانا اوس غصہ میں آ گیا۔ اور کہا۔ **انت علی کظھر امی** تم مجھ پر میری ماں کی کمر مانند ہو۔ یہ کہا اور گھر سے باہر چلا گیا غصہ فرو ہوا تو پچھتایا اور صلح کرنا چاہی خولہ کہنے لگی کہ صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے تاآنکہ تمام صورت حال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گوش گزار نہ کی جائے۔ اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایام جاہلیت میں ظہار طلاق سمجھی جاتی تھی لیکن ابھی تک اس سلسلہ میں مجھے وحی سے نہیں نوازا گیا۔ خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! میرے لئے نہایت دشواری پیدا ہو گئی ہے۔ اگر میں اس کے بچوں کو چھوڑوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر انہیں اپنے ساتھ رکھوں تو انہیں بھوک کا سامنا ہوگا۔ یہ مشکل تو اللہ تعالیٰ ہی آسان فرمائے گا۔ منقول ہے کہ اپنے حال بیان کرنے کے بعد وہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں جا کر ایک کونے میں اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا اور رونے لگی اور اللہ تعالیٰ قاضی الحاجات کی بارگاہ میں اپنی حاجت عرض کیا۔ **الھم انی اشکر الیک وحدتی ووحشتی وفراق نوجی ووجدی** اے خدا تعالیٰ

میں تیری بارگاہ میں اپنی بے کسی و درماندگی اور اپنے خاوند کی علیحدگی اور بے چینی کی شکایت عرض کرتی ہوں۔ حضرت خولہ نے ابھی اپنا سر سجدہ سے نہ اٹھایا تھا جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام آگئے اور سورہ مجادلہ کی پہلی آیتیں لائے۔ ان میں ظہار کا حکم اور کفارہ کا بیان تھا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ **قد سمع اللّٰہ قول التی وتجادلک فی زوجہا وتشتکی واللّٰہ یسمع تحاورکما** بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو سن لیا جو تمہارے ساتھ اپنے شوہر کے متعلق جھگڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کی باتیں سنتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی سماعت کے کمال پر حیران ہوئی۔ اس لئے کہ خولہ نے اپنے واقعہ پوشیدہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کسی اور نے اس کی بات نہ سنی تھی۔ میں خود باوجود گھر میں حاضر ہونے کے اس کی بات کا کوئی حصہ بھی سن نہ سکی تھی اور حق تعالیٰ نے سب سن لیا اور فوراً ہی آیت نازل فرمادی اور فرمایا۔ **قد سمع اللّٰہ قول التی تجادلک فی زوجہا** حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات عرف اور عادت کے لحاظ سے فرمائی ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم اور سماعت میں برابر ہے خواہ آواز بلند ہو اور خواہ پست ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی قدر اور زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہوا۔ ان کو دیکھ کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ **قد سمع اللّٰہ بہا** ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا اشرف قریش کے ہمراہ جاتے تھے۔ اس وقت حضرت خولہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے اپنی کوئی ضرورت بیان کی حضرت عمر کھڑے رہے اور ہمراہی بھی کھڑے رہے۔ اور وہ سب حیران تھے کہ اس عمر رسیدہ عورت کے لئے اتنے اشراف کو کھڑا رکھنا چہ دارد۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ وہ عورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکایت ساتوں آسمان کے اوپر سے سنتا ہے۔

ظہار کے کفارہ کے بارے میں حکم کے نزول ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اوس رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ تم ایک غلام آزاد کرو پھر تم خولہ سے صحبت کر سکتے ہو۔ اوس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو آپ نے فرمایا۔ پھر تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھو۔ انہوں نے کہا کہ حضور یہ بھی میری طاقت سے باہر ہے۔ ایک روایت اس طرح ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا حال تو یہ ہے کہ اگر ایک دن کے دوران میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کیا مجھے اس کی بھی قدرت حاصل نہیں اسی اثنا میں ایک شخص مجلس شریف میں حاضر ہوا۔ وہ ایک تھیلا کھجوروں کا بھی لایا۔ اس میں کم و بیش پندرہ صاع کھجوریں ہوں گی۔ آنحضرت نے وہ کھجوریں حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائیں اور حکم دیا کہ ان کو لے جا کر فقیروں میں تقسیم کر دو۔ تمہارے ظہار کا کفار ہو جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے علم میں مجھ سے زیادہ فقیر کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ ارشاد فرمائیں تو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر ان کو تقسیم کر دوں۔ آپ نے فرمایا اسی طرح کر لو۔

اس مقام پر علماء کی رائے مختلف ہے کہ اگر صاحب کفارہ خود ہی فقیر ہو تو کیا وہ اپنے آپ پر صرف کر لے۔ ائمہ کی اکثریت ظاہر کو دیکھتے ہوئے اسے جائز قرار دیتی ہے۔ لیکن ہم اسے جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقصد تو یہ تھا کہ تم اب یہ کھجوریں کھالو لیکن بعد میں کفارہ بھی ادا کر دینا۔

اونٹ گھوڑوں کی دوڑ کا واقعہ :۔ چھٹے سال ہجری میں اونٹوں اور گھوڑوں کی دوڑ کا واقعہ ہوا۔ وہ وہ اس طرح ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو اپنے اونٹ اور گھوڑے دوڑانے چاہئیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ میں دوڑائیں تاکہ دیکھا جائے کہ کونسا اونٹ یا گھوڑا تیز رفتار ہے۔ کونسا سبقت لے جاتے ہے یہ جہاد کے اسباب و آلات سے ہے۔ اس باب میں حدیث بیان کی گئی ہے۔ اس دوڑ میں ایک دوسرے کے ساتھ شرط کرنا بھی جائز ہے کہ آگے نکل جانے والے کو اس قدر مال انعام دیا جائے گا۔ اگر ایک طرف سے یہ شرط ہو تو یہ جائز ہے لیکن دونوں طرف سے اگر ہو تو یہ جوا ہے اور حرام ہے۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک اونٹنی کا نام قصوئی تھا کوئی اونٹ اس سے آگے نہ نکل سکتا تھا۔ ایک دیہاتی اپنے ساتھ بہت کمزور سا اونٹ لئے آیا اور دوڑ میں قصوئی سے اپنا اونٹ آگے نکل لیا۔ اہل اسلام کے لئے یہ واقعہ بڑا گراں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کو تسلی فرمائی اور فرمایا' اللہ تعالٰی کی شان برحق ہے۔ دنیا کی چیزوں سے جو چیز اونچی ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی اسے نیچے کر دیتا ہے۔ آنحضرت کے اس قول کے مطابق یہ مقولہ ہے۔ ہر کمالے راز والے وہر شرفے را او بالے کعبہ شریف کو بڑی عظمت و کرامت میسر ہے اور دنیا کی بقاء اس کے وجود سے ہے۔ لیکن قیامت کے نزدیک اللہ تعالٰی ایک حبشی کو مقرر فرمائے گا۔ حتیٰ کہ وہ حبشی کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ کر پھینکے گا۔ پھر قیامت کا قیام ہو گا۔ جس طرح حدیث میں مذکور ہے۔ اور **کل شیئی ھالک الا وجہہ**۔

ان دوڑ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک معینہ مسافت واضح فرما دیتے تھے کہ یہاں سے اس جگہ تک دوڑ ہو گی۔ اور مضمر اور غیر مضمر گھوڑوں میں آپ تفریق قائم رکھتے تھے مضمر گھوڑے کا مطلب ہے تیز رفتار گھوڑے۔ ایسے گھوڑوں کے لئے حصاۃ سے ثنیۃ الوداع تک درمیانی ایک میل کا فاصلہ مقرر فرما دیتے تھے۔ تو دونوں جگہیں مدینہ شریف کے نزدیک ہیں۔ مضمر گھوڑا وہ ہوتا ہے جس کو علف (دانہ چارہ وغیرہ) خوب دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ طاقتور اور موٹا ہو جائے بعد میں اس کا دانہ چارہ بند کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بھوک تک رہ جاتی ہے اور اس کو گھر کے اندر محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے اوپر کپڑا ڈالے رکھتے ہیں اس لئے کہ اس کو پسینہ آئے۔ اس طرح سے اس کا گوشت خشک ہو جاتا ہے اور وہ بڑا تیز رفتار ہو جاتا ہے۔ گھوڑے پر یہ ریاضت چالیس روز تک کی جاتی ہے۔ لغت کے لحاظ سے ضمیر کے معنی لاغری اور کم گوشی ہیں۔ اس سے لفظ مضمار بنا ہے اس کے معنی ہوتے ہیں میدان جس وقت گھوڑا ہو اور تیز رفتار ہو تو زیادہ دوڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے دوڑنے کا فاصلہ بھی زیادہ مقرر کیا ہے۔ غیر مضمر گھوڑا بھاری بھرکم اور سست ہوتا ہے لہٰذا وہ دوڑتا بھی کم ہے۔ اس لئے اس کے لئے دوڑنے کا فاصلہ تھوڑا مقرر کیا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ **لا سبق الا فی نص ار خف او**

حاضر نہیں ہے سابقت (دوڑ) سوائے تیر اندازی یا خف (اونٹ) یا حاضر (گھوڑے) کے خف اونٹ کے سم ہوتے ہیں اور حاضر سے مراد گھوڑے کے سم ہیں۔ اونٹ کے سم کو اس لئے خف کہتے ہیں کہ وہ درمیان سے چاک ہوتا ہے اور گھوڑے کے سم میں درمیانی چاک نہ ہونے کے باعث اس کو حاضر کہتے ہیں اور ہاتھی اور گدھے یہ اونٹوں اور گھوڑوں کے ساتھ شمار کئے جاتے ہیں اور جلو اور غزوات میں اکثر گھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ پیدل ہی دوڑنا اور پتھر پھینکنا بھی اسی میں شمار کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کی وفات:۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا چھٹے سال ہجرت میں فوت ہوئیں۔ ام رومان کا اصل نام زینب بنت عامر ہے۔ ان کی نسبت کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن یہ بات متفقہ ہے۔ کہ وہ بنی غنم بن مالک بن کنانہ سے تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر دونوں ایک والدہ سے تھے۔ لیکن محمد بن ابی بکر کی والدہ کا نام شقیقہ تھا۔ ام رومان رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری طیبہ کے دوران ہی ہوئی اور ان کی تدفین کے موقع پر آنحضرت خود موجود تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ان کی قبر میں داخل ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص خواہش رکھتا ہو کہ حور عین کو دیکھے وہ ام رومان کو دیکھ لے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا:۔ اسی چھٹے سال کے آخری حصہ میں اور ایک قول یہ ہے کہ سال ہفتم کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام لانا اور دیگر حالات ایک لمبی تفصیل ہے۔

واقعات سنہ ۷ ہجری

غزوہ خیبر:۔ خیبر ایک بڑی بستی کا نام ہے۔ اس میں کئی قلعے ہیں اور زرعی کھیت میں بھی کثرت سے ہیں مدینہ شریف سے شام کی طرف آٹھ برید کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کذافی المواہب اور قاموس میں لکھا ہے کہ خیبر ایک مشہور قلعہ کا نام ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ بہت سے گھروں کے مجموعہ کو شہر (مدینہ) کہا جاتا ہے۔ جو کہ عمارتوں کے لحاظ سے اور بڑائی کے اعتبار سے ایک گاؤں سے بڑا ہوتا ہے اور بمرتبہ مصر تک نہ پہنچا ہو۔ سب سے چھوٹا گاؤں ہوتا ہے (قریہ) اور جو سب سے بڑا ہو اس کو مصر کہتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان والے درجہ کو مدینہ کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مصر اور بلاد دونوں سے مدینہ بڑا ہوتا ہے۔ اور قلعوں کے مجموعہ کو خیبر کہتے ہیں۔ لہٰذا ہر قلعہ ایک گاؤں کے برابر ہوگا اور ان کے مجموعہ کا نام مدینہ ہے یہ تمام آٹھ قلعے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ کیسہ' ناعم' صعب' شق' غموص' بطاۃ' سطیح' سالم۔

غزوہ خیبر ۷ھ میں واقع ہوا ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتویں سال کے محرم کے مہینے میں آخر پر وہاں گئے تھے۔ دس بارہ دن تک وہاں کا محاصرہ کئے رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور بعض کہتے ہیں کہ

چھٹے سال ہجری کے آخر پر واقع ہوا۔ یہ امام مالک سے نقل کیا گیا ہے اور ابن حزم بھی اسی پر جزم کرتے ہیں اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ ابن اسحاق کا قول ہی راجح ہے اور ان ہردو اقوال کو جمع کر کے کہا کہ جس نے آخر سن کہا ہے۔ اس کے نزدیک ہجری سال کا شروع ربیع الاول کے مہینہ سے ہے۔ اور وہ حقیقت میں اسی کو سابق معتبر سمجھتا ہے اس طرح سے آخر سال میں محرم رہتا ہے۔ کذافی المواہب۔ ابن سعد۔ ابن ابی شیبہ۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ میں رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو روانہ ہوا تھا۔ یہ غلط ہے اور صواب اس طرح ہے کہ یہ فتح مکہ کے بارے میں کہا گیا جو کہ رمضان کے آخر میں واقع ہوئی۔ اس کی جگہ خیبر لکھنے میں غلطی سرزد ہو گئی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک ہزار چار سو صحابہ کو ساتھ لیا اور خیبر کو تشریف فرما ہوئے۔ مواہب میں روایت کیا گیا ہے کہ ایک ہزار ایک سو پیادہ تھے اور دو سو سوار تھے۔

غزوہ خیبر کے وقوع کی وجہ:۔ وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالٰی نے حدیبیہ سے مراجعت کے وقت سورۃ انا فتحنا لک کا نزول فرمایا اور خوشخبری دی کہ **وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ اخزونہا فجعل لکم ھذہ** اور اللہ تعالٰی نے تم سے کثرت غنائم کا وعدہ فرمایا جن کو تم حاصل کرو گے۔ تو یہ غنائم تمہاری خاطر مقرر فرما دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وعدہ غنائم فتح خیبر پر محمول فرمایا۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اشارہ میں بات کرنے کے عادی تھے اس جگہ آپ نے وضاحت سے صحابہ کو بتا دیا۔ اور حکم فرمایا کہ لشکر کو تیار کرو اس لئے کہ غزوہ خیبر کو ہم جائیں گے۔ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا گیا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت نے اپنے ساتھ لیا اور بھی بیس عورتیں ساتھ لیں تاکہ وہ مرہم پٹی' تیمارداری اور دیگر خدمات بجا لائیں گی۔ فوج میں مقدمہ پر عکاشہ بن محصن اسدی' میمنہ پر حضرت عمر بن الخطاب اور میسرہ وغیرہ پر دوسرے صحابہ مقرر کئے گئے۔ لشکر میں گھوڑ سوار دو سو تھے۔ تین گھوڑے صرف آنحضرت کے مخصوص تھے۔ بہت سے اونٹ بھی تھے۔ آپ نے یہ حکم فرمایا کہ اس سفر میں دنیاوی مال کا لالچی کوئی شخص ہمارے ساتھ نہ جائے ایک روایت یوں ہے کہ ایک منافق عبداللہ بن سلول نے ہمراہ جانے کی اجازت طلب کی۔ تو اس کے جواب میں آنحضرت نے اس طرح فرمایا تھا۔ پس اس منافق نے یہود کو یہ خبر کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارا استیصال کرنے کے لئے ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ خبردار تم اپنے قلعوں میں نہ داخل ہو جانا بلکہ تم ان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے باہر نکلنے کی تیاری کرو اس لئے کہ تم بہت زیادہ سامان جنگ رکھتے ہو اور تمہارے خدام بھی کثرت سے ہیں۔ خذلھم اللہ۔

آنحضرت نے اس جنگ میں شامل ہونے سے منافقین کو اس لئے منع فرمایا تھا کہ مسلمانوں سے غنائم کی کثرت کا وعدہ اللہ تعالٰی نے فرمایا تھا۔ اس میں صراط مستقیم پر ہدایت مترتب تھی۔ لہٰذا یہ غزوہ منافقین سے پاک رکھا گیا اور آپ نے غنائم میں مسلمانوں کے ساتھ منافقوں کو ملانا نہ چاہا۔ (واللہ اعلم) یہ واقعہ اپنے جزوی اور کلی واقعات سمیت کتب سیر میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہم اختصار کی روش پر ہیں۔ لہٰذا ان بڑے کلی واقعات پر ہمارا بیان مختصر ہو گا۔ جن میں بہت بڑے فوائد اور حجج قاہرہ

پوشیدہ اور مذکور ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

معلوم رہے کہ صحیح بخاری میں مسلمہ بن الاکوع کی حدیث روایت کی گئی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ ہم خیبر کے لئے نکلے۔ قطع مسافت کے دوران ایک شب کو عامر بن سنان بن الاکوع سے کہا گیا کہ تم اپنے اشعار اور رجز سے ہمیں نہیں سناتے ہو جو تم کو یاد ہیں۔ عامر شاعر تھا اور حدی خواں تھا اور وہ اونچی اواز سے بڑا اچھا پڑھا کرتے تھے۔ اور اہل عرب کا معمول ہے کہ ان پر جس وقت راستہ کی تھکاوٹ ہو جائے اور وہ چلنے سے مجبور ہو جائیں تو وہ حدی پڑھتے ہیں حتیٰ کہ اونٹ مست ہو جاتے اور تیز رفتار سے سفر کو طے کر لیتے۔ لہٰذا عامر اونٹ سے نیچے اتر گئے اور انہوں نے حدی پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار بڑی اچھی آواز و لحن اور نغمہ کے ساتھ پڑھے۔ جن کے شروع میں اس طرح ہے۔ **اللهم لو لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا** اس طرح اچھی آواز اور نغمہ کے ساتھ پڑھنے سے دوسرے صحابہ کرام کا وقت اچھا گزر گیا (یعنی دل لگی میں گزرا) صحابہ کرام پر رقت طاری ہو گئی اونٹ بھی مستی میں تیز رفتار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ کون شخص ہے۔ جو اونٹوں کو چلا رہا ہے اور حدی گا رہا ہے۔ صحابہ نے بتایا کہ یہ عامر بن لاکوع ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ **يرحمه الله** دیگر ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ **غفر لک ربک** اسلامی لشکر میں سے کسی شخص نے عرض کیا ایک روایت کے مطابق وہ عرض کرنے والے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ یا رسول اللہ ان کے واسطے شہادت لازم ہو چکی ہے اور یا رسول اللہ۔ ان کو تھوڑا عرصہ مزید کیوں نہ رہنے دیا تاکہ ہم ان سے مستفید ہوتے اور تھوڑی مدت مزید وہ ہمارے ساتھ زندہ رہتے۔ وجہ یہ ہے کہ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر کسی کے حق میں آپ اس طرح دعا فرما دیتے تھے تو وہ شہید ہو جاتا تھا اور مواہب لدنیہ میں تو مقید طور پر تحریر کیا ہے کہ خصوصاً" اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ جس آدمی کے لئے اس طرح دعا کی تھی وہ آخر کار شہید ہو گیا تھا۔ روضۃ الاحباب اور **معارج النبوت** میں اس حدیث میں ایک ہی شعر درج کیا گیا ہے۔ بعد والے اشعار ترک کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے برعکس مواہب میں یہ تمام اشعار با تشریح لکھے گئے ہیں۔ یہاں بھی مقام کی مناسب کا تقاضہ ہے کہ ہم وہ سب اشعار نقل کریں۔ اس لئے کہ اس میں چند نکات پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ باعث طوالت ہو گا۔

اللهم لو لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم راہ راست حاصل نہ کر سکتے۔ نہ ہم صدقہ دیتے نہ نمازیں پڑھتے۔

فاغفر فداء لک ما اتقينا وثبت الاقدام ام ان لاقينا

پس تو ہم کو بخش دے ہم تجھ پر فدا ہیں تاکہ ہم متقی ہو جائیں اور ہمیں قدموں پر مستحکم کر دیتے اگر تیرے دین کے دشمن ہمارے مقابلہ پر نکلیں۔

فانزل سكينة علينا نا انا اصبح بنا اتينا

ہم پر اطمینان و سکون نازل فرما۔ جب ہم صبح کریں اور ہمیں جنگ و قتل کا سامنا ہو اور شدائد ہوں تو ہم گریز نہ

کریں۔

و بالصیاح عود علینا ان الذین قد بغوا علینا

اور چیخ و فریاد اور خوف و ہراس سے ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں۔ جن لوگوں نے ہم پر ظلم ڈھایا اور بغاوت کی۔

انا اراد و فتنۃ ابینا

جب وہ ارادہ کریں ہمیں فتنہ میں ڈالنے کی تو ہم انکار کر دیتے اور فتنہ میں نہ پڑتے۔ ابینا کا لفظ بار بار اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ یہ رجزیہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کسی غزوہ کے موقع پر کہے حضرت عامر بن الاکوع نے یہ اشعار یہاں پڑھ کر صحابہ پر وجد طاری کر دیا۔

علماء کرام نے فداء لک کے قول پر اعتراض کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے یہ لفظ کہنا ٹھیک نہیں ہے اور یہ کہنا کہ اے خدا ہم تجھ پر فدا ہیں جائز نہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فدا ہونا اس وقت کہتے ہیں جبکہ کسی پر کوئی مصیبت یا تکلیف آنے والی ہوتی ہے۔ اور کوئی دیگر آدمی چاہتا ہو کہ وہ مصیبت اپنے سر لے اور اس کو نجات دلائے۔ اور اس پر خود کو قربان کر دے۔ فدیہ بھی انہی معانی کے لحاظ سے ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ پاک منزہ ہے۔ اس کا جواب علماء کرام یوں دیتے ہیں کہ اس لفظ کے یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہیں جیسے کہ کہتے ہیں قاتلہ اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس نے جنگ و قتل کیا حقیقت میں دعا کے اندر قتل و ہلاکت مراد نہیں یا جیسے کہتے ہیں تبت یمینک یا یداہ وغیرہ۔ اس طرح کے الفاظ یا مقولے عام طور پر عرف و عادت یا بطور محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے حقیقی معانی مراد نہیں لی جاتی۔ یہ مجاز اور استعارہ کی قسم سے ہے۔ کیونکہ فدا ہو جانے والا شخص جس ذات پر فدا ہوتا ہے۔ اس کی رضا اور خوشنودی میں وہ مبالغہ کرتا ہے۔ گویا یہاں پر شاعر کی مراد یہ ہے کہ تیری رضامندی میں اپنی جان صرف کرتا ہوں۔ کو صحیح جہت کی طرف سے معانی پھیر لینا بھی ممکن ہے۔ لیکن پھر بھی ورود شرح اور اس کی اجازت سے لفظ استعادہ اور تجویز کا اطلاق یہاں ہو سکتا ہے۔ کچھ علماء یوں کہتے ہیں کہ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ آپ کے حق میں جو کوتاہیاں ہم سے ہوئی ہیں ان پر ہمیں گرفت نہ فرمائیں۔ ان معانی کے لحاظ سے یہاں پر اللّٰھم سے مراد دعا نہیں۔ بلکہ اس لفظ سے شروع کیا ہے کہ یمن اور برکت حاصل ہو اور الفاظ کو لا انت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خطاب ہے۔ لیکن بعد کا کلام فانزل مسکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاتینا ظاہرا اس شرح کے منافی ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ شاید رب تعالیٰ سے ہی سوال کے معانی میں ہو یعنی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ سکینہ نازل فرمائے اور ہمیں ثابت قدمی عطا کرے۔

یہ بندۂ مسکین ثبتہ اللّٰہ علی طریق الحق والیقین (مولف کتاب ھذا) کہتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں یہ دعا ہے۔ تو انہیں کے ہاتھ میں تصرف اور تمکن ہے اور تدبیر کار و زمام اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ آپ رب العزت کی طرف سے وکیل اور سفیر ہیں۔ گو فاعل حقیقی ذات الٰہیہ ہے۔ اصل میں یہ مفہوم دیگر

احتمل اور تاویل کے باعث راجح ہے۔ لیکن کلام میں کوئی تقدیر درکار نہیں ہے۔ کسی سیرت کی کتاب سے روضۃ الاحباب میں نقل ہے لیکن کلام میں کوئی تقدیر درکار نہیں ہے۔ کسی سیرت کی کتاب سے روضۃ الاحباب میں نقل ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ کے حدی پڑھنے سے خاموشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عبداللہ رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا ہمارے لئے تم حدی نہ پڑھو گے اور اونٹوں کی رفتار تیز نہ کرو گے تو وہ بھی حدی پڑھنے لگے۔ اشعار پھر وہی پڑھے جو عامر نے پہلے پڑھے تھے اور آخری شعر کا اضافہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا رحمۃ اللہ۔ پس وہ بھی غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے۔ سبحان اللہ۔ کیسا گہربار دربار ہے کہ یہاں پر خدمت بجالانے کے اجر و ثواب میں وہ رحمت میسر آتی ہے کہ جان دے دیں اور شہادت پائیں اور اصل میں یہ لطف و کرم ہے کہ اس جہان کی تنگ دامانی سے نجات ملے۔

کہ در آں کوئے چو من کشتہ بسے اللہ است ۔ اتفاقا بسر کوئے اللہ است

ایسے مقام پر اور کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ جان قربان کر دی جائے۔

واضح رہے کہ حدی بھی غنا کی اقسام سے ہے۔ حدی سننا بلااتفاق اباحت میں داخل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حدی سماعت فرمائی اور اس کو پسند فرمایا جیسے کہ معلوم ہو چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک مخصوص حدی خواں تھا۔ اس کا نام ابخشہ تھا۔ اس کی آواز اچھی تھی۔ حدی سے مراد ہے نرم و شیریں اور گداز آواز میں رجز مباح کی تحسین۔ اس کا مقصد سفر کی تھکان کو کم کرنا اور دل کے سرور کو زیادہ کرنا حدی کے باعث اونٹ تیز رفتاری سے قطع مسافت کرتا ہے اور بڑے بھاری بوجھ اٹھالیتا ہے۔ دوسری قسم کا نام رکبانی ہے۔ یہ سفر کی تکلیف گھٹانے کے لئے سواریوں میں گائی جاتی ہے۔ یہ بھی مباح ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوران سفر رکبانی بہت سنتے تھے اور ایک قسم غنا کی اور بھی ہے اس کو نشید کہا جاتا ہے۔ یہ ہے شعروں' قصیدوں اور غزلیات کو حسین اونچی آواز سے زیروبم کا لحاظ رکھتے ہوئے اچھی طرح بنا سنوار کر موسیقی کے قاعدوں کی رعایت کرتے ہوئے گانا۔ اس کے متعلق طویل کلام ہے۔ باب عبادات کے آخر میں اس سے کسی قدر مذکور ہو چکا ہے۔

غزوہ خیبر کے واقعات:۔ جب اہل خیبر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارادے کی خبر ہوئی۔ تو غطفانیوں کے پاس انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق کو بھیجا۔ غطفانی اہل خیبر کے حلیف اور ہم سوگند تھے' کنانہ نے ان سے مدد طلب کی۔ ایک قول یوں ہے کہ غطفانیوں نے اہل خیبر کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور ایک روایت کے مطابق چار ہزار جنگجو آدمی نکل پڑے۔ انہوں نے اپنی منزل پر آسمان سے یہ آواز سنی کہ اپنے گھروں میں جنہیں پیچھے چھوڑ نکلے ہو ان پر تباہی و بربادی آگئی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ علاوہ ازیں یہ بھی مروی ہے کہ اپنے پیچھے سے غطفانیوں کو کچھ حس و حرکت محسوس ہوئی اور انہوں نے سوچا کہ عقب سے تاخت و تاراج کرتے ہوئے مسلمان آگئے ہیں لہٰذا وہ لوٹ گئے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ پھر بھی اہل سیر کا بیان ہے کہ خیبر والوں کے لشکر میں دس ہزار سوار موجود تھے۔ اور وہ سب کے سب رسوا و ذلیل ہو گئے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خیبر کے

قلعوں کے درمیان آکران بستیوں پر نگاہ کی اور یہ دعا فرمائی اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما وزین اسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر ما فیھا واعوذ بک من شرھا شرما فیھا آپ کے صحابہ نے یہ دعا پڑھی کسی شہر یا گاؤں کو دیکھنے یا داخل ہونے کے وقت یہ دعا پڑھنا ماثور ہے اور نقل کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ادخلو اعلی برکت اللہ پھر آپ منزل نامی مقام پر پہنچے۔ آنجناب نے وہاں پر قیام فرمایا۔ وہاں پر ایک جگہ برائے نماز مقرر فرمادی۔ وہاں پر تہجد کی نماز پڑھی اور فجر کی نماز بڑے سویرے ہی ادا کی۔ اور پھر آپ متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صبح سویرے پیش قدمی کرنے کی علامت مبارک تھی۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق نہیں اہل خیبر پر اس رات غفلت کی نیند طاری کر دی۔

اگرچہ خیبر والوں کو یہ پہلے ہی پتہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہے ہیں۔ لیکن پھر بھی آنجناب کی عین آمد کے وقت وہ غافل تھے۔ جبکہ انہوں نے آنحضرت کی آمد کے متعلق سن کر ہر رات کو ان کی بستیوں کو دیکھ بھال کے لئے سوار مقرر کر رکھے تھے۔ اس رات وہ تمام غفلت کی نیند میں محو رہے۔ حتیٰ کہ ان کے مرغ بھی بانگ دینے سے خاموش رہے ان کے دیگر چوپایوں نے بھی کوئی حس و حرکت نہ کی۔ سورج چڑھا تو وہ جاگے اور اپنے کھیتوں میں جانے کے لئے انہوں نے اپنے بیلچے اور کدال سنبھالے۔ لیکن دفعتہً دور سے ان کی نظر اسلامی لشکر پر پڑی تو بھاگے اور کہتے تھے۔ واللہ محمد و الخمیس اللہ کی قسم یہ محمد اور خمیس ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ مراد یہ کہ وہ فوج کے پانچ گروہوں کے ساتھ آئے ہیں۔ خمیس بہت بری فوج کو کہا جاتا ہے۔ جو پانچ حصوں میں منقسم ہو۔ مقدمہ' میمنہ' میسرہ ان کو دو بازو (جناحین) بھی کہتے ہیں اور قلب اور ساقہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسم نے خیبریوں کا اس طرح کا حال دیکھ کر تکبیر بلند فرمائی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر خربت خیبر۔ انا انزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی جانب متوجہ ہوئے تو اہل اسلام نے تکبیر بلند کی۔ اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! اپنے نفسوں پر رفق اور نرمی کرو۔ کسی غائب ذات کو تم نہیں پکارتے ہو۔ جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہارے قریب ہے اور تمہارے ساتھ ہے۔ اس حدیث کے راوی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت کی سواری کے پیچھے بیٹھا تھا۔ آپ نے سنا کہ میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ بن قیس! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں سے ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ضرور رہنمائی فرمادیں فداک ابی وامی تو آپ نے فرمایا وہ کلمہ ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ

یہ مسکین بندہ خدا۔ مزید الیقین (شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اہل شرح نے اس کلمہ کے جنت کے خزانوں سے ہونے کے بارے میں تحقیق و تاویل کرتے ہوئے بہت کچھ بیان کیا ہے اور مجھے ابھی تک یاد ہے کہ شیخ ولی مقتدانا

عبدالوہاب متقی رحمتہ اللہ نے شارحین کے اقوال و تاویلات بیان کر کے فرمایا ہے۔ کہ یہ باتیں یہاں پر چھوڑ دیں انشاء اللہ تعالیٰ اس کے حقیقی معانی بھی معلوم ہو جائیں گے انتہی۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کی تکرار کرنے اور ہمیشہ پڑھنا عمل خیر کی توفیق میں معاون ہے۔

اہل خیبر کا لشکر جب قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا اور اسلام بن مشکم کو پتہ چلا۔ یہ ان کا سردار تھا۔ اس نے ان کو ترغیب و تربیت دلائی وہ جنگ کو تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اہل و عیال قلعہ کیتبہ میں رکھے اور قلعہ ناعم میں خوراک وغیرہ کا سامان تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے مزید سخت حفاظتی انتظامات کئے۔ اور ان کے شجاع اور جنگجو لوگ قلعہ عقاۃ میں اکٹھے ہوئے اگرچہ سلام بن مشکم بیمار تھا پھر بھی وہ اس قلعہ میں آگیا اور یہ جہنم رسید ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کو جنگ کی ترغیب دی اور آپ نے ان کو بلندی درجات اور آخرت میں بڑا ثواب ملنے کی خوشخبری دی۔ نیز فرمایا فتح و نصرت آپ کی ہے۔ اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی۔ پھر آنحضرت نے مشورہ کیا اور حضرت جناب المنذر رضی اللہ عنہ رزم و حرب کے تجربہ کار صحابی کے مشورہ کے مطابق رجیع کے مقام پر لشکر کا پڑاؤ کیا جو کہ اس مقصد کے لئے بہترین و عمدہ ترین جگہ تھی اور یہودیوں نے اپنے قلعہ بطاۃ سے جنگ کا آغاز کیا۔ وہ قلعہ پر سے تیر پھینکتے تھے۔ رات کے وقت واپس مقام رجیع پر ہی تشریف لے آئے اگلے منزل گاہ کی خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دی۔ اور امور لشکر کی انجام دہی کا کام بھی انہیں کے سپرد کیا اور خود قلعہ کے نیچے میدان جنگ میں تشریف فرما ہوئے۔ روزانہ کا معمول اسی طرح رہا حتیٰ کہ قلعہ بطاۃ فتح ہو گیا۔ اس دوران پچاس مسلمانوں کو زخم پہنچے۔ اس غزوہ کے دوران کے واقعات سے ایک یہ ہے کہ بڑی گرم ہوا کے چلنے کے باعث محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شدت گرما اسلحہ کے بوجھ کی وجہ سے قلعہ ناعم کے سایہ میں لیٹ گئے یہ سوچتے ہوئے کہ یہاں کوئی جنگی آدمی موجود نہیں۔ پس وہاں پر وہ سو گئے ان نامردوں سے ایک نے جو کہ کنانہ بن ابی الحقیق تھا یا مرحب یہودی (علی اختلاف القولین والصحیح الاول) قلعہ پر سے ایک پتھر محمود رضی اللہ عنہ کے سر پر پھینک دیا اور ان کا سر کچل گیا اور اس زخم کے باعث ان ایام میں شہید ہو گئے اور بہشت میں آرام فرما ہوئے۔

دیگر واقعہ یوں تھا کہ حضرت جناب المنذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے گوش گزار کیا کہ یہودی کھجور کے درختوں کو اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب رکھتے ہیں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو ہم ان درختوں کو کاٹ دیں۔ اس سے ان کی مایوسی میں اضافہ ہو گا۔ ازاں بعد چند صحابہ اس کام میں لگ گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل مبارک میں بہت رقت تھا اور آنکھوں میں بسیار رقت تھی۔ انہوں نے یہ کام ہوتا دیکھ کر آنحضرت سے گزارش کی۔ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ کا آپ جناب سے فتح خیبر کا وعدہ حق ہے اور اس وعدہ نے پورا ہونا ہے۔ لہٰذا اگر درخت کاٹے جائیں تو چہ سود جناب والا حکم فرمائیں تو درخت کاٹنے سے ہاتھوں کو رکوا دیں اور یہ بہتر ہو گا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ روک دیا جائے۔ اہل سیر کے بیان کے مطابق تقریباً چار صد درخت قطع کئے گئے تھے سوائے قلعہ بطاۃ کے اور کسی جگہ درخت نہ کاٹے گئے تھے۔

درختوں کا کاٹا جانا اور پھر اس سے روکا جانا ہر دو صحابہ کی رائے اور اجتہاد کے مطابق تھا اور آنحضرت کی رائے مبارک بھی ان کی موافقت میں ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلاف و عتاب نہ ہو۔ جیسے کہ اسیران بدر کے فدیہ کے بارے میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

تیسرے یہ واقعہ بھی ہوا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے پہرہ پر متعین کئے گئے تھے اور آنحضرت کا معمول تھا کہ ہر رات کو ایک صحابی لشکر کی حفاظت اور نگہداشت پر مقرر فرماتے تھے۔ اس دوران مسلمانوں نے ایک یہودی کو پکڑا اور حضرت رضی اللہ عنہ کے پیش خدمت کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیں لیکن یہودی نے عرض کیا کہ مجھ کو اپنے نبی کی خدمت میں پیش کر دو۔ مجھے ان سے کچھ عرض کرنا ہے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دربار نبوی میں پیش کر دیا۔ یہودی نے عرض کیا۔ یا ابو القاسم! مجھے امان عطا فرمائیں۔ تاکہ میں کچھ عرض کروں۔ آنحضرت نے امان دی۔ یہودی عرض کرنے لگا کہ اہل خیبر اسلامی فوج کی سختی اور ان کی ہیبت کے باعث نہایت خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ بالخصوص آج کی جنگ سے تو از حد خوفزدہ ہیں اور وہ ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ آج کی رات قلعہ شق میں چلے جائیں انہوں نے جنگ کے آلات اور غلہ وغیرہ ایک خفیہ جگہ پر چھپا دیئے ہیں جسے میں جانتا ہوں۔ کل یہ قلعہ فتح ہو جانے پر میں وہ جگہ آپ کے خدام کو دکھلاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ انشاء اللہ۔ یہودی نے عرض کیا کہ میرے اہل و عیال بھی اس قلعہ میں ہیں میرے ساتھ ان کی بھی بخش دیں۔ آنحضرت نے فرمایا میں نے بخش دیا۔ اگلے دن بطاۃ کا قلعہ فتح ہو گیا اور اس یہودی کا واقعہ بھی فتح ہو گیا وہ یہودی معہ اہل و عیال ایمان لایا۔

چوتھا واقعہ یوں ہے کہ ایک حبشی غلام ایک یہودی کی بکریوں کی رات کے وقت نگہداشت کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازہ قلعہ پر پہنچنے سے قبل اس نے یہودیوں کو جنگ کے لئے تیار کھڑے دیکھا تو پوچھا تمہارا یہ کیسا حال ہے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم ایک نبوت کے دعویدار شخص سے لڑنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ یہ سن کر وہ یہودی ذرا ہوشیار ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش ہوا اور پوچھنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) آپ کیا دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اور تم کہہ دو **اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ** اس نے پوچھا میں ایسے کہوں گا تو پھر میرا کیا بنے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو تم کو جنت ملے گی۔ پس وہیں پر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ میرے قبضہ میں یہ بکریاں امانت ہیں۔ ان کو میں ان کے مالک کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں لشکر سے باہر لے کر ہنکا دو اور پیچھے چند کنکریاں پھینکو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے بے شک امانت ادا کر دے گا غلام نے اسی طرح کیا تو سب بکریاں دوڑی گئیں اور مالک کے گھر میں پہنچ گئیں۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تصرف و معجزہ کے باعث ہی تھا کہ بکریاں بھاگتی ہوئیں بلا اختیار و توقف یہودی کے گھر پہنچ گئیں۔ پھر اس حبشی نے ہتھیار اٹھا لئے اور جنگ میں شامل ہو گیا اور جنگ کرتے ہوئے مرتبہ شہادت حاصل کیا۔

مسلمانوں نے اس کو اٹھایا اور اپنے لشکر کے خیموں میں لائے۔ اور اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ عملا قليلا واجرا كثيرا یعنی عمل تھوڑا اور اجر زیادہ۔ مرادیہ ہے کہ نماز روزہ یا کوئی دیگر اطاعت عبادات بجانہ لایا ایمان لانے کے بعد ایک عمل کیا کہ اسلام پر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

یاد رہے کہ یہ عمل تمام دیگر اعمال ایمانی کی اصل ہے۔ مشکل ترین عمل جہاد کا عمل اور جان قربان کرنا ہے باقی کیا رہتا ہے۔ یہ بھی حقیقت میں حق تعالیٰ جل شانہ کا فضل و کرم ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود اس کے خیمہ میں تشریف فرما ہوئے خیمہ میں اس حبشی کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس حبشی بندے پر مہربانی فرمائی ہے اور اس کو جنت میں پہنچا دیا ہے اور دو حوریں جنت کی اس کے سرہانے کھڑی مجھے دکھائی دے رہی ہیں۔

اور یہ پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ کچھ احادیث میں آیا ہے کہ فلاں شخص کو لے جا کر جنت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ جنت میں داخل کرنا صحیح ہے اس لئے کہ جنت اب بھی موجود ہے۔ (اب سوال یہ ہے کہ) آیا اس آدمی کو جنت سے باہر لا کر میدان محشر میں لایا جائے گا۔ جبکہ جنت میں داخلہ کے بعد اس سے باہر نکلنا واقع نہ ہے اور نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کی فضیلت حدیث میں وارد ہے۔ ما يمنعه من دخول الجنة الا الموت یعنی سوائے موت کے اور کوئی چیز جنت میں داخل ہونے میں مانع نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں پر جنت میں دخول کی تیاری و مستعدی مراد ہو۔ لیکن ظاہرا" سبز پرندوں کے جوف میں روحوں کا داخل ہونا مراد ہو۔ جس طرح کہ شہید ہونے والوں کی فضیلت میں آیا ہے۔

پانچواں یہ واقعہ تھا کہ ایک روز مسلمانوں نے قلعہ صعب کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور جنگ کر رہے تھے۔ قلعہ سے مرحب نام کا یہودی باہر آیا۔ میدان جنگ میں آیا اور اپنا مد مقابل طلب کیا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عامر بن سنان الاکوع رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کو ہی آنحضرت نے ترحم اور استغفار فرمایا تھا جبکہ وہ حدی پڑھ رہے تھے۔ اس یہودی نے تلوار سے حملہ کیا۔ عامر نے تلوار کو ڈھال پر روکا۔ اس کی تلوار ڈھال پر ہی جمی رہی پھر حضرت عامر نے یہودی پر تلوار سے وار کیا۔ لیکن وہ خطا گئی اور اپنے گھٹنے پر آ کر لگی۔ اور وہ خود ہی زخمی ہو گئے اور اسی زخم کے باعث وہ بہشت میں جا پہنچے اور آنحضرت نے جو فرمایا تھا۔ رحمته الله وغفرله ربه اس کے مطابق بنے۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ گریہ کرتے آنحضرت کی بارگاہ میں آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صحابہ کی ایک جماعت کہہ رہی ہے کہ عامر کا عمل ضائع گیا ہے۔ کیونکہ اپنی ہی تلوار سے وہ شہید ہو گئے ہیں۔ اور خود ہی اپنے قاتل ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی بات غلط ہے بلاشبہ ان کے حق میں دوگنا اجر اور ثواب ہے۔ آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملائیں اور فرمایا۔ انه لجاهد مجاهد بے شک انہوں نے جہاد کیا اور وہ مجاہد ہیں۔

اور یہ چھٹا واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے جب قلعہ صعب کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ان کو شدید بھوک کا سامنا تھا یہاں تک کہ فاقہ کے باعث ہلاکت کا خطرہ لاحق ہوا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی تاکہ

ان کی تنگی کو فراخی اور آسانی میں تبدیل فرمادے اور مشقت کو راحت میں بدل دے اور غذا اور طعام سے بھرپور کوئی قلعہ مفتوح ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرت نے منذر بن الحباب رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور اسلامی فوج یکبارگی حملہ ہوئی اور قلعہ صعب کے دروازہ پر جا پہنچی اور اسلامی لشکر جنگ کرنے لگا۔ حتیٰ کہ قلعہ کا دروازہ کھل گیا اور قلعہ میں سے بہت سامان رسد لایا گیا اور شراب بھی بڑی مقدار میں بہادی گئی۔ ایک مسلمان جن کا نام عبداللہ بن حمار رضی اللہ عنہ تھا وہ کبھی کبھی شراب کی طرف ہاتھ بڑھایا کرتے تھے۔ اس روز بھی خیبر کی شراب کے چند گھونٹ انہوں نے پیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شراب نہ پینے کی نصیحت فرمائی صحابہ کرام نے ان کو برا بھلا کہا۔ ملامت کرنے والوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آنحضرت نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر! یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اس کو لعنت نہ کرو یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے ساتھ من وجہ اصل محبت مجتمع ہو جاتی ہے۔ البتہ کامل محبت وہ ہے جس میں موافقت اور اتباع پائی جاتی ہے۔ ان المحب لمن یحب مطیع وہی شخص محبت میں کامل ہے جو اپنے محبوب کی اتباع کرنے والا ہو۔ ہر مسلمان کی یہ صفت ہے کہ وہ خدا اور جیسے کہ ایمان کامل اور ناقص ہوتا ہے اور اس طرح محبت بھی ہوگی۔

اس جنگ کا دیگر (ساتواں) واقعہ یہ ہے کہ اہل اسلام قلعہ قموص کے محاصرہ میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد سر ہونے لگا۔ لہٰذا آپ بذات خود لشکر کے ساتھ جنگ میں تشریف نہ لے گئے اور ہر روز مہاجرین یا انصار سے کسی ایک بزرگ کو لشکر کی امارت کا اختیار عطا فرماتے تھے۔ اسے نصرت کا علم عطا فرماتے اور جنگ کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ چونکہ قلعہ قموص دوسرے قلعوں سے زیادہ مستحکم تھا۔ اس کی فتح آسان دکھائی نہ دیتی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کو لے کر قلعہ کے نیچے آئے اور بڑی جانفشانی کی لیکن مراد حاصل نہ ہوئی۔ اگلے روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور بہادر جنگجو صحابہ کو ساتھ لے کر ان گمراہ لوگوں کے قتل وجدال پر گئے شدید جنگ و قتال ہوا لیکن مقصود حاصل ہوئے بغیر واپس آئے۔ تیسری بار پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ محاصرہ اور محاربہ کیا۔ لیکن عنان مراد حاصل نہ آئی اور واپس آگئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہادری:۔ وصل:۔ چونکہ ارادات ازلی اس طرح تھی کہ یہ خیبر کی فتح کا فضل خاص بھی جناب ولایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مخصوص تھا اور قموص کا قلعہ خیبر کے تمام قلعوں سے سخت تر اور مستحکم تر تھا۔ اس کو علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح کرا کر اس فتح کو خیبر کے تمام قلعوں اور علاقوں کی فتوحات کا مقدمہ اور اساس بنایا۔ اگرچہ ان میں سے بعض جیسے کہ قلعہ نطاۃ اور قلعہ صعب وغیرہ پہلے ہی فتح ہو چلے تھے۔ لیکن فتح خیبر مکمل طور پر جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک شب آنحضرت نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) لا عطین الریۃ غدا اولیا خذن الرایۃ غدار جل یحبہ اللّٰہ ورسولہ یفتح اللّٰہ علیہ یعنی کل میں اس شخص کو

جھنڈا دوں گا اور یا یہ فرمایا کہ کل وہ شخص جھنڈا لے گا۔ جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ پر فتح ہو گی۔ ایک روایت یہ ہے کہ رجل کرار وغیر فرور یعنی کہ وہ مرد ہو گا پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والا۔ اور روضۃ الاحباب میں اس کی یہ تفسیر ہے کہ وہ شخص سخت جنگ کرنے والا اور پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بشارت اثر اور سعادت ثمر کی خبر دی تو تمام صحابہ امیدوار آنکھوں کو بارگاہ قبولیت کی طرف لگائے انتظار کرنے لگے۔ تاکہ دیکھیں یہ دولت کیسے نصیب ہوتی ہے اور کس سے یہ فضیلت مخصوص ہوتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھا اور پھر اٹھا اس امید سے کہ صاحب علم میں بنوں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ سوائے اس دن کے میں نے کبھی امارت کو پسند نہ کیا تھا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ قریش کی ایک جماعت ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ کہ یہ بات تو طے ہے کہ اس مراد پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فائز نہ ہوں گے۔ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے پاؤں کے سامنے بھی دیکھ نہیں سکتے اور منقول ہے کہ جب حضرت امیر نے یہ سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس اس طرح فرمایا ہے۔ تو ان کو بھی آرزو اور طلب ہوئی اور فضل خداوندی کی امید و توکل پر اپنے دل سے یہ دعا کی۔ اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت اے اللہ تو دینے والا ہو تو کوئی مانع نہیں ہو سکتا اور تو روک لے تو کوئی دینے والا نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب کے باعث سفر خیبر سے علیحدہ ہو کر مدینہ مطہرہ میں ہی رہ گئے تھے۔ ان کو آشوب چشم سخت تھا اور وہ خود سے کہتے تھے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جدا ہو گیا ہوں۔ اور جہاد کے کاروبار سے دوری اچھی نہیں ہے۔ لہٰذا سفر کی تیاری کر کے مدینہ منورہ سے باہر آئے۔ اثناء راہ میں یا ان کے بارگاہ نبوی میں پہنچ جانے کے بعد آنحضرت کو ان کے آنے کی خبر ہوئی جب دن ہوا تو آنحضرت نے فرمایا کہ کہاں ہے علی بن ابی طالب۔ تو لوگوں نے ہر طرف سے جواب عرض کیا کہ وہ یہیں ہے لیکن اس کی آنکھیں اتنی درد کرتی ہیں کہ وہ اپنے پاؤں کے سامنے بھی نہیں دیکھ سکتے آپ نے فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ پس آنحضرت نے ان کا سر اپنی ران مبارک پر رکھا اور اپنا لعاب دہن مبارک ان کی آنکھوں میں لگا کر دعا فرمائی۔ پس آنکھ کا درد فوراً رفع ہو گیا۔ اور مکمل شفاء ہو گئی۔ اس کے بعد کبھی بھی ان کو آنکھ کا درد نہ ہوا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی۔ اللھم اذھب عنہ الحر والقر اے اللہ تعالیٰ اس سے گرمی اور سردی ہر دو کو دور رکھ کیونکہ اکثریت بنی آدم کا سابقہ اس سے ہی ہوتا ہے۔ بالخصوص معرکوں اور جنگوں میں اور ان دنوں خیبر کی ہوا بڑی گرم تھی۔ پس اس کو دفع کیا اور آنحضرت نے سردی کا ذکر بھی ساتھ ہی فرما دیا۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی گرمیوں میں بھی روئی بھرا ہوا سخت لباس پہنتے تھے۔ اور بڑے سرد موسم میں بھی وہ پتلا لباس پہنتے تھے۔ اور ان کو اس سے کوئی باک نہ تھا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بیماری سے خلاصی ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے اپنی خاص زرہ ان کو پہنائی اور ذوالفقار ان کی میان میں باندھ کر انہیں دی۔ اور فرمایا کہ جاؤ۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرمادے واپسی کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ حضرت علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان سے کس چیز پر قتال کروں۔ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک وہ گواہی نہ دیں کہ **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** اس وقت تک ان سے جنگ و قتال کرو اور جس وقت وہ یہ گواہی دیں گے تو اپنے خون اور اموال بچالیں گے لیکن اس کے حق کے مطابق اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھا کر راستہ میں آگئے۔ تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ان کے خلاف جنگ جاری رکھوں گا تو قتیکہ وہ ہماری طرح ہو جائیں۔ یعنی اسلام لے آئیں آقائے نامدار نے ارشاد فرمایا کہ جلدی مت کرنا۔ پہلے جا کر انہیں دعوت اسلام دینا اور حق تعالیٰ کے اپنے بندوں پر واجب کردہ حقوق ان کو یاد کراؤ۔ قسم ہے خدا کی اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمائے تو تمہارے لئے یہ حق تعالیٰ کا راستہ میں سرخ رنگ کے ہزار اونٹ صدقہ کرنے سے بہتر ہوگا۔ مراد یہ کہ ہدایت کرنا آخرت میں اجر و ثواب ہے اور وہ دریا کے مال سے بہتر ہے۔ جو راہ خدا میں صرف کیا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ بتانا سب سے افضل عمل ہے اور صدقہ اس کی طرح ایک مقدس عبادت ہے۔ مطلب یہ کہ صدقہ کفارہ اور فدیہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں وارد ہے سونا چاندی فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے ذکر کرنا افضل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھائے روانہ ہو گئے۔ قموص کے قلعہ کے ساتھ جا پہنچے اور قریب ہی سنگریزوں کے ایک ڈھیر پر اسے گاڑ دیا۔ احبار یہود میں سے ایک قلعہ پر استادہ تھا اس نے پوچھا کہ اے صاحب علم تو کون ہو اور کیا نام رکھتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں تو وہ یہودی اپنی قوم سے گویا ہوا کہ مجھے تورات کی قسم۔ تم اس آدمی سے مغلوب ہو جاؤ گے۔ یہ شخص بغیر قلعہ مفتوح ہونے کے واپس نہیں جائے گا۔ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے اسے صفات و شجاعت حیدری کا پتہ تھا اس لئے کہ وہ اوصاف علی کو توارت سے پڑھ چکا تھا اور آنحضرت کے صحابہ کی صفات پہلی کتب میں مذکور تھیں۔ پس قلعہ سے برآمد ہونے والا اولین شخص ایک حارث نامی یہودی برادر مرحب تھا۔ یہ تین من کے نیزہ کو اٹھائے ہوئے تھا۔ برآمد ہوتے ہی اس نے جنگ کا آغاز کر دیا اور متعدد اہل اسلام کو شہید کر دیا۔ حضرت علی اس کے سر پر جا نکلے ایک ضرب لگائی اور یہودی کو جہنم رسید کر دیا۔ یہ خبر مرحب کو ملی تو اس نے اپنے ساتھ بہادروں کی جماعت لی اور بھائی کا بدلہ لینے کیلئے قلعہ سے نکلا۔ یہ مرحب اہل خیبر میں نہایت شجاع بلند و بالا قامت کا حامل اور جنگجو آدمی تھا۔ بہادران خیبر میں اس کا ثانی کوئی نہ تھا۔ اس دن دو زرہیں پہنیں دو تلواریں لٹکائیں اور سر پر دو عمامے باندھنے کے بعد اوپر خود اس نے پہنا اور میدان جنگ میں اس طرح رجز کہتا ہوا نکلا

- قد علمت خيبر انى مرحب   شاكى السلاح بطل محرب

اس کے مقابلے میں جانے کی کوئی مسلمان جرائت نہ کر سکا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔

ان الذی سمتنی امی حیدرة　　ضرغام اجام ولیث قسورة

میں وہ شخص ہوں جس کا نام والدہ نے حیدر رکھا۔ میں ضرغام ہوں۔ اجام ہوں اور حملہ کرنے والا لیس ہوں ان تینوں الفاظ ضرغام اجام اور لیث تینوں کے معانی ایک ہیں۔ یعنی سیر۔ اور عرب کے بہادروں کا معمول ہے کہ وہ میدان جنگ میں رجز پڑھتے۔ اس جگہ پر اپنی تعریف بیان کرنا جائز ہے۔ اس سے دشمن پر رعب پڑتا ہے اس پر ہیبت طاری ہوتی ہے اور شوکت و دبدبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ مرحب نے چاہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر پہلے ہی وار کردے۔ لیکن حضرت علی تھے کہ فوراً اچھل کر سبقت کر گئے۔ اور ملعون غدار پر اپنی تلوار ذوالفقار اس کے سر پر ماری یہاں تک کہ وہ خود اور زنجیروں کو کاٹتی ہوئی حلق تک پہنچی۔ اور ایک اور روایت ہے کہ اس کی رانوں تک چلی گئی۔ دیگر ایک روایت کے مطابق اس کی زین کے قاپوس کو جا لگی۔ اور مرحب کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پھر دوسرے مسلمان بھی میدان میں آگئے اور انہوں نے قتل یہود کا آغاز کر دیا۔ اور یہودی بہادروں سے سات کو جہنم میں پہنچا دیا۔ باقی بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے ان کا پیچھا کرتے ہوئے حضرت علی ابھی آگے چلے گئے۔ اس اثناء میں ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ضرب لگائی تو آپ کی ڈھال نیچے گر گئی۔ ایک اور یہودی نے ڈھال اٹھائی اور بھاگ گیا۔ حضرت امیر بھی جوش و غضب میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو قوت روحانی نصیب ہوئی یہاں تک کہ آپ خندق پھاند گئے اور قلعہ کے دروازے پر آپہنچے۔ قلعہ کا لوہے کا دروازہ تھا۔ ایک پٹ اکھاڑ کر ڈھال بنائی اور جنگ کرنے لگے۔

علماء نے حضرت سیدنا امام محمد باقر سلام اللہ علیہ وعلیٰ آباءٖ العظام و اولادہ الکرام سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دروازہ کو اکھاڑنے کے واسطے ہلایا تو پورا قلعہ ہی ہلنے لگا۔ حتیٰ کہ صفیہ بنت حیی بن اخطب تخت سے گر پڑی اور اس کے چہرے کو زخم آئے۔ شاید صفیہ میں خصوصاً جنبش کے سرایت کرنے میں کوئی حکمت و علامت ہوگی اور کوئی مخصوص مناسبت ہوگی۔ جس کی بنا پر وہ قید بھی ہوئیں اور آخر کار وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالہ نکاح میں آگئیں تاکہ ان کو تنبیہہ حاصل ہو اور ان کے باطن کے جنبش میں آنے سے وہ صلاحیت پیدا ہو کہ اس دولت و سعادت کو قبول کرے۔ یہ تذکرہ آئندہ ہوگا۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ جنگ ختم ہو گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ دروازہ پیچھے کی جانب دو وجب کی فاصلے پر پھینک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعد ازاں اس تختے کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کے لئے سات قوی اور جسیم آدمیوں نے قصد کیا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ پھر چالیس آدمیوں نے مل کر اٹھانا چاہا لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ اور دوسری سیرت کی کتب میں اسی طرح ہی نقل کیا گیا ہے۔ معارج النبوۃ میں اس دروازے کی پٹ کا وزن آٹھ صد من لکھا گیا ہے۔

اور مواہب لدنیہ میں روایت ہے کہ خیبر کا جو دروازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکھاڑ دیا تھا۔ اس کو نہایت مشقت و قصد کے باوجود ستر آدمی بھی جنبش تک نہ دے سکے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں سات آدمی ذکر کئے گئے ہیں۔ اور حاکم اور بیہقی لیث بن ابی سلم سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت جابر

اور بیہقی لیث بن ابی سلم سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے۔ کہ جو در خیبر حضرت علی رضی اللہ نے اٹھایا تھا اس پر بعد میں تجربہ کیا گیا اور چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔ اور کہا کہ لیث روایت کی سند میں ضعیف ہیں۔ بیہقی میں ایک روایت ہے کہ جس وقت حضرت علی قلعہ کے پاس آئے تو انہوں نے ایک دروازہ اکھاڑا اور زمین پر پھینک دیا۔ ازاں بعد ہم سے بعض آدمیوں نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کرنے کی خواہش کی تو چالیس اشخاص اٹھایا نہ گیا۔ نیز کہا کہ ہمارے شخص نے بتایا ہے کہ سب یہ روایات واہی تباہی ہیں اور لغویات ہیں۔ کچھ علماء نے ان روایات کو منکر کہا۔ (انتہی کلام مواہب)۔

اور امیر المومنین کی فتح کی حدیث میں جو صحیح بخاری میں ذکر ہے اس میں در خیبر کو اکھاڑنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن یہ عام مشہور اور کتب احادیث مذکور و بیان شدہ ہے۔ **معارج النبوۃ** میں ایک غریب حکایت ایک عالم سے نقل کی گئی ہے۔ کہ چالیس آدمیوں کے وہ پٹ اٹھانے میں ناکامی پر حضرت امیر کے دل میں شگفتگی سی ہویدا ہوئی اور آپ اپنی قوت پر نازاں ہوئے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ علی کو حکم فرمائیں کہ پھر اس دروازہ کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیں۔ پس حضرت امیر نے جا کر بڑی کوشش کی لیکن وہ ہلایا بھی نہ گیا جبریل نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ حکم دینے کی غرض یہ ہے کہ علی کو معلوم ہو جائے یہ ان کا کام نہیں تھا بلکہ یہ ہم نے کیا تھا۔ اور ظاہر بھی یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ قدرت الہٰی سے تھا نہ کہ عادتاً" اور یہ عالم حقیقت سے تھا عالم مجاز سے نہ تھا۔

مختصر یہ کہ جب اہل قلعہ قموص اور دیگر قلعوں کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ قدرت و طاقت دیکھی تو سب فریاد بلند کرنے لگے۔ الامان الامان۔ پس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اشارہ کے مطابق انہیں اس شرط پر امان دے دی۔ ہر شخص اونٹ پر خوراک لادے اور ان شہروں سے نکل کر چلا جائے۔ باقی نقد اور دوسرا سامان و متاع اور اسلحہ وغیرہ سب کچھ اہل اسلام کے لئے چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور کوئی چیز پوشیدہ نہ رکھی جائے بعد میں کوئی مال ایسا نکلا جس کے متعلق بتایا نہ گیا ہو گا تو ان کے عہد و اقرار کی طرح امان بھی ختم ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو فتح کی اطلاع موصول ہوئی تو آپ نے شکر ادا کیا۔ اس لئے کہ یہ عبرت اسلام کے ظاہر ہونے کا باعث تھا۔ کافروں کی یہ مہم سر کر لینے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں آئے تو آنحضرت ان کے استقبال کی خاطر اور ان کی خوشی و بشارت کے واسطے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لے آئے اور حضرت علی کو اپنی آغوش میں لے کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ فرمایا **بلغنی ثناءک المشکور و ضیعک المذکور قد رضی اللّٰہ عنہ ورضیت انا عنک** ہم تک تمہاری مشکور انا تعریفات پہنچیں اور تمہارے بہادرانہ کارنامے ہماری خدمت میں بیان ہوئے۔ بلاشبہ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور میں تم سے راضی ہوا ازاں بعد حضرت امیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے پوچھا کہ یہ رونا خوشی سے ہے یا کہ غم سے حضرت علی نے عرض کی کہ یہ خوشی سے ہے۔ مجھے کیوں نہ خوشی حاصل ہو جبکہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ آنحضرت نے ارشاد

فرمایا کہ تم پر صرف میں ہی راضی نہیں ہوں بلکہ تم پر تو خدا تعالیٰ' جبرئیل' میکائیل اور دیگر سب فرشتگان بھی راضی ہیں اہل سیر کا بیان ہے کہ قلعہ قموص کا حاکم کنانہ بن ابی الحقیق تھا اس قلعہ سے ایک سو زرہیں۔ چار صد تلواریں ایک ہزار نیزے اور پانچ صد کمانیں ہاتھ لگیں۔ اور مال و متاع بھی کثرت سے ملا۔ اور تمام اکٹھا کیا گیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ کنانہ بن ابی الحقیق خیبر کے رؤسا میں سے ایک تھا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے روبرو پیش کیا گیا تو پہلے اس نے بکری کے بچے کی کھال میں سونا زیورات موتی اور جواہرات بھر لئے۔ جب وہ اس سے بڑھ گئے تو ایک گو سفند کی کھال میں وہ چیزیں بھریں اس سے بھی بڑھے تو ایک گائے کی کھال بھری اور اس سے بھی زیادہ ہونے کے باعث پھر اونٹ کی کھال میں بھرے گئے۔ اہل مکہ شادی وغیرہ کی تقریب میں ضرورت اور پریشانی پر اس کے پاس رہن رکھتے تھے اور پھر عارتاً" اپنی حاجت کے مطابق اس سے زیور اور جواہرات وغیرہ لیتے تھے۔ آنحضرت نے کنانہ کو پوچھا کہ ابی الحقیق کا خزانہ کس جگہ پر ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اے ابو القاسم! ہم نے وہ سامان جنگ حاصل کرنے اور دوسری ضروریات کی تکمیل میں صرف کر دیا ہے اس میں سے کوئی چیز اب باقیماندہ نہیں۔ اور اس پر قسم اٹھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اسے تہدید کی کہ بعد میں اس کے خلاف معلوم ہونے پر تمہارا خون مباح ہو جائے گا۔ اور امان سے تم خارج ہو گئے۔ اس پر حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت علی اور ایک گروہ یہود کا گواہ ٹھہرایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قلعہ نطاۃ فتح ہونے کے وقت کنانہ نے یہ سب کچھ ایک ویرانے میں دفن کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو اس سے آگاہ فرما دیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے کنانہ کو بلا بھیجا۔ کہ آسمانی خبر کی رو سے تم جھوٹے ہو۔ ازاں بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس ویرانے کی جانب مسلماں کی ایک جماعت کو بھیجا۔ انہوں نے وہاں سے وہ مال کھود نکالا اور لے آئے۔ یہود کی یہ غداری ظاہر ہونے پر یہود اپنے عہد و پیمان کے مطابق امان سے نکل گئے۔ لہٰذا آپ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما دیا۔ کہ وہ اپنے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بدلے میں اسے واصل جہنم کریں۔ جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے قلعہ کی طرف بھیجا تھا تو آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی خوشخبری دے دی تھی کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے۔ آخر کار آنحضرت نے عفو و درگزر سے کام لیا اور یہود خیبر کا خون چھوڑ دیا۔ عورتیں اسیر بنائی گئیں۔ اموال غنیمت میں شمار ہوئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ سب غنائم مال و سامان' اشیاء خوراک اور اسلحہ اور مویشی کو قلعہ نطاۃ میں جمع کریں۔ نیز یہ اعلان کرایا کہ ایک رسی یا ایک سوئی تک بھی چھپانے سے غنیمت میں خیانت سمجھی جائے گی اور وہ شرمندگی اور عیب اور دوزخ کا باعث ہو گی' ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حبشی غلام کے سپرد آنحضرت کا سفر کا سامان وغیرہ تھا۔ اس کا نام کرکرہ تھا۔ وہ غلام ان ہی ایام میں فوت ہوا۔ آنحضرت نے بتا دیا کہ وہ جہنم میں گیا ہے صحابہ کی جستجو کے ذریعے اس کے سامان میں سے ایک ریشمی چادر برآمد ہوئی' وہ چادر اس غلام نے قبل از تقسیم غنیمت اپنے قبضہ میں کر لی تھی۔ نیز یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ روز خیبر ایک آدمی مر گیا۔ آنحضرت سے اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے صحابہ نے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے اس ساتھی کا جنازہ پڑھو میں نہیں

پڑھوں گا۔ پس لوگوں کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہے۔ ازاں بعد اس کا سامان ٹٹولا گیا تو یہودیوں کے مہروں سے چند مہرے برآمد ہوئے اور وہ دو درہم سے زیادہ قیمت کے بھی نہ تھے۔ علاوہ ازیں بخاری اور مسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام کو آنحضرت کی بارگاہ میں بھیجا اس کا نام مدعم تھا۔ جب وہ اپنا بوجھ اتار رہا تھا تو اس کو ایک تیر آلگا۔ نیزہ پھینکنے والے کا پتہ نہ چل سکا۔ وہ غلام اسی تیر کے زخم سے فوت ہو گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ جنت کا حقدار بن گیا۔ اس لئے کہ اس کی شہادت آنحضرت کی خدمت کی بجا آوری کے دوران ہوئی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ بالکل نہیں۔ مجھے اس ذات کی سوگند جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ خیبر کے دن غنیمت کی تقسیم سے قبل اس نے ایک چادر قبضہ میں کر لی تھی۔ اب دوزخ کی آگ اس پر لپیٹیں مارتی ہے۔ لوگوں یہ بات سنی۔ تو ایک آدمی ڈول کی ایک رسی اور دوسرا دو رسیاں لے آیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ایک یا دو رسیاں آگ کی رسیاں ہیں۔ بہت زیادہ وعیدیں اس باب میں آئی ہیں۔ لیکن کتب فقہ میں ہے کہ اگر کوئی چیز کھانے پینے والی یا پھل سے کھالی جائے تو یہ جائز ہے۔ اور اگر گائے یا اونٹ بھی ذبح کر کے کھایا جائے تو بھی یہ جائز ہو گا۔

مال غنیمت کے اکٹھا ہو جانے کے بعد پانچواں حصہ نکال لیا گیا۔ بقایا سے ایک حصہ پیادہ کو گھوڑسوار کو تین حصے کے لحاظ سے مال تقسیم کر دیا گیا (ایک حصہ سوار کا دو حصے گھوڑے کے)۔ نافع اس حدیث کو اس طرح ہی تفسیر کرتے ہیں امام قسطلانی نے فرمایا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ گھوڑسوار کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ سوار کا دوسرا حصہ گھوڑے کا۔ لیکن جو عورتیں اسلامی لشکر کی خدمت کرنے کے لئے اور بیماروں اور زخموں کی تیمارداری کی خاطر ساتھ لائی گئی تھیں۔ ان کے لئے سہم کوئی نہیں تھا۔ یعنی ان کا حصہ نہیں تھا۔ ان کو صرف غنیمت کے مال سے کچھ دے دیا گیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے حکم فرمادیا کہ خیبر کے غنائم بیچ دیئے جائیں اور ان کے رواج اور برکت کی خاطر آپ نے ورع افزائی۔ پس ہر طرف سے لوگ وہاں آگئے اور انہوں نے شوق سے مال خریدا۔ دو دن کے اندر اندر وہ مال بک گیا۔ جبکہ پہلے یہ خیال تھا کہ کافی عرصہ اس کی فروخت میں لگے گا۔ اس لئے کہ مال بہت زیادہ تھا اور منقول ہے کہ باوجود یہودی کی غداری عیاں ہو جانے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہودیوں کو قتل نہ کیا اور ان پر احسان فرمایا۔ آپ نے حکم دیا کہ خیبر کی زمین سے باہر نکل جاؤ۔ خیبر والوں نے عاجزی اور زاری کی اور کہا کہ اہل اسلام بالکل تسلی رکھیں۔ ہم کھیتوں اور باغوں میں خدمت کریں گے اور ان کو محفوظ رکھیں گے۔ ہم کو اجرت پر متعین کر دیا جائے ہم خدمت سرانجام دیں گے اور مسلمانوں کو یہ تردد لاحق نہ ہو گا۔ اہل اسلام مطمئن رہیں کہ ہمارے لئے اصل اور ملکیت میں ہرگز دخل نہ رہے گا۔ پس آنحضرت رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحم فرماتے ہوئے انہیں اس کام پر مقرر کر دیا کہ نصف پیداوار بیت المال میں جمع کرائیں اور باقی نصف پیداوار اپنے کام کی اجرت میں خود رکھ لیں۔ یہ معاملہ مخابرہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ اہل خیبر سے تھا اور خمس میں سے کچھ حصہ بنو ہاشم اور بن عبدالمطلب کو عطا فرمایا۔

حدیث میں جو مذکور ہے کہ عثمان بن عفان اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں گزارش کی کہ بنو ہاشم کی

فضیلت سے ہم منکر نہ ہیں۔ کیونکہ آپ جناب کا وجود اقدس ان سے ہے لیکن ہماری قرابت اور بنو عبدالمطلب کی نسبت کا بھی آپ سے ایک مرتبہ ہے۔ پس یہ کس طرح ہوا کہ انہیں بن المطلب کے سہم سے دیا گیا لیکن ہم یونہی چھوڑ دیئے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کی تشبیک کر کے یعنی ایک دوسری میں ملا کر فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب کا حال اس طرح ہے۔ اور ہم اور بنی المطلب میں کبھی جدائی نہیں پڑی۔ ایام جاہلیت میں بھی نہیں اور دور اسلام میں بھی نہیں۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت نے بنی عبدالشمس اور بنی نوفل کو کوئی چیز نہ دی اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خیبر کے غنائم کسی کو نہ دیئے گئے سوائے ان لوگوں کو جو اس غزوہ میں حاضر تھے اور جو حبشہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ یہ لوگ وہاں براستہ سمندر فتح کے دن ہی پہنچے تھے۔ جیسے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس اور ترپن یا پچپن اشعری جن کے سردار ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان مہاجرین حبشہ نے بتایا کہ ہمیں آنحضرت کے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کی خبر ملی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قدیم السلام تھے۔ جب یہ ایمان لائے تھے تو اسی وقت اپنے شہروں کی طرف واپس چلے گئے تھے بعد میں اس وقت آپ آئے انہوں نے بتایا کہ آنحضرت کے مکہ سے ہجرت کی ہمیں خبر ملنے کے وقت ہم یمن میں تھے میں وہاں سے ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف روانہ ہوا۔ میرے دو بھائی بھی میرے ہمراہ تھے۔ ان دونوں سے میں چھوٹا تھا۔ ایک بھائی کا نام بردہ تھا اور دوسرے کا ابورہم رضی اللہ عنہما۔ وہ ہماری قوم کے اکاون یا باون یا ترپن آدمیوں کے ساتھ ہم کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی ہم کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس لے جا کر اتارا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ صحابہ کی ایک جماعت ہجرت پذیر ہوئی تھی۔ یہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ یہ علم نہیں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی جماعت سمیت حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ یا کہ وہ آنحضرت کی خدمت میں آنا چاہتے تھے جبکہ اچانک بے اختیار کشتی نے حبشہ کی طرف بہنا شروع کر دیا۔ یہ جو الفاظ ہیں کہ "ہم کو کشتی نے حبشہ کے شاہ نجاشی کے پاس لے جا کر اتارا ان سے یہ دوسرے معانی ظاہراً" معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ پہلے معانی ہی مراد ہوں اور جب صحابہ حبشہ میں گئے ہوں گے تو ان لوگوں نے بھی ان میں شامل ہونے کے لئے ہجرت کی ہو گی۔ واللہ اعلم۔ بہر حال وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ مل گئے۔ اور حبشہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور حبشہ میں ان کے ساتھ ہم بھی قیام پذیر ہوئے حتیٰ کہ ہم خیریت حاضر ہو گئے اور ہم نے اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی جس وقت کہ آپ نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ مراد یہ کہ ہم معرکہ جنگ کے دوران نہ آئے بلکہ اس وقت وہاں پہنچے جب کہ فتح ہو چکی تھی اور کچھ صحابہ ہمیں کہتے تھے ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ تم ہجرت کئے ہوئے تھے اور ہم غزوات اور جہاد میں لگے رہے ہیں۔ (مراد یہ ہے کہ یہ ہم پر اپنے آپ کو فضیلت دیتے تھے)۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس سیدہ حفصہ زوجہ رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے پاس ملنے کے لئے گئیں۔ یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی سگھڑ دانا اور فہم و فراست کی مالک تھیں اور نہایت حسین و خوبصورت تھیں۔ اپنے خاوند کے ہمراہ حبشہ کی ہجرت کی تھی۔ اس کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں خیبر میں حاضر ہوئیں تھیں۔ جب حضرت اسماء حضرت حفصہ کے پاس تھیں تو اس وقت حضرت عمر فاروق اعظم بھی وہاں آ گئے۔ انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس کو دیکھا تو پوچھا۔ تمہارے پاس بیٹھی ہوئی عورت کون ہے۔ تو حضرت حفصہ نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کیا یہ حبشہ کی عورت ہیں۔ مراد یہ تھی کہ کیا یہ وہ ہے جو سمندر کے راستے حبشہ سے آئی ہیں حضرت حفصہ نے کہا۔ ہاں۔ اور حضرت عمر کو جواب دیتے ہوئے وہ ہاں ہاں ہی کہتی رہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ حفصہ سے جتنا پوچھا جاتا تھا۔ وہ صرف اس کا ہی جواب دیتی تھیں۔ لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تو بڑی قوت و استعداد کی مالک تھیں۔ وہ کہنے لگیں۔ کہ ہم پہلے بھی سن لیا ہے کہ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ اس بارے میں بہت سی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت عمیر نے فرمایا کہ ہم آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کے ساتھ تمہارے مقابلہ میں زیادہ مستحق اور زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ہم تم سے پہلے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماء کو غصہ آیا۔ اور کہا ہرگز ایسے نہیں ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم۔ تم اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ رہے کہ وہ تمہارے بھوکے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور تمہارے جاہل لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ تم امن و سلامتی اور دنیوی اور دینی نعمتیں لئے ہوئے تھے اور ہم بہت دور کے علاقے میں حبشہ میں دشمنوں میں رہتے تھے۔ کیونکہ وہاں پر تمام کافر ہی تھے سوائے نجاشی کے۔ اور ہم بڑی محنت اور مشقت میں مبتلا تھے۔ اور یہ تمام فی سبیل اللہ تھا۔ خدا تعالیٰ کی قسم۔ جب تک میں آنحضرت کی خدمت میں وہ سب کچھ عرض نہ کروں گی جو کچھ تم نے کہا ہے کچھ کھاؤں گی نہیں اور نہ پیئوں گی۔ اور میں عرض کروں گی کہ یہ ہم کو تنگ کرتے ہیں اور خوفزدہ کرتے ہیں۔ میں یہ آنحضرت سے کہوں گی اور کوئی بھی جھوٹ بات ساتھ نہ ملاؤں گی جتنا کچھ میں نے تم سے سنا ہے اس سے زیادہ کچھ نہ کہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی اثناء میں اسی مجلس میں آ پہنچے۔ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس طرح میں نے کہا ہے۔ اور وہ ساری گفتگو عرض کی۔ جو ان کے ساتھ حضرت عمر کی ہو چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میرے سامنے عمر اور اس کے ساتھیوں کو تمہارے مقابلے میں زیادہ استحقاق نہ ہے۔ انہوں نے مکہ سے مدینہ کو ایک ہجرت کی اور اے کشتی والو تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ تک حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ازاں بعد میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور کشتی والے دوسرے صحابی گروہ در گروہ ٹولیوں کی صورت میں میرے پاس آ کر یہ حدیث دریافت کرتے تھے اور کوئی دوسری چیز اس سے زیادہ ان کی خوشی کا باعث نہ تھی اور اس سے زیادہ بزرگ نہ تھی اور آنحضرت نے جو کچھ فرمایا تھا اس کی وجہ سے وہ اپنی عظمت و تعریف بیان کرتے تھے۔ کہ آنحضرت نے ان کی بڑی اونچی شان بیان فرمائی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری کو میں نے دیکھا کہ بار بار یہ حدیث سنانے کے لئے وہ مجھ سے تکرار کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس سے ایک

ذوق و سرور میسر ہوتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ کہنے لگے کہ ہم بعد از فتح خیبر آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آنحضرت نے ہم پر بھی مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اور سوائے ہمارے کسی ایسے شخص پر تقسیم غنیمت نہ فرمائی جو فتح خیبر میں شامل نہ ہو۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ہاں بعض کتب مغازی سے روضۃ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے کہ کچھ مال غنیمت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی دیا گیا تھا اگرچہ وہ غزوہ میں حاضر نہ تھے۔ لیکن وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ حدیبیہ میں موجود تھے انتہیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود مالک اور صاحب اختیار ہیں۔ وہ جو چاہیں اور جسے چاہیں عطا فرمادیں۔ لیکن حدیبیہ میں حاضری کی علت اس سے ختم ہو جاتی ہے کہ حدیبیہ میں تو بہت سے لوگ حاضر تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تخصیص کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ غزوہ خیبر کے دوران پندرہ صحابہ نے شہادت پائی اور جو یہودی ہلاک ہوئے وہ تعداد میں ترانوے تھے۔

غزوہ خیبر کے دوران واقعات:۔ وصل:۔ حسب رفاقت توفیق غزوہ خیبر کے حالات و واقعات بیان ہو چکے ہیں اب ہم وہ واقعات و قضایا اور احکام بیان کریں گے جو دوران غزوہ رونما ہوئے۔ پہلا واقعہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نکاح فرمانا ہے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اس کا ذکر سابقاً" گزر چکا ہے۔ غزوہ خندق کے تذکرہ میں اور یہ اسی غزوہ میں قتل کیا گیا تھا۔ اس وقت حضرت صفیہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں۔ وہ غزوہ خیبر میں ہلاک ہوا تھا۔ حضرت صفیہ اسیران خیبر میں شامل تھیں۔ ابھی نئی نئی شادی شدہ سترہ سالہ جوان تھیں۔ لوگوں نے اس کا حسن و جمال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیان کیا۔ پس آپ نے اس کو اپنے واسطے مختص فرمالیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مال غنیمت سے متعدد اشیاء اپنی خاطر منتخب کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً تلوار، گھوڑا اور جانور وغیرہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے یہودیوں کے عورتوں اور بچوں کے بارے میں حکم فرمایا جن میں صفیہ بھی شامل تھیں جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔ لوگ کہنے لگے کہ وہ حسین و خوبصورت ہے۔ قبیلہ کی سردار ہے اور یہودی بادشاہوں سے ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اور جناب ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ لہٰذا اس کا آپ حضور سے مخصوص ہونا مناسب ہے۔ صحابہ میں دحیہ جیسے اور بہت ہیں لیکن غنیمت میں صفیہ کی طرح کم ہیں۔ دحیہ کے ساتھ اس کا اختصاص کئی دیگر صحابہ کی دل آزاری کا باعث بنے گا۔ پس مصلحت اس میں ہی ہے کہ اس کو دحیہ سے واپس لیا جائے اور اپنے لئے مخصوص فرمایا جائے۔ دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت دحیہ سے فرمایا کہ تم اسیر باندیوں سے کوئی دیگر باندی لے لو۔ کچھ روایات میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ حضرت صفیہ کے بدل میں حضرت دحیہ کو صفیہ کی چچازاد لڑکی دی گئی۔ اور ایک یہ روایت بھی آئی ہے کہ آنحضرت نے دحیہ رضی اللہ عنہ سے سات باندیوں کے عوض میں صفیہ کو خرید لیا۔ اور لفظ قیدی کا اطلاق مجازاً" کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے لینا۔ اور ان کو سات باندیاں دینے میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی اور وہ جو روایت آئی ہے کہ صفیہ کے بدل میں قیدیوں سے کوئی لے لو۔ اس میں زیادتی کی نفی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک کہا ہو اور پھر سات کا اضافہ فرمایا گیا ہو۔ بہر حال اس

میں ہبہ کی واپسی نہ ہے۔ مسلمان مختلف ارائے تھے کہ آیا سیدہ صفیہ امہات المومنین میں شمار ہوں گی یا کہ ملک یمین میں داخل رہیں گی۔ اور کہتے تھے کہ اگر اس نے پردہ نہ کیا تو وہ ملک یمین میں شمار ہوں گی۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا پھر ان سے نکاح کیا۔ اور وہ آزادی ان کا مہر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب منزل صہبا پر آئے تو حیض سے پاکیزگی کے بعد وہاں پر سیدہ صفیہ سے زفاف فرمایا۔ ملیس سے ولیمہ کیا گیا۔ اور آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جو لوگ بھی تمہیں ملیں انہیں صفیہ کے ولیمہ پر دعوت دو۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت مدینہ شریف کی طرف واپس چلے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے سواری پر سوار کیا۔ اور جو صبا آنحضور اپنے اونٹ پر بچھاتے تھے اس سے سیدہ پر پردہ کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سیدہ صفیہ کے لئے اپنا زانو مبارک کرتے تھے اس پر پاؤں رکھ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوتی تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و حالات ازواج مطہرات کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوں گے۔

ام حبیبہ سے آنحضرت کا زفاف فرمانا:۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابو سفیان بن حرب بن امیہ سے زفاف فرمایا۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھیں۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی چچی لگتی تھیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس سے قبل زینت بنت جحش کے بھائی کی بیوی تھیں جن کا نام عبید اللہ بن جحش تھا اس کے ساتھ انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھیں اور دوسری ہجرت مدینہ شریف کی طرف کی تھی۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی اس کا نام حبیبہ تھا اس بنا پر ان کی کنیت ام حبیبہ ہوئی۔ جبکہ حقیقی نام رملہ تھا اور بعض کے نزدیک ہے کہ اصل نام ہند تھا۔ لیکن پہلا صحیح ہے۔ ازاں بعد ان کا خاوند عبید اللہ مرتد ہو گیا تھا وہ نصرانی دین میں آ گیا تھا۔ اور حبشہ میں ہی مر گیا تھا۔ سید ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہی تھیں۔ جب حضرت عمرو بن امیہ ضمری آنحضرت کے قاصد کی حیثیت سے حبشہ میں گئے۔ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ام حبیبہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ان سے کہتا ہے۔ یا ام حبیبہ' یا ام المومنین خواب سے بیدار ہوئیں تو انہوں نے اپنے اس واقعہ کی یہ تعبیر کی۔ کہ ان کو حضور نبی کریم کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہو گا۔ اس کے بعد جب حضرت عمرو ضمری نجاشی کے پاس گئے اور اس کو آنحضرت کے خطوط پہنچائے۔ ایک اور خط بھی نجاشی کی طرف تھا۔ کہ حبشہ کے مہاجرین میں ابو سفیان کی جو بیٹی ام حبیبہ ہیں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے پیغام دیں۔ اور اس کو مدینہ شریف کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ اور دوسرے مہاجرین کو بھی بھیج دیا جائے۔ ازاں بعد نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت کا خطبہ دیا۔ ام حبیبہ نے قبول کیا۔ سب مہاجرین حبشہ عمرو بن امیہ ضمیری کے ہمراہ دو کشتیوں پر سوار کر دیئے گئے۔ جو مدینہ شریف کو چلے یہ ذکر ۵ھ کے واقعات میں ہو چکا ہے۔ روایت میں آیا ہے نجاشی نے اپنی ابرہہ نامی باندی کو ام حبیبہ کے خدمت میں بھیجا کہ وہ اپنا وکیل مقرر فرمائیں تاکہ عقد نکاح ہو۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بے حد خوشی و مسرت ظاہر کی۔ اور ہاتھوں اور پاؤں کا تمام زیور اتار اور اس خوشی میں باندی کو انعام کے طور پر دے دیا۔ نیز اپنا وکیل حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ نجاشی

نے ایک مجلس بلائی۔ اس میں جعفر بن ابی طالب اور دیگر سب مہاجرین حبشہ کو مجلس میں بلایا۔ اچھے اچھے کھانے تیار کئے گئے۔ چار صد مثقال سونا یا چار ہزار درہم مقرر کرنے کے بعد (اپنے پاس سے ادا کردیا اور) ام حبیبہ کو بھیج دیا تاکہ وہ اسے سفر کی تیاری اور دیگر ضروریات میں خرچ کرلیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس میں سے پچاس مثقال سونا اسی باندی کو بھیج دیا۔ ساتھ یہ عذر خواہی بھی فرمائی کہ جس دن تم یہ خبر لے کر آئی تھی میں حسب واقعہ تم کو انعام سے نہ نواز سکی نجاشی نے وہ تمام زیورت جو قبل ازیں ابرہہ کو دیئے گئے تھے اور وہ پچاس مثقال سونا بھی واپس ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا دوبارہ اور ساتھ کہلا بھیجا کہ ان اشیاء پر زیادہ استحقاق اور سزاواری آپ کو ہے۔ کیونکہ اپ اپنے شوہر کے ہاں تشریف لے جارہی ہیں۔ آپ کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ بارگاہ رسالت میں میری طرف سے سلام عرض کریں۔ نیز عرض کریں کہ میں آنحضرت کے صحابہ کے دین پر ہوں۔ اور ہمیشہ میری طرف سے سلام نچھاور کرتا رہتا ہوں نجاشی کی مستورات نے سیدہ ام حبیبہ کی خدمت میں عطریات اور خوشبوئیں پیش کیں اور صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عقد نکاح سرانجام پانے کی جب خبر ہوئی تو آنجناب نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام حبیبہ کو مدینہ شریف لانے کے لئے بھیجا۔ جب وہ مدینہ شریف میں آگئیں تو آنحضرت نے ان کے ساتھ زفاف فرمایا۔ اور جس وقت ام حبیبہ نے نجاشی کا سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا و رحمتہ اللہ و برکاتہ اس وقت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر تیس سال سے تھوڑی اوپر تھی اور ہجرت سے بعد چالیسویں سال میں ان کا وصال شریف ہوا۔ ان کے دیگر احوال ازواج مطہرات کے باب میں مذکور ہوں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

جیسے کہ ارباب سیر نے بیان کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے دوران ایک دفعہ ابوسفیان مدینہ شریف آیا تھا۔ اس نے جب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو اس نے بستر پر بیٹھنا چاہا۔ ام حبیبہ نے اسے بستر پر نہ بیٹھنے دیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر پاک ہے اور تم کفر اور شرک کی نجاست سے آلودہ و ملوث ہو۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور اسی مجلس میں جعفر بن ابی طالب اور دیگر اشعریوں کا آنا بھی ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا کہ پتہ نہیں کہ کونسی خوشی دونوں خوشیوں میں سے زیادہ ہے۔ خیبر کی فتح کی خوشی یا کہ جعفر کے آنے کی خوشی مراد یہ ہے کہ دونوں خوشیاں ہی برابر ہیں۔ ان تمام کو آپ نے غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ گو یہ سب معرکہ میں حاضر نہ تھے۔

آنحضرت کو زہر دیا جانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیبر کے یہودیوں کا زہر دینا بھی واقعات غزوہ خیبر سے ہے۔ زینت بنت حارث ایک یہودی عورت تھی۔ یہ مرحب کی بھتیجی تھی اور سلام بن مشکم کی زوجہ تھی۔ اس نے اہل اسلام سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کے کونسے حصہ کے گوشت کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ آپ کو زیادہ تر ران اور شانے کا گوشت مرغوب ہے۔ اس عورت نے بکری کا بچہ لے کر زہر آلود کرلیا۔ یہ فوری اور بلا توقف اثر کرنے والا زہر تھا۔ اس زہر کے متعلق یہودنے اس کی رہنمائی کی تھی جب اس نے ان سے دریافت کیا

تھا۔ اس عورت نے ران اور شانے میں یہ زہر زیادہ مقدار میں لگایا تھا۔ پھر اس نے حضور کے روبرو کھانا لا رکھا۔ اس مجلس میں ایک جماعت صحابہ کی بھی تھی۔ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی انہی میں شامل تھے۔ آنحضرت نے تھوڑا لے کر سامنے والے دانتوں سے کاٹا۔ حضرت بشر بن براء نے آنحضرت سے عرض کیا کہ لقمہ کو چبانے کے دوران مجھے کراہت و نفرت محسوس رہی تھی۔ لیکن نہیں چاہتا تھا کہ اس کو تھوکوں۔ تاکہ کہیں آپ کو کھانے میں بے رغبتی نہ ہو جائے۔ ازاں بعد ابھی بشر اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے ان کا رنگ سبز و سیاہ ہو گیا اور فوراً ہی شہادت پا گئے دیگر ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک سال تک بیمار رہنے کے بعد شہید ہوئے پس آنحضرت نے حکم فرمایا کہ یہاں پر موجود تمام سرداران یہود حاضر ہو جائیں۔ اور زینت بنت حارث یہودیہ بھی حاضر ہو جائے تمام آ گئے تو آپ نے فرمایا کہ ایک بات تم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کیا تم سچ سچ بتاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اے ابوالقاسم! آنحضرت نے فرمایا۔ تمہارا باپ کون ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جد اعلیٰ کون تھا۔ اور تم کس کی نسل سے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں شخص ہمارا باپ ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارا باپ تو فلاں آدمی ہے انہوں نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ غالباً" آنحضرت نے یہ سچ بولنے کے لئے تنبیہہ کی تھی اور ان کا امتحان کیا تھا۔ اور زہر دینے کے بارے سچ بولنے کے لئے ان سے اقرار لیتا تھا اور ان کو مجبور کرتا تھا۔ سوال کا جواب دینے میں انہوں نے یا تو جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا۔ جیسے کہ وہ پہلے اس کے عادی تھے۔ اور یا یہ ان کے جہل و نسیان کی وجہ سے ہو گا۔ اگر انہوں نے ارادا" جھوٹ بولا تو یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت کا امتحان لینے کے لئے ایسا کیا ہو گا۔ نبی کہ اگر سچے نبی ہوں گے تو ان کو ہمارا جھوٹ معلوم ہو جائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کی جانب از غیب آپ کو خبر ہو جائے گی اور جس وقت آپ پر جھوٹ کھل گیا اور آپ کو ان کی کیفیت کا پتہ چل گیا۔ تو یہود نے اپنا جھوٹ بولنا تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے زہر کے متعلق دریافت فرمایا۔ صحیح بخاری میں دیگر ایک سوال بھی ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ اگر تم سے کچھ دریافت کیا جائے تو کیا تم سچ بولو گے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اے ابوالقاسم اگر جھوٹ بولا تو وہ آپ پر منکشف ہو جائے گا۔ جیسے کہ ہمارے جد اعلیٰ کے ضمن میں ہمارا جھوٹ بولنا آپ پر ظاہر ہو چکا ہے۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ جہنمی کون ہیں؟ مراد یہ ہے کہ جہنم میں دائمی رہنے والے کون لوگ ہیں۔ تو یہودی کہنے لگے کہ ہم تو صرف کچھ دن ہی دوزخ میں رہیں گے۔ **لن تمسنا النار الا ایاما معدودة** اس کے بعد ہمارے خلیفہ تم اس میں ہی رہو گے اور ہمیشہ رہو گے۔ اس میں ان کا روئے خطاب مسلمانوں کی طرف تھا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **اخسوا فیها** دور ہو جاؤ اور جہنم میں جاؤ۔ **لا تخلفتنکم فیها ابدا** ہم آتش میں تمہارے کبھی خلیفہ نہ ہوں گے۔ کتے کو دھتکارنے کے لئے خسا کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور یہ مصدر لازم و متعدی ہر دو میں استعمال ہوتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے کچھ پوچھوں تو کیا تم سچ بیان کرو گے۔ انہوں نے کہا "ہاں۔ پس آپ نے پوچھا کہ کیا تم بکری کو زہر آلود کر کے یہاں لائے تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں" اس بھید کا آپ کو کس طرح اس کا پتہ چلا۔ آپ نے فرمایا جو ران میرے ہاتھ میں تھی اس نے مجھے بتا دیا تھا پھر آپ نے پوچھا کہ کس مقصد کے لئے تم نے زہر ملایا۔ کچھ روایتوں میں ہے کہ اس عورت سے پوچھا کہ زہر ملانے سے تمہارا کیا مقصد تھا جواب میں

یہودنے یا اس عورت نے کہا کہ ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے نبی ہیں (العیاذ باللہ) تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا اور ہمیں آرام حاصل ہو گا اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کو ضرر نہ پہنچے گا۔

آیا کہ آپ نے اس عورت کو سزا دی تھی یا کہ چھوڑ دیا تھا۔ اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ بیہقی کے نزدیک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے عورت کو کچھ نہ فرمایا تھا۔ اسی کی طرح ابو نضرہ نے روایت کی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے۔ لیکن دیگر روایات میں ہے کہ عورت کو قتل کرا دیا گیا۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ نے رہا فرما دیا ہو۔ اور اپنے بدل میں اس کو قتل کرنا نہ چاہا ہو۔ بعد میں حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے وصال پانے پر بطور قصاص یا سیاست و سزا کے طور پر اس کو قتل کرا دیا گیا ہو۔ روضۃ الاحباب میں کچھ ائمہ شافعین کا مذہب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فرد کسی کو زہر ملا کر کھلا دے۔ جس سے وہ مر جائے۔ تو قصاص کا وجوب ہو جاتا ہے۔ لیکن حنفی ائمہ اور جمہور شافعین کے مطابق اس طرح قصاص کا جواز نہیں ہوتا پس اگر ان کے مذہب کے مطابق قتل والی روایت صحیح ثابت ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے اور صولی کے قصہ میں واقع قتل کی روایت سے اس کی تائید کا اظہار ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

امام زہری کی روایت ہے کہ وہ عورت مسلمان ہو گئی۔ لہٰذا اسے رہا کر دیا گیا تھا اور مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ مغازی سلیمان میں یوں روایت کیا گیا ہے کہ زینب بنت حارث یہودیہ کہنے لگی کہ اگر آپ جھوٹے نبی ہیں (اعوذ باللہ من ذالک) تو آپ سے میں لوگوں کو چھٹکارا کرا دوں گی۔ لیکن مجھ پر بے شک یہ عیاں ہو چکا ہے کہ آپ سچے نبی ہیں۔ اور آپ اور جملہ حاضرین گواہ رہیں کہ میں آپ کا دین قبول کرتی ہوں اور کہتی ہوں۔ **اشهد ان لا اله الا الله ان محمدا رسول الله** یہ روایت زہری کے موافق اور موکد ہے اور جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو قصاص میں یہ عورت بھی مقتول ہوئی۔ کیونکہ قصاص واجب ہو چکا تھا۔ انتہیٰ لیکن یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام ما قبل کئے گناہوں کو خواہ حقوق اللہ سے یا حقوق العباد سے متعلق ہوں ساقط کر دیتا ہے۔ لہٰذا بعد از قبول اسلام عورت کیوں قتل کی گئی۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ جس قدر آنحضرت نے زہر آلودہ بکری سے چکھ لیا تھا۔ اس کے مطابق اپنے دونوں شانوں کے درمیان سے خون نکلوا دیا تاکہ ضرر کا دفعیہ ہو جائے۔ جن صحابہ نے لقمہ چبایا تھا یا نگل لیا تھا ان کو سر پر پچھنے لگوانے کا حکم فرمایا۔ بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض وصال میں فرمایا کرتے تھے۔ اے عائشہ مجھے ہمیشہ اس گوشت کی تکلیف رہی ہے۔ جو خیبر میں کھایا تھا۔ اور اس وقت اس زہر کے باعث میرا ابہر مجھے کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ابہر دل کی ایک رگ کو کہتے ہیں۔ یہ کٹ جائے تو آدمی کی موت ہو جاتی ہے۔ مراد یہ کہ اس گوشت کے زہر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پاک میں ہمیشہ رہا تھا۔ اور اب وہ سرایت کر گیا تھا۔

حضرت علی کے لئے سورج لوٹایا جانا: یہ واقعہ بھی خیبر کے واقعات سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صہبا کے مقام پر پہنچے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زفاف فرمایا۔ وہاں پر نماز عصر ادا فرمائی اس کے بعد اپنا سر مبارک آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھ لیا۔ اور ایک روایت کے مطابق ہے کہ آپ سو گئے۔ اس دوران آثار وحی کا ظہور ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابھی عصر کی نماز ادا نہ کی تھی۔ اور وحی کے نزول کے باعث طوالت کی بنا پر آفتاب ڈوب گیا و کیفیت وحی کے خاتمے پر آپ نے حضرت علی سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نماز عصر پڑھ چکے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ نہیں۔ میں نے ادا نہیں کی ہے۔ آنحضرت نے دعا فرمائی۔ اے رب اگر علی تیری اور تیرے رسول کی فرمانبرداری میں تھے تو سورج کو واپس ہونے کا حکم فرمادے۔ تاکہ وہ عصر کی نماز پڑھ لے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اگرچہ سورج غروب ہو چکا ہوا تھا۔ وہ دوبارہ چڑھ آیا۔ حتیٰ کہ اس کی شعاعیں پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر پڑھنے لگیں اور مخلوق نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کر کے نماز ادا کی۔

آنحضرت کی شان میں حبس شمس:۔ سورج روکنے اور واپس لائے جانے کے تین مواقع ہیں ایک واقعہ معراج کی رات کے بعد تھا۔ جب آنحضرت نے خبر دی تھی کہ میں نے اس رات کو قریش کا قافلہ راستے میں دیکھا تھا۔ اس کی علامت بھی آپ نے بتائی تھی۔ کہ قافلہ والوں کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا۔ اور قافلہ سے چند آدمی اس کی تلاش کر رہے تھے۔ قریش نے دریافت کیا کہ وہ قافلہ کس وقت یہاں پہنچے گا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ بدھ کے روز۔ بدھ کے روز قریش قافلہ کے منتظر تھے۔ حتیٰ کہ سورج غروب کو پہنچا۔ لیکن قافلہ ابھی نہ آیا۔ آنحضرت نے اس وقت دعا فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ ایک گھنٹہ کے لئے آفتاب غروب ہونے سے روک دیا۔ اس کے بعد قافلہ آ پہنچا۔ یہ حدیث یونس بن بکر کی بیان کردہ اور مغازی ابن اسحاق میں ہے۔

حبس شمس کا دوسرا واقعہ خندق کے دن کا بیان ہوا ہے۔ اس غزوہ میں عصر کی نماز قضاء ہو گئی۔ بعض روایات ہے کہ حضور نے دعا فرمائی ہے اور مشہور یوں ہے کہ سورج غروب کے بعد قضاء نماز پڑھی۔ تیسری مرتبہ اس وقت ہوا جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دعا فرمائی تو سورج واپس موڑا گیا اور انہوں نے نماز عصر پڑھی۔

ان تمام احادیث کے بارے میں محدثین کو کلام ہے کہ یہ تمام احادیث اس صحیح حدیث کے منافی ہیں جو حضرت یوشع بن نون علیہا السلام کے بارے میں ہے۔ اس لئے کہ سورج کا روکا جانا اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے مخصوص معلوم ہوتا ہے اور وہ حدیث مشکوۃ میں بخاری و مسلم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ پہلے نبیوں سے ایک نبی جہاد پر نکلے" کہا ہے کہ مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

عصر کی نماز کے وقت وہ بستی کے نزدیک پہنچ گئے۔ سورج ڈوبنے کے نزدیک تھا۔ لہٰذا اس نبی نے سورج کو حکم فرمایا کہ تم بھی مامور ہو اور میں بھی مامور ہوں۔ خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ اللہ تعالیٰ سورج کو رکنے کا حکم فرما تاکہ وہ ہماری خاطر رکا

رہے۔

یہ سورج کا رکنا تین صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ غروب ہو جانے کے بعد واپس لایا جائے دوسری یہ کہ غروب ہونے سے پہلے ہی روکا رکھا جائے۔ اور تیسری یہ صورت ہے کہ اس کی رفتار کو کم کردیا جائے چنانچہ سورج روکا گیا۔ حق تعالیٰ نے وہ بستی فتح کرادی۔ اس روایت میں حبس شمس کی تخصیص حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے مذکور نہیں ہوئی۔ ہاں دیگر ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **لم یجلس الشمس علیٰ احد الا یوشع بن نون** کسی ایک پر بھی آفتاب نہیں روکا گیا بجز یوشع بن نون کے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جمعہ کے روز حضرت یوشع بن نون کی ظالموں کے خلاف جنگ جاری تھی کہ آفتاب غروب ہونے کا وقت نزدیک آپہنچا۔ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر جنت کے خاتمہ سے قبل ہی غروب آفتاب ہوا تو ہفتے کے روز کا آغاز ہو جائے گا۔ پس ہم پر جائز نہ ہوگا کہ اس روز ہم جنگ کریں۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے سورج رد فرما دیا۔ حتیٰ کہ وہ جنگ سے فارغ ہو گئے۔

کچھ علماء نے مذکورہ بالا احادیث اور یوشع بن نون علیہ السلام والی حدیث میں موافقت کی ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ بھی امکان ہے کہ پچھلے انبیاء میں سوائے یوشع علیہ السلام کے کسی کے لئے حبس شمس نہ کیا گیا ہو۔ یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے سوائے میرے کسی نبی کی خاطر حبس شمس نہیں ہوا مگر یوشع علیہ السلام کے واسطے دونوں احتمالات میں ایک ہی مفہوم ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبس شمس ہونے سے قبل کی یہ حدیث ہو۔ واللہ اعلم۔ پس پتہ چل گیا کہ رد شمس یا حبس شمس کے باب میں محدثین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے خصوصاً کلام نہیں بلکہ ان ہر سہ مواقع پر مذکور ہونے والی احادیث میں کلام ہے۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ والی رد شمس کی حدیث میں کلام ہے وہ ہم بغیر کسی تعصب یا تعسف کے یہاں نقل کرتے ہیں۔ **وما علینا الا البلاغ** مواہب لدنیہ میں ذکر ہے کہ یہ حدیث امام طحاوی نے شرح مشکوۃ الاثار میں نقل کی ہے۔ یہ اکابر علماء احناف سے ہیں۔ پہلے یہ شافعی مذہب رکھتے تھے بعد میں انہوں نے حنفی مسلک اختیار فرمایا اور وہاں سے یہ حدیث قاضی عیاض مالکی نے نقل کی ہے کہ امام طحاوی کہتے ہیں کہ محدثین میں احمد بن صالح اعلیٰ پایہ کے بزرگ صاحب علم ہیں۔ انہوں نے امام بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ علم میں دسترس رکھنے والے کسی بھی فرد کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کے حفظ میں تخالف و تغافل برتے۔ کیونکہ ان کی حدیث علامات نبوی سے ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ صحیح حدیث نہیں ہے اور ابن جوزی اس کو موضوعات میں شمار کرتے ہیں۔ بے شک اس کی سند میں احمد بن داؤد متروک الحدیث اور کذاب ہے جس طرح کہ دار قطنی کہتے ہیں اور ابن حبان نے اس کو کہا ہے کہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ علاوہ ازیں ابن جوزی نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن شاہین نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس سے وضع کرنے والے شخص کی غفلت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ فضیلت کی ظاہری

صورت کو اس نے دیکھا اور اس کا عدم فائدہ ملحوظ نظر نہ رکھا اور یہ نہ سمجھا کہ غروب آفتاب پر عصر کی نماز قضا ہو جاتی ہے اور سورج رجوع بھی ہو تو ادا نہیں ہو سکتی۔

ایک کتاب روافض کے رد میں تحریر کی ہے اس میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ اور سند اور روات کے متعلق کہا ہے کہ یہ بنائی گئی ہے اور حیرانی یہ ہے کہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ جو کہ علوم حدیث میں جلالت قدر اور علو مرتبت کے حامل ہیں خاموش رہے ہیں اور صحت حدیث کو مبہم چھوڑتے ہوئے کوئی اس کا ثبوت نہیں لکھا۔ راقم الحروف عفا اللہ عنہ (شیخ عبدالحق صاحب) کہتا ہے کہ یہ قول کہ غروب آفتاب سے نماز عصر قضا ہو جاتی اور رجوع شمس سے ادا نہیں ہو سکتی۔ یہ قول محل نظر ہے۔ قضا تو جب نماز ہوتی ہے جب سورج غروب ہی رہے اور وقت نماز فوت ہو جائے اور اگر وقت بھی واپس آ جائے تو پھر نماز کیوں ادا نہ ہو گی۔ ادا کا مفہوم یہ ہے کہ نماز اس کے وقت پر پڑھی جائے خواہ اعادہ وقت سے ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں جب قاضی عیاض کے علو مرتبت کو اور جلالت قدر کو تسلیم کر لیا۔ تو پھر تردد اور توقف کیسا؟ مراد یہ ہے کہ ان کے مقام و مرتبہ اور کمال شان کے اعتراف کے بعد اب تردد و توقف چہ معنی دارد۔ اس میں تدبر کرنا چاہیے نہ کہ انکار اور بطلان پر یقین کر لیں۔ جبکہ امام طحاوی اور احمد بن صالح کی مانند اکابروں سے اس کی صحت معلوم ہو چکی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن جوزی صاحب موضوع کہنے اور اس کا دعویٰ کرنے میں جلد باز ہے اور اس بارے، میں ابن جوزی کا قول قابل اعتبار اور توجہ نہ ہے۔ جیسے کہ شیخ ابن حجر عسقلانی اس حدیث میں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ **سدو کل باب الا باب علی** یعنی کہ مسجد نبوی کی طرف جتنے دروازے ہیں سب بند کردو سوائے دروازہ علی کے۔ ابن جوزی اس کو موضوع قرار دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے حدیث کو بیان کرتے ہیں کہ **سدوا کل خوخة الا خوخة ابی بکر** سوائے ابوبکر کے دروازہ کے ہر دروازہ بند کردو۔ ہم نے اس کو تاریخ مدینہ میں بیان کر دیا ہے۔ شیخ محمد سخاوی نے مقاصد حسنہ میں فرمایا ہے کہ امام احمد نے کہا **لا اصل لہ** یعنی یہ کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن جوزی نے ان کی متابعت کرتے ہوئے اس حدیث کو موضوعات میں نقل کر دیا۔ جبکہ امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہما نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن مندہ اور ابن شاہین سے ابن مردویہ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انتہیٰ علاوہ ازیں مواہب میں نقل کیا گیا ہے کہ طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ معجم کبیر میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ جیسے کہ شیخ الاسلام بن عراقی شرح تقریب میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یوشع علیہ السلام کی حدیث سے پتہ نہ چلا کہ رد شمس یوشع علیہ السلام کے خصائص سے ہے۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے رد شمس کی روایت شدہ حدیث ضعف پر دلالت کرتی ہے اور احمد بن صالح مصری نے اس حدیث کو صحیح بیان کیا ہے۔ لیکن یہ حدیث کتب صحاح اور حسان میں نقل نہیں کی گئی اور تلاش و جستجو کے باوجود یہ حدیث حسن و منفرد منقول ہوئی ہے۔ اس لئے اہل بیت سے ایک غیر معروف اور مجہول عورت نے نقل کیا ہے۔ جس کے حال سے کوئی واقف نہ ہے۔ انتہیٰ۔

پوشیدہ نہ رہے کہ انہوں نے جو کہا ہے کہ یہ کتب صحاح میں مذکور نہیں اور یہ حسن و منفرد ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ اس لئے کہ امام طحاوی۔ احمد بن صالح طبرانی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ اس کی صحت کے اور اس کے حسن ہونے کے قائل ہیں اور اسے اپنی کتب میں نقل کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اب یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ یہ کتب صحاح و حسان میں مذکور نہیں اور ان کا تمام کتب صحاح و حسان میں منقول ہونا لازم بھی نہیں ہے علاوہ ازیں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کے حال کے متعلق کہنا کہ اہل بیت سے ایک مجہول و غیر معروف کا نقل کردہ ہے۔ جس کے حال سے کوئی واقف نہ ہے یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ وہ جمیلہ و جلیلہ تھیں اور عاقلہ اور دانشمند عورت تھیں ان کے حالات بھی معلوم اور معروف ہیں اور وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان سے عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے ازاں بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آگئیں۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بعد وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں بھی آئیں۔ ان سے یحییٰ بن علی مرتضیٰ تولد ہوئے تھے۔

حضرت علی کا نماز باجماعت سے پیچھے رہنا:۔ کچھ لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ یہ بعید ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت کی معیت میں نماز پڑھنے سے رہ جائیں حالانکہ اس میں کوئی بعد نہیں پایا جاتا۔ اس طرح کے حوادث اور حوائج بکثرت ہیں جن کے باعث ایسا واقعہ ہو سکتا ہے۔

روایت ہوا ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو کسی کام کے لئے بھیجا تھا اور غزوہ خیبر کے متعلق بہت سے کام تھے ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت نے عصر کی نماز ادا کی ہو گی جس میں حضرت علی شامل نہ تھے۔ لہٰذا یہ واقعہ ظاہر ہوا ہو گا۔ (واللہ اعلم)

لیلتہ التعریس کا واقعہ:۔ لیلتہ التعریس کا واقعہ بھی غزوہ خیبر کے واقعات سے ہے۔ مسافر کا رات کے آخری حصہ میں اترنا اور سونا تعریس کہلاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے واپسی سفر کے دوران ایک رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند غالب آ رہی تھی تو آپ نے رات کے آخری حصہ میں خواب و استراحت کی خاطر قیام کیا۔ اور بلال رضی اللہ عنہ کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم سوئیں گے۔ لیکن تم نگہداشت کرنا خود جاگتے رہنا اور صبح ہونے کا خیال رکھنا۔ صبح ہونے پر ہم کو جگا دینا تاکہ نماز فجر نہ چھوٹے۔ آپ نے تہجد کی نماز سونے سے پہلے پڑھ لی تھی۔ اس کے بعد نیند غالب ہوئی اور اس نے مزید مہلت نہ دی۔ حدیث میں ہے کہ نیند یا کمزوری کوئی بیماری اگر مانع ہوتی تو آپ رات کا قیام قضا فرما لیتے اور زوال آفتاب سے قبل رات والی نماز پڑھ لیتے۔ اس واقعہ میں کوئی راز ضرور ہو گا۔ تاکہ ضعفائے امت کو اس سے فائدہ ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جاگتے رہنے کے لئے مستعد ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ نمازیں اس قدر پڑھیں جتنی کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق ملی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معہ صحابہ کے بشمول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم سو گئے۔

یہ بات بھی روایت میں وارد ہے کہ حضرت صدیق نے بھی بلال رضی اللہ عنہ کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے بلال نیند سے اپنی آنکھوں کو ہشیار رکھنا۔ حضرت بلال کے ذمہ یہ بار گران تھا۔ وقت صبح قریب تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کجاوہ کے ساتھ ٹیک لگائی اور طلوع فجر کی طرف توجہ کی اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ناگاہ بلال کی آنکھیں بوجھل ہوئیں اور بے اختیاری میں بند ہو گئی۔ سو گئے۔ جبکہ وہ اپنے اونٹ سے تکیہ کئے ہوئے تھے ایک روایت میں آیا ہے کہ اپنی پگڑی کھولی اور اس سے احتباء کر لیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیدار نہ ہوئے اور نہ ہی کوئی صحابی جاگا اور سورج چڑھ آیا۔ پھر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جاگے۔ نیند میں سونے اور نماز قضا ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی قہر و جلالی اور اس کی تجلی کا ڈر ہوا۔ آپ کے بعد دیگر صحابہ بھی جاگ اٹھے۔ آنحضرت نے حضرت بلال کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ بلال! تم کیوں سو گئے تھے حضرت بلال نے عرض کیا کہ یا رسول! میں کیا بتا سکتا ہوں مجھے بھی اس چیز نے مغلوب کیا۔ جس کا آپ پر غلبہ تھا باوجود بیداری کی اس قوت کے جو کہ آپ کو میسر ہے۔ دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ بلال کے پاس شیطان آیا تھا جبکہ وہ نماز میں مشغول تھے۔ شیطان نے بلال کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور ان کو تھپک تھپک کر سلا دیتے ہیں اور بلال سو گئے۔ ازاں بعد آپ نے بلال کو طلب فرمایا اور ان سے پوچھا کہ تم کس طرح سو گئے تھے انہوں نے بھی اسی طرح ہی بتایا جیسے کہ آنحضور نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پکار اٹھے۔ **اشهد انک رسول اللہ والحق** یہ تجدید ایمان اور تصدیق و شہادت کا مقام ہے تاکہ کوئی شیطانی وسوسہ حائل نہ ہونے پائے پھر آنحضرت نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہاں سے اپنے اونٹ اٹھا کر لے چلو پس صحابہ نے اونٹ اٹھائے اور چل پڑے۔ اس وادی سے رخصت ہو جانے کی وجہ پر علماء مختلف الرائے ہیں۔ کوئی تو کہتا ہے کہ چونکہ ممنوعہ اوقات اور مکروہ میں قضاء نماز ادا کرنا جائز نہ تھا جیسے کہ مذہب حنفیہ میں ہے۔ فرمایا ہے کہ اس لئے وہاں سے چل پڑے تاکہ سورج بلند ہو جائے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اوقات مکروہہ نماز کی ممانعت نوافل سے مخصوص ہے۔ جیسے شوافع نے کہا ہے کہ اس وادی سے آنحضرت کو کوچ کی وجہ یہ تھی کہ وہ شیطانی مقام تھا۔ جس طرح کہ روایت میں صریحاً مذکور ہے ورنہ وضو کرتے ہوئے اور اذان و اقامت وغیرہ کے جانے تک آفتاب کا بلند ہو جانا یقینی تھا۔ اور نماز ممنوع و مکروہہ وقت میں واقعہ نہ ہوتی تھی اور اس طرح وہاں سے کوچ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جب دوسری جگہ پر پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وضو فرمایا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم فرمایا۔ پھر اقامت کے ساتھ اصحابہ سمیت نماز ادا کی۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء نماز کے لئے اذان نہیں ہے اور اسی طرح ایک قول شوافع کا ہے اور شوافع کا دوسرا قول ہے کہ نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔ ہدایہ میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لیلۃ التعریس کی صبح کو اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر کی قضاء ادا کی تھی۔ اس باب میں شیخ ابن الہمام نے صحیح احادیث کی نقل کی ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ دخول وقت کی خاطر اور مسلمانوں کو بلانے

کے لئے تنہا اذان دینا مشروع ہے اور یہاں تو وہ تمام حاضر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف خبر کرنے کے لئے ہی اذان نہیں ہے۔ بلکہ اذان کے کلمات کی ادائگی سے حصول ثواب بھی ہے اور اسی کے ساتھ نماز کی تکمیل بھی مشروع ہے اور اسی سبب سے یہ افضل ہے کہ ایک ہی فرد اذان اور اقامت کہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک چرواہا اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو آپ نے فرمایا "علی الفطرۃ" یعنی یہ دین فطرت پر ہے اور امام شافعی کا جو دوسرا قول ہے وہ تو نہایت تعجب خیز ہے کہ اذان نہ اقامت کوئی بھی کہی جائے۔

صحابہ کرام جب بڑے پریشان و غمگین دکھائی دیئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا۔ حق تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض فرمائی تھیں اور اگر اس کی مرضی ہوتی تو اس کے سوا زمانہ میں وہ ہمیں بیدار کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کو نماز بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے اور حدیثوں میں سونا بھی مذکور ہوا ہے دیگر ایک روایت میں ہے کہ نیند بھی نسیان میں شامل ہے اور وہ مستلزم رکھی گئی ہے۔

تنبیہہ :- یہاں پر اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **تنام عیناى ولاینام قلبى** یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں ہوتا مراد یہ کہ میرا سونا صرف اسی قدر ہے کہ میں اپنی آنکھیں موند لیتا ہوں لیکن میرا دل خبردار رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ میں دوران خواب بھی تمہاری گفتگو سنتا ہوں چنانچہ آنحضرت کی نیند ناقص وضوء نہ ہے۔ آپ کا سابقہ وضو بحال رہتا ہے علماء کے نزدیک یہ خصائص نبوی سے ہے۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ اس بارے میں جملہ انبیاء علیہم السلام برابر ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے خواب و رویاء وحی ہوتے ہیں۔ پس بغیر بیداری کے یہ وحی کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا دل کی بیداری کے باوجود کیوں طلوع فجر کی خبر نہ ہوئی اس کا جواب علماء اس طرح دیتے ہیں کہ طلوع و غروب کا دیکھنا تو آنکھ کا کام ہے اور آنکھ بند ہوتے ہوئے طلوع و غروب کی خبر نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ کوئی بیداری کی حالت میں تہ خانہ میں بیٹھا ہوا ہو۔ یا آگے اور پیچھے ہمہ جانب تہ در تہ پردے ہوں۔ تو طلوع و غروب نہیں ہوتا۔ پس صرف دل کی بیداری کفالت نہیں کرتی لیکن ہنوز ایک شبہ باقی ہے کہ اس کا پتہ بذریعہ وحی یا الہام کیوں نہ ہوا۔ جیسے کہ کوئی علم نجوم کا ماہر خواہ تہ خانے میں ہی ہو وہ گھڑیوں کے شمار سے معلوم کر لیتا ہے کہ فجر کا طلوع ہو گیا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ کشف نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ لہٰذا وحی کا نزول نہ ہوا۔ تاکہ خوائت کی قضاء کی تشریع کا سبب بنے اور اتباع اور اک کا شرف ہو۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سہو اور نسیان وارد ہونے کے بیان میں ہے۔

بندہ مسکین (شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ) کہتا ہے کہ دل تو یقیناً" بیدار ہی ہو گا اس پر نیند و خواب کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ امکان یہ ہے کہ شاید اس دوران آپ مشاہدہ ربانی میں ہوں اور اس میں کمال استغراق کے باعث آپ ماسواء ہر صور و معانی سے بے نیاز ہوں۔ جیسے کہ بعض اوقات پر یا بوقت وحی وغیرہ اس طرح کی حالت ہوتی ہے۔ یہ بوجہ عدم ادراک 'نسیان غفلت یا نیند نہ ہے بلکہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب اطہر پر حالت عظیم کا طاری ہو جاتا ہے۔ اسے کوئی نہیں جان سکتا سوائے اللہ تعالیٰ عزوجل کے۔

کچھ صوفیاء نے فرمایا ہے کہ یہ خواب اور فراموشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ابتلائے الیہ تھا۔ یہ اس لئے ہوا کہ تدبیر اختیار کی گئی اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد نہ کیا۔ آپ نے رات کی نگہبانی پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا۔ اس طرح تدبیر کو اختیار فرمایا صوفیاء کے نزدیک یہ ایک بڑا بنیادی اصول ہے وہ اس کو اسقاط تدبیر اور ترک اختیار کہا کرتے ہیں۔ اور یہ ٹھیک بات ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایسی بات ہمیں پسندیدہ نہیں اس طرح سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند وبالا مرتبہ اور آپ کی بارگاہ عزت میں اعتراض کا گمان ہوتا ہے۔ جبکہ تمسک بالا اسباب اور اس کی رعایت کرنا تحقیق و تمکین کے مرتبہ کی انتہا ہے اور یہ توکل اور تفویض کے خلاف نہ ہے۔ تدبیر و اختیار اس مقام پر منع ہے جہاں پر اپنے نفس کی طرف سے ہو اور جہاں حاکم شرح ہو وہاں پر نہیں۔ جیسے اس کے اپنے مقام پر حال کا تقاضہ کیا ہوتا ہے۔ المختصر یہ کہ سید کائنات علیہ **افضل الصلوۃ و اکمل التسلیمات** کے حال شریف میں کلام کرنا دائرہ ادب سے باہر ہے خواہ عقل و قیاس اور معرفت کی دریافت سے ہی کیوں نہ ہو اور اس کا حکم متشابہات کے حکم کی طرح ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ فتدبروا۔

گدھے کے گوشت کی حرمت:۔ اس غزوہ کا دیگر واقعہ یہ ہے کہ گھریلو گدھے کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب خیبر فتح کر لینے کے دن شام کا وقت ہوا تو مسلمانوں نے متعدد جگہوں پر آگ روشن کی۔ پس آنحضرت نے پوچھا کہ یہ آگ کیسی اور کیوں روشن کی گئی ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آگ پر گوشت بھون رہے ہیں آپ نے پوچھا کہ کس چیز کا گوشت ہے لوگوں نے بتایا کہ پالتو گدھوں کا گوشت ہے آنحضرت نے حکم فرمایا کہ گوشت زمین پر پلٹ دو اور ہانڈیاں توڑ دی جائیں۔ کسی نے عرض کیا کہ توڑ دیں یا کہ دھو ڈالیں آپ نے فرمایا دھو ڈالو۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ حماء الفنسی یا حمار اہلی کہنے سے حمار وحشی یعنی جنگلی گدھے سے احتراز فرمایا ہے۔ اس لئے کہ وحشی حمار حلال ہے اور پالتو گدھا بھی پہلے حلال ہی تھا اب اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (کذافی امواہب)

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن اوفی نے کہا ہے کہ خیبر کے روز ہم کو بھوک لگی۔ ہم نے ہانڈیاں آگ پر رکھیں کہ گدھے کا گوشت پکالیں۔ بعض ہانڈیاں پک چکی تھیں اور بعض ابھی کچی ہی تھیں۔ تو اعلان کیا گیا کہ ان کو پھینک دیا جائے اور ہانڈیاں توڑ دی جائیں حضرت بن اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ بعض صحابہ کے نزدیک اس کو حرام اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان سے خمس نہ نکالا گیا تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ بوجھ لادنے کے باعث تھا کیونکہ اس وقت گدھوں کی ضرورت تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ گدھے کا گوشت کھایا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس کے بعد دیگر ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ گدھے کا گوشت کھایا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی اس کے بعد دیگر ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ گدھے کا گوشت کھالیا گیا ہے۔ آنجناب نے پھر سکوت فرمایا۔ اس کے بعد تیسرا شخص آیا اور اس نے کہا کہ گدھے بلید اور فنا کئے گئے ہیں۔ اس دفعہ آپ نے حکم فرمایا کہ اعلان کر دیں کہ اللہ

تعالیٰ اور اس کا رسول گدھوں کے گوشت کی ممانعت فرماتے ہیں۔
اور حق یہ ہے کہ ممانعت بوجہ حرمت و نجاست ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم صبح کے وقت خیبر میں داخل ہوئے۔ خیبر والے اس وقت زراعت کے آلات لے کر نکل رہے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھ کر کہنے لگے۔ واللہ محمد والخمیس۔ اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پانچ رکنی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ آ گئے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللّٰہ اکبر خربت خیبر انا اذا انزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین ازاں بعد ہم نے گدھوں کا گوشت پایا تو آنحضور نے اعلان کرایا کہ خدا اور اس کا رسول گدھوں کا گوشت منع فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ ناپاک ہے اور پلید ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث سے اس حدیث کو منافات نہیں ہے۔ اور خمس نہ نکالے جانے کی وجہ سے حرام کیا جانا یا بوجہ لادنے کی غرض کی بنا پر ممانعت ہونا۔ یہ تاویل وہ لوگ کرتے ہیں جو گدھے کے گوشت کو مباح سمجھتے ہیں۔ جس طرح کہ امام مالک سے منقول ہے اور جمہور علماء اس مذہب پر ہیں کہ مطلقاً" حرام ہے دیگر ایک میں ہے کہ گدھوں کا گوشت حرام کر دیا اور رخصت دی اور ایک روایت میں ہے کہ اجازت فرمائی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ گھوڑے کے گوشت کا حکم فرمایا۔

گھوڑے کا گوشت:۔ مواہب الدنیہ کے مولف فرماتے ہیں کہ علماء کو گھوڑے کے گوشت کے متعلق اختلاف ہے۔ تمام سلف اور خلف اور شافعین کے مذہب میں مباح ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی کراہت نہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر۔ ابن مالک اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑے ذبح کرتے اور کھاتے تھے جبکہ ہم مدینہ شریف میں تھے اور دار قطنی کی حدیث میں آیا ہے کہ ہم اور اہل بیت نبوت کھایا کرتے تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ سیدہ اسماء نے جو فرمایا ہے کہ ہم مدینہ میں تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا وقوع بعد از فرضیت جہاد تھا۔ لہٰذا اس سے اس شخص کا رد ہو جاتا ہے جو کہتا ہے کہ یہ آلاو جہاد میں سے ہے اس لئے اس کا کھانا منع ہے اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے کہ اہل بیت نبوت بھی کھایا کرتے تھے۔ اس سے اس آدمی کا بھی رد ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے یہ حجت ہے جو خیال کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ بات نہ تھی۔ کیونکہ اگر آنحضرت کو اس بارے میں خبر نہ ہوتی تو یہ ہرگز گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت کی جبین حیات میں آل ابوبکر کوئی ایسا کام کرتے سوائے اس کے کہ اس کے جواز سے خبردار ہوں آل ابوبکر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑا اختلاط تھا اور صحابہ کو بھی نبی کریم سے مسائل دریافت کرنے کا بڑا شوق ہوتا تھا۔ لہٰذا راجح اور مختار یہ ہے کہ جب کوئی صحابی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم اس طرح کیا کرتے تھے کہ اس بارے میں لازماً" وہ حکم رفع رکھتا ہو گا۔ کیونکہ اس سے آنحضرت کو ضرور خبر ہو گی اور آپ نے اسے برقرار رکھا ہو گا۔ اور آل ابوبکر کیونکر اس سے باعلم نہ ہوں گے جبکہ یہ حکم مطلق صحابہ کے لئے ہے۔
امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ گھوڑے کا گوشت کھانے میں کراہت کی جانب ہیں

اور صاحبین اور غیر صاحبین اس کے مخالف ہیں اور اس کی حالت میں اخبار متواترہ سے دلیل قائم کی ہے۔ انتہیٰ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ تابعین نے بلا استثناء تمام صحابہ سے اس کی مطلق حلت روایت کی ہے ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح بر شرط شیخین حضرت عطاء سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ اس کو سلف ہمیشہ ہی کھاتے تھے اس میں یہ تصریح ہے کہ ان کو پوچھا کہ کیا سلف سے آپ صحابہ رسول مراد لیتے ہیں۔ تو حضرت عطاء نے فرمایا کہ ہاں۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی جو کراہت منقول ہوئی ہے۔ جس کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق دونوں ضعیف سند سے روایت کرتے ہیں اور جامع صغیر میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ میں گھوڑے کا گوشت مکروہ جانتا ہوں اور ابوبکر رازی اسے مکروہ تنزیہی پر محمول کر کے کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں مکروہ تحریمی کا اطلاق نہیں فرمایا ہے اور وہ گھوڑے کو حمار اہلی کی طرح نہیں جانتے اور صاحب محیط و ہدایہ اور ذخیرہ تحریم کی تصیح کرتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ احناف کی اکثریت کا قول ہے۔ قرطبی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ امام مالک کا مذہب کراہت پر ہے اور فاکہانی نے کہا ہے کہ مالکیہ میں کراہت مشہور ہے اور ان کی محققین صحیح تحریم کہتے ہیں اور ابن ابی حمزہ نے کہا ہے کہ اس کے مطلق جائز ہونے پر واضح دلیل ہے لیکن امام مالک کے نزدیک یہ کھانا اس لئے مکروہ ہے کہ یہ جہاد میں مستعمل ہے لہٰذا کراہت کا سبب خارجی ہے ذات حیوان میں نہیں اور اس کی اباحت پر متفق علیہ روایت موجود ہے۔ اگر بوقت ذبح کوئی اس طرح کی بات لاحق ہو جو کہ عموماً ذبح کے وقت ہو جاتی ہے۔ جس کے باعث ذبیحہ کا کھانا ممتنع اور متروک ہو جاتا ہے تو اس سے قول تحریک لازم نہیں آجاتا۔

بعض تابعین نے جو کہا ہے کہ اگر لحم فرس حلال ہوتا تو اضحیہ یعنی قربانی بھی جائز ہوتی۔ یہ قول وحشی حیوانوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ وہ ماکول ہیں لیکن ان کے ساتھ قربانی مشروع نہیں۔ لیکن ابوداؤد اور نسائی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخیال و حمر کے گوشت ممنوع فرمائے ہیں۔ اور اگر اس کا ثبوت مان لیا جائے پھر بھی یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض نہیں جو کہ جواز ثابت کرتی ہے اور اس کو موافقت میں حضرت اسماء کی حدیث آئی ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اکابرین علماء و محدثین نے ضعیف کہا۔ مثلاً امام احمد' امام بخاری' دار قطنی' خطابی' ابن عبداللہ اور عبدالحق وغیرھم۔

بعض محدثین کا خیال ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے۔ رخص فی الخیل یعنی گھوڑے کے گوشت میں رخصت دی گئی اور رخصت استباحت کے معانی میں قیام مانع کے ساتھ محظور ہے۔ پس یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ رخصت مخمصہ کے سبب تھی جو ان کو آپڑا تھا اور مطلق حلت پر دلالت نہیں کرتی اور اس بات کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اکثر روایتوں میں اذن کا لفظ یہ آیا ہے۔ جس طرح کہ مسلم میں آیا ہے اور اسی میں ایک یہ روایت بھی ہے کہ ہم خیبر کے دنوں میں گھوڑے اور وحشی گدھوں کا گوشت کھاتے تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھریلو حمار کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کا امر کیا اور حدیث یہ دلالت کرتی ہے کہ رخص کا

معنی اذن ہے۔ اگر مخمصہ کے سبب سے رخصت ہوتی تو اس ضمن میں پالتو گدھے زیادہ مناسب ہوتے کیونکہ ان کی کثرت ہوتی ہے اور گھوڑے اس وقت بڑی قیمت کے ہوتے تھے اور ان کی اہمیت و عزت بھی تھی پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت اباحت عامہ کی وجہ سے تھی اور کسی خاص ضرورت کے سبب نہ تھی۔ یہ تمام باتیں مواہب الدینہ میں ذکر شدہ ہیں۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے' اس میں صاحبین اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ اسے مکروہ نہیں جانتے اور قاضی امام صدر الاسلام نے کہا ہے کہ کراہت سے تحریم ہی مراد ہے ان کے برادر فخر الاسلام شیخ امام علی بزروی نے فرمایا ہے کہ کراہت سے تنزیہہ مراد ہے اور شیخ الاسلام امام سرخسی فرماتے ہیں کہ جو کچھ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ احوط ہے اور جو کچھ صاحبین فرماتے ہیں۔ وہ عوام کے لئے وسیع ہے اور کتاب خلاصہ میں کہا گیا ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور اصح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور کافی میں کہا ہے کہ مکروہ سے مراد کراہت تنزیہی ہے اور یہ ہی صحیح ہے۔ فخر الاسلام اور ابو نعیم اپنی اپنی جامع میں اسی جانب گئے ہیں۔ امام اسجابی بھی اسی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور امام سرخسی نے کہا ہے۔ کہ طرف ظاہر کی بنیاد پر ارفق زیادہ نرم ہے کہ وہ بغیر نکیر کے گھوڑے کا گوشت فروخت کریں۔

اور کفایۃ المنتہیٰ میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ اپنے وصال سے تین دن قبل گھوڑے کے گوشت کی حرمت سے رجوع فرما چکے تھے۔ فتویٰ اس پر ہے احناف کے لئے گھوڑے کا گوشت کھانے اور اس کی جرات پر یہ کافی ہے کہ ماوراالنہر کے علماء اس کی اباحت پر متفق ہیں اور بعض متقی احناف سے شنید ہے کہ وہ خود نہ کھاتے تھے لیکن مہمانوں کی ضیافت کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

پیاز اور لہسن:۔ لہسن (تھوم) کھانے کی حرمت بھی اسی غزوہ کا ایک واقعہ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ لہسن اور پیاز کھانا حرام نہیں۔ لیکن یہ ہے کہ لہسن و پیاز کھا کر مساجد میں یا مجلس خیر میں نہ جائیں وہاں جانا مکروہ ہے۔ اس لئے لوگوں کو اس کی بو سے تکلیف ہوتی ہے اور تمام ذی ناب درندے حرام قرار دیئے گئے۔ اور قبل از تقسیم غنائم کا بیچنا حرام قرار دیا نیز و قبل از استبراء ممنوع ہوئی۔ یعنی جب تک حاملہ باندیاں بچہ نہ جن لیں جماع کرنا منع ہے اور عورتوں سے متعہ کرنا بھی منع کر دیا گیا۔ متعہ مقررہ وقت کے لئے نکاح کرنے کو کہتے ہیں۔

متعہ حرام ہے:۔ متعہ کا حرام قرار دینا اسی غزوہ کا واقعہ ہے۔ آغاز اسلام سے لے کر غزوہ خیبر تک کے دوران متعہ مباح تھا۔ ازاں بعد غزوہ میں متعہ حرام فرمایا گیا۔ اس کے پھر اسی غزوہ سے فتح مکہ یعنی روز اوطاس تک متعہ مباح فرمایا گیا۔ یوم اوطاس مکہ کی فتح کے بعد ہے۔ اس کو فتح مکہ سے نہایت متصل ہونے کے باعث فتح مکہ سے موسوم کرتے ہیں اور اس سے تین روز بعد دائمی طور اسے حرام قرار دیا گیا۔ اس کی حرمت دائمی ہے۔ اس بارے میں سوائے رافضی لوگوں کے کسی کو

اختلاف نہیں۔

خود کشی کا ارتکاب:۔ بے نظیر انداز میں جنگ کرنے والے اور کسی مشرک کو نہ چھوڑنے والے ایک آدمی کا خود کشی کرنا بھی اس غزوہ کا واقعہ ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ اس نے اپنی تلوار سے یا تو مشرک کو ہلاک کیا یا زخمی کر دیا مسلمان یہ دیکھ کر آپس میں کہتے تھے کہ ہم میں سے کسی نے بھی میدان جنگ میں اس طرح کی جرائت اور کارکردگی نہیں کی۔ لوگوں نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دیتے ہوئے عرض کیا۔ یارسول اللہ! فلاں آدمی کی کارکردگی ایسی ہے کہ کسی اور نے اس طرح کا کارنامہ نہیں کیا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ خبردار ہو جاؤ اور جان لو کہ وہ آدمی بے شک اہل نار سے ہے۔ مسلمانوں کو بڑا تعجب اور حیرانی تھی کہ وہ تو میدان جنگ میں بڑی فداکاری و بے جگری سے مشرکوں سے برسرپیکار ہے اور آنحضرت اس اس طرح فرماتے ہیں۔ چاہیے کہ حقیقت حال معلوم کریں اور نزدیک تھا کہ مسلمان شک میں مبتلا ہو جائیں۔ ہم میں سے ایک کہنے لگا کہ آج تمام دن میں اس کے ساتھ ساتھ رہوں گا اور دیکھوں گا کہ اصل حال کیسا ہے۔ دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس کے پیچھے لگ گیا تھا اور جہاں بھی وہ جاتا میں بھی پیچھے پیچھے وہاں جاتا۔ وہ جہاں کھڑا ہو جاتا تھا میں بھی وہاں کھڑا ہو جاتا تھا اور جہاں پر وہ تیزی کرتا تھا میں بھی ویسے ہی تیز ہو جاتا تھا۔ اس نے شدید جنگ کی نہایت بے جگری سے لڑائی کی۔ حتیٰ کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اسے شدید زخمی ہونے سے تنگی محسوس ہوئی تو اپنی تلوار کا دستہ زمین پر رکھ کر تلوار کی نوک اپنے دونوں پستانوں کے مابین کر کے اس پر جھک گیا۔ اس طریقے سے اس نے خود کشی کر لی۔ اس کا تعاقب کرنے والے مسلمان نے یہ حال دیکھا تو فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں بھاگا بھاگا آیا۔ اور کہا۔ **اشهد انک رسول اللّٰہ** آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے شہادت کی تجدید چہ معنی دارد؟ اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ اس آدمی نے مشرکین سے شدید جنگ کی۔ اور آپ نے فرمایا کہ وہ اہل نار سے ہے۔ آپ کا اس طرح خبر دینا ہمیں بڑا گراں محسوس ہوا۔ پس میں اس کے پیچھے لگ گیا کہ حقیقت معلوم ہو۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا وہ سخت زخمی ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ سے خود کو ہلاک کر لیا اور قاتل نفس اور خود کشی کا مرتکب جہنمی ہے۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ آدمی بظاہر جنت کے اعمال بجا لاتا ہے حالانکہ وہ اہل نار سے ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے عمل پر غرور نہ کرنا چاہیے۔ دوسرا شخص ہے کہ جو دوزخیوں والے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت سے ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے یہ ضروری نہیں کہ ہر قاتل نفس اہل نار سے ہو سوائے اس کے کہ وہ خود کشی کرنا حلال سمجھتا ہو۔ یا یہ مطلب ہو کہ وہ اہل جہنم سے ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کو بخش نہ دے۔ اس طرح امام قسطلانی فرماتے ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ امکان ہے کہ وہ منافق ہو اور یا وہ قتل نفس کو حلال سمجھنے کے باعث مرتد ہو چکا ہو اور آنحضرت نے جو خبر ارشاد فرمائی کہ وہ اہل نار سے ہے اس کا سبب یہی ہے دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے حکم فرمایا کہ کوئی شخص سوائے مومن کے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور فاجر آدمی سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید و تقویت کرا لیتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے واقعات وہ ہیں جو غزوہ خیبر کے واقعات میں شامل نہ ہیں لیکن ان کے متصل قریب ہی رونما

ہوئے۔ مثلاً فتح فدک کا واقعہ ہے۔ خیبر کے قریب ہی ایک موضع کو فدک کہا جاتا ہے اہل سیر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوالیٔ خیبر میں آئے تو آپ نے محیصہ بن مسعود حارثی رضی اللہ عنہ کو فدک میں بھیجا۔ یہ حویصہ بن مسعود حارثی رضی اللہ عنہ کے برادر تھے۔ وہاں بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ اس جگہ کے باشندوں کو دعوت اسلام پیش کریں اور ان کو خبر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی تمہارے ساتھ جنگ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ جیسے کہ خیبر والوں کے ساتھ جنگ کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اہل فدک نے کہا کہ ہم دس ہزار جنگجو رکھتے ہیں۔ ہم خیال نہیں کرتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ان کے مقابلے میں جم سکیں گے۔ محیصہ رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر کہ اہل فدک صلح کی طرف دیکھ مائل نہیں ہوتے واپس آگئے اور بارگاہ نبوت میں تمام حلال عرض کیا۔ بعد ازاں اہل فدک کے سرداروں کی جماعت اپنے ساتھ بعض یہود فدک کو لئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہ معاملہ صلح طے ہو۔ بحث و گفتگو سے یہ قرار پایا کہ فدک کی نصف زمین آنحضرت کو دے دی جائے اور نصف اپنے لئے باقی رکھیں۔ حضرت فاروق اعظم بن خطاب رضی کے دور خلافت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو فدک کی زمین سے نکال دیا اور وہ جانب شام بھیج دیئے گئے۔ ان کے حصہ کی نصف زمین بیت المال سے پچاس ہزار درہم میں خرید لی گئی۔ فدک اور وہاں کے اموال کے حال کا تذکرہ انشاء اللہ اپنے مناسب مقام پر ہوگا۔

خیبر والوں کو بھی حضرت فاروق اعظم نے خیبر سے نکال دیا تو وہاں کے یہودی کہنے لگے۔ اے عمر! جو چیز ابو القاسم نے متعین فرمائی تھی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تم اس کے خلاف کیوں کرتے ہو' آپ نے جواب دیا کہ تمہیں معلوم رہے کہ میں اس روز حاضر نہ تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تم سے نہ فرمایا تھا کہ تم ہمیشہ یہاں رہو گے۔ پس جب تک ہماری رضامندی رہی تم یہاں پر مقیم رہے۔ اب ہم یہ نہیں چاہتے۔ بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پختہ اور مصمم ارادہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے کہ یہود کو لازماً" نکالا جائے گا اس کے بعد یعنی الحقیق سے ایک آدمی نے آکر کہا۔ اے عمر! تم ہم کو یہاں سے باہر نکالتے ہو جبکہ ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں یہاں مقرر فرمادیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے جواب دیا کہ تم کیا سوچتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ بات بھول جاؤں گا جو تم سے فرمایا تھا کہ تمہارا امال اس وقت کیسا ہو گا جب تم یہاں سے نکالے جاؤ گے اور دوران شب اونٹ دوڑیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ تم یہاں متعدد راتوں میں باہر نکلو گے۔ یہاں کہنے لگا یہ تو ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مذاق کے طور پر فرمائی تھی اور جد و جزم کے طور پر نہیں کہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے خدا کے دشمن! تم جھوٹ بکواس کر رہے ہو۔ ازاں بعد وہاں سے نکال دیئے گئے ان کے اموال کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کا تمام مال اسباب اونٹ وغیرہ یہاں کے رسوں اور پالانوں کی بھی قیمت ادا کر دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر سے واپسی پر وادی القریٰ کی طرف توجہ فرمائی اور آپ منزل صہبا پر قیام پذیر ہوئے۔ اسی جگہ پر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زفاف بھی فرمایا تھا اور یہی مقام ہے جہاں پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ

وجہ کی خاطر رد شمس کا وقوع ہوا۔

غزوہ وادی القریٰ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی القریٰ میں چار روز تک محاصرہ متواتر رکھا۔ اہل وادی بھی جنگ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے۔ آنحضرت نے جنگ و قتال کے لئے صفیں اراستہ فرمائیں۔ کسی ایک صحابی کو جھنڈا عطا فرمایا علم بردار کے متعلق اہل سیر مختلف الرائے ہیں۔ پہلے اہل وادی کو اسلام کی دعوت دی گئی۔ فرمایا گیا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو گے تو تمہارے جان و مال سب محفوظ رہیں گے۔ اور حق تعالیٰ پر تمہارا محاسبہ ہوگا۔ آنحضرت کی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ کیا اور بدستور آمادہ جنگ رہے پس شام تک جنگ ہوتی رہی۔ دس یہودی جہنم رسید ہو گئے۔ اگلے دن فتح ہو گئی۔ بہت سا مال و اسباب مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل وادی القریٰ پر بڑا احسان فرمایا۔ ان کی زمینیں اور باغات ان کے قبضہ میں ہی باقی رکھے۔ تاکہ وہ اجرت پر ان میں کام کریں۔ جب وادی القریٰ کے یہود کی یہ خبر تیما کے یہود کو ملی تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے بذریعہ صلح جذیہ ادا کرنا قبول کیا۔ پھر اسی طرح سے آنحضرت نے کئی چھوٹے چھوٹے دستے (سرایا) گرد و نواح میں بھیجے۔ سریہ ابوبکر صدیق' سریہ عمر بن الخطاب' سریہ بشر بن سعد انصاری سریہ غالب بن عبداللہ لیثی میفہ پر اور غالب بن عبداللہ لیثی کا سریہ بن الملوح پر' غالب بن عبداللہ لیثی کا سریہ فدک پر رضی اللہ عنہم۔ یہ سب سریے اسی سال میں بھیجے گئے۔

عمرۃ القضاء:۔ صلحنامہ حدیبیہ کے مطابق عمرۃ القضاء اسی سال میں واقع ہوا۔ یہ ماہ ذی القعدہ ۷ھ میں ہوا شوافع کے نزدیک اسے عمرۃ القضاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ قضاء کے معنی صلح ہیں یعنی صلح حدیبیہ میں طے پایا جانے والا عمرہ کہ آئندہ سال ادا ہوگا۔ اسی وجہ سے اسے عمرۃ الصلح اور عمرۃ القضاء اور عمرۃ القضیہ بھی کہا جاتا ہے اور حنفیوں کے نزدیک سے اس لئے عمرۃ القضاء کہتے ہیں کہ یہ قضاء عمرہ ہے۔ کیونکہ روک دیئے جانے اور راستہ مسدود ہونے کے باعث عمرہ رہ گیا تھا۔ یہ اختلاف اس بناپر ہے کہ کوئی شخص عمرہ کے لئے احرام باندھ لے اور پھر وہ بیت اللہ سے روک دیا جائے تو اس کے قضاء کے واجب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ یہ مذہب رکھتے ہیں کہ اس پر ہدی یعنی دم واجب ہوتا ہے نہ کہ عمرہ کی قضا۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا مذہب اس کے الٹ ہے۔ ان کے مذہب میں قضاء واجب ہوتی ہے اور دم واجب نہیں ہے امام شافعی کی دلیل اس آیت سے ہے۔ **فان احصر ثم فما استیسر من الهدی** پس اگر تم کو روک دیا جائے تو جو کچھ تمہیں ہدی سے میسر ہو اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کی یہ دلیل ہے کہ شروع کر لینے سے عمرہ ضروری ہو چکا۔ اس کے بعد روک کے جانے سے ادا نہ ہوا۔ اب مانع اور رکاوٹ رفع ہونے پر قضاء لازم ہے۔ شوافع کا قول یہ ہے کہ حدیبیہ میں عمرہ فاسد نہ ہوا تھا بلکہ عمرے کی تکمیل ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمرہ جات کی تعداد چار تک شمار کی جاتی ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ عمرہ حدیبیہ بھی شمار میں آیا۔ اور وہ معتبر تصور کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا اجر حاصل ہو جانے پر ثابت ہو چکا ہے اور ظاہر یوں ہے کہ عمرہ واقع نہ ہوا۔ نہ ہی طواف اور سعی کا وقوع ہوا۔ خلاصتہ غزوہ خیبر سے

مراجعت اور یہ مہم مکمل ہو جانے کے بعد نیز مدینہ شریف کے اردگرد سرایہ بھیجے جانے کے بعد ذیقعد کے مہینے کے شروع میں سن سات ہجری عمرۃ القضاء کی تیاری شروع کی گئی اور آپ نے حکم فرمایا کہ حدیبیہ میں جو جو صحابہ حاضر تھے اس سفر میں وہ بھی چلیں۔ پیچھے نہ رہ جائیں ان کے علاوہ اور جو بھی چاہتا ہو وہ شریک ہو جائے لہٰذا ان میں سے جو صحابہ حیات تھے وہ تیاریاں کرنے لگے اور بارگاہ رسالت میں تیار ہو کر آ گئے بعض وہ لوگ بھی تیار ہو گئے۔ جو بیعت رضوان میں شامل نہ تھے۔ وہ بھی آنحضور کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابو درہم انصاری رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم دو ہزار صحابہ کے ساتھ ایک صد گھوڑے اور ساٹھ جانور ہدی کے لے کر روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد گھوڑے فرمادیئے اور اسلحہ بشر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ احرام باندھ کر تلبیہ کہی دوسرے مسلمانوں نے بھی آنحضرت کی پیروی میں احرام باندھے اور تلبیہ پڑھی۔ گھوڑے اور اسلحہ آگے روانہ کر دیئے گئے مکہ سے ایک منزل پیچھے۔ مرالظہران کے مقام پر قریش کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت کے متعلق دریافت کیا۔ ان کو بتایا گیا کہ وہ بھی کل تک تشریف فرما ہو جائیں گے اور اسی منزل پر قیام پذیر ہوں گے انشاء اللہ! اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ آپ بطن ماجح کے نزدیک اترے۔ قریش کو آنحضرت کی آمد پتہ چلا اور انہوں نے اسلحہ بھی دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے کیا آنحضرت ارادہ جنگ سے آئے ہیں اور صلح کو توڑ دیا ہے۔ ان کو بتایا گیا کہ صلح بدستور قائم ہے یہ اسلحہ احتیاطاً" ساتھ ہے۔ کفار مطمئن ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو صحابہ سمیت یہاں پر چھوڑ کر خود مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنے سواری قصویٰ پر سوار تھے۔ مسلمانوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال کر اپنے ساتھ لٹکالیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور تمام مسلمان تلبیہ پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔ قریش یہ خبریں سن کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چڑھے۔ آنحضرت نے ہدایا کے جانوروں کو آگے لگوایا اور ذی طویٰ میں داخل ہو گئے اور کوکبہ رسالت شنبہ سے حجون پر طلوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اونٹ کے مہار تھامے آگے آگے چلتے تھے۔ یہ بااخلاص صحابہ سے تھے اور شاعر بھی تھے۔ یہ اس طرح رجز پڑھتے ہوئے چل رہے تھے **خلوا بنی الکفار عن سبیلہ** اے کافروں کے بیٹے آنحضرت کے راستہ سے دور ہٹ جاؤ۔ **الیوم نضربکم علی تنزیلہ** آج ہم تمہیں ان کے قرآن پر ماریں گے۔ **ضربا یزیل الھام عن مقیلہ** ضرب ایسی ہو گی کہ سر کے بل گر جاؤ گے **وھذ ھل الخیل عن خلیلہ** اپنے دوست کی دوستی بھی تم کو بھول جائے گی کچھ روایات میں اس قدر مزید آیا ہے **قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ۔ فی صحف تتلی علی رسولہ۔ بان خیر القتل فی سبیلہ** بے شک رحمٰن نے اپنے قرآن میں اور دوسرے صحائف میں جو کہ اللہ کے رسول تلاوت کیا کرتے تھے نازل فرمایا ہے کہ قتل فی سبیل اللہ بہترین عمل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روبرو شعر پڑھ رہے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر اس سے کچھ نہ کہیں۔ اور شعر پڑھنے دیں۔ بلاشبہ اس کے شعر تیز تر ہیں اور کافروں کے دلوں میں چبھتے ہیں جیسے کہ تیر چبھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تلبیہ کہتے کہتے کعبہ شریف کے قریب آپہنچے۔ آپ نے حجر اسود کا استیلام فرمایا۔ آپ نے اپنے اس عصاء سے استیلام فرمایا جو اکثر اوقات آنجناب کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور سرکج کی لکڑی سے بنایا گیا تھا یہ چوگان کی طرح تھا۔ جس کو محجن کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی سواری پر سوار طوائف فرمایا اس وقت آنحضرت نے اصطباغ کیا ہوا تھا یعنی آنحضور نے اپنی چادر مبارک اپنی دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں شانے مبارک پر ڈالی ہوئی تھی اور اس طرح صحابہ بھی کئے ہوئے تھے جس وقت مکہ کے مشرکین نے یہ طعنہ زنی کی کہ آپ کے صحابہ یثرب کے بخار اور متعفن آب وہوا کے باعث کمزور اور کلل ہو چکے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ مشرکین کے سامنے طاقت و شوکت کا اظہار کریں۔ دوران طواف پہلے تین چکر اکڑ اکڑ کر لگائیں اسے رمل کہا جاتا ہے۔ اور آخری چار چکر اپنے حال کے مطابق لگائیں۔ دوڑ دوڑ کر اور اکڑ اکڑ کر پہلوان کی مانند چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ آپ نے تمام پھیروں میں دوڑ کر چلنے کا حکم نہ فرمایا۔ یہ صحابہ پر شفقت کے باعث تھا اور آپ نے فرمایا کہ اولین تین چکروں میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آہستہ چلیں کیونکہ تم مشرکوں کو دکھائی نہ دو گے۔ اس لئے کہ وہ کوہ قعیقعان پر تھے وہ پہاڑ رکن شامی اور رکن اعراقی کے سامنے تھا۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت جب طواف فرماتے تھے تو ساتھ ساتھ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس رجز کے اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ ذکر بھی پڑھو۔ **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ نصر عبدہ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ** حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ ذکر پڑھنا شروع کر دیا۔ دوسرے سب صحابہ بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہو کر یہ ذکر پڑھنے لگے۔ بعد از طواف مسجد سے نکل آئے اور سوار ہو کر درمیان صفا اور مروہ کے سعی فرمائی۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ہدی مروہ کے نزدیک لائی جائے۔ یہ نحر ہے اور مکہ شریف کی تمام گلیاں منحر ہیں۔ یعنی قربان گاہ میں ان میں نحر و قربان جائز ہے۔ ازاں بعد آپ نے مروہ کے نزدیک قربانی کی۔ اور اپنے سر اقدس کے بال منڈوائے۔ اسی طرح صحابہ نے کیا۔ ایک جماعت صحابہ کی بطن ملج بھیجی۔ تاکہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں۔ اور ہتھیاروں کے پاس ہی رہیں اور وہاں پر جو پہلے ہی صحابہ موجود تھے۔ وہ آجائیں اور اپنے نسک ادا کریں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کعبہ میں داخل ہونے کے بارے میں ایک روایت یوں ہے کہ وہاں آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی اور ایک روایت یوں بھی ہے کہ آنحضرت عمرۃ القضاء میں کعبہ میں داخل نہ ہوئے۔ قریش نے کعبہ میں داخل ہونے سے روک رکھا۔ اس لئے کہ یہ صلحنامہ میں مذکور نہ تھا۔ واقدی اسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ازاں بعد فرمایا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ اور یہ حکم ایک بار ہی تھا پھر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ میمونہ بنت حارث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام پہنچائیں۔ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طرف سے یہ بات عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پر ڈال دی۔ اس لئے کہ ان کی ہمشیرہ ام فضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر تھیں۔ ازاں بعد عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کر دیا۔ آنحضور احرام باندھے تھے

بعض کا قول یہ بھی ہے کہ آپ احرام اتار چکے تھے۔ اس میں اختلاف علماء ہے اور اصول فقہ میں یہ بحث مذکور ہو چکی ہے اور ازواج مطہرات کے تذکرہ میں اگر موقع میسر ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مکہ میں تین دن قیام پذیر رہے۔ چوتھے دن کسی آدمی کو قریش نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ وہ آنحضرت سے گزارش کریں کہ مکہ شریف سے باہر تشریف لے آئیں۔ جب حضرت علی نے عرض کیا کہ قریش اس اس طرح کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں اسی طرح ہی کرتا ہوں۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی شخص کے ذریعے قریش کے کہلا بھیجا کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کر لینے کی مہلت دے دیں۔ تاکہ تمہارے واسطے کھانا تیار کرالیں۔ قریش نے جواب دیا کہ ہم کو تمہارے کھانے کی کوئی ضرورت نہ ہے۔ آپ ہماری زمین سے باہر چلے جائیں۔ کیسی بات کی ہے انہوں نے۔ کیونکہ زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر اس کے نائب اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہے کل آخرت کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ زمین ان کی کس طرح ہوئی اور کس کے قبضہ میں آتی ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس مجلس مقدس میں موجود تھے۔ ان بدبخت لوگوں نے مبالغہ اور درشت خوئی میں حد سے تجاوز کیا تو حضرت سعد سے برداشت نہ ہو سکا اور کہہ اٹھے کہ ہم اس وقت یہاں سے جائیں گے جبکہ ہماری اپنی رضا ہو گی۔ آنحضرت نے متبسم ہوتے ہوئے حضرت سعد کو تسلی دی اور حکم دیا کہ عام اعلان کیا جائے کہ کوئی بھی صحابی رات مکہ میں نہ رہے۔ پھر اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ سے حضور نے فرمایا کہ ہمارے جانے کے بعد میمونہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے آئیں۔ اور آپ مکہ شریف سے باہر تشریف لائے اور عہد و پیمان پر کمال صبر اور برداشت سے عمل فرمایا اور ہرگز کوئی خلاف ورزی نہ فرمائی۔

بمطابق سیرت نگار حضرات جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکہ سے باہر تشریف لے جانے کے وقت آنحضور کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ رضی اللہ عنہا جو کہ اپنی والدہ سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ میں رہا کرتی تھیں وہ آنحضرت کے تعاقب میں یا عم یا عم! پکارتی ہوئی آئیں وہ عرب کی عادت کے مطابق آپ کو چچا کہہ رہی تھی اور یا اس واسطے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اٹھالیا اور آنحضرت سے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! اپنے چچا کی اس یتیم بچی کو مشرکین میں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ پھر فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اپنے چچا کی بیٹی کو اپنے ہودج میں بلالو۔ مدینہ شریف پہنچنے پر تینوں میں تکرار ہوئی۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں ان کو لے کر آیا ہوں یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے یعنی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا' زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ میرے بھائی کی بچی ہے۔ کیونکہ میرے اور حمزہ کے درمیان مواخاۃ قائم تھی۔ یہ مواخاۃ آنحضرت ہی کی مہاجرین و انصار میں قائم کردہ تھی۔ بعض علماء نے رضاعی اخوت بھی بیان کی ہے تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فیصلہ حضرت جعفر کے حق میں فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ **الخالة بمنزلة الام** یعنی خالہ ماں کی مانند ہے حدیث سے بظاہر یہ جھگڑا مکہ میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس روایت میں حضرت علی کا فرمانا بھی مذکور ہے کہ ان کو میں لایا ہوں میں ہی مکہ لانے کا سبب ہوں۔ رسول اللہ کی دختر فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے گھر میں ہیں اور وہ ہی زیادہ حق رکھتی ہیں کہ ان کی پرورش فرمائیں۔ آنحضرت نے حکم خالہ کے حق میں فرمادیا اور حضرت علی کو تسکین واطمینان دلایا۔ حضرت علی سے حضور نے فرمایا کہ **انت منی وانا منک** تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں اور جعفر رضی اللہ عنہ سے یوں فرمایا۔ **اشجت وخلقی** تم میرے اخلاق وصفات میں مشابہت رکھتے ہو اور حضرت زید کو یوں مخاطب فرمایا۔ **انت مولانا واخونا** تم ہمارے محب ومحبوب ساتھی ہو اور دینی بھائی ہو۔ حضرت جعفر سے یہ بھی فرمایا کہ انہیں پرورش کرنے کا تم کو زیادہ حق ہے کیونکہ تمہارے گھر میں اس کی خالہ موجود ہے اور خالہ بمنزلہ ماں ہوتی ہے اور عورت کا وہاں نکاح نہیں کیا جاتا جہاں اس کی پھوپھی یا خالہ پہلے موجود ہو۔ آنحضرت کے فرمودات سن کر حضرت جعفر کو بڑی خوشی حاصل ہوئی اور ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ خوشی سے جعفر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد ایک پاؤں پر گھومنے لگے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ کیا ہے تو حضرت جعفر نے عرض کیا کہ حضور میں حبشہ میں دیکھ چکا ہوں کہ وہ اپنے بادشاہوں سے اس طرح ہی کرتے تھے اور نجاشی بھی جس وقت کسی کو خوش کرے تو وہ شخص ایک پاؤں پر اس کے گرد پھرنے لگتا ہے۔ علاوہ ازیں سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ زید سے جب فرمایا گیا **انت اخونا ومولانا** تو حضرت زید بھی حجل کرنے لگے۔ مراد یہ کہ خوشی ومسرت میں رقص کرنا شروع کیا۔ حجل سے مراد ہے ایک پاؤں اٹھانا اور دوسرا رکھنا۔ اور صراح میں حجل کے معنی پرندے کی طرح کود کود کر چلنے اور چھپانے کے ہیں۔

اس مقام پر حدیث سے پتہ چلا کر خالہ بھی ماں کے حکم میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس میں خصانت یعنی پرورش کے لئے خاص حکم ہے۔ بعض نے اس واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ عمر کی نسبت خالہ خصانت کے حق میں مقدم ہے کیونکہ اس وقت صفیہ بنت عبدالمطلب بھی موجود تھیں۔ نیز یہ اخذ کیا ہے کہ باپ کے اقارب سے زیادہ ماں کے اقارب پرورش میں مقدم ہوتے ہیں۔ کذافی المواہب۔

روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمارہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سلمہ بن ابی مسلمہ رضی اللہ عنہ سے کیا۔ یہ آنحضور کے ربیب تھے۔ (سابقہ خاوند سے بچہ جو بیوی کے ساتھ آتا ہے وہ ربیب کہلاتا ہے)۔ صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ نے ان کی خود اپنی زوجیت میں کیوں نہ لیا وہ آپ کے چچا کی دختر ہیں۔ تو فرمایا وہ میرے رضاعی برادر حمزہ کی بیٹی ہے یہاں ظاہری نظر میں ایک اشکال معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قریش نے کس بنا پر عمارہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ دیا جبکہ یہ صلحنامہ میں مذکور تھا کہ ہماری جانب سے آپ کے پاس کوئی آئے تو آپ کو اسے واپس بھیجنا ہوگا لہٰذا کیوں نہ عمارہ کو لوٹایا گیا۔ مواہب الدینہ میں اس طرح جواب دیا ہے کہ قریش نے واپس طلب نہ کیا تھا۔ جبکہ اس طرح سے مشروط تھا کہ اگر وہ واپسی کا مطالبہ کریں گے تو واپس کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ عمارہ چھوٹی بچی تھی ان کے لئے

دار السلام سے نکلنا صادر نہیں اور یہ بھی جواب دیتے ہیں یہ شرط تھی ہی صرف مردوں کے لئے عورتوں کیلئے نہ تھی۔ اور اگر یہ شرط عام بھی ہو تو بھی یہ حق تعالیٰ کے فرمان کے ذریعے منسوخ ہو چکی تھی۔ **یا ایھا الذین امنوا اذا جاءکم المومنات مھاجرات فامتحنوھن اللّٰہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار** روضۃ الاحباب اور معارج النبوت میں اس مقام پر دو حکایت بیان کی گئی ہیں بعد از عمرۃ القضاء۔ یہ دونوں بادشاہوں کو خطوط و وفود بھیجنے کے باب میں چھٹے سال میں بیان ہونی چاہیے تھیں لیکن رعایت معتبر تھی اور مقصود تھی۔ لہٰذا انہوں نے دونوں داستانیں ساتویں سال ہجری میں بیان کی ہیں۔ پہلا قصہ وہ خط بھیجنا ہے جو جبہ بن ایہم غسانی کے نام تھا حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد یہ آدمی غسان کا بادشاہ ہو گیا تھا۔ سیرت نگاروں کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مکتوب مبارک جبلہ بن ایہم کو موصول ہوا۔ اس میں اس کو اسلام کی دعوت ملی اور اس نے اسلام قبول کر لیا آنحضرت کی بارگاہ میں تحفے ارسال کئے۔ اور بدستور وہ مسلمان ہی رہا حتیٰ کہ دور خلافت فاروقی میں وہ حج کے لئے آیا۔ جب وہ طواف کر رہا تھا تو ناگاہ ایک فرازی کا پاؤں اس کے ازار پر آ پڑا۔ جبلہ کا تہبند کھل گیا۔ پس اس نے فرازی کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس کی ناک زخمی ہو گئی فرازی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر شکایت کی۔ جبلہ کو حضرت عمر نے حکم دیا کہ قصاص ادا کرے۔ یا حکم فرمایا کہ اس فرازی کو کسی صورت حق سے دستبرداری پر رضامند کرو۔ جبلہ کہنے لگا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ میں قصاص ادا کروں جبکہ میں ایک بادشاہ ہوں اور یہ بازاری آدمی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام تم دونوں میں مساوات قائم فرماتا ہے۔ تمہیں اس پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے' یہ سن کر جبلہ نے کہا کہ میں یہ دین ترک کرتا ہوں اور نصرانی دین میں داخل ہوتا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا اس طرح کرنے پر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ پس جبلہ نے عرض کیا کہ آپ مجھے آج کی ایک رات کی مہلت دیں میں ذرا سوچ و فکر کر لوں رات ہونے پر وہ بھاگ کر روم میں چلا گیا۔ اور نصرانی دین اختیار کر لیا اور ارتداد پر ہی وہ مر گیا نعوذ **باللّٰہ من ذالک** کچھ اہل سیر نے کہا ہے کہ وہ دوبارہ اسلام میں واپس آ گیا تھا اور اسلام پر ہی فوت ہوا تھا۔ اپنے سابقہ عمل پر اسے پشیمانی ہوئی تھی۔ اس کے متعدد اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ان کا مفہوم اس طرح ہے کہ وہ کہتا ہے میں اسلام سے نکلا اور نصرانی بنا۔ اس کی وجہ اس طمانچہ کی عار تھی جس کا قصاص لیا جاتا ہے۔ حالانکہ قصاص دیا جاتا تو اس میں کوئی نقصان یا خسارہ نہ تھا کاش میری والدہ مجھ کو جنتی ہی نہ' کاش کہ میں ربیعہ اور مضر کے ہاتھوں قید ہو جاتا۔ کاش کہ میں شام ملک کا ایک ادنیٰ سا فرد ہوتا اور اندھا بہرا ہونے کی صورت قوم کے ساتھ بیٹھا کرتا۔ کاش کہ چراگاہوں میں اونٹ چرانے والا ہوتا اور میں حضرت عمر کے حکم سے ہرگز انکار نہ کرتا۔ واللہ اعلم۔

دوسرا قصہ فروہ بن عمرو جذامی کے اسلام قبول کرنے کا ہے۔ وہ بلقاء کی سرزمین میں رومی شہنشاہ کی جانب سے عمان پر حکمران تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا ایک عدد سفید اونٹ اس کو فضہ کہا جاتا تھا۔ ایک گھوڑا ایک گدھا۔ کچھ ریشمی کپڑے سندس کی قباء اور کچھ سونا تحفے کے طور پر بھیجے اور اس نے تحریر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور آپ کی رسالت پر ایمان و اقرار کرتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ حضرت

عیسیٰ بن مریم کے بشارت دادہ رسول ہیں۔ اس کا قصد مسعود بن سعد تھا۔ آنحضرت نے اس کو عزت افزائی فرمائی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اسے گھر لے جاؤ اور مہمان نوازی کرو آپ نے اس کے تحائف قبول فرمائے۔ ریشمی ملبوسات ازواج مطہرات میں تقسیم فرمائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید اونٹ عطا فرمایا۔ مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کو دے دی اور گھوڑا اور گدھا اسید سعدی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائے تاکہ وہ ان کی نگہداشت کریں۔ آپ نے خط کا جواب دیا۔ مضمون یہ تھا۔ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** محمد رسول اللہ کی طرف سے بنام فروہ بن عمرو۔ امابعد۔ تمہارا نامہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور تمہارے ارسال کردہ تحائف بھی وصول ہوئے تم مجھ پر اپنا اسلام ظاہر کیا ہے۔ اگر تم نے نیک عمل کئے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالائے نماز پڑھی' زکوٰۃ ادا کی تو اللہ تعالیٰ تم کو سیدھی راہ پر رکھے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اس کو پانچ سو درہم دے کر واپس بھیج دو۔

نقل میں آیا ہے کہ فروہ کے مسلمان ہو جانے کی خبر جب روم کے بادشاہ تک پہنچی تو اس نے فروہ کو طلب کیا اور کہا کہ اپنے سابقہ دین پر واپس آجاؤ تاکہ تم بدستور حکمران رہو فروہ نے کہا کہ کس طرح میں لوٹ سکتا ہوں حالانکہ مجھے یقینی علم ہے کہ یہی وہ سچے نبی ہیں۔ جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشارت دے گئے تھے۔ اور یہ حقیقت اچھی طرح سے تمہارے علم میں بھی ہے۔ لیکن تم تو اپنی بادشاہت پر غور کرتے ہو۔ پس روم کے بادشاہ نے ایک لمبی مدت تک اسے قید کئے رکھا اور ازاں بعد قید سے نکالا اور سولی پر چڑھا دیا۔

اگر یہ بادشاہ روم وہی ہرقل مذکور ہے تو حیف ہے اس پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نصرانی دین پر ہی برقرار تھا۔ جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے اور اس کے متعلق اختلاف کرنے یا ایمان تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ **نعوذ باللہ من شر الدنیا۔ وشر الفتن وشر الشیطان الرحیم** یہ واقعات روضۃ الاحباب میں سال ہفتم میں بیان کئے ہیں اور علماء نے کہا ہے کہ واقدی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ کسی تاریخ کو جبلہ اور فروہ کو مکتوبات مبارک ارسال کئے گئے تھے۔ کچھ بڑے بڑے سیرت نگاروں نے یہ دو واقعات سال ہفتم میں لکھے ہیں۔ لہٰذا وہ طریق ہم نے اپنایا ہے۔ لیکن ہمارا غالب خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ آٹھویں سال میں یا بعد اس کے رونما ہوا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی حکومت حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد بتائی گئی ہے اور وہ سال ہشتم میں فوت ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

۸ ھجری کے واقعات

سال ہشتم کے دوران صفر کے مہینہ میں جیسے کہ تمام اہل سیر ذکر کرتے ہیں خالد بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی اور عمرو بن العاص بن وائل قرشی سہمی اور عثمان بن طلحہ عبدری حجی جو کہ خانہ کعبہ کی چابی رکھتا تھا مسلمان ہو گئے۔ کچھ سیرت نگار تحریر کرتے ہیں کہ یہ سال ہفتم میں اسلام لائے تھے بعض نے پانچواں سال کہا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قریش کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑتے رہے تھے وہ متواتر اپنے غلو و عداوت پر رہے تھے لیکن ان کی ذات میں وہ

جوہر موجود تھا جس کے باعث ان کے اسلام لے آنے کی امید ہو سکتی تھی۔ یہ ایک وقت معین پر موقوف تھا کہ ان کے بشری حجابات اور نفسانی مکائد رفع ہوں وہ بذات خود بیان کرتے ہیں۔ کہ ارادہ ازل جب ہو گیا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے دل میں اسلام کی محبت آ گئی۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے مابین جب صلحنامہ حدیبیہ واقع ہوا۔ میں نے سوچ لیا کہ قریش میں مزید کوئی قوت و شوکت نہیں۔ میں نجاشی کے پاس نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ آنحضرت کے تابع تھا۔ میں نے خیال کیا کہ کیوں نہ ہرقل رومی کے پاس چلا جاؤں اور نصرانی ہو جاؤں۔ بعد ازاں سوچا کہ اپنے شہروں میں ہی رہ کر منتظر ہوتا ہوں کہ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم عمرۃ القضاء کی خاطر تشریف لائے میں باہر گیا ہوا تھا اور میرا بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن میں انہیں نہ ملا۔ پس ایک خط بایں مضمون تحریر کر کے اس نے مجھے ارسال کیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں یاد فرماتے ہیں نیز یہ بھی فرماتے ہیں خالد ان لوگوں سے نہیں ہے جن پر ابھی تک حقیقت اسلام ظاہر نہ ہوئی ہو۔ وہ اسلام لے آئے اور دین اسلام کی تقویت میں اپنی شجاعت کو کام میں لائے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے۔ ہم اسے دوسروں پر فوقیت دیں گے۔ لہٰذا اے بھائی صاحب آپ آ جائیں اور اس دولت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ اب تک بڑی بھلائی سے آپ محروم رہے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ خط پڑھ کر مجھ پر اسلام کی محبت غالب آ گئی اور اس کی جانب مجھے رغبت پیدا ہو گئی پس میں نے مدینہ شریف حاضر ہونے کی پکی نیت کر لی۔ بعد ازاں صفوان بن امیہ کے ہاں جا کر اس کو کہا۔ اے ابو وہب! تم دیکھ رہے ہو کہ ہم ایک لقمہ سے زیادہ باقی نہیں اور محمدی شوکت اور دبدبہ پورے عالم پر چھایا ہوا ہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کے لحاظ سے ہمارے لئے بہتر ہے کہ ہم بہت عجلت سے دربار نبوت میں حاضر ہوں اور ان کی بزرگی سے شرف حاصل کریں صفوان نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور سختی سے انکار کیا۔ اور کہنے لگا کہ اگر قریش میں سے صرف میں ہی اکیلا باقی رہ جاؤں تو پھر بھی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی ہرگز نہ کروں گا۔ بعد ازاں میں عکرمہ بن ابو جہل کے پاس بھی گیا۔ اسے بھی میں نے صراط مستقیم کی جانب رغبت دلائی لیکن وہ انکاری ہوا۔ تو میں نے اپنے آپ میں سوچا کہ مدینہ جا کر حاضر ہونے کا بھی یہی مناسب وقت ہے اس لئے کہ اگر فتح مکہ واقع ہوئی تو پھر ہم مجبور ہوں گے اور ہمارے لئے راہ فرار بھی نہ ہو گی اور لامحالہ ان سب کو مسلمان ہونا پڑے گا۔ پس ان سے مایوس ہو کر میں نے اپنے دوست ابو طلحہ سے گفتگو کی تو اس نے موافقت کا اظہار کیا۔ پس اسے ساتھ لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ موضع ہدہ پہنچے۔ تو عمرو بن العاص دکھائی دیئے وہ مدینہ شریف کا ارادہ کئے ہوئے تھے تاکہ اسلام لائیں۔ ہم سب اکٹھے مدینہ شریف میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو صحابہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اب جگر گوشوں کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ یہ اشارات اسی جماعت کی آمد کی تھی۔ اس لئے کہ یہ لوگ اکابر اور صنادید قریش سے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں آ کر میں نے عمدہ لباس زیب تن کیا اور بارگاہ سید کائنات میں حاضری کے لئے چلا میرا بھائی ولید رضی اللہ عنہ مجھے راہ میں ملا۔ اور کہنے لگا کہ جلدی جاؤ آنحضرت کو تمہاری آمد کی خبر ہو چکی ہے اور آپ تمہاری آمد کی خوشی میں تمہارے منتظر

تشریف فرما ہیں۔ مجلس اقدس میں حاضر ہوا تو دور سے ہی دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ آپ نے میرے سلام کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا۔ پھر میں نے عرض کیا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ الذی ھداک الاسلام پھر ارشاد فرمایا کہ خالد! مجھے معلوم ہے تو تم عقلمند ہو۔ اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ تم کو نیکی میسر ہو گی۔ میں نے جواباً" عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مشاہدہ فرما چکے ہیں کہ میں نے حق کے خلاف کس قدر عداوت برتی ہے آپ اب دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ معاف فرمائے اور میرے گناہوں کی مغفرت فرمائے آپ نے فرمایا کہ اسلام تمام سابقہ گناہوں کو ساقط و محو کر دیتا ہے ازاں بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دین خدا کی تقویت کے لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی پاک کے دوران اور آنجناب کے وصل پاک کے بعد بھی ہمیشہ کوشاں رہے۔ انہوں نے مسیلمہ کذاب اور دوسرے مرتدین کی جڑیں اکھاڑنے میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ دور جہالت کے دوران بھی خالد رضی اللہ عنہ قریش کے اکابر روسا سے تھے' ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا بنت حارث تھیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں اور ان کا وصل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ۲۱ھ میں ہوا تھا۔

دوسرا واقعہ جو عمرو بن العاص کا ہے وہ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ جنگ احزاب سے میں واپس آیا تو میں نے ساتھیوں کو بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) متواتر ترقی کر رہے ہیں اور دن بدن انہیں عروج حاصل ہو رہا ہے۔ میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ نجاشی کے پاس چلا جاؤں اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اگر غالب آئے تو ہم وہاں نجاشی کے پاس ہی رہیں گے اور اگر ہماری قوم کا غلبہ ہو گیا تو ہم اپنے وطن لوٹ آئیں گے۔ سب ساتھی میرے ساتھ متفق ہوئے۔ بعض نے میرے ساتھ سفر میں شمولیت کی۔ ہم سفر کے لئے تیار ہونے لگے۔ کچھ تحائف لئے اور نجاشی کے پاس جا پہنچے اور وہیں رہائش اختیار کرلی۔ حتیٰ کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بحیثیت قاصد نجاشی کے پاس گئے عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نجاشی کے پاس گیا اور اس سے عمرو بن امیہ ضمری کو میں نے طلب کیا اس لئے کہ اسے قتل کر کے قریش کے ہاں سرخرو ہو جاؤں۔ نجاشی نے سنا تو توبہ کرتے ہوئے اپنے رخساروں کو تھپتھپایا اور کہنے لگا میں اس مقدس ذات کے قاصد کو تمہارے حوالے کیونکر کروں۔ جس پر ناموس اکبر نازل ہوتا ہے۔ (جبرئیل علیہ السلام) اور خدا کا سچا رسول ہے۔ اے عمرو! غور سے میری بات سن لو۔ اور آنحضرت کی اتباع اختیار کرو اور تم جان لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے جملہ مخالفین پر غالب آجائیں گے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا تھا۔ پس میں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ میں نے نجاشی سے واپس آکر اپنا اسلام ساتھیوں سے مخفی رکھا۔ اور مدینہ شریف کے قصدے سے چل پڑا۔ راہ میں خالد بن ولید سے ملاقات ہوئی۔ ان سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ تو انہوں نے فرمایا کہ قسم بخدا۔ راہ راست کا اظہار ہو چکا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برحق نبی ہیں۔ اور اب میں چاہتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں۔ میں نے بتایا کہ اسی قصدے سے میں مدینہ شریف ہی جا رہا ہوں۔ پس ہم مدینہ شریف آکر آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ پہلے خالد نے کلمہ توحید پڑھا اور پھر میں حاضر ہوا۔

اور آپ سے گزارش کی۔ یارسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں بیعت کا شرف حاصل کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا لیکن میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا تو آپ نے پوچھا کہ عمرو! کیابات ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور میری خواہش ہے کہ ایک شرط طے کرلوں۔ آپ نے پوچھا۔ کونسی شرط ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور شرط یہ ہے کہ میرے گناہوں کو بخشا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرو! تم کو علم نہیں ہے کہ اسلام پچھلے تمام گناہ معاف کرتا ہے اور دار کفر سے دار الاسلام میں آجانا اور حج کرنا ان میں سے ہر عمل سابقہ تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں کچھ مروی نہیں ہوا۔ صرف اس قدر روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے کعبہ شریف کی کنجی لے لی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدو الامانات الی اھلہا تو آپ نے وہ چابی واپس انہی کو دے دی اور آپ نے فرمایا یہ چابی لو۔ اب کے بعد تم سے یہ چابی کوئی نہیں لے سکے گا۔ سوائے ظلم کے۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال شریف تک حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں مقیم رہے۔ ازاں بعد وہ مکہ شریف چلے گئے تھے۔ وہاں پر ہی رہائش پذیر رہے حتیٰ کہ انہوں نے ۴۲ھ میں رحلت فرمائی۔

کدید کی جانب سریہ غالب لیثی:۔ اس سال میں ہی حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو الملوح پر موضع کدید بھیجا گیا۔ انہوں نے رات کے وقت ان پر شبخونی کی۔ ان کے اونٹوں کو پکڑ لیا اور وہاں سے چل پڑے۔ دوران مراجعت وفعتہً دیکھا کہ پیچھے ایک جماعت آدمیوں کی نہایت قریب ہی آپہنچی ہے۔ حتیٰ کہ درمیان میں صرف ایک چھوٹا نالہ ہی تھا۔ انہیں اس جماعت کے مقابلہ کی تاب نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت نالہ میں پانی بھیج دیا۔ جس سے نالہ بھر گیا اور کوئی ایک بھی اس کو عبور کرنے کی ہمت نہ کرسکا۔ حالانکہ قبل ازیں ہرگز کوئی بارش بھی نہ ہوئی تھی پس وہ صحیح و سلام مدینہ پہنچ گئے۔

سریہ فدک:۔ یہی غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ اس سال فدک بھیجے گئے۔ غرض یہ تھی کہ وہاں کے کافروں کی سرکوبی کریں۔ روایت ہوا ہے کہ اس لشکر میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نامی ایک آدمی تھا۔ انہوں نے اپنا گھوڑا نہیک بن مرداس نام کے ایک کافر کے پیچھے لگایا۔ بقول ارباب سیر اسامہ نے اس کے قریب پہنچ کر اسے مارنے کی خاطر اپنی تلوار بلند کی تو اس نے پڑھا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمد رسول اللّٰہ حضرت اسامہ نے اس کا ایمان لانا ناامیدی اور مایوسی کی بنا پر خیال کیا اور معتبر نہ گردانا اور تلوار مار کر اسے قتل کردیا مدینہ شریف میں آئے تو یہ حال بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیان کیا آنحضرت اسامہ سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کیا تم اس کا دل چیر کر دیکھ چکے تھے۔ صاحب تفسیر کشاف نے کہا ہے کہ اس قضیہ میں آیت پاک یایھا الذین امنو اذا ضربتم فی الارض فتبینو کا نزول ہوا تھا۔ اور تفسیر بیضاوی شریف میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے کہ حضرت مقداد ایک

آدمی کے پاس پہنچے وہ بکریاں چراتا تھا۔ حضرت نے اس کو قتل کر دینا چاہا۔ تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لیکن حضرت مقداد نے پھر بھی اسے قتل کر دیا اور کہا کہ وہ اس طرح اپنے مال کو اور اہل کو بچانا چاہتا تھا۔

کچھ اہل سیر نے غالب بن عبداللہ کا یہ سریہ ساتویں سال میں بطن نخلہ کے قریب منفعہ پر بتایا ہے۔ جیسے کہ سابقاً مذکور ہوا۔ اس سال میں متعدد سرایہ بھیجے گئے یہ سلسلہ سریہ موتہ تک قائم رہا۔

سریہ موتہ:۔ بیت المقدس سے دو منزل پر بلقاء کے نزدیک موتہ نامی ایک موضع ہے۔ اس سے پہلے ہرقل کے نام خط بھیجنے کے بارے میں موضع موتہ کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ سرایہ تمام سرایہ مشہور ترین ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صعوبت و شدت اور گھمسان کی لڑائی و قتل ہوا۔ یہ اس لئے واقعہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بصرے کے بادشاہ کے نام ایک خط بھیجا اس کے پاس جانے کے لئے حضرت حارث بن ازدی رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا آنحضرت کے ارشاد کے مطابق حضرت حارث گئے۔ موضع موتہ میں قیصر روم کے امراء سے ایک جس کا نام سرجیل بن عمر غسانی تھا ان کے مقابل آیا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شام جا رہا ہوں۔ شرجیل کہنے لگا گویا کہ تم (محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے قاصد ہو۔ انہوں نے فرمایا' ہاں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قاصد ہوں شرجیل نے یہ سنا تو حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ قبل ازاں آنحضرت کا کوئی قاصد شہید نہ کیا گیا تھا۔ اور کوئی بادشاہ قاصد کو قتل کرنے کا عادی نہ تھا اور سب بادشاہوں کے نزدیک قاصدوں کے لئے امان ایک مسلمہ بات تھی۔ ایک دفعہ ایک ایلچی مسیلمہ کذاب کی طرف سے آنحضرت کے پاس آیا تھا۔ وہ بڑی گستاخیوں کا مرتکب ہوا اور کفریہ کلمات بکے۔ لیکن آنحضرت نے اس کو قتل نہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم ایلچی نہ ہوتے تو تمہیں ہم قتل کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب شہادت حارث کے متعلق سنا تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ دشمنوں کی سرکوبی کے واسطے چلو۔ پس تین ہزار صحابہ کا لشکر جرف کے مقام پر اکٹھا ہو گیا۔ پھر وہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا تمہارے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہوں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ امیر بنیں گے اور وہ بھی اگر شہادت پا جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر چن لیں۔ امارت کی یہ ترتیب یا تو از روئے وحی یا الہام تھی۔ اور یا اللہ تعالیٰ نے زبان حق ترجمان پر اسی طرح جاری فرمایا اور واقع بھی اسی طور پر ہوا۔ جیسے کہ یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو فرماتے ہیں۔ انی اخاف ان یاکلہ الذئب مجھے خوف ہے کہ کہیں بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو نہ کھا جائے۔ واللہ اعلم

کتب سیر میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مجلس اقدس میں ایک یہودی حاضر تھا۔ اس نے کہا اے ابوالقاسم! اگر آپ کا دعویٰ نبوت برحق ہے تو جن امراء کے نام آپ نے بتائیں ہیں وہ لازماً قتل ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کسی دشمن کے خلاف لشکر بھیجتے وقت اگر سو آدمی بھی اس طرح سے متعین فرماتے تھے تو وہ تمام امیر قتل ہی ہوتے تھے۔ بعد ازاں وہ یہودی حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ ان سے کہا اے زید! تم سے میں شرط باندھتا ہوں کہ تم اس سفر سے واپس نہ آؤ گے اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) برحق ہیں۔ زید رضی

اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو بتاتا ہوں کہ آنحضرت راست گفتار نبی اللہ ہیں۔ اور یہ بالکل عیاں ہے کہ آپ نے ہدایت فرمانے کے لئے اور فوج کا نظم و نسق قائم رکھنے کے واسطے اس اس طرح فرمایا ہے۔ اور یہ جو "اگر" کے لفظ کے ساتھ اظہار فرمایا ہے جو کلمہ شک ہے۔ یہ احتیاط کے طور پر اور جزم کے عدم اظہار کے لئے ہے۔ یہودی نے بکواس کی تھی اس نے یہ بات اپنی باطنی خباثت و عداوت کے باعث کہی تھی۔ اور یہودی اس کے عادی تھے۔ اس طریقے سے وہ حضرت زید کے دل میں خوف و دہشت اور اشتباہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

جیسے کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ امیر لشکر مقرر ہوئے تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ! مجھے یہ امید ہرگز نہ تھی کہ امیر بنائے جانے میں مجھ پر زید کو فوقیت عطا ہوگی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور رسول خدا کی اطاعت بجالاؤ۔ تمہیں علم نہ ہے کہ تمہاری فلاح کس طور ہے۔

یہ واقعہ بھی اسی مانند ہے جبکہ اگلے سال اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس مقام پر امیر بنا کر بھیجے گئے جس جگہ پر ان کے والد نے شہادت پائی تھی۔ تاکہ کافروں سے حضرت اسامہ اپنے والد کا بدلہ لیں۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی بھیجے گئے تھے تو لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے کہ یقیناً اس امر میں کوئی حکمت پنہاں ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر مہاجرین و انصار حضرت اسامہ کے تابع بنائے گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اسامہ امارت کے حقدار ہیں۔ اور ان کے والد بھی اس کے مستحق تھے حتی کہ حضرت اسامہ کے ذریعہ یہ مہم سر ہو گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے سفر وصال قریب تھا۔ جیسے کہ ہم انشاء اللہ آئندہ بیان کریں گے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ پر آنحضور کی اس مہربانی کی وجہ آنجناب کے ان کے والد کے ساتھ شفقت و محبت کے اثر کا نتیجہ تھی۔ یعنی کہ آنحضرت نے اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ اپنا لے پالک بیٹا بنایا تھا۔ حتیٰ کہ آیت پاک نازل ہوئی۔ **ادعواھم لآباء ھم** لے پالک بیٹوں کو ان کے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارو اور آنحضرت نے اپنی پھوپھی زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید سے فرما دیا تھا۔ نیز آپ نے حضرت زید کو کئی سریوں میں امیر مقرر کیا تھا۔ اور وہ یکے از سابقین اول مہاجرین تھے۔ اور اگر کوئی حضرت اسامہ کے متعلق پوچھتا تھا تو صحابہ کرام ان کو حب رسول اللہ کہا کرتے تھے۔ جس کے معنی ہیں محبوب رسول اللہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید کو اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ اے خدا! ان دونوں سے میں محبت و شفقت کرتا ہوں۔ تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھ۔ اور حضور کا ارشاد ہے۔ **من رسوله فليحب اسامه** جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسامہ سے محبت رکھے۔ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے برعکس حضرت اسامہ کا وظیفہ زیادہ مقرر فرمایا۔ تو ابن عمر والد سے کہنے لگے۔ آپ نے مجھ سے زیادہ انکا وظیفہ کیوں مقرر فرمایا اور ان کو میرے مقابلہ میں فوقیت کیوں دی ہے جبکہ میں کسی بھی مشہد میں ان سے پیچھے نہیں رہا ہوں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تمہارے مقابلہ

میں زیادہ محبوب تھے۔ یہاں پر اس بات میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ میں نے اپنے محبوب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محبوب کو فضیلت دی ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسامہ اور زید رضی اللہ عنہما سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہا کو ان کا تابع بنا کر بھیجا کرتے تھے اور یہ حق ان حضرات کے لئے سزاوار ہے کہ جسے چاہیں خاک سے اٹھا کر بلندی پر پہنچا دیں جیسے کہ آدم علیہ السلام کی بزرگی و برگزیدگی میں ان کو فرشتوں کا مسجود بنا دیا۔ یہاں پر اگر تقرری از روئے وحی تھی تو بھی مجال سخن نہ ہے۔ اور اگر اجتہادی بناپر تھی تو پھر حق و صواب ہو گا اس میں بالیقین کوئی غرض یا حکمت مخفی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ طالبان اخلاق کی تہذیب کے لئے اور انہضام نفس کی خاطر مریدوں کی نفسانی خواہشوں کو ان کے ہادی و مرشد توڑا کرتے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ جاؤ اور رسول خدا کے ارشاد کی اطاعت بجالاؤ اور تمہیں یہ علم نہیں ہے کہ کس چیز میں تمہاری بھلائی مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا اتسلیما** یعنی آنحضور کے فیصلہ اور حکم سے تمہارے دلوں میں کسی قسم کی تنگی نہ ہونی چاہیے۔ اس کو مکمل طور پر تسلیم کرو۔ تاکہ کوئی اپنی جہالت و کوتاہ نظری کے باعث خیال نہ کرے کہ یہ بات طبیعت بشریہ کی طرح ہے۔ ہاں اس کے جوہر ذاتی کے اندر نفس و طبیعت کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی موجود ہے۔ لیکن وہ اتنا نہیں ہے جتنا دوسرے افراد بشر میں موجود ہے۔ جس سے وہ حق کے خلاف بھی عمل پذیر ہو جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سفید رنگ کا ایک علم تیار فرمایا اور حضرت زید بن حارث کو عطا فرمایا۔ اور الوداع کہنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اور آپ نے ہدایت فرمائی کہ جب تم میدان جنگ میں اترو گے تو حارث بن عمر اور وہاں پر موجود دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے نصرت و اعانت طلب کرنا۔ آپ نے ان کو رخصت فرمادی۔ یہ لوگ روانہ ہو پڑے تو آنحضرت نے اہل اسلام کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں کی شر سے محفوظ فرمائے اور سالم و غانم واپس لائے۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ عرض کرنے لگے کہ مجھے اس رحیم و کریم خدا تعالیٰ سے مغفرت اور شہادت کی خواہش ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی حمایت و رعایت کے سایہ میں رہا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ یتیموں کی پرورش کے لحاظ سے ان کی مثل کسی اور کو نہیں دیکھا۔ موتہ کی طرف سفر میں ان کا ردیف تھا سفر کی راتوں سے ایک رات انہوں نے چند اشعار کہے۔ ان سے شہادت کی بو محسوس ہوتی تھی میں سن کر رونے لگا تو وہ مجھے تسلی دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ جس سے مشارق و مغارب اور دنیا کی کدورتوں اور حادثات سے چھٹکارا پالوں گا اور اللہ تعالیٰ کے قریب میں اور عالم قدسی میں آرام و راحت پالوں گا۔ پھر وہ سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگے۔ اور دعا اور مناجات کرنے لگے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے فرمایا۔ اے بیٹا! اللہ تعالیٰ نے غالباً" میری دعا کو قبول فرمایا ہے۔ وہ مجھے شہادت کی

نعمت عطا فرمائے گا۔

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ اسلامی فوج کے ساتھ موتہ کی طرف چلے تو دشمنوں کو بھی خبر ہو گئی۔ شرجیل نے ایک بڑی فوج اکٹھی کرلی۔ اور ہراول دستے روانہ کر دیئے مسلمان معاون کے مقام پر اترے۔ معاون شام کے علاقہ میں ایک مقام ہے وہاں پر دشمنوں کی کثرت او ربڑی فوج کی خبر مسلمانوں کو ملی۔ اور شرجیل نے اپنے بھائی شدوس کو دیگر پچاس آدمیوں کے ہمراہ اسلامی فوج کی کیفیت معلوم کرنے کو بھیجا اہل اسلام نے شدوس کو گھیرے میں لے کر اس کو قتل کر دیا اس کے دوسرے ساتھی فرار ہو گئے شرجیل اس خبر سے بڑا خوفزدہ ہوا۔ اور اس نے اپنے دوسرے بھائی کو ہرقل کی طرف بھیجا اور خود قلعہ میں داخل ہو گیا۔ ہرقل نے شرجیل کی مدد کے لئے ایک بڑی تعداد مقرر کی جس میں عربی قبائلی مشرکین بھی شامل تھے۔ یہاں تک کہ رومی لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔ یہ خبر پا کر مسلمان اسی منزل پر ٹھہر گئے اور آپس میں مشورہ کیا۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو لکھیں اور حالات بتائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں طلب فرمالیں گے یا مزید لشکر بھیج دیں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ جو کہ بہادران جنگجو سے تھے۔ کہنے لگے کہ اے مسلمانو! جس چیز کے حصول کی خاطر تم اپنے گھروں سے نکلے تھے کیا وہ اب تم کو ناپسند ہے۔ یعنی کیا تم شہادت پانے سے خوفزدہ ہو۔ حضرت عبداللہ کو بذات خود شہادت کی تمنا تھی۔ فرمانے لگے ہم نے اب تک تعداد کی کثرت سے اعدائے دین پر فتح حاصل نہیں کی بلکہ ہم تو اپنے دین کی قوت کی بنا پر میدان بدر میں غالب ہوئے۔ تمہیں یہ معلوم ہے کہ ہم کتنے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری کس قدر مدد فرمائی تھی اور اس وقت بھی ہم دو خوبیوں سے محروم نہ ہوں گے یا ہمیں فتح حاصل ہو گی اور یا شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ اگر ہمیں غلبہ نصیب ہوا تو یہی ہمارا مقصد ہے ورنہ ہمیں شہادت تو نصیب ہو گی اور ہم جنت میں اپنے رفقاء سے جا ملیں گے جو قبل ازیں شہید ہو چکے ہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح سے ہمت دلائی تو مسلمانوں کو دلوں کو قوت و استحکام ملا۔ اور وہ دشمنوں کی طرف چل پڑے اور مقام موتہ پر پہنچے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں جنگ موتہ میں شامل تھا۔ مشرکین کا لشکر ظاہر ہوا تو اس قدر ہتھیار اور گھوڑے اور حریر و دیباج میرے دیکھنے میں آئے کہ میری آنکھیں چندھیا رہی تھیں حضرت ثابت بن قد انصاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ اے ابو ہریرہ! آپ بدر میں حاضر نہ تھے۔ اگر آپ وہاں حاضر ہوتے تو آپ کے مشاہدہ میں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی تعداد سے کس طرح مدد فرمائی تھی۔

مختصر یہ کہ دونوں افواج ایک دوسری کے مقابل ہوئیں۔ صف بندی کی گئی حضرت زید بن رضی اللہ عنہ جھنڈا لہراتے ہوئے میدان جنگ میں آ گئے اور شدید جنگ کی۔ حتیٰ کہ وہ تیروں سے زخمی ہوئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ازاں بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمبردار ہوئے۔ وہ پیادہ ہو گئے گھوڑے کو واپس کر دیا اور جنگ شروع کی۔ حتیٰ کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جنگ جاری رکھی ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ پھر دونوں بازوؤں میں انہوں نے علم کو دبائے رکھا۔ کسی دشمن نے ان کی کمر میں تلوار مار کر شہید کر دیا۔ جسم دو ٹکڑے

ہو کر گرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اللہ اللہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں اس جنگ میں موجود تھا۔ میں نے حضرت جعفر کو مقتولین اور شہداء میں تلاش کیا۔ اس وقت میں نے ان کے جسم پاک پر پچاس زخم گنے تھے۔ جن میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو پشت کی طرف لگا ہو۔ مواہب الدینہ میں ہے کہ ان کے جسم پاک کے صرف آدھے حصہ میں اسی سے اوپر زخم تھے۔ جن میں سے صرف اگلی طرف تلوار کے دو گھاؤ تھے اور ستر زخم نیزے کے تھے بخاری میں روایت کیا گیا ہے کہ میں نے ان کے جسم پر نوے سے زیادہ زخم دیکھے۔

ان کے بعد علم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا۔ آپ نے رجز پڑھنا شروع کی اور جنگ کرنے لگے۔ رجز یہ اشعار کا مضمون اس طرح سے تھا۔ اے نفس! تجھے شہادت میں کیوں ذوق و شوق نہیں ہے اور تو اس کو کیوں پسندیدہ نہیں سمجھتا۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ گزشتہ تین دن سے حضرت عبداللہ نے کھایا کچھ نہ تھا۔ ان کے چچازاد بھائی نے کچھ گوشت دیا کہ کھالیں۔ اس کا لقمہ ابھی منہ میں ڈال کر چبانے ہی لگے تھے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ حضرت عبداللہ نے اسی وقت لقمہ تھوک دیا۔ اور فرمایا۔ اے نفس! حضرت جعفر کو دنیا سے رخصت فرما چکے ہیں اور تو ابھی تک دنیا میں مشغول ہے۔ اور فرمایا۔ اے نفس! اگر تیرا عورتوں کے ساتھ لگاؤ ہوا ہے تو میں بیویوں کو طلاق دیتا ہوں اور اگر غلاموں سے مربوط ہے تو ان کو تمام کو آزاد کرتا ہوں۔ اور جو باغ و بستان میری ملکیت میں ہیں وہ تمام رسول خدا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اب تو تو بیزار ہو گیا ہے۔ پھر تیرے شہادت کی طرف مائل نہ ہونے کی اب کیا وجہ ہے؟ شہادت سے گریزاں کیوں ہو۔ خدا کی طرف آ پھر وہ معرکہ کارزار میں آئے اور جنگ کرتے ہوئے شہادت پاگئے۔ حکم رسالت یہ تھا کہ اگر عبداللہ بن رواحہ شہادت پاجائیں تو کسی ایک مسلمان کی امارت پر مسلمان اتفاق کرلیں۔ حضرت ثابت بن احرم انصاری رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے علم کو اٹھالیا اور پکار کر کہا کہ اے مسلمانوں کسی ایک مسلمان کی امارت پر متفق ہو جاؤ۔ سب کہنے لگے کہ تم ہی یہ کام اپنے ذمہ لے لو۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ عہدہ سنبھال نہیں سکتا ہوں۔ بعد ازاں تمام مسلمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت پر متفق ہو گئے اور ان کو اختیارات سونپ دیئے۔ حضرت خالد کہنے لگے کہ اے ثابت! میری نسبت تم اس کام کے زیادہ حق دار ہو۔ اس لئے تم غزوہ بدر میں موجود تھے اور آپ مجھ سے عمر میں بزرگ تر ہیں۔ وہ کہنے لگے اے خالد! بہادری اور جوانمردی تمہارا ہی کام ہے میں نے یہ جھنڈا تمہاری خاطر اٹھایا تھا۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا۔ سیرت نگاروں کے مطابق حضرت خالد بن ولید کی باری آنے پر مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے تھے مسلمانوں سے جنہیں شہید ہونا تھا۔ اس وقت وہ شہید ہو گئے۔ گو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بہتیری کوشش کی کہ روکیں لیکن بے فائدہ۔ اس وقت حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام کو بلند آواز سے پکارا اور کہا کہ مسلمانوں جنگ کرتے کرتے مرجانا بھاگ کر مرنے سے بہتر ہے۔ مسلمان کو اس بات سے متنبہ ہو گئے اور واپس مڑ کر انہوں نے پھر حملہ کر دیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو ہزیمت نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ منتشر ہو چکے

تھے اور بکھر گئے تھے۔ بہر حال حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شدید حملہ کیا۔ اور بڑے شدت سے سخت قتل کیا۔ اور غنیمت حاصل کی۔ بلکہ منقول ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس روز جنگ میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ اور میرے ہاتھ میں صرف صفحہ یمانی ہی رہ گیا تھا۔ گویا کہ حضرت خالد نے اپنی سابقہ غلطیوں کی تلافی کر دی۔ جو کہ انہوں نے احد کے دن اسلامی لشکر کو مشرکین کی جانب سے نقصان پہنچایا تھا اور یہ بھی امکان ہے کہ ان کی جو تلواریں مشرکوں کی طرف ہوتے ہوئے ٹوٹی تھیں انہی کے مطابق جنگ موتہ میں ان کی نو تلواریں ٹوٹی ہوں اور بالآخر یہ فضیلت ظاہر ہو گئی کہ حضرت خالد خدا کی تلواروں سے ایک تلوار ہیں۔ یہ چیز بالکل اس مقولہ کے مطابق ہوئی کہ ہر کام کا ایک معین وقت ہوتا ہے۔ پس سیف من سیوف اللہ کا لقب حضرت خالد کو جو ملا۔ وہ اسی دن کے لئے تھا۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد کی اس روز کی جنگ نہایت شدید تھی۔ رات ہونے پر دونوں فریقین پیچھے ہٹ گئے۔ اگلی صبح کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور لشکر کی صفیں تبدیل کر دیں۔ مقدمہ کو ساقہ بنایا گیا اور ساقہ مقدمہ کی جگہ آگیا۔ میمنہ کو میسرہ بنایا اور میسرہ کو میمنہ کا مقام دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر دشمنوں نے خیال کیا کہ کوئی اور فوج اہل اسلام کی مدد کو پہنچ گئی ہے۔ لہذا وہ مرعوب اور خوفزدہ ہوئے اور فرار کی راہ لی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے تعاقب کر کے دلیری اور بہادری کا حق ادا کر دیا۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ وہاں پر ایک قلعہ تھا اور لشکر اسلام جب موتہ کو آ رہا تھا تو ایک مسلمان کو وہاں پر مشرکوں نے شہید کر دیا تھا۔ جب یہ قلعہ مفتوح ہوا تو وہاں پر ان شدید لوگوں کی چھپی ہوئی فوج کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ المختصر یہ کہ اس قضیہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے بہت زیادہ سعی اور کوشش ہوئی۔ **وکان سعیہ مشکورا**

حدیثوں میں ذکر آیا ہے کہ جس وقت اسلامی لشکر کفار کی فوج کے مقابل ہوا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی نظر کے سامنے سے تمام پردے ہٹ چکے تھے اور آنجناب اہل موتہ کے حالات کا مشاہدہ ایسے فرما رہے تھے جیسے کہ بذات خود میدان جنگ میں ہوتے ہوئے معائنہ فرماتے ہوں۔ حضور صحابہ کو ساتھ ساتھ بتاتے جاتے تھے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور وہ شہید ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت جعفر علم بردار ہوئے انہوں نے بھی شہادت پائی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم اٹھالیا وہ بھی شہادت پا گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ آپ اس طرح فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا اب اللہ کے تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم تھام لیا ہے۔ اور انہی کے ہاتھوں فتح بھی ہو گئی اس روز سے حضرت خالد بن ولید کا لقب سیف اللہ ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں شیطان نے زندگی کو خوب آراستہ کر کے ظاہر کیا اور چاہا کہ ان کے دل میں زندگی کی محبت و رغبت ڈال دے۔ حضرت زید نے شیطان سے فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ مومن کے دل میں اس کا ایمان راسخ اور ثابت و مضبوط رہے اور تو میرے دل میں دنیوی زندگی کی محبت جاگزین کرنے آئے ہو۔ پس حضرت زید آگے بڑھے اور جنگ کرتے کرتے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اور آنحضرت نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی

اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ اس کے لئے استغفار کیا جائے۔ بے شک وہ جنت میں داخل ہو گئے اور جنت کے باغات میں گلگشت فرما رہے ہیں۔ ازاں بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہم نے علم سنبھال لیا تو ان کے پاس بھی شیطان آ کر دل میں وسوسے پیدا کرنے لگا انہوں نے بھی شیطان کو رد کیا اور خود جنگ میں کود پڑے اور شہادت پائی۔ ان کے حق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا فرمائی اور صحابہ سے بھی دعائے خیر کرنے کے لئے فرمایا۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ بوقت موت شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور دنیوی زندگی کو آراستہ کر کے میت کو مشاہدہ کراتا ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں تعلیم اور تلقین کے لئے یہ دعا آئی ہے۔ **اللھم انی اعوذبک ان اموت فی سبیک مدبرا وان یتخبطنی الشیطان عند الموت** آنجناب نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطے بھی ارشاد فرمایا کہ وہ بھی جنت میں داخل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بازو یا قوت کے اور دیگر ایک روایت کے مطابق موتیوں کے عطا فرمائے یہ ان بازوؤں کے بدل میں ہیں جو کٹ کر گر گئے تھے فی سبیل اللہ ان سے وہ پرواز کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں جعفر بن ابی طالب کو فرشتوں کی معیت میں اڑتا دیکھتا ہوں۔ علاوہ ازیں ان ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب میرے قریب سے ملاء اعلیٰ کے ملائکہ کے ساتھ گزرے۔ اس وقت ان کے دونوں بازو خون سے رنگین تھے۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں جنت میں داخل ہوا تو جعفر دوران شب جنت میں آئے۔ میں نے دیکھ لیا کہ جعفر فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے ہیں۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ پرواز کرتے تھے اور سہل سے مواہب الدنیہ میں منقول ہے کہ جو کچھ یہ بازو اور پروں کے متعلق روایت ہوا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پرندوں کے بازوؤں اور پروں کی طرح تھے وہ اس لئے کہ انسان اپنی صورت اور ہیئت کے اعتبار سے اکمل اور اشرف ہے۔ لہٰذا اس کا پرندوں کی صورت میں تبدیل ہونا نامناسب ہو گا۔ لہٰذا بازوؤں اور پروں سے مراد یہ ہے کہ وہ ملکی صفت ہے اور روحانی قوت ہے جو کہ ان کو عطا کی گئی۔ قرآن پاک میں بھی عضو کی تاویل و تعبیر جناح سے لی ہے فرمایا۔ **واضمم یدک الی جناحک** اپنے ہاتھوں کو اپنے بازوں سے ملاؤ۔ علماء نے فرشتوں کے بازوؤں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ان کی صفات ملکی ہیں اور وہ بغیر مشاہدہ و معائنہ معلوم نہیں ہو سکتے۔ پس یہ ثابت اور متحقق بات نہ ہے کہ حضرت جبرئیل کے چھ صد بازو ہیں۔ اور دو سے زیادہ بازوؤں کے ساتھ اڑنا معہود نہ ہے اور اس سے زیادہ سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہو تا۔ اور چونکہ کوئی آثار یا خبر اس ضمن میں وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کی حقیقت پر بحث و گفتگو کرنے کے بغیر ہی اس پر ایمان ہونا چاہیے۔ انتہیٰ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ مقام احتمال و محل میں یہ یقینی چیز ہے کہ علماء سے جو کچھ نقل میں آیا ہے اور انہوں نے جو دعویٰ کیا ہے اس کی دلالت میں کوئی بھی صراحت یا نص موجود نہ ہے۔ اور ظاہر یہ محمول کرنے میں کوئی محال و مانع نہ ہے۔ سوائے اس کے کہ جو کچھ مذکور ہوا کہ اس طرح معہود اور عادت نہ ہے۔ یہ شاہد پر غائب کا قیاس کرنا ہے اور یہ استدلال کمزور ہے اور بشری صورت کا اکمل و اشرف ہونا خبر کو ظاہر پر محمول کرنے میں ہرگز

مانع نہ ہے۔ کیونکہ صورت باقی نہ ہے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قبر پر جب وہ تحیتہ کرتے تو فرماتے تھے **السلام علیک یا ذوالجناحین** اے دو بازوؤں والے تم پر سلام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اہل موتہ کے متعلق خبر ملی تو آپ اس قدر غمزدہ مسجد میں تشریف فرماتے کہ آنجناب کے رخ انور سے حزن وملال دکھائی دیتا تھا۔ میں اس وقت دروازہ کی دراڑوں سے دیکھتی تھی۔ ایک شخص وہاں آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! جعفر کی عورتیں ان پر رو رہی ہیں اس کو آنحضرت نے حکم دیا کہ جا کر انہیں ممانعت کر دو وہ آدمی آگیا اور پھر واپس آگیا۔ اور کہنے لگا میں نے ان کو منع کیا ہے لیکن وہ باز نہیں آئیں۔ آپ نے اس کو دوبارہ فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو۔ وہ شخص پھر گیا اور واپس آکر کہا خدا کی قسم عورتیں غالب آگئی ہیں۔ وہ رونے سے ہٹتی نہ ہیں۔ تو آنجناب نے فرمایا۔ ان کے منہ میں خاک ڈالو۔ ممانعت ہیں یہ مبالغہ ہیں کیونکہ وہ منع کرنے سے بھی منع نہیں ہوتیں تھیں۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ عورتیں نوحہ کے ساتھ روتی تھیں کیونکہ نوح کے بغیر رونا منع نہیں ہے۔ ورنہ اس میں اس قدر مبالغہ نہ فرمایا جاتا۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کا رونا نوحہ کے بغیر تھا اور رونے سے منع کرنا برائے تنفزیہ تھا۔ کیونکہ بعد از ممانعت صحابیات کی سرکشی تحری ممانعت میں بعید ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس آدمی کے منع کرنے کو انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس شخص نے بذات خود گمان کیا ہے اور اپنی طرف سے ممانعت کرتا ہے اور آنحضرت کا بھیجا ہوا نہیں ہے اور یا یہ بھی سبب ممکن ہے کہ عورتیں درد و مصیبت سے مغلوب ہو چکی ہوں گی۔ جس طرح کہ قرطبی سے مجمع البحار میں نقل کیا گیا ہے۔ اس بارے میں کچھ کلام غزوہ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر رونے سے متعلق گزر چکا ہے۔

اہل سیر نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو تین یوم تک تعزیت کے سلسلہ میں آزاد چھوڑ دیا تھا۔ ازاں بعد آنحضرت بذات خود ان کے گھر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میرے بھائی پر آج کے دن کے بعد نہ روئیں۔ آپ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کی دلجوئی فرمائی انہیں تسلی دی اور آپ نے فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب میرے چچا سے مشابہت رکھتے تھے اور عبداللہ بن جعفر اخلاق کے اعتبار سے ان کی مانند ہے اور آپ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

تین یوم سے زیادہ سوگ منع ہے:۔ فقہ کے مسائل میں ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ و ماتم نہ کرنا چاہیے اور حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کے سوا کسی دوسرے پر تین یوم سے زیادہ سوگ کرے اس پر لعنت۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے منقول ہے یہ جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں کہ جس وقت آنحضرت کو ان کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ میرے گھر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ ان کے بچے کہاں ہیں میں بچوں کو آنحضرت کی خدمت میں لائی۔ آپ نے ان کو سونگھا اور پھر بوسہ دیا۔ اور گود میں بٹھایا پھر آنحضرت کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا جعفر کے بارے میں آپ کے سننے میں کچھ آیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں بے خود ہو گئی۔ اٹھی اور فریاد کرنے لگی۔ میرے پاس عورتیں اکٹھی ہو گئیں۔ آنحضرت نے فرمایا اے اسماء! فریاد مت کرو۔ اور ناشائستہ الفاظ نہ بولو۔ سینہ پر ہاتھ بھی نہ مارو۔ آپ نے یہ فرمایا اور آنسوؤں سے پر آنکھوں کے ساتھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے گئے۔ آپ نے وہاں دیکھا تو وہ بھی یا عماہ یا عماہ (اے چچا' اچچا) کہتے ہوئے رو رہی تھیں۔ آنحضرت نے فرمایا علی مرتضیٰ جعفر کی مانند ہیں فلتبک الباکیہ رونے والی کو رونا چاہیے۔ پھر آپ اپنے گھر میں تشریف لے آئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا بھیجو۔ کیونکہ ان کو مصیبت نے گھیرا ہوا ہے جس کے باعث وہ کھانا پکانے کی مہلت نہیں رکھتے ہیں۔

سیرت نگار حضرات نے کہا ہے کہ غزوہ موتہ سے واپسی پر مدینہ شریف میں لوگوں نے طعنے دینے شروع کئے کہ تم تو فرار ہو کر آ گئے ہو۔ حتیٰ کہ کبرائے اہل موتہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ اور وہ لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے باہر نہ آتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حاشا یہ لوگ فرار ہونے والے نہ ہیں بلکہ یہ تو کرار ہیں۔ یعنی مڑ مڑ کر پلٹ پلٹ کر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اور دشمنوں سے جنگ کر کے فتح حاصل کرنے والے ہیں۔ ان کو اپنے گھروں سے نکل آنا چاہیے۔ غزوہ موتہ نہایت سخت اور صعب سرایا سے ایک ہے اور اس میں فتح کے حصول میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بہت اثر و دخل ہے۔

ذات السلاسل کی طرف سریہ عمرو بن العاص :- ذات السلاسل کی طرف حضرت عمرو بن العاص کا سریہ بھی اسی سال ہی گیا تھا۔ جب یہ لشکر کشی فرمائی گئی تو مشرکوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھا ہوا تھا۔ اس لئے اس کا نام ذات السلاسل رکھا گیا ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ذات السلاسل ایک چشمہ کا نام ہے۔ وہ وادی القریٰ کے عقب میں تھا اور مدینہ شریف سے دس دن کی مسافت پر تھا۔ یہ قضیہ جمادی الآخر ۸ھ میں واقع ہوا۔ بعض نے ۷ھ بھی کہا ہے۔ اور اس پر کتاب صحیح التاریخ میں ابن ابی خالد بھی جزم کرتے ہیں اور ابن عساکر بھی اسے نقل کر کے اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہ سریہ غزوہ کے بعد وقوع میں آیا۔ لیکن ابن اسحاق غزوہ موتہ سے قبل بیان کرتے ہیں۔ یہ اس لئے واقعہ ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ قضاعہ 'بلی اور بنو القین نے ارادہ کیا ہے کہ متفقہ طور پر مدینہ شریف کے گرد و نواح میں تاخت و تاراج کیا جائے۔ پس آنحضرت نے حضرت عمرو بن العاص کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ہتھیار پہن لو اور تیار ہو جاؤ۔ میں تم کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ تم غنیمت پاؤ۔ عمرو بن العاص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے مسلمان نہیں ہوا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **نعم المال الصالح والرجل الصالح** نیک مال اور نیک آدمی اچھے ہوتے ہیں۔ دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ عمرو بن العاص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں ایک بڑی مدت دین کے بنیادیں کمزور کرتا رہا اب میری خواہش ہے کہ اسلام کی بنیاد کی تاسیس میں مجھ سے کچھ خدمت ہو جائے اور اللہ کی راہ میں جنگ و معرکہ کا قصد کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ انشاء اللہ اس کا موقع میں تمہیں دوں گا۔ حتیٰ

کہ مذکورہ بالا قبیلوں کے اجتماع کی خبر آنحضرت کو پہنچ گئی۔ اور ان کے فساد برپا کرنے کی اطلاع ہو گئی۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سفید رنگ کا علم تیار کیا۔ تین صد اہل اسلام کی جماعت قائم کی۔ اس میں انصار و مہاجرین کے اعیان و اکابر سے سعید بن زید' سعد بن ابی وقاص' عامر بن ربیعہ' حبیب بن سنان رومی' سید بن حضیر اور سعد بن عبادہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ ان کے امیر حضرت عمرو بن العاص بنائے گئے تاکہ یہ دین کے دشمنوں کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور دلیری و شجاعت کا مظاہرہ کریں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مخصوص نامزدگی میں یہ حکمت مضمر تھی کہ ان کی والدہ کی طرف سے قبیلہ بلی کے ساتھ قرابت تھی۔ اگر یہ سبب تھا عمرو بن العاص کے واسطہ وہ قبیلہ سے ان میں اسلام سے انس پیدا ہو جائے۔ انتہیٰ اگر یہ سبب تھا عمرو بن العاص کو امیر بنانے کا تو پھر اعیان انصار و مہاجرین کو شامل کرنے میں کیا حکمت تھی۔ دراصل ان سب چیزوں کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم مبارک سے ہی ہے۔ اس بارے میں قدرے اشارہ بیان غزوہ موتہ میں ہو چکا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ہو۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

حضرت عمرو نے مدینہ سے نکل کر مشرکوں کی طرف توجہ کی تو شنید میں آیا کہ چند دیگر بدوی قبائل کے لوگ بھی مجتمع ہوئے ہیں اور دشمنوں سے مل چکے ہیں۔ لہٰذا اس قدر قلیل تعداد میں مسلمان ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس خطرہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں قاصد بھیجا گیا کہ حقیقت حال بیان کرے اور مدد کے لئے عرض کرے۔ آنحضرت نے ان کی مدد کے واسطے ایک اور جماعت بنائی اس میں ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اس جماعت کے امیر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔ روانہ ہوتے وقت ابو عبیدہ کو آنحضرت نے ہدایت فرمائی کہ جب تم ایک جگہ اکٹھے ہو جاؤ گے تو جملہ امور میں متفق ہو جانا ہرگز اختلاف نہ کرنا۔ دوسری جماعت بھی عمرو بن العاص کے ساتھ جا شامل ہوئی۔ نماز کا وقت ہوا عمرو بن العاص ابو عبیدہ سے کہنے لگے تم میری امداد کے لئے آئے ہو لہٰذا میرے تابع رہ کر میری اقتداء میں نماز گزارو۔ ابو عبیدہ کہنے لگے کہ پہلی جماعت کے سردار تم ہو اور یہ جماعت میرے امارت میں ہے۔ عمرو بن العاص نے اس میں حرج محسوس کیا۔ اسی وقت ابو عبیدہ کو آنحضرت کی ہدایت یاد آئی تو اختلاف ترک کر دیا اور عمرو بن العاص کے پیچھے نماز ادا کی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ امارت میں واجب نہیں ہوتا کہ امیر افضل ہو اور نماز میں یہ لازم ہے کہ حق امامت کرے۔ خواہ وہ کوئی شخص ہو۔ وہ اعلم' بہتر تلاوت کرنے والا اور تقویٰ میں بہتر ہو' وہ امام بننے کا مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا سب پر حضرت صدیق اکبر کے پیچھے نماز پڑھنا ضروری تھا لیکن عمرو بن العاص کا دعویٰ تھا کہ وہ امیر ہیں اور امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ابو عبیدہ بھی امیر تھے جنہوں نے پہلے تو نزاع کیا لیکن بعد آنحضرت کی ہدایت و نصیحت کے بموجب اختلاف چھوڑ دیا اور جملہ باتوں میں اتفاق کیا۔ اور جھگڑا ترک کر دیا ابو عبیدہ نیک سیرت اور نرم مزاج تھے۔ انہوں نے کہا اے عمرو! نرمی اختیار کرو سختی مت کرو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے نصیحت کی تھی کہ یکجا ہو گئے تو مخالفت نہ کرنا۔ اگر تم نے راہ اختلاف

لی تو وہ اختلاف نہ کروں گا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

منقول ہے کہ نہایت سردی کے باعث دشمن کے قریب پہنچنے کے وقت اہل اسلام کے اعضاء شل ہو چکے تھے انہوں نے آگ جلا کر جسموں کو گرم کرنا چاہا۔ لیکن عمرو رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا۔ اہل سریہ اس مخالفت سے تنگ آکر حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں شکایت کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو سے اس ضمن میں بات چیت کی۔ تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص آگ جلائے گا میں اسے اسی آگ میں پھینک دوں گا۔ سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ اس بارے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو سے اختلاف کیا اور ان کو تنبیہہ بھی فرمائی۔ عمرو بن العاص کہنے لگے۔ اے عمر! تم لوگ میرے مامور اور محکوم ہو۔ میرا حکم مانو اور میری فرمانبرداری اختیار کرو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر انہیں اس لئے امیر متعین فرمایا ہے کہ یہ جنگ کی مصلحتیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا صبر و برداشت کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کے مطابق ان کے حکم کو بجالاؤ اور معلوم رہے کہ جو حکم آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے اور آنحضور نے پسند فرمایا ہے اس میں لازماً "حکمت جمیلہ اور عاقبت حمیدہ ہو گی۔ گو ان الفاظ کی تصریح نہ ہے لیکن حضرت صدیق اکبر کے کلام مختصر مفہوم و تشریح یہی ہے پس تمام متفق ہو کر کافروں کی طرف چل پڑے۔ قبائل کے کچھ لوگ گھروں کو خالی کر کے فرار ہو گئے اور بعض جنگ میں مغلوب ہو کر بھاگ نکلے اور دیگر شہروں کی طرف فرار ہو گئے اور بعض جنگ میں مغلوب ہو کر بھاگ نکلے اور دیگر شہروں کی طرف فرار ہو گئے کچھ دنوں کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہیں قیام پذیر رہے اور اپنے سوار گرد و نواح میں بھیجے۔ وہ بکریاں اور گھیر لاتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے رہے۔ اس سے زیادہ اس سفر میں کوئی غنیمت نہ ملی جو واجب التقسیم ہوتی۔ پھر یہ تمام لوگ مدینہ شریف واپس آ گئے۔ اسی طرح ہی روضۃ الاحباب میں ہے اور **معارج النبوۃ** میں یوں ہے کہ جس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مدد لے کر وہاں پہنچے اور دشمنوں کے شہروں میں اسلامی لشکر داخل ہو گیا اور تاخت و تاراج کا انداز اپنایا تو بڑی تعداد میں مویشی ہاتھ لگے اور مسلمان حصول مقصود کے ساتھ واپس آئے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ واپسی سفر کے دوران حضرت عمرو بن العاص ایک شب کو محتلم ہو گئے۔ سخت سرد ہوا چل رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا مجھے احتلام ہو چکا ہے اور اگر میں نہاؤں تو مر جاؤں گا بعد ازاں آپ نے کچھ پانی منگوایا۔ استنجا کیا پھر وضو کیا اور تیمم کیا۔ اور اسلامی لشکر کی امامت کی اور نماز پڑھائی یہ غریب و نادر حکایت ہے۔ شاید کہ حضرت عمرو بن العاص کو ابھی موقع نہ ملا ہو کہ وہ احکام شرعیہ سیکھتے اور یاد کرتے۔ ورنہ اگر جان جانے کا خوف ہو تو جنابت کے لئے تیمم ہے اور وضو اور تیمم دونوں نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر و عمر اور دیگر اعیان مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان سے دریافت کرنے کے بغیر ہی اپنی رائے اور علم و فہم کے مطابق عبادت میں اکتفا کر لینا ٹھیک نہیں۔ جنگی معاملات و تدبیرات کی بات جدا ہے اور شرعی احکام اور ان سے متعلق علم دیگر بات ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حضرت ابوعبیدہ اور عمرو بن العاص کی بات چیت اور پھر ابوعبیدہ کا اطاعت اختیار کرلینا اور حضرت عمرو کی ضد کی بات پہنچی تو آنحضرت نے فرمایا۔ رحم اللہ ابو عبیدہ اللہ تعالیٰ ابوعبیدہ پر رحم کرے اور جناب عمرو کے متعلق جب آنحضرت نے سنا تو آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ ان کے معاملہ میں سوچو تو کس طرح اپنے لئے خلاصی حاصل کی۔ جس وقت آگ جلانے سے ممانعت کا قصہ پیش ہوا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ میں نے ممانعت اس لئے کر دی تھی کہ دشمن کو ہماری تعداد کی کمی کا پتہ نہ چلے۔ رضی اللہ عنہم۔ ذات السلاسل سے واپسی کے بعد حضرت عمرو بن العاص غرور و فخر محسوس کرنے لگے اور سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس لشکر پر انہیں امیر بنایا تھا اس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابی تھے ان پر امارت ملنا اس وجہ سے کہ ان سے زیادہ میں بارگاہ رسالت میں قریب و مرتبہ کا حامل ہوں لہٰذا اس کی تحقیق کرنے کے لئے یہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے۔ یا رسول اللہ آپ کے نزدیک آدمیوں سے کون محبوب ترین ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ عرض کیا۔ میں صرف مردوں کے متعلق پوچھتا ہوں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان کے والد' عرض کیا ان کے بعد۔ فرمایا۔ عمر عرض کیا پھر ان کے بعد' آنحضرت نے کئی آدمیوں کے نام لئے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص چپ ہو گئے کہ ایسا نہ ہو کہ سب کے آخر پر بھی میرا نام نہ آئے۔ آنحضور کے اس جواب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا گمان دور ہو گیا اور حقیقت یہی ہے کہ وہ تالیف قلوب کی خاطر امیر بنا دیئے گئے تھے۔ کچھ احادیث میں ان کے مناقب میں وارد ہوا ہے۔ اسلم الناس وامن عمرو بن العاص۔ لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لانے والے ہیں۔ یہ امکان ہو سکتا ہے کہ الناس سے مراد یہاں پر عمرو بن العاص کے قریبی اور ان کے قبیلہ کے دوسرے لوگ ہوں۔ واللہ اعلم۔

سریہ الخبط: حضرت ابوعبیدہ الجراح رضی اللہ عنہ کو اس سال تین صد صحابہ کے لشکر کے ساتھ قبیلہ جہنیہ پر بھیجا گیا۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار تھے۔ (کمافی الصحیحین) اور نسائی کی روایت میں کچھ مزید لوگ بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ اس میں حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ مدینہ شریف سے قبیلہ جہنیہ تک پانچ دن کی مسافت تھی۔ اس سریہ کو سریہ الخبط کہا جاتا ہے اور سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ خبط وہ پتے ہوتے ہیں جو درخت سے جھڑ چکے ہوں۔ اس لشکر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جراب (تھیلا) کھجور کا بھی دیا تھا۔ کھجوریں ختم ہو جانے کے بعد اہل سریہ درختوں کے پتے جھاڑ کر کھاتے تھے۔ اس سے ہونٹ سوج گئے تھے اور مانند اونٹوں کے ہونٹوں کے ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں آیا تھا کہ پتوں کو پہلے پانی میں بھگوتے تھے اور پھر کھاتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پتے خشک تھے جبکہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پتے تازہ اور سرسبز تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ اپنا اپنا توشہ جمع کریں پھر بھی وہ صرف دو مزود سے بھی کم ہوئے۔ ہر روز اس سے تھوڑا تھوڑا دیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بھی ختم ہو گیا اور ہر آدمی کو ایک ایک کھجور سے زائد نہ مل سکی۔ اور اسے سیف البحر اس لئے کہا جاتا ہے کہ سیف سے مراد ہے دریا کا کنارہ۔ ان کا سفر دریا کے کنارے تک تھا لہٰذا اسے سریہ سیف البحر کہا گیا ہے۔ یہ ۸ھ میں رجب کے مہینہ میں واقع ہوا۔ شرح

بخاری میں ابن حجر رحمتہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یہ قول محمود نہیں ہے کہ یہ آٹھویں سال میں واقع ہوا کیونکہ بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہوا ہے کہ یہ سریہ قریش کے کارواں پر تاخت و تاراج کے لئے بھیجا گیا تھا اور یہ امر آٹھویں سال میں بنتا نہیں ہے کہ اس طرح واقع ہوا ہو اس لئے کہ اس دوران قریش سے صلح ہو چکی ہوئی تھی۔ پس یہی صحیح ہے کہ یہ سریہ چھٹے سال میں حدیبیہ کے واقعہ سے قبل واقع ہوا ہو گا۔ انتہیٰ۔

شیخ الاسلام ابن العراقی سے مواہب میں منقول ہے کہ یہ سریہ آٹھویں سال میں رمضان شریف کے مہینہ میں واقعہ ہوا جبکہ قریش نے عہد و پیمان توڑ دیا تھا۔ اس طرح آٹھویں سال میں واقعہ ہونے میں منافات نہیں ہے اور اہل سیر نے کہا ہے کہ اس سفر میں کسی دشمن سے مقابلہ نہ ہوا تھا اور اسی طرح لشکر واپس آ گیا۔ (انتہیٰ)

اس سفر سے متعلق ایک عجیب و غریب بات کا وقوع بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد کی خاطر جیش خبط میں گئے تھے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمارے امیر تھے۔ ہمیں سخت بھوک سے واسطہ پڑا تو دریا نے ایک مردہ مچھلی باہر پھینک دی وہ اتنی بڑی تھی کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ اس کا نام عنبر بتایا جاتا ہے۔ پندرہ روز تک ہم تمام لوگ یہ مچھلی کھاتے رہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی کو کھڑا کیا۔ تو اس کے نیچے سے اونٹ کا سوار گزر گیا۔ بارگاہ نبوت میں پہنچ کر ہم نے اس کا ذکر کیا۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے وہ رزق کھایا جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خاطر باہر نکال دیا ہے۔ اور پھر فرمایا کچھ باقی ہو تو ہمیں بھی وہ کھلاؤ۔ ہم نے تھوڑا سا حصہ آنحضرت کو پیش کیا۔ آپ نے وہ کھایا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ وہ مچھلی پہاڑ کی طرح تھی اور ایک روایت میں آیا کہ ٹیلہ کی مانند تھی۔ اور اس کا نام عنبر تھا۔ اور اس کا نام عنبر تھا۔ اس کی کھال سے ڈھال بناتے ہیں اور ہڈی سے مراد ہے پسلی کی ہڈی۔ یہ دونوں اطراف سے جڑی ہوئی ہوتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ لشکر میں ایک آدمی بڑے لمبے قد والا تھا وہ پالان والے اونٹ پر سوار ہوا اور اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا اس کا سر اس ہڈی کے ساتھ جا لگا تھا۔ صحیح مسلم شریف میں اور مسند امام احمد میں روایت کیا گیا ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ اس مچھلی کی آنکھ کے حلقہ میں بیٹھ جائیں تو اس طرح تیرہ آدمی اس میں بیٹھ گئے۔ اس مقام پر مواہب میں دو لشکروں کا تذکرہ ہے۔ ایک میں پندرہ اشخاص تھے یہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارض محارب نجد کی طرف گیا تھا ۸ھ ماہ شعبان میں یہ غطفان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تھا۔ ہاتھ آنے والے ہر آدمی کو انہوں نے تہ تیغ کیا۔ بڑی تعداد میں باندیاں قید کی گئیں ایک صد اونٹ اور دو صد بکریاں غنیمت میں آئے۔ یہ سفر پندرہ یوم کا تھا۔ دوسرا بھی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا ہی جیش تھا۔ یہ اضم کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس لشکر میں محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہ تھے ان کے سامنے عامر بن اضبط آیا تو انہوں نے اس کا سر اڑا دیا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سال میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایک فوجی دستے کا امیر بنا کر اضم کی طرف روانہ کیا۔ یہ مدینہ شریف سے ایک برید کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں موجود تھے۔ راستے میں عامر بن اضبط سامنے آ نکلا اور اس نے صحابہ کو سلام کیا۔ صحابہ کرام اس کو مسلمان خیال نہ

کرتے تھے۔ لہٰذا اس کے سلام کا جواب نہ دیا گیا حضرت محلم رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ آنحضرت کی بارگاہ قدس میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے محلم رضی اللہ عنہ پر عتاب کیا اور فرمایا کہ ایک مسلمان کو تم نے کیوں قتل کر دیا۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور! وہ موت سے ڈر کر اسلام ظاہر کرتا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ تم نے کیا" اسکا دل چیر کر دیکھا تا کہ تمہیں اس کے ارادہ اور نیت کا پتہ چل جاتا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ زبان سفیر ہوتی ہے۔ یہ دل کی ترجمان ہے۔ اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ **یایها الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللّٰه فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا** اے ایمان والو! خدا کی راہ میں جب تم قتل کرتے ہو تو دیکھ لیا کرو۔ جو شخص تم کو سلام کہے اس کو تم نہ کہو کہ وہ مومن نہ ہے۔ ازاں بعد محلم رضی اللہ عنہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ آنحضرت اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرمائیں۔ آنحضرت اس کے بارے میں محلم سے اس کی اس حرکت پر ناراض تھے لہٰذا آپ نے فرمایا **لا غفر اللّٰه لک ولا عفا اللّٰه عنک** اللہ تجھے نہ بخشے اور نہ تم کو معاف دے۔ محلم کھڑا ہو گیا اور وہ اپنے آنسو اپنی چادر کے ساتھ صاف کر رہا تھا۔ حضرت محلم رضی اللہ عنہ اسی لحہ وصل پا گئے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے سات یوم بعد ان کا وصال ہو گیا اور جب ان کو دفن گیا تو زمین نے ان کو باہر پھینک دیا۔ تین بار دفن کیا گیا لیکن زمین (قبر) باہر نکال دیتی رہی۔ آخر کار اسے پتھروں سے ڈھانپ دیا گیا جب یہ بات آنحضرت کی سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا کہ زمین نے محلم کو نہ نگلا۔ اور فرمایا کہ زمین اسے نیچے لیجاتی ہے (نگلتی ہے) جو اس سے بدتر ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا کہ تم کو نصیحت ہو تا کہ تمہیں تنبیہہ ہو جائے۔

اور روضتہ الاحباب میں یہ سریہ بنام ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے شروع میں مذکور ہے اور کہا ہے کہ اس سے قبل کہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ کو روانہ ہوئے۔ ۸ھ کے رمضان کے مہینہ میں حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو قبیلہ اضم کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے خیال کیا کہ آنسرور صلی اللہ علیہ الہ وسلم اس جانب جانے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں جدھر یہ جماعت بھیجی گئی تھی۔ اس کے بعد اس سریہ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد فتح مکہ کا ذکر شروع کیا اور مواہب الدینہ میں بھی سریہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر فتح مکہ سے قبل کیا گیا ہے اور اصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محلم تین آدمیوں کے نام تھے جس نے عامر بن اضبط کو قتل کیا تھا وہ محلم اس محلم سے جدا ہے جسے زمین نے باہر نکال پھینکا تھا۔ (واللہ اعلم)
مواہب الدینہ میں ایک اور سریہ بھی مذکور ہوا ہے۔ اسے سریہ ابو العوجا کہا جاتا ہے۔ یہ ماہ ذوالحجہ ۷ھ میں بنو سلیم پر روانہ کیا گیا تھا۔ یہ پچاس آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ تھا۔ اسے ہر طرف سے گھیرے میں کافروں نے لے لیا ان سے جنگ کی تھی۔ حتیٰ کہ ان سے اکثریت شہید کر دی گئی تھیں۔ ابن ابی العوجا مقتولوں میں زخمی ملے۔ ان کو اٹھا کر آنحضرت کی خدمت میں لائے۔ اسی پر یہ سال ختم ہو گیا۔

فتح مکہ

مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعظیما" و تشریفا" ۸ھ میں فتح ہوا۔ یہ ایک واضح اور ظاہر فتح تھی جس پر آیت پاک **انا فتحنا لک**

فتحنا مبینا شاہد و ناطق ہے۔ گو کچھ مفسرین نے فتح مبین سے حدیبیہ کی فتح مراد لی ہے جو کہ فی ذاتہ فتح ضرور تھی اور عظیم فتوحات کا سرچشمہ بھی تھی۔

واقعہ یوں ہے کہ مکہ کی فتح اعظم فتوحات سے ہے۔ اس لئے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور اپنے رسول کو فتح مندی سے سرفراز فرمایا۔ اپنے لشکر کو عزیز کیا اور اپنا حرم جائے امن قرار دیا گیا اور اپنے پاک گھر کو مشرکین سے بالکل پاک کردیا اور اس طرح کی فتح و ظفر ارزانی فرمائی جس پر سب زمین و آسمان والوں نے مبارکباد پیش کی۔

اطراف و کناف کے تمام عرب اس انتظار میں تھے کہ اگر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئیں گے اور بلد معظم اور بیت مکرم آنحضرت کے قبضہ اقتدار میں آجائے گا تو ہم بھی اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور توقف و تردد سے چھٹکارا مل جائے گا۔ بس جس وقت نصر عظیمہ اور فتح مبینہ کا ظہور ہو گیا تو ہر جانب سے لوگ دوڑ دوڑ کر آنے لگے اور اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اذا جاء نصر اللّٰہ و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔	جس وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت و فتح آجائے اور تو دیکھے لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو۔ اور اس سے مغفرت طلب کرو بے شک وہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

اس مبارک سورۃ قرآنی میں دین کے اکمل و اتمام، شک و ارتیاب کے حجاب کے رفع ہو جانے اور صدق و یقین کے نور کے سطوع کی جانب اشارہ ہے۔ فتح مکہ کے بعد اہل شرک کے لئے فرار کی کوئی جگہ باقی نہ رہی اور ان پر بیچارگی کا عالم تھا۔ طوعاً و کرہاً اسلام میں داخل ہو گئے۔ کچھ لوگوں کا اسلام اس روز پکا ہو گیا اور ان سے دلی تصدیق کی علامات کا ظہور ہوا۔ لیکن بعض لوگوں کا ایمان پختہ نہ ہوا۔ اس آیت پاک میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولا ھم ینظرون	اے میرے حبیب! تم فرما دو۔ کہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کو فتح کا دن فائدہ نہیں دیتا۔ اور وہ غور و تدبر سے کام نہیں لیتے ہیں۔

اس میں یہ ہے کہ یوم فتح پر ایمان لانا مفید و مقبول نہ ہے۔ جواب میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے فتح کے روز مارے جانے والے کفار مراد ہیں جو اس حالت میں ایمان لائے۔ پس بحالت قتل ایمانی لانا ان کے حق میں مفید نہ ہوا۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یوم الفتح سے قیامت کا دن مراد ہے۔ کیونکہ اس دن کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو مدد اور انسانوں میں حکومت کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ فتح کے معانی حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے وارد ہوئے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے۔

ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين۔	اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ اور بہترین فیصلہ کرنے والا تو ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ فتح صمدانی اس بنا پر ظہور پذیر ہوئی کہ حدیبیہ میں قرار پائی جانے والی صلح میں یہ ایک شرط تھی کہ کوئی بھی فریق ایک دوسرے کے حلیفوں سے ہرگز کوئی تعرض نہ کرے گا اور جو چاہے جس فریق کو چاہے اختیار کرے خواہ قریش کے ساتھ عہد و حلف میں شامل ہو جائے اور خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ۔ پس بنو بکر قریش کے ساتھ ہم سوگند ہو گئے اور بنو خزاعہ نے آنحضرت کے ساتھ عہد و پیمان باندھا۔

اور اس سے قبل سے ہی بنو خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف رجوع رکھتے تھے گو ہنوز وہ ایمان نہ لائے تھے اور ان دونوں قبائل بنو بکر اور بنو خزاعہ کے مابین دور جاہلیت سے جھگڑا اور دشمنی چلی آتی تھی۔ اور ان میں متعدد بار جنگ و جدال بھی ہو چکے تھے۔ جب بعثت نبوی کا قضیہ درمیان میں ظاہر ہوا تو اس میں مشغولیت کی بنا پر وہ اپنے اپنے اصلاح احوال کی جانب سوچ تک نہ سکے جب صلحنامہ حدیبیہ واقعہ ہوا تو انہیں بھی اپنے حال کی خبر ہوئی۔ انہیں اطمینان حاصل ہوا۔ انہیں فرصت مل گئی تو پھر آپس کے نزاع و دشمنی کی طرف متوجہ ہوئے حتیٰ کہ ایک دن ایک آدمی سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہجو میں مشغول تھا۔ وہاں پر موجود بنو خزاعہ کے ایک آدمی نے اسے ممانعت کی۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ پس خزاعہ کے آدمی کو غصہ آیا اور اس کے منہ اور سر کو توڑا۔ وہ جا کر بنو بکر سے فریادی ہوا۔ بنو بکر کی ایک شاخ نفاثہ بنو خزاعہ کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئی۔ انہوں نے بنی مدبج سے بھی مدد طلب کی۔ لیکن بنی مدبج نے انکار کیا ازاں بعد وہ قریش سے مدد کے طلبگار ہوئے۔ قریش میں سے آنحضرت کے ساتھ موروثی دشمنی رکھنے والے بے وقوفوں پر مشتمل ایک گروہ نے جس میں عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہل بن عمرو وغیرہم تھے اپنی ہیئت تبدیل کر کے اور چہروں پر دبیز پردے ڈال کر بنی بکر کی رفاقت کی اور بنو خزاعہ پر شبخون مارا اور بڑی جنگ و قتل کیا۔ حتیٰ کہ وہ دوران جنگ حرم پاک میں بھی جا داخل ہوئے۔ بنو خزاعہ نے بلند آواز سے بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ کو کہا کہ خدا سے ڈرو اور حرم پاک کی حرمت و پاکیزگی ملحوظ رکھو۔ نوفل بن معاویہ نے جواب دیا کہ یہ بات تو بڑی اہم ہے اور مجھے اس کا علم بھی ہے لیکن آج ایسا کرنے کا موقع نہ ہے بتایا گیا ہے کہ بنو خزاعہ سے بیس آدمی اس جنگ میں مارے گئے۔ قریش خیال کرتے تھے کہ ان کو کوئی نہیں پہچان سکا اور یہ راز میں ہی بات رہ جائے گی۔ لیکن اسی رات آنحضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر کر دی گئی تھی۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس رات میں بنو بکر اور بنو خزاعہ کا واقعہ ہو چکا ہے اور قریش نے عہد و پیمان توڑ دیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کا خیال ہے کہ قریش عہد توڑنے میں دلیری دکھائیں گے جبکہ تلواروں نے ان

کو فنا کر دیا ہے فرمایا۔ انہوں نے عہد اس معاملہ کی خاطر توڑ دیا ہے جسے خدا تعالیٰ نے ان کے ساتھ چاہا ہے۔ میں نے گزارش کی۔ یہ معاملہ خیر ہے یا شر تو فرمایا انشاء اللہ خیر ہی ہو گا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث معجم صغیر میں طبرانی نے نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک رات کو میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے تین مرتبہ لبیک لبیک فرمایا۔ اور تین مرتبہ فرمایا 'نصرت' نصرت' نصرت یعنی میں مدد کرتا ہوں میں نے قریب آکر حضور سے پوچھا یا رسول اللہ۔ میں نے آپ کو باتیں کرتے سنا ہے۔ کیا کوئی شخص موجود تھا جس سے آپ باتیں کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا یہ شخص راجز بنی کعب تھا جو بنو خزاعہ سے ہے اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی اور وہ کہتا تھا کہ قریش نے بنو بکر اعانت کی ہم پر شبخون مارا۔ تین دن گزارے تو عمرو بن سالم خزاعی اپنے ساتھ چالیس سوار لئے ہوئے مکہ سے مدینہ شریف پہنچ گیا اور جو کچھ واقعہ رونما ہوا تھا وہ آنحضرت کے گوش گزار کیا اور مدد کی درخواست کی۔ آنحضرت اس حالت میں کھڑے ہو گئے کہ جناب کی مبارک زمین گھسٹ رہی تھی اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ میری مدد نہ ہو گی اگر میں نے اس طرح تمہاری مدد نہ کی جس میں کہ میں اپنی مدد کرتا ہوں نہایت اتحاد و اخلاص کی طرف اس میں آپ نے اشارہ فرمایا اور تعلق داری جتائی۔ اور ان کے دلوں کو تسلی دی گویا کہ آسمان پر ایک بادل چھایا ہوا تھا۔ پس آنحضرت نے فرمایا یہ بادل فریاد کر رہا ہے۔ اور بنی کعب کی مدد کی خبر دے رہا ہے۔ پھر فرمایا تم اپنے علاقہ میں واپس چلے جاؤ اور غم نہ کرو۔ فتح و نصرت کے دن قریب آگئے ہیں اور اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا۔ گویا کہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ابو سفیان یہاں آکر صلح کا عرصہ بڑھانے اور اس کی تجدید کے لئے گزارش کرتا ہے اور خائب و خاسر مکہ کو واپس چلا گیا ہے۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ قریش اپنے کئے پر پچھتانے لگے اور ابو سفیان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں روانہ کیا وہ معذرت خواہ ہو اور کہے کہ میرے مشورہ سے یہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ لہٰذا صلح کی مزید تجدید و تاکید فرما کر عرصہ صلح بڑھا دیں پس ابو سفیان مدینہ شریف میں آگیا اور پہلے وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ یہ ازواج مطہرات سے تھیں۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا۔ لیکن سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وہ بستر لپیٹ لیا۔ ابو سفیان کہنے لگا کہ تم مجھ سے اس بستر کی حفاظت کرتی ہو تو سیدہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ بستر سید المطہرین کا ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور تم مشرک اور پلید ہو۔ پس وہ بیٹی کے گھر سے نکل آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا' تجدید عہد کے لئے بہتیرا کہا لیکن اسے کوئی بات نہ ملی۔ مایوس ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن وہاں سے بھی مایوس و خاسر ہی نکلا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا لیکن خائب و محروم واپس آیا ازاں بعد وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گیا۔ اور کہا کہ تمہاری بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کو امان دی تھی اور آنحضرت نے وہ امان جائز و قائم رکھی تھی اور اس کو معتبر جانا۔ سیدہ نے جواب دیا کہ ہمیں کوئی اختیار نہ ہے۔ پس وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں سے بھی ناامید ہوا۔ پس خائب و خاسر مکہ کو واپس چلا گیا۔

جب ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سفر کے لئے کار سازی میں مشغول ہوئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ سفر کے لئے سامان تیار کرو اور خود لشکر تیار کرنے میں معروف ہو گئے اور کوئی اس راز سے آگاہ نہ تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب سیدہ صدیقہ کے ہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سفر کا سامان تیار کیا جا رہا ہے۔ تو پوچھا کہ اے عائشہ یہ سب کیا ہے اور کیسی تیاری ہو رہی ہے انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے سامان سفر تیار کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے اس سے زیادہ میرے علم میں کچھ نہیں ہے اور نہ ہی میں کچھ بتا سکتی ہوں۔ اسی اثناء میں آنحضرت بھی آ گئے تو حضرت صدیق ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی سفر کی تیاری ہے۔ فرمایا۔ ہاں پھر حضرت صدیق نے دریافت کیا کیا قریش کی سرکوبی کا ارادہ ہے۔ فرمایا ہاں۔ تم اس بات کو مخفی رکھنا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی۔ **اللھم خذ علی ابصارھم فلا یرونی الا بغتة** اے اللہ! کافروں کی نظروں کو پکڑے۔ تاکہ وہ مجھ کو نہ دیکھیں گے مگر اچانک۔ اور آپ نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم فرمایا۔ اور کہا کہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لو پھر بھی واضح طور پر اپنے ارادہ سے کسی کو خبر نہ دی۔

مکہ والوں کو حضرت حاطب بن ابی ملتعہ نے مکتوب بھیجا اور انہیں اطلاع دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تم پر فوج کشی فرمانے والے ہیں۔ مکتوب کا مضمون یہ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ لاہ وسلم لشکر تیار کر رہے ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ وہ سوائے مکہ کے اور کسی طرف روانہ نہ ہوں گے پس چاہیے کہ تم اپنی فکر کرو۔ والسلام انہوں نے یہ مکتوب ایک مزنی عورت کو قریش کے پاس پہنچانے کے لئے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مطلع فرما دیا۔ پس آپ نے حضرت علی' زبیر بن العوام اور مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ تم سوار ایک عورت پاؤ گے۔ اس کے پاس ایک خط ہے۔ وہ خط لے آؤ۔ ہر سہ حضرات وہاں اس کے پاس آ پہنچے۔ وہ خط کو بالوں کو چٹیہ میں پوشیدہ کئے ہوئے تھی۔ وہ خط لے کر انہوں نے آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر کر دیا۔ پھر آنحضرت نے حاطب کو بلایا اور اسے اس کی کارروائی سے آگاہ فرمایا اور پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا ہے۔ اس سے تم کیا مقصد وابستہ رکھتے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھ پر عجلت نہ فرمائی۔ قسم خدا تعالیٰ کی میں مومن ہوں۔ اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہوں۔ لیکن میں قریش میں حلیف ہوں۔ لیکن میں ان سے نہیں ہوں۔ اور مکہ میں میرے اہل اور مال کی حمایت و محافظت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور آپ حضور کے ساتھ جو مہاجرین موجود ہیں ان کے عزیز و اقارب مکہ میں ہیں۔ وہ ان کے مال اور اہل کی حفاظت کرتے ہیں۔ مجھ کو اس چیز نے فتنہ میں ڈالا ہے۔ اور میرا یہ عمل نفاق ارتداد پر مبنی نہ ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ اور جان لو کہ حاطب سچ کہتا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ اس منافق کی گردن قلم کر دوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ **ان اللہ اطلع علی اھل بدر وقال عملوا ما شئتم فقد غفرت** بے شک اللہ نے اہل بدر کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ جو چاہیں کریں۔ بے شک میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ یہ طبرانی کی روایت ہے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ **انی غافر لکم** پس فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رونے لگے اور گزارش کی۔ اللہ

ورسولکہ اعلم اس موقع پر یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ یا ایھا الذین امنو لا تتخذو اعدوی وعدوکم اولیاء فقد ضد سواء السبیل اے ایمان والو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ وہ سیدھی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ فتح الباری میں نقل کیا گیا ہے کہ فاروق اعظم نے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت فرمائیں کہ اس منافق کی گردن ماروں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب کی تصدیق کردی تھی۔ اور ان کا عذر قبول کرلیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت فاروق کے نزدیک حاطب منافقوں سے تھے اور حضرت فاروق کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا مخالف واجب القتل ہوتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے علم پر جزم نہ کیا تھا بلکہ آنحضرت سے اجازت مانگی تھی اور اس کے لئے منافق کا لفظ اس لئے بولا تھا کہ اس نے اپنے عمل کو پوشیدہ رکھا تھا اور حاطب کا بیان کردہ عذر اسکی تاویل تھی اور اس نے گمان کیا تھا کہ ایسے کام سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور آنحضرت نے فرمایا تھا۔ فقد غفرت لکم یا اغفرلکم یہ استقبال کو بطریق ماضی تعبیر کیا ہے اور تحقیق وقوع کے مبالغہ کے طور پر ہے علماء نے فرمایا ہے کہ جو حالت اہل بدر کو میسر شدہ ہے اس کی تعظیم وتوقیر میں یہ خطاب ہوا ہے یعنی ان کے سابقہ گناہوں کو بخشا گیا ہے۔ اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے آئندہ ہونے والے گناہ بھی بخشے جا چکے ہیں۔ اور کوئی شبہ نہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کا ظہور فرمایا ہے۔ جس کے بارے میں بھی جو کچھ آنجناب نے اطلاع دی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ جنتیوں جیسے اعمال پر قائم رہیں گے۔ حتیٰ کہ وہ دنیا سے وصل پا جائیں اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ بھی ہو جائے تو وہ توبہ واستغفار میں سبقت کرنے والے ہوں گے۔ اور ان کی حالت سے ہر کوئی آگاہ ہے جیسے کہ ان سیرتوں کے بارے میں مطلع کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ وہ دراصل اسی طرح کے ہیں۔ مولف مواہب الدینہ نے اسے قرطبی سے نقل کیا ہے۔

کچھ اہل مغازی کہتے ہیں کہ حاطب کے خط کا مضمون یوں تھا۔ اے گروہ قریش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لیل وسیل جیسی فوج کے ساتھ آرہے ہیں۔ بخدا سوگند اگر آپ اکیلے بھی آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور اپنا وعدہ سچا کر کے دکھائے گا۔ لہٰذا تم اپنی فکر کرلو۔ اس طرح سہیلی کا بیان ہے انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔

اس مکتوب میں کفر ونفاق پر مبنی کوئی چیز نہ ہے۔ سوائے اس بات کے کہ انہوں نے راز کو فاش کردیا اور امیدوار ہوتے ہوئے عذر خواہی بھی کی کہ شاید قبول کرلی جائے اور کوئی شک نہ ہے کہ آنحضرت نے ان کا عذر قبول فرمایا اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی اور فاروق اعظم کو انہیں قتل کردینے سے روک دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے حکم دیا کہ اس کو مسجد سے باہر نکال دیں پس کے بعد دیگرے لوگ حاطب کی پشت پر ہاتھ مارنے اور باہر دھکیلنے لگے۔ پھر بھی حاطب مڑ مڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھتے جاتے تھے تاکہ آپ رحم اور مہربانی فرمائیں۔ پس آپ نے ارشاد فرمایا کہ واپس لے آؤ اور فرمایا میں نے تمہارا جرم معاف کردیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو اور آئندہ ہرگز کوئی ایسا فعل نہ سرزد ہو۔

سیرت نگار حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اکابر مہاجرین سے تھے اور یکے از ارباب دانش وبنیش

تھے۔ ان کی غفلت کی بنا پر انہیں ذلت کا سامنا ہوا۔ سابقاً مذکور ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس بحیثیت قاصد بھیجا تھا۔

لشکر اسلام کی مکہ طرف روانگی:۔ وصل:۔ عزم سفر کی تکمیل ہوئی تو آنحضرت نے کچھ آدمی مسلمان شدہ قبائل عرب مثلاً اسلم' غفار' جہنیہ' اشجع' اور بنو سلیم وغیرہم کی طرف روانہ کئے کہ ان کو پتہ کر دیں اور وہ تمام سامان جنگ کے ساتھ آئیں اور شامل ہو جائیں۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم رمضان کے مہینہ میں ۸ھ بدھ کے دن نماز عصر کے بعد مدینہ شریف سے روانہ ہوئے کما قال واقدی۔ اور امام احمد کے نزدیک صحیح اسناد کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم فتح کے سال رمضان کی دو تاریخ کو روانہ ہوئے۔ لہٰذا واقدی کی بیان کردہ تاریخ ضعیف ہے۔ اور تاریخ کے بارے میں متعدد دیگر اقوال ہیں۔ مثلاً بارہ' سولہ' سترہ' اٹھارہ اور انیس تاریخ' اولین دو اقوال صحت کے قریب تر ہیں دوسرا زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم مدینہ شریف سے باہر آکر آنحضرت نے فوج ملاحظہ فرمائی مہاجرین سات صد تھے۔ ان میں سے تین سو کے پاس گھوڑے تھے۔ انصار سے چار ہزار مرد تھے۔ ان میں سے پانچ سو کے پاس گھوڑے تھے ایسے ہی مذکورہ قبیلوں سے بھی چار سو' پانچ سو اور ایک ہزار کے مخصوص عدد کے ساتھ آکر شامل ہوئے اور راستہ میں بھی قبائل آکر شامل ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ مجموعی طور پر دس ہزار کی تعداد بن گئی۔ کچھ علماء نے بارہ ہزار تعداد بھی بتائی ہے۔ ان میں یوں جمع کر سکتے ہیں کہ مدینہ شریف سے دس ہزار کی تعداد روانہ ہوئی ہوگی۔ بعد ازاں راستہ میں دو ہزار نفری شامل ہو گئی۔ روایت ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کے آدمی دو ہزار کی تعداد میں بعد میں آکر شامل ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر گھوڑوں پر سوار تھے۔ مدینہ شریف میں ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تھے۔ ازواج مطہرات سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا گیا منزل کدید پر پہنچ کر علم اور جھنڈے صحابہ کرام کو دیئے گئے۔ کدید ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ قدید اور عسفان کے درمیان ہے۔ اسی منزل پر روزہ کھولا گیا اور حکم فرمایا کہ سب روزہ افطار کر لیں۔ نیز اعلان کیا گیا سفر میں روزہ افطار کرنے والا گناہ کا مرتکب ہوگا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا جس کا جی چاہے وہ افطار کرے اور جس کا جی نہ چاہے وہ افطار نہ کرے۔ دوران سفر افطار کر لینا اور روزہ رکھنا دونوں اختیاری ہیں رعایت و مصلحت کے حساب سے اور ملاحظہ اوقات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی فضیلت میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں اور سب احادیث دوران سفر افطار پر متفق ہیں۔

مکہ شریف سے بھی چند لوگ ہجرت کر کے مدینہ کی جانب آرہے تھے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی بمعہ اہل و عیال شامل تھے۔ وہ منزل سقیا پر اور ایک قول کے مطابق منزل جحفہ میں اور دیگر ایک کے مطابق ذوالحلیفہ میں آنحضرت سے آکر ملے۔ آنحضرت نے حضرت عباس کی آمد پر خوشی ظاہر فرمائی اور آپ نے ان کو حکم فرمایا کہ اپنا سامان مدینہ شریف بھیج دیں اور خود ہمارے ساتھ رہیں اور آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بھی فرمایا کہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے۔ جیسے کہ میری نبوت آخری نبوت ہے۔ راستہ میں ابوسفیان بن حارث بن

عبدالمطلب بھی ملے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ آنحضرت کے چچا حارث کے بیٹے تھے اور آنحضور کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے فرزند عبداللہ بن امیہ بھی آئے اور اسلام لائے۔ یہ آنحضرت کو رنج و ایذاء پہنچانے میں بہت زیادہ مشغول رہا کرتے تھے۔ آنحضرت نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ ازاں بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے گزارش و درخواست کی تو آپ نے اس کے گناہوں کو نظرانداز کر دیا۔ ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ گزارش و درخواست کی تو آپ نے اس کے گناہوں کو نظرانداز کر دیا۔ ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ کریمی میں پیش ہو جاؤ اور اسی طرح عرض گزارو جیسے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا تھا۔ یعنی کہ **لقد اثرک اللہ علینا وانا کنا لخاطئین** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین** اہل سیر نے کہا ہے کہ ازاں بعد حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے بوجہ شرم اور حیا کے آنحضرت کے روبرو کبھی سر اوپر نہ اٹھایا تھا۔ وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مرالظہران پہنچ گئے وہاں سے چار فرسخ کے فاصلہ پر مکہ شریف ہے۔ اس وقت اسے وادی فاطمہ کہا جاتا ہے۔ یہ نسبت فاطمۃ الزہرہ رضی عنہا سے نہ ہے بلکہ ویسے ہی اس کا یہ نام پڑ چکا ہے۔ جیسے کہ اور مقامات کے نام ہیں۔ آنحضرت نے حکم صادر فرمایا کہ ہر آدمی اپنے خیمہ کے آگے آگ روشن کرے۔ پس دس بارہ ہزار مقامات پر آگ جلائی گئی ہوگی اب تک قریش آنحضرت کی تشریف آوری سے بالکل بے خبر تھے۔ لیکن خوفزدہ اور غمزدہ ضرور رہا کرتے تھے کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ آنحضور مکہ کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ قریش نے ابوسفیان بن حرب کو حالات کا پتہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور اگر کسی طور محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے ملاقات ہو سکی تو ہمارے واسطے امان مانگنا ابوسفیان اپنے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ کو لے کر روانہ ہوا۔ انہیں ساری وادی آگ سے روشن دکھائی دی۔ وہ پوچھنے لگے کہ یہ آگ کیسی ہے۔ خیمے دیکھے پھر گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

دوسری جانب حضرت عباس بن عبدالمطلب کہہ رہے تھے کہ کاش کہ آنحضرت اس شوکت و شان سے دفعتاً قریش پر حملہ فرمائیں تو وہ تمام ملیامیٹ ہو جائیں اور نام نشان بھی باقی نہ رہے۔ پھر حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر لشکر سے نکلا کہ مکہ کا کوئی شخص مل جائے تو اس صورت حال سے آگاہ کروں اس لئے کہ وہ مکہ والوں کو مطلع کر دے اور وہ اپنا انجام سوچ سمجھ لیں۔ ناگاہ ابوسفیان کی آواز میں نے پہچان لی۔ میں نے اسے آواز دی۔ اے ابوحنظلہ! اس نے بھی میری آواز کو پہچانا اور کہا کیا ابوالفضل ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ پھر وہ کہنے لگا اے ابوالفضل میرے والدین تم پر قربان۔ یہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے۔ یہ رسول خدا ہیں۔ بارہ ہزار فوج لے کر تم پر چڑھائی کی ہے۔ وہ کہنے لگا اے عباس! اب ہمارا کیا ہوگا۔ میں نے اسے میرے اونٹ پر سوار ہونے کو کہا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس جا کر تمہارے واسطے امان کی درخواست کروں گا۔ ابوسفیان میرے پیچھے اونٹ پر سوار ہو گیا۔ حکیم بن حزام اور بدیل واپس مکہ کو چلے گئے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ حکیم اور بدیل یہ دونوں بھی ان کے ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آکر حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ مکہ گئے ہوں اور پھر آگئے ہوں۔ حضرت عباس فرماتے ہیں اس کے بعد ہم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خیمہ کے سامنے پہنچے۔ ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو چھلانگ لگائی اور تلوار لے کر پیچھے دوڑے کہ ابوسفیان کو قتل کر دیں قبل اس کے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچنے پائے کیونکہ ابھی تک وہ امان یافتہ نہ تھے اور نہ ہی ایمان لائے تھے۔ میں نے اپنا اونٹ تیز دوڑایا اور ہم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رسائی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ مبارک میں جا پہنچے۔ وہاں میں نے آنحضور کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لیا ہے اور امان دی ہے اور عمر اس کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آنحضور نے فرمایا اے عباس! تم آج کی رات ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں ٹھہراؤ اور کل صبح میرے سامنے پیش کرنا۔ صبح ہو گئی اور میں اسے لے کر آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ آنحضرت نے ابوسفیان سے فرمایا۔ اے ابوسفیان! افسوس ہے تجھ پر۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تجھے معلوم ہو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کا مستحق نہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ آپ پر میرے والدین قربان آپ نہایت رحم و کرم والے اور بردبار ہیں۔ اس قدر ایذا اور ستم آپ کو دینے کے بعد بھی آپ اتنے مہربان ہیں اب مجھے پتہ ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہ ہے اگر کوئی ہوتا تو ہمیں اس وقت فائدہ پہنچاتا۔ اور ہماری مدد کرتا۔ پھر آنحضور نے فرمایا کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تمہیں علم ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ وہ کہنے لگا۔ ابھی تک میرے دل میں کچھ شک تھا اس لئے میں متوقف تھا۔ ہنوز اس کے سینہ میں تصدیق رسالت کا جذبہ اٹھا نہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے ابوسفیان تیری خرابی ہو۔ بات کو لمبا مت کرو۔ اور اپنی زبان کو توحید کے کلمہ کے لئے کھول دے ورنہ ابھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ آجائیں گے۔ اور تیرہ سر کاٹ دیں گے۔ پس ابوسفیان کہا۔ **اشهد ان لا اله الا اللّٰه وان محمدا رسول اللّٰه** ازاں بعد حضرت عباس نے آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے گزارش کی یا رسول اللہ! ابوسفیان فخر اور شرف والا آدمی ہے اور اس کو عزت اور منزلت گوارا ہے اس کو کوئی ایسا مرتبہ عطا فرمائیں کہ اہل مکہ کے سامنے اس کا وقار قائم رہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **من دخل دارابی سفیان فھو امن** ابوسفیان کے گھر میں جو داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ اور مسجد حرام میں داخل ہو جانے والا بھی امن میں ہے۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا تھا کہ ایک وقت وہ بھی تھا۔ جب شروع میں مکہ کے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تکلیف اور دکھ دیتے تھے تو ابوسفیان نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اپنے گھر میں لایا تھا پس آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بدلہ میں اس کی عزت افزائی کی نیز اس لئے بھی کہ اس کا تکبر اور غرور ٹوٹ جائے۔ آپ نے ساتھ ہی دوسرے لوگوں کے لئے بھی امن کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس لئے کہ ابوسفیان یہ نہ سوچے کہ صرف اسی کے ساتھ یہ مخصوص ہے بلکہ وہ محسوس کرے کہ یہ ایک عام احسان ہے۔ جس میں وہ بھی شامل ہے۔

ابوسفیان مکہ جانے کو تیار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ابھی

اس کو مکہ نہ جانے دینا اسے اپنے ساتھ رکھو۔ اور ایسی تنگ گزرگاہ پر رکھو کہ اسلامی لشکر وہاں سے گزرتا ہوا یہ دیکھ سکے اور اس کے دل میں اسلام کا رعب پڑے اور اس کا عناد اور نخوت ملیامیٹ ہو جائے۔ لہٰذا حضرت عباس نے آواز دی۔ اے ابو حنظلہ۔ ٹھہر جاؤ۔ اور واپس آجاؤ۔ ابوسفیان نے واپس آکر پوچھا۔ اے بنی ہاشم! کیا تمہارے دل میں کوئی عذر ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں اہل بیت نبوت عذر کرنے والے اور بے وفا نہیں ہیں۔ پھر حضرت عباس ابوسفیان کو ایک تنگ سے راستہ پر لے گئے اور اسے اپنے ساتھ روک کر کھڑے ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہاں سے اسلامی لشکر عزت و شوکت سے گزرتا رہا۔ اس دوران حضرت عباس ابوسفیان کے سامنے ان کی تعریف کرتے اور ابوسفیان کے دل کو جلاتے رہے اولین گزرنے والے لشکر شوکت پناہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ بنو سلیم کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اس فوج میں دو علم تھے۔ ابوسفیان نے حضرت عباس سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے سامنے سے گزرتے ہوئے تین بار تکبیر بلند کی۔ جس کے باعث ابوسفیان کی روح کانپنے لگی اور اس کا دل لرز گیا۔ ان کے بعد سیاہ رنگ کا علم اٹھائے ہوئے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اپنے پانچ صد پہلوانوں اور دلاور جنگجو مردوں کے ساتھ باآواز بلند تکبیر پکارتے ہوئے گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہے حضرت عباس نے بتایا کہ یہ ہیں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔ وہ کہنے لگا کہ کیا یہ تمہاری بہن کا فرزند ہے۔ حضرت عباس نے کہا۔ ہاں' ازاں بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے عقب میں تین سو مردان جنگی از بنو غفار نمودار ہوئے ان کے علمبردار حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ بھی گزرتے ہوئے تکبیر بلند کر رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس قبیلہ کی تعریف کی۔ تو ابوسفیان کہنے لگا کہ ان کے ساتھ ہم کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ پھر بنو کعب بن عمر کے پانچ سو آدمی وہاں آپہنچے۔ اور بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ علم سنبھالے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ گروہ کن لوگوں کا ہے۔ حضرت عباس نے بتایا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حلیف ہیں اور ہم سوگند ہیں پھر ایک ہزار آدمیوں کا دستہ گزرا۔ یہ قبیلہ مزینہ سے تھے ان میں تین علم تھے۔ ان کی تعریف سن کر ابوسفیان نے کہا کہ مجھے ان کے ساتھ سروکار نہیں ہے۔ ازاں بعد آٹھ سو بہادروں اور شجاعت کے پیکر لوگوں کا شکر گزرا یہ قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے چار جھنڈے تھے۔ ان کے اشجع کے تین سو آدمی گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف فرمائی۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے تھے۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزین فرمائی ابوسفیان کہنے لگا۔ ان کو میں نے دیکھا ہے۔ ان سے میرا سروکار نہ ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخصوص فوج گزرنے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ کے گرد تقریباً پانچ سواعیان مہاجرین اور اشراف انصار تھے۔ یہ تمام مسلح اور اکمل تھے۔ اور رکاب فلک خرسا میں آراستہ پیراستہ تھے۔ یہ سب تکبیر بلند کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک پہلو کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب حضت اسید بن حضیر تھے اور آنجناب ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ جب یہ لشکر

الیسہ اتنی شان و شوکت کے ساتھ ابوسفیان نے دیکھا۔ تو چشم عقل شرمندہ ہو کر رہ گئی اور اس پر نہایت ہیبت و تعجب چھا گیا۔ اور کہنے لگا۔ اے عباس! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت عظیم اور قوت والی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ابوسفیان تم پر سخت افسوس ہے۔ یہ بادشاہت نہیں۔ بلکہ یہ رسالت اور نبوت ہے۔

جیسے کہ منقول ہوا ہے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو انصار کا علم لئے ہوئے تھے اپنے ایک ہزار انصاری ساتھیوں کے ساتھ رواں تھے۔ ابوسفیان کے برابر پہنچ گئے تو حضرت سعد نے فرمایا آج خونریزی کرنے کا دن ہے اور قتل کرنے کا دن ہے۔ آج حرمت حرم حلال کر دی گئی ہے آج کے دن حق تعالیٰ نے قریش کو ذلیل اور رسوا کیا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے بنو اوس اور بنو خزرج کے لوگو! آج تم قریش سے روز احد کا بدلہ لے لو۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا۔ اور وہ فریاد کرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم کو حکم فرمایا ہے کہ وہ قتل کریں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات بیان کی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے اپنے طور پر ایسا کہا ہے۔ اور سہواً کہا ہے۔ آج تو رحم اور مہربانی کا دن ہے۔ آج تو اللہ تعالیٰ قریش کو معزز فرمائے گا اور آج کے دن اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی عزت و عظمت زیادہ کرے گا۔ تم سب اطمینان رکھو اور ایمان لاؤ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ سعد نے خلاف واقعہ بات کہہ دی ہے آج وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت کو بڑھاتا ہے۔ اس کو خلعت پہناتا ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا۔ تمام لوگوں میں آپ بڑے ہیں۔ رحیم اور کریم ہیں میں اللہ تعالیٰ کو شفیع بنا کر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو قرابتداری قریش کے ساتھ دی ہے اسے ملحوظ نظر فرمائیں اور خون سے درگزر فرمائیں۔ اور اپنے عزیزوں اور قریبیوں پر رحم و کرم فرمائیں اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے عزیز و اقارب کی رعایت کے لئے مضطرب ہو گئے۔ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی۔ یا رسول اللہ! ہم سعد بن عبادہ سے مامون نہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے قریش کو گزند پہنچے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے والد سے علم لے لیں اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ مکہ شریف داخل ہوں۔

اس کے بعد ابوسفیان سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تجھے مکہ جانا چاہیے اور قریش کو خوف دلانا چاہیے تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور قتل ہونے اور قیدی بننے سے بچ جائیں۔ ورنہ وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ابوسفیان بھاگا بھاگا مکہ میں آیا اور اس نے مکہ والوں کو خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا اور جو کوئی اسلحہ پھینک دے گا جو کوئی اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھے گا اور کوئی مسجد حرام میں ہو گا۔ وہ سب امان میں ہوں گے۔ قریش نے کہا۔ قبحک اللہ (اللہ تجھے روسیاہ کرے) یہ کیسی خبر ہے۔ جو تو ہمارے لئے لایا ہے۔ گویا کہ ابھی تک آنحضرت کے وہاں آنے کا قریش کو یقین نہ آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تمہارے پیچھے کون ہے اور یہ گرد و غبار کیسا ہے

اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دماغی خبط اور سودا کے باعث اور حیرت و سرگردانی کی وجہ سے یہ پوچھ رہے ہو۔ اس لئے کہ ابو سیفان سے پہلے حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ مکہ میں آ گئے تھے۔ اور یہ بالکل عیاں ہے کہ انہوں نے تمام قصہ انہیں بتایا ہی ہو گا۔ ابو سفیان کہنے لگا۔ تم پر افسوس ہے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اپنی فوج کے ساتھ اور بڑی شان و شوکت سے آ پہنچے ہیں۔ کہ ہمیں اس سے جنگ مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اور ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے ابو سفیان کی داڑھی کو پکڑ کر اسے ذلیل و خوار کیا۔ اور کہنے لگی۔ اے آل غالب۔ اسے مار ڈالو تاکہ یہ اس طرح کی بات منہ سے نہ نکالے۔ ابو سفیان نے کہا۔ تم جو خواری چاہو میرے ساتھ کر لو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو تمہاری گردنیں قلم کر دی جائیں گی اور گھروں میں جا کر دروازے بند کر لو۔ تم سب کے لئے یہی تدبیر و علاج ہے۔

ہم اب اس قصہ کی طرف واپس آتے ہیں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منزل مرالظہران سے اپنی ناقہ پر سوار ہونا چاہا۔ تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اپنے ساتھ مہاجرین کی جماعت لے لیں اور مکہ کی بلندی کی طرف سے جس کو کدا کہا جاتا ہے حجون میں داخل ہو جائیں (حجون ایک مقام کا نام ہے) اور آنحضور کا خیمہ مبارک بھی وہاں ہی لگا دیں۔ وہاں سے آگے بڑھیں اور آنحضرت کی تشریف آوری کے منتظر رہیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے ساتھ ہتھیاروں سے مسلح جماعت کو لے لیں اور بطن وادی کی طرف سے لطف و مہربانی اور نرمی سے روانہ ہوں اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ شریف زیریں راستہ کی جانب سے متعدد افواج کے ساتھ آ کر مکہ کے منتہائے عملوات پر اپنا علم نصب کر دیں اور غسل فرمانے اور ہتھیار درست کرنے اور اپنی خاص جماعت خواص اصحاب پر مشتمل متعین کر لینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سوار ہو گئے جب اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت اور اقامت نعم غیر متناہی کو آنحضور نے دیکھا تو آپ کو ہجرت کا وقت یاد آ گیا اور تصور میں آیا کہ کس طرح تن تنہا چھپتے ہوئے بھاگتے ہوئے مکہ سے آپ نکل گئے تھے اور تھوڑی سی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ پھر آپ کو نمایاں طور پر شان و شوکت اور عظمت و جلالت اور لشکر عظیم کے ساتھ واپس مکہ میں لایا۔ آپ نے عجز و انکساری میں اپنے سر مبارک کو جھکا لیا۔ یہاں تک کہ آنجناب کی ریش مبارک پالان کے ساتھ چھو رہی تھی اور آپ نے پالان پر ہی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں سجدہ لشکر بھی ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ اور روایت میں آیا ہے کہ شتر پر سواری آپ نے سورۃ انا فتحنا بلند آواز کے ساتھ ترجیع و تردید صوت کے ساتھ تلاوت فرمائی اور حلق میں آواز کو ترجیع کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ آآآ اور بعض نے کہا ہے کہ حرکت شتر سے یہ ترجیع پیدا ہوتی تھی کیونکہ اس سے حلق میں سے آواز درست طور پر نہیں نکلتی۔ اور حق یہ ہے کہ شوق و سرور کے غلبہ کی وجہ سے اور اس نعمت عظمیٰ کے شکرانہ میں یہ ترجیع آواز تھی اور قرآن پاک کو تغنی اور خوش الحانی سے تلاوت کرنے کے بارے میں احادیث آئی ہیں۔ صاحب سفر السعادت نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کبھی کبھی غنی سے قرآن پاک پڑھا ہے۔ آپ اس میں ترجیع فرماتے تھے۔ جس طرح اچھی آواز والے حفاظ قرآن کیا کرتے ہیں اور مکہ کی فتح کے دن بھی آپ نے سورۃ فتح کی تلاوت اسی طرح کی تھی۔ انتہیٰ۔

اس طرح سے آپ مکہ شریف میں داخل ہوئے تھے۔

سبحان اللہ! کیسا وقت شریف اور ساعت سعید تھی۔ یہ وقت نور ایمان کے تاباں ہونے کا تھا اور ظلمت کفر کے زوال و اضمحلال کا وقت تھا (اور تصور میں لائیں کہ) اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے مقام وحال اور کیفیت میں ہوں گے۔ اے خداوند! اس وقت اور ساعت کی حرمت کے ساتھ میں تجھ سے ایمان مانگتا ہوں اور سرور جو تیرے رحمت و فضل سے متعلق ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا اور کہتے ہیں کہ فضل سے مراد ایمان ہے اور رحمت سے مراد قرآن ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا اور دوسرے لشکریوں سے بھی کہ کوئی بھی مکہ والوں یا حرم کے خدمتگاروں کے ساتھ محاربہ ولڑائی سے پیش نہ آئے۔ سوائے ان بے خبروں اور بلاانوں کے جو تمہارے ساتھ لڑائی کریں۔ گو اپنے دفاع میں ان سے جنگ کرنا۔

منقول ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید اس حکم کردہ متعین مقام کی طرف روانہ ہوئے کہ وہاں بحکم آنحضرت نزول کریں۔ تو عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو جن کے دلوں سے ابھی شقاوت وعداوت نہ نکلی تھی اور دلوں سے ظلمت و کفر اور ضلالت ابھی رفع نہ ہوئی تھی نہایت غیر دانشمندی اور بے طاقتی سے معہ دوسرے ایک گروہ کے جو بنی بکر اور بنی الحارث سے تھا اور ہزیل واحابیش کے لوگوں کے ٹولے کے ساتھ جو کہ ان کے مددومعاون تھے آئے اور محاربہ ومقاتلہ کا ارادہ کئے ہوئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے راستہ پر آبیٹھے۔ اور یہ بے خبر گمراہ لوگ جو کہ ابھی تک ذلت و خواری میں کوشاں تھے۔ اور اپنے شقی آباء واجداد کے دین کی تقویت میں جدوجہد کرتے تھے نہ جانتے تھے کہ اب فتح ونصرت کی کیا توقع ہو سکتی ہے ابو سفیان کو نہ دیکھتے تھے کہ اسے بھی زبان پر کلمہ توحید لانے کی توفیق مل گئی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھتے تھے کہ اسے بھی زبان پر کلمہ توحید لانے کی توفیق مل گئی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھتے تھے کہ رفعت وسعادت کے نہایت اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن یہ بدنصیب تو دکھانا چاہتے تھے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر اسلام میں داخل بھی ہوئے تو بوجہ جبرو اکراہ داخل ہوئے ہیں اور شوق ورغبت سے نہیں تاکہ اباء واجداد کی بری روحیں ان کے ساتھ خوش ہو جائیں۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ضرورت محسوس کی کہ ان سے جنگ وقتل کیا جائے اور یہ جنگ خندمہ کے مقام پر ہوئی۔ حتیٰ کہ اس جنگ نے حزورہ کے مقام تک جسے اب عروہ کہا جاتا ہے طول پکڑا یہ مقام کعبہ کے ساتھ قریب ہی ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے اٹھائیس ذلیل وخوار اور سرکش آدمی قتل ہو گئے اور نمازیوں کے ہاتھوں دوزخ میں پہنچ گئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی فوج سے دو آدمی جام شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ایک آدمی حنیش بن الاشعر تھے اور دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ عنہما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جنگ کی خبر ملی تو آنجناب نے ارشاد فرمایا۔ خالد کو ہم نے جنگ سے ممانعت فرمائی تھی۔ وہ کیوں لڑے ہیں۔ لوگوں نے عرض پیش کی۔ کہ یا رسول اللہ! ایک بڑی جماعت کافروں کی جنگ کے واسطے آئی تھی خالد اپنی مدافعت میں لڑے ہیں۔ جیسے کہ اشارہ فرمایا گیا تھا مجبوری کے

تحت ان کے ساتھ محاربہ ومقاتلہ رونما ہوا تو آپ نے فرمایا قضاء اللّٰہ خیر اللہ تعالیٰ کی قضاء بہتر ہے۔

اور یوں بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد پر عتاب فرمایا۔ اور کوئی آدمی ان کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دے۔ ضع عنهم والسیف مراد یہ کہ تلوار کی ضرب سے ان کو بازہی رکھا جائے اور ان کو قتل نہ کیا جائے۔ لیکن یہ قاصد وہاں گیا تو کہا۔ ضع فیهم السیف ان کو تلوار کی دھار پر رکھ لیں۔ اور قتل کردیں۔ پس خالد رضی اللہ عنہ نے اس دن ستر کفار مار دیئے آنحضور کو معلوم ہوا تو خالد سے فرمایا کہ حکم کی خلاف ورزی کیوں کی ہے' تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں کیا کرسکتا تھا۔ آپ نے جو قاصد بھیجا تھا اس نے اس طرح سے آپ کا حکم پہنچایا تھا۔ ضع فیهم السیف یہ بات اس ضمن میں عجیب وغریب ہے جو کچھ اہل تفسیر نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قاصد کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں کیا کہا تھا۔ قاصد کہنے لگا کہ آپ کی بارگاہ سے حکم حاصل کرکے میں روانہ ہوا تو راستے میں ایک آدمی سے ملاقات ہوئی اس کا سر آسمان تک پہنچا ہوا تھا۔ ہاتھ میں خنجر پکڑے تھا۔ اس نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا۔ اور کہا کہ خالد سے کہنا۔ ضع فیهم السیف ورنہ تم کو اس خنجر سے ماروں گا۔ پس مجبور ہو کر خالد کو میں نے اسی طرح کہہ دیا۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا صدق اللہ وصدق رسولہ۔ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ کیونکہ احد کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ اگر قریش کو میں پاؤں تو ان کے ستر آدمیوں کو قتل کروں گا تو اس روز حق تعالیٰ کی جانب سے مجھے ممانعت فرمائی گئی لیکن آج کے دن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو پورا کر دکھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا اور ستر اشخاص قریش کے مقتول ہو گئے۔

اور دیگر ایک روایت اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لوگوں نے عرض کیا مکہ کے بے وقوف اوباش قسم کے لوگ سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ مقاتلہ کرنے کو تیار ہیں۔ پس آنحضرت نے فرمایا۔ احصدوهم حصدا ان کو کاٹ دیا جائے کہ کاٹنے کا حق ہے ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) قریش مارے گئے۔ پس خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور حکم صادر فرمادیا کہ اب قریش کو ہلاک نہ کیا جائے۔ بعد ازاں جنگ میں معروف گروہ اشقیاء فرار ہو گئے کچھ نے گھروں میں آکر اپنے دروازوں کو بند کرلیا اور قتل ہونے سے بچ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم لوگوں کے کثیر ہجوم کے باعث یا تعلیم احکام کے پیش نظر سواری پر سوار ہی مسجد حرام میں تشریف لائے اور اپنے نور حضور سے اس بقعہ نور کو نور' علی' نور خلعت سے مزین فرمایا۔ اور جو عصا ہمیشہ آپ کے ہاتھ مبارک میں ہوتا تھا (محجن) اس کے ساتھ حجر اسود کا استلام فرمایا۔ اور اپنی زبان حق ترجمان سے تکبیر بلند کی۔ آپ کی پیروی کرتے ہوئے مسلمانوں نے بھی تکبیر بلند کی۔ حتیٰ کہ نعرہائے تکبیر سارے مکہ مکرمہ میں گونج اٹھے۔ پہاڑوں پر چڑھے ہوئے مشرک لوگ یہ کچھ دیکھ رہے تھے اور سن بھی رہے تھے اور وہ سب دشمنی اور حسد کی آتش میں جل رہے تھے۔

کعبہ شریف بتوں سے پاک کردیا گیا:۔ **وصل:۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے طواف کعبہ سے فارغ ہو کر کعبہ شریف کو بتوں کی آلودگی سے پاک کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اس پاک حرم کی عزت و حرمت کو پاک فرمایا۔ ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ کعبہ کی اطراف و جوانب میں مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت نصب کئے تھے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان بتوں کے پاؤں سیسہ کے ساتھ مین سے شیطان نے جمائے ہوئے تھے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے عصاء سے بتوں کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا** حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ بے شک باطل کو فرار ہی ہونا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بت منہ کے بل گر جاتے تھے۔ سیرت کی کتابوں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بتوں کو دیکھا۔ عرب کے قبائل ان کی طرف حج کرتے تھے اور ان کے واسطے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ پس بیت اللہ شریف نے اللہ تعالیٰ سے شکایت پیش کی۔ اور مناجات کی کہ میرے رب تعالیٰ میرے اردگرد کب تک تیرے سوا بتوں کی پوجا ہوا کرے گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں تیری خاطر جلدی ہی اپنا نور پیدا کروں گا اور ایک اس طرح کی قوم تیری جانب بھیجی جائے گی۔ جو کہ دھیمی وست چال چلتے ہوئے آئیں گے جیسے کہ کرگس چلتے ہیں۔ وہ ان پرندگان کی طرح آئیں گے جو اپنے انڈوں کی طرف بڑے ذوق کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ تلبیہ کی آواز بلند کرتے آئیں گے۔ وہ ان بڑے بڑے بتوں یعنی اساف اور نائلہ اور ہبل کو توڑ دیں گے۔ روایت میں آیا ہے اساف بت صفا کے پہاڑ پر نصب کیا ہوا تھا۔ نائلہ کوہ مروہ پر تھا جیسے کہ اہل سیر بتاتے ہیں۔ یہ دونوں بت قبیلہ جرہم کے مرد اور عورت تھے انہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا تھا اور دونوں کو پتھر کر دیا تھا اور قریش کے لوگ اپنی کمال جہالت و ضلالت کی بنا پر ان کی پرستش کرنے لگے تھے اور ان دونوں نے پتھروں اپنے سروں کو مارنا شروع کیا۔ جب یہ دونوں بت ٹوٹ گئے تو ایک کالے رنگ کی کلوٹی عورت ان سے برآمد ہوئی آنحضرت نے فرمایا یہ نائلہ ہے۔ آج کے بعد قیامت تک اس کو کوئی نہیں پوجے گا۔ اور جس وقت ہبل بت توڑا گیا۔ اس وقت ابو سفیان سے حضرت زبیر بن العوام کہنے لگے یہی ہبل ہے تاجس پر احد کے دن تم فخر و ناز کرتے تھے۔ اور اعل ہبل کے نعرے لگا رہے تھے۔ آج اس کے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا کہ اب مجھے چھوڑ بھی دو۔ میری سرزنش نہ کرو۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خدا کے علاوہ کوئی اور خدا موجود ہوتا تو وہ ہماری اعانت کرتا اور صورت حال موجودہ صورت کے برعکس ہوتی۔

چند کتب سیر میں اس طرح ہے کہ کچھ بڑے بڑے بتوں کو بلند جگہوں پر نصب کیا ہوا تھا۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچتا تھا۔ کچھ روایت میں ہے کہ ہبل بت سب سے اونچا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ میرے کندھوں پر قدم رکھ کر ان بتوں کو گرائیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علی! نبوت کے بوجھ کو اٹھانے کی تم تاب نہیں رکھتے۔ لہٰذا تم میرے کندھوں پر چڑھ کر بتوں کو گرا دو۔ پس حکم کے مطابق حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک کندھوں پر سوار ہو گئے اور بتوں کو گرا دیا۔ آنحضرت نے اس حالت میں علی مرتضیٰ سے دریافت فرمایا

کہ اپنے آپ کس حالت میں دیکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں یوں دیکھ رہا ہوں کہ تمام حجابات رفع ہو چکے ہیں۔ اور ساق عرش سے میرا سر جا لگا ہے۔ اور میں جس جانب بھی ہاتھ پھیلاتا ہوں وہ چیز میرے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علی! یہ وقت تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہے کہ کار حق سرانجام دے رہے ہو اور کس قدر اچھا حال میرا ہے کہ میں نے بار حق اٹھایا ہوا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت علی نے جب بتوں کو گرا دیا۔ اور وہ پاش پاش ہو گئے۔ تو اپنے آپ کو مبارک رسول سے نیچے اتار لیا۔ اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کو کعبہ کے نزدیک نیچے گرا دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ادب و تعظیم کے باعث تھا۔ زمین پر گرے تو تبسم فرمانے لگے۔ آنحضرت نے پوچھا تم کس چیز پر ہنستے ہو۔ عرض کیا اس لئے ہنستا ہوں کہ اس قدر بلندی سے میں گرا ہوں۔ اور مجھے کوئی بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تکلیف کس طرح پہنچ سکتی تھی جبکہ تم کو محمد نے اٹھایا ہوا تھا اور تم کو اتارنے والے جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اس ضمن میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت پاک ہے۔ **انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم** تم اور جن کی پرستش تم کرتے ہو اللہ کے سواء وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ بت جہنم کا ایندھن تھے۔ اگر اس دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک ان سے الگ جاتا تو یوم آخرت میں ان کو جہنم کی آگ نہ پہنچ سکتی اور وہ دوزخ کا ایندھن نہ ہوتے۔

ایک چیز اس سے بڑھ کر تعجب خیز اور غرابت والی معارج النبوت میں روایت کی ہے۔ وہ یہ کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے سیدہ فاطمہ اس وقت تنور میں روٹیاں لگاتی تھیں اور آگ کی گرمی سے ان کا مبارک بدن شریف گرم ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواہش فرمائی کہ کچھ روٹیاں اپنے ہاتھ سے تنور میں لگا دیں۔ پس وہ تمام کچی ہی نکلیں۔ سیدہ فاطمہ کو حیرت ہوئی کہ آنحضرت کے ہاتھ سے لگی ہوئیں تمام کی تمام روٹیاں کچی ہی رہ گئی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ! تم حیران مت ہو۔ یہ روٹیاں میرے ہاتھ سے مس کر چکی ہیں اور میرے ہاتھ سے جو چیز چھو جائے۔ اس پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

المختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کو اطراف و جوانب کے بتوں سے پاک کر دیا۔ پس آپ نے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا۔ عثمان بن طلحہ کو ان سے چابی حاصل کرنے کے لئے طلب فرمایا۔ کعبہ کی چابی مدت سے انہی کے پاس تھی اور چابی عثمان کی ماں کے پاس تھی اس کا نام سلامہ بنت سعد تھا۔ عثمان نے جا کر والدہ سے چابی مانگی۔ لیکن ماں نے انکار کر دیا۔ عثمان کہنے لگا چابی دے ورنہ ابھی اپنی کمر سے تلوار نکال لوں گا اس طرح ماں سے چابی لی اور آنحضرت کے حوالہ کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے کعبہ شریف کا دروازہ کھول دیا۔ (رواہ مسلم) اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں عثمان بن طلحہ سے روایت کیا ہے کہ دور جاہلیت میں خانہ کعبہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کے علاوہ کسی اور دن کو نہ کھولتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے اور مجھے کہ کہ دروازہ کھول لوں۔ تاکہ آپ کے ساتھ جو جماعت تھی اسے خانہ کعبہ میں داخل کریں۔ میں آنحضرت کو سختی سے پیش آیا۔

لیکن آنحضرت نے بڑا صبر و بردباری دکھائی اور فرمایا۔ اے عثمان ایک دن ایسا ہوگا کہ تم اس چابی کو میرے ہاتھ میں سے دیکھو گے اور جس کو خود چاہوں گا یہ چابی عطا فرماؤں گا۔ میں نے کہا کہ قریش اس روز ہلاک ہو جائیں گے اور خوار ہوں گے میرے دل میں اسی دن سے یہ بات جاگزین تھی کہ اس طرح ضرور ہوگا۔ فتح کا دن آیا تو آنحضرت نے حکم دیا کہ عثمان چابی لاؤ۔ میں لے آیا۔ آپ نے میرے ہاتھ سے چابی لے لی اور مجھے ہی عطا فرمادی اور فرمایا یہ لے لو۔ اب تم سے قیامت تک یہ چابی کوئی نہ لے گا مگر ظلم سے اے عثمان کیا تم سے میں نے یہ کہا نہ تھا کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں اسے عطا کروں گا جس کو میں چاہوں گا۔ میں نے جواب عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بالیقین اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تجدید شہادت و ایمان یہ معجزہ دیکھنے کے بعد ہے ورنہ اس سے قبل پتہ چل گیا ہوگا کہ فتح مکہ والے سال سے قبل ہی حضرت عثمان حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کے ساتھ ہی ایمان لائے تھے۔ رضی اللہ عنہم۔ جیسے سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم۔ جیسے سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو چابی لینے کے لئے بلایا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کعبہ شریف کی چابی ان کو عطا فرمائیں۔ منصب سقایا کے ساتھ ہی سدانت کعبہ کا منصب بھی انہیں ہی دے دیا جائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حجابت کعبہ کے منصب کو اپنے اہل بیت کو عطا فرمائیں جیسے کہ سقایا زمزم ان کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت علی کی خود خواہش تھی کہ منصب حجابت حاصل کریں یا کہ حضرت عباس کو تقویت دیتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے چابی لائیں۔ اسی وقت اس آیت کا نزول ہوا **ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدو الامانات الی اھلھا** پھر آپ نے حضرت علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ عثمان کے ہاتھ میں ہی چابی دے دیں اور ان سے معذرت کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چابی لے کر عثمان کے پاس گئے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کیا ہے کہ زبردستی لے گئے تھے اور اب معذرت کے ساتھ لے بھی آئے ہو؟ حضرت علی نے انہیں فرمایا کہ قرآن پاک کی آیت کا تمہاری شان میں نزول ہوا ہے اور حضرت جبریل آئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ بیت اللہ جب تک اس زمین پر قائم ہے۔ اس کی چابی اور مرتبہ سرانت ان کے پاس ہی رہے گا اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب وصال پایا تو انہوں نے چابی اپنے بھائی شیبہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کردی بیٹا کوئی نہیں تھا اور بنی شیبہ ان کو ہی کہا جاتا ہے۔

القصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ ' بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ خانہ کعبہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر کھڑا کیا۔ اسامہ اور حضرت بلال اندر گئے اور آنحضرت کے واسطے دروازے کو بند کردیا کہ مبادا ہجوم ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل وقت تک کعبہ شریف کے اندر رہے اور خانہ کعبہ کے کونوں میں دعا اور تضرع کرتے رہے۔ پھر آپ باہر نکل آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ کافروں

نے جو تصاویر انبیاء اور ملائکہ کی کعبہ میں منقش کی ہوئی ہیں انھیں محو کر دو پس انہوں نے وہ سب تصاویر مٹا دیں۔ لیکن حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی وہ تصویریں باقی رکھیں ان میں وہ تیر اور قمار لئے کھڑے دکھلائے گئے تھے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی مٹا دیں اس قوم کو پتہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام قمار نہیں کھیلتے۔ اس کے بعد آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوا کر وہ دونوں تصویریں دھلوا دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت نماز کعبہ کے اندر ادا کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنجناب نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہ پڑھی تھی۔ لیکن اعتماد اور اعتبار حضرت بلال رضی عنہ کی روایت پر ہے اس لئے کہ وہ مثبت روایت ہے جبکہ اسامہ کی روایت منفی ہے اور اصول فقہ کے قوائد کے مطابق مثبت روایت منفی روایت پر تقدیم کی حامل ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ اس کے ساتھ علم کی زیادتی ہے اور منفی کے ساتھ نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال جانتے تھے۔ وہ شروع سے آخر تک آپ کے ساتھ تھے جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے سلسلہ میں باہر بھیجا گیا تھا۔ پس ان کو نماز کے متعلق علم نہ ہوا اور یہ عیاں ہے کہ وہ کام تھا پانی کا ڈول جا کر لانا تاکہ تصاویر دھوئی جائیں۔ اسی طرح ایک اور روایت میں صراحت ہے یہ حضرت بلال اور اسامہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں تطبیق وجمع ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی دیگر ایک روایت میں بھی ہے جو کہ مواہب الدینہ میں امام احمد رضی اللہ عنہ کی ان دونوں روایات کی جمع میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اسامہ کا اپنی اثبات والی روایت میں غیر پر اعتماد ہے اور نفی والی روایت میں اپنے علم سے نفی کرتے ہیں۔ یعنی ان کی مراد یہ ہے کہ اگر کوئی کہہ دے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی تو میں کہوں گا کہ میں نے نہ دیکھا۔ پس اس میں کوئی تناقص نہیں پایا جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کعبہ شریف کا دروازہ کھول کر باہر آتے ہوئے دروازہ میں کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے چوکھٹ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا۔ اس وقت خالد رضی اللہ عنہ لوگوں کے ہجوم کو دروازہ سے پرے ہٹا رہے تھے۔ اس وقت آنحضرت نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں اور اللہ تعالیٰ کی نامتناہی نعمتوں کے شکرانے میں یہ ذکر پاک پڑھا۔ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ صدق وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ واعز جندہ** اس وقت اعیان قریش خوفزدہ وہاں کھڑے تھے کہ دیکھیں اب آنحضرت کیا حکم صادر فرماتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو مخاطب کیا اور ارشاد فرمایا تم کیا کہتے ہو اور تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ اب ہم کس طرح کا سلوک کریں گے انہوں نے جواب دیا **نقول خیرا ونظن خیرا** ہم اچھا ہی کہتے ہیں اور اچھے سلوک کا گمان بھی کرتے ہیں۔ **اخ کریم و ابن اخ کریم وقد قدرت** مہربانی کرنے والے آپ بھائی ہیں اور کریم بھائی کے فرزند ہیں اور تحقیق آپ ہم پر قدرت پا چکے ہیں۔ آنحضرت کے ہم عمر لوگوں نے آپ کو بھائی کہہ کر مخاطب کیا اور آنجناب کے والد محترم کے ہم عمر لوگوں نے ابن اخ کریم کے الفاظ سے مخاطب کیا اور انہوں نے جو قد قدرت کہا۔ اس سے اشارہ ہے معافی مانگنے کی جانب یعنی کہ آنحضور اگرچہ

قدرت پاچکے ہیں پھر بھی عفو و درگزر فرمائیں۔ اس عبارت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔ انہوں نے اپنے برادران سے عفو و درگزری ہی فرمایا تھا ان کے بھائی نے کہا تھا۔ **لقد اثرک اللہ علینا انا کنا لخاطئین** پس حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا میں بھی وہی کچھ کہتا ہوں۔ **لا شریک علیکم الیوم یغفر اللہ لکم** آج کے دن تم سے کوئی مواخذہ نہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو بخش دے۔ وہ ارحم الرحمین ہے۔ سوال ان کی جانب سے ہی شروع ہوا تھا انہوں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ آپ کیا حکم فرمائیں گے اور ہمارے ساتھ کیا سلوک فرمائیں گے۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا جو کچھ میرے بھائی یوسف نے کہا تھا آج میں بھی وہی کچھ کہتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آغاز گفتگو ہوتا۔ تو پہلے ان سے پوچھا جاتا تو یہ توبیخ و تہدید پر مشتمل عتاب بھرا خطاب ہو جاتا۔ جیسے کہ عیاں ہے۔ (واللہ اعلم) اور آپ نے ارشاد فرمایا **انھبوا فانتم الطلقاء** چلے جاؤ۔ تم اب آزاد ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

بشکر وصل کہ حاصل بکام دل کردم   ستمگران حسد پیشہ رابحل کردم

ازاں بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور جاہلیت کی رسمیں اور علامتیں جڑ سے اکھاڑ دیں۔ ایام جاہلیت میں لوگ قصاص اور دیت کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار تھے آپ نے اس کے احکام بیان کئے اور فرمایا کہ سب لوگ اولاد آدم علیہ السلام ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ ہے سوائے تقویٰ کے پھر آپ نے یہ تلاوت فرمائی۔ **یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیکم خبیر** جب خطبہ سے فراغت ہوئی تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں چلے گئے۔ وہاں پر غسل تازہ فرمایا اور ہلکی سی چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی اور آپ نے فرمایا **ھذہ سبحتہ الضحیٰ** بحہ نافلہ نماز کو کہا جاتا ہے اور جو اضافت ہے بحہ کی طرف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے سبب سے موسوم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ فتح کے شکرانے میں یہ نماز پڑھی تھی۔ نماز چاشت کی مشروعیت میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بڑی اچھی ہے۔ اس نماز کے بارے میں علماء میں بڑا اختلاف ہے۔ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں تفصیل و تحقیق بیان کی ہے وہاں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تحقیق اس طرح سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ نماز چاشت باقاعدہ پڑھنا ثابت نہیں۔ لیکن اشراق نام کی نماز دائمی تھی اور اس میں تاکید بھی ہے۔ ان دونوں نمازوں کو حدیثوں میں صلوٰۃ الضحیٰ کہا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر اپنی قیام گاہ کی طرف چلے۔ سر راہ آپ کی نظروں میں شعب ابی طالب اور خیف بنی کنانہ آئے۔ تو آنجناب کو محنت و مشقت اور شدت یاد آ گئے جو کفار کی طرف سے آپ کو پہنچی تھیں۔ جس وقت کہ مشرکین مکہ کفر و انکار کرنے اور بنو ہاشم سے مناکحت اور خرید و فروخت ترک کر دینے کے لئے حلف اور قسم اٹھاتے تھے۔ یعنی کہ یہ معاہدہ اس وقت تک مسلسل رہے گا جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین کے حوالے نہ کر

دیں گے جیسے کہ سابقاً" مذکور ہو چکا ہے۔ آنحضرت کو وہ تمام مناظر یاد آگئے تھے۔ اب آپ مکہ کے فتح ہو جانے اور اعدائے دین پر غالب آجانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہونے پر آنجناب نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف کی چھت پر چڑھیں اور اجلال کے وست اور اک میں آگئی تھی۔ یہ حقیقت اہل عرش سے دریافت کرنی چاہیے کیونکہ اذان کی آواز وہاں تک گئی ہو گی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اوپر گئی ہو گی۔ اس مقام پر اذان کے کلمات جو کہے گئے وہ بھی روایت کئے گئے ہیں جیسے کہ یہ باب اذان میں بیان ہو چکا ہے۔ اے مالک الملک! اس مبارک وقت اور ساعت سعید کے طفیل مسلمانوں کو دین اسلام پر ثابت و مستحکم رکھ اور اسلام کے کلمہ کی شہرت اور زیادہ فرمادے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز کو سن کر خالد بن اسید جو عتاب بن اسید کا بھائی تھا' ابو جہل کا بھائی حارث بن ہشام اور حکم بن العاص کی طرح کے لوگ یاوہ گوئی کرنے لگے جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان یاوہ گویوں کی اطلاع دی۔ آنحضرت نے ان تمام کو بلوا کر جو کچھ انہوں نے کہا تھا بتادیا۔ اور ان کو ان کی بکواس سے خبردار کیا۔ اس بات کی بناء پر ایک جماعت اسلام لے آئی۔ مثلاً حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید وغیرہم۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس طرح بکواس کرنے میں ابو سفیان بن حرب بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا کہ میں کوئی بات نہ کہوں گا۔ کیوں کہ میرا گمان ہے کہ جو کچھ میرے منہ سے نکلے گا۔ یہ سن کر سنگریزے بھی اس کی خبر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو دے دیں گے۔ ان کی کی ہوئی باتیں ان کے سامنے آنحضرت نے بتادیں تو ابو سفیان نے کہا میں نے صرف اس قدر بات سے زیادہ بالکل کچھ نہیں کہا۔ آنحضرت نے تبسم فرماتے ہوئے اس کی تصدیق فرمائی۔ اس بات کے صحیح ہونے کی صورت میں پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان قائم ہو چکا تھا اور اس کا اسلام درست ہو گیا تھا۔ فتح مکہ کے دن کے کچھ مسلمانوں کو "احسن اسلامیہ" کہتے ہیں۔ اور بعض کے متعلق علماء مختلف الرائے ہیں۔ بہر حال اس طرح کے مسلمان" مولفتہ القلوب" کہلاتے ہیں۔ اس لفظ کے معانی و مطالب اور ان کے معاملہ سے متعلق ہم غزوہ حنین اور اس کے غنائم کی تقسیم کے موقع پر ہم واضح کر دیں گے۔ ان مسلمانان فتح اور مولفتہ القلوب سے معاویہ بن ابو سفیان بھی ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ اپنے باپ سے پہلے اسلام لائے تھے۔ یعنی آنحضرت کے مکہ شریف میں داخل ہونے سے قبل وہ مکہ کے راستہ میں ہی آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے تھے۔

ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کوہ صفا پر تشریف فرما ہوئے۔ کوہ صفا پر ہوتے ہوئے آپ کی نظر پاک کے سامنے کعبہ شریف تھا۔ آپ نے اپنا مبارک ہاتھ اٹھایا اور شکرانہ نعمت ادا کیا۔ اور پھر وہاں پر بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کی خدمت میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کھڑے تھے قریش کے لوگ باری باری یکے بعد دیگرے آکر بیعت کر رہے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی باری آگئی۔ وہ بھی بیعت کرتیں اور مبایعت کے شرف سے مشرف ہو گئیں۔ ان کی زبانی بیعت تھی۔ ہاتھ مبارک سے نہ تھی۔

عورتوں کا طریق بیعت:۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ عورتوں سے یوں بیعت لی جاتی تھی کہ چادر کا ایک سرا آنحضرت

کے دست مبارک میں ہوتا تھا اور دوسرا سرا عورتوں کے ہاتھ میں پکڑایا جاتا تھا اور بعض نے کہا کہ پانی کا ایک پیالا لایا جاتا تھا۔ اس میں آنحضرتؐ اپنا ہاتھ مبارک داخل کر لیتے تھے۔ پھر عورتوں کو دیتے تھے کہ وہ بھی اپنا ہاتھ اس میں ڈالیں۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ بیعت زبانی تھی اس کی صراحت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آئی ہے عورتوں سے بیعت لینے کے متعلق یہ آیت پاک بیان کی ہے۔ **یاایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئا ولا یسرقن** اے نبی۔ جس وقت آپ کی خدمت میں مومن عورتیں اس پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ سے کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہ کریں گی۔

روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ والوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ اور ان پر بڑی مہربانی اور احسان فرمایا تھا۔ اس پر انصار نے غیرت محسوس کی اور ان میں سے بعض نے یہ کہنا شروع کیا کہ آنحضرت اپنی قوم و خاندان کی طرف مائل ہو چکے ہیں ان کے ساتھ آپ نے لطف و کرم فرمایا ہے۔ ہم کو اب آپ تنہا چھوڑ دیں گے اور آپ اب اپنے شہر میں ان کے پاس آجائیں گے جبکہ قبل ازاں وہ یہ خیال رکھتے تھے کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کو بڑے دکھ اور تکالیف دیئے تھے اور قتل و غارت اور عداوت کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا آپ ان سے انتقام لیں گے اور ان سب کو قتل فرمائیں گے۔ جس طرح کہ اس سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول بیان ہو چکا۔ لیکن وہ نہ سمجھے آنحضرت رحمتہ العٰلمین ہیں اور گمراہوں کو سیدھی راہ دکھانے والے ہیں اور دنیا والوں کو ہدایت و رہنمائی فرمانا آپ کا مقصود ہے۔ وہ دنیاوی حکمران اور بادشاہ نہیں جو بدلہ لیا کرتے ہیں۔ انصار میں یہ گفتگو جاری تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وحی کے آثار کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد آپ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم اس اس طرح کہہ رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا **حاشا وکلا** میں اس طرح کروں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے تمہاری جانب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت فرمائی تھی۔ میری زندگی تمہارے ساتھ ہے اور میری موت بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگی یہ سن کر انصار رونے لگے اور کہا یا رسول اللہ۔ واللہ ہم اس طرح کسی بدگمانی کے باعث نہ کہتے تھے۔ بلکہ اپنی نہایت محبت اور قلبی یگانگت کی بنا پر کہتے تھے۔ جو کہ ہمیں آپ سے ہے یعنی کہ اب آپ ہمیں چھوڑ دیں گے اور دوسروں کے ہو جائیں گے۔

اس قوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نزاع و جھگڑہ اور جنگ و جدال اور حرب و قتال وقوع پذیر ہو چکا تھا جو اعلائے کلمہ اسلام اور دین کی تبلیغ و اظہار کی خاطر ہوا۔ آپ کے مد نظر کوئی دنیوی جاہ و حشم نہ تھے۔ وہ مقصود جب حاصل ہو چکا تو پھر انتقام و بدلہ چہ مفہوم وارد۔

فتح مکہ کا دوسرا دن تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پھر خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ حق تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرام بنایا ہے جب سے یہ آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ یہ قدیم سے حرمت کی طرف اشارہ ہے اور بدستور تاقیامت اس کی حرمت قائم رہے گی۔ خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان دار کسی فرد کے لئے ہرگز حلال نہیں کہ مکہ مکرمہ میں خون ریزی

کرے درختوں کو اکھاڑے یا گھاس کو توڑے۔ اس بارے میں اگر رخصت چاہتا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو قتل فرمایا اس سے استدلال کرے اور کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کیا تھا اور اس سے وہ راضی رہے۔ تو تم یہ جان لو اور اس کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کو یہ اجازت تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تم کو ہرگز اجازت نہیں دیتا اور نہ تم پر حلال کرتا ہے۔ جیسے کہ مجھ سے قبل بھی کسی کے لئے حلال نہیں تھا۔ اسی طرح میرے بعد حرام رہے گا اور میرے لئے بھی صرف ایک ہی دن میں صرف ایک ساعت کے واسطے یہ حلال کیا گیا تھا اس کے بعد حرمت علیٰ حالہ لوٹ آئی ہے۔ جس طرح کہ پہلے حرمت تھی۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ جندب بن ازلع ہذلی جب مکہ میں آیا تو خراش بن امیہ کعبی خزاعی نے قتل کر دیا تھا۔ آنحضرت کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ممانعت فرمائی اور اس پر زجر فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو قتل سے روکو اور جو شخص قتل کا مرتکب ہوا تھا اسے حکم فرمایا کہ دیت ادا کرے بعد ازاں اگر کوئی قتل کرے گا تو مقتول کے وارث اختیار رکھیں گے کہ قصاص لیں یا دیت لیں۔ بس بنو خزاعہ نے ایک سو اونٹ اس مقتول کی دیت ادا کی۔ گویا کہ یہ قتل اس شبہ میں ہوا تھا کہ قاتل اس قتل کو حلال خیال کرتا تھا۔

یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قتل نہیں فرمایا تھا۔ قتل حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آیا اور اس میں آنحضرت نے اجازت نہ دی تھی۔ یہ قتل واقع ہونے کے بعد آنحضور کے عتب فرمایا تھا۔ یہ محاربہ و قتل قریش کے اوباش قسم کے لوگوں نے شروع کیا تھا اور اپنے دفاع کے لئے آنحضرت نے اشارہ سے چندے اجازت دے دی ہوئی تھی۔ نیز یہ جنگ صرف ایک گھڑی ہی جاری رہی۔ لہٰذا علماء میں اختلاف ہے کہ جنگ میں غالب آنے سے فتح مکہ ہوئی یا کہ امن و صلح سے ہو گئی۔ امن و صلح سے ہونے کے قائل لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو امان دے دی تھی جب کہ آپ مر الظہران میں تھے اور امن کی جگہیں بتا دی تھیں جیسے کہ ان کے گھر وغیرہ۔ نیز یہ کہ ان میں غنیمت بھی تقسیم نہیں کی گئی۔ (واللہ اعلم)

مجرموں کا قتل اور معافی:۔ وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کو امان دی تھی اور ان کے قتل کرنے سے ممانعت فرمائی تھی لیکن ایک جماعت اس امان سے باہر تھی۔ ان کے قتل کی آپ نے اجازت فرمائی تھی اور آپ نے حکم صادر فرمایا تھا کہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان میں کچھ لوگ قتل ہو گئے تو ان میں سے بعض نے رجوع کیا۔ توبہ کی اور ایمان لے آئے لہٰذا مامون ہوئے۔ قتل ہونے سے بچے اس قسم کے گیارہ مرد تھے اور چھ عورتیں تھیں۔ مردوں میں سے چار آدمی قتل کئے گئے اور سات آدمی مامون رہے اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ عورتوں میں چار عورتیں ہلاک ہوئیں اور ایک کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے اور دو عورتیں مامون رہیں۔ اب ان تمام مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ حقیقت معلوم ہو جائے۔

ابن خطل کا قتل:۔ ان لوگوں میں سے ایک ابن خطل نامی آدمی ہے۔ جاہلیت میں وہ عبد العزیٰ کے نام سے موسوم تھا۔

کچھ لوگوں نے اس کا نام ہلال بھی بتایا ہے یہ مشتبہ و ملبس ہے اس لئے کہ اس کے بھائی کا نام ہلال ابن اخطل تھا۔

یہ قصہ اس طرح ہے کہ فتح مکہ سے قبل ہی وہ مدینہ شریف آکر مسلمان ہو گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو کچھ قبیلوں کی طرف بھیجا کہ زکوۃ وصول کرے اس کے ساتھ انصار سے بھی ایک آدمی تھا جس کی خدمتگاری میں ایک مرد خزاعی بھی تھا ایک منزل پر قیام کرے خزاعی کو اس نے کہا کہ اس کی خاطر بکری ذبح کرے اور اس کے لئے کھانا بنائے اور خود سو گیا۔ خزاعی بھی خدمت میں کوتاہی کر کے خود سو گیا اور کھانا تیار نہ کیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کھانا تو تیار ہی نہیں کیا گیا تو غصہ میں اس نے خزاعی کو قتل کر دیا۔ پھر دل میں گمان کیا کہ مدینہ جاؤں گا تو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مجھ سے قصاص لیں گے۔ پس وہ مرتد ہوا اور اپنے ساتھ کے جانور لے کر مکہ والوں سے مل گیا۔ اور کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے دین سے میں نے تمہارے دین کو بہتر جانا۔ سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ اس کی دو باندیاں تھیں وہ اس کے سامنے آنحضرت کی ہجو گاتی تھیں۔ مکہ فتح ہونے کے وقت یہ خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو گیا غلاف کعبہ کے ساتھ یہ لپٹ گیا آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس وقت طواف کعبہ میں مشغول تھے اس وقت ایک صحابی نے اسے دیکھا تو آنحضرت کو بتا دیا کہ یہ ابن خطل ہے اور غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا جہاں بھی ہے اس کو قتل کر دو۔ لہٰذا حکم نبوت کے مطابق اسی مقام پر اس کی گردن اڑا دی گئی۔ اس کو قتل کرنے والوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سعید بن حریث رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس کی جانب گئے اور سعید نے آگے بڑھ کر اس کو ہلاک کر دیا اس لئے عمار کی نسبت سعید جوان تر تھے۔ (الحدیث) اور ابن ابی شیبہ ابو عثمان کی روایت سے مہدی سے نقل کرتے ہیں کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو غلاف کعبہ سے لپٹے ہوئے ہونے کی حالت میں قتل کر دیا۔

قاتل کے تعین میں دیگر روایتوں سے زیادہ یہ روایت صحیح ہے اور دیگر روایات اس پر حامل گردانتے ہیں کہ وہ اسے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے۔ لیکن حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ ابن ہشام اپنی سیرت میں نقل کرتے ہیں کہ سعید اور ابو برزہ رضی اللہ عنہما دونوں قتل میں شریک تھے۔ جس طرح کہ مواہب میں آیا ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح:۔ دوسرا آدمی عبداللہ بن ابی سرح تھا۔ اس کے لئے قتل کا حکم صادر ہونے پر یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر روپوش ہو گیا۔ حضرت عثمان اور یہ عبداللہ آپس میں رضاعی بھائی تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بیعت کی خاطر لوگوں کو طلب فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی آنجناب کی بارگاہ میں لا کھڑا کیا اور دربار نبوت میں گزارش کی۔ یا رسول اللہ عبداللہ بن ابی سرح بھی بیعت کرنے کے لئے حاضر کھڑا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ نے سر مبارک اوپر اٹھا کر اس کی طرف نظر فرمائی اور خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری مرتبہ عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی بیعت لینے سے انکار فرما دیا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ کی جانب توجہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم میں ایسا مرد رشید کوئی نہیں جو بیعت لینے سے میرے انکار کر دینے کے وقت اٹھ کر اسے قتل کر دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہ جانتے تھے کہ حضور کے دل مبارک میں اس کے بارے میں کیسا خیال

ہے۔ آپ اگر اشارہ فرمادیتے تو ہم اسے فوراً قتل کردیتے۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ کے کسی بھی نبی کے لائق نہ ہے کہ وہ آنکھ سے اشارہ فرمائے۔(الی آخر الحدیث) اسی مواہب الدینہ میں مذکور ہے یہ عبداللہ بن ابی سرح ان چار آدمیوں میں سے لایا گیا تھا جن کے بارے میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کو میں ہرگز امان نہ دوں گا خواہ حرم میں ہوں یا حل میں ہوں۔ اور اس کا پتہ نہیں چلا کہ حدیث کے آخر پر لفظ "الحدیث" سے کیا مراد ہے۔ اور اس کا مکمل قصہ کس طرح ہے۔ سیر کی کتب میں مذکور شدہ قصہ ہی ہے یا کہ کچھ اور طرح ہے۔

بہر کیف جیسے یہ قصہ معارج النبوت اور روضۃ الاحباب میں مذکور ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ شروع میں ہی ایمان لے آیا تھا۔ لکھنا جانتا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے کتابت وحی پر متعین فرمایا۔ اور اس نے قرآن پاک کی کتابت کرتے وقت خیانت کی اور کلمات تبدیل کردیئے۔ مثلاً عزیز حکیم کی جگہ علیم حکیم لکھ دیتا تھا حتیٰ کہ یہ غلطی بھی اس سے واقع ہوئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو معلوم نہیں کیا لکھا جاتا ہے اور جو کچھ خود میں بولتا ہوں وہی کچھ تحریر کرتا ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ جیسے ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خیانت کا پتہ چلا تو وہ مدینہ شریف میں نہ رہ سکا اور مکہ شریف بھاگ کر چلا گیا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز اس نے اپنا سفارشی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بنایا اور کہنے لگا کہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ میرے واسطے امان حاصل کر لیں اور آنحضرت سے میرا قتل کیا جانا معاف کروادیں۔ اس لئے میرا جرم عظیم ہے جس کے لئے میں شرمسار ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ کچھ دنوں بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر گئے اور اپنے آپ پر جو کچھ حقوق اس کی والدہ کے تھے وہ بیان کر کے پرزور سفارش کی کہ اس کو امان دے دی جائے۔ آنحضرت نے اعراض فرمایا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سر مبارک کا بوسہ لیا پھر آنحضرت کی آغوش میں پڑ کر بڑی تضرع اور زاری کی اور بار بار عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عبداللہ کو امان عطا فرمالیں۔ پس آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے امان دی۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ ایمان لے آیا تھا اور اسے امان بھی مل چکی تھی۔ اس کے باوجود جب بھی عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ہوتا تو شرم سے منہ کو چھپا کر ایک طرف ہٹ جاتا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا رضائی بھائی عبداللہ آپ کو دیکھے تو بھاگ جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اسے امان دے چکا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور بے شک آپ نے امان دی ہے۔ لیکن اسے اپنا جرم یاد آتا ہے تو شرمسار ہوتا ہے اور آپ کی نظروں کے سامنے ہونے کی تاب نہیں رکھتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔ **الاسلام یمحو ما کان قبلہ** اسلام قبل کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد ہے حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی السرح کو سنایا۔ تو اس کے بعد عبداللہ بھی دوسرے آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے آئے ہوئے لوگوں میں مل کر سلام عرض کرنے لگا۔

عکرمہ بن ابو جہل کو معافی ملنا:۔ تیسرا آدمی عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایذا رسانی میں اس کی بڑی شہرت تھی اور ضرور تھا کیونکہ ابو جہل کا فرزند تھا اور اپنے ملعون و خبیث باپ کا وارث اور جانشین تھا۔ اور تمام جنگوں میں وہ کفار کا سردار تھا بالآخر اس کے حصے میں سعادت تھی۔ وہ کار بظاہر ہوئی۔

علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں ایک حدیث میں روایت کی ہے۔ کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم خواب میں جنت میں داخل ہوئے۔ تو آنجناب کے ہاتھ میں انگور یا کھجور کا ایک خوشہ دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ خوشہ ابو جہل کی جانب سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابو جہل کا جنت سے کیا واسطہ ہے۔ آنجناب پر بالفعل اس کی تاویل ظاہر نہ ہوئی۔ فتح مکہ واقع ہوئی اور عکرمہ بن ابو جہل بھی اسلام میں داخل ہو گیا۔ تو پتہ چل گیا کہ یہی تعبیر تھی اس خواب کی اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک صحابی عکرمہ کے ہاتھوں شہید ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ تبسم کس بنا پر ہے۔ فرمایا عالم غیب میں دیکھتا ہوں کہ یہ مقتول اپنے قتل کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جنت میں چہل قدمی کر رہے ہیں۔ حضرت عکرمہ نے کس طرح اسلام قبول کیا۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ سیرت نگار حضرات کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے بعد خوف کے باعث عکرمہ مکہ شریف میں نہ رہ سکا۔ اس نے سن لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کا خون مباح قرار دیا ہے لہٰذا وہ ساحل سمندر کی طرف فرار ہو گیا۔ کشتی میں سوار ہوا اور یمن کی جانب روانہ ہوا۔ ناگاہ سمندر میں طغیانی آگئی اور کشتی میں سوار جملہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع اور زاری کرنا شروع کیا۔ انہوں نے عکرمہ سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے کہا۔ تو کہا کہ کیا اس خدا کو جس طرف محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) دعوت دیتے ہیں۔ جس سے میں دور بھاگتا ہوں کہا جاتا ہے کشتی کے ایک تختہ کو اس نے دیکھا کہ تحریر ہے۔ **کذب به قومک وهوا الحق** تمہاری قوم نے تو اس کو کذاب کہا جبکہ وہ حق ہے اس کی تحریر مٹانے والا ساتھ ہی تھا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ مٹادے وہاں سے لکڑی چھیل دے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ پس اس کے دل میں ہیجان پیدا ہو گیا اسی دوران عکرمہ کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا بنت حارث بن ہشام برادر ابو جہل آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عکرمہ کے لئے امان حاصل کر کے ان کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ وہ اس کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔ اے میرے چچا زاد! مخلوق میں کریم ترین اور لوگوں میں رحمدل ترین شخصیت کے پاس سے میں آئی ہوں اٹھو اور چل پڑو۔ میں نے تمہارے واسطے امان حاصل کر لی ہے۔ امان کی خبر سنتے ہی وہ حیران و ششدر رہ گیا اور کہا۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے مجھے امان دے دی ہے باوجودیکہ میں نے ان کو نہایت زیادہ ایذائیں ان کو پہنچائی ہیں ام حکیم کہنے لگی کہ ہم جتنی بھی آنحضرت کی تعریف کریں آپ اس سے بھی بڑھ کر کریم ہیں پس عکرمہ اپنی بیوی کے ہمراہ واپس چلے۔ یہ مکہ شریف کے قریب ابھی پہنچے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خبر دے دی کہ عکرمہ مومن اور مہاجر ہو کر آرہا ہے اور صحابہ سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خبردار! ان کے والد کو گالی نہ دینا تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خیمہ مبارک کے دروازہ پر آگئے۔ ان کی بیوی نے چہرہ سے نقاب ہٹایا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی اور عرض کیا یا رسول اللہ!

میں عکرمہ کو لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ کا حکم کیا ہے۔
یہ سنا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھے کہ آنجناب کی چادر مبارک حضور کے کندھے سے گر گئی اور نہایت مسرت کے ساتھ آپ آگے بڑھے اور ارشاد فرمایا کہ آجاؤ۔ آنحضرت کی نظر پاک عکرمہ پر پڑی تو آپ نے فرمایا مرحبا بالراکب المہاجر اے سوار ہو کر ہجرت پذیر ہونے والے تمہارا آنا بڑی خوشی کا موجب ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیٹھ گئے۔ عکرمہ سامنے کھڑے رہے۔ اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) یہ میری بیوی نے کہا ہے کہ آپ مجھے امان دے چکے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا ہاں میں نے امان دے دی ہے۔ عکرمہ نے کہا۔ **اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له وانک عبد الله ورسوله** پھر نہایت شرمساری کے عالم میں سر جھکا دیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس میں ہرگز شبہ نہیں ہے کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر کریم سب سے زیادہ راست گو اور سب سے زیادہ وفادار ہیں۔ آنحضرت قاسم نعم اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے عکرمہ! مجھ سے مانگو جو بھی مانگنا چاہو۔ میری قدرت میں ہوا تو ضرور عطا فرماؤں گا۔ عکرمہ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! جو اور جیسی بھی دشمنی میں آپ کے خلاف کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ میں نے وہ کی ہے اور اہل شرک کی تقویت کے لئے اور آپ کی عداوت جو کچھ بھی امکان میں تھا وہ سب کچھ میں نے کیا۔ نیز ہر ممکنہ بے ادبی و گستاخی کا بھی مرتکب ہوا۔ اور ہر ممکنہ بری بات و غیبت آپ کے خلاف میں نے کی۔ اب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے اور بخش دے۔ آنحضرت نے ہاتھ مبارک دعا کے لئے اوپر اٹھائے اور عکرمہ نے جو کچھ عرض کیا تھا اس کے لئے معافی و مغفرت طلب فرمائی۔ عکرمہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بندگان خدا کو راہ حق سے برگشتہ کرنے کے لئے اب تک جس قدر سونا چاندی اور روپیہ میں صرف کیا ہے اب میری آرزو ہے کہ اس قدر اب خدا کی راہ میں خرچ کروں۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبوبوں سے جتنی لڑائی اور جنگ کی اب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے اس سے دوگنا جنگ کروں۔ ازاں بعد عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کافروں سے اپنے تمام عہد اور دوستیاں منقطع کر دیں جو کہ وہ رکھتے تھے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ اور دین کی تقویت کی خاطر کمربستہ ہو گئے حتیٰ کہ یہ جنگ اجنادین میں خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوران شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سبحان اللہ ابو جہل لعین کا فرزند اس طرح کا ایماندار اور صاحب یقین نکلا۔ **يخرج الحی من المیت** زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ ان معانی کے مصداق ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے ہی ہوا۔

صفوان بن امیہ:۔ چوتھے آدمی کا نام صفوان بن امیہ ہے۔ یہ قریش کا سردار اور اپنی قوم کا ایک بڑا آدمی تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دشمنی اور عداوت میں شدید تھا اس نے یہ سن کر کہ آنحضرت نے اس کا خون مباح قرار دیا ہے فرار ہو گیا اور بحری راستہ سے کسی جانب نکل جانے کی نیت کر لی حضرت عمیر بن وہب جمحی مقربین و مخلصین سے تھے۔ انہوں نے بارگاہ نبوت میں گزارش کر کے اس کے لئے امان طلب کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی عرض کو سنا اور دو ماہ کے لئے امان عطا فرمائی۔ پس حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کے تعاقب میں گئے اور اس کو یہ خوشخبری سنائی۔ صفوان اپنا

حال اور قبیح اعمال دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اور کہا خدا کی قسم! جس وقت تک میرے لئے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی طرف سے کوئی چیز بطور نشانی نہ لاؤ گے میں واپس نہ جاؤں گا تاکہ مجھے وثوق و اعتماد ہو جائے۔ پس عمیر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور گزارش کی۔ یا رسول اللہ! صفوان آپ جناب کے جود و کرم سے بڑا دور رہا ہے۔ اس کو یقین نہیں آتا اور تاآنکہ آپ کوئی نشانی عطا نہ فرمائیں وہ لوٹنا نہیں چاہتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنا عمامہ مبارک اور دیگر ایک روایت کے مطابق اپنی چادر شریف عمیر کو عطا فرمائی۔ تاکہ صفوان کے پاس لے جائیں۔ پس صفوان واپس آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ عمیر سے معلوم ہوا ہے کہ مجھے دو ماہ کی امان مل گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تجھ کو چار ماہ امان میں دیتا ہوں۔ اس کے باوجود صفوان اسلام لانے میں تردد اور توقف کرتا رہا اور مشرک ہوتے ہوئے بھی وہ غزوہ احنین و طائف میں آنحضرت کی رکاب ہمایوں میں تھا۔ اس موقع پر اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے مخصوص عنایات اور انعامات و اکرام ہوئے۔ پس وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مولفتہ القلوب میں داخل ہوا۔ غزوہ حنین کے غنائم کی تقسیم کے موقع پر اس قسم کے لوگوں کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

حویرث بن نقید کے حالات:۔ حارث بن نقید یہ پانچواں آدمی ہے یہ شقی آدمی شاعر تھا اور بارگاہ رسالت کی برھ چڑھ کر ہجو کیا کرتا تھا۔ اس کو بھی جب پتہ چلا کہ میرا خون مباح قرار دیا ہے تو گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ اس کی تلاش میں اس کے گھر آئے۔ لوگ کہنے لگے وہ تو صحرا میں چلا گیا ہے حویرث حضرت علی کی آمد کا سن کر ٹھیرا رہا یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے دور نکل گئے۔ پھر حویرث نے نکل کر دیگر کسی گھر میں روپوش ہونا چاہا۔ اس کی ملاقات ایک گلی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو گئی پس حضرت علی نے اس کی گردن قلم کر دی اس مقام پر کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اپنے دروازے بند کر کے گھر میں بیٹھنے والا مامون ہو گا۔ اس کا جواب ہے کہ ممکن ہے یہ حکم اعیان قریش کے متعلق ہو اور یہ شخص ان سے نہ تھا علاوہ ازیں یہ گھر سے باہر آ گیا تھا لہٰذا وہ اس حکم سے خارج ہوا۔ نیز یہ کہ ایسے لوگوں کے قتل کا حکم زیادہ تر فتح مکہ سے قبل ہی صادر ہو گیا تھا۔ اور یہ ہی ظاہر ہے۔ اس لئے موجب مباح الدم ہونے والے ان کے جرائم پہلے سے تھے جس وقت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ شریف میں ہی تھے۔

مقیس بن صبابہ:۔ مقیس بن صبابہ چھٹا شخص تھا۔ اس نے یہ جرم کیا تھا کہ اس کا بھائی ہشام بن صبابہ مدینہ شریف آیا اور مسلمان ہوا۔ غزوہ مریسیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک خدمتگار انصاری آدمی بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ اس نے ہشام بن صبابہ کو مشرک تصور کرتے ہوئے خطا سے قتل کر دیا۔ اس کا بھائی مقیس بن صبابہ مدینہ میں آ کر خون بہا کر طلبگار ہوا وہ خطا سے مارا گیا تھا لہٰذا آنحضرت نے انصار کو حکم فرمایا کہ وہ مقیس کو دیت عطا کریں۔ مقیس نے دیت لی اور

اسلام قبول کیا لیکن باوجود اس کے کہ وہ دیت لے چکا تھا اس نے انصاری کو قتل کر دیا۔ خود مرتد ہوا اور مکہ واپس چلا گیا۔ فتح مکہ کے دن وہ مشرکین کی ایک جماعت میں شامل تھا جو کسی گوشہ میں بیٹھی شراب نوشی کر رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔ پس تمیلا بن عبداللہ لیثی نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔

ہبار بن الاسود:۔ یہ جبار بن الاسود ساتواں شخص ہے جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بڑی تکالیف اور دکھ پہنچائے تھے۔ ان میں اس کی ایک شنیعہ حرکت یہ تھی۔ غزوہ بدر میں سیدہ زینت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کے خاوند ابو العاص بن الربیع قیدیوں میں آئے تھے آنحضرت نے اس پر احسان فرمایا تھا کہ مکہ جا کر سیدہ زینب کو آنحضرت کے روانہ کر دینے کا وعدہ لے کر اسے چھوڑ دیا تھا آنحضرت نے اپنا غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ اور مسلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ مکہ پہنچنے پر ابو العاص نے سیدہ زینب کو ایک ہودج میں بٹھا دیا۔ جو ان کے لئے اس نے تیار کیا تھا اور ان کو مدینہ شریف کی طرف روانہ کیا۔ اس بات کا علم ہبار بن الاسود کو ہوا تو قریش کے اوباش قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر ان کا رستہ روک کر کھڑا ہوا۔ اور سیدہ کو ایک نیزہ مارا۔ آپ ایک پتھر پر گریں جس سے اسقاط حمل واقع ہو گیا پس وہ بیمار ہوئیں اور اسی بیماری میں جاں بحق ہو گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کے اس نہایت برے عمل پر بڑا رنج تھا۔ لہٰذا آپ نے اس کا قتل مباح قرار دے دیا آنحضرت نے جب ایک دفعہ ایک لشکر اطراف مدینہ میں بھیجا تو ان کو ارشاد فرمایا کہ اگر ہبار تم کو ملے تو اسے جلا دینا۔ پھر فرمایا۔ انما یعذب بالنار رب النار آگ کا عذاب تو رب تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ اگر تم کو وہ مل جائے تو ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قتل کر دینا۔ لیکن وہ نہ ملا۔ وہ مکہ میں تھا۔ فتح مکہ پر بھی اس کی بڑی جستجو کی لیکن نہ ملا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدینہ میں مراجعت کے بعد ایک روز آپ مجلس صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ دفعۃً ”ہبار ظاہر ہوا جو پکار کر کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ الہ وسلم) میں اسلام کا اقرار کرتا ہوں اور حاضر ہو گیا ہوں بے شک قبل ازیں میں ذلیل و گم گشتہ راہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اب اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے بندے ہیں اور رسول ہیں آپ حضور کی نگاہ میں گنہگار اور شرمندہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سر اقدس جھکا کر اس کی عذر طلبی پر حیا محسوس کی کہ اس پر کوئی عتاب فرمائیں آپ نے اس کا اسلام لانا قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ اے ہبار! میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اسلام تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور قبل کے گناہوں کی جڑیں بھی ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

حارث بن طلاطلہ:۔ آٹھواں آدمی نام سے موسوم تھا یہ آنحضرت کو ایذاء دہندگان سے تھا۔ فتح مکہ کے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قابو میں کر لیا اور قتل کر دیا۔

کعب بن زہیر:۔ کعب بن زہیر نواں شخص تھا۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہجو کہتا پھرتا تھا اور فتح مکہ کے دن یہ فرار ہو گیا تھا بعد ازاں اپنے برادر بحر بن زہیر کے ساتھ یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا پہلے اپنے بھائی کو آنحضرت کی

خدمت میں بھیجا کہ آنحضور اس کے ایمان و اسلام کو قبول فرمائیں اور اس کے خون سے درگزر فرمائیں پس نحر حاضر ہوا اور مشرف با اسلام ہو گیا۔ اور اس نے کعب کو بھی خبردی کہ تو بھی حاضر ہو کر اسلام قبول کرلے۔ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارے جرائم معاف فرمائیں گے پس کعب بھاگا بھاگا دربار رسالت میں آکر پیش ہو گیا اور یہ قصیدہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان اقدس میں پیش کیا۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول ان الرسول لسیف یستضاء به مهند من سیوف اللّٰه مسلول

نبئت ان رسول اللّٰه اوعدنی والعفو عند رسول اللّٰه اوعدنی والعفو عند رسول اللّٰه مامول۔

سعاد نامی میری محبوبہ مجھ سے جدا ہو گئی۔ اج میرا دل جلتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے کہا بلاشبہ رسول ایک تلوار ہے جس سے روشنی میسر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے تیز دھار تلوار ہے وہ کاٹنے والی تلوار۔ میں نے یہ خبر پائی ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے معاف کر دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی یہ عادت کریمہ ہے عفو و درگزر فرمانا۔

اہل سیرت کہتے ہیں کہ نبی کریم روف و رحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ قصیدہ سماعت فرما کر نہایت خوش ہوئے۔ اور اپنے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ سنو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ آنجناب سید عالم (آقائے راقم الحروف) صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کو اپنی چادر مقدس انعام فرمائی۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کعب بن زہیر کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سال نہم ہجری کا ہے لیکن اس ذکر کا مباح الدم مجرموں کے ساتھ سال ہشتم میں کیا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کو توبہ کی ترغیب دینے اور دربار نبوت میں پیش ہو جانے پر اسے تیار کئے جانے کا واقعہ فتح مکہ کے بیان میں آٹھویں سال کا ہے۔ لہٰذا یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس سال میں روضۃ الاحباب میں اسی قدر بیان ہے۔ ہم نویں سال میں انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ مفصل ذکر کریں گے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی:۔ یہ وحشی نامی دسواں آدمی تھا اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا اور سب ہی مسلمان اسے قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے اور آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حکم بھی صادر ہو چکا تھا۔ لیکن یہ وحشی طائف گیا اور وہاں پر ہی رہائش پذیر ہو گیا حتیٰ کہ جس وقت طائف کا وفد آنحضرت کے پاس آنے کے لئے رواں تھا۔ تو لوگوں نے وحشی کو ہدایت کی کہ تم بھی وفد کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ پس وفد کے ساتھ یہ وحشی بھی دربار نبوت میں حاضر ہو گیا۔ اور اس نے کہا **اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمد ارسول اللّٰه** آنحضرت نے فرمایا کہ تم وحشی نہیں ہو اس نے عرض کیا۔ ہاں میں ہی وحشی ہوں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور بتاؤ کہ تم نے میرے چچا کو کیسے شہید کیا تھا۔ پس اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مکمل حال سنا دیا۔ پس آنسرور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آنا اور اپنا چہرہ کبھی نہ مجھے دکھانا۔ چنانچہ وحشی بیان کرتے ہیں کہ میں جس وقت بھی آپ کی بارگاہ میں آتا تھا تو آپ کے سامنے کی جانب نہیں آیا کرتا تھا۔ بلکہ دوڑ کر آپ کے عقب میں جا کر بیٹھتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران مسیلمہ کذاب سے جنگ واقع ہوئی۔ میں بھی اس جنگ میں اسلامی فوج کے ساتھ چلا گیا اور میں نے مسیلمہ کذاب پر وہی حربہ (خنجر) پھینکا جس سے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید

ہو گئے تھے۔ پس حربہ مسیلمہ کی پشت کی طرف آ نمودار ہوا۔ پس ایک انصاری آدمی نے آکر اسے تلوار ماری۔ اب مجھے معلوم نہیں ہے کہ وحشی حربہ سے مرگیا یا کہ اس انصار کی تلوار کے زخم سے مرا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ ایک چھت کے اوپر ایک عورت کہہ رہی تھی مسیلمہ کو ایک کالے رنگ کے غلام نے ہلاک کر دیا ہے اور منقول ہے کہ وحشی اس طرح کہا کرتے تھے۔ **قتلت خیر الناس فی الجاہلیت وقتلت شر الناس فی الاسلام۔**

قبل ازیں غزوہ احد کے بیان میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ اس کو دیکھنے کے لئے ایک جماعت گئی کہ پوچھیں اس نے کیسے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ پس انہوں نے اس کو ایک گوشہ میں بدصورت اور درد میں جتلا پڑا دیکھا۔ جیسے کہ کوئی بھری ہوئی مشک ہوتی ہے۔ تو وحشی نے ان کے سامنے وہ تمام حال بیان کیا تھا۔

کچھ کتب سیر میں جن میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے کا وحشی کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے اور یہ بیان خالی از اثر نہ ہے۔ اس کو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وحشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ میں وحشی ہوں۔ حاضر خدمت میں ہوا ہوں مجھے امان عطا فرمائیں تاکہ خدا کا کلام آپ سے سنوں۔ اس لئے کہ میری بخشش و نجات اس میں ہے۔ آنحضور (سیدی و آقائی) صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ گوارا تھا کہ میں جو تجھے دیکھتا تو امان مانگنے والا نہ ہوتا مراد یہ ہے کہ تجھ کو قتل کرنے کے لئے میں حکم فرماتا۔ لیکن تو اب ہے کہ امان مانگتا ہے لہٰذا میں تجھ کو امان دیتا ہوں تاکہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے۔ پس یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

والذ ین لا یدعون مع اللّٰہ الٰھا اخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذٰلک یلق اثاما یضاعف لہ العذاب یوم القیامت ویخلد فیہ مھاناہ	اور وہ لوگ کسی اور کو عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اور نہ اس جان کو قتل ہی کرتے ہیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ جو یہ کرے گا وہ گنہگار ہو گا۔ اس کے واسطے قیامت کے دن دو گنا عذاب ہو گا اور وہ دائماً اس میں ذلیل و خوار ہی رہیں گے۔

وحشی نے عرض کیا کہ میں شرک کرتا رہا ہوں اور ناحق خون بھی میں کر چکا ہوں اور مجھ سے زنا کا ارتکاب بھی ہوا ہے۔ کیا ان حالات میں اللہ تعالیٰ مجھے بخشے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ تو اس آیت پاک کا نزول ہوا۔

الا من تاب وامن وعمل صالحا فاولئک یبدل اللّٰہ سیاتھم حسنات وکان اللّٰہ غفورا رحیما	سوائے ان کے جو توبہ کر لیتے ہیں اور نیک عمل کئے۔ پس یہ وہ ہیں جن کے گناہ اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اور اللہ ہے بخشنے والا اور رحم والا۔

وحشی کہنے لگا کہ اس آیت میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ اس شخص کے گناہ معاف فرمائے جائیں گے جو گناہ سے توبہ کرے اور پھر وہ نیک عمل بھی کرے۔ لیکن یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مجھ سے نیک عمل کوئی نہ ہو۔ میں تو صرف آپ کے زیر سایہ ہی ہوں۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ آیت پاک تلاوت کی۔ **ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ یغفر ما دون ذالک لمن یشاء**

پھر وحشی نے کہا کہ یہاں بخشش نہ ہو۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللّٰہ لغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور رحیم۔

اے میرے حبیب! آپ کہہ دیں کہ اے میرے بندو جو اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جملہ گناہ بخش دے گا۔ اور وہی ہے بخشنے والا اور رحم فرمانے والا۔

وحشی اب تو مجھے کوئی قید و شرط نظر نہیں آتی۔ لہٰذا اس وقت وحشی مسلمان ہو گیا۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر قید مشیت اور توبہ کی شرط کے بھی اللہ تعالیٰ سب گناہوں کی بخشش فرماتا ہے۔ اگرچہ شرک ہو۔ لیکن مذہب یوں ہے کہ یہ توضاحت موجود ہے کہ آخرت کے دن عذاب ہو تا قرآن و حدیث کی رو سے ثابت ہے۔ اگر کوئی اس طرح کہے کہ جزا و عقاب اور عذاب واقع ہو جانے کے بعد آخر کار غفور رحمت اور بخشش ہو گی۔ تو یہ خلود اور ابدیت کے خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے **خالدین فیھا ابدا** وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن الزبعری:۔ عبداللہ بن الزبعری گیارھواں آدمی تھا یہ عرب کے شاعروں سے ایک تھا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ہجو کہا کرتا تھا اور اہل شرک کو اہل اسلام کے خلاف جنگ پر رغبت دلاتا رہتا تھا۔ فتح کے دن اس کے سننے میں آیا کہ اسے قتل کرنا ضرور ٹھہرایا گیا تو فرار ہو گیا۔ یمن میں نجران بن زید بن سبا کے مقام پر چلا گیا۔ کچھ مدت تک وہیں مقیم رہا۔ اس دوران اپنی جہالت پر مبنی اعمال پر پشیمان ہوتا رہا۔ تو اس کے دل میں اسلام کا نور چمک اٹھا پس ارادہ کیا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ دور سے آتے ہوئے اس پر آنحضور کی نظر پڑی تو فرمایا یہ ابن زبعری ہے اس کے چہرہ پر اسلام کا نور دمک رہا ہے قریب آکر ابن زبعری نے عرض کیا۔ **السلام علیک یارسول اللّٰہ** میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں وحدہ لاشریک خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس نے مجھے اسلام قبول کر لینے کی ہدایت عطا فرمائی یا رسول اللہ! میں نے بہت سے جرم کئے ہیں اور آپ اور آپ کے صحابہ سے بھی میری طرف سے بڑے ظلم ہوئے ہیں۔ ان تمام پر مجھے بڑی پشیمانی ہے۔ اب جناب والا کے ہاتھ میں اس کے فیصلہ کا اختیار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **الحمد للّٰہ الذین ھداک الی الاسلام** یہ واضح ہو کہ اسلام پچھلے سب گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔

کتب کلام میں نقل کیا گیا ہے کہ جس وقت اس آیت پاک کا نزول ہوا تھا۔ **وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم** تو ابن زبعری نے کہا تھا۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ نصاریٰ جو کہ حضرت عیسیٰ کی پوجا کیا کرتے ہیں وہ بھی جہنم میں ہی ہوں گے۔ العیاذ باللہ اور ہمارے معبود بھی دوزخ کا ایندھن ہوں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **ویلک ما اجھلک بلسان ترمک** تمہارے لئے خرابی ہو تو اپنی قومی زبان کے بارے میں بڑا جاہل ہے۔ اس میں کلمہ ما کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور وہ غیرذی عقول کے واسطے ہے جیسے کہ کتب نحو میں مسلمہ قاعدہ ہے۔ اس وجہ سے اس قسم کے اقوال السیہ کی تاویل کی جاتی ہے۔ مثلاً **والسماء وما بنھا۔**

جہاں تک بات ہے ان عورتوں کی جن کے قتل کا حکم فتح مکہ کے روز صادر فرمایا تھا وہ تعداد میں چھ ہیں جن سے بعض مامون ہو گئیں اور بعض قتل کی گئیں۔

ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان:۔ ابو سفیان بن حرب کی بیوی پہلی عورت تھی۔ یہ ہند بنت عتبہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف اور دکھ پہنچانے کے بارے میں اس کا قصہ مشہور ہے۔ بالخصوص اس نے حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا غزوہ احد کے دن مثلہ کیا تھا۔

سیرت نگار حضرات کا بیان ہے کہ فتح کے بعد جب عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بیعت کی خاطر آئیں تو ہند بنت عتبہ بھی چہرہ پر پردا ڈالے ان میں شامل تھی اور یہ مسلمان ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے منہ پر سے نقاب ہٹا دیا اور کہنے لگی میں ہند بنت عتبہ ہوں آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہو کر آ گئی ہے۔ اچھا ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت بیعت کی آیت پڑھی جس میں ہے **ولا یسرقن** یعنی چوری نہ کریں۔ تو ہند نے کہا' یا رسول اللہ! ابو سفیان خرچہ دینے میں بڑا بخیل ہے۔ تو کیا اس کے مال سے اگر مال لے لوں جتنا بچوں کے خرچ کے لئے ضروری مطلوب ہو تو جائز ہو گا؟ آپ نے فرمایا کہ صرف بچوں کی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مال لے سکتی ہے۔ پھر جب آپ نے ارشاد فرمایا۔ **ولا یزنین** (اور نہ کریں زنا)۔ تو ہند کہنے لگی۔ کیا آزاد عورت بھی زنا کی مرتکب ہوتی ہے' **(ھل تزنی الحرۃ)** یعنی ہند نے زنا سے اپنے آپ کو پاک رکھنے کی جانب اشارہ کیا۔ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ ہند بنت عتبہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! اس تمام زمین پر کوئی بھی خیمہ نشین شخص نہیں جس کی ذلت و خواری آپ سے زیادہ مجھے محبوب تھی۔ اور اب صبح ہوئی ہے تو کوئی خیمہ نشین شخص نہیں۔ جس کی عزت مجھے آپ سے بڑھ کر عزیز ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ایضا" یعنی اس طرح ہے۔ ایضا" کے دو قسم کے معانی شارحین حدیث بتاتے ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ جس قدر زیادہ تمہارے میں ایمان قائم ہو گا اس قدر تیرے دل میں محبت جاگزین ہو گی اور دوسرے معنی اس طرح ہیں کہ تمہارے متعلق میرا حال بھی اس طرح ہے ان میں سے پہلے معنی بہتر ہیں اور ظاہر تر ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قرآن کی تلاوت کی ظاہرا" اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے آیت بیعت پڑھی۔ تو ہند نے کہا میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ہاتھ اپنا ہاتھ ملا کر بیعت کا شرف حاصل کروں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ

عورتوں سے ہاتھ ملا کر میں بیعت نہیں کرتا اور ایک سو عورتوں سے بھی میرا بیعت لینا اسی طرح ہوتا ہے جیسے کہ ایک عورت سے بیعت لینا۔

جیسے کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں۔ ہند نے اپنے گھر جا کر تمام بتوں کو توڑ دیا اور کہا ہم یونہی تمہارے غرور اور فریب میں آئے ہوئے تھے۔ پھر دو بکریاں اس نے بطور ھدیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجیں اور ساتھ معذرت بھی کی کہ ہمارے پاس بکریاں تھوڑی ہیں۔ پس آنحضرت نے بکریاں میں برکت کی خاطر دعا فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے اس کی بکریوں میں بڑا اضافہ فرمایا اور ہند خود کہا کرتی تھی کہ یہ سب آنحضرت کی دعا کی برکت سے ہے۔

قریبہ اور قرتنا:۔ قریبہ اور قرتنا دو باندیاں ابن خطل کی گانے والیاں تھیں۔ یہ دوسری اور تیسری عورتیں تھیں۔ یہ آنحضرت کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ قریبہ ہلاک کر دی گئی۔ اور قرتنا فرار ہو گئی۔ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس کے لئے امان طلب کی پس آپ نے امان عطا فرمائی۔

ارنب:۔ چوتھی عورت ارنب تھی۔ یہ بھی ابن خطل کی باندی ہی تھی۔ اس دن اس کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

سارہ:۔ یہ سارا نامی عورت بنی المطلب بن ابی ملتعہ رضی اللہ عنہ نے خط دے کر قریش کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مرتد ہو کر مکہ میں آئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہلاک ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے لئے لوگوں نے امان طلب کی پس اس کو امان مل گئی اور خلافت فاروقی کے دوران اس کو گھوڑے نے ابطح کے مقام پر گرا دیا تھا۔ جس کے باعث اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ (واللہ اعلم) اس طرح روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔

قتل ام سعد:۔ ام سعد چھٹی عورت تھی۔ یہ بھی مقتول ہوئی۔ اس کے بارے میں صرف اتنا ہی مذکور ہوا ہے یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کون تھی اور کس جرم کا ارتکاب کیا تھا اور کس کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔

تنبیہات:۔ امام مالک رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ جس طرح بخاری میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم فتح مکہ کے دن احرام باندھ کر مکہ میں داخل نہ ہوئے تھے۔ جیسے کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ امام مالک سے بطریق جزم یہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے روایت کیا ہے اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سوائے فتح مکہ کے دن کے کبھی بغیر احرام مکہ میں داخل نہ ہوئے۔

علماء کی اس بارے میں مختلف رائے ہیں کہ آیا مکہ میں احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے یا کہ واجب نہیں۔ امام شافعی کا مذہب مطلقاً" غیر واجب ہونا مشہور ہے ایک قول میں مطلق طور پر واجب قرار دیا گیا ہے ہاں دوسری دفعہ جو آدمی داخل ہو اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ غیر واجب ہے لیکن دوسرے تین اماموں کے نزدیک واجب

ہوتا ہی مشہور ہے۔ اور ایک روایت میں جس میں ہر ایک سے دوبارہ داخل ہونے میں غیر واجب آیا ہے اور علماء بھی اس پر جزم فرماتے ہیں۔ جیسے کہ مکرر حاجت مند مستثناہیں۔ اور احناف نے ان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو میقات میں داخل ہیں۔ اس طرح مواہب الدینہ میں بیان کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تھے تو آنجناب سر پر خود پہنے ہوئے تھایا کہ سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا تھا۔ اس ضمن میں مختلف روایات آئی ہیں۔ لہذا علماء نے ان میں اس طرح سے تطبیق فرمائی ہے کہ ہو سکتا ہے جب مکہ میں داخل ہوئے ہوں تو شروع میں خود پہنا ہوا ہو اور بعد میں اسے اتار کر عمامہ باندھ لیا ہو۔ لہذا جس صورت میں کسی نے دیکھا اسی طرح اس نے بیان کر دیا۔ حضرت عمرو بن حریث کی حدیث میں آیا ہے کہ جب آنحضرت نے خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ لیکن خطبہ آپ نے باب کعبہ کے قریب دیا تھا جبکہ اندرون کعبہ سے باہر تشریف لاچکے تھے اور یہ بعد از دخول در کعبہ تھا۔ اس طرح سے روایات کی جمع میں قاضی عیاض رحمتہ اللہ کی توجیہہ ہے اور بعض نے یوں جمع کی ہے کہ عمامہ خود کے اوپر تھا اور یا خود کے نیچے عمامہ بندھا ہوا تھا۔ اس لئے کہ لوہے کے خود کی گرمی سے سر اقدس کی حفاظت ہو۔ لہذا جو صرف خود کا ذکر کرتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لڑائی کے لئے پوری تیاری کئے ہوئے تھے۔ اور جس نے عمامہ بیان کیا ہے وہ یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت نے احرام نہ باندھا تھا۔

مکہ میں قیام کی مدت:۔ وصل:۔ قبل ازیں معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ شریف سے رمضان کی دس تاریخ ۸ھ بروز چہار شنبہ عصر کی نماز کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ وہ اختلاف بھی ہیں جو تاریخ روانگی کے تعین میں وارد ہوئے ہیں اور مکہ شریف میں آپ کا داخلہ ماہ رمضان کی بیس تاریخ پر واقع ہوا تھا۔ اس ماہ رمضان کے باقیماندہ دن اور شوال کے مہینے کے پہلے دن آنحضور مکہ میں قیام پذیر رہے مواہب میں ہے کہ آنحضرت کا مکہ میں پندرہ دن قیام ہوا۔ ایک روایت میں انیس دن اور دیگر ایک روایت میں سترہ دن ہے اور ترمذی میں اٹھارہ دن کا قیام مذکور ہے اور کہا گیا ہے کہ اصح روایت بضع عشر ہے یعنی کہ دس دن سے کچھ روز زیادہ ان دنوں کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم نماز قصر سے پڑھتے رہے۔

دوران قیام مقدمات کے فیصلے:۔ مکہ میں دروان قیام نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے متعدد مقدمات کے فیصلے صادر فرمائے۔

ایک مقدمہ ایک فاطمہ نام کی عورت کا تھا۔ وہ اسود بن الاسود کی بیٹی تھی اور ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کی بھتیجی تھی اور بنی مخزوم کے قبیلہ کے اشراف میں شمار ہوتی تھی۔ اس نے چوری کا ارتکاب کیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی گئی تھی۔ چوری ثابت ہو جانے کے بعد اس کے ہاتھ کاٹے جانے کا فیصلہ صادر فرمایا گیا۔ اس کی قوم اس فیصلہ پر بہت وحشت زدہ ہوئی۔ لہذا وہ کسی سفارش کے متلاشی ہوئے کہ آنحضرت ہاتھ کاٹنے سے درگزر فرمادیں۔ پس

انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بطور سفارش پیش کیا۔ یہ آنحضرت کے محبوب اور مقرب تھے۔ حضرت اسامہ اس قوم کی نہایت تضرع اور منت سماجت سے متاثر ہوئے تو بارگاہ نبوت میں سفارش عرض کی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم حدود خدا کے نفاذ کے خلاف سفارش کر رہے ہو۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جلال و غضب دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے گناہ ہو چکا ہے میرے لئے استغفار فرمائیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا۔ اے لوگو! خبردار۔ اس سے پہلے سابقہ امتیں اس واسطے ہلاک کردی گئیں کہ جس وقت ان سے کوئی بڑا آدمی چوری کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کو وہ چھوڑ دیتے تھے اور اس پر حد نہیں قائم کرتے تھے اور کوئی کمزور شخص جب اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس پر حد کو اجراء کر دیتے تھے۔ مجھے اس رب العزت کی قسم۔ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی دختر فاطمہ بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا۔ ازاں بعد مخزوم کی اس عورت کے ہاتھ کٹ دیئے گئے۔ (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اللہ تعالیٰ جناب امام تراج الدین سبکی رحمتہ اللہ کو نیک اجر عطا فرمائے۔ یہ شافعیہ کے امام ہیں انہوں نے آنحضرت کا یہ خطبہ نقل فرمایا جس میں سیدہ طاہرہ طیبہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی صراحت سے آیا ہے انہوں نے ان کا نام نامی نقل نہ کیا اور ادب مدنظر رکھا۔ اور یہ گوارا نہ کیا کہ اس مقام پر سیدہ عالم کا اسم گرامی ذکر کریں۔ اور اس طرح تحریر کیا کہ اگر فلاں بھی چوری کرنے (پھر آپ نے اہل بیت سے ایک کا نام لیا)۔ تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔ **بارک اللہ فی تعظیمہ ورعایتہ ادبہ مع الزہرا سلام علیہا وعلی سائر بیت نبوۃ اجمعین۔**

یہاں اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم کے پاس مقدمہ چلا جانے کے بعد حدود الہیہ میں سفارش کرنا حرام ہے اور قبل اس کے کہ مقدمہ حاکم کے پاس پہنچے اگر سفارش کریں جبکہ وہ شرارتی اور موذی نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ لیکن تعزیر میں ہر دو صورت میں سفارش جائز ہے۔ بالخصوص جبکہ معاملہ اشراف کا ہو۔

دوسرا مقدمہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی بارگاہ عدالت میں دوسرا مقدمہ ایک آدمی کا پیش ہوا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ الہ وسلم کو فتح مکہ عطا فرمائے گا تو میں بیت المقدس جا کر نماز ادا کروں گا آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں ہی نماز پڑھ لو یعنی مسجد حرام میں ہی ادا کر لو۔ اس شخص نے تین دفعہ عرض کیا۔ تو آنحضرت نے تیسری دفعہ کے جواب میں فرمایا۔ بیت الحرام میں پڑی ہوئی ایک نماز کسی دیگر جگہ پر ہزار نمازوں سے افضل ہوتی ہے اس طرح اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ دیگر ایک حدیث میں ہے کہ بیت الحرام میں صرف ایک نماز ادا کرنا دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی روایت ہوا ہے کہ بیت المقدس مسجد اقصیٰ کے اندر ایک نماز ادا کرنا ایک ہزار نماز کے برابر ہوتی ہے اور مدینہ شریف مسجد نبوی شریف میں پڑھنا دس ہزار کے برابر اور مسجد حرام مکہ شریف میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے پس مسجد حرام میں نماز ادا کرنا غیر مسجد حرام سے بڑھ کر ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ مکہ سے زیادہ مدینہ کی فضیلت تسلیم کرتے

تھے۔ لہذا مدینہ شریف مسجد میں نماز ادا کرنا دیگر جگہوں پر نماز سے افضل گردانتے ہیں خواہ عدد کے لحاظ سے کیت پر ہو۔ لیکن کیفیت و فضلیت اور قرب سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لحاظ سے مدینہ شریف کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ تعداد کی زیادتی قامت کی کمی کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے کہ ایک کو ہر ایک ہزار درہم کے مساوی ہے۔ تاریخ مدینہ جذب القلوب الی دیار المحبوب میں اس مبحث کو ثابت کیا ہے۔ فقہ کے مسائل میں ذکر آیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مفضول مسجد میں نماز ادا کرنے کی نذر مانتا ہے تو وہ مسجد حرام میں پڑھ سکتا ہے۔ یا وہ یہ نذر مانے کہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا تو وہ مدینہ شریف کی مسجد میں نماز ادا کرلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے والے سے ارشاد فرمایا کہ وہ یہاں ہی نماز پڑھ لے۔ اس میں اس کے افضل ہونے پر دلالت ہے۔

علاوہ ازیں دوسرے احکام اور قضایا جو کہ مکہ شریف میں قیام کے دوران وقوع پذیر ہوئے تھے ان میں سے شراب' مردار اور بت کی قیمت کی مخالفت ہے۔ نیز کاہن کو کہانت کی اجرت دینا اور مردار کی چربی سے مشکوں اور کشتیوں کو چکنایا جاتا ہے۔ ان تمام امور کی ممانعت فرمائی گئی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے۔ ان پر چربیاں حرام کی گئی تھیں۔ لیکن وہ ان کو بیچ کر قیمت خود کھاتے تھے۔ اس حدیث سے پتہ چل جاتا ہے کہ کھانے کے لئے حرام قرار دی گئی چیز کی قیمت وصول کرکے کھانا بھی حرام ہی ہوگا۔

قیام مکہ کے دوران کا ایک واقعہ یہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس سوار ہمراہ دے کر موضع نخلہ پر بھیجا تاکہ وہ عزیٰ کا بت خانہ مسمار کردیں۔ عزیٰ عرب میں بڑا مشہور بت تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ مسافت طے کرنے کے بعد وہاں جا پہنچے۔ وہ بت خانہ تباہ کردیا گیا اور واپس آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ بت توڑ دیا گیا۔ تو عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس میں سے کسی چیز کو تم نے دیکھا۔ عرض کیا۔ نہیں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے بت عزیٰ نہیں توڑا ہے۔ پس حضرت خالد رضی اللہ عنہ واپس اس مقام پر گئے اور بڑی جستجو کی۔ تو ایک سیاہ رو برہنہ عورت بکھرے بالوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ حضرت خالد نے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آنحضرت کی بارگاہ میں آکر اطلاع دی۔ تو آنحضور نے فرمایا کہ وہ عزیٰ تھی۔ اب کے بعد تمہارے شہروں میں عزیٰ کی پرستش نہیں ہوگی۔ یہ قریش کی معبود تھی۔ نیز جملہ لوگوں اور بنی کنانہ کی ایک بزرگ بت تھی۔ اور وہ لات وعزیٰ کی قسمیں اٹھایا کرتے تھے۔ طائف میں بنو ثقیف کے بت کا نام لات تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے آنحضرت نے فرمایا۔ من تحلف باللات والعزی فلیقل لا الہ الا اللّٰہ جو کوئی لات وعزی کی قسم اٹھاتا ہے۔ اس کو لا الہ الا اللّٰہ کہنا چاہیے۔

ایک یہ واقعہ بھی اسی دوران کا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سواع کا بت خانہ برباد کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ ہذیل قبیلہ کا بت تھا۔ یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقعہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں وہاں گیا تو بت خانہ کا پجاری کہنے لگا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ

علیہ والہ وسلم کا حکم ہے کہ یہ بت خانہ تباہ کردوں۔ وہ کہنے لگا تم یہ کام سرانجام نہیں دے سکتے یہ بت تم کو اس سے باز رکھے گا۔ حضرت عمرو بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کے نزدیک جاکر میں نے اسے توڑ دیا۔ اور پجاری سے کہا کہ تم نے دیکھ لیا ہے؟ پس پجاری نے کہا۔ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں۔

یہ بھی واقعہ اس دوران کا ہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیس سواروں کی سرکردگی میں موضع مشلل بھیجا گیا۔ یہ موضع حرمین کے درمیان واقع ہے۔ تاکہ مناجات کے بت خانہ کو تباہ کریں۔ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اس خزرج اور غسانہ کے لوگ یہاں عبادت کرتے تھے اور مناجات کی پرستش کرتے تھے۔ اس بتخانہ کے پجاری نے کہا۔ تمہارا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مناجات کو تباہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ تو پجاری نے کہا کہ تم اور قبیلہ اوس کے لوگ جانیں۔ پس حضرت سعید رضی اللہ عنہ بت کی طرف آگے بڑھے تو اس سے ایک کلموئی عورت نکلی وہ اپنے سینہ پر ہاتھ مار مار کر پیٹتی تھی۔ اور نوحہ کر رہی تھی۔ حضرت سعید نے تلوار ماری اور دو ٹکڑے کر دی۔ پھر اس بت خانہ کو تباہ کیا اور آنحضرت کی بارگاہ میں آ حاضر ہوئے۔

اس دوران کا ایک واقعہ یہ ہے جو کہ شناعت سے خالی نہیں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عزیٰ بت کو توڑنے کے بعد واپس آگئے تو ان کو یلملم کی طرف قبیلہ بن جذیمہ پر بھیجا گیا۔ ان کے ہمراہ سو مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے لوگ تھے۔ انہیں اس قبیلہ کے لوگوں کے اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا۔ اور ان سے جنگ کرنے کے نہیں بھیجا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں خالد رضی اللہ عنہ کے چچا ناکہ بن مغیرہ اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے والد عوف یمن سے تجارت کر کے واپس سفر کے دوران یلملم پہنچے تو بنی جذیمہ نے ان کے مال کی ہوس میں دونوں کو قتل کر دیا تھا اور مال پر قبضہ کر لیا تھا۔ بنی جذیمہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر سنی تو احتیاط" ہتھیار بند ہو کر نکلے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے انکا حال پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اور ان کے دین اسلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ نمازیں بھی ہم ادا کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی بستی میں مسجدیں بنائی ہیں۔ اور ان میں اذان و اقامت بھی کہتے ہیں۔ نیز ہم باجماعت نماز جمعہ بھی ادا کرتے ہیں۔ حضرت خالد نے پوچھا کہ پھر تم ہتھیار بند ہو کر کیوں برآمد ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے عرب کی ایک قوم سے ہماری عداوت ہے ہمیں خدشہ تھا کہ تم ان سے ہو گے۔ حضرت خالد نے یہ عذر نامنظور کرتے ہوئے ان کو ہتھیار اتارنے کو کہا۔ انہوں نے حکم کے مطابق عمل پذیر ہوتے ہوئے اپنے جسموں سے ہتھیار کھول دیئے۔ پھر حضرت خالد نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ ان کے کندھوں کے ساتھ باندھے جائیں۔ اس کے بعد ایک ایک قیدی اپنے ایک ایک ساتھی کے سپرد کر دیا کہ رات بھر ان کی حفاظت و نگرانی کریں اگلی صبح ہوئی تو حکم فرمایا۔ کہ جس آدمی کے پاس جو قیدی ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ پس سردار کے حکم کے مطابق بنو سلیم نے ان بے گناہ قیدیوں کو قتل کر دیا۔ لیکن مہاجرین و انصار نے ایسا نہ کیا۔ ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ انہوں نے ہتھیار اتار دیئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور تقریباً ایک سو آدمی قتل کئے بعد ازاں بنی جزیمہ کا ایک آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور جو

سلوک ان کے ساتھ حضرت خالد نے کیا تھا۔ وہ تمام عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غضبناک ہو کر دو تین دفعہ یوں فرمایا۔ **اللھم انی ابرا الیک متبا صنع خالد** اے میرے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے برات ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بنی جذیمہ کی جانب رقم دے کر بھیجا۔

تاکہ وہ مقتولین کی دیت ادا کریں اور مالوں کا عوضانہ ادا کر کے انہیں راضی کریں اور خالد رضی اللہ عنہ کو بھی ملامت کریں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ بحکم رسالت وہاں گئے اور تمام امور بجا لائے ان کو دیت وغیرہ بھی ادا کی ــــــــــــ ان کو راضی کیا اور آنحضرت کی خدمت میں واپس آ گئے۔

سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک مدت تک حضرت خالد سے ناراض ہی رہے۔ بنو جذیمہ راضی ہو گئے۔ تو بنو جذیمہ کے لوگوں اور بعض صحابہ کرام نے آنحضرت کی خدمت میں سفارش کی تو حضور نے ان کو معاف فرمادیا۔

تعجب خیز مقام ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کیونکر سرزد ہوا۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ اجتہادی غلطی کے باعث تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا کہ وہ جنگ کے لئے آئے تھے اور ان کی عذر خواہی جھوٹ پر مبنی تھی۔ جبکہ رائے اس کے خلاف پر تھی۔ **والمجتہد یخطی ویصیب** مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور ثواب بھی ہوتا ہے اور اس پر آنحضرت نے دیت ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ اکثر اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیت کی رقم اپنے پاس سے ادا فرماتے تھے جیسے کہ خیبر میں مخاصمت یہود کے موقع پر واقع ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

روضۃ الاحباب میں یوں آیا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور بنی جذیمہ کا قصہ سیرت نگار حضرات یوں بیان کرتے ہیں۔ جس طرح کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن کتب حدیث میں صحت کے ساتھ روایت ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت خالد کو جذیمہ کی جانب بھیجا۔ تاکہ دعوت اسلام پیش کریں۔ لیکن انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار احسن طریقے سے نہ کیا بلکہ کہنے لگے۔ صبانا صبانا یعنی ہم صابی ہوئے۔ ہم صابی ہوئے۔ پس حضرت خالد ان کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ مشارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہ بھی امکان ہے کہ حضرت خالد نے سوچا ہو کہ یہ اسلام کی جگہ دوسرا لفظ بطور کنایہ استعمال کرتے ہیں۔ جو کہ وہ اسلام سے انکار کے طور بول رہے ہیں اور حقیقت میں ان کی مراد نہ ہے۔ اس تاویل کے مطابق ان کو قتل اور قید کیا۔ واللہ اعلم۔ انتہٰی۔

کتب احادیث میں یہ مذکور روایت اشتباہ کا موجب اور محل التباس ہو سکتی ہے۔ لیکن جیسے یہ کتب سیر میں مذکور ہے انتہائی بعید ہے اور نہایت مشنیع ہے۔ یعنی کہ اس قوم نے واضح طور پر اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اور شرائع اور شعار کی اقامت بھی صریحاً بیان کی اور وضاحت سے تصدیق نبوت بھی کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے جنگ کرنے کے لئے ہتھیار نہیں باندھے۔ پھر بھی ان کو قتل کر دیا۔ اور یہ ذکر کہ وہ قوم حضرت خالد کے چچا اور عبدالرحمٰن کے والد کی قاتل تھی۔ یہ ذکر

سوء ظن کا سبب بنتا ہے۔ اس سے تو ہم ہوتا ہے کہ حضرت خالد نے اپنی پچھلی دشمنی کی وجہ سے ان کو قتل کیا تھا اور دین کی بنا پر نہیں۔ حالانکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا ہے۔ **خالد سیف من سیوف اللّٰہ** اور اللہ تعالیٰ کی تلوار سے لاحق قتل کیسے ہو سکتا ہے جیسے کہ قتل خالد میں نوکہ کا واقعہ ہے۔ کہ فرمایا **من صاحبکم** عمر بن الخطاب اور اس سے مواخزہ ہوا اس طرح کا واقعہ یہ ہے۔ اور ابھی تک مجھے یہ یاد ہے کہ جس وقت میں مکہ شریف میں قاضی علی بن جار اللہ کے پاس تھا وہ بنی ظہر سے تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ان کے ساتھ فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی تذکرہ ہوا کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت کے واضح حکم کے بغیر ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے عجلت کے باعث قتل واقع ہوا۔ اس پر قاضی صاحب نے شرمندگی محسوس کی اور اس کے دفعیہ میں کہنے لگے۔ **واللّٰہ کان فیہ رضی اللّٰہ عنہ صتوبا من الاستعجال والمبادرۃ الی القتال** خدا کی قسم خالد رضی اللہ عنہ عجلت کرنے والے اور جنگ میں جلد باز تھے۔

تنبیہہ:۔ لفظ صابی کے معنی ہیں ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لینا۔ کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ کیونکہ آپ نے باپ دادوں کا دین ترک کر کے نیا دین اختیار کر لیا تھا اور وہ دیگر اہل اسلام کو صباۃ کہتے تھے۔ اس لفظ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پسند نہ فرمایا تھا۔ ظاہرا" ان کو کہنا چاہیے تھا۔ اسلمنا۔ اسلمنا (واللہ اعلم بحقیقت الحال علی وجہ الکمال)

غزوہ حنین

۸ھ کے دوران ہی غزوہ حنین کا واقعہ ہے۔ حنین ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ مکہ شریف سے تین رات کے سفر پر واقعہ ہے۔ یہ طائف کے نزدیک ہے اسے غزوہ ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔ وہاں پر آباد قبیلہ کا نام ہوازن تھا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فتح مکہ سے مشرف ہو چکے اور قوائد و قوانین کے نفاذ سے فراغت ہوئی اس وقت سوائے دو قبیلوں کے باقی تمام عرب کی قبائل مطیع و منقاد ہو چکے تھے۔ وہ دو قبیلے بنو ہوازن اور بنو ثقیف تھے۔ دونوں ہی بہادر، گردن کش اور مالدار تھے۔ دونوں ہی حسد و بغض اور دشمنی میں بدستور جتلا رہے دونوں قبیلوں کے سردار آپس میں ملے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مکہ پر غالب آ چکے ہیں۔ مکہ والے جنگ و حرب کے ماہر نہیں تھے۔ لہٰذا ان پر محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔ اگر ہمارے ساتھ جنگ ہوتی تو ان کو پتہ چل جاتا کہ جنگ کیا ہوتی ہے اور ممکن ہے اب وہ ہماری جانب متوجہ ہوں۔ لہٰذا بہتری اس میں ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں ہم ان پر حملہ کر دیں۔ یہ سب ان کے غرور اور سرکشی کا نتیجہ تھا کہ وہ یوں کہتے تھے اور اصل میں ان کی یہ بات اہل اسلام کی فلاح و بہبود میں تھی کیونکہ مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی تھی کہ انہیں غلبہ و نصرت حاصل ہو گی اور اس قدر مال اور سامان دستیاب ہو گا جتنا

کسی اور جگہ سے ان کو کبھی نہیں ملا۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ بنی ہوازن اپنے سب اہل و عیال کے ساتھ تمام مویشی اور مال و اموال کے ساتھ نکل پڑے ہیں تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ تمام اموال مسلمانوں کو غنیمت میں ملے گا۔ القصہ آنحضرت کو خبر ہو گئی کہ یہ دونوں قبیلے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ تو ماہ شوال کی چھ تاریخ بروز ہفتہ مکہ شریف سے بارہ ہزار مدنی اسلامی فوج اور دو ہزار طلقاء اور حلفاء کو ہمراہ لے کر آپ نکلے۔ آپ نے صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہیں مانگیں۔ صفوان نے پوچھا کہ عاریتاً" مطلوب ہیں یا کہ مستقل طور پر۔ آنحضرت نے فرمایا کہ عاریتاً" مطلوب ہیں۔ اگر یہ ضائع بھی ہو جائیں تو ہم ان کا تاوان عطا فرمائیں گے صفوان بڑی الٹی قسم کی عقل رکھتا تھا۔ جو یہ سوچتا تھا کہ آنحضرت جبراً" قبضہ میں کر لیں گے۔ مشرکین سے بھی اسی آدمی اس میں تھے۔ مثلاً صفوان بن امیہ وغیرہم مکہ شریف میں حضرت عتاب بن اسید عامل مقرر کئے گئے۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم شوال کی دس تاریخ کو منگل کی رات حنین پہنچ گئے۔ مالک بن عوف نضری بنی ہوازن کا سردار تھا اور کنانہ بن عبدیالیل ثقفی بنی ثقیف کا سردار تھا۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ ہو کر میدان جنگ میں آ گئے۔ گرد و نواح کے کچھ اور قبیلے بھی ان میں شامل ہو گئے۔ پس چار ہزار کی تعداد میں کفار کی فوج میدان میں آ گئی۔ ان میں سے ایک بوڑھا' اندھا لیکن تجربہ کار آدمی درید بن صمہ تھا۔ اس کی ایک سو بیس سال عمر بتائی جاتی ہے۔ دیگر ایک روایت میں ایک سو ساٹھ سال مذکور ہے۔ وہ مالک بن عوف نضری سے کہنے لگا کہ مال و اسباب اور اہل و عیال ہمراہ لے کر مت نکلو۔ لیکن اس کی بات اس نے نہ مانی۔ لہذا درید نے لوگوں کو کہا' اے ہوازن! یہ مالک تم کو ذلیل و خوار کرے گا۔ یہ تمہاری عورتیں' بچے اور اموال دشمن کے حوالے کر دے گا تم کو بھی دشمن ہی کے حوالے کرنے کے بعد خود فرار ہو جائے گا۔ پس لوگوں میں اختلاف پڑا۔ مالک نے کہا اگر تم نے میری بات اور حکم نہ مانا تو میں خود کو ہلاک کر دوں گا۔ پس اس نے اپنی تلوار کھینچ لی اور اپنے سینہ پر تلوار کی نوک رکھی اور کہا اگر تم نے میری اطاعت نہ کی تو میں ابھی تلوار پر جھولوں گا۔ یہاں تک کہ میری پشت کی طرف نکل آئے ہوازن نے کہا کہ یہ جوان ہے اور جاہل بھی۔ اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو یہ شخص بوجہ جہالت خود کو ہلاک کر دے گا۔ اور بوڑھا' اندھا اور عاجز درید سرداری سنبھالنے کے لائق نہیں۔ نہ ہی کوئی اور سرداری کے لئے موزوں آدمی ہمارے علم میں ہے پس وہ تمام مالک سے اتفاق کر گئے اور حنین کی طرف روانہ ہوئے۔

اسلامی فوج کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مالک نے ایک آدمی بھیجا تھا وہ آدمی اپنے ساتھیوں سمیت خوفزدہ کانپتے ہوئے واپس مالک کے پاس آئے۔ مالک نے پوچھا کہ تم کیوں پریشان ہو انہوں نے بتایا کہ لشکر اسلام میں ہم نے سفید پوش وہ لوگ دیکھے ہیں جو ابلق گھوڑوں پر سوار ہیں اور قبل ازیں وہ کبھی دکھائی نہیں دیئے۔ لہذا یہ ہی بہتر اور مناسب ہے کہ یہاں سے ہم واپس مڑیں۔ ورنہ ان کو دیکھ کر ہمارے لشکری بھی ہماری مانند خوفزدہ و ہیبت زدہ ہوں گے۔ مالک کو ان پر اعتبار نہ آیا اور دیگر لوگوں کو معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ بھی واپس آئے تو یہی کچھ انہوں نے بتایا۔ لشکر اسلام کی مدد کے لئے یہ فرشتے آئے ہوئے تھے۔ جیسے کہ غزوہ کے دوران بھی آئے تھے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں کا آنا صرف بدر سے مخصوص نہیں ہے بعض کہتے ہیں حنین میں اہل اسلام کی تقویت و تائید اور ان کی مدد کے لئے فرشتے آئے تھے قتل و حرب کے لئے نہیں جبکہ بدر میں قتل و حرب ملائکہ مخصوص ہے۔

یہ علامات دیکھ کر بھی مالک بن عوف نہ رکا اور برابر جنگ کرنے پر مصر تھا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی لشکر کی شوکت و کثرت دیکھی تو ایک ان میں سے کہنے لگا کہ آج کے دن ہم بوجہ قلت مغلوب نہ ہوں گے۔ اس کی یہ بات آنحضرت کی بڑی گراں گزری کیونکہ اس میں عجب اور غرور تھا۔ اور جیسے کہ سیرت نگار کہتے ہیں لشکر اسلام کو اسی سبب سے ہزیمت اٹھانی پڑی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ تعداد کی زیادتی اور تیاری پر فتح و نصرت کا مدار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ **وما النصر الا من عند اللّٰہ** علاوہ ازیں یہ آیت بھی اسی معانی میں نازل ہوئی۔ **ولقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا** بے شک اللہ نے بہت مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور یوم حنین بھی۔ جبکہ تم اپنی کثرت پر ناز کرتے تھے۔ اور تم کو کوئی بھی شے بے نیاز نہ کر سکی۔

واضح ہو کہ امکان ہے کہ اس مقام پر یہ بات ناپسندیدہ اور مکروہ جانی گئی ہو اور اس کے قائل نے گھمنڈ کے قرینہ سے جانا ہو۔ ورنہ یہ صحیح بات ہے کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کی حدیث میں وارد ہے **خیر الصحابۃ اربعۃ وخیر السرایا اربعمائۃ وخیر الجیش اربعۃ الاف ولن یغلب اثنا عشر الفا من قلۃ** بہترین صحابہ چار ہیں بہترین سرایا چار سو ہیں۔ اور بہترین فوج چار ہزار کی ہے اور قلت کے باعث بارہ ہزار غالب نہیں آئیں گے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے لشکر میں بارہ ہزار آدمی تھے۔ اور یہ نہیں کہ اس کے قائل نے تعداد لشکر دیکھ کر ایسا کہا ہو بلکہ اس نے یہ بات لشکر کی کثرت و شوکت کی بناء پر کہی تھی اس بیان سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ صحیح ہے کہ اس طرح جس نے کہا تھا وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ جس طرح کہ ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

جیسے کہ اہل سیر نے کہا ہے مالک بن عوف حنین میں آ پہنچا تھا قبل اس کے کہ لشکر اسلام وہاں پہنچے اس نے لوگوں کو چھپا کر گھات میں بٹھایا تھا اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا تھا کہ اس مقام سے بے خبری میں اسلامی فوج کے گزرتے ہوئے تم ان پر تیر برسانا شروع کر دینا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صبح کاذب کے وقت لشکر تیار فرمایا۔ علم اور جھنڈے عطا فرمائے اور چل دیئے۔ حنین وادی کی گھاٹیاں تنگ اور دشوار گزار تھیں اور ان میں گڑھے بھی پڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا وہاں سے اکٹھے گزرنا ناممکن تھا۔ پس تھوڑے تھوڑے آدمیوں پر مشتمل گروہوں میں وہاں داخل ہوئے۔ کافروں نے غنیمت سمجھا اور اپنی گھاتوں سے نکلے اور اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ تیروں کی بارش کر دی۔ وہ تمام تیر انداز تھے 'حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور بنی سلیم مقدمہ میں تھے اور غیر مسلح تھے۔ لہٰذا پیچھے کو مڑے۔ ان کے پیچھے کفار قریش تھے۔ نیز کچھ نو مسلم اور ضعیف الاعتقاد لوگ بھی تھے۔ وہ بھی پیچھے کو بھاگے۔ دیگر صحابہ بھی یہ صورت برداشت نہ کر سکے اور اپنے دفاع کی خاطر منتشر ہوئے اور

متزلزل ہو گئے اسلامی لشکر اس طرح منتشر ہو گیا کہ صرف چند لوگ ہی سامنے رہ گئے۔ ان میں سیدنا علی مرتضیٰ' حضرت عباس ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب حضرت عباس کے بیٹے' حضرت قثم' فضل' اسامہ بن زید' ام ایمن کے برادر' ابن ام ایمن' عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب' عقیل بن ابی طالب' اہل بیت چند دیگر صاحبان' ابوبکر صدیق' عمر بن الخطاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آگے آگے تھے۔ کچھ بائیں اور کچھ دائیں ہاتھ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت کی رکاب سعادت پکڑے ہوئے تھے۔ ابوسفیان بن الحارث نے حضور کی سواری کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس نے دائیں رکاب تھامی ہوئی تھی ________ اور حضرت ابوسفیان بن الحارث نے بائیں رکاب اسی روز آنحضرت اونٹ پر سوار تھے۔ اس کا نام دلدل تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ سفید خچر تھے۔ وہ خچر فروہ جزامی کی طرف سے بطور ہدیہ بھیجا ہوا تھا۔ جس طرح کہ اپنے مناسب مقام پر بیان گزر چکا ہے۔

سیرت نگار حضرات بیان کرتے ہیں کہ محاربہ و جنگ جیسے مقامات پر خچر کی سواری فرمانا کمال شجاعت اضافہ قوت اور قبضہ و قدرت میں زیادتی کا باعث ہوتا ہے اور اصلیت یہ ہے کہ یہ خصائص نبوت سے ہے۔ ورنہ بالعموم خچر کی سواری اطمینان اور سیرو سیاحت میں مستعمل سواریوں سے ہے اور جنگ و محاربہ میں موزوں نہیں ہے سوائے گھوڑے کے۔ اس لئے کہ گھوڑے کو پیدائش سے ہی کر و فر حاصل ہے اور یہ بھی بلاشبہ درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خاطر فرشتے بھی ابلق گھوڑوں پر ہی سوار ہو کر آئے تھے۔ یہی سبب ہے کہ غنیمت سے سوائے گھوڑے کے کسی اور سواری کا حصہ نہیں دیتے۔ خچر یا اونٹ کسی کے لئے بھی نہیں 'یوں کہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خچر پر سوار ہونا' اس بات کا اظہار تھا کہ خواہ جنگ ہو یا امن قوت قلب' شجاعت نفس اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کے اعتبار سے میرے لئے دونوں برابر ہیں۔ باوجود اس کے آنحضرت اپنی سواری کو اشرار و دشمنوں کی طرف آگے بڑھاتے تھے۔ اور ان کی سرکوبی فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ سواری کی باگیں پکڑے ہوئے اسے آگے بڑھنے سے روکتے تھے۔ اور آنحضرت فرما رہے تھے۔ تم جان لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں اور فرماتے تھے۔ **انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب** یہ اس واسطے تھا کہ اہل اسلام کے دل قوت حاصل کریں اور انہیں حوصلہ میسر ہو۔ آپ مسلمانوں کو حق تعالیٰ کا وعدہ مدد یاد دلاتے تھے اور فرما رہے تھے۔ **انی لین یا عباد اللہ انی این ایها الناس** میں موجود ہوں یہاں تم اللہ کے بندو کہاں ہو۔ میں یہاں ہوں اے لوگو تم کہاں ہو نیز آپ فرماتے تھے۔ اے خدا تعالیٰ کے مددگار لوگو۔ اے نبی کے مددگارو۔ مراد یہ تھی کہ میں خدا تعالیٰ کا برحق نبی ہوں اور انبیاء جھوٹ بات نہیں کہا کرتے اور مجھے یقین ہے کہ نصرت و مدد کے بارے میں وعدہ حق سچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ثم انزل اللہ سکینته علی رسوله وعلی المومنین وانزل جنودا لم تروها	پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر سکینہ نازل فرمائی اور نظر نہ آنے والا لشکر نازل کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اس لئے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کی زیادہ شہرت اسی نام سے تھی یعنی ابن عبدالمطلب کے نام سے۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت کے والد صاحب حضرت عبدالمطلب کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں بہت تھی دیگر کوئی شخص ان کے مرتبہ و شان کا نہ ہوا اور یہ مقام خوارق علوات اور غرائب کے ظاہر ہونے کا ہے اس وقت یہ ایسے بھاگے تھے کہ بلانے پر بھی کوئی نہ آیا۔ نیز کافروں کی ایک جماعت اور قریش سے کچھ نئے نئے مسلمان شدہ تھے اور ابھی ان کے سینے حسد و کینہ سے خالی نہ ہوئے تھے انہوں نے اپنی باطنی خباثت کا اظہار کرنا شروع کیا۔ کوئی کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ تو یوں بھاگے ہیں کہ گویا دریا کے کنارے پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ صفوان بن امیہ کا ماموں خلال بن خلیل نے کہا آج ایسا دن ہے کہ جادو باطل ہو جائے گا۔ کچھ اہل سیر نے ابو سفیان بن حرب سے بھی اسی طرح کی باتیں نقل کی ہیں وہ صفوان بن امیہ سے کہنے لگا کہ تم کو مبارک ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اور ان کے صحابہ فرار ہو گئے ہیں (العیاذ باللہ) کسی حد تک صفوان کے کفر و شرک کا بت منہدم ہو چکا تھا اور وہ آنحضرت کی عنایت کا ممنون بھی تھا اور زمرہ امن میں داخل ہو گیا ہوا تھا لہذا ان باتوں پر اس نے کوئی خوشی ظاہر نہ کی۔ اور کہا خدا تمہارا منہ توڑے اگر میں کسی ایک قریشی کی رہنمائی اور تربیت میں ہوں تو یہ کسی ہوازن کے آدمی کی تربیت میں ہونے سے بہتر ہے۔ تمام لوگوں نے فرار کیا اور آنحضور چند ساتھیوں کے ساتھ اپنی جگہ پر ثابت قدم اور مستحکم رہے اور آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ساتھیوں کو اس طرح پکار کر بلاؤ اے گروہ انصار! اور اے اصحاب سمرہ۔ حدیبیہ میں جس درخت کے تلے بیعت واقع ہوئی اس کا نام سمرہ تھا۔ اور ان لوگوں کو اصحاب الشجرہ اور اصحاب بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل سیر کہتے ہیں کہ "یا اصحاب سورۃ البقرہ" کے الفاظ سے بھی پکارا گیا تھا۔ اس سے تعظیم مقصود ہے۔ کیونکہ وہ اسی سورۃ پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ جسے سورۃ بقر کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں سب سے بڑی سورۃ یہی ہے۔ حضرت عباس نے نہایت بلند آواز سے ندا دی۔ تاکہ وہ تمام مجتمع ہو جائیں۔ حضرت عباس کی آواز کو سن کر انہوں نے جواب دیا۔ **یا لبیک یا لبیک** اور یوں اکٹھے ہونے لگے جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے بادشاہ کے گرد جمع ہوئی ہیں جس کا نام یعسوب ہے یا جیسے کہ اونٹ یا گائیں اپنے بچوں کو تلاش کے بعد پا کر جمع ہو جاتی ہیں تمام لوگ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پر لپکے۔ جن کے گھوڑے ست تھے۔ تیز نہ دوڑتے تھے وہ سواریوں سے نیچے کود گئے اور ہتھیار پھینک کر اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جانب بھاگ کر آنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک سو صحابہ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کر دیا اور جنگ کرنے لگے اس وقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ **الا ان حمی الوطیس** یعنی اب تنور کی گرمی ہوئی ہے وطیس اس تنور کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں لگائی پکائی جاتی ہیں اور شدت کی جنگ ہو تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فصاحت کلام سے ہے۔ کیونکہ س سے قبل یہ جملہ کبھی نہ بولا گیا تھا۔

ازاں بعد آنحضرت سواری سے نیچے اتر پڑے۔ سنگریزوں کی ایک مٹھی بھری اور ایک روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ سواری پر ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے خاک کی مٹھی لی۔ ان پر دم فرمایا۔ "شاہت الوجوہ" (ان

کے منہ پھیریں) اور دشمنوں کی طرف پھینک دی۔ یہ مٹھی بھر خاک تمام دشمن مشرکوں کی آنکھوں اور چہروں پر پڑی۔ ایک بھی کافر نہ بچا تھا جس کی آنکھوں میں یہ خاک نہ پڑی ہو۔

دیگر ایک روایت میں ہے کہ ان کے منہ اور آنکھیں سنگریزوں سے بھر گئے فرمایا کہ رب محمد کی قسم انہوں نے شکست کھائی۔ اور دعا فرمائی اے خدا تعالیٰ اپنا وعدہ سچا فرما۔ اور مسلمانوں پر غلبہ پانا کفار کو سزاوار نہیں ہے دیگر ایک روایت میں اس طرح سے دعا مانگی گئی مروی ہے۔ اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان وبک المستغاث و علیک التکلان اور ارشاد فرمایا۔ انہز موا ورب محمد رب محمد کی قسم 'کافر فرار ہوئے۔ اس وقت حضرت جبریل آئے اور عرض کیا اے محمد! آج اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کلمات تلقین فرمائے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو تلقین فرمائے۔ جس وقت دریا میں بنی اسرائیل کی خاطر راہ بنائی گئی تھی اس مقام پر درج ذیل آیت پاک نزول ہوا۔

ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی	آپ نے نہ پھینکی جب آپ نے پھینکی۔ بلکہ اللہ
ولیبلیی المومنین منہ بلاء حسنا ان	نے پھینکی تاکہ مومنوں کو آزمائے۔ اللہ تعالیٰ
اللہ سمیع علیم	بیشک سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو سنگریزے مشرکین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے پھینکے۔ ان سے یوں آواز آتی تھی جیسے کہ ان کو آسمان سے طشت میں پھینکا ہے جو کافر لوگ ہوازن کے لشکری تھے ان کے بیٹے اپنے باپوں سے نقل کرتے ہیں کہ جس وقت ہم پر سنگریزے پھینکے گئے تھے تو کوئی آنکھ نہ تھی جس پر سنگریزے نہ پڑے ہوں۔ ہمارے دل تڑپنے لگ گئے تھے اور ان میں قلق و اضطراب پیدا ہو گیا۔ اور ہم پر بڑی ہیبت طاری ہوئی انہوں نے کہا کہ ہمیں اس طرح کی آوازیں سنائی دیں جیسے کہ طشت پر ہتھوڑے مارتے ہیں اور اسی اثناء میں آسمان سے ایک سیاہ بادل ظاہر ہوا اور وہ ہم اور ہماری قوم کے درمیان چھا گیا۔ جو اچھی طرح غور سے دیکھا تو سارا میدان کالی چیونٹیوں سے بھرا پڑا تھا۔ اور سب وادیاں بھی ان کے ساتھ بھر گئی تھیں وہ بتاتے ہیں کہ مخالفین کو ہر پتھر اور ہر درخت پر یوں دکھائی دیا جیسے کہ زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس پہنے ہوئے اور ابلق گھوڑوں پر سوار لوگ ہیں اور دونوں شانوں میں چھوڑے گئے علاقے تھے۔ ہم اس قدر طاقت نہ رکھتے تھے کہ ان کی طرف دیکھ سکیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی نصرت و مدد پانچ ہزار فرشتوں سے فرمائی۔ جب جنگ ختم ہو گئی تھی تو ہوازن کے لوگ دریافت کرتے تھے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور ابلق گھوڑوں پر سواری کئے ہوئے تھے اور ہم ان ہی کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے۔

اس جگہ پتہ چلتا ہے کہ غزوہ حنین میں بھی فرشتوں نے قتل کیا جیسے کہ غزوہ بدر میں کیا تھا اور جس قول میں یہ ہے کہ فرشتے نصرت و اعانت کے لئے نازل ہوئے تھے وہ قتل بدر کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ قول ضعیف ہے۔

ازاں بعد مسلمانوں نے اپنے نیاموں سے تلواریں کھینچ کر کافروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور حال یہ تھا جیسے کہ ان پر

آسمان سے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ اور ان کو شکست فاش ہوئی۔ اور جتنے وقت میں اونٹنی کا دودھ دھویا جاسکتا ہے ہوازن اتنا وقت بھی نہ ٹھہر سکے اور راہ فرار اختیار کی۔

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب قریش کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ حنین میں آئی میں ان میں شامل تھا۔ میں اس لئے ساتھ آیا تھا کہ موقع ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قتل کر دوں۔ (معاذ اللہ) چونکہ میرا والد احد کے دن مارا گیا تھا لہٰذا مجھے یہ کینہ تھا۔ میں آنحضرت کو شہید کرنے کے ارادہ کے ساتھ روانہ ہوا اور پکا ارادہ تھا کہ اگر سب لوگ بھی آنحضور کے مطیع و منقاد ہو جائیں میں ہرگز نہ ہوں گا۔ پس یہ نیت کئے ہوئے میں آنحضور کے پیچھے سے آکر آپ پر تلوار کی ضرب لگانا چاہتا تھا کہ ناگاہ بجلی کی طرح آگ کا ایک شعلہ نمودار ہوا اور مجھ پر لپکا اور قریب ہی تھا کہ مجھے وہ جلا دیتا جبکہ آنحضرت نے مجھے آواز دے کر بلایا۔ کہ قریب آؤ اے شیبا میں آنجناب کی خدمت میں گیا تو آپ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ مبارک مارا اور فرمایا۔ اے خدا اس کو شیطان کی شر سے محفوظ فرما۔ فوراً ہی حق تعالیٰ نے میرے سینہ سے وہ کینہ وغیرہ دفع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ آپ اس وقت میرے لئے میری آنکھ اور کان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ جاؤ اور کافروں سے جنگ کرو ازاں بعد میں آنجناب کے آگے آگے چلتا تھا اور کفار سے جنگ کرتا تھا۔ اور خدا کی قسم میرا باپ بھی اس وقت ہوتا تو میں اس کو بھی تلوار سے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد کافروں کو ہزیمت ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے خیمہ مبارک میں تشریف فرما ہوئے میں بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے خیمہ شریف میں داخل ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے شیبہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیرے لئے چاہا۔ وہ بہتر ہے اس سے جو تمہارے دل میں خواہش تھی پھر آنحضرت نے وہ سب کچھ ظاہر فرمادیا جو کچھ کہ میرے دل میں تھا۔ اس پر میں نے پڑھا۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ** ازاں بعد میں نے گزارش کی یارسول اللہ! میرے حق میں استغفار فرمائیں آپ نے فرمایا **غفر اللہ لک** اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

حدیث کے سیاق سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جب آنحضرت نے شیبہ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا تھا۔ اسی وقت ہی اس کے دل میں ایمان داخل ہو گیا تھا اور محبت جاگزین ہو گئی تھی جس کے باعث پھر وہ کافروں سے لڑتے رہے۔ صرف شہادت کا لفظ نہ ظاہر ہوا تھا۔ اب اس وقت انہوں نے یہ شرف بھی حاصل کر لیا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تصدیق قلبی ہی ایمان کی حقیقت واصل ہے۔ اور یہ جو زبان سے اقرار ہے وہ ایمان کے احکام کے اجراء کے لئے زائد ہے۔ اس کے حاصل ہو جانے پر ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ حضرت براء بن عذاب رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم حنین کے روز فرار ہوئے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ ہاں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز نہ بھاگے تھے۔ اور آپ ثبات واستحکام کے مرکز تھے اور ہم جس وقت ہوازن پر حملہ آور ہوئے تو وہ منتشر ہو گئے تھے۔ پھر ہم نے غنائم کی جانب توجہ دی۔ تو اس وقت انہوں نے تیروں کی بارش کر دی۔

یہاں حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ نے اصل میں یہ واضح کیا ہے کہ ہم پر فرار ہونے اور پریشان ہونے کی

آزمائش ہماری اپنی غلطی کے باعث آپڑی تھی وہ یہ کہ ہم دنیوی مال پر متوجہ ہو گئے۔ اور اس سے اپنے تعلق قائم کیا۔ اور اسی طرح غزوہ احد میں ہوا تھا۔ حضرت براء فرماتے ہیں کہ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے سفید بغلہ شریف پر بدستور سوار یہ فرمارہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے کسی بھی موقعہ و مقام پر فرار وانہزام جائز نہ ہے اور یہ ممکن بھی ہرگز نہ تھا۔ اس لئے کہ حضور والا شجاعت کی منزل اعلیٰ پر فائز تھے اور وعدہ حق پر کامل اعتماد رکھنے والے تھے پھر متزلزل و فرار چہ معنی دارد۔ اور اور اس پر اجماع امت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ الہ وسلم کی جانب ہزیمت اٹھانے کا اعتقاد ناجائز ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ نے اپنی کتاب الشفامیں مرابط مالکی سے نقل کیا ہے کہ کوئی آدمی یہ کہے کہ آنحضرت نے فرار کیا تو ایسے شخص سے توبہ کرائیں اور وہ توبہ کرے تو بہتر۔ اگر نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور یہ بھی کہا کہ علامہ و میاطی کہتے ہیں کہ یہ صورت اس طرح ہی ممکن ہے کہ قائل توبہ لینے کے ساتھ ساتھ سب و دشتم کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو اور اگر اصل مسئلہ کے موافق ہو تو پھر سب دشتم کرنے والے کی توبہ بھی قبول ہونا محال ہے۔ اور اس مسئلہ میں علماء مختلف الرائے ہیں کہ سب دشتم کے مرتکب شخص کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ یا کہ نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہ وہ ارتداد کے باعث قتل ہو گا یا کہ تعزیر سے۔

وصل :۔ سیرت نگارت حضرات کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں چار مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ ان میں ایک ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہما تھے جو کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے والدہ کی جانب سے بھائی تھے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خادموں میں شامل تھے۔ کتاب کے آخر میں انشاء اللہ خدام مذکور ہوں گے اور مشرکین و شقائق ستر آدمی مارے گئے۔ نیز ان سے اکثر اسلام میں داخل ہوئے باقی فرار ہو گئے فرار کرنے والوں کے تین گروہ ہیں۔ مالک بن عوف بجانب قلعہ طائف فرار ہوئے۔ ایک گروہ بطن نخلہ کی جانب بھاگا اور تیسری ٹولی اپنے مال و اسباب کی حفاظت کے لئے بھاگی۔ ان کے اموال اوطاس میں تھے۔ اہل اسلام نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں مسلمانوں نے قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **من قتل قتیلا فلہ سلبہ** جو کسی کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کا ہو گا۔ ایک روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ جس نے کسی کافر کو ہلاک کیا اور اس پر گواہ بھی گزرے تو اس کافر کا سامان ہتھیار کپڑے اور اس مقتول کا جانور سب اس قاتل کے ہوں گے۔ اس دوران ایک کافر کو حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے مار دیا تھا۔ اور اس مارے جانے والے شخص کا تمام مال و سامان دیگر آدمی کے ہاتھ چلا گیا تھا جس وقت یہ صورت انہوں نے آنحضرت کے گوش گزار کی تو اس آدمی نے بتایا کہ اس کافر کا تمام سامان میرے پاس ہے۔ لیکن یا رسول اللہ آپ ابو قتادہ کو راضی فرمادیں تاکہ وہ اس کا سامان میرے پاس ہی چھوڑ دیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے کوئی شیر جس نے فی سبیل اللہ جنگ کی ہو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں محروم نہ رکھا جائے گا۔ اور جس سامان پر اس کا حق

ہے وہ تجھ سے اسے دلائیں گے آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر نے درست کہا ہے قتیل کا سامان اسے دے دو۔ ازاں بعد ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے زرہ کو بیچ دیا اور اس کی وصول قیمت سے ایک باغ خرید لیا۔

اسی روز کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک مقتولہ عورت پر سے گزرے لوگ اس کے گرد کھڑے تھے۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے یہ ہجوم کس لئے کھڑا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ ایک کافر عورت ہے اسے حضرت خالد بن ولید نے قتل کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی آدمی کو حضرت خالد کے پاس بھیجا کہ انہیں کہہ دے کہ آنحضرت نے عورتوں' بچوں اور مزدوروں کے قتل کی ممانعت فرمائی ہے۔ شاید یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لئے پہلا تشریعی حکم تھا۔ قبل ازاں وہ یہ نہ جانتے تھے۔

پھر حضور نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ جو چچا تھے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے کو ایک جماعت دے کر اوطاس کی جانب بھاگنے والے کافروں کو پیچھا کرنے کے لئے بھیجا۔ اس جماعت میں حضرت زبیر بن العوام' ابو موسیٰ اشعری' سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم بھی تھے' مسلمان یلغار کرتے ہوئے دشمنوں پر جا پہنچے اور جنگ و قتال کیا۔ عمر رسیدہ بوڑھا درید بن الصمہ ان کا سردار تھا۔ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس کی ہلاکت حضرت زبیر بن العوام کے ہاتھوں واقع ہوئی اور اسلامی لشکر کے امیر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ بھی شہادت سے مشرف ہوئے۔ ان کی شہادت کس طرح ہوئی اس میں دو روایات آئی ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جنگ ہو رہی تھی تو بنی جشم کے ایک آدمی نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر تیر مارا تیر زانو میں دھنس گیا ابو موسیٰ اشعری اس کے پیچھے لگ گئے۔ اور اس پر غلبہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر ابو عامر کے گھٹنے سے تیر نکالنا چاہا۔ تیر باہر کھینچ لیا تو کثرت سے خون نکلا اور ابو عامر اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ تو فرمایا۔ اے میرے بھتیجے! نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں میرا سلام عرض کرنا اور آنحضرت سے میرے لئے استغفار فرمانے کے لئے عرض کرنا۔ اور پھر لشکر کی قیادت میرے حوالے کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔ جس وقت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور آپ کے خیمہ اقدس میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ کھجور کی چھال سے بنائے ہوئے ایک بوریے کی رسیوں کے نشان پڑ چکے تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں ابو عامر کا واقعہ معہ ان کی گزارشات پیش کیا۔ آنجناب نے پانی طلب فرمایا اور وضو فرمایا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے یہاں تک کہ آنحضرت کی بغل مبارک کی سفیدی مجھے نظر آ گئی۔ اور فرمایا۔ **اللھم اغفر لا بی عامر واجعله من اعلی امتی فی الجنة** اس کے بعد میں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ میری خاطر بھی مغفرت طلب فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا **اللھم اغفر لعبد اللہ ابن قیس وادخله یوم القیامة مدخلا کریما** ابو موسیٰ اشعری کا نام عبد اللہ تھا۔ ان کے والد کا نام قیس تھا اس حدیث میں دعا کرنے سے قبل وضو اور نماز کا استحباب ہے نیز یہ ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا وقت عمدہ اور غنیمت تصور کریں اور اسی وقت ان سے دعا فرمانے اور مغفرت طلب کرنے کی التماس کریں اور اس قدر اہتمام مغفرت کی دعا کے لئے کرنا اصل میں تمام دعاؤں کے لئے اصل اور قاعدہ یہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حنین کے جملہ غنائم "جعرانہ" میں اکٹھے کئے جائیں اور ان کو محفوظ رکھا جائے اس لئے کہ فارغ ہونے کے بعد تقسیم کریں گے۔ آپ نے وہاں پر پندرہ سولہ دن قیام فرمایا ایک عورت کا نام جعرانہ تھا اور یہ جگہ اس کے نام پر موسوم تھی۔ پھر وہاں سے دوران شب ہی مکہ شریف میں آکر عمرہ ادا کیا۔ جس کا ذکر آئندہ ہوگا۔ اور آنحضرت نے حکم فرمایا کہ منادی کردی جائے کہ خدا اور یوم آخرت پر ایماندار آدمی غنیمت کے اموال میں ہرگز خیانت کا مرتکب نہ ہو۔ پس جس کسی نے بھی غنیمت سے کوئی چیز لی تھی وہ واپس کردی اور حنین کے غنائم بڑی کثرت سے تھے۔ یعنی کہ اس قدر مال غنیمت کسی بھی غزوہ یا لشکر کشی میں قبضہ میں نہ آیا تھا بلکہ اس کے قریب قریب بھی نہ آیا تھا آنحضور نے باندیوں کے متعلق حکم فرمایا تھا کہ حاملہ باندیوں سے حمل وضع ہونے تک وطی نہ کریں اور غیر حاملہ باندیوں سے ایک حیض آجانے تک وطی نہ کریں۔

سیمابنت الحارث:۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ قیدیوں میں سیمابنت الحارث بن عبدالعزیٰ نامی ایک عورت بھی تھی اس نے کسی صحابی سے کہا کہ تمہارے آقا کی میں رضاعی بہن ہوں یعنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی۔ لوگوں نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ شیما کہنے لگی۔ اے محمدا میں تمہاری رضاعی بہن ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت یا علامت ہے۔ اس نے کچھ واقعات کی یاد دلائی۔ آپ نے قبول فرمایا۔ اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھادی اور اس پر اس کو بٹھایا آپ کے رخساروں پر آنسو گرنے لگے پھر آپ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی قوم کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے بتایا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو تم ہمارے ساتھ ہی رہو۔ تم عزت واحترام اور تکریم کے ساتھ رہو گے۔ اور اگر تم چاہتی ہو تو انعام و اکرام کے ساتھ واپس تمہارے گھر پہنچادیں۔ اس نے دوسری بات کی خواہش کی۔ آنحضرت نے اس کو ایک باندی، تین غلام اور بکریاں عطا فرمائیں اور رخصت عطا فرمایا۔ حضرت سیما رضی اللہ عنہا نور ایمان سے منور ہوئیں اور اپنے گھر چلی گئیں۔

کچھ کتابوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ شیماء جعرانہ کے مقام پر حاضر ہوئی تھیں۔ جہاں پر مال غنیمت تقسیم ہوا تھا۔ ہر دو روایات میں اس طرح سے تطبیق ہو سکتی ہے کہ شیما وہاں پر آنحضرت کی خدمت میں آئی ہوگی۔ آپ نے اسے فرمایا ہوگا کہ جعرانہ پر قیام کرے تاکہ وہاں سے اسے رخصت فرمایا جائے اور فرمایا ہوگا کہ طائف سے میں واپس جعرانہ آؤں گا وہاں پر معیشت کے اسباب تم کو دیں گے پس جب آنحضرت جعرانہ آگئے تو شیما اور اس کی قوم کو بہت سے مال واسباب اور مویشی دے کر تونگر بنایا۔ پس جعرانہ میں دیکھنے والے راوی نے یہی روایت کیا اور جس نے وہاں دیکھا اس نے وہ مقام روایت کیا۔ واللہ اعلم۔

طائف کے قلعہ کی فتح:۔ وصل:۔ بنو ثقیف اور بنو ہوازن کے لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ مالک بن عوف

حنین سے بھاگا اور طائف پہنچ گیا تھا وہاں قلعہ طائف میں پناہ گزین ہوا۔ ان لوگوں نے جنگ حنین سے تقریباً ایک سال پہلے ہی سازو سامان کے ساتھ قلعہ بھر لیا ہوا تھا اس نے قلعہ کے دروازے بند کر کے اور آنے جانے کے تمام راستوں کو مستحکم کر کے جنگ کی نیت سے کمربستہ بیٹھ گیا۔ طائف ایک بڑا شہر مکہ شریف سے دو تین منزلوں پر واقع ہے وہاں براستہ عرفات اور وادی نعمان راستہ میں ایک شب بسر کر کے جاتے ہیں۔ نعمان ایک پہاڑ ہے۔ طائف میں انگور انار وغیرہ پھل بہت ہوتے ہیں عجمی لوگ اس مقام کو ہی حجاز کہتے ہیں اس مقام کے پھل اور ہوا اچھی ہے حجاز ملک کا نام اور اس میں طائف ایک شہر ہے۔

اخبار میں وارد ہوا ہے کہ جو باغ اصحاب مریم کا مقبوضہ تھا۔ جس کا ذکر سورۃ نون والقلم میں ہے اسے زمین سے اکھاڑ کر حضرت جبریل علیہ السلام مکہ مکرمہ لے آئے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کرانے کے بعد اس وہاں پر رکھ دیا۔ لہذا یہ علاقہ طائف کے نام سے موسوم ہوا۔ جبکہ قبل ازاں وہ باغ علاقہ صنعا میں تھا اور جس جگہ پر اب طائف ہے وج کہلاتی تھی چند روایات میں اس پر حرام کا اطلاق واقع ہوا ہے۔ کسی عالم نے اپنی ایک نظم میں یوں کہا ہے۔

- وحرم الهاوى وج الطائف حرم والجزاء ثقى بحرم

حرم علاوی مدینہ طیبہ ہے اور وج سے ارض طائف مراد ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ تعظیم و توقیر کے لحاظ سے مدینہ شریف اور وج دونوں ہی حرم ہیں۔ لیکن اس کی جزا نہیں جس طرح حرم مکہ میں جزاء ہے۔ مذہب احناف بھی یہ ہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے حالات سے آگاہ ہوئے تو آپ نے طائف کا قلعہ فتح کرنے کا پکا ارادہ فرمالیا۔ ایک ہزار کا مقدمہ لشکر ترتیب دے کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس پر امیر بنایا راستہ میں جب یہ لینہ کے مقام سے گزرے تو اس مقام پر مالک بن عوف کا جو ایک محل تھا اسے برباد کر کے جلا دینے اور شرک کے تمام آثار مٹا دینے کا حکم فرمایا۔ اس محل میں بت بھی ضرور ہوں گے۔

طائف کی جانب روانگی سے قبل حضرت طفیل بن عمرو روسی رضی اللہ عنہ کو ذی الکفین کے بت خانہ کو مسمار کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ لکڑی کا بت تھا انہوں نے اپنی قوم سے مدد حاصل کی اور اس کو تباہ و برباد کرنے کے بعد طائف میں آگئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس بت کے متعلق ایک شعر حضرت عمرو بن دوسی کا نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔

یاذا الکفین لست من عبادک

مطلب یہ ہے کہ اے ذوالکفین! تمہاری پوجا کرنے والوں میں شامل نہیں ہوں۔

میلاد نا اقدم من میلادک

اہل اسلام کے میلاد تمہاری میلاد سے متقدم و قدیم ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور تجھ کو مشرکین نے لکڑی سے گھڑا ہوا ہے۔

انی خشیت النار فوائک

تحقیق میں تمہارے دل میں آگ جلادی ہے مراد یہ کہ میں نے تجھے جلا کر راکھ کر دیا ہے۔

یہ کام کر لینے کے بعد چار دن گزرے تھے کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو اپنی قوم سے اپنے ہمراہ لے لیا اور آنحضرت سے آملے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کچھ آلات اور ہتھیار بھی لائے تھے جن سے قلعہ کو نقب وغیرہ لگائی جاتی ہے تاکہ قلعہ فتح کیا جائے۔

اسلامی لشکر طائف کے قلعہ کے نیچے آپہنچا۔ قلعہ والوں نے قلعہ پر سے اسلامی لشکر پر تیروں کی بارش کی۔ متعدد مسلمان زخمی ہوئے۔ جن سے چند نے شہادت پائی۔ قوم ہوازن تیر اندازی میں نہایت میں بلکہ یگانہ وقت تھی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہاں سے اسلامی لشکر اس بلند جگہ پر چلا جائے جہاں اس وقت طائف کی مسجد موجود ہے۔ امہات المومنین میں سے سیدہ زینب اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما اس سفر میں ہمراہ تھیں۔ ان کے واسطے خیموں کو نصب کیا گیا۔ پھر صحابہ کو حکم فرمایا کہ ان کے جو پھلدار درختوں کی بہتات تھی ان کو کاٹنا شروع کر دیں۔ تاکہ اس سے کفار ذلیل و خوار اور نگونسار ہوں۔ ان کے مالکوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تضرع اور زاری کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ درختوں کو نہ کاٹا جائے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انی ادعھا للّٰہ ولو للرحم میں اللہ تعالیٰ کے واسطے اور رحم و کرم کے واسطے سے ان درختوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ یہاں پر محاصرہ اٹھارہ دن تک ایک روایت کے مطابق پندرہ دن تک اور دیگر ایک روایت کے مطابق چالیس روز کی مدت تک رہا اور نہایت شدید جنگ واقع ہوئی۔ پہلی دفعہ اسلام میں منجنیق کو رکھا گیا اور طفیل بن عمرو دوسی جو آلات و ہتھیار اپنے ساتھ لے کر آئے تھے ان کو بھی استعمال کیا۔ کافروں کی ایک جماعت اس جنگ میں ہلاک کر دی گئی۔ ایک بڑی جماعت صحابہ کی بھی زخمی ہوئی۔ بارہ صحابہ شہادت پا گئے۔ چار انصار سے تھے۔ سات قریشی تھے اور قبیلہ لیث سے ایک تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں شامل تھے۔ بعض کے قول کے مطابق ابو الجن ثقفی نے ان پر تیر برسایا تھا۔ اور زخمی کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ زخم مندمل ہو چکا تھا۔ لیکن کافی عرصہ کے بعد وہ زخم دوبارہ بن گیا۔ اور بعد از وصال نبوی اور خلافت صدیقی کے دوران اسی زخم کے باعث وہ رحلت فرما گئے اور ان بارہ شہداء میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

مولف مواہب الدینہ حافظ بدرالدین عراقی کی شرح تقریب سے نقل کرتے ہیں اس غزوہ کے دوران ابو سفیان صخر بن حرب کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ اس بارے میں ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے جبکہ حال یہ تھا کہ آنکھ اپنے ہاتھ میں اٹھائے تھے۔ ان کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تم کون سی آنکھ زیادہ پسند کرتے ہو۔ وہ آنکھ جو تمہارے لئے جنت میں ہو یا کہ وہ جو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں دعا کرنے سے واپس دیدے۔ وہ عرض کرنے لگے کہ جنت میں آنکھ ملنا میرے لئے محبوب تر ہے بہ نسبت دنیا ملنے والی آنکھ کے۔ یہ کہا اور اپنے ہاتھ سے آنکھ کا ڈھیلہ پھینک دیا اور معلوم ہوا ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے

دوران یہ اپنی دوسری آنکھ سے نابینا ہو گئے تھے انتہیٰ

ایک روز جبکہ ابھی محاصرہ جاری تھا آنحضور نے اعلان کرایا کہ قلعہ سے اتر کر جو غلام مسلمانوں کی طرف جائے گا وہ آزاد ہو گا پس اہل طائف کے بیس غلام کسی نہ کسی بہانہ سے قلعہ سے اتر کر مسلمانوں کے پاس آ گئے ایک ان میں یضع بن الحارث تھے۔ یہ بکرہ سے اترے تھے لہٰذا ان کو ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا خطاب ملا اور یہ اخیار صحابہ سے ہوئے ہیں یہ تمام غلام آزاد کر دیئے گئے ان کی غلام حق تعالیٰ کی بندگی سے وابستہ کر دی۔ اور ہر آزاد شدہ غلام کسی ایک صحابی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس کی ضروریات کا لحاظ رکھیں۔ ایک طویل مدت کے بعد اہل طائف مسلمان ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے غلام ہمیں واپس دے دیئے جائیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اولئک عتقاء اللہ یعنی وہ خدا تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں تمہارے غلام نہیں بن سکتے ابو بکرہ کے نسب میں اس طرح سے روایت ہوا ہے۔ کہ یضع بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ ہے نفیع بن مسروح بن کلدہ' اور کہا جاتا ہے کہ وہ حارث بن کلدہ یا مسروح بن کلدہ کے غلام تھے جن کو متبنیٰ بنایا ہوا تھا۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ طائف کے دوران محاصرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت سمیت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ گرد و نواح میں پھیل جائیں۔ پس اگر دو نواح ہیں انہوں نے دشمنوں کے ساتھ قتل کیا۔ اس نواح میں جو ہوازن و ثقیف کے بت تھے ان کو بھی انہوں نے تباہ و برباد کیا۔ آثار و دیار مشرکاں کا قلع قمع کر دیا اس کے بعد وہ بارگاہ رسالت میں واپس آ حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظر پاک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پڑی تو آپ نے تکبیر بلند فرمائی۔ اور آپ نے ان کو تنہائی میں بہت سے امور ہدایت فرمائے۔ خلوت و تنہائی کا وقت طویل ہوا تو صحابہ کہتے تھے کہ تعجب کی بات ہے کہ اپنے چچا کے بیٹے سے بڑی راز کی باتیں بھی فرماتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ نہیں فرماتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا انجیتہ ولا کن اللہ انجا ان سے میں راز کی باتیں نہیں کرتا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے راز کی باتیں فرماتا ہے مراد یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے ان کے ساتھ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تو پھر میں ان سے راز کی باتیں فرماتا ہوں۔

پندرہ یوم اور ایک روایت کے مطابق چالیس دن کے سخت اور طویل محاصرہ کے بعد آپ نے وہاں سے کوچ کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا کہ قلعہ کو مفتوح کرنے کے پابند نہ بنیں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ صحابہ پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ اور کہنے لگے کہ حیران کن بات ہے کہ ہم یہاں سے اب چلے جائیں۔ اور طائف ہمارے حق میں فتح نہ ہو یہ کیسی صورت حال ہے۔ پس آنحضرت نے ان کی سرزنش فرمائی اور فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو پھر جنگ جاری رکھو اور دیکھ لو جب تک کہ تمہیں فتح حاصل ہو۔ اگلے دن انہوں نے جنگ کی تو کثرت سے مسلمان زخمی ہوئے پس وہ پشیمان ہونے لگے اور شرمسار ہوئے اور آنحضرت کے حکم کے مطابق عمل کرنے کو آمادہ ہو گئے۔ اس پر آنحضرت نے ارشاد فرمایا کل یہاں سے ہم انشاء اللہ کوچ کر جائیں گے۔ صحابہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ صحابہ نے اپنی سواریوں پر جب سامان وغیرہ لادنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم

نے تبسم فرمایا مفہوم یہ تھا کہ میں نے فرمایا کہ یہاں سے کوچ کر چلیں تو یہ لوگ متوقف ہوئے اور اب یہ خود یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بنو ثقیف نے ہم پر تیر برسا برسا کر ہمارے بدنوں کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ یا اللہ! انہیں ہدایت عطا فرما اور ان کو اسلام پر میرے نزدیک فرمادے۔

آنحضرت کے خواب کی تعبیر:۔ سیرت نگار لکھتے ہیں۔ محاصرہ کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت کے سامنے دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ ہے اور آپ کے یہ دودھ پینے سے پہلے ہی ایک مرغ آیا اور اس نے پیالے میں چونچ ڈال کر اسے انڈیل دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ خواب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا صدیق اکبر فن تعبیر کے ماہر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس خواب سے یہ اشارہ ہے کہ اس سال میں حضور والا کو اس قلعہ کی فتح کی اجازت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے درست کہا ہے میرے نزدیک بھی یہ ہی تعبیر ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے طائف کے بارے میں حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ لوگ لومڑی کی طرح کرتے ہیں۔ ان کی مانند بلوں میں چھپ جاتے ہیں۔ اگر پکڑیں تو پکڑے نہیں جاتے اور اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو یہ کوئی ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور انہوں نے یہ سن لیا کہ آنحضرت کو طائف کی فتح کی اجازت نہیں دی گئی ہے اور وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا' یا رسول اللہ! میری شنید میں آیا ہے کہ آپ کو فتح کی اجازت نہیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ آپ مجھے حکم فرمائیں کہ میں یہاں سے کوچ کرنے کا اعلان کردوں۔ آنحضرت نے فرمادیا کہ اعلان کردو۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوچ کا اعلان کیا اور لوگوں نے کوچ کے لئے تیار ہونا شروع کیا۔

شیخ محی الدین نووی سے مواہب میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ پر مہربانی فرماتے ہوئے اور اس سختی و صعوبت کے باعث جو صحابہ کو کفار سے پہنچ رہی تھی۔ جبکہ خود کافر قلعہ میں محفوظ بیٹھے تھے وہاں سے کوچ کا ارادہ کیا۔ صحابہ وہاں ٹھہر کر جنگ و جہاد کا اصرار کرنے لگے لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ٹھہر گئے تھے حالانکہ آپ یہ جانتے تھے کہ وہ قلعہ بعد میں بغیر محنت و مشقت کے فتح ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب صحابہ بڑے زخمی ہوئے تو آنحضرت کے اس قصد کی جانب متوجہ ہوئے۔ جو کہ قبل ازاں آنحضرت نے از روئے شفقت و مہربانی فرمایا تھا۔ صحابہ نے مشاہدہ کر لیا تو پھر انہیں آنحضرت کی مہربانی کے قدر شناس ہوئے اور کوچ کرنے کے حق میں ہوئے پس آنحضرت نے تعجب کے طور پر تبسم فرمایا۔ انتہیٰ۔

کوچ کے وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح پڑھو۔ **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لو صدق وعدہ ونصر عبدہ وهزم الاحزاب وحدہ** اور پھر کوچ کرنا شروع کیا تو یہ پڑھنے کا حکم فرمایا **عابدون لربنا حامدون** جب وطن کو واپسی اختیار کریں تو پڑھنا مسنون و ماثور ہے۔

ہمیں اب سوچنا چاہیے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دشمنوں کے خلاف جہاد پر نکلتے تھے اور سامان

جنگ گھوڑے ہتھیار اور جہاد کے لئے دوسرے آلات وغیرہ تیار کرتے تھے اور صحابہ کو جمع کیا کرتے تھے اس وقت آپ کیا پڑھا کرتے تھے اور سفر اور جہاد کے لئے تمام چیزیں مکمل کر کے کسی صحابی کے حوالے کر دیتے تھے خود خالی ہو جاتے تھے۔ اور اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے تھے اور پڑھتے تھے۔ **ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ وھدم الاحزاب وحدہ۔** آپ یہ **ھدم الا حزاب وحدہ** پڑھتے تھے تو اس سے دیگر سب اسباب کی نفی ہو جاتی تھی اور یہی حقیقت ہے کیونکہ انسان اپنے جملہ افعال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ مخلوق سب اس کی ہے تدبیر بنانے والے مدد فرمانے والا اور اپنی مشیت کے مطابق امور کو جاری فرمانے والا وہی ہے جس کے ہاتھ پر وہ چاہتا ہے اور مخلوق سے جسے چاہتا ہے اس کو اختیار عطا کرتا ہے جو کچھ کہ اس کی رضا ہو۔ پس سب کچھ اسی اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے اور اسی کی جانب رجوع ہوتا ہے اور اگر وہ چاہے تو اہل کفر کو بغیر قتل کے ہی ہلاک کردے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **ولوشاء اللہ لا تنصر منھم ولا کن لیبلو بعضکم بیعض** بعض اگر خدا کی مرضی ہوتی تو وہ ان کی اعانت نہ فرماتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ ایک دوسرے سے آزمائے۔ پس وہ لوگ جو صبر و شکر کرتے ہیں ان کو اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لنبلولکم حتی لعلم المجاھد ین منکم والصابرین ونبلو اخبارکم** پس مکلف پر ہر دو حالت کا امتثال واجب ہے اسباب موجود کرنے میں بھی اور مولا کریم کی طرف رجوع کرنے میں بھی اور اس کی طرف سکون کرنے میں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کا معمول تھا وہ پہلے تو اسباب مہیا فرماتے تھے ربوبیت کے تادب اور امت کے لئے تشریح کی خاطر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اس عزوجل کے سپرد معاملہ کو فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی اس کی مرضی ہوتی آنحضرت کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا اپنی قدرت علیہ اور حکمت خامنہ سے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ذخیرہ کیا ہے۔ **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال۔**

تقسیم غنائم اور دست جود و سخا۔ وصل:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم طائف سے جعرانہ تشریف فرما ہوئے۔ وہاں غنائم حنین اکٹھی کی گئی تھیں۔ چھ ہزار بردے تھے۔ چار ہزار اونٹ' چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ اوقیہ چالیس درہم کے برابر وزن ہے اور ایک روایت کے مطابق بکریاں اتنی تھیں کہ شمار سے باہر تھیں۔ پس آنحضرت نے مخلوق پر اپنا دست سخاوت کھولا۔ خصوصاً مولفۃ القلوب کے ساتھ کہ ابھی ان کے دلوں میں نور ایمان نے وقت نہ پکڑی تھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو اکٹھا کریں اس کے بعد بکریاں اور اونٹ گنے گئے اور لوگوں میں تقسیم فرمائے گئے۔ ہر پیادہ آدمی کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں دی گئیں۔ ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بکریاں عطا فرمائیں اور کسی کو بھی ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہ دیا گیا۔

نقدی کا جہاں تک ذکر ہے اور ارباب سیر نے جیسے بیان کیا ہے کہ سب نقدیاں آنحضرت کے سامنے اکٹھی کی گئیں۔ ابو سفیان بن حرب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آج تو آپ تمام قریش سے بڑھ کر غنی ہیں۔ آنحضرت متبسم ہوئے۔ پھر ابو سفیان کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! مجھے بھی اس سے کچھ عطا فرمائیں۔ آنحضور نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس کو

چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دے دیں پس ابو سفیان نے عرض کیا کہ میرے بیٹے کو بھی حصہ عطا فرمائیں اس کا بڑا بیٹا یزید نامی تھا اور یزید بن معاویہ کا نام اس کے چچا کے نام پر ہی رکھا ہوا تھا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مزید چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ اس کو دے دو پھر ابو سفیان نے عرض کیا کہ جو میرا دوسرا بیٹا معاویہ ہے اس کا حصہ بھی دیا جائے۔ آنحضرت نے مزید چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دینے کا حکم فرمایا۔ پس ابو سفیان نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ تو جنگ کے زمانہ میں بھی بڑے کریم تھے اور امن کے زمانہ میں آپ سے اس سے بڑھ کر کریم ہیں۔ آپ تو حد سے زیادہ مروت فرمانے والے ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو نیک جزا عطا فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھی اس طرح سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ ابھی وہ مزید خواہش مند ہے تو ایک سو اونٹ مزید عطا فرمانے کا حکم فرمایا۔ علاوہ ازیں رؤسائے عرب کی ایک بڑی جماعت تھی مثلاً سہل بن عمرو' صفوان بن امیہ' حویطب بن عبد العزیٰ' اسید بن حارثہ ثقفی' حارث بن ہشام برادر ابو جہل' قیس بن عدی اور اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ ان تمام کو پچاس اونٹ دیئے اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے جیسے کہ علاء بن جاریہ ثقفی' مخرمہ بن نوفل' سعید بن یربوع' عثمان بن نوفل ہشام بن عمرو عامری وغیرہ۔

یہ تمام عطایا مجموعہ غنائم سے ہوئیں یا کہ خمس سے اس نکتہ پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک جماعت کے نزدیک یہ خمس سے تھا۔ اور ایک جماعت علماء کی اس پر ہے کہ یہ مجموعہ غنائم سے تھا اور یہی قوم راجح تر ہے۔ مختصر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر اور اہل مکہ وغیرہ جملہ اموال و نقود خرچ کر دیئے اور ان کو خوش کیا گیا۔ چند لوگ وہ بھی ایمان لے آئے جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے اور کمزور ایمان والے لوگوں میں رضاء و خوشنودی حاصل ہونے سے تقویت ہو گئی۔

صفوان بن امیہ پر آنحضرت کی عطا:۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس دوران صفوان بن امیہ کو ہمراہ لئے ہوئے ایک گھاٹی پر سے گزرے۔ جو کہ بکریوں اور دیگر مویشیوں سے بھری پڑی تھی۔ اور صفوان ان کی طرف بار بار دیکھتا تھا۔ پھر بھی اس کی نظر نہ بھرتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ کیا تمہیں اچھے لگتے ہیں۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ تو آنحضرت نے فرمایا میں نے یہ سب کچھ تمہیں بخش دیا۔ پس فوری طور پر صفوان نے ان کو قابو کر لیا اور کہا خدا کی قسم۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے نبی کے کوئی آدمی اس قدر داد و دہش اور سخاوت عطا نہیں کر سکتا پس وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مولفتہ القلب میں شامل ہوا۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کچھ بے وقوف جفا شعار لوگوں سے تکلیف بھی پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ **ارحم اللہ موسی اوذی باالکثر من ھذا فصبر** اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ اس سے زیادہ تنگ کئے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے صبر فرمایا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو ایک سو اونٹ لئے اور عباس بن مرداس کو ایک سو اونٹ سے کم دیئے۔ رضی اللہ عنہم۔ لہٰذا وہ خشم آلودہ چلا گیا اور اس نے یہ شعر کہے۔

اتجعل نہبی و نہب العبید بین العینیۃ واقرع
وما کنت دون امر منہم و من تضع الیوم لا یرفع

اس کا ایک شعر وہ ہے جو کتب نحو میں باب غیر منصرف میں مذکور ہے۔

وما کان حصن ولا حابس بفوقان مراس فی معبہم

یعنی عباس بن مرداس اپنے باپ مرداس پر فخر کرتا ہے۔ بمقابلہ عینیہ اور اقرع کے باپوں کے۔ جب یہ ابیات آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سمع شریف میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اقطعوا عنی لسانہ مجھ سے اس کی زبان قطع کرو۔ پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو اونٹوں کے احاطہ میں لے جا کر مزید ایک سو اونٹ دیئے۔ پس وہ تمام لوگوں سے زیادہ خوش ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم میری شان میں شعر گوئی کرتے ہو۔ تو وہ عذر خواہی کرنے لگا اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں اپنی زبان پر چیونٹی جیسا کوئی چھوٹا جانور زبان کو کاٹتا ہوا محسوس کرتا رہتا ہوں جب تک کہ میں شعر نہیں کہہ لیتا۔ اور میں شعر کہنے میں بے اختیار ہوں۔ آنحضرت نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ عرب شعر گوئی ترک نہیں کر سکتے۔ جیسے کہ اونٹنی اپنے بچوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔

اور بعض کتب سیر میں آیا ہے کہ آنحضرت نے جب یہ اشعار سنے تو آپ نے اس کو فرمایا کہ تم نے اس طرح کہا ہے۔

اتجعل نہبی نہب العبید بین عینیہ ولاقرع

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مصرع کو ناموزوں پا کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بین العینیہ والاقرع تو آنحضور نے فرمایا کہ ایسے کہہ لو یا اس طرح کہو معنی ہر دو طرح ایک ہی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہ ہیں اور آپ کو شعر گوئی زیب بھی نہیں دیتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ آپ کے لائق و سزا آوار ہے بعض کا قول ہے کہ آنسرور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے وزن کے مطابق شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ موزوں اور ناموزوں شعر میں فرق نہ کرتے تھے۔ سبحان اللہ القصہ آپ نے تمام خاص و عام کو انعامات و عطایا فرمائے۔ اور ظاہری و باطنی طور پر مخلوق محظوظ و معمور فرمایا بالخصوص جو اہل مکہ مولفتہ القلوب میں شامل تھے ان پر بے حد و شمار نوازشات فرمائیں۔

انصار جو کہ بارگاہ نبوی کے مخلصین و مخصوص تھے ان کو بالکل منزہ پاک اور محروم رکھا۔ اور ان پر عطایا نہ فرمائے جیسے کہ اہل مکہ پر ہوئے تھے۔ بقول اہل سیر انصار مضطرب ہو گئے کیونکہ قریش لوگ جن میں ابھی تک حسد و بغض کی بو تھی اور مخلص بھی نہیں اور وہ قبائل جنہوں نے فی سبیل اللہ کوئی مشقت نہ برداشت کی تھی۔ انہیں کو بہت کچھ دیا گیا ہے ہمیں محروم ہی رکھا ہے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ خون کفار سے ابھی ہماری تلواریں خشک بھی نہیں ہوئیں۔ جب انصار کی یہ باتیں سمع شریف تک پہنچیں کسی کو بھیجا اور ان کو طلب فرمایا۔ اور اپنے خیمہ میں ہی بلا لیا۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اور فرمایا اے گروہ انصار! یہ کیسی بات تمہاری طرف سے میں نے سنی ہے۔ کیا تم نے اس اس طرح

سے کہا ہے یا کہ نہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حاشا و کلا ہمارے اکابر اور رؤساء میں سے کسی نے یہ بات ہرگز نہیں کی۔ ہاں نوجوانوں اور نوخواستوں کی ضمانت ہم نہیں دے سکتے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہو۔

آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ذرا غور کرو۔ کیا میں نے تم کو گمراہ اور کافر نہ پایا تھا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے تمہیں صراط مستقیم دکھائی اور دولت ایمان سے مالا مال کر دیا۔ اور دولت ایمان ان تمام داد و دہش سے اعظم اور اجل ہے۔ کیا قبل ازیں تم میں عداوت و دشمنی میں نے نہ پائی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت پیدا فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آمد سے قبل انہیں جھگڑے اور خون ریزیاں بہت زیادہ تھیں اوس و خزرج دونوں قبائل ایک دوسرے سے دست بگریباں ہی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں عرصہ ایک سو بیس سال سے متواتر جنگ چلی آ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **واذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم علی شفاء حفرة من النار فانقذکم منها** اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی جب تم دشمن تھے۔ تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ پس تم اس کی نعمت کے باعث صبح کو بھائی بھائی بنے ہوئے اٹھے تھے۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے تم کو اس سے بچالیا۔ اور غنیمتوں کے ساتھ تمہیں غنی بنا دیا۔ اور میری ذات کے سبب تمہاری اولاد اور اموال میں برکت آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **و اثابهم فتحا قریبا ومغانم کثیرة یا ونها وکان اللّٰه عزیز احکیما وعدکم اللّٰه مغانم کثیرة** ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اس مضمون میں آیات پاک آئی ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انصار کو وہ بہت سی نعمتیں یاد کرائیں جو آنحضرت کے وجود باجود کے باعث ان کو ملی تھیں۔ لیکن انصار بالکل چپ رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے ہو۔ انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ہم کیا عرض کریں **وللّٰه منته ولرسوله** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہمارے اوپر بڑا احسان ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور کہنے میں تم راست گو بھی ہو گے کہ آپ ہماری طرف آئے تو حال یہ تھا کہ آپ کی قوم آپ کو جھوٹا کہتی تھی۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ کی کسی کو کوئی پرواہ ہرگز نہ تھی اور آپ کی اعانت کوئی نہ کرتا تھا ہم نے آپ کی امداد کی آپ باہر آئے ہوئے اور نکال باہر کئے ہوئے تھے ہم نے آپ کو اپنے گھروں میں جگہ دی آپ کوئی مال و زر نہ رکھتے تھے۔ ہم نے آپ سے محبت کی اور جوانمردی اور خدمت بجالائے۔ آپ خوفزدہ تھے جبکہ ہم نے آپ کو خوف سے آزاد کرایا۔ آنحضرت نے یہ باتیں انصاف و تواضع اور ان کی شکر گزاری کے طور پر کیں تو وہ عرض کرنے لگے۔ نہیں نہیں بلکہ ہم پر تو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے بہت احسانات ہیں۔ یا رسول اللہ اگر آپ ہم میں موجود نہ ہوتے تو ہمارے اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہ ہوتا۔ ہم میں آپ کی موجودگی کے سبب ہم مشرف و معزز اور منفرد بن گئے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں معزز و مکرم ہی رہیں گے۔ ہم کیا چیز ہیں اور کون ہیں ہم کو یہ سب کچھ تو آپ ہی کے باعث آپ ہی کی

طفیل نصیب ہوا ہے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر خوش اور راضی ہیں۔ اور آپ کی نظر کرم چاہتے ہیں۔ ہم تو آپ کی اتباع ہی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم دنیا کے مال و اسباب کے خواستگار نہیں ہیں۔ مصرعہ۔

چوں تو درایم بمعنی ہمہ داریم

انصاری اکابر و بزرگان نے رونا شروع کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دست مبارک اور زانوائے اقدس کو چومنے لگے۔ اس کے بعد ان کی تسلی ور قریش پر انعامات وعطایا نچھاور کرنے کا سبب بیان فرمانے کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قریش قریب العہد تھے اور ان کو بڑی مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور میں نے نعم وعطایا کے ذریعے ان کی تلافی کرنا چاہی اور ان کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا چاہا اور آپ نے فرمایا کہ (آپ دیکھ لیں) کہ جعیل بن سراقہ ضمری فقراء اصحاف صفہ سے ہیں۔ اور زیادہ تر غزوات میں انہوں نے شمولیت کی ہے۔ انہیں بھی غنیمت سے حصہ نہیں دیا گیا۔ عینیہ اور اقراء کو ایک ایک سو اونٹ عطا کئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جعیل کے ایمان و اخلاص پر میرا اعتماد ہے پھر فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم راضی نہیں ہو کہ دیگر لوگ اپنے ساتھ اونٹ بکریاں لئے گھروں کو لوٹیں اور تم خدا اور اس کے رسول کو ساتھ لئے اپنے گھروں کو واپس جاؤ خدا کی قسم! گھر کو واپس جاتے ہوئے جو تمہاری شان ہو گی وہ اونٹ بکریاں لے کر جانے والوں سے بہتر ہو گی پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! تم غصہ نہ کرو۔ میں نے مال مولفتہ القلوب کو عطا کیا ہے اور تمہیں ان میں شامل نہیں گردانتا ہوں اور مجھے تم لوگوں کے کمال اخلاص پر بڑا اعتماد ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ لوگ اگر وادی اور گھاٹیوں میں چلتے ہوں گے تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں ہوں گا۔ لوگ ظاہر لباس میں ہیں (ورثا) اور انصار شعار میں ہیں مراد یہ کہ وہ باطنی لباس میں ہیں۔ اور وہ لباس جسم سے پیوستہ ہوتا ہے۔ دوسری جگہ پر آیا ہے کہ انصار میرے کرش اور عیست ہیں۔ کرش کے معنی ہیں معدہ اور عیال اور صغار اولاد۔ اور عیست چمڑے کی زنبیل کو کہتے ہیں جس میں کپڑے محفوظ رکھے جاتے ہیں اور اس کو بقچہ کہتے ہیں۔ یعنی جس طرح اس میں ملبوسات محفوظ ہوتے ہیں۔ انصار کے دلوں میں اسرار و انوار محفوظ ہیں۔ نیز فرمایا اے انصار! میں زندگی اور موت ہر دو حالت میں تمہارا ساتھی ہوں ازاں بعد دنیاوی خوشخبری ان کو دی اور فرمایا کہ میں ایک دستاویز تحریر کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرے بعد بحرین تمہارے لئے مخصوص رہے وہ بہترین موضع ہے۔ اور میرے لئے اس کی فتح مخصوص و محفوظ کی گئی ہے۔ انصار نے گریہ کرتے ہوئے عرض کیا آپ کے بعد ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہ ہے اور ہم دنیا کے مال و متاع کی احتیاج نہیں رکھتے ہیں وہ دن ہی نہ آئے کہ آپ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جائے۔ آنحضور نے فرمایا کہ یہاں سے جانے اور اس دنیا میں جان دینے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہے تم کو میرے بعد بڑے کام سرانجام دینا ہیں تم صبر سے کام لینا اور تقویٰ اختیار کرنا۔ تاکہ تم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے بلا پشیمانی و شرمساری جاملو اور یہ وعدہ ہے کہ تمہاری اور میری ملاقات حوض کوثر پر ہو گی جس کا طول و عرض اتنا ہی جتنا کہ صنعا اور عمان۔ اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ کوزے اور پیالے ہیں پس انصار نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ وہ مال پر فریفتہ ہوئے اور خدا اور اس کے رسول سے دور نہ جاگرے۔ اور آنحضرت کی خاص عنایات سے مخصوص ہو گئے۔ والحمدللہ۔

جعرانہ کے مقام پر جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اموال و بردے تقسیم فرمائے تو ہوازن کا ایک گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسلام سے مشرف ہوئے اور باقی اپنی قوم کے اسلام قبول کر لینے کی خبر بھی دی۔ اس گروہ میں ابو برکان بھی تھا جو کہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا چچا لگتا تھا۔ اور زہیر بن صرد بھی تھا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جو مصیبت اور مشقت ہم پر آپڑی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ اب ہم پر احسان فرمائیں اور رحم کریں۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا ہے اور رحمت نازل فرمائی ہے ہم امیدوار ہیں کہ آپ ہمارے اموال اور بردے واپس فرمادیں گے کیونکہ ان قیدیوں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے غنائم تقسیم کر دیئے ہیں اور تمہارا میں نے انتظار کیا ہے کہ تم آؤ گے اور میرے ساتھ اس ضمن میں گفتگو کرو گے۔ لیکن تم نے دیر کر دی اور نہ آئے میں کیا کروں۔ میرے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت ہے جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اور میرے نزدیک سچی بات زیادہ پسندیدہ ہے اور تمہارے تمام اموال اور جملہ قیدی متعدد دکھائی دیتے ہیں۔ تم اموال اور قیدیوں میں جو زیادہ پسند کرتے ہو اسے اختیار کر لو کہنے لگے کہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر اونٹ بکریوں اور نقدی کی بات ہم کیا کریں ہم قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ جو کچھ بنو عبدالمطلب کا حصہ ہے وہ آپ کو ہم واپس دیتے ہیں اور تمہاری خاطر دوسرے لوگوں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے حصص و نصیب سے دست کش ہو جائیں جب ظہر کی نماز پڑھ لی جائے تو تم لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر مجھ کو مسلمانوں کے سامنے شفیع بنانا اور درخواست کرنا کہ بچے اور عورتیں ہم کو واپس کر دیں۔ اس کے بعد میں مسلمانوں سے درخواست کروں گا۔

بنو ہوازن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کے بموجب عمل کیا۔ پس آنحضرت صحابہ کے مجمع میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد جیسی کہ اس کو سزاوار ہے فرمایا۔ اے مسلمانو! تمہارے بھائی ہوازن مسلمان ہو کر اور تائب ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ اور یہ قرار پایا ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیتے ہیں۔ تم میں سے جو کوئی اس بات پر راضی ہے اور طیب خاطر سے اپنے حصہ سے دست کش ہوتا ہے اسے چاہیے کہ ایسا ہی کرے اور جس کو یہ منظور نہیں۔ اس کو اس کے عوض اس کے بعد فے کا مال ہاتھ آنے پر اس کا حق میں دے دوں گا۔ جو لوگ حاضر تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم تمام طیب خاطر سے یہ قبول کرتے ہیں بلا عوض۔ اس وقت مہاجرین اٹھے اور عرض کیا۔ جو کچھ ہمارے حصہ میں آیا ہے وہ تمام آپ حضور کے واسطے ہے۔ انصار نے بھی یہی بات اپنی زبانوں سے کہی۔ آپ نے فرمایا کہ میں راضی اور غیر راضی نہیں جانتا آپ جاؤ اور اپنے وکیلوں اور عارفوں کو لاؤ۔ وہ میرے ساتھ بات کریں۔ پس لوگ واپس چلے گئے اور ان کے عرفا اور وکلا آگئے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ جماعت راضی ہے اور یہ طیب نفس اس معنی کو قبول کرتی ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے اور بنو ہاشم اور مہاجرین و انصار کے حصوں سے دست بردار ہو گئے تو اقرع بن حابس جو بنو تمیم کا پیشوا تھا اٹھا اور عرض کیا کہ میں بنو تمیم راضی نہیں ہیں۔ اور

عینیہ بن حصن فزاری جو کہ بنو فزارہ کا مقتداء تھا اس نے کہا میں اور میری قوم بھی راضی نہیں ہیں۔
اور عباس بن مرداس نے کہا میں اور بنو سلیم بھی راضی نہیں ہیں۔ فوراً ہی بنو سلیم نے اس کو جھٹلا دیا اور عرض کیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب رسول خدا کا ہے۔ آپ جسے چاہیں دے دیں۔ رحمتہ اللہ علیہم و رضی اللہ عنہم۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ جو کوئی راضی نہیں ہے اس کو میں ہر قیدی کے بدلے میں چھ اونٹ دیتا ہوں اس مال غنیمت سے جو اللہ تعالیٰ اس جماعت پر ارزانی فرمائے گا مذکورہ عرب کے ظالم لوگ 'شدید الطبع اور مولفتہ القلوب تھے۔ ان کے سینوں سے ابھی جہالت کی شدت و ظلمت محونہ ہوئی تھی اور انہیں تہذیب اخلاق حاصل نہ ہوئے تھے۔ بالخصوص یہ عینیہ بن حصن جو نہایت شدت و خشونت اور قساوت رکھتا تھا۔ جیسے کہ احادیث مذکور ہے اور شاید کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد صفات اسلام سے متصف ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔
بہر کیف جب انہوں نے قیدیوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اہتمام دیکھ لیا تو تمام قیدی ہوازن کو واپس دے دیئے اور آنحضور نے اپنے پاس سے ان قیدیوں کو کپڑے اور خلعتیں عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ہوازن سے پوچھا۔ کہ اس قوم کا جو رئیس مالک بن عوف ہے اس نے محاربہ اور مقاتلہ کیا تھا وہ کہاں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ طائف میں ہے آپ نے فرمایا کہ اگر وہ آئے اور مسلمان ہو جائے تو اس کے اہل و عیال اور مویشی اور اموال اس کو واپس کر دوں گا۔ علاوہ ازیں مزید ایک سو اونٹ اس کو عطا کروں گا۔
جب یہ خبر مالک کو ملی تو وہ خوش ہوا اور وہ بھی جعرانہ میں آنحضور کی خدمت میں آ حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ اور اپنا مال و مویشی اور اہل و عیال واپس حاصل کئے۔ اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ اصحابہ وسلم کی مدح و ثنا میں اشعار کہے جن میں سے بعض شعر یہ ہیں۔

ما ان رایت ولا سمعت بواحد فی الناس کلھم بمثل محمد
اوفی واعطی للجزیل انا اعتدی ولمن تشا یجزک عما فی غلا

آنحضرت نے اس کو بھی مولفتہ القلوب میں داخل فرمایا اور اس کی قوم اور دیگر چند قبائل کو جو نئے نئے اسلام لائے تھے امیر بنا دیا۔ اور اس نے ان قبائل کی مدد سے ثقیف کی جماعت سے مقاتلہ کیا حتیٰ کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تقسیم غنائم سے فارغ ہو گئے اور مدینہ شریف کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا۔ تو آپ نے چہار شنبہ کی رات کو جبکہ ذی القعدہ مہینے کی ابھی بارہ راتیں باقی تھیں جعرانہ کے مقام سے عمرہ کے لئے احرام باندھا۔ اور مکہ میں تشریف فرما ہوئے۔ ارکان عمرہ بجالائے اور پھر واپس ہوئے۔
علماء کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز صحابہ کے ساتھ پڑھی اور سوار ہو گئے اور نماز فجر بھی ان کے ساتھ ہی پڑھی۔ اور راتوں رات ہی آ گئے۔ لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا اور یہ جعرانہ کا مقام مکہ مکرمہ سے ایک مرحلہ پر واقع ہے۔ دن کے آخر پر سوار ہوتے ہیں اور رات کے آخر پر وہاں پہنچ جاتے ہیں جیسے کہ ان علاقوں میں سفر کیا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں ایک نہایت چھوٹا سا

کنواں ہے ایک طشت کی مانند جس میں آٹا گوندا جاتا ہے شاید کبھی کسی لشکر نے وہاں پر اپنے قیام کے دوران وہ کنواں کھودا ہو۔ یا کہ شاید بارانی پانی کے سیلاب سے وہ وجود میں آگیا ہو۔ واللہ اعلم۔

شیخ امام ولی قدوہ عبدالوہاب متقی قادری فرماتے ہیں کہ میں متعدد بار جعرانہ میں پیادہ پا اور روزہ کی حالت میں گیا ہوں۔ ایک دفعہ ایسے ہوا کہ اس جگہ میں سو گیا۔ تو خواب میں جمال باکمال سید کائنات علیہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات سے مشرف ہوا اور جتنی بار بھی میں آنکھ کھول کر پھر سوتا تھا تو آنحضور کا جمال شریف میری نظر کے سامنے ہوتا تھا۔ انہوں نے عدد کثیر ذکر کیا ہے کہ صحیح تعداد یاد نہ رہی۔

یہ راقم الحروف (شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ) بھی متابعت کے قصہ سے اس جگہ پر گیا اور سو جانے کا خیال کیا۔ لیکن وہ قابلیت اور مقدر کہاں کہ یہ سعادت حاصل ہوتی۔ **واللہ علی کل شیئی قدیر۔**

ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ کی جانب متوجہ ہوئے اور عتاب بن اسید اموی بن ابی العیص بن امیہ بن عبدالشمس جو کہ روز فتح ایمان لائے تھے اور قریش کے سرداروں اور فضلاء سے تھے ان کے سپرد مکہ کی حکومت فرمائی اور بعض اسماء الرجال کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ جس روز حنین کی طرف خروج کیا تھا اس دن مکہ میں عامل مقرر فرمایا تھا اور آنحضرت کے وصال شریف تک بدستور عامل رہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ علیہ عنہ نے بھی ان کو بدستور عامل ہی رکھا اور یہ اس روز رحلت پذیر ہوئے جس روز کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال پایا تھا۔ اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔

حضرت رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو بھی مکہ میں چھوڑا اس لئے کہ مکہ کے مسلمانوں کو قرآن پاک اور شریعت کے احکام سکھائیں اور احکام دین ملت کو جاری کریں اور علماء کہتے ہیں کہ عتاب رضی کے لئے بیت المال سے ہر روز کے لئے ایک درہم مقرر فرمایا اور حضرت عتاب کبھی کبھی خطبہ کے دوران کہا کرتے تھے۔ کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ اس شخص کا جگر بھوکا ہی رکھے جو ایک درہم میں گزر اوقات نہ کر سکتا ہو۔ میرے لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا ہی متعین فرمایا اور میں اس پر ہی خوش ہوں اور کسی سے مجھے کوئی حاجت نہ ہے۔ گویا کہ آنحضرت نے اس مرد میں زہد وقناعت ڈال دیئے تھے۔ جو کہ بنی امیہ میں نہ تھا اور یہ درست ہے کہ اس کو فاضل شخص شمار کیا ہے۔

اور جب آنحضرت مکہ سے مرالظہران آئے تو غنائم سے باقیماندہ تھا وہ بھی وہاں پر تقسیم فرمایا اور ذیقعدہ کے آخر میں یا ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ شریف واپس پہنچ گئے۔ اس سال لوگوں نے حج ادا کیا۔ جیسے عرب زمانہ جاہلیت میں ادا کرتے تھے اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ساتھ حج ادا کیا بغیر اس کے آنحضرت نے اس کو امیر حج مقرر کیا ہو۔ اور ایک روایت ہے کہ اس کو امیر حج بنایا گیا تھا۔

اور علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ تالیف قلوب کی خاطر ابوسفیان بن حرب کو نجران کا گورنر مقرر فرمایا۔ نجران یمن کے علاقہ

میں ہے اور مکہ شریف کے اس سفر کی مجموعی مدت دو ماہ سولہ دن تھی اور اسی سال کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاہا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو جو کہ امہات المومنین سے تھیں طلاق دے دیں۔ ایک روایت ہے کہ یہ آپ نے طلاق دے دی تھی۔ بہرکیف سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے گزارش کی کہ میں کسی کی مدد کی خواہشمند نہیں ہوں۔ اور خدا کی قسم کھائی۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ کل قیامت کو میں آپ کی ازواج میں اٹھائی جاؤں۔ میرے لئے یہ سعادت ہی کافی ہے اور اپنی باری انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تاکہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کا باعث بنے جو کہ ان سے ہے۔

پیدائش ابراہیم بن رسول اللہ:۔ اور اس سال ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ سلام اللہ علیہما کی ولادت ہوئی' اور ابراہیم نام رکھا گیا۔ ان کی ولادت ۸ ہجری میں اور وصال ۱۰ ہجری میں ہوا۔ وہ سولہ ماہ کی عمر کے ہوئے۔ دیگر ایک روایت میں اٹھارہ ماہ بھی آیا ہے اور چند کتب میں ایک سال دو ماہ اور چھ دن مذکور ہے۔ ان کی ۱۰ ہجری میں وفات پر سب متفق ہیں اور اس پر بھی کہ یہ دوران رضاعت ہوئی۔ ان کا مفصل حال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اولاد کرام کے ذکر میں آئے گا۔

وفات حضرت زینب رسول اللہ:۔ اور اسی سال میں آنحضور کی دختر نیک اختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا رحلت فرما ہوئیں۔ وہ ابو العاص بن ربیع کی منکوحہ تھیں۔ ان سے دو اولاد پیچھے رہے۔ ایک پسر کا نام علی تھا جو کہ بلوغ کے قریب تھے۔ اور آیا ہے کہ فتح مکہ کے روز اسے آنحضرت نے اپنے ساتھ سواری پر اپنا ردیف بنایا تھا اور دوسری بیٹی تھی جس کا نام امامہ تھا۔ جس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نکاح کیا تھا۔

مدینہ میں مہنگائی:۔ اور اس سال مدینہ شریف میں غلہ مہنگا ہو گیا۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب غلے کے نرخ زیادہ ہوئے تو لوگوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لئے کھانے کی چیزوں کے نرخ مقرر فرما دیں تو آپ نے فرمایا۔ **ان اللّٰہ ھو المسعر القابض الباسط الرزاق** یعنی کہ نرخ تو اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے۔ اور قبض و بسط اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور میں یہ امید لئے ہوئے ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے میری ملاقات اس حال میں ہو کہ مجھ پر کسی سے زیادتی کرنے کا کوئی مطالبہ نہ کیا جائے۔ نہ ہی خون کا اور نہ مال کا۔

منبر بنایا گیا:۔ منبر شریف بھی اس سال ہی بنایا گیا اور ایک قول ہے کہ ساتویں سال میں بنایا گیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ مسجد نبوی میں منبر شریف بنایا گیا تھا اس پر آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ قبل ازاں منبر نہیں تھا اس بارے میں کہ یہ منبر کس نے بنایا تھا مختلف روایات آتی ہیں۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قبل از منبر آنحضرت ایک ستون کے ساتھ

ٹیک لگالیا کرتے تھے اور خطبہ فرمایا کرتے تھے۔ منبر کے بعد اور ایک روایت ہے کہ جب آنحضرت منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ کے فراق میں ستون نے رونا شروع کر دیا۔ یہ مشہور حدیث ہے اور تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور دیگر کئی حدیث سے اس حدیث کی خصوصیات بھی ثابت ہیں۔

محدثین نے روایت کیا ہے کہ قبل از منبر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے اگر خطبہ لمبا ہو تا تو تھکن محسوس کرتے ہوئے ستون سے ٹیک لگا لیتے تھے۔ منبر شریف تیار ہو گیا تو آپ جمعہ کے روز ستون کے پاس سے گزر کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ ستون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مقدس آواز کو سنا اور آپ کو اپنے ساتھ نہ پایا تو رونے لگا اور فریاد بلند کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ستون یوں روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچہ گم ہو جاتا ہے تو وہ اونٹ گریہ کرتا ہے دیگر ایک روایت ہے کہ وہ اس طرح روتا تھا۔ جیسے کسی شخص کا محبوب و معشوق اس سے بچھڑ جاتا ہے تو وہ روتا ہے۔ پس ستون کی رونے پر مسجد میں موجود لوگوں کے دل بھی بھر آئے انہوں نے بھی رونا شروع کیا۔ ایک روایات میں یوں ہے کہ ستون نے اس انداز میں آہ و زاری کی کہ وہ خود پھٹ پڑا۔ چنانچہ حاضرین کو اس کے گر جانے کا گمان و اندیشہ ہوا اور وہ خوفزدہ ہوئے اور اپنی جگہوں سے اچھل گئے۔ پس آنحضرت منبر شریف سے نیچے تشریف لائے اور ستون کے پاس گئے۔ اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا پھر اسے اپنی آغوش میں لیا۔ اور پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو واپس باغ میں تم کو پہنچا دیں۔ اور تم کو اپنی جگہ پر جما دیا جائے کہ تو پھر سرسبز و شاداب ہو جائے اور بارور ہو۔ اور اگر تمہاری خواہش ہو تو جنت کی زمین میں تجھے دبا دیا جائے تاکہ جنت کی کیاریوں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو۔ اور تیرے پھلوں کو انبیاء اولیاء اور صلحا کھایا کریں۔ جب تک آنحضرت نے اسے اپنی آغوش میں رکھا آپ فرماتے رہے۔ **نعم قد فعلت نعم قد فعلت** ہاں میں نے کر دیا۔ ہاں میں نے کر دیا۔

صحابہ کرام پوچھنے لگے۔ یا رسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جنت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ پس میں نے کہا **قد فعلت** اور دیگر ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ **ان هذا قد بكا لما نقد من الذكر** یہ ستون ذکر سے محرومی کے موجب رو پڑا۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ سے منقول ہے کہ منبر شریف کی حدیث بیان کرنے کے وقت فرماتے تھے اے مسلمانوں! لکڑی کا ایک ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جدائی کی بنا پر آہ و فغاں برپا کرتا ہے تو تم کو اس سے بڑھ کر مناسب ہے۔ کہ تم لقائے محبوب کا شوق رکھو ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے وہ ستون اسی مقام پر دفن فرما دیا۔ شعر۔

ے۔ بنگے و گیا ہے کہ درد خامے ہست ۔۔۔ یہ از آدمی کہ درد معرفتے نیست

یہ منبر شریف اثل غابہ کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک درخت کا نام ہے جو گز کے درخت سے ملتا جلتا ہے لیکن اس سے بڑا ہوتا ہے اور غابہ اس جنگل کو کہتے ہیں جس میں بہت زیادہ درخت ہوتے ہیں اور وہ مدینہ شریف سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور قول صحیح کے مطابق منبر کی لمبائی دو ذراع تھی (گز) اور چوڑائی ایک ذراع تھی اور ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت

تھی اور وہ منبر شریف خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ تک اپنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے اسے قبطی غلاف پہنایا وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اپنی خلافت کے چھ سال گزرنے کے بعد انہوں نے اس سیڑھی پر کھڑا ہونا شروع کیا۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد نچلی سیڑھی فاروق اعظم استعمال کرتے تھے۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

ایک قول کے مطابق سب سے پہلے منبر شریف پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ امارت میں غلاف چڑھایا تھا۔ جبکہ وہ شام سے مدینہ شریف آئے تھے اور انہوں نے خواہش کی تھی کہ وہاں سے منبر رسول شام لے جائیں۔ منبر کو اپنی جگہ سے جنبش دی گئی تو اندھیرا چھا گیا اور سارا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ آفتاب گہنا گیا۔ یہاں تک کہ دن کے وقت ستارے دکھائی دینے لگے۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خیال ترک کر دیا۔ ان کی پشیمانی ہوئی اور پھر وہ صحابہ کرام سے معذرت کرنے لگے۔ اور کہا کہ اصل میں اس کی محافظت میرا مقصود تھا کہ اس کو گھن نہ لگے ازاں بعد چھ درجے مزید بڑھا دیئے۔ اور اس کے اوپر منبر نبوی کو رکھا گیا۔ اس لئے کہ وہ بلند ہو جائے۔ اور خطبہ دینے والا جملہ حاضرین کو نظر آئے۔ جیسے کہ تاریخ مدینہ میں مذکور ہوا ہے۔ اور روضتہ الاحباب میں یوں ہے کہ مدینہ کا حاکم مروان تھا اسے شام سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ وہ منبر نبوی کو مدینہ شریف سے شام میں منتقل کرے ہو سکتا ہے کہ پہلے تو انہوں نے مروان کو یہ لکھ بھیجا ہو اور پھر جس وقت خود مدینہ میں آئے ہوں تو خود بھی اس طرح کوشش کی ہو۔ یا بعد ازاں مرواں کو یہ حکم لکھا ہو۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد جس وقت مہدی خلیفہ ہوا۔ تو اس نے مزید اضافہ کرنے کی خواہش کی۔ لیکن امام مالک رحمتہ اللہ نے اسے ممانعت کری۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والا منبر طوالت زمانہ کے باعث بوسیدہ ہو گیا۔ تو پھر دوسرے خلفائے عباسیہ نے اس کی تجدید کر دی۔ اور تبرک کے طور پر منبر نبوی کے باقی درجوں کو مزین کیا بعض نے کہا ہے کہ ۶۵۴ھ میں جس وقت مسجد نبوی کو آگ لگ گئی تھی تو اس میں علاوہ منبر نبوی شریف کے امیر معاویہ والا منبر بھی آگ میں جل گیا تھا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس آگ سے وہ منبر شریف جل گیا تھا جو خلفائے عباسیہ نے بنوایا تھا۔ واللہ اعلم بعد ازاں ہر بادشاہ اپنے زمانہ میں تجدید کرتا رہا اور سابقہ منبر بدل دیتے رہے۔ **الی یومنا ھذا**

روم کے سلطان مراد خاں بن سلطان خاں **نصرہ اللہ ونصر عساکرہ** کے حکم سے ۹۹۸ھ میں عالی شان ممبر بنایا گیا اقام کی لکڑی سے۔ اور اس کے اوپر سات پہلوؤں والا قبہ بنایا گیا۔ سلطان مراد کے ہاتھوں منبر بنائے جانے کی ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ **ما بین قبری و منبری روضتہ من ریاض الجنۃ** ایک روایت میں **مابین حجرتی و منبری** آیا ہے اور ایک روایت میں مابین بیتی و منبری۔ روضتہ من ریاض الجنہ اور بخاری نے اتنا زیادہ کیا ہے۔ **ومنبری علی حوضی** اور کچھ روایات میں **نزعۃ من نزع الجنۃ** آیا ہے کچھ علماء نے نزع کی تفسیر باب کی ہے۔ بعض نے درجہ' اور کچھ نے کی ہے۔ "وہ باغ جو اونچی جگہ پر ہو" اور ان حدیثوں کی تاویل و تحقیق کرتے ہوئے علماء نے کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ کچھ علماء

فرماتے ہیں کہ روضہ جنت سے بقعہ شریف کو تشبیہ دیں تو جو لوگ وہاں پر بیٹھے ہوئے ذکرو اشغال میں لگے ہوئے ہوتے ہیں ان کے حق میں رحمت کا نزول اور سعادت سے بہرہ مندی مراد ہوتی ہے جیسے کہ مسجد کی جنت کے باغ کے ساتھ تشبیہ میں ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ اذا مررتم بریاض الجنة فارتبعوا۔ اس سے اسی طرف اشارات ہے اور کچھ علماء اس طرف ہیں کہ اس عظیم والشان مکان میں عبادت وطاعت کا شرف ہے۔ روضہ رضوان کے ایصال کے ساتھ۔ جیسے کہ یہ احادیث ہیں۔ الجنة تحت لال السیوف اور جنت تحت اقدام الامہات۔ یہ اس لحاظ سے ہے کہ تلواروں کو استعمال کرنا اور ماؤں کی خدمت بجالانا جنت کی نعمتوں کا مستحق بناتا ہے۔ یہ تاویلات اہل ظاہر کی ہیں۔ جو حقیقت کو نہیں پاسکتے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہے اور آنحضرت کے حجرہ شریف اور منبر شریف کے مابین ان معانی میں جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے کہ کل قیامت کے دن اس جگہ کو فردوس میں منتقل کیا جائے گا اور باقی ساری زمین کی طرح ہلاک وفنا نہ ہو گی۔ جس طرح کہ ابن فرحون نے امام مالک سے علماء کا متفق ہونا نقل کیا ہے اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے محدثین حضرات بھی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ ابن حمزہ اکابر علماء مالکیہ میں سے ایک ہیں انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے یہ بقعہ شریف جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری ہو اور وہاں سے یہ دنیا میں بھیجی گئی ہو جیسے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں روایت ہوا ہے اور قیامت ہونے کے بعد اسے اس کے اصل مقام پر لے جائیں اور اس مقام کی فضیلت اور علوم مرتبت کے باعث وہاں پر عبادت واذکار میں جو مشغول ہوتے ہیں ان کے لئے نزول رحمت اور جنت کا حقدار ہونا ضروری ہے۔ جیسے کہ جنت میں اس پتھر کے باعث حضرت خلیل اللہ کی خلت ممتاز ہوگی۔ ویسے ہی اللہ تعالیٰ حبیب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس روضہ کے باعث اختصاص ہوگا گو ظاہری طور پر دیکھیں تو دنیا کی باقی تمام زمین کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی حجاب بھی حائل نہ ہے۔ کیونکہ انسان جس وقت تک اپنی تخلیق کے لحاظ سے طبعی کیفیات کے حجابات میں ہے اور احکام بشریہ اس پر غلبہ کئے ہوئے ہیں۔ اس وقت تک اس پر چیزوں کی حقیقت کا واضح ہونا اور امور آخرت سے اس کا مطلع ہونا ممکن نہ ہے پھر بھی حضرت شارع علیہ السلام نے جو خبریں دی ہیں ان سے کوئی توہم نہ ہونا چاہیے کہ اگر یہ بقعہ شریف جنت کی ایک کیاری ہے تو تشنگی اور برہنہ پن قسم کی باتیں یہاں پر نہ ہونا ہو کہ جنت کے لوازم سے ہیں۔ اہل جنت کے لئے یہ چیزیں نہیں ہوں گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انک لا تجرع فیها ولا تعریٰ وانک لاتظماء فیها ولا تضحیٰ بلاشبہ تمہارے واسطے جنت میں بھوک نہ ہوگی اور نہ ہی تم برہنہ ہو گے نہ پیاس ہوگی اور نہ چاشت کے وقت کا کھانا ہوگا۔ یہ تمام چیزیں بقعہ شریف کے مقام پر اس وقت نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جنت سے یہ بقعہ شریف علیحدہ کر کے یہاں منتقل کرنے کے ایک جنت والے وہ لوازمات بھی اس سے علیحدہ کر دیئے گئے ہوں اور اس کی مانند حدیث میں جو وارد ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر واقع ہے نیز یہ کہ میرا منبر جنت کے ترعہ پر ہے۔ اس میں بھی علماء نے تاویلات کی ہیں۔ یعنی کہ اس سے یہ اشارہ فرمانا مقصد ہے یہاں پر اگر آئیں اور برکت حاصل کریں اور اس کے سامنے نیک اعمال میں مشغول ہوں تو آخرت میں یہ حوض نبوی پر حاضری میسر ہونے کا باعث ہوگا۔ اور اس کا حقدار بنائے گا اور یہ بھی امکان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری

مخلوق خدا کے ساتھ اس منبر کا بھی اعادہ فرمائیں اور منبر کو حوض کوثر پر قائم فرمائیں حوض کوثر کو ہی ترعہ فرمایا گیا ہے جس طرح کہ علماء کرام نے بیان کیا ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ منذر بن ساوی کی طرف علاحضرمی رضی اللہ عنہ کو بھیجنا اس جگہ ذکر کر کے یہ تنبیہہ کی ہے کہ ارباب سیر کی اکثریت علاحضرمی کو منذر کی طرف چھٹے یا ساتویں سال ہجری میں بادشاہوں کو خطوط و وفود بھیجنے کے سلسلہ میں ذکر کرتے ہیں (کمافی روضۃ الاحباب)۔ لیکن صاحب طبقات نے واضح کیا ہے کہ وہ جعرانہ سے مراجعت کے وقت بھیجے گئے تھے اور کچھ سیرت کی کتابوں میں حدیبیہ کے بعد انہیں بھیجا جانا مذکور ہوا ہے۔ انتہیٰ۔ اور راقم الحروف (شیخ عبدالحق صاحب) نے بعض سیرت نگار حضرات کے موافق وہاں پر ہی بیان کیا تھا اور مقام بھی مناسب وہ ہی ہے بشرطیکہ روایت صحیح ہو۔ اور ارباب سیر بھی اسی جانب ہیں۔ بہر کیف وہ مذکور ہو چکا ہے۔ خواہ یہاں ہو یا وہاں۔

وفد عبدالقیس کا آنا:۔ اس سال کے دیگر واقعات سے وفد عبدالقیس کا آنا ہے۔ لوگوں کی قاصد بن کر آنے والی جماعت کو وفد کہا جاتا ہے جو کہ پیغام یا خط وغیرہ پہنچاتی ہے ربیعہ کی نسل سے جو قبیلہ اسد ہے ان کے جد اعلیٰ کا نام عبدالقیس بن قصی ہے۔ ان کا وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں اس سال حاضر ہوا۔ یہ وفد بیس آدمیوں پر مشتمل تھا اور ان کا جو سردار تھا اس کو اشج کہتے تھے۔ اس وفد کی آمد سے ایک روز قبل آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ مشرق کی جانب سے چند لوگ تمہارے پاس آرہے ہیں۔ وہ اپنی خوشی اور میلان طبع سے اسلام قبول کریں گے۔ اور یہ علامات ہیں ان کے سردار کی۔ پھر آپ نے فرمایا **اللھم اغفر لعبد القیس** بارگاہ نبوی میں جب یہ آئے تو آنحضرت نے دریافت فرمایا۔ **من القوم** یعنی تم کس قبیلہ (قوم) سے ہو۔ اور فرمایا **من العرقد** یعنی تم کس کے پاس آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ربیعہ ہیں۔ مراد یہ کہ ہم ربیعہ بن معد بن عدنان کی نسل سے ہیں اس قبیلہ کا جد اعلیٰ آنحضرت کے اجداد سے ہے۔ جس طرح کہ نسب نامہ سے ہے۔ آنحضرت نے فرمایا **مرحبا بالقوم والوفد** یہ آنحضرت اپنے کسی محبوب کے آنے پر دعا دیا کرتے تھے آپ نے حکم فرمایا کہ یہ قوم خوار و رسوانہ ہو اور نہ ہی انہیں کوئی پشیمانی لاحق ہو۔ وفد کے اراکین نے کہا۔ یا رسول اللہ! سوائے حرمت والے مہینوں میں آنے کے ہمارے لئے آنا ممکن نہ ہو سکا۔ مراد یہ کہ ان مہینوں میں عرب میں جنگ و جدل بند ہوتے ہیں۔ حرمت والے مہینے یہ ہیں۔ ذیقعد' ذوالحج' محرم اور رجب یہ چار مہینے ہیں۔ (پھر انہوں نے کہا) کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا وہ قبیلہ ہے جو مضر بن نزاء ہے اور جو ربیع بن نزار کا بھائی ہے یہ نام آنحضرت کے اجداد کا ہے۔ مضر حضرات ابراہیم خلیل اللہ کے دین پر تھے۔

آنحضرت کا ارشاد ہے کہ مضر دین اسلام پر تھے لہٰذا ان کو گالی نہ دو۔ ان کا نام اس وجہ سے مضر تھا کہ وہ ترش دودھ (لبن حامض) پسند کرتے تھے اور اس کے بڑے شوقین تھے اور زیادہ چونکہ سفید رنگت کے حامل تھے اس واسطے یہ نام تھا۔ وہ سفید چہرہ رکھتے تھے اور ان کو مضر احمر بھی کہا جاتا تھا۔

ان کے بارے میں سیرت نگاروں نے یہ بھی کہا ہے کہ اپنے والد سے انہیں زر سرخ یعنی سونا بھی ملا تھا۔ اور ربیعہ کو

گھوڑے ملے تھے۔ اور یا ان کا یہ نام اس واسطے ہے کہ ان کا جنگوں میں سرخ جھنڈا نشان ہوتا تھا جس طرح کہ قاموس میں ذکر کیا گیا ہے۔

پس وفد عبدالقیس نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ ہمیں کوئی ایسا مفصل اور واضح حکم فرمائیں جس سے حق و باطل میں تفریق ہو جائے اور کوئی اشتباہ و التباس نہ رہے۔ تاکہ ہم جاکر اپنی قوم کو بتا سکیں جیسے ہم پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں۔ یا اس کے بھی بتائیں جو ہمارے سامنے آئے تاکہ ہم جنت میں جاسکیں۔ پس آنحضور نے ان کو ایمان' نماز' روزہ' زکوۃ اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ نکالنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد وفد نے ان برتنوں کے بارے میں حکم دریافت کیا کہ جن میں وہ اور ان کی قوم کھاتی پیتی تھی۔ اور نبیذ وغیرہ بھی ان میں ڈالتی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ شراب حرام ہو جانے سے قبل جن برتنوں میں شراب ڈالی جاتی تھی کہ وہ شراب کی حرمت کے بعد بھی قابل استعمال ہیں۔ اور ان سے کوئی دوسرا کام لیا جاسکتا ہے۔ یا کہ ان ظروف سے پرہیز لازم ہے؟۔ پس آنحضرت نے انہیں وہ چار برتن استعمال کرنے سے ممانعت فرمادی جو کہ شراب کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ ایک ان میں سے ختم ہے۔ یعنی سبز منکا۔ اس میں شراب اور نبیذ اور کھسن اٹھائی جاتی تھی۔ دوسرا دبا ہے اس سے مراد ہے خشک کدو۔ اسے رنگ کر کے صراحی کی مانند بنا لیتے تھے۔ تیسرے برتن کا نام نقیر تھا۔ نقیر ایک درخت کی جڑ ہوتی ہے۔ اسے اندر سے کھوکھلا کر کے بن بناتے تھے پھر اس میں نبیذ ڈالتے تھے۔ چوتھے کہ مزفت تھا۔ اس کو زفت کے ساتھ رنگ کر بنایا جاتا تھا۔ جو رنگ کشتی وغیرہ پر پھیرا جاتا ہے اس کو زفت اور قیر کہتے تھے۔ آنحضرت نے ہدایت فرمائی کہ امور اور احکام کو یاد رکھیں اپنی قوم کو بتانا اور جو یہاں نہیں آسکے۔ علماء میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب شراب کے آثار مٹا دیئے جائیں اور حرمت کا قیام و ثبات ہو جائے تو وہ برتن استعمال کرنا حرام نہیں۔ مذکورہ ممانعت اس لئے فرمائی گئی تھی کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ شراب حرام ہوئی تھی۔ اور بعض کے نزدیک بوجہ مشابہت مکروہ ہیں۔

اہل سیر نے کہا ہے کہ ارکان وفد رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جمال باکمال کی زیارت ہوئی تو فوراً سواریوں سے اترے اور آنحضرت کے مبارک ہاتھوں اور مقدس پاؤں کو بوسہ دینے لگے اور محبت و شوق ظاہر کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں منع نہ فرمایا تھا اور ان کے اس ذوق و شوق کو برقرار اور جائز رکھا۔ لیکن عبدالقیس جو کہ ان کا سردار تھا ان کے ہمراہ نظر نہ آیا۔ وہ اپنی سواری سمیت قیام کی جگہ پر چلا گیا تھا وہاں پر اس نے غسل کیا پاک اور ستھرے لباس میں ملبوس ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا حکم و وقار سے مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ دو رکعت نماز ادا کی دعا مانگی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کی یہ وضع اور آداب پسند آئے اور تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ **ان فیک لخصلتین یحبتہما اللہ الحلم والاناۃ** تم میں بے شک دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حلم اور وقار' حلم سے مراد ہے جلد بازی نہ کرنا اور معاملات میں سوچنا اور مصالح میں تدبر کرنا۔ اور اناۃ سے مطلب ہے جودت نظر اور وقار اور گرانباری اس کا ماحصل ہے۔

دوسری ایک روایت میں آیا ہے الحلم والحیاء ایک اور روایت میں الحلم والتوۃ مفہوم معانی کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔
اثج نام کے سردار روضۃ الاحباب میں بری نکتہ خیز بات منقول ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے عبداللہ اثج کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں عبداللہ اثج ہوں یا رسول اللہ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ وہ خوبصورت نہ تھا آنحضرت اسے بار بار دیکھتے تھے۔ اور حیران ہوتے تھے۔ کہ اس طرح کے حقیر آدمی کو ان لوگوں نے کسی سبب سے اپنا سردار بنایا ہے۔ وہ بھانپ گئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں کی جلد پانی نہیں پیتی۔ مرد میں حقیقتاً زبان اور دل مطلوب ہوتے ہیں۔ کہ مفاہیم و مطالب کو خوب علم ہو اور فصیح اللسان ہو۔ آنحضرت نے یہ سنا اور اسے اپنے نزدیک بلا کر اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا۔ اپنی ذات کی طرف سے اپنی قوم کی جانب سے تم مجھ سے بیعت کرو۔ مراد یہ تھی کہ اپنی قوم کے ایمان لانے کی ذمہ داری تم پر ہی ہوگی۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کا حکم قبول ہے۔ اور ہم اسی طرح کرتے ہیں۔ اثج کہنے لگا کہ یہ بڑا مشکل ہے کہ لوگوں کو ان کے دین سے پھیرا جائے۔ لہٰذا میں اپنی ذات کے لئے بیعت ہوتا ہوں۔ کسی آدمی کو آپ ہمارے پاس بھیجیں۔ وہ انہیں دعوت اسلام دے گا جو قبول کرے گا۔ وہ ہمارا ساتھی بنے گا اور انحراف کا مرتکب ہوگا۔ اس کے خلاف ہم جنگ کریں گے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے درست کہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ تم دو خوبیوں کے حامل ہو جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ ایک حلم و بردباری اور دوسری وقار۔ اثج نے کہا یا رسول اللہ! یہ دونوں خصائص پیدائشی طور پر مجھ سے ہیں۔ پھر کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ میں اپنی محبوب خصلت ودیعت فرمائی۔ بقول اہل سیر دس دن تک یہ وفد مدینہ شریف میں قیام پذیر رہا۔ قرآن پاک اور احکام شرع کی تعلیم حاصل کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وفد کے ہر رکن کو تحفے عطا فرمائے اور سب سے بڑھ کر اثج کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے انہیں چلے جانے کی اجازت فرمادی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

واقعات ۹ ہجری

عمال زکوٰۃ کی تقرری:۔ جیسے کہ ارباب سیر نے کہا ہے نویں سال ہجری ماہ محرم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عمال مقرر کئے کہ جو قبائل اسلام لا چکے ہیں ان میں جائیں اور ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ انہیں یہ ہدایت بھی فرمائی کہ تم تقویٰ اختیار کرنا لوگوں سے اعلیٰ قسم کا مال نہ طلب کریں۔ آپ نے لوگوں کو بھی فرمایا کہ وہ پوری زکوٰۃ ادا کر کے عاملین زکوٰۃ کو راضی کریں۔ اس لئے کہ اس میں ان کی رضامندی ہے۔ وہ عدل و انصاف برتیں گے تو یہ ان کی ذات کے لئے ہے اور اگر ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوں گے تو یہ ظلم ان کے اپنے اوپر ہی ہوگا۔ بہرکیف ان کی رضامندی میں ہی تمہارا فائدہ ہے۔ بشیر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ بھی ان عاملین زکوٰۃ میں تھے۔ یہ خزاعہ میں سے بنی کعب پر متعین ہوئے۔ یہ صاحب بنی کعب میں گئے تو بنو کعب کے تمام لوگ چشمہ بنو تمیم پر اکٹھے ہو گئے حضرت بشیر نے ان کے تمام مویشی جمع کئے اور ان سے زکوٰۃ کے جانوروں کو جدا کیا۔ تو کم ظرفی اور پچھلی جہالت و قساوت اور شدت و جفا اور عدم حسن اسلام کے باعث بنو تمیم نے

انہیں برا سمجھا اور یہ بنو تمیم نے بنو کعب سے کہا کہ اتنا زیادہ مال آنحضرت کو کیوں دے رہے ہو۔ اور اپنا مال اپنے قبضہ سے کیوں چھوڑتے ہو۔ ازاں بعد وہ اپنے تیر و کمان اور تلواریں نکال لائے عامل زکوۃ کو مویشی لے جانے سے مانع ہوئے بنو کعب نے کہا کہ دیکھو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دین پر ایمان لائے ہیں اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اتباع اور اطاعت کا اقرار کر چکے ہیں اور یہ زکوۃ دین کے فرائض اور واجبات سے ہے۔ لیکن بنو تمیم نے کہا۔ خدا کی قسم۔ ہم تو آنحضرت کے عامل کو یہاں سے ایک اونٹ بھی نہیں لے جانے دیں گے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت بشر وہاں سے واپس آ گئے اور بڑی تیزی سے مدینہ شریف کو روانہ ہوئے۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میں آ کر بنو تمیم کا حال عرض کیا۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے کہا۔ تم میں کون ہے۔ جو بنی تمیم سے بدلہ لے۔ پس حضرت عینیہ بن حصین فزاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں بنو تمیم کا پیچھا کرتا ہوں اور جب تک ان تمام کو بارگاہ نبوی میں لا کر پیش نہ کر دوں واپس نہ آوں گا آنحضرت نے اس کے ساتھ پچاس سوار دیکر بنو تمیم پر بھیج دیا۔ ان میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی آدمی نہ تھا۔ جب عینہ اپنے ساتھیوں سمیت ان کی بستیوں میں آئے تو ان کے گھروں کو آدمیوں سے خالی پایا۔ ان میں سے جو لوگ آبادی میں ملے ان پر حملہ کر کے پندرہ عورتوں اور گیارہ آدمیوں کو اور ایک روایت کے مطابق گیارہ عورتوں اور تیس بچوں کو قید کر کے مدینہ شریف لے آئے ازاں بعد بنو تمیم کا ایک گروہ اپنے سیروں کو واپس لینے کے لئے مدینہ میں آیا۔ وہ اپنے ساتھ اقرع بن حابس کو بھی لائے۔ ان کا تزکرہ قبل ازیں تقسیم غنائم کے موقع پر ہو چکا ہے۔ یہ فصیح و بلیغ خطیب تھا اور شاعر بھی تھا یہ لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم حجرہ عائشہ صدیقہ ام المومنین میں قیلولہ فرما رہے تھے ان لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ کس حجرہ میں ہیں۔ لہٰذا وہ ہر حجرہ کے دروازہ پر شور مچاتے رہے اور کہتے ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم)! باہر آئیں۔ آپ نے ہمارے بچوں اور عورتوں کو کس بناء پر گرفتار کیا ہے۔ ہم نے کیا گناہ کیا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور مسجد میں حاضر دوسرے آدمیوں نے ان کو شور کرنے سے بہتیرا منع کیا اور ان کو تسلی دی کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرو۔ ادب کا لحاظ رکھو۔ لیکن ان پر کوئی بات اثر پذیر نہ ہوئی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے بے عقلو! تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ظہر کی نماز کے لئے باہر تشریف لے آئیں گے اسی دوران حجرہ شریف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم باہر تشریف لائے۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم کو کیا ہوا ہے۔ تم نے مجھے نیند سے بیدار کر دیا ہے۔ اس وقت آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملتے آ رہے تھے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ والہ و سلم نے باجماعت نماز ظہر ادا کی۔ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ان لوگوں نے بھی نماز پڑھی یا کہ ابھی اپنی بے وقوفی اور جہالت میں ہی مبتلا تھے۔ یا کہ وہ نماز پڑھنا ابھی نہ جانتے تھے۔ اور یا کہ وہ اپنے غصہ و اضطراب کے باعث نماز میں شامل نہ ہوئے واللہ اعلم۔

نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اپنے حجرہ شریف کی جانب چلے تو ان لوگوں نے آپ کو راستہ پر ہی گھیر لیا۔ اور آپ سے اپنی وہی بات دوبارہ کہنے لگے۔ آپ نے ان پر نظر ڈالی لیکن ان سے کچھ نہ کہا۔ اور آپ

حجرہ شریف میں چلے گئے۔ ظہر کی سنتیں ادا کیں اور پھر باہر تشریف فرما ہوئے۔ اور مسجد کے صحن میں آکر اقامت پذیر ہوئے۔ بنو تمیم کی جانب سے اقرع بن حابس نے بات شروع کی اور کہا ہمیں اجازت فرمائیں تاکہ ہم عرض کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کہو وہ کہنے لگا کہ ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہماری مدح ہماری زین ہے اور ہماری برائی ہماری شین ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس کی مدح اس کا زین ہے اور اس کاذم اس کی شین ہے۔ اور فرمایا کہ اس بات سے تمہارا کیا مقصد بنو تمیم کہنے لگے کہ ہم اپنے شاعر و خطیب کو اپنے ہمراہ اس لئے لے کر آئے ہیں کہ آپ کے ساتھ مفاخرت کرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں شعر گوئی کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ نیز مجھ کو مفاخرت کرنے کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔ پھر بھی تم لاؤ۔ کسی لیاقت کے حامل ہو۔ اس کے بعد ان میں عطارد بن حاجب جو کہ فصیح ترین اور خطیب تھا۔ اس کو اٹھ کر خطبہ دینے کے لئے کہا۔ پس عطارد نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد و ثنا اور بنی تمیم کی مفاخرت تھی۔ خطبہ دے لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس انصاری کو ارشاد فرمایا یہ اکابر صحابہ سے تھے اور اعلام انصار تھے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خطیب بھی تھے۔ کہ یہ اٹھیں اور خطبہ دیں۔ انہوں نے خطبہ دیا۔ جس میں نہایت فصاحت و بلاغت تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ذکر شہادتیں پر مشتمل تھا نیز اس میں نبی مختار صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود شریف' مہاجرین و انصار کی فضیلت' رب کردگار رسول کی اتباع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصرت و اعانت تھی۔ اور یہ خطبہ بنو تمیم کے لئے حیرت اور تعجب کا باعث بن گیا۔ ازاں بعد بنو تمیم کا زبرقان بن بدر نامی شاعر نے کھڑے ہو کر فضل و مفاخرت پر مبنی اشعار کہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے جواب میں قصیدہ غرائی البدیہہ طور پر کہا۔ ان کے بعد بنو تمیم کی طرف سے اقرع بن حابس نے کھڑے ہو کر دعویٰ و افتخار پر مشتمل اشعار پڑھے۔ پس رسول مختار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس سے بڑھ کر فصاحت و بلاغت سے قصیدہ غرا پڑا۔ پس اقرع بن حابس نے کہا۔ خدا کی قسم۔ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) عالم غیب سے تائید و نصرت یافتہ ہیں اور کوئی فضل و مکرمت ایسی نہیں جو آپ کو عطا نہ کی گئی ہو۔ آپ کے خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ فصیح ہیں اور آپ کے شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر بلیغ ہیں۔ اور آپ کی ہر چیز ہمارے ہر چیز سے کہیں بہتر ہے پس وہ انصاف و تسلیم پر آگئے اور اطاعت و انقیاد کو اپنایا۔ اور یہ سلامت ایمان لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے قیدی رہا کر دیئے اور مناسب انعامات بھی عطا فرمائے ان کے متعلق یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخروج الیھم لکان خیرا لھم۔ واللّٰہ غفور رحیم۔ اس آیت پاک میں رحمت و مغفرت کے ساتھ عفو و درگزر کی خبر دینے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن کلام کے سیاق و سوء ادبی کو دیکھیں تو اس میں تہدید و توبیخ اور انتقام بھی دکھائی دے رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ غفاریت اور رحمانیت کی صفت اگر نہ ہوتی تو ان لوگوں نے بے ادبی رسول اور ترک ادب و تعظیم کی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ عذاب اور عظیم عقاب کے مستحق ہو گئے تھے۔ یہ اثر اور نتیجہ صرف ان خصائص کا تھا کہ صرف نصیحت و درگزر سے

کام لیا گیا۔ اس آیت سے پہلے بھی آواز بلند کرنے اور بلند آواز سے بات کرنے اور نبی مختار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام اور کیفیت سے آپ کو خطاب کرنے سے ممانعت پر مشتمل آیت نازل ہو چکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ **لا ترفعوا اصوتکم فوق صوت النبی ولا تجہروله بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** اور بنو تمیم کے یہ لوگ بھی اس آیت کے حکم میں داخل اور مصدق ہیں۔

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں صحیح بخاری میں روایت کیا گیا ہے کہ کسی دیگر وقت پر بنو تمیم کے بعض لوگ رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے پر کسی کو امیر مقرر کیے جانے کے لئے عرض کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گزارش کی۔ یا رسول اللہ! بنو تمیم کا امیر قعقاع بن معد بن زرارہ کو مقرر فرمائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ امیر بنائے جائیں یہ تو عیاں ہے کہ عمر فاروق کی یہی مداخلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اچھی نہ لگی اور فرمایا کہ کیا تمہارا مقصود ہے کہ میری مخالفت کرو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں تمہاری مخالفت مقصود نہیں بلکہ ان لوگوں کو بہتری مقصود ہے۔ مراد یہ ہے کہ مجھے جو بات اچھی لگی اور مصلحت وقت کے مطابق دکھائی دی میں نے وہ عرض کی ہے۔ پس دونوں حضرات میں گفتگو ذرا تیز ہو گئی۔ اور اس جدال و نزاع میں اظہار حق ہو رہا تھا۔ اور غلبہ یا ترفع مقصود نہ تھا۔ اور اس طرح کے جذبہ اتباع کی یہ خوبی تمام صحابہ میں موجود تھی۔ پس دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں۔ پس اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **یاایها الذین امنوا لاترفعو اصوتکم** لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ قسم اٹھائی اور کہا کہ رسول خدا کے سامنے میں سوائے رازدارانہ طور پر آہستہ بولنے کے میں ہرگز کلام نہ کروں گا۔ جیسے کہ کسی کو سمجھانے کے لئے کوئی آہستہ سے بات کرتا ہے۔ اور بیضاوی سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہر دو حضرات نے یہ قسم کھائی تھی۔ اس پر یہ نزول ہوا۔ **ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللّٰہ اولئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبہم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم۔**

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے تو اپنے منہ میں کنکریاں رکھ لیتے تھے کہ بات کرتے وقت دشواری محسوس ہو۔ علاوہ ازیں یہ بھی مروی ہے۔ کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس شماس اپنے گھر میں ہی بیٹھ گئے کیونکہ وہ فطری طور پر بلند آواز تھے۔ انہوں نے مجلس مبارک میں حاضری ترک کر دی۔ کہ کہیں حضور رسالت میں آواز بلند نہ ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان کی جستجو ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ ثابت بن قیس مجلس میں نہیں حاضر ہوتے اور نہ ہی وہ دکھائی دیتے ہیں۔ پس حضرت ثابت بن قیس حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ پر اس آیت کا نزول ہوا ہے۔ اور میری آواز بلند ہے مجھے اپنے اعمال ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا مقام ایسا نہیں ہے۔ تمہاری حیات خیر کے ساتھ ہے اور وصال بھی خیر کے ساتھ ہو گا۔ اور تم جنت میں جاؤ گے۔

تنبیہہ:۔ بنی تمیم کے لوگوں کو شدت، قساوت اور جاہلوں جیسی مفاخرت جبلی اور طبعی چیز تھی۔ صحیح بخاری میں عمران

بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ ایک جماعت بنو تمیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنی تمیم! خوشخبری قبول کرو۔ مراد تھی کہ جنت میں داخلے کی خوشخبری قبول کرو۔ اس کے بعد آپ کے ان کو اصول و عقائد تعلیم فرمائے اور ان کے مبداء اور مال بھی بتائے اور فرمایا کہ یہ بشارت قبول کرلو۔ وہ کہنے لگے آپ نے بشارت دے دی ہے کچھ ہمیں دیں بھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے پاس دنیوی مال و متاع کی غرض لے کر آئے ہیں۔ کچھ وہ بھی تو ہمیں عطا فرمائیں۔ بشارت تو اپنی جگہ ہے ہمیں تو اب کوئی مال وغیرہ درکار ہے آنحضرت نے ان کی یہ بات ناپسند فرمائی جس کے آثار آپ کے رخ انور سے ظاہر ہو رہے تھے۔ دریں اثنا یمن کی طرف سے اشعری لوگوں کی ایک جماعت آگئی۔ یہ لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم سے تھے۔ آنحضرت نے ان سے کہا کہ اے اشعریو! تم یہ بشارت قبول کرلو۔ جس کو بنی تمیم قبول نہیں کرتے ہیں۔ اشعریوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہمیں قبول ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اور فرمایا ہے کہ مجھے تین خصلتوں کی بنا پر بنی تمیم پسند ہیں۔ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایک یہ ہے کہ میری امت سے بنی تمیم دجال پر سب سے زیادہ سخت ہیں۔ ان کی یہ ظاہری شدت وہاں کارآمد ہوگی جبکہ وہ اس کو دجال پر برتیں گے دوسری یہ کہ جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک باندی تھی جو بنی تمیم سے تھی۔ وہ اسی قضیہ میں یعنی سریہ عینیہ بن حصین میں لائی گئی تھی۔ اور یہ عیاں ہے کہ وہ باندی تھوڑے دن ہی آپ کی خدمت اقدس میں رہی ہوگی۔ اور یا وہ کسی دیگر وقت پر آئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردیا جائے۔ اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ عرب ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ بنو تمیم کے جب صدقات و زکوۃ لائے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ صدقات ایک قوم کے ہیں یا آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ صدقات میری قوم سے ہیں۔ یعنی کہ بنو تمیم کی نسبت آپ نے اپنی جانب فرمائی۔ اس طریقہ سے ان لوگوں کی تالیف قلوب اور تسلی فرمائی گئی۔ اس لئے یہ قوم ہی تھی جو بنی کعب کو زکوۃ ادا کرنے سے روک چکی تھی جیسے کہ سابقاً "تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور اب یہ ہے کہ خود ہی اپنی زکوۃ ادا کر رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں ایمان گھر کر گیا تھا۔ اور انہوں نے تہذیب و اخلاق سے بھی کچھ پایا ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ بھی ہے کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ عینیہ بن حصین سخت عادت رکھتے تھے۔ اور یہی وہ شخص ہیں جن کے متعلق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث وارد ہوئی ہے کہ اس نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اسے اجازت آنے کی دے دو۔ کیونکہ یہ برا آدمی ہے۔ اس کے اندر آنے پر آنحضرت نے خوشروئی ظاہر فرمائی۔ اور خندہ پیشانی سے اس کے ساتھ باتیں کیں وہ جب وہاں سے رخصت ہوگیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ تو اس کو ایسا فرماتے تھے۔ لیکن اس کے آنے پر خوشی و مسرت سے باتیں کیں۔ تو

آنحضرت نے فرمایا کہ بدترین شخص وہ ہوتا ہے جس کو لوگ فحش کلامی کی وجہ سے ترک کردیتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔

ارباب سیر کا قول ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل یا حسن اسلام سے قبل اس میں یہ خصلت تھی۔ ایک دفعہ یہ عینیہ بن حصین اپنے بھتیجے حربن قیس بن حصین کے ذریعے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حربن قیس فاروق اعظم کا مقرب تھا اور ان کا خادم تھا۔ آکر کہنے لگا۔ اے عمر! آپ ہم کو کوئی مال و متاع عطا نہیں فرماتے اور ہمارے ساتھ انصاف نہیں فرماتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور آپ نے اس کو کچھ سزا دینا چاہی۔ تو حربن قیس نے پڑھا۔ **خذا العفو وامر بالمعروف اعرض عن الجاھلین** اور کہا کہ یہ جاہلوں میں سے ایک آدمی ہے۔ لہٰذا درگزر فرمائیں۔ ظاہری حال میں تو یہ لوگ اس طرح کے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان کی عاقبت کس طرح کی واقع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اگر ان کا ایمان ثابت ہے تو صحابیت میں یہ داخل ہوں گے صحابی کا حکم کیا ہے یہ عیاں ہے واللہ اعلم۔

حضرت ولید بن عقبہ قرشی رضی اللہ عنہ کو بھی اسی سال بنی المصطلق کی طرف بھیجا گیا کہ صدقات کی وصولی کریں۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دوسری ماں سے بھائی لگتے تھے۔ اور آنحضرت کی ایک پھوپھی زاد بہن ان کی والدہ تھیں۔ نیز یہ فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے ایک تھے۔ دور جہالت میں بنی المصطلق کے ساتھ ولید کی دشمنی و عداوت ہوتی تھی۔ اس قوم کے سننے میں آیا کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی طرف سے ان کے پاس آرہے تھے۔ تو بنی المصطلق نے اپنی پرانی عداوت کو نظرانداز کردیا۔ اور چونکہ آنحضرت نے ان کو بھیجا تھا لہٰذا وہ تعظیم و احترام اور ان کی مہمان نوازی کرتے ہوئے بیس آدمیوں کے ساتھ ان کا استقبال کرنے کے لئے آئے۔ دور سے ولید کو دکھائی دیئے تو اس کو شیطان نے قدیم عداوت کی یاد دلائی کہ ولید کو قتل کرنے کے لئے یہ جماعت آرہی ہے۔ لہٰذا وہ راستہ سے ہی واپس مڑ گئے اور آنحضرت کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ بنوالمصطلق ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لشکر کی صورت میں برائے جنگ و قتال نکل پڑے تھے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ ولید نے کہا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں اور ایک لشکر اکٹھا کر رہے ہیں کہ حملہ کردیں دریں اثناء وہ بھی مدینہ شریف آپہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں حقیقت حال پیش کی ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ ایک جماعت دی اور بھیجا کہ بڑی احتیاط سے جاکر حال معلوم کریں۔ پس حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اذان دیتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور دیگر شعائر اسلام بھی بجالاتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے واپس آکر مشاہدہ میں آئے ہوئے حالات عرض کئے۔ حتیٰ کہ یہ ثابت ہوگیا کہ ولید نے جھوٹ بولا اور بہتان باندھا ہے۔ اس موقع پر اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **یاایھا الذین امنوا ان جائکم فاسق بلنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین** اے ایماندار لوگو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرو قبل اس کے تم نادانی میں کسی قوم پر چڑھائی کرو اور صبح ہونے پر تمہیں نادم ہونا پڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا الثانی

من اللّٰه والعجلة من الشیطان اطمینان اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور عجلت شیطان کی جانب سے ہوتی ہے۔ دیگر ایک روایت میں یوں آیا ہے الثانی من الرحمٰن والعجلة من الشیطان جھوٹ۔ بہتان اور شرارت اور فساد برپا کرنے کا اس کا قصد ہی اس کا فسق ہوتا ہے۔ یوں کہیے کہ اس آیت پاک میں غیب کی ایک خبر کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان بن عفان امیرالمومنین نے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا حکم متعین فرمایا۔ اس نے شراب نوشی کی تھی۔ جس پر اسے حد لگائی گئی تھی۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس پر حد جاری فرمائی تھی یہ آیت پاک نازل ہو گئی تو سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس قوم پر بڑی نوازش فرمائی اور ان کے واسطے حضرت عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ مقرر فرمائے گئے۔ ان سے وہ صدقات بھی وصول کریں اور قرآن کی تعلیم دیں گے اور احکام شرع ان کی سکھائیں گے۔

قطبہ بن عامر بن حدیدہ:۔ قبیلہ خستعم میں اس سال بیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ ان پر تاخت و تاراج کریں۔ یہ لوگ وہاں پہنچے تو بڑا قتل واقع ہوا۔ فریقین مجروح ہوئے اور ان کے اونٹ بکریاں اور عورتیں مدینہ شریف میں لائے گئے اخذ خمس کے بعد تقسیم عمل میں آئی۔ ہر آدمی کو چار اونٹ حاصل ہوئے اور ہر اونٹ کے مقابلے میں دس بکریاں تقسیم کی گئیں۔

حضرت ضحاک بن صفیان بن عوف کلابی:۔ ضحاک بن صفیان بن عوف کلابی عامری رضی اللہ عنہ بڑے بہادر آدمی تھے۔ یہ وہ سوار تھے جو تلوار لے کے آنحضرت کے سرہانے کھڑے رہتے تھے۔ یہ سو سوار کے برابر شمار کئے جاتے تھے۔ ان کو ماہ ربیع الاول میں یعنی کلاب کی طرف بھیجا گیا جو کہ پہلے اسلام لائے تھے۔ یہ وہاں پہنچے اور ان کو پھر اسلام کی دعوت پیش کی لیکن انہوں نے انکار کیا پس ان کے ساتھ انہوں نے جنگ کر کے ان کو شکست ہزیمت سے دوچار کیا اور مال غنیمت ساتھ لے کر یہ واپس آ گئے۔

علقمہ بن مجز زمدلجی رضی اللہ عنہ:۔ یہ علقمہ بن مجز زمدلجی بن میبرہ رضی اللہ عنہ کی نسبت قبیلہ مدلج سے تھی۔ ان کو ربیع الاخر میں تین سو آدمیوں کا امیر بنا کر اہل حبشہ سے جو لوگ جدہ آئے ہوئے تھے ان پر بھیجا۔ یہ لوگ وہاں فساد برپا کر رہے تھے۔ جس جزیرہ میں ان کو قیام تھا حضرت علقمہ جب اس میں گئے تو انہیں دیکھتے ہی انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد حضرت علقمہ مدینہ شریف کو لوٹے۔ کچھ آدمیوں نے جلدبازی کی اور اپنے اہل و عیال کی طرف جلدی سے چلے گئے۔ ان میں عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ان جلدبازوں پر حضرت علقمہ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو سرگروہ مقرر فرمایا۔ یہ حضرت فطری طور پر ہزل و مزاح کی عادت رکھتے تھے۔ ایک شب کو قیام کیا تو سردی سے بچاؤ کرنے کے لئے انہوں نے آگ جلائی۔ تو مذاق کے طریق پر حضرت عبداللہ نے ساتھیوں کو حکم فرمایا کہ تم آگ میں کود جاؤ۔ پس وہ حکم کی اطاعت کرتے ہوئے آگ میں چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو گئے۔ تو حضرت عبداللہ کہنے لگے کہ بیٹھ جاؤ میں نے تو

صرف مزاحیہ انداز میں حکم دیا تھا۔ ازاں بعد یہ لوگ مدینہ شریف آ گئے آنحضرت کی بارگاہ میں حال بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معصیت و نافرمانی کا حکم اگر کیا جائے تو وہ حکم نہ مانا کرو۔ روضۃ الاحباب اور مواہب الدینہ میں اس بارے میں اسی قدر مذکور ہے۔

مواہب الدینہ میں ہے کہ یہ حکم اور ابن ماجہ سے روایت کردہ ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح ہے اور بخاری میں یہ قضیہ اس طرح سے بیان کر کے کہا ہے سریۃ عبداللہ بن حذافہ نداالسمی و علقمہ بن مجز زالدلجی ویقال لہا انہاسیرۃ الانصار' ازاں بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قدر مزید کہا ہے کہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لشکر کو روانہ فرمادیا اور ان پر انصار کا ایک آدمی امیر متعین فرمایا اور لشکر کو حکم فرمایا کہ جو کچھ امیر حکم کرے گا اس کی اطاعت کرنا۔ پس مقرر شدہ امیر کسی بات پر غصہ میں آ گیا۔ اور کہا کہ لکڑیاں اکٹھی کرو۔ جب لکڑیاں اکٹھی کی گئیں تو حکم دیا کہ ان کو جلاؤ۔ پس انہوں نے لکڑیاں جلائیں۔ پس حکم دیا کہ اس میں چھلانگ لگاؤ۔ بعض لوگوں نے آگ میں داخل ہونے جانے کا ارادہ کر لیا پس کچھ لوگوں نے بعض کو ایسا کرنے سے ممانعت کی۔ اور کہا کہ آگ ہی سے دوڑ کر ہم نے دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں پناہ لی ہے۔ اب آگ میں خود ہی کودیں۔ مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ سے ڈر کر ہم ایمان لا چکے ہیں۔ لہٰذا اب آگ میں ڈالا جانا چہ معنی دارد۔ اسی بحث و گفتگو کے دوران وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور امیر کا غصہ بھی جاتا رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ آگ میں کود پڑے تو قیامت تک اس سے باہر نہ آتے کیونکہ طاعت میں امیر کا حکم مانا جاتا ہے۔ انتہی۔ اہل سیر کے مضمون و کلام اور بخاری کے مضمون کے مفہوم آپس میں مختلف ہیں کیونکہ اہل سیر کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقرر کردہ امیر تھے۔ اور علقمہ نے ان جلد باز لوگوں پر حضرت عبداللہ کو امیر کیا تھا جبکہ بخاری کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقرر کردہ تھے۔ اور بھیجے ہوئے تھے۔ یہ تخالف و اشکال آسان سا ہے۔ کیونکہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علقمہ آنحضرت کے مقرر کردہ امیر تھے اور انہوں نے آگ عبداللہ کو امیر مقرر کیا۔ پس دونوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقرر کردہ مبعوث شمار ہوئے۔ علاوہ ازیں یہ بھی اشکال ہے کہ اس کو بخاری نے سریہ انصار اور کچھ نسخوں میں سریہ انصاری کس بنا پر کہا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ کا تعلق انصار سے نہ تھا۔

بخاری کے قول **ویقال انہا سریۃ الانصاری** کے متعلق شیخ ابن حجر عسقلانی سے مولف مواہب الدینہ نقل کر کے کہتے ہیں کہ اس میں کئی مختلف قصوں کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے اور ظاہر بھی اسی طرح ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کلام کے سیاق اور امیر کے اسم میں اختلاف ہے۔ اگر دونوں میں تاویل کریں تو احتمال مزید بعید ہوتا ہے۔ اگر عبداللہ بن حزافہ سہمی قرشی کو مہاجر ہوتا انصاری کہا جائے تو اس سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ شاید انصاری - بمعنی رسول اللہ صلی اللہ کے مددگار ہو۔ اس تاویل میں بڑا بعد ہے ابن قیم کا میلان کئی قصوں کی طرف ہے اور ابن جوزی کا قول ہے "**ومن الانصار**" چند راویوں کا

وہم ہے۔ فتح الباری کہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آیت پاک یاایھا الذین امنوا اطیعو اللہ والطیعوا الرسول واولی الامر منکم کا نزول حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قید قیس بن عدی کے متعلق ہوا تھا جس کو آنحضرت نے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ:۔ اس سال میں ربیع الاخر کے مہینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ طے کے فلس کی طرف بھیجا تھا۔ وہاں پر ایک بڑا بت خانہ موجود تھا۔ انصار کے ڈیڑھ سو اونٹ سوار بھی حضرت علی کے ہمراہ تھے۔ اور ابو سعد کے نزدیک ہمراہی دو سو آدمی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے وہ بت توڑ کر وہ بستی بھی برباد کر دی اور وہ بت خانہ جڑ سے اکھاڑ پھینکا بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت میں پائے اور ان سے خمس نکل لیا گیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تقسیم کر دیئے۔ آل حاتم بھی تقسیم فرما دیئے گئے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ شریف واپس آگئے قبیلہ بنی طے کس سردر عدی بن حاتم تھا۔ وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور اس کی بہن قیدیوں میں آئی۔ اس کا نام سفانہ بنت حاتم تھا۔ یہ بڑی خوبصورت تھی اور فصیح الکلام تھی۔ اس نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرا والد مر چکا ہوا ہے۔ اور میرا بھائی بھی غائب ہے۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں اللہ تعالٰی آپ پر فضل و کرم فرمائے گا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارا وافد (فدیہ ادا کرنے والا) کون ہے۔ اس نے عرض کیا وہ میرا بھائی ہے عدی بن حاتم۔ آنحضرت نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول سے فرار کر چکا ہے' یہ فرمایا اور آنحضرت تشریف لے گئے۔ دوسرے دن بھی آنحضرت کا گزر ہوا۔ اور سفانہ نے کہا ہے کہ میں نے اسی طرح پھر عرض کیا۔ اور آنحضرت نے بھی وہی جواب دیا تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ادھر توجہ فرمائی اور سواری عطا فرمائی اور انعام کے طور پر سفر خرچ بھی عطا فرمایا اور رخصت فرمایا۔ بعد ازاں میں ل شام میں گئی۔ وہاں اپنے بھائی سے ملاقات کی۔ اور اس کو رسول اکرم کی کہی ہوئی بات بتائی۔ جو آپ نے فرمایا تھا کہ وہ تو خدا اور اس کے رسول سے بھاگ گیا ہوا ہے۔ وہ بڑا متاثرہ ہوا اور کہنے لگا کہ خدا و رسول سے تو میں کہیں نہیں بھاگ سکتا۔ ازاں بعد عدی نے مدینہ شریف میں آکر اسلام قبول کر لیا انشاء اللہ تعالٰی یہ مفصل ذکر دسویں سال کے تذکرہ میں ہو گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ:۔ کعب بن زہیر بن کعب کا واقعہ اس سال طائف سے مراجعت اور غزوہ تبوک پر روانگی کے درمیان وقوع پذیر ہوا جیسے کہ ہم غزوہ فتح مکہ کے بیان میں آٹھویں سال ہجری میں ذکر کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہجو کہنے کے جرم میں آپ نے جن آدمیوں کے خون مباح قرار دے دیئے تھے ان میں ابن الزبعری اور ہبیرہ بن وہب اور کعب بن زہیر بھی شامل تھے۔ دوسروں کی مانند کعب بھی فرار ہو گیا تھا۔ بعد میں یہ واپس آگیا اور چاہتا تھا کہ اپنے بھائی کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہو کر معافی مانگے اور اپنے گناہوں کی بخشش کا طالب ہو اس کا بھائی بجیر بن زہیر تھا وہ بھی شاعر تھا۔ لیکن ہجو گوئی کے الزام میں ملزم نہ تھا۔ بھائی نے کعب سے کہا کہ تم ٹھہر

جاؤ پہلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنتا ہوں۔ اور آنجناب کا چہرہ اقدس کی زیارت کر کے یہ اندازہ لگاؤں گا کہ آپ رضامند ہیں یا کہ ناراض ہیں۔ پس بجیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال باکمال کا شرف حاصل کیا آپ کا کلام بھی سنا اور پھر آپ پر ایمان لے آیا۔

جیسے کہ اہل سیر نے کہا ہے۔ آپ کا باپ زہیر اکثر اوقات اہل کتاب کے ساتھ مجلس کرتا تھا اور اس نے یہ سنا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الزماں بنی کی بعثت کا وقت قریب ہے۔ اس نے خواب بھی دیکھا تھا کہ آسمان سے نیچے کی طرف ایک طویل رسی لٹک رہی ہے اور اس کو پکڑنے کے لئے زہیر اپنے ہاتھ بڑھاتا اور پھیلاتا ہے۔ لیکن اس تک ہاتھوں کی رسائی نہیں ہوتی بعد ازاں اپنے فرزند کو اس نے خبر دی تھی اور اسے وصیت بھی کی تھی کہ اگر تمہیں آخر الزماں پیغمبر کا زمانہ میسر آئے تو تم اس پر ایمان لے آنا۔ پس طائف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب مراجعت فرمائی تو زہیر نے ایک مکتوب اپنے بھائی کعب کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری رائے کیسی ہے کہ تمہارا دل یہ چاہتا ہے کہ تم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کر لو۔ اور معذرت طلب ہو۔ کیونکہ آپ کی بارگاہ میں معافی مانگی جائے تو آپ قبول فرماتے ہیں اور جو توبہ کرے اور معافی مانگ لے اس سے آپ کوئی تعرض نہیں فرماتے اور اگر تم اس طرح عمل نہیں کرتے ہو تو پھر جاؤ اور اپنے سر کی خیر مناؤ۔ پھر اظہار حال کرتے ہوء کعب نے بجیر کی طرف اشعار لکھے۔ بجیر نے وہ اشعار اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ جھوٹ کہتا ہے۔ جس کسی کو وہ ملے اسے مار دے۔ گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مقصود (واللہ اعلم) تشدید و تخویف سے اسے توبہ کی جانب مائل کرنا تھا۔

پس بجیر نے بھی اس کو اشعار لکھے اور حقیقت حال بیان کی۔ جب بجیر کا مکتوب کعب کو ملا تو اس پر زمین اپنی تمام تر وسعت کو باوجود تنگ ہو گئی اور اس کے لئے سانس لینا بھی مشکل ہو گیا اور دشمن خوش ہو گئے ان کو اب یقین ہو گیا کہ کعب مارا جانے والا ہے پس بے چارگی کے عالم میں اس نے ایک قصیدہ مرتب کیا۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کی اور اس میں خوف "امید کا تذکرہ کیا اور دشمنوں اور حاقدین کی طعن و تشنیع بھی بیان کی۔ پس وہ مدینہ شریف کی طرف نکل پڑا اور جہنیہ قبیلہ کے ایک آدمی کے پاس آکر ٹھہر گیا جو کہ اس کا دوست تھا۔ پس وہ آدمی اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور اسے آنحضرت کی زیارت کرائی اور کہا کہ یہ رسول خدا ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ اٹھو اور ان کے پاس جاؤ اور امان مانگو۔ پس کعب اٹھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وسلم کے قریب آیا اور اپنا ہاتھ آنحضرت کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پہچانتے نہ تھے۔ پس کعب بن زہیر نے عرض کیا۔ کہ کعب بن زہیر توبہ کرنے کے بعد مسلمان ہو کر آپ کی بارگاہ میں آیا ہے اور امان طلب کرتا ہے کیا آپ حضور یہ توبہ اسلام قبول فرماتے ہیں اور کیا میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ آنجناب نے فرمایا ہاں۔ پس اس نے کہا

یا رسول اللہ! وہ تو میں ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو کعب بن زہیر ہے۔ اس دوران انصار سے ایک شخص اچھلا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیں کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ پس رسول خدا نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ تائب ہو کر آگیا ہے۔ پس اس انصاری آدمی پر کعب خشمگین ہوا۔ کہ اس نے اس طرح کیوں کہا جبکہ مہاجرین سے کسی نے بھی کوئی بات نہ کی سوائے بجیر کے۔ اس کے بعد کعب نے اپنا قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

بانت مسعاد فقلبی الیوم متبول ۔۔۔ یتیم اثرھا لم یعد مکبول

اور اس نے کہا کہ:۔

بنت ان رسول اللّٰہ اوعد نی ۔۔۔ والعفو عند رسول اللّٰہ ماءمول

لا تاخزنی باقوال الوشاۃ ۔۔۔ ولم اننب ولو کثرت فی الاتاویل

ان الرسول نور یستضاء بہ ۔۔۔ مھند من سیلوف اللّٰہ مسلول

پس آنحضرت نے اپنے صحابہ کو فرمایا کہ کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے شعر کو پسند فرماتے تھے کیونکہ آپ بغیر شک وشبہ کے حق ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف اپنی چادر مبارک پھینکی جو آپ کے بدن مبارک پر تھی۔

علماء نے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس چادر کے عوض دس ہزار درہم پیش کرتے تھے لیکن کعب نے قبول نہ کئے اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس مبارک کسی کو بھی ایثار نہیں کرتا۔ کعب وصال پا گئے تو حضرت معاویہ نے ان کے وارثوں کو بیس درہم ارسال کئے اور ان سے وہ چادر مبارک حاصل کر لی سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ وہ چادر اب تک بادشاہوں کے پاس چلی آرہی ہے۔

بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد اس نے مہاجرین کی مدح سرائی کی اور انصار کے حق میں کوئی چیز نہ کہی اس لئے کہ ان پر اس کو غصہ تھا اور اسلام لے آنے کے بعد انصار کی تعریف میں بھی اس نے قصیدہ کہا۔ اور یہ کعب فحول شعراء میں سے تھے۔ ان کا برادر بجیر اور ان کا فرزند عوام بن عقبہ بھی شاعر تھے ان لوگوں نے اپنے کہے ہوئے شعروں سے فائدہ حاصل کیا۔ کیونکہ ان کی شفاعت سے وہ مقبول درگاہ بن گئے تھے۔

ایلاء کا واقعہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال میں ایک مہینہ کے لئے ازواج مطہرات سے ایلاء فرمایا۔ آپ ازواج کے نزدیک تشریف فرما نہ ہوئے لغوی طور پر ایلاء کے معنی ہیں قسم کھالینا اور اہل فقہ کے نزدیک یہ ہے کہ مرد اگر قسم کھائے کہ اپنی بیوی کے نزدیک چار مہینے تک نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء ہے۔ اس کے حکم میں یوں ہے کہ آدمی چار ماہ کا عرصہ نہ اپنی بیوی سے تعرض کرے اور نہ ہی اس سے قربت کرے۔ جیسے کہ یہ آیت پاک ہے۔ **للذین یولون من نساءھم تربص اربعۃ اشھر** اور اگر چار ماہ کے اندر تعرض و قربت کرے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔ یا جو بھی اس پر بدلہ مرتب کیا ہے۔ جیسے کہ کسی نے کہا ہو۔ اگر تم سے چار ماہ میں قربت کروں تو میرا غلام آزاد ہو گا اور اگر چار ماہ گزر گئے اور

قربت نہ کی۔ تو طلاق واقع ہو جاتی ہے عند امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے مصاحبین کے نزدیک اور سفیان ثوری کے نزدیک بھی یہی حکم اور بعض دیگر علمائے دین کا مسلک بھی یہی ہے۔ دوسرے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ مرد کو قید کر لیا جائے گا اور اس سے جبرا" رجوع کرایا جائے گا یا وہ قسم کا کفارہ ادا کرے اور یا پھر وہ طلاق دیدے۔ اگر وہ خود طلاق نہ دے تو زبردستی اس سے ایک طلاق دلوائی جائے۔ اور اس سے عورت کو جدا کرا دیا جائے۔

لیکن جو ایلاء آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے واقع ہوئی۔ وہ اس قسم کی ہے کہ ایک ماہ تک ان سے مجامعت نہ کی جائے اور اس کا سبب یہ تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ازواج کی طرف سے تکلیف پہنچیں اور آپ رنجیدہ ہوئے۔ پس آپ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھائی کہ ان کے پاس نہ جائیں گے اور ان کو سزا دیں تاکہ وہ اپنے کئے پر پریشان ہوں۔

اس قصہ میں ارباب سیر کے متعدد اقوال وارد ہوئے ہیں جن کی تفاصیل روضتہ الاحباب وغیرہ میں مذکور ہیں۔ مجمل طور پر ایک یہ ہے کہ ازواج مطہرات نے نفقہ و لباس مانگے تھے۔ اور کچھ وہ اشیاء بھی طلب کیں جو موجود نہ تھیں۔ پس آپ رنجیدہ ہوئے اور یہ قسم کھالی۔ دوسرا قول اس طرح ہے کہ بعض ازواج کے پاس آپ نے شہد پیا تھا۔ اس پر دوسری ازواج نے رشک کیا اور کہنا شروع کر دیا۔ یا رسول اللہ! ہمیں آپ کے منہ مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ ایک قسم کی گوند ہے جس سے بو آتی ہے مغافیر کہلاتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ وسلم نے اپنے لئے شہد کو حرام قرار دے دیا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں نہ تھیں۔ آنحضرت نے ان کے گھر میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور ان سے خدمت لی۔ حفصہ کو رشک آیا اور رونے لگیں۔ پس آنحضرت نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اور حفصہ کو منع کیا کہ کسی کو نہ بتائے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ خطاب آیا۔ **یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک تبتغی مرضات ازواجک** اے نبی تم اپنی ازواج کے لئے اسے کیوں حرام قرار دیتے ہو جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ اس سے بھی آنحضرت کا قلب پاک رنجیدہ ہوا۔ اور اپنی قسم کو یاد کیا۔ یہ تمام اقوال کے جمع و تطبیق میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ امکان ہے کہ یہ سب باتیں ایلاء کا موجب ہوئی ہوں۔ تو یوں فرض کرنا چاہیے کہ آنحضرت کو اس قسم کی تکلیف آتی ہوں گی اور آپ جناب درگزر ہی فرماتے رہے ہوں گے حتیٰ کہ آخر کار آپ نے ایلاء کیا۔

لیکن احادیث کے الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں کہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کو جب بھی رنج پہنچتا تھا تو آپ ایلاء فرما لیتے تھے گویا متعدد بار ایلا واقع ہوا لیکن لازم نہیں کیونکہ ایلاء کے معنی قسم ہے۔ اگر کوئی ایک بات پر متعدد بار کھائے تو قسم توڑنے کا کفارہ ایک ہی دفعہ لازم ہو گا۔ بہر کیف باختلاف اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تنہائی اختیار فرمائی۔ آپ ایک حجرہ میں قیام فرما ہو گئے اور رباح نامی ایک حبشی غلام کو دروازہ پر متعین فرما دیا۔ تاکہ وہ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ

دے۔ پس مدینہ شریف میں عام شور ہونے لگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ یہ خبر سن کر صحابہ مسجد میں جمع ہوتے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے خبر ملی تو مسجد میں آیا اور دیکھا کہ صحابہ کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پاک پر بیٹھی ہے اور رو رہی ہے۔ میں نے رباح کو کہا کہ اندر جا کر آنحضرت سے میرے لئے اجازت طلب کرو وہ اندر گئے اور تھوڑی دیر بعد باہر نکلے اور جواب دیا کہ میں نے آپ کی خاطر اجازت مانگی ہے لیکن مجھے کوئی جواب نہیں دیا گیا اور اسی طرح چند مرتبہ واقع ہوا۔ آخر کار کوئی چارہ کار نہ ہوتے ہوئے میں نے ذرا بلند آواز سے رباح کو کہا کہ اے رباح جاؤ اور میرے واسطے آنحضرت سے اذن مانگو۔ شاید آنحضرت کا خیال ہو کہ میں اپنی بیٹی کی سفارش کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ خدا کی قسم آنحضرت مجھے حکم فرمادیں تو اس کی گردن قلم کردوں اور آنحضرت کے حکم سے ذرا بھر انحراف نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر میں واپس چلا۔ ناگاہ رباح کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے بلا رہا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اے عمر! آجاؤ آپ کو اجازت مل چکی ہے۔ ازاں بعد میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جناب والا نے اپنی ازواج کو اطلاق دے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پکارا اللہ اکبر۔ پھر میں مسجد میں آگیا اور صحابہ کو بھی بتایا۔ تو ان کو پتہ چلا کہ جو وہ خیال کرتے تھے وہ غلط ہے۔ بارگاہ نبوی میں موجودگی کے دوران عورتوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کی گفتگو کرتے رہے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی حاصل ہوئی اور آپ تبسم فرمانے لگے۔

صحیح مسلم شریف میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک روز جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دروازہ شریف پر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونے کے لئے اجازت کے طلبگار ہوئے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پاک پر متعدد صحابہ کھڑے ہیں لیکن کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت حاصل نہ ہو سکی۔ الحمد للہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ ازاں بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی الحہ عنہ بھی آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی۔ ان کو بھی اجازت عطا ہو گئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہایت غم و اضطراب کی کیفیت میں وہاں دیکھا۔ پس انہوں نے اس کا سبب پوچھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے گرد جو یہ بیٹھی ہیں یہ مجھ سے نفقہ مانگتی ہیں اور وہ چیز طلب کر رہی ہیں جو کہ موجود نہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کاش کہ (اگر میری بیوی خارجہ کی بیٹی مجھ سے نفقہ طلب کرتی تو میں اٹھتا اور اس کی گردن پر ضرب مارتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے عائشہ سیدہ کی گردن پر مکا مارا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن پر ضرب رسید کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرمانے لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول! مکہ میں ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے۔ لیکن جب ہم مدینہ میں

آئے تو یہاں پر عورتیں اپنے شوہروں پر غلبہ رکھتی تھیں۔ پس ہماری عورتوں نے مدینہ شریف کی عورتوں کی علوت اپنالی ہے اور یہ طریقہ انہوں نے ان سے سیکھا ہے اور عرض کیا کہ ایک روز میں نے اپنی زوجہ کے ساتھ آواز بلند کی۔ اور اسے کوئی بات کہی۔ اس نے وہی بات واپس مجھے کہہ دی۔ مجھے اس کی یہ حرکت بری لگی۔ تو اس نے کہا کہ تو مجھے برا کیوں سمجھتا ہے۔ جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عورتوں اور ایک روایت کے مطابق تمہاری بیٹی حفصہ بھی آنحضرت کی بات کو اسی لہجہ میں واپس ان سے کرتی ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان میں سے کوئی ایک آپ سے علیحدہ ہو کر ایک طرف بیٹھ جاتی ہے اور اسی غصہ میں رات بھی گزار دیتی ہے۔ تو میں نے کہا حفصہ ناامید اور زیاں کار ہو۔ جس سے یہ ناپسندیدہ فعل سرزد ہوتا ہے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ ایلاء کا باعث اور ملامت کا سبب اور عزلت گزینی اپنی عورتوں کا ان سے نفقہ طلب کرنا تھا اور اس چیز کے بارے میں تکلیف دینا تھا جو کہ موجود نہ تھی۔ نیز حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے اجازت حاصل کی اور کاشانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں حاضر ہوا اور دیکھا آپ نے موٹے سے کپڑے کا تہبند باندھا ہوا ہے اور کھجور کے پتوں کی چٹائی پر ننگے جسم سے آرام فرما رہے ہیں۔ پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشان دکھائی دے رہے تھے اور چمڑے کا تکیہ تھا اس میں بھی کھجور کے پتے پر تھے۔ اور اپنے پاؤں مبارک کے نزدیک درخت سلم کے پتے رکھے ہوئے تھے۔ اور آپ کے گھر میں ایک صاع جو اور گرم پانی کے ایک کوزہ کے سوا کچھ موجود نہ ہے اور گوشت کے کچھ ناپختہ ٹکڑے دیوار کے ساتھ لٹک رہے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھی تو مجھے نہایت شدت سے رونا آیا۔ اور میرا سینہ تنگ ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب کیوں روتے ہو۔ عرض کیا۔ حضور آپ کو اس حال میں دیکھ کر روتا ہوں۔ کہ اس قدر محنت و شدت میں پڑے ہیں۔ قیصرو کسریٰ تو عیش و عشرت کرتے ہیں اور پھل کھاتے ہیں نہروں کا پانی حسب منشاء پیتے ہیں اور باوجود کفرو طغیان کے خوش اور شادمان ہیں۔ اور یا رسول اللہ! آپ تو برگزیدہ خدا ہیں۔ دعا فرمائیں۔ تاکہ حق تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر عیش و فراخ نازل کرے۔ پس آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا اے خطاب کے بیٹے! تو کہاں اور کس مقام پر ہے۔ وہ لوگ ایسی قوم ہیں جن پر اسی دنیا میں عیش و آرام دیا گیا ہے۔ اور ہمارے لئے یہ چیزیں آخرت میں رکھی ہیں اور یہ بات آنحضرت نے عوام الناس کو سمجھانے کے لئے فرمائی ہے ورنہ اسرار و انوار اور اذواق و لذت کا مشاہدہ اور حضور جمعیت اور نبوت اور اس کے لوازم جو اس جہان میں حاصل ہیں اور بہشت بریں میں اس سے زیادہ حاصل ہوں گے۔ پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ **رضینا باللّٰہ ربا ولا سلام دینا وبمحمد رسولا۔**

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ و اصحابہ و ازواجہ وسلم نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے علیحدگی رکھی۔ اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔ آپ خلوت سے باہر تشریف لائے۔ تو پہلے آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ وہ عرض گزار ہوئیں کہ آپ نے ایک ماہ کے لئے قسم اٹھائی تھی کہ ہمارے پاس تشریف آور نہ ہوں گے میں نے ستارے گن گن کر دن بسر کئے ہیں اور میرے شمار میں صرف انتیس دن سے زیادہ نہیں ہوئے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اور یہ مہینہ بھی اتنے ہی دنوں کا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حکایت سے نیز معلوم ہوتا ہے

کہ ان ایام میں تنگی غالب غالب رہی تھی اور نفقہ دینے میں بھی تنگی رہی اور نفقہ طلب کیا جانا باعث ملال ہوتا تھا اور ایلاء کا باعث ہوا۔ پس اس موقع پر آیت تخیر نازل ہوئی۔

یایھا النبی قل لا زواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔

ترجمہ اے نبی! اپنی بیویوں کو کہو۔ اگر تم کو دنیا کی زندگی اور زیب و زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو مال دے کر اچھی طرح سے چھوڑ دوں۔ اور اگر اللہ اس کے رسول اور آخرت کا گھر مطلوب ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم نیکی والیوں کے لئے بہت بڑا اجر رکھا ہے۔

پس جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اختیار کیا ثابت و قائم رہیں اور جس نے دنیا اور دنیوی زندگی کو طلب کیا وہ نکل گئی اور اس کے لئے نہ دنیا ہی رہی اور نہ دین رہا۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت ایسی تھی جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا۔ لہٰذا وہ نکل گئی اور ایک دفعہ بعد میں اس کو کسی نے دیکھا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں چنتی پھرتی تھی۔ تاکہ ان سے اپنی خوراک بنائے اور اپنی زندگی بسر کر سکے۔ اس سے اس عورت سے دریافت کیا۔ اس صورت حال میں مبتلا تم کون عورت ہو۔ تو اس نے جواب دیا۔ **انا الشقیۃ التی اختورت الدنیا** میں وہ شقی اور بدنصیب عورت ہوں جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا۔

مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کی فکر ہوئی کہ کہیں وہ دنیا کو نہ اختیار کر لے پس آپ نے فرمایا اے عائشہ! مجھے اس طرح کا حکم اللہ تعالیٰ سے نہ ملا ہے۔ تمہاری کیا خواہش ہے؟ اس کا جواب دینے میں عجلت نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے جا کر مشورہ کر لو۔ اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اپنے اس بارے میں والدین سے مشورہ کیا کرنا ہے۔ میں تو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی اختیار کرتی ہوں۔ لیکن میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ میری بات کسی دوسری بی بی کو نہ بتائی جائے۔ اس ممانعت سے یہ مراد تھی کہ آنحضرت کے نکاح سے اگر کوئی عورت فارغ ہونا چاہتی ہو تو وہ نکل جائے۔ سیدہ کی یہ بات طبعی تقاضہ اور غیرت و محبت کے باعث تھی اور غیرت اور اعتقاد کے باعث نہ تھی۔ اور وہ محبت کا اظہار **یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ** کے مخالف نہیں ہے کیونکہ عورتوں میں یہ طبعی اور فطری خصوصیت ہے اور وہ اس سے معذور و معفور ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خیال یوں تھا کہ آنحضرت کی جو سیدہ سے محبت ہے اس کی وجہ سے آنحضرت ان کی یہ التماس قبول فرمالیں گے۔ اور اسے رد نہ کریں گے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت آنجناب کو کسی کے متعلق نہیں رہنے دیتی لہٰذا آپ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! تم نے یہ کیسی بات کہی ہے۔ مجھ سے تو جو بیوی بھی دریافت کرے گی کہ عائشہ نے "کس چیز کو اختیار کیا ہے میں اس کو لازماً" بتادوں گا۔ حضور کے اس ارشاد میں بھی اشارۃً "عائشہ کی رعایت اور دلجوئی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے مجھ کو اس بارے میں پوچھا تو پھر میں بتادوں گا۔ اور اگر نہ پوچھا

تو پھر میں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ اور آپ نے فرمایا ان اللہ لم یبعثنی متعیننا ولا کن بعثنی معلما میسرا بلاشک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا نہیں مبعوث فرمایا کہ کسی کو مشقت اور سختی میں مبتلا کروں اور نہ ہی ایسا کہ کسی کی خطا و گناہ یا اس کی کوئی لغزش تلاش کروں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سکھانے والا اور احکام دین میں آسانی کرنے والا مبعوث فرمایا ہے۔

ایک عورت کا سنگسار کیا جانا:۔ ایک عورت غامدیہ ببعیہ اس سال سنگسار کی گئی تھی۔ یہ واقعہ بھی اس سال کا ہے غامدیہ کی نسبت غامد سے ہے۔ غامد قبیلہ کا باپ تھا۔ اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں جاکر زنا کا اقرار کیا اور درخواست کی حد قائم کرکے اسے پاک کر دیا جائے۔ آنحضرت عیب پوشی کرنے اور اغماض کرنے کے عادی تھے۔ لہٰذا آپ نے تغافل برتا۔ لیکن وہ عورت سوائے اقامت حد کے راضی نہ ہوتی تھی۔ اور اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میری یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے میرے گناہ سے پاک فرمادیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حد قائم کرنے سے توقف فرماتے تھے۔ یہ عورت زنا کے باعث حاملہ ہو چکی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک وضع حمل نہ ہو تم صبر کرو۔ کیونکہ تمہارے پیٹ میں موجود بچہ بے گناہ ہے اس کے ہاں جب وہ بچہ ہو گیا تو دوبارہ وہ عورت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اور اقامت حد کی خاطر درخواست کی آنحضرت نے فرمایا کہ ابھی بچہ چھوٹا ہے اگر میں اس کو سنگسار کروں تو پھر بچہ کی نگہداشت کرنے والا کون ہوگا۔ ایک شخص انصار سے کھڑا ہو کر بچہ کی رضاعت کا کفیل بنا لیکن آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ ہی رکھا۔ کہ وہ اسے دودھ پلائے بچے کی رضاعت کا وقت مکمل ہو جانے کے بعد عورت نے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا پکڑا لیا اور اسے ساتھ لے کر آپ حضور کی بارگاہ میں آئی اور حد قائم کرنے کے لئے درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بچے کا دودھ اب چھڑا دیا ہے اور وہ روٹی کھالیتا ہے اور پھر اقامت حد پر بضد ہوئی۔ پس آنحضرت نے اسے رجم کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ حتیٰ کہ اس کو اس کے سینے تک زمین میں گاڑا گیا۔ اور اس کے بعد اسے سنگسار کیا گیا۔

اس موقع پر اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا تو خون کے چھینٹے حضرت خالد پر آگرے۔ حضرت خالد نے اسے گالی دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گالی مت دو خدا کی قسم۔ اس عورت نے اس طرح کی توبہ کی ہے کہ ظلم و زیادتی کرکے خراج اور عشر کی وصولی کرنے والا عامل بھی ایسی توبہ کرلے تو وہ بھی بخشا جائے۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں اس کا گناہ زیادہ قبیح اور بڑا ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسم نے اس عورت کو زمین سے باہر نکالنے کا حکم فرمایا۔ نماز جنازہ پڑھی اور پھر اسے دفن کیا۔ الفاظ حدیث اس طرح سے ہیں **ثم امر فصلی علیہا** اور یہ الفاظ صلی مجہول اور معروف ہر دو طریق سے پڑھتے ہیں۔ اگر مجہول پڑھیں تو یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ اس کو زمین سے باہر نکالنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اور بذات خود بھی نماز جنازہ پڑھی۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت جمہور علماء کے نزدیک صاد اور لام کی فتح سے ہے یعنی

صیغہ معروف صلی ہے۔ لیکن طبری۔ ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد کے نزدیک صیغہ مجہول میں صلی ہے۔ یعنی بضم صلواور کسر لام۔ اور محدود کی نماز جنازہ کے متعلق اس طرح یعنی جس پر حد قائم ہو چکی ہو۔ اس طرح روایت کیا گیا ہے اور مدیون کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔ مدیون وہ ہوتا ہے جس نے اپنا قرضہ واپس ادا نہ کیا ہو۔ اس طرح خود کشی کے مرتکب کی نماز جنازہ ہی نہیں ہوتی اور مذہب مختار یوں ہے کہ جو بھی فرد قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتا ہو۔ اس پر نماز جنازہ پڑھی جانی چاہیے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ بادشاہ یا حاکم خود کشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ بذات خود نہ پڑھے۔ بلکہ دیگر لوگوں سے پڑھوائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ روضتہ الاحباب میں غامدیہ عورت کی سنگساری اسی سال کے مواقعہ میں مذکور ہے اور حیرانی اس امر پر ہے کہ حضرت ماعز کا رجم اس باب میں اصل ہے اور مشہور ہے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اسے شہرت حاصل تھی لہٰذا اس کا ذکر نہ کیا ہو۔ لیکن یہ سبب ضعیف ہے (واللہ اعلم) جیسے کہ عبارت ہے مشکوۃ شریف میں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اسی سال کا ہی ہے۔ (واللہ اعلم) بہرکیف اس کا ذکر کیا جانا نہایت لازم ہے۔

جیسے کہ سیرت نگار حضرات ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک اسلمی دوسرے ایک آدمی ہزال رضی اللہ عنہ نامی کے گھر میں رہائش پذیر تھے۔ یہ دوسرا شخص بھی سلمی ہی تھا۔ حضرت ماعز نے اس کی ایک آزاد کردہ باندی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا۔ یہ واقعہ ہزال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے ماعز کو کہا کہ تم کو چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اپنا حال وہاں بیان کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ پس حضرت ماعز رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھ کو پاک فرمایا جائے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ تجھ پر افسوس ہے جاؤ اور جا کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو۔ اور توبہ کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے دوبارہ حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے پاک فرمائیں۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ میں کس چیز سے تجھ کو پاک کردوں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت مجمل طور پر یہ جانتے تھے کہ اس شخص سے کوئی خطا سرزد ہو چکی ہے اور خصوصاً "زنا کرنا آپ نہ جانتے تھے۔ ماعز نے عرض کیا زنا سے اور اس کی ناپاکی سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ حضرت ماعز بھی اسی جانب ہو گئے لیکن آنحضرت نے پھر اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔ اور آپ نے فرمایا کیا یہ آدمی پاگل ہے۔ جو اس طرح دیوانہ وار کہہ رہا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا حضور یہ پاگل نہیں ہے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ اس نے شراب پی ہوئی ہے جو اس کی مستی اور نشے یہ کہہ رہا ہے پس ایک شخص نے اٹھ کر اس کا منہ سونگھا لیکن شراب کی کوئی بو اسے محسوس نہ ہوئی۔ پھر آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے عورت کا بوسہ ہی لیا ہو۔ یا اپنے ساتھ لگایا ہو' اور یا اس کو اپنے ساتھ صرف سلایا ہی ہو۔ اور یا اس کے ساتھ صرف مزاق ہی کیا ہو۔ اور مباحیات زنا کا مرتکب ہو اور اسے یہ زنا کہتا ہو علاوہ ازیں جس گھر میں حضرت ماعز کی رہائش تھی اس صاحب خانہ کو بلایا اور فرمایا۔ اگر تو ماعز کے زنا کا واقعہ ظاہر نہ کرتا اور ماعز پر دہ پوشی سے کام لیتا تو یہ عمل تمہارے لئے زیادہ بہتر تھا۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے چار دفعہ اقرار

زنا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں رجم و سنگسار کرنے کے لئے حکم صادر فرمایا۔ پھر مدینہ شریف کے سنگستان میں لا کر ان کو سنگسار کر دیا گیا پتھر مارے جانے سے ان کو سخت تکلیف و درد ہوا اور وہ مرنے کے قریب ہوئے تو بھاگ نکلے۔ ایک آدمی کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی مل گئی تو اس نے وہی حضرت ماعز کو دے ماری۔ اور پھر اس قدر پتھر مارے گئے کہ ماعز ہلاک ہو گئے۔ سنگساری کے بعد وہ لوگ بارگاہ رسالت میں آ کر حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ اور بتایا کہ ماعز کو جب شدت کی تکلیف ہوئی اور قریب المرگ ہوئے تو بھاگ نکلے آنحضرت نے فرمایا کہ اس وقت تم نے کیوں نہ اسے چھوڑ دیا تاکہ وہ خدا تعالیٰ سے توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا اور رحمت و کرم فرماتا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ کے حق میں استغفار کی اور فرمایا کہ بے شک اس نے اس طرح توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ تمام امت پر تقسیم ہو تو سب کے لئے وہ کافی ہو۔ اور سب کے لئے مفید ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اقامت حد کا نام توبہ رکھا۔ یہ اس لئے کہ اس کے ذریعے طہارت' برات اور چھٹکارا' ملتا۔ جیسے کہ یہ توبہ سے میسر ہوتے ہیں۔ اصل میں توبہ قتل نفس کا حکم رکھتی ہے اور یہاں پر دراصل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے قتل نفس ہی کیا ہے اور جان دے دی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی طلب اور اللہ کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی۔ اہل سیر ذکر کرتے ہیں کہ حضرت رویم قدس اللہ العزیز نے ایک طالب حق کو ہدایت فرمائی جبکہ وہ رخصت ہو رہا تھا اور فرمایا **ھو یذل الروح ولا تغتر بترھات الصوفیۃ** یعنی اللہ کی راہ چلنا جان دینا مراد ہوتا ہے اور صوفی حضرات کی باتوں پر غرور نہ کرنا چاہیے۔

مقصود جامی از طلبم گفتہ کہ چیست ۔ مقصود اوہمیں کہ دہد جاں دریں طلب

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ تو مغفرت یافتہ ہو چکے تھے۔ جبکہ انہوں نے اس طرح کی توبہ کر لی جو کہ مذکور ہوئی ہے تو پھر ان کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے استغفار فرمانے کا کیا سبب ہے؟ تو جواب یہ ہے۔ کہ آنحضور کی طرف سے استغفار فرمایا جانا حضرت ماعز کے حق میں مغفرت کی زیادتی اور ان کے درجات کی بلندی کا باعث ہے جو کہ بے حد و نہایت ہے۔ مشکوۃ میں قصہ رجیم ماعز بیان کیا گیا ہے۔ کہ **جاءتہ امراءۃ من عامدتہ**۔

غزوہ تبوک

ایک بہت بڑا واقعہ غزوہ تبوک بھی اسی سال میں واقعہ ہوا تھا تبوک ایک مقام مدینہ منورہ اور شام کے درمیان میں ہے اور یہ مدینہ شریف سے چودہ منزل کی مسافت پر واقع ہے بعض نے تبوک ایک قلعہ کا نام بتایا ہے قاموس میں اس طرح آیا ہے کہ مدینہ شریف اور شام کے درمیان ایک علاقہ (خطہ ارضی) کا نام تبوک ہے اور بعض نے وہاں پر موجود ایک چشمہ کا نام تبوک کہا ہے۔ اس غزوہ کا نام غزوہ تبوک اس واسطے ہے کہ اسلامی لشکر کی آخری منزل اسی چشمہ تک تھی۔ جس طرح کہ اس قصہ کے ذکر میں مسلم کی حدیث میں مذکور ہوا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تبوک کا

چشمہ آخری حد ہے۔ اور لغت میں بوک زمین کھودنے کو کہتے ہیں۔ لکڑی کے ساتھ تاکہ پانی نکل آئے اور آنحضرت نے دیکھا کہ صحابہ کا ایک گروہ پہلے ہی اس چشمہ پر پہنچا ہوا ہے۔ اور لوگ اس چشمہ پر پیالے لے کر آئے اور اس کا پانی ہلانے لگے تاکہ پانی باہر آئے اور فرمایا۔ نازلتم بتوکونہا فسمیت تلک الغزوۃ تبوک تم وہاں اتر کر پانی ہلا کر چشمہ سے پانی نکالو گے اس وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ تبوک ہو گیا۔ اسی طرح ہی صحاح میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ غزوہ فاضحہ بھی کہلاتا ہے۔ اس میں منافق بڑے ذلیل و رسوا ہو گئے تھے اور اسے غزوہ العسرت اور جیش عسرت بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں اہل غزوہ کو بڑی مشقت اٹھانا پڑی اور بھوک پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ سفر لمبا تھا۔ ہوا بہت گرم تھی۔ دشمن کا لشکر شان و شوکت والا تھا۔ قحط سالی تھی۔ لشکر بھی بہت زیادہ تھا اور زاد راہ و اسباب نہایت تھوڑا تھا۔

اور اس غزوہ میں تنگی اس قدر تھی کہ فقراء صحابہ کے لئے اٹھارہ آدمیوں کے لئے ایک اونٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ اور ان کے پاس زاد راہ کے طور پر کرم خوردہ کھجوروں اور گھن والے جو اور بودار چربی کے اور کچھ نہ تھا۔ اور پانی کی کمی یہاں تک تھی کہ سواری کے جانوروں کی قلت ہوتے ہوئے بھی اونٹوں کو ذبح کرتے تھے۔ اور اس کی آنتوں اور رگوں کی مطوبات سے اپنے منہ تر کرتے تھے اور درختوں کے پتے کھاتے تھے یہاں تک کہ باچھیں سوج گئی تھیں اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اور جو صحابہ تونگر تھے وہ بھی مدینہ سے باہر جاتے میں کراہت کرتے تھے۔ کیونکہ باغوں کے پھل پکنے کا وقت اور درختوں کے سائے اور پھلوں سے لطف اٹھانا مرغوب طبیعت اور مطلوب نفس ہوتا ہے۔ پس یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ یاایہا الذین امنوا مالکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل اے ایمان والو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں خدا کی راہ میں کوچ کے لئے کہا جائے تو بوجھ محسوس کرتے ہوئے تم زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم آخرت کی بجائے دنیوی زندگی محبوب سمجھتے ہو۔ اور آخرت کے مقابلہ میں حیات دنیا کا متاع نہیں ہے مگر تھوڑا سا اس طریقہ سے تن آسان اور فراغت طلب لوگوں کو طعن و تشنیع کا تازیانہ پڑا۔

اور اس غزوہ پر روانگی بروز پنج شنبہ رجب کے مہینہ ۹ھ میں ہوئی۔ اس میں کوئی اختلاف نہ ہے۔ اور سبب یہ تھا کہ ان ایام میں شام سے ایک قافلہ مدینہ شریف آیا اور انہوں نے خبر دی کہ روم کے بادشاہ نے بڑا لشکر جمع کیا ہے اور بہت سے قبائل عرب جو نصرانی ہیں اور ہرقل سے بڑے خوش بھی ہیں۔ مثلاً لخم، جذام، عاملہ اور بنو غسان وغیرہ سب جمع ہو کر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اس علاقہ کے نصاریٰ نے ہرقل سے دروغ بیانی کی کہ یہ مرد جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا ہلاک ہو چکا ہے اور اس کے اصحاب میں قحط اور تنگی کا سامنا ہے اور مال و منال سب تلف ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس کی مملکت کو آسانی سے قبضہ میں لایا جا سکتا ہے۔ پس روم کے سرداروں سے ایک سردار کو جس کا نام قباد تھا ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکر دے کر نامزد کیا کہ مدینہ پر حملہ کرے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وسلم کو پہنچی۔

اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل دین نصرانی پر ہی قائم تھا اور یہ کہ جب حضرت رسالت پناہ نے اسے مکتوب ارسال کیا تھا تو اس نے دین اسلام کی طرف رغبت کی تھی۔ اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے اور اگر وہ رغبت رکھتا بھی تھا تو دنیا کی محبت حکمرانی اور اس کی قوم نے اس کو اسلام قبول کرنے نہ دیا۔ جیسے کہ ذکر گزر چکا ہے۔

اور جب آنحضرت نے شام کی طرف خروج کرنے کا پکا ارادہ فرمالیا تو صحابہ کو لشکر جمع کرنے کے لئے قبائل میں بھیجا اور ہر آدمی جس قبیلہ سے اس کو نسبت تھی اس کی طرف بھیجا تاکہ لشکر اور دوسرا سامان وغیرہ اکٹھا کرے۔ نیز صحابہ کو بھی ترغیب و تحریص دی کہ وہ راہ خدا میں اعانت و جہاد کریں اور فقراء و مساکین پر مال و زر تصدیق کریں۔ اور حتی المقدور و توفیق کار سازی لشکر میں امداد و اعانت کریں اور اموال خرچ کریں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال و اسباب اٹھایا اور جو کچھ بھی ان کے پاس تھا راہ خدا میں خرچ کردیا اور حضرت عمرابن الخطاب کی ملکیت میں جتنا کچھ تھا اس سے آدھا مال علیحدہ کر کے اٹھا لائے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لشکر تبوک کی تیاری کے لئے جس وقت ترغیب دی تو میں نے اپنے دل میں گمان کیا کہ آج میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا۔ آج میری ملکیت میں بہت سا مال موجود ہے میں نے اس سے نصف مال آنحضرت کی خدمت اقدس میں لاکر پیش کردیا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم اپنے اہل و عیال کی خاطر کیا کچھ چھوڑ آئے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے برابر میں ان کے واسطے بھی پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور جتنا کچھ مال وہ رکھتے تھے تمام ساتھ لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے بھی پوچھا کہ تم اپنے اہل و عیال کے لئے کتنا مال چھوڑ آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ **انخوت اللہ ورسولہ** میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ پس آنحضرت نے فرمایا **ما بینکما ما بین کلمتکما** تمہارے درمیان مراتب کا اتنا ہی فرق ہے جتنا فرق تمہاری ان آیتوں میں ہے۔ پس میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا میں کسی چیز میں بھی آپ سے بڑھ نہیں سکتا۔

ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پوشیدہ طور پر کچھ صدقہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا صدقہ ہے اور میرے نزدیک اللہ تعالیٰ معاذ ہے ازاں بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور بالکل ظاہر طور پر صدقہ لائے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا صدقہ ہے اور خدا تعالیٰ کے لئے میرے نزدیک معاذ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر تم نے بغیر زہ اپنے کمان کو زہ کیا ہے۔ پس تمہارے دونوں کے صدقوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ تمہاری دونوں کی ان دو باتوں میں فرق ہے۔ یہ اسی واقعہ تبوک کا ہی قصہ ہے یا کسی اور موقع پر واقع ہوا ہے۔ روضۃ الاحباب کی عبارت یہی ظاہر کرتی ہے کہ کسی اور وقت کا یہ واقعہ ہے۔

جناب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دیگر ایک حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک چاندنی رات کے دوران جبکہ آپ کا سر اقدس میری گود میں رکھا تھا۔ اس وقت میں نے گزارش کی یا رسول

الله! کیا ایسا شخص بھی کوئی ہے جس کی نیکیاں شمار میں اتنی ہوں جتنے یہ ستارے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عمر ہیں۔ ان کی نیکیاں کس قدر ہیں۔ آپ نے فرمایا عمر کی کل نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی نیکیاں عمر کی نیکیوں سے زیادہ ہیں جس طرح دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بربنائے صوم وصلوٰۃ کی کثرت فضیلت عطائیں فرمائی گئی بلکہ جو خیر ان کے دل میں رکھا ہے اس کے سبب سے ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کو فضیلت کا حصول ان کے صدق و اخلاص اور ان کی معرفت کے سبب پر ہوا ہے۔

یہ مسکین بندہ ثبتہ اللہ علیٰ طریق الحق والیقین (شیخ عبدالحق صاحب مدارج) کہتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا کہ "چاندنی رات" تو یہ واقعہ بیان ہے۔ اور اس سے آسمان کے کل ستارے مراد ہیں۔ تاکہ کوئی یوں نہ کہے کہ چاندنی رات کے دوران ستارے تھوڑے ہوتے ہیں اور تھوڑے ہی دکھائی دیتے ہیں۔

غزوہ تبوک میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے شریک غالب جو تھے وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان مناقب اور مدائح میں آیا ہے۔ **مجهز جبليش العسرة** یعنی جیش عسرت کو سامان فراہم کرنے والے۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک قافلہ شام کی طرف تجارت کی خاطر ترتیب دے رہے تھے وہ یہ ارادہ چھوڑ کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ دو سو اونٹ ہیں۔ ان پر پالان، پوشش اور چادر وغیرہ ہیں۔ اور ہر لحاظ سے یہ مکمل ہیں۔ یہ تمام اور دو سو اوقیہ چاندی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ان کے ساتھ آپ لشکر کی ضروریات کو پورا فرمائیں۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ تین صد اونٹ چار بستہ مکمل اور ان کے ساتھ ایک مثقال سونا بھی پیش کئے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **اللهم ارض عن عثمان فانی عنه راض۔** اے میرے اللہ تعالیٰ تو عثمان سے راضی ہو جا۔ میں ان کے بارے میں راضی ہوں۔ اہل سیر کے مطابق غزوہ تبوک میں اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں سے دو تہائی لشکر کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ساز و سامان مہیا کیا تھا۔ اور آپ کو اس بشارت کا شرف میسر ہوا۔ **من جهز جيش العسرة فله الجنة۔**

اس کے علاوہ یہ بھی روایت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے خدا روز قیامت عثمان پر سے حساب اٹھا دے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے مواہب الدینہ میں روایت کیا ہے۔ کہ جیش عسرت کے واسطے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ اور ساٹھ صد گھوڑے برائے سواری فراہم کئے تھے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنی آستین میں ایک ہزار دینار لائے جبکہ جیش عسرت کو تیار کیا رہا تھا۔ وہ تمام انہوں نے لاکر آنحضرت کے ایک پہلو میں الٹ دیئے ازاں بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا کہ آپ غور کے ساتھ ان دیناروں کی جانب دیکھتے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد عثمان جو کچھ بھی کرے گا وہ ان کے لئے نقصان دہ نہ ہوگا۔ اور دیگر ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا **غفر الله لک یا عثمان ما اسروت وما اعلنت** اے عثمان جو کچھ بھی تم آشکارہ طور پر کرتے ہو اور جو کچھ بھی پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے تم

کو وہ تمام کچھ بخش دیا اور آنحضرت نے جو غور اور توجہ کے ساتھ پر نظر فرمائی اس سے یہ مراد عثمان رضی اللہ عنہ پر ظاہر کرنا تھا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ بہت ہے۔ تاکہ اس کی قبولیت سے وہ خوش ہو جائیں ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ دس ہزار دینار لائے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ ازاں بعد عثمان جو کچھ بھی کریں گے نقصان نہیں دے گا اس میں عفو و درگزر کی طرف بشارت ہے۔ یعنی گناہ اور غلطی وغیرہ جو کچھ بھی وہ کریں گے وہ معاف ہے۔ آنحضرت کا یہ اشارہ اہل بدر صحابہ کے متعلق آپ کے ارشاد کی مانند ہے۔ **ان اللّٰہ اطلع علی اھل بدر فقال اعمالو ماشئتم فقد غفرت لکم** اس سے ان کو بالکل ہی آزاد چھوڑ دینا نہیں ہے۔ کہ جو وہ چاہیں کرتے پھریں اور یہ بھی نہیں کہ ان سے ارتکاب گناہ ضرور ہی صادر ہو گا۔ ہاں یہ ان کی عزت افزائی اور خوشخبری ہے کہ انہیں عفو و غفران حاصل ہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ صحابہ کی جانب سے مواخذہ جات اور اعتراضات بھی وارد ہوئے ہیں۔ علماء کرام نے اس بارے میں جوابات دیئے ہیں اور مجبوریاں بھی واضح کی ہیں۔ یہ بیان اپنے مناسب مقام پر ہوا ہے۔

یہاں اس حدیث سے پتہ چل جاتا ہے کہ جس کو قبولیت درگاہ میسر ہو جائے۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا مندی اور بارگاہ قبولیت میں مقام مل جائے اس کے حق میں بخشش کی توقع انشاء اللہ پوری اور مکمل ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ عثمان رضی الہ عنہ چالیس ہزار دینار لائے تھے اور عرض کیا تھا کہ اسی ہزار دینار میں رکھتا تھا جن میں سے اہل و عیال کے مصروف کی خاطر نصف چھوڑ آیا ہوں اور نصف برائے حصول اجر و ثواب حاصل کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا جو کچھ تم لائے ہو اور جو کچھ تم چھوڑ آئے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔ پس آپ کے مال میں بوجہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بڑا اضافہ ہوا۔ اسی انداز میں مہاجرین و انصار کے اشراف و اغنیاء ما قربان کرنے پر بلا تردد اپنے ہاتھ کھول دیئے کچھ صحابہ کی عورتوں نے بھی اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے اور کانوں سے زیورات اور آویزے وغیرہ اتار کر پیش میں خدمت کئے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ تھے وہ بھی چند صاع کھجوریں لائے ایک صاع کھجوریں حضرت عقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت کیں۔ ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ آج کی ساری رات پانی کھینچنے کی مشقت و مزدوری کر کے اس کی اجرت میں سے ایک صاع آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر کی ہیں اور ایک صاع کھجور اپنے اہل و عیال کے واسطے رکھ آیا ہوں نبی معظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ ایک صاع کھجوریں کل اموال کے اوپر رکھیں۔

منافق کا رویہ:۔ جو منافق تھے وہ غرا اور عیب و تمسخر ہی بیان کرتے رہے۔ اس پر اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **الذین یلمزون امطوعین من المومنین فی الصدقات والذین لا تجدون الا جھدھم فیسخرون منھم سخر اللّٰہ منھم ولھم عذاب الیم۔** وہ لوگ جو عیب جوئی کرتے ہیں دل سے خیرات کرنے والوں کی نیز عیب لگاتے ہیں ان کو جن کو حاصل نہیں ہوتا سوائے اپنی محنت سے۔ تو ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ کا عطیہ:۔ حضرت عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ یہ بارگاہ نبوت میں آکر عرض کرنے لگے یارسول اللہ! میرے پاس کوئی مال نہیں ہے۔ جو میں فی سبیل اللہ پیش خدمت کروں۔ ہاں میں اپنی آبرو کو لوگوں کے لئے حلال کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے جیسے چاہیں پیش آئیں۔ ان کو سب معاف ہو گا۔ جیسی بھی خدمت لیں اور جیسی امداد چاہیں مجھ سے لے سکتے ہیں۔ مواخذہ کوئی نہ ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حق تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول فرمایا ہے۔

بکائین کی جماعت:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اموال اہل ضرورت لوگوں پر صرف کئے۔ کہ وہ اپنی حاجات پوری کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے ساتھ بہت سے جوتے بھی لے لو اس لئے کہ پاؤں میں جوتے پہن لینا بھی سواری کا حکم رکھتا ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ متعدد صحابہ ایسے بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ان کے اسماء گرامی کتب سیر میں مذکور ہیں۔ انہوں نے آنحضرت سے گزارش کی ہم پیادہ ہیں سواری سے محروم ہیں۔ آپ ہماری خاطر سواری کا کوئی بندوبست فرما دیں۔ کہ ہم سوار ہو کر جہاد میں حصہ لینے کے قابل ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سواری کی قسم کی کوئی چیز میرے پاس نہ ہے اور صدقہ کا مال بھی اس وقت میرے پاس اتنا نہیں ہے کہ جس سے تمہاری یہ حاجت بر آئے۔ پس وہ ضرورتمند صحابہ بڑے غمزدہ مایوس لوٹے اور وہاں سے روتے ہوئے نکل گئے۔ کیونکہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کوئی چیز دستیاب نہ ہوئی۔ یہ جماعت گروہ بکائین کہلائی۔ آیت پاک میں ہے۔ **ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجدما احملکم علیہ تولو اواعینھم تفیض من الدمع حزنا ان لایجدوا ماینفقون۔** اور ان لوگوں کے لئے مواخذہ نہیں ہے جو تمہارے پاس آئیں کہ ان کو تم سواری مہیا کرو۔ تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس تمہیں سوار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ہے تو وہ اس طرح واپس جائیں کہ آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے ہوں بوجہ غم کے کہ خرچ کرنے کے لئے مقدور نہ ہوا۔

اس آیت سے ان لوگوں کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات حمیدہ میں ہے کہ آنجناب کی زبان مبارک سے کبھی لا (نہیں) نہ کہا گیا تھا۔ لیکن کبھی کبھی بحکم ضرورت اور باقتضاء حال آپ نے عذر بھی فرمایا ہو گا۔ باوجود اس کے علماء فرماتے ہیں کہ **لا اجد** اور **لا اعطی** میں بہت فرق ہے۔ اس کتاب کے شروع میں آنحضور کے اخلاق مبارک کے بیان میں یہ بحث پہلے ہی ہو چکی ہے۔

روایت ہوا ہے کہ ان محروم لوگوں میں سے دو آدمیوں کو ابن یامین بن عمر نے ایک اونٹ دیا۔ اور ان میں دو کو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ عطا کیا۔ اور ان سے تین اشخاص کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دیا۔

علاوہ ازیں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ میرے ساتھی دوسرے

اشعریوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا کہ میں کوئی ان کے واسطے سواری حاصل کرلوں۔ پس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میں نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ان کے لئے کوئی سواری آپ عطا فرمائیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ واللہ ان کے لئے میں سوری کا انتظام نہیں کر سکتا ہوں۔ پس میں غمگین ہو کر وہاں سے واپس آیا۔ مجھے یہ بھی خوف لاحق ہوا کہ آنحضرت میرے سواری طلب کرنے سے دیگری محسوس نہ کرتے ہوں۔ لہٰذا آپ میرے ساتھ ناراض نہ ہو چکے ہوں۔ پھر میں نے اپنے ساتھیوں کے پاس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جواب سے ان کو آگاہ کیا۔ ابھی دیر نہ ہوئی تھی کہ حضرت بلال کو میں نے آواز دیتے ہوئے سناوہ کہہ رہے تھے عبداللہ قیس کہاں ہے۔ یہ نام ابو موسیٰ اشعری کا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس جگہ ہوں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تم کو رسول خدا نے طلب فرمایا ہے۔ حاضر ہو جاؤ۔ پس میں نبی کریم کی بارگاہ بے کس پناہ میں پیش ہوا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ چھ اونٹ لے لو اور اپنے ساتھیوں کو دو۔ یہ اونٹ آپ نے حضرت سعد سے خرید لئے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ وہ چھ اونٹ میں نے اپنے ساتھ والوں کو دے دیئے۔ اور خود میں بہت شرمسار اور پشیمان بھی تھا۔ کہ آنحضرت کو یونہی میں نے پریشان کیا کہ آپ نے اونٹ نہ دینے پر قسم بھی اٹھائی تھی۔ اور اب کہ آپ نے اونٹ دے کر اپنی قسم توڑی ہے۔ یہ کیسی بات واقع ہوئی ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تم کو سوار کیا ہے۔ اور مجھ کو اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ اگر میں کسی امر میں قسم اٹھالوں۔ اور بعد میں دیکھوں کہ قسم توڑ دینے میں فلاح ہے اور خیر ہے۔ تو میں قسم کا کفارہ ادا کردوں۔

گروہ منافقین کا حال:۔ یہ سفر محنت و مشقت اور شدید سے بھرپور تھا۔ لہٰذا منافقین کی جماعت جو معذورین کہلاتی تھی۔ معذوری بیان کرنے لگی۔ اور منافقین کی ایک جماعت بغیر معذوری کے ہی تخلف اختیار کر گئی اور وہ یونہی بیٹھے رہے۔ اور ہوا کی گرمی اور سفر کی مشقت بیان کر کے دوسروں کو بھی خوفزدہ کرتے رہے۔ ان کے بارے میں ذکر و تفصیل سورۃ توبہ میں آئی ہے۔ انہی منافقین سے ایک آدمی جد بن قیس نامی آنحضرت کی بارگاہ میں آیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے مدینہ میں ہی رہنے کی اجازت دے دیں۔ اور اپنے آپ کے عورتوں کا دلدادہ ہونے کا نامعقول سا عذر پیش کیا۔ کہ میں بنی الاصفر کی عورتیں دیکھ کر صبر نہ کر سکوں گا۔ اور اس طرح سے فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اجازت دے دی اور اس کی طرف سے اپنا روئے اقدس دوسری جانب پھیر لیا۔ اس موقع پر اس آیت پاک کا نزول ہوا۔

ومنهم من يقول ائذن لى ولا تفتنى ؕ الا فى الفتنة سقطوا وان جهنم لمحيطة بالكافرين۔	ان سے کوئی آدمی تم سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت فرمادیں اور مجھ کو فتنہ میں نہ مبتلا کریں سن لو کہ وہ فتنہ میں ہی پڑے ہیں اور بلاشبہ کافروں کو دوزخ دوزخ گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

بنی الاصفر نام روم کا ہے۔ ان کا جد اعلیٰ روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اس کا رنگ زرد تھا۔ اور

بعض نے کہا کہ حبشہ کے بادشاہ کی دختر سے روم نے نکاح کیا تھا۔ لہٰذا سفید و سیاہ دونوں رنگوں کے درمیانی رنگ یعنی زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی زمانہ تھا جبکہ حبشی روم پر غالب آ گئے تھے۔ اسی دور میں حبشیوں نے روم کی عورتوں کے ساتھ وطی کی تھی جس کے نتیجہ میں زرد رنگ کی اولاد ہوئی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روم بن عیص کا نام اصفر ہے واللہ اعلم۔

منافقین میں سے ایسے لوگوں کا بھی ایک گروہ تھا جو غنیمت کے لالچ اور دنیوی مال کی حرص میں لشکر کے ساتھ ہو گیا۔ دوران روانگی اور بروقت واپسی یہ حرکات شنیعہ اور برے کلمات کرنے اور کہنے کے مرتکب ہوئے اسلامی لشکر تیار ہو گیا۔ تو حکم فرمایا گیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر تمام لوگ ثنیتہ الوداع میں اکٹھے ہوں۔ اور اس فوج کے امیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر کئے گئے عبداللہ بن سلول جو کہ منافق تھا اس نے اپنے ساتھی اپنے لشکر سے علیحدہ نکال لئے اور علیحدہ جگہ پر اس نے قیام کیا۔ اور کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بنی الاصفر کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف جنگ و قتل آسان ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو دکھائی دے رہا ہے کہ ان کے صحابہ اور دوسرے ساتھی سب طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے مقید ہیں۔ اور یہ کہ وہ چاروں اطراف کو اکناف عالم میں منتشر ہو گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان منافقوں کے علیحدہ نکل جانے کی خبر ملی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ ہوتا تو ہرگز ہم سے پیچھے نہ رہتا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اور ہمیں شر انگیزوں کی شر سے نجات حاصل ہو گئی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم دونوں میں روایت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس وقت مدینہ شریف سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو اپنے اہل میں علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ الکریم کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی غزوہ میں کبھی میں پیچھے نہیں رہا ہوں۔ اس دفعہ مجھے پیچھے چھوڑنے کا سبب کیا ہے۔ نیز یہ بھی عرض کیا کہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری میرے ساتھ اس طرح کی نسبت ہو۔ جیسی کہ موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام کی نسبت۔ جبکہ فرق صرف اتنا ہی تھا کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کسی کے لئے نبوت نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب میقات گئے تھے تو اپنے پیچھے اپنی قوم پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **واذ قال موسیٰ لاخیه هارون اخلفنی فی قومی۔**

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف میں پیچھے چھوڑا گیا تو منافقین اور حسد کرنے والے کہنے لگے۔ رسول خدا اس لئے علی مرتضیٰ کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ ان سے ناراض ہیں پس حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیچھے روانہ ہوئے اور ان سے عرب بلو کے مقام پر جا ملے۔ اور سارا حال بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ دروغ بیانی کرتے ہیں۔ میں نے اس بنا پر تمہیں پیچھے چھوڑا ہے کہ تم میرے اہل بیت اور اپنے اہل بیت یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا میں میرے پیچھے میرے خلیفہ کی حیثیت سے رہو۔ اور ان تمام کی

نگہداشت کرتے رہو۔

اس حدیث سے شیعہ لوگ دلیل قائم کرتے ہیں کہ حق خلافت بعد از رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صرف حضرت علی کو حاصل ہے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے حضرت علی کے حق میں وصیت ہے جبکہ علماء اہل سنت و جماعت اس کے خلاف فرماتے ہیں کہ ان کے لئے اس حدیث میں ہرگز کوئی حجت نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث شریف بالکل واضح ہے۔ کہ حضرت علی کو آنحضرت نے صرف غزوہ تبوک غیوبت کے عرصہ کے لئے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ اور یہاں پر جو ان کے اہل بیت پر خلیفہ مقرر کیا۔ یہ ساری امت پر خلافت کو لازم قرار نہیں دیتا جیسے کہ مناجات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدت غیوبت کے واسطے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور ہارون علیہ السلام بعد از موسیٰ علیہ السلام خلیفہ نہیں بنے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے رحلت فرما گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز پڑھانے میں اپنا خلیفہ حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ لہٰذا وہ نماز پڑھاتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت میں دیکھ بھال کی خاطر اہل بیت میں خلیفہ مقرر کیا۔ لہٰذا حضرت علی کو اہل بیت کی نگہداشت کرتے تھے اور ام مکتوم رضی اللہ عنہ نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ حضرت علی کے لئے اگر خلافت ہوتی تو ان کی بدرجہ اولیٰ واتم امامت فرمانے کا حکم بھی ضرور ہوتا۔

آمدی جو کہ اصول حدیث کے علماء سے ہیں۔ ان کو حدیث کی صحت میں کلام ہے۔ لیکن وہ غلط اور خطا پر مبنی ہے اس کے برعکس تمام ائمہ حدیث کی صحت پر اتفاق کرتے ہیں۔ اور قابل اعتماد قول جو ہے وہ محدثین کا ہے اور بخاری اور مسلم دونوں میں روایت ہوا ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ الا انہ لا نبی بعدی یعنی میرے بعد نبوت نہیں یہ کلمہ موجود نہ ہے اور یہ بات بھی قبول نہیں ہو سکتی بلکہ ثقہ راوی کی طرف سے زیادتی قبول ہے۔ اور اگر ایسا بھی ہو تو بھی خلافت علیؓ پر دلیل نہیں۔ اور نہ ہی یہ دلالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد حضرت علی بے واسطہ خلیفہ ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہل بیت پر خلیفہ مقرر کئے جانے کے بعد علماء میں اختلاف ہے کہ مدینہ شریف پر کون خلیفہ ہوا۔ بعض نے کہا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ اور یہی روایت صحیح ترین بتائی جاتی ہے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت مسباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا دیگر ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ اور ایک روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔ اور اس روایت کو ابن عبد البر ترجیح دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف سے باہر تشریف فرما ہوئے اور ثنیتہ الوداع میں علم اور جھنڈوں کی ترتیب دینے لگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بڑا علم عطا فرمایا اور دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ انصار کے ہر ایک قبیلہ کو اپنا اپنا علم تیار کرنے کے لئے فرمایا گیا ایک انصاری آدمی حضرت عمارہ بن حزم

رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے پہلے علم دیا۔ لیکن بعد میں ان سے لے لیا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ پس عمارہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ! آپ غالباً" میرے ساتھ ناراض ہو چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ کی قسم قرآن والے کے حق کو تقدیم حاصل ہے۔ اس لئے کہ تم سے زیادہ زید اپنے سینہ میں قرآن رکھتے ہیں۔ اور انسان کو قرآن ہی سے تقدیم حاصل ہوتا ہے۔ خواہ وہ گروش بریدہ سیاہ فام اور غلام ہی ہو۔

اس جگہ لشکر کی گنتی کی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ تعداد تیس ہزار ہوئی جیسے کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ستر ہزار تھی فوج میں دس ہزار گھوڑ سوار اور بارہ ہزار اونٹوں کے سوار تھے۔ خالد بن ولید مقدمہ پر مقرر ہوئے میمنہ پر طلحہ بن عبید اللہ اور میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوف مقرر فرمائے گئے رضی اللہ عنہم۔ ثنیتہ الوداع سے فوج کی روانگی کے وقت بھی منافقین کا ایک گروہ مخالفت کرنے لگا۔ یہاں سے روانہ ہو کر یہ اسلامی لشکر جرف کے مقام پر جا پہنچا۔ یہاں پر عبداللہ بن مسلول منافق اپنے حلیفوں کو لے کر نکل گیا اسلامی لشکر منازل طے کرتا ہوا تبوک کے مقام پر پہنچ گیا وہاں پر دو ماہ قیام کیا ایک روایت کے مطابق بارہ روز دیگر ایک روایت کے مطابق بیس دن آیا ہے اس لئے کہ دن رات سفر کرنے سے جو کوفت و تھکاوٹ تھی وہ رفع ہو جائے۔

نصاریٰ کی فوج اور قیصر روم کو لشکر اسلام کی شوکت کا پتہ چلا اور انہوں نے دین اسلام سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت و وقار و اعجاز کا تصور کیا تو ان کے دل خوف و رعب تلے دب گئے۔ پس ان کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی۔ جیسے کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ بادشاہ روم ہرقل کو جب خبر ہوئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حدود شام میں داخل ہو چکے ہیں اور مقام تبوک پر قیام پذیر ہیں۔ تو اس نے بنی غسان کے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ اسلامی فوج میں جا کر معلوم کرے۔ اور معلوم کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صورت و سیرت آپ کے عادات و خصائل اور شمائل و علامات اور آنجناب کے اوضاع و اطوار کا پتہ کرے۔ پس وہ آدمی بحکم ہرقل تبوک میں آیا۔ مکمل طور پر پتہ کیا اور واپس ہرقل کو جا کر اطلاع دی۔ یہ سن کر ہرقل نے اعیان ممالک اور رومی سلطنت کے جملہ اشراف کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کو ترغیب و تحریص کی وہ نصرانیت کو چھوڑ دیں اور اسلام قبول کریں۔ قیصر روم کی بات سنی تو لوگوں کو غصہ آیا۔ اور ہنگامہ کی صورت بن گئی۔ حتیٰ کہ قیصر کو زوا حکومت کا خدشہ پیش آیا۔ پس وہ اس سے رک گیا۔ اس طرح ایک روایت پہلے بھی مکتوبات و رسل کے ارسال کے باب میں بھی آ چکی ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہرقل کو اپنا نامہ مبارک بھیجا تھا۔ اب اس مقام پر بھی معلوم ہوا ہے کہ ہرقل نے اپنے لشکر کو دین اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی۔ لیکن پھر وہ اس ارادہ سے رک گیا۔ کیونکہ انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

ادھر عیان انصار و مہاجرین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مشورہ کیا کہ کیا شام ملک میں جا کر وہاں کے حکمرانوں اور سربراہوں سے گفتگو کی جائے۔ مجلس مشاورت میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور آنحضرت اللہ تعالیٰ کے حکم **وشاورهم فی الامر** کے مطابق یہ مشورہ طلب فرمایا تھا۔ پس فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تشریف لے جانے کا حکم ہے تو اس صورت میں ہم سب آپ کی رکاب فلک فرسا کے خادم ہیں اور آپ جس جگہ پر متوجہ ہوں گے اور قدم رنجہ فرمائیں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بارے میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں مامور ہوتا تو پھر تمہارے ساتھ مشورہ کیوں کرتا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! روم کے بادشاہ کا لشکر بڑا ہے اور تعداد میں کثیر ہے۔ جبکہ اسلامی لشکر کی حالت سے بھی آپ بخوبی واقف ہیں۔ نیز یہ کہ جو کچھ قیصر روم کر چکا ہے اس پر شرمسار اور پشیمان بھی ہوا ہے اور وہاں کے شہروں میں آپ کی ہیبت اور شوکت کا غلغلہ اچھی طرح پھیل چکا ہے۔ اور اہل روم کے دل آپ کے خوف اور رعب سے مغلوب ہو چکے ہیں لہٰذا اس سال اگر ہم واپس چلے جائیں اور دوسرے سال پھر آ جائیں تو یہ ہی انسب واولیٰ ہوگا اور آپ حضور کا حکم ہی بلند اور برتر ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ رائے درست تھی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مستقر عزت وکرامت کی عنان مراجعت موڑی۔ نقل کیا گیا ہے کہ تبوک کے قیام کے درمیان ایلہ کا بادشاہ یحیٰ بن رویہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا اور اس نے جزیہ ادا کرنا منظور کیا۔ پس فریقین میں مصالحت ہو گئی اور ایک عہد نامہ اس ضمن میں تحریر ہوا۔ اہل جبرا اور رع بھی اسی مقام پر آئے اور وہ بھی جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہوئے۔ ان کے لئے ایک صلحنامہ تحریر کیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ صلحنامہ کی تحریر تاہنوز ان کی قوم میں باقی اور موجود ہے۔ (کذافی روضۃ الاحباب)

سفر تبوک کے فوائد:۔ اس سفر کے فائدوں اور حکمتوں سے یہ ہے کہ فقراء صحابہ کی دستگیری ہو گئی غنی و تونگر صحابہ کو ثواب حاصل کرنے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی علاوہ ازیں منافق لوگوں کے ضمائر اور بواطن ظاہر اور عیاں ہو گئے اور اس بنا پر نزول قرآن واقع ہوا۔ اہل اسلام کو عزت و وقار حاصل ہوا اسلامی لشکر کی جلالت و شوکت ظاہر ہوئی اور اس کا دبدبہ چار رنگ عالم میں چھا گیا۔ یہاں تک کہ قیصر روم کا یعنی روم کا بادشاہ اور دیگر اطراف و جوانب کے سلاطین وحکمران ان سب پر رعب اور خوف طاری ہو گیا۔

علاوہ ازیں یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود ان پر جا کر حملہ نہ فرمایا اور آپ ان سے محاربہ و مقاتلہ کرنے سے باز رہے۔ اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نزاہت و عزت تھی اگر حملہ کیا جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس نصرانیوں کے برابر گمان کی جاتی اور عوام الناس کے ذہنوں میں مساوات اور برابری متصور ہوتی۔ اور یا آپ نے اس احتمال کی بنا پر مقابلہ نہ فرمایا۔ کہ عالم اسباب میں ظاہری نظریں اس غلبہ کو آنحضرت کے بنفس نفیس موجود ہونے کے باعث خیال کرتیں اور آج جبکہ آنحضرت اس عالم ظاہر میں موجود نہ ہیں تو (گمان کیا جاتا کہ) ہم غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ کو نظر اس حکیم الٰہی پر ہی ہو۔

انهم لهم المنصورون وان جندنا لهم الغالبون بلاشبہ یہی ہیں وہ مسلمان جن کی مدد فرمائی گئی ہے اور بلاشبہ ہماری فوج ہی غلبہ پانے والی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں آپ ہی کی بدولت مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہونا موعود اور مشہور ہے اور امکان

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی اسی طرح ہی ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے محاربہ و مقاتلہ پر مامور نہ فرمایا گیا ہو اور مشاورت' رائے اور اجتہاد تک ہی یہ معاملہ رہے (واللہ علیم و حکیم)

اس سفر تبوک کی خاطر مدینہ شریف میں روانہ ہونے' تبوک اور قضایا و واقعات ظاہر ہوئے۔ وہ تمام بھی اس سفر کے فوائد و فیوصلات ہی ہیں۔ جس طرح کہ کتب سیر میں مذکور و مسطور ہے۔ فقراصحابہ میں سے ہم ایک صحابی کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احباب میں ایک شخص عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ آنحضرت کے ساتھ تھا۔ ان کی وفات تبوک میں ہوئی تھی ان کا ذکر بڑا ہی ذوق افزاء ہے۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ:۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ مزینہ قبیلہ سے حضرت عبداللہ تھے وہ یتیم ہو چکے تھے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل وہ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے۔ ان کا چچا ان کا کفیل تھا حتیٰ کہ وہ جوان ہو گئے اور ان کے پاس متعدد اونٹ بکریاں اور غلام ہو گئے۔ وہ اپنے دل میں محبت اسلام رکھتے تھے اور وہ دیر سے اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں داخل ہو جانے کے خواہشمند تھے۔ لیکن اپنے چچا سے ڈرتے تھے۔ لہٰذا ایمان نہیں لا سکتے تھے۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فتح مکہ کے بعد واپس تشریف فرما ہوئے اس وقت عبداللہ نے اپنے چچا سے کہا۔ اے چچا! میں نے ساری عمر انتظار کیا ہے کہ تو اسلام لے آئے گا۔ لیکن مجھے تمہارے اندر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کا ذوق و شوق دکھائی نہیں دیا۔ اب مجھے اس سے زیادہ اپنی عمر پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ پس تم مجھے اجازت دے دو کہ میں جاکر اسلام قبول کر لوں چچا کہنے لگا خدا کی قسم۔ اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی متابعت اختیار کر لی تو آج تک جو کچھ تم کو میں نے دیا ہوا ہے۔ وہ تمام میں تم سے واپس لے لوں گا۔ یہاں تک کہ تمہارے جسم پر موجود لباس بھی میں چھین لوں گا عبداللہ نے کہا خدا کی قسم میں اسلام قبول کرتا ہوں اور مشرک و بت پرستی کو ترک کرتا ہوں۔ جو کچھ مال و اسباب میرے پاس ہے وہ تمام لے لو میں وہ سب کچھ چھوڑتا ہوں۔ ویسے بھی تو یہ سب کچھ آخری وقت پر چھوڑنا ہی پڑے گا میں اس مال و اسباب کے لئے دین حق قبول کرنے سے نہیں رہ سکتا۔ یہ کہا اور سب کچھ چھوڑ دیا اور بدن کا لباس بھی اتار پھینکا اور اپنی ماں کے پاس آ کر حاضر ہوئے۔ ماں نے صورت حال دیکھ کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ میں بت پرستی سے اور دنیا کی ہوس سے بیزار ہوں اور مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مومن و موحد بننے کی آرزو ہے مجھے کوئی کپڑا دے دو جس سے میں اپنا ستر ڈھانپ لوں ماں نے ایک چادر اس کو دی جس کے اس نے دو حصے کر لئے ایک حصہ سے تہبند کا کام لیا اور دوسرے کو چادر بنا لیا۔ یہی وجہ ہے ان کو ذوالبجادین کا لقب حاصل ہو گیا۔ بجاد کے معنی ہیں موٹی چادر (گلیم درشت)۔ ازاں بعد وہ بارگاہ بے کس پناہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

عبداللہ مدینے میں:۔ حضرت عبداللہ جب مدینہ شریف داخل ہوئے تو سحر کا وقت تھا۔ یہ وہاں مسجد نبوی میں آکر ٹھہر گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز کی خاطر مسجد میں آئے تو آنجناب کی نگاہ پاک عبداللہ پر پڑی آپ نے پوچھا کہ

کون ہے عبداللہ نے جواب دیا۔ میں ایک فقیر اور مسافر ہوں اور آپ کے جمال جہاں تاب کا عاشق ہوں اور میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام عبداللہ ہے اور تمہارا لقب ذوالبجادین ہے تم میرے گھر کے قریب ہی میرے پاس رہا کرو ازاں بعد اصحاب صفہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ قیام پذیر ہو گئے جہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مہمان رہا کرتے تھے۔ اور آنحضرت سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ صحابہ لشکر تبوک کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بلند آوازی کے ساتھ مسجد میں قرآن پڑھا کرتے تھے اور ان کی یہ بلند آواز لوگوں کی نماز اور قرات میں مزاحم ہوتی تھی آنحضرت نے ارشاد فرمایا اے عمر! اس کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دو کیونکہ یہ نکلا ہوا ہے اور خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے۔

اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب حال جو کچھ صادر ہو وہ ادب و اولی کے خلاف نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ بعض صحابہ نہایت ادب میں معذور ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہجرت ہمیشہ کے لئے باقی ہے اور اس قول کے رد میں ہے لا ہجرة بعد الفتح اور ہجرت مخصوص ہے مکہ سے مدینہ کی طرف اور حقیقت میں ہر وہ آدمی ہجرت کرنے والا ہے جو اس چیز سے ہجرت پذیر ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مخالفت کی ہے۔

لشکر اسلام مدینہ سے جب چلنے لگا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم و اصحابہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جا کر کسی درخت کی چھال لے آؤ۔ عبداللہ کیکر کے درخت کی چھال لائے۔ آنحضرت نے وہ چھال ان کے بازو پر باندھی۔ اور فرمایا اے خدا ان کا خون میں کافروں پر حرام کرتا ہوں عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو شہادت کا طلب گار ہوں۔ آپ نے فرمایا جس وقت تم خدا کی راہ میں جہاد کی نیت کر کے نکل پڑے اور تم کو بخار چڑھ جائے اور بخار سے ہی تم دنیا سے رحلت کر جاؤ تو تم شہید ہی ہو گئے بعد ازاں یہ عبداللہ رضی اللہ عنہ آنحضرت کے ساتھ آپ کی خدمت بجا لاتے ہوئے تبوک کے مقام پر جا پہنچے۔ وہاں ان کو بخار ہو گیا اور انہوں نے وصال پایا۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رات کا وقت تھا۔ عبداللہ کو دفن کے لئے لے کر گئے۔ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں ایک چراغ اٹھائے ہوئے ہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عبداللہ کی قبر میں تشریف فرما ہیں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما انہیں قبر میں اتارتے تھے۔ اور آنحضرت فرما رہے تھے اپنے بھائی عزت سے لاؤ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی لحد کو کچی اینٹوں سے بند کر دیا۔ اس کے بعد دعا فرمائی۔ اے خدا! یہ آدمی سب و روز میری خدمت میں مصروف رہا ہے۔ میں اس سے راضی ہوں۔ تو بھی اس کے ساتھ راضی ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ کاش اس قبر والے کی بجائے میں ہوتا۔

واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف بھیجا

گیا تھا۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ تبوک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چار سو سواروں کا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر متعین کیا اور اکیدر بن عبدالمالک نصرانی کی طرف بھیجا تاکہ اس کی سرکوبی فرمائی جائے۔ وہ دومتہ کا حکمران تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ علاقہ بنی کلاب کا ہے جہاں آپ مجھے تھوڑے سے سوار دے کر بھیج رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وقت نزدیک ہے جبکہ وہ شکار کھیلتا ہوا تمہیں پہاڑوں اور جنگلوں میں ملے گا۔ محاربہ نہیں کرنا پڑے گا بلا جنگ تم اس پر قابو پالوگے۔ فرمان نبوت کے مطابق حضرت خالد روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ دومتہ الجندل کے قلعہ کے نزدیک آپہنچے۔ اس وقت بڑی روشن چاندنی رات تھی اور اکیدر اپنے قلعہ میں موجود تھا۔ اور بالا خانے میں اپنی بیوی کے ساتھ شراب نوشی میں لگا ہوا تھا۔ ناگاہ ایک پہاڑی گائے وہاں نمودار ہوئی جس نے قلعہ کی دیوار سے اپنا سر مارنا شروع کیا۔ اکیدر کی بیوی نے اوپر جھانک کر دیکھا اور خاوند سے مخاطب ہوئی کہ اس قدر روشن چاندنی رات کبھی تم نے دیکھی ہے اور کیا کبھی ایسا شکار بھی ہاتھ لگا ہے؟ اکیدر نے جواب دیا کہ نہیں۔ وہ پہاڑی گائے کے شکار کا بڑا شوق رکھتا تھا۔ فوراً ہی اوپر سے اترا۔ گھوڑے پر سواری کی۔ اس کا بھائی بھی جس کا نام حسان تھا سوار ہو گیا اور اپنے کچھ خادم بھی ساتھ لے لئے۔ اور یہ جماعت شکار کرنے کی خاطر باہر نکلے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نظر بھی ان پر تھی۔ گائے بھاگ نکلی۔ اکیدر اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور خود ہی حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں شکار ہو گیا انہوں نے اس کو گرفتار کیا۔ اس کا بھائی مقابلہ پر اتر آیا لیکن مارا گیا۔ اور اس کے غلام اور خادمین تمام فرار ہو کر اپنے قلعہ میں گھس گئے۔ اور بنچہ تقدیر میں اکیدر مقید ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد تھا کہ اکیدر قابو میں آجائے تو زندہ ہی میری خدمت میں حاضر کرنا اور وہ انکار کرے اور سرکش ہو تو پھر اس کو قتل کر دیں۔ لہٰذا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اکیدر سے کہا کہ اگر تم چاہو تو تجھے جان کی امان دے دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیں لیکن شرط یہ ہے کہ قلعہ کی چابیاں ہمیں دے دو اور ہمارے واسطے قلعہ کھول دیا جائے۔ ایک اور بھائی بھی اکیدر کا موجود تھا اس کا نام مصاد تھا۔ اور اس کی ڈیوٹی قلعہ کی محافظت تھی۔ وہ قلعہ کھولنے میں پہلے تو مانع ہوا لیکن بعد میں بادل نخواستہ اس نے قلعہ کا دروازہ کھول ہی دیا۔ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ اکیدر نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ حضرت خالد کو دو ہزار اونٹ اور چھ سو بردے بھی دے گا دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ آٹھ سو گھوڑے چار سو زرہ اور چار ہزار نیزے دینے کی شرط پر صلح ہوئی اور حضرت خالد نے مان لیا کہ سابقہ طور پر قلعہ پر اکیدر ہی حکمران رہے گا۔ پس حضرت خالد کے ہمراہ اکیدر اپنے بھائی مصاد سمیت بارگاہ رسالت میں آکر حاضر ہوئے۔ تاکہ ان کے بارے میں آنحضرت کا منشاء اور رائے کا نفاذ ہو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کو یہ خبر دینے کے لئے کہ اکیدر گرفتار ہوا ہے۔ دومتہ الجندل فتح ہو چکا ہے اور اکیدر کا بھائی حسان ہلاک ہو چکا ہے۔ عمرو بن امیہ ضمری کو روانہ کیا۔ ان کے ساتھ بطور علامت حسان کی زربفتی چادر بھی بھیجی۔ عمرو بن امیہ ضمری آنحضرت کی خدمت میں آئے۔ تو کچھ لوگ اس چادر کی نرمی اور عمدہ پن کو اپنے سے مل مل کر دیکھتے تھے اور حیران ہوئے جاتے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو رومال حضرت سعد بن معاذ کے پاس ہے وہ اس سے

کہیں زیادہ نرم ہے اور کہیں زیادہ بڑھیا ہے۔

اس سے قبل غزوہ خندق کے سلسلہ ذکر میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رحلت کا تذکرہ ہو چکا ہے اور وہاں یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ عجمی بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ریشمی لباس بھیجا تھا۔ عرب کے لوگ آکر اسے مس کر کے دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے۔ آنحضرت کے لئے یہ خلعت آسمان سے نازل ہوئی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے اندر حضرت سعد بن معاذ جو رومال رکھتے ہیں وہ اس لباس سے نرم تر اور بہتر ہے۔

اہل سیر حضرات سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگزر سے کام لیا اور اکیدر اور اس کے بھائی کی جان بخشی فرمائی۔ ان پر جزیہ قائم کر دیا اور ان کے حق میں امان نامہ بھی تحریر فرما دیا۔ کچھ سیرت نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ جس وقت وہ مدینہ شریف آئے تھے تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ امان نامہ جو آنحضرت نے عطا فرمایا وہ اس مضمون میں مشتمل تھا۔ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لا کیدرحین اجاب الی الاسلام وخلع الانداد والاصنام** آخر یہ لکھا تھا۔ **یقمون الصلوٰۃ لوقتہا ویوتون الزکوۃ بحقیہا** امان نامہ کا یہ مضمون مندرجہ بالا قول کہ مدینہ میں وہ آئے تو ایمان لائے کا موید ہے۔ (واللہ اعلم)

راستہ میں مسجدوں کی تعمیر:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے مدینہ شریف کی طرف واپس آئے تو راستہ میں لوگوں نے ان مقامات پر مساجد بنائیں جن پر آنحضرت نے قیام فرمایا تھا۔ جیسے کہ شریف اور مدینہ شریف کے درمیان میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ جس جس مقام پر آپ نے قیام فرمایا تھا یا نماز ادا کی تھی حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف سے ایک ساعت کی مسافت پر قیام فرمایا۔ یہ مقام ذی آران ہے۔ وہاں پر آپ کو خبر ہوئی کہ منافقوں نے اس جگہ مسجد ضرار تعمیر کی ہے جو کہ مسجد قبا کے سامنے ہے آنحضرت نے حکم فرمایا کہ اسے گرا دیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اس کے گرائے جانے اور برباد کر دیئے جانے کی تفصیل یوں ہے۔

مسجد ضرار:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت پذیر ہو کر مدینہ شریف میں آنے سے قبل اس مقام پر بنی خزرج کے اکابرین میں سے ایک راہب رہا کرتا تھا اس کا نام ابو عامر تھا۔ وہ نصرانی دین رکھتا تھا اور توارت اور انجیل میں اس کو چندے مہارت حاصل تھی۔ عبادت و ریاضت بڑی کرتا تھا اور اپنے سر میں کچھ سردار بننے کا خبط بھی اس کو تھا۔ شروع شروع میں وہ مدینہ شریف کے لوگوں کے سامنے آخری نبی کے اوصاف و شمائل بیان کیا کرتا تھا اور لوگوں کو کہتا تھا کہ مجھے ان کے یہ اوصاف و شمائل جنوں اور فرشتوں نے سنائے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے سابقہ کتب اور امتوں کے بیان میں آنحضرت کے اوصاف کے باب میں مختصر طور پر بیان کر چکے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے اور جمال باکمال سے وہاں کے مسلمان شرف ہوئے اور لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو یہ شقی القلب راہب حسد کی

آگ میں جلنے لگا۔ حرص دنیا اور ہوس سرداری اور شیطان نے اس پر غلبہ پایا تو اس نے نبی کریم کی متابعت کرنے سے لوگوں کو منع کرنا شروع کر دیا۔ لوگ اس کو کہتے تھے کہ تم تو ہمارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اوصاف اور نعت بیان کیا کرتے تھے اب تجھے کیا ہوا ہے کہ لوگوں کے آنجناب کی متابعت کرنے سے مانع ہو۔ تو اس کے جواب میں یہ کہتا تھا کہ جس کی اوصاف میں بیان کرتا تھا یہ وہ نبی نہیں ہے۔ یہ کوئی اور صاحب ہے لیکن کو اس آخر الزمان بنی سے کچھ مشابہت حاصل ہے۔ اور کہتا تھا کہ وہ آئندہ ظہور فرمائیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو طلب فرما کر اسلام پیش کیا لیکن وہ نہ مانا اور سرکشی اور دشمنی اختیار کرلی۔ غزوہ بدر میں اہل اسلام کو عزت و شوکت ملی تو یہ راہب مدینہ سے فرار ہو کر مکہ میں آیا۔ اور وہاں کے قریش کفار کو آنحضرت کے خلاف جنگ وجدل کی ترغیب و تحریص دینا شروع کیا۔ پس جب غزوہ احد برپا ہوا تو مسلمانوں پر سب سے پہلے تیر مارنے والا آدمی یہی تھا۔ لہٰذا اس کو فاسق کے لقب سے پکارنے لگے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی۔ اور آپ نے فرمایا اے خدا! اس کو تنہائی کے عالم میں بے یار و مددگار موت دے۔ پس اس طرح واقع ہوا۔ غزوہ احد کے بعد یہ وہاں سے بھاگ کر روم میں داخل ہو گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ غزوہ حنین میں یہ شخص حاضر تھا۔ اور وہاں سے بھاگا اور ہرقل شاہ روم کے پاس چلا گیا۔ وہاں پر وہ ہرقل کا مقرب بنا اس کی خواہش تھی کہ وہ شاہ ہرقل سے فوج حاصل کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف جنگ کرے۔ لیکن اس کے لئے ایسا نہ ہو سکا۔ پس مدینہ شریف میں موجود منافقین کو اس نے ایک مکتوب بھیجا کہ میرے واسطے مسجد قبا کے مقابلے میں ایک مسجد تعمیر کرو۔ تاکہ میں مدینہ میں آکر اس میں بیٹھ جاؤں۔ اور مطالعہ علوم میں مصروف ہو سکوں اور میرے اور تمہارے لئے وہ مسجد کمین گاہ کا کام دے گی۔ تاکہ جب ضرورت ہو وہاں بیٹھ کر ہم آپس میں مشورہ وغیرہ کر سکیں پس یہ مسجد ان منافقین نے تعمیر کر دی۔ جب آنحضرت غزوہ تبوک سے واپس آئے تو یہ مسجد اپنی تکمیل کو پہنچ گئی تھی آنحضرت جب تبوک سے واپس آرہے تھے تو یہ منافق لوگ بڑی چکنی چپڑی گفتگو سے اپنے نفاق کو ظاہر کرنے لگے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ! بیمار لوگوں اور کمزور آدمیوں کے لئے ہم نے سردی اور بارش میں بچاؤ کی خاطر ایک جگہ بنا رکھی ہے اور ہماری یہ خواہش ہے کہ وہاں تشریف لے چلیں اور وہاں پر نماز ادا کر کے اس مسجد کو عزت عطا فرمائیں آپ ہم پر یہ احسان فرما دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اب جہاد میں ہم مصروف ہیں فارغ ہو کر واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہاں نماز پڑھیں گے۔ دوران مراجعت آنحضرت ذی آوان کے مقام پر پہنچے تو یہ لوگ پھر حاضر ہوئے اور آنحضرت کو آپ کا سابقہ قول یاد دلایا۔ تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المومنین...... تاقول واللہ یحب المطھرین۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت مالک بن دخشم اور معد بن عدی رضی اللہ عنہما اور چند دیگر آدمیوں کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ان ظالموں کا تعمیر کردہ مکان اکھاڑ دیا جائے۔ لہٰذا وہ گئے اور بموجب حکم عمل کیا۔ اس مکان کی تعمیر میں شریک بارہ منافق آدمیوں کے نام کتب سیر میں مندرج ہیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ جگہ کوڑا کرکٹ کا

مقام بن گیا۔ حتیٰ کہ ہر قسم کی پلید اور نجس چیز وہاں پھینکنے لگے سیرت نگار یہ بھی ذکر کرتے ہیں وہ جگہ اکھاڑ پھینکنے اور مکان برباد کردینے کے بعد بھی عرصہ دراز تک وہاں آگ کا دھواں نکلتا رہا۔

مدینہ شریف میں داخلہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف کے نزدیک آگئے اور مدینہ میں داخل ہونے والے تھے جب کہ مدینہ کے لوگ آنحضرت کے استقبال کی خاطر شہر سے باہر نکلے۔ ان کی عورتیں بچے اور لڑکیاں اس طرح گانے لگیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع

بعض نے ان اشعار کے بارے میں کہا ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ شریف آئے تھے تو اس وقت لڑکیوں نے یہ اشعار گائے تھے۔ اس ضمن میں صاحب مواہب الدینہ فرماتے ہیں کہ یہ قول خطا ہے اور وہم پر مبنی ہے۔ کیونکہ ثنیات الوداع کا مقام شام کی جانب واقع ہے۔ اور جو شخص مکہ شریف کی طرف سے آئے وہ یہ مقام نہیں دیکھ سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ میں ایک ایسی قوم ہے جو کسی بھی وادی میں جاتی نہیں ہے پھر بھی وہ ہروقت تمہاری ساتھ ہی ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ ہی تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ آپ کا یہ قول اس حکم میں ہے۔ **نیت المومن خیر من عملہ** مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ اور ایک اور فرقہ بھی ہے جو تمہارے ساتھ ہے لیکن وہ ہمیشہ تم سے جدا رہتا ہے اور مدینہ شریف کے بالائی حصہ میں داخل ہوئے تو فرمایا۔ **ھذہ طابۃ وھذا احد یحبنا ونحبہ** (یہ پاکیزہ شہر ہے اور یہ احد پہاڑ ہے۔ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ شریف میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ قصیدہ غرا میں آنحضور کی نعت و مدح پڑھی۔ وہ قصیدہ مواہب الدینہ میں مذکور مسطور ہے اس قصیدہ کے کچھ اشعار اس سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مبارک کے ضمن میں مذکور کئے جاچکے ہیں:۔

تخلف کرنے والے حضرات:۔ وصل:۔ معلوم رہے کہ منافقین میں بہت سے ہیں جو غزوہ تبوک میں نہ گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں کچھ وہ بھی تھے جو معذور تھے اور ان کے عذر بھی صحیح تھے لیکن صحابہ میں سے پیچھے رہ جانے والے بغیر کسی عذر وغیرہ کے اور بغیر کسی شک و شبہ کے پانچ افراد ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ابوذر غفاری ابوخیثمہ سالمی کعب بن مالک۔ مرارہ بن الربیع اور بلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ پانچوں اس طرح سے پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت ابوذر غفاری:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی روانہ ہوئے لیکن راستہ میں ان کا اونٹ تھک گیا اور سفر کے قابل نہ رہا پس انہوں نے اپنا ضروری سامان اپنے کندھوں پر

اٹھایا اور پیدل ہی تبوک کو چل پڑے۔ اور اس طرح وہ تبوک پہنچے۔ لوگوں نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یا رسول اللہ! کوئی شخص پیادہ اور اکیلا ادھر آتا ہوا دور سے دکھائی دیتا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ "کن ابوذر" حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آنحضرت کے نزدیک پہنچے تو آنحضرت نے اٹھ کران کو مرحبا فرمایا۔ اور فرمایا رحم اللّٰہ اباذ رتمشی وحدہ وتیبعث وحدہ اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے۔ یہ اکیلا ہی چل کر آیا ہے تنہا ہی وصال اور تنہا ہی اٹھایا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کا حال دریافت فرمایا انہوں نے اپنے اونٹ کے بارے میں بتایا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میرے اہل میں تم بڑے عزیز ہو۔ تم نے جتنے قدم ہمارے جانب لئے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہر قدم پر ایک ایک گناہ بخشے۔

ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ:۔ یہ حضرت ابوخثیمہ اس وقت تبوک کی طرف روانہ ہوئے جبکہ آنحضرت کئی دن ہوئے مدینہ شریف سے جاچکے تھے۔ ان کا واقعہ اس طرح سے ہے۔

ایک سخت گرمی کا روز تھا۔ ابوخثیمہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں آئے۔ یہ دو بیویاں رکھتے تھے دونوں نے اپنے اپنے عریشہ پر پانی چھڑکا ہوا تھا۔ اور اس میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور ٹھنڈے پانی کے کوزے بھی بھر کر رکھے ہوئے تھے۔ اور اچھے کھانے بھی پکا کر رکھے ہوئے تھے۔ ابوخثیمہ عریش کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ اپنی بیویوں کو دیکھا ترتیب اسباب بھی ملاحظہ کی تو کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو گرم ہواؤں اور سخت دھوپ میں ہوں اور ابو خیثمہ ٹھنڈے سائے میں ٹھنڈے پانی مزیدار خوراک اور خوبصورت بیویوں کے ساتھ عیش کرے یہ بات انصاف اور محبت سے بہت بعید ہے۔ خدا کی قسم میں ان عریشوں میں داخل نہ ہوں گا جب تک کہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ جاملوں۔ پس کچھ سفر خرچ لیا اور اپنا اونٹ کھینچا اور باہر نکل گئے۔ اس کی بیویوں نے ہرچند اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے کسی ایک سے بھی کلام نہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے روانہ ہو گئے اور تبوک کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاملے۔ اور اپنا حال وکیفیت عرض کی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ لیکن وہ تینوں یار جو کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں وہ مشہور ہیں۔ ان میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کی توبہ کا قصہ سب سے عمدہ ہے۔ کیونکہ یہ تینوں ہی اس آیہ کریمہ میں شامل ہیں۔ وعلی الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت یہ تین اشخاص ہیں محل عتاب و خطاب ہوئے اور پھر عفو و درگزر کے مستحق ٹھہرے۔

قصہ حضرت کعب بن مالک:۔ حضرت کعب کا قصہ بڑا عجیب سا ہے اور عجیب ہی رنگ کا قصہ ہے اور ان کے قصہ بیان کے ضمن میں ہی دوسرے دو کا بھی حال آجاتا ہے۔

معلوم ہو کہ حضرت کعب بن مالک انصاری خزرجی عقبی عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور اس میں حاضر ہونے والے ستر آدمیوں میں سے ایک یہ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ستاون آدمیوں میں سے ایک تھے اور ان کی توبہ کا قصہ دراز ہے۔ اس

کے باوجود میں وہ یہاں نقل کرتا ہوں کیونکہ اچھے قصوں میں سے ہے۔ انہی کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس غزوہ سے میرا پیچھے رہ جانا ابتلائے محض تھا۔ ظاہرا" مجھے اس میں کوئی قصد و اختیار نہ تھا کوئی عذر بھی نہیں تھا جس کے باعث تخلف کیا جا سکتا ہو۔ جملہ اسباب تیار تھے اور میں کبھی اتنا توی اور بالاتر نہ تھا جتنا کہ اس وقت تھا اور کبھی کسی غزوہ میں میرے پاس دو اونٹ نہ ہوئے تھے جبکہ تبوک کے سفر کے لئے میں نے دو اونٹ خریدے تھے لیکن ہوا سخت گرم تھی اور مدینہ کی کھجوریں بھی پکی ہوئی تھیں۔ اور لمبا سفر درپیش تھا۔ اور طبعی طور پر لوگوں کے دل نہ چاہتے تھے کہ سایہ سے نکل کر دھوپ میں ہوں۔ اور مجھے کوئی تشویش بھی نہ تھی کیونکہ میرا اسباب اور سواریاں بالکل تیار تھیں میں سوچتا تھا کہ جب لوگ روانہ ہوں گے تو میں بھی نکل پڑوں گا جب لوگ نکل پڑے تو میں نے کہا کہ آج مجھے مصروفیت ہے۔ دوسرے روز روانہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح تردد و تاخیر میں دو تین روز گزر گئے۔ یہاں تک کہ لشکر اسلام دور چلا گیا تھا اور روانگی کا مناسب وقت ہاتھ سے نکل گیا' اور معاملہ ہاتھ سے جاتا رہا تو بڑا رنج و غم طاری ہوا۔ کہ یہ کیا ہوا ہے اور گھر سے باہر آتا تو غم و اندوہ اور تنگی دل اور زیادہ ہو جاتی تھی۔ وجہ یہ کہ سوائے منافقوں کے جنہوں نے جھوٹے عذر بنا رکھے تھے اور کمزور لوگوں کے جو کہ معذور تھے کوئی آدمی مدینہ میں پیچھے نہ رہا تھا میں پشیمان ہوتا تھا اور حسرت و غم کی آگ جلتا تھا کہ کیونکہ غزوہ پر نہ گیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اس غزوہ میں بھی یاد نہ فرمایا سوائے تبوک کے مقام پر۔ وہاں پر آپ نے میرا حال دریافت فرمایا تو حضرت عبداللہ بن انیس جو کہ ایک انصاری مدنی عقبی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ انصار کا حلیف تھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کعب کو پیچھے رکھنے والے ایسے دو کپڑے ہیں۔ جو کعب کی نظر میں نہایت میں نہایت عمدہ تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو نے بری بات کہی ہے اور پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہم نے کعب سے سوائے نیکی کے کبھی کوئی چیز نہ دیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب لشکر کی واپسی کی خبر مجھے پہنچی تو غم زیادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت واپس تشریف فرما ہو گئے۔ میں متفکر ہوا کہ کل کیا عذر پیش کروں گا اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غضب و غصہ سے کیسے بچوں گا میرے ذہن میں جھوٹی باتیں بہت آئیں کہ پیش کروں میرے عزیزوں نے بھی بہت کہا کہ یوں کہو اور یوں کرو۔ حتی کہ آنحضرت مدینہ شریف تشریف لے آئے۔ میرے دل سے وہ جھوٹی باتیں اور باطل گمان سب نکل گئے اور میں نے کہا کہ مجھے نجات نہیں مل سکتی سوائے سچائی کے اور منافقوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں اور باطل عذر پیش کئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم ظاہرا ان کے عذر قبول فرما رہے تھے۔ اور باطن میں وہ خدا پر چھوڑ رہے تھے۔ پس میں گیا اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ نے نگاہ فرمائی اور تبسم فرمایا۔ لیکن خشم آلود جس سے میں از خود رفتہ ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا اے کعب! تم پیچھے کیوں رہ گئے تھے کیا تجھے اسباب سفر میسر نہ تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! بلاشبہ جو اسباب مناسب تھے مجھے تمام حاصل تھے۔ لیکن نفس نے مجھے غافل کر دیا اور مجھ پر سستی غالب آ گئی اور شیطان نے میری راہ بند کر دی اور مجھے ورطہ بدنصیبی اور ذلالت میں ڈال دیا تو آپ نے فرمایا اٹھو اور چلے جاؤ جب تک کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کوئی حکم نازل ہو۔ میرے عزیز و اقارب نے میری

سرزنش کی کہ تم نے بھی دوسروں کی مانند کوئی عذر کیوں نہ پیش کیا اور جھوٹ کیوں نہ بولا۔ میں نے کہا کہ نزول وحی سے ڈرتا تھا کہ وہ میرے جھوٹ پر گواہی نہ دیدے۔ اگر دنیاداری کا کوئی معاملہ ہوتا تو جو چاہتا کہہ دیتا۔ لیکن اس معاملہ میں سوائے سچائی کے کسی چیز کی گنجائش نہ تھی پس میں لوگوں سے پوچھتا تھا کہ کیا اس طرح کا واقعہ جیسے کہ میرا ہے کسی اور کو بھی پیش آیا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کو اسی طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اور وہ بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اس پر مجھے کچھ حوصلہ ہوا کہ یہ دونوں مسلمان صالح ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ نہ کوئی بات کرے نہ صحبت ہی رکھے۔ پس تمام لوگوں نے مجھ سے اعراض کیا اور ہم پر حال ہی دگرگوں ہو گیا۔ اسی طرح پچاس دن گزر گئے۔ یہاں تک کہ میں اپنی جان سے تنگ آگیا اور دنیا مجھ سے تنگ ہو گئی۔ اور ان پچاس دنوں کے دوران ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہرگز اپنے گھروں سے باہر نہ نکلے۔ اور کسی سے بھی نہ ملے جلے اور ان کو بڑھاپے کی کمزوری بھی لاحق تھی۔ اور جوان تھا اور دلیری ظاہر کی اور نماز کے لئے باہر آجاتا تھا اور مجلس شریف میں ترساں و لرزاں بیٹھتا تھا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دزدیدہ طور پر محبوبانہ نظر ڈال لیتے تھے کہ میری شکستگی کا عالم کیا ہے۔ جب میں آپ کی طرف نگاہ کرتا تھا تو آپ نظر پھیر لیتے تھے۔ اگر کبھی کسی کام کے لئے میں گھر سے باہر جاتا تھا تو کوئی مسلمان میرے ساتھ بات نہ کرتا تھا۔ اور مجھ سے سلام بھی نہ لیتا تھا یہاں تک کہ ایک روز میری طاقت جواب دے گئی اور دل تنگ آگیا۔ مدینہ مطہرہ سے باہر آگیا اور میرے چچا کا لڑکا ابو قتادہ جو مجھے بڑا محبوب رکھتا تھا اس کا ایک باغ تھا۔ وہاں پر وہ کوئی مکان بنوا رہے تھے۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا اور میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ میں نے کہا اے ابو قتادہ! تمہیں پتہ ہے کہ میں خدا اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں اور میرے دل میں نفاق اور شرک کی ہرگز کوئی گنجائش نہ ہے۔ تو کیوں میرے ساتھ بات نہیں کرتا اس نے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ تین مرتبہ ایسے ہی کیا۔ آخر پر صرف اس نے اس قدر کہا۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ پس مجھے زور سے رونا آیا اور میں بہت ہی رویا اور مدینہ شریف میں آگیا۔ ناگاہ میں نے ایک نصرانی کو دیکھا جو شام کی طرف سے آیا تھا۔ اور لوگوں سے میرے متعلق پوچھتا پھرتا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو کہا یہ وہ آدمی ہے جس کی تمہیں تلاش ہے۔ اور یہ عشان کے بادشاہ کا قاصد تھا اس کی طرف سے میرے پاس ایک مکتوب لایا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا اے کعب بن مالک واضح ہو کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے آقا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تم سے ناراض ہو چکے ہیں اور تمہیں اپنی مجلس سے نکال دیا ہے اور اس کے صحابہ تم پر شدت کرتے ہیں تو ایسے رتبے کا آدمی نہیں کہ تم پر وہ ظلم کریں اور تجھے مہجور و مطرود کیا جائے۔ جب اس خط کا مضمون پڑھو تو فوراً اٹھو اور ہمارے پاس آؤ تاکہ تم ہماری نوازشات و مہربانیوں سے بہرہ یاب ہو۔ جس وقت یہ خط میں نے پڑھ لیا تو سوچا کہ مجھ پر نازل شدہ آزمائشوں میں سے ایک آزمائش یہ بھی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی بدترین بلا نہیں ہو سکتی کہ ایک کافر مجھے اور میرے دین کو موڑنا چاہتا ہے اور مجھے کفر کی دعوت دیتا ہے۔ میں مزید رنجیدہ اور غمگین ہوا۔ وہ خط آگ میں جلا دیا اور

قاصد کو نکل دیا اور اس سے کہا کہ چلے جاؤ اور اپنے بادشاہ کو کہہ دو کہ میرے آقا کی مجھ پر جو عدم عنایت و التفات ہے وہ تمہاری عنایت و التفات سے لاکھوں درجہ بہتر و خوشتر ہے۔

گر وصل تو نہ باشد بفراق تو خوشم　　ہم فراق تو مرا بہ از وصل گرداں

ازاں بعد میں اپنے گھر چلا گیا اور معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے کسی شخص کو بھیجا ہے کہ میں اپنی زوجہ سے علیحدہ رہوں میں نے دریافت کیا کہ کیا طلاق دینے کا حکم ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بیوی سے صحبت مت کرو۔ پس میں نے اپنی بیوی کو اس کے والد کے ہاں روانہ کر دیا۔ دوسرے دو آدمیوں ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہما کو بھی ایسا ہی حکم فرمایا گیا۔ کہ اپنی عورتوں سے دور ہی رہیں اور کچھ روایات میں یوں بھی ہے کہ عورتوں نے خود کہا کہ ہم سے دور رہو۔ ہمارے ساتھ مباشرت نہ کریں اور نہ ہی کوئی خدمت ہم سے لیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہا کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ میں آکر عرض پرواز ہوئی یا رسول اللہ میرا شوہر ضعیف و بوڑھا ہے اور خدمتگار بھی کوئی نہیں ہے لہٰذا اس کی خدمت بجالانے کی مجھے اجازت فرمائی جائے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے تم اس کی خدمت کرو لیکن مباشرت و مجامعت ہرگز نہ ہو۔ عورت نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ کی قسم وہ نہایت رنج و غم کی حالت میں بے حس و حرکت پڑا ہے اور متواتر رونے میں لگا ہوا ہے۔ مجامعت کیا ہو گی۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ میرے گھر کسی فرد نے مجھ سے کہا کہ تم بھی اجازت حاصل کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت بجالائے۔ یہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم۔ میں تو یہ ہرگز نہ کروں گا۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے اجازت ملے گی یا کہ نہیں۔ نیز میں جوان ہوں کسی دوسرے کی خدمت کا میں محتاج بھی نہیں ہوں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے پچاس یوم کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک رات کو میں انتہائی تنگی دلی اور شکستہ عالم میں ایک مکان کی چھت پر لیٹا ہوا تھا ناگاہ ایک آواز سنائی دی۔ میں نے ادھر دھیان کیا۔ معلوم ہوا کہ ٹیلے پر کھڑا ہو کر کوئی آدمی آواز دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے کعب بن مالک! مبارک ہو تجھ کو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ تمہاری توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ دیگر ایک روایت ہے کعب بن مالک کے گھر کے نزدیک کوہ سلع تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ حق تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ کو منظور فرمایا ہے۔ ازاں بعد میرے دوست اور احباب نے آکر مجھے خوشخبری دینا شروع کی اور عام لوگوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ مخلصین کی توبہ قبول ہو چکی ہے۔ پس میں نے اپنا سر سجدہ میں زمین پر رکھا اور شکر ادا کیا۔ پھر میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میں حاضر ہوا۔ اس وقت مجلس شریف میں انصار و مجاہدین موجود تھے مہاجرین نے مجھ کو مبارکباد پیش کی لیکن انصار چپ بیٹھے رہے۔ آنحضرت کی خدمت میں میں نے سلام عرض کیا اور دیکھا کہ آنجناب کا رخ انور بدر منیر کی طرح تاباں ہے۔ یہ آنحضرت کی عادت شریفہ تھی کہ خوشی کی کوئی بات ہوتی تھی تو رخ انور درخشندہ اور تابندہ ہو جاتا تھا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اے کعب! بشارت ہو تمہیں کہ جب سے والدہ کے بطن سے تم تولد ہوئے تمہارے لئے اس دن سے بہتر کوئی دن نہیں آیا۔ تم جان لو کہ اس روز سے بہتر کوئی دن تم پر

اس سے پہلے نہیں گزرا ہے۔ آجاؤ۔ رب العزت کی بارگاہ قدسیہ میں تمہاری توبہ مقبول ہو گئی ہے واللہ الحمد والمنۃ

شکرایزد میان من واو صلح افتاد حوریاں رقص کناں دست بہ شکرانہ زدند

میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی قبولیت کے شکرانہ میں اپنا تمام مال راہ خدا میں پیش کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یوں مت کرو۔ پھر میں نے آدھے مال کی پیشکش کی۔ اپ نے پھر فرمایا کہ نہیں۔ تب میں نے ایک تہائی مال کہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک تہائی اچھا ہے اور تہائی مال ہی بہت ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں کہ بلال بن امیہ کے ہاں گیا اور انہیں خوشخبری دی۔ پس وہ سجدہ ریز ہو کر رونے لگے حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ جسم سے روح پرواز کر جانے تک وہ سجدہ سے اپنا سر نہ اٹھائیں گے۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں۔ ان دنوں کے دوران وہ بہت کم کھاتے پیتے تھے۔ اکثر اوقات وصوم وص سے ہوتے تھے اور گریہ زاری اور آہ وفغان جاری رہتے تھے۔

مشائخ عظام میں سے حضرت ابوبکر وراق رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا توبتہ النصوح کی شناخت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود توبہ کرنے والے آدمی پر بڑی تنگ ہو جائے۔ بلکہ اس کا سانس لینا بھی تنگ ہو جائے۔ جیسے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کی توبہ تھی کچھ اہل سیریوں بھی فرماتے ہیں کہ یہ جو آیت پاک ہے۔ یاایھا الذین امنوا تقوا اللہ وکونوا مع الصادقین اس میں صادقین سے یہی تینوں صاحبان مراد ہیں جو پیچھے رہ گئے تھے پھر بھی بخلاف منافقین انہوں نے سچ سچ بات کی۔ اور مفسرین نے فرمایا ہے ان کی توبہ قبول ہو جانے کے بعد ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مسلمان غزوہ تبوک کے بعد اپنا اسلحہ وغیرہ بیچنے لگے۔ اور کہتے تھے کہ جہاد اب ختم ہو چکا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر سنی تو آپ نے فرمایا لا یزل عصابة من امتی یجاھدون علی الحق حتی یخرج الدجال میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرتی رہے گی یہاں تک کہ دجال کا خروج ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔

تنبیہہ:۔ غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے تین صحابہ کرام کے یہ ہی نام مشہور ہیں۔ جن کی توبہ کی قبولیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار۔ تاقول حق تعالیٰ ان اللہ ھو التواب الرحیم ان کے علاوہ دو صحابہ اور بھی ہیں۔ ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان کا اونٹ راستہ میں ہی تھک کر رہ گیا۔ لہٰذا وہ پیدل چلتے چلتے تبوک پہنچ گئے اور مسلمانوں سے جا ملے اور دوسرے ہیں حضرت ابوخثیمہ رضی اللہ عنہ یہ مدینہ میں ہی رہے تھے لیکن کچھ دنوں بعد روانہ ہو گئے اور تبوک پر جا کر ملے۔ ان کے علاوہ مواہب الدینہ میں کچھ اور نام بھی شمار کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے بنو قریضہ کو اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے سمجھا دیا تھا کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے اور آنحضرت کو اس کا پتہ چلا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ تم نے جو

اشارہ اپنے حلق کی طرف کر کے بتایا ہے اللہ تعالیٰ اس سے غافل ہے۔ اور ان پر عتاب فرمایا۔ تبوک کی جانب آنحضرت کی روانگی کے موقع پر ابولبابہ نے تخلف کیا پس یہ بھی ۔تخلف کرنے والی جماعت میں شمار ہوئے پھر انہوں نے آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنا روئے مبارک دوسری جانب فرمالیا۔ لہذا ابولبابہ رضی اللہ عنہ خوفزدہ ہوتے اور انہوں نے خود کو ایک ستون مسجد کے ساتھ باندھ لیا۔ اور کہنے لگے کہ یہی میرا مقام ہے کہ جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری جان قبض نہ کرے یا میری توبہ قبول نہ فرمالے۔ الحدیث۔ اور اس آیت پاک کے تحت بیہقی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **واخرون اعترفو بذنوبهم خلطوا عملا صالح واخر سينا عسى الله ان يتوب عليهم۔**

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس صحابہ تھے جو تخلف کے مرتکب ہوئے تھے۔ آنحضرت مدینہ شریف واپس آگئے تو ان میں سے سات صحابہ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سامنے سے گزر کر مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو حضور نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں۔ تو آپ کو لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ ابولبابہ اور ان کے دوسرے ساتھی متخلفین ہیں۔ یا رسول! ان کو معاف فرمائیں اور کھول دیں آپ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم۔ میں ان کو نہیں کھولوں گا۔ اور ان کو معذور بھی نہ سمجھوں گا جب تک ان کو اللہ تعالیٰ نہ فرمادے اور نہ کھلوائے۔ یہ مجھ سے اعراض کرنے والے اور تخلف کرنے والے ہیں پس اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **اخرون اعترفو بذنوبهم** تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کو کھولنے کے لئے کسی شخص کو بھیج دیا۔ اور اس لئے بھیجا کہ ان کو بشارت دی جائے۔ یہ اس مقام پر مواہب الدینہ کا کلام ہے اور قبل ازیں غزوہ بنو قریضہ میں اپنی غلطی کے باعث خود کو ستون سے باندھا تھا۔ لیکن اس روایت کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت صرف عتاب پر اکتفا تھا۔ اور ستون مسجد سے باندھا جانا غزوہ تبوک کے موقع پر ہوا ان دس آدمیوں کے نام اس میں مذکور نہیں کہ وہ کون کونسے حضرات تھے۔ کتب سیر میں صرف یہ تین نام ہی ہیں یا ان کے علاوہ ابوذر اور ابو خیثمہ رضی اللہ عنہما مذکور ہیں۔

اور مہاجرین سے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ابوامیہ رضی اللہ عنہ کا نام پیچھے رہنے والوں میں آیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ کی معذرت طلبی کی بنا پر ان کو معذور رکھا اور ان کی خطا سے آنحضور نے درگزر فرمایا تھا۔ جیسے انشاءاللہ کتاب کے آخر پر آنحضرت کے قاصدوں کے متعلق بیان میں مذکور ہو گا۔

غزوہ تبوک کے بعد وفود کی آمد:۔ غزوہ تبوک کے بعد اسی سال میں یکے بعد دیگرے وفود آنے لگے۔ اور بحکم اس آیت پاک کے ورایت **الناس يدخلون فى دين الله افواجا** تمام اطراف سے لوگ آ آکر حلقہ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے لہذا اس سال کا نام سنۃ الوفود ہوا۔ مسجد میں ایک ستون اسطوانۃ الوفود کہلاتا ہے۔ اور اس پر یہ الفاظ تحریر شدہ ہیں۔ یعنی اس مقام پر اکثر اوقات آنحضرت وفود سے ملتے تھے وفد وفود اور وفادہ کے معنی ہیں داخل ہونا یا وارد ہونا۔ اور وہ

ایسے لوگوں کا گروہ ہوتا ہے جو بڑے لوگوں کو بادشاہوں کے ملنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اس کا واحد وافد ہے۔ جس طرح رکب سے راکب ہوتا ہے۔

بعض اہل سیر نے کہا ہے کہ جب آنحضرت جعرانہ سے واپس تشریف فرما ہوئے تو اس کے بعد ۸ھ میں وفود آنے شروع ہوئے تھے لیکن اکثریت کے نزدیک یہ ہے کہ غزوہ تبوک سے واپس آجانے کے بعد وفود آنے لگے۔ اور یہ ہی صواب ہے محدثین اور سیرت نگاروں کی ایک بڑی جماعت ہے جنہوں نے ان وفود کو ضبط کیا ہے انہوں نے تمام وفود کی تعداد ساٹھ سے بھی زیادہ بیان کی ہے۔ اور ہر کتاب میں ان میں سے کچھ وفود مذکور ہوئے ہیں لیکن ان وفود کا ذکر یہاں پر کرتے ہیں جن کے متعلق نادر قصے عجیب و غریب حکایات اور نفع بخش کلمات ہیں یا جن سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات وارد ہوئے ہیں۔ پہلے ہم وہ بیان کرتے ہیں جو روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں کیونکہ ہم نے روضۃ الاحباب کی نہج پر ہی اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ پھر وہ بیان کریں گے جو میں نے مواہب الدینہ اور دوسری کتب میں دیکھے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفود کے آنے کے وقت خود بھی فاخرہ لباس پہنا کرتے تھے اور صحابہ کو بھی ایسا ہی حکم فرماتے تھے۔ اور یہ وفود اچھے مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے اور ان کی مہمان نوازی بھی اچھی طرح فرمائی جاتی تھی اور ہر ایک اپنے حالات کے مطابق انعامات و اکرامات سے بھی نوازا جاتا تھا۔

وفد اسد بن خزیمہ:۔ نویں سال میں آنے والا ایک وفد اسد بن خزیمہ کا تھا۔ یہ دس اشخاص پر مشتمل تھا یہ آکر مسلمان ہو گئے۔ اور اپنی جانب سے احسان دکھایا کہ قحط سالی کے دوران بڑی دور سے ہم یلغار کر کے آئے ہیں اور ہم راتوں کو آسودہ حال کھاتے بھی نہ ہیں اور اپنے ذوق و شوق کے بنا پر آکر مسلمان ہوئے ہیں ہم پر کوئی لشکر بھی نہ بھیجا گیا۔ پس یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ **یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم والایمان ان کنتم صادقین** یہ لوگ اگر غفلت و نادانی کی بنا پر احسان جتلا رہے تھے تو بلاوجہ تھا کیونکہ دنیا و آخرت میں اس کا فائدہ ان کے لئے تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس کے نفع پہنچنے سے منزہ و مستغنی ہیں اور ان کی ذات ان لوگوں کے افعال سے پاک اور برتر ہے۔ اور منت و احسان ایسی نعمت ہے کہ منعم کوئی عوضانہ اور جزاء کا طالب نہ ہو۔ بارگاہ رسالت اصل میں بارگاہ ربوبیت کی مظہر ہے۔ اور اگر خدمت و نصرت کے لحاظ سے وہ احسان ظاہر کر رہے تھے تو پھر یہی حکم ہے۔ ہاں یہ امکان ہے کہ برائے خدمت حصول نوازش، رحمت و عنایت اور شفقت و مہربانی کی طلب کے پیش نظر انہوں نے ایسے کہا ہو۔ یہ طلب بھی مودبانہ ہونے کے باعث احسان و منت کہلائی۔ اگر حقیقت حال و شعور رکھتے تو نعمت توفیق میں مستغرق ہوتے ہوئے اپنا سر بھی بلند نہ کر سکتے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   که خواجه خود روش بنده پروری دارد

اللہ رب العزت نے اس تنبیہہ کی طرف ان کنتم صادقین فرما کر اشارہ فرما دیا ہے۔ کہ یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ تمہارے اسلام میں صحت و استقامت ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اگر اپنے اسلام کو خبر دینا تمہارے

سچ پر مبنی ہے تو اسلام قبول کر لینے پر اپنا احسان ظاہر کرنا بلکہ اپنا حال بتانا اور لطف و کرم کے حصول کا اظہار بھی تمہارے اسلام کے منافی ہے۔

وفد فزارہ:۔ وفد فزارہ میں تقریباً بیس آدمی تھے۔ یہ بھی اپنا اسلام لانا ظاہر کرتے تھے۔ ان میں خارجہ بن حصین اور حربن قیس بن حصین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اور ان سب کا تعلق اسی عینیہ بن حصین فرازی کے قبلہ سے تھا۔ جو کہ مولفتہ القلوب میں شامل تھا اور قبل ازیں اس کی سخت طبیعت اور ظلم و جفا مذکور ہو چکے ہیں اور اس بارے میں اس کے بارے میں متعدد حکایات آئی ہیں۔ یہ خارجہ اس کا بھائی تھا اور حراس کے بھائی کا فرزند تھا اور یہ بو میں پہلے مذکور ہو چکا تھا کہ یہ حربن قیس امیر المومنین کا بڑا مقرب تھا اس جماعت نے نبی کریم کی خدمت میں آکر اپنی مفلسی اور فاقہ کشی ظاہر کی۔ قحط اور تنگ دستی کے بارے میں عرض کیا۔ اور طالب باراں ہوئے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بارش کے لئے دعا فرمائی حتیٰ کہ پورا ایک ہفتہ بارش جاری رہی۔ اس کے بعد دوسرے ہفتہ آنحضرت نے دعا فرمائی کہ اردگرد بارش جاری رہے لیکن مدینہ شریف پر بارش نہ ہو۔ پس بادل چھٹ گیا اور سورج طلوع ہو گیا۔ گزشتہ اوراق میں چھٹے سال کے واقعات میں اس طرف کچھ اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مختصر طور پر یہ قصہ یوں ہے کہ آنحضرت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ جبکہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! **ھلکت المواشی وجاع العیال وانقطعت السمل واحمرت الشجر** و مویشی ہلاک ہو گئے ہیں۔ اہل و عیال بھوکے مرنے لگے اور خشک سالی غالب آگئی ہے درخت بھی خشک ہو گئے ہیں۔ آنحضرت نے دعا فرمائی حتیٰ کہ اگلے جمعہ کے روز تک بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ کو پھر اسی آدمی نے یا کسی دوسرے شخص نے گزارش کی۔ یا رسول اللہ! دعا فرمائیں کہ بارش بند ہو جائے آنحضور نے پھر دعا کی۔ کہ پہاڑوں وادیوں چشموں اور کھیتوں اور باغات پر بارش جاری رہے پس فوراً بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ یہ عیاں ہے کہ یہ قصہ دیگر ہے اور فزارہ کا قصہ اور ہے۔ واللہ اعلم۔

وفد بنی مرہ:۔ بنی مرہ کا وفد تیرہ اشخاص کا تھا یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ حارث بن عوف ان کا سردار تھا۔ وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! ہم لوی بن غالب کی اولاد سے ہیں اور آپ کی قوم کے آدمی ہیں۔ آنحضرت نے تبسم فرمایا اور ان کے احوال پر شفقت فرمائی ان کے شہروں کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے قحط کی سی حالت کا اظہار کیا اور بارش کے لئے درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ **اللھم اسقھم الغیث** اے اللہ ان کو بارش سے سیراب فرما دے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو دس دس اوقیہ چاندی اور چار سو درہم انعام دیا جائے۔ اور حارث کو بارہ اوقیہ چاندی انعام میں دیں۔ وہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے وہاں پر انہوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی اس دن ان کے شہروں پر بارش ہوئی تھی۔

وفد بنی البکا:۔ بنی البکا کا وفد آیا تو یہ بھی مسلمان ہو گئے ان میں سو سال کی عمر کا ایک شخص تھا جس کا نام تھا معونہ

بن نورین عبادہ بن البکاء۔ اور اس کے ساتھ اس کا فرزند بھی تھا اس کا نام بشر تھا۔ معوذ نے عرض کیا کہ بشر پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیں تاکہ یہ میرے ساتھ اچھا برتاؤں رکھے۔ پس آپ نے اس کے چہرہ پر دست اقدس پھیرا۔ اور کچھ بکریاں بھی اس کو دیں۔ اور برکت کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد بنی البکاء میں کبھی قحط کا سال ہوتا تھا تو یہ قوم تنگی سے محفوظ رہتی تھی۔ ایک اور بھی ادمی عمرو کا نام بھی ان میں شامل تھا۔ آنحضرت نے اس کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ اور اس کے شہر کی زمین سے ایک قطعہ زمین بھی اسے عطا فرمایا۔

وفد کنانہ:۔ یہ وفد کنانہ بھی آکر مسلمان ہو گیا۔ واثلہ بن اسقع لیثی اس کا سردار تھا۔ یہ اس وقت آیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ واثلہ بیعت ہو جانے کے بعد اپنے قبیلہ میں گئے اور انہیں بھی حالات کی خبر دی اس کا والد کہنے لگا خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ کبھی کلام نہ کروں گا۔ وہ اس سے بیزار ہوا۔ لیکن اس کی ہمشیرہ نے اسلام قبول کر لیا۔ واثلہ تیاری کر لینے کے بعد واپس مدینہ شریف آگیا۔ آنحضرت تبوک کو روانہ ہو چکے تھے۔ اور پیچھے لشکر جا رہا تھا واثلہ نے پوچھا کیا کوئی ایسا ہے جو مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کر کے لے جائے۔ غنیمت سے میرا حصہ وہ لے لے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو سوار کرا لیا۔ تبوک میں یہ حاضر بارگاہ رسالت مآب ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو اکیدر کے خلاف جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیج دیا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لایا ہوا مال غنیمت تقسیم کیا گیا تو واثلہ کے چھ اونٹ آئے یا اس سے بھی کچھ زائد۔ شرط کے مطابق یہ اپنا حصہ لے کر حضرت کعب بن عجرہ کے پاس آگئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس کا حصہ غنیمت نہ لیا اور فرمایا کہ میں نے تجھ کو از راہ للہ سوار کر لیا تھا۔ لہٰذا اس اپنے نیک عمل کو کسی لالچ سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ جیسے کہ سیرت نگار حضرات بیان کرتے ہیں۔ یہ واثلہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تین سال تک خدمت بجالاتے رہے اور یہ اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ بعد ازاں یہ بصرہ چلے گئے پھر شام روانہ ہو گئے اور انہوں نے ۸۵ھ یا ۸۶ھ میں دمشق میں رحلت فرمائی ان کی عمر اٹھانوے برس کی تھی۔ دمشق میں وصال پانے والے آخری صحابی یہ واثلہ تھے رضی اللہ عنہ۔

وفد بنی ہلال بن عامر:۔ اس وفد میں حضرت زیاد بن مالک اور عبد بن احرم اور قبیصہ بن مخارق بھی شامل تھے۔ زیاد کی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ ان کے گھر میں ٹھہرے۔ ارباب سیر یوں کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ وہاں زیاد کو بیٹھا دیکھا تو آپ واپس مڑے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ میری بہن کے بیٹے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واپس گھر آئے اور بیٹھ گئے۔ پھر آپ مسجد میں آئے تو زیاد بھی آپ کے ساتھ ہی مسجد میں آئے۔ وہاں آنحضرت نے زیاد کو اپنے

قریب بٹھایا اور بہت دعائیں ان کو دیں۔ اس کے سر پر دست شفقت بھی پھیرا۔ بنی ہلال بتاتے ہیں کہ ازاں بعد ہم نے ہمیشہ اس کے چہرہ پر برکت و نور کا اثر زیادہ ہی دیکھا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں یہ بھی شامل تھا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے عزیزوں سے محبت و شفقت فرمایا کرتے تھے۔ عبد بن عوف کا نام عبداللہ رکھ دیا۔ جیسے کہ آنحضرت نے بنو البکاء کے وفد میں عبد عمرو کا نام عبد الرحمٰن رکھ دیا تھا۔ یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ غیر خدا کی جانب عبد کی نسبت اچھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ قبیصہ بن مخارق عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! میں نے قرض کا ایک بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔ اور اس کو اپنے اوپر اس لئے لازم قرار دیا ہے کہ کسی اور کی جانب سے فتنہ و فساد نہ ہو اور لوگوں کی اصلاح بھی ہو جائے۔ اور یہ واقعہ یوں ہے کہ میری قوم میں سے ایک آدمی نے کسی اور آدمی کو قتل کر دیا۔ لہٰذا اس پر دیت واجب ہوئی۔ میں نے کسی سے قرضہ حاصل کر کے وہ دیت ادا کر دی تاکہ فتنہ کی آتش فرو ہو جائے۔ اب میں آپ کی بارگاہ میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ قرضہ واپس ادا کرنے میں میری مدد اور دستگیری فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں ہمارے پاس ٹھہرو۔ کوئی صدقہ آتا ہے تو تمہارا قرضہ ادا کریں گے۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین باتوں کے سوا کسی سے سوال کرنا اور مانگنا حلال نہیں پہلی بات یہ ہے کہ قرض کا بوجھ ہو تو کسی سے سوال کر لینا حلال ہے تاکہ ملنے والے مال سے قرض ادا کر دیا جائے۔ قرض ادا ہو جائے تو پھر سوال کرنے سے باز رہے۔ دوسری یہ ہے کہ کوئی حادثہ کا شکار ہو جائے اور اس میں اس کا مال بھی تباہ و برباد ہو جائے تو اس کے لئے حلال ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے۔ تاکہ وہ اپنے حال پر آ سکے۔ تیسرے یہ کہ کسی کو فاقہ آ جائے۔ اور تین عقلمند اور ہوشیار آدمی اس کی قوم سے ان کی گواہی بھی دیں کہ فلاں آدمی فاقہ زدہ ہے۔ فقر و فاقہ کے ثبوت میں یہ مبالغہ ہے۔ اس سے یہ مطلوب ہے کہ فقر و فاقہ واضح ہو پس اس کے لئے حاجت کے مطابق سوال کر لینا حلال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے قبیصہ ان تین حالتوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے۔ اور اس طرح کر کے کھانے والا حرام کھاتا ہے۔ (رواہ مسلم)۔

سوال کرنے اور گداگری کی مذمت بہت سے حدیثوں میں کی گئی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس پر حرام ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے۔ اور اگر اس کے پاس ایک دن سے کم کے لئے خوراک ہو یا اس کے پاس کوئی چیز اپنی شرمگاہ کو چھپانے کے لئے نہ ہو تو سوال کرنا حلال ہے۔ اور ایسا فقیر جو ایک دن کی خوراک رکھتا ہو یا وہ خوراک پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے لئے بھی سوال کرنا حرام ہے اور جملہ علماء کا اتفاق ہے کہ بلاضرورت سوال کرنا منع ہے اور اتنی سی بات میں صرف اختلاف ہے کہ حرام ہے یا کہ مکروہ ہے۔

سوال مشروط ہے:۔ سوال کے لئے بھی یہ تین شرائط ہیں۔ پہلی یہ کہ اپنے نفس کو ذلیل و رسوا نہ کرے دوسری یہ ہے کہ سوال کرتے ہوئے نہ گڑگڑائے۔ اور تیسری یہ ہے کہ جس سے سوال کرے اس کو تنگ نہ کرے ان تین میں سے ایک شرط بھی اگر مفقود ہوئی ہے تو سوال کرنا حرام ہے (بالاتفاق) ابن مبارک قبیصہ سے نقل میں آیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

مجھے یہ اچھا محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی لوجہ اللہ سوال کرے۔ اور اس کو کچھ دیا جائے۔ کیونکہ دنیا خبیث ہے۔ جب مانگنے والا لوجہ اللہ مانگتا ہے تو اس سے اس کی تعظیم پائی جاتی ہے جس کی تحقیر اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے لہٰذا بطور زجر و توبیخ کچھ نہ دیں۔ اور کوئی یوں کہے کہ بحق خدایا بحق محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کچھ دیں تو مسئول عنہ پر یہ لازم نہیں ٹھہرتا کہ وہ ضرور ہی دے۔ اور جو کوئی جھوٹ بول کر حاجت ظاہر کرتا ہے وہ اس کا مالک نہیں بنتا اور اگر کوئی دروغ بیانی کرے کہ میں علوی ہوں اور اس کو اصلاح کے لئے کوئی دے دے تو وہ باطنی طور پر مرتکب گناہ ہوتا ہے اگر دینے والا جانتا ہے تو بالکل نہ دے اگر اس نے دیا۔ تو بھی گدا اگر اس کا مالک نہیں بنتا۔ اس پر دی گئی چیز حرام ہے اور واجب ہے کہ وہ واپس مالک کو لوٹا دے۔ اس طرح کسی کے بد زبانی یا اس کی شر و فساد سے بچاؤ کی خاطر کچھ دیا جاتا ہے تو وہ بھی اس پر حرام ہے اگر کوئی سائل سوال کرنے کے لئے مسئول عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دے تاکہ وہ اس کو ضرور کچھ دے تو یہ فعل مکروہ ہے۔ اور مسئول عنہ زجر و توبیخ کے پیش نظر دست بوسی کے لئے اپنا ہاتھ نہ بڑھائے تو یہ افضل ہے۔ اور وہ مانگنے والے جو دروازوں پر ڈھول وغیرہ بجاتے آتے ہیں اور مانگتے ہیں۔ ان کو ہرگز کچھ نہ دیا جائے کیونکہ تمام مطرب اور گویے فحش اور بدکار ہوتے ہیں۔ مطالب المومنین میں یہ مسائل بیان ہوئے ہیں۔

وفد عامر بن صعصعہ:۔ اس وفد کے ارکان میں عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب اور اربد بن ربیعہ دیگر روایت کے مطابق اربد بن قیس اور خالد بن جعفر اور حسان بن اسلم بن مالک تھے۔ یہ لوگ اپنی قوم کے رئیس اور شیاطین تھے یہ وہ عامر بن طفیل ہے جس بدنصیب اور شقی نے ستر قاری شہید کر دیئے تھے۔ اور کئی طور سے اپنی بدبختیوں کا اظہار کیا تھا۔ جس طرح قبل ازیں چوتھے سال میں واقعہ بیر معونہ میں مذکور ہو چکا ہے۔ اس وفد میں یہ فریب کاری کے لئے دوبارہ آیا۔ اور اربد کے ساتھ اس نے یہ قرار پایا ہوا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو میں باتوں میں مصروف رکھوں گا تم عقب سے یکے بعد دیگرے تلوار کے وار کرنا اور ان کا خون کر دینا تاکہ ان کی طرف سے ہمیں آرام مل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو عامر آنحضرت سے کہنے لگا کہ میں اگر اسلام قبول کر لوں تو میرے واسطے کیا ہو گا آنحضرت نے جواب دیا کہ جو کچھ حال دیگر مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں آنحضرت نے فرمایا کہ تم اور تمہاری قوم اس کے مستحق نہیں بلکہ مستحق لوگ اور ہیں تم کو معلوم نہیں۔ پھر اس نے کہا اعراب اور صحرانشینوں پر آپ مجھے ولایت عطا کر دیں اور آپ خود دیہات اور شہروں پر حکمرانی فرمائیں۔ آنحضرت نے فرمایا تجھے ایک جماعت کا سردار بنا دیں گے تاکہ تم خدا کی راہ میں جہاد کریں اور تیرے حصے میں دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہو اس نے کہا میں قوم کا سردار ہوں۔ خدا کی قسم۔ میں پیادہ اور سواروں پر مشتمل ایک بڑی فوج آپ کے خلاف لاؤں گا اتنا کہا اور اربد کو کہا کہ جو کچھ تجھے کہا تھا تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ اس نے جواب دیا۔ خدا کی قسم جس وقت میں مارنے کے ارادہ میں تلوار اٹھاتا تھا تو تم درمیان میں حائل نظر آتے تھے۔ تو کیا میں تجھے ہی تلوار سے ہلاک کر دیتا۔ یہ دونوں دوزخی کتے نکل گئے تو آنحضرت نے فرمایا۔ **اللھم اغنی عامرا** اے اللہ! عامر کی شر سے بچانا اور ایک روایت میں یوں ہے عامر اور اربد کی شر سے محفوظ رکھنا۔ ازاں بعد

آسمانی بجلی گری اور اربد جل گیا۔ اور اونٹ کے گلے کی غدود کی مانند عامر کے گلے میں ایک گلٹی سی نمودار ہوئی۔ یہ راستے پر سلولیہ عورت کے گھر میں قیام پذیر ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ عرب میں یہ ایک کہاوت بن گئی۔ **غدة كغدة البعير والموت فى بيت سلولية** اور یہ ضرب المثل محبت میں کوئی ناگواری کا سامنا ہو تو بولی جاتی ہے پھر سلولیہ کے گھر سے نکل کر عامر سوار ہوا اور کچھ دیر بعد راستے میں جہنم پہنچ گیا۔ گھوڑے کی پشت پر ہی وہ مر گیا۔ صرف اتنا حال ہی اس وفد کا سیرت نگار علماء نے بیان کیا ہے اور اس کا عنوان وفد عامر بن صعصعہ مذکور ہے۔ صعصعہ کی ایک شاخ کا نام بنی عامر ہے اور اس کے بعد بیان کیا ہے عامر بن طفیل اور اربد علیہما اللعنہ اور وفد کی تعداد مذکور نہیں ہے اور نہ یہ ذکر ہے کتنوں نے اسلام قبول کیا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشقیا کو چھوڑ کر باقی تمام ارکان وفد ایمان لائے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ عامر اور اربد پر مذکورہ بالا دعا کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **اللهم اهد بنى عامر وغن الاسلام عن عامر** اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت عطا فرما اور عامر سے اسلام کو مستغنی فرما دے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عامر نے ہدایت پائی اور اسلام قبول کر لیا۔ بنی عامر میں مذکورہ عامر ہم نام عامر بن طفیل کے سوا ہے۔ وہ ہے عامر بن مالک بن جعفر۔ ابو البراء اس کی کنیت ہے۔ یہ عامر بن طفیل کا چچا اور مالک کا فرزند تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی خوشلد کرتا تھا اور کہتا تھا اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ اور آپ کا دین میرے نزدیک برگزیدہ ہیں۔ لیکن وہ اسلام نہ لایا۔ اور وہ اپنے ساتھ قرآن اور احکام شریعت سکھانے کے لئے قاریوں کی ایک جماعت لے کر گیا۔ اور وعدہ کر گیا کہ انہیں اپنے نزدیک رکھوں گا اور کوئی تکلیف یا نقصان نہ ہونے دوں گا۔ آپ بالکل خدشہ محسوس نہ کریں۔ بعد ازاں اس کے شقی بھتیجے عامر بن طفیل نے وہ تمام کچھ کیا جس کا قصہ پہلے بیر معونہ کے واقعہ میں مذکور ہو چکا ہے۔

وفد عبد القیس:۔ اس وفد عبد القیس کا حال مفصل طور پر سال ہشتم میں سابقاً مذکور ہو چکا ہے جیسے کہ وہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے لیکن اس کا بیان مواہب الدینہ میں سال وفود میں کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عبد القیس نام کے دو وفد آئے تھے ایک فتح مکہ سے پہلے آیا تھا۔ یہ پرانا وفد ہے جو پانچویں سال میں یا اس سے بھی قبل حاضر ہوا تھا۔ ان کے قصبے کا نام بحرین تھا۔ یہ وفد تیرا مردوں یا چودہ سواروں پر مشتمل تھا اور انہوں نے ایمان اور شراب کے متعلق مسائل پوچھے تھے اور کبیر الشان اشج ان کا سردار تھا۔ اس کے متعلق آنحضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ **ان فيك لخصلتين الحلم والاناة** تجھ میں دو خصلتیں ہیں۔ حلم اور وقار۔ الحدیث۔ رواہ مسلم عن ابی سعید۔

دوسرا وفد عبد القیس سال وفود میں آیا تھا اور یہ چار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جس طرح کہ ابن مندہ نے ابو الخیر ساجی سے حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ دوسری دفعہ اس وفد کے آنے کی تائید حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کس سبب سے تم سب کے رنگ بدلے ہوئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل بھی آنحضرت ان کو دیکھ چکے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے جو کہا **والله ورسوله اعلم** اور **بين وبينك كفار مضر** اور پہلے وفد میں حج کا ذکر نہ ہونا۔ کیونکہ حج ابھی تک فرض نہ ہوا تھا یہ تمام باتیں دلیل ہیں کہ یہ وفد دو مرتبہ آیا

تھا۔ واللہ اعلم۔

وفد ضمام بن ثعلبہ:۔ یہ ایک ہی آدمی پر مشتمل وفد تھا۔ ضمام بن ثعلبہ کو سعد بن بکر نے بطور وفد بھیجا تھا۔ مواہب الدینہ میں بخاری سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد میں بیٹھے تھے تو اونٹ پر سوار ایک آدمی آیا۔ اس نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ اسے باندھا پھر مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے کہا تم میں محمد کون سے ہیں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)۔ صحابہ نے جواب دیا کہ وہ یہ ہیں مرد سفید جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں اس وقت آنحضرت تکیہ لگائے ہوئے صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا اے عبدالمطلب کے بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جواب دے رہا ہوں۔ اے ضمام تم بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگا میں آپ سے چند درشت قسم کی باتیں معلوم کروں گا آپ ناراضگی نہ فرمائیں۔ آنحضرت نے فرمایا جو کچھ تمہارے دل میں آئے پوچھو۔ ضمام کی رنگت سرخ و سفید تھی اور بال لمبے تھے کہنے لگا تم کو اس خدا کی قسم جس نے تم کو بھیجا ہے اور آپ سے قبل والوں کو بھیجا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف آپ کو بھیجا ہے؟ آنحضرت نے جواب دیا۔ ہاں' اس نے پھر نماز روزہ زکوۃ اور حج کے متعلق دریافت کیا۔ اور ہر بار قسم دے کر پوچھتا تھا اور کہتا تھا۔ میں آپ کو قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ خدا نے آپ پر نماز کو فرض قرار دیا ہے؟ آنحضرت فرماتے تھے۔ ہاں اس طرح زکوۃ اور حج کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ ازاں بعد اس نے کہ آپ جو کچھ لائے ہیں اس پر میں ایمان لایا۔ یہاں پر ابن اسحاق اپنی مغازی میں اتنا مزید بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا۔ آپ کو میں قسم خدا دیتا ہوں کہ خدا نے آپ کو حکم فرمایا ہے کہ اس کی ہم عبادت کیا کریں اور اس کا شریک بھی نہ ٹھہرائیں۔ اور جن بتوں کو ہمارے ماں باپ پوجا کرتے تھے ان کو ترک کریں اور ان سے بیزار ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **اللھم نعم** اس کے بعد اس نے کہا میں ضمام بن ثعلبہ ہوں برادر بنی سعد بن بکر۔ انہوں نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ تم سے تمہارے دین کے بارے میں معلوم کروں۔ اور جو کچھ تجھ سے سنوں وہ ان تک پہنچاؤں۔ پھر وہ باہر آیا اور اپنا اونٹ کھولا اور سوار ہو کر چلا گیا۔ جب وہ اپنے قبیلہ میں واپس آیا تو پہلی بات جو اس نے کی وہ لات و عزیٰ اور ہبل بتوں کو گالی اور اہانت تھی۔ انہوں نے کہا اے ابن ثعلبہ خاموش رہو۔ یہ کس طرح کی باتیں تو کر رہا ہے۔ اس سے ڈر کہ کہیں تو برص یا جزام یا جنون میں مبتلا نہ ہو جائے۔

ضمام نے کہا تم بھی عجب قسم کے بے خبر لوگ ہو کہ یہ بت نہ تو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ یہ کوئی نفع دے سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا ہے۔ اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ وہ اس کتاب سے تمہیں ہدایت و تعلیم دیتا ہے۔ ضلالت اور جہالت سے نکالتا ہے۔ میں خدا تعالیٰ کی واحدنیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور اس کی طرف سے اوامر و نواہی لے کر آیا ہوں۔ راوی کہتا ہے۔ خدا کی قسم ابھی رات ہی نہ گزری کہ وہ تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ نماز قائم کی اور اذان و زکوۃ کا قیام عمل میں لائے اور جس بارے میں ان کو اختلاف ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب رجوع فرماتے تھے۔

بلی قبیلہ کا وفد:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہ کر خدمت بجالانے والے ابو رویفع ثابت بلوی اسی بلی قبیلہ کے فرد تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میری قوم سے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مرحبا بک وبقومک تمہارا اور تمہاری قوم کا یہاں آنا مبارک پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ لوگ آپ کی خدمت میں اسلام کا اقرار کر کے اور اپنی باقی قوم کے اسلام لانے کے کفیل بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا من یرد اللہ خیرا یھدہ لاسلام۔ اللہ تعالیٰ کسی پر بھلائی چاہے تو اسے اسلام کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ وفد میں ایک بوڑھے آدمی کو ابو الضیب پکارتے تھے۔ وہ عرض کرنے لگا یا رسول۔ میں ضیافت اور مہمان نوازی کا شوقین ہوں۔ کیا اس میں مجھے اجر نصیب ہو گا۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ضرور اور ضرور ہو گا۔ مسلمان جو بھی نیکی یا برائی کرتا ہے خواہ وہ مفلس ہو یا غنی اللہ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ مہمان کی مدت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تین روز اور تین دن کے بعد جتنے دن ہو جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور مہمان کے لئے تمہارے پاس اس قدر ٹھہرنا جس سے تمہیں حرج ہو حلال نہیں۔

وفد نجیب:۔ نجیب اجابت سے ہے۔ یہ وفد تیراہ اشخاص پر مشتمل تھا۔ یہ اپنے ساتھ زکوۃ مویشی اور اموال لے کر آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی آمد پر ان کو مرحبا فرمایا۔ اور ان کو حکم فرمایا کہ تم اپنی زکوۃ واپس لے جا کر اپنی بستی میں وہاں کے فقراء اور حاجت مندوں میں بانٹ دو۔ انہوں نے بتایا کہ اپنی حاجمندوں سے باقی بچ جانے والا مال ہی ہم آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ کوئی ایسی وفد اب تک نہیں آیا۔ جو وفد نجیب کی طرح کا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا لطف وہ کرم اور ہدایت و مہربانی ہے کہ جو کوئی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔

منقول ہے کہ جب اس جماعت نے فرائض وسنن اور قرآن کے بارے میں پوچھا۔ تو آنحضرت کو ان سے مزید محبت ہو گئی یہ وفد وداع ہوا تو دیگر وفود سے بڑھ کر انعامات و نوازشات فرمائیں۔

یہاں سے پتہ چل جاتا ہے کہ جو کوئی عبادت و طاعت میں کوشاں ہوتا ہے اور راہ دین میں سعی و طلب کرتا ہے اس پر فوائد دنیاوی بھی مترتب ہوتے ہیں پس آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم سے کوئی باقی بھی رہ گیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی نہیں سوائے ایک غلام کے جو سب سے زیادہ خورد سال ہے۔ اسے محافظت سامان کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ آنحضرت نے اسے اپنے سامنے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوا تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی اسی قوم سے ہوں۔ آپ نے ان کی حاجات پوری کر دی ہیں میری حاجت بھی بر لائیں اس نے کہا۔ خدا کی قسم۔ میں اس لئے حاضر نہیں آیا کہ آپ مجھے مال دیں جیسے کہ دوسروں کو عطا فرمایا ہے۔ یا رسول اللہ میں تو اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ حق تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے بخش دے۔ اور مجھ پر رحمت فرمائے اور میرا دل دنیا کے مال سے بے نیاز کر دے اور میرے دل میں غنی ڈال دے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ وہ آخرت کا طالب و راغب ہے اور اس کی عالی ہمتی ملاحظہ فرمائی تو اس کی طرف زیادہ توجہ فرمائی اور دعا فرمائی۔ **اللھم اغفرله وارحمه واجعل غناه فی قلبه** پھر اس وفد کے ہر شخص کو جو مقدار مال عطا فرمائی تھی اس کو بھی عنایت کی۔

دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پس وہ اپنی قوم میں بہترین اور سب سے بڑھ کر اقرب ہو گیا اور اس کو قوم پر امیر بنایا گیا۔ وہ ان کی امامت کرتا تھا۔ اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی آخرت کا طالب ہوتا ہے اسے دنیا بھی حاصل ہوتی ہے اور آخرت بھی۔ پھر وہ قوم اپنے قبیلہ کی طرف واپس چلی گئی اور اگلے سال حجۃ الوداع میں منی کے مقام پر اس قوم سے ایک جماعت آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آنحضرت نے ان سے اس جوان کا حال دریافت فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ اس جوان سے زیادہ قانع اور اس کی مثل کوئی دیگر آدمی ہم نے نہیں دیکھا۔ اگر تمام دنیا بھی اس کے سامنے رکھ دی جائے۔ تو ہرگز توجہ نہیں کرتا۔ بیت۔

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم گر باب چشمہ خورشید دامن ترکنم

وفد قبیلہ لخم:۔ دارم قبیلہ لخم کا وفد بارہواں وفد آیا۔ یہ دس آدمی تھے۔ ان کے سردار کا نام ہانی بن حبیب تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہدیہ کے طور پر چند گھوڑے' زربفت کی قباء شراب کا ایک مشکیزہ لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے شراب حرام کی ہے۔ ہانی نے عرض کیا کہ اس کو میں بیچ دیتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ شراب کو حرام کر دینے والے نے اس کا خریدنا بیچنا بھی حرام فرمایا ہے۔ آپ نے گھوڑے اور قبا قبول فرمائے۔ سیرت کے علماء نے کہا ہے کہ قبا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو عطا فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! چونکہ یہ مردوں پر حرام ہے لہٰذا اسے میں کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا اس میں سونا نکال لینا کچھ کا اپنی بیوی کے لئے زیور بنانا اور باقی اپنے خرچ میں لے آنا۔ ریشمی کپڑا فروخت کر لینا اور اس کی قیمت سے بھی فائدہ حاصل کرو۔ پس وہ قبا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کے پاس آٹھ ہزار درہم میں بیچ دی۔

صرف اتنے ہی وفود روضۃ الاحباب میں مذکور ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ اس سال کے دوران اور وفود بھی حاضر ہوئے تھے۔ لیکن ان کا مفصل حال فن سیر کی دوسری مبسوط کتب میں مذکور ہوا ہے۔ صاحب معارج النبوۃ تو اس سے بھی تھوڑے وفد ذکر کیا کرتے ہیں اس سال میں آنے والے وفود کی کثرت یہاں تک تھی کہ اگر تمام بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے گی۔ لہٰذا اتنے پر بس کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں دسویں سال میں چند اور وفود کا ذکر کریں گے۔

اس بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین رحمہ اللہ۔ مزید العلم والیقین نے مواہب الدنیہ سے وہ تمام وفود نقل کر دیئے ہیں جو مفید معانی پر مشتمل تھے اس کتاب میں سنوات کے پابندی نہ ہے لہٰذا انہوں نے جملہ وفود ایک مقام پر ذکر کر دیئے ہیں ہمیں واقعات کا علم مقصود ہے۔ خواہ وہ کسی بھی سال میں واقعہ شدہ ہوں۔

وفد ہوازن:۔ ہوازن کا ایک وفد بھی آیا تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم طائف سے واپس جعرانہ تشریف

فرمائے ہوئے تھے انہوں نے حاضر ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں سے ان کے قیدیوں اور باندیوں کو واپس عطا فرمائے جانے کے لئے التماس کی تھی اور قیدیوں کے بارے میں ان کی گزارش و درخواست قبول فرمائی گئی تھی۔ یہ قصہ مفصل طور پر اپنے مناسب مقام پر مذکور ہو چکا ہے۔ یہ آٹھویں سال واقع ہوا تھا۔

وفد بنو ثقیف:۔ بنو ثقیف کا وفد دوسرا تھا جو آیا۔ یہ تبوک سے مراجعت کے بعد حاضر ہوا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس آ رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں چھلنی کر دیا ہے۔ آپ ان پر دعائے بد فرمادیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ **اللھم اھد ثقیفا ایت بھم** اے اللہ! ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو لا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مدینہ شریف واپس آ رہے تھے جبکہ عروہ بن مسعود ثقفی آپ کے پیچھے پیچھے ہی آ گیا اور حاضر ہو کر مسلمان ہوا (رضی اللہ عنہ) اس نے درخواست کی کہ اس کو واپس اس کی قوم کے پاس بھیج دیں۔ پس اسے واپس بھیجا گیا۔ وہاں جا کر اس نے اپنی قوم کو دعوت اسلام پیش کی۔ سحری کے وقت وہ اپنے مکان کی چھت پر آئے اور قوم کو دعوت دینے لگے اور اپنا دین ان پر ظاہر کرنے لگے۔ اتنے میں کسی نے تیر ان پر پھینکا جس سے وہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس قصہ کا باقی حال کتاب کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصدوں کے ذکر میں مذکور ہو گا۔ عروہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ بعد میں چند ماہ تک بنی ثقیف نے توقف کیا ازاں بعد انہوں نے آپس میں مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اپنے گردو نواح کے تمام عربوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ اور وہ تمام عرب باشندے اسلام لے آئے ہیں لہٰذا چاہیے کہ ہم عبد یالیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں۔ پس کچھ اور آدمی بھی ساتھ دیکر ان کو بھیجا گیا۔ ان میں ایک عثمان بن العاص بھی تھے۔ پس وہ آنحضرت کی خدمت اقدس میں آئے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد مبارک میں ایک گوشہ میں اس وفد کی خاطر خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں نے آنحضرت سے اپنی ایک آرزو یہ پیش کی حضرت ابو سفیان بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا۔ تاکہ وہ یہ بت خانہ اکھاڑ دیں ثقیف نے دوسری خواہش یہ پیش کی کہ ان کو نماز معاف فرمائی جائے۔ اور یہ حکم بھی نہ فرمایا جائے کہ اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح ہی ہو گا ہمیں تو بتوں کا توڑا جانا مطلوب ہے خواہ ہاتھ کسی کے بھی ہوں اور بہتر اپنے ہاتھوں سے توڑنا ہے۔ لیکن نماز کسی صورت میں ساقط نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو دین اپنے میں نماز نہیں رکھتا اس میں خیر نہیں ہے۔ وہ مسلمان ہو گئے تو حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ ان پر امیر بنادیئے گئے۔ وہ عمر کے لحاظ سے دوسروں سے کافی چھوٹے تھے۔ لیکن تعلیم القرآن کے از حد شوقین تھے۔ پس وہ اپنے شہروں کی جانب واپس چلے گئے۔ ابو سفیان اور مغیرہ رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ انہوں نے ان کا بت خانہ تباہ کر دیا۔

حضرت عثمان بن العاص سے منقول ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں سورۃ بقر پڑھتا تھا۔ میں نے آنحضرت کی خدمت میں گزارش کی۔ یا رسول اللہ! قرآن مجھ سے بھاگتا ہے۔ مجھے یاد نہیں ہوتا۔ پس آپ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ

مبارک رکھ کر فرمایا۔ او شیطان! عثمان کے سینہ سے نکل جاؤ ازاں بعد جس قدر بھی میں نے حفظ کرلیا مجھے وہ کبھی نہیں بھولا۔ علاوہ ازیں میں نے یہ بھی گزارش کی یا رسول اللہ! میرے اور میری نماز کے مابین شیطان حائل رہتا ہے آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بھی ایک شیطان ہے اس کا نام خزب ہے۔ خزب کے لغوی طور پر معنی گوشت کا لوتھڑا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت تمہیں اپنے دل میں اس کا وسوسہ محسوس ہونے لگا تو خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کیا کرو یعنی اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ پھر تین بار اپنی طرف تھوک دیا کرو۔ پس میں نے اسی طرح ہی کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ وساوس مجھ سے دور کردیئے۔

وفد کندہ:۔ تیسرا وفد بنی کندہ کا حاضر ہوا کندہ یمن میں ایک قبیلہ کا نام تھا۔ اور یہ لقب تھا ثور بن عفیر کا۔ وہ اس قبیلہ کا باپ تھا۔ اس لقب کا سبب یہ تھا کہ ثور بن عفیر اپنے والد کا ناشکر گزار ہو گیا اور اپنے ماموؤں سے جا ملا۔ لفظ کندہ کنود سے مشتق ہے۔ معنی ہیں ناشکری کرنا۔ قرآن پاک میں ہے **ان الانسان لربہ لکنود** بلاشبہ انسان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ علاقہ یمن میں اس کی اولاد کا نام کندہ ہی پڑ گیا۔ اس قبیلہ کے وفد ستر یا اسی اشخاص پر مشتمل تھا۔ ان سب نے بالوں کو کنگھی کی ہوئی تھی۔ زرہیں اور دیگر ہتھیار بھی زیب تن کئے ہوئے تھے۔ یمن کی چادروں کے جبے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے حاشیہ پر ریشم اور حریر لگائی ہوئی تھی۔ بارگاہ نبوی میں پیش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم ابھی اسلام نہیں لائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسلام لا چکے ہیں۔ تو آنجناب نے فرمایا کہ پھر یہ ریشم و حریر تمہارے جسموں پر کیوں ہیں؟ پس انہوں نے وہ پھاڑ کر علیحدہ کر دیا۔

وفد اشعریوں:۔ اہل یمن اور اشعریوں کا وفد چوتھا تھا۔ اسی طرح ہی مواہب الدینہ میں ترجمہ کیا گیا ہے مواہب الدینہ کے مولف نے شیخ ابن حجر عسقلانی سے نقل کیا ہے کہ اہل یمن سے مطلب ہے اشعریوں کے علاوہ یمن کے باشندے اور وہ حمیری کے لوگ تھے جو ساتھ آئے۔ وہ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں دین میں تفقہ کے حصول کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے خلقت عالم کی ابتداء کی بارے میں دریافت کیا۔ کہ سب سے پہلے کیا تھا اور کس طرح تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **کان اللہ ولم یکن معہ شیئی وکان عرشہ علی الماء و کتب فی الذکر شی** صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اس کے ساتھ اور کچھ نہ تھا۔ اس کا عرش پانی پر قائم تھا اور ہر شے کا ذکر لوح محفوظ میں مندرج تھا۔ یہ دونوں اکٹھے حاضر نہ ہوئے تھے کیونکہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اشعری پہلے آ گئے تھے۔ یہ واقعہ غزوہ خیبر کے وقت ۷ھ کا ہے جبکہ حمیر ۹ھ میں آئے تھے۔ جو کہ سنۃ الوفود ہے۔ اور زبان نبوی پر یہ دونوں جماعتیں محمود ہیں۔ ان کے حق میں بشارت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے پاس ایک اس طرح کی قوم آ رہی ہے کہ ان کے دل نرم اور رقیق ہیں۔ اس وقت اشعری آئے وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ **حمدا تلقی الاحیہ محمدا وحزبہ**

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے

ہوئے خود سنا کہ یمن والے لوگ آئے ہیں ان کے دل بڑے نرم' رقیق اور کمزور ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان ہے اور ایمانی حکمت بھی۔ اور سکینہ اہل غنم میں ہے۔ اور ابل کے باشندوں میں فخر اور غرور ہے۔ صحیح بخاری میں نقل کیا گیا ہے کہ بونی تمیم کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنی تمیم۔ تم کو بشارت ہو انہوں نے کہا کہ ہمیں بشارت تو آپ نے دے دی ہے کچھ مال بھی عطا فرمائیں۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرہ منور کا رنگ متغیر ہوا۔ اسی اثناء میں اہل یمن کی ایک جماعت حاضر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے یمن والو! یہ بشارت تم قبول کر لو۔ جو بنی تمیم نے قبول نہیں کی۔ اشعریوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ ہم قبول کرتے ہیں۔ بنو تمیم مولفتہ القلوب میں شامل تھے۔ اور ابھی تک ان کے دلوں میں جفا اور سختی و قساوت تھی جیسے کہ فتح مکہ کے غزوہ کے ذکر کے دوران سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔ یمن والے علم رکھتے تھے اور انہیں صفائے قلب' نرم دلی اور ذوق معرفت بھی میسر تھا بالخصوص حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حسن قرآت عدیم النظیر تھی۔ ان ہی کی شان میں یہ روایت ہوا ہے۔ کہ...... امام علم کلام اور رہنمائے اہل سنت و جماعت حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہی ہیں۔ ان تک بھی علم و حکمت اور معرفت کی نشانیاں پہنچی ہوئی تھیں۔

وفد ہمدان :۔ ہمدان کا وفد پانچواں ہے۔ یمن کے ایک قبیلہ ہی کا نام ہمدان ہے۔ اور بیہقی صحیح اسناد کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت ساتھ دی اور یمن کی جانب روانہ کیا۔ اس جگہ پر چھ ماہ تک قیام کر کے ہم انہیں دعوت اسلام دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا ازاں بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم کو بھیجا گیا۔ انہوں نے ان کے پاس جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا۔ پس وہ مسلمان ہو گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک خط لکھ کر ان کے اسلام لے آنے کی خبر بھیجی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خبر پڑھی تو سجدہ فرمایا پھر سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر فرمایا۔ **السلام علی ہمدان السلام علی ہمدان السلام علی ہمدان**

وفد مزینہ :۔ چھٹا وفد مزینہ کا تھا۔ یہ بھی ایک قبیلہ کا نام ہے۔ بیہقی حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم چار سو آدمی مدینہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر فاروق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو زاد راہ دیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے پاس تھوڑی سی مقدار میں کھجوریں ہیں اور میرے خیال میں یہ لوگ ان سے راضی نہ ہوں گے۔ اور ان کو قبول نہ کریں گے آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور انکو توشہ دو۔ پس حضرت عمران کو ساتھ لے کر اپنے گھر

آئے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کھجوروں کا ایک ڈھیر ہے۔ اور ان کا رنگ سیاہ و سفید ہے ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق ان میں سے کھجوریں لے لیں۔ ان میں آخری آدمی میں تھا۔ بعد میں دیکھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک دانہ بھی کم نہیں ہوا۔ یہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ مزنی ہی ہیں انہوں نے اپنے سات بھائیوں کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وفد کے ساتھ ان کا آنا اسلام لانے کی غرض سے نہ تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایمان کے گھر ہوتے ہیں اسیطرح نفاق کے بھی گھر ہیں لیکن آل مقرن کے گھر ایمان والے گھر ہیں۔

وفد دوس:۔ یہ ساتواں وفد ہے اور قبیلہ کا نام دوس ہے۔ اسی قبیلہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متعلق تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مواہب الدینہ میں ابن اسحاق سے روایت کی گئی ہے کہ دوس کے وفد میں طفیل بن عمرو دوسی بھی شامل تھے۔ انہوں نے ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔ اس کے بعد یہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے تھے اور تا ہجرت وہاں قیام کیا تھا ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خیبر تشریف فرما ہوئے تو یہ وہاں پر حاضر خدمت ہوئے اور اس کے بعد آنحضرت کے وصال شریف تک یہ آنجناب کی خدمت میں ہی قیام پذیر رہے ذالنور ان کا خطاب ہے انہوں نے جنگ یمامہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مواہب الدینہ میں ابن اسحاق سے روایت کیا گیا ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دوران شہادت پائی تھی۔ اور بعض کے نزدیک فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ یہ صاحب شعلہ بیان شاعر تھے۔ رضی اللہ عنہ اپنا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مکہ شریف میں آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں تشریف فرما تھے قریش کا ایک گروہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ ایک آدمی ہمارے شہر میں ہم میں سے نمودار ہوا ہے۔ اسکے باعث ہماری جمعیت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ اور ہمارا نظام و کام سب منتشر ہو گئے تھے۔ اس کی گفتگو اس قسم کے جادو کی حامل ہوتی ہے کہ باپ بیٹے سے بیوی خاوند سے اور بھائی اپنے بھائی سے جدا ہو جاتے ہیں۔ ہم خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ تم اور تمہاری قوم بھی اس انتشار کا شکار نہ ہو جائے لہٰذا اس کے ساتھ کلام نہ کرنا اور نہ اس سے کچھ سننا۔ خدا کی قسم اس کے بعد بھی قریش مسلسل مجھے یہی تاکید کرتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ میں اس کی بات نہ سنوں گا۔ اور نہ ہی اس سے خود کلام کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے کان روئی سے بند کر لئے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مسجد حرام میں میں موجود تھا اور میں نے کعبہ کے نزدیک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں مشغول ہیں ان کے نزدیک چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال میرے کانوں میں سنوائے۔ اور میں نے ان کا کلام سماعت کیا جس میں انتہا درجہ کا حسن اور لطافت تھے پھر اپنے دل ہی دل میں خود سے کہنے لگا کہ میں بذات خود ایک شعلہ بیان اور فصیح و بلیغ شاعر ہوں میں کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں اور یہ لوگ ہیں کہ مجھے اس شخص کا کلام سننے سے مانع ہیں۔ یہ اگر اچھی بات کہتا ہے تو کیوں نہ اسے قبول کیا جائے اگر بری ہوگی تو میں اسے ترک کر دوں گا۔ میں چندے توقف

پذیر ہوا۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آستانہ عالیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا وہ گھر میں داخل ہونے کو تھے کہ میں نے کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری قوم نے مجھ سے اس اس طرح کہا ہے' اور میں نے آپ سے کلام نہ کرنے اور نہ سننے کا عہد بھی کیا تھا۔ پس میں نے کانوں میں روئی دے لی تھی کہ کہیں آپ کا کلام نہ سنائی دے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں میں آپ کا کلام سنوا دیا۔ اور اس سے نیک تر اور عمدہ تر کلام میں نے کبھی نہیں سنا۔ لہٰذا آپ بیان فرمائیں کہ آپ کا معاملہ کیسا ہے پس رسول اللہ نے قرآن کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی قسم۔ میں نے اس سے بہتر کلام کبھی نہ سنا تھا۔ نہ ہی اس سے بڑھ کر منصفانہ بات ملاحظہ کی تھی۔ پس میں مسلمان ہو گیا اور شہادت دی۔ پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنی قوم میں ایک مرد مطاع ہوں۔ میں قوم میں جاؤں گا اور ان کو اسلام کی طرف بلاؤں گا۔ لہٰذا میرے لئے کوئی نشانی ہونا لازم ہے یا کوئی کرامت ہو کہ وہ دیکھیں اور میری تصدیق کریں پس آپ نے دعا فرمائی۔ اے خدا! اس کو نور عطا فرما۔ پس میری دونوں آنکھوں کے درمیان میں وہ نور چمکنے لگا جیسے چراغ ہوتا ہے میں نے پھر عرض کیا کہ اے خدا! میری آنکھوں کی بجائے کسی دوسرے مقام پر اس نور کو چمکا دیں۔ تاکہ قوم کو کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ مثلہ یا برص کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اور اس لئے ہوا ہے کہ اپنے دین ترک کیا ہے۔ پس بجائے دونوں آنکھوں کی درمیانی جگہ کیوہ میرے کوڑے (ڈنڈا) کی نوک پر نمایاں ہوا جب رات ہوتی تھی جو چمکتا تھا جیسے کہ کوئی قندیل آویزاں چمک رہی ہو۔

میں قوم میں آیا اور قوم کو اسلام قبول کرنے کے لئے کہا۔ میں اقامت پذیر ہوا میرا عمر رسیدہ والد میرے پاس آیا۔ میں نے باپ سے کہا کہ تم میرے پاس سے نکل جاؤ۔ میں تم سے نہیں ہوں اور نہ ہی تم میرے ہو۔ اس نے کہا۔ بیٹے! تم اس طرح کیوں کر رہے ہو میں نے جواب دیا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دین ہے اس کی متابعت میں نے اپنائی ہے اس پر میرے باپ نے کہا۔ بیٹا میرا بھی دین وہی ہے جو تمہارا ہے۔ پس میں نے باپ سے کہا کہ آپ جا کر غسل فرمائیں پھر میرے پاس آجائیں تو جو کچھ میرے علم میں ہے وہ آپ کو سکھا دوں گا۔ میرے والد نے جا کر غسل کرنے کے بعد اپنے کپڑے پاک کر لئے اور میرے پاس آگیا میں نے ان کی خدمت میں اسلام پیش کیا۔ پس وہ مسلمان ہو گیا۔ کچھ کتابوں میں تحریر ہے کہ باپ مسلمان ہو گیا تھا لیکن ماں مسلمان نہ ہوئی واللہ اعلم۔ اس کے بعد میرے پاس میری زوجہ آئی اس کو بھی میں نے کہا کہ تم بھی مجھ سے دور ہٹ جاؤ تم میری نہیں ہو نہ ہی میں تمہارا ہوں۔ وہ کہنے لگی یہ کیسے ہوا۔ میں نے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اس وجہ سے تمہارے اور میرے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ وہ کہنے لگی میں بھی وہی دین اپناتی ہوں۔ جو کہ تمہارا دین ہے۔ پس وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ ازاں بعد میں نے دوس قبیلہ کے لوگوں کو اسلام پر بلایا۔ لیکن انہوں نے اسلام قبول کر لینے میں تاخیر سے کام لیا۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ قبیلہ درس کے لوگ مجھ پر غالب ہیں۔ لہٰذا آپ دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ تعالیٰ! دوس قبیلہ کے لوگوں کو سیدھی راہ دکھا دے۔ پھر مجھے فرمایا کہ جا کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دو۔ میں جا کر دوس کے علاقہ میں ان کو برابر دعوت اسلام دیتا رہا۔ ازاں بعد میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور دوس کے ستریا اسی گھروں والے مدینہ شریف میں آکر رہائش پذیر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہم کو بھی حصہ عطا فرمایا۔

صاحب مواہب اس سے دلیل قائم کرتے ہیں کہ وہ قدیم الاسلام تھے۔ ابن ابی حاتم اس پر جزم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ خیبر آئے تھے مراد یہ کہ ان کی یہ آمد دوسری دفعہ تھی۔ لیکن سیرت نگار حضرات پر یہ مشتبہ ہو گئی۔

وفد بہراء۔ یہ آٹھواں وفد تھا۔ یہ بھی ایک یمنی قبیلہ کا نام ہے۔ یہ تیرہ اشخاص پر مشتمل تھا۔ یہ مدینہ شریف میں پہنچے اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے گھر گئے انہوں نے ان کو خوش آمدید پیش کی۔ اور حیس سے بھرا ہوا ایک بڑا سا پیالہ پیش کیا حیس اس قسم کی خوراک ہوتی ہے۔ کھجور گھی اور ستو سے بنتا ہے انہوں نے وہ خوب سیر ہو کر کھایا ازاں بعد حضرت مقداد نے حیس ایک چھوٹے سے برتن میں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کے شانہ مبارک میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود کھایا اور گھر والوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور مہمانوں کے لئے بھی بھیج دیا جو وہ دیر تک سنبھال کر کھاتے رہے اور وہ کم نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ لوگ کہنے لگے۔ اے ابو سعید! (یہ حضرت مقداد کی کنیت ہے۔ تم ہم کو اس طرح کا کھانا کھلاتے ہو۔ یہ کھانا ہمیں تمام کھانوں سے زیادہ مرغوب ہے اور کبھی اس پر ہم قادر نہیں ہو سکے سوائے اس زمانہ میں۔ ابو سعید نے انہیں خبر دی کہ یہ کھانا ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھیجا ہے اور آنجناب کی انگلیوں مبارک کی برکت کے سبب ہی یہ لذت اور مزا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آنجناب خدا کے رسول ہیں۔ ان کا یقین مزید بڑھا۔ انہوں نے فرائض سیکھے اور کچھ دنوں کے لئے مزید قیام کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں رخصت فرمایا ان کو انعامات و کرامات سے بھی نواز دیا۔ اس کے بعد یہ وفد اپنے اہل و عیال کی طرف روانہ ہو گیا۔

وفد عذراء۔ عذرا نام کا ایک مقام ملک شام میں ہے۔ اس جگہ کے لوگ عشق میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی میں مرجاتے ہیں۔ جیسے کہ کوئی کہتا ہے۔

بالائمی فی الهوی العذ ری معذ رۃ ۔۔۔ من الیک و لو انصفت لم قلم

ترجمہ اے ملامت کرنے والے شخص! میری جانب سے عذرا کے عشق میں اس کی معذرتیں اور مجبوریاں ہیں کہ یہ نظر انصاف اگر دیکھو تو مجھے بالکل ملامت نہ کرو۔

یہ وفد بارہ آدمیوں کا تھا اور ۹ھ میں آیا تھا۔ ارکان وفد میں حضرت حمزہ بن النعمان بھی تھے۔ آنحضرت نے انہیں مرحبا کہا۔ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت نے ان کو شام کی فتح کی خوشخبری بھی دی۔ اور غیب کی یہ خبر دی کہ ہرقل فرار ہو جائے گا۔ اس کے بعد انہیں انعام و اکرام عطا فرمایا اور وہ واپس چلے گئے یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ آنحضرت نے جس فتح

کی خوشخبری ان کو دی وہ وہی تھی جو اس زمانہ میں واقعہ ہوئی۔ واللہ اعلم۔

وفد محارب:۔ محارب نام کا ایک قبیلہ ہے۔ یہ حجۃ الوداع کے سامیں آیا تھا۔ یہ عرب کے شدید ترین اور سب سے زیادہ سخت طبع لوگ تھے قبائل کو اسلام کی دعوت جب آنحضرت دے رہے تھے تو یہ دس آدمی بھی اس دوران اس قبیلہ سے حاضر خدمت ہوئے۔ یہ اسلام لے آئے اور پھر واپس گھروں کو لوٹے۔

وفد صداء:۔ صدا کا نام ایک قبیلہ علاقہ یمن میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۸ھ میں جعرانہ سے واپس مدینہ شریف روانہ ہوتے وقت چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ فرمایا اس دوران صداء کے باشندوں سے ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ خدمت میں سرانجام دوں گا آپ کو وہاں کوئی فوج روانہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میں خود اپنی قوم کا ضامن بنتا ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو واپس بلالیا۔ اس کے بعد اس آدمی نے اپنی قوم میں پہنچ کر اسلام کی اشاعت کی۔ حجۃ الوداع میں ان لوگوں سے ایک سو آدمی آئے۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم کا ضامن ٹھہرانے والا یہ آدمی زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رفاقت بھی کر چکے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! صرف اسی قدر پانی ہے جو میری چھاگل میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے پیالہ میں ڈالو۔ پھر آنحضرت نے اس لکڑی کے پیالے میں اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ جناب رسالت مآب کی انگیوں مبارک سے پانی چشمے کی طرح ابلتا تھا اور جوش مارتا تھا۔ آنحضرت کا یہ معجزہ کئی دفعہ واقع ہوا ہے۔

وفد غسان:۔ یہ وفد رمضان شریف کے مہینے میں ۱۰ھ میں تین اشخاص پر مشتمل حاضر ہوا تھا۔

بنی عیش کا وفد:۔ یہ تیرہواں وفد تھا انہوں نے ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا جس نے کہا کہ یا رسول اللہ! دیہاتی لوگوں کی جماعتوں نے ہمارے پاس آکر کہا ہے کہ جس نے ہجرت نہیں کی اس کا کوئی اسلام نہیں ہے۔ ہم کثرت سے اموال مویشی رکھتے ہیں اگر **لا اسلام یمن لا ہجرۃ لہ** والی بات درست ہے تو ہم اموال و مویشی فروخت کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں آجاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم جہاں رہنا چاہتے ہو رہو لیکن اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور پرہیزگاری رکھو۔ تمہارے لئے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور تمہارا کوئی عمل بھی بلا اجر و ثواب نہ رہے گا۔

وفد ازد:۔ یہ ایک یمنی قبیلہ کے والد کا نام ہے۔ مدینہ شریف کے جملہ انصار اسی کی اولاد ہیں۔ یہ ازد شنوہ بھی کہلاتا تھا۔

جیسے کہ قاموس میں ہے احمد بن جواری کی ایک حدیث ابونعیم کی معرفت الصحابہ سے مواہب الدینہ میں ابوموسیٰ مدنی کی روایت سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود ابوسلیمان دارانی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اور اس نے علقمہ بن یزید بن سوید ازدی کی حدیث بیان کی۔ علقمہ نے کہا کہ میرے والد نے میرے دادا سے سنا کہ میں بھی اپنی قوم کے ان سات اشخاص میں شامل تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے۔ ہم نے آنحضرت کے ساتھ گفت و شنید کی تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہماری روش دیکھی تو بہت مسرور ہوئے۔ اور فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہم مومن ہیں۔ اس پر تبسم فرماتے ہوئے فرمایا۔ ہر بات کی حقیقت ہوتی ہے تمہاری اس بات اور ایمان کی حیقت کیا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ پندرہ خصلتیں ہیں۔ ان میں سے پانچ تو وہی ہیں جن کا حکم آپ کے قاصدوں نے ہمیں کیا تھا اور ہم ان پر ایمان لائے ہیں اور پانچ اور ہیں جن پر ہم آپ کے حکم کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ باقی کی پانچ پر ہم عہد جاہلیت سے ہی متواتر عامل ہیں۔ اور ہماری فطرت میں وہ شامل ہو چکی ہوئی ہیں سوائے اس کے جس کو آپ گوارا نہ فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ہمارے قاصدوں سے حکم شدہ کونسی خصلتیں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ یہ ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ' اس کے فرشتوں' کتابوں' انبیاء اور مرجانے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لائیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ کونسی پانچ خصلتیں ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم **لا الٰہ الا اللہ** کہیں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں ماہ رمضان کے روزے رکھیں اور کعبہ شریف کا حج کریں بشرطیکہ ہم اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔ پھر آنحضرت نے پوچھا کہ کونسی پانچ خصائل پر تم عہد جاہلیت سے عمل کرتے چلے آتے ہو۔ ہم نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔ فراخی و کشادگی کے موقع پر اللہ کا شکر ادا کرنا' مصیبت کے وقت صبر کرنا' راضی بہ قضا رہنا' ملاقات کے وقتوں پر ہمیشہ سچ بولنا اور ایسی بات سے گریز رکھنا جس سے دشمن ہنسیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ قریب تھا کہ تم اپنے ایمان کی شفقہ اور دانائی کے سبب انبیاء ہوتے۔ مراد یہ ہے کہ یہ تمام خصائل انبیاء کے ہوتے ہیں۔ لیکن باب نبوت بند شدہ ہے۔ لہٰذا اب تم انبیاء کے تابع اور وارث علماء و حکماء میں شمار ہو گے۔

ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں مزید پانچ خوبیوں کا اضافہ اب میں کرتا ہوں تاکہ بیس مکمل ہو جائیں وہ خوبیاں یہ ہیں۔ کہ جو کچھ تم کھلاتے ہو اس کو جمع مت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ رکھو کیونکہ اسی کی جانب تم نے واپس جانا ہے اور اسی کے سامنے پیش بھی ہونا ہے اور اس چیز کی طلب کرو جو تمہیں کل کو ملنے والی ہے اور اس میں تم نے دائمی طور پر رہنا ہے۔ ازاں بعد وہ واپس روانہ ہو گئے اور انہوں نے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عامل رہے۔

بنی المنتفق:۔ یہ پندرھواں وفد ہے اور یہ اس قوم کے باپ کا نام ہے۔ عبداللہ بن امام احمد نے اپنے باپ کی مسند میں روایت کیا ہے کہ حضرت عاصم بن لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ بطور وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔ اس کا نام نہیک بن عاصم بن مالک بن المنتفق تھا۔ انہوں نے ملاقات کے

وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صبح کی نماز پڑھانے کے بعد خطبہ کی خاطر لوگوں کی جانب رخ انور فرما کر کھڑے تھے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اے لوگو! تم جان لو کہ چار دنوں تک میں نے اپنی آواز پوشیدہ رکھی۔ حتی کہ آج میں تمہیں سناتا ہوں۔ کیا اپنی قوم کی جانب بھیجا ہوا کوئی قاصد بھی تم میں موجود ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت عاصم بن لقیط رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم سنو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرما رہے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا میں نے تم تک اللہ تعالیٰ کے وہ کلام پہنچا دیئے ہیں۔ اب تم توجہ سے سن لو۔ ازاں بعد آپ نے بعث و نشر اور جنت و نار کا بیان فرمایا۔ اس کے بعد عاصم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کون سی چیز پر ہم آپ سے بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا۔ نماز قائم کرنے زکوۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے کسی کو شریک نہ ٹھہرانے پر بیعت کرو۔ (حدیث)۔

وفد بنی النخع:۔ یہ ایک یمنی قبیلہ کا نام تھا۔ مواہب الدینہ میں یہ آخری وفد بتایا گیا ہے۔ ۱۱ھ محرم الحرام کے نصف میں یہ وفد آیا تھا۔ ارکان وفد دو سو آدمی تھے۔ پہلے یہ مہمان خانہ میں اترے پھر یہ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ذریعے یہ پہلے ہی بیعت شدہ تھے ایک آدمی جس کا نام زرارہ بن عمرو تھا وہ بھی ان میں شامل تھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! دوران سفر ایک عجیب قسم کا خواب میں نے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا دیکھا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ میں نے گدھی دیکھی۔ جس نے ایک بچہ سرخ و سیاہ رنگ کا جنا ہے۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا کیا جب تم آئے تھے تمہاری بیوی حاملہ تھی اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اس رنگ کا تمہارا بچہ جنا ہے۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ رنگ سرخ و سیاہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک آجاؤ پھر آپ نے پوچھا کہ تمہارے بدن میں کوئی برص کا نشان ہے؟ جو تم عوام الناس سے پوشیدہ رکھتے ہو وہ کہنے لگا۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اس کی خبر کسی کو نہیں اور یہ چیز سوائے آپ کے اور کوئی نہیں جانتا ہے اور یہی حقیقت ہے۔ پھر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! ایک سفید بالوں والی بوڑھیا میں نے دیکھی ہے جو زمین سے نکلی اور میرے اور میرے بیٹے کے درمیان میں آ حائل ہوئی۔ آنجناب نے فرمایا کہ یہ ایک فتنہ ہے۔ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کیا فتنہ ہے۔ فرمایا۔ لوگ اپنا امام قتل کر دیں گے اور اس فتنہ میں بدکار لوگ اپنے آپ کو نیک آدمی سمجھیں گے۔ مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کو شیریں آب سے زیادہ میٹھا سمجھیں گے۔ اگر تم مر گئے تو تمہارا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تمہارا فرزند مر گیا تو تم اس فتنہ کو پاؤ گے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیں کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آنحضرت نے فرمایا اے خدا وہ فتنہ یہ نہ پائے۔ پس وہ آدمی وصال پا گیا تھا اور اس کا فرزند باقی بچا تھا اور وہ ان میں سے ایک تھا جو عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خلع چاہنے والے تھے۔ یہ قصہ اور اس طرح کے اور قصے بھی آنحضرت کی طرف سے رویاء کی تعبیر میں مذکور ہو چکے ہیں۔

یہ وفود مواہب الدینہ ہیں ۷ھ سے ۱۱ھ کے درمیان ذکر کئے گئے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے وفود روضۃ الاحباب میں

۱۰ھ میں مذکور ہیں یہ وفود بھی مذکورہ وفود کے ساتھ ہی جمع کر کے بیان کریں اور پھر ۹ھ کے باقی واقعات پر توجہ دیں اور اس طرح سے ۹ھ کے واقعات کے بعد ۱۰ھ کے واقعات کا تذکرہ کریں تو اس طرح زیادہ مناسب ہے تاکہ جملہ وفود کا ذکر ایک مقام پر اکٹھا ہو جائے۔

انہی وفود میں سے بنی طے کا ایک وفد تھا۔ یہ آٹھویں سال کے واقعات میں پہلے ہی مذکور ہو چکا ہے۔ حاتم طائی کی بیٹی قید ہو کر آئی۔ اس کا بھائی عدی بن حاتم فرار ہو کر شام چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاتم کی بیٹی پر احسان فرمایا اور آزاد فرمادیا۔ وہ ملک شام میں گئی اس نے اپنے بھائی عدی کو رغبت دلائی کہ وہ سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام کا مطیع و منقاد ہو جائے اور دین اسلام اختیار کر لے اس کے بعد دسویں سال میں جب دیگر وفود حاضر ہوئے تو عدی بن حاتم طائی بھی حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

عدی بن حاتم طائی سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا میری بہن نے جو مجھے مشورہ دیا تھا اس کے مطابق میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میں نے جواب دیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر اپنے کاشانہ اقدس میں چلے گئے۔ آپ کے پیچھے پیچھے میں بھی چلا گیا۔ ایک بڑھیا راستے میں ملی اس نے آنحضرت سے اپنی حاجت بیان کی۔ آپ اس کی گزارش سننے کے لئے راہ میں کھڑے ہو گئے اور اس کی ضرورت کو پورا فرمایا۔ میں نے سوچا کہ کسی بوڑھی عورت کے لئے کوئی بھی بادشاہ یوں نہیں کرتا۔ ایسا اخلاق تو نبی کا ہی ہونا ممکن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو ایک بچھونا اٹھا کر میرے لئے بچھا دیا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ اور آپ نے اس میں بڑا اصرار فرمایا۔ بذات خود آنجناب زمین پر تشریف فرما ہوئے میں دل میں سوچتا تھا کہ یہ طریقے اور سیرت و فضیلت بادشاہوں کی نہیں ہوتی پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عدی! ہو سکتا ہے کہ تم دین اسلام اختیار کرنے میں اس لئے ہچکچاتے ہو کہ مسلمانوں میں مال کی قلت اور کثرت احتیاج ہے اور دین کے دشمن زیادہ ہیں اور دین کے حامی تھوڑے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قسم تھوڑے ہی وقت کے بعد مسلمانوں کے لئے اتنا زیادہ مال ہو گا کہ کسی کو اس کا قبول کرنا زیب نہ دے گا۔ اگر تم نے لمبی عمر پائی تو تم دیکھ لو گے کہ مسلمان تو بہت زیادہ ہیں اور دین کے دشمن اتنے کم ہیں کہ کوئی عورت قادسیہ سے اکیلی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کعبہ شریف کا حج کرنے کے لئے آئے تو اس کو ہرگز کوئی خوف نہ ہو گا سوائے اللہ تعالیٰ سے۔ اور یہ بھی بڑی جلدی ظاہر ہو جائے گا کہ بابل کے سفید محلات بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں مفتوح ہوں گے ازاں بعد عدی نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بڑے ہی مہربان تھے۔ یہاں تک کہ عدی رضی اللہ عنہ شکار کے لئے روانہ ہوئے تو نبی اکرم ان کی مشایعت میں وادی عقیق تک ان کے ساتھ گئے۔ یہ عدی بن حاتم شکار کے بڑے شوقین تھے۔ اور اس ضمن میں ان سے کثرت سے احادیث روایت ہوئی ہیں۔

زید الخیل کا وفد:۔ اس سال میں قبیلہ طے کے اور گیارہ آدمیوں کی جماعت حاضر ہوئی ان کا سردار زید الخیل تھا ان کے سامنے آنحضرت نے اسلام پیش فرمایا یہ تمام مسلمان ہو گئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر اور بڑا احسان ہے کہ

آپ کی ذات اقدس کے ذریعے ہمیں قوت و تائید حاصل ہوئی۔ ہم کو دین اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جس اخلاق کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس سے بہتر کوئی اخلاق میرے علم میں نہیں ہے۔ ہم اپنی عقلوں پر حیران ہیں کہ ہم پتھروں کی پوجا میں مشغول رہے جو گم ہو جائے تو تلاش کرتے پھریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا یہ علم اور مال مزید بڑھے گا۔ پھر اسے انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ بعض کو آنحضرت نے زمین کے کچھ قطعات بھی عطا فرمائے اور اس بارے میں ایک تحریر بھی لکھی گئی۔ زید الخیل کا نام تبدیل کر کے زید الخیر رکھا۔ ایک روایت میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ جو فضیلتیں میرے سامنے عرب کے لوگوں کی بتائی جاتی ہیں وہ زید الخیر میں پائی جانے والی فضیلتوں سے تھوڑی ہیں۔ زید الخیر میں ان سے کہیں زیادہ خوبیاں ہیں۔ زید الخیر کے حق میں یہ آنحضرت کا انتہائی ارشاد ہے۔ یہاں پر وہ جماعتیں اور قبائل مراد ہیں جو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اور وہ مخصوص صفت مراد ہے جو ہر ایک میں بیان کی گئی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جو خوبیاں فردا" فردا" بیان ہوتی رہی ہیں وہ تمام زید الخیر رضی اللہ عنہ میں کامل و فائق ہیں۔ اس سے تمام قاصدوں پر ان کی فضیلت لازم نہیں ٹھہرتی۔ سوائے اس کے کہ ابوالخیر کو مذکورہ مخصوص صفت میں رسوخ اور کمال حاصل تھا۔

وفد خولان:۔ خولان ایک قبیلہ کا نام تھا۔ یہ وفد دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ کہنے لگے 'یارسول اللہ! ہم اس حال میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں کہ خدا پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ آپ کی رسالت کی تصدیق بھی ہم کرتے ہیں اور ہم نرم و سخت راستے طے کر کے آپ کی زیارت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ بات کہ تم نرم و سخت راستوں پر چل کر آئے ہو۔ معلوم رہے کہ تمہارے اونٹوں کے اس راستہ پر ہر ہر قدم کے عوض تمہارے واسطے ایک نیکی اور ایک درجہ ہے دوسرے تم نے کہا ہے کہ ہم زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو یاد رہے کہ میری زیارت کے واسطے جو مدینہ شریف میں آئے گا۔ قیامت کے دن بھی وہ میرا پڑوسی ہو گا۔

یہ بندہ (شیخ عبدالحق) حمہ اللہ بفضلہ المتین کہتا ہے کہ یہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میری قبر کی جو زیارت کرے گا گویا کہ اس نے میری زیارت کی۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ لہٰذا اس بشارت میں وہ بھی انشاء اللہ داخل ہو گا جو آپ کی قبر انور کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ ایک درویش مدینہ شریف میں کہتا تھا کہ اس طرح سے آنحضرت کی زیارت کرنے والا آپ کی معنوی صحبت میں داخل ہوتا ہے۔ یہ حدیث ان معانی کی تائید و ثبوت میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے وفائے عہد کیا اور امانت اور عمدہ پڑوس کا وعدہ فرمایا۔ اور آپ نے ظلم سے ممانعت فرمائی۔ **الظلم ظلمات یوم القیامۃ** ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں سے ہے۔ ازاں بعد یہ وفد انعام و اکرام سے نوازا گیا اور اسے رخصت فرمایا گیا۔

وفد زہاویین:۔ زہاو مدلج قبیلہ کا باپ تھا۔ ارکان وفد کی تعداد پندرہ آدمی تھی اور یہ رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے

گھر قیام پذیر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت لی اور ان کی جستجو میں گئے۔ اور تنگ سے وقت میں ارکان وفد سے بات چیت کی۔ وفد نے اپنے زاد راہ سے کچھ نکال کر آنحضرت کی خدمت میں میزبانی کی طور پر پیش کیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنا دست اقدس بڑھائیں اور اسے تناول فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا روزہ ہے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم کھالو گویا کہ انہوں نے زاد راہ سے جو نکال کر پیش کیا اور آنحضرت کا اس کے کھانے سے تکلف فرمانا یہ ایک قسم کی جرات اور بے ادبی تھی۔ جو آنحضرت کو گراں گزری۔ اور روزہ کے ہونے سے بھی اس کی تائید و تاکید ہوگی۔ اگر آنحضرت ان کی خاطرداری چاہتے تو ضرور توجہ فرماتے اور نفلی روزہ افطار فرمالیتے جیسے کہ کئی مواقع پر ایسا ہوا تھا۔ بہرکیف بزرگان دین کا مقام عزت بڑا بلند اور نازک ہوتا ہے۔ واللہ اعلم آنحضرت نے صحابہ کو فرمایا کہ تم کھاؤ۔ یہ آپ کا لطف و کرم تھا۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ ان کا تکلف مناسب تھا۔

دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسم نے ان کی طرف یوں التفات فرمائی کہ وہ اپنے ساتھ تحائف کے طور پر صرف گھوڑے لائے تھے ان کو وہ مراح کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی اس پر سواری کرے تاکہ دیکھیں کہ اس کی رفتار کیسی ہے' پھر فرماتے تھے۔ میرے خیال میں یہ گھوڑا تیز رفتار اور سبک خرام ہوگا۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ یہ گھوڑا بحر ہے۔ اور یہ تھکا ہوا ہے۔ اس لئے یہ اچھا مظاہرہ نہ کرسکے گا۔ آپ نے فرمایا اس کی پرورش کرو اور نگہداشت اچھی کرو۔ اس کے بعد آنحضور نے ان کی دوڑ لگوانے کا ارادہ فرمالیا۔ جو آدمی وہ تحفہ لے کر آیا تھا اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس پر مجھے سوار ہونے کی اجازت فرمائیں۔ پس اس نے سوار ہو کر گھوڑا دوڑایا۔ اور وہ آگے نکل گیا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اما ارہ بحوا ہم نے اس کو دریا دیکھا۔ ازاں بعد آنحضرت نے اس گھوڑے کو قبول فرمالیا۔ اور اس آدمی کو اس کے بدلے میں دوسرا گھوڑا عطا فرمایا۔ دیگر آدمیوں کو انعامات دیئے۔ اور وہ لوگ اپنے گھروں کی طرف رخصت ہوگئے۔

وفد عامد:۔ عامد بھی قبیلے کے باپ کا نام تھا اور عامدیہ کی نسبت اس کی جانب ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا نام عمر بن عبداللہ تھا اور لقب عامد تھا۔ قوم کی اصلاح اور ان کے معاملات کی درستگی کی وجہ سے یہ لقب تھا۔ ارکان وفد دس تھے۔ انہوں نے بقیع غرقد میں قیام کیا۔ یہ مدینہ شریف کا قبرستان ہے۔ ان میں جو سب سے کم عمر نوجوان تھا اس کو مال و اسباب کی نگہداشت پر چھوڑا اور وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سلام عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم جسے اپنی منزل پر برائے حفاظت چھوڑ کر آئے ہو وہ سوگیا ہے۔ اور تم میں سے ایک آدمی کی زنبیل چور اٹھالے گیا۔ اس کے بعد وہ نوجوان وہ زنبیل چور سے واپس لے آیا اور مضبوطی سے اس کی جگہ اسے رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں نے واپس اپنی منزل پر پہنچ کر ایسے ہی دیکھا جیسے فرمایا گیا تھا۔ پس انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس لئے یہ خبر دی تھی تاکہ ہم آپ کی رسالت کی تصدیق کریں۔ ازاں بعد وہ جوان بھی آکر مسلمان ہوگیا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے فرمایا کہ تاآنکہ یہ لوگ مدینہ میں ہیں۔ ان کو قرآن کی تعلیم دیں۔

وفد بجیلہ:۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اس قبیلہ سے ہیں۔ ارکان وفد کی تعداد حضرت جریر بن عبداللہ

بجلی رضی اللہ عنہ اس قبیلہ سے ہیں۔ ارکان وفد کی تعداو حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے ہیں۔ ارکان وفد کی تعداد ڈیڑھ سو آدمی تھی۔ ان کی آمد سے قبل آنحضور نے خبردی کہ ایک آدمی تمہارے پاس آرہا ہے۔ اس کے چہرہ کو فرشتے نے مسح کیا ہے۔ اس میں جریر رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ یعنی ان کے چہرہ پر فرشتے نے ہاتھ پھیرا ہے۔ جریر بارعب اور بڑے حسین تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے جریر سے زیادہ کوئی شخص حسین ور جمیل نہیں دیکھا ہے سوائے اس کے جو میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی خبر سنی ہے۔ جریر کو یوسف امت کہا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جریر اور ان کی قوم اسلام لائے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی باقی حالات کا تذکرہ کتاب کے آخر میں آنحضرت کے قاصدوں کے بیان میں آئے گا۔

وفد بنی حنیفہ:۔ یہ لوگ بھی مدینہ شریف میں آکر حضرت رملہ بیت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء پر قیام پذیر ہوئے۔ اگلے روز انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اور اپنے ہمراہیوں سمیت اس نے شریعت محمدی قبول کی تھی واپس یمامہ پہنچ کر اسے شیطان نے مرتد کرا دیا۔ اس کی شقاوت اور باقی حال ہم گیارہویں سال میں ذکر کریں گے۔ یہ وفد بنی حنیفہ ۱۰ھ میں آیا تھا۔

وفد فیروز دیلمی:۔ یہ وفد نجاشی کی بہن کے لڑکے فیروز دیلمی کا تھا یہ حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے اسی فیروز رضی اللہ عنہ نے اسود عنسی کو قتل کیا تھا۔ اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ انشاء اللہ اپنے مناسب مقام پر یہ ذکر کیا جائے گا۔
چونکہ وفود کو ذکر اکٹھا ایک جگہ پر کئے جانے کے سبب ۹ھ کے باقی واقعات جو رہ گئے ہیں۔ اب ہم ان کا ذکر کرتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی بن سول منافق کی موت:۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار اور رئیس تھا ۹ھ شوال کے مہینے میں یہ بیمار پڑا۔ اس کی یہ بدنی بیماری اس کی قلبی مرض کی ضمیمہ تھی جس میں دیگر منافق لوگ بھی مبتلا تھے۔ اور یہ ذیقعدہ میں مرگیا اور اسفل السافلین میں چلا گیا اس کا عبداللہ نامی ایک فرزند بھی تھا جو بڑا مخلص اور سچا مسلمان تھا۔ بیماری میں وہ اپنے باپ کی عیادت کے لئے گیا جس پر منافق مرتا ہے اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے۔ نزع کی حالت طاری تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں سے دوستی رکھنے سے میں نے تجھ کو ممانعت فرمائی تھی لیکن تم نے تسلیم نہ کیا۔ اس نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! میں اس وقت دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لہٰذا یہ عتاب و سرزنش کا وقت نہیں ہے۔ یہاں پر یہ پتہ نہیں ہے کہ یا رسول اللہ کے الفاظ سے اس منافق نے آپ کو مخاطب کیا تھا یا کہ راوی نے از خود ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان الفاظ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امکان ہے کہ اس منافق نے ہی نفاق سے یہ الفاظ کہے ہوں گے۔ اور عالم نزع میں پریشانی کے عالم میں کہا ہو گا۔ اور اس نے یا رسول اللہ اپنے قصد اور یقین کے ساتھ کہا تو پھر بھی یہ ایمان یا اس کی صورت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اس نے عرض کیا کہ میرے مرنے کے بعد اپنی قمیض مجھے دے دینا تاکہ مجھے اس میں کفنایا جائے۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قمیصیں زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔ اوپر والی قمیض اتار کر آپ نے اس کو دی۔ ابن ابی نے گزارش کی کہ آپ اپنے بدن سے مس شدہ قمیض دیں۔ لیکن اس کی مطلوبہ قمیض آپ نے عطا نہ فرمائی۔ دیگر ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ وہ قمیض جو وہ طلب کرتا تھا آپ نے اس کو نہ دی۔ لیکن جب وہ مرگیا تو اس کے بیٹے نے عرض کیا کہ بدن مبارک سے متصلہ قمیض مبارک عطا فرمائیں۔

پھر اس منافق نے عرض کیا کہ نماز بھی پڑھیں اور میرے واسطے استغفار بھی فرمائیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانا چاہا تو قدوۃ الصحابہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھیں گے جب کہ یہ منافق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے عمر! میرا ہاتھ چھوڑ دو مجھے اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عطا فرمایا گیا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہے کہ یہ میرے ستر دفعہ سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کرنے سے بخشا جا سکتا ہے تو ہزار سے بھی زیادہ دفعہ اس کے حق میں استغفار کرتا۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ **استغفر لهم اولا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم** آپ ان کے واسطے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے واسطے استغفار فرمائیں پس ہرگز اللہ تعالیٰ ان کو بخشے گا نہیں۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ **ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله** نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو ان اقوال و افعال کا صدور ہوا یہ تعجب خیز ہے اور کوئی بھی اس کی کنہ اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہاں پر ایک بات اہل سیر نے کی ہے جو عجیب و نادر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابن ابی کی تدفین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قبر پر گئے تھے اور فرمایا تھا کہ اس کو باہر نکالا جائے۔ اس کے بعد آنحضرت نے اس کا سر اپنی گود میں لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔

اس سے یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ تمام افعال اس کے بیٹے کی خاطر داری کے باعث تھے۔ اس لئے کہ وہ آنحضرت کے صادق محبان اور بارگاہ نبوی کے مخلصین میں سے تھے اور یہ اظہار یہاں مقصود تھا کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ اگر ایمان کا سرمایہ مفقود ہو تو شفاعت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی حکم ہے **ان الله لا يغفر ان يشرك به** اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جائے تو بلاشبہ وہ یہ نہیں بخشتا اور آنحضرت کے یہ تمام افعال ظاہرداری کی خاطر تھے۔ ان کا تعلق حقیقت کے ساتھ بالکل نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی حکمت و مصلحت مخفی ہو۔ جو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کے علم میں نہ ہو اور نہ ہی کوئی معلوم کر سکتا ہو۔

اس ضمن میں سیرت نگار حضرات بیان کرتے ہیں کہ اس میں پنہاں حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے جس کا اظہار

ہوا کہ ابن ابی کے موافق منافقین جو غیری رہے تھے جب انہوں نے دیکھ لیا کہ ابن ابی کے حق میں اس قدر لطف و کرم اور شفقت فرمائی گئی ہے۔ تو انہیں آشنائی حاصل ہوئی اور وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور انہوں نے اپنے گلے میں اطاعت و انقیاد کا پٹہ ڈال لیا۔ نقل کیا گیا ہے کہ جس دن ابن ابی مرگیا تو منافقوں نے یہ دیکھا کہ ان کا سردار بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعاو نماز کا محتاج اور نیاز مند ہوا ہے اور اس کے لئے آنحضرت کے شفقت و کرم کو انہوں نے دیکھا تو ایک ہزار منافق حاضر ہوئے اور توبہ کی۔ اور صدق و اخلاص کے ساتھ اسلام لے آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اپنی قمیض عطا فرمانے کے بارے میں چند علماء نے توجیہہ اور تاویل کی ہے۔ وہ یہ کہ بدر کے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ قید ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے۔ وہ ننگے رہ گئے تھے کیونکہ ان کا قد لمبا تھا۔ اور ان کے جسم پر کسی کی قمیض پوری نہ آتی تھی۔ لہٰذا ابن ابی نے اپنی قمیض ان کو پہنائی تھی۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کا بدلہ چکا دیا تھا اور اس کے احسان کا بار اتار دیا۔

علاوہ ازیں آپ نے جو نماز پڑھی اور استغفار فرمائی یہ اس لئے تھے کہ حدیبیہ کے دن عبداللہ بن ابی کو مشرکین نے کہا تھا کہ تم کو ہم مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں لیکن ابن ابی نے کہا (محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہمارے پیشوا ہیں ان پر میں سبقت نہ کروں گا۔ اس نے ادب کا لحاظ رکھا گو منافق تھا۔ آنحضرت نے اس پر نماز اور استغفار سے اس کا بدلہ بھی چکا دیا تھا۔ (کذا قیل)

یہ سب باتیں بلا ضعف نہ ہیں۔ نہ ہی ان سے تسلی ہوئی ہے اور نہ ہی ان سے حیرانی رفع ہوتی ہے۔ نہ ہی ان سے اعتراض ساقط ہوتا ہے اور یہ قطعی جواب بھی نہیں۔ کیونکہ وہم کی بنا پر کہتے ہیں کہ مشرک کے نہ بخشے جانے کی خبریں' استغفار کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں آیت پاک جو منافقوں کے لئے نازل ہوئی اور ان کی بخشش نہ ہونا اور دیگر آیات جو اس ضمن میں نازل ہوئیں یہ تمام بعد از مرگ ابن ابی ہوا۔ اور ابن ابی کے بارے میں جو کچھ بھی آنحضرت سے واقعہ ہوا ہے ان آیات کے نزول سے وہ سب قبل واقع ہوا۔ یہ بات اگر صحیح ہوتی اور مکمل ہوتی تو اس صورت میں وہم سے نجات مل سکتی تھی۔

کچھ علماء یوں بھی کہتے ہیں کہ جو ظاہری طور پر شرک پر مرا ہو۔ اس کے لئے استغفار ممنوع ہے۔ لیکن جو بظاہر اسلام پر مرا ہو اس پر استغفار کی ممانعت نہ ہے۔ کیونکہ احتمال یہ ہے کہ آخر کار باطن ظاہر کے موافق ہو گیا ہو گا۔ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ آنحضرت نے استغفار فرمائی ہو۔ بالخصوص جبکہ وہ دنیا سے جا رہا تھا۔ اور اس پریشانی کے آثار نمایاں تھے اس لحاظ سے اگر ممانعت کی خبر ثابت ہو جائے تو بعید نہ ہے کہ یہ کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یہ تمام افعال و اقوال عبداللہ کے واسطے ایمان کی دعوت کا حصہ تھے۔ اور آپ نے اس کی تالیف و ترغیب اور استمالت کے واسطے اس کی گزارش قبول کی ہو۔ ازاں بعد ممانعت کے نزول کے بعد اس سے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں عبداللہ بن ابی کو صحابہ میں ذکر کیا اور شیخ اجل اکرم علی متقی رحمتہ

اللہ علیہ نے جامع کبیر کے حاشیہ میں اس کی تصویب کی۔ اور اس طرح دونوں نے تحریر فرمایا کہ۔ **ھذا یحسب الظاہر والا ھو کان منافقا (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال)**

بادشاہ حبشہ کی رحلت :۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا وصال ۹ھ میں ہوا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس روز نجاشی نے رحلت فرمائی۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ آج تمہارا بھائی صالح شخص اصحمہ نے وفات پائی ہے۔ اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اور اپنی بھائی کے واسطے استغفار کرو۔ پس ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیچھے صف باندھے کھڑے ہو گئے۔ اور عید گاہ میں نماز جنازہ ادا کی۔

معلوم ہو کہ غائب کی نماز جنازہ پڑھنے میں علماء کی رائے آپس میں مختلف ہے۔ امام شافعی' امام احمد اور جمہور سلف رحمتہ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جنازہ کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ میت پڑھنے والے کے سامنے جائز موجود ہو اور غائب کے نماز جنازہ میں یہ شرط پوری نہیں ہوتی۔

جو امام جائز فرماتے ہیں ان کی حجت اسی نجاشی بادشاہ کی وفات کی حدیث ہے۔ لہٰذا پتہ چلتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے میت کا ہونا مشروط نہیں ہے۔ عدم جواز کا حکم دینے والے علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ نجاشی کے واقعہ میں بھی غائب پر نماز نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ نجاشی کا جنازہ زمین لپیٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا تھا اور یا وہ جنازہ آنحضرت کے روبرو لایا گیا تھا۔ اور مقتدیوں کا جنازہ دیکھنا شرط نہیں۔

اس بارے میں واقدی نے اپنی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نجاشی کا جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظروں کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے ملاحظہ فرما کر نماز جنازہ ادا کی تھی۔ علاوہ ازیں مروی ہے کہ وہ صحابی کہ مدینہ میں جس کا وصل ہوا تھا۔ اس کی نماز جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تبوک میں پڑھی تھی۔ وہ معاویہ لیثی صحابی تھے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ان پر ستر ہزار فرشتے نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ ان کی یہ فضیلت اس لئے ہے کہ وہ سورۃ اخلاص بڑی کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیما" و تشریفا" میں ان دنوں بھی یہی متعارف ہے کہ جس وقت خبر موصول ہو کہ کسی اسلامی شہر میں فلاں فلاں نیک آدمی وصل پا گیا ہے تو شافعین اس پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ اور کچھ حنفی لوگ بھی ان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ قاضی علی بن جار اللہ راقم الحروف فقیر (شیخ عبدالحق) کے شیخ حدیث ہیں ان سے سوال کیا گیا کہ اس طرح غائبانہ نماز جنازہ میں حنفی لوگ کیوں شامل ہوتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دعا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اور سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرمایا ہے کہ ہر روز ورد کے طریقہ پر اس دن میں فوت ہونے والوں پر نماز جنازہ پڑھے۔ اور غوث پاک رضی اللہ عنہ حنبلی ہیں۔ اور امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بطور امیر حج:۔ اسی سال ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کے واسطے بھیجا آپ نے ان کو ماہ ذیقعدہ میں اور ایک جماعت کے نزدیک ذی الحجہ میں اور کچھ علماء نے کہا ہے کہ ذیقعدہ کے آخر میں بھیجا۔ اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ جمہور کے نزدیک حج چھٹے سال میں فرض ہوا تھا۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ نویں سال میں فرض ہوا۔ جس کو عام الوفود کہتے ہیں۔ کیونکہ سورۃ آل عمران کی آیات جن میں حج کی فرضیت کی آیات ہے کا سال نہم میں نزول ہوا تھا۔ واللّٰه على الناس حج البيت اور یہ واقعہ نویں سال کا ہے اور محققین کے نزدیک بھی یہی قول مختار ہے لیکن آنحضرت کا اس سال حج پر جانا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ آپ غزوات اور آنے والے وفود کو تعلیم احکام دینے میں مصروف و منہمک تھے۔ لہٰذا آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ پر امیر الحاج بنا دیا اور بیس بدنہ بھی۔ علاوہ ازیں پانچ بدنہ صدیق اکبر کے اپنے تھے۔ یہ مکہ شریف کو روانہ ہوئے تاکہ حج کی رسوم ادا کریں اور لوگوں کو مناسک حج سکھائیں اور سورۃ برات کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سنا دیں۔ اس قافلہ حج میں حضرت سعد بن ابی وقاص عبد الرحمٰن بن عوف' جابر بن عبد اللہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مانند اکابر صحابہ بھی شریک تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد ذوالحلیفہ میں احرام باندھا اور نکلے تو جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ رسالت و پیغام کی ادائیگی آپ یا علی مرتضیٰ کے علاوہ اور کوئی نہ کرے۔ یا وہ آدمی کرے جو آپ کی طرف سے مجاز ہو۔ اس لئے کہ ثبوت عہد یا نقض عہد صاحب معاملہ شخص کا کام ہوتا ہے۔ یا اس کا کوئی خویش و اقارب عزیز ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ کے پیچھے روانہ ہونے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ ان سے وہ آیات لے لیں اور حج کے روز لوگوں کو سنا دو علاوہ ازیں لوگوں کو بتانے کے لئے یہ چار امور فرمائے پہلی یہ کہ جنت میں کوئی جان نہ جائے گی سوائے مومن کے۔ دوسرے یہ کہ بیت اللہ کا طواف برہنہ حالت میں کوئی نہ کرے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک آدمی حج نہ کر سکے گا نہ مسجد حرام میں داخل ہو گا اور نہ قربانی کرے گا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ کفار میں سے کسی نے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ اگر میعادی عہد باندھا ہوا ہے تو وہ میعاد ختم ہونے کے بعد بھی اسی عہد پر قائم رہے گا اور اگر کسی نے اس قسم کا کوئی عہد نہیں کیا تو وہ عہد مقرر کئے جانے تک چار ماہ کے لئے امان میں ہو گا۔ بعد ازاں اگر وہ مسلمان نہ ہو جائے تو اس کا خون اور مال مباح گردانا جائے گا۔ یہ پیغام دے کر آنحضرت نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی خاص ناقہ عضبا پر سوار کرایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقب میں ان کو روانہ کر دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حج کی نیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ منزل عرج پر ہم پہنچے۔ مکہ شریف کی راہ پر سجان پہاڑ کے ساتھ یہ منزل ہے۔ صبح کی نماز کا وقت جبکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت کے لئے آگے آ چکے تھے لیکن نماز ابھی شروع نہ ہوئی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاص سواری پر آ پہنچے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہو یا کہ مامور۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مامور ہو کر آیا ہوں۔ مراد یہ تھی کہ امیر الحاج آپ ہی ہیں میں آپ کے تابع ہوں۔ لیکن فرمان واجب یوں ہے کہ سورۃ برائت کی آیات میں پڑھ کر سناؤں گا اور وہ احکام بھی جو امن کے ضمن میں لے کر آیا ہوں وہ بھی میں ہی لوگوں تک پہنچاؤں گا۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر مناسک حج ادا کئے گئے۔ ایام حج کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقررہ خطبہ پڑھا۔ اور مناسک حج سکھائے ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ برائت کی آیات سنائیں اور چاروں احکام بھی لوگوں تک پہنچائیں۔ ان امور سے فارغ ہو کر مدینہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے کیا ارتکاب ہوا ہے کہ آپ نے ـــــ سورۃ برائت کی آیات مجھ سے لے لیں آنحضرت نے فرمایا کہ تجھ سے کچھ بھی سرزد نہیں ہوا۔ اور تمہاری جانب سے کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ تم غار میں میرے ساتھی تھے اور حوض کوثر پر بھی تم میرے ساتھی ہو گے۔ لیکن ہوا یوں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اس امر کی ادائیگی صرف آپ کریں گے یا آپ کا کوئی قریبی عزیز۔ اس واسطے میں نے ایسا کیا ہے۔

اور ان آیات میں مشرکوں کا نقض عہد اور منافقین کی رسوائی ہے۔ اور مجھے (راقم الحروف شیخ عبدالحق) ایک دفعہ کا واقعہ ابھی تک یاد ہے۔ ایک مجلس منعقد تھی۔ اس میں چند شیعہ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک آدمی جو کہ جہل و تعصب اور طبعی عناد سے مغلوب تھا وہ کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی کو امیر مقرر فرمادیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو معزول فرمادیا۔ ایک اور شیعہ آدمی جو علم اور انصاف کا حامل تھا اس نے اس کی اس بات سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ اور تو بکواس کر رہا ہے لیکن اس وقت اس قضیہ کے بیان سے معلوم ہو گیا۔ کہ امیر الحاج کا مرتبہ اور تعلیم احکام حج بذمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور آیات کی تلاوت اور چاروں احکام پہنچانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری فرمائی گئی۔ معزولی کا وہم اس لئے راہ پایا کہ یہ چیزیں پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد تھیں اور بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئیں' لیکن عزل سے مراد مکمل معزولی ہے۔ اور یہی اس شیعہ کی مراد تھی اور مبنی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا تھا کہ امیر ہو یا کہ مامور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں امیر نہیں بلکہ مامور اور آپ کے تابع ہوں۔

قضیہ لعان:۔ اکثریت ارباب سیر کے مطابق اسی سال میں لعان کا قضیہ واقع ہوا تھا۔ اس ضمن میں مشکوٰۃ شریف میں دو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث وہ ہے جو عویمر بن الحارث عجلانی سے منسوب ہے یہ عجلان جو کہ انصار ہی کی ایک شاخ کا نام ہے اور ان کی زوجہ خولہ بنت قیس کے درمیان ہے۔ جو متفق علیہ حدیث جس کی روایت سہل بن سعد ساعدی نے روایت کی ہے اس میں اور وہ اکابر صاحبہ کرام جنہوں نے مدینہ شریف میں تمام صحابہ کے آخر میں وصال پایا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں عویمر عجلانی حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آدمی کے بارے میں آپ حکم فرمادیں جس نے اپنی زوجہ کے ساتھ کسی دوسرے کو زنا میں مشغول پایا۔ کیا وہ اس کو قتل کر

دیں۔ حتیٰ کہ مقتول کے وارث اس کے بدلے میں اس کو قتل کر دیں۔ یا وہ کیا کریں مراد یہ کہ کیا وہ درگزر کریں اور اسے نہ قتل کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تم اور تمہاری بیوی کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا ہے۔ اس سے مراد یہی آیت لعان ہے۔ **والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء۔۔ان کان من الصادقین** تک آنحضرت نے فرمایا تم جاؤ اور اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ ازاں بعد مسجد میں عویمر اور اس کی بیوی نے ایک دوسرے پر لعان کیا ایک دوسرے پر لعان کرنے کے بعد عویمر نے آنحضرت کی خدمت میں گزارش کی یا رسول اللہ! یہ عورت اگر اپنے پاس میں رکھو تو میں نے دروغ بیان کیا ہے پس اس نے تین طلاقیں دے دیں۔ یہ اس وجہ سے انہوں نے طلاق دی کہ ان کا خیال تھا کہ لعان سے مرد پر عورت حرام نہیں ہوتی ہے۔ یہ طلاق دی کہ وہ جدا ہو جائے لیکن حکم ہے کہ لعان کے ساتھ ہی عورت و مرد جدا ہو جاتے ہیں خواہ تفریق کے بعد ہو یا بغیر تفریق کے ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ عورت جو بچہ جنے گی اس کی شکل و صورت کا ملاحظہ کرنا کہ کس پر ہے۔ اگر سیاہ رنگ، کالی آنکھوں موٹے سرین اور دبلی ٹانگوں والا ہو تو میرے خیال میں عویمر جھوٹا ہو گا۔ پس عورت سے جو بچہ تولد ہوا وہ اس رنگ اور صفت کا حامل تھا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عویمر کی صداقت میں بیان فرمائے تھے۔ یعنی سیاہ رنگ اور یہ رنگ زنا سے منسوب مرد سے مشابہت رکھتا تھا۔ ازاں بعد بچہ کی نسبت ماں کی جانب کی گئی۔ جس طرح ولد الزنا کے لئے حکم آیا ہے کہ ایسا بچہ ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے اور وہ ماں کا وارث ہوتا ہے باپ کا نہیں ہوتا۔

دوسری بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ پر شریک بن سحما رضی اللہ عنہ کا الزام لگایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تم گواہ پیش کرو اور یا اپنی پشت پر حد قذف لگواؤ۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کوئی مرد اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو اس وقت جا کر گواہ لانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود آنحضرت نے فرمایا کہ تم گواہ لاؤ ورنہ حد کذف برداشت کرو وہ بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے کہ میں اپنے قول میں سچا ہوں اور مجھے اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے نزول کی توقع ہے جس سے میری پشت حد قذف سے محفوظ رہے گی ازاں بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت پاک کے ساتھ نازل ہوئے۔ **والذین یومنون ازواجھم** الایہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آیت پاک **ان کان من الصادقین** تک پڑھی پھر آپ نے مرد اور عورت دونوں کو فرمایا کہ تم میں سے ایک فرد ضرور جھوٹا ہے اور دنیاوی عذاب میں آسانی ہے پھر اس عورت نے کھڑی ہو کر شہادت دینا شروع کیا اور اس نے قسم اٹھائی لوگوں نے بہت کہا کہ وہ ٹھہرے اور جلدی نہ کرے اس نے پانچویں شہادت پر پہنچ کر توقف کیا۔ اور کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو ذلیل نہ کروں گی اس کے بعد وہ باز نہ رہی اور اس نے توقف نہ کیا اور اس نے قسم اٹھائی۔ ازاں بعد دونوں کو جدا کر دیا گیا آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ جو بچہ اس عورت کے ہاں پیدا ہو گا اس کی شکل و صورت دیکھی جائے۔ جس طرح کہ آپ نے حدیث عویمر میں فرمایا تھا۔ پس وہ عورت شریک رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت سے مشابہت والا بچہ لائی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسم نے فرمایا اور کتاب اللہ میں حکم نہ دیا گیا

ہوتا تو اس عورت سے وہ سلوک کرتا جو نہیں کیا گیا اور جس کی یہ مستحق ہو چکی ہے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور شریعت کا حکم ہی یہ ہے لہٰذا میں درگزر سے کام لیتا ہوں۔

جان لیں کہ لعان' ملاعنت اور تلاعن ان تینوں کی معنی ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔ جس وقت مرد اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے لیکن وہ چار گواہوں سے اس تہمت کو ثابت نہیں کر سکتا اور عورت چار دفعہ اقرار نہ کرے تو اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ شوہر چار دفعہ شہادت دے اور قسم بھی اٹھائے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچوں دفعہ پر کہے کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ ازاں بعد چار دفعہ عورت بھی شہادت اور قسم اٹھائے کہ یہ مرد جھوٹوں سے ہے۔ اور پانچویں دفعہ وہ کہے کہ اس عورت پر خدا تعالیٰ کا غضب ہو اگر وہ مرد سچوں میں سے ہے۔ مرد اور عورت دونوں یہ لعان کریں تو حاکم دونوں میں تفریق کر دے گا۔ یہ ہی احناف کا مذہب ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد شدہ الفاظ ففرق بينهما (ان دونوں میں تفریق کر دی) مذکورہ بالا مذہب کو ثابت کرتے ہیں اور جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ تفریق کے بغیر ہی جدائی واقع ہو جاتی ہے اور اگر شہادت نہ دے اور نہ ہی وہ قسم اٹھائے تو حد قذف اس پر ثابت ہوتی ہے اس طرح اگر عورت شہادت نہ دے اور قسم نہ کھائے تو اس پر زنا کی حد ثابت ہوتی ہے یہی سبب تھا کہ عورت نے کہہ دیا تھا کہ قسم نہ اٹھا کر میں اپنی قوم کو رسوا کرنے والی ہو جاؤں گی۔ لہٰذا لعان نے یہ کر دیا کہ عورت اور مرد کو قذف اور زنا کی حد سے نجات دے دی لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ دونوں میں ایک ضرور جھوٹا ہے اگر عذاب دنیوی سے خوف زدہ ہوا تو آخرت میں تو لازماً مبتلائے عذاب ہو گا۔ جس طرح کہ ارشاد حق ہے۔ ان احد کما کاذب وان عذاب الدنیا اهون من عذاب الاخرة

ازاں بعد یہ واضح رہے کہ باپ سے بچہ کی نفی کیا جانا اور ماں سے منسوب ہونا زنا ثابت ہونے پر ہے اور اس کا ثبوت بچہ کی اس آدمی سے مشابہت ہے جس کے ساتھ اس عورت پر زنا کرنے کی تہمت لگی۔ ظاہراً شوافع کا حکم قیافہ کے قابل اعتبار ہونے پر اس میں تمسک اور استدلال ہے لیکن لعان مشروع ہو جانے کے باعث زنا کی حد ساقط ہو گئی تو حکم تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ ماں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور بچہ والدہ کے ساتھ منسوب ہوا۔ شافعین قیافہ کے ساتھ حکم کرنا معتبر جانتے ہیں مثل کے طور پر ایک باندی دو آدمیوں میں مشترکہ ہے۔ اور دونوں ہی ملک یمین کے سبب اس سے وطی کرتے ہیں اس کے بعد وہ بچہ لے آتی ہے۔ تو اس صورت میں امام شافعی قیافہ کا حکم فرماتے ہیں۔ قیافہ شناس جس کے ساتھ مشابہت بتائے اس کا بچہ تسلیم کیا جائے گا لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بچہ دونوں کا ہے بحکم شرح خواہ وہ دونوں کانہ بھی ہو لیکن احکام میں دونوں مردوں سے ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گمان اور علامت سے زیادہ ــــــ قیافہ کی کوئی اہمیت نہ ہے۔ یہ احکام میں معتبر نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ وہ بات اگر نہ ہوتی جس کا کتاب اللہ نے حکم کیا تو میں اس عورت کے ساتھ وہ کرتا جو کہ اس کے ساتھ نہ کیا۔ یہ قول دلیل ہے کہ حاکم کو نہیں چاہیے کہ وہ ظنہ' علامات اور قرائن

کی طرف متوجہ ہو۔ اور ظاہرا" حج و دلائل شرعیہ جس چیز کے مقتضی ہوں ان کے سوا وہ کوئی حکم نہ دے یہ قیافہ تو ظن و علامت کے سوا کچھ بھی نہیں لہٰذا ان پر مبنی کوئی حکم نہ کیا جائے سوائے بعض ان صورتوں کے جبکہ ظنہ اور علامتیں کفایت کرتی ہوں۔

شوافع سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے قیافہ کے معتبر ہونے کے حق میں ایک دلیل قائم کرتے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ میرے پاس ایک روز تشریف لائے۔ آپ نہایت خوش و خرم تھے اس لئے کہ حضرت اسامہ اور زید رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا مسجد میں محو خواب تھے۔ دونوں کے اوپر مخمل کی چادر تھی۔ دونوں کے سر پوشیدہ تھے اور پاؤں دونوں کے ننگے تھے۔ ان کو مجزز مدلجی نے دیکھا۔ یہ شخص قیافہ شناسی میں یگانہ روزگار تھا اس نے کہا کہ دونوں کے پاؤں چند اجزاء کے لحاظ سے مشابہہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دونوں کے پاؤں میں کل اور جز کی نسبت ہے۔ جو کہ باپ بیٹا ہونے کا ثبوت ہے۔ اس اجمال کی یہ تفصیل اس طرح ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت اپنی کمال شفقت کے باعث بیٹا کہا کرتے تھے۔ یہ سفید رنگ اور حسین تھے۔ اور ان کے بیٹے اسامہ کا رنگ سیاہ تھا۔ وہ اتنے حسین بھی نہیں تھے۔ اور ان کو اپنی والدہ سے مشابہت تھی جس کا رنگ سیاہ تھا۔ اور نام ایمن رضی اللہ عنہا تھا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بہت محبوب رکھتے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی "حب رسول اللہ" کہلاتے تھے۔ لہٰذا اسامہ کے نسب میں منافقوں نے طعن کرنا شروع کر دیا کہ باپ تو بڑا خوبصورت اور سفید رنگت والا ہے اور بیٹا اس اس طرح کا ہے۔ نبی کریم کو یہ بات گراں گزرتی تھی۔ مجزز مدلجی قیافہ شناس نے انہیں دیکھ کر کہا کہ یہ دونوں افراد آپس میں باپ بیٹا ہونے چاہئیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بڑے خوش ہوئے اب شوافع اس سے دلیل لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قیافہ شناس کا حکم معتبر گردانا ہے اور اس پر آنجناب نے مسرت ظاہر فرمائی۔

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ عربی لوگ اس قیافہ شناس کی بات قابل اعتبار سمجھتے تھے اور یہ ان پر ایک الزام تھا اس سے یہ تو لازم نہیں ٹھہرتا کہ احکام شرعیہ میں قیافہ شناس کی بات معتبر گردانی جائے۔ یہی مذہب احناف ہے۔

تنبیہہ:۔ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے کسی شخص کو قتل کر دیتا ہے اس کے متعلق علماء مختلف الرائے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ مذہب ہے کہ قصاص میں اس کو قتل کیا جائے ورنہ وہ چار گواہ پیش کرے یا مقتول کے جو وارث ہیں وہ زنا کا اقرار کریں۔ دریں صورت خدا اور اس کے درمیان کوئی مواخذہ طلب امر باقی نہیں بشرطیکہ وہ صادق ہو (کذا قیل)۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں یوں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ یکے از اکابر انصار صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ میں اگر کسی آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو کیا اسے قتل کر دوں یا کہ میں چار گواہ لاؤں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ہاں چار گواہ حاضر کرو۔ حضرت سعد نے عرض کیا۔ خدا تعالیٰ کی قسم جس

نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں پہلے اس آدمی کا علاج اپنی تلوار سے کروں گا۔ اس جگہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت سعد نے یہ کہہ کر فرمان رسول کی تردید نہیں کی تھی۔ نہ ہی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کی مخالفت ہی ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتلایا کہ میں اس قدر عزت اور غضب کا حامل ہوں۔ لیکن حکم شریعت وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ پس آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔ اے انصار! سن لو اور غور سے سن لو کہ تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔ بے شک وہ غیرت مند ہیں۔ اور ان سے زیادہ غیرت مند میں ہوں اور مجھ سے بڑھ کر غیرت مند خدا تعالیٰ ہے۔ اور حق تعالیٰ کی غیورت ہی ہے جو بندوں پر گناہوں کے اظہار کو حرام فرما دیا گیا ہے۔ گناہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ'

یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقصد صفت غیرت کی توصیف و تعریف ہے۔ اور یہ اشارہ ہے کہ غیرت مندی معززین اور سردار لوگوں کی عادات میں شامل ہے۔ گو شریعت میں اس کا حکم دیگر ہے۔ غیرت کے معنی ہیں رشک کھانا۔ اور یہ محبوب پر غیرت ہوتی ہے کہ دوسرا کوئی فرد اس میں مدخل نہ ہو اور اس سے متعلق کوئی ناگوار چیز دیکھنے سے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی غیرت اپنے بندوں کو گناہوں کو ارتکاب اور محرکات سے زجر و توبیخ اور ممانعت کرنے کے لئے ہے تاکہ بندہ بارگاہ قرب و رضا سے دور نہ چلا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور عنایت کے سبب یہ بات ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ مرد کو دیکھتے ہی قتل کر دینے کا جس طرح کوئی جواز نہ ہے اسی طرح عورت کو بھی قتل کر دینے یا اسے سنگسار کرنے کا کوئی جواز نہیں سوائے اس کے کہ اثبات شرعی پایا جائے۔

واقعات ۱۰ ہجری

سن دس ہجری کے واقعات میں بہت سے وفود کی آمد بھی ہے۔ لیکن ہم نے تمام وفود کا ذکر ایک ہی مقام پر اکٹھا کر دیا ہے۔ لہٰذا یہاں اب ہم وفود کے ماسوا دیگر واقعات ہی بیان کریں گے۔

سریہ حضرت خالد بن ولید:۔ دسویں سال میں بنی الحارث بن کعب کی طرف حضرت خالد بن ولید کو ایک جماعت کے ساتھ بھیجا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت خالد کو ہدایت فرمائی کہ بنی الحارث کو تین دفعہ دعوت اسلام پیش کریں اگر وہ اسے قبول کر لیں تو تم وہاں رہ کر انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دینا اور اگر دعوت قبول نہ کریں تو ان سے مقابلہ کیا جائے۔ پس حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہاں گئے۔ اسلام کی دعوت دی۔ تو وہ سب مسلمان ہو گئے لہٰذا خالد بن ولید آنحضرت کے حکم کے مطابق وہاں قیام پذیر ہو گئے ان کو قرآن کریم کی تعلیم دی اور احکام شریعت سکھائے۔ بعد ازاں ایک عریضہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں عرض کیا اور اپنے حالات بیان کئے آنحضرت نے حکم فرمایا کہ ان کی ایک جماعت ہمراہ لے کر مدینہ شریف آجائیں۔ پس حضرت خالد نے بنی الحارث کی ایک جماعت کو ہمراہ لیا۔ مدینہ شریف حاضر ہو

گئے۔ وہ خدمت اقدس میں پہنچ کر کہنے لگے نشہد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ جواب میں آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت پر شہادت دیتا ہوں۔ ان لوگوں پر انہی میں سے قیس بن حصین نامی ایک آدمی امیر مقرر فرمایا گیا اور ان کو واپس چلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ بعد ازاں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو وہاں صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا۔ ابھی یہ عامل عمرو بن حزم اسی جگہ قیام پذیر تھے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہان دنیا سے رحلت فرمائی۔

یہ عمرو بن ہزم جو ہیں ان کے حوال یوں مندرج ہیں کہ یہ ایک انصاری آدمی تھے قبیلہ بخار سے تعلق تھا۔ کنیت ابو ضحاک اور بعض کے نزدیک ابو محمد تھی۔ ان کا اولین جہاد غزوہ خندق میں تھا۔ یہ پندرہ سال کے تھے جب ان کو عامل بنا کر نجران بھیجا گیا۔ جب یہ سترہ سال کے تھے انہیں یمن بھیجا گیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک مکتوب گرامی بھی ساتھ جس میں فرائض و سنن اور دیات لکھے ہوئے تھے۔

نجران کے نصاریٰ کو دعوت اسلام:۔ یمن کے علاقہ میں ایک موضع کا نام نجران ہے۔ اس کی نسبت نجران بن زید بن سبا سے ہے۔ ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی گئی پس انہوں نے آپس میں مشورہ کے بعد چودہ آدمی منتخب کئے اور ان کو مدینہ شریف بھیجا گیا۔ غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احوال کی تحقیق کریں اور آکر خبر دیں۔ اسی طرح روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے' لیکن مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ وہ ساٹھ سوار تھے جن میں سے بیس آدمی ان کے سرداروں سے تھے۔ اور تین وہ تھے جو زمام کار ہاتھوں میں رکھتے تھے۔ ایک کا نام عاقب تھا یہ ان کا امیر قوم' صاحب مشورہ تھا اور رئیس اور سردار قوم تھا۔ یہ ان کا ساز و سامان اور جمعیت کا محافظ تھا۔ ایک کا نام ابو الحارث بن علقمہ تھا۔ یہ نہایت دانشمند تھا اور درس دیا کرتا تھا اور درس وہ اپنی ہی کتب نصاریٰ سے دیا کرتا تھا۔ قوم کے بادشاہ اور سلاطین اس کا بہت احترام کیا کرتے تھے اور اس کو مقبول سمجھتے تھے۔ وہ صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کو پہنچانتا تھا جو کتب سابقہ سے اس نے پڑھی تھیں لیکن وہ اپنی محبت دنیا اور عزت و جاہ کے باعث نصرانیت پر باقی رہا۔

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ابو الحارث کا ایک بھائی تھا اس کا نام کرز بن علقمہ تھا۔ اور اس وفد میں شریک تھا راستے میں ابو الحارث کا اونٹ سر کے بل گر پڑا۔ اس پر کرز نے کہا۔ وہ گرے۔ جو بہت دور ہے۔ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) یہ سن کر ابو الحارث نے کہا۔ تو گرے۔ یہ سنا تو کرز کہنے لگا۔ اے برادر اس طرح کیوں کہتے ہو۔ ابو الحارث نے کہا۔ خدا کی قسم محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور اب تک ہم ان ہی کے منتظر تھے۔ کرز نے کہا کہ پھر تم محمد کا دین کیوں قبول نہیں کر لیتے اور ان کی پیروی سے کیا چیز تم کو مانع ہے۔ ابو الحارث نے کہا اگر آنحضرت کی موافقت اختیار کریں تو قوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایسے کریں تو ہم نصاریٰ میں اپنی موجودہ قدر و منزلت اور عزۃ و جاہ سے محروم ہوتے ہیں اور ہمیں جو مال و منال اور سامان اور تحفے ملے ہیں۔ وہ ہم سے چھین لئے جائیں گے۔ یہ گفتگو ہوئی تو کرز کے دل میں اسلام کی محبت جاگزین ہو گئی اور اپنا اونٹ تیز تر چلانا شروع کیا۔ آنحضرت کی خدمت میں دست بوس ہوا اور ایمان لایا۔ نقل کیا گیا ہے کہ مدینہ شریف میں آئے تو نصاریٰ

بخران نے راستے والے کپڑے اتار کر ریشمی کپڑے پہن لئے ہاتھوں میں انگوٹھیاں بھی پہنیں اور زمین پر دامن کشاں خدمت نبوی میں آئے۔

انہوں نے آنحضرت کو سلام عرض کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہ دیا اور اپنے روئے انور ان کی طرف سے پھیر لیا۔ نصاریٰ کی نماز کا وقت ہوا تو وہ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنا رخ اپنے قبلہ کی طرف بجانب مشرق کر لیا صحابہ کرام نے ان کو روکنا چاہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دیں تاکہ یہ حسب خواہش نماز ادا کر لیں۔ نماز ادا کر لینے کے بعد وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر باتیں کرنے لگے لیکن آنحضرت کی جانب سے کوئی جواب نہ دیا گیا اس کے بعد انہوں نے مسجد سے باہر آکر حضرت عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ڈھونڈا اور ملاقات کی۔ ان کو وہ پہلے ہی جانتے پہچانتے تھے۔ ان سے کہنے لگے کہ تمہارے پیغمبر نے ایک مکتوب ہمیں بھیجا تھا۔ اور ہمیں دعوت دی۔ پس ہم حاضر ہوئے اور اسلام پیش کیا۔ اور گفتگو کی۔ لیکن آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی ہم سے گفتگو فرمائی ہے۔ اب تم دونوں کا مشورہ کیا ہے ہم اپنے شہروں کو لوٹ جائیں یا کہ ٹھہریں حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما نے حضرت علی سے پوچھا کہ تم کیا رائے دیتے ہو اس بارے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری رائے اس بارے میں یوں ہے کہ اپنے ریشمی لباس اتار دو اور سونے کی انگوٹھیاں بھی اتار دو اور پھر راہبوں کی مانند کپڑے پہن کر آنحضرت کی مجلس مقدس میں آؤ۔ پس وہ اس صورت و ہیئت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت کی بارگاہ میں سلام عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یہ لوگ پہلی دفعہ جب آئے تھے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ اس کے بعد آنحضرت نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا اور بیہودہ اور بیکار سی گفتگو کی۔ آخر کار انہوں نے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس شہر میں ٹھہرو۔ تمہارے سوال کا جواب آج میں نہیں دوں گا۔ کل اپنے سوال کا جواب آکر سنیں۔ گویا کہ آنحضرت نے وحی کا انتظار فرمایا کہ کیا وحی نازل ہوتی ہے۔ پس یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔ فمن حاجک فیہ من بعد ماجاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم و انفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل

عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پس کہا ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے' یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ تو شک والوں میں سے نہ ہو۔ اے محبوب! تمہارے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم حاصل ہو چکا۔ تو تو ان سے فرما دے کہ آؤ ہم اور

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

تم بلالیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں اور تمہاری جانیں۔ پس مباہلہ کرلیں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں۔

اس ارشاد گرامی کے بعد وہ لوگ انکار کرتے رہے اور اپنی بے اعتقادی پر اڑے رہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نازل شدہ آیت پاک کے حکم کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ لغوی طور پر مباہلہ سے مراد ہے۔ ایک دوسرے کے بعد لعنت کرنا۔ اور لفظ بہلہ بضم یا بہ فتح کے حقیقی معانی ترک کے ہیں۔ جس طرح کہتے ہیں۔ بہلت اندا قتہ اذا ترکھا بلا اضرار یہ ابتائی کی اصل ہے۔ ازاں بعد یہ لفظ ہر دعا میں بولا جانا شروع ہو جس میں بڑا مبالغہ اور کوشش کی جاتی ہے۔ خواہ اس میں لعان نہ بھی کیا جائے اسی معانی پر آیت پاک بھی محمول کی جاسکتی ہے مراد یہ ہے کہ دعا کے اندر بڑا تضرع اور ابتہال کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ جھوٹے پر لعنت کرے۔ الغرض جب مباہلہ کی دعوت دی گئی۔ تو وہ لوگ ان میں اہل الرائے سے پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ آخر کار اس نے کہا اے انصاریٰ خدا کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔ تم ان سے مباہلہ نہ کرو۔ کسی نبی سے جس نے بھی مباہلہ کیا۔ وہ لازماً ہلاک ہوگیا۔ اور تمہاری خواہش تو اپنے دین پر قائم رہنے کی ہے لہٰذا ان سے تم مصالحت کرکے اپنے شہروں کی جانب واپس چلے جاؤ۔ اگلے روز وہ آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ نبی آخر الزمان مباہلہ کی خاطر تیار ہیں۔ حسین بن علی کو آغوش میں لئے ہوئے ہیں حسن مجتبیٰ کو ہاتھ مبارک میں لئے ہیں اور سیدۃ فاطمۃ الزہرا آنحضور کے پیچھے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کے عقب میں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس وقت دعا کروں گا تم سب آمین کہنا۔ سبحان اللہ کیسا سماں اور کیا ہی وقت تھا کیسی شان پاک شاہد کی تھی اور مشہود کا مرتبہ کیسا بلند تھا۔ نصاریٰ کی جماعت نے ان پانچ پاک ہستیوں کو دیکھا اور دعا اور آمین کے الفاظ انہوں نے سنے تو کانپنے لگے۔

ان میں ابوالحارث بن علقمہ نے کہا۔ ان میں یہ دانشمند شخص تھا۔ اے لوگو! میں ان میں سے ایسی پاکیزہ صورت دیکھتا ہوں کہ اگر خدا سے خواہش کریں کہ پہاڑی اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ تو وہ بھی ان کی دعا سے ہٹ جائے گی۔ لہٰذا خبردار۔ ان سے ہرگز مباہلہ نہ کریں ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور سارے روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی زندہ نہ رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرلیتے۔ تو ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی طرح مسخ ہوتیں۔ یہ وادی ان پر آگ کی بارش کرتی۔ اور تمام اہل نجران بیخ و بن سے اکھاڑ دیئے جاتے۔ حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے جانور بھی مرجاتے۔ اور ایک سال کے اندر اندر تمام نصرانی لوگوں کی ہلاکت واقع ہو جاتی۔

اس کے بعد وہ نجرانی لوگ کہنے لگے۔ اے ابوالقاسم! آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے آنحضرت نے فرمایا تو پھر تم

لوگ اسلام قبول کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ہم سے نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت نے فرمایا تو اس صورت میں تم جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ ہم یہ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لیکن ایک شرط پر آپ سے صلح کرتے ہیں کہ ہم ہر سال آپ کو دو ہزار حلے ایک روایت کے مطابق سرخ حلے پر ہر ایک حلے کی قیمت چالیس درہم ہوگی اور دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ تیس گھوڑے' تیس اونٹ' تیس زرہ' اور تیس عدد نیزے دیا کریں گے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر مسلمان کو ضرورت ہو تو ہر ایک سے مذکورہ اشیاء تیس تیس عاریتاً" آپ کو دینے پڑیں گے۔ نیز یہ کہ تم لوگ سود نہ کھاؤ گے اور ہم پر حملہ بھی نہ کرو گے۔ پس ان شرائط کے مطابق مصالحت ہو گئی۔ اور ایک صلحنامہ تحریر کیا گیا۔ اس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اپنی شہادت ثبت کی۔ نجرانیوں کو یہ صلحنامہ دیا گیا۔

روایت کیا گیا ہے کہ جب وہ واپس چلے تو انہوں نے عرض کیا۔ اے محمد! اپنا ایک امانتدار آدمی ہمارے ساتھ بھیج دیں کہ کبھی ہم میں نزاع ہو تو وہ انصاف سے فیصلہ کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس طرح کا ایک قوی اور امین شخص آپ کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ جنہوں نے امانت کا حق بجالایا ہے پس آنحضرت نے ان کے ہمراہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا۔ یہ جماعت اپنے شہروں کی طرف واپس روانہ ہو گئی۔ اور تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ ان کے سید اور عاقب لوگ آکر حاضر ہوئے اور مسلمان ہوئے۔ پھر ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کی اور جماعت بھی اسلام لائی۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

جب یہ رخصت ہوئے تو ان کے اسقف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم اپنی منزل پر پہنچ کر اپنے کجاوے کے آگے سوئے ہو۔ پھر تو اٹھا ہے اور اپنے اونٹ پر کجاوہ الٹا رکھا ہے۔ اور باندھ دیا ہے۔ پس وہ اسقف اپنی منزل پر گیا اور سویا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور غفلت میں اس نے اونٹ پر کجاوہ الٹا باندھ دیا۔ اس کو اس حال کی جب خبر ہوئی تو اس کو یاد آیا کہ آنحضرت نے اس کی خبر پہلے ہی اسے دے دی تھی۔ پس اسی وقت اس نے کہا اشهد ان محمد رسول الله

مواہب الدینہ میں نقل کیا گیا ہے کہ مباہلہ کا یہ قصہ کی مشروعیت ثابت کرتا ہے۔ حجت اور براہین کے ظاہر ہونے کے بعد بھی اگر مخالف معترض ہو۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ جس نے بھی مباہلہ کیا۔ تو جو باطل ہوتا ہے۔ اس پر مباہلہ کے دن سے ایک سال بھی گزرنے نہیں پاتا۔ (واللہ اعلم)۔

باذان کی مملکت تقسیم کردی گئی:۔ اس سال یمن کا حکمران باذان فوت ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے اس کی مملکت تقسیم فرمادی۔ ملک کا ایک حصہ باذان کے فرزند شہر بن باذان کو عطا فرمایا ایک حصہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیا۔ ایک حصہ پر یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ایک حصہ پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حاکم مقرر فرمائے گئے۔ باذان کسریٰ کی طرف سے حکمران تھا اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا جس طرح کہ ہم قبل ازیں مکتوبات شریف کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں ایک خط آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسریٰ کو بھی بھیجا تھا۔ اور کسریٰ نے

آپ کا مکتوب پاک پھاڑ دیا تھا جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

یمن کے دو مخلاف:۔ اس سال میں قبل از حجتہ الوداع نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کے ہر ایک مخلاف کی طرف روانہ فرمایا۔ شہر اور ملک کے گوشے اور جانب کو مخلاف کہا جاتا ہے۔ یمن کے مخلاف دو تھے۔ جو مخلاف صوبہ عدن کی طرف بلندی پر تھا ادھر حضرت معاذ گئے اور جو "خبر" کے مقام کے گرد و نواح سے تھا۔ وہاں پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مسجد بھی مشہور ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کا مخلاف نشیب میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں ہدایت دی تھی کہ لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ سختی و شدت نہ کرنا۔ ان کو نرمی اور بھلائی کی خوشخبری دیں۔ اپنے سے ان کو دور نہ کریں۔ اس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ نے نصیحت دی کہ تم جس قوم کی طرف جاتے ہو وہ اہل کتاب ہے۔ وہ تمہارے پاس آئیں گے تو تم انکو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت دینا۔ وہ تمہاری فرمانبرداری اختیار کریں تو انہیں آگاہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ و صداقت فرض کئے ہیں۔ کہ تم سے لئے جائیں اور تم میں فقیروں پر تقسیم فرمائے جائیں۔ اس میں بھی وہ تمہارے مطیع ہوں تو تم اپنے آپ کو دور ہی رکھنا۔ اور ان کے مالوں سے عمدہ اور نفیس قسم کے مال لینے کی کوشش نہ کرنا۔ مراد یہ تھی ان کے اونٹوں اور بکریوں میں سے عمدہ اور نفیس جانور چن کر نہ لینا۔ اور کمزور و کمتر جانوروں کو نہ چھوڑ دینا مظلوم کی آہ اور بددعا سے بچنا۔ وجہ یہ کہ مظلوم کی آہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب مانع نہیں ہوتا۔ (رواہ بخاری)

قبیلہ عبد امران:۔ حج الوداع سے قبل ماہ ربیع الاول میں یا ربیع الآخر یا جمادی الاول میں عبد المران پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ یہ بھی نجران کا ایک قبیلہ تھا اس قبیلہ کے لوگ مسلمان ہو گئے۔

حضرت علی کی یمن کی طرف روانگی:۔ ازاں بعد تین سو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ آنحضرت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ ان کے سر مبارک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دست اقدس کے ساتھ دستار شریف پہنائی۔ اور ان کے واسطے ایک علم بھی تیار کر کے دیا۔ کہا جاتا ہے وہ تین پیچوں کی دستار تھی۔ اور اگلی جانب ایک گز شرعی کے برابر شملہ چھوڑا تھا۔ اور ایک کنارہ کندھوں کی طرف ایک بالشت کے برابر چھوڑا گیا۔ پھر آنحضرت نے فرمایا اے علی! میں تمہیں بھیج رہا ہوں اور تمہاری جدائی پر مجھے افسوس ہے۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے میدان میں پہنچو گے تو تم قتال میں پہل نہ کرو تاکہ ان کی طرف سے ابتدائے جنگ نہ ہو۔ انہیں لا الہ الا اللہ کی جانب دعوت دیں۔ وہ ایمان لائیں تو نماز قائم کرنے کا حکم کریں یہ بھی تسلیم کر لیں تو زکوٰۃ کا حکم کرنا تاکہ وہ اپنے صدقات کو اپنے فقیروں پر خرچ کریں۔ وہ یہ بھی تسلیم کر لیں تو دیگر کسی امر میں ان سے کسی قسم کا تعرض ہرگز نہ کرنا۔

اس مقام پر نماز اور زکوٰۃ میں یہ ترتیب قائم کرنے کی ممکن ہے کہ وجہ یہ ہو کہ وہ جملہ عبادات پر مقدم ہے۔ لیکن یہ مراد نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی قبولیت کے بعد ہے نیز تعجب انگیز بات یہ بھی ہے کہ یہاں روزہ اور حج کا ذکر نہیں کیا

گیا۔ ہو سکتا ہے کہ سبب یہ ہو کہ نماز فراشی دوامی ہے۔ اور صدقات کے اہتمام کے وجہ حق خلائق ہونا بھی ممکن ہے اور روزہ تو صرف سارے سال میں ایک بار ہوتا ہے اور حج تمام عمر میں ایک دفعہ فرض ہے۔ اسی بنا پر قرآن میں نماز اور زکوۃ کا حکم یکے بعد دیگرے اکٹھا ہی آیا اقیموا الصلواۃ واتوا الزکواۃ بہرکیف اس مقام پر صرف نماز و زکوۃ دو فرائض کا اہتمام کیا گیا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں صرف زکوۃ کے فریضے کا اہتمام ہی مقصود نظر رکھا گیا ہے۔

اور یہ بھی نقل میں آیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن کی جانب روانہ ہوئے تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس قوم کی طرف مجھے آپ بھیجتے ہیں وہ اہل کتاب ہیں۔ اور میں ابھی نوجوان و نو عمر ہوں مجھے علم قضا اور احکام شریعت کی بھی چنداں مہارت حاصل نہیں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک حضرت علی کے سینہ مبارک پر رکھ دیا اور فرمایا۔ اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ اور حضرت علی بے شک علم قضا میں اس مرتبہ کے حامل ہوئے کہ آپ کی تعریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زبان مقدس یوں صادر ہوا اقضا کم علی علی تم میں بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں اور یہ ایک بڑی عظیم منقبت حضرت علی کی حقانیت اور ہدایت کے بارے میں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے ذریعہ سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دیدے۔ تو یہ چیز ہر اس عمل سے بڑھ کر ہے۔ جس پر سورج طلوع و غروب کرے۔ مراد یہ ہے کہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے یوں مرتبہ ہدایت کی فضیلت اور بلندی شان کا اشارہ بھی فرما دیا۔

ازاں بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جا کر ان شہروں میں دعوت اسلام کا علم بلند کیا۔ اور جہاد و محاربہ میں ثابت قدم رہے۔ جس سے ایک بڑی جماعت ہدایت یافتہ ہوئی۔ اور ان کو اسلام میں داخل کیا گیا۔ بالخصوص یمن کا قبیلہ ہمدان ایک دم تمام کا تمام مسلمان ہوا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک عریضہ ارسال خدمت کیا۔ اور ان کے اسلام لانے کی خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور بارگاہ الہیہ میں سجدہ شکر بجا لائے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔ السلام علی ہمدان۔

ایک حدیث شریف حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت صحیح ثابت شدہ ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یمن کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا پھر ازاں بعد ان کی جگہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھیجے گئے کہ ایک روایت میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جمع کیا تھا اس کا خمس مدینہ شریف لانے کے واسطے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ نیز یہ بھی حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہوا ہے کہ میں اس لشکر میں شامل تھا۔ جو خمس علیحدہ کیا گیا تھا۔ اس میں باندیاں بھی شامل تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں سے بہترین باندی منتخب کر کے اس کے ساتھ ہم بستر ہوئے۔ اس سے مجھے مخصوص کدورت اور اعتراض پیدا ہوا۔ میں نے حضرت خالد بن ولید سے کہا کہ کیا تم بھی نہ دیکھتے ہو جو کچھ کہ یہ شخص کر رہا ہے۔ اور میں نے کہا اے ابوالحسن! یہ بات کیسی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ایک باندی ہے جو خمس کی باندیوں سے ہے اور بعد میں یہ آل محمد

کے حصہ میں آگئی۔ اس کے ساتھ میں مباشرت کرتا ہوں۔ مراد یہ کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ اجازت ملی ہوئی تھی کہ ذوالقربیٰ کے خمس میں تمہارا حصہ ہے اس لئے حضرت علی نے تقسیم کیا تو باندی اپنے حصہ میں لائے۔

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے رتو یہ قصہ میں نے آنحضرت کے گوش گزار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ غالباً" تجھے علی سے عداوت ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ ان سے عداوت مت رکھو۔ اور ان سے تم کو بہت محبت ہے تو اس محبت کو مزید بڑھاؤ اے بریدہ! اس خمس میں سے اس کا حصہ ایک باندی سے زیادہ تھا۔

دیگر ایک روایت میں انہی بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ گفتگو ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے انور تمتمانے لگا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ علی کے بارے میں بد ظنی مت کرو کیونکہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ وہ تمہارا مولا ہے۔ اور ہر وہ فرد جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کا مولیٰ ہے۔ چند شارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ حضرت علی کے خلاف حضرت بریدہ یہ شکایت رکھتے تھے وہ بلا استبراء رحم باندی سے ہم بستر ہوئے ہیں۔ اور یہ شکایت اور اعتراض کی بات نہ ہے۔ مسئلہ استبراء فقہ کا اجتہادی مسئلہ ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد اس جانب ہو۔ بہر کیف خم غدیر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رفعت شان اور ان کے ساتھ سوالات کی ترغیب جو دی گئی تھی۔ اس کے باعث حضرت بریدہ اسلمی کی پہلی شکایت تھی۔ جیسے کہ واقعہ خم غدیر میں انشاء اللہ مذکور ہو گا۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ ازاں بعد میرے نزدیک علی بن ابی طالب سے بڑھ کر صحابہ میں کوئی دیگر شخص محبوب نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یمن کی طرف روانگی کے بارے میں روضۃ الاحباب میں مذکور ہوا کہ ایسے دو مرتبہ واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ اسی دسویں سال میں جو مذکور ہوا ہے اور دوسری مرتبہ کا ذکر انہوں نے نہیں کیا۔ امکان ہے کہ اسی سال میں دوسری بار بھی گئے ہوں گے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لئے احرام باندھ لیا تھا۔ ازاں بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آکر ان کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔

حجۃ الوداع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج فرمانا دسویں سال کے بہت بڑے واقعات سے ایک ہے اور سابقاً" یہ مذکور ہو چکا ہے کہ حج چھٹے سال یا نویں سال میں فرض کیا گیا تھا اور راجح و مختار دوسرا قول (نویں سال میں) ہے جس کی وجہ یہ ہے یہ قوی دلیل پر مبنی ہے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام، تعلیم، احکام شریعت، اور دین اسلام کی بنیادوں کو

مستحکم کرنے میں مشغول تھے لہٰذا نویں سال میں آپ حج پر نہ جاسکے اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو حج ادا کرنے کے لئے مکہ شریف بھیجا۔ جبکہ ۱۰ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود حج کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ حج حجتہ الاسلام۔ اور حجتہ الوداع بھی کہلاتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اس میں لوگوں کو مسائل واحکام حج تعلیم کئے گئے تھے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت فرمایا آپ نے فرمایا کہ مناسک حج مجھ سے سیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ میں آئندہ سال حج نہ کروں اور میں زندہ نہ رہوں۔ یہی وجہ ہے حدیثوں میں اور سیرت کی کتابوں میں اسے حجتہ الوداع کہا گیا ہے۔ اور مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے حجتہ الوداع کہنا مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن کراہت کا سبب بیان نہیں کیا۔ ممکن ہے وجہ یہ ہو کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی یاد آتی ہو۔ اور ایسی یاد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے تو نہایت غم والم کا سبب تھی۔ (واللہ اعلم۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوات ووفود کے معاملات سے فارغ ہو کر ارادہ فرمالیا کہ حج کے لئے روانہ ہوں۔ پس آپ نے یہ اعلان کرایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر روانہ ہونے والے ہیں۔ اس اعلان کے ساتھ لوگ اطراف واکناف میں بھی بھیجے گئے۔ پس لوگ مدینہ شریف آنے لگے اور ماہ ذوالحجہ کے آخر میں جبکہ اس ماہ کی پانچ راتیں ابھی باقی رہتی تھیں۔ آپ نے سفر حج کا آغاز فرمایا۔ آپ کے ساتھ خلق کثیر تھی۔ اس تعداد میں صحابہ کرام اس سفر میں اکٹھے ہو گئے جن کا حد وحساب نہیں ہے۔ بعض علماء نے تعداد نوے ہزار بتائی ہے۔ اور دیگر ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار تعداد بتائی گئی ہے۔ ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہ قول صحیح تر ہے اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جس طرف نظر کی جاتی تھی آدمی دکھائی دیتے تھے۔

ماہ ذیقعدہ کی پچیس تاریخ کو بروز شنبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نکلے آپ نے غسل فرمانے کے بعد اپنے بالوں کو کنگھی فرمائی۔ اپنے احرام کو خوشبو سے معطر فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ آپ نے نماز ظہر مدینہ شریف میں ادا کی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ قصر سے ادا کی۔ وہاں پر احرام پہنا اور لبیک پڑھی۔ ازاں بعد اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو گئے۔ ناقہ کے اٹھنے پر آپ نے دوبارہ لبیک پڑھی۔ مدینہ شریف کے سامنے ٹیلے پر جب ناقہ چڑھی تو آنحضرت نے پھر تلبیہ پکاری۔ اس مقام پر مختلف روایات آئی ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز کے بعد اس درخت کے قریب تلبیہ کہی جہاں آپ موجود تھے۔ اب اس مقام پر مسجد بنی ہوئی ہے۔ جس کو مسجد شجرہ کہا جاتا ہے۔ اور کچھ روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب آنجناب کی ناقہ سیدھی کھڑی ہو گئی آپ نے تلبیہ پڑھی۔ اور کچھ تحریر کرتے ہیں کہ جب ناقہ اس پشتے پر چڑھی تھی اس وقت آپ نے تلبیہ پڑھی تھی۔ یعنی جس نے جس وقت آپ سے تلبیہ سنی اور اس سے پہلے نہ سنی تھی اس نے وہی روایت کر دیا۔ اصل میں تلبیہ کا پڑھنا نماز پڑھنے کے بعد شروع کر دی گئی تھی۔ اور یہ ہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک مسنون ہے۔ اور امام احمد رحمتہ اللہ سے ایک مشہور روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة والملک لا شریک لک۔**

بخاری اور مسلم شریف میں تلبیہ ان الفاظ میں مرقوم ہے۔ **لبیک اللھم لبیک وسعدیک والخیر کل فی یدیک لبنک والرغباء الیک والعمل** آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اونچی آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی آواز تمام صحابہ کرام سن رہے تھے آپ نے حکم فرمایا کہ وہ بھی اونچی آواز کے ساتھ تلبیہ کہیں اس لئے کہ میرے پاس جبرئیل آکر یہ حکم دے رہے ہیں۔ کہ میں اپنے صحابہ کو احرام باندھے ہوئے بلند آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کے لئے حکم صادر فرماؤں۔

آنحضرت نے تلبیہ پڑھنے کے بعد دعا فرمائی۔ یہ دعا خدا کی رضاجوئی۔ جنت میں داخل ہونے اور جہنم کی آتش سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے پر مشتمل تھی۔ جو اونٹ آپ کی سواری میں تھا اس پر پرانا سا کجاوہ باندھا ہوا تھا۔ اور اونٹ پر شغرف یا محمل نہیں تھے۔ اور ہودج و محفہ بھی نہیں تھے۔ آپ منزل عرج پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام اپنے ساتھ ایک اونٹ لئے آتا تھا اور وہ پیچھے رہ چکا تھا۔ اس اونٹ پر آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر کا سامان وغیرہ لادا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کافی دیر تک اس کے منتظر رہے۔ اور جب وہ غلام پہنچا تو اس کے ساتھ اونٹ کوئی نہ تھا۔ حضرت صدیق نے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے تو اس نے بتایا کہ اونٹ گم ہو چکا ہے۔ پس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اسے مارنا شروع کر دیا۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ گم شدہ اونٹ کی خاطر اسے مارتے ہوں۔ کیونکہ اس پر سامان وغیرہ لدھا ہوا تھا۔ اور غلام کی وجہ سے جو شرمندگی اٹھانا پڑی تھی اسے دور کرنے کے لئے ایسے کیا ہو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ محرم کی طرف دیکھو وہ کیا کرتا ہے **انضرو الی ھذا المحرم ما یصنع** فساد احرام اور جزاء کے وجوب میں آپ نے اس کے علاوہ اور کچھ نہ فرمایا۔ کیونکہ اس قدر مقدار سے جزاء کا وجوب نہیں ہوتا ہے۔ روضۃ الاحباب سے پتہ چلتا ہے کہ مقام ابوا پر جب آپ آئے تو وہ سامان سفر بھی مل گیا تھا ابواء اور زدان دو مقامات ہیں حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ ایک حمار وحشی ہدیہ کے طور پر لے کر آئے۔ (رواہ بخاری و مسلم)۔ اور مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ بطور ہدیہ لائے گبر حمار وصنعی اور اس سے خون ٹپکتا تھا اور دیگر ایک روایت ہے کہ حمار وحشی کے گوشت کا ایک ٹکڑہ لائے تھے اور ایک روایت میں مروی ہے کہ شکار کے گوشت کا ایک ٹکڑہ لائے تھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حمار وحشی کا ایک پاؤں لائے۔ آنحضرت نے یہ فرماتے ہوئے قبول نہ فرمایا کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم شکار کا گوشت تناول نہ فرمائیں گے۔ محرم کے شکار کا گوشت کھانے کے بارے میں مختلف اور کئی روایات وارد ہوئی ہیں۔ اور اقوال مختلفہ منقول ہیں۔ ہم نے سفر السعادۃ کی شرح میں ان کا مفصل ذکر کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عسفان کی وادی میں پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں سے حضرت ہود اور صالح علیہما السلام گزر رہے ہیں اور دو سرخ اونٹوں پر سوار ہیں۔ لگام کھجور کے پتوں سے بنائی ہوئی ہے۔ اور اونی سی عبا سے تہبند بنے ہوئے ہیں۔ اون کی چادریں پہنے ہیں۔ اور حج کی تلبیہ پڑھتے ہوئے جاتے ہیں اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اور مسلم میں مروی ہے کہ جس وقت وادی ارزق میں آئے تو آنحضرت نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو گزرتے ہوئے

میں دیکھتا ہوں وہ دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں دبائے ہوئے ہیں اور اونچی آواز سے تلبیہ پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ روایت بخاری میں بھی مروی ہے لیکن اس میں وادی کی تخصیص نہیں ہے اور اس طرح سے ہے کہ آپ نے فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام وادی میں داخل ہو گئے ہیں اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ اور اسی کی مانند مواہب الدنیہ میں آیا ہے۔ اس حدیث کے نے معانی سے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے جو حالات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دوران رونما ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک کے متعلق خبر دی۔ کہ وہ حج کے لئے آتے تھے۔ تلبیہ کہتے تھے۔ احرام باندھتے تھے۔ اور ان کی یہ کیفیت آنحضرت پر وحی فرمائی گئی۔

بخاری شریف میں ہے کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں اور مسلم میں ہے میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ یہ سب کچھ آنحضرت کے کمال علم و یقین کے باعث ہے۔ کچھ علماء نے کہا کہ یہ رویاء منامی ہے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خواب میں اس حالت میں ملاحظہ فرمایا تھا۔ یا اس سے قبل دیکھا تھا اور اب جبکہ اس وادی میں آپ آئے تو اس کا تذکرہ آپ نے فرمایا۔ اور بعض علماء یوں بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت کا یہ ارشاد حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اگر وہ حج پر آئیں تو کوئی چیز اس میں مانع نہ ہے۔ اور انبیاء کا حج اسی سال ہی تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر تشریف لے جا رہے تھے۔ اور آپ نے ان کو دیکھ لیا۔ اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں یا جنت میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح متشکل ہو جاتی ہے اجسام میں آنے کے بعد وہ حسب خواہش ہر جگہ چلی جاتی ہیں جیسے کہ اسراء کی رات کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تھا۔ اور آسمان پر بھی دیکھا تھا پھر آپ نے یہی متشکل شدہ اجسام دوران خواب دیکھے اور عالم بیداری میں بھی مشاہدہ فرمائے۔ اصل میں یہ بھی عالم مثال کا ایک گونہ کشف ہے۔ جیسے کہ ارباب کشف کو ہوا کرتا ہے اور ایک کلام اس سے بھی برتر ہے جس کا ادراک سے اس جہاں میں حضیض ناسوت میں مقید عقول قاصر ہیں وہ برتر کلام یہ ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء کرام کو اس حال میں دیکھا جو کہ ان کی زندگی مبارک میں تھا۔ اور یہ عالم وہ ہے کہ اس میں ماضی و حال مفقود ہے اور بعض اصحاب کشف کے رسائل میں زمان و مکان کی تحقیق کے ضمن میں یہ چیز مذکور و مسطور ہے۔ (واللہ اعلم)۔

مکہ شریف سے ایک منزل دور مقام سرف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے۔ اس مقام پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کو حیض آگیا۔ انہوں نے غمزدہ حالت میں رونا شروع کر دیا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ تم کیوں روتی ہو۔ شاید تم کو حیض آگیا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے لئے یہ تحریر کر دیا ہوا ہے۔ تم وہ تمام اعمال بجالاؤ جو حجاج کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ خانہ کعبہ مسجد میں ہے اس کا طواف نہ کرنا۔ اس لئے خائفہ عورت کا مسجد میں داخلہ جائز نہیں ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف عمرہ ادا کرنے کی نیت سے احرام باندھا تھا اب کہ ان کے لئے عمرہ ادا کرنا محال تھا

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو حج عمرہ میں داخل کرلینا چاہا۔ اور چاہا کہ ان کو قارن بنائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود بھی قارن تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ غسل کرلو اور احرام باندھ لو۔ حائض و نفساء عورتوں کے لئے اس حالت میں احرام باندھ لینے کا جواز ہے کہ وہ غسل کر کے احرام باندھ لیں جیسے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ اسماء بنت قیس کو ذوالحلیفہ میں حکم دیا گیا تھا کہ غسل کر کے پٹی باندھ لیں اور احرام باندھ لیں اس وقت ان کے بطن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے تھے۔ بالآخر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ عمرہ قضاء کردیا جو کہ ان سے فوت ہو گیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ شریف میں داخل ہونے کی خاطر غسل فرمایا۔ اور جب سورج بلند ہو گیا تو آپ حجون کے راستے مکہ شریف میں داخل ہوئے حجون مکہ کا قبرستان ہے جس کا نام معلے ہے وہاں پر ایک پہاڑ ہے جس کا نام کدا ہے ہے۔ لیکن عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ سحر کے وقت مکہ میں داخل ہوا کرتے ہیں گو یہ وقت بڑا منور اور مبارک ہوتا ہے لیکن چاشت کے وقت کی جو جلالت اور نورانیت ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔

حضرت عطا نے فرمایا ہے کہ تمہاری اگر خواہش ہو تو رات کے وقت بھی تم مکہ میں داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امام تھے اور ان کو محبوب یہ تھا کہ وہ دن میں داخل ہوں۔ مقصد یہ تھا لوگ آپ کو دیکھ لیں اور آپ کی متابعت کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باب شیبہ پر پہنچے اس کو باب السلام بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی مبارک آنکھوں سے خانہ کعبہ کو دیکھا۔ اس وقت آپ نے یہ دعا پڑھی۔ **اللهم زد بيتك هذا تعظيما وتكريما ومهابة** اور کچھ روایات اس طرح مذکور ہے۔ **اللهم انت سلام ومنك السلام حينا ربنا بالسلام اللهم زدهذا البيت تشريفا و تعظيما وتكريما ومهابة** اور آخر پر آپ نے فرمایا۔ **من حجته واعتمروا تكريما وتشريفا ومهابة** اور آخر پر مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت آپ سیدھے خانہ کعبہ کی جانب چلتے گئے اور تحیتہ المسجد ادا نہ کی اور طواف کعبہ کیا کیونکہ مسجد حرام کی تحیت طواف سے ادا کی جاتی ہے۔ جیسے کہ دیگر مساجد کے لئے تحیتہ المسجد ہوتی ہے اور طواف نماز کے حکم میں ہے۔ آپ حجر اسود کے سامنے گئے تو آپ نے استلام فرمایا اور اس کو بوسہ دیا۔ اور رفع یدین نہ فرمایا۔ اور جاہلوں کی طرح افتتاح نہ کیا اسی طرح سفر السعادت میں مذکور ہے۔ اور فقہ حنفیہ میں تکبیر و تہلیل اور رفع یدین مذکور ہے۔ اور ایک حدیث اس سلسلہ میں انہوں نے نقل کی ہے استلام حجر کرنے کے بعد آپ نے طواف کرنا شروع کیا۔ کعبہ شریف کو اپنے بائیں ہاتھ رکھا۔ یہ طواف ' طواف قدم ہے اس کو طواف تحیتہ بھی کہا جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کسی مکان کے لئے کوئی خاص دعا روایت نہیں ہوئی اور نہ ثابت ہے سوائے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان میں۔ اس مقام پر آپ پڑھتے تھے۔ **ربنا اتنا فى الدنيا حسنة و فى الاخرة حسنة وقنا عذاب النار**۔

اور ابن ماجہ شریف میں اس آیت کے شروع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ دعا مزید بیان کی گئی ہے۔ **اللهم انى اسئلك العفو والعافيته فى الدين والدنيا والاخرة** اور امام محمد رحمتہ اللہ کے نزدیک مشاہدہ حج کے

دوران کوئی خاص دعا مقرر نہ ہے ان کا قول ہے کہ دعائے معینہ رقت قلب کو زائل کر دیتی ہے اور باوجود اس کے اگر کوئی منقول و ماثورہ دعا سے برکت و تیمن حاصل کرے تو یہ حسن ہے اولین تین پھیروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعجیل کی۔ اور چھوٹے قدم اٹھائے جیسے کہ پہلوانوں کا انداز ہوتا ہے۔ اس فعل کو رمل کہا جاتا ہے۔ اور آپ نے اپنی چادر دائیں بغل مبارک سے نکال لی اور بائیں کندھے پر ڈال لی۔ یہ عمل اضطباع کہلاتا ہے۔ اور یہ بھی اولین تین چکروں کے ساتھ مخصوص تھا آخری چار پھیرے آپؐ نے آہستہ رفتار سے لگائے ہر طرف میں جب آپ حجر اسود کے سامنے جاتے تھے تو آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی اس کے ساتھ آپ اشارہ فرماتے تھے پھر اس لکڑی کو چومتے تھے۔ آنحضرت کا یہ لکڑی کا عصاء سرکج سے بنا تھا۔ اور صولجان سے ملتا جلتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ جس سرے کو ہاتھ میں پکڑتے تھے وہ ٹیڑھا تھا۔ اکثر اوقات یہ عصا مبارک آپ کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اور اس دن طواف کے وقت بھی آپ کے دست اقدس میں ہی تھا۔ اور اس سے نیچے شام چڑھی ہوئی تھی۔ جیسے کہ خدام اپنے ساتھ سترہ وغیرہ ٹھیک کرنے کے لئے رکھتے ہیں۔ (کذا قالوا) بیت اللہ شریف کے ارکان (گوشے) میں جو رکن یمن کی طرف ہے اس کی طرف آپ اپنے ہاتھ سے یا لکڑی سے اشارہ فرماتے تھے لیکن ہاتھ یا لکڑی کو بوسہ دینا ثابت نہیں ہے۔

کچھ روایتوں میں آیا ہے کہ اپنے دست اقدس سے استلام کرتے تھے۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ آپ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور اپنے روئے انور اور بھلائے مبارک حجر اسود پر رکھتے تھے جب آپ استلام کرتے تھے تو پڑھتے تھے۔ بسم اللہ۔ اللہ اکبر۔ کبھی آپ پیشانی بھی رکھتے تھے جیسے کہ سجدہ کیا جاتا ہے اور بعد ازاں بوسہ دیتے تھے طالب جب مطلوب کا بوسہ لیتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جس مقام پر اپنے لب مبارک مس کئے تھے۔ اس مقام پر بوسہ دینے اور لب رکھنے میں جو لذت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ وہ عاشقان رسول اور طالبان حق ہی جانتے ہیں یہ کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ صرف وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ سے ذوق سلیم عطا ہوا وہی اس ذوق سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں مقامات کسی صورت میں تعبیر کرنا محال ہے۔ یہ لوگوں کے دست تصرف کی رسائی سے وراء ہیں۔ ایک تو یہی حجر اسود ہے اور دوسرا مقام ہے غار ثور اس میں محبوب دو عالم ہجرت کے وقت داخل ہوئے اور وہاں آپ نے آرام فرمایا تھا۔ طواف سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقام ابراہیم پر تشریف لائے یہ وہ جگہ ہے جہاں پر وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان ہیں۔

ازاں بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی** یہاں پر آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان میں رکھا۔ ہمارے نزدیک یہ واجب ہے کہ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جائے اور مسجد میں جہاں چاہے ادا کرے جائز ہے۔ لیکن مقام ابراہیم پر پڑھنا افضل ہے۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ یاایھا الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھے۔ دو رکعت نماز سے فراغت کے بعد آپ نے پھر حجر اسود کو استلام کیا اور اس کے بعد نکل کر صفا پہاڑ پر آئے۔ کوہ صفا کے قریب جا کر یہ

آیت پاک پڑھی۔ ان الصفا والمروة من شعائر اللہ پھر آپ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے میں اس طرح سے شروع کرتا ہوں۔ پس آپ صفا کے پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ جس طرح کعبہ شریف وہاں سے دکھائی دے۔ اس پر کھڑے ہو کر آپ نے روئے انور کعبہ شریف کی طرف کیا اور تکبیر کہنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ وصدق وعدہ وھزم الاحزاب وحدہ اور آپ نے دعا فرمائی۔ اللھم انا نسئلک موجبات رحمتک وعزایم مغفرتک والعصمتہ من کل برو السلامة من کل اثم اللھم لاندع لنا ذنوبنا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا کربا الا کشفتہ ولا حاجة من حوائج الدنیا والاخرۃ الا قضیتھا ازاں بعد آپ نے تہلیل تین دفعہ کی۔ اس کے درمیان میں آپ دعا کرتے تھے۔ پھر آپ پہاڑ سے نیچے اترے۔

کوہ صفا پر ایک اور دعا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موطا میں روایت ہوئی ہے۔ اللھم انک قلت ادعونی استجبلکم انک لا تخلف المیعاد واسئلک کما ھدیتنی لاسلام ان تنزعہ منی حتّٰی یتوفانی وانا مسلم پس آپ وہاں سے اترے اور مروہ پہاڑ کی جانب چلے۔ روایت میں آیا ہے کہ مروہ اور صفا کے درمیان میں آپ فرماتے تھے۔ رب اغفر وارحم انک لاغفر الاکرم آپ نے صفا سے اتر کر سعی بھی کی۔ اور وادی سے اترنے کے بعد آہستگی سے چلنے لگے۔ اور آج کل بھی سعی کرنے کی جگہ کے آخری حد کا نشان حرم مسجد کی دیوار میں ایک علامت ہے۔ اس کو بین المبلین الاخضرین کہا جاتا ہے۔ آپ نے صفا سے مروہ تک سعی کی اور مروہ سے صفا تک آئے۔ اس طریقے سے سات پھیرے لگائے اور مروہ پر سعی ختم فرمائی ہر دفعہ جب آپ مروہ پر آتے تھے تو ہر بار وہی اذکار و دعا آپ پڑھتے تھے جو صفا پر پڑھے تھے اور پیادہ ہو کر آپ نے سعی فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہو گئی ان میں وہ لوگ تھے جو سعی کرنے والے تھے اور کچھ وہ بھی نکل آئے تھے جو آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ناقہ پر سوار ہو گئے۔ اس موقع پر لوگوں نے کہا ھذا رسول اللہ ھذ محمد حتیٰ کہ یہ کہتے ہوئے پردہ نشین عورتیں اور لڑکیاں بھی باہر نکل آئی تھیں۔ لیکن اس تمام ہنگامہ واژدہام میں ہٹو بچو اور پیچھے ہٹ جاؤ کی ہرگز کوئی آواز نہ تھی جیسے کہ بادشاہوں کی سواریوں کے آگے پیچھے ہوا کرتا ہے۔ سعی سے فراغت پانے کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ جو لوگ اپنے ساتھ ہدی کے جانور نہیں رکھتے ہیں وہ احرام کھول دیں کچھ صحابہ نے احرام سے نکلنا بڑا گراں محسوس کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ اگر ہدی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ اس دوران یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے۔ ان کے ساتھ ہدی کی نیت سے کچھ اونٹ تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لائے ہوئے اور آنحضرت کے اونٹ کل ایک سو تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے علی! یہ اونٹ کس نیت سے لائے ہو تو انہوں نے جواب دیا۔ اھلا لا کاھلال النبی حضور اکرم کے قربانی کے جانوروں کی مانند قربانی کے واسطے لایا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تو حج کے لئے احرام باندھا ہے اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور لایا ہوں۔ اے علی تم بھی اپنے احرام

میں رہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رنگین کپڑوں میں ملبوس احرام سے باہر دیکھا تو اعتراض کیا۔ کہ تم کیوں حلال ہوئیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجھے حکم ہوا۔ اس پر آنحضرت نے سیدہ کی تصدیق فرمائی۔ اور سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام امہات المومنین جس کے ساتھ ہدی نہ تھی حلال ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق صحابہ احرام سے باہر آگئے اور بعض نے سرمنڈوائے اور بعض نے قصر کرایا یعنی بالوں کو ترشوایا۔ جنہوں نے سرمنڈوائے آنحضرت نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ **اللھم ارحم الحلقین** اس طرح تین مرتبہ دعا فرمائی۔ مقصرین زیادہ الحاح و زاری کرنے لگے تو آپ نے صرف ایک مرتبہ والمقصرین فرمایا۔ حدیبیہ میں بھی ایسے ہی واقعہ ہوا تھا۔ لیکن حجتہ الوداع کے موقع پر احادیث زیادہ وضاحت سے ہیں۔

امام نووی نے کہا ہے **ھو الصحیح والمشھور** اور یہ بھی کہا کہ یہ بھی بعید نہ ہے کہ دونوں مقامات پر اسی طرح واقعہ ہوا ہو۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ یہ ہی اقرب ہے۔ اور فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ یہی متعین ہے۔ اس لئے کہ دونوں مواقع پر احادیث میں تواتر و تواردپایا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مکہ شریف میں آئے ہوئے چار روز گزر گئے اتوار' سوموار' منگل اور بدھ جمعرات کے روز آفتاب بلند ہوا اور چاشت کے وقت آپ منیٰ کی جانب چل پڑے۔ اس وقت وہ تمام صحابہ کرام آپ کے ہمراہ تھے۔ یعنی جو حلال ہوئے تھے اور اس دن انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا تھا وہ بھی منیٰ پہنچ کر آپ نے اقامت فرمائی اور ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کی۔ وہاں پر ہی رات بسر کی۔ اگلے دن سورج چڑھنے کے بعد آپ وہاں سے عرفات کی جانب روانہ ہوئے کچھ صحابہ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ اور بعض تلبیہ کہہ رہے تھے آنحضرتؐ نے کسی پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا تھا کیونکہ اصل میں جو مقصود تھا وہ تسبیح تحمید اور ذکر ہی تھا لیکن افضل و اولیٰ تلبیہ کے الفاظ ہی ہیں۔ عرفات کے نزدیک ایک جگہ کا نام نمرہ ہے۔ وہاں پر پہنچے تو بحکم رسالت مآب وہاں پر آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا اور آپ نے وہاں پر اقامت فرمائی اور جمعہ کے روز کی صبح کی نماز وہاں پر ادا کی سورج ڈھلے آپ نے حکم فرمایا کہ سواری پر زین کس دیں اس کے بعد آپ سوار ہو کر وادی میں آئے اور نہایت ملیغ قسم کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کے لئے احکام اور قواعد بیان فرمائے بلاشبہ یہ پہلے بھی مسلمانوں کو معلوم تھے لیکن مقصود یہ تھا کہ انہیں موکد اور موید کیا جائے اور شرک و جاہلیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور تمام رسوم جاہلیت کو فنا اور ناپید کردیں آپ نے فرمایا کہ تمہاری جانیں تمہارے اموال اسی طرح تم پر حرام ہیں جس طرح یہ دن' مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے۔ اس سے مراد تھے عرفہ کا دن۔ ذی الحجہ کا مہینہ اور مکہ شریف کا شہر۔ اور آپ نے فرمایا۔ جاہلیت کی مقرر کردہ تمام چیزیں میرے ـــــ قدموں کے نیچے پائمال ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جاہلیت کی تمام رسوم و طریقے باطل کرکے انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کرتا ہوں اور عربوں کا معمول ہے کہ جو بات وہ باطل کردیتے ہیں اسے کبھی بھی بعد میں نہیں کرتے اور اس کی جانب رجوع نہیں کرتے اس واسطے آپ نے فرمایا کہ پائمال کرتا ہوں اور آپ نے فرمایا کہ دور جہالت کے

تمام خون موضع وہدر ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ دور جہالت میں واقعہ شدہ خون کا کوئی دعویٰ جس پر بھی ہے وہ میں برطرف کرتا ہوں اور اسے ختم کرتا ہوں۔ اور پہلا خون جو کہ ہمارے خون کے دعوؤں سے ہے وہ بھی برطرف۔ وہ ہے خون ابن ربیعہ بن الحارث کا۔ ابن ربیعہ بنو سعد میں دودھ پی رہے تھے جیسے کہ آنحضرت نے بنی سعد میں دودھ پیا تھا۔ یہ مشہور و معروف قبیلہ دودھ پلانے کے ضمن میں مشہور تھا حارث بن عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ اور ربیعہ رضی اللہ عنہ آنحضرت کے چچازاد بھائی اور صحابی تھے۔ اور آنحضور سے زیادہ عمر رکھتے تھے۔ ان کا ایاس نامی فرزند تھا۔ یہی وہ بچہ تھا جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا۔ بنی سعد اور ہذیل کے درمیان جنگ ہوئی۔ ایک پتھر اس بچہ کو آلگا وہ اس سے فوت ہو گیا۔ اس لئے بنو عبدالمطلب اس خون کے دعویدار تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ خون معاف (ہدر) فرمادیا اور بنو عبدالمطلب کو اس دعویٰ سے دست بردار کر دیا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایام جاہلیت کے سود ختم کئے جاتے ہیں۔ قریش دور جہالت میں سود لیتے تھے اور ان سودی قرضوں کے ضمن میں ایک دوسرے پر دعویدار تھے۔ آنحضرت نے یہ تمام دعوے باطل کر دیئے اور آپ نے فرمایا کہ میں سب سے پہلے حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ آپ نے مسلمانوں کو اس خطبہ میں فرمایا کہ اپنی عورتوں سے حسن سلوک اور لطف و کرم رکھیں۔ ان کے حقوق میں ان پر احسان کرتے رہیں اور آپ نے شوہر و عورت کے ایک دوسرے پر واجب حقوق بیان فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کے حقوق کے متعلق خدا سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو۔ جو حقوق مرد اپنے پر لازم کر کے عورت کو اپنے لئے حلال کرتا ہے ان کا خیال رکھو۔ اور اس کلمہ کا لحاظ بھی رکھو جس سے ان کی شرمگاہیں تم نے اپنے تصرف میں کی ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم اور عہد سے انہیں اپنے نکاح میں لائے ہو اور فرمایا عورتوں پر تمہارے یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستر پر کوئی ایسا مرد نہ لائیں جو تم کو مکروہ اور ناپسند ہے اس سے مراد ہے کہ وہ غیر مرد سے ہم بستر نہ ہوں اگر وہ اس طرح کریں تو ان کو تم مارو۔ لیکن سخت تکلیف دینے والی مار نہیں اور تم پر فرض ہے کہ تم عورتوں کو نان و نفقہ دو۔ حسب عادت لباس اور انصاف مہیا کرو۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں بے شک میں ایک چیز وہ چھوڑے جاتا ہوں کہ تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن ہے۔ خطبہ اور وصیت فرمانے سے فارغ ہو کر صحابہ سے پوچھا اور فرمایا کہ کل قیامت کے دن تم سے میرے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ تمہارے ساتھ میں نے کیا معاملہ کیا اور کس طرح میں نے تمہارے ساتھ زندگی بسر کی تھی۔ تم اس وقت کیا جواب دو گے۔ کیا کہو گے اور تمہاری گواہی کیا ہو گی صحابہ نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے اور امت کو بڑی اچھی نصیحت فرمائی۔ اور جو حقوق ادائیگی رسالت سے متعلق آپ پر تھے وہ آپ نے اچھی طرح ادا کر دیئے۔ اور لوگوں کو دعوت دی اپنے پاس موجود امانتوں کو ادا کیا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کے ساتھ آسمان کی جانب اشارہ کر کے اور سر مبارک اوپر اٹھا کر فرمایا اللھم اشھد اللھم اشھد اے خدا تو بھی گواہ رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا اے مسلمانو! معلوم رہے کہ تین چیزوں کے ذریعے سینہ پاک و صاف رہتا ہے۔ عمل میں

اخلاص مسلمانوں بھائیوں سے خیر خواہی اور بزم جماعت مسلمین۔

آپ نے فرمایا کہ جو لوگ یہاں حاضر ہیں ان کو چاہیے کہ وہ یہ باتیں ان تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں اور غائب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابھی عرفات میں ہی کھڑے تھے کہ ام الفضل بنت حارث نے جو کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں ایک پیالہ دودھ سے بھرا ہوا آنحضرت کی خدمت میں بھیجا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ پیالہ لیا اور اس طریقے اور انداز میں دودھ پی لیا کہ سب لوگ جان گئے اور دیکھ لیا کہ آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ عرفہ کا روزہ مسنون ہے لیکن ان کے لئے انہیں ہے جو عرفات میں ٹھہرے ہیں تاکہ ان سے وہ کمزوری لاحق نہ ہو ذکر و اذکار سے مانع ہوتی ہے۔ خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان دیں اس کے بعد اقامت کہی گئی اور ظہر و عصر کی دونوں نمازیں اکٹھی قصر سے ایک اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ دونوں نمازوں کے درمیان میں کوئی نماز سنت یا نفل نہ پڑھی۔ اس کا سبب وقوف میں جلدی اور دعا میں زیادہ وقت گزارنے کا قصد ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک بین الصلواتین کا اکٹھا کر کے پڑھا جانا صرف اس دن کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک گروہ شافعین کا بھی تسلیم کرتا ہے۔ اور زیادہ تر شافعین کے نزدیک اس کا سبب سفر ہے۔ حالانکہ وہاں پر تمام اہل مکہ اور غیر اہل مکہ جو کہ مسافر نہ تھے وہاں موجود تھے۔ اور ان کو نبی کریم نے منع فرمایا تھا بلکہ ان کے واسطے بھی برقرار و قائم رکھا۔ لہٰذا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ جمع بین الصلواتین لبیک کی بناء پر تھی اور سفر اس کی وجہ نہ تھا ہو سکتا ہے کہ وہ یہ بھی کہیں کہ یہ نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا آنحضرت کی صحبت و متابعت کے سبب تھا ورنہ اپنی جگہ پر یہ واقعہ سفری تھا۔ ہاں حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت نے جب قصر کی دو رکعت ادا کر لیں تو فرمایا کہ مکہ والو تم اپنی نمازیں مکمل کر لو۔ ہم مسافر ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سوار ہوئے اور کوہ عرفات پر آئے اس پہاڑ کو جبل رحمت بھی کہتے ہیں وہاں پر آپ سیاہ رنگ کے بڑے بڑے پتھروں کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہاں ریت پر ایک عمارت بھی دکھائی دیتی ہے اور مطبخ آدم علیہ السلام کہلاتی ہے۔ علماء کا قول ہے کہ آنحضرت کے وقوف کی جگہ بصورت متعینہ کوئی نہیں جانتا۔ بلکہ ان پتھروں کے نزدیک کھڑے ہو جائیں اور کچھ ویران سے مقامات میں وقوف کرے تو وقوف آنحضرت کا مقام مل جائے گا۔

جبل عرفات پر چڑھنے کے ضمن میں کوئی بات معتبر نہ ہے اور نہ ہی اس میں کوئی اجر و ثواب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اونٹ کی پشت پر ہی سوار رہے اور ان پتھروں کے نزدیک آپ نے دعا اور تضرع اور ابتہال کرنا شروع کر دیا۔ اس جگہ پر تضرع اور ابتہال بہت مطلوب ہے۔ اور اگر خوب دل بھر کر رونے کی کیفیت حاصل ہو جائے تو یہ نشانی ہے قبولیت کی۔ آنحضرت جب دعا مانگ رہے تھے تو آنجناب کے ہاتھ مبارک سینہ اقدس کے برابر تھے جیسے کہ مسکین لوگ مانگنے کے دوران اپنے ہاتھوں کو رکھتے ہیں روز عرفات میں بہت سی دعائیں مروی ہیں جو کہ ماثورہ ہیں۔ ان سے جتنی دعائیں سفر السعادۃ میں ذکر کی گئی ہیں وہ کافی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور لمبی طویل دعا ہے جو کہ میں بیان کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس روز جو دعا پڑھنے کے لئے میرے اور میرے سابقہ تمام انبیاء کے نزدیک افضل ہے وہ یہ ہے۔ **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ املک ولہ الحمد وھو علی کل شیئی قدیر** اور غروب آفتاب سے قبل وہاں سے روانہ نہ ہونا چاہیے۔ بروز عرفہ اس آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**

حدیث میں بیان ہوا ہے کہ شیطان کو جس قدر ذلیل ورسوا اور مضطرب وغمناک اس روز دیکھا گیا تھا اس عرفہ کے روز بنی آدم پر رحمت ومغفرت کا نزول دیکھ کر اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔ ہاں ایک اور دن بھی ہے اور وہ ہے روز بدر جب اس نے دیکھا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی صفوں کو ترتیب دینے میں مشغول ہیں۔ یہ دن بھی شیطان کی بڑی ذلت ورسوائی کا تھا۔

علامہ اکرام فرماتے ہیں کہ جو شخص اس دن اس موقف میں کھڑا ہو اور اس کا خیال یہ ہو کہ اس کی مغفرت نہیں ہوئی وہ نہایت بدبخت ہے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مباہات فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا طلب کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اہل وعیال اور گھر چھوڑے ہیں میرے لئے اور میری بارگاہ میں گرد وغبار میں اٹے ہوئے ننگے سروں کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں اور یہ مجھ کو یاد کر رہے ہیں۔ میں ان کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہوں اور ان کے تمام گناہ بخشتا ہوں۔

عرفات میں فرض کی ادائیگی کی خاطر ایک گھڑی وقوف کر لینا کافی ہوتا ہے لیکن آفتاب کے غروب ہو جانے تک وہاں وقوف کرنا مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں پر غروب آفتاب تک قیام پذیر تھے اور اس آیت پاک کا نزول عرفات میں ہوا تھا۔ **الیوم اکملت لکم دینکم**

بلاشبہ اس آیت کا نزول اہل اسلام کی عید اور ذوق وسرور کا سبب ہے لیکن بعض دانا لوگ اور رمز شناس نبوت صحابہ کرام یہ جان گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف جدائی کا زمانہ قریب ہونے کی علامت ہے۔ اس لئے ان کے دل غمگین ہوئے اور کانپ اٹھے جیسے کہ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کانپ اٹھے تھے اور رونا شروع کر دیا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ **اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح** اس وقت بھی اس طرح کی صورت حال ہو گئی۔

سورج غروب ہو گیا تو آنحضرت عرفات سے چل پڑے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا۔ اونٹ کی مہار کھینچے رکھی اور آپ نے فرمایا۔ لوگو! آرام سے چلو۔ تیز تیز چلنے میں نیکی نہ ہے اور عجلت پرہیزگاری کے منافی ہے لہٰذا اطمینان سے چلو۔ دراصل اطمینان اور باوقار انداز میں چلنے سے اعضاء وجوارح کو سکون میسر ہوتا ہے اور حال اور جمعیت دل کی استقامت کا سبب ہوتا ہے۔ جبکہ حرکت واضطراب سے دلی تشویش اور باطنی طور پر تفرقہ وپریشانی ہوتی ہے۔ بھاگنے اور اضطراب سے ممانعت اس لئے کی گئی تھی کہ نماز کی جماعت مل جائے۔ اس لئے کہ کچھ نادان اور ناسمجھ لوگوں نے ایسا ظاہر کیا تھا۔

راستہ کی تبدیلی:۔ مازئین کا راستہ مکہ شریف کو براستہ عرفہ و مزدلفہ جاتا ہے یہ دوسرا راستہ ہے ایک راستہ منیٰ والا ہے جو مکہ کو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو کہ عید گاہ میں جانے اور آنے کے لئے اپناتے ہیں۔(یعنی راستہ بدلنا)۔ آنحضرت سے مخالف راستہ کو ملوظ رکھا اور عرفات میں آنے اور جانے میں یہ طریقہ ہی اختیار فرمایا اور مذکورہ مقام مازئین کے راستے آپ نے واپسی اختیار فرمائی دوران راہ اونٹ کی مہار قدرے ڈھیلی رکھی تاکہ رفتار تیز و سست کے درمیان رہے۔ جہاں راستہ کشادہ ہوتا تھا وہاں کچھ تیز چلتے بلندی پر چڑھنے کا موقع ہوتا تو مہار بالکل ڈھیلی چھوڑ دیتے تھے تاکہ چڑھائی آسانی سے چڑھی جائے تمام راستے میں آپؐ تلبیہ کہتے آئے۔ دوران راہ ایک گھاٹی پر آپؐ نے وضو فرمایا اور پانی بھی نہ بہایا اور وضو بھی پورا کرلیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آیا نماز مغرب ادا کرنے کا ارادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ نماز مغرب آگے ہے مطلب یہ کہ مزدلفہ کے مقام پر مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی جائیں گی۔ پھر سوار ہو کر مزدلفہ آگئے۔ منیٰ اور عرفات کے درمیان میں مقام مزدلفہ ہے۔ ایام جاہلیت میں قریش عرفات تک نہ جاتے تھے بلکہ یہاں ہی ٹھہر جاتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم حرم خدا کے ہمسائے ہوتے ہوئے حرم سے باہر نہیں جاتے ہیں۔

مزدلفہ کے مقام پر آپ نے کامل وضو فرمایا اور اذان دینے کا حکم فرمایا اور اونٹوں سے سامان وغیرہ اتارنے سے پہلے ہی اقامت کے ساتھ مغرب کی نماز ادا فرمائی مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد اونٹوں سے سامان اتارا گیا اس کے بعد اقامت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اور عشاء کی نماز کے لئے اذان نہ کہی گئی اور مغرب اور عشاء کے فرائض کے درمیان میں کوئی دیگر نماز نہ پڑھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب اور عشاء کی جمع ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ تھی جس طرح عرفات میں ظہر اور عصر میں جمع کی گئی تھی۔ بخاری اور مسلم میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام زفر' شافعی' ابو حنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی مذہب یہی ہے۔ یہ بھی صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت شدہ ہے اور ترمذی نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے اور اسے ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ عشاء کی نماز یہاں اپنے وقت پر ہوئی اس لئے علیحدہ اذان و اقامت کی کوئی احتیاج نہ تھی۔ جبکہ عرفات میں عصر کی نماز غیر وقت میں تھی لہٰذا اعلام کی زیادتی کی ضرورت تھی۔(واللہ اعلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھ لی تو آپ سو گئے۔ اور شب بیداری نے فرمائی حالانکہ آنحضرت شب بیداری ضرور کیا کرتے تھے۔ سبب یہ تھا کہ آپ نے اعتدال مدنظر رکھا اور حق بدن ملحوظ رکھا۔ طلوع فجر کو وقت اول وقت میں نماز فجر ادا فرمائی۔ ازاں بعد آپ پھر سوار ہو گئے اور مشعر حرام تشریف فرما ہوئے۔ یہ ایک ٹیلہ ہے مزدلفہ کے درمیان۔ اب اس پر ایک نئی عمارت بنائی ہوئی ہے۔ مشعر حرام میں آنحضور کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے اور تضرع اور ابتہال فرمانے لگے۔

سفر السعادت میں ابوداؤد اور ابن ماجہ سے حضرت عباس بن مرداس کی روایت سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امت کی مغفرت کے لئے عرفات میں دعا فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ سوائے ظالم لوگوں کے

میں نے تمام کو بخشش دیا ہے۔ ظالم کو مظلوم کے حق میں پکڑوں گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا۔ اے میرے رب تعالیٰ! تو قدرت رکھتا ہے کہ چاہے تو مظلوم کو جنت عطا فرمائے اور ظالم کو بھی بخش دے۔ اس دعا کا جواب عطا نہ ہوا۔ مزدلفہ کے مقام پر جب دوبارہ یہ دعا کی گئی تو جواب آیا کہ میں نے تمہاری دعا قبول فرمائی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں پوچھنے لگے۔ یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ یہ وقت تبسم فرمانے کا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دائما تبسم کناں ہی رکھے پھر یہ تبسم کس بنا پر ہے آپ نے فرمایا کہ دشمن خدا ابلیس نے دیکھا کہ رب تعالیٰ نے میری دعا کو میری امت کے واسطے قبول فرمالیا اور اس کو بخش دیا ہے۔ تو یہ لعنتی اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا ہے اور اس نے چیخ وپکار کرنا شروع کردیا۔ اس کی جزع فزع کو میں نے دیکھا تو ہنسی آگئی۔

اس مقام پر علماء کرام امت سے مراد عرفات میں ٹھہرانے والے مراد لیتے ہیں اور اس بنا پر وہ حج کو مکفر حقوق العباد بھی گردانتے ہیں۔ طبرانی کہتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ توبہ کرے اور حق اعباد پورا کرنے سے عاجز ہو۔ بیہقی بھی اس طرح ہی بیان کرتے ہیں جس طرح ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کے شواہد کثرت سے ہیں۔ اگر صحیح ہے تو حجت ہے ورنہ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ **ویغفر مادون ذالک** ہی کافی ہے اور ظلم بھی مادون شرک ہے۔ المختصر یہ ہے کہ حاجیوں کو حقوق العباد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہایت وسیع ہے اور ظاہر حدیث عموم پر ہے۔ واللہ اعلم۔ (رب تعالیٰ) کے فضل وکرم اور رحم وعفو کی وسعت وعموم سے بوسیلہ محبوب دو عالم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حقیر راقم الحروف مترجم عبدالمصطفیٰ محمد اشرف بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بخشش ومغفرت کی بھیک لینے کے لئے دست دراز کئے دامن پھیلائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گنہگار کو بھی سایہ مغفرت عطا فرمائے۔ مزدلفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر وتکبیر اور تہلیل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سورج طلوع ہونے کے قریب تھا جب آپ منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس بار حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آنحضور نے اپنے ردیف بنائے اور اسامہ بن زید پاپیادہ قریش کے ہمراہ چلے۔ دوران راہ آنحضور نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جمار کی خاطر کنکریاں چن لو۔ کنکریاں چنے سے بڑی اور بادام سے کمتر ہوں۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بکری کی مینگنی جتنی ہو بتائی گئی ہے۔ یہ کنکریاں حصی خذف کہلاتی ہے۔ اس سے تھوڑی بڑی بھی ہوں تو جائز ہے۔ لیکن سنت کے خلاف ہوتا ہے۔ سات عدد کنکریاں اٹھا کر فضل بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیں۔ آج عید کے روز جمرۃ العقبہ کی رمی میں استعمال کی خاطر یہ کنکریاں کافی تھیں۔ اور تین دنوں کے واسطے اگر اٹھائی جائیں تو پھر بقیہ ستر ہونی چاہیے۔ ان میں سے سات عدد روز عید کے لئے ہوں گی باقی تریسٹھ ایام تشریق کے واسطے یعنی ہر روز کے لئے ایک عدد۔ کچھ علماء نے اسے بہتر کہا ہے اور آج کل یہی معمول ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے زیادہ تعداد میں اٹھانی بہتر ہیں۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی ان میں سے گر جائے۔ اور اس طرح تعداد کم ہو جائے لیکن روایت میں صرف سات مروی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کنکریوں سے گرد کو اپنے ہاتھ سے جھاڑا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دھولینا بہتر ہوتا ہے۔ دوران راہ ایک

بڑی خوبصورت خثعمی عورت آنحضرت کے روبرو آکر کہنے لگی کہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے کیا اس کی طرف سے میں حج ادا کروں تو اجازت ہے کیونکہ وہ اونٹ کی پشت پر نہیں بیٹھ سکتا۔ آنحضرت نے فرمایا ہاں۔ آنحضرت کے ردیف فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اس عورت کی جانب دیکھ رہے تھے اور بذات خود حضرت فضل بن عباس بڑے خوبصورت خوش رو' خوش جمال اور سرخ و سفید رنگت کے حامل حسین آدمی تھے پس آنحضرت نے اپنے ہاتھ مبارک سے فضل کے آگے حجاب قائم فرمایا۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے نہ پائیں دوسری ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فضل کی گردن کو پھیر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اپنے چچازاد کی گردن پھیر دینے کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک جوان عورت اور جوان مرد دیکھے تو وہ مجھے شیطانی وسوسہ سے محفوظ دکھائی نہ دیئے ایک اور بڑھیا عورت بھی اس راہ میں پیش ہوئی وہ کہنے لگی کہ میری والدہ بڑی ناتواں اور لاچاری کے عالم میں ہے اس اونٹ پر باندھنے سے اس کی موت کا خدشہ ہے۔ کیا اس کے بدلے میں حج کر سکتی ہوں؟۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر تمہاری ماں مقروض ہو تو کیا تم اسکا قرضہ اس کے سر سے بے باق کرو گی۔ اس نے عرض کیا اگر مقروض ہوتی تو میں لازماً" قرضہ اتارتی آپ نے فرمایا پھر تو اس کی جانب سے حج کر کیونکہ یہ خدا کی طرف سے فرض ہے۔ اس کا ادا کر دینا ہی اولیٰ ہے۔ اس سے حج بدل کے جائزہ ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ اور یہ مسئلہ طویل تفصیل کا حامل ہے جو کتب فقہ میں موجود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بطن محسر میں پہنچ کر اونٹ کو دوڑایا۔ (بطن محسر ایک وادی منیٰ کے شروع میں واقع ہے۔ اس وادی سے آپ عجلت سے گزرے' سوار کے لئے یہ مسنون ہے اور پیدل کو بھی وہاں سے تیزی سے گزر جانا سنت ہے اس وادی میں اصحاب فیل نے قیام کیا تھا جو قرآن میں مذکور ہے اس جگہ سے ابرہہ کے ہاتھی نے حرکت نہ کی اور عاجز بن کر بیٹھا رہا تھا۔ اس لئے محسر کہا جاتا ہے۔ تحسر کے لغوی معنی ہیں عاجز و بے بس ہو جانا یہی وادی ہے جس میں ہاتھی بے بس و عاجز ہوا اور فیل بان بھی لاچار ہو کر رہ گیا اور اصحاب فیل کو مکہ میں داخل ہونے سے باز رکھا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا معمول تھا کہ جہاں کسی دشمن خدا پر عذاب یا بلا کا نزول ہو چکا ہوا ہو تا وہاں سے آپ تیزی سے آگے گزر جاتے تھے اسی طرح جب آپ غزوہ تبوک پر روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں قوم لوط کا گاؤں اور بستیاں آئیں وہاں سے آنحضرت عجلت کے ساتھ گزر گئے تھے اور ساتھیوں کو بھی تیزی سے گزر جانے کا حکم فرمایا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بوقت چاشت منیٰ کی وادی میں آپہنچے اور آپ جمرۃ العقبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے جمرۃ کے معنی سنگریزہ ہیں۔ جس جگہ پر رمی جمار کی جاتی ہے اس پر یہ نام ہی غالب آگیا۔ یہ تین مقامات ہیں۔ جمرۃ اولیٰ۔ یہ وہ جگہ ہے جو مسجد خیف کی طرف ہے۔ مزدلفہ کی طرف سے درمیان والے راستہ سے ادھر آئیں تو یہ پہلے آتا ہے۔ اس کے بعد جمرہ وسطیٰ آتا ہے۔ جمرہ عقبہ' عقبہ پہاڑ سے نکلنے کے بعد آتا ہے۔ اور جمرہ پہاڑ کے دامن میں ہے اور مکہ کی سمت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مزدلفہ سے وادی محسر کی طرف سے تشریف لائے تو آپ جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کو چھوڑتے ہوئے جمرہ عقبہ پر آپہنچے۔ اس کے سامنے یوں کھڑے ہوئے کہ کعبہ شریف بائیں طرف تھا اور منیٰ دائیں طرف پھر

وہ سات کنکریاں ایک ایک کر کے ماریں۔ اس وقت آپ سوار ہی تھے۔ ہر کنکری پھینکتے وقت آپ تکبیر بلند فرماتے تھے۔ اور جمرہ کو مارتے تھے۔ باقی ایام تشریق کے دوران تینوں جمرات پر آنحضرت نے پیادہ پاری فرمائی۔ گو سوار ہو کر بھی رمی کرنا جائز ہے۔ لیکن پیدل کریں تو افضل اور اولیٰ ہے۔ جیسے کہ مسنون ہے۔

آنحضرت نے جمرات کی رمی فرمالینے کے بعد تلبیہ کہنا چھوڑ دیا۔ ازاں بعد آپ مسجد خیف کے نزدیک ہی اپنا قیام گاہ پر واپس تشریف فرما گئے۔ خیف بلند اور اونچی ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جو پانی سے محفوظ رہنے والی ہو۔ منیٰ میں اس مقام پر ایک بڑی مسجد بنی ہوئی ہے جس کے صحن میں ایک گنبد ہے۔ یہ گنبد والی جگہ ہی آنحضرت کی اقامت گاہ تھی۔ یہاں پر آنحضرت نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ کی آواز مبارک ہر ادمی کو تمام خیموں میں پہنچ رہی تھی۔ آواز کا ہر ایک تک پہنچنا بھی آنحضرت کا ایک معجزہ ہے۔ اس خطبہ میں آنجناب نے قربانی کے دن کی رحمت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا تھا اور آپ نے بتایا کہ زمانہ اپنی حقیقی ہیئت پر واپس پلٹ آیا ہے۔ جس روز اول اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا تھا ایک سال میں بارہ مہینے ہیں اور ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین مہینے تو یکے بعد دیگرے متصل ہیں ذی قعد' ذوالحجہ' اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے۔ یہ جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان والا ہے۔ تمہارے خون' عزتیں اور اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ وقت نزدیک ہے جب تم اپنے رب تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو گے۔ وہاں تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تم خبردار رہو اور ہوشیار رہو میرے بعد دین سے پھر نہ جانا اور تم گمراہ نہ ہو جانا۔ دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ کفر کی طرف پلٹ نہ جانا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ اور معلوم رہے کہ جو شخص خدا کے یا بندوں کے حقوق میں خیانت کا مرتکب ہو گا۔ وہ اپنے نفس پر خیانت کرنے والا ہو گا۔ خبردار ہو جاؤ اور آگاہ باشید کہ تم کو میں نے تمہارے خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے اور آپ نے نیز فرمایا۔ اے خدا! تو گواہ رہ۔ پھر فرمایا تم پر یہ ضروری ہے کہ موجود لوگ غائبوں تک یہ احکام پہنچاویں۔ آپ نے فرمایا۔ لوگو! آؤ حج کے مناسک سیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ میں اگلے سال حج پر نہ آؤں اور لوگوں کو آپ نے امر کی فرمانبرداری کا حکم فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ کتاب اللہ کو ہمیشہ تلاوت کرتے رہیں اور دین اور شریعت کی مخالفت نہ کرنا اور اس کے خلاف کلام بھی نہ کرنا اور آپ نے فرمایا کہ **اعبد واربکم وصلوا خمسکم وصوموا شہرکم واطیعو ذا امرکم تدخلوا جنۃ ربکم** اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت نماز پڑھیں رمضان شریف کے روزے رکھنا صاحب امر کی اطاعت کرنا تاکہ اپنے رب تعالیٰ کی جنت میں تم داخل ہو جاؤ۔ اور روداع فرمایا ازاں بعد آپ قربان گاہ میں چلے گئے منیٰ کے بازار میں یہ ایک مشہور جگہ ہے۔ اس کو منحر النبی بھی کہا جاتا ہے۔ کل اونٹ ایک سو تھے۔ آنحضرت نے اپنے ہاتھ مبارک سے تریسٹھ اونٹ قربان فرمائے۔ یہ تعداد آنجناب کی عمر مبارک کے سالوں کے عدد کے برابر ہے۔

روایت میں آیا ہے آنحضرت کے پاس پانچ یا چھ اونٹوں کو اکٹھا لاتے تھے۔ ہر اونٹ قریب تر ہونے کا قصد کرتا تھا اور ایک دوسرے کو دھکیلتے تھے اور دور ہٹاتے تھے۔ تاکہ پہلے آنحضرت اس کو ذبح فرمائیں۔ باقی سینتیس اونٹوں کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ ان کو ہدی میں شمار فرمایا اور اپ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ سے تھوڑا تھوڑا

گوشت لے کر دیگ میں ڈالیں اور اس کو پکائیں۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بٹھایا اور گوشت اور شوربا تناول فرمایا۔ نیز آنحضرت نے حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ وہ اونٹوں کو کھالیں، گوشت اور جھولیں غریبوں اور مسکینوں میں فی سبیل اللہ تقسیم کر دیں۔ حکم فرمایا کہ اس میں سے قصابوں کو کوئی چیز نہ دی جائے۔ بلکہ اپنے پاس سے ان کی اجرت ادا کر دیں۔ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کی جانب سے آنحضرت نے گائیں ذبح فرمائیں۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ اس روز بکریاں بھی آنحضرت نے ذبح کی تھیں۔ قربانی کر لینے کے بعد منیٰ کی ساری زمین قربان گاہ ہونے کا آپ نے اعلان فرمادیا۔ اور بتایا کہ منحر یعنی قربان گاہ کا کوئی خاص مقام مخصوص نہیں ہے ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلاق (حجامت بنانے والے) کو طلب فرمایا اور حلق فرمایا۔

حلاق کا نام معمر بن عبداللہ قرشی تھا۔ یہ قدیم السلام تھے۔ جس وقت انہوں نے اپنے ہاتھ میں استرا پکڑ لیا اور آنحضرت کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے معمر! اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کے نرمہ گوش پر قدرت دی ہے۔ حالانکہ تم اپنے ہاتھوں میں استرا لئے ہوئے ہو۔ اس سے مراد یہ تھی کہ ہوشیار رہے اور اس نعمت کی قدر محسوس کرے۔ معمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہاں پر میرا کھڑا ہونا اور اس مقام پر قادر بنایا جانا یقیناً میرے حق میں اللہ کریم کی بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان اور مہربانی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ نعمت اس کے عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔ ازاں بعد دائیں طرف سے بال کاٹنا شروع کرنے کا آنحضرت نے اس کو اشارہ فرمایا۔ اس سے ظاہراً مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں طرف ہے اور مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث ہے اس میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ بعض نے حلاق کی دائیں طرف مراد لی ہے۔

دائیں طرف سے حلق کر لیا گیا تو وہ بال مبارک حاضرین میں تقسیم فرمادیئے گئے۔ پھر آپ نے اشارہ فرمایا کہ بائیں طرف کے بال کاٹو۔ ادھر کے تمام بال شریف حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ام سلیم رضی اللہ عنہ کے خاوند ہیں اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چند روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بال شریف ام سلیم رضی اللہ عنہا کو عطا فرمادیئے حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے حصہ میں دائیں طرف کے بھی کچھ بال مبارک حاصل ہوئے تھے۔ اور یہ ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خاص فضل اور عنایت تھی۔ **ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر منڈوانے سے فارغ ہوئے تو ہر شخص کے حصہ میں ایک یا دو موئے مبارک آئے تھے۔

مرا از زلف تو موئے بسند است — فضولی می کنم بوئے بسند است

سر کے بعد آنحضرت نے اپنے ناخن مبارک بھی کٹوائے۔ وہ بھی لوگوں میں تقسیم فرمادیئے۔ صحابہ کی اکثریت سے

حلق کرایا اور بعض صحابہ نے قصر کرایا آنحضور نے حلق کو قصر سے افضل فرمایا۔ ازاں بعد آپ مکہ شریف میں تشریف لے گئے اور کعبہ کا طواف کیا۔ یہ طواف بھی ارکان و فرائض حج سے ہے۔ یہ طواف افاضہ کہلاتا ہے اور طواف زیارت بھی کیا جاتا ہے۔ طواف کے بعد آپ زمزم کے پاس آگئے۔ سقایت بیت کا منصب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے پاس تھا۔ وہ زمزم سے پانی کھینچ رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ خدشہ نہ ہو تاکہ عباس کی اولاد پر لوگ غالب آنے کا قصد کرنے لگیں گے۔ تو میں بھی اب زمزم سے خود پانی کھینچتا اور پانی پلانے میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاتا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اگر یہ کام میں نے کیا تو میرے بعد امت کے لئے ایسے کرنا مسنون ہو جائے گا۔ تو سب لوگ یہ سنت ادا کرنے کی خواہش کریں گے۔ اس طرح سے وہ تم پر غلبہ کرلیں گے اور تم یہ منصب کھو بیٹھو گے۔

آنحضرت کی خدمت میں پانی کا ایک ڈول پیش کیا گیا۔ آپ نے کھڑے کھڑے ہی پانی نوش فرمایا یہ پتہ نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر آپ نے پانی اس لئے پیا کہ جواز قائم ہو جائے یا کہ کسی ضرورت کے باعث تھا۔ کیونکہ بوجہ ہجوم کثیر بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں ہے۔ یا کوئی دیگر سبب تھا۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے آب زمزم اور وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پینا مخصوص بیان کیا ہے۔

طواف آنحضرت نے سوار ہو کر فرمایا تھا۔ سوار ہو کر طواف کا سبب کچھ علماء فرماتے ہیں کہ اژدحام کی زیادتی تھی یا یہ کہ تمام لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور انداز و کیفیت و طواف کی تعلیم حاصل کر سکیں اور آداب و احکام کا علم ہو جائے۔ کچھ علماء نے کہا ہے کہ آپ کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ اس وجہ سے آپ نے سوار ہو کر طواف فرمایا۔ اور آپ کی ناقہ شریفہ بھی مسجد کو آلودہ کرنے سے مامون تھا۔ وہاں سے آپ منی واپس چلے گئے وہاں آپ نے نماز ظہر ادا کی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں روایت ہے کہ ظہر کی نماز مکہ شریف میں ادا فرمائی۔ اسی طرح مسلم شریف میں بھی ایک حدیث حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہوئی ہے کہ ظہر کی نماز مکہ میں ادا فرمائی کچھ علماء نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس روایت کے دو راوی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ۔ اور حجۃ الوداع کی حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ زیادہ معروف شخصیت ہے۔۔۔۔۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اخص ہیں۔ چند علماء ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ متفق علیہ ہے۔ اور اس کے جملہ راوی اعظم او راجل ہیں۔ شیخ ابن الہام رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر دونوں احادیث مجتمع کریں۔ تم ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔ مکہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور منی میں اس کا اعادہ فرمایا۔ آنحضرت کو معلوم ہوا تھا کہ مکہ شریف میں جو نماز ادا کی تھی اس میں نقصان تھا۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات مقام منی پر بسر فرمائی۔ قربانی سے بعد والا دن انتظار فرمایا۔ جب آفتاب کچھ ڈھل گیا تو ظہر کی نماز سے پہلے آپ جمرہ اولی پر تشریف فرما ہوئے۔ یہ جمرہ مسجد خیف سے قریب ترین ہے یہاں پر آپ نے سات عدد کنکریاں ماریں۔ آپ ہر کنکری پر تکبیر بلند کرتے تھے رمی مکمل کرلینے کے بعد چند قدم آگے آئے اور دعا فرمائی۔ دوران دعا آپ قبلہ رخ استادہ تھے۔ دعا میں اتنا وقت صرف

کیا جس کے دوران دیگر شخص سورۃ بقرکی تلاوت مکمل کرلیتا ہے۔ پھر آپ نے جمرہ وسطی پر آکر رمی جمار فرمائی پھر وہاں سے چند قدم لئے اور درمیان وادی کھڑے ہو کر آپ نے پھر دعا فرمائی۔ یہ دعا بھی لمبی تھی۔ پھر وہاں سے چل کر جمرہ عقبہ کے مقابل کعبہ کو دائیں ہاتھ اور منی کو بائیں طرف رکھتے ہوئے کھڑے ہو کر رمی جمار کی۔ اور پھر بلا مزید توقف اور بلا دعا وہاں سے واپس آگئے۔ اس میں جو حکمت مخفی ہے وہ علم نبوت کے ساتھ ہی موقوف ہے۔

اس مقام پر علماء نے اس کے دو اسباب بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس جمرہ کے راستہ میں ہونے کے باعث وہاں کثرت سے اژدحام تھا بدیں وجہ کھڑے رہنا دشوار تھا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جو دعا عبادت کے درمیان میں ہو۔ وہ عبادت کے بعد مانگی گئی دعا سے افضل ہے۔ جیسے کہ جمرہ اولی اور جمرہ وسطی کے درمیان تھی۔ واللہ اعلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجلت سے منی سے روانہ نہ ہوئے تھے بلکہ پورے تین روز وہاں پر قیام پذیر رہے بلکہ بعض نے چوتھا دن بھی بتایا ہے جو ذوالحجہ کی تیرہ تاریخ اور ایام تشریق کا آخری روز تھا۔ یوم نفر کوچ کے دن کو کہتے ہیں جو کہ عید الضحی سے تیسرا دن ہوتا ہے اور حاجی لوگ جب منی سے رخصت ہونے کو نفر کہا جاتا ہے۔ زوال کے بعد رمی فرمالینے کے بعد آپ وہاں سے چل پڑے اور وادی محصب میں آاترے یہ بیرون مکہ ایک مقام کا نام ہے یہاں پر سنگریزے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اور اس کو خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں اور اس کا نام ابطح بھی لیا جاتا ہے۔ باریک سنگریزوں والا وسیع میدان ابطح کہلاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مکہ بطحا یا ابطح ہے۔ اسی وادی محصب میں آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھیں۔ کچھ علماء کے نزدیک اس مقام پر آنجناب کا قیام اتفاقیہ تھا۔ اس لئے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے سپرد آنحضرت کے سامان وغیرہ تھا انہوں نے آپ کا خیمہ مبارک اس جگہ پر نصب کر دیا تھا۔ پس آپ آئے تو آپ نے وہاں پر ہی قیام فرمالیا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ بھی حج کے سنن و مناسک کی تکمیل سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت نے منی میں ارشاد فرمایا تھا کہ کل انشاء اللہ میں خیف بنی کنانہ پر قیام پذیر ہوں گا۔ یہ وہ مقام ہے جس پر کفار نے قسم اٹھائی تھی اور آپس میں عہد کیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سے میل جول نہیں رکھیں گے ان میں سے کوئی مناکحت اور خرید و فروخت بھی ہرگز نہ کریں گے تا آنکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حوالے نہیں کرتے۔ لہذا محصب میں آنحضرت کا قیام بلا رادہ ہوا تھا۔ تاکہ وہاں پر شعائر اسلام کا ظہور ہو کیونکہ وہاں پر شعار کفر ظاہر ہوا تھا اور اللہ تعالی کا شکر ادا کریں اور غالباً" وہاں پر توقف کا سبب یہ تھا کہ عشاء تک وہاں توقف کرنے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمرہ ادا کر سکتی تھیں اگر یہ سبب نہ ہوتا تو اس سے تھوڑا وقت بھی وہاں قیام ممکن تھا۔ واللہ اعلم۔

یہ ضعیف بندہ مولف کتاب ہذا (شیخ عبد الحق رحمتہ اللہ) منی سے جس وقت محصب میں اجل اکرم عبد الوہاب متقی شاذلی قادری رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں پر ظہر کی نماز ادا کی اور سو گئے۔ پھر عصر کی نماز وہاں ہی ادا کی۔ پھر شیخ گویا ہوئے کہ سنت کی اتباع کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ یہ بات آپ نے اہل عرب کے اسلوب میں کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پر کچھ حصہ شب بسر کرکے اٹھے اور سوار ہو کر مکہ شریف آگئے اور طواف وداع آپ نے فرمایا سوائے اہل مکہ کے دوسروں پر یہ طواف واجب ہے۔ اس میں رمل نہ فرمایا تھا بلکہ طواف کے دو رکعت نماز ادا کی تھی کیونکہ بعد ازاں طواف یہ مطلق طور پر واجب ہے۔ خواہ واجب کا طواف ہو یا نفلی طواف ہو۔ اور اسی رات کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ آنحضرت نے اجازت فرمادی اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو بھی سیدہ کے ہمراہ بھیج دیا تاکہ یہ مکہ سے باہر تنعیم کے مقام پر احرام باندھ لیں اور پھر یہ مکہ میں داخل ہو جائیں اور عمرہ کی تکمیل کریں۔ یہ لوگ رات گزرنے سے پہلے ہی عمرہ مکمل کرچکے تھے اور پھر محصب میں واپس آگئے۔ ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوچ کا اعلان فرمادیا۔ لہٰذا سب وہاں سے مدینہ شریف کی جانب رخصت ہوئے اور اسفل جانب کا راستہ اختیار فرمایا جس کو "کدا" کہا جاتا ہے۔ جب مکہ میں آئے تھے تو اس وقت دوسرا راستہ اختیار فرمایا تھا۔ وہ اعلائے مکہ کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ آنحضرت کا معمول تھا۔

مکہ شریف میں داخل ہونے اور باہر نکلنے میں تبدیلی راہ کی حکمت بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ بلند راستہ اختیار کرکے مکہ میں داخل ہونا بیت اللہ شریف کی تعظیم اور بلندی شان کے سبب تھا اور اسفل جانب سے باہر نکلنا اس میں بیت اللہ شریف سے جدا ہونے کا غم تھا۔ نیز کہا جاتا ہے۔ کہ سنت ابراہیمی بھی یہی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف وداع کے وقت ملتزم میں اقامت فرمائی تھی اور دعا بڑی فرمائی تھی۔ اس مقام کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ کوئی تلوق ایسی نہ ہے جو ملتزم میں کھڑے ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کرے اور اس کی حاجت پوری نہ کی جائے۔ ملتزم وہ جگہ ہے جو حجر اسود اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان میں ہے۔ اس جگہ لپٹتے اور چمٹتے ہیں اور دونوں کے درمیان ایک بالغ کا فاصلہ ہے۔ ایک ہاتھ باب کعبہ پر اور دوسرے ہاتھ حجر اسود پر ہوتا ہے۔ یہ التزام کرنا مستحب ہے جو طواف وداع سے فارغ ہو کر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت چاہ زمزم پر بھی تشریف لائے تھے اور بذات خود پانی کا ایک ڈول آپ نے کھینچا تھا۔ اور نوش فرمایا تھا۔ جو پانی باقی بچ گیا تھا وہ واپس چاہ زمزم میں ڈال دیا تھا وداع کے وقت بڑی حسرت کے ساتھ وہاں سے الٹے قدم روتے ہوئے روانہ ہوئے۔ خانہ کعبہ سے وداع کے وقت یہ مسنون ہے اور صبح کی نماز آپ نے کعبہ کے مقابل میں ادا کی۔ اس نماز میں سورۃ والطور کی قرات فرمائی۔ نماز ادا کرنے کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ دوران سفر روحا کے مقام پر پہنچے تو اس منزل پر شب کے وقت سواروں کی ایک جماعت آئی۔ آنحضرت نے ان سے السلام علیکم کہنے کے بعد پوچھا کہ تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم مسلمان ہیں پھر انہوں کہا کہ آپ کون لوگ ہیں۔ فرمایا میں رسول خدا ہوں ازاں بعد ایک عورت نے آکر اپنے محفہ (قبہ دار کجاوہ) سے بچہ نکال کر پیش کیا اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس بچہ کا حج بھی درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس کا حج ہوگا اور تجھ کو بھی ثواب ملے گا۔ پھر ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے وہاں پر رات بسر فرمائی اور اگلی صبح پھر مدینہ شریف کو چلے آنحضرت کا سابقہ" یہ معمول تھا کہ آپ بوقت چاشت مدینہ شریف میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اور آپ سفر سے واپس آکر بوقت شب گھر میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے۔ نیز آپ

کو یہ پسند تھا کہ سفر سے جو واپس آئے پہلے وہ کوئی چیز اپنے گھر بھجوایا کرے۔ تاکہ اس کے اہل خانہ اس کے آنے کی تیاری کر لیں۔

مدینہ شریف میں داخلہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک مدینہ شریف پر پڑی تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے تصور میں اور اس کی قدرت نامتناہی کے آثار کے ظہور کے باعث اور اس بلدہ طیبہ کے انوار و اسرار دیکھ کر اور اس اعلیٰ مقام کی عظمت اور شرف کے پیش نظر آپ نے تین دفعہ تکبیر بلند آواز سے کہی۔ اس کے باعث جیسے کہ حضور کی عادت تھی مدینہ میں ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت تکمیل دین اور نعمت کے اتمام اور خیر و خوبی اور امن و سلامتی کے ساتھ واپس پہنچ جانے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ اور آپ نے فرمایا۔ **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئی قدیرا اوئبون تائبون عابدون ساجدون ربنا حامدون صدق اللّٰہ وعدہ ونصر عبدہ وھنم الاحزاب وحدہ اعزہ فلا شیئی بعدہ** ازاں بعد آپ مدینہ شریف داخل ہو گئے۔ **(والحمد للّٰہ علی اتمام النعمتہ والاتمام)**

غدیر خم:۔ آنحضرت جب واپس تشریف لائے تھے تو غدیر خم کی منزل پر تشریف فرما ہوئے۔ یہ مکہ اور مدینہ شریف کے درمیان جحفہ کے نواح میں واقع ہے۔ وہاں پر آپ نے صحابہ کرام کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا **الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین** کیا تم یہ علم نہیں رکھتے کہ میں مسلمان کی جانوں سے بھی ان کے قریب تر ہوں ایک روایت کے مطابق آپ نے اس طرح تین بار فرمایا۔ یہ فرمانے سے مطلوب یہ تھا کہ میں مسلمانوں کو صرف وہ عمل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ جس میں ان کی بہتری اور نجات اور ان کے لئے دینوی اور آخری بہبود مخفی ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے اپنے نفوس کبھی شر اور فساد کی خواہش کرتے ہیں جملہ صحابہ نے عرض کیا۔ بلیٰ۔ ہاں۔ بے شک آپ سب مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں دیگر ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ کہ آپ کو اس جہان میں بلایا گیا۔ میں نے قبول فرمالیا۔ تم آگاہ رہو کہ دو چیزوں کو میں تم میں چھوڑ کر رخصت ہوتا ہوں وہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے بزرگ تر ہیں ایک تو ہے قرآن کریم اور دوسری چیز میری اہل بیت ہے میرے بعد ان دونوں چیزوں کے متعلق محتاط رہنا کہ تم ان کے ساتھ تمہارا سلوک کس طرح کا ہے۔ اور ان کے حقوق تم کس حد تک ادا کرتے ہو۔ میرے چلے جانے کے بعد دو اشیاء ایک دوسری سے جدا نہیں ہوں گی۔ حتیٰ کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملاقات کرو گے ازاں بعد ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور تمام مسلمانوں کا میں مولیٰ ہوں۔ پھر آپ نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا۔ **اللھم من کنت مولاہ فعلتی مولاہ** اے اللہ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے **اللھم وال من والاہ** اے اللہ تو بھی اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھتا ہے۔ **وعاد من عادہ** اور جو اس سے عداوت رکھتا ہے اے اللہ تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ دیگر ایک روایت میں اس کے ساتھ مزید یہ آیا ہے **والنصر من نصرہ واخذل من خزلہ** نصرت دے اس کو جس نے علی کی مدد

کی اور ذلیل کر اس کو جس نے علی کو چھوڑ دیا۔ وادر الحق دار اور جس جانب علی ہو اس طرف حق کو لازم فرما۔

روایت کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ اور فرمایا اے ابن ابی طالب تم کو مبارک اور خوشی ہو کہ تمہاری صبح و شام اس حال میں ہوتی ہے کہ تم ہر مومن مرد اور عورت کے مولا ہو۔ یہ حدیث امام احمد نے حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (جیسے کہ مشکوۃ میں آیا ہے) معلوم رہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی کرامت اور فضل کو ظاہر کرتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ محبت روا رکھنے کی ترغیب دیتی ہے اور نیز ان سے عداوت رکھنے سے باز رہنے کا سبق دیتی ہے جس طرح کہ دیگر حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ علی سے صرف وہ شخص محبت رکھے گا جو مومن ہو گا اور اس سے دشمنی صرف وہ شخص رکھے گا جو منافق ہو گا۔ اور جہاں تک اس حدیث کی روشنی میں حضرت علی کو مرتبہ امامت پر فائض کرنے اور خلیفہ بنانے کی بات ہے اس پر اہل سنت و جماعت کو کلام ہے۔ جبکہ شیعہ لوگ اس حدیث کو امامت علی پر قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔

یہاں پر آنحضرت نے جو فرمایا ہے۔ **الست اولی بکم** کیا میں تمہارا مولیٰ نہیں ہوں۔ یہاں اولیٰ کو امامت کے معانی میں لینا غلط ہے اس کے معنی ناصر اور محبوب کے ہیں۔ اگر یہ معنی نہ کئے جائیں تو پھر سب صحابہ کا اجتماع کر کے ان سے خطاب کرنے اور مبالغہ کرنے اور حضرت علی کے لئے دعا فرمانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ ہر ایک صحابی کے علم میں تھا کہ وہ صحابہ میں ایک فرد ہیں۔ یہ حدیث ہے اور ایک جماعت اس کی روایت کرنے والی ہے۔ اور انہوں نے یعنی صحابہ نے حضرت علی کے حق میں گواہی دی تھی جبکہ خلاف پر ان کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا۔ اور اس کی بہت سی اسناد صحیح اور حسان ہیں اور اس کی صحت میں جس نے کلام کیا ہے اس کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں دیتا۔ نہ اس قول کی طرف توجہ ہے۔ جو بعض لوگوں نے زیادتی میں کہا ہے۔ **وال من والاہ** یعنی کہ یہ موضع ہے۔ مندرجہ بالا حدیث کئی طریقوں سے وارد ہے۔ اور اس کی تصحیح امام ذہبی کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے فرمائی ہے۔ مثلاً شیخ ابن حجر الصواعق المحرقہ میں بیان کرتے ہیں۔ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ شیعہ کو الزام کے طریقہ پر کہتے ہیں کہ تم نے بھی امام کی دلیل میں تواتر کے معتبر ہونے پر اتفاق کیا ہے اور شیعہ اس طرح کہتے ہیں کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے صحت امامت پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اور یقینی بات یہ ہے کہ حدیث متواتر نہیں ہے باوجود خلافت اس کی صحت میں خواہ وہ خلاف مردود ہو بلکہ اس اختلاف میں چند ائمہ حدیث سے طعن بھی کیا ہو اور انہوں نے عدول کیا ہو کیونکہ اس امر میں اہل سنت کے ساتھ رجوع ہے جیسے کہ ابوداؤد بجستانی اور ابو حاتم رازی وغیرہ۔ اور وہ اس کو متفقہ حافظان حدیث سے روایت نہیں کرتے انہوں نے ہمارے شہروں اور ملکوں میں حدیث کی طلب و جستجو میں پھیرے لگائے تھے اور سفر کی سختیاں برداشت کی تھیں۔ مثلاً بخاری، مسلم اور واقدی وغیرہم۔ جو کہ محدثین اکابرین سے ہیں۔ گویہ بات صحت حدیث میں مخل نہ ہے۔ لیکن تواتر کا دعویٰ کرنا یا اس کی طرح کوئی دیگر دعوے تو نہایت عجیب سے بھی زیادہ عجیب ہے شیعہ لوگ امامت کی حدیث میں تواتر کو شرط بتاتے ہیں اور اس جگہ اہل سنت ان کا اپنا کلام ہی ان پر رد کرتے ہیں یہ بحث اصواعق محرقہ بھی بڑی طویل اور مفصل ہے وہاں سے مختصر طور پر تھوڑا سا ہم نے نقل کیا ہے۔

شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم اس مقام پر مولا کے معانی حاکم اور والی کے تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہاں اس کے معنی ناصر اور محبوب کے ہیں اور مولا کا لفظ کئی معانی میں مشترک ہے۔ جو کہ معتق، عتیق، متصرف فی الامر ناصر اور محبوب کے معانی میں ہے اور مشترک معانی میں سے بغیر دلیل کے کسی خاص معانی کو مخصوص قرار دینا نا قابل اعتبار ہے اور محبوب اور ناصر ہونے پر ہمارا اور شیعہ دونوں کا عقیدہ ہے۔ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے ناصر اور ہمارے سردار اور ہمارے محبوب ہیں اور سیاق حدیث سے بھی یہ معنی آتے ہیں اور مولیٰ کا لفظ جو ہے اس کے معنی امام ہونا لغت میں نہیں ہے نہ ہی شریعت میں آیا ہے اور ائمہ لغت میں سے بھی کسی نے یہ معنی بیان نہیں کئے ہے کہ مفعل بمعنی افعل آتا ہے۔ بلکہ یہ ہی کہتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز سے یہ چیز اولیٰ ہے اور یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ اس سے مولیٰ ہے۔ پس موالات پر تنصیص فرمانا اس غرض سے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی بغض یا عناد و عداوت رکھنے سے اجتناب پر تنبیہہ فرمادی جائے۔ کیونکہ اس پر جو تنصیص ہے وہ بہت زیادہ اور بڑی موکد ہے اور اس میں اس کی عظمت و شرافت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق یوں فرمایا ہے۔ **اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم** اور یہی وجہ ہے کہ آنجناب نے دعا بھی فرمائی ہے۔

چند طریقوں میں اہل بیت نبوت کا ذکر بالعموم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بالخصوص آیا ہے۔ جس طرح کہ طبرانی وغیرہ صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس سے یہ دلالت ہوتی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی کی محبت کی ترغیب دینا اور تاکید کرنا ہے۔ علاوہ یہ بھی روایت ہوا ہے کہ یہ حدیث اس سبب سے وارد ہوئی ہے کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے۔ چند باتوں میں ان سے کسی کو شکایت اور اعتراض تھا۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے اس طرح واقعہ ہوا تھا۔ جن کا تذکرہ اس سے قبل حجۃ الوداع سے پہلے حضرت علی کے لشکر کو یمن کی طرف بھیجے جانے کے ضمن میں ہو چکا ہے اور یہ صحیح بخاری میں بھی روایت ہوا ہے اور انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔

پس آنحضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے مبارک متغیر ہوا اور آپ نے فرمایا۔ **الست اولی بالمومنین من انفسهم الحدیث** اور صحابہ کو نیز جمع فرمایا اور تاکید فرمائی اس باب میں اور حضرت بریدہ میں رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک علی مرتضیٰ تمام لوگوں میں سے محبوب تر ہو گئے۔

شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے۔ لیکن یہ کہاں سے لازم آتا ہے۔ کہ اس سے مراد امامت کے لئے اولیٰ ہے۔ بلکہ تقریب و اتباع۔ جیسے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ **ان اولی الناس بابراهيم الذين اتبعوه** بلکہ یہ قطعی دلیل ہے بلکہ ظاہراً" ہم اس کی نفی میں احتمال نہیں رکھتے ہیں۔

نیز اگر ہم اولیٰ بالامامت بھی گردان لیں تو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے فی الحال امامت پر بلکہ آخر پر ان کے امام بننے پر ان سے بیعت ہو گی اور ان پر ائمہ ثلاثہ کو بلا اجماع امت تقدیم حاصل ہے اور ثابت ہے۔ اور اس اجماع میں بذات خود حضرت علی بھی شامل ہیں۔ علاوہ تقدیم مذکورہ ان قرائن سے بھی ثابت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصرح ہیں اور امامت پر کس طرح نص ہو سکتی ہے بلکہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی نے حجت پیش کی جب کہ ضرورت تھی۔ بلکہ وقت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی احتجاج بھی نہ کیا۔ پس اس وقت احتجاج سے حضرت علی کا سکوت اختیار فرمانا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت کے بعد خلافت کے لئے ان کے پاس کوئی نص نہ تھی باوجود اس کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی اپنی خلافت کے حق میں یا کسی غیر کی خلافت کے حق میں کوئی نص نہیں ہے۔ جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کی طرف سے اتنے زیادہ قتل اور جرائت ظاہر ہوتے ہیں کیا اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نص ہے جو آپ اپنے اجتہاد سے کر رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا۔ کہ نص اس ضمن میں کوئی نہیں۔ اس سے قبل دین وملت کے معاملات اور نظم ونسق اور احکام کے اجزا مربوط اور مستحکم تھے۔ لہٰذا میں تعرض نہ کرتا تھا اور میں ان کے ساتھ رضامند رہا۔ اب جبکہ دین وملت کے امور اور نظم ونسق الٹ پلٹ ہوتا دیکھا ہے تو میں نے یہ سب کچھ لوگوں کی خیر خواہی اور دین کی تقویت کی خاطر کی ہے۔ اس لئے کہ صبر اور تغافل کا یہ موقع نہیں تھا۔ (واللہ اعلم)۔

روایت کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری بیماری میں تھے اور حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضرت عباس نے حضرت علی کو آنحضرت سے خلافت طلب کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ اگر یہ چیز ہم میں ہو گی تو آنحضرت ضرور ارشاد فرمائیں گے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں یہ چیز طلب نہیں کروں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں طلب کروں تو آپ ممانعت نہ فرمادیں (الحدیث) اگر غدیر خم کی حدیث امامت علی کے لئے نص ہوتی تو آنحضرت سے رجوع اور دریافت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ نیز حضرت عباس نے جو کہا کہ اگر یہ ہم میں ہوئی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا حالانکہ غدیر خم کے واقعہ کو صرف تقریباً دو مہینے ہی ابھی گزرے تھے۔ اور یہ سمجھنا کہ سب صحابہ کرام یوم غدیر کا قضیہ بھول چکے تھے اور باوجود علم ہونے کے انہوں نے یہ واقعہ مخفی رکھا۔ اس قسم کی باتوں کا عقل جائز قرار نہیں دیتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور وہاں پر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا حق بھی ظاہر فرمادیا اور آپ نے فرمایا تھا۔ **اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر** میرے بعد دین میں تم سب ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی اختیار کرنا اس میں ہرگز شبہ نہیں ہے کہ اہل بیت کی محبت واتباع اور مودت کی طرف آنحضرت نے ذوق وشوق دلایا تھا۔ لیکن محبت اور خلافت میں فرق ہے۔ شیعہ لوگوں کا کہنا ہے کہ صحابہ باوجود اس نص کے معلوم ہونے کے اس پر عمل پیرا نہ ہوئے۔ اور انہوں نے امیر المومنین سے زیادتی کی اور عناد ومقابرہ کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اور ان کے اطاعت گزار نہ ہوئے دوسرے امیر المومنین نے تقیہ اختیار کی اور طلب نہ کی اور احتجاج بھی نہ کیا۔

اس کے جواب میں ابن حجر نے فرمایا ہے کہ یہ سراپا جھوٹ ہے۔ اور افترا بازی ہے کیونکہ حضرت علی کے پاس بڑی

قوت تھی اور کثرت اتنی تھی جو اندازہ میں نہ آسکتی تھی اور شجاعت وبسالت تو ان کی محتاج بیان نہیں ہے۔ اس بارے میں یہ محال ہے کہ باوجود اس کے اگر آنحضرت سے کوئی نص انہوں نے سنی ہوتی اور وہ حجت پیش نہ کرتے اور اس پر عمل پیرا نہ ہوتے اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے الائمۃ من قریش کی حدیث سے استدلال فرمایا تو کیوں حضرت علی نے نہ کہا کہ ہاں اسی طرح ہی ہے لیکن مخصوص علی کے ساتھ ہے لہٰذا اس پر اجماع سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور بیہقی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ شیعہ کا اصل عقیدہ گمراہی اور صحابہ کی شیعہ تکفیر کرتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے سوائے چند ایک باقی تمام صحابہ دنیا سے کافر ہو کر رخصت ہوئے ہیں اور قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ روافض کا جو مذہب ہے اس سے سارا دین باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نصوص کو پوشیدہ رکھنا اگر صحابہ کی علوت تسلیم کریں اور اس سے نفسانی اغراض کے پیش نظر ظلم وافترا اور جھوٹ اور خیانت واقع ہوئے تو اس طرح جو کچھ بھی احادیث و اخبار وغیرہ ان سے وارد ہیں وہ تمام باطل ہو جاتی ہیں۔ اور ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں بلکہ یہ منقصت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک چلی جاتی ہے۔ **معاذ اللہ ثم معاذ اللہ** (پھر تو کوئی یہ بھی کہے گا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں ایسے لوگ تھے نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنا حق طلب کرنے میں بزدل بنے رہے اور تقصیر کی۔ اور دوسرے لوگوں کی تائید کردی۔ (**نعوذ باللہ منہا ولعنۃ اللہ علی الخبثاء الروافضا**) شیخ ابن حجر کی الصواعق المحرقہ میں یہ کلام ہے اور اتنا ہی کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

ذی الکلاع کی طرف جریر بن عبداللہ بجلی کی لشکر کشی:۔ اسی سال ایک لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ــــــــــ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کی قیادت میں ذی الکلاع بن کور بن حبیب بن مالک بن حسان بن تبع کی طرف بھیجا۔ یہ طائف کے بادشاہوں سے ایک بادشاہ تھا اور بہت لوگ اسے خدا سمجھتے تھے اور اس کی پرستش اور پیروی کرتے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم واصحابہ وسلم نے وصال پایا' اور ذی الکلاع مسلسل حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت تک قائم رہا۔ مواہب الدینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لے آیا تھا وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی جانب بھیجا تاکہ دعوت اسلام پیش کریں۔ پس وہ تمام اسلام لے آئے تھے۔ اور حضرت جریر ان کے پاس ہی ٹھہر گئے تھے۔ دوسری طرف روضۃ الاحباب میں مذکور ہے کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ تک کفر پر ہی قائم تھا حتیٰ کہ وہ خلافت فاروقی کے دوران مدینہ شریف میں اٹھارہ ہزار غلام کے انبوہ کثیر کے ساتھ حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوا غلاموں میں سے چار ہزار غلام اس نے آزاد کر دیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذوالکلاع کو کہا کہ باقیماندہ جملہ غلام میرے ہاتھ بیچ دو میں ابھی دو دانگ ان کی قیمت میں سے نقد ادا کر دیتا ہوں باقی دو دانگ کے لئے یمن کو کہوں گا اور دو دانگ کے لئے شام کو لکھ دیتا ہوں ذوالکلاع نے اس ایک دن کی مہلت برائے سوچ بچار طلب کی۔ پھر اپنی قیام گاہ پر آکر اس نے تمام باقی غلاموں کو بھی آزادی دے دی۔

اگلے دن جب وہ دربار فاروقی میں آیا تو حضرت عمر نے دریافت کیا کہ غلاموں کے متعلق کیا سوچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو بہتر کیا تھا وہی میں نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ پوچھا کیا کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تمام غلام آزاد کر دیئے گئے ہیں فی سبیل اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی تحسین و تصویب کی۔ پھر ذوالکلاع نے عرض کیا کہ میرا ایک گناہ اتنا بڑا ہے جو میں سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ حضرت فاروق نے پوچھا کہ وہ کیا گناہ ہے۔ اس نے بتایا کہ ایک جماعت لوگوں کی میری پرستش کیا کرتی تھی کہ اس دوران میں روپوش ہو گیا۔ ازاں بعد ایک مقام پر میں نے اپنے آپ کو ان کے سامنے ظاہر کیا۔ تو وہ تمام لوگ میرے سامنے سجدہ میں گر گئے وہ تقریباً ایک لاکھ آدمی تھے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خالص توبۃ النصوح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی جانب توجہ کریں اور دل سے گناہ کو کلیۃً نکال دیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کا موجب ہے خواہ کتنا بڑا ہی گناہ کیوں نہ ہو اور کتنی کثرت سے ہوں۔

سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ وہ جب اسلام لایا تو لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ حکومت ترک کر چکا تھا اور ایک درہم کا بہت تھوڑا سا گوشت اپنے گھوڑے کی جھول کے ساتھ لٹکائے ہوئے جا رہا ہے اور یہ اشعار اس کی زبان پر جاری تھے۔

اف للدنیا اذ کانت کذا	انامنها کل یوم اذی
ولقد کنت اذا قیل من	انعم الناس معا شاقیل ذا
ثم بدلت و یعشی شقواه	جندا هذا شقا و جنذا

یہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے اور طائف کے بادشاہوں میں ذوالکلاع کو شمار کیا گیا ہے۔ لیکن جوہری اپنی صحاح میں کہتے ہیں کہ ملوک یمن سے تھا۔ اور قاموس میں لکھا ہے کہ ذوالکلاع اکبر کا نام زید بن النعمان تھا۔ اور اصغر ذوالکلاع کا نام سمیع بن ناکور بن ۔ خفر بن ذوالکلاع اکبر ہے اور یہ دونوں علاقہ یمن سے تھے تکلع کے معانی ہوتے ہیں تحنے اور تجمع۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام ذوالکلاع اصغر ہو گیا تھا۔ کیونکہ قبیلہ حمیر اس کے ہاتھ مجتمع ہام تھا اور ہوازن اور طراز یہ دونوں قبیلے بھی ذی الکلاع اکبر کے ہاتھ مجتمع ہو چکے تھے اور التبابعتہ ملوک یمن کو کہا جاتا ہے اور اس کی واحد تبع ہے۔ اور یہ نام اس اس وقت رکھا جاتا ہے۔ جب حمیر اور حضر موت اس کے زیر حکم ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **اهم خير ام قوم تبع** اس کی تفسیر میں روایت ہوا ہے کہ تبع حمیری نے اپنے لشکروں کے ساتھ ملکوں کی سیر کی اور حمیر کی بنیاد اور سمرقند کو بھی آباد اس نے کیا اور بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کو منہدم کر دیا اور وہ مومن تھا جبکہ اس کی قوم کافر تھی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے متعلق روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ تبع پیغمبر تھا یا کہ نہیں اور یمن کے بادشاہوں کو تبابعتہ کہا جاتا ہے جیسے کہ ملوک حمیر کو اقیال کہتے ہیں اور تبع کے بعض حالات تاریخ مدینہ منورہ میں بھی لکھے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی رحلت:۔ اسی سال میں ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور اس روز آفتاب کو گرہن لگا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے سبب گرہن لگا ہے اور یہ بات لوگوں میں عام مشہور تھی کہ ہمیشہ سورج گرہن کسی حادثہ عظیم کے موقع پر ہی لگتا ہے جیسے کہ اعظم شخصیات میں سے کسی کی وفات اور اس کی مانند اور حادثات جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم نے سنی۔ تو آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں یعنی کہ وہ اس کی کما قدرت اور عظیم صنعت پر دلالت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کمل قدرت اور سلطنت پر اپنے خسوف وکسوف سے دلالت کرتے ہیں اور اہل دانش وبینش کے لئے باعث عبرت ہیں کہ ایک ساعت میں وہ اس حالت میں ہوتے ہیں کہ تمام روئے زمین کو روشن وتاباں کر رہے ہوتے ہیں اور پھر اندھیرے سے مغلوب اور گرہن کے تحت آجاتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ سبحانہ قادر قدیر ہے کہ آدمیوں سے نور ایمان اور علم سلب کرے اور بالکل تاریک کردے۔ اور موت اور زندگی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس جب تم دیکھو گہن لگا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو اور صدقہ دیا کرو اور غلام آزاد کیا کرو۔

اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات یوم عاشورہ کو واقع ہوئی تھی اور یادسویں ربیع الاول کو اور اس میں نجومیوں کا ابطال ظاہر ہوا ہے جو کہتے ہیں کہ گرہن مہینہ کے آخری تین دنوں (یعنی ۲۸، ۲۹، ۳۰ تاریخ) میں ہوتا ہے اور صرف اسی طرح ہی ممکن ہے۔ ہاں یہ عادت جاریہ ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ خرق عادت پر قدرت رکھتا ہے۔ واللّٰہ علی کلی شئی قدیر ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت اور وفات کے باقی حالات اپنے مناسب مقام پر انشاء اللہ مذکور ہوں گے۔

جبریل علیہ السلام بشری صورت میں نازل ہوئے:۔ اور اسی سال میں جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی صورت میں نازل ہوئے۔ ان کے بال نہایت سیاہ رنگ کے لباس نہایت سفید اور حسین وجمیل شکل وصورت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شریف میں نمودار ہوئے۔ یہاں تک کہ مجلس مبارک میں حاضر سب صحابہ حیران ومتحیر رہ گئے۔ جبریل آئے اور اپنے زانو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے زانوؤں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت کی رانوں یا اپنی رانوں پر رکھے۔ حدیث کی عبارت ان دونوں معنی کی محتمل ہے اور ایمان، اسلام، احسان کے معنی اور قیامت کی علامات کے متعلق سوال کیا اور آنحضرت علیہ السلام نے سب سوالوں کا جواب دیا۔ پھر جبریل مجلس شریف سے باہر چلے گئے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور اس شخص کو بلاؤ۔ صحابہ باہر گئے۔ بہتیرا تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ یہ حضرت جبریل تھے۔ یہ آئے تھے کہ تمہیں دین سکھائیں اور اس حدیث کو حدیث جبریل کہتے ہیں اور کتب حدیث میں یہ حدیث مذکور ہے۔ اور مشکوۃ المصابیح کے اول کتاب میں بھی مذکور ہے۔ یہاں اس کی شرح کی احتیاج نہیں ہے۔

اا ہجری کے واقعات

گیارہویں سال ہجری میں علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے مرض' وصل شریف اور اس سے متعلقہ امور کا ذکر کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ اصحابہ وسلم حجتہ الوداع سے واپس تشریف لائے تو بعض شقی اور جاہل لوگوں کو نبوت کے دعویدار ہونے کی سوجھی۔ یہ لوگ مسیلمہ بن ثمامہ' اسود بن کعب عنسی' طلحہ بن خویلد اسدی اور ایک عورت سجاح بنت الحارث بن سوید تیمیہ تھے۔

مسیلمہ کذاب:۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور مسیلمہ تھا اور اسے مسیلمہ کذاب کہتے تھے اور وہ خود کو رحمٰن الیمامہ کہلاتا تھا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ جو شخص مجھ پر وحی لے کر آتا ہے اس کا نام رحمٰن ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنا نام رحمٰن بتاتا تھا۔ وہ اتنا جاہل تھا کہ نہ جانتا تھا کہ یہ نام حضرت عزت جل جلالہ کے لئے مخصوص ہے اور وہ ملعون انچاس سال کی عمر کا تھا۔ اور سابقاً" مذکور ہو چکا ہے کہ دسویں سال میں بنی حنیفہ کا ایک وفد مدینہ مطہرہ میں آیا تھا۔ جب یہ قوم آنحضرت کی مجلس شریف میں حاضر ہوئی اور یہ سب مسلمان ہو گئے تو مسیلمہ نے تخلف کیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسم) اپنے بعد مجھے خلیفہ بنائے تو میں مسلمان ہوں گا اور اس کی متابعت کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس لعین کی قیام گاہ پر گئے اس کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آنحضرت کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ فرمایا کہ اگر تو چاہے کہ یہ شاخ ہی تجھے دے دوں۔ تو میں یہ بھی تجھے نہیں دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا امر مقدر تجھ میں عنقریب ظاہر ہو گا۔ اور فرمایا کہ اگر تو میرے بعد زندہ رہا۔ تو خدا تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے گا۔

اور یہ اس واقعہ کی تعبیر کے حکم میں تھا جو آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے آپ یہ دیکھ کر غمزدہ ہو گئے تھے اس کے بعد آپ کو حکم ہوا کہ ان پر دم فرمائیں آپ نے دم فرمایا تو دونوں کنگن غائب ہو گئے۔ اس کی تعبیر نبی کریم نے فرمائی کہ دو کذاب پیدا ہوں گے ایک یمامہ سے ہو گا اور دوسرا صنعاء سے۔ اس سے مراد ایک یہی آدمی مسیلمہ کذاب تھا اور دوسرا اسود عنسی تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا اور جب مسیلمہ اپنے شہروں میں واپس گیا تو مرتد ہو گیا اور دعویٰ نبوت کر دیا اور شراب اور زنا کو اس نے حلال کر دیا اور فریضہ نماز کو ساقط کر دیا اور اہل فساد کی ایک جماعت اس کی مطیع و منقاد ہو گئی اور اس نے ایک مکتوب لکھ کر آنحضرت کو ارسال کیا۔ اور لکھا کہ من مسیلمہ رسول اللہ اللہ الی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) رسول اللہ اما بعد فلان الارض نصف القریش و نصف لی لکن قریش یعتدون جب یہ خط آنحضرت کو موصول ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا۔ من رسول اللّٰہ الی مسیلمۃ الکذاب اما بعد۔ فان الارض للّٰہ یور ثھا من یشاء والعاقبۃ للمتقین پس مسیلمہ نے کفر

ہی اصرار کیا اور وہ نامطبوع ہذیانات وبکواسات قرآن پاک کے مقابلے میں باندھتا اور مرتب کرتا رہا۔ جو عقلاء عالم کے لئے مذحکہ خیز ہے۔ اور علم میں عجیب وغریب شعبدے دکھاتا رہا۔ اور جو کچھ بھی اپنے خوارق و معجزات کے طور پر دکھاتا تھا وہ اس کے مدعا کے خلاف واقع ہوتا تھا مثلاً اگر کسی کو درازی عمر کی دعا دیتا تھا تو وہ جلدی مرجاتا تھا اور اگر کسی کے لئے آنکھوں کی بینائی واقع ہوتا تھا مثلاً اگر کسی کو درازی عمر کی دعا دیتا تھا تو وہ جلدی مرجاتا تھا۔ اور اگر کسی کے لئے آنکھوں کی بینائی کے واسطے دعا دیتا تو وہ اندھا ہو جاتا تھا۔ اور جب اس نے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کلی کر کے پانی کنویں میں ڈالتے ہیں تو کنوین میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور شیریں بھی۔ اس نے بھی اس طرح کیا۔ تو کنویں کا پانی زمین کے اندر جذب ہو گیا اور کڑوا ہو گیا اور اس کے پاس ایک چھوٹے بچے کو لائے۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ گنجا ہو گیا۔ اسی طرح ایک بچہ کے منہ میں اس نے اپنی انگلی ڈالی تو اس کی زبان پھٹ گئی۔

ایک بار اس نے ایک باغ میں وضو کیا اور اس میں وضو کا پانی چھڑک دیا تو اس بستان میں ازاں بعد کبھی گھاس نہ اگی اور اللہ تعالیٰ کی عادت و اصول ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر خوارق اس کے مدعا کے موافق نہیں ظاہر ہوتے ایک آدمی نے اس کے سامنے کہا کہ میرے دو بیٹے ہیں ان کے لئے دعا کرو خیر و برکت کی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ وہ آدمی اپنے گھر گیا تو اس کے ایک بیٹے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تھا۔ اور دوسرا کنویں میں گر کر مر چکا تھا۔ اور تعجب ہے اس احمق قوم پر کہ یہ امور دیکھ کر بھی اس سے وہ بے اعتقاد نہ ہوتے تھے اور بیزار نہیں ہوتے تھے۔ یہ لالچی لوگ اپنی اغراض کے پیش نظر اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصل شریف کے بعد اس خبیث آدمی کا کام یہاں تک بڑھ گیا کہ کم و بیش ایک لاکھ آدمی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ آخر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زمانہ خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ چھ ہزار مسلمانوں کے ساتھ اس پر چڑھے اور وہ چالیس ہزار جنگی آدمیوں کے ساتھ مقابلے پر نکلا۔ فریقین میں عظیم مقاتلہ برپا ہوا۔ گو شروع میں مسلمانوں میں تزلزل واقع ہوا۔ لیکن **الاسلام یعلو ولا یعلی** کے مطابق مسیلمہ نے ہزیمت اٹھائی اور فرار ہوا۔ اہل اسلام کا ایک گروہ اس کے تعاقب پر گیا۔ اور وحشی جو کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا اس پر جا پہنچا اور وہی حربہ اس پر پھینکا جس سے اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اور اس کو جہنم رسید کیا۔ اس جگہ وحشی نے کہا ہے کہ کفر کی حالت میں نے خیر الناس کو قتل کیا اور اسلام میں آکر میں نے شر الناس کو قتل کیا۔

مدعی نبوت اسود عنسی کو عنس بن مذحج سے نسبت تھی۔ اس کا نام عیلہ تھا اور اس کو ذوالخمار کہا جاتا تھا۔ خمار کے معنی دوپٹہ ہیں یہ اس لئے کہ یہ اپنے چہرہ پر دوپٹہ ڈالے رکھتا تھا کچھ لوگ اس کو ہا کے ساتھ ذوالحمار کہتے تھے۔ کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ مجھ پر جو آدمی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ گدھے کی سواری کئے ہوئے ہوتا ہے۔

اہل سیر نے کہا ہے کہ یہ اسود عنسی ایک کاہن تھا اور عجیب و غریب امور اس سے ظاہر ہوتے تھے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیتا تھا۔ اس کے ساتھ دو ہمزاد شیطان رہا کرتے تھے۔ جیسے کہ کاہنوں کے ساتھ ہوا ہی کرتے ہیں اور ان کو زمانہ کی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں۔

اسود کا مکمل قصہ:۔ اس کا مکمل حال اس طرح ہے کہ ابنائے فارس سے باذان کسریٰ پر ایران کی طرف سے یمن کا حاکم تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی توفیق دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت نے باذان کو بدستور صنعاء میں یمن کی حکومت پر برقرار رکھا۔ وہ فوت ہوا تو آنحضرت نے اس کی مملکت کو تقسیم فرمادیا۔ کچھ حصہ اس کے فرزند شہر بن باذان کو عطا کیا۔ کچھ حضرات ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور کچھ حصہ پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حکمران مقرر فرمایا۔ جیسے کہ اس سے پہلے بھی یہ ذکر ہو چکا ہے۔ اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس نے اپنی فوج سے اہل صنعاء پر غلبہ پالیا اور صنعاء کی مملکت کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس نے شہر بن باذان کو بھی قتل کر دیا اور اس کی بیوی مرزبانہ کی خود خواستگاری کی۔ اس علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عامل فردہ بن مسیک رضی اللہ عنہ نے یہ تمام حالات نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لکھ بھیجے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما متفقہ مشورہ کر کے حضر موت جا چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے اس جماعت کو لکھا کہ تم اکٹھے ہو کر جیسے بھی ممکن ہو اسود عنسی کے شر و فساد کو ختم کرو اور فساد و شر کی جڑ اکھاڑ دو۔ پس آنحضرت کے یہ تمام فرمانبردار لوگ مجتمع ہو گئے۔ اور انہوں نے مرزبانہ کو پیغام بھیجا کہ تمہارے والد اور خاوند کے قاتل عسود عنسی کے ساتھ تم زندگی کس طرح بسر کر سکو گی۔ اس نے جواب بھیجا کہ میں اس ملعون کو سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہوں۔ پس مسلمانوں کو جماعت نے پیغام بھیجا کہ جیسے بھی ممکن ہو سکے اس ملعون کو ختم کرنے کی تدبیر سوچو۔ پس مرزبانہ نے ایک آدمی فیروز دیلمی اور دوسرے آدمی دادویہ کو تیار کیا کہ وہ دوران شب دیوار پھاڑ کر اسود عنسی کی خوابگاہ میں جائیں اور اس کو قتل کر دیں۔ یہ فیروز دیلمی مرزبانہ کے چچا کا بیٹا تھا اور نجاشی کا بھانجہ تھا۔ یہ ۱۰ھ میں حاضر ہو کر اسلام لایا تھا۔ پس اس مقررہ شب کو مرزبانہ نے اسود کو خالص شراب خوب زیادہ پلائی۔ حتیٰ کہ وہ سرمستی میں سو گیا اس کے دروازہ پر ایک ہزار پہریدار مقرر کر رکھے تھے۔ فیروز دیلمی نے کچھ آدمیوں کے ساتھ دیوان خانہ میں نقب زنی کی اور بدبخت ملعون کا سر اڑا دیا۔ جب یہ اس طرح ذبح کیا گیا تو اس کے منہ سے یوں آواز نکلی جیسے کہ کوئی گائے ڈکراتی ہے یہ آواز سن کر پہرے دار اس کی طرف لپکے تو مرزبانہ فوراً نکلی اور ان کے سامنے جا کر کہنے لگی خبردار کوئی آگے نہ بڑھے تمہارے نبی پر وحی کا نزول ہوا ہے۔ خاموش رہو۔

اگلی صبح کو موذن کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اذان دیتے ہوئے۔ اشهد ان محمد الرسول الله پڑھنے کے بعد پڑھا اشهد ان عليه كناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عاملوں نے یہ خبر آنحضرت کو بھیجی لیکن جب یہ خبر مدینہ شریف پہنچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وصال پا چکے تھے۔

لیکن آنحضرت کو رحلت فرمانے سے ایک دن اور رات پیشتر بذریعہ وحی یہ خبر مل چکی تھی اور آپ نے فرما بھی دیا تھا کہ اسود عنسی آج کی رات ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی اہل بیت میں سے ایک مرد۔۔۔ نے اس کو قتل کیا ہے۔ اس آدمی کا نام فیروز ہے اور آپ نے فرمایا فاز فیروز یعنی فیروز کامیاب ہوا۔

چند سیرت نگار حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کا قتل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہوا تھا۔ جس

وقت کہ عکرمہ بن ابی جہل ایک لشکر اسلام کے سالار بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور وہاں بھی اسود کا قتل فیروز دیلمی کے ہاتھوں سے مذکور ہے۔ لیکن محدثین کی اکثرت اور زیادہ تر علمائے سیر کے نزدیک وہی واقعہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

طلیحہ بن خویلد اسدی:۔ بنو اسد سے طلیحہ بن خویلد تھا اس کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد ہوا تھا اور اس نے ترقی کی تھی۔ ایک شخص عینیہ بن حصین فرازی بنو فرازہ قبیلہ کا آدمی تھا۔ یہ وہی عینیہ ہے جس کا ذکر قبل ازیں غزوہ حنین کے تذکرہ بھی ہو چکا ہے یہ بعد میں مرتد ہوا اور طلیحہ کے ساتھ مل گیا تھا۔ طلیحہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ اس پر جبریل علیہ السلام نازل ہوتے اور وحی لاتے ہیں۔ اس کا اولین استدراج جو لوگوں کی گمراہی کا باعث بنا یہ تھا کہ ایک دن جبکہ اپنی قوم کے ہمراہ یہ سفر کر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھ پانی نہیں رکھتے تھے۔ پیاس لگی۔ تو طلیحہ نے کہا۔ **ارکبوا اعلا لا ولای امیا لا تجدوا بلالا** گھوڑوں پر سواری کرو اور چند میل تک سفر کرو تو تم کو پانی مل جائے گا پس پانی دستیاب ہو گیا۔ پس بدیں سبب بدوی لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں خبر ہوئی آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں خبر ہوئی آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک فوج مرتب کر کے طلیحہ کے خلاف روانہ کی حضرت خالد چلتے چلتے قبیلہ طے میں آ پہنچے اور اپنا لشکر آپ نے دو پہاڑوں کوہ مسلمی اور کوہ اجاہ کے درمیان میں اتارا۔ گردو نواح کے مسلمان قبیلے بھی آکر ان کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح سب نے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی۔ فرازہ کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور عینیہ بن حصین بھی اس کے کذب سے اگاہ ہو گیا اور وہ بھی فرازہ کے ساتھ فراز ہو گیا طلیحہ واپس آکر مسلمان ہوا۔ بعد میں یہ جنگ نہاوند میں شہادت سے سرفراز ہوا۔ (رضی اللہ عنہ)

سجاہ بنت الحارث:۔ یہ سجاہ بنت الحارث بن موید یہ ایک عورت یربوع قبیلہ کی تھی اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک گروہ لوگوں کا اس کا بھی گرویدہ ہو گیا تھا۔ یہ اپنے زمانہ اور مسکن کے لحاظ سے مسیلمہ کذاب کے قریب تھی اور لوگوں کی ایک جماعت اس کی موافقت کئے ہوئے تھی۔ مسیلمہ کو خدشہ تھا کہ اگر اس سے اس نے کوئی چھیڑ چھاڑ کی تو ہو سکتا ہے اس کے گردو نواح کے قبائل جو سجاع سے متفق ہیں پورے یمامہ پر غلبہ پالیں۔ اس سبب سے اس نے کچھ تحائف اور ہدایا سجاع کو ارسال کئے اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ کچھ ایسی پوشیدہ باتیں ہیں جو ایک دوسرے سے روبرو ہو کر ہی کی جا سکتی ہیں۔ سجاح نے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ پھر وہ خیمہ مختلف اقسام کی خوشبوؤں عطریات اور ظروف و فروش کے ساتھ مزین کیا گیا۔ اس کے بعد وہاں مسیلمہ آیا اور یہ دونوں اس خیمہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ہر پہلو میں آپس میں گفتگو کی۔ مسیلمہ نے اپنی ہذیانات اور مخترعات اس کو بتائیں اور اس سے کہا کہ ہمارے لئے یہ بہتر ہو گا کہ ہم آپس میں نکاح کر لیں۔ مسیلمہ نے جو کچھ اس کو بتایا اس پر اس نے یقین کر لیا اور مسیلمہ کو بدستور نبی تسلیم کر لیا یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تین دن متواتر رہے۔ اور حیرانی کی بات نہیں اگر یہ ان تین دنوں میں زنا کے بھی مرتکب ہوئے ہوں۔

عقد مناکحت کے بعد سجاح واپس اپنی قوم میں چلی گئی اور مسیلمہ اپنے گروہ کے ساتھ آشامل ہوا۔

سجاح کے ساتھیوں نے دریافت کیا کہ تمہارا قصہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مسیلمہ کی نبوت مجھے معلوم اور ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس کے ساتھ میں نے نکاح کر لیا ہے۔ لوگوں نے مقرر کردہ مہر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ مہر مقرر کرنے کی تو فرصت ہی نہیں مل سکی ہے۔ پس لوگ کہنے لگے کہ بغیر مہر کے نکاح کا ہونا محال ہے تم جا کر اس کے ساتھ مہر مقرر کرو۔ پس سجاح دوبارہ مسیلمہ کے پاس آکر مطالبہ مہر کرنے لگی۔ مسیلمہ نے کہا کہ میں یمامہ کا نصف غلہ تیرے سپرد کیا کروں گا اور اس کے علاوہ صبح اور عشاء کی دو نمازیں تمہاری قوم کو معاف کی جاتی ہیں اور مذکورہ غلہ حاصل کرنے کا کام ایک جماعت کے سپرد کر دیا ابھی یہ لوگ ان معاملات میں ہی لگے ہوئے تھے جبکہ خبر آپہنچی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ایک فوج کے ساتھ آمد کا غلغلہ سنائی دیا۔ اور انہوں نے آکر سجاح کے عاملین کو ان کے عمل سے علیحدہ کر دیا۔

اس مقام پر دو روایات آئی ہیں ایک یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ عورت اور اس کی قوم سب مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا اسلام نیک اور مقبول ہوا اور دوسری روایت یوں آئی ہے۔ جس جزیرہ میں مسیلمہ کی رہائش تھی اس میں یہ سجاح روپوش ہو گئی اور اسی میں بالآخر مر گئی۔ اس کے بعد کبھی کسی نے اس کا کوئی نام نہ سنا تھا۔ واللہ اعلم۔

سریہ اسامہ بن زید بن حارثہ:۔ سریہ زید بن اسامہ سلسلہ غزوات و سرایا کی آخری کڑی ہے۔ یہ فوج سوموار کے دن بمطابق ۲۶ ماہ صفر ۱۱ھ کو دیار روم میں موتہ کی طرف بھیجی گئی۔ وہاں حضرت زید کے والد شہید ہوئے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان پر لشکر کشی کے لئے بھیجا تاکہ یہ عجلت سے وہاں اور ان کے گھروں کو آگ لگا دیں اور ان کو خبر ہونے سے پیشتر ان کے سروں پر جا نکلیں لشکر روانہ ہونے سے قبل جاسوسوں کو بھیجیں اور رہبروں کو اپنے ہمراہ لے لیں۔ ابھی یہ تیاریاں جاری تھیں جبکہ مورخہ ۲۸ صفر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار پڑ گئے اور بخار اور درد سر میں مبتلا ہو گئے۔ اگلے دن باوجود بیماری کے آنحضرت نے اپنے دست اقدس سے جھنڈا تیار کر کے دیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ **اعز بسم اللہ وفی سبیل اللہ فقاتل من کفر باللہ** حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے علم تھام لیا اور مدینہ شریف سے باہر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے یہ جھنڈا حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور ان کو لشکر کا علمبردار بنایا۔ آپ نے جرف کے مقام پر قیام کیا۔ تاکہ وہاں پر اسلامی لشکر اکٹھا ہو جائے۔ جرف کا مقام مدینہ شریف کے قریب ہی ہے۔ جرف کے معنی ہیں کھود کر پانی نکالنا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرما دیا کہ حضرت ابوبکر عمر فاروق' عثمان ذوالنورین' سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم وغیرہ سوائے حضرت علیؓ کے تمام ہی حضرت زید کے ساتھ روانہ ہوں۔ کچھ لوگوں کو یہ چیز کھٹکتی تھی کہ اکابر مہاجرین اور انصار پر ایک غلام کو امارت دی گئی ہے۔ اس طرح کی باتیں ذاتی قسم کی مجالس میں کی جانے لگیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو آپ کی طبع مبارک پر بوجھل محسوس ہوئیں۔ آپ کو غصہ آگیا اگرچہ بخار اور درد سر کا عارضہ تھا پھر بھی آپ نے اپنی پیشانی مبارک پر ایک پٹی باندھ لی اور باہر نکلے۔ اور آپ نے منبر

شریف پر استادہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم اسامہ کو اپنے اوپر امیر بنائے جانے سے انحراف کرتے ہو اور چہ میگوں میں لگے ہوئے ہو۔ غزوہ موتہ میں ان کے والد کو امیر مقرر کیا تھا تو اس وقت بھی تم نے اعتراضات کئے تھے۔ خدا تعالیٰ کی قسم۔ وہ امارت کے مستحق ہیں اور لائق ہیں اس مرتبہ کے اور ان کے باپ بھی امارت کا سزاوار اور حقدار تھا۔ میرے نزدیک لوگوں میں زید بڑے محبوب تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا اسامہ بھی لوگوں میں بہت مقبول و محبوب ہیں۔ دونوں کے بارے گمان اچھا ہے۔ ان کے بارے اب تم لوگ میری یہ وصیت قبول کرو۔ وہ وصیت یہ ہے کہ تم میں اخیار میں سے وہ ہیں پھر آپ منبر شریف سے اترے اور اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ قبل ازیں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل غزوہ موتہ کے حالات میں مذکور ہو چکے ہیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب اپنے دور خلافت میں حضرت اسامہ کو دیکھا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے۔ **السلام علیک ایہا الامیر** تو حضرت اسامہ اس طرح سے جواب دیا کرتے تھے۔ **غفر اللّٰہ لک یا امیر المؤمنین** آپ مجھ کو امیر کہہ کر پکارتے ہیں۔ تو حضرت عمر فرماتے تھے کہ جب تک میری زندگی ہے تجھے امیر کے لفاظ سے ہی مخاطب کیا کروں گا۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب اس دنیا سے رخصت فرمائی تھی تو اس وقت ہم سب پر تم امیر معینہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ یا انیس برس تھی۔ بعض علماء نے بیس سال بھی بتائی ہے۔ اور اہل سیر نے کہا ہے کہ یہ واقعہ مورخہ ۱۰ ربیع الاول کا ہے اس روز حضرت اسامہ کے تحت جانے کے لئے مقرر شدہ جماعتیں گروہ در گروہ آکر ان کے ساتھ لشکر گاہ میں شامل ہو رہی تھیں۔ اور دوسرے دنوں کے مقابلہ میں اس روز آنحضرت سے اجازت لے کر اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ آکر آنحضرت کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ اپنے سر کو جھکایا اور آنحضرت کا سر مبارک اور ہاتھ مبارک چومے آنحضرت بوجہ شدت مرض بول نہ سکتے تھے۔ پھر بھی آپ نے اپنا ہاتھ مبارک پہلے آسمان کی طرف بلند فرمایا پھر اسے اسامہ پر اتارا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ میرے حق میں دعا فرما رہے تھے۔ ازاں بعد آنجناب کے حجرہ اقدس سے نکل کر حضرت اسامہ اپنی لشکر گاہ کی طرف آئے۔ اور فوج کو کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور اسامہ خود سوار ہونے ہی والے تھے جب کہ ان کی والدہ کا پیغام آپہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نزع کی حالت میں ہیں۔ اس پر اسامہ اور دیگر اشراف صحابہ واپس آ گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق وغیرہ اکابرین صحابہ ابھی مدینہ شریف ہی میں تھے۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازہ مبارک پر نصب کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تدفین سے فراغت ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو گئی تو حکم دیا گیا کہ جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازہ پر نصب کر دیا جائے تاکہ آنحضرت کا مقرر فرمودہ لشکر اپنی منزل کی طرف جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جاری کردہ حکم کا باقاعدہ نفاذ ہو جائے۔ پس حضرت اسامہ

رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مقام جرف پر قیام پذیر ہو گئے تاکہ وہاں لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ اس دوران قبائل عرب کے مرتد ہو جانے کی خبریں مدینہ میں آنے لگیں۔ کچھ لوگ یہ مشورہ دیتے تھے کہ لشکر اسامہ کی روانگی موقوف رکھیں تا آنکہ مرتدین سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ جب مرتدین کو پتہ چلے کہ طاقت ور فوج تو مدینہ سے باہر جا چکی ہے تو وہ مدینہ پر حملہ کر دیں اور اہل مدینہ سے محاربہ کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ رائے قبول نہ فرمائی انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ بھی مجھے پتہ چل جائے کہ لشکر اسامہ کو بھیج دینے سے مرتدین اپنا لقمہ بنا لیں گے پھر بھی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرنا جائز نہ سمجھوں گا لیکن تم صرف اتنا کرو کہ اسامہ سے درخواست کرو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس ہی رہنے دیں۔ پس حضرت، اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔

ربیع الاخر کے آخر پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ابنی کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں کے لوگوں کو مغلوب مفتوح کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو قتل بھی کیا۔ کچھ درخت گھر اور باغات کو نذر آتش کر دیا۔ اپنے والد کے قاتل کا سر اڑایا اور کثیر غنائم کے ساتھ لوٹے۔ اس سفر میں کل چالیس دن لگے۔

××

قسم چہارم

اس کتاب کا یہ چوتھا حصہ ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس جہان سے رخصت فرمانا مذکور ہے اور آپ کا بیمار ہونا' مرض کی مدت' دوران مرض کے واقعات وحالات' روز وفات' آپ کے غسل و تکفین' نماز جنازہ اور حیات انبیاء کے اثبات کا بیان ہے۔

باب اوّل

مرض کے آغاز سے رحلت تک وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

اس سے قبل آپ جان گئے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج فرماتے ہوئے احکام دین کی تعلیم فرمائی تھی اور ازاں بعد دنیا سے اپنے وصال کی طرف بھی اشارہ فرمادیا تھا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو وداع فرمایا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ شاید اگلے سال میں تم میں نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حج کو حجتہ الوداع کہا جاتا ہے اور یہ آیت بھی اس ضمن میں اشعار فرماتی ہے۔ **الیوم اکملت لکم دینکم اتممت علیکم نعمتی** علاوہ ازیں ایام حج میں منیٰ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی **انا جاء نصر اللّٰه والفتح** اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ گویا تم مجھے یہ خبر بھی دیتے جارہے ہو کہ اب مجھے اس جہان سے رخصت ہو جانا چاہیے تو جبرئیل نے عرض کیا آپ غمگین نہ ہوں۔ **وللآخرة خیر لک من الاولی** ازاں بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امور آخرت میں جدوجہد کرنا شروع کردیا۔ یہ سورۃ مبارک جب نازل ہو چکی تو آنحضرت زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی حمد وتقدیس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ فرمایا گیا۔ **فسبح بحمد ربک واستغفره انه کان توابا** اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات رہا کرتے تھے۔ **سبحانک اللهم وبحمدک اللهم اغفرلی انک انت التواب الرحیم** صحابہ کرام نے گزارش کی یا رسول اللہ! اکثر اوقات یہ کلمات آپ کی زبان مبارک پر جاری رہتے ہیں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے عالم بقا کی جانب بلایا ہے اور مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں تسبیح اور حمد اور استغفار کروں اور آپ رونے لگے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ موت کے پیش نظر روتے کیوں ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ اور آئندہ تمام بخش دیئے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا **فاین اول المطلع واین ضیق القبر و ظلمة اللحد واین القیامة والاحوال** آپ کا یہ ارشاد اپنی امت کو تنبیہ کرنے کے لئے تھا۔ کہ امت کا ان بلاؤں اور مشقتوں میں سے گذر

ہوتا ہے۔ ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال تو اس سے کہیں اعلیٰ وارفع اور بلند و بالا ہے۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم کو ایک ماہ پہلے ہی اپنی رحلت کی خبر دے دی تھی۔ آپ نے خواص صحابہ کرام کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر طلب فرمایا۔ آپ ہمیں دیکھ کر رونے لگے۔ آپ صحابہ پر نہایت شفقت و رحمت کے پیش نظر اور غم جدائی کے شدید تصور سے رونے لگے تھے۔ جس کا ان صحابہ کو سامنا ہونے والا تھا اور آپ نے فرمایا **مرحبا بکم وحیاکم اللہ بالسلام حفظکم اللہ صبرکم اللہ نصرکم اللہ ورفعلم اللہ ہداکم وفقکم اللہ آواکم اللہ وقاکم اللہ ممکم اللہ** ظاہری طور پر یہ دعا صحابہ کرام کے لئے ہے لیکن حقیقت میں ساری امت کے حق میں ہے اور تمام امت کو اس دعا میں شامل فرمایا گیا ہے اور شریعت کے تمام خطبات بھی اسی طرح ہیں کہ تغلیب حاضر بر غیب ہے اور آنحضرت نے ارشاد فرمایا میں تم کو تقویٰ اور خدا سے خوف کھانے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور تم تمام کو اللہ تعالیٰ کی سپرد کرتا ہوں اور اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ اور تم کو میں اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب سے بھی ڈراتا ہوں اس لئے کہ میں تم میں نذیر و مبین کی حیثیت سے ہوں اور چاہیے اللہ تعالیٰ کے بندوں اور شہروں میں تم اللہ تعالیٰ پر رعلو و عتو و تکبر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **تلک دار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین۔**

اور داری کی روایت میں آیا ہے کہ جب آیت پاک **اذا جاء نصر اللہ والفتح** کا نزول ہوا آنحضرت نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ مجھے موت کی خبر دی گئی ہے۔ پس فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ گریہ نہ کرو۔ میرے اہل بیت سے تم سب سے پہلے مجھ سے آملو گی۔ پس فاطمہ سیدہ ہنسنے لگیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ دوران مرض کا ہے۔ جیسے ابھی آئے گا اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ ہر سال ایک بار قرآن پاک کا دور کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا معمول تھا۔ لیکن اس سال دوبار دور فرمایا۔ یہ بھی اس جہان سے آپ کی رحلت کی ایک علامت تھی اور بعض روایات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رونے اور ہنسنے کا قصہ اسی کے تحت بیان کیا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر سال ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور اس سال آپ نے دو عشرے اعتکاف کیا تھا اور احد کے شہیدوں پر آٹھ دن بعد دعا فرمائی تھی۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے قبل جانے والا ہوں اور تم پر میں گواہ ہوں اور مجھ سے ملاقات کی جگہ حوض ہے اور میں یہاں سے بھی حوض کو دیکھ رہا ہوں اور جہاں پر میں کھڑا ہوں بلاشبہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور یہ روئے زمین کے شہر مفتوح ہونے کی بشارت ہے خزانے ہاتھ لگنے کی۔ لہٰذا آپ نے فرمایا میں تمہاری بابت یہ ڈر نہیں رکھتا کہ تم شرک کا ارتکاب کرو گے لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے۔ اور فتنہ میں نہ پڑ جاؤ اور اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جیسے کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم منبر شریف پر

تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ دو باتوں سے ایک بات کو پسند کرے۔ زیب و زینت دنیوی زندگی کی یا جو کہ اجر و ثواب آخرت جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پس اس بندہ نے وہ چیز اختیار کر لی جو کہ حق تعالیٰ کے پاس ہے اور دنیا میں کوئی رغبت نہ کی۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کر دیا جب انہوں نے یہ خبر سنی۔ اور کہا کہ ہمارے باپ اور مائیں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ اور لوگ کہنے لگے کہ اس شیخ کی جانب تو نظر کرو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم تو اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کے بارے میں خبر دے رہے ہیں اور وہ رو رہے ہیں۔ اور کہہ رہے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ۔ اور اصل میں رسول خدا اپنے حال خبر دے رہے تھے اور اس حال سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ واقف تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ صحابہ میں سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان اور نیکی کرنے والا ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں کسی غیر خدا کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن میرا خلیل سوائے خدا کے اور کوئی نہ ہے لیکن اخوت اسلام باقی ہے۔

اور خلیل جانی دوست کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی دوستی دل میں داخل ہو کر اپنی جگہ بنا چکی ہوتی ہے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں دریچہ باقی نہ رہے سوائے دریچہ ابی بکر کے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر کے مرتبہ خلافت پر متمکن ہونے کا اشارہ ہے اور آنحضرت نے یہ بات اپنے مرض وصال میں فرمائی تھی اپنی رحلت سے پانچ راتیں قبل اور دیگر روایات میں اختیار کا قصہ ایام مرض میں آیا ہے اور صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کی رحلت کا وقت آ پہنچا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی طرف واپس اور جنت الماوٰی اور سورۃ المنتہیٰ کی طرف جانے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے اور جام طہور پینے اور دور آخرت میں عیش کرنے کا وقت قریب آگیا ہے اور سال مذکور کا ماہ صفر کا آخر تھا کہ آنحضرت کو حکم ہوا کہ بقیع کے قبرستان میں جا کر ان کے لئے استغفار فرمائیں۔

صفر کے مہینے کا آخری ہفتہ:۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات آنحضرت میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور میں سوئی ہوئی تھی جب میں بیدار ہوئی تو دیکھا کہ آنحضرت بستر خواب پر نہیں ہیں۔ پس میں آپ کے پیچھے باہر روانہ ہوئی۔ دیکھا کہ آپ قبرستان بقیع میں آئے ہیں اور فرمایا ہے۔ **السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ما توعدون وانا انشاء اللّٰہ تعالٰی بکم لا حقون** اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے **انتم لنافرط وانا بکم لا حقون اللھم لا تخرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم اللھم اغفر لا لا ہل بقیع الغرقد**

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دیگر ایک روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم میرے گھر سے باہر آئے اور میں بھی آنحضرت کے عقب میں اس غیرت سے چلی کہ شاید کسی دوسری بیوی کے گھر میں جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت بقیع میں آئے اور بڑی دیر تک کھڑے رہے اور تین بار آپ اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور پھر لوٹ آئے میں بھی واپس آگئی اور آنحضرت کے پہنچنے سے قبل ہی میں اپنے گھر میں آ پہنچی اور لیٹ گئی۔ میرے بعد آنحضرت بھی اندر آ گئے۔ جب آپ نے مجھ پر اضطراب اور تنگی نفس کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ اے عائشہ! تمہارا کیا حال ہے اور تجھے کیا ہوا ہے

کہ مضطرب نظر آتی ہو۔ میں نے صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ جو میں نے اپنے آگے دیکھا تھا۔ شاید وہ تم تھیں۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک نرمی سے میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا کہ تم گمان کرتی ہو کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔ اس طرح ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ لیکن مجھے معذور سمجھیں۔ میں کیا کروں۔ بشری جبلت کی حامل ہوں۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے سیدہ عائشہ سے فرمایا۔ تمہیں اس پر شیطان نے ابھارا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا بھی کوئی شیطان ہے آپ نے فرمایا کہ ہر شخص کا ایک شیطان ہے۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا آپ کے لئے بھی ہے؟ فرمایا ہے لیکن میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور گھر سے باہر ہی آواز دی اور جبریل کی عادت ہے کہ جب تم اپنے کپڑے اتارے ہوئے ہوتی ہو تو وہ گھر کے اندر نہیں آتے ہیں اور میں نے بھی تم کو بیدار کر کے پریشان نہ کرنا چاہا۔ پس جبریل علیہ السلام وحی لائے کہ تمہارے پروردگار حکم فرماتا ہے۔ اہل بقیع کے پاس باہر تشریف لائیں اور ان کے لئے استغفار فرمائیں اور دعا کے الفاظ اس روایت میں یوں آئے ہیں۔ **السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللّٰہ لنا ربکم انتم لنا سلف** اور **نحن بالاثر** نیز یہ بھی آئے۔ **السلام علیکم دار قوم المؤمنین انا وایاکم متوا عدون غدامو اکلون** اور اس طرح کا قصہ شعبان کی پندھوریں رات والی حدیث میں بھی آیا ہے کہ اس میں زیارت قبور مسنون ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم حضرت ابو مویہبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے ایک شب کو نصف رات کے وقت مجھے بیدار کیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اہل بقیع پر جاؤں اور ان کے لئے بخشش طلب کروں اور آپ مجھے اپنے ہمراہ لے لیا اور اہل بقیع پر آئے۔ اور وہاں کھڑے ہو گئے اور طویل وقت تک استغفار کرتے رہے اور آپ نے اس قدر ان کے لئے دعا فرمائی کہ مجھے بھی آرزو ہوئی کہ کاش میں بھی ان قبور والوں میں سے ہوتا کہ میں بھی اس دعائے نبوی سے مشرف ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اہل قبور السلام علیکم۔ مبارک ہوں تم کو نعمتیں جنہیں تم صبح کرتے ہو اور جن میں تم رہتے ہو اور جن فتنوں میں لوگ پڑے ہوئے ہیں تم ان سے دور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے چھٹکارا عطا فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہ ہے کہ لوگوں پر شب دیجور کی طرح فتنے آ رہے ہیں اور آخری فتنہ اول فتنہ سے ملا ہوا ہے یعنی فتنوں میں تواتر و تسلسل ہے اور یہ فتنے پے در پے آئیں گے اور ان کا آخر ان کے اول سے بدتر ہے ازاں بعد آپ نے فرمایا اے ابی مویہبہ! میرے سامنے خزائن دنیا کی چابیاں پیش کی گئی ہیں اور مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ کہ میں دنیا میں باقی رہوں اور ہمیشہ رہوں حتیٰ کہ میں جنت میں مراتب ہو درجات پاؤں اور یا لقائے پروردگار کا شرف حاصل کروں اور جلدی کروں۔ میں نے لقائے پروردگار کے لئے جلدی کی ہے۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد آپ نے صحابہ کی جانب توجہ فرمائی۔ جو کہ وہاں حاضر تھے اور ان کو بتایا کہ

جو گزر چکے ہوئے ہیں وہ تم سے بہتر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ہمارے بھائی ہیں جس طرح وہ ایمان لائے تھے ہم بھی اسی طرح ہی ایمان لائے۔ انہوں نے صدقات و خیرات دیئے ہم نے بھی دیئے وہ چلے گئے ہیں اور ہم بھی جانے والے ہیں۔ پس انہیں ہم پر کس پہلو میں زیادتی حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اس جہان سے رخصت ہو گئے اور اپنے اجر و ثواب سے اس دنیا میں انہوں نے کچھ نہ کھایا۔ اور تمہارا مجھے پتہ نہیں کہ میرے بعد تم کیا کرو گے اور تم میں کونسے فتنہ جات برپا ہوں گے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک دن بقیع میں تشریف لائے اور فرمایا۔ کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ تم میرے صحابہ ہو اور وہ میرے بھائی ہیں۔ جو کہ بعد میں آئیں گے اور ابھی وہ وجود میں نہیں آئے ہیں میں حوض پر ان کا فرط (پیش رو) ہوں گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو آپ کے امتی بعد میں پیدا ہوں گے اور آپ نے ان کو دیکھا نہیں ہے تو روز قیامت ان کو کیسے پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی ایک بہت سے گھوڑے رکھتا ہو۔ کچھ سفید غرہ دار محجل ہوں۔ اور کچھ سیاہ رنگ کے ہوں۔ تو کیا تم اپنے گھوڑوں کو علیحدہ علیحدہ نہ پہچانو گے اور میرے امتی قیامت کے دن اس حال میں اٹھیں گے کہ ان کی پیشانی اور ہاتھ سفید ہوں گے اور پاؤں بھی بوجہ آثار وضو سفید ہوں گے۔

اور آنحضور جس طرح اہل بقیع کی زیارت اور ان کیلئے استغفار فرمانے پر مامور ہوئے تھے اسی طرح آپ کو شہدائے احد کی زیارت کرنے اور ان کے لئے استغفار فرمانے کا حکم ہوا تھا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کہا گیا کہ وہ بقیع میں جا کر اہل بقیع کے لئے استغفار فرمائیں۔ پس آنحضرت گئے اور دعائے استغفار فرمائی اور واپس آئے۔ اور پھر سو گئے۔ اور پھر کہا گیا کہ جائیے اور اہل بقیع کے لئے دعا اور وداع سے فراغت حاصل ہوئی تو آپ کو سر درد شروع ہو گیا۔ اور آپ بیمار ہو گئے۔

اس جگہ پر ایک نکتہ ہے کہ دل میں پھرتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس وقت اہل بقیع اور شہدائے احد کی زیارت اور ان کے لئے دعا و استغفار فرمانا اور ان کو وداع فرمانے جیسے کہ سفر پر روانگی کے وقت اصحاب و احباب کو وداع کیا جاتا ہے اس لئے تھا کہ چونکہ سفر آخرت پیش آگیا تھا اور اس عالم اور اس عالم کے لوگوں کی طرف مناسبت اور رجوع پیدا ہو چکے تھے۔ جسطرح زندوں کو آپ نے دعا اور نصیحت فرمائی تھی اور انہیں تذکیر و وعظ فرمایا تھا۔ اس طرح اموات کے لئے دعا اور استغفار اور وداع فرمایا اگر کہیں کہ پہلے گزرے ہوئے لوگ تو برزخ میں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نیز وہاں جا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے اس قول سے بشارت دی۔ **انا لکم لا حقون** تو پھر وداع چہ معنی وارد۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وداع کی صورت تھی۔ جیسے کہ بیان کے ضمن میں گذر چکا ہے اور حقیقت میں وداع نہ تھی۔ کیونکہ آنحضور کا مقام تو ارفع اور اعلیٰ ہے دوسروں کو آپ کے ساتھ موافقت و مرافقت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جس طرح عالم آخرت میں بہشت میں بھی آپ کا مخصوص مقام ہو گا اس طرح عالم برزخ میں بھی مخصوص مقام ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ جب آنحضرت بقیع سے واپس آئے۔ مجھے درد سر کا عارضہ ہو گیا تھا اور میں کہتی تھی۔ وارساہ۔ یعنی ہائے میرا سر۔ آنحضرت نے مذاق کے طور پر میری تسلی کے لئے فرمایا کہ اے عائشہ! تجھے اس میں کیا نقصان ہے اگر تو مجھ سے پہلے اس عالم میں رخصت ہو جائے تو تمہارے سرہانے کھڑا ہوں۔ اور تمہارے لئے میں باقی رہوں اور تمہاری تجہیز و تکفین کروں۔ تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تجھ کو دفن کروں اور تم پر دعا اور استغفار کروں۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے غیرت آمیز مذاق کے ساتھ آنحضرت کو کہا کہ میرا گمان ہے کہ آپ میرا مرجانا پسند فرماتے ہیں اور اگر میری موت واقع ہو جائے تو آپ اسی روز دوسری عورت سے نکاح کر کے گھر میں لائیں۔ پس آنحضرت علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور کہا اے عائشہ! تمہارا یہ درد سر تو رفع ہو جائے گا لیکن جس درد سر میں مبتلا ہوں مشکل ہے کہ اس سے خلاصی ملے یعنی آپ نے اشارہ فرمایا کہ اس مرض میں میں اس عالم سے رخصت ہو جاؤں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اور گویا کہ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو خوش کرنے کے لئے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی کو ابوبکر اور اس کے فرزند عبدالرحمٰن کی طرف بھیجوں کہ وہ آ جائیں میرے پاس اور میں ان سے عہد کروں یعنی عہد خلافت تاکہ کہنے والے نہ کہیں اور آرزو کرنے والے آرزو نہ کریں یعنی کہ ابوبکر کے سوا کوئی دیگر شخص دعویٰ خلافت نہ کرے۔ اور اس کی آرزو نہ کرے۔ پس میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مومن کو باز رکھے۔

اور آنحضرت کی ابتدائے مرض سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوئی جب کہ ان کی باری تھی۔ اور جب بیماری شدید ہو گئی تو آپ ازواج مطہرات سے فرماتے تھے۔ کہ کل میں کہاں ہوں گا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ واضح طور پر آپ نے ازواج سے فرمایا کہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ باوجود مرض کے تمہارے گھروں میں دورہ کروں اور اپنی قسم کی رعایت بجالاؤں۔ اگر تم چاہو تو مجھے اجازت دے دو کہ میں عائشہ کے گھر ہی رہوں اور وہاں پر تم تمام میری تیمارداری کیا کرو۔ تمام ازواج مطہرات رضامند ہو گئیں اور ایک روایت میں فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ گراں گزرے گا کہ ہر بیوی کے گھر جانے کا تردد کریں۔ تو تمام ازواج اراضی ہو گئیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر رہیں۔ پس آپ میمونہ کے گھر سے باہر نکلے اپنے دونوں ہاتھ اہل بیت کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اس طرح سے کہ آپ کے دونوں پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹتے تھے اور سر اقدس پر ایک کپڑا باندھا ہوا تھا۔ اس طرح سے آپ کو اٹھا کر عائشہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر لائے۔ اور ایک روایت ہے کہ کچھ دیر تو ازواج مطہرات کے گھروں کا پھیرا فرماتے رہے۔ اور باری کی رعایت بجالاتے رہے حتیٰ کہ ایک روز آپ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف فرما تھے کہ آپ کو درد سر شدید ہو گیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ میں بیماری کے ساتھ آپ کے گھروں میں نہیں پھر سکتا۔ پس سب عائشہ کے گھر پر ہی ٹھہرنے پر متفق ہو گئیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ کی تیمارداری کروں اور شرائط خدمت بجالاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر! اگر اہل بیت کو چھوڑ کر کسی سے میں تیمارداری

کراؤں تو ان کی مصیبت زیادہ ہو جائے گی۔ اور تحقیق جو نیت تم نے کی ہے اس کا اجر خداوند کریم کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کا مرض اور بڑھ گیا جیسے کہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ مضطرب تھے اور بے قراری میں بستر پر یکے بعد دیگرے پہلو بدلتے تھے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کو ایسی حالت کا سامنا ہوتا اور اس سے اس طرح واقع ہوتا تو آپ اسے برا خیال کرتے اور غصے میں آتے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! میرا مرض نہایت سخت ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین پر نہایت سخت مصیبت بھیجتا ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہوتا کہ جس پر اللہ تعالیٰ بلاء اور ایذاء نہ بھیجے حتیٰ کہ ایک کانٹا بھی اس کے پاؤں میں جو چبھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے۔ اور اس کے گناہوں کو مٹاتا ہے۔

اور آپ نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روئے زمین پر ایسا کوئی نہیں ہے کہ اس کو مرض وغیرہ کی تکلیف آئے مگر یہ کہ اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے جیسے کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں موسم خزاں میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کوئی فرد ایسا نہیں دیکھا کہ جس کی بیماری نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیماری سے زیادہ شدید ہو اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے قطیفہ لپیٹتے ہوئے دیکھا۔ اور قطیفہ سے اوپر میں بخار کی حدت کو محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے برداشت نہ ہوتا تھا کہ آپ کے جسم اقدس پر اپنا ہاتھ رکھوں۔ شدت بخار پر میں حیران رہ گیا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہ السلام سے بڑھ کر کسی کو بھی مصیبت واذیت زیادہ شدید نہیں آئی۔ بے شک ان کے مصائب دگنے ہونے کی مانند اجر و ثواب بھی انہیں دگنا ہی ہے اور حق تعالیٰ نے کچھ انبیاء کو فقر و درویشی اس قدر عطا فرمائی کہ سوائے ایک عبا کے انہیں کوئی دوسرا لباس عطانہ فرمایا۔ اور وہ ایک ہی عبا دن رات پہنتے تھے۔

معلوم رہے کہ مصیبت میں طوالت ہونا اور امتحان اور آزمائش میں پڑنا مقربین کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقربین میں زیادہ اعز و اعظم اور اقرب و اعلیٰ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین ہیں وہ متبعین امت کے اولیاء اور صلحاء ہوتے ہیں۔ اس امر میں کسی کو کوئی کلام نہ ہے جیسے کہ حدیث پاک اس بارے میں مشہور و معروف ہے **الامثل فا الامثل** لیکن اس بارے میں کہ بلا کے دوران جزع فزع کرنا اور بیماری نالہ وبکا کرنا ہے اس ضمن میں علماء کو کلام ہے۔ بے صبری اور کمزوری سے جزع فزع کرنا اور مصیبت کو ناپسند کرنا اور اس سے فرار مطلوب ہونا بلا اختلاف حرام ہے اور غربت و بے چارگی کے اظہار میں آہ و نالہ جو کہ بندگی کے حال کے ساتھ لازمی ہوتا ہے اور بیماری کی سختی سے اضطراب اور بے قراری سی ہوتی ہے۔ یہ دیگر چیز ہے یہ جزع فزع میں داخل نہیں اور نہ ہی یہ بیماری سے ناپسندیدگی اور شکوہ میں شمار ہوتی ہے اور اس کا کافی ثبوت حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں ہے جس میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال بیان فرمایا ہے۔ ہاں اگر یہ آہ و نالہ رضا و تسلیم سے نہیں ہے تو مکروہ ہے اور شکایت و شکوہ میں شمار ہو گا اور جس نالہ کو علماء و مشائخ نے مکروہ اور بنا بر شکوہ فرمایا ہے۔ یہ وہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے بے صبری اور عدم رضا کی پابندی و قید ہے۔ اس قول کی

تضعیف وابطامیں شیخ محی الدین نووی نے فرمایا ہے۔ لیکن یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا ہے۔ ان کی کراہت سے خلاف اولیٰ مراد ہونے کا بھی امکان ہے۔ کیونکہ اولیٰ سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو۔ اور نووی کا کلام بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ حضرت نبوت علیٰ مصدرہا الصلوۃ و التحیتہ اطلاق خلاف اولیٰ ترک ادب ہے۔ اور وہ بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔ جو کہ ازروئے غفلت اور جوش و غلبہ طبیعت ہو۔ جیسے کہ عوام الناس اور مبتدیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے یقین کی کمزوری اور قضاء کو ناپسند کرنے کا گمان کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اس کو مکروہ اور خلاف اولیٰ کہہ لینا جائز ہے لیکن اگر اس طریقہ سے ہو جس سے طبعی درد و الم ظاہر کیا جاتا ہو تو اس میں حرج نہیں۔ اس پر تمام علماء متفق ہیں۔ لہٰذا ورد کا ذکر کرنے کا مطلب شکایت کرنا نہیں ہے۔ ایسے لوگ بھی بکثرت ہیں جو دل میں شک رکھتے ہیں۔ لیکن اگر اس طریقہ سے ہو جس سے طبعی درد و الم ظاہر کیا جاتا ہے۔ تو اس میں حرج نہیں۔ اس پر تمام علماء متفق ہیں۔ لہٰذا ورد کا ذکر کرنے کا مطلب شکایت کرنا نہیں ہے ایسے لوگ بھی بکثرت ہیں جو دل میں شک رکھتے ہیں لیکن ظاہری طور پر وہ بالکل چپ رہتے ہیں اور اس طرح کے لوگ بھی بہت ہیں جو اندر سے راضی برضا ہوتے ہیں لیکن ظاہرا" وہ بولتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت میں عمل قلب ہی قابل اعتنا ہے اور آدمی کا فعل معتدنہ ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح حدیثوں میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان لفظوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مریض کے لئے تعویز اور استعاذہ کیا کرتے تھے۔ **اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما**

ایک روایت میں مروی ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود بیمار ہوئے تو آنحضور نے ان الفاظ سے اپنے واسطے بھی تعویز فرمایا پھر اپنا ہاتھ مبارک اپنے سارے جسم پر پھیرا۔ اور مرض وصل میں جس وقت مبتلا ہوئے۔ تو یہ ہی دعا پڑھ کر میں نے خواہش کی کہ آنحضرت کا ہاتھ مبارک آپ کے بدن مبارک پر پھیروں تو آپ نے اپنا ہاتھ مجھ سے چھڑا لیا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا رب **اغفرلی والحقنی بالرفیق الاعلی** دیگر ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس سے قبل یہ تعویز مجھے فائدہ کا باعث تھا لیکن اب یہ مفید نہ ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی تمام بیماریوں میں اللہ تعالیٰ سے صحت و شفا کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔ لیکن جس مرض میں آپ واصل بحق ہوئے تھے اس کے دوران آپ نے ہرگز کوئی دعا نہ فرمائی بلکہ اس کی بجائے آپ اپنی ذات پر شدت کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ اے نفس! تجھے کیا ہو چکا ہے کہ تم پناہ گاہ اور آسائش گاہ میں پناہ طلب کرتے ہو۔ اسی طرح اہل سیر نے بھی بیان کیا ہے۔

لیکن دیگر ایک حدیث میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ جب سونے کا وقت ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سورۃ اخلاص' سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرما لیتے تھے اس کے بعد اپنے تمام جسم پر جہاں تک کہ وہ پہنچ سکیں مسح فرماتے تھے۔ الحدیث اور سر مبارک اور سینہ مبارک سے مسح فرمانا

شروع کرتے تھے۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ جب بھی کبھی بیمار ہوتے تھے تو اسی طرح ہی کیا کرتے تھے۔ اور جب آپ مرض وصال میں مبتلا ہوتے تھے تو میں نے آنحضرت کے معمول شریف کے مطابق معوذتین کی تلاوت کرکے آپ پر دم کیا۔ اور ہاتھ سے مسح بھی کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضور کے ہاتھ سے مسح کیا۔ یعنی کہ آنحضور کے ہاتھ مبارک کی وصولی برکت عظیم تر تھی بہ نسبت میرے ہاتھ کی برکت سے۔

اور یہ اس لئے تھا کہ یہ سورتیں پڑھنا شفاء کے واسطے نہ تھا۔ بلکہ یہ ورد کے طور پر تھا کہ آنحضرت اس کو شفاء کے لئے بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور یا اس طرح بیماری کی ابتداء میں واقع ہوا ہوگا۔ اور اس سے قبل جبکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا کہ عالم بقایا اس جہان میں سے کوئی اختیار فرمالیں اور آپ نے عالم آخرت کی طرف توجہ اور اختیار فرمالیا۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام حق تعالیٰ کی جانب سے اس مرض کے دوران آئے اور عرض کیا یا محمد! تحقیق اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تو چاہتا ہے تو تجھ کو شفاء عطا فرماتا ہوں اور اس بیماری سے خلاصی فرماتا ہوں اور اگر تو چاہتا ہے تو اس میں تجھ کو جنت میں لے جاتا ہوں پس میں نے بھی وہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملحق ہو جاؤں۔ **مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔ وحسن اولئک رفیقا۔**

ابتدائے مرض:۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے جبریل آج میں نے اپنے کو پروردگار کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے میرے ساتھ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بیماری ماہ صفر کے آخر میں شروع ہوئی تھی جب کہ اس کی دو راتیں ابھی باقی تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ بدھ کے دن (چہار شنبہ) شروع ہوئی۔ اور ایک روایت ربیع الاول کا مہینہ چڑھنے پر اور کتاب الوفاء میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ماہ صفر میں بیمار ہوئے تھے جبکہ دس راتیں باقی رہتی تھیں۔ اور ارباب سیرت میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابہ وسلم کی مدت مرض کتنی تھی اکثر اس نظریہ پر ہیں کہ تیرہ دن تھی اور ایک روایت کے مطابق چودہ روز تھی۔ بعض کے نزدیک بارہ دن تھی اور ایک جماعت اس پر ہے کہ دس روز مدت مرض تھی اور یہ اختلاف 'ابتدائے مرض اور روز وصال پر اختلاف کے باعث ہے۔

××

باب دوم

دوران مرض واقعات:- ایام مرض میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان سے ایک واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے شدت مرض کے وقت' سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک ہوئیں تو آپ نے فرمایا۔ اے میری بیٹی۔ مرحبا اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حالت صحت میں معمول تھا کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آتے دیکھتے تھے تو کھڑے ہو جاتے تھے استقبال کرتے تھے اور ان کو بوسہ دیتے تھے۔ اور اپنی جائے نشست پر بٹھاتے تھے پس آنحضرت نے ان کے کان میں کوئی بات فرمائی۔ تو سیدہ فاطمہؓ رونے لگیں۔ اس کے بعد اسی طرح پھر آپ نے کان میں کچھ فرمایا تو سیدہ خوش ہوئیں اور ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اے فاطمہ میں کبھی رونے کے ساتھ ہنستا یا کوئی غم میں نے خوشی کے ساتھ متصل و مقارن نہیں دیکھا۔ جیسے کہ میں نے آج دیکھا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے۔ جس کا میں اظہار نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ راز فاش نہ کیا یہاں تک کہ آنحضرت نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔

آنحضرت علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد دوبارہ میں نے اس راز کے متعلق پوچھا کہ وہ بات کیا آنحضرت نے فرمائی تھی۔ تو اس دفعہ سیدہ فاطمہ نے فرمایا کہ پہلی دفعہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہر سال جبریل علیہ السلام صرف ایک دفعہ میرے ساتھ یہاں آکر قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ لیکن اس سال انہوں نے دو دفعہ دور قرآن کیا ہے' میرا خیال ہے میرا وصال نزدیک ہے۔ جس کے باعث جبریل علیہ السلام نے قرآن پاک کی تلاوت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہے میں نے یہ سنا تو رونا شروع کیا۔ دوسری دفعہ آنحضرت نے فرمایا کہ میری تمام اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملوگی۔ اس بشارت سے میں ہنسنے لگی۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری موت قریب ہے اور میری اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملوگی پس میں رونے لگی۔ اور دوسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ اہل بہشت عورتوں کی سردار تم ہوگی۔ پہلی روایت میں سب سے پہلے ملنے کے باعث خوشی و خندہ پر دلالت ہے۔ اور جنتی عورتوں کی سرداری اس پر مزید ہے۔

اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بقول اشہر چھ ماہ بعد ہوئی۔ رمضان شریف کی تین تاریخ کو۔ بعض نے تین ماہ بھی کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان واقعات سے یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی بیماری کے دوران چالیس غلام آزاد فرمائے تھے۔

بیماری کے ابتدائی ایام میں رونما ہونے والے واقعات عجیبہ و غریبہ سے ایک یہ ہے کہ سینہ کے شدید درد کے باعث

گاہے بے ہوش ہو جاتے تھے اور کبھی ہوش میں آجاتے تھے۔ اگر چلنے کی کوشش کرتے تھے تو پاؤں مبارک درست حرکت نہ کر سکتے تھے۔ اور پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹنے لگتے تھے۔ لوگ خیال کرنے لگے کہ آنحضرت کو ذات الخبب کا درد ہے (پسلی کا درد) جو کہ ایک مشہور مرض کا نام ہے۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور عورتوں میں حضرت ام سلمہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما حاضر تھیں۔ اور ان شہروں میں ذات الخبب کا علاج لوگوں کو معلوم تھا۔ پس انہوں نے "لدود" بنایا۔ یہ ایک دوائی ہے کھلانے کے لئے اور منہ مبارک میں ڈالنا چاہتے تھے۔ آپ نے ہر چند اشارہ فرمایا کہ وہ دوائی منہ مبارک میں نہ ڈالیں۔ لیکن وہ باز نہ آئے ان کا گمان تھا کہ آپ یہ ممانعت دوائی سے کراہت کے باعث فرماتے ہیں۔ جب آنحضرت کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یہ کام میرے ساتھ کس نے کیا ہے۔ شاید حبشہ نے آنے والی ان عورتوں نے کیا ہو گا۔ ام سلمہ اور اسماء بنت عمیس کی جانب اشارت فرمائی اور پھر فرمایا اے عورتو! تم نے میرے ساتھ یہ کارکیوں کی جبکہ میں نے اس سے باز رہنے کے لئے کہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں یہ گمان تھا کہ آپ کو ذات الخبب ہے اور منع کرنا مریضوں کی عادت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دواء سے کراہت کرتے ہیں اور کہ حضرت عباس بھی یہاں ہی اس وقت موجود تھے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کس چیز سے علاج کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ عود ہندی اور کچھ ورس اور چند قطرے زیت کے تھے۔ (زیتون کا تیل) آنحضرت نے فرمایا کہ ذات الخبب شیطان سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر غلبہ پانے کی شیطان کو قوت نہیں دی ہے آپ نے فرمایا کہ گھر میں ایسا فرد باقی نہ رہے کہ جس کے منہ میں دوائی نہ ٹپکائی جائے سوائے میرے چچا عباس کہ جو خود اس کام میں شریک نہ تھے۔ پس ان تمام کے مونہوں میں دوائی ڈالی گئی۔ یہاں تک کہ سیدہ میمونہ کے منہ میں بھی ڈالی گئی باوجود کہ وہ روزدار تھیں۔

دوائی کا استعمال:۔ ان عورتوں کے مونہوں میں دوائی کا ڈالنا از روئے قصاص کی قبیل سے ہے۔ کہ احکام شریعت سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اپنے آخری وقت پر بھی اپنی امت کو دائرہ سیاست سے باہر نہ رکھیں۔ اور احکام شریعت کا اجراء فرمائیں اور جو کوئی بھی کسی کی رضا کے بغیر اس کے ساتھ کوئی عمل کرے۔ گمان خطا کے تحت خصوصاً" نادانی سے علاج کرے تو اس پر اس کا قصاص ثابت ہو جاتا ہے وہ قصاص لے یا معاف کر دے اور شریعت میں آیا ہے کہ اگر کسی کو طلب علم نہ ہے۔ اور اس میں اسے مہارت نہیں ہے اور جاہل ہے اور دوسرے کا جہالت سے علاج کرتا ہے اور اسی سے اس کو ضرر پہنچتا ہے تو اس پر قصاص واجب و ثابت ہو جاتا ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ **من يطب ولم يعلم منه الطب قبل ذالك فهو ضامن** گو اس کام میں یہ تمام عورتیں شریک نہ تھیں۔ لیکن سزا سب کو ملی اس لئے کہ وہ سب رضامندی میں شامل تھیں اور وہ عمل ترک نہ کیا جس کی نہی فرمائی تھی اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے چاہا کہ قیامت کے روز یہ عورتیں محشور ہوں تو ان کے سر آنحضرت کی بے ادبی' ایذاء اور جرات جیسی خطائے عظیمہ کا بوجھ نہ ہو۔ پس ان کو قصاص کے ذریعے پاک فرما دیا اگرچہ عفو درگزر کی بھی گنجائش تھی اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ اپنے نفس کی خاطر کسی سے قصاص نہیں لیتے تھے۔ لیکن یہاں تادیب مقصود تھی نہ کہ انتقام۔ اگرچہ یہ بھی مشروع تھا۔

اور وہ جو کچھ عورتوں نے کیا وہ ذات الخبب کا علاج تھا۔ جیسے کہ طب النبی کے ضمن میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیکن اس مرض میں دوائی نہ دیناہی قرار پایا تھا۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ دروئی الواقع ذات الخبب نہ تھی۔

تنبیہہ:- کتب طب میں کہا گیا ہے کہ ذات الخبب ورم حار ہوتا ہے اور یہ سینہ کے نواح میں عضلات باطنہ اور حجاب حاجز آلات غذا اور آلات نفس کے درمیان میں واقع ہوتا ہے اس بیماری کا نام حابض ہے اور بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ اوریا یہ ہماری ظاہری خارجہ عضلات میں خارجی حجاب کے ساتھ جلد کی مشارکت سے ہوتی ہے۔ اور اس ورم ذات الخبب کے سبب بخار حادہ' کھانسی' ضیق النفس' درد سے ابھر ابھر پڑنا اور پیاس اور اختلاط ذہن ہوتے ہیں بالجملہ یہ مرض امراض شدید مہلکہ سے ہے۔ کیونکہ یہ دل اور جگر کے درمیان ہوتا ہے۔ اور اس کا علاج دشوار ہوتا ہے۔

ذات الخبب کی اقسام:- اور کہا گیا ہے کہ ذات الخبب کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور غیر حقیقی۔ وہ ورم جو کہ پسلیوں کے درمیانی اعضاء میں پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ مذکور ہوا ہے۔ یہ حقیقی ذات الخبب ہے اور غیر حقیقی وہ ہوتا ہے جو پہلو کی جانب ہوتا ہے۔ اور غلیظ ہوا کے پیدا ہونے سے ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بیماری کے لئے دوائی قسط ہندی ہے۔ اس کو آٹے کی طرح باریک کر لیتے ہیں (Powder)۔ اس میں زیتون کا تیل ملاتے ہیں اور اس مقام پر مالش کرتے ہیں یا اس سے چند انگلیاں کھائی جاتی ہے وہ اس ہوائی مادہ کو تحلیل کر دیتی ہے۔ اور رکاوٹوں کو دور کرتی ہے۔ (سدے کھولنا)

جہاں تک حقیقی ذات الخبب کی بات ہے اگر اس کا مادہ بلغمی ہو۔ تو علاج پذیر ہوتا ہے خصوصاً" مرض کے انحطاط کے وقت۔ اور اگر یہ ذات الخبب دموی اور صفراوی ہو تو اس کا علاج اس کی نسبت زیادہ سخت کرنا چاہیے۔ جیسے کہ کتب میں مذکور ہے بالجملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم اس مرض کو اپنی ذات شریف کے لئے روانہ رکھتے تھے واللہ اعلم۔

اور آپ نے فرمایا کہ (خیبر میں کھایا جانے والا زہر) اکلہ زہر کا اثر ہمیشہ ہی معاودت کرتا رہا ہے۔ اور یہ وقت انقطاع ابہر کا ہے۔ جان لو کہ ابہر ایک رگ کا نام ہے۔ جس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے لئے شہادت اور نبوت کو جمع فرمایا۔

وصل:- ایام مرض کے واقعات سے ہی یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ روز پنج شنبہ کو جب آنحضرت کا مرض شدید تر ہوا تو آپ نے چاہا کہ تحریر فرمائیں اور عہد نامہ لکھ دیں۔ پس آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ شانہ یا تختہ لاؤ تاکہ میں ابوبکر حق میں تحریر کردوں تاکہ بعد میں اس میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو۔ پس جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جاکر لانے کا قصد کرنا چاہا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں ہے کہ مومنین حضرت ابوبکر کے بارے میں اختلاف کریں۔ اہل سنت وجماعت کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں یہ نص ہے اور دلیل

ہے اور وہ کہتے ہیں اگر یوں ہوتا کہ غدیر کے روز امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہی مقرر فرمائے گئے ہوتے اور خلیفہ بنائے گئے ہوتے۔ تو یہ واقعہ اس طرح آخر پر رونما ہوتا اور ایسے نہ کرتے اور فرماتے جیسے کہ مذکور ہوا ہے اور اس مشہور واقعہ کے بارے میں جو کچھ کہ کتب صحاح میں مذکور و مسطور ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی شدت مرض کے وقت حجرہ مبارک میں صحابہ کرام جمع تھے۔ ان کو آپ نے فرمایا کہ دوات اور کاغذ لاؤ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ میرے لئے شانہ لائے جائے تاکہ تمہارے لئے میں ایک وصیت لکھ دوں۔ تاکہ میرے بعد ہرگز تم گمراہ نہ ہو پس صحابہ نے اختلاف کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کام کرنا چاہیے اور دوات اور کاغذ لانے چاہئیں تاکہ جو کچھ آنحضرت چاہتے ہیں وہ لکھیں۔ اور بعض کہتے تھے کہ اب یہ مناسب نہیں کہ ایسے وقت پر ہم آنحضرت کو کتابت میں مشغول کریں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کا وقت اب تنگ ہے اور عمر رضی اللہ عنہ اس طرف تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت پر درد والم کا غلبہ ہے اور ہمارے درمیان قرآن مجید موجود ہے اور وہ ہمارے واسطے سند ہے اور بعض روایات میں یہ مزید آیا ہے کہ آدمی شدت مرض میں وہ باتیں کہتا ہے جو کہ اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتی ہیں ہو سکتا ہے کہ آنحضرت کی بھی یہ باتیں اس قسم سے ہی ہوں۔ اور ایسا نہ ہو کہ منافقوں وغیرہ کو یہ کہنے کا موقع نہ مل جائے کہ آنحضرت نے اس قسم کی ہذیانی باتیں کی ہیں۔ جیسی باتیں کہ بیمار لوگ بیماری کی سختی میں کرتے ہیں اور دیگر ایک جماعت بھی عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت میں تھی اور ایک جماعت مخالف تھی۔ حتیٰ کہ اختلاف پڑ گیا اور آوازیں بلند ہوئیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے سے اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ رسول خدا کے سامنے رفع صوت مناسب نہ ہے۔ اس کے باوجود آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔

آنحضرت کی تین وصیتیں:- ایک وصیت یہ فرمائی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دیں۔ دوسری یہ کہ جماعتیں اور وفود جو تمہارے پاس آئیں ان کو صلہ و انعامات دیا کریں۔ جیسے کہ میں دیتا رہا ہوں اور تیسری وصیت کو راوی بھول گیا ہے۔ اور یا اس کے اظہار میں اس نے مصلحت نہیں دیکھی۔ (کذا قال العلماء واللہ اعلم)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کیسی سخت مصیبت ہے کہ لوگ چھوڑتے نہیں ہیں کہ خدا کا پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وصیت نامہ تحریر فرمائیں اور بعض روایت آئی ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ پنج شنبہ کا دن۔ یہ پنج شنبہ کا دن کیسا دن تھا۔ جب یہ قضیہ واقع ہوا۔ اور ابن عباس رونے لگے کہ ان کے رخساروں پر آنسو مروارید موتیوں کی مانند لڑیوں میں بہنے لگے۔ اور یہ قصہ جو مذکور ہوا بیان کیا۔ حتیٰ کہ ابن عباس کے فہم میں کیا چیز آئی اور ان کے خیال شریف میں کیا تھا۔ یعنی کہ آنحضرت کی زندگی کے آخری وقت وصیت وجود میں آئی۔ جو کہ اختلاف و نزع کے رفع کرنے کا باعث بنتی اور زیادہ تر لوگوں کے ذہنوں میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت کا مقصود خلیفہ کا تعین تھا۔ کہ آنجناب کے بعد کون ہوگا اور حدیث کے الفاظ میں اور اس حال میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آنحضرت کیا لکھنا چاہتے تھے۔ ظاہر تو یوں ہوتا ہے کہ

بیان احکام کی تجدید کے لئے اور شرائع اور فرائض اور ان کی ضروریات بیان کرنا چاہتے تھے۔ اور علاوہ ازیں بعض وہ مواعظ و نصائح جو مسلمانوں کے مناسب حال تھے ان کو یاد کراتے۔ جیسے کہ مذکورہ وصیت کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اور معلوم رہے کہ وحی نازل نہ ہوئی تھی اور اس کا حکم بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اگر دیا گیا ہوتا تو اس سے سکوت یا عدول ہرگز کسی صورت بھی نہ کیا جاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صلاح کار تھے اور آنحضرت نے بھی ان کو اس سے منع نہ فرمایا۔ جیسے کہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت نے ان کو فرمایا کہ لوگوں میں عام اعلان کردیں کہ جو کوئی صدق دل سے لا الہ الا اللہ کہے گا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ پس حضرت عمر نے ابوہریرہ کو منع کردیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں کو رہنے دیں کہ وہ عمل کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان کی عرض قبول کرلی۔

اور جب آنحضرت نے سنا کہ صحابہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ تو آپ نے سکوت فرمایا اور مطمئن ہو گئے کہ یہ لوگ دین پر راسخ اور ثابت قدم ہیں۔ دیگر کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ اور چونکہ آپ کو شور پسند نہ تھا لہٰذا آپ نے فرمایا کہ اٹھو اور چلے جاؤ اور شاید شیعہ لوگوں کے ذہنوں میں یوں آیا ہو کہ آنحضرت نے چاہا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمادیں۔ تو عمر ابن خطاب نے یہ کام رکوادیا۔ لیکن قصہ کے سیاق میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے اس چیز پر دلالت ہوتی ہو۔ لیکن قرینہ حدیث سے وصیت ابی بکر زیادہ اقرب ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو طلب فرمایا کہ عہد نامہ لکھے واللہ اعلم۔

امامت صدیق:- اور ازاں جملہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمانا بھی ہے کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم صرف تین دن تک دوران مرض لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ پھر حکم فرمایا کہ ابوبکر کو کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں اور بعض سترہ نمازیں بھی بتاتے ہیں اور جب نماز عشاء کی اذاں ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور ان کی امامت کریں اور زہری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ باہر نکلیں اور لوگوں کو کہیں کہ نماز پڑھیں۔ پس عبداللہ بن زمعہ باہر آئے اور عمر بن الخطاب سے ملاقات کی اور ان کو کہا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھاؤ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو ان کی آواز بلند تھی (یہ جہیر الصوت تھے)۔ آنحضرت نے حضرت عمر کی آواز سنی اور کہا کیا یہ عمر کی آواز نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ اس سے منع فرماتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ابوبکر کے پیچھے نماز ادا کریں۔ (کذا ذکرنی المنتقی)

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت کے ایام مرض میں بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے آذان کہی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا کہ وہ باہر جا کر ابوبکر کو کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس عبداللہ باہر نکلے تو دروازہ پر کوئی نہ ملا۔ سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے۔ اور ایک جماعت صحابہ کے جن میں ابوبکر موجود نہ تھے۔ پس انہوں نے عمر سے کہہ دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس جب حضرت عمر نے تکبیر بلند کی اور عمر رضی اللہ عنہ سخت

آواز والے تھے۔ پس آنحضرت علیہ السلام نے ان کی آواز سنی۔ پس آپ نے نے فرمایا اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے اور مسلمان بھی سوائے ابوبکر کے۔ آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن زمعہ سے کہا کہ تم نے برا کام کیا ہے جو کیا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید آنحضرت نے حکم اس طرح فرمایا ہے کہ تو مجھ کو یہ حکم کرے عبداللہ نے کہا کہ نہیں۔ واللہ حکم نہ فرمایا تھا مجھ کو کہ کسی کو حکم کروں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ اور آنحضرت کے دروازہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا۔ ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے اور فریاد بلند کرتے ہوئے باہر آئے اور ان کی فریاد امید ٹوٹ جانے اور کمر شکستہ ہو جانے سے تھی۔ کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر پیدا ہوا ہی تھا تو کاش کہ میں مرجاتا اس دن سے پہلے ہی اور پیغمبر خدا سے یہ حال نہ دیکھتا پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور حکم کیا اے ابوبکر! آنحضرت کا ارشاد ہے کہ آپ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں لوگوں کو۔

پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو رسول اللہ سے خالی دیکھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل تھے۔ بڑے اندو ہگین ہوئے یہاں تک کہ برداشت نہ کر سکے اور منہ کے بل بے ہوش گر پڑے اور صحابہ نے رونا شروع کیا اور فریاد کرنے لگے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں آواز پڑی تو فرمایا اے فاطمہ رونے اور فریاد کرنے کی آواز کیسی ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ نے عرض کیا کہ یہ آواز مسلمانوں کی ہے کہ روتے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں۔ کیونکہ آپ انہیں مسجد میں دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ پس آپ نے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان پر سہارا لیتے ہوئے باہر مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت! تم اللہ تعالیٰ کی وداع' اس پناہ اور اس کی حفاظت و نصرت و تائید میں ہو اور تمہاری حفاظت طاعت اور تقویٰ میں اللہ ہی میرا خلیفہ ہے اور تحقیق میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں اور اسے چھوڑ رہا ہوں۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر گرانی ہو گئی یعنی آپ مسجد میں نہ آسکتے تھے اور عشاء کی نماز کا وقت تھا اور صحابہ مسجد میں آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا نماز پڑھی گئی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھ دیں۔ پس دوبارہ غسل فرمایا۔ اور بے ہوش ہو گئے۔ اور اس طرح تین مرتبہ اٹھے اور غسل فرمایا اور بے ہوش ہو جاتے۔ پس تیسری دفعہ ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے سات مشکیزہ پانی سے غسل فرمایا اور مشکیزہ کا منہ کھلا چھوڑا نہ گیا تھا۔ پس بلال رضی اللہ عنہ نے آکر آنحضرت کو نماز کے لئے عرض کیا۔ جیسے کہ ان کا معمول تھا کہ اذان دے کر در رسول پر حاضر ہوتے تھے اور نماز کے لئے عرض کرتے تھے اور صحابہ کے حاضر مسجد ہو جانے کا پتہ دیا کرتے تھے آنحضرت نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے گزارش کی۔ یا رسول اللہ! میرے ابا جان تو بڑے نرم دل

والے ہیں۔ وہ جس وقت آپ کا مصلی پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن کی تلاوت نہ سنا سکیں گے۔ آپ اگر عمر کو حکم فرما دیں تو یہ کام ہو سکتا ہے۔ آنحضرت نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ سے کہا کہ تم آپ سے عرض کرو کہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہونے کی بنا پر لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ پس آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اے عورتو! تم یوسف کی صواحب ہو۔ اس سے مراد یہ تھا کہ تمہارے دل میں کچھ اور ہے اور زبان سے کوئی اور بات کہہ رہی ہو۔ ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانا شروع کیا۔ اس وقت آنحضور نے کچھ آرام و افاقہ محسوس فرمایا لہٰذا آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دو آدمیوں پر سہارا لئے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی احساس ہونے لگا کہ آنحضرت تشریف فرما ہو گئے ہیں۔ پس انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اشارہ فرما دیا کہ تم اپنی جگہ پر ہی رہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں آئے اور بیٹھ گئے اور ابوبکر کھڑے ہی رہے۔ اب ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کے مقتدی تھے اس سے یہ مراد ہے کہ ابوبکر آنحضرت کے افعال و انتقالات کی مطابقت میں تکبیر بلند کرتے تھے اور لوگوں کو خبر ہوتی جاتی تھی۔

اور کچھ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ امام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی اقتدا کر رہے تھے۔ علماء کا قول ہے کہ امامت ابوبکر پر مشتمل متعدد احادیث ہیں۔ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و نعمت سے میں جناب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت لی اور اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔ حضرت صدیق کی رہائش سخ کے مقام میں واقع تھی۔ یہ جگہ مدینہ شریف کے بالائی حصہ میں تھی۔

حبیب خدا مقتدی کے طور پر:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امت میں سے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی سوائے ایک دفعہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور ایک مرتبہ ایک رکعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک سفر کے دوران ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر جہاد میں وہ رسول اللہ صلی اللہ و آلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آنحضرت قضائے حاجت کے لئے چلے گئے تھے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ پس صحابہ نے تکبیر کہی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ آنحضرت کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ جانا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے ان کو اپنی جگہ پر قائم رہنے کے لئے اشارہ فرمایا۔ جیسے کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک رکعت نماز حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اقتدار میں ادا فرمائی اور ازاں بعد آپ نے کھڑے ہو کر باقیماندہ نماز پوری فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیاء سے کوئی نبی اس وقت تک رخصت نہیں ہوا جب تک اس نے اپنی امت کے کسی نیک آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑی۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رومی جبہ خفیفہ الکمین پہننا

مقتدی حبیب خدا

پیشانی پر اور عمامہ پر مسح کرنا' موزوں پر مسح کرنا' دونوں پاؤں دھونا اور ملحق کرنا اور پاؤں دھونے ہیں احتیاط نہ کرنے پر وعید فرمائی اور فرمایا ویل للا عقاب من النار واقع ہوا ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے لئے تخصیص فرمانا اور اس میں آنحضرت کا مبالغہ فرمانا اہل سنت و جماعت کے لئے ایک واضح دلیل ہے ان کی تقدیم خلافت پر۔ جبکہ صحابہ قریش کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ لیکن حضرت صدیق ہی کو مخصوص فرمایا اور آگے بڑھایا۔ یہی سبب ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ **قدمک رسول اللّٰہ نمن الذی یوء خرک** اللہ تعالیٰ کے رسول نے جب آپ کو آگے بڑھادیا ہے اور مقدم فرمادیا ہے تو اب آپ کو موخر کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اسد الغابہ میں بروایت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا وہاں پر میں بھی حاضر تھا اور غائب نہ تھا۔ اور میں تندرست بھی تھا نہ کہ بیمار۔ اگر نبی کریم چاہتے تو مجھے بھی آگے بڑھا سکتے تھے۔ پس ہم اپنی دنیا میں اس شخص پر راضی ہو گئے جس پر دین کی خاطر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول راضی ہو گئے۔

یہاں پر خلافت کو دنیا سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ فقط ظاہرا" ہے اس میں دین و دنیا دونوں سے متعلقہ باتیں شامل ہیں اور نماز تو خالص دین ہے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قبا شریف کی طرف گئے کہ وہاں رہنے والے بنو عمر میں جو نزاع اور جھگڑہ ہے اسے نپٹادیں پس جب نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر سے پوچھنے لگے کہ کیا رائے ہے آپ کی۔ اب نماز کا وقت ہو چکا ہے کہ میں اذان کہوں۔ ممکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تشریف لے ہی آئیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو واپس تشریف لانے میں بہت تاخیر ہوئی تو صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت فرمانے کے لئے آگے بڑھادیا ناگاہ اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ و سلم بھی تشریف لے آئے۔ لہذا ابوبکر صدیق نے پیچھے ہٹ جانا چاہا۔ تاکہ آنحضرت آگے تشریف لے آئیں اور نماز پڑھائیں۔ پس آنحضرت نے ان کو اپنی جگہ پر وہیں قائم رہنے کے لئے اشارہ فرمادیا۔ ازاں بعد ان کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ و سلم نے نماز ادا کی۔ یہاں سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ جملہ صحابہ کرام پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متقدم اور متعین تھے۔

قبر کے سامنے سجدہ ممنوع ہے:- اور ایک واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے دنیا سے رحلت فرمانے سے پانچ روز پہلے ارشاد فرمایا کہ تم جان لو اور خبردار ہو جاؤ کہ تم سے قبل ایسے لوگ گزر چکے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ تم پر واجب ہے کہ اس طرح ہرگز نہ کرنا۔ ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا **لعن اللّٰہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم مساجدا** یہودیوں اور نصاریٰ پر رب تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا اے خدا! میرے بعد میری قبر کو بت نہ بنا دینا۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب اور زیادہ ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجد بنایا۔ اے مسلمانو! بے شک میں تم کو اس کی ممانعت کرتا ہوں۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا **لا ھل بلغت اللھم اشھد اللھم اشھد** خبردار میں نے تم کو خبر کر دی ہے۔ اے میرے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے میرے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اس قدر یہ مبالغہ اور

تاکید ہے مخالفت میں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ چیز بڑی بڑی اور شنیعہ ہے۔ تفصیل کلام یوں ہے کہ قبر کو مسجد بنانا اس کا مطلب ہے قبر کو سجدہ کرنا۔ یہ دو طرح سے ہے۔ ایک یوں کہ قبر کو سجدہ کرے۔ اور اس کا مقصد اس کی پوجا کرنا ہو جیسے کہ بت پرستوں کا معمول ہے۔ دوسرے یوں کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی ہی مقصود ہو۔ لیکن نماز اور عبادت میں ان قبور کی طرف منہ کر لینا قرب حق اور رضاالٰہی کا سبب سمجھا جائے تاکہ یہ عبادت میں شامل ہیں لہٰذا یہ موقع عظیم ہے اور یہ کہ یہ اپنے نبی کی تعظیم میں مبالغہ کی صورت ہے' یہ دونوں صورتیں مقبول و مشروع نہیں ہیں۔

اول صورت تو خود ہی شرک جلی اور کفر صریح اور دوسری صورت بھی شرک خفی پر مشتمل ہونے کی بنا پر حرام ہے اور ممنوع ہے۔ اور ہر لحاظ سے لعنت متوجہ ہے اور تبرک و تعظیم کے قصہ سے نبی یا مرد صالح کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور علماء میں سے کسی کو اس بارے میں اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اگر قبر کے نزدیک مسجد بنائیں تاکہ نماز وہاں پڑھ لیا کریں بغیر قبر کی طرف توجہ کرنے کے۔ تاکہ وہاں کی مجاورت و ہمسائیگی میسر ہو جہاں پر انسانی جسم مطہرہ دفن ہے اور ان کی نورانیت اور روحانیت کے امداد سے عبادت کمل اور قبول ہو جائے تو اس طریقے سے ہو تو یہ حکم لازم نہیں آتا ہے۔ اور اس میں کوئی باک نہیں ہے۔ یہ تمام شیخ ابن حجر نے شرح مشکوۃ شریف میں ذکر کیا ہے۔

قبر کو بوسہ دینا ناجائز ہے:- دیگر بات یہ ہے کہ بعض لوگ مقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ مٹی پیپ اور خون اور دیگر نجاستوں سے پاک ہو جو مردے سے جدا ہوتی ہیں تو نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ **وھو المختار** اور قبر کو بوسہ دینا اور اس کو سجدہ کرنا اور اس پر پیشانی رکھنا وغیرہ حرام و ممنوع ہے اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے کے بارے میں بیہقی کی روایت نقل کرتے ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

شب وصال شریف چراغ کے لئے تیل نہیں تھا:- ان واقعات ایام مرض سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر میں سات دینار موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ کہیں سے لائے گئے تھے۔ وہ تمام ہی فقیروں میں بانٹ دیئے گئے۔ ان میں سے صرف چھ یا سات درہم گھر میں باقی پڑے تھے۔ پس آنحضرت دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ وہ بھی تقسیم نہ فرمادیئے گئے۔ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے پاس سات دینار تھے اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھے ہوئے تھے اور جب آپ بیمار پڑے تو آپ نے فرمایا کہ وہ سونا بھیج دو کہ اسے تقسیم فرمادوں۔ اس کے بعد آپ بے ہوش ہو گئے اور آنحضرت علیہ السلام کی خدمت گزاری کے باعث سیدہ وہ کام نہ کر سکیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار بے ہوش عارض ہو جاتی تھی اور عائشہ مشغول ہو جاتی تھیں پس وہ حضرت علی کو بھیج دیئے گئے کہ وہ خرچ کر دیں۔ یعنی صدقہ و خیرات کر دیں اور آپ پھر بے ہوش گئے۔ پھر ہوش میں آئے تو پوچھا کیا تو نے وہ صدقہ کر دیئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں

نے ابھی نہیں کئے ہیں۔ پس وہ واپس منگوائے اور وہ سونے کے پترے آپ نے اپنی ہتھیلی میں لے لئے اور فرمایا کہ تمہارا کیا گمان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے پروردگار سے ملے گا۔

تو یہ سونے کے پترے ابھی اس کے پاس ہی ہوں گے۔ (راوہ البیہقی)

اور جب سوموار کی شام ہوئی تو انصار کی ایک عورت کے پاس سیدہ عائشہ نے اپنا چراغ بھیجا جو کہ ان کی سہیلی کا تھا کہ اگر تمہارے پاس تیل تھوڑا سا ہے تو اس چراغ میں ڈال دو کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزع کا عالم ہے۔ سبحان اللہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سات دینار صدقہ کر دیئے گئے ہیں۔ اور گھر میں چراغ کے اندر تیل بھی نہیں ہے۔ اس سے طریقہ اتباع ان دعویداروں کے لئے ہدایت ہے جو کہ اپنا گھر تو مال و متاع سے بھرا رکھتے ہیں اور حرام مال میں مشغول ہوتے ہیں اور پھر محبت خدا اور رسول اور اتباع کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

انصار کے حق میں وصایا:۔ انہی واقعات سے ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ نے انصار کی شان میں وصیتیں فرمائیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ بیماری کے دنوں میں جب آنحضرت کو تھوڑا سا افاقہ ہوا تو آپ نے باہر نکل کر لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی اور خطبہ پڑھا۔ اور آپ نے فرمایا۔ ان انصار عیبتی۔ بلاشبہ انصار ایک صندوق کی مانند ہیں جس سے ملبوسات اور قیمتی چیزیں رکھتے ہیں۔ دوسری ایک روایت میں آیا ہے کروشی و عیبتی۔ کرشی معدہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی کہ پیٹ۔ انصار کو کرشی اور معدہ مثال دی گئی۔ گویا کہ وہ میرے خواص ہیں اور میرے اسرار ان میں پوشیدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی جانب میں ہجرت کر کے آیا۔ انہوں نے مجھ کو جگہ بھی دی اور محبت اخلاص اور دوستی اور مروت کا مظاہرہ کیا۔ اور وہ تم سے بھی یہی برتاؤ کرتے رہے مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے انصار کے ساتھ محبت ہے۔

سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ روز بروز آنحضرت کا مرض بڑھتا جاتا ہے تو ان کو اپنے گھروں میں صبر و آرام نہ آتا تھا اور حیران اور سراسیمہ ہو کر مسجد کے گرد گھومتے رہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ آنحضرت دنیا سے انتقال فرما جائیں گے۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ ان کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ ان کے حال کی کیفیت سید عالم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کی سماعت شریف تک پہنچی آپ اٹھے اور ایک ہاتھ حضرت علی کے کندھے پر اور ایک ہاتھ فضل بن عباس کے کندھوں پر رکھا۔ رضی اللہ عنہم اور پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹے جاتے تھے۔ اور حضرت عباس ان کے آگے آگے چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ مسجد میں آئے اور منبر شریف کی پہلی سیڑھی پر بیٹھ گئے اور سر مبارک پر کپڑا باندھا۔ پس وہاں لوگ جمع ہو گئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اے لوگوں میں نے سنا ہے کہ تم کو میری موت کا خدشہ ہے۔ گویا تم میری موت سے منکر ہو اور کس سبب سے اپنے پیغمبر کی موت کا انکار کرتے ہو۔ تمہیں لوگوں نے میری موت کے بارے میں خبردار کیا ہے اور تمہاری موت کے بارے میں بھی اور فرمایا ہے کہ انک میت وانہم میتون اور فرمایا کہ کوئی پیغمبر اپنی قوم میں ہمیشہ نہیں رہا۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں ہمیشہ رہوں۔ آگاہ رہو کہ میں نے اور تم سب نے اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جانا ہے۔ میں مہاجرین اولین کو وصیت کرتا ہوں کہ نیکی بجالاؤں اور مہاجرین کو وصیت کرتا ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی

کرو۔ پس آپ نے سورت والعصر کی تلاوت فرمائی آخر تک اور یہ آیت پاک پڑھی۔ **فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم** الایۃ۔ اشارہ اس طرف ہے جو کچھ کہ مروانیہ اور عباسیہ بادشاہوں اور امراء نے اہل بیت نبوت کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ یعنی جفاو ستم اور میں تم کو وصیت کرتا ہوں انصار کی شان میں اور فرمایا اے انصار! میرے بعد تم پر ایک جماعت کو مختار کردیا جائے گا اور تم پر ترجیح دی جائے گی۔ انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ فرمائیے کہ ہم ان کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔ آپ نے فرمایا تم صبر کرنا۔ یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے پر مجھ سے آملو۔

سیرت نگار حضرات بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک انصاری پر ظلم کیا گیا۔ وہ داد رسی کے لئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور اس کی داد رسی نہ کی گئی انصاری شخص نے کہا کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبردی تھی کہ ہم پر ظلم کیا جائے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر آپ نے تمہیں کیا فرمایا تھا۔ اس نے کہا کہ فرمایا تھا کہ تم صبر کرنا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ پس تم جاؤ اور صبر کرو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ قریش کی شان میں بھی وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں یعنی قریش کے لئے امر خلافت کی اور فرمایا۔ الائمۃ من قریش اور بلال رضی اللہ عنہ کو بلاکر حکم فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے دو کہ وہ تمام جمع ہو جائیں تاکہ میں ان کو وصیت فرماؤں۔ اور کہو کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آخری وصیت ہے پس بلال رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق عمل کیا اور مدینہ شریف کے بازاروں میں اعلان کردیا۔ پس تمام چھوٹے بڑے لوگوں نے جب یہ سنا تو اس اضطراب میں اپنے گھروں اور دوکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ کر فوراً مسجد میں آکر اکٹھے ہو گئے یہاں تک کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کی بیٹیاں اور دوشیزائیں بھی اپنے گھروں سے باہر آگئیں اور اتنے لوگ اکٹھے ہو گئے کہ وہ مسجد میں نہ سما سکتے تھے اور آنحضرت نے فرمایا **اوسعوا ورءکم** پھر ایک بلیغ اور طویل خطبہ فرمایا اور جو بھی مناسب حال احکام و شرائع مواعظ و نصائح اور اداب تھے ان کی تعلیم دی اور اعلان فرمادیا اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے میرے رخصت ہو جانے کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ جس کسی کو مجھ پر کوئی حق ہے وہ اپنا حق پورا کرے جان و مال یا کوئی اور چیز جو کچھ بھی ہو اس کا قصاص وصول کرے۔

پس ایک شخص اٹھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا آپ پر دو تین درہم کا حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کسی کی تکذیب نہیں کرتے اور میں تم کو قسم اٹھانے کو بھی نہیں کہتا۔ بتاؤ کہ یہ درہم کیسے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ ایک روز ایک مسکین آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے مجھے فرمایا تھا کہ اس کو تین درہم دے دو۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے فضل! اس کو تین درہم ادا کرو۔ اور پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جس کسی پر کوئی حق ہے وہ ابھی ادا کردے اور یہ نہ کہے کہ میں فضیحت سے ڈرتا ہوں۔ جان لو کہ دنیا کی فضیحت آخرت کی فضیحت سے آسان تر ہے پس لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھا اور عرض کیا کہ میں نے مال غنیمت سے تین درہم خیانت کئے تھے۔ اور وہ حق میری گردن پر باقی ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کیوں

خیانت کئے تھے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان کا محتاج تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے فضل! وہ اس سے لے لو۔ پھر فرمایا اگر کسی میں کوئی ایسی صفت ہے۔ جس سے برائی کا ارتکاب ہوتا ہے تو اٹھ کر بتائے تاکہ میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماؤں۔ ایک مرد اٹھا اور عرض کیا یا رسول! یا رسول اللہ! میں کذاب ہوں۔ فحش گو ہوں اور اور بہت سوتا ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی اے خدا! اس کو صدق و سچائی عطا فرما اور نیند دور کردے اور بیداری عطا فرما اس وقت پر جب یہ بیداری چاہتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کذاب اور منافق ہوں اور کوئی برا کام نہیں جو میں نے نہ کیا ہو۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے مرد! تو اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے آسان ہے۔ پس آپ نے دعا فرمائی اے خدایا! اس کو صدق و راستی اور ایمان عطا فرما۔ اور اس کے دکو برائی سے دور رکھ اور نیکی کی جانب مائل فرمادے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بات کی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آہ وسلم مسکرانے لگے اور فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہے اور میں عمر کے ساتھ ہوں اور حق عمر کے ساتھ ہے اور جہاں بھی وہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آہ وسلم نے اس طرح سے وعظ و تذکیہ فرمائی۔ اور اپنے گھر میں تشریف لے آئے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم جملہ صحابہ کرام کے حق میں بجا لائے اور فرمایا کہ مجھے یہ خدشہ نہیں ہے کہ تم کفر کرو گے یا شرک کرو گے۔ لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے اور ایک دوسرے کو قتل کرو گے اور ازواج مطہرات کو نصیحت فرمائی کہ تم کو لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنے گھر کے گوشہ میں محفوظ رکھو۔ اور نامحرم سے مستور رہو۔ اور یہ آیت پڑھی۔ **وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج اجاہلیت الاولی**

آنحضرت کا مسواک فرمانا:۔ واقعات سے ایک واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قبل از وصال مسواک فرمانا ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے سینہ اور آغوش سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ ناگاہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے وہ ہاتھ میں سبز مسواک لئے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسواک کی جانب دیکھنے لگے۔ مجھے پتہ چل گیا کہ آپ مسواک پسند فرمارہے ہیں اور مسواک کی ضرورت محسوس فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ کیا آپ کے واسطے میں یہ لے لوں۔ آپ نے اپنے سر مبارک کے ساتھ مجھے اشارہ فرمایا کہ لے لو۔ میں نے لے لی اس کو نرم کردیا اور پھر آنحضرت کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ آنحضرت نے خوب مسواک کی۔ اور اپنی عادت شریفہ سے بھی زیادہ کی۔ ازاں بعد آپ نے وہ مجھے واپس دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات کے آخری دن میرا لعاب دہن آنحضرت کے لعاب دہن میں ملادیا۔ وہ حیات آخروی کا اول دن تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس بات سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج پر فخر کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اللہ کی نعمتوں سے ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے گھر میں میری نوبت میں میری

آغوش میں میرے حجرہ میں اور میرے سحر و نحر میں وصل پایا۔ اور بوقت وصل شریف آپ کے لعاب دہن میں میرالعاب دہن بھی ملا ہوا تھا۔

مواہب الدینہ میں عقیل کی بیان کردہ ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا۔ کہ میرے واسطے ایک تر مسواک لاکر نرم کرو۔ ازاں بعد وہ مجھے دو تاکہ میں اس کو چباؤں تاکہ میرالعاب تمہارے لعاب میں مل جائے۔ اور اس سے مجھ پر وصال آسان ہو جائے۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) حصہ اللہ . بمزید العلم والیقین کہتا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نرم کی ہوئی مسواک کو چبانا عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک فعل کا بدلہ تھا۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ حالت صحت میں آنحضرت مسواک کرتے تھے۔ پس وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی کہ اس دھو کر دے دے۔ عائشہ رضی اللہ عنہانے پہلے وہ مسواک مبارک اپنے منہ میں لے کر چوس لی پھر دھو کر آنحضرت کو دے دی۔ لیکن اس جگہ غرابت پائی جاتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مسواک کو میرے لئے مضغ (نرم) کرو اور مجھے دو تاکہ مجھ پر موت آسان ہو جائے۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا غایت شرف واکرام ہے اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔

مولف مواہب الدینہ اس کی شرح میں اور اس معنی کے بیان میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ چونکہ انسان موت کو مکروہ جانتا ہے بحکم طبیعت۔ خدا تعالیٰ نے اسے اپنے لقاء کے ذریعے اپنے انبیاء اور صالحین کے لئے آسان کر دیا نیز ہر اس چیز کے ذریعے سے جس کو وہ تحائف اور کرامات امداوات اور اعانات میں سے محبوب رکھتا ہے آسان فرمادیتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں سے ان کی جان قبض کرلی جاتی ہے اور وہ مرنے والا موت کا محب اور مشتاق ہوتا ہے بوجہ تمثل کیا گیا ہونے کے اور اسے شوق وذوق حاصل ہو گیا ہوتا ہے۔

اور آنحضرت نے خود مومنین کے بارے میں خبر اعلیٰ میں فرمایا ہے کہ مومن کی جان جس حال میں بھی قبض کی جاتی ہے۔ وہ اچھا ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہا ہوتا ہے۔ تو انبیاء سلام اللہ وصلوٰتہ علیہم اجمعین کا کیا حال ہو گا۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کا کیا مقام و کیفیت ہو گی اور یہ سنت جاریہ کہ انبیاء کے موت وبقا کے بارے اختیار دیا جاتا ہے کہ جو چاہیں اختیار فرمالیں۔ اس میں بھی یہی مصلحت موجود ہے۔ کہ بتحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑے خوش ہوئے اور ان کی مدد چاہی اور اس حال میں عائشہ صدیقہ سے آپ کو انس تھا اس محبت کے باعث جو کہ آپ کو ان کے ساتھ تھی کیونکہ محبت الم کو کم کرتی ہے۔ بیت۔

یقین میدان کہ شیران شکاری درین راہ خواستند از موریاری

اور مسند میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہوا ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر موت آسان کر دی گئی ہے کیونکہ عائشہ کی ہتھیلی میں نے جنت میں دیکھی ہے۔ دیگر ایک حدیث میں بھی ابن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مرسل طور پر روایت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں ہے کہ میں

نے جنت میں انہیں دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ مجھ پر ان کے باعث موت آسان کی گئی۔ گویا کہ عائشہ کی دونوں ہتھیلیاں میں جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سیدہ عائشہ سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ حتیٰ کہ سیدہ عائشہ جنت میں آنحضرت کی خاطر متمثل کی گئیں تاکہ اس سے آنحضرت کی موت آسان ہو جائے۔ کیونکہ دو محبوبوں کا اجتماع باعث سرور زندگی ہوتا ہے اور محبوبوں کے دیدار میں بوستان کا ذوق ہوتا ہے۔

اور بے شک آنحضرت سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو لوگوں میں سے محبوب ترین کون ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ پھر اس نے پوچھا کہ مردوں سے کون ہے۔ تو آپ نے بتایا ان کے والد یہی وجہ ہے کہ بیماری کے آغاز پر سیدہ عائشہ نے کہا کہ ہائے میرا سر۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میرا سر۔ اور آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ مجھ سے قبل تمہاری رحلت ہو جائے تاکہ میں پیچھے رہوں اور تمہاری نماز پڑھوں اور تمہاری تدفین کروں۔ سیدہ کے لئے یہ بات ناگوار ہوئی۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ تو چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔ جبکہ حقیقت میں آنحضرت کی بات سے مقصود یہ تھا کہ میری رحلت تو مقرر ہو چکی اور چاہتا ہوں کہ عائشہ مجھ سے پہلے وہاں پر چلی جائیں۔ اور وہاں اس عالم میں دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ صاحب مواہب الدینہ کے کلام کا جو ماحصل ہے وہ بہت ہی دقیق ہے اور ذوق وجدان پر مبنی ہے۔

صحابہ کو فجر کی نماز پڑھتے دیکھا:۔ ایام مرض کا ایک واقعہ یہ ہے کہ جس دن آپ نے وصال پایا اسی دن فجر کی نماز پڑھتے ہوئے صحابہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دروازے کا پردہ ہٹا کر مسجد میں دیکھا۔ آپ نے دیکھا کہ نماز فجر ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں آپ دروازے پر کھڑے رہے اور آپ کی نظر مبارک ان پر لگی ہوئی تھی۔ بلکہ یوں کہئے کہ آنحضرت کا رخ انور مصحف کا ایک ورق ہے۔ یعنی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت کے رخ انور کو اس کی نورانیت اور نظافت کی وجہ سے مصحف کے ورق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ (رواہ انس رضی اللہ عنہ)۔ اور یہ نہایت عمدہ تشبیہ ہے ازاں بعد آنحضرت تبسم ہوئے آنحضرت جب دروازے پر کھڑے تھے تو صحابہ کو گمان ہوا کہ شاید آپ باہر تشریف فرما ہو رہے ہیں لہٰذا وہ بہت خوش ہو گئے اور خواہش کرنے لگے کہ آنحضرت نماز کے واسطے تشریف لے آئیں۔ ایک شاعر کیا خوب کہتا ہے۔ ع

نماز را بگزارم تر اسلام کنم

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جانا چاہا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بجانب صحابہ اشارہ فرمادیا کہ وہ سب اپنی جگہوں پر قائم رہیں اور نماز کو مکمل کریں۔ اس کے بعد آپ نے دروازے کا پردہ چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس روز وصال پا گئے تھے۔

ملک الموت اجازت مانگتا ہے:۔ ایام مرض میں یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آنحضرت کے واصل بحق ہونے سے تین دن پہلے جبریل علیہ السلام آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لائے آپ سے رب تعالیٰ دریافت فرماتا ہے

کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہیں۔ روز شنبہ کا یہ واقعہ ہے۔ ازاں بعد ملک الموت حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے اجازت مانگی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے کہ جس بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصال ہوا اس کے دوران جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتے ہیں اور فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں اور آپ کا حال کیسا ہے تو آنحضرت نے جواب دیا۔ اے امین اللہ! میں درد و الم محسوس کرتا ہوں۔ کچھ روایات میں اس طرح وارد ہوا۔ کہ فرمایا اے جبریل! میں غم و اندوہ کو محسوس کرتا ہوں۔ اگلے دن دوبارہ جبریل حاضر ہوئے اور مزاج شریف کے متعلق پوچھا۔ آنحضرت نے پھر یہی جواب دیا۔ تیسرے دن جبریل پھر آئے۔ ان کے ساتھ ملک الموت کے علاوہ ایک اور فرشتہ بھی تھا۔ جس کا نام اسماعیل تھا جو ستر ہزار فرشتوں پر حکمران ہے اور ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ فرشتہ پر حکمران ہے پھران فرشتوں میں سے ہر فرشتہ ستر ہزار یا ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔

جبریل نے عرض کیا اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور پوچھتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے درد و الم محسوس ہو رہا ہے۔ آنحضرت نے پھر پوچھا۔ جبریل یہ تمہارے ہمراہ اور کون ہیں۔ جبریل نے جواب دیا یا رسول اللہ! یہ ملک الموت ہیں۔ اور دنیا میں یہ میرا آخری عہد ہے آپ کے بعد اور دنیا میں آپ کا آخر عہد ہے۔ اور آپ کے بعد میں اولاد آدم سے کسی پر نہیں آؤں گا۔ اور آپ کے بعد میں زمین پر نہیں اتروں گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سکرات موت اور اس کی شدت کا احساس ہونا شروع ہوا۔ اور آنحضرت کے نزدیک پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ پڑا تھا۔ آنحضرت اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے تھے اور تر کرنے کے بعد اس سے اپنے چہرہ اقدس پر مسح فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے **الھم اعنی علی سکرات الموت** اور ایک روایت میں ہے۔ **علی منکرات الموت** دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ فرماتے تھے **لا الہ الا اللّٰہ ان اللموت سکرات** اور علماء فرماتے تھے کہ آنحضرت پر سکرات موت اس قدر دشوار تھی کہ آپ کا رنگ کبھی سرخ ہو جاتا تھا اور کبھی زرد۔ اور کبھی دایاں ہاتھ اور کبھی بایاں ہاتھ کھینچتے تھے اور آپ کے رخسار پر انوار پر پسینہ آیا ہوا تھا۔

اور وہ قصہ مسواک جو سابقاً" مذکور ہوا وہ اس وقت کا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ نے یہ کلمات فرمائے **اللھم رب اغفرلی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آپ کا آخری کلام تھا میں نے آپ سے سنا۔

اور مواہب الدینہ میں سہیل سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے۔ (کتب واقدی میں) کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا سے رضاعت کے دوران سب سے پہلا کلمہ جو آنحضرت نے فرمایا وہ یہ ہے۔ اللہ اکبر اور آنحضرت نے جو آخری کلمہ فرمایا وہ یہ ہے **الرفیق الاعلی** اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیماری کے دوران آنحضرت جس چیز کی کثرت سے وصیت فرماتے تھے وہ نماز ہے۔ اور غلاموں پر احسان کرنا یہاں تک کہ سینہ مبارک تلجلج کرنے لگا اور زبان کام کرنے سے ٹھہر گئی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے۔ کہ جس وقت آنحضرت

صلی اللہ و آلہ و اصحابہ وسلم عالم سکرات طاری تھا۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر یہ وصیت تھی۔ **الصلوٰة وما ملکت ایمانکم** حتی کہ سینہ اقدس تغرغر کرنے لگا۔ اور زبان مبارک بھی لڑکھڑانے لگی۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ ملک الموت نے اجازت طلب کی۔ پس وہ آنحضرت کی خدمت میں اندر آگئے اور ان کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یا احمد! حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ آپ کی فرمانبرداری کروں۔ اگر آپ حکم فرمائیں کہ آپ کی روح مبارک کو قبض کروں تو قبض کروں گا۔ اور اگر آپ فرمائیں کہ قبض نہ کروں تو نہیں کروں گا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو مخیر کیا ہے پس جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا محمد! خدا تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کی خواہش فرماتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ جس کام کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ کر گزارو۔ اور جبریل عرض کرنے لگے کہ زمین پر میرا نہ آنا آخری ہے۔ اور دنیا میں سے آپ ہی میری حاجت تھے۔ اور آپ ہی کے لئے میں دنیا میں آتا تھا۔ بیت۔

رفت بروئے سر زلف تو حقی بچمن ورنہ کی بوئے نسیم سحری بود غرض

پس سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کا سر مبارک سرہانے پر رکھ دیا اور اس حال میں اٹھیں کہ اپنے منہ کے بل گر رہی تھیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے روز حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب کے پاس جاؤ جن کا نام محمد ہے۔ اور بلا ان کی اجازت کے اندر جانے سے ڈرنا اور یہ کہ ان کے اذن کے بغیر ان کی روح قبض کرنے سے ڈرنا۔ اور یہ قابض ارواح (ملک الموت) ایک اعرابی شکل و صورت میں گھر سے باہر کھڑے رہے۔ اور کہا السلام علیکم اے اہل بیت نبوت **ومعدن الرسالة** مجھے فرمائیں کہ میں آپ کے پاس اندر آؤں۔ آپ پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو۔ اس وقت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سرہانے تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبر اپنے ٹھیک حال میں نہیں ہیں اور یہ ملاقات کا وقت نہیں۔ ملک الموت نے دوبارہ اذن مانگا۔ اور وہی جواب اس نے سنا۔ تیسری بار اذن طلب کیا اور بلند آواز سے طلب کیا۔ اسی طرح کہ جو کوئی بھی وہاں پر موجود تھا۔ اس آواز کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آنحضرت بھی پھر ہوش میں آئے اور اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کی خدمت میں صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا۔ اے فاطمہ! کیا تمہیں علم ہے کہ یہ کون ہے۔ یہ لذتوں کو توڑنے والا اور شہوات کو توڑنے والا ہے۔ جماعتوں کو منتشر کرنے والا اور بیویوں کو بیوہ کر دینے والا اولاد کو یتیم بنانے والا ہے۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو رونے لگیں۔ آنحضرت نے فرمایا اے میری بیٹی! مت رو۔ کیونکہ حاملان عرش تمہارے رونے کے باعث رونے لگے ہیں اور آپ نے اپنے ہاتھ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ مبارک سے آنسو صاف کئے۔ اور ان کی دلداری کی اور ان کو بشارتیں دیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت کے وصال کی خبر والی حدیث اور یہ کہ فاطمہ کا گریہ کرنا اور آنحضرت کا ان کو تسلی دینا کہ سب سے پہلے تو مجھ سے آکر ملے گی اور کہ تو جنت کی عورتوں کی

سردار ہو گی اور اس وقت پر وارد ہوئی تھی اور آپ نے دعا فرمائی اے خدا! فاطمہ کو میری مفارقت میں صبر عطا فرما۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ واکرباہ (آہ کرب)۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارے باپ کے لئے آج کے بعد کوئی کرب واندوہ نہ ہو گا۔ یعنی کہ کرب واندوہ الم کی شدت اور درد کی تکلیف کے باعث تھی۔ اور یہ جسمانی تعلق کے باعث تھا جو کہ لازمہ بشریت ہوتا ہے۔ اس وقت سیدہ فاطمہ سے فرمایا۔ کہ اپنے بیٹوں کو میرے سامنے لاؤ۔ پس سیدہ فاطمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت حسن اور حسین علیہم **التحیتہ والرضوان** کو لائیں۔ انہوں نے جب آنحضرت کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے اور وہ اتنے روئے کہ وہاں پر موجود ہر فرد رونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چوما۔ اور ان کی تعظیم واحترام اور عبرت کی وصیت تمام صحابہ کو کی اور تمام امت کو بھی کی۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو حجرہ میں موجود تھے وہ بھی روئے۔ جب ان کی رونے کی آواز آنحضرت کے کانوں میں پہنچی تو آنحضرت بھی رونے لگے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کے گزشتہ و آئندہ سب گناہ مغفور ہیں رونے کے سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا رونا امت پر رحم وشفقت کے باعث ہے۔ کہ ان کا حال میرے بعد کہاں تک پہنچے گا۔ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آگے بڑھیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی آنکھیں کھولیں اور مجھ پر ایک نظر فرمائیں اور وصیت فرمائیں۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا اے عائشہ! میرے قریب آؤ۔ اور فرمایا کہ کل جو وصیت فرمائی تھی وہی وصیت ہے چاہیے کہ تو اس کے مطابق عمل کرے اور سیدہ حفصہ بھی آگے آئیں اور سیدہ عائشہ سے گفتگو کے طریقے پر ان کے ساتھ بھی گفتگو فرمائی اور تمام ازواج مطہرات کو وصیت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے بھائی علی کو لاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور آنحضرت کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور آپ کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھا۔ آپ نے فرمایا اے علی! فلاں یہودی کا کچھ روپیہ میرے ذمہ جو میں نے لشکر اسامہ کی تیاری کے لئے قرض لئے تھے۔ اس کا حق میرے ذمہ سے ضرور ادا کر دینا۔ اور فرمایا۔ اے علی! سب سے پہلے حوض کوثر کے کنارے تم مجھ سے ملاقات کرو گے۔ اور میرے بعد تم تک کروہات پہنچیں گی۔ چاہیے کہ تو آخرت کو اختیار کرے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دوات اور صحیفہ میرے پاس لاؤ۔ تاکہ تمہارے لئے وصیت لکھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ڈرتا تھا کہ کہیں میرے دوات کاغذ لے کر آنے تک دنیا سے رحلت نہ فرما جائیں۔ کہ میں وصیت کے حصول سے محروم ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو بھی وصیت آپ فرمانا چاہتے ہیں فرمائیں میں یاد کر لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ **الصلوٰت وما ملکت ایمانکم** ایک روایت میں فرمایا۔ **اللّٰہ اللّٰہ فیما ملکت ایمانکم البسو اظہورھم واشبعوا بطونھم والینوا لھم القول** حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے میرے ساتھ کلام فرمایا۔ اور آپ کا آب دہن مجھ تک پہنچا۔ پس ان پر حال متغیر ہو گیا۔ اور عورتوں نے پردہ کے پیچھے سے بیطاقتی کا اظہار کیا۔ اور مجھے بھی تحمل کی قوت نہ رہی۔ کہ اپ کو اس حال میں دیکھوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عباس! مجھے پکڑ لو۔ عباس آئے ہم نے ان کو آنحضرت کے ساتھ لٹا دیا۔ **ذکر ھذا کلہ فی روضتہ الاحباب**

یہ کاتب حروف (شیخ عبدالحق) عفااللہ عنہا عرض کرتا ہے کہ سابقاً یہ مذکور ہو چکا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فخر فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی روح مبارک میری گود میں قبض کی گئی ہے اور مشہور بھی اس طرح ہی ہے۔ اور محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اس مقام پر ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آخروقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گود میں تھا۔ حاکم اور ابن سعد نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ اور جو انہوں نے بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہوا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ آئے اور آنحضرت کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور آنحضرت کا سر مبارک اپنے بازو پر رکھ لیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہی آخری وقت تھا۔ اور ان دو مفہوموں میں جو مغائرت ہے۔ بعض بازو پر رکھنا روایت کرتے ہیں۔ اور بعض نے گود میں رکھنا روایت کیا ہے۔ پس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرب زمان وذات کے لحاظ سے آخروقت کہا ہے۔ جیسے کہ پہلے مذکور ہوا ہے کہ سر مبارک سرہانے پر رکھ دیا۔ اور اس حال میں اٹھیں کہ اپنے چہرہ اقدس پر ہاتھ مارتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ جب ملک الموت آئے بصورت اعرابی۔ اور اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کہو کہ اندر آ جائے۔ پس وہ اندر آئے اور کہا السلام علیکم ایہاالنبی۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو سلام بھیجتا اور مجھے فرمایا ہے کہ آپ کی روح مبارک قبض کروں۔ آپ کی اجازت سے آپ نے فرمایا اے ملک الموت جب تک میرے بھائی جبریل علیہ السلام میرے پاس نہ آئیں روح قبض مت کرو۔ پس جبریل علیہ السلام روتے ہوئے حاضر ہوئے اور آپ نے فرمایا اے دوست ایسے حال میں مجھے تنہا کیوں چھوڑتے ہو۔ جبریل نے عرض کیا کہ آپ کو بشارت ہو کہ آپ کے لئے ایک چیز لایا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جہنم کے داروغہ مالک کو فرمایا ہے۔ کہ میرے حبیب کی روح مبارک آسمان پر لائی جائے گی تو آتش دوزخ کو بجھا دے۔ اور حورعین کو وحی کی کہ اپنے آپ کو مزین کر لیں۔ اور فرشتوں کو فرمایا گیا کہ اٹھو اور صف در صف کھڑے ہو جاؤ کیونکہ کی روح محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آتی ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ زمین پر جاؤ اور میرے حبیب کو خبر کردو کہ تمام انبیاء پر بہشت حرام ہے اور ان کی امتوں پر بھی جب تک کہ آپ اور آپ کی امت بہشت میں آجائیں۔ اور کل قیامت کو آپ کی اس قدر امت بخشی جائے گی کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ پس آپ نے فرمایا اے ملک اموت! آگے آؤ اور تم کو جو امر کیا گیا ہے وہ کرو۔ پس ملک الموت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی روح مبارک کو قبض کیا۔ اور اعلیٰ علیین میں لے گئے۔ اور کہا۔ یا محمد و یا رسول رب العالمین۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں آسمان کی طرف سے وامحمداہ آواز سنتا تھا جو کہ فرشتے کی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب روح مطہرو مطیب جدا ہوئی۔ تو اتنی خوشبو میں نے محسوس کی کہ اتنی اچھی خوشبو اس کی مثل کبھی نہ سونگھی تھی۔ پس آپ کو میں نے یمانی حلط چادر اوڑادی اور بعض روایتوں میں ہے کہ فرشتوں نے چادر پہنائی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت کے سینہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا

جس دن انہوں نے رحلت فرمائی اس کے بعد چند لمحے گزر گئے کہ روٹی کھاتی تھی وضو بھی کرتی تھی لیکن خوشبو میرے ہاتھ سے نہ ختم ہوتی تھی اور یہ بات صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اور فرمایا۔ یا ابتاہ آپ نے دعوت حق کو قبول فرمالیا ہے۔ اور یا ابتاہ آپ نے جنت الفردوس میں نزول فرمالیا ہے۔ یا ابتاہ کون آپ کی رحلت کی خبر جبرئیل کو پہنچائے۔ یا ابتاہ آپ کے بعد کس پر وحی نازل ہوگی۔ اور جبرئیل کس پر نازل ہوں گے اے خدا روح فاطمہ کو آنحضرت کی روح سے ملادے۔ اے خدا مجھے اپنے رسول کے قریب کردے۔ یا خدا!! اپنے حبیب کے ثواب سے مجھے محروم نہ فرما۔ اور قیامت کے روز ان کی شفاعت سے محروم نہ رکھنا۔ اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کبھی کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روتی اور زاری کرتی تھیں اور فرماتی تھیں۔ ہائے افسوس کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غنا کی بجائے فقیری اور تونگری کی بجائے درویشی اختیار فرمائی۔ ہائے آپ نے اس قدر دین پروری فرمائی کہ ایک رات بھی اپنی امت کے غم والم سے بے نیاز نہ ہوئے اور بستر پر آرام سے نہ لیٹے۔ اور آپ ہمیشہ محاربہ نفس میں صبر و استقامت اور ثبات و قرار کے قدم کے ساتھ گامزن رہے اور اس کو نہ چھوڑا۔ اور کافر ظلم و ستم کرتے تھے تو آنحضرت کے دامن پر ملامت و ناپسندیدگی کا گرد و غبار نہ آیا اور آپ نے فقیروں اور محتاجوں پر احسان و فضل کا دروازہ کبھی بند نہ فرمایا۔ آپ کے دندان مبارک اور رخسار شریف دشمنوں کے پتھروں سے زخمی ہوئے۔ زمانے کے حادثات نے آپ کے ماتھے مبارک پر پٹی باندھ دی اور آپ کا شکم پاک کئی کئی دنوں تک جو کی روٹی سے سیر نہ ہوا تھا۔

اور آپ کے کاشانہ مبارک کے ایک کونے سے یہ آواز بھی سنائی دی جبکہ کہنے والا نظر نہ آیا۔ **السلام علیکم اهل البیت ورحمته الله وبرکاته کل نفس ذائقته الموت وانما توفون اجورکم یوم اقیامة** اے اہل بیت نبوی! تم کو سلام ہو۔ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو۔ ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور بے شک روز قیامت تمہارے نیک اعمال کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ تمہیں معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مصیبت کے عوض ایک درجہ اور خوشی ہے۔ اور ہر فائت کے واسطے ایک قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر پورا پورا اعتماد رکھو۔ وہ تم کو اس کی جانب لٹائے گا۔ تم لوگ آہ و بکا بلند نہ کرو۔ اور اصل میں مصیبت زدہ وہ ہوتا ہے جو اس کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ یہ آواز تعزیت کے لئے آئے ہوئے وہاں موجود فرشتوں کی تھی۔ جو کہ بول رہے تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام بھی آئے:۔ ایک شخص آیا جو جسیم، صبیح اور سفید داڑھی والا تھا۔ مردوں کے نزدیک جاکر یہ رونے لگا۔ پھر اس نے صحابہ کی جانب توجہ کی اور کہا بے شک اللہ کے نزدیک ہر مصیبت کے عوض ایک درجہ ہے اور ہر فائت کا بدلہ ہے۔ وہ مالک خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تم خدا کی طرف رغبت کرو ہر مصیبت میں وہی مصیبت زدہ ہے اصل میں جو صبر نہ کرسکتا ہو۔ وہ شخص اتنا کہہ کر چلا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔ یہ تمہاری تعزیت کی خاطر آئے تھے۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو صحابہ کرام نہایت سراسیمہ اور پریشان ہو گئے تھے۔ اس طرح سے کہ کوئی کہے کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئی تھیں۔ اور حواس باختہ ہو چکے تھے کچھ حضرات وہ تھے جن کی زبانیں بند ہو گئیں اور ہوش و حواس و قوت جاتے رہے۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے انہیں سلام علیکم کہا۔ ان کا سلام انہوں نے سنا لیکن جواب کوئی نہ دیا جا سکا۔ (الحدیث)

کچھ لوگ وہ بھی تھے جو جہاں بیٹھے تھے وہاں سے حس و حرکت نہ کر سکتے تھے اور بے حس ہو کر رہ گئے۔ ایسے لوگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جملہ صحابہ میں سے زیادہ ثابت و اشجع تھے۔ اس کے باوجود ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ بھی آہ و بکا کر رہے تھے۔ اس سے ان کی شجاعت پر دلالت کی گئی ہے کچھ صحابہ بیمار پڑ گئے، کمزور ہوئے اور اس طرح اس جہان سے رحلت کر گئے بعض یہ دعا مانگتے تھے اے اللہ! ہمیں اندھا کر دے۔ کیونکہ ہم کسی اور کو اب دیکھنے کی قوت نہیں رکھتے ہیں اور بعض فریاد کرتے تھے اور قسمیں اٹھاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح صعقہ واقع ہوا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وعدہ دیدار پر روانہ ہوئے ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔ نیز فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ آنحضرت اتنے روز ضرور دنیا میں قیام فرمائیں گے کہ منافقین کی زبانیں اور ان کے ہاتھوں کو کاٹ دیں۔ کچھ منافق لوگ یوں بھی کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اگر واقعی خدا کے نبی ہوتے تو وفات کیوں پا جاتے۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے تلوار کھینچ لی اور دروازہ مسجد پر آ کھڑے ہوئے۔ اور کہتے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ نبی کریم وفات پا گئے ہیں میں اس تلوار سے اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔ یہ بات سن کر لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بارے میں شک میں پڑ گئے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان اپنا ہاتھ داخل کیا۔ تو ان کی مہر نبوت کو محسوس نہ کیا۔ پس وہ بلند آواز سے کہنے لگیں کہ مہر نبوت کو اٹھا لیا گیا ہے اور آنحضرت اس فانی عالم سے رحلت فرما گئے ہیں۔ نقل کیا گیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حوالی مدینہ میں سخ کے مقام پر اپنے گھر پر موجود تھے۔ ان کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ جلدی سے سوار ہوئے اور بڑی عجلت سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف کی طرف چل پڑے۔ وہ آ رہے تھے اور پکار رہے تھے۔ وامحمداہ۔

وانقطاع ظہراہ۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں آ پہنچے۔ انہوں نے صحابہ کو پریشانی کے عالم میں بیٹھے ہوئے دیکھا آپ نے کسی کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی کسی سے کلام کیا بلکہ سیدہ عائشہ کے حجرہ شریف میں داخل ہو گئے آپ نے آنحضرت کے روئے انور پر سے چادر اٹھا کر آنحضرت کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ اپنا منہ آنحضرت کے

منہ مبارک پر رکھااور بوسہ لیا اور کہا واصفیاہ۔ پھر سر اٹھالیا اور رونے لگے۔ پھر تیسری دفعہ بوسہ دیا۔ اور کہا۔ واخلیلاہ اور کہا۔ بابی انت وامی طبت حیا ومیتا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ہر حالت میں پاکیزہ اور خوش رہے زندگی میں بھی اور وفات میں بھی۔ اور پھر آپ نے کہا۔ لا یجمع اللّٰہ علیک موتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد وجوتھا اللہ تعالیٰ کبھی آپ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا سوائے اس موت کے جو آپ پر لازم کردی گئی تھی۔ اور وہ آپ نے بلاشبہ پالی ہے اور جس قدر بھی آپ کی صفتیں ہم بیان کریں آپ ان سے زیادہ بزرگ وبالا ہیں۔ اور جس قدر بھی آپ پر رویا جائے آپ اس سے بھی بلند تر ہیں۔ اگر ہمارے ہاتھوں میں اختیار کی لگامیں تھامی ہوتیں۔ تو ہم آپ پر اپنی جانیں بھی قربان کردیتے اور اگر میت پر بین کرنے سے آپ نے ہمیں ممانعت نہ کی ہوئی تھی تو ہم اس قدر روتے کہ ہماری آنکھوں سے چشمے جاری ہوجاتے۔ اے اللہ! ہمارا سلام پہنچادے۔ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ہمیں اپنے رب کے نزدیک یاد رکھنا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا تھا۔ لا تجمع اللّٰہ علیک موتین اس کے متعلق کچھ علماء کو اختلاف ہے وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کا مطلب ومراد کیا ہے؟ بعض علماء نے کہا ہے اس سے وہ قول رد کیا گیا ہے۔ جس میں خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ جلدی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آجائیں گے اور لوگوں کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔ لہٰذا اگر دوبارہ آنا درست ہے تو پھر دو موتیں آنا لازم قرار پاتا ہے۔ لہٰذا اس بارے میں خبردی گئی کہ اس سے کہیں بزرگ وبالا ہیں کہ آپ پر دو موتیں جمع ہوں۔ جیسے کہ ان لوگوں پر جمع ہوئی تھیں جو موت سے ڈرتے ہوئے گھروں سے نکلے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں تھے ازاں بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دی تھی۔ پھر ان کو زندہ کیا گیا تھا۔

اور یا اس آدمی کی طرح تھا۔ جو بستی پر سے گزرا تھا۔ اور اس نے کہا تھا کہ کس طرح وہ بستی پھر زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر موت کو وارد کیا۔ اس کے بعد پھر اسے زندہ کیا۔ جیسے کہ حضرت عزیز علیہ السلام کی داستان ہے۔ بعض علماء اس سے مراد یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی قبر میں اللہ تعالیٰ دوبارہ موت نہ دے گا۔ جیسے کہ دیگر لوگ برائے سوالات منکر ونکیر قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں اور پھر مارے جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک دوبارہ موت سے مراد آپ کی ہمیشہ رہنے والی شریعت پاک ہے۔ اور بعض کرب واندوہ کو دوسری موت سمجھتے ہیں۔ یعنی آج کے دن جو کرب واندوہ برداشت کرنا پڑا ہے اس کے بعد کبھی وہ کرب واندوہ برداشت کرنے کا موقع دوبارہ نہ آئے گا۔ جیسے کہ آنحضرت نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو جواب دیا تھا کہ لا کرب علی ابیک بعد الیوم آج کے دن کے بعد تمہارے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ جملہ معانی فتح الباری میں مذکور ہیں۔

مولف مواہب الدنیہ کی رائے:۔ پہلے قول کو زیادہ واضح اور سلیم تر بتاتے ہیں مولف مواہب الدنیہ ہوسکتا ہے کہ الفاظ ظاہر پر محمول ہونے کے لحاظ سے ہو۔ اور ظاہراً تو یہ ہی ہے کہ آپ پر ایک مرتبہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اجراء ہوگیا تو ازاں بعد دوسری موت نہ ہے۔ جیسے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ کہ اپنے رب کے نزدیک میں اس سے زیادہ بزرگ وبرتر ہوں کہ مجھے چالیس دن تک اپنی قبر میں چھوڑا جائے اور بعد ازاں حیات مستمر زندگی پر اشارت ہوتی ہے

ہم نے اس مسئلہ کی تاریخ مدینہ میں واضح تشریح کر دی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی رضا ہوئی تو اس کتاب کے آخر میں بھی ہم اس کا ذکر کریں گے۔

پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاشانہ رسالت سے باہر آ گئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے۔ کہ آنحضرت فوت نہیں ہوئے اور نہ وہ فوت ہوں گے یہاں تک کہ منافق لوگوں کو قتل نہ کر لیں۔ یہ منافقین ہی تھے جنہوں نے آنحضرت کے وصال کے بعد بڑی فتنہ انگیزی کی تھی۔ اور وہ شوریدہ سری پر تیار ہو چکے ہوئے تھے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر سے کہا کہ تم تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم جان لو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال پا چکے ہیں۔ کیا قرآن کریم میں تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا نہیں ہے جو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ **انک میت وانهم میتون** اے حبیب! آپ کو بے شک موت آئے گی اور بے شک وہ لوگ بھی مریں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ **وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد فان مت فهم الخالدون** قبل آپ کے کسی بشر کو دنیا میں ہمیشہ رہنا مقدر نہ ہوا۔ اگر آپ انتقال فرمائیں تو کیا وہ لوگ ہمیشہ یہاں رہنے والے ہوں گے؟ ازاں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر رسول پر تشریف لائے اور سب لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کر لی۔ سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے۔

حضرت صدیق اکبر کا خطاب:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مخاطب ہوئے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام تھا۔ اور پھر فرمایا۔ جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوجا کیا کرتا تھا۔ اسے یہ علم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال پا چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ اب بھی زندہ اور موجود ہے۔ اس پر کبھی بھی موت وارد نہیں ہو گی۔ آپ نے یہ آیت پاک پڑھی۔ **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم** اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے صرف رسول ہیں۔ بلاشبہ آپ سے قبل بھی رسول ہو چکے ہیں۔ اگر وہ رحلت پائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور آپ نے یہ بھی پڑھا۔ **انک میت وانهم میتون** اس کے بعد یہ دونوں آیات لوگوں کی یاد میں آ گئیں۔ اور ان کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کہ یہ آیات آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ یہ آیتیں صحابہ اس دن مدینہ شریف کی گلیوں میں پھرتے ہوئے بھی پڑھتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا۔ اے لوگو! جس طرح میں اس سے پہلے کہتا تھا۔ حقیقت وہ نہیں ہے جیسے کہ میں کہتا تھا۔ خدا تعالیٰ کی قسم! وہ بات میں اللہ تعالیٰ کی کتاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد شریف میں نہیں پاتا ہوں لیکن میں امید رکھتا تھا کہ رسول خدا ہم میں زندہ رہ کر ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے رہیں گے اور ہم سے بعد ان کی رحلت واقع ہو گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اختیار فرما لیا جو کچھ اس کے نزدیک تھا بجائے اس کے جو تمہارے نزدیک ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کے ذریعے اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔ ابونصر

کہتے ہیں۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سابقہ قول اور ان کا وہ سابقہ حال بوجہ فتنہ و خوف اور منافقوں کی شوریدہ سری کے باعث تھا۔ ازاں بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قوت یقین دیکھی۔ تو اسے دیکھ کر ان کو بھی تسکین حاصل ہو گئی۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ فرماتے تھے گویا میں نے قبل ازاں وہ آیت سنی نہ تھی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے یہ آیت پاک سنی تو میں کانپنے لگا اور نیچے گر پڑا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ گویا کہ ہمارے چہروں پر حجاب تھا۔ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے ذریعے دور ہو گیا۔ پس جو اصحاب مدینہ شریف کے باشندے تھے وہ اس پر قائم ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما چکے ہیں۔ انہوں نے استرجاع کرنا شروع کیا۔ اور کہنا شروع کر دیا **ان للہ وانا الیہ راجعون** ازاں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم سے تعزیت کی اور انہیں تسلی دی اور ان کو فرمایا کہ تم رسول کے اہل بیت ہو۔ آنحضرت کو غسل دینا اور تجہیز و تکفین کرنا تمہارا کام ہے۔ اس کے لئے بندوبست کرو خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ اکابر مہاجرین اور اشراف انصار کو لیا اور سقیفہ بنو ساعدہ میں چلے گئے۔ وہاں پر خلافت کے بارے میں معاملہ طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔ امر خلافت دین کا اہم معاملہ تھا۔ خلاف و نزاع کا موجب تھا۔ اس کی مفصل بحث اپنے مناسب مقام پر بیان کی گئی ہے۔

مختصر خلاصہ یوں ہے کہ مہاجرین اور انصار میں اختلاف پڑ گیا۔ دونوں کہتے تھے کہ ہم میں سے امیر منتخب ہو بعد میں اس حدیث کے مطابق امر خلافت کا قریش میں رہنا ثابت ہوا۔ **الائمتہ من القریش** صحابہ کے ذہنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم راسخ ہو چکا ہوا تھا۔ بالخصوص آنحضرت کے بیماری کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امام بنائے جانے سے یہ خیال و گمان ہو چکا تھا۔ علاوہ دینی اور اسلامی امور میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئے اور ان پر ہی اجماع قرار پایا۔

تنبیہہ :۔ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ آنحضرت کے مرض وصال میں سکرۃ الموت کی شدت رونما ہوئی تھی اور آنحضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ **اللھم اعنی علیٰ مکسرات الموت** اے میرے اللہ! سکرات موت پر میری امانت فرما سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہوا ہے کہ میں نے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت کی سختی کو دیکھا ہے۔ اور مجھے اس آدمی پر رشک آتا ہے جس کی موت آسانی سے ہو جاتی ہے۔ گو مجھے یہ علم ہے کہ سختی و شدت سے موت آنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر آسان موت میں کوئی بہتری ہوتی تو اللہ تعالیٰ وہ اپنے حبیب کے حق میں ضرور ارزانی فرماتا۔

یہ مسکین (شیخ عبدالحق) عرض کرتا ہے کہ مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول گراں محسوس ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ

کونسی شدت و سختی تھی جو آنحضرت پر وارد ہوئی۔ صرف یہ ہی تھا کہ آپ کے پاس پانی کا بھرا ہوا ایک پیالہ موجود تھا۔ اس میں آنحضرت اپنے ہاتھ کو ڈبوتے تھے۔ اور پھر اسے اپنے چہرہ انور پر پھیرتے تھے۔ اور آنحضور کے رخساروں مبارک کی رنگت میں تبدیلی آرہی تھی۔ اور چہرہ انور پر پسینہ بھی آتا تھا۔ یہ تو کوئی خاص شدت نہیں ہے۔ شدت وہ ہے جو دیگر لوگوں پر بوقت وفات ہوتی ہے۔ شدت کی یہ اور ہی قسم ہوتی ہے بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود شریف پر جو خاص تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ عام لوگوں کے نزدیک وہ بھی نہ ہونا چاہیے تھا بتقاضہ علو مرتبت جو عام ذہنوں میں راسخ ہوا تھا۔

کچھ عارف لوگوں کا متعدد وجوہ سے اس مقام پر بلند کلام آیا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حال مبارک کی تشریح و وضاحت میں نفیس ترین گفتگو ہے۔ جزاہ اللّٰہ خیرا اس ام و لرب اور شدت کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کو سکرات موت کا نام دیں تو یہ زیادہ قوت مدرکہ اور محسوسہ اور مزاج بھوک کے اعتدال کے سبب سے تھا۔ آنحضرت کا مزاج مبارک نہایت توسط و اعتدال پر تھا۔ لہٰذا الم کا احساس و ادراک زیادہ تھا۔ اور اس کے آثار اور نشانیاں اتم اور وافر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ مجھے اس شدت سے بخار ہوتا ہے جتنا تم دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ اگر ترازو کے دونوں پلڑے مساوی ہوں اور دونوں میں سے کوئی چیز حاصل ہو۔ خواہ وہ نہایت قلیل ہی کیوں نہ ہو تو کسی ایک پلڑے کی جانب میل یا انحراف لازماً واقع ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضور کے بدن مبارک کے ساتھ روح کا تعلق بڑا قوی تھا۔ اور آپ کی روح مبارک کے ساتھ آپ کے جسم اقدس کی نہایت درجہ کی محبت تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مزاج شریف صورت حیات اور اقوام حقیقت نورانی میں اصلی مادہ تھا۔ جس وقت آپ کے بدن مبارک اور روح مطہر میں موجودہ تعلق منقطع ہونے لگا۔ تو یہ علیحدگی اور جدائی کا الم نہایت شدید محسوس ہونے لگا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اس طرح کی حالت و کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر طاری ہونے میں آپ کی امت کے لئے شدائد و مصائب میں موجب یک گونہ اطمینان ہے۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور جملہ مخلوق میں افضل و اکرم ہیں پھر بھی آپ پر اس طرح کی شدید صورت حال تھی اس لئے کہ آپ کی امت کے لئے آسانی ہو اور وہ سکرات کی شدت کو جھیل سکے۔ جس طرح کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول میں اس طرف اشارت پائی جاتی ہے۔

تیسری وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حقیقت مبارک تمام امت بلکہ ساری کائنات کی حقیقتوں کو جامع ہے اور جملہ اصلی اور فروعی وجودات کی منشاء ہے۔ اور جملہ حقائق اور جواہر و اعراض اور ارواح و اجسام میں جاری و ساری ہے۔ اس لئے آپ کی جسیم لطیف سے آپ کے روح مطہر کی علیحدگی درحقیقت ہر ذی حیات جسم سے ہر روح کی علیحدگی ہے۔ لہٰذا جو کرب اور شدت واقع ہوئی ہے۔ وہ زیادہ کے مقابلہ میں تھوڑی اور دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ کے مترادف ہے۔

پانچویں وجہ اور سبب یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے تمام امتیوں کے اعمال و اثقال کے حامل ہیں اور آپ ہی کی جانب تمام امت کا رجوع ہے۔ اور آپ ہی کا دامن اقدس سب کے لئے پناہ گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم** یہ اس حقیقت پر شاہد و ناظر ہے لہٰذا ان کے تمام اعمال و اثقال اور غم والم کا اثر اس وقت عیاں ہو گیا۔ کیونکہ یہ محل اعمال و اثقال کی برداشت کا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب امت کی مغفرت کی خوشخبری لائے جو آنحضرت بالین استراحت پر پاؤں مبارک رکھ کر عالم ثانی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ انسان کی عادت مستمرہ ہے کہ اس کو مملکت و خلافت اور مملکت کے امور سونپے جاتے ہیں اس کے بعد دوبارہ بارگاہ میں اس کو طلب کر کے دوسری مملکت اس کو سپرد کی جائے تو بارگاہ میں حاضری کے وقت اسے سوال و جواب کی فکر ہوتی ہے اور سامنے ہونے کا کچھ اندیشہ بھی دامنگیر ہوتا ہے۔ اور جملہ اکناف و آفاق میں اس کے سب معاملات علیٰ الاطلاق آنحضرت کو سپرد کئے گئے ہیں۔ اور بہر حال و لحاظ اس کے محاسبہ سے بھی آپ کو بخشا گیا ہے۔ پھر بھی ہیبت و دہشت سلطانی تھی کہ انجام کیسا ہو گا۔

شیخ اجل و اکرم شیخ عبدالوہاب نے اپنے شیخ بزرگ شیخ علی متقی قدس سرہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے وصال کے وقت فرمایا اگر مجھ پر تمہیں سکرات موت کی شدت نظر آئے تو اس سے تم لوگ دل گیر نہ ہو جانا اور کسی قسم کا کوئی گمان اپنے دل میں نہ لانا کیونکہ تقلیت اور عہدہ داری کیلئے یہ شدت لازم ہے۔ (واللہ اعلم)

ساتواں سبب وہ ہے جو کہ وجوہ مذکورہ کا خلاصہ ہے اور قضایائے متعددہ کا ماحصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجلیات صمدیت اور تنزلات احدیث اور وہ اسرار تحفہ میں عطا فرمائے جو عنایت قدس صفات اور اسماء و صفات کے مشاہدہ رفیعہ میں تھے۔ اور تحقیق ان تنزلات کے بار تلے ماندگی ہو جانا اور ان فتوحات کا بہت عظیم محسوس ہونا بالکل اسی طرح ہی جس طرح کہ آپ کی حالت اس وقت ہوتی تھی جب آپ پر وحی اور قرآن کریم نازل ہوتے تھے۔ اور پیشانی اقدس پر پسینا نمودار ہوتا تھا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شدت کے موسم سرما میں بھی جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نزول وحی ہوتا تھا تو جناب کے ماتھے پر پسینہ رواں ہو جاتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے **انا سنلقی علیک قولا ثقیلا** بے شک تم پر ہم بھاری قول اتارنے والے ہیں پس وہ موت جو کہ افادات ابیہ کے ساتھ حیات جاوید ہے اور اس کی سکرات کی شدت جو دیکھی گئی جو جسمانی لحاظ سے عدم گویائی کے باعث ظاہر ہوتی تھی یہ صرف ظاہری عالم کی قسم سے سکرات کی ظاہری شدت و سختی کی صورت میں ہے۔ خلاصہ اور نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اس حالت میں بے شمار مخصوص وحی کا نزول ہوا تھا۔ بلکہ یہ وحی کے اتمام و اکمل کا محل تھا۔

آٹھویں یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص لقاء کا یہ وقت تھا اور وہ خشیت اور ہیبت اور اجلال تھا جو کہ قرب حضور ذی الجلال اور معرفت و عبودیت میں اس حال اور وقت کے مناسب تھا کسی دیگر حال اور وقت پر ایسی خصوصیات کبھی نہیں

تھیں۔

اور نویں وجہ ہے کہ یہ لقائے روحی کے شوق میں انتظار کے باعث بے قراری تھی جو بقائے سوحی کی طرف زیادہ جلدی جانے کے باعث تھی۔ یعنی آنحضرت کی خواہش تھی کہ زیادہ جلدی روح کو عالم ناسوت سے باہر نکل کر غیبت لاہوت میں داخل فرمادیا جائے۔ تو لازم تھا کہ عالم طبیعت بشری کے قہر اور ضغط حضیض مزاج بشری کے باعث وہ حالت ہوتی تھی جس سے انفعل قوی ہو جاتا ہے اور حال کا غلبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اپنے قول میں اس جانب اشارہ بھی فرمایا۔ ہے من احبا لقا اللہ احب اللہ لقاءہ

دسواں سبب یہ ہے کہ یہ اس عالم کے تعلقات کا پرتو تھا۔ اور آنخضرت کے لئے ان کا حصہ تھا اور وہ حصہ تھا ان کے درمیان رہتے ہوئے آپ کا امداد اور اعانت فرمانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ہی جملہ موجودات کی حیات ہے اور ان تعلقات کو حقیقت کے شیشہ سے منقطع کرتا ہے۔ جو آئینہ کہ اپنی چمک اور تابانی وصفائی کے لحاظ سے بے مثل آئینہ ہے اور اس جہان کا کوئی آئینہ اس قدر صاف اور شفاف نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارتحل اور انتقال کی نقیض میں یہ تعلقات ہیں۔ پس یہ دونوں حالتیں ایک اور کشکش جاری کرتی ہیں۔ پس اس سے ضغط و حصر حاصل ہوئے۔

گیارھویں وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف عبودیت جو کہ اشرف اوصاف اعظم محاسن و محامد ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کے القاء و اجراء کے باعث یہ شدت سکرات موت تھی۔ لہٰذا جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار عطا ہو گیا کہ بادشاہت و عبودیت میں کسی کو اختیار کرلیں۔ تو آپ نے عبودیت اختیار فرمائی۔ اور آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ ایک دن میں بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ اور غلاموں کے انداز میں کھانا تناول فرماؤں۔ اور جس طرح غلام بیٹھتے ہیں اسی طرح میں بھی بیٹھوں اور شرعی و امر و احکام کے ساتھ آرام نہ حاصل ہونا اور شدائد اور تکالیف کا نازل ہونا عبودیت کے مزاج کا تقاضہ ہے۔ اور اس میں ہرگز شک نہ ہے کہ حصہ بشریت کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بھی نازل ہوتے تھے اور آپ بھی دوسرے انسانوں کی طرح بچے کے گم ہو جانے پر روتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ ان العین تر مع وان القلب تحزن اس میں کوئی شک نہ ہے کہ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمزدہ ہے۔ پس حصہ بشریت کا باقی رہنا اور اس کے لوازم و شرائط کا ادراک ہے۔ اور بشری صفتوں کی عظمت و شرافت اور اس کے تحقیق کے واسطے ہے کہ جانب ضراعت اور افتقار و انکسار کے داعی ہیں۔ اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی سطوت و سلطانی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی ربوبیت کی برہان (دلیل) قائم ہوتی ہے۔

XX

باب سوم

غسل دینے کی کیفیت کے بیان میں اور تکفین اور آنحضرت پر نماز گزارنے کے بیان میں

چونکہ ابتدائے مرض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے اہل بیت میں سے لوگ غسل دیں گے نیز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ غسل دینا اور تجہیز و تکفین اہل بیت سے متعلق ہے اور حضرت عباس اور علی وغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غیر اہل بیت لوگوں کے لئے حجرہ شریف کا دروازہ بند کردیا جائے۔ مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کو غسل کس طرح دیا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک چادر اس سے ایک چھوٹا سا خیمہ باندھ دیا یعنی پردہ کیا۔ پس ہم میں میت کو غسل دینے میں خیمہ باندھنا (کلہ باندھنا) سنت قرار پایا۔ اس کے بعد حضرت عباس اندر آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا اور فضل اور قثم کو بھی جو کہ حضرت عباس کے بیٹے تھے اور ایک روایت میں قثم کی بجائے ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ کا نام آیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو کہ جب رسول اللہ تھے۔ اور اہل بیت کے حکم میں تھے۔ اور صالح حبشی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے غلام تھے۔ ان کا لقب شقران تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے غلام تھے۔ ان کا لقب شقران تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کو اس کلہ کے اندر لائے۔ تاکہ وہاں آپ کو غسل دیں۔ پس اس کلہ سے باہر درون خانہ جو لوگ تھے ان پر اونگھ غالب کردی گئی۔ اس وقت کسی منادی نے آواز دی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پاک ہیں ان کو غسل کی حاجت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو غسل نہ دیں اگرچہ بڑی جستجو کی گئی لیکن کہنے والا نہ ملا اور انہوں نے چاہا کہ اسی طرح کریں اور غسل نہ دیں۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم کس طرح ترک سنت کا ارتکاب کریں ایک آواز کے باعث جس کی حقیقت سے ہم واقف نہ ہیں کہ وہ کہاں سے ہے۔ دوسری بار پھر ان پر نیند کا غلبہ کیا گیا اور آواز آئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کو غسل دیں کیونکہ پہلے آواز دینے والا ابلیس تھا اور اس وقت میں خضر (علیہ السلام) ہوں اور بعض کتب سے معلوم ہوا ہے کہ غسل نہ دینے کی آواز کلہ باندھنے سے پہلے آئی تھی۔ اور جب غسل دینے کا فیصلہ کرلیا گیا تو کلہ باندھا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کلہ میں لایا گیا۔ اور صحابہ کرام میں ایک اور اختلاف نمودار ہوا۔ کہ آیا لباس سمیت آپ کو غسل دیا جائے یا کہ دیگر لوگوں کی طرح برہنہ کیا جائے اور غسل دیا جائے۔ اس مقام پر پھر ان پر اونگھ سی طاری کی گئی یہ ایسی اونگھ تھی کہ ان کی ٹھوڑیاں جھک کر سینوں کے ساتھ جا لگیں۔ ناگاہ گھر کے ایک گوشہ سے ایک شخص نے آواز دی کہ رسول خدا کو برہنہ نہ کیا جائے۔ اور پیراہن مبارک میں ہی غسل دیں۔ اور آیا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ غسل دیں تو چار زانو بیٹھ گئے اور

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی چہار زانو بٹھایا تا کہ آنحضرت کو اپنی آغوشوں پر بٹھائیں اس وقت پھر آواز آئی کہ رسول اللہ کو ان کی کمر شریف کے بل لٹادیں اور غسل دیں۔ پس حضرت عباس اور علی رضی اللہ عنہما نے آپ کو لٹادیا۔ سر اقدس مشرق کی طرف تھا اور پاؤں مبارک مغرب کی طرف تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ غسل دینے لگے۔

اور ایک روایت میں آیا ہے آنحضرت کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے سینہ مبارک پر پکڑا۔ اور کپڑا اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا۔ اور پھر ہاتھ پیراہن مبارک میں ڈالا۔ اور حضرت اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے قمیص مبارک کے اوپر اور حضرت عباس اور قثم رضی اللہ عنہما حضرت علی کی آنحضرت کے پہلو بدلنے میں مدد کرتے تھے۔ اور غسل دینے میں غیب سے بھی مدد دی جارہی تھی۔ ان کو اس طرح معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کے ہاتھ سے کوئی دیگر ہاتھ بھی ملتا ہے۔ ان تمام نے آنکھوں پر پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔ پردہ کے پیچھے سے از غیب ایک آواز آئی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نرمی برتی جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی گئی تھی کہ ان کے سوا کوئی دیگر آدمی غسل نہ دے۔ اور نہ ہی کوئی میرے ستر پر نظر ڈالے۔ اگر اس کی خلاف ورزی واقع ہوئی تو بینائی سے محروم ہو جاؤ گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ جیسے کہ دیگر لوگوں کے پیٹوں وغیرہ سے کچھ نہ کچھ خارج ہوتا ہے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپکی حیات میں بھی اور بعد از وفات بھی کس قدر صفائی پاکیزگی اور خوشبو ہے۔ پانی صاف اور پاکیزہ تھا اور اس میں بیری کے پتے اور کافور ڈالا ہوا تھا اس پانی سے غسل دیا گیا۔

ابن ماجہ میں بسند جید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس وقت آپ کو غسل دیا جائے تو بیر غرض کے پانی سے ساتھ مشکیزہ پانی سے دیا جائے۔ یہ ایک کنویں کا نام ہے جو مدینہ شریف سے شمال کی طرف آدھی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک بڑا کنواں ہے اور کثیر الماء ہے۔ دس دردہ سے بھی زیادہ اس میں پانی ہے۔ مدینہ شریف کے ساتھ کنوں میں سے یہ ایک کنواں ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک سے آج تک موجود ہیں۔ اس کے پانی پر سبزہ غالب ہے اس میں سیڑھیاں ہیں۔ ان سے کنویں کے اندر اترتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنویں کا پانی پیا بھی تھا اور وضو بھی کیا تھا۔ اور وضو کے باقیماندہ پانی کو کنویں کے اندر واپس ڈال دیا تھا۔

اور ابن حبان نے معتبر راویوں سے بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک بن رضی اللہ عنہ غرس کے کنویں سے پانی نکال رہے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا کہ اس کنویں کے پانی کو پیا اور اس سے وضو بھی کیا اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ آج کی رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ بہشت کے مقامات سے ایک مقام پر میں نے صبح کی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیر غرس پر صبح کی اور اس کے پانی سے وضو کیا اور وضو فرمانے کے بعد اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اس وقت ہدیہ کے طور پر آنحضرت کے پاس شہد بھی لایا گیا

تھا۔ آپ نے وہ بھی اس کنویں میں ڈال دیا۔

ابن ماجہ نے۔ سند جید بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے بعد از وفات میرے کنویں یعنی بیر غرس کے پانی کے ساتھ مشکیزوں سے غسل دیں نیز یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب اس عالم سے میں سفر کروں تو بیر غرس کے سات مشکیزہ پانی کے ساتھ جن کے منہ کے بند کو نہ کھولا گیا ہو مجھے غسل دینا۔ (انتہیٰ)

اور بیماری کے زمانہ میں بھی روایت شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات مشکیزہ پانی سے غسل فرمایا اور پھر باہر مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ بھی اسی کنویں کا پانی ہو گا۔ (واللہ اعلم) حدیث کے چند شارحین نے کہا ہے کہ جادو کو دفع کرنے میں سات کا شمار خاص اثر رکھتا ہے جیسے کہ جادو (سحر) اور زہر کے علاج کے بیان میں مذکور ہوا ہے کہ ایسا شخص مدینہ شریف کی عجوہ کھجوریں سات عدد گن کر کھالے۔

روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پلکوں پر اور ناف مبارک کے گول نشیب میں پانی اکٹھا ہو گیا تھا اس کو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان کے ساتھ چوس لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس کے باعث مجھے کثرت علم اور قوت حفظ میسر ہوئی۔ جب غسل پورا ہو گیا تو سجدہ کے مقامات اور مفصل شریف کو خوشبو سے معطر کیا۔ اور پھر تین مرتبہ عود کی دھونی دی گئی۔ اس کے بعد اٹھا کر سریر (تختہ) پر لٹا دیا گیا اور مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشک اور خوشبو کی کچھ مقدار اپنے فرزندوں کو دی ہوئی تھی۔ اور وصیت کی تھی کہ یہ میرے کفن پر استعمال کرنا۔ کیونکہ یہ خوشبو اور عطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے استعمال سے باقی بچی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تکفین:۔ وصل:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید سحولی چادروں کا کفن دیا گیا۔ سحول کے معنی قصار ہیں۔ اور یہی روایت زیادہ مشہور اور اکثر ہے۔ سحل سے مراد ہے۔ سفید کرنا اور کپڑے کو دھونا اور کوٹنا اور سحل لباس سفید ڈھلا ہوا لباس ہوتا ہے۔ یمن میں ایک قریہ کا نام سحول ہے۔ علاوہ ازیں یہ سحول سے بھی منسوب ہے جو سحل کی جمع ہے۔ یعنی سفید کپڑا اور یہ روئی سے بنا ہوتا ہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے "من کرسف" اور کرسف روئی کو کہا جاتا ہے۔ اور کرسف بھی ایک قریہ کا نام بتایا جاتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ دو کپڑے سفید تھے اور ایک بردیمانی تھی۔

اور ترمذی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو کہ زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ اس پر عامل ہیں آیا ہے اور ان کے علاوہ بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس، عائشہ، ابن عمر، جابر بن عبد اللہ اور عبد اللہ اور عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے متواتر احادیث روایت ہوئی ہیں کہ آنحضرت کی تکفین تین کپڑوں میں ہوئی تھی۔ ان میں قمیص اور عمامہ شامل نہ تھے۔

اور اس قول میں اختلاف کیا گیا ہے کہ نیست دروے قمیص ونہ عمامہ۔ عبارت کے ظاہری معنی یہ ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے کفن شریف میں قمیص وعمامہ نہ تھے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن تین کپڑوں پر ہی مشتمل تھا لیکن قمیص اور عمامہ ان کے علاوہ تھے۔ اور یہ اختلاف صریحاً عبارت کے خلاف واقع ہے کیونکہ یہ ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت کی تکفین قمیص وعمامہ میں نہ ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ کفن میں قمیص و عمامہ مستحب ہونے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مرتب ہوا ہے۔ کہ مستحب ہے یا کہ نہیں۔ امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑے ہوں جن میں قمیص اور عمامہ شامل نہ ہوں اور کہتے ہیں کہ قمیص وعمامہ کا مزید ہونا مکروہ ہے۔ (تین کپڑوں کے علاوہ ہونا) اور امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز غیر مستحب ہے اور احناف کہتے ہیں کہ تین کپڑے ہیں۔ ازار، قمیص اور لفافہ۔ اور متاخرین احناف نے عمامہ تجویز کیا ہے برائے علماء۔

اور ہمارے مذہب میں سنت کفن تین کپڑے ہیں اور دو میں کفایت ہو جاتی ہے اور جب ضرورت ہو تو کچھ میسر آ جائے اور ایک روایت میں آنحضرت کے کفن شریف میں سات کپڑے مذکور ہوئے ہیں۔ اور یہ روایت ضعیف ہے بلکہ علماء نے کہا ہے کہ تو ہم ہے بعض راویوں کا۔ واللہ اعلم۔ اور جو کچھ مذکور ہوا ہے اس سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ قمیص جو آنحضرت پہنے ہوئے تھے اور جس میں غسل بھی دیا گیا تھا وہ کفن میں داخل نہ تھی۔ پس ایک حدیث جو سنن ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن تین کپڑوں کا تھا۔ دو کپڑے تھے اور ایک وہ قمیص جس میں آپ نے رحلت فرمائی تھی۔ یہ حدیث ضعیف ہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی یزید بن زیاد ہے۔ اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے بالخصوص ان مقامات پر جہاں ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ ہاں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ طیبہ رضی اللہ عنہا سے وارد ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرض موت میں ان کے پاس آئی۔ میں ان کے پہنے ہوئے لباس پر نظر ڈالی۔ وہ زعفران سے رنگ شدہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اس لباس کو دھو لینا اور مزید دو کپڑے لے لینا۔ ان تین کپڑوں میں میری تکفین کرنا۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ پس میں نے عرض کیا کہ یہ لباس جو آپ پہنے ہوئے ہیں۔ پرانا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مردہ کی بجائے زندہ آدمی نئے کپڑے کے زیادہ سزاوار اور لائق ہے۔ (رواہ بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز گزارنا:۔ وصل:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی گئی تھی۔ بلکہ ایک ایک جماعت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور بلا جماعت نماز گزارتی تھی اور باہر آ جاتے تھے اور پھر دوسرا گروہ اندر داخل ہوتا تھا اور نماز گزارتا تھا۔ اور حضور کا جسد مبارک اسی کمرے میں تھا جس میں کہ غسل دیا گیا تھا۔ پہلے مرد اندر داخل ہوئے اور مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں اندر آئیں اور عورتوں کے بعد بچے داخل ہوئے اور نماز گزاری۔ جیسے کہ صفوں کی ترتیب ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم واصحابہ وسلم کی نماز جنازہ پر کسی نے جماعت اور امامت نہ کرائی تھی۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے جنازہ میں کسی شخص نے امامت نہ کرائی تھی۔ کیونکہ آنحضرت علیہ السلام حیات وعات میں آپ کے امام ہیں اور یہ آنحضرت کے خصائص میں سے ہے کہ متعدد نمازیں گزاری گئیں۔ اور تنہا تنہا گزاری گئی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے آنحضرت پر نماز گزاری وہ آپ اہل بیت تھے۔ یعنی علی اور عباس اور بنو ہاشم ان کے بعد مہاجرین آئے ان کے بعد انصار اور ان کے لوگ فوج در فوج گروہ در گروہ اندر آتے رہے اور نماز گزارتے رہے۔

اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے بیماری سے پہلے ہی اپنے وصال شریف کی خبر دی تھی اور لوگوں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کون آپ کو غسل دے گا۔ تو آپ نے فرمایا میرے اہل بیت سے وہ مرد جو میرے نزدیک تر ہیں پھر پوچھا کہ کن کپڑوں میں تکفین کریں۔ تو فرمایا کہ یہی کپڑے جو میں نے پہنے ہوئے ہیں۔ یا مصری کپڑوں میں یا حلہ یمانیہ میں یا سفید کپڑوں میں جس قسم سے بھی مل جائیں۔ پھر پوچھا آپ پر نماز کون پڑھائے گا اور ہم رونے لگے۔ آنحضرت بھی رو پڑے۔ اور فرمایا کہ صبر کریں۔ اور جزع فزع نہ کرنا اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرے۔ اور تمہارے گناہوں کو بخشے اور جزائے خیر دے میری طرف سے۔ پھر فرمایا کہ جب مجھے غسل دو گے اور کفن میں لپیٹو گے تو میری قبر کے کنارے پر مجھے رکھ دینا اس حجرہ میں اس کے بعد تم باہر چلے جانا اور کچھ دیر صرف مجھے ہی اندر رہنے دینا۔ کیونکہ اول سب سے جو مجھ پر نماز گزاریں گے۔ وہ جبریل علیہ اسلام ہوں گے۔ پھر میکائیل پھر اسرائیل ان کے بعد ملک الموت ان کے فرشتوں کا ایک گروہ اور جماعت علیہ السلام۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ پہلے جو مجھ پر نماز گزارے گا وہ میرے پروردگار ہے۔ اس کے بعد ان فرشتوں کا ذکر اور فرمایا ان کے بعد جماعت در جماعت اندر داخل ہونا اور مجھ پر نماز گزارتے جانا اور فریاد اور نوحہ نہ کرنا اور چاہیے کہ مجھ پر نماز گزارنا میرے اہل بیت شروع کریں۔ ان کے بعد ان کی عورتیں۔ پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون آپ کو قبر شریف میں اتارے گا۔ تو فرمایا میرے اہل بیت فرشتوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ۔ وہ تم لوگوں کو اس جگہ دیکھتے ہیں جہاں تم ان کو نہیں دیکھتے۔

ابن ماجشون سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کل کتنی نمازیں گزاری گئیں تو انہوں نے بتایا کہ اس صندوق میں سے پتہ چلا جو امام مالک رحمتہ اللہ اپنی تحریر سے چھوڑ گئے۔ اور وہ نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام کی نمازیں ہوں گی۔ اس میں فرشتوں کی نمازیں شامل نہ ہیں اور یہی چیز آنحضرت کی تدفین میں تاخیر کا باعث بنی۔ وصال شریف دو شنبہ کے روز ہوا تھا اور سہ شنبہ کا سارا دن آنحضرت کے کاشانہ اقدس میں رکھا رہا اور آپ پر نماز گزارتے رہے اور روز چہار شنبہ کو دفن کئے گئے۔

اور مروی ہے کہ جس وقت اہل بیت نماز گزارتے تھے انہیں معلوم نہ تھا کہ کیا پڑھیں اور کیا دعا کریں۔ پس انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ پس ابن مسعود نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کریں۔ پس علی رضی اللہ عنہ ان کو فرمایا کہ پڑھیں۔ **ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنو صلو علیہ و**

سلموا تسليما۔ اللھم ربنا لبیک وسعدیک صلوات اللہ النبزا الرحیم ولملائکۃ المقربین و النبیین۔ والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شیئی یا رب العالمین علی محمد ابن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الشاھد البشر الدرعی باذنک السراج المنیر صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

یہ دعا شیخ زین الدین مراغی نے اپنی کتاب تحقیق لنصرۃ فی دار الہجرت میں ذکر کی ہے اور روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت کی جانب کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔ اے پیغمبر گرامی! آپ پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ اے خدا میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت نے وہ لوگوں تک سب کچھ پہنچادیا جو ان پر نازل کیا گیا۔ اور اپنی امت سے منسوب اپنے جملہ فرائض ادا کئے۔ اور نصیحت فرمائی اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے دین خدا کو عزیز گردانا۔ خدایا ہمیں ان لوگوں میں سے کردے جو اس کی پیروی کریں جو کچھ پیغمبر پر نازل ہوا اور قیامت کے دن ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اکٹھا کر۔ اس پر دوسرے لوگوں نے آمین کہا۔

آنحضرت کی تدفین:۔ وصل:۔ جہاں تک تدفین کا معاملہ ہے اس میں بھی اختلاف واقع ہوا کہ کس جگہ پر دفن کیا جائے۔ ایک جماعت کہتی تھی کہ جس حجرہ میں آپ کی روح مقبوض ہوئی اس میں ہی تدفین ہو۔ دوسری جماعت کہتی تھی کہ مسجد میں ہو۔ ایک جماعت قبرستان بقیع کہتی تھی۔ چند لوگ قدس میں دفن کرنے کے لئے کہتے تھے کہ وہاں پر سب انبیاء کی قبور ہیں۔ تب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی نبی کسی جگہ نہ دفن کیا گیا۔ بجز اس مقام پر جہاں اس کی روح قبض کی گئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ زمین پر کوئی جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جگہ سے زیادہ فضیلت والی نہیں ہے جس میں نبی کی روح قبض کی گئی۔ ازاں بعد آنحضرت کا بستر اٹھایا اور قرار پایا کہ اس جگہ پر قبر کھودی جائے۔

قبر کھودنے کی مہارت رکھنے والے مدینہ شریف میں دو آدمی تھے۔ ایک حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے جو شق کے طریق پر قبر کھودتے تھے جس کو شاہی بھی کہتے ہیں اور دوسرے شخص تھے حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ یہ لحد کے طریق پر قبر بناتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ خدایا! تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کے لئے اس چیز کو اختیار فرما جو تجھے پسند اور محبوب ہے قبر کھودنے والے دونوں آدمیوں ابو عبیدہ بن الجراح اور ابو طلحہ انصاری کی طرف علیحدہ علیحدہ دو آدمیوں کو بھیجا گیا کہ بلا لائیں۔ اور کہا کہ دونوں میں سے جو پہلے یہاں آجائے وہ اپنے طریق پر قبر تیار کرے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تو نہ مل سکے۔ اور ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آگئے۔ پس لحد کے طریق پر قبر تیار کردی گئی حدیث میں روایت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللحد لنا والشق نعیرنا ہمارے لئے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق ہے۔ یہاں پر لنا سے مدینہ شریف والے مراد ہے اور غیرنا سے مراد ہے غیر اہل مدینہ۔ یعنی مکہ شریف کے لوگ وغیرہم۔

علماء کرام اس کی توجیہہ میں یوں فرماتے ہیں کہ زمین مدینہ سخت ہے اس میں لحد کی صلاحیت موجود ہے بخلاف زمین مکہ کے جو کہ ست و نرم ہے اس میں سقوط کا احتمال ہوتا ہے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں لحد یا شق کا وجوب نہیں ہے بلکہ یہ تو اپنے اپنے رواج یا پسند کی بات ہے۔ اس کے باوجود شک نہیں ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر واقع ہوا وہ افضل ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ لحد افضل ہے اگر زمین سخت ہو۔ اور اگر زمین ست و نرم ہو تو شق افضل و بہتر ہے۔ اور بعض علماء لنا سے مراد اہل ملت اسلام لیتے ہیں۔ بغیرنا سے مراد اہل کتاب کو قرار دیتے ہیں۔ اور قبر کے وسط میں کھودنے کو شق کہا جاتا ہے آج کل ہمارے شہروں میں قبر کے درمیان دیواریں بناتے ہیں لیکن وسط قبر میں شگاف کھودنے کا حکم کرتے ہیں (واللہ اعلم۔)

بدھ کے روز (چہار شنبہ) سحر کا وقت تھا۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پائین جانب سے قبر میں اتار اگیا اور اصح یہ ہے کہ حضرت علی، عباس، فضل اور قثم رضی اللہ عنہم نے قبر شریف میں اتارا۔ اور قبر شریف سے سب سے آخر باہر نکلنے والا شخص حضرت قثم تھے۔ اور حضرت قثم رضی اللہ عنہ سے روایت کرے ہیں کہ سب سے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرہ انور کی زیارت کرنے والا شخص قبر شریف میں تھا۔ میں نے قبر مبارک میں نظر کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے لب مبارک کو جنبش دے رہے ہیں۔ پس میں نے اپنا کان آپ کے دہن مبارک کے قریب کیا۔ تو میں نے سنا آپ فرماتے تھے۔ رب امتی۔ امتی۔ تجرین کی بنی ہوئی سرخ رنگ کی چادر جو کہ روز خیبر آنحضرت کو ملی تھی اور آپ اسے پہنا کرتے تھے وہ نیچے بچھادی گئی۔ اور کہتے ہیں کہ چادر بچھانے والا شقران تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نہیں چاہتا کہ آپ کے بعد دوسرا کوئی اس چادر کو پہنے۔

امام نووی رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام شافعی اور جملہ اصحاب شافعین رضی اللہ عنہم اور دوسرے علماء نے قبر میں میت کے نیچے کپڑا بچھانا مکروہ ہونے پر تفصیص کرتے ہیں اور ائمہ شافعیہ میں سے امام بغوی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہے کیونکہ یہ حدیث اس کا ثبوت ہے۔ اور کراہت ہی درست ہے جیسے کہ جمہور علماء کا نظریہ یہی ہے اور جواب دیتے ہیں۔ وہ فعل شقران کے باعث ہوا تھا اور وہ اپنے فعل کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ اور صحابہ میں سے کسی کو ان کے ساتھ موافقت نہ تھی اور وہ اس کے بارے میں علم نہ رکھتے تھے اور حضرت شقران نے خود اس کو مکروہ جانا کہ کوئی اس چادر کو پہنے۔ یا آنحضرت کے سوا کوئی اور بچھائے۔

اور ابن عبد البر نے کہا ہے کہ آخر میں اس کو قبر سے باہر نکال لیا گیا تھا۔ (کذافی سیرت مغلطائی) اور اگر یہ تھا تو پھر بھی خصائص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہے۔ دوسرے کے لئے یہ مکروہ ہے کہ اس طرح کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کی قبر شریف کچی اینٹوں سے بنائی گئی۔ پھر لحد پر مٹی ڈال دی گئی۔ ازاں بعد قبر شریف پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پانی کا ایک مشکیزہ چھڑک دیا۔ پانی کا چھڑکاؤ سرہانے کی جانب سے شروع کیا تھا اور آپ کی قبر شریف کو زمین پر بلند کیا گیا جس کی مقدار ایک بالشت تھی۔ ایک روایت میں چار انگل آیا ہے۔ اور قبر کے اوپر سرخ و سفید رنگ کے

چھوٹے چھوٹے روڑے چن دیئے گئے بعد از تدفین صحابہ کرام فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ کہنے لگیں کہ تمہارے دل کیسے تیار ہو گئے کہ رسول خدا پر مٹی ڈالیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں یا بنت رسول اللہ! ہمیں بھی یہ خیال گزرا تھا اور ہم غمناک ہو گئے تھے لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ حکم شرع سے فرار کا چارہ نہیں ہے۔

اس کے بعد سیدہ فاطمہ اپنے والد کی قبر پر آئیں۔ قبر سے مٹی پکڑی اور اپنی روتی ہوئی آنکھوں پر رکھی ہوئی اور فرمایا

شعر

ماذا اعلی من شم تربت احمد ان لا لیشم مد الزماں غوالیا

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام صون لیا لیا

مختلف روایات میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر مبارک مسنم ہے یا مسطح اکثریت اس پر ہے کہ مسنم ہے (مسنم بلند کو کہتے ہیں)۔ اور سطح بمعنی ہموار ہے۔ صحیح بخاری میں ابوبکر بن عباس سے روایت ہوا ہے کہ انہوں نے قبر شریف کو مسنم دیکھا۔ لیکن ابو نعیم مستخرج میں اس قدر مزید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی مسنم ہے۔ اور اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ تسنیم قبور ہی مستحب ہے۔ اور یہی مسلک ہے ابو حنیفہ 'مالک 'احمد 'مزنی اور اکثر شافعین کا۔ اور قاضی حسین نے اس پر شافعین حضرات کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن قدما شافعین کی ایک جماعت نے تسطیح کو مستحب رکھا ہے۔ اور ماوردی اور دوسرے صاحبان بھی نے اس پر جزم کیا ہے۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر کے طریق پر حکم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا اے والدہ مکرمہ! میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی قبر شریف سے پردہ ہٹایئے۔ بس انہوں نے سر قبر سے پردہ اٹھایا۔ قبر نہ بلند تھی اور نہ ہی زمین کے ساتھ ہموار تھی۔ اور میدانی سنگریزے اس پر چنے ہوئے تھے۔

اور بالجملہ تسنیم و تسطیح دونوں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کونسی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ پہلے قبر شریف مسطح تھی۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانہ میں مسنم بنائی گئی اور جو سفیان التمار کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے آنحضرت کی قبر کو مسنم دیکھا۔ وہ اس پر محمول ہے کہ ہمارے ملک میں ایسا طریقہ کیا گیا ہے جو تسنیم و تسطیح دونوں کا جامع ہے۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں سے ایجاد ہوا۔ واللہ اعلم۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ حجرہ شریف میں شیخین کی موجودگی کے بعد بھی ایک جگہ مزید باقی رہ گئی ہے۔ اور اخبار میں آیا ہے کہ اس مقام پر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی قبر بنے گی۔

جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو لوگوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ یہ آپ کا حجرہ شریف ہے۔ اگر آپ تجویز فرمائیں تو حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن کریں۔ سیدہ عائشہ نے قبول کیا اور فرمایا۔ مرحبا۔ لیکن اس دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان مدینہ کا حاکم تھا۔ اس نے امام صاحب کو وہاں

دفن نہ کرنے دیا۔ اس کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ نے عبدالرحمٰن بن عوف کے لئے بھی اس جگہ پر تدفین تجویز کی۔ یہ بھی میسر نہ ہوا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ عیسیٰ بن مریم نزول کریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کے لئے اولاد پیدا ہوگی۔ اور پینتالیس سال کا عرصہ وہ زمین پر قیام پذیر رہیں گے پس وہ فوت ہوں گے اور میرے مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے۔ پس میں اور عیسیٰ ایک قبر (مقبرہ) سے اٹھیں گے۔ اور ابوبکر و عمر بھی۔ اس جگہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن سے فارغ ہو گئے۔ تو صحابہ نے اپنے وقت و حال کے سر پر خاک ندامت و حسرت ڈالی اور محبوب دوجہان کے فراق میں جلنے لگے اور گریہ زاری کرنے لگے۔ خصوصاً فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ مصیبت زدہ رونے والی اور بے کس تر تھیں۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے چہروں پر نظر ڈالتی تھیں۔ اور اپنی یتیمی اور فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں۔ اور دوسری طرف عائشہ صدیقہ اسی حجرہ میں جس میں آنحضرت نے وصال پایا تھا وہی حجرہ ان کے لئے بیت الحزن و فراق ہو گیا۔ بے خانماں ہو کر دن رات روتی رہتی تھیں۔

سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ جب آنسرور مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سرائے فانی سے دار البقائے آنجہانی میں انتقال فرمایا تو روشن دن شب دیجور (اندھیری رات) کی مانند ہو گیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مدینہ شریف میں وارد ہوتے تھے اس سے روشن تر اور بہتر نورانی دن اور کوئی نہ تھا۔ اور اس روز سے بڑھ کر کوئی دن زیادہ بدتر اور اندھیرا نہ تھا جس روز کہ آپ نے اس عالم سے پردہ فرمایا اور ابھی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہونے لگے۔ اور ہم پر اس طرح کا پردہ پڑا کہ ہم دلوں کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

رہ نہ دیدم چوں برفت از نظر صورت دوست ہمچو چشمی کہ چرا عشق ز مقابل برود

اہل بیت نبوت اور صحابہ کبار میں سے ہر فرد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرثیہ میں حزن و ملال میں نظر کردہ شعر پڑھتا تھا۔ ان میں اولین سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں جو دفن کے بعد مرقد انور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئیں۔ وہاں سے مٹی اٹھا کر اپنی غمناک آنکھوں پر ملی۔ اور یہ شعر روتے روتے ہی نظر کر دیا۔

ماذا علی من شم تربت احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام صرن لیالیا

کچھ حضرات نے کہا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منظوم کردہ اشعار ہیں۔ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پڑھے تھے علاوہ ازیں اور بھی اشعار ہیں جو زیارت کے وقت سیدہ نے پڑھے تھے۔

اذا اشتد شوقی زرت قبرک باکیا وذکرک واشکو ما اراک مجادیا
یا ساکن الغبراء علمنی ابکاء وذکرک انسانی جمیع المصائبا
فان کنت عن عینی فی انتراب فعیبا نعاکنت علی قلبی الحزین بغائبا

مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ ذیل کے دو بیت بھی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حزن و غم کے اظہار پر مشتمل ہیں۔

نفسنی علی ذخرا تہا محبوسۃ بالیتہا خرجت مع الزفرات
لا خیر بعرک فی الحیوۃ وانہا ابکی مخافۃ ان تطول حیاتی

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہا صاحب اذن اور مستجاب الدعوات تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا میری جہان کو دیکھنے والی میری آنکھ صلب کرے۔ کہ میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مشاہد جمال کے علاوہ کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔ پس وہ فوری طور پر نابینا ہو گئے۔ نیز ایک اور جماعت صحابہ مدینہ شریف میں تھی جس کو کسی صورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دیدار پاک کے سوا صبر و استقلال آتا ہی نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے دنیا میں گشت کرنا اور مسافری کو اختیار فرمالیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے تھے۔ یہ جانب شام چلے گئے پورے چھ ماہ کے عرصہ کے بعد ایک رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جمال با کمال دیکھا۔ آنحضرت نے فرمایا اے بلال! تم ہم پر ظلم کس سبب سے کرتے ہو۔ تم ہماری زیارت کے لئے کیوں نہیں آتے ہو۔ پس حضرت بلال بیدار ہوئے تو فوراً مدینہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس دوران سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ وصال پا چکی تھیں۔ انہوں نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے سیدہ فاطمہ کا حال دریافت کیا تو وہ رو پڑے اور فرمایا۔ **جزک اللہ فی فاطمۃ** یہ سنا تو حضرت بلال رضی اللہ بہت روئے اور کہا۔ اے لختِ جگر رسول مقبول بخدا تم بہت ہی جلدی اپنے والد محترم سے جا ملیں۔

جدائی کا دکھ اور رنج و الم:۔ وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے بعد جو علامات ظاہر ہوئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس دراز گوش پر آنحضرت سواری فرماتے تھے اس قدر جدائی کا الم ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک کنویں میں گرا دیا۔ اور آنحضرت کی جو مخصوص ناقہ تھی اس نے بھی کھانا پینا ترک کر دیا اور اسی حال میں جان دے دی اور وہ خبریں تو کثیر ہیں جن کی خبر آنحضرت نے دی تھی کہ میرے بعد ظاہر ہوں گی اور وہ بے حد و بے شمار ہیں۔ مسلم میں ایک حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زیارت کردہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی امت کے لئے جب فلاح کا ارادہ فرماتا ہے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے نبی کی روح کو قبض فرماتا ہے۔ پھر ان کی پیشرو اور سلف بنا دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی امت کو ہلاک کر دے۔ تو اس حال میں ان پر عذاب بھیج دیتا ہے کہ ان کے درمیان ان کے نبی زندہ موجود ہوتے ہیں اور امت نبی کی نگرانی میں ہلاک کی جاتی ہے اور ان کی بے ادبیاں اور نافرمانیوں

کے مرتکب ہوئے ہوتے ہیں۔

روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مسجد نبوی کی زیارت:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضہ پاک اور آنحضرت کی مسجد نبوی شریف کی زیارت کرنا اعظم عبادات اور اعلیٰ درجات سے ہے۔ کچھ علماء یہ مذہب رکھتے ہیں کہ یہ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے۔ جس طرح امام عبدالحق نے بیان فرمایا ہے۔ یہ اعظم محدث ہیں۔ علماء نے واجب سے ان کی مراد سنت موکدہ بیان کی ہے۔ یہ واجب کے مرتبہ میں ہوتی ہے اور یہ حکم ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ **من زار قبری وجبت له شفاعتی** جو میرے روضہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میری شفاعت اس کے واسطے واجب ہو گئی۔ آنحضرت نے فرمایا **من وجد ساعة ولم بعد الی فقد خفانی** جسے استطاعت حاصل ہوئی اور وہ میری طرف نہ آیا۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

مولف مواہب الدینہ کا قول ہے کہ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ ترک زیارت حرام ہے۔ کیونکہ ترک زیارت سے آنحضرت پر ظلم ہوتا ہے اور آنحضرت پر جفا اور ایذا کا حرام ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ لہٰذا جفا کا ازالہ کرنا واجب ہے۔ اور وہ زیارت سے ہی ممکن ہے۔ پس زیارت واجب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **من زار بعد موتی نکانما زارفی حیاتی** جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری حیاتی ہی میں زیارت کی۔ اس معانی میں بہت احادیث ہیں اور ہم نے آنحضرت کی قبر منور اور مسجد مبارک کے فضائل اور آداب اس کے تمام احکام اور ادب و احترام سب کچھ اپنی کتاب جذ القلوب جو کہ مدینہ شریف کی تاریخ ہے میں اور مناسک حج اور آداب زیارت پر مشتمل اپنے مولفہ رسالہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

خصائص نبوت:۔ وصال شریف کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خصائص میں تعدد صلوٰۃ' ترک جماعت' اپنے گھر میں تدفین کے علاوہ عدم میراث بھی ہے اور اس حکم میں تخصیص سنت باقیہ ہے اور اس حکم میں جملہ انبیاء علیہم السلام شامل ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے **انا معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناه صدقته** نبیوں کی ہم ایسی جماعت ہیں کہ کسی کی میراث نہیں لیتے اور نہ ہماری وراثت کوئی لیتا ہے اور ہم جو ترکہ چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی رحلت شریف کے بعد یہ کچھ چھوڑا تھا۔ ایک دراز گوش' اسلحہ' قمیص مبارک' چادر مبارک اور اس طرح کے چند اور ملبوسات اور بنی نضیر' خیبر اور فدک کی زمینیں تھیں فدک کی زمین آپ کے لئے مخصوص تھی اس سے آپ ازواج مطہرات کا نان و نفقہ' مسلمان فقیروں اور مسکینوں کی حاجات پوری فرماتے تھے۔ جو کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف

فرما ہوئیں اور میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے وراثت نہ دی۔ پس سیدہ فاطمہ نے فرمایا۔ آپ وصال پا جائیں گے تو آپ کا وارث کون ہو گا۔ انہوں نے کہا میری اہل اور اولاد پھر سیدہ نے فرمایا کہ پھر کس بنا پر میں اپنے والد کی میراث کی وارث نہ بنوں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہماری میراث نہیں ہو گی۔ لیکن میں خلیفہ رسول ہوں۔ لہذا جس شخص کی عیالداری آنحضرت فرماتے تھے میں بھی اس کی عیالداری کروں گا۔ اور آنحضرت نے جو اموال چھوڑے ہیں وہ میں بھی اسی جگہ صرف کروں گا جہاں پر آپ خرچ فرماتے تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عیال اور دوسرے مسلمانوں کے حوائج و حاجات وغیرہ۔ اس کے علاوہ یہ بھی آنحضرت سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو جو عطا فرماتا ہے وہ عطا اس کے واسطے بھی ہوتی ہے جو اس نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرنے والا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بہت تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وعدے فرمائے تھے۔ کہ تم کو کچھ عطا کروں گا۔ آنحضرت کی وفات شریف کے بعد وہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو آنحضرت کے وعدہ کے مطابق وہ چیز موعود عطا فرمائی۔ اور یہ بات اس طرح نہیں ہے کہ یہ حکم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے مخصوص تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد میں نے بھی خیبر و فدک اور بنو نضیر کی مدینہ شریف میں موجود زمین پر مشتمل آنجناب کے ترکہ سے وارثت کا مطالبہ کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی چیز عطا نہ کی اور وہ جواب دیا جو انہوں نے سیدہ فاطمہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حال بھی ایسا ہی تھا۔ اور یوں نہیں ہے کہ یہ روایت صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے بلکہ سب صحابہ کرام نے یہ شہادت دی اور اس پر متفق ہوئے پس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ دیا بلکہ انہوں نے فرمایا کہ یہ اموال آل محمد خرچ کریں جیسے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وقت خرچ کیا کرتے تھے۔ وہ عمل میں تبدیل نہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیا کرتے تھے اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے عزیز تر ہے۔

یہاں پر عجیب و غریب امر یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب سے سیدہ فاطمۃ الزہرا بڑی دلگیر ہو گئیں۔ ان کے ساتھ ناراض رہیں اور اپنے وصال تک ان سے کنارہ کشی کی رکھی۔ یہ کنارہ کشی اور ان کے ساتھ ان کے غصہ کے سبب کیا تھا۔ اگر یہاں فرض کیا جائے کہ سیدہ فاطمہ کو یہ حدیث قبل ازاں پہنچی نہ تھی۔ تو جب ان کی پہنچائی گئی اور انہوں نے سنی تو پھر آپ نے اسے کیوں قبول نہ کر لیا۔ مورخ آپ کی ناراضگی کو بحکم طبیعت گردانتے ہیں۔ پھر بھی اسے ناراضگی کا دوام اور استمرار نادر چیز ہے۔ اور یہ بھی ثبوت کو پہنچی ہوئی بات ہے۔ کہ اپنے واصل کی بیماری کے دوران سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ راضی ہو گئیں تھیں۔ بیہقی کی شعبی سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ کی بیماری کے دوران عیادت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ہاں گئے۔ اور ان کے دروازے پر

کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور آپ سے اجازت چاہتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی سے فرمایا کہ کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ میں انہیں اجازت عطا کروں انہوں نے فرمایا۔ ہاں۔ پس سیدہ نے ان کو اجازت دے دی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر آ گئے۔ پھر حضرت صدیق نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کیا۔ اور سیدہ بھی راضی ہو گئیں کتاب الوفا میں بھی اس طرح مرقوم ہے۔ اور ریاض النضرہ میں نقل کیا گیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے معذرت طلب ہوئے۔ پس سیدہ ان سے راضی ہو گئیں علاوہ ازیں اوزاعی سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ سخت دھوپ تھی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر آئے اور کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں اس جگہ ہرگز نہیں جاؤں گا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی میرے ساتھ راضی نہ ہوں۔ پس علیؓ سیدہ فاطمہ کے پاس آئے اور ان کو راضی ہو جانے کی قسم دی۔ پس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ کتب الموافقہ کے اندر یہ شیخ نے روایت کی ہے۔

اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موجود نہ ہونا مشہور ہے کہ انہوں نے ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی۔ وجہ یہ تھی کہ سیدہ کا جنازہ دوران شب اٹھایا گیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق کو حضرت علی کی رات ہونے کے باعث خبر نہ کی تھی۔ جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اصل انتظار میں تھے کہ انہیں طلب کیا جائے گا۔

لیکن روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر موجود تھے اور انہوں نے نماز جنازہ بھی پڑھی تھی۔ جس طرح کہ یہ بیان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اولاد کرام کے ذکر میں بیان ہو گا۔

کتاب فضل الخطاب میں نقل شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جب بڑی علیل تھیں ان کے پاس آئے اور اجازت مانگی کہ عیادت کی خاطر ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ سے کہا کہ یہ حضرت ابوبکر آکر دروازے پر کھڑے ہیں اگر آپ رضامند ہوں تو اجازت فرمادیں کہ وہ اندر حاضر ہو جائیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا آپ ان کے نہ آنے کی بجائے آنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر وہ اندر آئے اور حاضر ہو کر معذرت خواہی کی۔ پس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھنے کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ ان کا وصال مغرب اور عشاء کے درمیان واقع ہوا۔ اس وقت ابوبکر صدیق، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم خدمت میں حاضر ہوئے۔

ازاں بعد جس وقت جنازہ کو رکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ابوبکر آگے بڑھیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ کیا تمہاری موجودگی میں آگے آؤں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ میں حاضر ہوں یہاں پر پھر بھی سوائے آپ کے جنازہ اور کوئی نہیں پڑھائے گا۔ ازاں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آگے

قدم بڑھایا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیرات آپ نے پڑھیں۔ بعد ازاں دوران شب ان کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ واللہ اعلم۔

اور جس وقت رحلت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واقعہ ہوئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا۔ تو وہ بھی دو سال تک ان اموال کو اسی طریق پر خرچ کرتے رہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ ازاں بعد انہوں نے یہ اموال حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگا دیئے اور ان کی تولیت دیئے کہ وہ مذکورہ بالا نہج پر تقسیم کیا کریں اور خرچ میں لائیں۔ تھوڑا عرصہ گزرا کہ ان دونوں میں کچھ جھگڑا سا پیدا ہو گیا۔ تو یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پاس آگئے کہ یہ اموال ان میں تقسیم کر دیں۔ اور ان میں شرکت باقی نہ رہے۔

پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو اکٹھا کیا۔ اور فرمایا کہ تم کو اس بزرگ و برتر خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے ارشاد پر زمین و آسمان کا قیام ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا **انا معاشروا لانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ** ہم انبیاء کا جو گروہ ہیں کسی کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور نہ ہی ہمارے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ جو ہم ترکہ میں چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ اس پر جملہ صحابہ کرام نے کہا ہاں خدا تعالیٰ کی قسم۔ ازاں بعد کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم یہ مال تقسیم فرما دیتے تھے۔ اس سے اپنی ازواج پاک کو سال بھر کا نفقہ مہیا فرماتے تھے اور جو کچھ باقی بچتا تھا وہ مال خدا کی جگہ پر دے دیا کرتے تھے ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رحلت پا گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کا خلیفہ مقرر کیا گیا وہ اس مال پر قابض ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرح ہی انہوں نے عمل کیا اور خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے قول اور اپنے عمل کے لحاظ سے صادق یار تھے۔ راشد تھے اور اپنی اتباع کرانے والے تھے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بنا۔ تو اس میں دو سال کی مدت تک اسی طرح عمل کرتا رہا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے رہے تھے اور تم دونوں حضرات ایک تھے اور تمہارا کام بھی مشترکہ تھا لہٰذا میں نے اس کام کو تمہارے ذمہ لگا دیا کہ تم اسی طرح اس میں عمل کرو جیسا کہ پہلے ہوتا رہا۔ اور تم سے میں نے اللہ تعالیٰ کا عہد لیا کہ تم اسی طرح ہی کرنا جس طرح کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیا کرتے تھے۔ اور تم نے یہ عہد کیا کہ ہم اسی طریق پر عمل کریں گے۔

اب تمہارا مطالبہ ہے کہ اسے میں تم میں تقسیم کر دوں۔ اس طرح ہرگز نہ کیا جائے گا اور نہ ہی اسے تقسیم سے موسوم کیا جائے گا۔ اگر تم اب راضی نہیں ہو اور نہ اس طرح عمل ہی کر سکتے ہو۔ تو تم یہ اموال مجھے واپس دے دو اس طرح ہی عمل کروں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔

ازاں بعد بھی یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ بعد میں حضرت علی حضرت

عباس پر غالب آئے حضرت علی کے بعد یہ مال امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا۔ پھر حضرت حسین بن علی کے قبضہ میں۔ پھر علی بن حسین کے اور حسن بن حسین کے قبضہ میں رہا۔ اور دونوں نے تداول کیا۔ ازاں بعد زید بن حسن بن علی کے قبضہ میں رہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اس کے بعد اس پر مروان نے قابو پالیا جو کہ اس وقت امیر تھا۔ مروانی لوگوں سے یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آیا۔ انہوں نے اپنے طبعی عدل و انصاف کی رو سے فرمایا کہ یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں ہرگز نہیں لیتا جس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی تھی۔ اور میرا اس میں حق بھی کوئی نہیں ہے۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ طلب کیا تھا اور آپ نے نہیں دیا تھا۔ اور اس نہج پر باقی رکھا۔ واللہ اعلم۔ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ ان پر واپس کرتا ہوں۔ اس بارے میں ہمارا یہ اجمالی بیان ہے اور صحیح بخاری میں تفصیلاً مذکور ہے۔

عدم میراث کا سبب:۔ کچھ علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا زندہ ہونا عدم میراث کی بنا اور سبب ہے۔ بالخصوص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حیات ابدی سے موصوف ہیں۔ اور وراثت مردوں کی ہوا کرتی ہے۔ زندہ لوگوں کی نہیں ہوئی۔ کلام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کا ذکر آگیا ہے لہٰذا ہم اس سے اب اس کتاب کو زینت دیتے ہیں۔ آنحضرت کے وصال اور دوسرے احکام اور غسل و تدفین وغیرہ سابقاً مذکور ہو چکے ہیں۔

حیات پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔ مندرجہ بالا الفاظ (وفات و تدفین) وغیرہ کی نسبت آنحضرت کی ذات گرامی سے کی گئی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت حقیقت باطنیہ میں سراپا اصل اور مبداء حیات ہیں۔ آپ ہی بنی آدم کی بقا ہیں بلکہ یوں کہیں کہ جملہ اجزائے عالم کی بقاء آپ ہی سے ہے۔ صرف وقتی ضرورت سے ان الفاظ سے منسوب کرنا پڑا ہے۔ اس لئے سوائے ان الفاظ کو استعمال کرنے کے مقصد و مفہوم بیان کرنے کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

البتہ واقعہ اس طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **کل نفس ذائقتہ الموت** اور ہم صرف سنت الیہ کے اجرا کے حکم میں آنحضرت کی ذات اقدس کے لئے بھی موت کا مزہ چکھنا کہہ سکتے ہیں اور طریقہ کی اقامت ہو جائے اور ذائقہ موت کے بعد سراپا حیات ہی حیات ہے اب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میت کے لفظ کا اطلاق واسلو کتب میں نظر آتا ہے وہ گراں و ثقیل ہے۔ اگر دیگر کسی طریقہ سے تعبیر و بیان کر سکیں تو وہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ یہ بارگاہ محمدی کے خاص پڑوسیوں سے ایک ہیں وہ اس کو مکروہ گردانتے ہیں کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔

حیات انبیاء علیہم السلام:۔ وصل:۔ واضح ہو کہ تمام علماء ملت انبیاء علیہم السلام کی حیات پر متفق ہیں۔ کوئی ایک بھی اس بارے میں مختلف رائے کا حامل نہیں ہے۔ نیز یہ ہے کہ شہیدوں اور مقاتلین فی سبیل اللہ کی زندگی سے بھی انبیاء کی حیات زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک شہیدوں کی حیات معنوی اور اخروی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات پاک حسی دنیاوی ہے اس بارے میں احادیث آثار کثرت سے آئے ہیں جیسے کہ بیان کیا جارہا ہے۔

احادیث و آثار بسلسلہ حیات انبیاء:۔ ابویعلی نے معتبر راویوں کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **الانبیاء احیاء فی قبورهم** الحدیث دوسری جو حدیث ہے وہ صحیح نہیں۔ **من مسلم یسلم علی الا راد اللّٰہ علی روی حتی ارد علیه السلام** مجھ پر جو مسلمان صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس کرتا ہے حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس جگہ علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ فضیلت ہر اس آدمی کے لئے عام ہے۔ جو سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے۔

روضہ شریف پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے یا اس بارگاہ کبریٰ سے غائب ہو خواہ کسی مقام پر ہو اور ظاہر طور پر حدیث سے عموم پر استدلال ہوتا ہے۔ ہر لحاظ سے یہ مفید مدعا ہے۔ کہ حیات موجود ہے۔ صحیح اسناد کے ساتھ نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں جو زمین پر گشت میں مصروف رہتے ہیں۔ جو شخص میری امت میں سے مجھ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے۔ فرشتے وہ لاکر میرے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو غائب ہوتے ہیں لیکن جو لوگ روضہ پاک پر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے حق میں ایک حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر واقعات بندہ کی سلام عرض کرنے پر خود سبقت فرماتے ہیں جیسے آنحضور کی اپنی ظاہری زندگی میں عادت مبارک ہوا کرتی تھی۔

دوسری حدیث سے دلالت ہوتی ہے کہ اس صورت میں بھی بارگاہ نبویؐ میں سلام پیش کرنے کے لئے ایک فرشتہ متعین ہے۔ جیسے سلطانوں اور بادشاہوں کے درباروں میں حاجب اور گماشتے ہوتے ہیں۔ امام عبدالحق اکابر ائمہ حدیث میں سے ایک فرد ہیں انہوں نے اپنی کتاب "احکام صغریٰ" میں صحیح اسناد کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے مسلمان برادر کی قبر پر سے گزرے جس کو وہ جانتا تھا۔ اور اس کو سلام کرے تو اس قبر والا مسلمان بھائی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

اس بارے میں کثرت سے احادیث روایت ہوئی ہیں۔ اب معلوم ہو چکا کہ یہ بات ہر مسلمان اور مومن کے حق میں ثابت ہے تو پھر سید المرسلین اور صفوۃ المتقین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیفیت ہوگی۔ صرف سلام پہنچانا ہی نہیں ہے بلکہ ساری امت کے اعمال آنحضرت کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں بزاز صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے زمین پر پھرتے رہتے ہیں۔ وہ فرشتے تمہارے اعمال میری خدمت میں لا کر پیش کرتے ہیں۔ ان میں اچھے اعمال پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں اور برے اعمال پر میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام چالیس دنوں کے بعد اپنی قبور میں اپنے حال پر نہیں رہتے ہیں بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور نماز پڑھتے ہیں حتیٰ کہ وہ اسی حال میں ہوں گے جبکہ صور پھونکی جائے گی۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی پاک کے بارے میں بہت سے دلائل و شواہد صحیح احادیث کی کثرت سے ثابت ہیں انہوں نے وہ حدیث ذکر کی ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر پر سے گزرے۔ تو آپ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے علاوہ ازیں دوسری احادیث بیان کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی خاطر دیگر انبیاء علیہم السلام کا آنا مذکور ہے۔ امام بیہقی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں اس پر مبنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی ارواح بعد از وفات ان پر واپس بھیج دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے۔ **فصعق من فی السمٰوت ومن فی الارض** جو بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صعق انبیاء کو بھی ہے۔ لیکن اس سے لازم نہیں ٹھہرتا کہ یہ صعق انبیاء کے حق میں ہمہ وجوہ ہو اور موت کے معانی میں ہو۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ بھی ہو تو وہ سلب شعور ہوگا۔ اور امکان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس شعار کے مطابق ہو۔ **الا ماشاء اللّٰہ** سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ چاہے اور یہ صعق انبیاء علیہم السلام کے لئے نہ ہو۔ یہ بھی صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بروز جمعہ میری خدمت میں کثرت سے صلوٰۃ و سلام بھیجو کیونکہ تمہارا صلوٰۃ و سلام میری خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس طریقے سے ہمارا صلوٰۃ و سلام آپ کے حضور پیش کیا جائے گا حالانکہ ہماری نظروں سے آپ پوشیدہ ہوں گے۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ زمین پر اللہ نے حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی مبارک حسی اور دنیوی ہے۔ صرف ارواح کے ساتھ ہی باقی نہ ہے۔ جیسے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی صورت میں رکھی جاتی ہیں۔ صاحب تلخیص شافعی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں جو مال تھا وہ آج بھی آنحضرت ہی کی ملکیت میں ہے جیسے کہ حیات ظاہرہ کے دوران تھا اور وہ مال وارثوں کی ملکیت میں نہیں جاتا ہے۔ جیسے کہ دوسرے مرنے والوں میں ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کو صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت پاک کے مطابق ہے۔ جیسے کہ انہوں نے آنحضرت کے املاک کے بارے میں عمل کیا تھا۔ انتہیٰ۔

پھر صاحب تلخیص یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام الحرمین پر حیرانی ہے کہ وہ خود ہی یہ فرماتے ہیں۔ **مات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم عن کنا لسوۃ ومات وھو راض عن العشیرۃ** مراد یہ ہے کہ خود ہی انہوں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موت منسوب کی ہے۔ اور ازاں بعد وہ حیات النبی بھی ثابت کرتے ہیں۔ یہ ایک ہی شخص سے دو طرح کی باتیں صادر ہوئی ہیں۔ جواب میں فرماتے ہیں کہ اس میں ہرگز کوئی حیرت نہیں ہے۔ کیونکہ وفات ہو گئی ازاں بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو حیاۃ عطا فرمائی۔

اس طرح علامہ سبکی نے بھی اپنی کتاب شفاالاسقام میں لکھا ہے کہ یہ تمام اموات کے بارے میں ثابت ہے کہ روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر قبر میں۔ لیکن بات تو اس بارے میں ہو رہی ہے کہ انسانی جسم میں روح ہمیشہ قرار پذیر رہے جس سے وہ جسم زندہ ہو جائے جیسے کہ وہ دنیا میں زندہ تھا۔ انتہیٰ۔

حیات انبیاء کے حق میں جو دلائل ہیں ان سے مراد حیات بدنی ہے۔ جیسے کہ دنیاء میں تھی۔ اس کے باوجود انبیاء دنیا سے بے نیاز ہیں اور دنیا کے مادی اسباب کے محتاج نہ ہیں جن پر دنیاوی زندگی منحصر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ مادی وسائل کے بغیر زندہ رکھے اور جسم میں کچھ احوال و اعراض پیدا کر دے تا کہ امر کے بعد ان کی جانب کوئی احتیاج ہی نہ رہے جیسے کہ کبھی کبھی فرحت و سرور کی حالت میں یا نہایت غم و الم کے عالم میں کھانے پینے سے بندہ کو حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا خیال بھی نہیں آتا۔

یہ بندہ مسکین راقم الحروف (شیخ عبدالحق) کہتا ہے کہ یہ حدیث صوم وصل کے بارے میں ہے **عند ربی یطعمنی ویسقینی** میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں مجھ کو وہ ہی کھلاتا ہے۔ اور وہی پلاتا ہے۔ یہ حدیث ہی حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کافی ہے۔ اس ارشاد پاک سے خواہ مراد حقیقت میں کھلانا پلانا مراد ہو یعنی اس دنیا میں آنحضرت کو وہ جب جنت سے پہنچایا جاتا ہو۔ اور اس سے مراد وہ ذوق و حضور ہی ہو جو آنحضرت کو اس حال میں میسر ہوتا ہو۔ معلوم رہے کہ انبیاء کی حیات کے بارے میں اور ان کی اس صفت کی موجودگی اور اس پر مرتب ہونے والے احکام اور آثار کے ضمن میں کسی ایک عالم کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ماسوائے اس کے کہ اجسام انبیاء علیہم السلام قبور میں ہوتے ہوئے یہ بقعہ طاہرہ ہی ان کا تمکن اور استقرار ہو۔

اس ضمن میں بعض علماء کا کلام ہے۔ شیخ علاؤ الدین قونوی علماء شوافع سے ہیں اور اہل طریقت میں شمار ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کے حضور میں حیات ہیں۔ اور وہ ان کی حیات اس ظاہری زندگی سے زیادہ اکمل اور اشرف ہے۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ سموت علی میں سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جنتہ الماویٰ کے قریب موجود ہیں اور آپ کی یہ حالت آپ کے قبرانور میں موجود ہونے کی حالت کے مقابلہ میں افضل واکمل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق یوں تو عام مومن کی قبر کی وسعت وکشادگی حد نظر تک ہوتی ہے پھر ہم سید الاصفیاء سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منور کے بارے میں کیا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن جنت اعلیٰ میں آپ کی موجودگی جو زمین و آسمان میں عریض ہے اکمل و افضل ہے اور اعلیٰ ہے۔

حدیث پاک میں جو بیان ہوا ہے کہ چالیس دن کے بعد انبیاء علیہم السلام کو ان کی قبر میں نہیں رہنے دیتے اور دیگر

حدیث جو وارد ہوئی ہے کہ میں حق تعالٰی کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ مجھے قبر میں تین یوں کے بعد رکھا جائے۔ پس اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ بیان کردہ مدت کے بعد انبیاء علیہم السلام اس حیات کے ساتھ اپنی قبر میں ہرگز نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ کلام ہے قونوی کا۔ اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قبروں میں استقرار اور استمرار حیات کے بارے میں وہ متردد ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کے نزدیک اصل اور حقیقی حیات وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اپنے اس تردد کے بعد یہی قونوی کہتے ہیں کہ کوئی شخص میرے اس کلام سے یہ اخذ نہ کرے کہ انبیاء علیہم السلام کا تعلق اپنی قبور سے منقطع و مرتفع ہو جاتا ہے بلکہ یہ ہے کہ قبروں کے ساتھ ان کا تعلق مسلسل اور غیر منقطع ثابت اور برقرار رہتا ہے کیونکہ وہ منسوب ہی اس جگہ کے ساتھ ہیں اور کسی دوسری کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور دیگر تمام مسلمانوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان بھی اس طرح کی حالت ہوتی ہے۔ انہیں اپنی قبروں سے خاص نسبت ہے جس سے وہ زائرین کو پہچان لیتے ہیں۔ اور یہ استدلال اس حکم سے ہے جس میں تمام وقتوں پر ان کی زیارت کرنا استحباب میں داخل کہا گیا ہے۔

ازاں بعد امام بیہقی بہت سی حدیثیں بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث سے یہ استدلال قائم ہوتا ہے کہ قبروں والوں کو ادراک و ساعت میسر ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ سمع کی صفت عرضی ہوتی ہے اور مشروط باحیات ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جملہ اہل اسلام زندہ ہے لیکن عامتہ مسلمین کی حیات شہیدوں کی حیات سے مرتبہ میں فروتر ہے۔ جبکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بمقابلہ حیات شہدا و کامل تر ہے۔ انتہیٰ۔

اب یہ چیز چھپی نہ رہنی چاہیے اصل حقیقی دنیاوی حیات ثابت ہو جانے کے بعد اگر کوئی یوں کہے کہ اللہ تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جسد مطہر و اقدس کو یہ قدرت و طاقت عطا فرمائی ہوئی ہے کہ آپ جہاں چاہیں بذات خود وہاں پر تشریف لے جائیں یا مثالی صورت میں وہاں پہنچ جائیں۔ خواہ آسمان پر جانا چاہیں یا زمین پر اور خواہ کہیں قبر شریف میں جانا ہو یا کسی دیگر مقام پر اس کے باوجود ہمہ وقت آنحضرت کو اپنی قبر انور کے ساتھ خاص نسبت روایت کی گئی ہے۔ جیسے کہ ثابت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذوالنورین باغیوں کے گھیرے میں تھے۔ کچھ صحابہ نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے لئے مصلحت اس میں ہے کہ آپ اہل شام کے ساتھ مل جائیں۔ تاکہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو جائے آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا جواز نہیں ہے کہ میں اپنے دار ہجرت کو چھوڑ دوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہمسائیگی اور مجاورت سے محروم ہو جاؤں۔

اسی طرح ایک واقعہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ واقعہ حرہ کے وقت سب لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ گئے۔ تو حجرہ مقدسہ سے تین دن تک ہر روز اذان سنی گئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جسد اقدس قبر انور میں موجود ہے۔

سلطان سعید نور الدین شہید کا واقعہ بھی اسی کی تائید میں ہے۔ یہ واقعہ ۵۵۷ھ میں ہوا تھا۔ سلطان کو تین مرتبہ خواب میں رات کو ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ سلطان کو خبردار کیا کہ ان

دونوں نصرانی شرکاء کی نیت وارادہ ایسا ہے جو قبرانور سے منسوب ہے۔ آنحضرت نے ان خبیثوں کی شکل وصورت بھی خواب میں ہی سلطان کو دکھادی۔ اس کے بعد سلطان اپنے ساتھ ایک ہزار آدمیوں کو لے کر مدینہ شریف میں آپہنچا۔ وہاں ان دونوں لعنتی آدمیوں کو پایا اور ان کو آگ میں ڈالا گیا اور جلا دیا گیا۔ پھر سلطان نے حجرہ مقدسہ کے چاروں طرف خندق کھدوا دی۔ اس کو سیسہ سے بھرا گیا۔ مدینہ شریف کے جملہ مورخین نے یہ واقعہ بیان کیا ہے اور صراحت کی ہے۔

جہاں تک قونوی کا کلام ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبرانور میں موجود ہونے کے مقابلہ میں بہشت اعلیٰ میں استقرار ہونے کو ترجیح دی ہے۔ ان تمام تفاصل کا جواب علماء یوں دیتے ہیں کہ ہر مسلمان کی قبر جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے اور سید عالم کی قبرانور تو افضل ریاض جنت ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک میں سے ہی تصرف اور نفوذ کی یہ حالت ہو کہ تمام آسمان و زمین اور جنت وغیرہ یعنی ہر جگہ کے تجلیات اٹھ چکے ہوں۔ آنحضرت بغیر کسی تجاوز یا انتقال کے وہاں سے ہی تصرف و نفوذ فرما رہے ہوں۔ کیونکہ آخرت کے احوال اور برزخ کی باتوں کو دنیا کے احوال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ حدود و جہات کے ساتھ تنگ اور مقید ہیں۔ (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال علی وجہ الکمال) امام تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم جنت کے کس حصہ کو نبی کریم کی قبرانور پر فضیلت دے سکتے ہیں؟ اصل میں قبر مبارک تمام اماکن مقدسہ اور بلند مقامات سے افضل ہے خواہ کوئی مقام جنت ہو یا کوئی دیگر مقام ہو ازاں بعد فرماتے ہیں کہ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبر شریف کو عرش عظیم پر بھی ترجیح دیں تو کسی مومن صادق کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طفیل تو ہے۔ واللہ اعلم۔

XX

قسم پنجم

اس پانچویں. قسم میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک' آپ کی ازواج پاک' آپ کے غلامان بارگاہ' آپ کے عمامہ اور عمات۔ جدات۔ خادمین موالی اور امراء' رسل وکتاب اعمال وشعراء وخطبا موذنین' آنجناب کے حرب و دواب کے آلات اور اسباب وغیرہ بیان کئے گئے ہیں اور یہ قسم گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل

اولاد کرام

واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس اولاد پاک صلوات اللہ علیہم وسلامہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے وہ رسول زادے چھ افراد ہیں۔ ان میں آپ کے دو بیٹے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم ہیں اور چار آنجناب کی صاحبزادیاں ہیں۔ سیدہ زینب' سیدہ رقیہ' سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان کے سوا پر علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ علماء نے ان میں طیب اور طاہر کو بھی شمار کیا ہے۔ اس طرح سے کل آٹھ رسول زادے ہوتے ہیں۔ یعنی چار بیٹے اور چار بیٹیاں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ابراہیم اور قاسم کے علاوہ ایک اور فرزند بھی تھے جن کا عبداللہ تھا اور وہ مکہ شریف میں ہی چھوٹی عمر میں اس دنیا سے رحلت پا گئے تھے اور ان کا لقب ہی طیب مطاہرہ تھا۔

آپ کے یہ فرزند عہد اسلام میں پیدا ہوئے تھے اور علماء انساب کی اکثریت یہ مذہب رکھتی ہے اور دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ قول اثبت ہے۔ لہٰذا اس طرح سے رسول زادوں کی کل تعداد سات ہوئی یعنی تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔ اس کے سوا جو کچھ بھی اس ضمن میں مشہور اور زبان زد عام ہے وہ سب کا سب بے بنیاد باتیں ہیں۔

دار قطنی سے مواہب الدینہ میں منقول ہے کہ طیب اور طاہر حضرت عبداللہ کے علاوہ ہیں۔ اس لحاظ سے صاحبزادوں کی تعداد پانچ ہوتی ہے۔ اور کل تعداد ہوتی ہے۔ کچھ لوگ یوں نقل کرتے ہیں کہ ایک حمل سے طیب و مرطیب ہوئے اور دوسرے حمل سے طیب و طاہر ہوئے۔ یہ قول صاحب صفوۃ نے بیان کیا ہے اس طرح سے کل تعداد گیارہ ہو جاتی ہے اور بعض سے اس طرح منقول ہے کہ قبل از بعثت آنحضرت کے ایک فرزند پیدا ہوئے تھے جس کا نام عبد مناف تھا۔ اس شمار سے تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ سوائے عبد مناف کے تمام اولاد رسول اسلام کے دور میں تولد ہوئی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابراہیم کے سوا تمام فرزندان رسول قبل از اسلام تولد ہوئے تھے اور سب کے سب عالم شیر خوارگی میں رحلت پا گئے۔ دیگر ایک شخص کا یہ قول مذکور ہو چکا ہے کہ عبداللہ بعثت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ان کا نام طیب و طاہر رکھا گیا تھا۔

ان جملہ اقوال کا ماحصل آنحضرت کے آٹھ صاحبزادے ہوتے ہیں۔ ان میں متفق علیہ دو صاحبزادے ہیں۔ حضرت

قاسم اور حضرت ابراہیم۔ باقی چھ صاحبزادے مختلف فیہ ہیں۔ وہ ہیں عبد مناف' عبداللہ' طیب مطیب' طاہر اور مطہر' اور اصح یہ ہے کہ صاحبزادے تین ہی ہیں۔ قاسم' ابراہیم اور عبداللہ اور آپ کے صاحبزادیاں چار ہیں اور آنحضرت کی یہ تمام اولاد پاک سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سیدہ خدیجہ الکبریٰ سے پیدا ہوئی تھی۔

فرزند اکبر کون تھے :- اس بارے میں علماء مختلف رائے رکھتے ہیں کہ فرزند اکبر کون تھے۔ ترتیب میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ حضرت قاسم علیہ السلام فرزند اکبر تھے اور ان کے بعد سیدہ زینب پھر سیدہ رقیہ پھر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم تھے ابن عبداللہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اب ترتیب ولادت کے بعد فرزندوں اور صاحبزادیوں کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ زیادہ مناسب ہوگا۔

حضرت قاسم بن رسول اللہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سب سے بڑے فرزند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہی اولین فرزند بھی تھے اظہار نبوۃ سے پہلے ان کی پیدائش ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کنیت انہی کے ساتھ ابوالقاسم ہوئی۔ یہ اپنے پاؤں سے چلنے کی عمر تک زندہ رہے تھے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ سواری پر سوار ہونے تک زندہ رہے۔ اور کچھ علماء کا قول ہے کہ صرف دو سال کی عمر تک حیات رہے اور بعض سترہ ماہ بھی کہتے ہیں۔ اور سیرت نگار حضرات کے نزدیک یہ ہی ٹھیک اور صحیح ہے۔ یہ نبوت کے اظہار سے پہلے ہی وصال بھی پا گئے تھے۔ مولف مواہب الدینہ کہتے ہیں کہ مستدرک میں ایک روایت موجود ہے اس سے استدلال ہوتا ہے کہ ان کی عہد اسلام کے دوران رحلت ہوئی تھی اور اولاد نبوی میں سے سب سے پہلے وصال پانے والے بھی یہی صاحبزادے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رسول اللہ :- حضرت عبداللہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ شریف میں ظہور اسلام کے بعد تولد ہوئے تھے۔ اور یہ میں ہی رحلت پا گئے حضرت عمرو بن العاص کے برادر عاص بن وائل نے ان کے وصال کی خبر سنی جبکہ اس سے قبل وہ حضرت قاسم کے وصال کے بارے میں بھی سن چکا ہوا تھا تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے صاحبزادے فوت ہو گئے ہیں اور وہ ابتر (بے نسل) ہو گئے ہیں۔ لغت میں ابتر کے معانی ہیں۔ دم کٹا بے فرزند اور بے خبر ہونا اس موقع پر آیت پاک نازل ہوئی۔ **ان شانئک هو الابتر** اس میں کوئی شک نہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دشمن اور عیب جو کہ آپ کے شان میں بدگو بھی ہے وہ ہی ابتر ہے۔ اس لئے اس کا نام دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں لے گا۔ صرف اس پر لعنت ہی بھیجی جائے گی اور آنحضرت جیسے شخص کو تو کسی صورت کوئی ابتر نہیں کہہ سکتا کیونکہ دنیا اور آخرت کی بھلائی جس قدر آنجناب کو میسر ہے وصف و بیان کے احاطہ میں نہیں آسکتی اور یہ تمام جہان آنجناب کی اولاد اور فرزندان سے پر ہو جائے گا۔ مشرق سے مغرب تک پھیل جائیں گے حتیٰ کہ قیامت کے دن ہزارہا مسلمان معنوی اولاد کی حیثیت سے آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عقب میں ہوں گے اور حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہ خوشخبری عطا فرمائی۔ **انا اعطینک الکوثر** کوثر بروزن فوعل ہے اس میں کثرت اور مبالغہ کے معنی ہیں دنیا اور آخرت کی جملہ بہتریاں جن تک

علم مخلوق نہیں پہنچ سکتا اور جو بھی جتنا بھی بیان کر سکتا ہو وہ سمندر سے ایک قطرہ کی مانند ہے۔ لفظ کوثر کی تعریف میں علماء کے بہت سے اقوال اور تاویلات ہیں ہر کسی نے اپنے نور باطنی کے مطابق اسے بیان کیا ہے۔ اس میں نبوت و معجزات اور شفاعت و معرفت سب شمار ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات اور تاقیامت آپ کے کمالات و کرامات سب اس میں شامل ہیں۔ اور اسی کوثر (کثرت) میں وہ حوض کوثر بھی شمار ہے جو جنت میں آنحضور کو عطا ہوگا اور اس کو جو بھی پیئے گا اسے پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری اولاد پاک حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ہیں ان کی پیدائش ذوالحجہ کے مہینے میں ھ میں مدینہ شریف میں ہوئی تھی اور سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ان کی والدہ ہیں ان کی مصر کے بادشاہ مقوقس نے ہدایہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں مصر سے بھیجا تھا۔ آنحضرت کے بزرگان میں ان کا بھی ذکر ہے اور شاہ مقوقس کے احوال بھی قبل ازیں مذکور ہو چکے ہیں۔ جہاں پر سلاطین و ملوک کی طرف آنحضرت کے مکتوبات کا ذکر آیا ہے۔ ھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولی ابو رافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ سلمٰی ان کی دایہ تھیں۔

سلمٰی رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابو رافع رضی اللہ عنہ کو سیدہ ماریہ قبطیہ کے گھر صاحبزادہ کی پیدائش کی خبر دی تو یہ خبر ابو رافع رضی اللہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ نبی کریم رؤف الرحیم نے اس خوشخبری پر ابو رافع کو آزاد کر دیا۔ ازاں بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر نبی کریم کو ابا ابراہیم کی کنیت کے ساتھ مخاطب کیا آنحضرت کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ آپ نے دو بھیڑیں عقیقہ میں میں ذبح فرمائیں۔ ایک قول کے مطابق ایک بکری سے عقیقہ کیا ان کا سر منڈوایا گیا اور پھر نام رکھا گیا۔ دیگر ایک قول کے مطابق نام پہلے دن ہی رکھ دیا گیا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات صاحبزادے کی پیدائش ہوئی۔ اور اس کا نام اپنے جد امجد کے نام پر ابراہیم رکھا گیا ہے۔ آنحضرت نے ان کے سر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی مساکین میں تقسیم فرمائی اور بال زمین میں دفن کر دیئے گئے۔ ازاں بعد حضرت ام سیف رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیئے گئے تاکہ وہ ان کو دودھ پلائیں۔ یہ ایک آہنگر کی زوجہ تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسم ابو سیف کے ہاں اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لئے جایا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اپنے عیال پر شفیق میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ عوالی مدینہ میں دودھ پیتے تھے۔ وہاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جایا کرتے تھے تو ہم بھی آنحضور کی معیت میں ہوتے تھے آنحضرت کے ساتھ گھر میں ہم بھی داخل ہو جایا کرتے تھے۔ آپ حضرت ابراہیم کو اپنی گود میں لے لیتے تھے اور ان سے پیار کیا کرتے تھے۔ اس وقت ابو سیف نے بھی بھٹی میں آگ جلائی ہوتی تھی اور سارے گھر میں دھنواں ہوتا تھا۔ کسی وقت یوں بھی ہوتا تھا کہ ان کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسم کے جانے سے پیشتر میں وہاں جاتا تھا اور ان کو اطلاع دیا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف فرما ہونے والے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اتنا کام چھوڑ دیں عوالی مدینہ میں سیدہ ماریہ قبطیہ کے لئے ایک گھر بنایا ہوا تھا۔ آج کل وہ مقام موضع مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہم کہلاتا تھا۔ لوگ اس مقام کی زیارت کرتے ہیں اور برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اطلاع ہوئی کہ آپ نزع کے عالم میں ہیں اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چل پڑے۔ آنحضرت حضرت ابراہیم کے سرہانے تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ان کو نزع کی حالت کو دیکھا۔ آپ نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ فرماتے تھے۔ اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق میں غمزدہ ہیں۔ ہماری آنکھیں رو رہی ہیں اور دل میں جلن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دیگر بات نہ کی جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہے۔ ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابراہیم ستر دنوں کی عمر سے تھے دیگر ایک روایت میں سولہ ماہ اور آٹھ یوم مذکور ہوا ہے۔ بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ ایک سال دو ماہ اور چھ یوم کے تھے علماء تقریباً ڈیڑھ سال بھی بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں جبکہ آپ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اے ابن عوف! تم جو حالت دیکھ رہے ہو یہ میت پر رحم اور شفقت کے اظہار میں ہے اور یہ اس کی حالت و کیفیت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور میری طرف سے ممانعت دو قسم کی آوازوں کے بارے میں ہے۔ ایک تو گانے بجانے لہو لعب اور شیطانی مزامیر کی آواز ہے اور دوسری آواز وہ ہے جو مصیبت کے وقت ہوتی ہے۔ اور منہ نوچتے چہرے پر پیٹنے کپڑوں کو پھاڑنے اور بین کرنے سے ممانعت کرتا ہوں۔ لیکن صرف آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانا اس کا سبب رحم اور شفقت ہے۔ اور جو شخص رحم اور شفقت نہیں کرتا ہے اس پر بھی رحم نہ کیا جائے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حبان بن ثابت اپنی والدہ سیرین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ سیرین سیدہ ماریہ قبطیہ کی بہن تھیں۔ کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی میں اور میری بہن ماریہ فریاد کرنے لگیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم کو اس فریاد کرنے سے منع نہ فرمایا لیکن جب ابراہیم کی روح قبض کر لی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیں فریاد کرنے سے ممانعت فرما دی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آنکھوں مبارک سے آنسو بہنے لگے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اونچی آواز سے رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے ان کو اس سے ممانعت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو بھی میں نے روتے دیکھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ **البکاء من الرحمته والقراح من الشیطان** رونا رحمت سے ہے اور چیخنا شیطان سے ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ان کی دایہ نے غسل دیا۔ دیگر ایک قول میں آیا ہے کہ حضرت عقیل بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں غسل دیا تھا جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے جاتے تھے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی وہاں موجود تھے۔ ازاں بعد ایک چھوٹے تختہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اٹھایا گیا۔ اور یہ صحیح بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث وارد ہوئی ہے کہ ان کی جنازہ کی نماز نہ پڑھی گئی تھی۔ اس کی تاویل علماء نے یوں کی ہے۔ کہ یہ امکان ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بذات خود ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو بلکہ دوسرے صحابہ کرام حکم فرما دیا گیا ہو کہ وہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ باجماعت نہ ادا کی گئی ہو۔

تدفین:۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے قریب دفن کیا ہے پھر ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا سیرت نگار بیان کرتے ہیں سب سے اول قبر جس پر پانی چھڑکا گیا وہ یہ ہے ان کی قبر کے اوپر نشان بھی لگایا گیا جیسے کہ حضرت عثمان بن مضعون کی قبر پر بھی نشان لگایا ہوا تھا۔ (اس مقصد کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بذات خود پتھر اٹھا کر لائے اور اس قبر انور رکھ دیا۔ الحدیث۔

سورج گرہن:۔ جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے وصال پایا سورج گرہن واقع ہوا ان کا وصل محرم شریف کی دس تاریخ کو اور یا دس ربیع الاول کو ہوا تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی رحلت کے سبب سے ہے۔ یہ اس لئے تھا۔ کہ لوگوں کا عام گمان یہی تھا کہ کسی عظیم وفات یا حادثہ کی بناء پر سورج اور چاند گہناتے ہیں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وسلم نے فرمایا چاند اور سورج اللہ کی دو علامات ہیں وہ کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہناتے ہیں۔

دیگر ایک روایت میں وارود ہے کہ وہ ایسی نشانیاں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ اس سے ان کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔ اور وہ صدقہ و خیرات کریں غلاموں کو آزادی دیں۔ اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کریں۔ یہ چاند گرہن دسویں تاریخ پر واقع ہوا تھا لہٰذا لوگ سمجھے کہ ان کی رحلت کی بناء پر ایسا ہوا ہے۔

اس حدیث سے دلیل ملتی ہے کہ نجومیوں کو قول باطل ہے۔ کیونکہ نجومیوں کے حساب و شمار کے لحاظ سے سورج گرہن چاند کی اٹھائیس یا انتیس تاریخ سے واقع ہونا ناممکن ہے۔ نقل میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی روز وفات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اگر وہ جیتے رہتے تو ان کی ماں کے تمام قریبیوں کو میں آزادی عطا فرما دیتا اور جملہ قبطیوں سے جزیہ کی وصولی موقوف فرما دیتا۔ صحاح میں احادیث مابہ ثبوت کو پہنچی ہوئی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا سے میرے صاحبزادے ابراہیم کی رحلت قبل از تکمیل رضاعت واقع ہوئی ہے۔ اور ان کی خاطر ایک دودھ پلانے والی کو متعین فرمایا گیا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ (دودھ پلانے والی) جنت ہے تاکہ

دودھ پلانے کی مدت وہاں پر تکمیل پذیر ہو اور جنت سے مراد عالم برزخ کا ہونا بھی ممکن ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فوراً ہی جنت میں لے جائے گئے ہوں۔ اور دودھ پلانے والی کی تخلیق اور مدت کی تکمیل میں جو حکمت مضمر ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو معلوم۔

وہ مشائخ جن کا اعتقاد ہے کہ مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی رہتی ہے وہ اسی حدیث سے تمسک کرتے ہیں یہ بندہ مسکین راقم الحروف (شیخ عبدالحق) بھی اسی نظریہ کا قائل ہوتے ہوئے اسی حدیث سے تمسک کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو کوئی قرآن کو حفظ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس قصد کے دوران قبل از تکمیل ہی اس کی وفات واقع ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے اندر ایک فرشتے کو متعین فرماتے ہیں کہ اس کا حفظ مکمل کرادے۔ پہلی حدیث کے مقابلہ میں یہ حدیث زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔

اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مرجانے کے بعد کتنے حجابات رفع ہو جاتے ہیں۔ اور کس قسم کی نعمتوں کا انکشاف وشہود واقع ہوتا ہے اس سے زیادہ اور کیا ترقی ہوگی اگر کوئی چیز غیب کے عالم سے سالک پر ظاہر ہوتی ہے تو کس قدر خوشی ہوتی ہے اس کو۔ اور اس وقت تو جملہ انوار و اسرار کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ تو سوچیں یہ کس قدر خوشی کا باعث ہوگا اور اگر کہنے والا یوں کہے کہ ترقی کا مطلب ہے سلوک کا مکمل کرنا جو کہ ظلمات کے زوال اور بشری صفات کی فنا سے انوار و اسرار ظاہر بھی ہو جائیں پھر بھی وہ ظلمات اور بشری صفات ختم نہ ہو جائیں اور ان سے پاک نہ ہو جائے۔

اور اگر کوئی شخص اس طرح کہے کہ سلوک کی تکمیل دنیا میں ہی کرنی چاہیے۔ اور کہ وہ بلا تکمیل سلوک جانے سے کچھ فائدہ نہیں یہ بات اگر درست بھی ہو تو اس کا تعلق عالم آخرت کے ساتھ ہے۔ جبکہ عالم برزخ کا حکم دیگر ہے۔ اس مدعا کے اثبات میں شیخ ابن عربی نے اپنے چند رسالوں میں فرمایا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت سہیل تستری قدس سرہ کسی مسئلہ میں جو حکم واعتقاد رکھتے ہیں وہ میرے علم کے برعکس ہے۔ پس میں نے ان کو اس کی تعلیم وتلقین کی اور حضرت سہیل تستری قدس سرہ یہ علم حاصل کرنے سے واعل ترقی ہوئے معلوم رہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لو عاش ابراہیم کان نبیا** یعنی اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے۔

اس حدیث کو روضۃ الاحباب میں اس طرح نقل کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ سلف سے جو نقل میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صغر سنی میں رحلت فرما ہو گئے اور اگر زندہ باقی رہتے تو ضرور وہ نبی ہوتے۔ یہ بات پایہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ اور معتبر نہ ہے یہ علم غیب پر جرائت کی گئی ہے۔ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ مجھے نہیں معلوم اس بات سے کیا مراد ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعدد بیٹے تھے لیکن نبی نہیں ہوئے تھے۔ انتھی۔

یہ تو واضح ہے کہ اس قول کی روایت بعض سلف سے ہوئی ہے۔ لیکن یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مرفوع صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا آنحضرت سے سننے کے بغیر معتبر نہیں ہے اور علم غیب پر جرات ہے۔ اس کے بعد ابن

عبدالبر سے اس کا محل ہونا منقول ہے مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حیات رہتے تو بالیقین وہ نبی ہوتے۔ لیکن اللہ تعالٰی نے انہیں باقی نہ رکھا کیونکہ تمہارے نبی آخر الزمان پیغمبر ہیں۔

صاحب مواہب طبری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائی مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سننے کے بعد وہی جو کچھ کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ نبی کا صاحبزادہ' ضرور ہی نبی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے صاحبزادے نبی نہ ہوئے تھے۔ امام نووی سے بھی نقل میں آیا ہے کہ کچھ متقدمین سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ لیکن یہ باطل اور مغیبات میں کلام کرنے پر جسارت ہے۔ اور ایک امر عظیم پر لوگوں کو ورغلانا ہے۔ اس طرح شیخ سخاوی بھی مقاصد حسنہ میں کہتے ہیں جس طرح ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ اور شیخ ابن حجر کلام امام نووی کے بعد فرماتے ہیں کہ گویہ کلام تین طریقوں سے وارد ہے پھر بھی بڑا عجیب ہے۔ اور فرمایا کہ اس کی وجہ اور تاویل مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ لہٰذا ان کا میلان انکار کی جانب ہو گیا۔

وہ تین طریقے شیخ سخاوی نے بیان کئے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال پاجانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ ان کو دودھ پلانے کی خاطر جنت میں دودھ پلانی والی کا تعین کیا گیا ہے اگر وہ زندہ رہتے وہ صدیق اور نبی ہوتے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہیں اور یہ ضعیف راوی ہیں۔ کتاب المعرفتہ میں بھی اسی سند کے ساتھ ابن مندہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ یہ غریب روایت ہے۔

دوسرا طریقہ اس طرح سے ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابراہیم شدوی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم کی وفات آغوش میں واقع ہوئی اگر وہ زندہ رہتے تو لازماً" وہ نبی ہوتے۔ الحدیث۔

تیسرا طریقہ یوں ہے کہ بخاری تک اس کی سند اس طرح سے ہے۔ محمد بن بشر نے اسماعیل بن ابی خالد سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ہے؟

انہوں نے بتایا کہ وہ بچپن میں وصال پا گئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد نبی کا ہونا مقرر شدہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا صاحبزادہ رحلت نہ پاجاتا۔ لہٰذا پتہ چل گیا کہ یہ حدیث کئی اسناد کے ساتھ ہے۔ خواہ وہ ضعیف اور غریب ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یوں وارد نہیں ہوا کہ کہا جائے کہ بعض سلف سے کہا گیا ہے یا یوں کہ بعض متقدمین نے اس طرح سے کہا ہے۔ اور یہ باطل ہے۔ جسارت و جرائت ہے اور علم غیب پر دلیری ہے۔

ہاں اس حدیث پر دو وجوہات کی بنا پر اعتراض اور دشواری وارد ہوتی ہے۔ ایک اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کے بعد نبوت کا سلسلہ باقی نہ ہے۔ تو اب کیا مطلب ہو گا اس بات کا کہ ابراہیم اگر جیتے تو نبی ہوتے۔ اس کا جواب اس طرح سے ہے کہ قضیہ شرطیہ 'صدق طرفین اور ان کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے۔ جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ اگر عنقا

موجود ہوتا تو اس طرح سے واقع ہوتا۔ اگر زید گدھا ہوتا تو ناحق ہوتا اسی طرح یہ ہے کہ اگر زندہ ہوتے تو وہ نبی ہوتے۔ لیکن چونکہ وہ زندہ ہی نہ رہے لہٰذا وہ نبی نہ ہوئے۔

دوسرے ملازمت کا اشکال وارد ہے۔ اس کی توجیہہ اس طرح سے ہے کہ اصل میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی شان کی مدح اور علو شان اور کمل استعداد کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یعنی یوں کہ اگر وہ زندہ رہتے اور نبوت کا دروازہ بھی بند نہ ہوتا تو وہ ایسی شان اور استعداد لئے ہوئے تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر صاحبزادوں میں مفقود تھی۔ فافہم۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال وجہ الکمال۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

سیدہ زینب بنت رسول ؐ:۔ علماء کی اکثرت کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور یہ صحیح ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں مگر کسائی ان کے قول کو صحیح نہیں گردانتے اور کہا کہ اختلاف یہ ہے کہ آیا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پہلے تولد ہوئی تھیں یا کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ۔ ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح سے ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ۳۰ء میں (واقعہ فیل سے بھی یہی سن ہے) پیدا ہوئی تھیں۔ واسلام لائیں اور انہوں نے ہجرت فرمائی۔ ان کی خالہ کے بیٹے کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا اس کا نام تھا ابو العاص بن الربیع بن عبد العزیٰ بن عبد الشمس بن عبد المناف اور اس کی والدہ ہند بنت خویلد بہن تھیں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی۔ ابو العاص کی اپنی کنیت کے ساتھ معروف ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ ان کا نام لقیط ہے یا مقسم ہے یا قاسم ہے یا یاسر ہے۔ اور ابن عبد البر کا قول ہے کہ اکثریت پہلے قول کو صحیح کہتی ہے۔ یعنی کہ ان کا نام لقیط ہے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص کے مسلمان ہونے سے قبل ہی ہجرت کر چکی تھیں اور ابو العاص کو بدستور شرک میں ملوث پیچھے چھوڑ آئیں۔ ابو العاص درمیان مکہ و مدینہ مسلمان ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ نکاح کے تحت ہی ان کے سپرد کردیا تھا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جدید نکاح پڑھا تھا۔ تفصیل اجمالی طور پر یوں ہے۔

کہ ابو العاص اسیران بدر میں شامل تھے۔ مکہ والوں نے اپنے اپنے عزیز قیدیوں کا فدیہ مدینہ شریف بھیجا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے میں ہمیشہ لٹکا رہنے والا ہار اتار کر بھیجا یہ ہار سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جہیز کے ساتھ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وہ ہار دیکھا صحبت خدیجہ یاد آئی آپ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر یہ دیکھو کہ اسیر زینب کو رہا کردیا جائے اور اس کو فدیہ کا مال بھی واپس کردیا جائے تو چاہو تو ایسے کردو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! ہم اسی طرح ہی عمل کریں گے جس طرح آپ کی رضا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ وہ سیدہ زینب کو آنحضرت کے پاس بھیج دیں گے۔ ابو العاص نے یہ بات تسلیم کر لی پھر آنحضرت نے زید بن حارثہ اور دیگر ایک شخص انصار سے مکہ بھیجے تاکہ وہ سیدہ زینب کو مکہ سے مدینہ تشریف لے

آئیں۔ ان کو ہدایت کی کہ تم مکہ کے اندر مت داخل ہونا بلکہ تم وادی ناج کے بطن میں قیام کرنا۔ یہ مکہ سے باہر ایک مقام کا نام ہے اور بالمقابل مسجد عائشہ ہے۔ جس جگہ پر انہوں نے عمرہ کے لئے احرام زیب تن فرمایا تھا جیسے کہ قبل ازیں مذکور ہوا۔ آنحضرت ؐ نے حکم فرمادیا کہ سیدہ زینب کو جب وہ تمہارے سپرد کردیں گے تو تم انہیں اپنے ساتھ مدینہ شریف لے آنا۔

اس واقعہ کو ڈھائی سال کا عرصہ گزرا کہ ابوالعاص مکہ سے تجارت کے لئے نکلا اپنے ساتھ دیگر مکہ والوں کا تجارت کا مال بھی رکھتے تھے۔ جب یہ قافلہ واپس مکہ کو آرہا تھا تو صحابہ رسول اس کی جستجو میں تھے۔ انہوں نے قافلہ قابو میں کرلیا اور چاہتے تھے ان کے حال پر خود قابض ہو جائیں اور ابوالعاص کا سر اڑادیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ! کیا مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو عہد و امن میں لے لے' آنحضرت نے فرمایا کہ ہاں ہے۔ سیدہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ گواہ رہیں کہ میں ابوالعاص کو امان دیتی ہوں۔ صحابہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے ابوالعاص سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس طرح یہ مشرکین کا سب مال و اسباب تمہارے لئے غنیمت بن جائے گا۔ ابوالعاص کہنے لگے اس ناپاک مال سے اپنے دین کو پلید کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ ازاں بعد ابوالعاص مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں مال اس کے مالکوں کے حوالے جیسے جیسے کسی کا تھا کردیا۔ پھر فرمایا اے اہل مکہ! کیا تمہارا مال میں نے تمہیں لوٹا دیا ہے۔ کیا تم مجھے مال کی ذمہ داری سے اب آزاد گردانتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہاں' ابوالعاص نے فرمایا۔ تم گواہ رہنا کہ میں یہ شہادت ہوں۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ازاں بعد یہ ہجرت پذیر ہو کہ مدینہ شریف میں آگئے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دوبارہ ان کے سپرد کیا نکاح سابقہ پر ہی یا جدید نکاح کے ساتھ۔

اس مقام میں علماء میں اختلاف رائے ہیں کہ آیا زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو گا یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی اور ان پر بہت مہربان و مشفق تھے۔

ایک ابوجہل کی بیٹی آئی جو کہ بڑی خوبصورت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواہش ہوئی اس کے ساتھ وہ نکاح کر لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو آپ کو ناگوار اگزرا۔ پس آپ نے منبر شریف پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ دوران خطبہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی آپ نے تعریف کی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر علی کی خواہش ہے کہ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کریں تو پہلے وہ فاطمہ کو طلاق دے دیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے حبیب کی بیٹی اور اس کے دشمن کی بیٹی کو ایک جگہ جمع کرے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حاضر خدمت ہو کر معذرت خواہ ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے ایسی خواہش نہیں کی اور نہ ہی ان سے اس ضمن میں کوئی گفتگو ہوئی ہے۔ یہ لوگوں کی خواہش تھی آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اے علی! میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور فاطمۃ الزہرا میری لخت جگر ہے۔ اور ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارے ساتھ میری محبت میں کوئی خلل اندازی نہ ہو جائے۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے سیدہ زینب کے ہاں ایک بیٹا تھا علی نامی اور ایک دختر تھی جس کا نام امامہ تھی۔ یہ

علی بن ابو العاص ابھی قریب البلوغ ہی تھی کہ رحلت ہو گئی۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہی اپنا ردیف بنایا ہوا تھا۔ اور آنحضرت امامہ سے بھی محبت رکھتے تھے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ایک دفعہ جبکہ آنحضرت نماز میں مصروف تھے آپ امامہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے کندھے پر لئے ہوئے تھے رکوع کے وقت اس کو زمین میں اتارتے تھے اور سجدہ کر لینے کے بعد جب قیام فرمانے لگتے تھے تو امامہ کو اٹھا لیتے تھے اور دوش اقدس پر بٹھا لیتے تھے۔

اس جگہ حدیث کے شارحین کو کلام یہ ہے کہ اٹھانا اور پھر زمین پر نیچے اتارنا ایک فعل کثیر ہے لہذا آنحضرت کے نزدیک یہ کیسے جائز تھا پھر اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ امامہ رضی اللہ عنہا بذات خود آکر بیٹھتی تھی اور پھر خود ہی نیچے بھی اتر جاتی تھی۔ اور آنحضرت کے فعل واختیار سے یہ نہیں ہوا تھا۔ جب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے وصال پایا تو حضرت علی کرم وجہہ نے ان کی وصیت کے مطابق امامہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ تولد ہوئے جن کا نام محمد اوسط تھا۔ محمد اکبر اور محمد اصغر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی صاحبزادے ہیں۔ محمد اکبر وہی ہیں جن کو محمد بن حنیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور محمد اصغر کی والدہ کا نام ام ولد ہے اور یہ کربلا شریف میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ظاہری زندگی ہی میں ۸ھ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رحلت فرما گئی تھیں۔ ان کو غسل دینے میں سودہ بنت زمعہ' ام سلمہ' ام ایمن اور ام عطیہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے اس وقت ہم آنحضرت کی صاحبزادی کو غسل دینے میں مشغول تھیں۔ یہاں پر محدثین کہتے ہیں کہ یا یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں جیسے کہ مسلم میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا جب وصال ہوا۔ تو آنحضرت نے ہمیں حکم فرمایا۔ انہیں غسل دو۔ (الحدیث)۔ اور یا یہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ جس طرح کہ یہ ابن ماجہ میں باسناد بر شرط شیخین روایت کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک متفق علیہ حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے یوں فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تین بار غسل دیا جائے اس سے بھی زیادہ۔ دیگر ایک روایت میں سات بار غسل دینا مروی ہوا ہے۔ اس حکم سے اختیار دینا مقصد نہ تھا بلکہ یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ غسل دینے سے ہی نظافت وپاکیزگی میسر آجائے تو یہ ہی مشروع ہے۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دیں۔ حتیٰ کہ حصول نظافت ہو جائے۔ اور واجب ایک مرتبہ ہی غسل دینا ہے۔ اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ یا اس سے زیادہ یہ بھی اس معانی کی تائید کرتا ہے مگر یہ کہ اشارت کسی مخصوص رعایت کی جانب ہو۔

علاوہ ازیں آنحضرت کا حکم یہ تھا کہ پانی خالص ہو اور اس میں بیری کے پتے بھی ملائے ہوئے ہوں اس پانی سے غسل

دیں۔ اور جب آخری غسل کی باری ہو تو کافور ملایا جائے دیگر ایک روایت میں مشک مروی ہے اور اے عورتو جب تم غسل دے لوگی تو مجھے پتہ دینا۔ اس حدیث کی راوی حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ فرماتی ہیں۔ کہ غسل دینے سے فراغت ہونے پر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر کی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہبند شریف ارسال فرمایا اور فرمایا اس سے ان کی تکفین کی جائے اور کفن بدن کے ساتھ چپکا ہوا ہو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ صالحین کے تبرکات سے تبرک لینا مستحب ہے۔ دیگر ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ غسل تین بار یا پانچ بار یا سات بار دیں اور آغاز دائیں جانب سے اعضائے وضو سے کیا جائے۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے بالوں سے تین لٹیں بنالیں اور پشت پر ڈال دیں۔ ان کی تجہیز و تکفین کے بعد نماز پڑھی گئی اور پھر تدفین کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود ان کی قبر میں اتارا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ:۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں ان کی ولادت واقعہ فیل سے تنتیسویں سال ہوئی تھی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش سے تین سال بعد ہوئی۔ زبیر بن بکاء وغیرہ کہتے ہیں کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ اور جرجانی اور نسابہ کی ایک جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے۔ لیکن وہ اصح ہے جو اکثر اہل سیر نے کہا ہے۔ یعنی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا قبل از نبوت عتبہ بن ابی لہب کی بیوی تھیں۔ اور ان کی جو بہن سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں وہ عتبہ کے بھائی عتیبہ کے برادر کی زوجہ تھیں۔ مواہب الدینہ میں بھی اسی طرح ہی مذکور ہے۔ جیسے مسلمان ہونے کے بعد صحابہ میں شمار ہوئے اور آنحضرت کی بددعا کے بارے میں جو آیا ہے کہ آنحضرت کی بددعا قبول ہو گئی اور اس کو شیر نے پھاڑ کھایا یہ ان کا بھائی عتبہ تھا۔ (باتفاق)۔

جس وقت سورۃ تبت یدئی ابی لہب کا نزول ہوا تو ابولہب عتبہ سے کہنے لگا۔ اے عتبہ تمہارا سر حرام ہے اس سے مراد یہ تھا کہ اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی کو اپنے سے جدا اور علیحدہ نہ کرے تو میں تم سے بیزار ہوں گا۔ پس اس نے سیدہ کو اپنے سے جدا کر دیا۔

سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ حضرت ابوالعاص کو بھی قریش نے ترغیب دی تھی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے سے جدا کر دیں لیکن انہوں نے جواب دیا تھا کہ خدا کی قسم میں ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کو اپنے سے جدا نہ کروں گا۔ اور نہ ہی ان کی بجائے مجھے قریش کی کوئی دیگر عورت ہی پسند ہے۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کی زوجیت میں مکہ شریف میں دے دیا ان کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دوبارہ ہجرت پذیر ہوئے۔ پہلے بجانب حبشہ اور پھر حبشہ سے مدینہ شریف کی طرف۔ ان کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد خدا کی طرف ہجرت پذیر ہونے والے یہ پہلے آدمی ہیں۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جس رفیع اور جمال کریم کے حامل تھے۔ دولابی کہتے ہیں کہ

سیدہ رقیہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح دور جاہلیت میں ہوا تھا۔ لیکن دیگر سب سیرت نگار بعد از اسلام کہتے ہیں اور نقل کیا گیا ہے کہ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو عورتوں نے رونا شروع کیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں ممانعت نہ فرمائی۔ سیدہ رقیہ کی قبر کے سرہانے کی جانب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک جانب بیٹھی ہوئی تھیں اور روتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی روئے اقدس کے پلو سے سیدہ کے آنسو پونچھ رہے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ رقیہ کی تعزیت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا **الحمد للّٰہ دفن البنات من المکروہات** اس حدیث پاک سے پتہ چل جاتا ہے۔ کہ میت پر رونا بوجہ رحمت و رقت ہے اور یہ رونا فقدان میت کے سبب نہیں ہے کیونکہ یہ وقوع پر بنائے تقدیر پر الٰہی ہے۔ یہ سب روایات اس لحاظ سے ہیں کہ سیدہ رقیہ کی رحلت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ شریف میں موجود ہوں۔ جبکہ صورت حال یوں ہے کہ بروقت وصل رقیہ آنخضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بدر میں تھے۔ جیسے کہ یہ مشہور ہے لٰہذا یہ واقعات سیدہ زینب یا سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہوں گے اور شاید راوی نے وہم کی بنا پر سیدہ رقیہ کا نام کہہ دیا ہو گا۔ اور یہ واقعات سیدہ رقیہ سے متعلق ثبوت کو پہنچ جائیں تو پھر ہم یوں کہیں گے کہ امکان یوں ہے کہ بدر سے واپسی کے بعد آنخضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لائے ہوں گے تو اس وقت یہ واقعات رونما ہوئے ہوں گے (واللہ اعلم) ایک روایت یوں بھی وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ سیدہ رقیہ کی رحلت کے قریبی دنوں میں ہی آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف فرما ہو گئے تھے۔

سید ام کلثوم بنت رسول اللہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آہ وسم کی تیسری صاحبزادی کا نام سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھا ابولہب کے بیٹے عتبہ کی زوجیت میں تھیں اور بقول ارباب سیران کا اپنا نام معلوم نہیں ہوا کر کیا تھا

نقل کیا گیا ہے کہ جس وقت عتبہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے جدائی اختیار کرلی تو وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آکر یوں گویا ہوا۔ میں آپ کے دین سے کافر ہوں مجھے آپ کا دین پسند نہیں ہے اور نہ ہی مجھے آپ پسند ہیں علاوہ ازیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہوا اور آنجناب کی قمیص پاک کو پھاڑ دیا۔ اور ایک روایت میں وارد ہے کہ وہ کہنے لگا **ھو یکفرو بالذی دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی** یہ بالکل عیاں ہے یہ سورہ نجم کے الفاظ اس نے استعمل کئے تھے کیونکہ اس وقت تک مکہ شریف میں ہی آنخضرت پر اس سورۃ کا نزول ہو چکا ہوا تھا۔

سیرت نگار تو یہ بھی لکھتے ہیں اس لعنتی نے اپنے پلید منہ کا لعاب بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف پھینکا تھا۔ اور کہا تھا کہ میں نے رقیہ کو طلاق دے دی ہے اس پر آنخضرت نے فرمایا۔ **اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک** ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت ابوطالب بھی مجلس میں حاضر تھے انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کے تیر سے کوئی بچا سکے گا۔

عتبہ کی موت:۔ یہی ملعون تجارت کے سلسلہ میں بجانب شام سفر کر رہا تھا کہ دوران سفر ایک مقام پر اس نے قیام کیا۔ وہ درندوں کا علاقہ تھا۔ ابولہب اہل قافلہ سے کہنے لگا کہ آج کی رات تمام لوگ ہمارا تعاون کریں کیونکہ میں خدشہ محسوس کرتا ہوں کہ آج کی رات محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی دعا میرے بیٹے پر اثر نہ کر جائے۔ پس تمام لوگوں نے اپنا تمام اسباب و سامان جمع کر کے نیچے اوپر کر کے ایک جگہ پر رکھ دیا اور اس ڈھیر کے اوپر عتبہ کے لئے سونے کی جگہ تیار کی گئی۔ دیگر تمام لوگ اسی جگہ میں گھیرے میں لئے ہوئے بیٹھ گئے۔ ازاں بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب پر نیند کا غلبہ کر دیا گیا اسی دوران ایک شیر آ کر باری باری ان سب کو موئنہوں کو سونگھتا جاتا تھا لیکن کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچاتا تھا۔ بعد ازاں وہ چھلانگ لگا کر عتبہ پر کودا اور پنجہ کی ضرب لگائیں اور اس کا سینہ چاک کر دیا دوسری ایک روایت میں عتبہ کی گردن دبوچ لینا مذکور ہوا ہے۔

ہجرت کے بعد تیسرے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کے ساتھ فرمادی۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام اس وقت میرے قریب کھڑے ہیں اور خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں ان کو تمہاری زوجیت میں دے دوں ہجرت کے بعد نویں سال کے دوران سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔ ان کی جنازہ کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پڑھائی آپ ان کی قبر انور کے قریب بیٹھے تو آنحضرت کی چشمان مبارک سے آنسو بہنے لگے آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے درمیان اس وقت کوئی ہے جو گزشتہ رات اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر نہ ہوا ہو۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا اور بتایا کہ جناب میں ہوں آپ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان کی قبر میں اتر جاؤ۔ کچھ شارحین حدیث کا بیان ہے کہ اس کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تعریض فرمائی تھی۔ کیونکہ اسی رات وہ اپنی باندی سے ہم بستر ہوئے تھے۔ کیونکہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ایک طویل عرصہ سے بیمار تھیں انہوں نے جب اپنے آپ کو بے طاقت پایا تو باندی کے پاس جا کر اس کے ساتھ جماع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان:۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے وصال پاک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ کہ اگر کوئی تیسری بیٹی بھی میری ہوتی تو میں وہ بھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا دیگر ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ اگر میرے پاس دس صاحبزادیاں بھی ہوتیں تو میں ان کو باری باری تمہارے نکاح میں دیتا جاتا اور ان کی رحلت ہوتی جاتی۔

جیسے کہ سیرت نگار بیان کرتے ہیں۔ ایک لمبی مدت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زوجیت میں رہنے کا باوجود سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ کچھ روایات میں وارد بھی ہوا ہے کہ ان سے دو بیٹے تولد ہوئے تھے۔ لیکن وہ زندہ نہ رہے تھے۔ اور نہ ہی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے کوئی فرزند باقی زندہ رہا تھا۔ جب حبشہ کی طرف پہلی ہجرت فرمائی تو ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ ازاں بعد ایک فرزند پیدا ہوا تھا۔ جب اس کا سن دو سال تک ہوا تو ان کی

آنکھ میں ایک مرغ نے اپنی چونچ ماردی تھی جس سے ملک عدم کو رواں ہو گئے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے کسی سے بھی کوئی فرزند نہ رہا تھا جو اولاد دیگر ازواج سے تولد ہوئی تھی وہ زندہ رہی۔ واللہ اعلم۔

سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی کا نام سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھا اور ان کی ولادت مبارک ۱۴ھ نبوی میں ہوئی تھی۔ یہ اہل سیر نے ابوبکر رازی کا قول نقل کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اولاد پاک کے بارے میں جو ابن اسحاق کا قول مروی ہے وہ اس کے متضاد ہے۔ سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے آنحضرت کی جملہ اولاد پاک کی ولادت قبل از نبوت ہوئی تھی۔ اور ابوبکر رضی اللہ کے منقولہ قول کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت پاک اظہار نبوت سے ایک سال بعد متصور ہوتی ہے۔ اور ابن جوزی کا قول ہے کہ نبوت کے ظہور سے پانچ سال پیشتر سیدہ فاطمہ کی ولادت ہوئی تھی۔ اور یہی روایت سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سب سے چھوٹی شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا' سیدۃ النساء العالمین اور سیدۃ النساء اہل الجنتہ ہیں آپ کے نام فاطمہ کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ کو اور آپ سے محبت رکھنے والے تمام مسلمانوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ اور آپ کا نام بتول اس لئے ہے کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے بہ لحاظ فضیلت دین اور حسن وجمال منفرد تھیں۔ اور آپ ماسوائے اللہ سے بالکل ہی بے نیاز تھیں۔

آپ کا نام زہرا ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ آپ زہرت بہجت اور حسن وجمال میں کمال پر تھیں۔ سیدہ فاطمہ کے القاب زکیہ اور راضیہ بھی ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ جملہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ صورت وسیرت اور کلام کرنے میں مشابہت حاصل تھی۔ اور آنحضرت کا یہ معمول تھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آتی تھیں تو آنحضرت کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے اور ان کی پیشانی کو چوم لیتے تھے۔ اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے تھے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے پاس جب تشریف فرما ہوتے تو وہ کھڑی ہو جاتی تھیں اور آگے بڑھ کر آنحضرت کا ہاتھ تھام لیتی تھیں اور آنحضرت کو اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غزوہ بدر سے لوٹے تو از اں بعد آپ نے سیدہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرما دیا تھا۔ یہ رمضان کا مہینہ اور ۲ھ تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ اور شب عروسی ذوالحجہ کے مہینہ میں ہوئی تھی۔ دیگر ایک قول کے مطابق نکاح شریف رجب کے مہینہ میں ہوا تھا۔ اور ماہ صفر میں ہونے کا بھی ایک قول وارد ہوا ہے۔ آپ کا نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی کے مطابق کیا گیا تھا اس وقت آپ پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ کی عمر کی تھیں۔ جبکہ علی رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۲۱ سال تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال وارد ہوئے ہیں اور آپ کے نکاح کا واقعہ ۲ھ کے واقعات میں ذکر کیا گیا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے امام حسن وحسین' حضرت محسن' زینب' ام

کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہم تولد ہوئے حضرت محسن اور رقیہ چھوٹی عمر میں ہی وصال پا گئے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں آئیں اور سیدہ ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی۔ ان کی اولاد سے کوئی باقی زندہ نہ رہا گو عمر ابن الخطاب سے سیدہ ام کلثوم کے ہاں زید نامی ایک فرزند تولد ہوا۔

حدیث صحیح میں سیدہ فاطمہ کی شان یوں بیان ہوئی ہے۔ **فاطمة سيدة نساء اهل الجنته الحسن والحسين سيد شباب اهل الجنته** علاوہ ازیں یہ بھی صحیح روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **فاطمة بضعة منى من اذاها فقد اذانى ومن البغضها فقد البغضى۔**

آنحضرت کا ارشاد گرامی ہے۔ **ان اللّٰه يغضب فاطمة ويرضى برضى برضاها** بلاشبہ اللہ تعالیٰ فاطمہ کے غضب سے غضب فرماتا ہے اور ان کی رضا کے ساتھ راضی ہوتا ہے۔ سیرت نگار حضرات کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان دونوں کو آنحضرت نے فرش پر بٹھایا اور ان کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علی آنحضرت سے پوچھنے لگے۔ یا رسول اللہ! کیا یہ زیادہ آپ کو محبوب ہیں یا کہ میں زیادہ ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم سے زیادہ یہ پیاری ہیں اور ان سے زیادہ تم پیارے ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ صحیح روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم باہر تشریف فرما تھے۔ آپ اپنے جسم اطہر پر اون کی بنی ہوئی ایک چادر لئے ہوئے تھے۔ تو حضرت حسن بن علی آ گئے۔ آنحضرت نے ان کو اپنی چادر مبارک میں داخل فرمالیا ازاں بعد حضرت حسین بن علی تشریف لے آئے انہیں بھی آپ نے چادر میں لیا۔ ان کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہا آ گئے آنحضرت نے انہیں بھی اپنی ردائے اقدس میں داخل فرمایا۔ اور یہ آیت پاک آنحضرت نے تلاوت فرمائی **انما يريد اللّٰه ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا** اور پھر ان چاروں کے حق میں یوں ارشاد فرمایا میں اس سے جنگ کروں گا۔ جو ان سے جنگ کرے گا اور اس کے ساتھ میں صلح کروں گا جو ان کے ساتھ صلح کرے گا۔

ایک روز سید کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سیدہ فاطمہ کے گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ اونٹ کے بالوں کے بنایا ہوا ایک موٹا لباس انہوں نے زیب تن فرمایا ہوا ہے۔ اور بیٹھی ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو بہنے لگے اور ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! آج دنیا کی تنگی اور سختی کے وقت تم صابر رہو تا کہ کل کو قیامت کے دن تمہیں جنت کی نعمتوں کا حصول ہو۔

روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا دست مبارک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صدر اقدس پر رکھا اور دعا فرمائی۔ اے خدا! انہیں بھوک کی اذیت سے نجات دے دے سیدہ فاطمہ کا ارشاد ہے کہ ازاں بعد کبھی مجھے بھوک کا احساس نہ ہوا۔ اس کا قصہ طویل حدیث میں وارد ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مولا تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب بھی سفر پر روانہ ہوتے تھے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے رخصت ہوتے تھے اور

جب سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے قبل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات فرماتے تھے ازاں بعد آپ ازواج مطہرات کے حجرات میں تشریف لے جاتے۔ محدثین کرام نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آدمیوں میں سے کس کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ لوگ کہنے لگے کہ مردوں سے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان کے شوہر (حضرت علیؓ) اس سے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انصاف اور اہل بیت نبوت کے ساتھ آپ کی مصادقت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ذہن نشین رہنی چاہیے۔ دیگر ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ لوگوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آدمیوں سے کس کو محبوب رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ پھر لوگوں نے پوچھا کہ مردوں سے کس کو محبوب رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ ان کے والد صاحب سے زیادہ پیارے تھے۔ (دراصل) محبوب تو سب ہی محبوبیت میں مختلف مراتب تھے۔

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ کیا ہے کہ گھر کی مسجد کے محراب میں ساری ساری رات نماز میں لگی رہتی تھیں۔ حتیٰ کہ صبح ہو جاتی تھیں اور میں نے ان کو خود سنا ہے کہ مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کے واسطے بہت دعائیں مانگا کرتی تھیں اور اپنی ذات کے کوئی دعا نہ مانگا کرتے تھے۔ پس میں نے پوچھا اے والدہ محترمہ! اس کی وجہ کیا ہے کہ آپ اپنی ذات کی خاطر کوئی بھی دعا نہیں کرتی ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے! اول الجوار ثم الدار۔ یعنی پہلے ہمسائے اور پھر اپنے گھر کے لئے۔

حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے۔ اور سیدہ سے عرض کرنے لگے۔ خدا کی قسم! اے فاطمہ! نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نزدیک آپ سے محبوب تر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور خدا تعالیٰ کی قسم۔ سوائے آپ کے والد محترم کے کسی کو میں نے آپ سے زیادہ محبوب نہیں رکھا۔

یہ اہل بیت اطہار ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب حساب و شمار سے باہر ہیں۔ ان میں کچھ اہل بیت کے عنوان سے مجمل ہیں اور کچھ حضرات امام حسن، حسین، علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن یہاں پر صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرنا ہمارا مقصود ہے۔ لہٰذا اسی پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اہل بیت کے معانی اور آیت پاک **انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس** کی تفسیر میں علماء کرام کا بہت سا کلام ہے۔ وہ دوسرے مقالات پر مفصل مذکور ہوا ہے۔ وہاں سے ہی وہ دیکھ لینا چاہیے۔ (وباللہ التوفیق)

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت:۔ روز سہ شنبہ کی رات کو رمضان شریف کی تین تاریخ کو ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال مبارک سے چھ ماہ بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس دنیائے فانی سے کوچ فرمایا۔ مشہور اور صحیح قول یہ ہی ہے۔ علاوہ ازیں دیگر اقوال بھی ہیں جو کہ صحت کو نہیں پہنچے ہوئے۔ سیدہ فاطمہ دوران شب بقیع شریف میں دفن کی گئی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی جنازہ کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہا نے پڑھائی تھی۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر صدیق 'عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کرام نے یہ شکایت اور گلہ کیا کہ آپ نے کس بنا پر ہمیں خبر نہ کر کے نماز جنازہ کے شرف سے محروم رکھا ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عذر پیش کیا۔ کہ مجھے اس طرح سیدہ فاطمہ کی وصیت کے مطابق کرنا پڑا ہے۔ وہ یہ تھی کہ مجھے دوران شب دفن کیا جائے۔ اس لئے کہ نامحرموں کی نظر میرے جنازہ پر نہ پڑے یہی عام طور سے لوگوں میں مشہور بات ہے لیکن روضۃ الاحباب وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ اور روایات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے ہی جنازہ کی نماز بھی پڑھائی تھی علاوہ ان کے حضرت عثمان بن عفان۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی اس وقت آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذکر پاک میں آخر پر یہ مذکور ہو چکا ہے۔

سیدہ کی قبر مبارک:۔ وہ جگہ جہاں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تدفین ہوئی اس کے بارے میں علماء کی مختلف رائے میں بعض کے نزدیک بقیع کے قبرستان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبر شریف میں مدفون ہیں جہاں پر کہ دیگر تمام اہل بیت مدفون ہیں۔ اور کچھ کے نزدیک آپ اپنے گھر میں ہی دفن کی گئی تھیں اور وہ مسجد نبوی کے اندر ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر لایا ہی نہ گیا تھا۔ اور وہیں پر آج کل بھی ان کی زیارت کیا جانا عام مشہور عمل ہے دوسرا قول یوں وارد ہوا ہے کہ سیدہ کا مزار شریف مسجد بقیع میں موجود ہے۔ اور اس کو قبہ عباس کہا جاتا ہے۔ اور جانب مشرق ہے۔ امام غزلی رحمتہ اللہ زیارت بقیع میں اسے بیان کرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد آپ کی جدائی اور غم میں سیدہ فاطمہ عزلت گزین ہو چکی تھیں اور مقام پر مقیم ہو گئی تھیں۔ علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں پر ایک گھر موجود ہے یہ گھر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے بقیع شریف میں لیا تھا۔ واللہ اعلم۔ قول اول صحیح ہے اور مطابق اخبار و آثار ہے۔

مروج الذہب میں مسعودی کا بیان:۔ مروج الذہب میں مسعودی ذکر کرتے ہیں کہ امام حسن امام زین العابدین امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کی قبور کی جگہ پر ایک پتھر ہے جس پر تحریر کیا ہوا ہے۔ **ھذا قبر فاطمتہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سید نساء العالمین وتبر الحسن بن علی وحسین بن علی وجعفر بن محمد علیھم التحیتہ والسلام** یہ پتھر 330ھ میں ظاہر ہوا تھا۔ اور امام المسلمین حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دفن کے بیان میں مذکور ہوا ہے کہ ان کی یہ وصیت تھی کہ لوگوں کی طرف سے اگر مزاحمت نہ ہو تو مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پہلو شریف میں دفن کر دیں۔ بصورت دیگر مجھے میری والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو مبارک میں دفن کر دینا مراد ہماری یہ ہے کہ یہ جگہ ہی سیدہ کی قبر شریف میں مختار ہے۔

ذخائر العقبیٰ میں محب طبری نے نقل کیا ہے کہ میرے ساتھ فی سبیل اللہ اخوت رکھنے والے ایک مرد صالح نے خبر دی

کہ شیخ ابوالعباس مرسی شاگرد ہیں شیخ ابوالحسن شاذلی کے یہ ابوالعباس مرسی جس وقت بقیع شریف کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ تو قبہ حضرت عباس کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں سلام پیش کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس مقام پر حضرت شیخ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کا انکشاف ہوا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ کو کشف میں ایک آیت کبریٰ ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ پر جو مجھے اعتقاد تھا اس کی وجہ سے میں ایک بڑا عرصہ اس اعتقاد پر ہی قائم رہا حتیٰ کہ وہ روایت میں نے دیکھی جو کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی رحلت مبارک کے بارے ابن عبدالبر سے نقل کی گئی ہے پس جو خبر حضرت شیخ نے اپنے کشف سے دی تھی اس پر میرا اعتقاد مزید بڑھ گیا اور فرماتے ہیں کہ شیخ کے کشف کے ذریعے مجھ پر حدیث کی صحت ثابت ہو گئی اور حدیث شریف سے کشف شیخ حق ثابت ہو گیا واللہ اعلم۔

××

باب دوم

امہات المومنین ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

معلوم ہو کہ دنیا کی چیزوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب آنجناب کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ ان کی معیت میں خوش ہوا کرتے تھے۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیس یا چالیس مردوں کے برابر قوت مباشرت میسر تھی۔ اور آپ کے لئے مباح تھا کہ جتنی تعداد میں آپ کی خواہش ہو ازواج مطہرات اختیار فرمائیں۔ اور یہ واضح رہے کہ نکاح کے فوائد یہ ہیں۔ حفظ نسل' نوع انسانی کی بقاء اور اس کے بعد لذت حاصل کرنا' نعمت سے متمتع ہونا اور صحت کی حفاظت۔ کیونکہ منی کو روکے رکھنا اور خارج نہ ہونے دینا شدید بیماروں کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس سے بڑا ضعف اور اعضائے مجاری کے انسداد کا سبب ہوتا ہے اور باہ کی طاقت اور شہوت جماع سے تفاخر اور مباہات اور تمادح اور اس کے برعکس میں تنقیص و تحقیر ہوتی ہے مقررہ امر معروف کی اور عادت مستمر اور مستقر ہے اور لوگوں میں یہ عام ہے نیز عورتوں کے ساتھ کئی نکاح کرنے میں اور ان سے محبت کرنے میں نوح انسانی کے کمال اور کامل ترین افراد انسانی ہونے کی دلیل پائی جاتی ہے جملہ انبیاء کرام علیہم متعدد ازواج رکھتے تھے اور اولاد والے تھے سوائے حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کے۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شوق صحبت سے ہر روز براق پر سوار ہو کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا یعنی اسماعیل السلام کی والدہ محترمہ کے پاس مکہ شریف کے مقام پر آیا کرتے تھے یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کو ان کے ساتھ کمال درجہ شغف تھا اور ان سے قلت صبر تھی۔ اور داؤد علیہ السلام ننانوے ازواج رکھتے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے بھی ان کی خواہش تھی کہ مزید ایک عورت سے نکاح کرلیں تاکہ ایک سو کی تعداد پوری ہو جائے۔ اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی منکوحہ بیویاں تین صد تھیں جبکہ ان کے ساتھ وہ ایک ہزار باندیاں بھی رکھتے تھے۔ اور ایک رات کے اندر اندر ایک سو پر آپ دورہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جملہ ازواج پر ایک رات میں دورہ فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کی وہ ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ تھی اور ایک روایت کے مطابق نو تھیں۔ اور آپ اس نعمت کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کے برابر قوت عطا فرمائی گئی ہے اور مجاہد سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ کو جنت کے چالیس نوجوانوں کے برابر قوت عطا فرمائی گئی اور صحیح روایت میں وارد ہوا ہے کہ جنت کا ہر مرد ایک سو مردوں کے برابر کھانے پینے اور جماع کرنے کی قوت رکھتا ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے

مباح کر دیا گیا تھا۔ کہ وہ جس تعداد میں بھی چاہیں عورتوں سے نکاح فرمالیں۔ اس میں آپ کے فضل و شرف کا کمال پایا جاتا ہے اور جملہ مردوں میں آپ کو امتیاز حاصل ہے۔

کثرت ازواج میں حکمت:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کثرت ازواج میں یہ حکمت ہے کہ خلوت کے احکام ان کے ذریعے دوسروں تک پہنچائے جاسکیں اور وہ امت میں مزید نقل میں لائیں اور حقوق کے قیام اور حسن معاشرت میں تکلیف کی زیادتی اور ان کی صحبت پر صابر رہنا جبکہ آپ پر بار رسالت بھی تھا اور عبادت فعاقہ بھی بجالاتے تھے یہ فوائد نکاح کے شمار میں ہے۔

اور جو منقول ہوا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت کا سبب نہیں ہے کیونکہ آنحضرت اس قدر فضائل و کملات کے حامل ہیں کہ جملہ انبیاء کے تمام کملات پر بھی آنحضرت کے کملات و فضائل غالب ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وہ بادشاہت مانگی تھی جو کسی اور کو حاصل نہ ہو ان کی درخواست بارگاہ الٰہیہ میں مقبول ہوئی۔ اور متعدد اشیاء ان سے مخصوص فرمائی گئیں جیسے کہ تسخیر ہوا اور تسخیر جنات وغیرہ۔ یہ خصائص کسی اور کو حاصل نہ تھے اور سلیمان علیہ السلام نبی بادشاہ تھے اور یہ تمام خصائص ان کے معجزات شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت کو یہ اختیار عطا فرمایا گیا تھا کہ آپ نبی بادشاہ بننا اختیار فرمالیں یا نبی بندہ۔ تو آپ نے نبی بندہ ہونا ہی اختیار فرمایا۔ اور نبی بادشاہ ہونا پسند نہ فرمایا۔ مراد یہ ہے کہ بادشاہت کے مقابلہ میں حق کی بندگی ہی بہتر ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو بشریت کی حد اور فقر و عبودیت پر قائم رکھا۔ اور سلیمان علیہ السلام کو نبی بنا کر اس کے ساتھ سلطنت' بادشاہت' تعداد ازواج' تخت ہوا پر اڑنا اور جنات کے مطیع ہونا اضافی طور پر عطا فرمایا۔ اور یہ تمام کچھ بالکل ظاہر تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو قوت تصرف اور قدرت دی گئی تھی وہ بارگاہ صمدیت کی قربت و عزت میں ان سے کہیں زیادہ تھی اور آنجناب کی قدرت و قورت اور شکر نعمت بھی ان کے مقابلہ میں زیادہ کامل تھی۔ حالانکہ ظاہرا" یہ چیز مخصوص تھی سلیمان علیہ السلام کے ساتھ صحیح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جنات سے ایک عفریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وران نماز تاکہ وہ وسوسہ ڈالے اور خلل انداز ہو۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دوں کہ مدینہ شریف کے بچے اس کے ساتھ کھیلا کریں لیکن مجھے اپنے برادر سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کی یاد آگئی پس میں نے اس عفریت کو چھوڑ دیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے جنات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوت اور تصرف میسر ہے۔ لیکن اس تصرف کو سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخصوص رکھا گیا ہے لہٰذا میں نے اس عفریت پر کوئی اعراض نہ فرمایا۔ (وباللہ التوفیق)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی جملہ ازواج مطہرات میں باری کا لحاظ رکھتے تھے اور ان کو نفقہ و سکنہ اور ان کے حقوق و معاملات میں مساوات قائم رکھتے تھے۔ جن پر آپ قادر تھے۔ جہاں تک محبت کی بات ہے اس کے متعلق

آپ فرماتے تھے میری یہ تقسیم اور انصاف صرف ان چیزوں میں ہے جن میں مجھے قدرت و اختیار میسر ہے اور جن چیزوں میں مالک نہیں بنایا گیا ان کے بارے میں مجھے ملامت نہ فرمانا یعنی محبت اور مجامعت کے ضمن میں اس بارے میں کہ آپ ازواج میں مساوات کی رعایت رکھتے تھے علماء میں اختلاف ہے کہ یہ آپ پر واجب تھا یا کہ آپ صرف ان پر کرم و تفضل اور مروت فرماتے تھے۔ اور ان کے دل خوش رکھتے تھے۔ اس ضمن میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یوں ہے کہ آپ اس کا باوجود اس قدر رعایت ملحوظ رکھتے تھے جیسے کہ آپ پر واجب ہو۔ جبکہ اصل میں یہ صرف آپ کے کرم و تفضل کے باعث تھا۔ واللہ اعلم۔

ازواج پاک کی فضیلت:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا سلوک دور یہ اپنی ازواج مطہرات سے نہایت بہترین تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے وہ بہترین شخص ہے جس کی سیرت و معاشرت اپنے اہل و عیال کے ساتھ بہتر ہے۔ اور تم سب سے بڑھ کر میں خود اپنے اہل و عیال کے ساتھ بہتر ہوں۔ آنحضرت جب سفر پر تیار ہوتے تھے تو ازواج میں قرعہ اندازی فرماتے تھے جن سیدہ کا نام نکلتا تھا اسے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مومنین کی مائیں کہا ہے۔ یہ حرمت نکاح اور وجوب احترام میں ارشاد وارد ہے۔ اور دیکھنے اور تنہا رہنے میں نہیں پھر بھی ان کی بیٹیاں عام مسلمانوں کی بہنیں' برادر' ماموں اور خالاؤں کے شمار میں ہیں اور نہ ہی آنحضرت مردوں اور عورتوں کے باپ شمار ہوتے ہیں آنحضرت کی ازواج پاک امت کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ ان کا ثواب و عقاب بھی ان کے مقابلے میں دوگنا ہے اور ساری ازواج پاک میں سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان فضیلت کے بارے میں علماء اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں آگے جا کر تحقیق پیش کی جائے گی۔

ازواج پاک تعداد:۔ ازواج پاک کی تعداد و ترتیب میں بھی علماء مختلف الرائے میں جو ازواج آنحضرت سے پہلے وصال پا گئیں اور جنہوں نے آنحضرت سے بعد میں رحلت فرمائی اور وہ جن سے دخول ہوا اور وہ ازواج جن کے ساتھ دخول نہ فرمایا اور وہ جنہیں پیغام نکاح دیا گیا اور نہ ہوا اور وہ جنہوں نے خود کو آنحضور کی خدمت میں پیش کیا۔ ان تمام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان تمام میں سے صرف گیارہ ازواج مطہرات متفق علیہ ہیں۔ وہ قریش سے چھ ہیں۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ' سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق' سیدہ حفصہ بنت عمر فاروق' سیدہ ام حبیبہ بنت ابو سفیان سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن۔ ان کے علاوہ چار ازواج پاک عربیہ غیر قریشیہ ہیں۔ وہ یہ ہیں سیدہ زینب بنت جحش' سیدہ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ' سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ ام المساکین سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہن۔ اور ایک زوجہ پاک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں ان کا نام ہے سیدہ صفیہ بنت حی بن اخطب یہ بنو نضیر سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے سامنے فوت ہونے والی ازواج پاک صرف دو ہیں یعنی سیدہ خدیجہ الکبریٰ اور

زینب ام المساکین رضی اللہ عنہن۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وصال پایا تو نو ازواج پاک موجود تھیں اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہ ہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نکاح جن سے سب سے پہلے واقع ہوا وہ ہیں سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور آپ نے ان کی عین حیات میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہ فرمایا۔ ترتیب میں جہاں ان کا ذکر ہے اس کے شروع میں یہ مذکور ہے۔ سیدہ ام المومنین کا نسب نامہ اس طرح سے ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسعد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی قصی پر پہنچ کر سیدہ کا نسب شریف آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نسب پاک سے مل جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قصیٰ کی نسل میں سے سوائے سیدہ خدیجہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دیگر کسی بھی عورت کی خواستگاری نہ فرمائی تھی یہ ام ہند کنیت رکھتی تھیں ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم تھیں یہ بنی عامر بن لوی سے تھیں۔ پہلے یہ ابوہالہ بن نباس بن زرارہ کی زوجہ تھیں ان کے بطن سے اس سے دو بیٹے متولد ہوئے تھے ایک کا نام ہند تھا۔ ازاں بعد انہوں نے عتیق بن عایذ مخزومی کے ساتھ نکاح کر لیا اس سے ان کے ہاں ایک دختر تولد ہوئی اس کا نام ہند رضی اللہ عنہا تھا۔ (یہ مواہب میں مذکور ہے) اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی تولد ہوئے تھے اور ہند نام مرد و عورت دونوں کے لئے رکھا جاتا ہے۔ جیسے کہ جویریہ نام ہے۔ بعض علماء نے عتیق کو ابوہالہ سے مقدم بتایا ہے۔ ازاں بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور ہند رضی اللہ عنہا آنحضرت کی ربیبہ تھیں۔

جناب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس سال تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر مبارک (بظاہر) اس وقت صرف پچیس سال کی تھی۔ بلکہ دیگر ایک قول ہے کہ اکیس سال تھی۔ کچھ علماء نے تیس سال بھی آنحضرت کو عمر شریف بیان فرمائی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ بڑی عاقلہ، فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں۔ ایام جاہلیت میں وہ طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ ان کے نسب اعلیٰ تھا اور مالدار بھی بہت تھیں۔ ابوہالہ عتیق کے بعد اکثر صنادید و اشراف قریش نے ان سے خواستگاری کی کہ ان کے ساتھ نکاح کر لیں لیکن انہوں نے ہرگز کسی کی درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشا۔ بلکہ اپنے آپ کو انہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ آنحضرت نے اس بارے میں اپنے چچاؤں سے ذکر فرمایا۔ اور پھر آنحضرت نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لیا اور خویلد بن اسد کے پاس جا کر انہیں پیام دیا۔ پچیسویں سن ولادت میں یہ قصہ مفصل بیان کیا جا چکا ہے جبکہ آنحضرت نے شام سے واپس تشریف فرما ہو کر سیدہ خدیجہ سے نکاح فرمالیا تھا۔ سیدہ کا حق مہر انتیس جوان اونٹ بدر عاتھا۔ دیگر ایک روایت کے بارہ اوقیہ سونا تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ نے ایک خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب ان کے گھر میں اترا ہے اور وہاں سے اس کا نور پھیل رہا ہے حتیٰ کہ مکہ شریف کا ہر گھر اس نور کے باعث چمک اٹھتا ہے۔ خواب سے بیدار ہونے پر انہوں نے اپنے چچا

زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو اپنے خواب سے آگاہ کیا تو انہوں نے خواب سے تعبیر یوں بتائی کہ تمہارا نکاح آخر الزمان پیغمبر سے ہو گا۔ سیدہ خدیجہ ہی اولین عورت ہیں جو حقیقت اسلام سے آگاہ ہوئیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تصدیق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے مطابق اپنا تمام مال و زر صرف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں انہی کے بطن مبارک سے تھے سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو کہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کے ساتھ چوبیس یا پچیس سال کا عرصہ شریک حیات رہی تھیں۔ اور ہجرت سے پانچ سال قبل یا تین سال ان کا وصال ہو گیا تھا جبکہ آپ پینسٹھ سال کی عمر میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک سے دس سال بعد رمضان میں ان کی رحلت ہوئی تھی۔ اور مقبرہ حجون میں ان کی تدفین ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود قبر شریف میں اتر کر دعائے خیر فرمائی تھی اور اس وقت ابھی جنازہ کی نماز مشروع نہیں تھی۔ ان کی رحلت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمزدہ رہتے تھے اور جس سال سیدہ نے انتقال فرمایا وہ سال عام الحزن کہلاتا ہے۔ سیدہ کے فضائل و مناقب کثرت سے ہیں اور ان کی فضیلت یہ ہی کیا کم ہے ان کے بطن اقدس سے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جیسی صاحبزادی عالم وجود میں آئی تھیں۔

ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ کفار قریش آنحضور کو جھٹلاتے تھے تو اس سے آنحضرت کو بڑا غم اور تکلیف ہوتی تھی لیکن جب آپ سیدہ کو دیکھ لیتے تھے تو آپ کو وہ تمام رنج و آلام بھول جایا کرتے تھے اور آپ کو خوشی محسوس ہوتی تھی اور سیدہ خدیجہ کے پاس آپ تشریف فرما ہوتے تو وہ آپ کی نہایت خاطرداری کیا کرتی تھیں اس سے آنحضرت کو اپنی جملہ مشکلات آسان محسوس ہونے لگتی تھیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آنحضرت سے عرض کیا' اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے پاس سیدہ خدیجہ دسترخوان لئے آتی ہیں۔ اس میں کھانا اور پانی ہے۔ وہ آپ کے پاس لے کر پہنچیں تو آپ انہیں اپنے رب کی جانب سلام فرما دیں اور میری جانب سے انہیں یہ خوشخبری بھی دے دیں کہ ان کی خاطر جنت میں قصب کا ایک گھر تیار ہے جس میں ہرگز کوئی شور نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی رنج و مشقت بھی نہ ہے۔ قصب سے مراد گول ہوتی ہے۔ جنت میں گھر ہوں گے جو ایک ایک موتی کے ہیں۔

دیگر ایک روایت میں وارد ہوئی ہے جو حضرت عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک قیامت کے دن میں نوع بشری کا سردار ہوں گا۔ مگر میری اولاد میں انبیاء سے ایک شخص ایسا بھی ہے کہ اس کا نام احمد ہے اور دو لحاظ سے انہیں مجھ پر فضیلت ہے۔ ایک یہ ہے کہ ان کی زوجہ بھلائی میں ان کی معاون ہو گی۔ جبکہ میری زوجہ خطا پر ترغیب دینے میں معاون بنی اور اس نے درخت کا پھل مجھے کھلا دیا اور دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (ہمزاد) شیطان پر ان کی اعانت فرمائی۔ اور وہ اسلام لے آیا۔ لیکن میرا شیطان (ہمزاد) کافر رہا۔ یہ زلالی بیان کیا ہے جیسے کہ طبری سے مذکور ہے۔

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس طرح کی روایت وارد ہوئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے ایسے ہی بتایا۔ واللہ اعلم۔ بہر کیف اس سے مراد آپ کی زوجہ سیدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ ہی ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مسند احمد میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جنت کی تمام عورتوں سے افضل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد' سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مریم بنت عمران اور آسیہ امراۃ فرعون رضی اللہ عنہن ہیں۔ ولی الدین العراقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امہات المومنین میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہر صحیح اور مختار قول کے مطابق افضل ہیں۔ اور بعض سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو افضل بتاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

اور لہجہ میں شیخ الاسلام زکریا انصار نے فرمایا ہے کہ سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما ازواج مطہرات میں سب سے افضل ہیں اور ان دونوں کے درمیان فضیلت کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے ابن عماد صراحت سے یوں بیان کرتے ہیں۔ سیدہ خدیجہ کو اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ خدیجہ سے بہتر زوجہ آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس سے مراد ان کی اپنی ذات تھی اور سیدہ خدیجہ سے اپنے آپ کو افضل کہا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ خدا کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سیدہ خدیجہ سے بہتر زوجہ عطا نہ فرمائی۔ کیونکہ خدیجہ اس وقت مجھ پر ایمان لائی تھیں جبکہ دیگر لوگ مجھے جھٹلاتے تھے۔ اور اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی تھی جبکہ لوگوں نے مجھے محروم رکھا تھا۔ ابن داؤد سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ان ہر دو ازواج مطہرات سے کون زیادہ فضیلت رکھتی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ وہ اس لئے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں معرفت جبریل علیہ السلام کہلاوایا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے سلام معرفت جبریل علیہ السلام بزبان حبیب پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ خدیجہ کو کہلوایا۔ اس وجہ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت حاصل ہے۔ بہ نسبت سیدہ عائشہ ازاں بعد ابن داؤد سے دریافت کیا گیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا میں سے کون افضل ہے تو ابن داؤد نے جواب دیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ فاطمہ میرا لخت جگر ہیں اس زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو کوئی اور آنحضرت کا پارہ گوشت نہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک میری اس بات کا شاہد ہے جو کہ آپ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔ کہ کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم سیدۃ النساء اہل جنت ہو سوائے مریم رضی اللہ عنہا کے اور جو علماء سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے قائل ہیں۔ ان کا استدلال اس سے ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عالم آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہوں گی۔ جبکہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوں گی۔ درجات میں تفاوت ہے۔ اس کا جواب ابن عماد اس طرح سے دیتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ماں ہونے کی حیثیت سے فضیلت دی گئی ہے کہ

سیادت کے لحاظ سے۔ اور علامہ سبکی کے نزدیک حضرت مریم افضل ہیں اس حدیث کی رو سے۔ اور ان کی نبوت کے بارے میں اختلاف کی وجہ سے۔ انتہیٰ۔ ابو امامہ بن النقاش فرماتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت کے اسباب میں ان کی اسلام لانے میں سبقت اور دور اسلام کے اول میں ان کی تاثیر اور اللہ تعالیٰ کے دین کے قیام اور مدد میں اور اس کی تقویت کے حصول کے لئے اپنا مال و زر خرچ کر دینا شامل ہیں۔ اس لحاظ سے ان کاموں میں کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ اور دیگر امہات المومنین میں سے کوئی بھی نہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھی ان خوبیوں میں کوئی دوسرا شامل نہ ہے۔ مثلاً آخر اسلام میں ان کی تاثیر امت کے ساتھ حمل دین اور اسلام کی تبلیغ میں سیدہ کی تلقین اور امتیوں کا سیدہ سے اسلام کے مسائل اور احکام دریافت کرنا۔ یہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا امتیاز ہے جو کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوا مختصر یہ کہ حیثیتوں کے اختلاف کے لحاظ سے صورت ہے۔ واللہ اعلم۔

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:- ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ بن قیس عبدالشمس بن عبدود قرشیہ تھیں اور عامریہ تھیں۔ لوی پر جا کر ان کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ام الاسود ہے ان کی والدہ کا نام شموس بنت قیس تھا اور یہ آنحضرت کی بعثت کے شروع میں ہی اسلام قبول کر چکی تھیں اور اپنے چچازاد عسکران بن عمرو بن الشمس کی زوجہ تھیں جو کہ سہیل بن عمرو کے بھائی تھے۔ ان کے خاوند نے بھی اپنی زوجہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا ان سے عبدالرحمٰن نامی ایک فرزند بھی تولد ہوا تھا۔ سکران سودہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور جب مکہ شریف آئے تو ان کے شوہر فوت ہو گئے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ حبشہ میں رحلت ہو چکی تھی۔ ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد از رحلت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرما لیا۔ اور یہ واقعہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ جیسے کہ قتادہ اور ابو عبیدہ کا قول ہے اور سوائے اس قضیہ کے ابن قتیبہ نے ذکر نہیں کیا۔ اور بعض کا قول یوں بھی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سے پہلے نکاح ہو چکا تھا پس دونوں اقوال میں جمع یوں ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے سیدہ عائشہ سے نکاح ہو چکا تھا لیکن ان کے ساتھ دخول سیدہ عائشہ سے قبل ہوا تھا۔ اس لئے کہ تزوج اور نکاح کے الفاظ دونوں معانی کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر دخول نہیں بلکہ عقد سمجھے جاتے ہیں۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حبشہ سے جب سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا واپس مکہ آئیں۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس آ کر ان کی گردن پر اپنا پائے اقدس رکھا ہے۔ جب یہ خواب اپنے شوہر کو بتایا تو وہ کہنے لگے کہ اگر تم سچ بیان کر رہی ہو تو میں جلدی وصل پا جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ کی خواہش فرمائیں گے۔ ازاں بعد دوبارہ سیدہ نے خواب میں دیکھا کہ ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور آسمان سے چاند اترا ہے اور ان کی جھولی میں آ گیا ہے۔ جب یہ خواب انہوں نے اپنے شوہر کو بتایا تو انہوں نے پھر کہا کہ اگر یہ خواب تم سچ بیان کرتی ہو تو میں جلدی ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی خواہش فرمائیں گے اور سکران رضی اللہ عنہ اس دن سے ہی علیل سے ہو گئے اور پھر چند دنوں کے اندر اندر ہی رحلت کر گئے۔ سیدہ سودہ بیوہ ہو

گئیں۔ جب نبوت کے دسویں سال میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔ ان کا مہر مبلغ چار سو درہم (۱) مقرر رکیا گیا۔ سیدہ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ شریف میں آئیں۔ جب ان پر بڑھاپا غالب آیا تو آنحضرت نے نبوت کے آٹھویں سال میں ان کو طلاق دے دی۔ لیکن صحیح قول یوں ہے کہ آنحضرت نے انہیں طلاق دے دینے کا ارادہ فرمایا تھا اور ایک رات کے وقت یہ نبی پاک کی گزر گاہ پر آ بیٹھیں۔ جبکہ آنحضرت خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ تو یہ کہنے لگیں۔ کہ میں ہرگز آپ سے کوئی خواہش نہیں کرتی ہوں اور مجھے اس عمر میں شہوت کی کوئی خواہش نہ ہے۔ لیکن میری یہ آرزو ہے کہ کل کو قیامت کے دن آپ کی ازواج مطہرات میں میرا حشر ہو۔ اور میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ چھوڑ دیا۔ اور یا رجعت فرمالی بہ اختلاف اقوال۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے حجتہ الوداع کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی تمام ازواج سے فرمایا کہ حجتہ الاسلام تھا یہ گردنوں سے اتر چکا ہے۔ اس کے بعد اب تم اپنے بستروں کو غنیمت شمار کرو اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ہی سب ازواج مطہرات حج پر گئی تھیں۔ لیکن سیدہ سودہ اور سیدہ زینب بنت جحش پھر بھی نہ گئی تھیں اور فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ہم سوار نہ ہوں گی۔ جس طرح کہ ہمیں آنحضرت نے وصیت فرمائی ہوئی ہے۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ روایات کتب متد اولہ میں موجود ہیں۔ جو ایک بخاری میں ہے اور باقی چار سنن اربعہ میں پائی جاتی ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے دوران ۵۴ھ ماہ شوال میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تھا۔ (کذافی المواہب) دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ خلافت فاروقی کے آخر میں سیدہ کی رحلت واقع ہوئی تھی۔

جیسے کہ ارباب سیر نے بیان کیا ہے۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا لمبے قد کی تھیں اور فربہ اور جسیم تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ رات میں لے جانے کا حکم فرمایا۔ حضرت سماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ حبشہ میں میں نے دیکھا کہ عورتوں کے واسطے ایک مسہری بنائی جاتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے ان کے لئے اسی طرح کی ایک مسہری بنائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر راس پر پڑی تو دیکھ کر حضرت اسماء کے حق میں دعا دی۔ اور آپ نے فرمایا سترتیھا سترک اللہ یعنی تم نے ان کا ستر قائم کیا اللہ تعالیٰ تمہارا ستر فرمائے۔

کچھ علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ اصل میں پردہ دار مسہری سیدہ زینت بنت جحش رضی اللہ عنہا کی خاطر بنائی گئی تھی۔ (کمافی روضتہ الاحباب) اور یہ بات تو تحقیق شدہ ہے کہ سیدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مسہری تیار کی تھی اور سیدہ فاطمتہ رضی اللہ عنہا کی رحلت ان سے قبل ہوئی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے پردہ دار مسہری بنائی گئی تھی۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب ابو بکر صدیق رضی

اللہ عنہ کی دختر تھیں۔ ام عبداللہ ان کی کنیت ہے۔ یہ کنیت ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے تھی۔ جو کہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سیدہ عائشہ نے گزارش کی کہ ان کی کوئی کنیت مقرر فرمائیں تو آپ نے ان کے بھانجے کی نسبت سے کنیت اختیار کرنے کے لئے فرما دیا۔ جو کہ عبداللہ بن زبیر تھے۔

ایک روایت کے مطابق یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحنیک فرمائی۔ ان کے منہ میں آپ نے اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیا کہ یہ عبداللہ ہیں۔ اور تم ام عبداللہ ہو۔

سیدہ عائشہ کی والدہ کا نام رومان بنت عامر رضی اللہ عنہا تھا۔ عامر بن عویمر قبیلہ بنو کنانہ سے تھے سیدہ عائشہ کی نامزدگی پہلے جبیر بن مطعم کے ساتھ تھی۔ ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نکاح کا پیام بھیج دیا تھا لہٰذا آنحضرت سے ان کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہی ہو چکا تھا اور ہجرت کے دوسرے سال مدینہ شریف میں اٹھارویں مہینہ کے آخر میں نو سال کی عمر میں ان سے زفاف ہوا تھا۔ قبل ازیں ہم تزوج اور زفاف کی تفصیل ذکر کر چکے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پسند تھا کہ نکاح شوال کے مہینہ میں کیا جائے۔ جبکہ ایام جاہلیت میں یہ ناپسندیدہ گردانا جاتا تھا۔ سیدہ خود ارشاد فرماتی ہیں کہ میرا نکاح اور زفاف شوال کے مہینہ میں ہوئے ہیں اور میرے مقابلہ میں وہ کونسی عورت آنحضرت کو محبوب تر تھی۔ بعض سفروں میں بھی آنحضرت نے ان کو ارشاد فرمایا ہے اور آپ فرماتے تھے "واعروساہ" (رواہ امام احمد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحبت و معاشرت نو سال رہی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ سیدہ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ان کی رحلت ۵۷ھ میں ہوئی اور واقدی کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۵۸ھ میں رمضان کی سترہ تاریخ کو ہوئی تھی۔ آپ اس وقت چھیاسٹھ سال کی تھی۔ آپ کی وصیت تھی کہ ان کو قبرستان بقیع میں بوقت شب دفن کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی ان دنوں مدینہ شریف پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان حکومت کرتے تھے۔ اور حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ان کے متولی مقرر تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات طبعی طور پر واقع ہوئی تھی۔ اور روافض نے یہ جھوٹ اور افترا باندھا ہوا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہا نے ایک کنواں کھود کر اوپر سے اسے ڈھانپ دیا تھا اور وہاں پر سیدہ کی دعوت کی تھی۔ پس سیدہ اس میں گر کر فوت ہو گئیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آنحضرت نے کسی باکرہ عورت سے نکاح نہ فرمایا۔ سیدہ عائشہ سے کوئی اولاد نہ پیدا ہوئی تھی۔ روایت میں آیا ہے کہ ان کے بطن سے ایک بچہ کا اسقاط واقع ہو گیا تھا۔ جس سے آپ کی نسبت ام عبداللہ ہوئی۔ لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ بلکہ یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نسبت سے کنیت ام عبداللہ تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب ناقابل شمار حد تک ہیں۔ صحابہ میں سے اکابرین فقہاء فصحاء اور بلغاء میں سیدہ بھی تھیں۔ چند اسلاف سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ احکام شرعیہ کے فیصلے کے لئے سیدہ کی جانب رجوع کیا جاتا تھا اور احادیث میں وارد ہوا ہے خذوا ثلثی دینکم من هذه الحميراء تم عائشہ سے (حمیرا) اپنا دو تہائی دین حاصل کرو۔ صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت نے سیدہ سے روایات لی ہیں۔ حضرت عمرو بن زبیر سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ کہ مجھے عائشہ صدیقہ سے زیادہ علم والا معانی قرآن' حلال و حرام کے احکام 'اشعار عرب اور علم انساب کے سلسلہ میں کوئی نظر نہیں آیا۔ سیدہ کے دو شعر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدح و ثنا میں روایت کئے گئے ہیں۔

لو سمعو فی مصر اوصاف خدہ لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لوامی زلیخا لود این حبیبه لا ثرن بالقطع اقلوب علی الایدی

یہ چیز سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بہت عظیم مناقب و فضائل میں شمار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان سے بہت ہی محبت فرماتے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اسلام میں سب سے اولین جو محبت پیدا ہوئی وہ آنحضرت اور سیدہ عائشہ کی آپس کی محبت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ۔ پھر دریافت کیا گیا کہ مردوں سے کون ہے تو آپ کا ارشاد تھا کہ عائشہ کے والد (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں آیا ہے کہ ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آدمیوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین کون ہے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ فاطمۃ الزہرا۔ اس کے بعد لوگ پوچھنے لگے کہ مردوں سے کون ہے تو فرمایا کہ ان کے شوہر (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) واللہ اعلم۔

اس میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ ازواج مطہرات میں سے محبوب ترین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں اور اولاد میں سے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آنحضرت کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اور حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے محبوب ترین تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے محبوب ترین تھے۔ اور اس محبت کی زیادتی کے اسباب مختلف ہیں اور حیثیات متفرق ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یوں آئی ہے کہ ایک روز جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے نعلین مبارک کی مرمت کر رہے تھے میں چرخہ کات رہی تھی۔ تو میں نے آنحضرت کا چہرہ انور دیکھا۔ آپ کے ماتھا شریف سے اس وقت پسینہ بہتا تھا۔ پسینہ سے آنحضرت کے جمال پاک میں اتنی تابانی تھی کہ میں متحیر تھی۔ آنحضرت نے میری جانب اپنی نظر مبارک اٹھا کر دیکھا اور پھر دریافت فرمایا کہ تم حیران کیوں ہو رہی ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ جناب کے نورانی بشرہ مبارک اور جبین پاک کے پسینہ نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اٹھ کر میرے پاس تشریف فرما ہوئے اور میری دونوں آنکھوں کے

درمیان میں آپ نے بوسہ لیا۔ اور پھر ارشاد فرمایا۔ جزاک اللہ یا عائشہ خیرا ماسردت منی کسرو روی منک اللہ تجھے جزائے خیر دے اے عائشہ! تم اس قدر مجھ سے مسرور نہیں ہوئی ہو جتنا کہ تم نے مسرور کیا ہے۔ مراد یہ کہ جتنا ذوق و سرور تم نے مجھ سے حاصل کیا ہے اس سے زیادہ ذوق و سرور مجھے تم سے حاصل ہوا ہے۔ آنحضرت کی طرف سے یہ سیدہ کو انصاف و آفرین تھی کہ آپ نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا کیونکہ انہوں نے محبت و معرفت کی نظر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا۔

ع نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست — وے ہماں دل کہ آں بریان اوست

اکابرین تابعین میں سے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ وہ جس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت کیا کرتے تھے تو اس طرح کہا کرتے تھے۔ حدثنی الصدیقة بنت الصدیق حبیبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کبھی یوں فرمایا کرتے تھے۔ حبیبة حبیب اللہ امراة من السماء

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فضیلت کے لحاظ سے دیگر جملہ ازواج مطہرات پر زیادتی محبت کی رو سے فخر کیا کرتی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر تحدیث عام مشہور ہے۔ آپ یوں فرماتی تھیں کہ سوائے میرے کسی دوسری باکرہ عورت سے آنحضرت نے تزوج نہ فرمایا۔ اور بیویوں میں یہ مخصوص فضیلت ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے سے بالکل دست آلودہ نہ ہوں۔ نیز شوہر کے لئے باکرہ عورت محبوب تر اور مانوس تر بھی ہوا کرتی ہے۔ آنحضرت نے جب میرے لئے نکاح کا پیغام بھیجا تھا تو اس سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ریشمی کپڑے پر بنائی گئی میری تصویر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مشاہدہ کروایا تھا۔ اور کہا تھا کہ یہ آپ کی زوجہ پاک ہیں۔ دیگر ایک روایت میں اس طرح ہے کہ دنیا و آخرت میں یہ آپ کی زوجہ پاک ہیں۔ مراد یہ تھی کہ جس کی صورت یہ نقش کی گئی ہے وہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے۔ تاآں وقت تصویر حرام نہ قرار دی گئی تھی۔

ایک اور روایت یوں ہے کہ خواب کی کیفیت میں تھی جو کہ عالم مثال ہے۔ بخاری اور مسلم میں روایت میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ارشاد فرمایا کہ تم کو خواب میں میں نے تین راتیں دیکھا ہے۔ فرشتے نے وہ ریشمی کپڑے پر نقش کیا ہوا تھا۔ اس حدیث میں مطلق طور پر ریشمی پارچہ مذکور ہوا ہے اور بہتر بھی یہی ہے کہ اس پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ دیگر ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدہ عائشہ کی تصویر سبز ریشمی پارچہ پر لائے (واللہ اعلم)

اس فرشتہ نے آنحضور سے عرض کیا کہ یہ آپ کی زوجہ پاک ہیں۔ ان کی شکل و شباہت اس طرح کی ہے۔ ازاں بعد وہ پارچہ میں نے اپنے سامنے سے ہٹا دیا تو وہ صورت میں نے خواب میں دیکھی تھی اور وہ تم نکلیں۔ مقصود موافقت در صورت ہے جو کہ مشاہدہ کرائی گئی تھی۔ میں نے دوران خواب ہی کہا کہ اگر یہ خدا کی طرف سے خواب ہے تو یہ لازماً پورا ہو

کر رہے گا۔ یعنی مجھے حق تعالیٰ ضرور اس طرح کی زوجہ عطا فرمائے گا۔ اس سے اثبات و اظہار اور شوق و رغبت کا بیان کرنا مراد ہے۔ اور سیدہ صدیقہ کی عظیم منقبت ہے کہ ان کی آمد سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان کے جمال پاک کا مشتاق اور محب بنایا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو صرف ایک مرتبہ خواب میں دیکھ کر زلیخا ان کی مشتاق ہو گئیں۔ یہاں پر سید کائنات کو تین بار دکھایا گیا۔ انس محبت کا باعث یہ امر بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ انس و محبت کے ضمن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اور اپنی فضیلت کا اظہار یوں کیا ہے۔ کہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں لگے ہوئے تھے تو میں آنجناب کے روبرو سیدھی لیٹی رہتی تھی اور آنجناب کا میرے ساتھ یہ خاص سلوک تھا۔ رات کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں قیام فرما ہوتے تھے اور سیدہ عائشہ صدیقہ اپنی جگہ پر سو رہی ہوتی تھیں تو ان کے سر مبارک سے پاؤں مبارک عائشہ رضی اللہ عنہا کے بدن مبارک تک پہنچتا تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں تاکہ آپ سیدہ عائشہ کے مواجہ اور قریب آپ نماز پڑھتے تھے بلکہ ان کے پاؤں کی طرف نماز پڑھتے تھے کیونکہ سیدہ لیٹی ہوتی تھیں گو حدیث کے الفاظ بظاہر اس طرح ہی وارد ہوئے ہیں۔ **وانا مفرض بین یدی رسول اللّٰہ مثل الجنازۃ** یعنی کہ رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے میں مانند جنازہ لیٹی ہوئی ہوتی تھی۔ یہ دیگر اضافی فضیلت ہے۔ اور یہ اختصاص حالت سیدہ صدیقہ کی فضیلت کا سبب ہے اور ان کے ساتھ اس کا اختصاص اس طرح سے ہے کہ سیدہ عائشہ کے گھر ان کی باری پر ہی اس طرح واقع ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ تو یہ جائز تھا لیکن دوسری ازواج کے ساتھ جائز نہ تھا۔ حدیث کے آخر پر یوں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے ہاتھ سے میرے پاؤں کو چھوتے تھے تو اپنے پاؤں میں پیچھے کھینچ لیا کرتی تھی۔ یعنی جائے سیدہ پاؤں کے نہایت نزدیک تھی سجدہ جب ہو چکتا تھا تو سیدہ پھر اپنے پاؤں مبارک پھیلا لیتی تھیں اور اس طرح یا تو نیند غالب کے باعث واقع ہوا یا کوئی اور وجہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اور یہ عذر تھا کہ گھر میں چراغ موجود نہ تھا۔ اس بارے میں علماء احناف یہ دلیل لاتے ہیں کہ عورت کو مس کرنے سے وضو ساقط نہیں ہوتا۔ (فتدبروا) یہ بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک ہی برتن میں نہایا کرتے تھے کسی دیگر زوجہ کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہ تھا۔ معاذہ عدویہ مشکوۃ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے اور اس طرح میرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے نسبت زیادہ جلدی کرتے تھے حتیٰ کہ میں عرض کرتی تھی کہ میرے لئے پانی یا برتن پیچھے چھوڑ دیں تاکہ میں بھی پانی بھی لے سکوں۔ جبکہ حال یہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور وہ دونوں ہی جنابت میں ہوتے تھے۔ اس روایت سے کمال درجہ کا اختلاط اور محبت و انس ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سوائے سیدہ

عائشہ کے جامہ خواب میں وحی نازل ہونے کے کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے رخت خواب میں وحی کا نزول واقع نہیں ہوا ہے۔ اس میں سیدہ صدیقہ کا کمال مرتبہ فضل اور غایت درجہ امتیاز پایا جاتا ہے جو کہ تشریح او بیان کا محتاج نہیں ہے۔ کس کس طرح کے انوار و اسرار سیدہ صدیقہ میں سرایت پذیر ہوتے ہوں گے صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ کے بارے میں کوئی بات کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ کے بارے میں مجھے ایذا نہ دو تحقیق کسی زوجہ کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ سوائے عائشہ کے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ اتوب الی اللّٰہ تعالٰی من اناک یارسول اللّٰہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کیا تو اسے پسند کرتی ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔ سیدہ فاطمہ نے جواب دیا۔ ہاں یارسول اللہ میں اسے پسند کرتی ہوں تو آپ نے فرمایا پس عائشہ کو محبوب کروانو۔ اس باب میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔

علاوہ ازیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی ایسی عورت سے شادی نہ کی جس کے باپ اور ماں نے راہ خدا میں ہجرت کی ہو۔ سوائے میرے آپ کی اس فضیلت سے ملتی جلتی آپ کے والد کی فضیلت ہے۔ رضی اللہ عنہ کو ان کے کنبہ میں چار صحابی ہوئے ہیں اور اس فضیلت کو بھی سیدہ عائشہ اپنے ساتھ راجح فرمائیں تو سزاوار ہے۔ نیز آپ فرماتی ہیں کہ میری برات آسمان سے نازل ہوئی اس میں آپ نے قضیہ افک میں اپنی برات کا قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو کہ منافقوں کی جانب سے الزام تراشی کی گئی تھی۔ حق تعالیٰ نے سترہ اٹھارہ آیات قرآنی سیدہ کی عزت کے تحفظ میں اور اس جماعت کی مذمت و وعید میں نازل فرمائیں اور آپ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم میرے گھر میں بیمار ہوئے اور اس کی وجہ ان کا فہم و ادراک تھا اور محبت و قرب جو کہ آنحضرت کے ساتھ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ من حوسب عذب یعنی جس کا حساب کیا گیا۔ عذاب کیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ یارسول اللہ! حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ فسوف یحاسب حسابا یسرا اور جب حساب آسان ہو گا تو عذاب کس لئے ہو گا آنحضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ عرض ہے۔ حساب نہیں ہے۔ اور اس سے مراد حساب میں مناقشہ ہے۔

دیگر ایک مرتبہ آنحضرت نے فرمایا کہ جو کوئی لقائے خدا کو دوست رکھتا ہے خدا تعالیٰ اس کی لقاء کو محبوب رکھتا ہے۔ اور جو کوئی لقائے خدا کو دشمن رکھتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لقاء کو دشمن رکھتا ہے۔ علماء نے لقاء سے مراد موت لی ہے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم مکروہ جانتے ہیں۔ یعنی کہ موت کو بحکم نفس و طبیعت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے جواب دیا۔ اس طرح نہیں ہے جیسے کہ تو نے سمجھا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے محبت موت عطا کر دیتا ہے اگرچہ وہ ایام موت کے قریب ہی ہو۔ ایک مرتبہ آنحضرت نے فرمایا کہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہو گا کوئی شخص مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے۔ تو سیدہ عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ بھی بجز رحمت الٰہیہ بہشت میں داخل نہ ہوں گے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ہاں میں بھی رحمت خدا تعالیٰ سے داخل ہوں گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے

ڈھانپ لے گا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حکایت کے دوران فرمایا کہ ان کے درمیان میں سے تیرا شیطان گزرا سیدہ نے عرض کیا کیا آدمی شیطان ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہر آدمی کے لئے ایک شیطان ہوتا ہے اس کے قریب سیدہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے بھی کوئی شیطان ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ لیکن میرا شیطان میرے مطیع ہو گیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑے ناز و نیاز تھے جو کہ محبوں اور محبوبوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اور سیدہ جو کچھ چاہتی تھیں کہہ لیا کرتی تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ اے عائشہ! میں جانتا ہوں کہ تم کبھی میرے ساتھ راضی ہوتی ہو اور کبھی ناراض ہوتی ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے یہ کیسے معلوم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو خوش ہوتی ہے تو اس طرح قسم کھاتی ہو۔ **لا ورب محمد** اور جب تو خشمناک ہوتی ہے تو کہتی ہے **لا ورب ابراهيم** میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسے ہی ہے۔ یا رسول اللہ۔ **لا اهجر الا اسمک** مراد یہ کہ صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں حالت خشم میں۔ لیکن آپ کی ذات اور یاد میری جان میں ہوتی ہے۔ اور میری جان آپ کی محبت میں مستغرق ہوتی ہے۔ اور محبت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! اگر تو بہشت میں مجھ سے ملحق ہونا چاہتی ہے تو چاہیے کہ دنیا میں تمہاری مقدار زاد صرف اتنی ہو جتنی کہ تمہارے لئے کفا کر سکے اور اس وقت تک کپڑا پرانا شمار نہ کرو جب تک اسے پیوند لگا کر نہ پہن لو اور ایک روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہشت میں آپ کی ازواج پاک میں شامل فرمائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ مرتبہ چاہتی ہو تو کل کے لئے ذخیرہ نہ کرنا۔ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپ نے ستر ہزار درہم راہ خدا میں تصدق فرمائے اور اس وقت آپ کے پیراہن مبارک کا ایک گوشہ پیوند لگے ہوئے تھا۔ اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ایک سو ہزار درہم بھیجے تو سیدہ نے وہ تمام رقم اسی دن فقراء اور اقارب پر تقسیم فرما دی۔ آپ نے اس دن روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے شام کے کھانے کے واسطے کچھ باقی نہ بچا رکھا۔ تو آپ کی باندی نے عرض کیا کہ اگر روٹی کی خاطر ایک درہم ہی بچا لیا جاتا تو اچھا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ یاد نہ تھا اگر یاد ہوتا تو میں بچائے رکھتی۔

دو ہزار اور دو صد احادیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معتبر کتابوں میں روایت ہوئی ہیں۔ ایک صد چوہتر احادیث وہ ہیں جو بخاری اور مسلم میں متفق علیہ ہیں اور جو صرف بخاری میں موجود ہیں۔ اور بڑی تعداد صحابہ اور تابعین نے آپ سے روایت لی ہیں۔ جب سیدہ کی رحلت کا وقت آیا تو آپ فرماتی تھیں کہ کاش میں ایک درخت ہوتی تو کاٹ دی جاتی۔ کاش کہ ایک پتھر کا روڑہ ہوتی تاکہ مجھے کوئی یاد ہی نہ کرتا۔ کاش کہ میں پیدا ہی نہ کی جاتی۔ سبحان اللہ کس قدر بیزاری اور

شکستگی کا مظاہرہ ہے اس دنیا سے اور کس قدر تواضع اور انکسار ہے اسی طرح ان کے والد ماجد رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا تھا جو کہ افضل امت ہیں۔ تو یہ کیوں نہ اس طرح کہتیں۔ اس مقام پر علماء کرام نے فرمایا ہے کہ بارگاہ الٰہیہ کے مقربین مامور اور مبشر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی بارگاہ لاابالی سے خوف ضرور ہوتا ہے۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جب وصال ہوا تو آپ کے مقدس گھر سے رونے کی آواز سنائی دی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خبر لانے کے لئے اپنی باندی کو بھیجا۔ باندی واپس آئی اور آپ کی رحلت کی خبر لائی۔ پس سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رونے لگیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے وہ سب ازواج سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تھیں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے بعد۔ اہل سیر نے کہا ہے اور ایک شخص نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ مجھے اپنے نیک ہونے کا کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تمہیں اپنی بدی کا علم ہو جائے۔ پھر اس نے پوچھا کہ مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں برا آدمی ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت تمہیں آگاہی ہو جائے کہ یہ نیک عمل ہے۔

سیدہ ہمیشہ یہ ارشاد فرماتی رہتی تھیں کہ جنت کے دروازے ہمیشہ تمہارے واسطے کھلے ہوئے ہیں۔ تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کیسے کھلے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ بھوک اور پیاس کے ذریعہ سے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ تلاوت قرآن میں مشغول تھیں۔ جب یہ آیت آئی۔ **ولقد انزلنا الیکم ما فیہ ذکرکم افلا تعقلون** اس میں شبہ نہ ہے کہ ہم نے تمہارے طرف وہ قرآن نازل فرمایا کہ اس میں تمہاری یاد اور نصیحت ہے کیا پس تم غور نہیں کرتے ہو۔ پس بعد ازاں آپ ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے ان کے معانی میں غور و خوض کیا کرتی تھیں حتیٰ کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں میرا ذکر فرمایا اور میری صفت بھی بیان فرمائی ہے۔ لوگوں نے قرآن میں اس مقام کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے بتایا وہ یہ ہے۔ **واخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا و اخرسیاء عسی اللہ ان یتوب علیھم** رضی اللہ تعالیٰ عنہا حق تعالیٰ کی طرف سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تواضع' انصاف اور آپ کی معرفت پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:۔ سید حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی دختر ہیں اور قرشیہ عدوی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا تھا جو کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں یہ مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے ہجرت بھی کی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل حضرت خنیس بن حزافہ کی زوجہ تھیں۔ حضرت خنیس اہل بدر سے ہیں۔ ان کے ہمراہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی تھی۔ غزوہ بدر کے بعد حضرت خنیس رضی اللہ عنہ رحلت پا گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے بعد از غزوہ احد وصال ہوا تھا۔ حضرت حفصہ کے بیوہ ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان سے نکاح کر لیں۔ لیکن انہوں نے یہ بات قبول نہ کی۔ انہیں ایام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ کا وصال ہوا تھا۔

پس حضرت عثمان کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ اور عرض کیا کہ میں نے ان کی خدمت میں حفصہ کے بارے میں کہا تھا لیکن انہوں نے میری پیش کش کو قبول نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عثمان کو تمہاری بیٹی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے اور تمہاری بیٹی کے لئے عثمان سے بہتر زوج عطا فرمائے۔ پس واقع بھی اسی طرح ہی ہوا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی زوجیت میں آئیں اور سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی گئی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ ازاں بعد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے پیغام ارسال کیا۔ اور ۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی دختر حفصہ کا نکاح کر دیا اور ہجرت کے دوسرے سال میں کیا جانا بھی ایک قول میں وارد ہوا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ فرمایا کہ خنیس بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ کی وفات سے جب حفصہ بنت عمر بیوہ ہو گئی تھیں جو کہ اصحاب رسول سے تھے اور مدینہ شریف میں وصال ہوا تھا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آکر حفصہ کے بارے میں پیشکش کی حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھے اتنا وقت دے دو کہ میں اپنے معاملے میں غور و فکر کر لوں پس کچھ راتیں اسی توقف میں بسر ہوئیں اس کے بعد وہ حضرت عثمان ملے تو حضرت عثمان نے بتایا کہ میری رائے ہے کہ ابھی کچھ دنوں تک میں کسی سے نکاح نہ کروں۔ ازاں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ رعنہ سے ملے۔ اور ان سے بھی کہا کہ اگر آپ خواہش کریں تو حفصہ کی شادی آپ کے ساتھ کروں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق چپ رہے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا اور مجھے غصہ آیا اور عثمان رضی اللہ عنہ سے جس قدر مجھے غصہ تھا اس سے زیادہ غصہ یہ تھا اس کے چند راتیں ہی بسر ہوئیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے پیام بھیجا۔ پس نے حفصہ کا نکاح آنحضرت کے ساتھ کر دیا۔ ابو بکر مجھ سے ملے اور فرمایا کہ جس وقت تم نے مجھے پیشکش کی تھی اور میں جواب میں خاموش رہا تھا تم شاید اس وقت ناراض ہو گئے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں میں آپ کے ساتھ ناراض ہو چکا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ تمہاری پیشکش کا جواب نفی میں میں نے نہیں دیا تھا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ کو یاد فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو میں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ اگر حفصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ اپناتے تو پھر میں ان کو قبول کر لیتا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت نے ایک رجعی طلاق دے دی تھی۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو ان کو بہت دکھ محسوس ہوا۔ ازاں بعد جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور وحی لائے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ سیدہ حفصہ سے رجوع فرما لیا جائے۔ کیونکہ وہ بہت روزہ رکھنے والی اور رات کو جاگنے والی ہیں اور جنت میں بھی وہ آپ کی زوجہ پاک ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت پاک سے پانچ سال قبل سیدہ حفصہ پیدا ہوئی تھیں اور امیر معاویہ رضی

اللہ عنہ کو امارت کے دوران ان کی رحلت ۴۵ھ یا ۴۱ھ میں واقع ہوئی تھی۔ بعض حضرات نے ان کا وصال خلافت عثمان کے دوران بتایا ہے لیکن پہلا قول اصح ہے (واللہ اعلم)۔ ان کی عمر شریف اس وقت ساٹھ سال کی تھی۔ ساٹھ احادیث کی روایت ان سے کتب متداولہ میں وارد ہوئی ہے۔ جن میں چار حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ یعنی وہ بخاری اور مسلم میں دونوں میں موجود ہیں اور صرف مسلم شریف میں چھ ہیں اور باقی تمام حدیثیں دوسری سب کتابوں میں روایت کی گئی ہیں۔

سیدہ زینب بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا:۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زوجہ پاک ہیں۔ یہ خذیمہ بن الحارث ہلالیہ عامریہ ہیں ان کو ام المساکین کہا جاتا تھا۔ کیونکہ مساکین کو وہ کھانا کھلایا کرتی تھیں اور ان پر بڑی مہربانی فرمایا کرتی تھیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کی شہادت غزوہ احد میں واقع ہوئی۔ بعض علماء اس طرح بھی کہتے ہیں کہ عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں جو کہ آنحضرت کے چچازاد تھے۔ اور ان کی شہادت غزوہ بدر میں ہو چکی تھی۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہ پہلے طفیل بن الحارث کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ تو عبیدہ بن الحارث نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور ایک قول اس طرح بھی وارد ہوا ہے کہ ان کی طرف حضرت عبداللہ بن جحش اسدی نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ کچھ ارباب سیرت اس کو ترجیح دیتے ہیں جس طرح کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔ اور مواہب الدینہ میں مذکور ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے تیسرے سال میں ان کے ساتھ نکاح فرمالیا۔ یہ ام المومنین بڑا تھوڑا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پاک میں زندہ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی کے دوران ہی یہ وصال پا گئی تھیں کچھ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ صرف دو ماہ کا عرصہ رہیں اور بعض نے چھ ماہ کا ذکر کیا ہے اور بعض نے آٹھ ماہ کا۔ مواہب الدینہ میں فضائل کے باب میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات شریف چوتھے سال ہجری میں ربیع الاخر کے مہینہ میں واقعہ ہوئی تھی۔ اور بقیع میں مدفون ہوئی تھیں۔ بقیع میں ایک قبہ موجود تھا اسے قبہ ازواج النبی کہتے تھے۔ (یہ تمام مزارات ابن سعود نجدی ملعون نے زبردستی کھدوا دیئے تھے اور قبہ بھی منہدم کرادیا تھا)۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا:۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ رسول ہیں ان کا نام تھا ہند بنت ابی امیہ مخزومی۔ کچھ علماء نے ان کا نام رملہ بتایا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور پہلا ہے۔ ابو امیہ کا اصل نام ہے سہل بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم اور والدہ کا نام تھا عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ۔ کذافی الجامع۔ اور اسی طرح ہی یہ مواہب میں مذکور ہے کہ یہ عاتکہ بنت المطلب نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ روضۃ الاحباب میں جو عاتکہ بنت عبدالمطلب مذکور ہوا ہے۔ وہ محل نظر ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے ابو سلمہ بن الاسد کی بیوی تھیں۔ یہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے یہ اپنے شوہر سمیت مہاجرین اول میں شمار ہیں جو حبشہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے تھے۔ اس کے بعد یہ حبشہ سے مدینہ شریف میں

آئیں تھیں۔ ان سے ان کے ہاں چار فرزند ہوئے تھے۔ زینب' سلمہ' عمرو اور درہ۔ ان میں سے درہ یعنی زینب اور عمرو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ربیب بنے تھے۔ ہر دو دفعہ حبشہ کی جانب انہوں نے ہجرت کی تھی اور وہاں سے مدینہ طیبہ کو واپس آئیں۔ بعض نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ وہ پہلی خاتون جو ہودج میں سوار ہو کر ہجرت پر مدینہ شریف میں داخل ہوئی وہ یہی ام سلمی رضی اللہ عنہا تھیں۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ احد کی جنگ میں زخمی ہو چکے تھے پھر وہ تندرست ہو گئے تھے ازاں بعد ایک لشکر کے ہمراہ وہ بھیجے گئے۔ وہاں سے مراجعت کے بعد ان کے سابقہ زخم دوبارہ تازہ ہو گئے پس ان زخموں کے بعد ۴ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ ایک قول کے مطابق آپ نے ۳ھ میں وصال پایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سنا ہوا تھا۔ کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی مصیبت آجائے تو اسے یہ دعا مانگنی چاہیے۔ **اللھم اجرنی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا** اے میرے اللہ میری مصیبت میں مجھے اجر عطا فرما اور اس سے بہتر اس کا قائم مقام میرے لئے بنا۔ ابو سلمہ نے یہ دعا اپنے وصال کے وقت اپنا ورد بنایا ہوا تھا۔ اور سیدہ ام سلمہ نے فرمایا ہے کہ میرے شوہر کی وفات پر جو مجھے مصیبت آئی اس کے دوران میں یہ دعا پڑھا کرتی تھی اور جس وقت میں یہ پڑھتی تھی کہ اس سے بہتر قائم مقام بنا تو سوچا کرتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر مسلمان کون ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہوا تھا۔ لہٰذا میں نے اسے پڑھنا جاری رکھا۔ علاوہ ازیں آنحضرت سے یہ بھی میں نے سنا ہوا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میت کے سرہانے جو موجود ہو وہ اچھی دعا کرے۔ کیونکہ اس وقت جو دعا کی جائے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ ابو سلمہ رحلت فرما گئے ہیں اب ان کی جدائی میں میں کیا کہوں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ یوں پڑھا کرو۔ **اللھم اغفرلی ولہ واعقبنی عقبۃ جنۃ** اے اللہ تعالیٰ! مجھے اور ان کو بخش دے اور میری عاقبت اچھی بنا دے۔ ازاں بعد یہ دعا میں پڑھتی رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ سے بہتر زوج عطا فرمایا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وصال پا گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے تعزیت فرمائی۔ اور آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ تعالیٰ ان کے غم کو تسکین عطا فرما۔ ان کی مصیبت کو بہتر بنا دے۔ اور ان کو بہتر عوض عطا کر۔ اور جس طرح آنحضرت کی یہ دعا تھی بالکل اسی طرح ہی واقع ہوا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے مجھے پیام ارسال فرمایا۔ ایک روایت یوں بھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی طرف سے علیحدہ علیحدہ پیغامات ارسال کئے تھے۔ لیکن ام سلمہ نے انہیں قبول نہ کیا تھا اور جس وقت پیام رسالت مآب آیا تو فرمایا۔ مرحبا برسول اللہ۔ لیکن میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں اور اپنے ساتھ بچے بھی رکھتی ہوں یتیم۔ اور میں بہت غیرتمند عورت ہوں۔ آپ عورتوں کو جمع فرمائیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری نسبت میں زیادہ عمر رکھتا ہوں۔ اور تمہارے یتیموں کی پرورش کرنا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بچے میرے بچے ہیں اور یہ بات جو تم کہتی ہو کہ

میں بڑی غیرتمند ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے تم سے دور فرما دے۔ ان کے ساتھ شوال ۴ھ میں آنحضور نے تزوج فرمایا اور دس درہم کی قیمت کا سامان ان کا مہر مقرر کیا گیا۔ امہات المومنین میں سے سب سے آخر میں وصال پانے والی ام سلمہ ہی ہیں۔ ان کا وصال ۵۹ھ میں ہوا تھا۔ اور بعض علماء بتاتے ہیں ان کی رحلت یزید بن معاویہ کے دور میں ۶۳ھ میں بعد از شہادت حسین رضی اللہ عنہ واقع ہوئی تھی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (کذا قیل) اور دوسرے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ترمذی نے ایک انصاری کی زوجہ سلمیٰ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی۔ تو آپ کو روتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے جو آپ رو رہی ہیں اے ام سلمہ! تو انہوں نے کہا کہ ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میں نے خواب میں زیارت کی ہے۔ آپ کا سر اقدس اور آپ کے محاسن پاک گرد آلود ہیں۔ اور آپ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا بات واقع ہوئی ہے۔ آپ کیوں روتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہاں پر حاضر تھا جہاں حسین کو شہید کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے وقت ام سلمہ زندہ تھیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی اہل سیر نے کہا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہادت کی خبر جب سیدہ ام سلمہ کو پہنچی تو آپ نے اہل عراق پر لعنت کی جنہوں نے امام حسین کو شہید کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تدفین قبرستان بقیع میں عمل میں آئی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سعید بن زید نے پڑھائی۔ انہوں نے چوراسی سال عمر پائی ازواج مطہرات دو گروہوں میں منقسم تھیں۔ ایک گروہ سیدہ عائشہ، حفصہ، سودہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ اور دوسرا گروہ سیدہ ام سلمہ اور دوسری ازواج کا تھا۔ اس گروہ کی سردار سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

جیسے کہ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے۔ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت نے تزوج فرمایا ان کے لئے وہ گھر رہنے کے لئے مقرر فرمایا جو سیدہ زینب بنت خزیمہ۔ رضی اللہ عنہا والا تھا جو وصال پا چکی تھیں سیدہ ام سلمہ اس گھر میں آئیں تو دیکھا کہ گھر میں ایک چھوٹا سا گھڑا ہے اس میں تھوڑے سے جو ہیں۔ پتھر کی ایک ہانڈی اور چکی بھی پڑی ہے۔ انہوں نے چکی میں کچھ جو ڈال کر پیس لئے۔ اس سے میدہ بنا لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب تشریف فرما ہوئے تو ام سلمہ کے ولیمہ کا یہ کھانا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:- سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ہیں پہلے ان کا نام برہ تھا اسے تبدیل کر کے آنحضرت نے زینب رکھا اس کی وجہ یہ تو تزکیہ نفس کا ابہام تھا یا یہ کراہت تھی کہ کوئی یہ نہ کہے کہ برہ کے پاس سے آیا ہوں یا یوں نہ کہے کہ گھر میں برہ نہیں ہے برہ کے معنی ہیں نیکی اور احسان۔ ان کی کنیت ام الحکم تھی اور امیمہ عبدالمطلب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی ان کی والدہ تھی۔ یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ زید نے انہیں طلاق دے دی تھی ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں

لے آئے تھے۔ یہ ہے مختصر طور پر ان کا قصہ اور روضۃ الاحباب میں یہ مفصل مسطور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زید کی خاطر ان کو پیام نکاح دیا۔ تو زینب رضی اللہ عنہا نے قبول نہ کیا اور اپنا منہ پھیر لیا کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حسن و جمال رکھتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ مزاج میں وہ حدت اور شدت تھی جس کی مشابہت بڑائی اور تکبر سے ہوتی تھی۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! میں زید کو پسند نہیں کرتی ہوں۔ کیونکہ وہ آزاد کردہ غلام ہے۔ اس بارے میں حضرت زینب کے بھائی عبداللہ جحش بھی اپنی بہن کے ساتھ متفق و موید تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ظہور نبوت سے قبل ہی زید کو آزاد کر کے اپنی فرزندی میں لے لیا تھا اور آپ اس پر نہایت ہی لطف و عنایت فرمایا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ قبول نہ کرنے کے لئے ہرگز گنجائش نہیں۔ آپ کو تسلیم کرنا ہی ہے۔ تو حضرت زینب نے عرض کیا کہ مجھے اس ضمن میں غور و فکر کرنے کی مہلت دیں۔ یہ بات ابھی ہو رہی تھیں کہ اس دوران یہ آیت پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم والخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا۔

کوئی مسلمان مرد یا عورت یہ حق نہیں رکھتا کہ اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ فرمادیں تو اس کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہوا وہ بلاشک واضح گمراہی میں ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی دونوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور عرض کیا کہ ہماری کوئی مجال نہ ہے کہ درمیان میں ہم اختیار قائم رکھیں اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ پس آنحضرت نے زینب کو زید رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔ زید کے ساتھ ایک سال کا عرصہ یا اس سے تھوڑا زیادہ تک رہیں۔ آزاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ہمارے علم میں قدیم سے یہ ہے کہ زینب آپ کی زوجیت میں ہو۔ پس حضرت زید اور زینب دونوں میں ناسازگاری کی کیفیت پیدا ہو گئی اور زید کے بارے میں حضرت زینب سے کج خلقی واقع ہونے لگی۔ حتیٰ کہ یہ اپنی حد تک پہنچی اور زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے اور زینب کے خلاف شکایت کی۔ یا رسول اللہ! میں ارادہ کرتا ہوں کہ زینب کو طلاق دے دوں۔ وجہ یہ ہے کہ میرے ساتھ ان کا سلوک بڑا تنگ ہے۔ اور وہ زبان درازی کرتی ہے۔ آنحضرت نے زید کو اس سے باز رہنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ پتہ چل گیا ہوا تھا کہ زینب کو آنحضرت کی زوجیت میں داخل ہونا ہے۔ لہٰذا آپ کے دل میں یہ تھا کہ زید ان کو طلاق دے دیں۔ لیکن بربنائے حیائی آپ نے زید کو حکم نہ دیا کہ طلاق جاری کریں علاوہ ازیں اس سے یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ لوگ کہنا شروع کر دیں گے کہ اپنے متنبے کی زوجہ کی خواہش کرتے ہیں۔ جاہلیت کے دور میں اپنے متنبے کی بیوی کو اپنے لئے حرام سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ منہ بولا بیٹا صلبی بیٹا سمجھا جاتا

تھا۔ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے اندیشہ سے مراد ان کے ایمان کا مخدوش ہونا ہو کہ ایمان میں شک و تردد داخل ہو کر باعث ہلاکت ایمانی نہ ہو جائے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ زید کو سیدہ زینب کے روکنے کا حکم دینے میں زید کا امتحان اور زید کا اختیار دیکھنا مقصود تھا کہ پتہ چل جائے کہ زید کے دل میں زینب سے کوئی رغبت کا شائبہ باقی ہے۔ یا کہ مکمل طور پر متنفر ہو چکے ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ دوسری دفعہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زینب کو طلاق دے دی ہے۔ پس اس آیت پاک کا نزول ہوا۔

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمته علیه امسک زوجک وثق اللہ وتحفی فی نفسک ما اللہ مبدیه وتخشی الناس واللہ احق ان تحشاء

جس وقت تم اس شخص سے فرماتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی اور اپنی بی بی کو اپنے پاس ہی رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تمہارے دل میں وہ بات تھی جو کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا' اور تم لوگوں کے طعنہ کا خدشہ رکھتے تھے۔ لیکن زیادہ مستحق اللہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

نقل کیا گیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی عدت پوری کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے نکاح کا پیام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ اس کام کے لئے زید کو مخصوص کیا گیا۔ جس میں یہ حکمت پنہاں تھی۔ کہ لوگوں کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ نکاح قہر و جبر کے ذریعے کیا جارہا ہے اس میں زید کی رضامندی شامل نہ ہے۔ نیز یہ بھی لوگوں پر واضح ہو جائے کہ اب زید کو ہرگز زینب کی کوئی خواہش نہیں ہے اور اس چیز پر زید خوش ہیں۔ علاوہ اللہ تعالیٰ اور رسول خدا کی اطاعت پر زید کو قائم رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت زینب کو بھی راضی رکھنا بھی مقصود تھا کیونکہ یہ ایک نازک وقت اور موقع تھا۔ پس حکم کے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ مکمل صدق و اخلاص کے ساتھ گئے اور زید بیان کرتے ہیں کہ میں زینب کے گھر داخل ہوا تو میری نظروں میں وہ اس قدر بزرگ دکھائی دیں کہ ان کی جانب میں اپنی نظر بھی نہ اٹھا سکا۔ میں الٹے قدم ان کے پاس گیا یعنی گھر کی طرف پشت کئے ہوئے اور میں نے اس کو کہا کہ تم کو خوشخبری ہو کہ رسول اللہ نے تمہارے پاس مجھے پیام دینے کے لئے بھیجا ہے۔ زینب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ اپنے رب سے میں صلاح مشورہ نہ کرلوں۔ ازاں بعد وہ اٹھ کر مصلے پر جاکر سر بسجدہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئیں۔

چند روایات میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ آپ نے دو نفل ادا کئے اور پھر سجدہ میں پڑ گئیں۔ اور یہ مناجات کی۔ اے خدا! تیرے نبی نے مجھے چاہا ہے۔ اگر میں ان کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں داخل فرمادے۔ ان کی یہ دعا اسی وقت

قبول ہو گئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ خاص میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ایک مخصوص قرب حاصل تھا اور ایک مقام خاص تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس وقت یہ آیت پاک آنحضرت پر نازل ہوئی۔

فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذاقضوا منهن وطرا

اور جب زید اس سے بے غرض ہو گئے اور اس کو ہم نے تمہارے نکاح میں دے دیا۔ تاکہ مسلمانوں کو ان کے لئے پالکوں کی ازواج کے بارے میں کچھ حرج نہ ہو جبکہ ان سے ان کا کام ختم ہو چکے۔

جناب رسالت مابؐ پر آثار وحی غالب ہوئے۔ کچھ وقت بعد فراغت ہوئی۔ تو دولہائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے ہوئے مخاطب ہوئے کہ کون ہے جو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جائے اور ان کو خوشخبری دے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میری زوجہ بنادیا ہے۔ اور نازل ہونے والی یہ آیت پاک پڑھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خادمہ سلمہ نامی دوڑ کر گئی اور سیدہ زینب کو خوشی کی خبر دی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جو زیورات اس وقت زیب تن کئے ہوئے تھے اس خوشخبری کے عوض اتار کر سلمہ کے حوالے کر دیئے۔ اور شکر کا سجدہ ادا کیا اور منت مانی کہ دو ماہ کے روزے رکھوں گی۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ زنیب کے گھر میں تشریف لائے۔ زینب اس وقت ننگے سر تھیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اور آنحضرت نے بغیر کسی خطبہ کے اور بغیر گواہ کے ارشاد فرمایا۔ **اللہ المزوج وجبریل الشاهد** اللہ تعالیٰ نکاح فرمانے والا ہے اور جبرئیل علیہ السلام گواہ ہیں۔ پس ولیمہ کا کھانا پکایا گیا۔ اور نان اور گوشت سے لوگوں کو سیر کیا گیا۔ کسی دیگر بی بی کے لئے یوں نہ کیا گیا تھا۔ اس دعوت طعام میں متعدد معجزات کا ظہور ہوا اور زینب کے نکاح کے ذریعے لوگوں کو جہالت سے نکالا گیا۔ اور شریعت خاص کا نفاذ ہوا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم**

اس قصہ میں پردہ بھی مشروع ہو گیا۔ محققین اہل سیر کے نزدیک بھی یہ قصہ جیسے کہ مذکور ہو چکا ہے ثابت اور معتبر ہے۔ کچھ سیرت نگار اور مفسرین اور مورخین یہ قصہ اس طرح بھی بیان کرتے ہیں جو واقع کے مطابق بالکل نہیں ہے۔ اور نہ ہی آنحضرت کی شان مطہرہ و رفیعہ کے مطابق ہے۔ محققین اس کو اہل تفسیر کی زلالت یعنی اغلاط میں شمار کرتے ہیں۔ یہ ہی قصہ اور یوسف علیہ السلام کا قصہ کہ زلیخا رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلوت میں گئے اور حضرت داؤد اور اوریا کا قصہ اور سلمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہو جانے کا قصہ تھیں محققین ان تمام کو متروک و محظور اور صدق و مدار کے طریقہ اور ادب سے بڑا بعید اور منافی گردانتے ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب:۔ سیدہ زینب کے بہت زیادہ فضائل و مناقب ہیں اہل سیر

نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کوئی درشت کلامی اس لئے کی کہ انہوں نے آنحضرت سے کوئی سخت سی بات کی تھی اور ان سے کہا کہ آپ آنحضرت سے کس طرح بات کرتی ہیں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ اے عمر! انہیں کچھ نہیں کہیں کیونکہ یہ اواہہ ہیں۔ اس سے مراد ہے۔ بڑی خشیت رکھنے والی ہیں۔ وہاں پر ایک شخص موجود تھا اس نے پوچھا کہ اواہ سے کیا مراد ہے۔ آنحضرت نے فرمایا الخاشع فی الدعاء والمتضرع الی اللہ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ آیت پاک تلاوت کی۔ ان ابراھیم لا واہ حلیم یعنی کہ اس صفت میں سیدہ زینب کو آنحضرت نے علیہ السلام مرتبہ خلیل سے مخصوص فرمادیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ میں نے زینب سے زیادہ نیک اعمال کرنے والی' زیادہ خیرات و صدقہ عطا کرنے والی' رحمی رشتہ داروں کو زیادہ ملانے والی اور ہر تقرب کے کام میں اور ہر عبادت میں اپنے نفس کو لگانے والی کوئی دوسری عورت نہیں دیکھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو کچھ فضیلتیں ایسی حاصل ہوئی ہیں جو دیگر کسی بیوی میں موجود نہیں ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ میرے اور تمہارے جد ایک ہی ہیں۔ دوسرے یہ ہے کہ آسمان پر میرا نکاح پڑھا گیا۔ اور تیسری فضیلت یہ ہے کہ اس ضمن میں سفیر اور گواہ جبریل تھے۔

اور صحت کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک روز اپنی ازواج پاک کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اطولکن یدا اسرعکن تم میں سے جو دراز ہاتھوں والی ہے وہ تم سب میں سے میرے ساتھ ملنے میں سبقت لے جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو بعد اس کے سب سے پہلے وہ رحلت کرے گی۔ پس ازواج پاک نے ایک ٹکڑا بانس کی لکڑی کا لیا اور اپنے اپنے ہاتھوں کی پیمائش میں مشغول ہوئیں۔ تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی کون ہے۔ اس طرح انہیں معلوم ہوا کہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ ازواج سے زیادہ لمبے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب کے وصال پایا تو دیگر ازواج کو معلوم ہوا کہ درازی دست سے مطلب ہے صدقہ و خیرات زیادہ کثرت سے کرنا کیونکہ سیدہ زینب اپنے ہاتھوں کے ساتھ دستکاری کرتی تھیں اور پھر اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ زینب کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا۔ نعبت حمدۃ مفروعتہ الیتامی والارامل یعنی کہ پسندیدہ خصلت' یتیموں کے لئے فائدہ دینے والی اور بیوگان کی خبر گیر دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ ان کی رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ اے مدینہ والو! اپنی ماں کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آجاؤ۔ بقیع کے قبرستان میں ان کو دفن کیا گیا۔ اور ۲۰ھ میں ان کی وفات ہونا عام مشہور ہے بعض نے ۲۱ھ بھی کہا ہے اور ان کی عمر شریف ترپن سال کی تھی۔ گیارہ عدد احادیث ان سے روایت ہوئی ہیں۔ ان میں سے دو احادیث متفق علیہ ہیں۔ اور باقی ماندہ نو احادیث دیگر تمام کتب حدیث میں

پائی جاتی ہیں۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا:۔ ام المومنین سیدہ جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار بھی آنحضرت کی زوجہ پاک تھیں۔ ان کا حقیقی نام برہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے ان کا نام بھی تبدیل کردیا اور جویریہ رکھ دیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ مکروہ تھا۔ جیسے کہ کوئی اس طرح کہے کہ برہ کے پاس سے نکل آئے۔ اس نام کو تبدیل کرنے کے بارے میں تھوڑی سی بحث اس سے پہلے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ کے نام کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہے۔ وہاں پر دفع تزکیہ مذکورہ اس جگہ بھی موجود ہے اور اس کے علاوہ بھی ایک وجہ ہے۔ جو فلاں وغیرہ نام رکھنے کی مخالفت میں کہی جاتی ہے۔

یہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت عبادت گزار تھیں اور ذکرو فکر میں لگی رہتی تھیں۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک روز سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت سیدہ اپنے مصلی پر تھیں اور عبادت میں مصروف تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چاشت کے وقت پھر وہاں گئے تو ابھی وہیں بیٹھی تھیں۔ آپ نے تو پوچھا کہ جب میں باہر گیا تھا اس وقت سے اب تک تم اسی صورت بیٹھی ہو۔ سیدہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جب میں باہر گیا تھا اس وقت سے لے کر اب تک میں نے چار کلمات پڑھے ہیں جو کچھ تم نے اس وقت تک پڑھا ہے اگر اس سے ان کا موازنہ کریں۔ تو بالیقین وچار کلمے زیادہ وزنی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ **سبحان اللّٰه وبحمده عدد خلقه ونفسه وزنة عرشه ومدادا كلماته** گویا کہ فی الحقیقت اس کیفیت کے بارے میں سکھانا تھا کہ وہ اسے بھی اپنے ذکر کے ساتھ شامل کرلیں۔ نیز یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ کلمات اس کیفیت کے حامل ہیں کہ باوجود کمیت کے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں بمقابلہ اس کے جو سیدہ جویریہ نے اب تک پڑھا تھا۔ ورنہ اس میں ہرگز شک نہ ہے کہ عمل کا ثواب اس میں مشقت و محنت کی مناسبت سے ہوتا ہے مثل کے طور پر اگر کوئی پڑھتا ہے۔ **اللهم صلى اعلى سيدنا محمد الف مرة** اور دوسرا آدمی پڑھتا ہے۔ **اللهم صلى اعلى سيدنا محمد** ایک ہزار مرتبہ تو بلاشبہ اس کا ثواب زیادہ ہے اس کے ثواب سے۔ ہاں اگر مخصوص کوئی کیفیت ہو۔ اور غایت مبالغہ میں ہو اور قائل پر اس کی حقیقت وارد ہو گئی ہو اور وہ حقیقی لحاظ سے کہتا ہو۔ جس طرح کہ نبی کریم نے فرمایا تھا تو دوسری بات ہوگی۔

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے **سبحان اللّٰه والحمد للّٰه بين السموت والارض** یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ' تقدیس اور تحمید کی اصلیت و حقیقت کا انکشاف ہو گیا تھا کہ ان کلمات کے ساتھ آسمان و زمین کے درمیان سب بھر دیا گیا ہے۔ اور صرف یہ زبانی اظہار یا بیان نہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم ہے۔ صرف ان الفاظ سے ہی وہ ثواب عطا فرمادے تو وہ قدرت والا ہے (فافہم واللہ اعلم)۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت کا زفاف فرمانا بروز جمعہ نقل میں آیا ہے' سیدہ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا کل روزہ تھا۔ عرض کیا نہیں پھر پوچھا کیا کل آئندہ رکھنے کا خیال ہے۔ عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا پھر آج کا روزہ

بھی کھول لو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا کراہت میں داخل ہے۔ علماء کا مذہب یہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں حدیث مروی ہے۔ **لا یصوم احدکم یوم الجمعتہ الا ان تیصوم قبلہ وبعدہ** کچھ علماء اس کی توجیہہ یوں کرتے ہیں کہ روزہ کے باعث نقاہت و کمزوری نہ ہو جائے جو جمعہ کے اوراد و ظائف میں حائل ہو۔ جیسے کہ کمزوروں کے لئے عرفہ کے دن کا روزہ افطار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ علماء کرام کے نزدیک یہ کمزور توجیہہ ہے۔ اور اسے قبل یا بعد از جمعہ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ متواتر روزہ رکھنے سے اور زیادہ کمزوری ہوتی ہے اور قوت زائل ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ حکم تلافی اور جبر نقصان کے واسطے ہے۔ جو وظائف و اوراد میں وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس کی تلافی دوسرے نیک اعمال کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے۔

کچھ علماء نے فرمایا ہے کہ گو یوم جمعہ بڑی فضیلت و عظمت کے حامل ہے۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے بھی جس قدر شریعت میں اجازت ہے اپنی جانب سے اس پر ہرگز مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ہمہ وجوہ فضیلت سے محرومی نہ ہو جائے اور حد سے تجاوز کا باعث نہ بنے اور یہود و نصاریٰ سے بھی مشابہت نہ ہونے پائے اس لئے کہ وہ ایک معین دن کی عظمت کے قائل ہیں جو ہفتہ اور اتوار کے دن ہیں۔ علاوہ ازیں جمعہ کے دن عید کا دن ہے جو کہ حدیث میں آیا ہے لہٰذا اس دن کا معینہ روزہ مناسب نہیں ہے اور تخصیص اور زیادہ نامناسب ہے۔

شیخ محقق (شیخ عبد الحق صاحب مدارج) فرماتے ہیں اس ممانعت میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور جمعہ کی رات کے قیام کو مخصوص کرنے کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

امام مالک رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مجھے ایسے علماء دکھائی نہیں دیئے جو تنہا جمعہ کے روزہ کو مکروہ جانتے ہوں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں۔ اگر وہ تم کو نہیں ملیں تو کیا کر سکتے ہیں اس کی نفی اور ممانعت میں باوجود صحیح حدیث آنے کے تم اعتبار نہیں کرتے ہو۔ (واللہ اعلم)۔ ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں یہ بات طویل پکڑ چکی ہے لہٰذا ہم پھر اس جانب رجوع کرتے ہیں۔

معلوم ہو کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری آنحضرت نے غزوہ مریسیع میں فرمائی تھی۔ یہ غزوہ ۵ھ شعبان میں واقع ہوا تھا۔ غزوہ سے مراجعت کے وقت خواستگاری فرمائی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ جویریہ بنت الحارث بڑی شیریں، ملیح اور حسن و جمال رکھنے والی عورت تھیں ان کو جو بھی دیکھتا تھا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ جنگ اور غنائم کی تقسیم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک چشمہ کے کنارے میرے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک جویریہ نکلیں۔ مجھ پر غیرت کی آگ کا غلبہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ آنحضرت اس کی طرف خاص توجہ فرمائیں اور اسے اپنے نکاح میں لے آئیں۔ جویریہ نے سب سے پہلی بات یہ کی۔ یارسول اللہ! میں مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں آئی ہوں۔

میں حارث بن ابی ضرار کی دختر ہوں۔ وہ اس قبیلہ کا سردار تھا۔ اس وقت میں اسلامی لشکر کی قید میں پڑی ہوں اور میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آ چکی ہوں۔ اس نے مجھ کو اس قدر مال پر مکاتب بنایا ہے جو میں اس کو ادا نہیں کر

سکتی ہوں۔ میں امید لے کر آئی ہوں کہ میری مدد فرمائی جائے تاکہ وہ کتابت کی رقم ادا ہو جائے آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں ادا کر دوں گا۔ اور تمہارے ساتھ اس سے بھی بہتر سلوک کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس سے بہتر کیا سلوک ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ کتابت کی رقم ادا کر دینے کے بعد تم کو اپنے نکاح میں لے آؤں گا اور زوجیت سے مشرف فرماؤں گا۔

ازاں بعد آپ نے کسی شخص کو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ کتابت کی رقم وصول کرے اس کے بعد آنحضرت نے جویریہ کو آزاد کر کے اسے اپنے حبالہ نکاح میں لے آئے۔ حق مہر چار سو درہم مقرر کیا گیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا مہر بنی المصطلق کے قیدیوں کی آزادی ٹھہرا اس وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف بیس سال تھی۔ جب اس حقیقت کا پتہ صحابہ کرام کو ہوا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حرم کے اقرباء کو جو کہ آپ کے اصہار ہیں قیدی اور غلام بنائیں اس کے بعد سب نے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ بنی المصطلق کے قیدیوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی۔ وہ تمام اس قید سے رہا ہو گئے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ آنحضرت کی ازواج مطہرات میں سیدہ جویریہ سے بڑھ کر کوئی اور حرم خیر و برکت والی ہو اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے قبل اپنے قبیلہ میں ہی میں نے خواب دیکھا تھا۔ کہ یثرب کی طرف سے چاند چلا آ رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ میری گود میں اتر آیا۔ یہ واقعہ میں نے کسی کو نہ بتایا تھا اپنے خواب سے بیدار ہو کر خود ہی میں نے اس کی یہ تعبیر سوچی تھی جو کہ الحمد للہ پوری ہو گئی۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ شریف میں ۵۰ھ یا ۵۶ھ میں رحلت فرمائی۔ اس وقت عمر پینسٹھ برس تھی۔ ان کی نماز جنازہ مروان نے پڑھائی تھی۔ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ شریف کا حاکم تھا معتبر کتب میں سید جویریہ رضی اللہ عنہا سے سات احادیث روایت ہوئی ہیں۔ دو بخاری میں ہیں۔ دو مسلم میں ہیں اور باقی دوسری کتب میں ہیں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:۔ آنحضرت کی ازواج پاک میں ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف بھی شامل ہیں۔ رملہ ان کا نام تھا ایک قول کے مطابق ان کا نام ہند تھا ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس تھا۔ یہ حضرت عثمان بن عفان بن العاص کی پھوپھی تھیں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبید اللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں۔ یہ عبد اللہ بن جحش کے بھائی تھے۔ ام حبیبہ ابتدائے احوال میں اسلام لے آئی تھیں۔ انہوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی تھی۔ عبید اللہ سے ان کے ہاں ایک لڑکی تولد ہوئی۔ اس کا نام حبیبہ تھا۔ اس سے ان کی کنیت ام حبیبہ بن گئی۔ بعد میں عبد اللہ بن جحش مرتد ہو گیا تھا۔ نصرانی دین کی طرف راغب ہو گیا۔ اور شراب خوب پینے لگا۔ اسی حالت میں یہ مر گیا تھا۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے ایک خواب دکھائی دیا کہ ایک آدمی ہے جو مجھ کو یا ام المومنین کے الفاظ

سے آواز دے رہا ہے۔ اس سے میں نے تعبیر لی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آؤں گی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی طرف بھیجا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف سے نکاح کا پیام دیں اور نکاح بھی کر دیں۔ سیدہ ام حبیبہ نے اپنا وکیل حضرت خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا۔ یہ بھی حبشہ میں ہی تھے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حبشہ میں موجود دوسرے سب مسلمان بھی حاضر ہوئے۔ تو نجاشی نے خطبہ اس طرح سے پڑھا۔

الحمد اللّٰہ الملک القدوس السلام المومن المہیمن العزیز الجبار اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالھدایۃ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون اثابعد فقد اجبت الی مادعی الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم وقد اصدقتہا او بعماتہ دینارا ذھبا ازاں بعد حاضر لوگوں کے سامنے دینار ڈال دیئے اس کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا جو کہ ام حبیبہ کے وکیل تھے۔ آپ نے فرمایا۔

الحمد للّٰہ احمدہ واستعینہ واستغفر اللّٰہ واشھد ان لا الہ اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون اما بعدہ فقد اجبت الی مادعی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم وزوجتہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان فتبارک اللّٰہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم۔

ازاں بعد نجاشی نے وہ دینار حضرت خالد بن سعید کے حوالے کر دیئے اور انہوں نے وہ لے لئے اور ازاں بعد کھڑا ہونا چاہا۔ نجاشی کہنے لگا کہ بیٹھے رہو۔ انبیاء علیہم اسلام کی یہ سنت ہے کہ نکاح کی محفل میں کھانا کھلایا جائے۔ نجاشی نے وہاں پر کھانا منگوایا۔ جو تمام نے کھایا۔ اور پھر وہاں سے رخصت ہوئے۔ (کذافی المواہب)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان ان کے نکاح کے وقت مکہ میں رہتے تھے۔ مشرک تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خلاف محارب تھے۔ اپنے باپ کے ساتھ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو سلوک کیا تھا مدینہ شریف میں جبکہ ابوسفیان کفر کی حالت میں صلح حدیبیہ کی تجدید کے لئے آیا تھا۔ وہ مشہور ہے یہ سیدہ ام حبیبہ کے پاس آیا اور اس نے آنحضرت کے بستر پر بیٹھنا چاہا۔ سیدہ ام حبیبہ نے اس چیز کو جائز تصور نہ کیا اور کہنے لگیں کہ یہ بستر پاک و مطہر ہے اور تمہارے ساتھ شرک کی نجاست کی آلودگی ہے۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پڑھانے کے بارے میں نجاشی کے ذریعے ایک اور بھی حکایت ہے وہ حکایت ہم نے اس سے پہلے غزوہ خیبر کے احوال کے بیان میں ذکر کر دی ہوئی ہے۔

سیرت نگاروں کے بیان ہے کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت آ گیا تو وہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے کہنے لگیں۔ تم مجھے ان امور کے بارے میں معافی دے دو جو ایک شوہر کی بیویوں میں ہوا کرتے ہیں۔

میری طرف سے تمہارے بارے میں اس لحاظ سے جو کچھ بھی سرزد ہوا وہ مجھے معاف کر دو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بوجھ بخشے اور تم کو معاف فرمائے ہم بھی تمہیں معاف کرتی ہیں۔ ام المومنین حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو خوش رکھے تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔

ام المومنین سیدہ حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی پاکیزہ ذات حمیدہ صفات کی حامل تھیں بڑی سخی اور عالی ہمت عورت تھیں مدینہ شریف میں ۴۰ھ یا ۴۴ھ میں بقول صحیح ان کا وصال ہوا تھا۔ دیگر ایک قول ہے کہ ان کی رحلت ملک شام میں ہوئی۔ کتب متداولہ ان سے پینسٹھ احادیث روایت ہوئی ہیں۔ ان سے دو احادیث متفق علیہ (بخاری و مسلم میں) ہیں۔ ایک حدیث صرف مسلم میں ہے۔ اور باقی جملہ احادیث دیگر کتب میں روایت شدہ ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا:۔ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب بنی اسرائیل سے ہیں سبط ہارون بن عمران سے اور بنو نضیر قبیلہ سے تھیں۔ قبل ازیں وہ سلام بن مسلم یہودی کی زوجہ تھیں۔ ان سے علیحدہ ہوئیں اس کے بعد وہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کی زوجہ بنیں۔ یہ کنانہ خیبر کی جنگ میں مارا گیا تھا خیبر کی فتح پر اسیران جنگ میں یہ بھی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اپنے لئے خاص کر لیا۔ ان کو آزاد کیا گیا اور پھر اپنے حبالہ نکاح میں لایا گیا۔ غزوہ خیبر میں یہ قصہ مفصل بیان ہو چکا ہے۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ صفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئیں تو آپ نے حکم فرمایا کہ ان کو خیمہ میں لے جائیں پھر آپ خود خیمہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کو آتے دیکھ کر صفیہ کھڑی ہو گئیں۔ وہاں پر جو لپٹا ہوا بستر موجود تھا اس کو آنحضرت کے لئے بچھا دیا اور خود زمین پر بیٹھیں۔ آنحضرت نے اس سے فرمایا کہ اے صفیہ! تمہارے باپ نے ہمیشہ مجھ سے عداوت رکھی ہے۔ حتیٰ کہ وہ مارا گیا۔ صفیہ نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کے گناہ کی پاداش میں دوسرے کو گرفت نہیں کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اختیار عطا فرمایا کہ اگر تو چاہے تو آزاد ہو کر اپنی قوم کی طرف لوٹ جا اور اگر چاہے تو اسلام قبول کر لے اور آنحضرت کے نکاح میں آجائے۔ صفیہ بڑی حلیم الطبع اور دانشمند عورت تھیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اسلام کی تمنا تھی اور آپ کی دعوت سے قبل ہی میں نے آپ کی تصدیق کی تھی۔ اب میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور مجھے یہ اختیار عطا فرمایا گیا ہے کہ اسلام اور کفر میں سے کچھ اختیار کر لوں۔ خدا تعالیٰ کی قسم۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول میرے نزدیک میری قوم سے محبوب تر ہیں۔ یہاں امکان ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صفیہ کی عقل۔ اس کے حال اور صدق طلب کا امتحان کرنا چاہتے ہوں اور فی الحقیقت کفر و اسلام میں اختیار دینا مقصود نہ ہو۔

ازاں بعد آپ نے صفیہ کو آزاد فرمایا اور ان کو اپنے حبالہ نکاح میں لے آئے۔ ان کی آزادی کا موجب ان کی سچائی کو ٹھہرایا۔ وہاں سے کوچ کرنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سوار ہونے کی خاطر سواری لائی گئی۔ تو صفیہ کو سوار کرانے کے لئے آنحضرت نے اپنا پاؤں راحلہ پر رکھا تاکہ آپ کی ران مبارک پر صفیہ اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو جائے۔ لیکن پھر صفیہ نے ادب کے اعتبار سے اپنا زانو آنحضرت کی ران پر رکھ کر سوار ہوئیں۔ آنحضرت نے ان کو اپنا ردیف بنا کر

پردہ بھی باندھ دیا۔

سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار اونٹ کو ٹھوکر لگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سیدہ صفیہ سمیت زمین پر آپہنچے۔ پھر بھی آپ پر یا سیدہ صفیہ پر کسی ایک فرد کی نظر بھی نہ پڑی۔ ازاں بعد آنحضرت نے کھڑے ہو کر صفیہ کا پردہ درست فرمایا۔ سیدہ صفیہ کی جملہ حالات غزوہ خیبر کے تذکرہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

آنحضرت نے سیدہ صفیہ سے زفاف فرمانے کے وقت جملہ صحابہ سے کہا کہ جس کے پاس جو بھی توشہ ہے وہ لے آئے۔ سب نے حیس تیار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت و اعجاز سے تمام لوگوں نے سیر شکم ہو کر کھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سیدہ صفیہ کا ولیمہ بڑی شان والا تھا۔ اور آپ سیدہ صفیہ کے ساتھ بڑی مہربانی و عنایت اور کرم فرمائی کیا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ صفیہ پر غبط کیا کرتی تھیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو تو صفیہ ہی کافی ہیں۔ وہ یوں ہیں اور یوں ہیں مراد یہ تھی کہ ان کا قد چھوٹا تھا۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ عائشہ! تم نے وہ بات کہی ہے اگر اسے دریا میں ڈالیں تو اس کا بھی رنگ تبدیل ہو جائے۔

روایت میں آیا ہے کہ سیدہ صفیہ کی باری تھی اور آنحضرت ان کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ تو دیکھا کہ وہ تو رو رہی ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ عائشہ اور حفصہ میرے پاس آتی ہیں اور مجھے تنگ کرتی ہیں کہ ہم صفیہ سے بہتر ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نسب عالی سے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے ان کو اس طرح کیوں نہ کہا۔ کہ کس طرح تم مجھ سے بہتر ہو جبکہ میرے باپ ہارون علیہ السلام ہیں اور چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ دوران سفر آنحضرت کے ساتھ سیدہ صفیہ کا اونٹ تھک کر رہ گیا۔ سیدہ زینب کے پاس ایک زائد اونٹ تھا۔ آنحضرت نے اس سے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ تھک چکا ہے تم اس کو اونٹ دے دو تاکہ وہ بھی منزل پر پہنچ سکیں۔ تو سیدہ زینب کہنے لگیں۔ اس یہودیہ کو میں تو اپنی کوئی چیز نہ دوں گی آنحضرت ان سے ناراض ہو گئے اور دو یا تین مہینے کا عرصہ ان سے بالکل تعلق منقطع رکھا۔ نہ ہی اس دوران ان کے پاس کبھی گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیاست و تادیب ازواج مطہرات کے پاس اس طرح سے تھی۔ گو بعض کے ساتھ آنجناب زیادہ محبت فرماتے تھے۔ پھر بھی حق کے لحاظ سے کسی کی بھی رعایت ہرگز نہ فرماتے تھے۔

نقل کیا گیا ہے کہ جس وقت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ شریف میں آئیں۔ انصار کی عورتیں پہلے ہی ان کے حسن وجمال کی شہرت سن چکی ہوئی تھیں۔ وہ تمام اکٹھی ہو کر انہیں دیکھنے کے لئے آئیں۔ ان کے درمیان سیدہ عائشہ بھی آئیں انہوں نے نقاب پہنا ہوا تھا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ وہ بھی سیدہ صفیہ کو دیکھنے آئی تھیں۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہچان لیا اور وہ باہر جب گئیں تو آنحضرت پیچھے سے گئے اور ان کی چادر ہٹا کر پوچھنے لگے۔ اے حمیرا! صفیہ کو تم نے کیسا پایا وہ کہنے لگیں ایک یہودیہ یہودی عورتوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا۔ عائشہ! تم اس طرح کیوں کہتی

ہو جبکہ وہ مسلمان ہو گئی ہوئی ہے۔ اور اس کا اسلام بھی حسن قبول ہو چکا ہوا ہے۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مرض کا زمانہ تھا اور تمام ازواج مطہرات وہاں آپ کے پاس جمع تھیں۔ تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے یہ محبوب ہے کہ آپ کی یہ بیماری مجھے لگ جائے یہ سن کر تمام ازواج مطہرات نے ایک دوسری کے ساتھ غمزہ اور اشارہ کیا۔ آنحضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے ناخوشی کا اظہار فرمایا۔ اور کراہت ظاہر فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم صفیہ اپنے دعویٰ میں سچی ہے۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی رحلت ۳۶ھ میں ہوئی تھی۔ اور ایک قول ۵۲ھ کے بارے میں ہے اور ایک کے لحاظ سے ۵۵ھ میں واقع ہوئی۔ ایک قول کے مطابق خلافت فاروقی میں ہوئی اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث روایت ہوئی ہیں۔ ایک متفق علیہ ہے اور دوسری تمام دیگر کتب میں موجود ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابدا لبدا)۔

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ام المومنین:۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث عامریہ ہلالیہ بھی ازواج مطہرات میں ہیں۔ ان کی والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں۔ ان کا نام ہند بنت عوف تھا اور ایک قول میں وارد ہوا کہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا سابقہ نام بھی برہ ہی تھا۔ آنحضرت نے تبدیل فرمایا اور یمن سے (یعنی برکت) ماخوذ کر کے میمونہ رکھ دیا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کے جو داماد ہوئے ہیں اس طرح کے داماد کسی اور عورت کے نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کے ایک داماد سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ دوسرے حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ اس لئے کہ سیدہ میمونہ کی بہن ام الفضل حضرت عباس کی زوجہ تھیں۔ سیدہ میمونہ کے والد حارث سے پہلے ہند کا اور ایک خاوند تھا اس کا نام عمیس خثعمی تھا۔ اس سے بھی دو لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک کا نام اسماء بنت عمیس تھا۔ وہ مشہور حسن و جمل والی عورت تھیں۔ اور پہلے وہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھیں۔ جب وہ شہید ہو گئے تو یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آ گئی تھیں۔ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ وصال پا گئے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آ گئیں۔ حضرت اسماء کے ہاں تمام شوہروں سے اولاد پیدا ہوئی تھی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عون بن علی پیدا ہوئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی دوسری بہن کا نام زینب بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ اور عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا ان سے ہی تولد ہوئی تھیں جن کو پرورش کرنے اور حضانت کا حق حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ عمارہ کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں اور ایک بہن بھی تھی اس کا نام تھا سلمیٰ بنت عمیس۔ یہ شداد بن الہاد کی زوجہ تھیں۔ خثعم کی سب عورتیں حسن و جمل والی تھیں۔ یہ سب ہند ام میمونہ کے داماد تھے۔ یہ چار بیٹیں تھیں اور چھ داماد ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید

رضی اللہ عنہ کے والد ولید بن مغیرہ بھی ان کے داماد تھے۔ وہ مشرک ہونے کی وجہ سے ہم نے شمار نہیں کیا۔ حضرت خالد کی والدہ کا نام لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا تھا اور میمونہ سیدہ زوجہ آنحضرت کی بہن تھی۔ اس کو لبابہ صغریٰ کہا جاتا ہے۔ جبکہ ام الفضل کی دختر کا نام بھی لبابہ تھا اس کو لبابہ کبریٰ کہتے تھے۔ یہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا جاہلیت کے دور میں مسعود بن عمر ثقفی کی بیوی تھیں۔ آپس میں نااتفاقی ہو گئی جس کے باعث علیحدگی ہو گئی۔ ازاں بعد یہ ابو رہم یا کسی دیگر شخص کی زوجیت میں آئیں۔ اس میں اختلاف آیا ہے ازاں بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیام دیا۔ اور ذیقعد کے مہینہ ۷ھ میں ان سے عمرۃ القضاء میں نکاح فرمالیا۔

یہ بڑی تعجب کی اور اتفاقی بات ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح' زفاف اور آپ کا وصال سب ایک ہی موضع پر واقع ہوئے۔ جس کو سرف کہا جاتا ہے۔ مکہ معظمہ سے دو میل کا فاصلہ ہے۔ وہاں پر اب بھی ان کا مقبرہ شریف موجود ہے۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع کے بارے میں دو روایات آئی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ آپ سے جب نکاح فرمایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احرام میں تھے یا کہ بغیر احرام کے تھے یہی وجہ ہے کہ نکاح محرم کے متعلق علماء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہمارے مذہب میں یہ جائز ہے۔ ان دونوں روایات میں کسی کی ترجیح دینے اور اس کلام کی تحقیق اصول فقہ میں بیان کی گئی ہے۔

زیادہ مشہور قول سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بارے میں یہ ہے کہ ۵۱ھ میں ہوئی تھی۔ اور دیگر مختلف اقوال کے مطابق ۶۱ھ یا ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں بیان کئے گئے ہیں۔ جو آخری قول ہے اس کے لحاظ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی آخری زوجہ پاک ہوتی ہیں۔ جنہوں نے سب سے آخر میں وصال پایا تھا۔ جبکہ عام مشہور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ پاک ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی رحلت ۳۸ھ میں واقع ہوئی تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا۔ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہی آخری زوجہ پاک ہیں۔ ان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی اور سے نکاح نہ فرمایا تھا۔ ان کے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور انہوں نے ہی ان کے دوسرے بھانجوں کے ساتھ مل کر ان کو قبر میں اتارا تھا۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک رات میری باری تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے پاس سے باہر تشریف لے گئے تو میں اٹھی اور دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت پھر واپس تشریف لائے آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن میں نے دروازہ نہ کھولا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھے قسم دی کہ میں دروازہ کھول دوں میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ میری باری کی رات کے دوران بھی دوسری بیویوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یوں نہیں ہے بلکہ میں تو قضائے حاجت کی خاطر باہر چلا گیا تھا۔

اس حدیث سے ظاہر پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قسم اور اس کی رعایت واجب تھی۔ اس

لئے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے طلب فرمائی تھی اور انہیں رنج ہوا تھا۔ تو آنحضرت نے عذر خواہی فرمائی۔ جس طرح کہ مذہب شافعی میں مشہور ہے اور مذہب احناف میں اس طرح ہے کہ آنحضرت نے کرم و تفصیل کے طور پر قسم کی رعایت فرمائی تھی اور آپ اس میں اس قدر رعایت کرم فرمایا کرتے تھے جیسے کہ واجب ہو۔

سیرت نگار حضرات نے کہا ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی اس طرح کی زوجہ مطہرہ تھیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نثار و نچھاور کر دیا تھا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ان کو پیام نکاح ملا یہ اونٹ پر سوار تھیں یہ تو کہنے لگیں یہ اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہے۔ پس اس موقع پر اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **وامرء ة مؤمنة ان وهبت نفسها النبی** الخ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خصائص میں یہ بھی شامل ہے۔ جس طرح کہ یہ آیت پاک کے آخر میں آیا ہے۔ **خالصتا لک من دون المومنین** اور ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ جس زوجہ پاک نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ہبہ کر دیا تھا۔ وہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں اور یہ مخفی نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کا نکاح آسمان پر منعقد فرمایا ان کے اپنے آپ کو ہبہ کر دینے کی وجہ سے اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے بلکہ ہبہ کر دینے سے مہر لازم نہ رہا۔ یہ ذکر اس قول میں آیا ہے جو زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے۔ بعض علماء یوں بھی کہتے ہیں کہ ایک دیگر عورت بنی عامر سے تھی۔ یہ ام شریک قرشیہ عامریہ تھی۔ اس کا نام تھا غزیہ بنت جابر بن عوف بن عامر بن لوی۔ بعض نے بنت داؤد بن عوف بھی کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ متعدد عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو آنحضرت کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں قبول نہ فرمایا تھا۔ نہ ہی ان کو اپنی زوجیت میں لائے تھے۔ (واللہ اعلم)

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے چھہتر حدیثیں روایت ہوئی ہیں۔ سات احادیث متفق علیہ ہیں اور ایک صرف بخاری میں ہے اور باقی تمام دیگر کتب میں مذکور ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

مطلقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم:۔ یہ امہات المومنین ازواج مطہرات تعداد میں گیارہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ ان سے آنحضرت نے زفاف بھی فرمایا تھا اور ان میں سے بعض سے اولاد بھی پیدا ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بظاہرا" موجودگی میں ہی ان میں سے دو ازواج پاک یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رحلت فرما گئی تھیں۔ باقی تمام آنحضرت سے بعد وصال یافتہ ہوئیں۔ دیگر ایک جماعت بھی عورتوں کی ہے۔ ان سے بعض کے ساتھ نکاح کیا تو فرمایا لیکن زفاف نہ فرمایا تھا۔ اور کچھ وہ ہیں جن سے زفاف تو آپ نے فرمایا۔ لیکن اس آیت پاک کی رو سے اختیار ملنے پر وہ آنحضرت کے حبالہ نکاح سے نکل گئی تھیں۔ **یایها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها** (اے نبی اپنی بیوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو دنیا میں عیش و عشرت مطلوب ہے تو۔۔) یہ تعداد میں چوبیس یا اس سے زیادہ تھیں۔

ارباب سیر نے ان تمام کو جدا ہی رکھا ہے۔ اور کچھ نے استیفاء کے مقام پر ذکر کیا ہے۔ ان میں ہم ان کا حال بیان کرتے ہیں جن کا حال بطور قسم کا ہے اور عجیب نکتہ کا حامل ہے اور مفید اور بلاغ ہے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احوال بیان ہو رہے ہیں۔ اور ان کی بارگاہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ سب ہی مفید و بلاغ ہونے کے ساتھ ساتھ ذوق اور لذت کا باعث بھی ہیں۔

ان عورتوں میں ایک عورت کلابیہ ہے۔ اس نے دنیا کو اختیار کرلیا۔ اور بالآخر یہاں تک پہنچی کہ وہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت کے مطابق مینگنیاں چنا کرتی تھی اس کو اس طرح دیکھا تو ایک آدمی نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اس نے اپنا سر اوپر اٹھا کر کہا **انا الشقیة التی احترت الدنیا علی اللہ ورسولہ**۔

دوسری جو عورت تھی وہ اسماء کندیہ ہے۔ اس کو جامع الاصول میں جونیہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور مواہب الدینہ میں اس کا نام اسماء بنت النعمان بن الجوان الکندیہ الجوینیہ بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام علماء اس پر متفق ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے ساتھ نکاح فرمایا تھا۔ ہاں اس سے جدا کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قتادہ اور ابو عبیدہ نے کہا کہ جس وقت آنحضرت نے چاہا کہ اس کو اپنے قرب سے نوازیں اور اس کو حکم فرمایا کہ نزدیک آؤ تو وہ عورت انکاری ہوئی اور سرکشی کی۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ عورت کہنے لگی کہ آپ سے میں خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم پناہ مانگتی ہو اور پناہ بھی بری عظیم مانگی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو پناہ عطا فرمائی ہے۔ **الحقی باہلک** جاؤ اپنے گھر والوں میں جا کر مل جاؤ۔ یہ بات طلاق کی نیت کے ساتھ بولی جاتی ہے۔ اسی عورت الجون کی بیٹی کا حال جامع الاصول میں یوں مذکور ہوا ہے اور یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ **النبتہ الجون** رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور کہنی لگی **اعوذ باللہ منک** آنحضرت نے فرمایا تو نے بڑی پناہ طلب کی ہے۔ جا اور اپنے اہل کے ساتھ مل جاؤ۔ یہ روایت بخاری میں ہے۔ اور نسائی میں یوں مروی ہے کہ جس وقت کلابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئی۔ الحدیث صرف اسی قدر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا جاتا ہے کہ اس عورت نے کہا اس سے مراد ہے کہ کسی دوسرے نے اس کو یہ نہ سکھایا تھا بلکہ اپنی طرف سے خود ہی اس نے کہا۔ اور دیگر کسی کو احتیاج بھی کیا تھی سکھانے کی۔ اور سیدہ عائشہ پر اس کو سکھانے کا ہرگز خیال بھی نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس قصہ میں شمار ہوں۔ یہاں پر حسن ظلم لازم کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)۔

ابو اسید رضی اللہ عنہ سے جو روایت آئی ہے اس میں منقول ہے کہ رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ ہم ایک احاطہ میں آئے۔ اسے شوط کہا جاتا ہے اور ہم اس باغ اور احاطہ میں ٹھہرے۔ ازاں بعد آنحضرت نے فرمایا کہ یہاں پر ہی بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد جونیہ کو طلب کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ نخلستان میں جاؤ۔ یہ نخلستان وہاں تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک جانور لائی تھی اس پر وہ سوار ہو کر آئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ وہ بے نصیب عورت کہنے لگی۔ کیا اپنے سے کمتر شخص کے سپرد اپنے آپ کو کرے گی۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ والہ وسلم نے اس کو چپ کرانے کے لئے اپنے ہاتھ مبارک دراز فرمائے۔ تو وہ کہنے لگی **اعوذ منک** یعنی میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے بہت بڑی پناہ طلب کی ہے۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم باہر ہمارے پاس آگئے اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے اسید! اسے دو جامہ پہناؤ اڑھاؤ اور اس کے اہل میں اس کو پہنچادو۔

اس عورت نے اپنے آپ کو ملکہ کہہ کر تکبر کیا تھا اس لئے کہ اس کا باپ نعمان بن ابی الجون اہل کندہ کا سردار تھا۔ کچھ روایات میں اس طرح آیا ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج نے سکھایا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت تجھے طلب فرمائیں گے۔ اور تمہاری جانب اپنے ہاتھ بڑھائیں گے تو تم کہنا **اعوذ باللّٰہ منک** یہ بات آنحضرت کو پسند ہے یہ عورت ازحد حسین تھیں اور ازواج کو یہ اندیشہ تھا کہ ان پر غلبہ نہ پا جائے۔ اس نے اس طرح کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی اور آپ نے اس کو طلاق دے دی۔ اور اس کے اہل میں اسے بھیج دیا۔ یہ عورت کہا کرتی تھی کہ میں بدبخت ہوں۔

بعض علماء نے اس کا نام امیمہ بھی بتایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ امام اس کا نام تھا اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو اسید ساعدی کو اس لئے بھیجا کہ وہ اسماء کو مدینہ میں لے آئے۔ مدینہ شریف میں اس کی خوبصورتی مشہور ہو چکی تھی۔ اور اس کو دیکھنے کے لئے عورتیں آتی تھیں۔ کسی نے اس کو سکھا دیا کہ تم ایک بادشاہ کی دختر ہو۔ اگر تمہاری خواہش ہے کہ تمہارا خاوند تمہیں بہت چاہے تو جب تمہارے پاس تنہائی میں آئے تو کہنا۔ **اعوذ باللّٰہ منک** پس تمہارا شوہر تمہارا بہت چاہنے والا ہو جائے گا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کو جس وقت آنحضرت کی خدمت میں لایا گیا۔ تو سب عورتیں اس پر رشک کرنے لگیں اور بظاہر بڑی شفقت اور مہربانی کے ساتھ اس سے گفتگو کرنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ سے کہا کہ اس کو مہندی لگاؤ۔ اور اس کے سر کے بال میں سنوارتی ہوں۔ اس دوران اس نے اس کو یہ بات کہی کہ تمہارے ساتھ جس وقت آنحضرت خلوت فرمائیں گے تو تو کہنا **اعوذ باللّٰہ منک** پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر میں تشریف فرما ہوئے اور پردہ اٹھایا اور اپنے قرب سے اس کی نوازش کرنا چاہی۔ تو اس نے کہہ دیا۔ **اعوذ باللّٰہ منک** پس آنحضرت فوراً اس سے پرے ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ تو نے بہت بڑی پناہ مانگ لی ہے۔ اٹھ کر اپنے اہل میں چلی جا۔ اور ابو اسید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس کے قبیلہ میں اس کو پہنچادو۔ ازاں بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس کے ساتھ اس طرح عورتوں نے مکر کیا ہے اور اس کو برا گیختہ کر دیا ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ **ان ھن صواحب یوسف قران کیدھن عظیم** بے شک یہ یوسف والی عورتیں ہیں۔ اور بلاشبہ ان کا مکر بڑا ہے۔

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ یہ جو مکر ہے اور اس میں ان کے حق میں زیاں کاری اور بدگمانی ہے۔ جنہوں نے کوئی گناہ یا خطا اور خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ یہ بشری طبیعت کی فضیلت اور محبت کا تقاضہ غیرت ہے اور آنحضرت کے ساتھ ان کی محبت کی یہ دلیل ہے کہ ان کی خواہش تھی کہ اس میں ان کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو۔

اور یہی مراد ہوتی ہے غیرت ورشک سے کہ وہ اپنے محبوب کی جدائی کسی دوسرے کی خاطر پسند نہیں کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کوئی شخص کوئی مال رکھتا ہے یا کسی شخص کا مخصوص حال ہے اور اس میں چند آدمی شامل ہیں۔ تو اس کو یہ گوارا نہ ہوگا کہ کوئی دوسرا اس سے یہ مال لے لے۔ یا اس میں کسی کی شرکت ہو۔ اس مقام پر بھی اسی طرح کی صورت حال ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ہے کہ اس عورت پر دوسری بیویوں نے کوئی زبردستی نہ کی تھی۔ صرف زبان سے اس کو کہا تھا۔ لیکن اس نے ایسے کیوں کہا اور امکان اس بات کا بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے شوہر کی محبت کی طلب میں عورتوں کے لئے اس قدر بات جائز ہی ہو یہی وجہ ہے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زجر و توبیخ نہ کی تھی۔ نہ ہی کوئی جزا یا سزا ہی دی۔ آپ نے صرف اتنا ہی ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے مکر ہوتے ہیں اور ان کا مکر بڑا ہے۔ جیسے کہ یوسف علیہ السلام کی عورتوں کے بارے میں قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ان کیدکن عظیم بلاشبہ تم عورتوں کے بڑے مکر ہوتے ہیں (فافہم واللہ اعلم)۔

ان عورتوں کے علاوہ ایک اور عورت بھی تھی اس کا نام تھا ملیکہ بنت کعب۔ ایک قول کے مطابق وہ لیث قبیلہ کی لڑکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے قبل از دخول ہی علیحدگی فرمائی۔ کچھ علماء نے کہا ہے کہ یہی وہ عورت ہے جس نے پناہ مانگی تھی۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ اس سے دخول بھی ہوا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی وصال پا گئی تھی۔ لیکن ان دونوں میں سے قول اول صحیح تر ہے بعض یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ صرف خواستگاری ہی فرمائی تھی۔ نکاح نہیں کیا تھا۔ مواہب الدینہ میں اسی طرح ہے۔ لیکن روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ خلوت فرمائی جس وقت اس کا لباس جسم سے دور ہوا تو اس کے جسم میں سفیدی دکھائی دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پرے ہٹ گئے۔ اور اس کو فرمایا کہ اپنا لباس پہن لو۔ اور اپنے اہل میں چلی جاؤ۔ مواہب میں یوں ہے کہ غفار قبیلہ سے ایک عورت تھی۔ ازاں بعد یہی حکایت آخر تک ذکر کی ہے۔

ان کے علاوہ ایک عورت حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔ اس کا نام مشراف بنت خلیفہ کلبیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آنحضرت نے اس سے نکاح فرمالیا تھا اور قبل از دخول ہی وہ رحلت فرما گئیں۔

ایک عورت قیس کی بہن تھی۔ اس کا نام لیلیٰ بنت الخطیم تھا۔ اسے آنحضرت اپنی زوجیت میں لے آئے یہ بڑی غیرتمند عورت تھی۔ اس نے آنحضرت سے اقالہ (تنسیخ نکاح) طلب کیا آنحضرت نے اسے اقالہ دے دیا ازاں بعد ایک بھیڑیا اسے کھا گیا بعض نے یوں بھی بیان کیا ہے کہ اسی عورت نے اپنے آپ کو آنحضرت کے ہبہ کر دیا تھا۔ صرف اتنا ہی مواہب میں ذکر کیا گیا ہے۔ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج کی طرف پشت مبارک کئے ہوئے تشریف فرما تھے پیچھے سے لیلے بنت خطیم آئی۔ اور آپ کی پشت پر مکا مار دیا۔ آنحضرت نے فرمایا تو کون ہے۔ اکلتہ الذئب جس کو بھیڑیا کھائے گا۔ اس نے جواب دیا میں خطم کی بیٹی ہوں۔ ازاں بعد وہ اپنے والد کی تعریف کرنے لگی اس نے کہا میں اپنے نفس کو آپ پر ہبہ کرنے کے لئے آئی ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تجھ کو میں اپنی بیوی بنانا

پسند کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ عورت اپنی قوم کے پاس گئی اور ان کو خبر دی قبیلہ کے لوگ کہنے لگے کہ تو نے برا کیا ہے۔ ایک غیرت مند عورت ہو تم اور اس کے پاس بہت سی بیویاں ہیں غیرت کی آگ میں تو جلے گی اور باتیں بنائے گی وہ تجھ پر غضبناک ہوں گے۔ اور تمہارے حق میں بری دعا کریں گے اور ان کی دعا مستجاب ہے۔ جا کر نکاح کی تنسیخ کا مطالبہ کرو پس اس نے آنحضرت کے پاس آکر نکاح فسخ کرانے کے لئے کہا۔ تو آنحضرت نے نکاح فسخ کر دیا۔ ازاں بعد اس عورت نے دیگر آدمی سے نکاح کر لیا اس سے اس کے ہاں متعدد اولاد ہوئی ایک روز وہ مدینہ شریف کے ایک باغ میں بنانے میں مشغول تھی اچانک ایک بھیڑیا اس پر کود پڑا اور اس کے ٹکڑے کر دیئے۔

علاوہ ازیں ایک عورت اور تھی۔ اس کا نام سنایا سبا یا اسماء رضی اللہ عنہا تھی۔ بنت سلیہ۔ ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اس کو جب پیام موصول ہوا تو خبر سنتے ہی وہ خوشی سے مر گئی۔

ایک روایت یوں آئی ہے کہ ایک شخص قبیلہ بنو سلیم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! ایک بڑی حسین اور خوبصورت لڑکی ہے جو بجز آپ کے کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواستگاری فرمائی۔ اور یا خواستگاری فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ وہ شخص پھر اس لڑکی کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا۔ حضور! اس میں ایک اور صفت بھی ہے اور کبھی بیمار نہیں ہوئی۔ اور کبھی بھی اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ تمہاری لڑکی کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ **لا خیر فی مال یرزاء منه ولا جسد لا ینال منه۔**

دیگر ایک عورت مرہ بن عوف بن سعد قبیلہ سے تھی۔ آنحضرت نے اس کے والد کو اس لڑکی کے لئے پیام اول فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ اس کو برص ہے۔ اس نے یہ جھوٹ ہی کہہ دیا تھا۔ تاکہ اس کو آنحضرت کی خدمت میں پیش نہ کرنا پڑے۔ وہ شخص اپنے گھر واپس آیا تو اتنے میں وہ لڑکی برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ارباب سیر نے ذکر کیا ہے کہ اس کے والد نے اس کی شادی اپنے بھتیجے سے کی جس سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ اس کا نام تھا شبیب بن مرطیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ شاعر ہوا تھا۔ (ذکرالطبری)۔

دیگر ایک عورت آنحضور کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اس کا نام امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی دختر ہے۔ کیونکہ ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا۔

دیگر ایک عورت تھی اس کا نام غزہ بنت ابوسفیان تھا وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ وہ بھی آپ کو پیش کی گئی تھی۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر یہ حلال نہ ہے کیونکہ ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (میری بیوی ہے)۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنے سے پہلے یا نکاح سے بعد لیکن دخول سے پہلے علیحدگی ہو چکی تھی۔ سیرت کی کتب میں اس سے زیادہ مذکور ہے باختلاف جو کہ ان کے ناموں کے بارے میں واقع ہوا ہے ان عورتوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کو نکاح کا پیام تو دیا گیا تھا لیکن نکاح واقعہ نہیں ہوا تھا۔

ابی طالب کی بیٹی ام ہانی رضی اللہ عنہا کا نام فاختہ ہے اور بعض علماء نے عاتکہ بتایا ہے اور کچھ ہند بھی کہتے ہیں لیکن قول اول ہی مشہور تر ہے اور صحیح بھی ہے۔ آنحضرت نے ابوطالب سے ارشاد فرمایا۔ تو نے اپنی بیٹی ہبیرہ بن وہب کو دے دی ہے لیکن مجھ کو نہ دی۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ ان سے میرا سسرال کا رشتہ ہے۔ ان سے میں نے بیٹی طلب کی تھی اور اس میں میں نے مہربانی کا طریقہ سمجھا کہ میں ان کا بدلہ دے دوں۔ اس ہبیرہ سے ام ہانی کے ہاں جعدہ' عمرو' یوسف اور ہانی تولد ہوئے۔ یہی ہانی ہیں جن کی نسبت سے ان کی کنیت ام ہانی ہوئی۔ بعد میں یہ ام ہانی اسلام لے آئیں۔ اور یہ عام الفتح میں مسلمان ہوئی تھیں۔ اسلام لانے کی وجہ سے ہبیرہ سے ان کی علیحدگی واقع ہو گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نکاح کا پیام بھیجا۔ تو ام ہانی نے جواب عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ زمانہ جاہلیت میں بھی مجھے آپ بہت پسند تھے اور اب مجھے اسلام کے ساتھ محبت ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو پسند نہ کروں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ آپ مجھ کو میری آنکھ اور کان سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ لیکن میں متعدد یتیم بچوں والی عورت ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر بچوں کی دیکھ بھال میں میں لگ گئی تو شاید آپ کے حقوق بجانہ لاسکوں گی۔ اور اگر آپ حق ادا کرنے اور آپ کی خدمت پر لگ گئی جو کہ فرض ہے تو بچوں کی دیکھ بھال نہ ہو سکی گی۔ اور یہ ضائع ہو جائیں گے۔ مجھے یہ شرم محسوس ہوتی ہے کہ جب آپ میرے پاس آئیں تو میرے ساتھ میرا ایک بچہ بھی لیٹا ہوا آپ کو دکھائی دے اور دوسرے بچہ کو آپ دیکھیں کہ دودھ پی رہا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورتیں سب سے بہتر ہیں جو اونٹوں کو سوار کرتی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عرب کی عورتیں اور بالخصوص قریش کی عورتیں اپنی اولاد کی طرف بڑی مائل مہربان ہوتی ہیں اور دلوں میں اپنے خاوندوں کی امانتدار بھی ہوتی ہیں۔ اور دیکھ بھال کرنے والی ہوتی ہیں۔

تفسیر میں تحریر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جب یہ حکم نازل ہوا تھا۔ **یایها النبی انا احللنا لک ازواجک وبنات خالاتک التی هاجرن معک** اس وقت ام ہانی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھ کو پیام بھیجا تھا۔ میں نے آنحضرت سے عذر خواہی کی تھی۔ اور آپ نے مجھ کو معذور رکھا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پاک نازل فرمائی۔ پس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے حلال قراری نہ دی گئی۔ کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی۔ نیز یہ کہ میں طلاق یافتہ تھی۔ ام ہانی سے اس کو حضرت علی' ابن عباس' ابن ابی لیلے' عکرمہ' شعبی' عطا' ان کے مولا ابو صالح' ان کے پسر جعدہ' ان کے پوتے ابن جعدہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ ام ہانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک یعنی ۵۰ھ تک حیات رہیں۔ فتح مکہ کے احوال میں ان کا حال بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ام ہانی کے گھر میں چاشت کی نماز ادا کی تھی۔ ان کی حدیث صلوٰۃ الضحیٰ کے باب میں اصل ہے رضی اللہ عنہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندیاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باندیاں (سراری) تعداد میں چار ہوئی ہیں۔ ایک کا نام حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا

بنت شمعون قبطیہ ہوئی ہیں مصر کے حاکم اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے ان کو آنحضرت کی خدمت میں اپنے تحائف کے ساتھ ارسال کیا تھا۔ یہ بڑی خوبصوت تھیں۔ سفید رنگت تھی۔ یہ اسلام لے آئیں۔ آنحضرت نے ان کو تسری کی رسم کے مطابق رکھا۔ اور ان میں ملک یمین کی حیثیت سے تصرف فرمایا۔ آپ کو ان سے محبت تھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر رشک ہوا کرتا تھا۔ ان کے بطن سے ہی حضرت ابراہیم بن رسول اللہ تولد ہوئے تھے۔ آپ نے ان کی خاطر عوالی مدینہ میں ایک مکان بھی بنایا تھا۔ آج کل بھی اس کو مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہاں پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان کا باقی حال فتح حدیبیہ کے بعد مکتوبات بھیجے جانے کے بیان کے ساتھ ذکر کیا جاچکا ہے۔

دوسری باندی کا نام جاریہ ریحانہ بنت زید بن عمرو تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ شمعون کی بیٹی تھی۔ یہ بنونضیر کی باندیوں میں سے ایک تھیں اور دیگر ایک قول کے مطابق بنو قریضہ سے تھیں۔ قول اول اظہر ہے ان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ملک یمین کے طور پر صحبت کا شرف بخشا تھا بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کو آزاد کردیا گیا اور ۸ھ میں ان سے نکاح کرلیا تھا۔

واقدی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ پہلے قول کو ترجیح دینے والے ابن عبدالبروغیرہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال شریف سے پہلے حجۃ الوداع سے مراجعت کے وقت ان کا وصل ہوا تھا ان کی تدفین قبرستان بقیع میں ہوئی دیگر ایک قول کے مطابق یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد رحلت پذیر ہوئی تھیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تیسری باندی کا نام جاریہ جمیلہ ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کسی سبایا میں ملی تھیں۔

اور چوتھی باندی سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہانے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھی۔ (واللہ اعلم)۔

××

باب سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، پھوپھی، رضائی بھائی اور جدات کا بیان

روضۃ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے کہ عبدالمطلب کے تیرہ لڑکے اور چھ لڑکیاں اولاد تھی بعض نے دس لڑکے بھی کہا ہے اور گیارہ بھی بتائے گئے ہیں اور چچا کے بارے میں صاحب مواہب نے ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوالقربیٰ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ چچا تھے۔ وہ سب حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ ایک عبداللہ تھے جو کہ آنحضرت کے والد تھے۔ دوسرے حارث تیسرے ابو طالب ان کا نام عبدالمناف تھا۔ زبیر ان کی کنیت ابو الحارث تھی حمزہ ' ابولہب اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ غیراق' مقوم' ضرار' عباس' قثم' عبدالکعبہ اور حجل یعنی شمشیر برال۔ اگر دار قطنی کے مطابق تقدیم حا کو ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ پازیب اور بیڑی اس کا نام مغیرہ بتایا جاتا ہے۔ بعض علماء نے گیارہ چچا بھی بتائے ہیں۔ یعنی وہ ان میں سے مقوم کو ساقط کر دیتے ہیں۔ (انتہیٰ)۔ اس ضمن میں بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں چھ تھیں جو عبدالمطلب کی بیٹیاں تھیں۔ ایک ام حکیم ہیں جن کا نام بیضاء تھا۔ دوسری برہ' عاتکہ' یہ ایک ہی والدہ سے تھیں۔ ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم ہے۔ اور حمزہ' مقوم اور حجل اور صفیہ چاروں ایک والدہ سے تھے۔ والدہ کا نام ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عباس' ضرار اور قثم ایک والدہ سے تھے۔ والدہ کا نام نتیلہ بنت حباب بن کلب تھا۔

حارث اور ابولہب علاتی بھائی بہن کا رشتہ نہ رکھتے تھے۔ حارث کی والدہ کا نام صفیہ رضی اللہ عنہا بنت جندب تھا۔ جبکہ ابولہب کی والدہ کا نام تمسی بنت ہاجر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام چچاؤں میں صرف حضرت حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہما ہی اسلام لائے تھے۔ ابو طالب اور ابولہب نے اسلام کا زمانہ تو پایا تھا۔ لیکن اسلام لانے کی توفیق میسر نہ ہوئی۔ اسی مذہب پر جمہور علماء ہیں۔ اور جامع الاصول کے مولف نے نقل کیا ہے کہ ان کے اہل بیت کا خیال یہ ہے کہ ابو طالب مسلمان ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ (واللہ اعلم بصحتہ)

آنحضرت کی پھوپھیوں میں سے ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔ ان کے مسلمان ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ ہجرت کرنے والی عورتوں میں گنی جاتی ہیں۔ غزوہ خندق میں یہ موجود تھیں۔ ایک یہودی نے ان کو شہید کر دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کو جہنم رسید کر دیا۔ یہ قبرستان بقیع میں دفن کی گئی تھیں۔ جہاں تک عاتکہ کا ذکر ہے۔ ان اسلام لانے میں علماء کو اختلاف ہے۔ یہ وہی ہیں خواب والی۔ جن کا بیان قصہ بدر میں سابقاً گزر چکا ہے اور ابو جعفر عقیل کہتے ہیں کہ یہ اسلام لائی تھیں۔ وہ ان کو صحابیات میں

شمار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اسلام نہیں لائی تھیں سوائے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے برہ والدہ ہے ابوسلمہ بن عبدالاسد کی۔ یہی آنحضرت سے قبل سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خاوند تھا۔ ایک پھوپھی امیمہ ہے۔ یہ عبداللہ بن جحش۔ زینب جحش اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کی ماں تھیں۔

اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کثیر مناقب ہیں۔ (ہم باری باری بیان کرتے ہیں)

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ یہ حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ ان کی کنیت ابو عمارہ تھی اور لقب سید الشہداء ہے۔ معجم بغوی میں روایت کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھے اس خدا عزوجل کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساتویں آسمان میں یہ مرقوم ہے۔ **حمزہ اسد اللہ واسد رسولہ** یہ بعثت سے دوسرے سال میں اسلام لائے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ بعثت کے چھٹے سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار ارقم تھے۔ یہ اسلام لائے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے تین دن پہلے اسلام لے آئے تھے۔ اور غزوہ بدر میں یہ شامل تھے۔ انہوں نے اپنے مدمقابل عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا تھا۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ بنا کہ ایک روز لعین ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینے میں مشغول تھا اور گالیاں دیتا تھا۔ اور آنحضرت برداشت فرما رہے تھے۔ اس وقت حمزہ شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو ان کی باندی نے ان کو خبر دی کہ آج تمہارے بھتیجے کو ابوجہل اس اس طرح ایذا پہنچاتا تھا یہ سن کر حمزہ کو غصہ آیا اور فوراً ابوجہل کے پاس جا کر اپنے ہاتھوں میں جو کمان پکڑے ہوئے تھے اس کے سر پر دے ماری اور اس کا سر زخمی کر دیا اور اسلام قبول کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بڑی خوشی ہوئی اسلام میں سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے ہی علم تیار کیا گیا تھا۔ اور اسلام میں اولین لشکر حضرت حمزہ کا ہی تھا جو بھیجا گیا تھا۔ آنحضرت کا ارشاد ہے اور میرے تمام چچاؤں میں بہترین حمزہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہداء ہیں۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے سلفی نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جو ہے۔ **یاایھا النفس المطمئنۃ ارجعی** اے نفس **مطمیئنۃ** خدا تعالیٰ کی طرف پلٹ۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہی اس سے مراد ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے **فمنھم من قضی نحبہ** اس سے حمزہ رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ میں سوچتا تھا اور حیران ہوا کرتا تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل کیونکر نجات حاصل کرے گا حتیٰ کہ وہ قاتل خمیر میں ڈوب گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل شدہ ملاحظہ فرمایا اور معلوم ہوا کہ ان کا مثلہ کیا ہے۔ تو آنحضرت کی چیخ نکل گئی تھی۔ اور آپ نے فرمایا کہ جس قدر بھی میں مصیبت زدہ ہوں تمہاری مانند مجھے کبھی مصیبت نہ ہو گی اور جیسے اس جگہ غضبناک کھڑا ہوں کسی اور جگہ کبھی نہ ہوں گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت حمزہؓ پر رو رہے تھے حتیٰ کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے حمزہ رضی اللہ عنہ اے ام رسول اللہ اے اسد اللہ و اسد رسولہ۔ اے نیکیاں کرنے والے اے سختیوں کو برداشت کرنے والے اے حمزہ اے رسول اللہ کے روئے انور کو پگھلا دینے والے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جذبہ اور بے اختیاری کے عالم میں فریاد اور آہ و زاری واقع ہوئی۔ (واللہ اعلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پاک پر آپ نے ستر تکبیریں کہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ احد کے شہیدوں کو غسل نہیں دیا تھا۔ نہ ہی ان پر جنازہ کی نماز ہی پڑھی گئی تھی۔

لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو روایات میں وارد ہوا ہے وہ ان کے ساتھ مخصوص ہو گا اور دوسروں پر جو نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق آیا ہے وہ یوں ہو گا کہ وہ جنگ کے میدان سے باہر آ گیا ہو گا اور اس نے جنگ کے دوران جان نہ دی ہو گی۔ جس روز حضرت حمزہ نے شہادت پائی۔ ان کی عمر انسٹھ سال تھی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عمر میں چار سال بڑے تھے اور کچھ کتب میں صرف دو سال مذکور ہے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کا بھتیجا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔ یہ تمام بیان مواہب الدینہ میں مذکور ہے۔

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو الفضل تھی وجہ یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا بیٹا فضل نام کا تھا۔ یہ کنیت ان کی نسبت سے ہوئی۔ فضل عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے تھے۔ لیکن ابن عباس کے نام سے عبداللہ ہی کو شہرت ہوئی اور ان کے نام پر یہی نام غالب ٹھہرا۔ رضی اللہ عنہ اجمعین۔ سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ نتیلہ بنت حناب بن کلب تھی اور بتایا جاتا ہے کہ بیت اللہ شریف پر سب سے پہلے دیبا کا غلاف چڑھانے والی یہی عورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب بچے تھے تو گم ہو چکے تھے۔ ان کی ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر عباس آ جائیں گے تو بیت اللہ پر غلاف چڑھاؤں گی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت حسین و جمیل اور دو گیسو والے اور لمبے قد کے مالک تھے۔

نقل کیا گیا ہے کہ لوگ قد میں عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے تک ہی پہنچا کرتے تھے۔ اور حضرت عباس کا قد حضرت کے کندھے تک تھا کچھ روایات میں ان کی صفت معتدل بھی ذکر ہوئی ہے تو یہ ظاہر ہے کہ معتدل سے مراد معتدل القامت ہی ہے اور یہ اعتدال ان کے جملہ اعضا اور جوارح میں بھی مراد لیا جاتا ہو گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عام الفیل سے تین سال قبل پیدا ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ دو یا تین سال زیادہ عمر رکھتے تھے۔ قریش میں یہ سردار مانے جاتے تھے ان کی سپردگی میں بیت احرام کی عمارت تھی۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر اور دیکھ بھال وغیرہ ان کی ذمہ داری تھی۔ نیز سقایا کا عہدہ بھی ان کے سپرد تھا۔ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا۔

جس رات میں انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ یعنی بیعت عقبہ کی شب حضرت عباس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔۔۔۔۔ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے ہی کہا تھا۔ اے انصار کے گروہ! آپ کو یہ علم

ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگوں میں نہایت بزرگ اور عظمت والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ جو عہد تم باندھ رہے ہو بعد میں اسے توڑ دو۔ تم اچھی طرح سے غور و فکر کر لو۔ جس طرح کہ اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جملہ امور میں حضرت عباس پر مکمل اعتماد تھا۔ اسیران بدر میں یہ تھے۔ انکے بعد جب بند سخت ہوئے تو ان کے آہ و نالہ اور ان کی تکلیف کے باعث آنحضرت سو نہ سکے تھے۔

صحابہ کرام نے آپ سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو نیند کیوں نہیں آتی تو آپ نے بتایا کہ عباس کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ پس ایک شخص نے جاکر حضرت عباس کے بند ڈھیلے کر دیئے تھے۔ پس آنحضرت نے حکم فرمایا کہ سب اسیران جنگ کے بند ڈھیلے کر دیئے جائیں **(کما ذکر صاحب صفوہ ابوعمرو)**۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ لشکر کفار کے ساتھ ان کے جبر و قہر کے باعث آئے تھے آنحضرت نے بھی یہ حکم فرمادیا تھا کہ جسے بھی عباس ملے وہ انہیں قتل نہ کرے۔ کیونکہ ان کو زبردستی ساتھ لایا گیا ہے۔ یعنی کہ ان کی ہمراہی ناگواری اور نارضامندی سے ہے۔ کیونکہ ان کو ابو جہل اور دیگر کفار نے پیچھے مکہ میں نہ رہنے دیا کہ وہ بدر میں نہ جائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فتح مکہ کی خاطر جب سفر میں تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے نکلے اور راستہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ آکر مل گئے تھے۔ آنحضرت نے ان کے اہل و عیال مدینہ شریف بھیج دیئے۔ اور فتح مکہ کے دوران وہ آنحضور کے ساتھ ہی رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھ اب ہجرت اختتام کو پہنچ گئی جیسے کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہوا ہے۔

بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ خیبر کی فتح سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن وہ اپنا اسلام لانا مخفی رکھے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو فتح و نصرت دی تو عباس بہت خوش ہوئے تھے اور انہوں نے فتح کے روز اپنے اسلام کو ظاہر فرمادیا۔ یہ غزوہ حنین، غزوہ طائف اور غزوہ تبوک میں شامل تھے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ غزوہ بدر سے بھی قبل یہ مسلمان تھے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مشرکین کے حالات و اخبار لکھ کر بھیج دیا کرتے تھے۔ جو مسلمان پیچھے مکہ شریف میں تھے ان کے متعلق بھی آنحضرت کو مطلع رکھتے تھے اور آنحضرت کو ان کی دی ہوئی اطلاع پر پورا پورا اعتبار تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونے سے قبل بھی آنحضور کو ان کے ساتھ محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو لکھ بھیجا تھا۔ کہ تمہارا مکہ میں رہنا میرے لئے بہتر ہے۔ سہل بن ساعدی سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہجرت کرنے کے لئے اجازت طلب کی تو آنحضرت نے ان کی جانب لکھا کہ اے میرے چچا! تم اپنی جگہ پر ہی رہو۔ تم پر اللہ تعالیٰ ہجرت کو ختم کرے گا جیسے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم کی ہے۔ پس اسی طرح واقع ہوا ہے۔ عام الفتح میں حضرت عباس نے ہجرت کی اور آنحضرت کے ساتھ راستہ میں ہی شامل ہو گئے۔

کتاب الفضائل میں سمی نے نقل کیا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حضرت عباس کے اسلام لانے کے بارے میں ابو رافع رضی اللہ عنہ نے خبر دی تو اس خوشی میں آنحضرت نے ابو رافع کو آزادی عطا فرمائی۔ حضرت عباس مسلمان ہو گئے تو آنحضرت ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ کہ لوگوں میں وہ سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شفیق ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے چچا میرے والد کی طرح ہیں۔ جو ان کو ایذاء پہنچائے گا وہ مجھے ایذاء دینے والا ہو گا آپ نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب حضرت عباس نے ان کی خدمت میں شکایت پیش کی تھی اور کہا تھا کہ ان لوگوں کو پتہ نہیں کیا ہے کہ میں ان کے پاس جاتا ہوں تو ان کو یہ ناگوار گزرتا ہے اور ہم سے وہ اپنی باتوں کو چھپا لیتے ہیں۔ جو اس وقت وہ ایک دوسرے سے کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ ہماری جانب محبت سے نہیں دیکھتے ہیں نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف خود آگے بڑھ کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے چوم لیا اور ان کو اپنے دائیں ہاتھ بٹھایا پھر فرمایا کہ یہ میرے چچا ہیں۔ ہر ایک یہ خواہش کرتا ہے کہ وہ اپنے چچا پر فخر کرے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ کتنی خوش کرنے والی بات آپ کہہ رہے ہیں تو آنحضرت نے فرمایا کہ میں اس طرح.... کیوں نہ کہوں کیونکہ تم میرے چچا ہو اور تم میرے لئے باپ ہو میرے اجداد میں سے تم ہی باقی ہو اور تم میرے وارث ہو اور اپنے اہل میں سے جو بہترین آدمی میں چھوڑے جاتا ہوں وہ تم ہو۔

دیگر ایک دفعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے چچا! تم اپنے گھر میں رہنا اور اپنے بچوں کو بھی باہر نہ نکلنے دینا۔ کل تمہارے پاس میں آؤں گا۔ تمہارے ساتھ مجھے ایک کام ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت ان کے گھر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے ان تمام پر اپنی چادر مبارک ڈالی اور ایک روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت نے اپنی چادر مبارک کے ساتھ ان تمام کو ڈھانپ لیا۔ پھر فرمایا۔ اے خدا! یہ میرے چچا ہیں اور قائم مقام ہیں میرے والد کی جگہ۔ یہ ان کے بیٹے میرے اہل بیت ہیں' تو بھی ان تمام کو دوزخ کی آگ سے اسی طرح چھپا۔ جیسے کہ اپنی چادر میں میں نے ان کو چھپا رکھا ہے۔ پس ان تمام نے آمین کہا اور گھر کے تمام در و دیوار بھی آمین آمین پکارے۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ کوئی ایسا پتھر یا ڈھیلا گھر میں نہ تھا۔ جو آمین نہ پکارتا ہو۔

اللهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغدد ذنبا۔ اللهم احفه فی ولده اس حدیث کو ترمذی حسن غریب کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندان و اولاد کے متعلق کہ وہ ان کے بعد بھی قائم رہیں گے ان کی خلافت کے بارے ہیں خبریں' ان کی تعریف اور اور ان کو چادر میں چھپانا' دین میں ان کا اعزاز و اکرام' ملت کے لئے تقویت اور ان کے ساتھ محبت رکھنے پر راغب کرنے والی باتوں کی خبریں اور احادیث منقول کی ہیں ان میں سے کثیر راوی ضعیف اور متروک بھی ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ ان کے بارے میں جھوٹ اور وضع کا گمان بھی ہے۔ ایسی اخبار و احادیث اور دیگر آثار کا ان کی خلافت کے وقت دوران ظہور ہوا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وصل شریف:۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران شہادت عثمان سے دو سال پہلے ماہ رجب کی بارہ تاریخ یا چودہ تاریخ ۳۲ء یا ۳۳ء میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وصل ہوا۔ آپ اس وقت اٹھاسی برس یا نواسی برس کی عمر کے تھے۔ زمانہ اسلام میں انہوں نے بتیس برس بسر کئے تھے۔ ان کی تدفین بھی قبرستان بقیع میں عمل میں آئی۔ ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کو قبر میں اتارنے والے ہیں اور حضرت عبداللہ بھی عظیم و جلیل اور ترجمان القرآن اور ابوالخلفاء کے لقب کے حامل ہوئے ہیں۔

نقل کیا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جب اپنی والدہ ام الفضل سے پیدا ہوئے تو والدہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ پھر فرمایا لے جاؤ۔ ابوالخلفاء کو۔ (رواہ ابن حبان وغیرہ)۔

ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ زمین میں اس قدر ان کی اولاد اور خلفاء پھیلے کہ مامون رشید خلیفہ کے عہد کے دوران میں ان کی تعداد آٹھ ہزار ہو گئی تھی۔ یہ خبر اور یہ کثرت محال گردانی گئی ہے۔ مگر یہ ہے کہ اس سے ان کے لواحقین اور متبعین مراد لئے جائیں تو درست ہو گا (واللہ اعلم) یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب چچاؤں میں سے کم عمر تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا اور نانی:۔ ایک تو والد کا بالائی نسب جدات میں شمار ہوتا ہے اور دوسرا ماں کا بالائی نسب یہ دو اقسام ہوتی ہیں جدات کی۔ یہ تمام مواہب الدینہ میں شمار کئے گئے ہیں۔ ان سب کے مفصل حالات کتب حدیث میں مذکور نہیں ہوئے احادیث میں صرف ان کے نام لکھے گئے ہیں۔

آنحضرت کے رضائی برادر:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ شریک بھائیوں میں آنحضرت کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں دوسرے ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ہیں جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی برہ یعنی آنحضرت کی پھوپھی ان کی والدہ تھی۔ انہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے اپنے بیٹے مسروح بن ثوبیہ کا دودھ چار سال کے فراق کے ساتھ پلایا تھا۔ پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اور ان کے بعد عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔

آنحضرت کے رضائی برادران میں آنحضرت کے چچا حارث کے بیٹے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اور آنحضرت کو دودھ پلایا تھا۔ آنحضرت کے رضائی بہن بھائیوں میں سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد بھی شمار ہے۔ آنحضرت کی فوج ایک دفعہ ہوازن پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ ان کے قیدیوں میں ایک عورت بھی آئی وہ کہنے لگی میں تمہارے آقا کی ہمشیرہ ہوں۔ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ تو اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمہاری رضائی بہن ہوں۔ پس آنحضرت نے ان کو خوش آمدید پیش کی۔ اپنی چادر

مبارک بچھائی۔ اس کو اس چادر پر بٹھایا۔ آنحضرت کو گزرے ہوئے حالات یاد آئے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ٹپک پڑے۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میرے پاس ہی رہائش رکھو تم بڑی عزت و احترام اور بڑی محبت کے ساتھ رہو گی۔ اور اگر تم چاہتی ہو تو تمہارے لوگوں کی طرف تم کو واپس پہنچادوں اور تجھے حلہ اور دیگر انعام و اکرام بھی عطا فرماؤں۔ اس کے نے کہا میں اپنی قوم کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں۔ پس وہ واپس چلی گئی۔ آنحضرت نے اس کو تین غلام اور باندی اور متعدد اونٹ اور بکریاں بھی عطا فرمائیں۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی روایت ہوا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا بھی بڑا احترام بجالاتے ہوئے بڑے ادب سے پیش آئے تھے اور ان کو بھی انعامات سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے ابولعب کی باندی ثوبیہ کو بھی انعام و اکرام عطا فرمائے تھے۔ ثوبیہ اسلام لائی تھیں یا نہیں اس میں علماء کو اختلاف ہے۔ جیسے حلیمہ سعدیہ کے اسلام کے متعلق بھی علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کا چھوٹا سا قبہ قبرستان بقیع میں موجود تھا اس کو قبہ حلیمہ سعدیہ کہا جاتا تھا۔ (بخدی لعینوں نے یہ تمام قبے گرا دیئے ہیں)۔

کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حلیمہ سعدیہ کی قبر مبارک پر زیارت کے لئے جایا کرتے تھے حلیمہ سعدیہ کے خاوند کے اسلام لانے کے بارے میں بھی علماء میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہوتا تھا کہ وہ اسلام لائے تھے اور جو ثوبیہ لونڈی تھی ابولہب نے اس کو اس موقع پر آزاد کر دیا تھا۔ جب اس نے ابولہب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری آکر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ سوموار کے دن یعنی آنحضرت کی ولادت شریفہ کے روز ابولہب سے عذاب منقطع کر دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خدیجہ سیدہ کے ساتھ نکاح ہو جانے کے بعد ثوبیہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کا بڑا ادب و احترام بجالاتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف سے ثوبیہ کے لئے مکہ شریف میں حلہ اور دیگر ملبوسات بھیجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ فتح خیبر کے بعد ثوبیہ وفات پا گئی تھیں۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا حبشی النسل رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وہ خادمہ خاص اور دایہ تھیں جو اپنی گود میں حضور کو لے کر آپ کی پرورش فرمایا کرتی تھیں۔ ان کا نام برکت ہے۔ لیکن نام پر کنیت غالب آچکی ہے۔ یہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل تھیں۔ اس کے بعد یہ مدینہ شریف گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ باندی تھیں اور آپ کو یہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے وارثت میں حاصل ہوئی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے آنحضرت کی والدہ آمنہ کی طرف سے آپ کو ملی تھی اور جب آنحضرت کی شادی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ آپ نے ام ایمن کو آزاد فرمادیا تھا اور ان کا نکاح عبید بن زید بن الحارث کے ساتھ کر دیا۔ ان کے بطن سے ایمن نام کا بیٹا تولد ہوا۔ اس کے باعث ان کی کنیت ام ایمن ہو گئی۔ عبید کے بعد یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ

عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ اور ان سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے ان کی ولادت بعثت رسالت کے بعد ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو "امی بعد امی" کہا کرتے تھے کہ یہ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بیس یوم بعد رحلت فرما گئیں یہ روایت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ان کے بیٹے ایمن رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی حما بھی اپنی والدہ حلیمہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضانت میں شریک رہتی تھیں۔

XX

باب چہارم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سب سے زیادہ باقاعدگی کے ساتھ خدمت بجالانے والے مردوں میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ہیں انس بن مالک بن نضر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ یہ ابو حمزہ کنیت رکھتے ہیں حمزہ ایک بقلہ دوانہ کا نام ہے۔ اس میں تیزی پائی جاتی ہے۔ فارسی زبان میں وہ تیرہ تیزک کہلاتا ہے۔ روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کو لئے آرہے تھے تو آنحضرت کی نظر ان پر پڑی اور ان کو ابو حمزہ کی کنیت کے ساتھ آپ نے یاد فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں دس سال کا عرصہ رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ شریف میں رونق افروز ہوئے۔ حضرت انس کی ماں ان کو آنحضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا فرزند انس آپ کی خدمت میں رہے گا۔ پس وہ حضور علیہ السلام کی دس سال خدمت بجالائے اور آپ کے ساتھ سفر و حضر میں موجود رہتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسم نے مجھے اس طرح کبھی نہ فرمایا تھا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ یا تم نے فلاں کام کیوں کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جملہ غزوات میں شامل تھے اور ان کا وصال شریف بصرہ میں ہوا تھا جبکہ خلافت فاروقی کا دور تھا۔ انہوں نے کثیر لوگوں کو تفقیہ بنایا تھا۔ یہ بصرہ میں وصال پانے والے سب سے آخری صحابی رسول ہیں۔ ان کا وصال شریف ۹۱ء اور ۹۲ء میں ہوا تھا جب ان کی ماں ان کو آنحضرت کی خدمت میں لائی تھی تو ان کے حق میں آنحضرت نے دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی تھی۔ ان کی والدہ نے عرض کیا تھا۔ یا رسول اللہ! یہ انس آپ کا خادم ہے اس کے لئے دعا فرمائیں پس آپ نے یہ دعا فرمائی۔ **اللھم اکثر ما لہ وولدہ وادخلہ الجنۃ۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کا اثر دیکھا ہے اور میں توقع رکھتا ہوں کہ آنحضرت کی دعا تیسری چیز کے بارے میں بھی ضرور پوری ہو گی یعنی جنت میں دخول۔ آپ فرماتے ہیں میرے اموال میں اس حد تک کثرت ہو گئی کہ میرا جو باغ انگوروں کا تھا وہ بھی سال میں دو مرتبہ پھل دینے لگا۔ حضرت انس سو سال سے زیادہ کی عمر کے ہوئے ہیں۔ اور ایک سو چھ بچے ان کی صلب سے پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے ستر لڑکے تھے اور باقی چھتیس لڑکیاں ہوئیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث کی روایت کی گئی ہے اور صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے ان سے روایت لی ہے ان کے بعد ان کے فرزندوں اور پوتوں سے بہت سے لوگوں نے روایت لی ہے یہ ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں رحلت پذیر ہوئے تھے۔ ان کو محمد بن سیرین نے غسل دیا تھا یہ سیرین ان کے غلاموں میں شمار تھے۔ اسی وقت ان کی اولاد کے ایک سو بیس افراد ان کے گرد جمع ہوئے تھے اور ان کو دفن کیا گیا اور حجاج کا بالکل انتظار نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حجاج کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تلخ کلامی ہو چکی تھی اور حجاج یہ قوت نہ رکھتا تھا کہ ان کو کوئی ایذاء دے سکے۔ اس کی وجہ ان کو جو صلابت ہو حاصل تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہے تھے ان کو یہ فضیلت حاصل تھی اور یہ اس دعا کا بھی اثر و نتیجہ تھا جو آنحضرت نے ان کو سکھائی تھی اس دعا کے باعث ان کو حجاج پر ہمیشہ غلبہ حاصل رہتا تھا۔ یہ بڑی مشہور دعا ہے اور اس کی تشریح فارسی زبان میں رسالوں میں کر دی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو انس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نماز سے مشابہ نماز ادا کرتا ہوں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابد الابد۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:- بن غافل ہذلی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خادموں میں ہیں۔ یہ سارس الاسلام ہیں اور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعلین مبارک اور مسواک اور تکیہ و عصا والے خادم ہیں مواہب الدنیہ میں وسارہ بھی مذکور ہوا ہے۔ یعنی بچھونا۔ اس میں تکیہ مذکور نہیں ہے۔ یہ سب اشیاء ان کی سپردگی میں ہوتی تھیں۔ جب آنحضرت کھڑے ہوا کرتے تھے تو عبداللہ بن مسعود آپ کو نعلین شریف پہنایا کرتے تھے اور جس وقت آنحضرت بیٹھتے تھے تو یہ آپ کے پاؤں مبارک سے جوتا شریف اتارا کرتے تھے اور نعلین شریف کو اپنی آستین میں محفوظ رکھا کرتے تھے۔ یہ بارگاہ رسالت کے مقربوں میں سے تھے اور مجلس مبارک میں حاضر رہنے والوں میں سے ایک تھے۔ یہاں تک کہ جو لوگ آیا کرتے تھے وہ گمان کرتے تھے کہ یہ آنحضرت کے اہل سے ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب بہت کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔

اگر اس بارے میں صرف یہ ہی بتا دیں تو کافی ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **رضیت لامتی مارضی به ابن عبد وسخت لها ما سخطه به** یعنی اپنی امت میں سے میں اس کے ساتھ راضی ہوں جس سے ابن مسعود راضی ہیں۔ اور جس سے وہ ناراض ہوں میں بھی اس سے ناراض ہوں۔

آپ نے مدینہ شریف میں وصال پایا اور دیگر ایک قول ہے کہ آپ کا وصال کوفہ میں ہوا۔ وصال شریف ھ یا ھ میں ہوا تھا انہوں نے باسٹھ سال کی عمر پائی۔ ان سے خلفاء اربعہ نے اور دوسرے صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے روایات لی ہیں۔

ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہما:- آنحضرت کے ایک غلام ایمن ابن ام ایمن بھی ہوئے ہیں یہ آنحضرت کے لئے

پانی کی چھاگل کو اٹھایا کرتے تھے۔ غزوہ حنین میں ان کی شہادت واقع ہوئی تھی۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک خادم حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ تھے یہ آنحضرت کے لئے وضو کے لئے پانی لانے والے تھے یہ اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ ان کو آنحضرت کے ساتھ صحبت قدیم حاصل تھی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں سفر و حضر میں موجود رہتے تھے انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایات کی ہیں اور تابعین کی جماعت نے ان سے روایات لی ہیں۔ ان کی ایک حدیث بخاری نے بھی نقل کی ہے۔ ان کا وصال شریف واقعہ حرہ کے بعد ھ میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ:- جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک خادم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اونٹ کو سفر کے دوران لے کر چلتے تھے۔ امام ذہبی "کاشف" میں یوں ان کی تعریف کرتے ہیں۔ کہ یہ امیر کبیر تھے۔ شریف' فصیح اور مقری تھے۔ یہ شاعر تھے اور صحابی رسول تھے' ان کو غزوہ بحرین کا والی بنایا گیا تھا اور مصر میں ان کا وصال ہوا تھا۔ اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے بھائی معذولی کے بعد یہ مصر کے والی بنائے گئے تھے۔ مصر میں ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کی ہے۔ صحابہ میں سے ان سے حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے ایک کثیر جماعت نے ان سے روایت کی ہے (کذانی جامع الاصول) ان سے روایت کیا گیا ہے کہ فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اونٹ کھینچنے میں معروف تھا۔ راستہ پہاڑی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا۔ اے عقبہ! سوار ہو جاؤ۔ لیکن میں نے اس کو بزرگ خیال کیا کہ میں آنحضرت کے مرکب پر سوار ہوؤں۔ اس کے بعد مجھے اندیشہ ہوا کہ گناہ کا ارتکاب ہو جائے گا۔ شریعت کا حکم بجالانا چاہیے۔ پس میں سوار ہو گیا اور پھر جلدی نیچے اتر گیا۔ ازاں بعد آنحضرت نے سواری فرمائی اور آپ کی سواری کو میں نے کھینچا۔ پھر آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ کیا تجھ کو دو سورتیں میں اس قسم کی بتادوں اور سکھادوں جن کو لوگ پڑھیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتائیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے فرمایا وہ دو صورتیں یہ ہیں۔ قل اعوذ برب الناس اور اعوذ برب الفلق اس وقت آنحضرت نے دیکھا کہ میں ان دونوں صورتوں سے خوش نہیں ہوا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ بالخصوص سورت فاتحہ اور سورۃ بقرو غیرہ کے مقابلہ میں ان دو صورتوں کی افضلیت اور خیریت سے میں خوش نہ ہوا جبکہ وہ سورتیں تمام سورتوں سے زیادہ افضل ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صبح کی نماز کے واسطے اترے اور ان دونوں سورتوں کے ساتھ آپ نے نماز پڑھی۔ جو سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ہیں اور پھر میری طرف نظر فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دیکھا ہے ان دونوں سورتوں کی افضلیت اور خیریت کو استعاذہ کے باب میں جو کہ تمام جسمانی اور روحانی آفات و بلاؤں کو رفع کرنے والی ہیں۔ اسی بنا پر سفر میں نماز صبح میں ان کا پڑھنا ہے (رواہ امام احمد' ابوداؤد' نسائی)

امام احمد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا میں تم کو تین سورتیں بتادوں جو تورات، انجیل اور فرقان میں ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم۔ قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق۔ اور قل اعوذ برب الناس پڑھا کرو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مولی ابی بکر رضی اللہ عنہ :۔ آنحضرت کے ایک خادم حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مولی تھے کچھ حضرات نے ان کا نام سعید بھی بتایا ہے لیکن صحیح تر اور مشہور تر ان کا نام سعد ہی ہے۔ یہ بھی شرف صحبت سے مشرف تھے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے۔ ان سے امام حسن بصری نے روایت کیا ہے اور ان سے ابن ماجہ نے ایک حدیث اپنی سنن کے اندر روایت کی ہے۔ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں لوگوں نے دو دو کھجوریں اکٹھی اٹھانی شروع کیں آنحضرت نے فرمایا کہ دو دو کھجوریں اکٹھی نہ کھاؤ۔ اسی طرح ذہبی نے ذکر کیا ہے اور استیعاب میں بیان کیا ہے کہ امام حسن بصری نے حضرت سعد مولی ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ ان سے بالکل کوئی حدیث مروی نہیں ملی۔ سوائے ابی عامر کے نزدیک ابی الحرار صالح بن رستم سے اور ان کو ہی سعید بھی کہا جاتا ہے اور سعد واضح ہے۔ یہ اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں اور وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت بھی بجالایا کرتے تھے ان کے حالات اسی قدر ہی مرقوم ہے۔ اور ان کا حسب ونسب نہیں لکھا گیا سوائے اس کے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

حضرت افلح بن شریک رضی اللہ عنہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راحلہ کی حضرت افلح بن شریک رضی اللہ عنہ حفاظت و نگہبانی پر مقرر تھے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں طبری ربیع بن بدر سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا مجھے ایک آدمی نے خبر دی اس کا نام افلح تھا وہ کہتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا ایک روز آنحضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ افلح اٹھ کر اونٹ پر راحلہ باندھ دو۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور مجھے تو جنابت ہو چکی ہے آنحضرت یہ سن کر خاموش رہے۔ پس حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور تیمم کے بارے میں آیت کریمہ لائے۔ پس آنحضرت نے فرمایا۔ اے افلح اٹھ کر تیمم کرلو۔ پس میں نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خاطر راحلہ باندھ دیا اور وہاں سے چل پڑے۔ حتیٰ کہ ہم ایک چشمہ پر پہنچ گئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جلدی کرو اور اس میٹھے پانی سے تم غسل کرلو۔ انہوں نے بتایا ہے کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمم کرنے کا طریقہ سمجھایا۔ کہ ایک ضرب اپنے منہ کے لئے مارو اور دوسری ضرب اپنے دونوں ہاتھوں کے واسطے مارو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما:۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما آنحضرت کے خادم تھے ان کا جندب بن

جناوہ نام تھا۔ یہ اکابر اور زاہد صحابہ میں سے ہیں۔ یہ مکہ شریف میں ہی چوتھے یا پانچویں سال ایمان لاچکے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک سے پہلے بھی یہ بہت عبادت گزار تھے ان کا مذہب تھا کہ ذخیرہ کرنا اور سونا یا روپیہ وغیرہ جمع کرنا حرام ہے ان کے بڑے ہی عجیب وغریب حالات ہیں اور بڑے بڑے بلند مناقب کے حامل ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اس آیت پاک کی تفسیر کے بارے میں جھگڑا ہوا تھا۔ **والذین یکنزون الذھب والفضة** وہ لوگ جو سونا اور چاندی کو جمع کرتے ہیں۔ امیر معاویہ فرماتے تھے کہ یہ آیت پاک اہل کتاب کے بارے میں ہیں نیز انہوں نے ابوغفاری کے بارے میں امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت لکھ کر ارسال کی حضرت عثمان نے ابوذر کو شام سے بلالیا اور موضع ربذہ میں بھیجا۔ یہ مدینہ شریف سے تین منزل مسافت پر واقع ہے۔ یہ وہاں پر ہی رہائش پذیر ہوئے۔ اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ان کا وصال ہو گیا احبابہ میں مذکور ہے کہ اکثریت ۳۲ھ پر متفق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کہ کوفہ سے آئے تھے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ وہ ان پر کافی دیر تک روتے رہے تھے اور ان کے بارے میں فرمایا **امی وخلیلی عاش وحدہ وفات وحدہ و بعث وحدہ طوبی لہ** میرے برادر اور میرے دوست۔ تنہا زندگی بسر کی' تنہا ہی فوت ہوئے اور تنہا ہی تو اٹھے گا۔ اور خوش ہو اس کے واسطے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اور بھی بہت سے آدمی تھے انصار میں سے۔ اپنے ساتھ یہ چادریں رکھتے تھے۔ ان کی آمد سے دس روز بعد وہ وصال پاگئے۔ اصابہ میں مذکور ہے ان کی نماز جنازہ بذہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور پھر وہ مدینہ شریف میں آئے۔ اور کچھ مدت گزری کہ وہ بھی رحلت فرما گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہی اختلاف تھا۔ جو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت ابوذر غفاری کے اسلام قبول کرنے اور مکہ سے آنے کی داستان بھی بڑی عجیب سی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ آسمان نے کبھی ایسے شخص پر سایہ نہ کیا جو ابوذر غفاری سے زیادہ سچا اور راست گو ہو اور زمین نے ایسا کوئی بوجھ کبھی نہ اٹھایا تھا۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ عبادت میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ برابری رکھنے والے تھے۔ اور ایک حدیث پاک میں یوں مذکور ہے کہ اگر کوئی عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھنا پسند کرتا ہے تو اس کو ابوذر غفاری کی طرف نظر ڈالنی چاہیے۔ اور دیگر ایک حدیث میں اس طرح مذکور ہے کہ جس آدمی کی خواہش ہے کہ وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نیکی سے اور زہد و ریاضت اور عبادت میں زیادہ مشابہت رکھنے والے لوگوں کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ ابوذر غفاری کو دیکھ لے ایک جگہ پر نیکی اور راست گفتاری مذکور ہوئی ہے اور دیگر ایک روایت میں سیرت اور ولادت روایت ہوئے ہیں

ابن عبدالبر نے استعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو ان کی ماں اور ان کی بیوی دونوں ان کے لئے رونے لگیں۔ حضرت ابوذر فرمانے لگے کس چیز کے باعث روئی ہو تو انہوں نے کہا کہ

تم پر کیسے نہ روئیں تم ایک بیابان اور ویران زمین پر پڑے ہوئے ہو۔ اور آپ کو کفن دینے کے لئے بھی ہم کپڑا نہیں رکھتے ہیں۔ ابوذر نے کہا کہ تمہیں خوشی کی خبر دیتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میں نے سنی تھی۔ کہ آنحضرت نے ایک جماعت کو فرمایا تھا اور اس جماعت میں میں بھی شامل تھا کہ تم میں سے ایک آدمی کا وصل بیابان میں ہو گا وہاں ایک جماعت اہل اسلام کے پہنچ جائے گی۔ پس اس جماعت میں سے بیاباں میں فوت ہونے والا کوئی بھی نہیں ہوا وہ تمام اپنی اپنی قوم میں رحلت پذیر ہو چکے ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کی قسم وہ آدمی اب میں ہوں۔ جس کے لئے آنحضرت کا وہ ارشاد گرامی تھا۔ پھر ان کو فرمایا کہ جاکر راستہ پر دیکھو کہ کوئی جماعت آتی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی بیوی کہنے لگی کہ یہ وقت کسی جماعت کے آنے کا نہیں ہے کیونکہ حاجی لوگ بھی اب جا چکے ہوئے ہیں اور راستہ بند ہو چکا ہوا ہے۔ ابوذر کہنے لگے کہ نہیں تم جاؤ اور اچھی طرح غور سے دیکھو۔ ان کی بیوی کہتی ہے کہ ہم نے جاکر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر نظر ڈالی تو ناگاہ اس طرف آتی ہوئی جماعت نظر آئی انہوں کیکر کے درخت کی لکڑیوں پر چادر پھیلائے ہوئے تھی۔ وہ ان کے پاس جا پہنچی وہ مجھے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تو کون ہے اور تمہارا حال کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک مسلمان آدمی پر نزع کا عالم ہے اور اس کی تکفین کے لئے کفن کی ضرورت ہے انہوں نے دریافت کیا کہ کون ہے وہ؟ میں نے کہا کہ وہ ابوذر غفاری ہے۔ وہ کہنے لگے کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابی جو ہیں؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر پہلے تو انہوں نے اپنی ماؤں اور والدوں کی تعزیت کی اور پھر ابوذر غفاری کے پاس آگئے۔ ابوذر غفاری نے کہا تم کو ایک خوشی کی خبر میں دیتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میں نے سنی تھی ایک جماعت کو جس میں میں بھی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے ایک شخص بیابان زمین پر رحلت کرے گا۔ اس کے پاس ایک جماعت مسلمانوں کی پہنچ گئی۔ اس جماعت میں سے ہر آدمی اپنی قوم میں فوت ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی قسم میں یہ جھوٹ نہیں کہتا ہوں۔ پھر فرمایا اگر میرے پاس یا میری بیوی کے پاس کوئی کپڑا اس قدر موجود ہوتا جو کفن کے لئے کافی ہوتا۔ تو اس میں ہی میری تکفین ہو جاتی اور تم کو میں قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے جو امیر ہے یا عریف ہے یا قاصد یا نقیب ہے وہ مجھے کفن نہ دے۔ لیکن اس جماعت میں اس طرح کا کوئی شخص نہ تھا جو ان میں سے کسی ایک صفت کا بھی حامل ہوتا۔ پس ایک انصاری جوان نے کہا۔ اے چچا یہ جو چادر میں رکھتا ہوں میں آپ کو اس کا کفن دوں گا۔ اور یہ چادر میرے پاس میری جامہ دان میں رکھی ہوئی ہے۔ میری باندی نے اس کات کر بنا تھا۔ ابوذر نے کہا کہ اس کا تم مجھ کو کفن دے دینا۔ پس اسی چادر میں اس انصاری جوان نے ان کی تکفین کی۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے ——— پھر انہوں نے ان کی تدفین کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **وغفر لنا ببركتهم و ببركة عباده الصالحين آمين آمين۔ آمين۔**

علاوہ ازیں صاحب استیعاب نے بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ کس طرح کے آدمی تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ وہ ایسے آدمی تھے کہ ہر اس چیز کا علم وہ یاد رکھتے تھے۔ جس پر لوگ عاجز ہو جاتے تھے اور وہ جب تک حیات رہے انہوں نے ان کے اسرار

کو نہ کھولا تھا نہ ہی کوئی چیز ان سے آشکارہ کی تھی۔

حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خادم تھے جن کا نام مہاجر رضی اللہ عنہ تھا یہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ صحابہ میں متعدد اشخاص مہاجر نامی ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مہاجرین حبیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن سے دریائے سمد کے متعلق ایک حدیث شریف روایت کی گئی ہے۔ دوسرے اس نام کے مہاجرین قسفذر رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار میں جب حاضر ہوئے تھے تو آنحضرت نے ان کے حق میں ارشاد فرمایا تھا۔ **هو المهاجر حق** یہ سن کر لوگوں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ کا مقصد اس کا بیان کرنا ہے۔

تیسرے شخص اس نام کے جو ہوئے ہیں وہ ہیں حضرت مہاجر مکی رضی اللہ عنہ۔ ان سے مشکوۃ شریف میں ایک حدیث شریف روایت کی گئی ہے لیکن ان کتب میں مجھے ان کا تذکرہ نہیں ملا ہے اور چوتھے اس نام کے ہیں حضرت مہاجر مولیٰ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سرانجام دیا کرتا تھا۔ یہ اہل مصر میں شمار کئے جاتے ہیں اور مولف کتاب استیعاب نے کہا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ شخص وہ ہی ہیں۔ جنہوں نے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین شریفین میں دو عدد تسمے تھے۔ یا وہ مہاجرین زیادہ حارثی رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت ربیع بن زیاد کے برابر ہیں اور ایک اور بھی مہاجر نامی ہیں۔ جن کے متعلق ذکر کیا گیا ہے مہاجر **رجل من الصحابه** اور روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے مبارک کے دو تسمے تھے اور ایک مہاجرین مسعود بھی ہیں۔ ان کے بارے میں اصحابہ بھی مذکور ہے کہ ان کو صحابہ میں شمار کرنا صرف وہم کی بنا پر ہے۔

حضرت حنین رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خادم حضرت حنین رضی اللہ عنہ ہیں یہ عبداللہ کے والد ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو بخش دیئے تھے۔

"کاشف" میں یوں کہا گیا ہے کہ حنین حضرت ابن عباس کے مولیٰ ہیں۔ لیکن اس کے حاشیہ میں "تہذیب" سے منقول ہے کہ حضرت حنین حضرت عبداللہ بن حنین کے باپ ہیں۔ اس کو ہاشمی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نسائی میں ان سے جوتیوں کی ممانعت کے سلسلہ میں ایک حدیث روایت ہوئی ہے ان کے فرزند عبداللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ عبداللہ بن حنین علی سے محفوظ ہیں۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ:۔ حضرت نعیم بن ابی ربیعہ یا نعیم بن ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خادم تھے ان کو ابن مندہ نے صحابہ میں بیان کیا ہے ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق سے اور

انہوں نے محمد بن عطا سے اور انہوں نے نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ان کی حدیث کی روایت کی ہے کہ نعیم بن ربیعہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔

حضرت ابو الحمراء:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک اور غلام تھے اور ان کا نام ہے ابو الحمرا اور یہ آنحضرت کے غلام تھے اور خادم بھی۔ ان کا نام ہلال بن حارث تھا لیکن مشہور یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہوئے ہیں۔ انہوں نے حمص میں آ کر سکونت اختیار کی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کا نام بن ظفر تھا۔ اس کو ابن عیسیٰ تاریخ حمص میں نقل کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جایا کرتے تھے۔ تو فرماتے تھے۔ **السلام علیکم اھل البیت انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیر**۔ استیعاب میں مذکور ہے اور اصابہ میں بھی بخاری سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کی صحبت ثابت شدہ چیز ہے لیکن ان کی روایت کردہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابو السمح رضی اللہ عنہ:۔ ابو السمح رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے خادم تھے ان کا نام ایاد تھا۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اور خدمتگذار تھے۔ محل بن خلیفہ ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور حدیث ابوداؤد' ابن ماجہ اور نسائی نے درج کی ہے۔

اصابہ میں ہے کہ اہل سیر نے ان کا نام ایاد بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے ابوزرعہ نے کہا ہے مجھے ان کی پہچان نہیں ہے اور نہ ہی ان کے نام سے واقف ہوں ہاں ان کی حدیث کا پتہ چلا ہے۔ وہ حدیث ابن خزیمہ' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور بغوی بطریق یحییٰ ابن ولید بیان کرتے ہیں اور اس طرح سے کہ ہم سے محل بن خلیفہ نے حدیث بیان کی اور انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بجالایا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت نہانے کا ارادہ کرتے تھے۔ تو مجھ سے اپنی پشت مبارک ملوایا کرتے تھے۔

بزاز کہتے ہیں کہ اس سند کے سوا میں ابو السمح کی یہ حدیث نہیں جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ شہادت سے سرفراز ہوئے تھے اور معلوم نہیں ہوا کہ ہوا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام میں سے یہ تیرہ صحابہ کرام ہیں جو مواہب الدینہ میں مذکور ہوئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمائیں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عورتیں بھی بجالائی تھیں ان میں سے ایک نام ہے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا:۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا حبشی تھیں۔ ان کا نام برکت تھا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ

عنہ کی یہ ماں تھیں۔ اعمام اور عمات کے باب کے آخر میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں پر دہرانے کی ضرورت نہیں ہے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا اور حسین تھے۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا:۔ خولہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت کی خادمہ ہیں۔ یہ حفص کی دادی ہیں صرف اسی قدر ہی روضۃ الاحباب میں اور مواہب الدینہ میں مذکور ہوا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا۔ پس میں نے ان کے نام اور دیگر حالات تلاش کئے اور بڑی جستجو کی تو پتہ چلا کہ یہ نام متعدد ہیں حتی کہ شیخ حافظ بن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ دیکھی تو وہاں پر تمیں افراد اس نام کے مذکور دیکھے۔ اور انہوں نے ان میں تغائر و اتحاد میں کافی بحث کی ہے لیکن کسی ایک کے بارے میں بھی نہ پایا کہ وہ حفص کی دادی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خادمہ خولہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے۔

شیخ لکھتے ہیں کہ ابو عمرو نے کہا کہ ان سے حفص بن سعد نے اپنے باپ کے ذریعے خولہ رضی اللہ عنہا سے والضحیٰ کی تفسیر میں روایت کی ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ اس حدیث کی سند حجت لانے کے قابل نہیں ہے اس کے بعد شیخ نے یہ حدیث بیان کی ہے اور وہاں کہا ہے کہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور طبرانی بطریق ابو نعیم حفص سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ اپنی والدہ سے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزار تھیں تخریج کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ کتے کا ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر مبارک میں آگھسا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چارپائی کے نیچے آگیا۔ صبح ہوئی تو آنحضرت بڑے غمگین تھے میں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ آج رات جبرئیل علیہ السلام نہیں آئے ہیں۔ اور مجھ کو اس کی وجہ کا پتہ نہیں ہے پھر آپ اپنی چادر مبارک اپنے اوپر لے کر گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اور مجھے فرما گئے کہ جھاڑو کے ساتھ گھر کی صفائی کر۔ پس میں نے جھاڑو لیا اور گھر کو صاف کرنے لگی۔ ناگاہ کیا دیکھتی ہوں کہ کتے کا ایک بچہ آنحضرت کی چارپائی مبارک کے نیچے مرا ہوا پڑا ہے اسے میں نے نکالا اور پھینک دیا۔

ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں آئے تو اس وقت آپ کی ریش مبارک لرزتی تھی۔ آپ اندر تشریف لائے تو آثار وحی کا ظہور ہوا اور آنحضرت کانپنے لگ گئے۔ پس آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ خولہ مجھ کو اکیلا چھوڑ دو مراد یہ کہ گھر سے باہر جاؤ۔ پس سورۃ والضحیٰ والیل آخر تک کا اس وقت نزول ہوا۔ انتہیٰ۔

راقم الحروف۔ عفا اللہ عنہ (مولف مدارج النبوت) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی طرف ایک حدیث مشکوۃ میں روایت ہوئی ہے۔ وہ حضرت ابن عباس، سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور مسلم میں ان الفاظ سے مروی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک مرتبہ بڑے رنج اور غم کے ساتھ صبح کی اور آپ نے فرمایا کہ آج رات جبرئیل نے میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ نہیں آئے ہیں اور تم کو خبر ہونی چاہیے کہ خدا کی قسم جبرئیل نے میرے ساتھ کبھی وعدہ خلافی نہیں کی یعنی بغیر کسی عذر یا وجہ کے وہ عذر کیا ہو گا۔ جو کہ وہ آئے نہیں ہیں۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خود ہی القاء ہوا کہ آپ کے خیمہ میں کتے کا بچہ مرا ہوا پڑا ہے آپ نے حکم فرمایا کہ اسے خیمہ سے نکالو اور

باہر پھینکو۔ پس آنحضرت نے اپنے ہاتھ مبارک میں پانی لے کر اس جگہ پر چھڑک دیا۔ اس کے بعد رات ہوئی تو جبریل علیہ السلام ملے۔ آنحضرت نے پوچھا۔ اے جبریل کل رات میرے پاس آنے کا تم نے وعدہ کیا تھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا بلاشبہ میں نے وعدہ کیا تھا لیکن اس گھر میں ہم نہیں داخل ہوا کرتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا کہ چھوٹے باغات کے کتوں کو مار دیں اور بڑے باغات کے کتے چھوڑ دیں کیونکہ وہ ان کی رکھوالی کرتے ہیں۔ شکار کے لئے اور حویلی کی حفاظت کے لئے اور کھیت اور باغات کی رکھوالی کے واسطے کتا رکھ لینا جائز ہے۔ (رواہ مسلم)۔

حضرت ام رافع رضی اللہ عنہا:۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خادمہ تھی۔ یہ ام رافع تھیں جو کہ ابو رافع جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی غلام تھے ان کی بیوی تھیں اور صحابیہ تھیں اور آنحضرت کی باندی تھیں۔ اور خدمتگذار تھیں۔

"اسد الغابہ" میں یوں لکھا ہے کہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی باندی تھیں اور ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ اہل سیر نے انہیں آنحضرت کی خدمت بتایا ہے اور کہ بی بی فاطمہ کی دایہ اور ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بھی دایہ تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر کے ساتھ انہوں نے ہی غسل دیا تھا۔ رضی اللہ عنہما یہ غزوہ خیبر میں بھی شامل تھیں۔ ان کے حفید عبداللہ بن علی نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ عزبت امراۃ فی بوۃ۔

جناب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابو رافع کی بیوی آئی اور ابو رافع کے بارے میں شکایت پیش کی کہ وہ اس کو مارتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو رافع سے کہا۔ اے ابو رافع اس سے کس طرح کا سلوک روا رکھتے ہو اور اس کو تم مارتے کس وجہ سے ہو تو ابو رافع نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ مجھ کو تنگ کرتی ہے۔ پھر آنحضرت نے پوچھا اے سلمیٰ! اس کو تو ایذاء کیوں دیتی ہے؟ ——— اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو ایذاء نہیں دیتی ہوں۔ انہوں نے نماز کے دوران حدث کیا تھا اور بے وضو ہو گئے تو میں نے ان سے کہا۔ اے ابو رافع! اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ جس وقت ان کے جسم سے ہوا وغیرہ خارج ہو تو وضو کریں۔ پس یہ کھڑے ہو گئے اور مجھے مارنا شروع کر دیا۔ یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور فرمایا۔ اے ابو رافع! سلمیٰ نے تجھ سے خیر خواہی اور بھلے کی بات کی۔ تم اسے مت مارو۔

کچھ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے پہلے وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی غلامی میں تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ان کو آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ ابو رافع نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے کی خبر جب آنحضرت کو سنائی تھی تو اس خوشی میں آنحضرت نے ان کو آزاد کر دیا۔ ثابت بن یزید ان کا نام تھا۔ لیکن ان کی کنیت

نام پر غالب آگئی تھی۔ یہ غزوہ احد اور خندق دونوں میں شامل تھے بعض نے یوں بھی کہا کہ غزوہ بدر سے پہلے کے ابو رافع مسلمان ہیں۔ لیکن بدر میں شامل نہ ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی کے ساتھ کر دیا تھا۔ جس سے رافع رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تھے۔

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا:۔ حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باندی تھیں اور آپ کی خادمہ تھیں۔ ان سے حدیث مروی ہے اور ایک بڑی جماعت نے ان سے حدیث کو اخذ کیا۔ اہل شام کے لئے اور بیت المقدس کے فضائل اور سخن چینی اور پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہ کرنے پر قبر کے عذاب ہونے اور لباس وغیرہ کے متعلق ان سے حدیث آئی ہے۔

حضرت ام عیاش رضی اللہ عنہا:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دختر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو یہ ام عیاش رضی اللہ عنہا وضو کرایا کرتی تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میں نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح نہیں کیا مگر یہ کہ آسمانی وحی کے ذریعے کیا ہے۔

یہ ان مردوں اور عورتوں کے نام ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت گزاری کیا کرتے تھے یہ مواہب الدنیہ میں بیان کئے گئے ہیں اور مولف روضۃ الاحباب میں کہتے ہیں کہ میری نظر سے اہل سیر کی کتب میں اکیس مرد اور گیارہ عورتوں کے نام گذرے ہیں جو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خدام میں سے ہیں۔ ہم یہاں اب وہ بھی ذکر کرتے ہیں جو ان میں سے ابھی باقی رہ گئے ہیں۔ جہاں تک ان کے احوال ہمیں میسر آئے ہیں وہ بھی ہم یہاں بیان کر دیتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ:۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی ہیں اور آپ کے خادم ہیں۔ یہ اذان دیا کرتے تھے۔ یہ بہت سے فضائل و مناقب رکھتے ہیں۔ صرف یہ روایات ہی ان کی منقبت کے بارے میں بیان کر دیں تو کافی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **السباق اربعة۔ انا سابق العرب و بلال سابق الحبشة** الحدیث اور جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ **ابوبکر سیدنا۔ اعتق السیدنا یعنی بلالا** (راوی بخاری)۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ۲۰ھ میں وصال ہوا۔ اور ایک قول میں ہے کہ ۱۸ھ میں رحلت ہوئی ساٹھ سال سے کچھ زیادہ ان کی عمر تھی۔ دیگر ایک روایت میں ان کی عمر ستر سال بھی بتائی گئی ہے۔ ان کے سپرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نفقات کی خدمت تھی ان کے بارے میں موذنوں کے بیان میں بھی ذکر کیا جائے گا۔

ذومخمر رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت کے ایک صحابی خادم کا نام ذومخمر ہے۔ اور جو نام ذومخمر یعنی باء کے

ساتھ آیا ہے وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے بھانجے کا نام ہے۔ اسی طرح روضتہ الاحباب میں مذکور ہوا ہے۔ جبکہ استیعاب کے مولف نے ذومخمر نام بتایا ہے۔ لیکن ان کو ذومخمر ہی کہتے تھے۔ نیز کہا کہ اوزاعی نے ان کے نام کے بارے میں انکار کیا ہے لیکن ذو مخمر میم سے ہے۔ اس کے سوا نہیں ہے اور کہا کہ یہ نجاشی کا بھتیجا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کثیر احادیث ان سے مروی ہیں اور شام کے لوگوں نے ان سے اخذ کی ہیں اور ان کا شمار ان میں ہی کیا گیا ہے۔ انتھیٰ صاحب قاموس نے بھی ان کو نجاشی کا برادر زادہ بتایا ہے اور اسی طرح کاشف میں کہا گیا ہے اور کہا ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ شام چلے گئے تھے۔ اور وہاں ان کا وصال ہو گیا تھا۔

حضرت جبیر بن نفیر اور خالد بن معدان وغیرہ بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے اور جامع الاصول میں بھی کہا گیا ہے۔ کہ ذو مخمر نجاشی کے بھائی کے بیٹے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خدمت گزار تھے ایک قول میں بجائے خاء کے میم کے ساتھ ذو مخبر آیا ہے۔ اور ان کو اہل شام میں شمار کیا گیا ہے ان کی احادیث بھی ان میں ہی ہیں۔ مذکورہ بالا سارے بیان کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ روضتہ الاحباب میں ان کو نجاشی کے خواہرزادہ یعنی بھانجا سہوا" کہا گیا ہے۔

حضرت بکیر بن شداخ لیثی رضی اللہ عنہ:۔ حضرت بکیر بن شداخ بھی آنحضرت کے ایک صحابی خادم ہیں۔ روضتہ الاحباب میں اس طرح بیان کیا گیا ہے اور اصابہ میں بھی بکیر بن شداخ کہا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام صحابہ میں سے تھے ان کے بارے میں ایک قصہ اشعث انصاری رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ابوبکر ہذلی کے طریق سے عبدالملک یعلی لیثی سے بیان کیا گیا ہے کہ اس نے یعنی بکیر بن شداخ نے ایک یہودی کو قتل کر دیا جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے اور فرمایا کہ تم کو خدا تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں مجھے اس شخص کی جستجو ہے جو یہ تمام واقعہ علم میں رکھتا ہو تاکہ وہ مجھ کو مکمل واقعہ کے متعلق خبردار کرے۔ پس حضرت بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے کہ مجھے اس بات سے زیادہ خبر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ اکبر۔

حضرت بکیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ فلاں آدمی جو کہ غزوہ میں شامل تھا۔ اس نے باہر آکر مجھ کو اپنی اہل کا وکیل بنایا۔ پس میں اس کے پاس گیا تو اس یہودی کو میں نے وہاں موجود پایا۔ وہ کہتا تھا۔

۔ واشعت عزة الاسلام حتی خلوت بفرسه لیلته الفحام

پس میں نے اس کو قتل کر دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے اس قول کی تصدیق فرمائی۔ اور اس کے قصاص کو باطل قرار دے دیا۔ یہی اشعث رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد میں معروف تھے۔ ان کا ایک بھائی تھا جس کی بیوی نے اس بھائی کو کہا کہ کیا تجھے پسند ہے کہ تمہارے بھائی کی بیوی کے ساتھ کوئی دیگر آدمی ہو یا وہ اس کے بستر پر لیٹے۔ اور یہ اشعار پڑھے۔ اس پر اس کو قتل کر دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے شعروں میں اس کے ساتھ ہونے کو تسلیم کیا ہو اور اس پر زنا ثابت ہو جاتا ہو (واللہ اعلم)۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ:۔ حضرت رضی اللہ عنہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں اور اس

نام کے بہت سے آدمی صحابہ میں ہوئے ہیں۔ جن سے ان کے دیکھنے سے ان کی روایت ثابت ہوتی ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن کی صحابیت میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کے ساتھ کسی کو منسوب نہیں کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت اسعد بن مالک اسدی رضی اللہ عنہ:۔ حضرت اسعد بن مالک اسدی رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خادم ہیں صحابہ کرام میں اسعد نامی اشخاص بھی بہت سے ہوئے ہیں لیکن کسی کو اس عنوان کے ساتھ کتب میں معنون نہیں پایا۔ (واللہ اعلم)۔

حضرت ثعلبہ بن عبدالرحمٰن انصاری رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت کے ایک خادم حضرت ثعلبہ بن عبدالرحمٰن انصاری رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ یہ بھی کتب میں اس نسبت سے منسوب نہیں پائے گئے۔ سوائے اس کے کہ استیعاب میں حضرت عبدالرحمٰن بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ سے قطع سرقہ کے متعلق حدیث ذکر کی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت جذر بن مالک رضی اللہ عنہ:۔ حضرت جذر بن مالک رضی اللہ عنہ بھی آنحضور کے ایک خادم ہیں۔ یہ یمامہ کے جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ:۔ سالم نام کے لوگ بھی صحابہ کرام میں متعدد ہوئے ہیں۔ ایک سالم وہ ہیں جو مولائے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ یہ فضلائے موالا میں سے تھے اور اخیار و اکابر صحابہ سے ہیں فارس کے اسطخر سے ان کی اصل ہے۔ یہ قاریوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور یہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ قرآن ابن ام عبد اور ابن کعب اور سالم مولائے ابو حذیفہ سے حاصل کرو۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سیکھو یہ مہاجرین اولین کے امام تھے۔ جبکہ ان میں حضرت عمر بن خطاب اور ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ میں یہ شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔

دیگر ایک سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ یہ اہل صفہ سے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ ابھی یہ نوجوان تھے اور لمبے بال رکھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے واسطے دعا فرمائی تھی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء سے پسماندہ پانی کے ساتھ طہارت کی تھی۔

علاوہ ازیں دیگر ایک سالم بھی ہیں۔ وہ بھی صحابی ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچھنے لگاتے تھے۔ اور

یہ سینگی کے خون کو خود پی لیتے تھے۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم کو علم نہیں ہے کہ خون تمام حرام ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور سالم بھی ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں اور ان کے علاوہ بھی متعدد سالم جو مولائے رسول تھے آپ کے غلام تھے۔ ان حضرات پر حیرانی ہے۔ کہ یہ اسماء موجود ہوتے ہوئے انہوں نے ایسی کوئی نشانی بیان نہیں کی ہے جس سے پہچان اور تفریق کی جاسکے۔ تاکہ علم کے طالبوں کو ان کی جستجو میں چنداں آسانی ہو جاتی۔ بالخصوص جبکہ اسماء میں بڑی زیادہ حد تک اشترک ہے۔

حضرت سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ:۔ ابن عبد البر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خادم ہیں ان سے ایک حدیث کی روایت کی گئی ہے۔ ان کی صحابیت میں علماء نے اختلاف بھی کیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت سابق کا صحابہ میں سے ہونا صحت کو نہیں پہنچ سکا۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہ:۔ اسماء میں سلمیٰ نام نہیں پایا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نام سلمہ ہو اور اور صحابہ میں سلمہ نام کے کئی اشخاص ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو سلام رضی اللہ عنہ:۔ کاشف میں ہے کہ ابو سلام رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلام اور خادم تھے۔ ان سے ابن ماجیہ تہذیب میں روایت بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو صحابہ میں خلیفہ نے بیان کیا ہے اور ابن ماجہ بھی بروایت سابق ابو سلام رضی اللہ عنہ خادم النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم روایت کرتے ہیں اور اس کے بعد ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور ابو داؤد کے نزدیک ذکر میں آیا ہے کہ سابق نے ناجیہ سے اور رر وہ ابو سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک حدیث روایت کی ہے کہ وہ دمشق کی مسجد میں تھے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خادم ہیں۔

استیعاب میں نقل کیا گیا ہے کہ ابو سلام ہاشمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں۔ خلیفہ ان کو صحابہ میں موالی بنی ہاشم بن عبد المناف میں ذکر کرتے ہیں اور ابو عقیل نے سابق بن ناجیہ سے اور انہوں نے ابو سلام رضی اللہ عنہ سے جو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہوں نے رسول اللہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ کوئی بندہ اس طرح کا نہیں ہے جو یہ تین بار پڑھ لے۔ **رضیت باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا** مگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذمہ اس کے کرم پر ہے کہ اس کو قیامت کے دن وہ راضی فرمائے علاوہ ازیں ابن عبد البر فرماتے ہیں۔ جو ابو سلامہ کہتا ہے وہ خطا کا مرتکب ہے۔ انتہیٰ۔ اور روضۃ الاحباب میں ابو سلام کو سالم کہا گیا ہے۔ ان کا کہیں تذکرہ ہم نہیں پاتے ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام اور خادم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ

بھی ہیں۔ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر انہوں نے کھانا پکایا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو بازو کا گوشت دے دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازو کا گوشت بہت پسند فرماتے تھے۔ (الحدیث)

تو اس حدیث کو شہر بن حوشب سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو عبیدہ سے جس طرح کہ ابن عبدالبراستیعاب میں بیان کرتے ہیں اور فرمایا کہ مجھے ابو عبیدہ کے نام سے واقفیت نہیں ہے۔ (انتہیٰ)

ترمذی بھی شمائل النبوت میں روایت کرتے ہیں۔ (حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابانا بن یزید عن حوشب عن ابی عبیدۃ قال طبخت للنبیی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدراو وکان یعجبہ الزراع سنر مشکوۃ میں مسند امام احمد سے ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ ابو عبیدہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابہ میں سے ایک ہیں جن کے ناموں کا پتہ نہیں چل سکا اور ترمذی ان سے شمائل میں اور داری بروایت شہر بن حوشب روایت کرتے ہیں اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں سوائے شہر بن حوشب کے اور بغوی کہتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہوئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ عباس نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ ابو عبیدہ جن سے کہ شہر نے روایت کیا ہے۔ انتہیٰ۔

یہ عبارت جو کہ اکابرین کی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ ان کے حال میں یک گونہ اخفا پایا جاتا ہے ان کا نام کسی کو معلوم نہیں ان کے برعکس ابو رافع رضی اللہ عنہ مشہور و معروف ہیں۔ (واللہ اعلم)

ہند رضی اللہ عنہ اور اسماء رضی اللہ عنہ:۔ حضرت ہند اور اسماء رضی اللہ عنہما حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ اور یہ تمام بیعت رضوان میں شامل تھے۔ ہند' اسماء' خراش' ذویب' فضالہ' سلمہ' مالک اور عمران یہ تمام بھائی ہیں ان میں سے کوئی بھی کسی غزوہ میں شامل نہیں ہو۔ اسی طرح بغوی کہتے ہیں اور مقرن کی اولاد ان پر معترض بھی ہوئی ہے۔ (کذافی الاصابہ) ان سب برادران میں سے ہند اور اسماء رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے۔ یہ ہند باپ ہیں یحییٰ بن ہند کے۔ جن سے کہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن حرملہ۔ کاشف میں بیان ہوا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ تابعی کوفی ہیں جنہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان سے قاسم بن حسان نے روایت کیا ہے اور ان سے ابوداؤد نے اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور بخاری کہتے ہیں کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جو حدیث عبدالرحمٰن بن حرملہ نے یحییٰ بن ہند سے اصابہ میں روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ نقل میں آیا ہے کہ اسلم کی ایک جماعت پر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ہوا وہ جماعت تیراندازی میں مشغول تھی۔ آپ نے ان کو کہا۔ اے اسماعیل کے بیٹو! تم تیراندازی کرو۔ کیونکہ تمہارے جد امجد حضرت اسماعیل بھی تیراندازی کیا کرتے تھے' الحدیث۔ یہ مکمل حدیث مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مشکوۃ میں مذکور ہے اور بخاری میں کتاب الجہاد کے اندر جہاد کے ساز و سامان کے بیان میں ہے۔

ایک انصاری جوان خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔ انصار میں سے ایک جوان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہوئے ہیں ان کی عمر حضرت انس حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کے لگ بھگ تھے اس جوان کا نام تلاش کرنا اشکال کے بغیر نہیں ہے۔ ان کا نام ہی ذکر نہیں کیا گیا تو اسماء الرجال کیسے جستجو کی جائے۔ جامع الاصول میں نام بیان کئے گئے ہیں جن میں ابہام ہے۔ لیکن ان کا نام وہاں بھی نہ ملا۔ ہو سکتا ہے کہ اس ابہام کے ساتھ ہی کسی حدیث میں ان کا نام متعین شدہ مل جائے۔ (واللہ اعلم)۔

جہاں تک آنحضرت کی خدمت کرنے والی عورتوں کی بات ہے وہ گیارہ نقل کی گئی ہے۔ ان میں سے پانچ کے نام مواہب الدینہ میں مذکور ہیں۔ جو پہلے بیان کردیئے گئے ہیں اور باقی کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت امتہ رضی اللہ عنہا بنت رزینہ ہیں۔ دوسری خادمہ کا نام صفیہ رضی اللہ عنہا ہے ان سے کسوف میں امتہ اللہ بنت زرینہ نے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں آنحضرت کی خدمتگذار ہیں۔ اور تیسری خادمہ کا نام خضرہ رضی اللہ عنہا ہے۔ سلمٰی ام رافع سے روایت کیا ہے کہ میں اور خضرہ دونوں ہی آنحضرت کے کاشانہ اقدس میں خادمہ تھیں۔

چوتھی خادمہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان تمام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد فرمادیا تھا۔ پانچویں خادمہ کا نام زربیہ ام جبتہ رضی اللہ عنہا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ زربیہ مذکورہ بالا امتہ اللہ کی والدہ تھیں۔ (واللہ اعلم) چھٹی خادمہ کا نام ماریہ ام الرباب ہے۔ ام الرباب ان کی کنیت ہے اور بصرہ کے علماء نے ان سے حدیث بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنے سر کو جھکایا۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیوار کو پھلانگ کر باہر نکل جائیں۔ جس رات کو مشرکین سے چھپ کر آنحضرت جارہے تھے اور پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ شب ہجرت کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی دیوار میں موجود کھڑکی میں سے آپ باہر تشریف لے گئے تھے۔ یہ واقعہ وہاں کا ہی بیان کیا گیا ہوگا اور یہ کسی اور مقام کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ساتویں خادمہ کا نام ماریہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہ مثنیٰ بن صالح کی دادی ہیں۔ یہ مثنیٰ بن صالح بن مہران کی دادی تھیں جو کہ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اہل کوفہ ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو ابوبکر بن عباس مثنیٰ بن صالح سے اور وہ اپنی دادی ماریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی کے ساتھ مصافحہ کیا اور کسی شخص کی ہتھیلی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہتھیلی پاک سے نرم تر نہیں دیکھی ہے اور آٹھویں خادمہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ تھیں یہاں ان کو شمار کرلینا ممکن تھا۔ لیکن استیعاب میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی باندی بیان کیا گیا ہے۔ خادمہ نہیں کہا گیا۔ اس سے پہلے سراری رسول کے بیان میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ بلکہ ان کا ذکر اس سے بھی پہلے ہوا ہے جبکہ امراء اور بادشاہوں کے نام مکتوبات ارسال کرنے کا بیان ہے۔

استیعاب میں اس مقام پر ایک نادر قسم کی حکایت درج کی گئی ہے میں وہ حکایت یہاں بیان کرتا ہوں صاحب استیعاب نے حضرت ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ابراہیم ولد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو متہم کرتا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ جاکر اس کی گردن قلم کردو۔ پس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے۔ تو دیکھا کہ وہ ایک کنویں کے اندر اتر چکا ہے اور غسل کر لینے کے بعد اپنا جسم ٹھنڈا کر رہا ہے۔ حضرت علی نے اسے کہا کہ باہر نکلو اور میرے پاس آؤ۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ پکڑایا تو وہ کنویں سے باہر نکل آیا۔ اور ناگاہ دیکھا کہ وہ تو خصی شدہ ہے۔ وہ جماع کا آلہ ہی نہیں رکھتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل سے ہاتھ کھینچ لیا اور بارگاہ نبوت میں آئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ انہ محبوب مطلب یہ کہ وہ تو نامرد ہے۔

ابو عمرو کہتے ہیں جو شخص متہم ہوا تھا یہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد تھا اس کو مقوقس شاہ مصر نے سیدہ ماریہ قبطیہ کے ساتھ ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ انتہیٰ 'مقوقس نے جو تحائف بھیجے تھے ان کے ساتھ اس کا ذکر بھی سابقاً"گزر چکا ہے کہ اس نے اپنے ہدایہ کے ساتھ ایک خواجہ سرا بھیجا۔

اہل سیر نے یہ مرد اور عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت سے مشرف تحریر کئے ہیں ورنہ یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام تمام ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خدام تھے۔ مجلس رسالت پناہ میں حاضر باش تھے اور جس سے بھی آنحضرت کا دل چاہتا خدمت کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ ہاں کچھ وہ لوگ تھے جو خدمت کے واسطے مقرر شدہ تھے۔ ان کے ذمہ خدمات بھی متعین تھیں۔

مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب' زبیر بن العوام' محمد بن مسلمہ اور چند دوسرے صاحبان ایسے تھے۔ جنہیں کفار کی گردنیں قلم کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ نفقات حضرت بلال رضی اللہ عنہ عنہ کے سپرد تھے۔ اور آنحضرت کی انگوٹھی مبارک یعنی آنجناب کی مہر مبارک کی حفاظت معیقب کے ذمہ تھی اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بطور پاسبان عمدہ کوتوال پر فائز تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

××

باب پنجم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی

مولیٰ سے جمع کا صیغہ موالی ہے۔ اور مولیٰ کے متعدد معانی ہیں یعنی محب' دوست' مددگار' مالک' غلام' معتق اور قریب اور ابن عم وغیرہ۔ اور ہم قسم ہمسایہ' ابن عم' دامن' شریک' ابن اخت' اب ناصر' منعم علیہ' تابع اور صہر یہ سب مولیٰ کے معانی میں ہیں۔ (کذا فی القاموس)

یہاں پر تو ظاہر ہے کہ متعلق کے معنی ہوں گے یعنی آزاد کر دیا ہوا غلام۔ جس طرح کہ ہم کو ان کے احوال سے معلوم ہو جائے گا۔ ان موالی کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بن شراحیل بن کعب کلبی۔ ان کا نسب عمرو بن سبا بن نحشب بن یعوب بن قحطان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد (ابو اسامہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابی ہیں اور سابقین اولین سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام سعدی بنت شعلبہ تھیں۔ یہ معن بن طے قبیلہ سے متعلق تھیں۔ نقل کیا گیا ہے کہ ایک روز ان کی ماں اپنی قوم کو ملنے کے لئے روانہ ہوئیں۔ زمانہ جاہلیت میں بنی المعن بن جریر نے کسی قوم کو لوٹ لیا تھا۔ بعد ازاں وہی گروہ بنی معن کی اس بستی پر سے گزرا۔ جس قوم میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ماں تھی۔ وہ گروہ حضرت زید کو اٹھا کر لے گیا۔ اس وقت اس کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی۔ وہ ان کو عکاظ کے بازار میں لے آئے۔ ان کے گرد و نواح میں یہ وہ بازار تھا جس میں غلام خرید لے اور بیچے جاتے تھے یہاں سے حضرت حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ عنہ نے اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بن خویلد کے واسطے ان کو بعوض چار سو درہم خرید ا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شادی ہو گئی۔ تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کو زید ہبہ کر دیا۔

جس وقت زید کے بارے میں ان کی قوم کو معلوم ہوا۔ تو ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا دونوں آنحضرت کی خدمت میں پیش ہوئے یہ اپنے ساتھ فدیہ بھی لائے تھے۔ تاکہ زید کو غلامی سے آزاد کرالیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زید کو اختیار دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم میں جانا پسند کریں۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنے کو قوم پر ترجیح دے لیں۔ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحمت و شفقت اور آپ کے احسان و مہربانیوں سے خوب واقف تھے۔ لہٰذا انہوں نے گزارش کہ میں آپ پر کسی بھی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتا ہوں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ ان کو ان لوگوں کے روبرو لے آئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! گواہ رہنا میں نے زید کو اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ اب وہ میرا متبنی ہے وہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں بعد ازاں لوگوں نے اس کو زید بن محمد کہنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ دور

اسلامی کا آغاز ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔ **ادعوھم لآباءھم ھو اقسط عند اللہ** منہ بولے فرزندوں کو ان کے حقیقی والدوں کے ناموں کے ساتھ پکارا کرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ صحیح تر ہے اس کے بعد وہ زید بن حارثہ پکارے جانے لگے۔

ایک قول کے مطابق یہ اولین آدمی ہیں جو مردوں میں سے سب سے پہلے اسلام لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عمر میں یہ دس سال بڑے تھے اور ایک قول میں بیس سال مذکور ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں خط و کتابت کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ (کذا قیل)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ ان سے ان کا بیٹا اسامہ تولد ہوا۔ ازاں بعد ان کا نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ سے کر دیا گیا۔ جس کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوہ بدر' خندق' حدیبیہ اور غزوہ خیبر میں شامل تھے۔ تیر پھینکنے والے صحابہ کرام میں حضرت زید کا ایک خاص مقام تھا۔ اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غزوہ مریسیع پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے گئے تھے۔ نیز یہ ہے کہ یہ سات لشکروں پر انہیں امارت بھی دی گئی تھی۔ سوائے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی کا نام قرآن پاک میں مذکور نہیں ہوا۔ آیت پاک یوں ہے۔ **فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا** کچھ تفاسیر میں ہے کہ سجل بھی ایک صحابی کا نام تھا جو اس آیت پاک میں آیا ہے۔ **کطی السجل للکتب** مواخات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو زید کا بھائی بنایا تھا۔

حضرت زید سے اسامہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ جنگ موتہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ شہادت پا گئے تھے۔ اس دن یہ لشکر کے سالار تھے۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یہ پچپن سال کی عمر کے ہوئے تھے۔ دیگر ایک شخص بھی زید نام کا آنحضرت کی بارگاہ میں تھے۔ وہ زید بن حارثہ کے علاوہ زید تھے۔ اس کا ذکر آئندہ ہوگا۔ اسامہ بن زید بن حارثہ کثیر فضائل رکھتے ہیں۔ یہ ہی ان کی فضیلت میں بتادینا کافی ہوگا۔ ان کو لوگ "حب رسول اللہ" کہا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی گود میں ایک طرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اور دوسری طرف حضرت اسامہ بن زید کو لیا کرتے تھے اور آپ ان کے لئے دعا فرماتے تھے۔ اے خدا! یہ دونوں میرے محبوب ہیں تو بھی ان کے ساتھ محبت فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسامہ سے محبت کرے۔ اس کتاب میں متعدد مقامات پر ان کے حالات مذکور ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب اس دنیا سے وصال پایا تھا اس وقت حضرت کی عمر انیس یا بیس برس کی تھی اور ان کی کل عمر پچھتر سال تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ کس سن میں فوت ہوئے تھے۔

ابن صفی کہتے ہیں کہ میں اسے اصح سمجھتا ہوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے دوران ھ میں اسامہ رضی

اللہ عنہ کا وصال ہوا تھا اور بعض علماء کے نزدیک بعد از شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہے اور کچھ علماء نے حضرت علی کی شہادت کے بعد بھی کہا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس' عروہ بن زبیر' ابو عثمان انغوی اور دیگر کثیر لوگ روایت کرتے ہیں (رضی اللہ تعالے عنہم۔)

حضرت ثوبان بن بجدوحہ بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام تھے۔ ابو عبیدہ ان کی کنیت ہے۔ ایک قول ہے کہ کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے یہ سرۃ کے باشندہ تھے مکہ اور یمن کے درمیان میں یہ ایک مقام ہے کچھ حضرات ان کو حمیر کا باشندہ بھی بتاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان کو خرید کر آزاد فرمانا منقول ہوا ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں سفرو حضرت میں ہروقت حاضر رہتے تھے۔ حتیٰ کہ آنحضرت اس دنیا سے رخصت فرما گئے تھے اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ شام چلے گئے تھے۔ اور رملہ کے مقام پر رہائش کرلی پھر یہ حمص میں چلے گئے۔ وہاں پر ایک سرائے بھی انہوں نے بنائی یہ ان میں سے ایک تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث یاد کیا کرتے تھے اور وہ جتنی احادیث جانتے تھے وہ یاد کرا دیتے تھے انہوں نے ھ میں وصال پایا تھا ان سے ایک کثیر جماعت تابعین نے روایت کی ہے۔ اور چار محدثین نے بھی ان کی روایت کو اختیار فرمایا ہے۔

ابو داؤد بروایت عاصم از ابو العالیہ اور انہوں نے ثوبان سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص میرے حکم کے مطابق عہد کرلے کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرے گا تو میں اس کے حق میں جنت کا ضامن ہوں لہٰذا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی سے کچھ نہ مانگا تھا۔

ابو کبشہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں۔ یہ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک تھے۔ ابن ہشام ان کو فارس کے باشندہ بتاتے ہیں لیکن دیگر علماء نے ان کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہونے والا لکھا ہے اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اوس کے علاقہ میں پیدا ہوئے تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خریدا تھا اور آزاد فرمادیا تھا۔ ان کا نام سلیم تھا لیکن ابن حبان ان کا نام اوس لکھتے ہیں اور بعض کے نزدیک ان کا نام سلمہ بھی آیا ہے۔

ابو کبشہ رضی اللہ عنہ اس دن رحلت پا گئے تھے جس دن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلافت کے لئے منتخب ہوئے تھے ان کا وصال ھ میں ہوا تھا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کافر قریش ابو کبشہ کہا کرتے تھے۔ اس کا سبب بعض یہ بتاتے ہیں کہ آنحضرت کے اجداد میں کوئی ابو کبشہ بھی تھے اور شعریٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کے بغیر کسی عرب نے شعریٰ کی عبادت نہیں کی اس میں دیگر عربوں کو ان سے اختلاف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب تشریف لائے تو آپ کی مخالفت میں عرب کہنے لگے۔ کہ یہ ابن ابی کبشہ ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے طریقہ پر ہیں اور ابو کبشہ آپ کی جد کی طرف نسب کرنے سے ہے۔ کیونکہ یہ سیدہ آمنہ بنت وہب کے دادا کا نام تھا۔ اس لئے وہ آنحضرت کو بھی ابو کبشہ کہنے لگے تھے اور

بعض نے کہا ہے کہ عمرو بن زید بن اسد بخاری کو ابو کبشہ کہتے تھے۔ اور وہ سلمٰی یعنی عبدالمطلب کی ماں کے والد تھے۔ کچھ یوں بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رضاعی باپ حارثہ بن زید بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ سعدی جو کہ حلیمہ سعدیہ کے خاوند ہیں ان کو ابو کبشہ کہا جاتا تھا اور اس نسبت سے آنحضرت کو بھی ابو کبشہ کہنے لگے تھے۔ یہ تمام اقوال اور توجیہات استیعاب میں بیان کی گئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک غلام حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ بعض علماء نے ان کو ابو آنسہ بھی کہا ہے اور ایک قول میں ان کو ابو مسروح کہا گیا ہے اور مصعب زبیری ان کی کنیت ابو سرح بتاتے ہیں یہ سراۃ کے باشندہ تھے ان کی رحلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہوئی تھی۔

خطیب کہتے ہیں کہ میں ان کو نہیں جانتا ہوں کہ کوئی بات انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہو اور موسیٰ بن عقبہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بدر میں شریک تھے یا وہ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور ابو عمر کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں اتنا ہی محفوظ ہے اور اس قدر ابن اسحاق نے بتایا ہے اور واقدی کہتے ہیں کہ اہل علم کو ان کے احد میں حاضر ہونے کے بارے میں میں نے اثبات کرتے دیکھا ہے اور اس کے بعد بھی زندہ رہے تھے۔

کچھ علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جب خلافت صدیقہ کا دور تھا اس وقت ابو آنسہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

روایت کیا گیا ہے کہ ابو آنسہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے لوگوں کو حاضر ہونے کے لئے اجازت لیا کرتے تھے۔ جب کہ لوگ اجازت لینا چاہتے تھے اور آنحضرت ان کو فرمایا کرتے تھے کہ ان کو آنے کی اجازت دے دو۔ یہ تمام حال اصابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت صالح جن کا لقب شقران تھا وہ بھی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ آنحضرت کی تدفین کے تذکرہ میں ان کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت کی قطیفہ یعنی مخمل کی چادر قبر شریف میں آنحضرت کے نیچے بچھادی تھی اور انہوں نے چاہا کہ آنحضرت کے بعد کوئی اور شخص وہ اپنے اوپر لے۔ جیسے کہ سابقاً مذکور ہو چکا ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت نے خود ان کو خریدا تھا اور بدر کے بعد آزاد فرمادیا تھا۔ بعض نے یوں کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے والد ماجد کے بعد ام ایمن کے ساتھ ان کے بھی وارث بنے تھے۔ یہ امام بغوی نے ذکر کیا ہے۔

ابو مشعرہ کہتے ہیں کہ یہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کو سہم نہیں دیا گیا تھا۔ اس وقت یہ غلام تھے یہ بدر کے قیدیوں پر نگران مقرر تھے جو کوئی فدیہ آتا تھا۔ اس میں سے ان کو بھی کچھ دے دیا جاتا تھا۔ اس طریقے سے ان کو اتنا مل گیا جتنا کہ دوسروں کو سہم میں بھی حاصل نہ ہوا تھا ان سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جبکہ وہ خیبر جا رہے تھے دراز گوش پر سواری کئے ہوئے خود دیکھا ہے۔ آپ اس پر اشارے کے ساتھ نماز ادا کر رہے

تھے۔

ایک حضرت رباح رضی اللہ عنہ ہیں جو مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت کے اس گھر میں حاضر ہوا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔ تو میں نے رباح سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو۔ یہ رباح حبشی نسل کے غلام تھے اور آنحضرت سے یہ لوگوں کے لئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کیا کرتے تھے 'یسار رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد ان کا مکان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے مقرر فرمادیا تھا۔ کیونکہ عرینین نے یسار کو شہید کر دیا تھا۔ جس وقت کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زمینوں میں متعین تھے۔ اور رباح رضی اللہ عنہ گاہے گاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے واسطے اذان بھی دیا کرتے تھے۔

حضرت یسار رضی اللہ عنہ بھی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کے بارے میں استیعاب میں لکھا گیا ہے یسار مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **قتل یوم نعریبا وھو الراعی الذی قتله العرنیون الذی استاقوزور رسوله اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم فقتلھم وقطع ایدیھم وارجلھم وسھد اعینھم و القاھم فی الحرۃ۔**

ان کی شہادت چراگاہ میں ہوئی تھی۔ عرنیوں نے ان کو شہید کیا تھا۔ ۵ کے واقعات میں ان کے احوال مذکور ہو چکے ہیں بدبخت عرنیوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تھے ان کی آنکھیں بھی نکال دی تھیں اور گرم زمین پر ان کو بڑی دیر تک پھینکے رکھا اور پھر وہ آنحضرت کے اونٹوں کو بھگالے گئے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موالی اور خدام کے ساتھ سلوک کیا تھا۔

موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت ابو رافع اسلم رضی اللہ عنہ بھی مشہور ہیں۔ اس سے پہلے ان کے حالات بیان ہو چکے ہیں جہاں بارگاہ نبوت کے خدام میں سلمیٰ ام رافع زوجہ ابو رافع رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہے ان کا نام اسلم تھا ثابت یا یزید یا ابراہیم اور یا ہرمز بخاری اسلم کے ساتھ جزم کرتے ہیں لیکن یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔

ایک مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مویہبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ مزنیہ کے باشندے تھے آنحضرت نے ان کو خرید کر آزاد فرمادیا تھا۔ صرف اسی قدر استیعاب میں مذکور ہے اور اصابہ میں آیا ہے کہ ابو مویہبہ اور ابو مواہب کہا جاتا ہے۔ یہ واقدی کا قول ہے۔ کہ ابو مویہبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔ مزنیہ کے رہنے والے تھے۔ یہ غزوہ مریسیع میں حاضر ہوئے۔ یہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کھینچنے والوں میں سے ایک ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ان سے روایت کیا ہے وہ ان کے ہم عصر تھے۔ امام احمد اور دارمی نے حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے ابو مویہبہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اہل بقیع کے لئے میں استغفار کروں۔ پس آنحضرت وہاں پر تشریف لے گئے۔

(الحدیث)۔ اور صبح جب ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درد سر شروع ہو گیا۔ جس میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان سے بلالیا تھا۔

ایک مولائے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام حضرت ابوالبی رضی اللہ عنہ ہے۔ اصابہ میں ان کا نام رافع مولائے النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور کنیت ابوالبی بتائی گئی ہے۔ ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا کے نزدیک آدمیوں میں سے کون افضل ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا دل تپ زدہ ہو بیمار ہو اور وہ راست گو ہو۔ (الحدیث) اور حدیث کے آخر میں آیا ہے کہ میں نے کہا کہ یہ صفات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام رافع میں موجود ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

شیخ نے کہا ہے کہ یہ اضافہ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ابن ماجہ میں موجود نہیں۔ بلکہ یہ حدیث حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں مکمل بیان کی ہے۔ بعض نے یہ حدیث ابو رافع سے روایت شدہ بتائی ہے۔ اور بعض نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بتائی ہے لیکن یہ درست ہے کہ رافع سے ہی مروی ہے۔

حضرت مدعم رضی اللہ عنہ بھی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔ یہ حبشی تھے۔ ان کو بارگاہ نبوی میں رفاعہ بن زید بن حزامی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آنحضرت نے ان کو آزادی عطا فرمائی تھی یا کہ وہ غلامی میں ہی فوت ہو گئے اس ضمن میں اختلاف آیا ہے۔ ان کے بارے میں مشہور بات ہے کہ خیبر میں انہوں نے بلا اجازت مال غنیمت میں سے ایک چادر لے لی تھی۔ اور وہ خیبر میں ایک تیر لگنے سے شہید ہو گئے تھے (کمافی الاصابہ) اور بعض نے کہا وہ جو حبشی غلام تھا۔ وہ مدعم نہیں بلکہ اور تھا۔

مشکوۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نے ایک حبشی غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس غلام کو مدعم کہتے ہیں۔ یہ مدعم جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سامان اتار رہا تھا اس کو ایک تیر آ کر لگا۔ اس تیر سے ہی یہ وصال پا گئے۔ تیر چلانے والے کا بارے میں معلوم نہ ہو سکا۔ پس لوگ کہنے لگے کہ اس کے واسطے جنت ہو کیونکہ آنحضرت کی خدمت بجالانے کے دوران اس نے جان دے دی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ ہرگز ایسے نہیں مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم ہونے سے قبل ہی اس میں سے ایک چادر اٹھائی تھی۔ اب یقیناً آگ کی لپیٹیں اس پر پڑ رہی ہیں۔ لوگوں نے آنحضرت کی یہ بات سنی تو کوئی کا ایک تسمہ لایا اور کوئی دو اور آنحضرت کے سامنے رکھ دیئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ آگ کا ایک تسمہ ہے اور یہ آگ کے دو تسمے ہیں (متفق علیہ)۔

رفاعہ بن زید جذامی کی نسبت جذام سے ہے کتب سے اس کے متعلق پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی آدمی ہے جس نے مدعم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس برائے خدمت بھیجا تھا۔ جیسے کہ پہلے کہا گیا ہے لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ آنحضرت کا غلام تھا۔ استیعاب میں حضرت رفاعہ بن زید بن وہب جذامی صحابہ میں شمار کئے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ صلح

حدیبیہ میں یہ اپنی قوم کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت نے ان کے لئے ایک علم بنایا انہوں نے ایک حبشی غلام مدعم نامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جو مارا گیا تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت زید رضی اللہ عنہ بلال بن یسار کے دادا تھے۔ استیعاب میں بیان کیا گیا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں اور استغفار کے متعلق حدیث مروی ہے بلال اپنے باپ یسار سے روایت کرتے ہیں اصابہ میں لکھا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام تھے اور زید بن بلال یسار کے باپ ہیں۔ ابو داؤد ان سے روایت کرتے ہیں۔ نیز ترمذی نے ان کے فرزند بلال بن یسار بن زید سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدثنی ابی یعن جدی ابو موسیٰ سے ذکر کیا گیا ہے کہ زید کے والد کا نام بلال ہے اور ابن شاہین کہتے ہیں۔ زید قید خانہ میں مقید تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غزوہ بنی ثعلبہ میں وہاں گئے اور انہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔ کچھ اسماء الرجال کی کتب میں بجائے ہلال کے بلال لکھا ہے۔

حضرت عبید بن عبد الغفار رضی اللہ عنہ بھی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ یہ عبد اللہ بن الغفار بھی پکارے جاتے ہیں۔ سلیمان تیمی نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں سنا گیا جس نے ان سے روایت کیا ہو اصابہ میں یوں مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دیگر ایک غلام بھی ہیں جن کا نام عبید ہے۔ یہ نام بلانسبت بیان شدہ ہے اور کہا کہ ابن نے کہا ہے کہ ان کو صحبت کا شرف حاصل ہے اور ابن السکین ان کو صحابہ میں ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک غلام تھے۔ لوگ ان کو عبیدہ کہتے تھے اور دو احادیث ان سے روایت کی ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

اور سکینہ ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بھی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ بعض نے بتایا ہے کہ یہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ انہیں اس شرط کے ساتھ آزادی عطا فرمائی گئی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کیا کریں ان کا لقب سفینہ ہے۔ ان کے نام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ مہران تھا یا رومان تھا اور یا کیسان یا فروخ تھا۔ یہ عرب کے باشندہ تھے اور بعض حضرات نے بتایا ہے کہ یہ ابنائے فارس سے تھے۔

ان کا لقب سفینہ اس لئے تھا کہ یہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے مسلمانوں میں سے جو شخص کسی چیز کو اٹھانے سے عاجز ہوتا وہ چیز ان کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ اس طریقے سے بہت سے لوگوں کی متعدد اشیاء یہ سنبھالے ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو کشتی کے ساتھ تشبیہ دی اور یہی نام بعد میں بھی ان کا باقی رہا۔ یہ کہتے تھے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے علاوہ کوئی اور میرا نام ہو کیونکہ یہ میرا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رکھ دیا ہے لوگ جب کبھی ان سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارا نام کیا ہے تو بتاتے تھے میرا نام سفینہ ہے اس حدیث کو روایت کرنے والے بھی یہ خود ہیں۔ کہ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ میرے بعد خلافت راشدہ

مسلسل تیس سال تک رہے گی۔

ان سے پوچھا گیا کہ بنو امیہ کا خیال ہے کہ خلافت ان میں ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ بنو ازرق یعنی یہ دروغ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ تو ملوک ہیں۔ بلکہ شرالملوک ہیں۔ اور اسد الغابہ میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی مرقوم ہے کہ محمد بن المنکدر ان سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں کشتی میں سوار تھا کہ کشتی ٹوٹ گئی۔ اس کے ایک تختے پر میں چڑھ گیا۔ اس طرح اس تختہ نے مجھے کسی ساحل پر پہنچادیا۔ وہاں بیابان تھا۔ اور میرے لئے راہ گم تھی۔ اسی اثناء میں میرے سامنے ایک شیر آگیا' تو میں نے شیر سے کہا۔ اے ابوالحارث! میں سفینہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام پس شیر نے اپنا سر جھکالیا اور مجھ کو اپنے پہلو اور کندھوں کے ساتھ اشارہ کرنے لگا کہ میں اس کے ساتھ ساتھ چلتا جاؤں حتی کہ اس نے میر ساتھ ساتھ چلنا شروع کردیا۔ اور مجھے ایک راہ پر ڈال دیا۔ اور پھر اس نے ہمہمہ کیا میں نے سمجھ لیا کہ یہ اب مجھے رخصت کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے عبدالرحمن اور زیاد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ایک شخص کا نام ہے مابور قبطی۔ یہ خواجہ سراء ہیں۔ اور یہ ولد رسول اللہ ماریہ قبطیہ کے عزیز ہیں۔ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے ان کو سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا جیسے کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔ ایک آدمی نے ان کو سیدہ ماریہ قبطیہ کے ساتھ متہم کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس کو قتل کردیں۔ حضرت علی مرتضیٰ ان کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ یہ تو خصی ہیں۔ یہ حقیقت حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاکر گوش گذار کی۔

مولف اصابہ کہتے ہیں کہ ان سے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ابوبکر بن خثیمہ نے مصعب زبیری سے ان کا نام مابور (رضی اللہ عنہ) نقل کیا ہے۔ اور فتوح مصر میں ابن عبدالحکم۔ سند خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ابراہیم بن رسول اللہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو ان کے پاس ان کے عزیز کو آنحضرت نے پایا۔ جو ان کے ساتھ ہی آئے ہوئے تھے۔ اور اکثر اوقات یہ ماریہ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے' پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبیدہ خاطر واپس چلے گئے۔ اثنائے راہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات ہوئی تو انہوں نے آنحضرت کے چہرہ اقدس پر کچھ رنج کے آثار دیکھے۔ تو پوچھا۔ یا رسول اللہ! رنجیدہ ہونے کی کیا وجہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقت حال بیان فرمائی۔ پس انہوں نے پر تلوار مارنے کی نیت کی ہی تھی کہ کیا دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنا ستر کھول دیا ہے۔ اور وہ خصی اور مجبوب دکھائی دیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئے اور اس کا حال بیان کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام بھی ابھی ابھی میرے پاس آئے تھے۔ اور انہوں نے مجھ کو خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماریہ قبطیہ اور ان کے عزیز کو تہمت سے بریت عطا فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی خبر دی کہ ماریہ قبطیہ کے بطن میں ایک بچہ ہے وہ بچہ تمام لوگوں سے زیادہ میرے ساتھ مشابہت رکھتا

ہے۔ اور مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اس بچہ کا نام ابراہیم رکھوں۔

صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ وہ ماریہ کے ساتھ آیا تھا اور ماریہ کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ وہ اسلام لایا۔ اور اس کا اسلام نیک ہوا۔ انتہیٰ۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو آزاد فرمادیا۔ اور یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آزاد کئے ہوئے غلاموں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ مابور رضی اللہ عنہ کا لفظ میم کی بجائے ہاء سے بھی کہا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک غلام واقد یا ابو واقد رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ابن مندہ ذکر کرتے ہیں کہ واقد آنحضرت کے غلام ہیں نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ زاوان نے ان سے روایت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے خدا کی اطاعت کی بے شک اس نے خدا کا ذکر کیا خواہ اس کی تلاوت قرآن اور نماز روزہ بہت زیادہ ہو۔ استیعاب میں واقد ہی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی کنیت کے بغیر۔

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک غلام ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وہ غلام ہیں یہ بات استیعاب میں نقل کی گئی ہے۔ ان سے ابوالزبیر نے روایت کی ہے اس سے منقول ہے کہ وہ نبی پاک کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کی بیوی کسی کا ہاتھ نہیں روکتی جو اس کو چھونے والا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی اپنے نفس کو اس کے ساتھ کوئی شخص برائی کا ارادہ کرے تو اس سے روکتی نہیں ہے۔ آنحضرت نے اس کو ارشاد فرمایا کہ تم اس کو طلاق دے دو لیکن اس شخص نے کہا کہ وہ عورت مجھے پیاری ہے اس کے علیحدگی میرے لئے ناقابل برداشت ہے اپ نے فرمایا تو پھر تم اس سے فائدہ حاصل کرو۔ یہ استیعاب میں ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہشام سوال پوچھنے والے تھے۔

کفایہ میں مندرج ہے کہ ہشام سے جو کہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے ابو الزبیر نے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور کہا یا رسول اللہ! میری بیوی کسی بھی چھونے والے آدمی کا ہاتھ پیچھے نہیں ہٹاتی ہے۔ (الی اخر الحدیث)۔ ہر دو روایات میں آیا ہے **فاستمع بھا** اس سے پس فائدہ اٹھاؤ۔ یہ حدیث مشکوۃ میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو داؤد سے روایت کی گئی ہے۔ اور نسائی اس کی تخریج یوں کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی آنحضرت کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اس کی بیوی ہے جو کہ کسی بھی چھونے والے کو رد نہیں کرتی ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کو طلاق دے دو اور اس نے عرض کیا مجھے اس کے ساتھ پیار اور محبت ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو فرمایا پھر تو اس کو اپنے پاس روک رکھو۔ اس میں **فاستمع بھا** کے الفاظ نہیں ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ اسے روک کے رکھ سے مراد ہے کہ اس کی حفاظت کرو تاکہ وہ برا کام نہ کرسکے۔ اور زناکار نہ بنے۔

صاحب مشکوۃ نے فرمایا ہے کہ نسائی نے کہا ہے کہ بعض رواۃ اس حدیث کو رفع کرتے ہیں اور کچھ رواۃ رفع نہیں کرتے۔ اور یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)۔

بعض شارحین حدیث نے کہا ہے کہ مطلب یوں ہے وہ کسی مسائل کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی ہے۔ جو کچھ بھی کوئی میرے اموال سے مانگتا ہے وہ اس کو دے چھوڑتی ہے۔ اور اس کو روکتی نہیں ہے۔ لیکن ظاہر عبارت کے یہ مطلب برعکس ہے۔ میں (شیخ عبدالحق) اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ آنحضرت کا یہ ارشاد غضب کے طریقہ پر تھا۔ اور آنحضرت کی مراد یہ تھی کہ اس شخص کے انکار پر اسے زجر و توبیخ کی جائے۔ یعنی کہ وہ بیوی کی حالت شنیعہ کا شکایت کنندہ بھی ہے اور پھر اس کو طلاق بھی دینے کو تیار نہیں ہوتا۔ جب تمہاری خواہش یہ ہے کہ تو اس کو رکھے اور تو اس کو چاہتا بھی ہے تو پھر تو جان اور شناعت اور اصل میں یہ مقصد نہیں۔ بلکہ اس سے مراد اس پر تختی فرمانا ہے۔ (فافہم واللہ اعلم)

دیگر ایک شخص ہیں ان کا نام ہے ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ کنیت کے ساتھ۔ اور اصل نام سو ہے۔ بعض نے ان کا نام روح بتایا ہے اور سندر کے فرزند ہیں یا روح بیٹے ہیں شیرزاد ضمیری کے۔ اس طرح اور اسی قدر ہی روضۃ الاحباب بیان ہوا ہے۔ اور استیعاب میں لکھا ہے۔ کہ ابو ضمیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔ یہ اس غنیمت میں حاصل ہوئے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حلال فرمائی گئی تھی اور ابو ضمیرہ کا نام سعد حمیری بھی کہتے ہیں۔ اور بخاری ان کو اولاد ذی یزن سے کہتے ہیں اور اسی طرح بو حاتم بیان کر کے کہتے ہیں کہ سعد ضمیری ہے۔

کچھ علماء نے کہا ہے کہ ابو ضمیرہ کا نام روح بن سندر ہے۔ اور کچھ بتاتے ہیں کہ روح بن شیرزاد ہے۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ اول نام ہی صحیح تر ہے۔ وہ ہیں دادا حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ بن ابی ضمیرہ کے۔ ان کے فرزند نے ان سے حدیث اخذ کی ہے۔ وہ اور ان کا فرزند دونوں اہل مدینہ میں شمار ہیں اور وہ عربی نسل سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزادی عطا فرمائی تھی ان کے واسطے ایک وصیت نامہ بھی تحریر کیا تھا ان کی والدہ ماجدہ کے پاس وہ وصیت نامہ ہے وہ وصیت نامہ جو ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی خاطر تحریر ہوا تھا اس کو حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ مہدی کے پاس لے کر آئے۔ مہدی نے اس وصیت نامہ کو اپنی سر آنکھوں پر رکھا اور بڑا مال عطا کیا۔ بعض علماء نے بتایا ہے کہ تین صد اشرفیاں تھیں۔ اسی طرح اصابہ میں بھی بیان ہوا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابو ضمیرہ حمیری رضی اللہ عنہ باپ ہیں ضمیرہ کے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ ابن ابو ضمیرہ اور ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جو غلام ابو ضمیرہ ہیں وہ اور ہیں۔ اور مہدی والی داستان کے آخر میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ حسین بن عبداللہ جس وقت وہ اشرفیاں لے کر وہاں سے چلے جو مہدی نے دی تھیں تو راہ میں ان پر چور حملہ آور ہو گئے۔ اور ان سے وہ تمام مال لوٹ لیا اس وقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب مبارک انہوں نے ڈاکوؤں کو دکھایا۔ ڈاکوؤں نے وہ تحریر گرامی پڑھ کر تمام مال واپس دے دیا اور بالکل کوئی تعرض نہ کیا۔

ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ مواہب الدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادموں کے ناموں میں یہ نام ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں اب اسے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابو عسیب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان کا نام احمر ہے یا مرو ہے۔ استیعاب میں مذکور ہے کہ ابو عسیب مولائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ صحبت سے مشرف ہیں اور انہوں نے دو حدیثوں کی اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کی ہیں۔ ان میں ایک حدیث بخاری کے بارے میں ہے اور دوسری حدیث طاعون کے متعلق ہے۔

قاسم بن حمزہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام عسیب کو میں نے اپنے سر اور داڑھی میں خضاب کرتے نہیں دیکھا ہے کہتے ہیں کہ ابو عسیب کا نام احمد ہے اور اصابہ میں مذکور ہے ابو عسیب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے ہیں ان کا نام احمر ہے۔ اور سجدہ میں نجافی کرنے کے سلسلہ میں ان سے ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ ابوداؤد ابن ماجہ' احمد اور طحاوی بطریق حسن بصری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ **حدثنی احمر ومولا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔**

علاوہ ازیں ایک شخص ابو عبید رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ غلاموں کے بیان میں ابو عبید کے بارے میں اس عبارت میں استیعاب میں بیان ہے کہ ابو عبیدہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ استیعاب اور اصابہ دونوں کتابوں میں اسی عنوان کے ساتھ ذکر آیا ہے اس سے پہلے اس کتاب میں ان کا ذکر سابقاً" ہو چکا ہے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ روضۃ الاحباب میں بھی آنحضرت کے غلاموں میں مذکور ہوئے ہیں۔ دونوں صفات ایک دوسری کے منافی تو نہیں لیکن مولا کے مقابلہ میں غلام عالی تر صفت ہے۔

علاوہ ازیں ایک شخص اسلم بن عبید رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اس طرح روضۃ الاحباب میں مسطور و مذکور ہے اور یہ معلوم رہے کہ اسلم کا نام ابو رافع مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ ان کے نام کے بارے میں اختلافات ہیں جو کہ مذکور ہو چکے ہیں لیکن اصح اور زیادہ مشہور نام یہی ہے کہ ان کا نام اسلم ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس سے پہلے ان کی بیوی ام رافع رضی اللہ عنہا کے بیان کے ساتھ ہو چکا ہے۔ روضۃ الاحباب میں یہ نام اسلم بن عبید رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے۔ یہ اسلم ابو رافع نہیں بلکہ کوئی دوسرے ہوں گے۔

اصابہ اسلم نام والے متعدد صحابہ ذکر کئے گئے ہیں اور پھر کہا ہے کہ اسلم رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ابن مندہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ سحاق بن سلیمان روایت کرتے ہیں سعد بن عبدالرحمٰن مدنی سے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو خادم تھے ایک ابو رافع اور دوسرا (اسلم رضی اللہ عنہا) اور دوسرے علماء کہتے ہیں یہ اسلم نام ابو رافع کا ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔ جو کہ اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف آیا ہے نیز کہا ہے کہ لوگوں نے ان کے اسلم نام ہونے پر جزم کیا ہے۔ ان میں بخاری بھی شامل ہیں اور ابو راشد کبلی کی کنیت میں مذکور ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے نیز اس اختلاف کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ابو رافع کے نام کے بارے میں ہے اور کہا ہے مشہور تر نام اسلم ہے۔ نیز یہ ہے کہ وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے۔ اس کو انہوں نے آنحضرت کی خدمت اقدس میں خدمت کے لئے پیش کر دیا تھا اور آنحضرت نے ان کو اس خوشی میں آزاد فرما دیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے کی

گرامی یوں ہے۔ رویدا سوقک بالقواریر۔ اس سے مراد ہے کہ اونٹ نرمی اور آہستگی سے چلاؤ اور آہستہ آہستہ حدی کو کیونکہ بلور کے ساتھ نرمی کی جاتی تاکہ وہ نہ ٹوٹیں اور بلور (شیشہ) سے عورتیں مراد ہیں اور ان کے نہ ٹوٹنے کا مطلب ہے کہ آسودگی حاصل ہو۔ کیونکہ اونٹ اگر تیز رفتار ہوں تو ان کو تکلیف ہوتی ہے اور یا اس سے مراد ہے کہ ان کے دل نہ ٹوٹیں جو کہ غنا کے سننے سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔ الغناء رقية الزنا گانا زنا کا منتر ہے۔ جس طرح کہ مواہب الدینہ میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ آدمیوں کے لئے حدی گایا کرتے اور انجشہ کا حدی گانا عورتوں کے واسطے ہوتا تھا استیعاب میں روایت کیا گیا ہے کہ انجشہ نامی ایک حبشی نسل کا غلام ہے یہ حجتہ الوداع کے وقت ازواج مطہرات کے اونٹ کھینچا کرتا تھا اور یہ حدی کہتا تھا۔ یہ بہترین حدی (حسن و صوت کے ساتھ) کہنے والا تھا۔ اس کی حدی کے ساتھ اونٹ بھی تیز رفتار ہو جاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رویدا یا انجشة بالقواریر۔

اور اصابہ میں مذکور ہے کہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک میں انجشہ مخنثوں میں سے تھے اور مخنثوں پر لعنت بھیجتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں اپنے گھروں میں سے باہر نکال دیں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر سے انجشہ کو نکال دیا تھا۔ اور فلاں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نکال دیا تھا۔

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام باذار ہیں۔ ان کا کوئی تذکرہ استیعاب میں نہیں ہے۔ لیکن اصابہ میں آیا ہے کہ باذام مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور امام بغوی بھی ان کا ذکر موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کرتے ہیں ابن عساکر نے ان کی پیروی کی ہے۔

علاوہ ایک حاتم نامی شخص ہوئے ہیں۔ استیعاب میں یہ مذکور نہیں۔ لیکن اصابہ میں مذکور ہے کہ حاتم غیر منسوب دروغ گو ہیں لیکن ان دروغ گوؤں نے ہی دروغ گو کہا ہے۔ اس سلسلہ میں ابو اسحاق سلمٰی اور ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نضر بن سفیان بن احمد بن نضیر سے ان کے سننے میں آیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حاتم سے سنا کہ کہتے تھے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دینار کے عوض میں خرید لیا اور پھر آزاد فرما دیا ازاں بعد چالیس برس کا عرصہ خدمت نبوی میں رہا۔ سلمٰی نے کہا ہے کہ نضو نے یہ بھی کہا ہے کہ حاتم ایک سو پینسٹھ برس کی عمر کے ہوئے ہیں اور شیخ نے کہا ہے کہ ان کا گمان ہو گا کہ حاتم دو سو سال کے عمر کا ہوا ہو گا لیکن یہ بعید از حقیقت بات ہے اور اس حکایت میں ندرت پائی جاتی ہے اور مضمون حکایت بھی بین نہیں ہے اور اصابہ میں بھی ان کی مانند آیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت بدر ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں صف اتنا بیان ہی مل سکا ہے۔

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہے۔ میرے علم میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اصابہ میں لکھا گیا ہے کہ رویفع رضی اللہ عنہ مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ ابو احمد عسکری رویفع رضی اللہ عنہ کو موالی رسول میں بیان کر کے کہتے ہیں کہ رویفع حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئے بعد ازاں ان کے عقب میں بھی آئے ابن عساکر نے اس کو بیان کر کے کہا ہے کہ میرے علم میں نہیں آیا کہ کسی نے ان کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا اور ابو عمرو نے ان کے بارے میں کہا ہے مجھے کوئی علم نہیں ہے کہ ان کی کوئی روایت بھی ہے۔

حضرت زید بن بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ روضۃ الاحباب میں جو عبارت ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زید بن بلال اور تھے اور بلال بن یسار کے جو زید نامی دادا تھے وہ اور تھے۔ اور اسماء الرجال کی کتب سے معلوم ہوا ہے کہ یہ زید وہی تھے جو کہ بلال بن یسار کے دادا تھے۔ جیسے کہ قبل ازیں ذکر گزر چکا ہے۔ اصابہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زید بن بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔ ابو داؤد اور ترمذی کے نزدیک بلال بن زید کے پوتے سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے اور انہوں نے کہا حدثنی ابی عن جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ پر گئے تو وہاں ان کو ایک قید خانہ میں مقید پایا پس آپ نے ان کو آزاد فرمایا جیسے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزادی عطا فرمائی تھی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ ایک حضرت بن زید رضی اللہ عنہ صحابی رسول اور حضرت عمر بن خطاب کی بہن کے خاوند ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ رضی اللہ عنھم یہ قریشی ہیں اور سابقین بالاسلام میں سے ہیں۔ ان کے گھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ہوا تھا۔ لہٰذا جو سعید بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں ان کے علاوہ دیگر ہیں۔

اصابہ میں ان کے متعلق یہ مذکور ہوا ہے کہ سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام مہران یا طہمان یا رومان ہے اور یا احمر ہے یا رباح ہے یا حتیٰ کہ ان کے نام کے سلسلہ میں اکیس اقوال آئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ اصل میں فارسی تھے اور سیدہ ام سلمہ عنہا نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا شرط یہ تھی کہ وہ آنخضرت کی خدمت میں رہا کریں۔

انہوں نے آنخضرت سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے پھر ان سے ان کے دونوں فرزندوں یعنی عبدالرحمٰن اور عمر اور پھر سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھم نے روایت کی ہے۔ حماد بن سلمہ نے سعید سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ جن مسلمانوں کے لئے مشکل ہوتا تھا کہ وہ اپنا بوجھ اٹھائیں وہ بوجھ مجھ اٹھوا دیتے تھے حتیٰ کہ میں نے مسلمانوں کی بہت سی اشیاء اٹھائی تھیں۔ یہ دیکھ کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ما انت الا سفینۃ نہیں ہو تم مگر ایک کشتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام سفینہ کی یہ حکایت ہے۔

ان کے نام میں علماء میں اختلاف ہے۔ سعید بھی ان کا ہی نام ہے یا کسی اور کا ہے۔ لیکن گمان یوں گزرتا ہے کہ موالی

رسول کے اسماء کے بیان میں تکرار ہو گئی ہے۔ یا تو وہ سب علیحدہ علیحدہ اشخاص ہیں۔ اور یا ہر نام کے لئے ایک علیحدہ شخصیت گمان کی گئی ہے۔

حضرت سعید بن کندیہ بھی ایک شخص ہوئے ہیں۔ مجھے ان کا ذکر کسی جگہ نہیں ملا صرف اتنا ہے کہ استیعاب میں سعید کو بغیر کسی نسبت کے لایا گیا ہے۔ اور وہاں کہا گیا ہے کہ سعید مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ ان سعید سے ابو عثمان نہدی روایت اخذ کرتے ہیں اور کندیہ لفظ کی بھی تشخیص نہیں ہوئی ہے سوائے اس کے کہ قاموس میں لکھا گیا ہے۔ کندیہ بالکسر فربہ گدھا ہوتا ہے۔ اس نام سے اس کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ فربہ اور موٹا ہوتا ہے۔

ایک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں۔ یہ عالی قدر صحابہ میں سے عباد اللہ ہیں۔ لوگ ان کو پوچھتے تھے کہ تمہارا باپ کون ہے۔ اور تمہارا نسب کس طرح سے ہے تو یہ جواب دیتے تھے کہ اسلام میرا نسب ہے۔ اور میرا والد بھی اسلام ہے۔ اور میرا نام سلمان بن اسلام ہے۔

یہ فارسی نسل کے آدمی تھے اور ہرمز کے باشندہ تھے۔ بعض علماء نے ان کو اصفہان کا رہنے والا بتایا ہے۔ ابلق گھوڑوں کی پرستش کرنے والی قوم سے یہ تھے۔ یہ دین کو تلاش کرنے کے لئے گھر چھوڑ کر نکل پڑے تھے۔ اور بڑی مدت تک یہ دنیا میں پھرتے رہے۔ آخر کار انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ قبل اس کے یہ متعدد ادیان میں شامل ہوئے۔ اور ان کو کئی مقامات پر فروخت بھی کیا گیا۔ حتیٰ کہ یہ مدینہ شریف کے ایک یہودی کی ملکیت میں آپہنچے۔ اس سے ان کو آنحضرت نے خرید لیا اور آزاد فرما دیا۔ ان کی عمر شریف کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں ایک قول کے مطابق ان کی عمر تین سو ساٹھ سال ہوئے ہیں۔ اور اکثریت کا قول ہے کہ ان کی عمر دو سو پچاس سال تھی۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ (واللہ اعلم)

یہ غزوہ خندق میں پہلی دفعہ شامل ہوئے۔ ان کی رائے اور تدبیر کے مطابق ہی یہ خندق کھودی گئی تھی جیسے کہ سابقا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جب خندق کھودنے لگے تو جھگڑہ پیدا ہوا۔ مہاجرین مسلمان ان کو اپنا ساتھی کہتے اور انصار کہتے تھے کہ سلمان ہمارا ساتھی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ سلمان منا اهل البیت یعنی مسلمان میرے اہل بیت سے ہیں۔ یہ طاقتور جسم لمبے قد والے اور عظیم الجثہ تھے اور مخدوموں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محبوبوں اور مقربوں میں سے تھے یہ بلا طلب کئے بارگاہ نبوی میں حاضر آیا کرتے تھے۔ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محبوبوں اور مقربوں میں سے تھے یہ بلا طلب کئے بارگاہ نبوی میں حاضر آیا کرتے تھے۔ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سبقت کرنے والے چار اشخاص ہیں۔ میں ہوں سابق العرب۔ سلمان سابق الفرس ہیں۔ بلال سابق الحبشہ ہیں۔ اور صہیب سابق الروم ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں جن کی جنت بھی مشتاق ہے کہ اس میں یہ داخل ہوں۔ وہ ہیں

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔ حضرت سلمان فارسی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدائن کا حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ یہ نوشیروان کا بنایا ہوا شہر تھا۔ وہاں سلمان فارسی رضی اللہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے اور جو وظائف اور عطایا ہوتے تھے وہ فی سبیل اللہ دے دیتے تھے۔ ان کو فقیری پسند تھی۔ اور یہ اہل صفہ سے تھے۔ یہ صرف ایک عبا رکھتے تھے وہی پہنا کرتے تھے اور وہی اپنے اوپر اوڑھتے بھی تھے۔ یہ کسی درخت کے نیچے یا دیوار کے سایہ میں سو لیا کرتے تھے۔ ان کا کوئی گھر نہ تھا نہ کوئی رہائش تھی۔ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے ان کی خاطر ایک گھر تعمیر کرنا چاہا تو سلمان فارسی نے کہا کہ گھر اس طرح کا بنائیں کہ کھڑے ہوں تو سر کو چھوئے اور وہ اتنا عریض ہو کر پاؤں پھیلا کر سویا جا سکے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری حصہ میں ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں وصال پا گئے۔ بعض نے آپ کی رحلت خلافت فاروقی کے دوران بھی ذکر کی ہے۔ لیکن پہلا قول صحیح تر اور مشہور تر ہے۔

ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابو عثمان ہندی روایت اخذ کرتے ہیں مسلمان فارسی خوش طبع آدمی تھے۔ جس طرح کے عجم کے لوگ ہوتے ہیں یہ ابو ہریرہ سے کبھی کبھی خوش طبعی اور مزاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو ممانعت فرمائی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید و تقویت بھی فرمائی۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک روز اس عنوان پر گفتگو واقع ہوئی کہ کسی آدمی نے حضرت سعد سے اپنا نسب بیان کرنے کے لئے کہا۔ اور اس طرح سب نے اپنا اپنا نسب بیان کر دیا تو جب مسلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی باری آگئی تو آپ نے فرمایا کہ اسلام کے سوا میرا کوئی باپ اسلام میں نہیں ہے۔ میرا باپ اسلام ہے اور میں اسلام کا فرزند ہوں۔ مسلمان ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ لوگوں میں خطاب کا بڑا عزت و وقار ہے اور میں تو اسلام کا فرزند ہوں۔ اور میں مسلمان بن اسلام کا برادر ہوں۔ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر نے لوگوں سے فرمایا کہ آؤ ان کا استقبال کریں۔ اور سب مسلمان باہر نکل کر ان سے پہلے ملیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ہر مزمیں میں اہل خانہ میں تھا اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا جایا کرتا تھا۔ راستے میں ایک راہب رہتا تھا۔ جب میں وہاں سے گزرا کرتا تھا۔ تو وہ زمین اور آسمانوں کی خبریں بتایا کرتا تھا حتیٰ کہ مدرسہ سے میری دلچسپی ختم ہو گئی۔ اور میں نے اس راہب کے پاس بیٹھنا ضروری قرار دے لیا۔ مدرسہ کے اساتذہ نے میرے گھر کے لوگوں کو خبر دی کہ فلاں راہب ہے اس نے تمہارے لڑکے کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ پس انہوں نے اس راہب کو شہر سے باہر نکل دیا ازاں بعد گھر سے پوشیدہ طور پر میں بھی نکل گیا اور اس راہب کے پاس چلا گیا۔

یہ ایک لمبی داستان ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم بیت المقدس میں چلے گئے۔ ایک مجبور اور معذور سائل تھا۔ کوئی اس نے راہب سے سوال کیا۔ لیکن مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ ازاں بعد راہب نے اس سے پوچھا کہ کیا تو کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ پس راہب نے دعا کی۔ اور وہ فوراً تندرست ہو گیا اور کھڑا ہو گیا۔ راہب وہاں سے چلا گیا۔ میں نے راہب کے پیچھے جا کر اس سے مل جانا چاہا۔ لیکن میں نے اس کو نہ پایا اور میں راستہ بھی کھو بیٹھا۔ بعد ازاں انصاریوں کے سوار ملے تو ان سے میں نے راہب کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم نے اس اس طرح کی شکل و صورت کا کوئی شخص دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو کوئی غلام ہے جو بھاگا ہوا ہے اس کو پکڑلیں پس انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا۔ اور مجھ کو مدینہ شریف میں لے آئے۔ پھر انہوں نے مجھ کو ایک باغ میں چھوڑا تاکہ وہاں پر میں کام کیا کروں۔ وہاں میں باغ کو پانی دیتا تھا اور اپنی روزی اس طرح کمایا کرتا تھا اور اس میں شک ہرگز نہیں ہے کہ اس راہب نے مجھے خبر دی تھی کہ اس جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو گا۔ اور اس نے مجھے آنحضرت کی علامات بھی بتادی تھیں اور اس نے مجھے نصیحت بھی کی تھی۔ کہ تم کو جب وہ ملیں تو تم ان کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان لانا۔ پس وہ علامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجھے مل گئیں تو میں آپ پر ایمان لے آیا۔

داستان سلمان رضی اللہ عنہ طالبان حق اور طریقت کے سالکوں کے واسطے باعث عبرت و نصیحت ہے اس میں ہے کہ سب سے جدائی اختیار کر کے اگر کسی کی صحبت نہ اپنائی جائے تو گوہر مقصود کا حصول ناممکن ہے۔

؎ روز ان و شبان بگرد مرداں می گرد ۔ مردے گردے چو گرد مردے گر دی۔

حق کا طالب مردان حق کے پیچھے پھرتا ہے۔ مشائخ کا قول ہے کہ جس شخص کے دل میں یہ نعمت رکھی گئی ہوتی ہے وہ راہبرو رہنما سے ملایا جاتا ہے اور یا رہنما کو اس تک پہنچایا جاتا ہے اور جس شخص کے نصیبے میں یہ نعمت نہ ہو وہ درماندہ ہو کر بیٹھا رہتا ہے۔ **نعوذ باللہ من الحرمان والخزلان** صحابہ کرام میں ان دو قسم کے اشخاص تھے۔ کچھ وہ ہیں جن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود تشریف فرما ہوئے اور باقی وہ ہیں جو خود سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آپہنچے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین والتابعین بھم

ایک شخص حضرت سندر رضی اللہ عنہ استیعاب میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت سندر رضی اللہ عنہ حضرت زنباغ خزاعی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور سندر صحبت رسولی سے مشرف ہوئے ہیں۔ ان کی حدیث کی سند اس طرح سے ہے۔ بروایت عمرو بن شعیب **عن ابیہ عن جدہ** کہ ایک دن زنباغ کی لونڈی کے ساتھ حضرت سندر ملوث ہوئے۔ پس زنباغ نے ان کو پکڑ کر خصی کر دیا اور مثلہ کر دیا حضرت سندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر شکایت کرنے لگے۔ آنحضرت نے حضرت زنباغ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ساتھ یہ بھی کہلوا بھیجا کہ جو کوئی کسی کو مثلہ کرے یا آگ میں جلائے اس کا عذاب اس پر ہو گا۔ ازاں بعد حضرت زنباغ رضی اللہ عنہ آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! سندر آپ کے غلام ہیں آپ ان کو آزاد کر دیں اور اس کے بعد میرے ساتھ اس کو راضی کرادیں۔ آنحضرت نے سندر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ہر مسلمان کو

میری طرف سے یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ تمہارے ساتھ تمہاری بھلائی کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت سندر رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم کے پاس حاضر ہوئے اور بتایا کہ میرے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرح کی نصیحت فرمائی ہے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ یہاں رہو تو میں تمہارا وظیفہ متعین کرتا ہوں اور اگر تم کہیں جانا چاہتے ہو تو وہ بھی بتاؤ میں تمہارے حق میں اپنی طرف سے تحریر کر دیتا ہوں۔ حضرت سندر نے مصر میں جانا پسند کیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے واسطے مصر کے حاکم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب لکھا اور رسول اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کا حوالہ دے کر ان کو تاکید فرمادی۔ سندر رضی اللہ عنہ سفر کرنے کے بعد مصر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھلی زمین کا ایک قطعہ ان کے نام کر دیا۔ پس حضرت سندر رضی اللہ عنہ وہاں رہائش پذیر ہو گئے اور اس میں کھاتے پیتے بھی رہے۔ پھر ان کا وصال ہو گیا تو وہ قطعہ زمین بیت المال میں شمار کر لیا گیا۔

ابن غفیر اپنے تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت زنباغ رضی اللہ عنہ بڑے صاحب دولت اور غنی تھے اور ان پڑھ تھے۔ عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک یہ حیات رہے۔ اصابہ میں انباغ رضی اللہ عنہ کو سلامہ کا فرزند لکھا گیا ہے اور اس کے بعد سارا قصہ استیعاب کی طرح ہی بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک شخص حضرت شمعون رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ استیعاب میں اس طرح منقول ہے شمعون زید بن خشافہ قرظی یعنی قریضہ سے اور یہ ابو ریحانہ اور انصار کے ساتھ حلیف تھے کچھ حضرات نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے اور ان کو ریحانہ کا والد بھی بتایا گیا ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرم پاک تھیں۔ اور ان کی کنیت ان سے تھی۔ یہ صحبت اور سماع سے شرف حاصل کئے ہوئے تھے ان سے روایت بھی اخذ ہوئی ہے۔ زہاد فضلاء میں سے ایک یہ بھی تھے۔ یہ شام میں رہائش پذیر تھے اور ان سے اہل شام نے روایت لی ہے۔

"کاشف" میں ہے کہ یہ متورع تھے اور غزوات کے حالات بیان کیا کرتے تھے اور "تہذیب" میں منقول ہے کہ بعض نے ان کو غین کے ساتھ شمغون بھی کہا ہے۔ جبکہ اصابہ میں عین اور غین دونوں کے ساتھ شمعون اور شمغون بیان کیا گیا ہے۔ ان کی کنیت ابو ریحانہ بڑی معروف و مشہور ہے۔ کچھ حضرات ان کو ازدی بتاتے ہیں اور بعض ان کو انصاری بھی کہتے ہیں اور بعض نے قریشی کہا ہے۔ ان میں سے اول کو ابن عساکر زیادہ صحیح بتاتے ہیں۔ جبکہ شیخ کا قول ہے تمام ازدی انصاری بھی ہیں اور امکان ہے کہ ان میں کچھ قریش کے ساتھ حلیف بھی ہوں۔ اس طرح سے تمام اقوال آپس میں مطابق ہو جاتے ہیں۔ یہ شام میں مقیم تھے اور حدیث ان کی اہل مصر میں ہے۔

ابو الحسن رازی اپنے معتبر شیوخ سے نقل کرتے ہیں کہ دمشق میں آکر اس مکان میں رہائش اختیار کرنے والے یہ اولین آدمی ہیں جس میں کبھی ان کا خلونہ رہا کرتا تھا۔ یہ صحبت سے مشرف ہیں اور پانچ احادیث کے یہ روایت کرنے والے ہیں۔ انہوں نے بیت المقدس میں رہائش کی اور اس جگہ ہی ان سے احادیث بھی لی گئیں تھیں۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ میں

نے بارگاہ رسالت مآب میں پیش ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کا شاق اور مشکل ہونا بیان کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اس چیز کا مکلف ٹھہرایا ہی نہیں گیا جس کی تم کو طاقت حاصل نہ ہو۔ تم اپنے آپ پر سجدہ ریزی ضروری گردان لو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ بہت سجدے کرنے والے تھے۔

نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کشتی پر سوار تھے۔ اپنے ساتھ ایک قرآن اور ایک سوئی لئے ہوئے تھے۔ ان کی سوئی دریا میں گر پڑی تو کہنے لگے۔ خدا کی قسم اے خدا میری سوئی مجھے لوٹا دو۔ پس دریا سے سوئی ظاہر ہوئی اور آپ نے وہ لے لی۔ اصابہ میں ان کے مزید احوال مذکور ہیں۔ ان کی کنیت بھی ابو ریحانہ مذکور ہے لیکن یہ نہیں واضح کیا گیا کہ اگر وہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ریحانہ رضی اللہ عنہ کے والد ہی تھے تو پھر وہ انصاری یا قرشی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ ہاں اس کے ساتھ امکان ہے۔ کہ ابو ریحانہ شمعون رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام تھے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کنیزوں کے تذکرہ سابقاً" مذکور ہو چکا ہے کہ ریحانہ زید بن عمرو کی دختر تھیں اور بعض کا قول ہے کہ ریحانہ بنت شمعون بنی نضیر یا بنی قریضہ کے قیدیوں میں سے ہیں اور آنحضرت سے بر طریق ملک یمین ہم بستری سے ان کی نوازش فرمائی گئی اور بعض نے بیان کیا ہے کہ آزاد کر دینے کے بعد ان سے نکاح کر لیا گیا ہے۔ لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ صرف ریحانہ ہی اسیروں میں تھیں یا کہ ساتھ والد بھی اسیر تھا۔ نیز جب شمعون کو قرظی کی حیثیت سے بیان کیا ہے تو لازم ہے کہ یہ بنی قریضہ سے ہوں اور قیدیوں سے ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

علاوہ ازیں ایک ضمیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ابو ضمیرہ کے بیٹے تھے اور استیعاب میں مذکور ہے کہ ضمیری رضی اللہ عنہ ابو ضمیرہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔ ضمیرہ اور ابو ضمیرہ دونوں صحبت نبوی سے مشرف تھے اور دادا تھے حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ کے۔ یہ اہل مدینہ میں گنے گئے ہیں اور ابن ابی وہب بھی روایت کرتے ہیں حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کے پاس سے گزرے وہ اس وقت رو رہی تھیں آنحضرت نے پوچھا کہ کیا چیز ہے جو تجھے رلا رہی ہے۔ کیا تم بھوکی ہو یا ننگی ہو۔ تو اس نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! میرا بیٹا مجھ سے جدا کر دیا ہے۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ ماں اور اس کے بیٹے میں جدائی نہ ڈالی جائے۔ ازاں بعد کسی شخص کو اس کے ہاں بھیجا جس کے پاس ضمیرہ تھے اور ایک اونٹ کے عوض ان کو خرید لیا گیا اور نقل کیا گیا آنحضرت نے ضمیرہ بن ابی ضمیرہ کے لئے ایک تحریر بھی دی کیونکہ وہ اہل عرب سے تھے اور جو مال غنیمت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حلال کی تھی یہ اس میں سے تھے۔ اس کے بعد ضمیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کے ساتھ ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو آزادی بخش دی۔ لیکن انہوں نے پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی اپنایا اس لئے ان سے کوئی شخص بھی کسی قسم کا تعرض ہرگز نہ کرے۔ تمام مسلمان ان سے خیر و برکت کے ساتھ سلوک کریں ہاں جب مسلمان ان سے ملاقات کریں تو ان کو بھی ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا چاہیے۔ یہ ابی بکر کعب رضی اللہ عنہ نے اور عبد بن اسلم کا اصابہ میں بیان ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن اسلم ہاشمی رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہوئے ہیں۔ یہ بغوی نے بیان کیا ہے ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے انہیں صحابی بیان کیا ہے۔ اور امام احمد اور ان کے سوائے ابن لہیعہ کے طریق پر اور بکر بن سودہ نے عبداللہ بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ مولائے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے اور آنحضرت نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا **اشبهت خلقی و خلقی** تمہیں میری خلقت اور خلق میں مشابہت حاصل ہے۔

علاوہ ازیں ایک غیلان نامی شخص بھی ہوئے ہیں۔ اصابہ میں ان کو مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان سے حدیث بھی روایت کی گئی ہے اس کو رقہ کے باشندوں نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ دجال کا خروج اس حال میں ہو گا کہ وہ لوگوں کو اپنے حق اور انصاف کی دعوت دیتا ہو گا تو کوئی مسافر ایسا باقی نہ ہو گا جو اس کی پیروی اختیار نہ کرے گا۔ لوگ اسے نہ پہچان سکیں گے۔ ازاں بعد ناگاہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں ظاہر ہو جائے گا کہ یہ کافر ہے۔ اس کو ہر مومن شخص پڑھے گا۔ اس کے بعد مسلمان اس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور کافر پیروی میں لگے رہے گے۔

علاوہ ازیں آنحضرت کے ایک غلام فضالہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ یہ یمنی ہیں۔ جعفر مستغفری سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے شام میں آکر رہائش اختیار کی تھی اور ابوبکر محمد بن حزم نے ان کو موالئی رسول میں بیان کیا ہے اور واقدی سے ابن سعد نقل کرتے ہیں کہ وہ شام آکر مقیم ہوئے۔ وہاں پر ہی ان کی اولاد ہے ان کے احوال میں صرف اسی قدر معلوم ہوا ہے۔

ایک حضرت نضیر رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ نضیر کے نام سے دو آدمیوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک نضیر بن الحلس بن نضر الحضرمی ہیں جن کا بیان استیعاب میں ہے اور ان کو نضر بن مالک بن عامر الحضرمی بھی کہتے ہیں۔ وہ جبیر بن نضیر رضی اللہ عنہ سے حدیثیں روایت ہوئی ہیں۔ وہ حدیثیں کچھ وضوء کے بارے میں اور چند دجال کے علامات کے بارے میں ہیں۔

اور اصابہ میں دوسرے نفیر بن مخبب شامی و یمانی مذکور ہیں۔ انہیں صحبت سے مشرف کہا جاتا ہے پس یہ دو نضیر ہیں۔ یہ حتمی طور پر ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون سے نفیر مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

ایک حضرت کریب رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ اصابہ میں کریب کو مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیان کئے گئے ہیں۔ اور عیدان مروزی ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ شیخ کا قول ہے کہ یہ خطا ہے وہ حرب ابو سلمہ رائی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک شخص محمد بن عبدالرحمٰن ہوئے ہیں۔ ان کا نام یہ بتایا جاتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا اور محمد نام رکھ دیا۔ استیعاب اور اصابہ دونوں کتب محمد نام کے متعدد اشخاص مذکور ہیں۔ جو منسوب ہیں اور ایک محمد غیر منسوب بھی مذکور ہیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا غلام کہا جاتا ہے۔ حاکم نے یہ تاریخ نیشاپور

میں فراسان سے وہاں آنے والے لوگوں میں بیان کیا ہے۔

ان کے بیٹوں سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ کا نام ناہیہ ہے اور وہ مجوس تھے۔ رسول اللہ کی بعثت مبارک کی خبر سن کر یہ تجارت کے سلسلہ میں گھر سے چل پڑے اور مدینہ شریف آئے اور مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت نے ان کا نام محمد رکھ دیا۔ پھر وہ اسلام لانے کے بعد اپنے شہر واپس گئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلام کہے جاتے ہیں۔ ان کا گھر مرو میں واقع تھا۔ یہ ابو موسیٰ نے بسند حاکم نقل کرتے ہیں۔

اور دوسرے محمد بن عبدالرحمٰن ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمٰن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں۔ سعین عبدان مروزی اور ماوردی ان کو اصابہ میں صحابہ کرام میں بیان کرتے ہیں روایت کیا گیا ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جو شخص اپنی عورت کا ستر کھول لے اس پر مہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ یعنی دخول کے ساتھ مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ان کے موالی کے جانے کا سبب معلوم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مجوسی تھے۔ قید ہو کر آگئے ہوں اور آنحضرت نے ان کو آزاد فرما دیا ہو۔

ایک شخص مکحول نام کے ہیں۔ ان کتب میں یہ نام نہیں ملا۔ لیکن جو مکحول شامی مشہور ہیں وہ تابعین سے ہیں۔

ایک شخص نافع ابو السائب رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ استیعاب میں مذکور ہے کہ نافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تکبر کرنے والا بہت زیادہ زنا کرنے والا اور لوگوں پر اپنے اعمال کا احسان جتلانے والا جنت میں نہیں داخل ہو گا۔ یہ حدیث ان سے خالد بن امیہ روایت کرتے ہیں۔ لیکن ابو السائب کے نافع نامی صحابہ بہت ہیں۔

ابو السائب مولائے غیلان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور غیلان کے اسلام لانے سے پہلے ہی ابو السائب اسلام لے آئے تھے۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو آزادی عطا فرمائی۔ اس کے بعد غیلان بھی مسلمان ہو گئے۔ تو آنحضرت نے ان کو غیلان کے پاس لوٹا دیا۔ امکان ہے کہ شاید اسی وجہ سے ان کو مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہا گیا ہو کہ آنحضور نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن اس سے نافع کی یہ کنیت تو لازم نہیں ٹھہرتی جبکہ روضۃ الاحباب کی عبارت سے اسی طرح کا علم ہوتا ہے۔

ایک شخص منبہ نام کے ہوئے ہیں۔ استیعاب میں ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ان کے بارے میں مجھے اس سے زیادہ علم نہیں ہے کہ بعض نے ان کو موالئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ان کو خرید فرمایا تھا اور پھر آزاد کر دیا تھا۔ صاحب الجواہر سے اصابہ میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ "سراۃ" کے باشندہ تھے۔

ایک شخص نہیک نام کے بھی ہوئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ نہیک بن الاسود مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ زمانہ مرضی کے دوران سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برائے نماز کھڑے ہو گئے جب افاقہ ہوا تو

آنحضرت نے چاہا کہ مسجد میں جائیں۔ اس وقت ایک حبشی غلام نے آنحضرت کو سہارا دیا اصابہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی نبیک بن الاسود تھے جن کو وہ حبشی غلام کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں ایک حضرت نفیع رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ ان کا نام نفیع بن الحارث کلدہ ثقفی ہے۔ بعض نے نفیع بن مسروح بتایا ہے اور بعض مسروح بن کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام تھے۔ انہوں نے ان کو اپنا بیٹا قرار دے لیا تھا۔ ابو بکرہ کی ماں شمہ تھی اور حارث کی باندی تھی۔ اور وہ زیاد بن ابو سفیان کی والدہ تھی۔ زمانہ جاہلیت میں اس نے اس کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اور ان کی کنیت ان پر غالب آگئی۔ ان کی کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رکھی تھی کیونکہ انہوں نے طائف کے روز اپنا سامان ڈول میں رکھ کر نیچے اتارا تھا۔

سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت یہ شمع اسلام لائے تھے۔ اور آنحضرت کی زیارت کی خاطر یہ ڈول میں بیٹھ کر نیچے اترے تھے۔ لہٰذا ان کی کنیت آنحضرت نے ابو بکرہ رکھ دی۔ بکرہ ڈول کو کہتے ہیں۔ پس ان کی شہرت اس کنیت کے ساتھ ہی ہوئی۔

نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طائف کا قلعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محاصرہ میں تھا تو آپ نے منادی کو ارشاد فرمایا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ قلعہ سے اگر کوئی غلام اتر کر ہمارے پاس آجائے تو ہم اسے آزاد کر دیں گے۔ پس دس غلام اتر آئے۔ آنحضرت نے ان سب کو آزاد کر دیا اور ایک ایک صحابی کو ایک ایک ان میں سے دے دیا۔ تا کہ اس کی وہ حفاظت کریں۔ اہل طائف کے لئے یہ بات بڑی گراں گزری۔ بعد ازاں طائف کے بعض لوگ جس وقت حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے غلام واپس طلب کئے تو آنحضرت نے فرمایا کہ وہ تمام اللہ تعالیٰ نے آزاد کر دیئے ہوئے ہیں اس حکایت کا ذکر قبل ازیں غزوہ طائف میں مذکور شدہ ہے۔ یہ قول اس کی تائید میں ہے کہ ابو بکر مولائے حارث تھے اور اگر ایسا نہیں بھی تو وہ خود کو نبی کریم کا آزام کردہ غلام ہی کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے اہل اسلام میں تمہارا دین میں بھائی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا غلام ہوں اگر تم اس کا انکار کرو تو پھر نفیع بن مسروح ہوں۔ حضرت نفیع فضلاء اور اخیار صحابہ کرام سے ہوئے ہیں انہوں نے بصرے میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بصرہ میں عمران بن حصین اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر فضیلت والا صحابی کوئی بصرہ میں رہائش پذیر نہ ہوا۔ انہوں نے جمل کے دن گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ یہ کسی ایک جانب بھی نہ ہوئے اور کسی فرق کے ساتھ انہوں نے کوئی قتال نہ کیا۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا وصال شریف بصرہ میں ۴۹ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوا تھا اور ان کی طرف سے وصیت کی گئی تھی کہ حضرت ابو بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

علاوہ ازیں ایک شخص ہرمز ابو کیسان رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ کیسان موالئی رسول سے ہیں۔ ان کو ہرمز کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ استیعاب میں یوں مرقوم ہے کہ کیسان غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں ان کا نام ہرمز بھی پکارا جاتا ہے۔ کنیت ابو کیسان ہے۔ نام کے بارے اختلاف ہے۔ کیسان ہے یا مہران ہے یا طہمان ہے اور یا ذاکوانہ یہ تمام نام اس

حدیث سے مذکور ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے صدقہ حرام ہونے کے بارے میں وارد ہے۔

حضرت وردان رضی اللہ عنہ بھی ایک شخص ہیں۔ اور اصابہ میں ذکر آیا ہے کہ حضرت وردان رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ اور ابو نعیم ان کو صحابہ میں بیان کرتے ہیں اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام کھجور کی شاخ پر سے گرے اور فوت ہوئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی اولاد کو ڈھونڈنے کا حکم فرمایا اور اس کا ترکہ اولاد کو دینے کے لئے فرمایا۔ ایک شخص طاتوان کی میراث اسے دے دی گئی۔

علاوہ ازیں ایک شخص حضرت یسار رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ اس سے قبل رباح رضی اللہ عنہ کے بیان میں حضرت یسار رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چرواہے تھے ان کو عرنیوں نے شہید کر دیا تھا اور یسار کے قصاص میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہنم رسید کر دیا تھا اور ان کی جگہ پھر حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا گیا۔

یہاں پر جن یسار رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آیا ہے یا تو یہ دوبارہ ذکر آگیا ہے اور یا یہ کوئی دیگر یسار ہیں اس نام کے لوگ بہت سے مذکور ہیں اور خیال یہ ہے کہ ان میں بہت سے یسار نامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہوں گے آنحضرت کے چرواہے جو یسار تھے وہ آنحضرت کے حبشی غلام تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بنی شعلبہ کے عطفان پر حملہ کیا تھا تو راستہ میں جو غلام ملا تھا اس کا نام یسار تھا۔ ان کے سوا جو یسار ہیں وہ ان غلاموں میں تھے جو طائف کے قلعہ سے اتر آئے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا اور آنحضرت نے تمام کو آزادی عطا فرمائی تھی۔ لیکن یہاں مذکور یسار کے بارے میں اصابہ میں لکھا ہے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور ظاہرا" اس سے یوں مفہوم ہوتا ہے۔ کہ طائف سے اتر آنے والے تمام غلام ایک ایک کر کے صحابہ کو تقسیم کئے گئے تھے ان کی نگہداشت کی جائے لہذا یسار حضرت عثمان کی سپردگی میں دیئے گئے ہوں گے۔ آخر کار تمام کو آزاد فرمایا اور فرمایا۔ ھم عتقاء اللّٰہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے ہیں۔ لہذا اگر یہ یسار حضرت عثمان کے غلام بتائے گئے ہیں۔ تو اس طرح بھی ٹھیک ہے اور آنحضرت کے غلام کہہ دیں تو بھی ٹھیک ہے اور ابو بکر خود بھی اپنے آپ کو آنحضرت کا غلام ہی کہتے تھے یہ تمام اگر موالی رسول کہلائیں تو یہ ممکن ہے۔ رضی اللہ عنہم واللہ اعلم۔

حضرت ابوائیلہ رضی اللہ عنہ بھی ایک شخص ہوئے ہیں۔ ابن جوزی ان کا ذکر تلقیح میں کرتے ہوئے ان کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ یہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ یہاں پر دوسرے ابوائیلہ ہیں۔ ان کا نام راشد ہے اور نقل میں آیا ہے کہ ان کا نام زمانہ جاہلیت میں "ظلم" تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انت راشیدا

اور راشد کا نام دو آدمی ہو چکے ہیں۔ ایک تھے راشد بن حفص بن عمرو بن عبدالرحمن بن عوف اور دوسرے راشد

بن عبدربہ اسلمی اور اصابہ میں مرقوم ہے کہ راشد بن عبدربہ کا غوث نام تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نام راشد رکھ دیا۔ یہ دونوں راشد اپنی کنیت ابواثیلہ ہی رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ابواثیلہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں اصابہ میں ہیں۔ اصابہ میں نہ یہ نام مذکور ہے اور نہ کنیت۔

ایک شخص ابوالبشیر رضی اللہ عنہٗ ہوئے ہیں۔ استیعاب اور اصابہ دونوں کتب میں ایک شخص ابوالبشیر انصاری مذکور ہوئے ہیں۔ جن سے طلوع آفتاب کے ساتھ نماز پڑھنے کے بارے میں حدیث شریف روایت کی گئی ہے۔ ان کی بڑی لمبی عمر ہوئی اور علماء نے فرمایا کہ سوائے ایک کے دیگر ابوالبشیر صحابہ بھی نہیں تھے لیکن ان کا غلام ہونا کسی نے بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابوصفیہ رضی اللہ بھی ایک شخص ہو چکے ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ ابوصفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام تھے اور نیز کہا ہے کہ بخاری انہیں مہاجرین میں شمار کرتے ہیں۔ یونس بن عبیدہ نے اپنی والدہ محترمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتی تھیں۔ کہ میں نے ابوصفیہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ جو کہ مہاجرین میں سے تھے اور کھجوروں کی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ (رواہ بغوی)

دوسری سند میں ابی ابن کعب نے ابوصفیہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ان کے سامنے کنکریاں رکھتے تھے تو وہ شام سے شروع ہو کر نصف شب کے وقت تک اور ظہر سے لے کر شام تک ان پر تسبیح پڑھتے تھے اور یہ بات استیعاب میں بھی روایت کی گئی ہے کہ ابوصفیہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مہاجرین سے تھے اور کہ وہ گٹھلیوں پر تسبیح کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ابوقبیلہ رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں ابوقبیلہ کا کہیں تذکرہ نہیں ملا۔ البتہ یہ ہے کہ ابوقبیلہ کا نام مرشد ہے اور ان کے صحابی ہونے اور تابعی ہونے میں اختلاف وارد ہوا ہے۔ بہر حال یہ مولا اور صحابی ثابت نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں ایک شخص ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اصابہ میں ان کے بارے میں مرقوم ہے کہ یہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوئے ہیں۔ یہ محمد بن حبیب نے اپنی محرز نامی کتاب میں لکھا ہے۔ اور بلاذری کہتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ کے قبیلہ سے تھے اور وہ مکاتب تھے۔ جب انہوں نے کتابت کا بدل ادا کرنے سے عجز کا اظہار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو خرید لیا اور آزاد فرما دیا۔ ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ پڑھے کہ **استغفر الله الذی لا اله الا هو الحیی القیوم واتوب الیه۔** اس کے تمام گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی خواہ وہ کافروں کے مقابلہ سے ہی کیوں نہ بھاگا ہوا ہو۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ بلپ ہیں۔ یسار بن زید بن المنذر کے۔ اور شیخ فرماتے ہیں کہ مشہور یوں یہ ہے کہ یہ حدیث زید بن بلا سے مروی ہے۔ جو غلام تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے۔ جیسے کہ مذکور ہوا۔ انتہیٰ۔ یہ ابولبابہ اور ہیں۔ اور ابولبابہ بن عبدالمنذر دیگر ہیں۔ جن کا نام رفاعہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جنہوں نے مسجد کے ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیا تھا۔ جیسے کہ یہ ذکر اپنے مقام پر گزر چکا ہے۔

علاوہ ازیں ایک شخص ابولقیط رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ اصابہ میں ذکر آیا ہے کہ ابولقیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے حبشی یا کوئی غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ تک یہ زندہ رہے تھے۔ اور استیعاب کے مولف کہتے ہیں کہ کچھ سیرت نگاروں نے ان کے موالی میں ذکر کیا ہے۔ لیکن مجھے ان کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ اور شیخ نے فرمایا ہے کہ محمد بن حبیب اپنی کتاب "محرز" میں کہتے ہیں کہ جعفر مستغفری کہتے ہیں کہ ابوالقیط رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی کے دوران دیوان (دفتری) اٹھایا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ایک حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ یہ ایک مشہور صحابی گذرے ہیں ان کا ذکر استیعاب' جامع الاصول' اصابہ اور حدیث کی کتابوں میں آچکا ہے۔ لیکن اس نام کا کوئی شخص معلوم نہیں ہوا جو موالئی رسول میں سے ہو۔ استیعاب میں ان کا آباؤ اجداد کا نسب بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ وہ انصاری اور سلمی ہیں۔ یہ عقبہ کے بعد بدر میں شریک ہوئے تھے۔ لہذا وہ عقبی ہوئے اور بدری بھی ہوئے۔ بدری بھی ہوئے۔ بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کرنے والے یہی تھے۔ گو یہ پستہ قد' چھوٹی گردن اور بڑے پیٹ کے حامل تھے۔ جبکہ عباس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ طویل القامت تھے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرمایا **لقد اعانک علیہ ملک کریم۔** بے شک ان کو قید کرنے ہیں عزت والے فرشتہ نے تمہاری امداد کی اور بدر کے روز مشرکین کے ہاتھوں سے جھنڈا بھی انہوں نے ہی چھین لیا تھا۔ وہ جھنڈا ابو عزیز بن عمر نے پکڑا ہوا تھا۔ یہ صفین کی جنگ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کی رہائش مدینہ پاک میں تھی۔ ان کا وصال ۵۵ھ میں ہوا تھا۔ یہ استیعاب کی عبارت ہے اور اصابہ میں پہلے اس طرح بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد ان کا نسب' نام اور کنیت کا بیان ہے اور کہا ہے ابوالیسر رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور یہ کعب بن عمر نام رکھتے تھے۔ ان کی عام شہرت ان کی کنیت کے ساتھ تھی۔ یہ عقبہ کے بعد بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ اور یہ کعب بن عمر نام رکھتے تھے۔ ان کی عام شہرت ان کی کنیت کے ساتھ تھی۔ یہ عقبہ کے بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ اور دوسرے غزوات میں بھی انہوں نے شمولیت کی تھی۔ بخاری نے کہا کہ یہ صحابی تھے اور بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ چھوٹی گردن اور بڑے پیٹ والے تھے۔ ان کی رحلت مدینہ شریف میں ۵۵ھ میں ہوئی۔ یہ فوت ہونے والے آخری بدری صحابی تھے' اور ان سے عبادہ بن ولید بن عبادہ بن الصامت نے روایت کیا ہے ان کی مروی حدیث لمبی ہے۔ جو مسلم نے ذکر کی ہے۔ یہ اصابہ کی عبارت ہے۔

جامع الاصول میں ان کی کنیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں۔ اور ان کے اسماء کے بیان میں کہا گیا ہے کہ ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری سلمٰی عقبہ اور بدر میں حاضر ہونے والے ہیں اور انہوں نے ہی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اسیر کیا تھا۔ مدینہ پاک میں ۵۵ھ میں رحلت پذیر ہوئے۔ ان کے علاوہ کوئی دیگر ابوالیسر بیان نہیں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ ارباب سیرت نے ان کا غلام ہونا کہاں سے نقل کیا۔

علاوہ ازیں حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ یہ بھی غلامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے استیعاب اور اصابہ میں مذکور ہے اور کہا ہے کہ ان کی حدیث عطاء بن السائب یہ ہے۔ **ان الصدقة لا تحل لی ولا لاھل بیتی و**

ان موالی القوم من انفسهم۔ بے شک صدقہ حلال نہیں ہے۔ میرے لئے اور میرے اہل بیت کے لئے اور قوم کے غلام ان کے ساتھ ہیں۔ بعض ان کا نام طہان کہتے ہیں اور کچھ علماء نے شک کا اظہار کیا ہے (واللہ اعلم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باندیاں:۔ اب باندیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں ام رافع زوجہ ابو رافع مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ یہ آنحضرت کی خادمہ ہیں اور کہا یہ بھی جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب کی یہ باندی تھیں۔ لیکن ان کو مولاۃ رسول اللہ سے کہا جاتا ہے اور بارگاہ رسالت کے خدام میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ روضۃ الاحباب میں سلمیٰ و ام رافع لکھا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ صفیہ بنت عبد المطلب کی باندی سلمیٰ کو سلمیٰ ام رافع سے علیحدہ شمار کیا ہے اور اصابہ میں شیخ نے فرمایا ہے کہ ابو یعقوب جرمی کا تحریر کردہ ایک مکتوب میری نظر سے مجموعہ ادبیہ میں گزرا ہے۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ یہ وہ عورت ہے۔ جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی تھی جب وہ شکار سے واپس آئے تھے کہ تم نہیں دیکھتے ہو کہ ابو جہل تمہارے بھتیجے کے ساتھ کس طرح کا ظلم کرتا ہے اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ طیش میں آگئے۔ ابو جہل کے پاس گئے اور اس کے سر پر اپنی کمان ماردی۔ حتیٰ کہ اس ملعون کا سر پھٹ گیا۔ ازاں بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ سلمیٰ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی باندی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت بجالایا کرتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دوسری باندی کا نام سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ محترمہ ہیں۔ "سراری" میں ان کے بارے میں ذکر ہو چکا ہے۔ سیدہ ماریہ کی ایک بہن شیریں نامی تھی۔ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے ان دونوں کو بھیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شیریں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائیں۔ ان سے عبد الرحمٰن بن حسان بن ثابت تولد ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تیسری باندی کا نام رضوی ہے۔ اصابہ میں ذکر کیا ہے کہ رضوی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باندی ہیں اور ابو موسیٰ نے کہا ہے۔ کہ ان کا تذکرہ مستغفری نے کیا ہے لیکن ان کے حالات بیان نہیں کئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی چوتھی باندی کا نام امیمہ رضی اللہ عنہا ہے اصابہ میں بیان ہے کہ ابو عمرو نے کہا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وضو کراتی تھیں اور آنحضرت کے ہاتھوں مبارک پر پانی ڈالتی تھی اس وقت ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ اپنے گھر جاؤں۔ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔ خواہ تمہارے جسم کے ٹکڑے ہی کیوں نہ کر دیئے جائیں۔ (الحدیث)

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پانچویں باندی کا نام ریحہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہ ابن سعد کا بیان ہے اور آنحضرت کی چھٹی باندی حضرت سائبہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کو اصابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کنیزک لکھا گیا ہے۔

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یقظہ والی حدیث روایت کی ہے اور اس سے تاریخ نسائی میں طارق بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں اور اس کی مانند ابو موسیٰ اپنی کتاب ذیل میں لکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساتویں کنیزک ام ضمیرہ رضی اللہ عنہا تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی تھیں' یہ ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور ان کا فرزند ضمیرہ رضی اللہ عنہ تھے سابقا موالی کے بیان میں ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکور ہو چکا ہے۔

XX

باب ششم

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس کے محافظین کا بیان

لغوی طور پر حراست کے معانی ہوتے ہیں حفاظت کرنا۔ نگہداشت کرنا اور نگہبانی کرنے والے کو حارسی کہتے ہیں اور اس کی جمع حراس ہوتی ہے اور لفظ احتراس سے مراد ہے اپنی پاسبانی خود کرنا یا اپنی نگہبانی اور پاسبانی کے واسطے کسی کو مقرر کرنا۔ جیسے کہ کچھ صحابہ کا عمل تھا۔ ان کی نگہبانی کا مفہوم یوں نہیں ہے کہ ان کو آنحضرت نے اپنی پاسبانی کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ بلکہ یوں ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کرنے میں لگ جاتے تھے اور سعادت حاصل کرتے تھے۔

محدثین کرام نے اس قسم کے حفاظت کرنے والوں کے اسماء گرامی محفوظ کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے ایسے اشخاص میں سے چند وہ بھی ہوں جو ہمیشہ یہ فرض سرانجام دیتے ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنت الہیہ کی اتباع کرتے ہوئے اس طرح کے اسباب کی رعایت رکھتے تھے۔ جس وقت اس آیت نزول ہو گیا۔ **واللّٰہ یعصمک من الناس** تو آپ نے یہ سلسلہ حفاظت چھوڑ دیا۔

اس قسم کے جو لوگ پاسبانی کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ان میں ایک ہیں۔ یہ قبیلہ اوس سے متعلق تھے اور اجلہ و اکابر صحابہ کرام میں شمار ہیں۔ یہ عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ کے وسط میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ ان کا کنبہ تمام انصار میں سے اولین اسلام قبول کرنے والا تھا۔ اپنی قوم کے مخدوم' بزرگ اور مسلمہ پیشوا تھے۔ جیسے کہ قبل مناسب مقام پر مذکور ہوا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لقب سید الانصار عطا فرمایا گیا تھا۔ یہ بدر اور احد میں شریک تھے۔ احد کے دن نبی کریم کے ساتھ یہ مضبوط اور ثابت قدم رہے تھے اور غزوہ خندق کے دوران اکحل نامی رگ میں دشمن کا تیر آلگا۔ عرصہ ایک مہینہ گزرا کہ اسی تیر کے زخم کے سبب سے ان کا وصال ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ کی نماز میں شمولیت کی تھی۔ حضرت جبریل نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اپنے صحابہ کرام کو یہ خوشخبری دے دیں کہ آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں کہ ان کا استقبال کریں۔ ان کے وصال پر اللہ تعالیٰ کا عرش بھی حرکت میں آگیا ہے۔ خندق اور بنو قریظہ کے غزوات کے بیان میں یہ تمام حالات مفصل مذکور ہو چکے ہیں۔ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کر رہے تھے اور آنحضرت کے لئے انہوں نے ہی ایک عریش بنایا تھا اور عریش کی پہرداری پر یہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے

جنہوں نے خود کو مقرر کر رکھا تھا۔

اس عریش میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں ننگی تلوار لئے پہریداری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ تاکہ کوئی مشرک آنحضرت کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے پائے۔ ابن السماک کا یہ بیان ہے کہ کتاب "الموافقت" میں۔ (کذافی المواہب) یہاں پر حراست اور نگہبانی کے معنی بیان کرنا بہتر ہے۔ لیکن حیرانی اس بات کی ہے کہ روضتہ الاحباب میں مذکور نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک پاسبان محمد بن مسلمہ انصاری مدنی اشہلی رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔ یہ جملہ غزوات میں شریک رہے سوائے غزوہ تبوک کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ یہ یکے از فضلائے صحابہ تھے۔ صحابہ کرام میں یہ اولین ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ یہ گہرے گندمی رنگ کے تھے قد لمبا تھا اور جسیم تھے۔ تحقیق یوں ہے کہ ان کا رنگ سیاہ تھا اور خاصے تنومند جسیم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد پاک کے مطابق انہوں نے فتنہ سے بچاؤ کی خاطر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور انہوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شمولیت نہ کی تھی۔

اصابہ میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس آدمی کی پہچان ہے جس کو فتنہ کوئی نقصان نہ دے گا اور آپ نے محمد بن مسلمہ کو اس موقع پر یاد فرمایا تھا۔ یہ بغوی وغیرہ کی روایت ہے اور مشکوۃ میں بھی یہ ابوداؤد کی روایت سے نقل کی گئی ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے ایک تلوار عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس کے ساتھ مشرکین سے قتل کرو اس وقت تک جب تک کہ قتل کیا جائے اور جب امت کا حال اس طرح کا ہو جائے کہ یہ آپس میں گردنیں کاٹنے لگیں تو پتھر پر مار کر یہ تلوار توڑ دینا اور اپنے گھر بیٹھے رہنا۔

سیرت نگار حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اس فتنہ کے وقت جن لوگوں نے خانہ نشینی اختیار کی تھی۔ ان میں حضرت سعد ابی وقاص' عبداللہ عمر' محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم شامل ہیں اسامہ رضی اللہ عنہ خود اول وقت کے دوران مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی تمام اولاد نے بھی اسلام ہی کو اپنایا۔ نسائی کی روایت سے مشکوۃ میں ان سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نفلی نماز میں جب قیام ہوئے تھے تو یہ پڑھا کرتے تھے۔ **اللہ اکبر انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما آنا من المشرکین** انہوں نے ھ یا ھ میں وصال پایا۔ اس وقت ان کی عمر ستتر برس کی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاسبانی غزوہ احد کے روز تھی۔ (کذافی المواہب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک پاسبان حضرت ذکوان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قیس ہوئے ہیں۔ یہ مواہب میں مذکور نہیں ہیں۔ روضتہ الاحباب میں روایت کیا گیا ہے کہ احد کے دن محمد بن مسلمہ اور ذکوان بن عبداللہ بن

قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے لیکن بدر کے حالات میں سابقاً" مذکور ہو چکا ہے کہ احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس چودہ صحابہ کرام باقی رہے تھے ان میں سات مہاجرین تھے اور سات ہی انصار تھے۔ یہ دونوں گروہوں کے بیان کرنے کے بعد آخر پر کہا گیا ہے کہ ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے لیکن ان میں حضرت ذکوان بن عبداللہ بن قیس نہیں لکھا۔ یہ شہدائے احد سے ہیں۔

اصابہ میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب احد کے واسطے باہر نکلے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا جو آدمی خواہش کرتا ہے کہ وہ اس شخص کو دیکھے جس کے پاؤں تلے جنت کے سبزہ زار روندے جائیں گے وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ آنحضرت کے الفاظ مبارک یہ ہیں۔ **من احب ان ینظر الی رجل بطاء قدمه غدا خضرة الجنة فینظر الی هذا** (الحدیث بطولہ) اور استیعاب میں یوں آیا ہے کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں شامل تھے ازاں بعد یہ مدینہ پاک سے چلے اور مکہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہاں پر ان یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے۔ لہٰذا یہ مہاجر بھی کہلاتے ہیں اور انصاری بھی۔ یہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور غزوہ احد میں یہ شہادت سے مشرف ہوئے یہ دونوں کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے پاسبانی کے ذکر سے خالی ہیں۔ لیکن یہ بھی امکان ہے کہ زکوۃ بن عبداللہ عبداللہ بن قیس جو پاسبان آنحضرت تھے کوئی دوسرے شخص ہوں۔ لیکن ان کے بارے میں کہیں تذکرہ نہیں ملا۔ (واللہ اعلم)

اس سلسلہ محافظین نبوت میں حضرت زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب اسدی قرشی بھی شامل ہیں۔ آنحضرت سے نسب شریف میں قصی پر جا کر ان کا نسب مل جاتا ہے۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور حضرت زبیر ان کے بیٹے تھے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی ہیں۔ ان کی زوجہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔ سولہ سال کی عمر تھی جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ بعض بتاتے ہیں کہ اس وقت پچیس سال عمر تھی اور اصابہ میں بارہ سال اور آٹھ سال نقل کی گئی ہے۔ ان کا چچا ان کے اسلام قبول کرنے پر بڑے سخت گیر ہوئے تھے۔ ان کو چٹائی میں لپیٹ دیا جاتا تھا اور پھر ان کو دھواں دیا جاتا تھا۔ تاکہ اسلام سے منہ موڑ لیں لیکن یہ اسلام پر محکم رہے اور حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ یہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شامل تھے اور احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ بڑی ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔ اور غزوہ خندق کے دوران یہ آنحضرت کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ جیسے کہ سابقاً" مذکور ہو چکا ہے نبی کریم نے جس آدمیوں کے لئے جنت کی خوشخبری دی ہے یہ بھی ان میں سے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن چھ آدمیوں پر امر خلافت کا مشورہ ٹھہرایا تھا۔ یہ بھی ان میں شامل ہیں۔ کہ کسی کو ان میں سے خلیفہ چن لیا جائے۔ یہ دبلے پتلے تھے اور گندمی رنگ والے لمبے قد کے آدمی تھے۔ بلکہ اس قدر لمبے تھے کہ سوار ہوتے تو پاؤں زمین پر لٹکتے تھے۔ ان کو خراج ادا کرنے والے ایک ہزار غلام تھے۔ یہ اس سارے مال کو تصدیق فرما دیتے تھے اور گھر میں نہ لاتے تھے۔

ان سے پوچھا گیا کہ آپ احادیث کی بڑی کم روایت فرماتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ قرب سے میں واقف ہوں۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ **امن کذب علی فلیتبوا مقعده من النار** جو مجھ پر جھوٹ باندھے اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لینا چاہیے۔ لہٰذا مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے اور روایت نہیں کرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ جھوٹ میں پڑوں حالانکہ پہلے سے ہی مجھے یہ معلوم تھا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے پہلے تلوار اٹھانے والے یہ شخص ہیں۔ ان کی طرح راہ خدا میں اولین تیر انداز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کثیر مناقب و فضائل رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے حواری (مددگار) ہوا کرتے ہیں۔ میری امت سے میرے حواری زبیر ہیں۔ دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا۔ **لكل نبيى حوارى وانتما حوارى** مخلص اور محب آدمی حواری کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی حواری تھے۔ علاوہ ازیں روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو عبداللہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ یہ تم کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ تا کہ دوزخ کی آگ کے شعلے سے دور رکھوں یہ اشارہ ہے کہ دوزخ میں داخل نہ کئے جائیں گے دخول جنت کی دلیل کے ساتھ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ھ میں جنگ جمل کے دوران شہادت سے سرفراز ہوئے اور ان کی تدفین وادی سباع میں ہوئی بعد ازاں یہ بصرہ میں منتقل کر دیئے گئے۔ اہل سیر کے بیان کے مطابق ان کی شہادت کا واقعہ یوں ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پکارا کہ میرے پاس زبیر آئیں جب زبیر ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اے زبیر تمہیں میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ سقیفہ بنی فلاں میں جب میں اور تم نبرد آما تھے تو ہمارے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے۔ آپ نے فرمایا۔ اے زبیر تمہیں علی مرتضیٰ کے ساتھ محبت ہے؟ تو تم نے جواب دیا کہ کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ میں علی سے محبت نہ کروں۔ جبکہ وہ میرے ماموں ہیں۔ میرے پھوپھی زاد ہیں اور میرے دین میں ہیں۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم زبیر سے محبت رکھتے ہو تو میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! ان کے ساتھ کیوں نہ مجھے محبت ہو۔ جبکہ وہ میری پھوپھی کے فرزند ہیں اور میرے دین میں ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **واللّٰه لتقاتلنه وانت ظالم** خدا کی قسم تم دونوں قتل کرو گے اور حال یہ ہو گا کہ تمہاری یہ جنگ بیجا ہو گی۔ پس حضرت زبیر حضرت علی سے کہنے لگے۔ خدا کی قسم۔ بالکل درست ہے۔ آنحضرت نے اس طرح فرمایا تھا لیکن میں بھول چکا تھا۔ میں نے اس طرح ہی آنحضرت کو فرماتے سنا تھا اور اب مجھے وہ بات یاد آ گئی ہے۔ خدا کی قسم تم سے میں ہرگز جنگ نہ کروں گا۔ پس زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے واپس آ گئے ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ واپسی کا سبب کیا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ علی نے مجھے اس حدیث کی یاد دلائی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی۔ لہٰذا اب میں ان سے ہرگز جنگ نہیں کروں گا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ آپ لوگوں کی اصلاح کے لئے آئے ہیں۔ ان سے جنگ تو آپ کا مقصد نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس معاملہ

میں اصلاح فرمادے۔ حضرت زبیر کہنے لگے کہ خدا کی قسم میں نے ان کے ساتھ جنگ نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے لوگوں میں یہ بات مشتہر ہو گئی اور زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور واپس آ گئے۔

قتادہ نے روایت کیا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ جب جنگ سے لوٹ آئے۔ اس بات کا پتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لگا تو فرمایا اگر ابن صفیہ رضی اللہ عنہما کو پتہ ہوتا کہ وہ حق پر ہیں تو ہرگز واپس نہ جاتے ازاں بعد زبیر ایک موضع میں پہنچے اور نماز پڑھنے لگے۔ اس اثناء میں حضرت علی کی فوج سے ایک آدمی وہاں پہنچا۔ جس کا نام جرموز تھا اور اس نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس وقت کاٹ لیا۔ جبکہ وہ نماز میں تھے اس کے بعد وہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اجازت چاہی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہے۔

دیگر ایک روایت میں یوں ہے کہ جرموز آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو زبیر کے قتل کے کر دیئے جانے کی خوشخبری دیتا ہوں تو حضرت علی نے جواب میں فرمایا کہ میں تجھے جہنم میں داخل کئے جانے کی خوشخبری دیتا ہوں اور فرمایا کہ تو ابن صفیہ رضی اللہ عنہما کو قتل کر کے بڑا فخر کرتا ہے۔ حالانکہ تم نے دوزخ میں اپنا ٹھکانا تیار کر لیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور زبیر میرا حواری ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دینے کے بعد جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی تو فرمایا کہ آگاہ رہو کہ خدا کی قسم اس تلوار کے ساتھ اس کے مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے بہت سی سختیاں دفع کی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جرموز کا بیٹا آیا اور اشارہ کرنے لگا کہ اہل بلا سے یوں سلوک کیا جاتا ہے' تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تمہارے منہ میں خاک پڑے بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں ہوں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین ط وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین ورضی اللہ عن اصحاب رسول اللہ اجمعین (اللهم آمین)۔**

ایک حضرت سعد بن ابی وقاص' سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ یہ کنیت ابی وقاص مالک کی ہے۔ اور یہ حضرت سعد ہی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ (ان عشرہ مبشرہ (دس) حضرات میں سے سب سے آخر میں ان کا وصال ہوا تھا۔ یہ آدمیوں کی مجلس مشاورت میں بھی شامل تھے۔ بہت سی احادیث یہ روایت کرتے ہیں اور اکابر صحابہ کرام کی ایک جماعت ان سے روایت لیتی ہے۔ جیسے کہ سیدہ عائشہ' ابن عباس' ابن عمر' جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم علیہم اجمعین اور تابعین کبار میں سے سعید بن المسیب' ابو عثمان نہدی علقمہ اور احلف وغیرہم نے اور ان کی اولاد ابراہیم' عامر' مصعب اور محمد رضی اللہ عنہم یہ تمام ان سے روایت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اہل اسلام میں سے اولین تیر انداز ہی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہوئے" ہیں۔ اور عراق کو فتح کرنے والے لوگوں کے یہ سردار ہیں۔ یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے حاکم مقرر کئے گئے تھے انہوں نے کوفہ کی تعمیر کی۔ یہ کوفہ کا شہر اسلامی شہروں میں سے ہے۔ اس کی بنیاد حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں رکھی گئی تھی انہیں معزول کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوفہ کے حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ مستجاب الدعوات تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے حق میں یوں دعا بھی فرمائی تھی۔ **اللھم استجب لسعد اذا دعاک**

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سات روز میں متوقف رہا تھا۔ حالانکہ میں تیسرا آدمی تھا جو اسلام لایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر یہ اس وقت سترہ یا انیس برس کے عمر کے تھے اور انہوں نے تمام غزوات میں شمولیت کی تھی۔ مدائن اور دوسرے عجمی ممالک انہوں نے فتح کئے تھے اور فارس کے بادشاہوں کی بنیادیں انہوں نے اکھاڑ پھینکی تھیں۔

ترمذی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں سعد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میرے ماموں ہیں اور کون ہے جو میرے ماموں کو میرے پاس لانے والا ہو؟ نبی کریم کے ان کو ماموں کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولاد عبد مناف سے زہرہ کے بیٹے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدہ محترمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بھی عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں اور زہرہ کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بھائی لگتے ہیں۔

مکہ شریف میں ہوتے ہوئے ابتدائی دور میں صحابہ نمازیں پڑھا کرتے تھے لیکن مشرکوں سے چھپ کر پڑھتے تھے سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک گھاٹی میں صحابہ کرام کی جماعت میں حضرت سعد بھی نماز میں مشغول تھے۔ تو مشرکین نے اپنی نفرت کا اظہار کیا اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنے وغیرہ دیئے۔ حتیٰ کہ نوبت مارنے پیٹنے تک پہنچ گئی اور انہوں نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پکڑ کر حضرت سعد کو دے ماری۔ جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔ اسلام میں سب سے اولین خون ریزی یہ تھی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاسبان ہونے کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جاگ رہے تھے آپ کو نیند نہ آتی تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ کاش میرے صحابہ میں سے کوئی صالح عمل شخص میری نگہداشت کرتا۔ ناگاہ آپ کو ہتھیاروں کے کھنکنے کی آواز سنائی دی۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور میں ہوں۔ سعد اس کے بعد آنحضرت کے پاسبانی کے فرائض میں کھڑے ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتنہ سے بھی بچے رہے۔ انہوں نے اس میں کوئی حصہ نہ لیا۔ ہاشم بن عتبہ

نے انہیں کہا کہ امیر معاویہ کے تم ماموں ہو۔ تمہیں تمہاری ماں کی طرف سے معاویہ سے قرابت حاصل ہے اور وہ اپنے ساتھ ایک لاکھ تلواریں رکھتے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم کو بھی اس معاملہ میں حق حاصل ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تو اس طرح کی تلوار چاہتا ہوں جو کسی مسلمان پر اگر اٹھائی جائے تو کافر نہ کرے اور کافر پر اٹھاؤں تو وہ کارگر ثابت ہو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قد مبارک چھوٹا تھا۔ گندمی رنگت تھی اور ان کی انگلیاں بھری بھری سی تھیں۔ مدینہ شریف سے دس میل دور اپنے مکان میں ان کا وصال شریف ہوا تھا اور ان کا مکان مقام عقیق پر واقع تھا۔ وہاں سے ان کا جنازہ لوگوں نے کندھوں پر اٹھا کر قبرستان بقیع میں ان کی تدفین کی تھی۔ وصال شریف ھ یا ھ میں ہوا تھا۔ اور ستر برس سے کچھ اوپر عمر شریف ہوئی تھی اور کچھ حضرات نے عمر بیاسی برس بھی بتائی۔

ایک قول ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیس برس چھوٹے تھے اس حساب سے تو ان کی عمر اٹھاسی برس بنتی ہے۔ بلکہ اکانوے برس ہو جاتی ہے۔ (کذا قیل واللہ اعلم)

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے پاسبانوں میں شمار ہیں۔ یہ انصاری اشہلی تھے حضرت سعد بن معاذ سے قبل یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے بدر۔ احد اور دیگر سب غزوات میں شرکت کی تھی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی خدمت بجالاتے تھے۔ غزوہ خندق میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے' مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے اور آیت پاک **واللہ یعصمک من الناس** اس کے نزول کے بعد انہوں نے پاسبانی کرنا ترک کر دیا تھا۔ بڑے فاضل صحابہ میں یہ شمار ہوتے ہیں۔

اصابہ میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عباد بن بشر کی آواز جب آنحضرت نے سنی تو آپ نے فرمایا اللھم ارحم عباد ان کے دین کے بارے میں بہت سی اخبار وارد ہوئی ہیں۔ کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے والے لوگوں میں یہ بھی تھے جن دو صحابہ کی لاٹھیاں روشنی دینے لگی تھیں۔ ان دو میں سے ایک یہ ہیں۔ ان سے حضرت انس بن مالک اور عبد الرحمٰن بن ثابت رضی اللہ عنہما نے ان سے روایت اخذ کی ہے یمامہ کی جنگ میں یہ شہادت سے سرفراز ہوئے تھے پچپن سال کی انہوں نے عمر پائی تھی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے پاسبانوں سے ہیں۔ یہ خالد بن زید نام رکھتے تھے ان کا تعلق قبیلہ بنو بخار سے ہے۔ عقبہ بدر' احد' خندق اور دوسرے جملہ غزوات میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ تھے انہوں نے روم کے علاقہ میں ھ یا ھ میں جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امیر تھے یزو کے علم کے تحت ان کا وصال ہوا۔

سیرت نگار حضرات نے کہا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تدفین میں جو مسلمان شامل تھے ان سے اہل روم کہتے تھے کہ یہ بڑی شان والے ہیں۔ تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں اور ہم سے بھی قبل مسلمان ہوئے تھے اور ہم ان کو یہاں دفن کر رہے ہیں جو کہ تم بھی دیکھتے ہو اور اگر تم نے ان کی قبر

کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا۔ تو جب تک ہماری سلطنت حکومت رہے گی تم اپنا ناقوس نہ بجا سکو گے۔ اسی طرح کے مفہوم کے ساتھ مجاہد نے بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس وقت بھی رومیوں نے یہ خواہش کی کہ ان کی قبر کی بے حرمتی کریں اور قبر کو کھولیں تو اتنی بارش ہوتی تھی کہ وہ یہ کام نہ کر سکتے تھے اور یہ بھی بیان کیا کہ ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ پتہ چلا کہ روم کے لوگ ان کی قبر کے پاس بیٹھتے ہیں اور ان کی قبر سے بارش برسنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور کہ وہ قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

شعبہ نے بیان کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اور نہروان کے ان کے مقدمہ پر ان کا تعین ہوا تھا۔ محمد بن سیرین سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ بدر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ شامل تھے اور یہ کہ یہ کبھی بھی کسی غزوہ کے موقع پر بیٹھے نہ رہے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا وصال روم کے علاقہ میں ہو گیا۔ جس وقت قسطنطنیہ کے لشکر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید پلید امیر بنایا گیا تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم کو کیا ہو گیا ہے جو ہم پر جوانوں کو امیر مقرر کر دیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **انضروا خفافا ونقالا** ابو ایوب اس جگہ کے دوران بیمار ہو گئے یزید بن معاویہ ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا تو عرض کیا کہ میرے لئے کچھ وصیت فرمادیں تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری دنیا سے جب رحلت ہو تو مجھے کفن دے دینا اور پھر لوگوں کو حکم دے دینا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے دشمن کے علاقہ میں چلتے جائیں جہاں تک کہ جانے کی طاقت ہو پھر وہاں پہنچ کر مجھے دفن کر دینا۔ پس ان کی وصیت کے مطابق یزید نے عمل کیا اور روایت کیا گیا ہے کہ یزید نے یہ حکم دیا کہ تم آتے جاتے اپنے گھوڑوں کو دوڑاؤ تاکہ ان کی قبر کا نشان معلوم نہ ہو سکے (رواہ مجاہد)۔ یہاں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کا عمل اس لئے کیا گیا ہو گا کہ ان کی قبر کے ساتھ دشمن کوئی زیادتی نہ کرنے پائیں اور اس کو نہ کھولیں۔ یا ہو سکتا ہے یہ فعل بھی یزید کی خباثت اور اعمال شنیعہ سے ہو اور پہلے سے ہی ان کے ساتھ وہ دشمنی رکھتا ہو۔ (واللہ اعلم)۔ رواہ ابن عبد البر فی استیعاب)۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کثیر فضائل و مناقب رکھتے ہیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب تک مسجد نبوی نہ بنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے مکان میں مقیم رہے اور یہ عام مشہور ہے۔ حضرت ابو ایوب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان سے براء بن عازب' انس بن عباس' جابر بن سمرہ وغیر ہم رضی اللہ عنہم نے روایت اخذ کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ جب وہ عراق کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے غزوہ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاسبانی کی۔ جبکہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی عروسی کی شب تھی اس لئے کہ اس دوران یہود کی طرف سے شرارت کا خدشہ محسوس کیا جاتا تھا۔ (رضی اللہ عنہ)۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی پاسبان رسول ہوئے ہیں۔ یہ بارگاہ نبوت میں بڑے مقرب تھے اور خواص سے تھے۔ موذنوں کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کا حال تفصیل سے بیان کریں گے۔

اور ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں مواہب الدینہ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے دن ننگی تلوار پکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کر رہے تھے آپ کے سرہانے کی طرف کھڑے تھے۔ رضی اللہ عنہ۔ (رضی اللہ عنہ اعلیہم اجمعین)

××

باب هفتم

دربار نبوّت کے کاتب

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں متعدد اشخاص کتابت کرتے تھے کچھ لوگ وہ تھے جو صرف وحی الٰہی کی کتابت کرتے تھے۔ بعض بادشاہوں اور امراء کی طرف خطوط وغیرہ تحریر کرتے تھے اور کچھ لوگ صدقات کے اموال کو کتابت میں لانے والے تھے۔ کچھ وہ کاتبان تھے جو مدانیات اور معاملات و شرائط وغیرہ رقم کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود کتابت سے منزہ تھے اور جیسے کہ عرب کی عادت تھی صحابہ کی اکثریت کتابت نہ جانتی تھی۔ لہٰذا صرف وہ لوگ اس کام پر مامور کئے جاتے تھے۔ جو کتابت کے ہنر سے واقف تھے روضۃ الاحباب میں کاتب یوں مقرر کئے جاتے تھے۔

کہ حضرت عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب کاتبان وحی تھے۔ ان دونوں حضرات کی عدم موجودگی میں یہ کام ابی بن کعب اور زید بن ثابت سرانجام دیتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ اعلیہم اجمعین۔ اگر یہ چاروں ہی حاضر نہ ہوتے تو پھر دیگر جملہ کاتبوں سے جو حاضر ہوتا وہ کتابت وحی بھی کرتا تھا۔ انتہیٰ۔ لیکن یہ بھی کوئی مخفی امر نہیں ہے کہ کاتبوں کی مندرجہ بالا ترتیب پر سخن ہے بلکہ یوں ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما زیادہ کتابت وحی کرتے تھے گویا کہ وہ اس کے لئے مقرر شدہ تھے۔ جملہ اسماء گرامی کے بیان کے بعد آخر میں انشاء اللہ استیعاب سے وہ بحث منقول کی جائے گی جو اس بارے میں مفید ہے اور سیرت پر تحریر شدہ کتب میں اور اس قسم میں لکھی گئی ہر کتاب میں استیعاب سے ہی اخذ و بیان منقول ہے۔

کتابت کرنے والے حضرات کی تعداد روضۃ الاحباب میں چالیس مذکور ہے اور ان میں چاروں خلفاء راشدہ بھی شمار ہیں ان کے فضائل اور مناقب مشہور ہیں۔ پھر بھی اگر ہم ان کے نام علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے کچھ ضروری حالات اور وصال کی تاریخ اور عرصہ خلافت ذکر کریں تو زیادہ مناسب ہے۔

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ :۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ دور جہالت میں ان کا نام عبدا لکعبہ ہوتا تھا۔ کچھ حضرات عبد رب الکعبہ بتایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اسم گرامی عبداللہ رکھ دیا۔ دیگر ایک قول یہ بھی ہے کہ عتیق نام رکھا تھا۔ کیونکہ وہ آتش جہنم سے آزاد ہیں اور کچھ حضرات نے کہا ہے کہ ان کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ لہٰذا جب ان کی ولادت ہوئی تو انہیں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا کیا گیا۔ اے خدا! انہیں موت سے نجات عطا فرما اور میرے لئے ان کو بخش دے۔ بعض حضرات نے ان کا نام عبداللہ بھی قدیم سے یہی بیان کیا ہے اور درست اور صواب یوں ہے کہ دونوں نام اسلامی ہیں۔

ترمذی شریف میں روایت کیا گیا ہے کہ من اراد ان ینظر الی العتیق من النار فینظر الی ابی بکر اور ایک قول اس طرح سے ہے لقبہ لقب بہ لعتاقہ ای حسنہ وجمالہ اور بعض یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ کا لقب عتیق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نسب میں اس طرح کی کوئی بات نہیں تھی۔ جو ان پر عیب لگانے کے باعث بن سکتی۔ اس لئے کہ وہ پہلے سے ہی نیک راستہ پر تھے اور قاموس یوں لکھا ہے۔ العتق الکرم ولجمال والنجاۃ والشرف والعتیق لقب الصدیق اور سمیتہ بہ امتہ اور تمام امت اس پر متفق ہے کہ آپ کا لقب صدیق ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق میں سبقت کی تھی اور جملہ احوال میں آنحضرت کی صداقت پر انہوں نے لازم تصدیق کی۔

دار قطنی اور حاکم ابویحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ممبر شریف پر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کتنی بار یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان پر ابوبکر کا نام صدیق رکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت پاک سے دو سال اور کچھ مہینے بعد حضرت صدیق پیدا ہوئے تھے اور ان کی خلافت کی خدمت بھی اسی قدر ہی ہے۔ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد پوری کرنے کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔ انہوں نے تریسٹھ برس عمر پائی اور بے حد و شمار فضائل و مناقب کے یہ حامل ہیں۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضرت کے دوسرے کاتب اور خلیفہ راشد ہیں۔ آپ عام الفیل سے تیرہ برس بعد ماہ محرم کی چاند رات میں پیدا ہوئے تھے۔ اشراف قریش میں شمار تھے اور ایام جاہلیت میں سفارت کے فرائض ان کے ذمہ تھے۔ قریش کے ساتھ اگر کوئی جنگ کا موقع ہوتا تھا تو یہ سفیر اور قاصد بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ قد کی لمبائی کے اعتبار سے یہ لوگوں میں فائق تھے۔ گویا کہ یوں تھے کہ یہ خود سوار ہوں اور دوسرے پیدل ہوں۔

وہب ابن منبہ نے فرمایا ہے کہ توریت میں ان کی یوں صفت بیان ہوئی ہے۔ قرن جریل امین والقرن الجبل الصغیر وسمی الفاروق بفرقۃ بین الحق والباطل یہ جس وقت مسلمان ہوئے تھے تو جبریل علیہ السلام آئے اور آنحضرت سے عرض کیا کہ اہل فلک حضرت عمر کے مسلمان ہو جانے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اس آیت پاک کا نزول ہوا تھا۔ یایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت کے دوران ایک ہزار اور چھتیس شہر بمعہ ملحقہ قصبات و دیہات فتح کئے گئے تھے اور مسجدیں جو تعمیر کی گئی تھیں ان کی تعداد چار ہزار ہے اور چار ہزار ہی مندر، بتکدے اور آتش کدے منہدم کئے گئے تھے اور جوامع کے اندر ایک ہزار نو صد منبر بنوا کر رکھے گئے تھے اور کثیر احادیث ان کے مناقب و فضائل کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں اور تمام فضیلتوں سے بڑھ کر یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر صحیح بخاری میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ لقد کان فیمن قبلکم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر بے شک تم سے پہلے لوگوں میں محدثین ہوا کرتے تھے اور بلاشبہ تمہارے ساتھ میری امت سے

ایک ہے اور وہ ہیں عمر۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کنا اصحاب محمد لانشک ان السکینۃ ینطق علی لسان عمر ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عمر کی زبان پر سکینہ گویا ہے۔

ان فضائل کا شمار ناممکن ہے ان کا دور خلافت دس سال اور چھ ماہ ہے۔ حج سے واپس آنے کے بعد ان کا وصال ہوا تھا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلاد رسولک اخرجہ البخاری کعب احبار کا بیان ہے کہ آپ کو میں تورات میں شہید لکھا ہوا پاتا ہوں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ:- عام الفیل سے چھٹے سال بعد حضرت عثمان پیدا ہوئے تھے۔ آپ قدیم الاسلام ہیں۔ آپ آنحضرت کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل ہی اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور اسلام لانے والے چوتھے شخص تھے۔ یعنی ابوبکر صدیق پھر علی مرتضٰی پھر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اولین ایمان لانے والے ہیں اور ابوبکر صدیق نے حضرت عثمان کو دعوت اسلام دی تھی اور یہ ایمان لائے تھے۔ ان کے اسلام لانے پر حکم بن العاص نے ان کو پکڑا اور باندھ دیا اور شدید اذیتیں دیں۔ لیکن دین پر ان کے استحکام کو دیکھ کر اس نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔

ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے لوگوں نے حضرت عثمان کے متعلق دریافت کیا۔ تو علی مرتضٰی نے فرمایا وہ اس طرح کے آدمی ہیں کہ ان کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کہہ کر پکارتے ہیں۔ نیز ابن عساکر حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ عثمان کے لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یوں فرماتے سنا ہے۔ کہ میری اگر چالیس بیٹیاں ہوتیں تو ان کو میں ایک کے بعد دوسری دیتا جاتا۔ جس وقت سیدہ ام کلثوم کا نکاح ان کے ساتھ کیا گیا۔ تو ان کو کہا گیا تھا کہ تمہارے جو شوہر ہیں وہ تمہارے جد اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں اور آنحضرت نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا ان دو زوج سے بہتر تم نے کوئی زوجین دیکھے ہیں۔ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورین کی فضیلت بیان کرنے والی بہت احادیث مروی ہیں اور ان تمام میں مشہور ترمذی حدیث حیا کرنے کے بارے میں آئی ہے۔ ابن عساکر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے کہ خدا کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ میرے پاس حاضر تھا۔ وہ کہتا تھا۔ شھید تقتلہ قومہ فانا نستحیی منہ یہ شہید ہیں ان کی قوم ہی ان کو قتل کرے گی۔ ان سے ہم حیا کرتے ہیں۔ ترمذی اور حاکم نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

ابن ماجہ نے مرہ بن کعب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک فتنہ کے بارے میں بیان فرمایا اور بتایا کہ یہ نزدیک ہی ہے اسی اثناء میں چادر لپیٹے ہوئے ایک شخص گزرا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اس دن یہ شخص راہ راست پر ہو گا۔ پس میں کھڑا ہو گیا کہ دیکھ لوں یہ کون شخص ہے۔ تو دیکھا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی

شہادت کا واقعہ مشہور ہے یہ فتنہ سب سے پہلا فتنہ تھا جس کا ظہور اسلام میں ہوا تھا۔ ان کی خلافت کی مدت بارہ سال ہے اور ھ کے ایام تشریق کے وسط میں جمعہ کے دن انہوں نے شہادت پائی تھی اور کچھ حضرات چھیاسی برس اور بعض اٹھاسی اور نواسی سال بھی بتاتے ہیں (واللہ اعلم)

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ:- امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے کاتب تھے اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ ان کا اسم گرامی علی ہے۔ کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے بیٹے ہیں اور آنحضرت کے مواخات کے اعتبار سے بھائی ہیں۔ یہ سیدہ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں اور سبطین سعیدین امام حسن اور حسین جو کہ شباب اہل جنت کے سردار ہیں کے والد ماجد ہیں ان کا نام جاہلیت کے زمانہ میں بھی اور اسلام میں بھی علی ہے اور ارباب سیر نے کہا ہے کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے والد کے نام کے لحاظ سے ان کا نام حیدر رکھا تھا۔ لیکن ابوطالب آئے تو ان کو یہ نام پسند نہ آیا اور انہوں نے ان کا نام علی رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نام صدیق رکھا۔ کمافی ریاض النصرۃ اور ان کی کنیت ابو الریحانین رکھی گئی تھی۔ بیضتہ البلد 'امین' شریف 'ہادی' مہدی ذی الاذن الذرعیہ 'یعسوب الامت آپ کے القاب ہیں۔

سیرت نگار حضرت نے ان کی پیدائش جوف کعبہ میں بیان کی ہے۔ یہ قدیم الاسلام تھے اور حضرت ابن عباس' زید بن ارقم' سلیمان فارسی' مقداد بن اسود اور صحابہ کی کثرت رضی اللہ عنہم کا نظریہ یہ ہے اور ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے کہ اکثر اہل علم نے یہ کہا ہے۔

ابو یعلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت بروز دوشنبہ ہوئی تھی اور دوشنبہ کے دن ہی میں مسلمان ہو گیا تھا اور استیعاب میں ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے اور انہوں نے اس کو ظاہر کر دیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی جب اسلام لائے تھے تو اس وقت وہ دس سال یا آٹھ سال کی عمر کے تھے۔ جیسے کہ علامہ سیوطی نقل کرتے ہیں اور جام الاصول میں ہے کہ ان کی اس دن عمر کتنی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کچھ حضرات پندرہ برس بتاتے ہیں اور کچھ نے چودہ برس بھی کہا ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ وہ صغیر سن تھے اور بلوغ ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے۔ کبھی بتوں کی پوجا بھی نہ کی۔ وہاڑی بڑی تھی اور لمبی تھی۔

"فصل الخطاب" میں تاج الاسلام کی اربعین سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت علی مرتضٰی بڑے حسین اور وجیہ تھے جیسے کہ چودھویں کا چاند ہوتا ہے۔ سوائے غزوہ تبوک کے یہ جملہ غزوات میں شامل ہوئے۔ غزوہ تبوک کے وقت اہل بیت کی خاطر آنحضرت ان کو چھوڑ گئے تھے۔ ان کے فضائل و آثار شجاعت بہت زیادہ مذکور و مشہور ہیں۔ خیبر کے دن نبی کریم نے ان کو علم عطا فرمایا تھا اور فرمایا تھا۔ کہ آج میں اس آدمی کو جھنڈا عطا کروں گا جو خدا تعالٰی اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور خدا اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو علی مرتضٰی کو تنگ کرے گا اس نے مجھے تنگ کیا

اور جو علی مرتضیٰ کو گالی دیتا ہے وہ مجھے گالی دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ سے صرف مومن اور مسلمان لوگوں کو محبت ہو گی اور منافقوں کو علی مرتضیٰ سے بغض اور عداوت ہو گی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت راشدہ کے تیس سال گزر گئے تو علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ چار سال سات مہینے اور چھ یا بارہ دن خلیفہ رہے۔ کچھ حضرات نے چار سال اور نو ماہ بھی بتایا ہے۔ پانچواں سال آپ کے فرزند امام حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہما نے مکمل کیا تھا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:- طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت کے پانچویں کاتب تھے۔ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کا نام عثمان تھا اور یہی والد تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ حضرت ابوبکر کے بھتیجے تھے اور ابوبکر اور عثمان ہر دو حضرات حضرت ابو محافہ کے فرزند ہیں۔ حضرت طلحہ کے باپ کا نام عبید اللہ بن عثمان ہے اور طلحہ رضی اللہ عنہ ابو محمد کنیت رکھتے تھے سب سے پہلے اسلام لانے والے آٹھ حضرات میں سے یہ بھی آدمی ہیں۔ نیز یہ ان پانچ آدمیوں میں سے ہیں جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے نیز چھ اصحاب شورہ میں بھی یہ شامل ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم راضی تھے اور یہ ان دس میں بھی شامل ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنت کی خوشخبری دی ہوئی ہے۔ یعنی عشرہ مبشرہ' جملہ غزوات میں یہ شامل تھے سوائے غزوہ بدر کے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اس دن قافلہ کے بارے میں خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ سعید بن زید کے پاس اور احد کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑی اچھی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دیئے تھے اور اس قدر دفاع کیا کہ ان کے ہاتھ کی انگلیاں مفلوج ہو گئی تھیں۔ ان کو چوبیس زخم اس روز لگے تھے۔ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ احد کے دن ان کے جسم اقدس پر تیروں اور نیزوں سے پچھتر زخم آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس روز دو عدد زرہ زیب تن کی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس دن بہت ایذا دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک پتھر پر چڑھ جانا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نہ چڑھ سکے تھے۔ لہٰذا آپ نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ان پر اپنا قدم مبارک رکھا اور اس طرح سے پتھر پر چڑھ گئے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ بشارت دی اور جب طلحہ۔ طلحہ نے ایسا کرنے سے اپنے لئے واجب کر لی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طلحہ سے فرمایا اے طلحہ! یہ جبرئیل ہیں۔ یہ تم کو سلام کرتے ہیں۔ نیز کہہ رہے ہیں کہ قیامت کے دن جب ہولناک سماں ہو گا تو میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ تاکہ اس سے تمہاری حفاظت کروں۔ احد کے دن جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک صرف بارہ صحابہ کرام باقی رہ گئے تھے اور دیگر جملہ اہل اسلام ہزیمت اٹھا کر آپ سے جدا ہوئے تھے۔ تو ان بارہ اشخاص میں ایک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ازاں بعد ایک مشرک آیا وہ چاہتا تھا کہ تلوار سے حملہ آور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رخ زیبا کو مجروح کر دے لیکن حضرت طلحہ نے اس کا حملہ

روکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بسم اللہ۔ بے شک میں نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا گھر جنت میں بنا دیا گیا ہے جبکہ حال یہ ہے کہ تم ابھی اس دنیا میں ہی ہو اور اسی احد کے دن ان کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلحۃ الخیر الجواد رکھا۔

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جس وقت احد کا ذکر فرمایا کرتے تھے تو کہتے کہ وہ دن سارا ہی طلحہ کے واسطے تھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ھ میں جمادی الاخرہ کے مہینہ میں جنگ جمل کے دوران شہید ہوئے تھے۔ ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ بعض باسٹھ برس بتاتے ہیں اور کچھ لوگ چونسٹھ برس بھی کہتے ہیں۔ نیز کہا ہے کہ مروان بن الحکم نے اپنی دیرینہ دشمنی کے بنا پر ان کو شہید کیا تھا۔ اس نے تیر پھینکا جس سے ان کا حلق چیر دیا گیا تھا۔

جنگ جمل کے موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب تھے اور یہ ان کی خطائے اجتہادی کی بناء پر ہوا تھا۔ ثوار بن مجزا سے روایت کیا گیا ہے وہ بتاتے ہیں جنگ جمل کے وقت میں طلحہ بن عبداللہ کے پاس آیا اس وقت یہ زمین پر افتادہ تھے۔ ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ انہوں نے اپنی گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا ایک ایسے آدمی کے چہرہ دکھائی دے رہا ہے۔ جیسے کہ چاند ہوتا ہے۔ بتاؤ تم کون شخص ہو میں نے جواب دیا کہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا ایک ساتھی ہوں۔ تو طلحہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ آگے کرو۔ کہ میں تمہارے بیعت کرتا ہوں۔ پس میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا اور انہوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد جان دے دی۔ پھر میں نے حضرت علی کے پاس آکر طلحہ کی بیعت ان کو بتائی۔ تو حضرت علی نے فرمایا۔ اللہ اکبر' اللہ اکبر یہ صدق رسول اللہ ہے۔ میری بیعت کے بغیر اللہ تعالیٰ طلحہ کو جنت میں داخل ہونے سے روک دیتا تھا۔ نقل کیا گیا ہے کہ جنگ جمل کے روز ایک آدمی نے طلحہ کے قاتل کی حیثیت سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ تو حضرت علی نے فرمایا کہ اس کو جہنم کی آگ کی خبر دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میں طلحہ اور زبیر ان میں سے ہوں گے۔ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرور متقابلین** یعنی ہم نے ان کے سینوں سے کینہ دور کردیا ہے۔ لہٰذا یہ بھائی بھائی ہیں اور آمنے سامنے فرش پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ:- حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آنحضرت کے چھٹے کاتب ہیں۔ اس سے پہلے ان کے حالات اور ذکر احوال اور پاسبانی رسول کے بارے میں بیان ہو چکا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:- یہ حضرت سعد آنحضرت کے ساتویں کاتب ہیں۔ ان کے حالات و بیاں بھی آنحضرت کے مخالفین کے ضمن میں آچکا ہے۔ کاش کہ ان کی احادیث کا بھی پتہ چل جاتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کاتب وحی تھے۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ:- عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور

آنحضرت کے کاتبوں میں شامل ہیں۔ یہ حبشی الاصل غلام تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان کو خرید لیا تھا اور پھر آزادی دے دی تھی آنحضرت جب دار ارقم میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عامر بن فہیرہ اس سے قبل ہی اسلام لا چکے ہوئے تھے اور حسن الاسلام تھے ہجرت مدینہ کے وقت سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عامر بھی تھے یہ بدر اور احد میں شریک ہوئے تھے حضرت جابر بن عبداللہ 'عبدالرحمن بن عوف اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے ان سے حدیث اخذ کی ہے۔ ان کی شہادت بیر معونہ کے روز واقعہ ہوئی۔ یہ اس وقت چالیس برس کی عمر کے تھے۔ ان کی پشت پر تیر مارا گیا تو انہوں نے فرمایا فزت ورب الکعبہ کعبہ کے رب کی قسم مجھے میری مراد حاصل ہو گئی اور فیروز مند ہو گیا ہوں۔ ہجرت سے چوتھے سال کے واقعات میں ان کا قصہ بیان کر دیا گیا ہے۔

نقل کیا گیا ہے کہ مقتولین میں ان کی لاش کی جستجو کی گئی۔ لیکن کسی کو نہ مل سکی۔ پس لوگ کہنے لگے کہ ان کی ملائکہ نے تدفین کر دی ہے اور سیرت نگار حضرات کہتے ہیں کہ لوگوں کو یہ آسمان کے درمیان دکھائی دیئے جب کہ ملائکہ ان کو لے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ یہ آسمان میں پوشیدہ ہو گئے رضی اللہ عنہ۔

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:- یہ ہیں حضرت ثابت بن قیس بن شماس مدنی انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی کنیت ابو محمد تھی اور ابو عبدالرحمن ان کو لوگ کہتے تھے احد سے لے کر جملہ غزوات میں شامل تھے یہ اکابر صحابہ سے ہیں اور اعلام انصار میں شمار ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی جنت کی خوشخبری دی تھی۔ یہ خطیب الانصار تھے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطیب پکارے جاتے تھے۔ جب بنو تمیم بڑے فخر کی حالت میں و ناز کے ساتھ آئے جن کا ذکر قبل ازیں گزر چکا ہے۔ انہوں نے اپنی طرف خطبات کہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ان کے خطبات کو جواب دیا جائے۔ پس حضرت ثابت نے ایک بلیغ خطبہ فی البدیہہ طور پر دیا۔ جس سے وہ سب لوگ متحیر ہوئے اور ان کو شرمساری ہوئی اور انہوں نے کہا کہ عالم غیب سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد و نصرت ہو جاتی ہے کہ کسی اور کو وہ نہیں ملتی جس طرح کہ قبل ازیں غزوہ حنین میں مذکور ہو چکا ہے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے باقی احوال اور ان کی شہادت کے بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ آنحضرت کے خطیبوں کے بیان میں کیا جائے گا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں نے ان سے روایت اخذ کی ہے۔ بخاری۔ ابو داؤد اور نسائی میں ان کی روایت ذکر کی گئی ہیں۔ جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید کی سپہ سالاری میں مسیلمہ کذاب کے خلاف تھا اور شہادت کا یہ سال ہے تھا۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس آیت کا نزول ہو گیا۔ **یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** اس وقت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے رہے تھے اور انہوں نے اپنے لئے دروازے بند کر دیئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ یہ بلند آواز والے تھے مقصد یہ تھا کہ بلندی آواز کا دربار رسالت میں ارتکاب نہ ہونے پائے اور اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔

آنحضرت نے مجلس سے غیر حاضر پاکر دوسروں سے پوچھا کہ ثابت کے حاضر نہ ہونے کا سبب کیا ہے وہ کہاں ہیں اور ایک آدمی کو بھی ان کے پاس بھیجا گیا۔ اس نے جاکر دیکھا کہ سر نیچے جھکائے لٹکائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو پوچھا کہ کیسا حال ہے۔ حضرت ثابت نے کہا کہ میں ایک بلند آواز شخص ہوں اور مجھے اپنی بلند آوازی کے سبب سے اپنے اعمال ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے پس آدمی نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان کے حال کی خبردی اور کہا کہ وہ یوں کہتے ہیں۔ آنحضرت نے حکم فرمایا کہ جاکر ان کو بتاؤ کہ وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں۔ خیر کے ساتھ تم زندہ رہو گے اور تمہاری رحلت بھی خیر کے ساتھ ہی ہو گی۔ سیرت نگار بتاتے ہیں کہ ازاں بعد اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **ان اللّٰه لا يحب كل مختال فخور اللہ تعالیٰ** تمام اترانے اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس دفعہ بھی حضرت ثابت گھر بیٹھ گئے اور باہر آنا بند کر دیا آنحضرت نے ان کے بارے میں پوچھا تو عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جمال نورانی محبوب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی قوم پر اس ضمن میں مجھے فوقیت حاصل رہے لیکن یہ بھی خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں مختال اور فخور لوگوں میں مجھے بھی نہ شمار کیا جائے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں سے نہیں ہو۔ تمہاری زندگی محمود ہے تمہیں شہادت سے سرفرازی ملے گی۔ اور تم جنت میں جاؤ گے۔

حضرت خالد اور ابان رضی اللہ عنہما:۔ حضرت خالد اور ابان رضی اللہ عنہما بھی کاتبین میں سے ہیں۔ یہ سعید بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی کے بیٹے ہیں۔ سعید بن عاص کے آٹھ بیٹے تھے۔ تین کافر ہی رہے۔ ایک کا اجیحہ تھا جس کے نام سے سعید بن عاص کی کنیت بنی ہے۔ دوسرے کا نام عاص تھا اور تیسرا عبیدہ تھا اور ان کو ابو خلیجہ سعید بن العاص پکارتے تھے۔ پانچ فرزند مسلمان ہو گئے تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کو حکومت اور امارت بھی ملی۔ ان پانچوں کے نام ہیں' خالد' عمرو' سعید بن العاص رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ بعض ان کو تیسرے خیال کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک چوتھے تھے اور بعض ان کو یہاں لانے میں پانچواں شخص گردانتے ہیں اور تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ اس طرح ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے تو حضرت علی یوں کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں تم سے بھی پہلے اسلام لایا تھا اور خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے ساتھ جھگڑا کروں گا۔ کیونکہ میں نے صرف اپنے والد سے ڈرتے ہوئے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا جبکہ تم نے مخفی نہ رکھا تھا یہ ذکر ابن عساکر نے کیا ہے اور اسی طرح ہی سیرت نگار حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے تھے۔ واللہ اعلم۔

ان کی بیٹی کا نام ام خالد رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ کم سن تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں جو کپڑے پیش کئے گئے تھے۔ ان کو آنحضرت نے ام خالد کو ایک اوڑھنی دی تھی اور ساتھ آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ ام خالد! **هذه سنه** حبشی زبان کے مطابق سنہ سے مراد حسن ہے۔

"عوارف" میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے ام خالد کو ایک اوڑھنی پہنائی تھی اس سے صوفیا حضرات خرقہ عطا

کرنے میں سند لیتے ہیں۔ دار قطنی نے بروایت موسیٰ بن عقبہ تاریخ ابن عساکر سے "افراد" میں روایت کیا ہے کہ ام خالد بن خالد بن سعید بن العاص سے میں نے سنا۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت مبارک سے قبل خالد سعید کو ایک خواب دکھائی دیا کہ مکہ شریف میں اسی طرح کا اندھیرا چھا گیا ہے جس میں ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ پس چاہ زمزم میں سے ایک نور ظاہر ہوا اور وہ آسمانوں تک کی بلندیوں تک چھا گیا۔ اس کی وجہ سے کعبہ شریف بھی روشن ہوا اور سارا مکہ شہر بھی روشن ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں نے یثرب کے کھجوروں کے جھنڈ بھی دیکھے نیند سے بیداری پر خواب میں نے اپنے بھائی عمرو بن سعید کو بتایا۔

عمرو بن سعید خواب کی تعبیر بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ کہنے لگے یہ اس قسم کی کوئی بات ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد میں اس کا ظہور ہو گا اور تمام کچھ اس کی اولاد سے ہی ظہور پذیر ہو گا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ازاں بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور ام خالد رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ سب سے اول اسلام لانے والے میرے والد تھے۔ انہوں نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بتایا تھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ **یا خالدا واللہ انا ذالک النور وانا رسول اللہ** ازاں بعد آنحضرت نے اپنے دین اسلام کے متعلق ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوا تھا۔ ان کے بعد ان کے برادر عمرو بن سعید کو اپنے ساتھ لیا اور حبشہ کی جانب ہجرت پذیر ہو گئے۔ وہاں یہ دس سال سے تھوڑا زیادہ عرصہ مقیم رہے۔ وہاں پر ان کے ہاں ان کے فرزند سعید بن خالد بن سعید اور لڑکی ام خالد تولد ہوئے تھے۔ یہ غزوہ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے۔ ازاں بعد یہ دیگر غزوات میں بھی شامل رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا تاکہ یہ صدقات وصول کریں اور ابھی یمن میں تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس دنیا سے رخصت فرما گئے۔

اور حضرت ابان رضی اللہ عنہ جو تھے وہ سعید بن العاص بن امیہ کے فرزند تھے اور اپنے بھائیوں کے بعد یعنی خالد اور عمرو کے بعد یہ مسلمان ہوئے تھے۔ پہلے یہ اپنے برادران کو طعن و تشنیع کرتے تھے کہ تم نے اسلام کیوں قبول کر لیا ہے لیکن بعد میں یہ خود بھی مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام حسن تھا۔ یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنی امان میں لے لیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ حدیبیہ سے مکہ شریف آنحضرت کے حکم سے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے گھوڑے پر سواری کرائی تھی اور کہا کہ ہرگز کوئی خوف نہ کریں کھلے بندوں آئیں جائیں۔ حرم شریف کے معززین میں سے سعید کے فرزند بھی تھے۔

حدیبیہ اور خیبر کے واقعات کے وسط میں ابان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کی امارت بھی عطا فرمائی اور جانب نجد روانہ کیا اور جس وقت علاء الحضرمی حکومت سے علیحدہ کئے گئے تو آنحضرت نے ان کو بحرین کی حکومت عطا فرمائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف تک یہ بحرین کے

متواتر حاکم رہے اور یہ خالد اور ابان رضی اللہ عنہما جو کہ سعید بن العاص کے فرزند تھے سیرت نگار انہیں کاتبوں میں بیان کرتے ہیں لیکن ان اخبار اور آثار کا انہوں نے تذکرہ نہیں کیا جو اس جلیل المرتبت عہدہ پر دلالت کرتے ہیں۔

ان کے دوسرے تین بھائیوں کا ذکر بھی اسماء الرجال کی کتب میں موجود ہے۔ یعنی عمرو' سعید' اور حکم' حکم کا نام عبداللہ رکھ دیا گیا تھا۔ عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں استیعاب میں کہا گیا ہے اور ایام جہالت میں یہ حکم نام رکھتے تھے۔ آنحضرت نے یہ بدل دیا اور عبداللہ نام رکھ دیا اور ان کو کتابت کرنے کا ہنر سیکھنے کا حکم بھی فرمایا۔ پس انہوں نے خوب کتابت کرنا سیکھ لیا۔ یہ غزوہ بدر میں شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ بعض ان کی شہادت جنگ موتہ میں بیان کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک جنگ یمامہ میں ہے۔ سعید بن العاص کے بعد ان میں سے کوئی باقی نہ تھا سوائے ان کے بیٹے عاص کے اور عاص کا بھی ایک فرزند تھا جو سعید بن عاص اصغر کہلاتے ہیں اور ان کے دادا سعید بن العاص اکبر کہلاتے ہیں۔ وہ امیہ کے بیٹے تھے اور یہ سعید بن العاص اصغر کی پیدائش ہجرت کے سال یا اس سے ایک سال بعد میں ہوئی تھی۔ یہ اشراف قریش میں شمار کئے جاتے ہیں یہ فصاحت و بلاغت کے حاصل تھے اور بڑے سخی تھے۔ ان کو عکۃ العسل کہا جاتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین نے جن لوگوں سے مصاحف قرآن تحریر کرائے تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہیں علاوہ ازیں ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لہجہ سے یہ بڑی مشابہت رکھنے والے تھے اور قرآن پاک کا عربی لہجہ ان کی زبان پر بڑا خوب تھا۔

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا عامل مقرر کیا تھا اور انہوں نے جہاد کر کے طبرستان کو فتح کیا تھا اور جرجان پر بھی انہوں نے جہاد کیا اور اسے بھی فتح کر لیا اور ہجرت سے پچیس یا تیس سال بعد انہوں نے آذربائیجان بھی فتح کر لیا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہونے والے فتنوں کے وقت یہ بالکل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو استحکام ملا تو انہوں نے ان کو مدینہ شریف پر حاکم مقرر کر دیا۔ پھر یہ معزول کئے گئے اور مدینہ کا حاکم مروان بنا دیا گیا اور جب مروان مدینہ کی حکومت سے معزول کئے گئے تو مدینہ کا حاکم سعید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ ازاں بعد ان دونوں میں حکومت تبدیل ہوتی رہی۔ کسی وقت مروان کو حکم دیا جاتا تھا کہ سعید کا گھر تباہ و برباد کیا جائے اور کبھی سعید کو حکم ہوتا تھا کہ مروان کو املاک وغیرہ نیست و نابود کر دو۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان احکام پر ان دونوں حضرات کو بڑا تعجب تھا اور دونوں ان کے اس رویہ سے تنگ آ چکے ہوئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ پاک میں سعید بن العاص اصغر کی عمر صرف نو سال تھی یا دس سال اور ان کا وصال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر میں ہوا۔ ۸۷ھ تھا یا ۵۹ھ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ کسی اکرم آدمی کو یہ چادر پیش کرنے کا میں نے ارادہ کیا ہوا ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم یہ چادر اس بچہ کو دے دو۔ وہ بچہ یہی سعید بن العاص اصغر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا کپڑا اثیاب سعیدیا کہلاتا ہے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سعید اکرم عرب تھے اور یک گونہ غیبی بشارت تھی کہ بہت زیادہ اکرمیت کے حامل ہوں گے۔ لہذا ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ بڑی سخاوت اور فصاحت و بلاغت کے مالک تھے اور یا پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس عورت کی طرف سے چادر کا ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبول نہ فرمایا تھا اور آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کو یہ چادر دے دو۔

یہاں بنو امیہ کا تذکرہ طویل ہو گیا ہے۔ جبکہ یہ راقم الحروف (شیخ عبدالحق صاحب مدارج) ان کے تذکرہ اور حالات سے ہرگز کوئی غرض نہیں رکھتا بلکہ حق و انصاف کی رو سے ان کے بارے میں طبیعت کچھ بیگانگی محسوس کرتی ہے۔ البتہ یہ پتہ چل گیا ہے کہ بنو امیہ کے بھی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ مروانیہ ہے اور دوسرے کی نسبت ان کی جانب ہے اور حکومت اور امارت بتقدیر الٰہیہ ان کے دست تصرف میں آئی۔ ان دونوں گروہوں کا ایک وسطی گروہ ہے جو سعدیہ کہلاتا ہے اور اسے یہ مشرف حاصل ہے کہ وہ قدیم الاسلام ہے صدق لہجہ رکھتے ہیں اور ان کو جمع قرآن وغیرہ کی سعادت و نورانیت بھی حاصل ہے۔ یہ گروہ ان تمام خوبیوں کا حامل ہے۔ (کمالا یخفی)۔

حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ :۔ یہ حضرت حنظلہ بن ربیعہ یا ربیعہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاتبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ اسیدی بھی کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی نسبت اسید بن عمرو بن تمیم سے ہے۔ ابو ربعی ان کی کنیت ہے اور اصلیہ سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ ان کو ہی غسیل ملائکہ کہتے ہیں اور استیعاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جو حنظلہ میں ربیع کاتب تھے۔ وہ اور شخص ہیں اور حنظلہ بن ابی عامر راہب غسیل ملائکہ دیگر شخص ہیں۔ (فقدبر)

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ جو کاتب ہیں وہ اکثم صیفی کے بھتیجے ہیں ان کی نسبت صیف سے ہے اور یہ اکثم جو تھے وہ عرب کے دیہات میں سے سن رسیدہ شخص تھے۔ ان کو بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ میسر ہوا تھا اور ایک سو نوے سال کی ان کی عمر تھی اور آنحضرت سے قبل اپنی قوم کو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظہور کی خوشخبری بھی دیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کے موقع پر انہوں نے اپنی قوم کو اکٹھا کیا تھا اور بھیجا تھا کہ جا کر آنحضرت پر ایمان لاؤ لیکن مالک بن نویرہ یربوعی نے آکر یہ تمام مجمع منتشر کر دیا اس کے بعد اکثم نے بارگاہ رسالت میں اپنے فرزند کو بھیجا اور ساتھ اپنی قوم کے وہ آدمی بھی بھیجے جو اس کا حکم مانتے تھے۔ یہ قریش سے تھے۔ لہذا دوران راہ ہی اختلاف میں پڑ گئے اور یہ لوگ آنحضرت کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکے۔ اکثم بڑا دانا آدمی تھا۔ ان کے اقوال میں یہ بھی ہے کہ جس آدمی میں خیر مفقود ہے اسے دیگر لوگوں سے خیر کی امید نہیں ہونی چاہیے اور جس آدمی کو اقبال و دولت حاصل ہو جاتے ہیں اس کی عقل اور آرزوئیں اس کی خادم ہوتی ہیں اور کہ جس شخص پر ادبار آ جائے اور دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو ایسے آدمی کی عقل دیگر لوگوں کی خادم ہوتی ہے۔

حضرت حنظلہ کو بصرہ کے لوگوں کے خلاف جنگ جمل میں لڑنے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف تھا۔ لہذا یہ علیحدہ ہو گئے تھے اور ساتھ نہ گئے تھے ان کی روایت کردہ کوفہ کے لوگوں میں ہے اور ان سے ابو عثمان

نہدی اور زید بن اشجر روایت اخذ کرتے ہیں۔ ان کا وصال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد شروع میں ہو گیا تھا۔

ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ:۔ یہ ابو سفیان بن حرب بھی کاتبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے دو فرزند یزید اور معاویہ نام کے تھے۔ ان کی کنیت ابو سفیان ہے اور ابو حنظلہ بھی ہے۔ یہ نسب یوں ہے۔ ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ یہ عام الفیل سے دس برس قبل پیدا ہوئے تھے اور دور جاہلیت میں اعیان قریش میں سے تھے۔ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف انتہا درجہ تک دشمنی تھی۔ یہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے تھے۔ اور یہ غزوہ حنین اور طائف میں حاضر ہوئے تھے۔ اپنے مناسب مقام پر اس سے قبل ان کے حالات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

ان کے حسن اسلام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور اس بارے میں مختلف قسم کے اخبار اور آثار روایت کئے گئے ہیں۔ بعض سے حسن اسلام ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم حسن اسلام۔ مروی ہے کہ غزوہ حنین میں اہل اسلام کو جس وقت ہزیمت ہوئی تو ابو سفیان نے کہا تھا۔ بطل السحر۔ یعنی جادو باطل ہو گیا۔ اس ضمن میں علماء کے بیانات ہم یہاں تحریر کرتے ہیں۔

شیخ ابو عمرو بن عبد البر استیعاب میں دو طرف کی خبریں تحریر کی ہیں اور فرمایا ہے کہ ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ جس وقت ابو سفیان مسلمان ہوئے تھے تو ان کا اسلام حسن ہو گیا تھا۔ حضرت سعید بن المسیب اکابر اور قدما تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد المسیب صحابی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جنگ یرموک میں یہ ابو سفیان اپنے بیٹے یزید بن ابو سفیان کے جھنڈے تلے میں نے دیکھے ہیں۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیر بنایا تھا اور ان کو جھنڈا دیا تھا ان کے ساتھ ابو سفیان کو بھی بھیجا تھا۔ مجھے کسی آدمی کی آواز سنائی دی وہ مڑ رہا تھا اور ساتھ کہہ رہا تھا۔ **یا نصر اللّٰہ اقرب** جب میں نے غور سے دیکھا تو یہی ابو سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ جو قتل کرتے ہوئے یا نصر اللہ اقرب کہہ رہے تھے۔

روایت کیا گیا ہے کہ یرموک کی جنگ کے موقع پر مسلمانوں کی گھوڑ سوار جماعت کے پاس ابو سفیان کھڑے ہو کر یوں کہتے تھے۔ اللہ اللہ تم عرب کے سوار ہو اور تم اسلام کے انصار ہو جبکہ وہ روم کے سوار ہیں اور وہ نصرانی اور اہل شرک ہیں۔ اے اللہ! یہ دن بھی تیرے دنوں میں سے ہے اپنے بندوں پر اپنی طرف سے مدد بھیج دے۔ اس قسم کی روایات شیخ ابن حجر اصابہ میں بیان کرتے ہیں اور ان کے ساتھ وہ روایات بھی بیان کی ہیں جو اس مفہوم کے خلاف ہیں اور بعید ہیں۔ پھر بھی آخر پر فرماتے ہیں۔ **والاول هوا الاصح** (واللہ اعلم)

استیعاب میں کہا گیا ہے کہ ایک جماعت کی بیان کردہ روایات سے منافقین کی پشت پناہی اور اسلام سے بعد ثابت ہوتا ہے۔ حسن سے مروی ہے کہ جس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے یہ ابو سفیان ان کے پاس حاضر ہوئے۔ ابو سفیان اندھے تھے۔ کہا کہ نصف وعدہ کے بعد تمہاری طرف یہ خلافت واپس آئی ہے۔ لہٰذا تم زیادہ تر بنو امیہ کو حاکم مقرر کرو اور یہ حکومت ہے۔ میں جنت دوزخ کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی زجر و توبیخ فرمائی اور فرمایا

تجھ سے اللہ تعالیٰ ایسا سلوک کرے جس کے تم حقدار ہو۔ اور ابوسفیان کو اپنے پاس سے باہر نکال دیا۔

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ اس کی مانند اور بھی اقوال شنیعہ ابوسفیان کے متعلق وارد ہوئے ہیں جو اہل اخبار نے ذکر کی ہیں۔ لیکن مجھے ان کے بیان کرنے کی کوئی وجہ محسوس نہیں ہوئی لہٰذا میں ان کا ذکر نہیں کرتا۔ کیونکہ ان اخبار میں ابوسفیان کے اسلام کو غیر حسن اور غیر محفوظ ثابت کرنے والی باتیں ہیں جبکہ سعید بن المسیب والی حدیث اس کا اسلام ثابت کرنے والی ہے اور اصابہ میں مذکور ہے کہ وہ مولفتہ القلوب تھے اور قبل ازاں احد اور بدر کے مواقع پر مشرکین کے امیر تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو بحرین کی عملداری بھی سپرد کی تھی۔ لیکن اس کا ثبوت نہیں ملا اور ابن اسحاق کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں منات کے تجلخانہ کی طرف بھی بھیجا تھا۔ جو انہوں نے جاکر منہدم کر دیا تھا۔

ابن سعد بروایت ابوالسفر نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جب مکہ کی فتح کے موقع پر ابوسفیان کو لوگ نبی کریم کے پیچھے چلتے دکھائی دیئے تو اسے حسد پیدا ہوا اور کہتا تھا کہ کاش یہی لوگ آنحضرت پر پلٹ کر حملہ کریں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوسفیان کے سینہ پر۔ کینہ پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھے ذلیل کرے۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ استغفر اللّٰہ واتوب الیہ میں نے اپنے دل میں گزرنے والے خیال کو اپنی زبان پر ظاہر کیا ہے۔

اور فتح مکہ کے روز آنحضرت نے اس وقت جبکہ آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے فرمایا تھا۔ کیا تمہارے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ن شہادت دو کہ لا الٰہ الا اللّٰہ تو ابوسفیان چپ ہو رہا اور دوبارہ جب کہا گیا کہ کیا یہ وقت نہیں آیا کہ تو یہ شہادت دے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے کہا تھا کہ ابھی تک مجھے یہ یقین نہیں ہوا ہے اور ابھی تک مجھے اس میں شک ہے۔

ایک روایت یوں بھی آئی ہے کہ ابوسفیان کے دل میں آیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے باعث محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو ہم پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ پس اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ روز طائف ابوسفیان کی آنکھ میں ایک تیر آلگا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے آنکھ میں تیر لگ گیا ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تو یہ خواہش کرتا ہے کہ میں تمہاری آنکھ کی واپسی کے لئے دعا فرماؤں اور اگر تجھے جنت کی طلب ہے تو پھر تو صبر کر۔ پس اس نے کہا کہ مجھے جنت کی خواہش ہے۔ اس کے بعد جنگ یرموک میں اس کی دوسری آنکھ بھی ختم ہو گئی۔ اور یہ اپنی ہر دو چشم سے اندھا ہو گیا۔

ابوسفیان تجارت کیا کرتے تھے اور شام اور عجم کے ملکوں کی طرف اپنا مال تجارت بھیجتے تھے اور کسی وقت بذات خود بھی بغرض تجارت چلے جاتے تھے۔ بدر اور احد کے وقت یہ ابوسفیان ہی تھا جس نے مکہ والوں کو جنگ کی ترغیب تھی۔ یہ بڑا بخیل اور کنجوس بھی تھا جس طرح کہ نبی کریم کی خدمت میں اس کی زوجہ ہند بنت عتبہ آئی تھی اور اس کے بارے میں اس نے بخیل کی شکایت پیش کی تھی کہ بچوں کے لئے پیٹ بھر کر کھانا بھی مہیا نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا پوچھا کہ کیا اس کے مال سے

کچھ میں چوری لے سکتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے چوری لے سکتی ہو لیکن زیادہ مال نہ لینا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوسفیان نے حدیث بیان کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قیس بن ابی حازم اور ان کا بیٹا معاویہ ان سے روایت اخذ کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے شاہ روم ہرقل والی روایت لی ہے۔ جو کہ اپنے مناسب مقام پر مذکور ہو چکی ہے۔ ابوسفیان ۳۲ھ یا ۳۱ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے جبکہ دور خلافت حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ قبرستان بقیع میں دفن کیے گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور ان کی نماز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پڑھانے کے بارے میں بھی ایک قول آیا ہے اور یہ کہ یہ بقیع میں دفن کیے گئے۔ انہوں نے اٹھاسی برس کی عمر پائی۔ دیگر ایک قول کے مطابق ان کی عمر نوے برس سے تھوڑی زیادہ تھی۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد اقوال ہیں۔

یزید بن ابوسفیان رضی اللہ:۔ یزید بن ابوسفیان بھی کاتب تھے فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ یہ حنین میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان کے بیٹوں میں سے یہ بہترین فرزند بیان کیے جاتے ہیں اور یزید الخیر ان کو کہا جاتا ہے۔ یہ بنی اعراس کے صدقات پر عامل بنایا گیا تھا۔ ان کی اخوال میں سے یہ قوم تھی اور ۱۲ھ میں ان کو عامل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا۔ جبکہ عمرو بن العاص، ابوعبیدہ بن جراح اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم فلسطین کی جانب بھیجے گئے تھے اور ان کو بلقاء کے مقام پر جانے کا حکم فرمایا گیا ان میں سے ہر ایک کا معاملہ علیحدہ اور جدا ہے۔ بعض کے خیال کے مطابق ان پر عمرو بن العاص امیر تھے ازاں بعد خدا تعالیٰ نے دین کے دشمنوں کو ۱۳ھ میں شکست فاش دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے خلافت سنبھالا تو انہوں نے امارت ابوعبیدہ بن جراح کے سپرد کی پس شامیوں پر فتح نصیب ہوئی۔ فلسطین اور گرد و نواح کے علاقوں پر یزید بن جبل رضی اللہ عنہ بنائے گئے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد ابوسفیان حاکم بنے اور ان کی وفات ہو گئی تو یزید بن ابوسفیان کو حاکم بنا دیا گیا اور ان کی رحلت کے بعد وہاں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو ان کے بھائی وہاں کے حاکم مقرر کیے گئے ان تمام کا وصال بوجہ طاعون ہوا تھا۔ یہ طاعون کا مرض ۱۸ھ میں پھوٹا تھا۔

سیرت نگار حضرات نے ذکر کیا ہے کہ ایک روز یزید بن ابوسفیان نے اپنے پیٹ کی طرف دیکھ کر محسوس کیا کہ یہ پہلے سے بڑا ہو گیا ہے تو درہ اٹھا لیا اور کہا کہ کھل کافر ہو چکی ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبداللہ اشعری اور عیاض اشعری روایت اخذ کرتے ہیں یزید بن ابوسفیان کی وفات ۱۸ھ میں ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ:۔ دربار رسالت کے کاتبوں میں امیر معاویہ بن ابوسفیان بھی ہیں ابو عبدالرحمٰن کنیت ہے۔ امیر معاویہ اور ان کے باپ اور بھائی فتح مکہ کے دن کے مولفۃ القلوب سے ہیں اہل سیر نے بیان کیا

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ آنے اور مکہ کو فتح کرنے سے قبل ہی امیر معاویہ اسلام لا چکے ہوئے تھے۔ انہوں نے بدر سے پہلے جاکر آنحضرت کا طریقہ دریافت کیا تھا اور مسلمان ہو گئے تھے۔

روایت کیا گیا ہے کہ فرمایا کہ میں عمرۃ القضاء کے روز اسلام لے آیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمان ہو کر میری ملاقات ہوئی تھی۔ نبی کریم کے کاتبین صحابہ میں سے ایک یہ ہیں یہ خط وکتابت کرتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ وحی لکھا کرتے تھے۔ بلکہ خطوط و فرامین کی کتابت بھی ان کے ذمہ تھی۔ ان کے برادر یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ شام کے والی بنائے گئے تھے۔ جبکہ خلافت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تھی۔ یہ چوالیس برس کی مدت تک شام کے حاکم رہے۔ چار برس خلافت فاروقی میں' اور خلافت عثمانی اور خلافت علی مرتضٰی اور خلافت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ کا سارا عرصہ یہ ہی حاکم رہے یعنی ان خلافتوں کا بیس برس کا عرصہ یہ ہی امیر رہے حتی کہ ۴۱ھ میں جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے سپرد حکومت کردی تو ان کی امارت مستقل ہو گئی۔ اس طرح کی امارت کا عرصہ بیس سال ہے۔ تو مجموعی طور پر ان کی امارت کی مدت چوالیس سال ہے۔

ان کا وصال ۶۰ھ رجب کے مہینے میں دمشق میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھتر برس تھی۔ بعض حضرات نے چھیاسی سال بھی ذکر کی ہے عمر کے آخر میں ان کو لقوہ کی بیماری ہو گئی تھی۔ اور آخر عمر میں یہ کہتے تھے کہ کاش میں قریش کا ایک آدمی وادی ذی طویٰ میں پڑا ہوا ہوتا۔ مکہ شریف سے باہر قبرستان معلی کے نزدیک ایک مقام کا نام ذی طویٰ ہے۔ جیسے کہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں امیر معاویہ اپنے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک چادر اور قمیص اور کچھ آنحضرت کے موئے مقدس اور چند ناخن شریف بھی رکھتے تھے ان کی وصیت تھی کہ مجھے آنحضرت کی قمیص پہنائیں' چادر میں لپیٹیں اور ان کی آزار مبارک اوپر دے کر کفنایا جائے اور میرے منہ میری ناک اور مواضع سجود میں آنحضرت کے بال مبارک اور ناخن مبارک رکھے جائیں اور پھر مجھے اس راحم الراحمین کے حوالے کردیں ان کے باقی احوال بھی معلوم و مشہور ہیں اور مذکور اور مسطور ہیں۔

"اوائل" ایک رسالہ امام سیوطی رحمتہ اللہ کا تحریر کردہ ہے اس میں انہوں نے وہ چیزیں ذکر کی ہیں جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ ہیں جو کہ ان سے پہلے کسی خلیفہ نے ایجاد نہ کی تھیں حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بنا کر نزاع اور اختلاف ہوا تھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ قاتلوں سے شہادت عثمان کا قصاص جلدی لینا چاہیے تاکہ آئندہ خلفاء پر لوگ جرات نہ کرسکیں ان کی تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کرتی تھیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ مصلحت اس میں ہے کہ تاخیر کی جائے تاکہ امر خلافت میں کوئی خرابی حائل نہ ہو جائے اس اختلاف کی یہ بنیاد ہے جس کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ اختلاف کی بنا اجتہاد کی غلطی تھی ازاں بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معزول کردیا اور مخالفت دن بدن زیادہ ہوتی گئی حتی کہ جو واقع نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

امام سیوطی امام احمد کی مسند سے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **اللھم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب** ابن ابی شیبہ اور طبرانی ملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا۔ امیر معاویہ کہتے ہیں مجھے ہمیشہ عمارت کی ہوس تھی۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا **اذا ملکت فاحسن** جب تم حاکم بنائے جاؤ گے تو حسن سلوک روا رکھنا۔ دیگر ایک روایت میں یوں ہے۔ **واسمح** یعنی چشم پوشی کرنا اور عفو درگزر سے کام لینا۔ لیکن محدثین نے فرمایا ہے کہ کوئی حدیث امیر معاویہ کی فضیلت کے بیان میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو اور نہ ان سے کراہت کرو کیونکہ اگر وہ نہ ہوں تو بہت لوگوں کے سر ان کے جسموں سے اڑا دیے جائیں۔ اس میں اشارت ہے ان واقع اور شنائع کی جانب جن کا تعلق ان کے بیٹے یزید پلید کے ساتھ ہے۔

زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ:۔ یہ ہیں حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری بخاری رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی آنحضرت کے کاتبوں میں شمار ہیں۔ ابو سعید یا ابو ثابت ان کی کنیت ہے۔ یہ کاتب وحی تھے یہ فرائض کے عالم تھے اور اجلہ صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت پر تشریف آوری کے وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ آنحضرت نے ان کو غزوہ بدر میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی تھی (ہو سکتا ہے کہ وجہ صغر سنی ہی ہو) لیکن غزوہ احد اور بعد کے جملہ غزوات میں یہ شامل تھے۔ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ ان کا اولین جہاد خندق ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت اخذ کی ہے۔ جیسے کہ ابو ہریرہ، ابو سعید، انس، سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرھم۔

اور تابعین میں سعد بن المسیب ہیں اور ان کے بیٹے خارجہ اور سلمان اور قاسم محمد وغیرہ ہیں جنہوں نے زید بن ثابت سے روایت اخذ کی ہے۔ رضی اللہ عنہم یہ خلاف صدیقی کے دوران قرآن جمع کرنے والے صاحبان میں سے ایک ہیں اور انہوں نے خلافت عثمانی میں مصاحف قرآن تحریر کئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا تھا کہ تم نوجوان ہو اور دانشمند بھی ہو۔ میں تمہیں متہم نہ کروں گا۔

ان کے بیٹے خارجہ بن زید نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لائے۔ تو مجھ کو آپ کی بارگاہ میں لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ بنی بخار کا ایک لڑکا ہے' یہ قرآن پاک کی ستر سورتیں یاد کئے ہوئے ہے۔ میں نے وہ سورتیں آنحضرت کے سامنے تلاوت کیں۔ آنحضرت میری قرات سن کر خوش ہوئے اور آپ نے مجھے فرمایا کہ اے زید تم یہودیوں کی خط و کتابت سیکھو۔ اس لئے کہ یہود کی کتابت پر مجھ کو اعتبار نہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں وہ کمی بیشی کریں۔ تو میں نے سریانی زبان سیکھ لی اور پندرہ دنوں میں مجھے اس زبان میں مہارت حاصل ہو گئی۔ ازاں بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں خط و کتابت کرتا تھا۔ آپ کی طرف کوئی خط آتا تھا یا آپ کی جانب سے کوئی

مکتوب بھیجنا ہوتا تھا تو میں ہی وہ مکتوب آنحضرت کو پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔

سلیمان بن یسار سے روایت کیا گیا ہے کہ فتوٰی قضا اور فرائض و قرات کے لحاظ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر کسی دوسرے کو حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما ہرگز کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے۔ قاسم بن محمد نے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر کسی دوسرے کو حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما ہرگز کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے۔ قاسم بن محمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے سفر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ زید کا مقام مجھ پر ساقط نہیں لیکن شہر والے ان کے محتاج ہیں۔ علاوہ ازیں قضاء و فتوٰی کے متعلق ان کے پاس اتنا زیادہ علم ہے کہ دوسرا کوئی اس قدر علم نہیں رکھتا اور سالم بن عبداللہ بن عمر سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ اس امت کے بہترین آدمی کی وفات ہو گئی ہے اور امید ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ ان کا قائم مقام بنائے گا اور ابو عبدالرحمٰن سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے میں قرآن کی تعلیم حاصل کرتا تھا تو مجھے انہوں نے فرمایا کہ مجھے تم نے لوگوں کے معاملات میں سوچنے سے باز رکھا ہے لہٰذا تم زید بن ثابت سے جا کر قرآن پڑھ لیا کرو۔ اس لئے کہ اس کام کے واسطے ان کو فراغت میسر ہے ان کی اور میری قرات بھی ایک ہی ہے۔ نہ ہی کوئی ان کے اور میرے مابین اختلاف ہے۔

یعقوب بن سفیان نے شعبی سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک روز زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہو رہے تھے۔ اس دوران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی رکاب کو تھاما۔ (احترام کے پیش نظر) تو انہوں نے فرمایا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے تم ایک طرف ہٹ جاؤ اور میری رکاب کو چھوڑ دو ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ ہمیں علماء اور مشائخ کا اس طرح ادب و احترام بجالانے کا حکم کیا گیا ہے۔ تو حضرت زید نے کہا۔ تم اپنا ہاتھ میرے نزدیک لاؤ۔ ابن عباس نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر چوما پھر فرمایا کہ ہمیں اس طرح کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے ساتھ ہم یوں پیش آیا کریں۔

ابن سعد صحیح اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صاحب فتاوٰی اشخاص میں سے ایک تھے اور وہ چھ ہیں۔ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابو موسیٰ' حضرت ابو زید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم زید رضی اللہ عنہ کا وصال ۷ ۴ھ یا ۴۳ھ یا ۴۵ھ میں ہوا تھا۔

حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ:۔ حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک کاتب تھے۔ ان کا نام عبداللہ تھا اور یہ بنو جمح قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ یہ صحابی تھے اور حبشہ کی طرف جو لوگ ہجرت کر کے گئے تھے یہ ان کے امیر تھے۔ اعیان قریش سے تھے عبدالرحمٰن حسنہ ان کے برادر تھے اور ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ یعنی کہ ابو عبدالرحمٰن بھی کنیت بتائی ہے۔ حضرت شرجیل اور حضرت عبدالرحمٰن دونوں کی نسبت حسنہ کی جانب کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کی ماں ایک ہی تھی اور کچھ علماء نے کہا ہے کہ یہ دونوں ہی حسنہ کے منہ بولے

فرزند تھے اور حسنہ کی نسبت حسنہ کی جانب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کی ماں ایک ہی تھی اور کچھ علماء نے کہا ہے کہ یہ دونوں ہی حسنہ کے منہ بولے فرزند تھے اور حسنہ کی نسبت ان پر غالب آئی۔

ابن ماجہ میں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث روایت ہوتی ہے۔ اس میں نماز میں طمانیت کے ترک پر وعید وارد ہے اور اس کا تذکرہ بخاری والی حدیث میں آیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنا مذکور ہے۔ انہیں آنحضرت نے اپنے سفیر کی حیثیت سے مصر بھیجا اور یہ ابھی مصر میں موجود تھے کہ اس دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وصال فرمایا۔

حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ربیعہ روایت اخذ کرتے ہیں۔ ان کی کتابت کا کہیں تذکرہ ہم نے نہیں پایا امکان ہے کہ جب مصر میں سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے تو اس وقت ہی ان کو کتابت کرنے کا ارشاد فرمایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ:۔ حضرت علاء الحضرمی آنحضرت کے ایک کاتب ہیں۔ یہ ایک مشہور صحابی ہیں اور آنحضرت کی جانب سے بحرین کے والی بھی بنے تھے اور خلافت صدیقی میں بھی بدستور والی رہے۔ حتیٰ کہ ۱۴ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ بعض علماء نے یوں بھی کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ کے علاقہ کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کا وصال بنی تمیم کے علاقہ میں ہوا اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ بحرین میں ہی ۱۱ھ میں وصال ہوا تھا تو ان کے وصال کے بعد وہاں کے گورنر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بنائے گئے تھے۔

علماء کرام میں ان کے نام اور نسب کے متعلق بہت سا اختلاف ہے۔ لیکن اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ یہ حضر موت کے باشندہ تھے۔ اسی طرح جامع الاصول میں مذکور ہے اور کاشف میں بتایا گیا ہے کہ بنو امیہ کے ساتھ ان کا حلف تھا۔ یہ دس بھائی تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے ذکر کیا ہے علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ نے چند ایک کلمات پڑھے اور اس کے بعد یہ دریا میں داخل ہو گئے اور دریا کو پار کر گئے۔ ان کے بارے میں اس حکایت کی بڑی شہرت ہے۔ انہوں نے یہ کلمات پڑھے تھے یا حلیم یا علیم۔ حضرت علاء الحضرمی مستجاب الدعوات تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ:۔ یہ ہیں حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی یہ سیف اللہ ہیں اور ابو سلیمان رضی اللہ عنہ ہیں یہ بھی آنحضرت کے ایک کاتب ہوئے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام لبابہ صغریٰ بنت الحارث الہالیہ ہے۔ یہ لبابہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ دور جاہلیت میں حضرت خالد اعیان قریش سے تھے اور دور جاہلیت میں گھوڑوں کے دستہ کے یہ امیر ہوتے تھے۔ عمرہ حدیبیہ تک یہ کفار میں شامل رہے اور احد میں یہ کافروں کے لشکر کے مقدمہ الجیش کے سالار تھے یہ غزوہ موتہ سے دو ماہ قبل ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ پر ہی غزوہ موتہ میں فتح حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تائید میں آنحضرت کی موجودگی

میں اور بعد از وصل بھی ان کی بہت مساعی جمیلہ ہیں۔ ۷ھ میں خالد بن ولید کے ایمان لانے اور ان کی فوج کشی اور غزوات میں حصہ اپنے مناسب مقامات پر مذکور ہو چکے ہوئے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک منزل پر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ قیام پذیر تھے۔ پھر باری باری لوگ آنحضرت کے سامنے گزرتے جاتے تھے اور آنحضرت پوچھتے تھے کہ یہ کون ہے یہ کون شخص ہے۔ آپ کو جواب دیتے تھے کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ فلاں ہے حتیٰ کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ گزرے۔ آنحضرت نے پوچھا کہ یہ کون ہے میں نے جواب دیا۔ حضور! یہ خالد بن ولید ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے۔ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

جس وقت مرتدین کی سرکوبی کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھیجا اور ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ تو ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے میں نے سنا ہے کہ

نعیم عبد اللّٰہ واخو العشیرۃ خالد بن الولید سیف من سیوف اللّٰہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کفار پر کھینچی۔ روایت کیا گیا ہے کہ یرموک کی جنگ میں حضرت خالد کی ٹوپی گم ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ ٹوپی کی بڑی جستجو کرو اور انہوں نے اس کو بڑا ڈھونڈا لیکن نہ پایا۔ ازاں بعد بہت زیادہ سعی کی کہ ٹوپی مل جائے اور آخر کار وہ ٹوپی مل گئی۔ دیکھا گیا کہ بڑی بوسیدہ سی ٹوپی تھی۔ تو لوگ پوچھنے لگے کہ یہ وہ ٹوپی ہے جس کی اس قدر جستجو کی گئی۔ اس کے اس طرح سخت تلاش کا سبب کیا ہے۔

حضرت خالد نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا اس کے بعد اپنا سر مبارک منڈوایا پس لوگوں نے آنحضرت کے بال شریف حاصل کرنے میں بڑی جلدی کی اور میں بھی آنحضور کی پیشانی مبارک کے بال مبارک حاصل کرنے میں آگے بڑھا۔ آنحضرت نے اپنے بال شریف اس ٹوپی میں محفوظ کر کے ٹوپی مجھے عطا فرمائی اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر مقام پر فتح عطا فرمائی۔

جس وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ حیرہ کے پاس پہنچے تو آپ کے روبرو زہر لائے آپ نے وہ زہر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور پھر اس کو کھا لیا۔ لیکن اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ روایت کیا گیا ہے کہ ایک آدمی شراب سے بھرا ہوا مشکیزہ ساتھ لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت خالد نے دریافت کیا کہ مشکیزہ میں کیا ہے۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ سرکہ۔ حضرت خالد نے کہا۔ اے خدا! اس کو سرکہ بنا دے۔ پس وہ سرکہ بن گیا دیگر ایک روایت میں مذکور ہے کہ اے خدا! اس کو شہید کر دے تو وہ شہید بن گیا۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید بن رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک مہاجرین میں سخت اندھیری رات سے بڑھ کر کوئی دیگر رات پسندیدہ نہیں ہے۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد نے فرمایا میرے نزدیک محبوب ترین رات وہ ہے جو لشکر میں آئے اور اس سے بڑھ کر کوئی رات دوسری مجھے محبوب نہیں ہے خواہ مجھے اس میں کوئی دلہن ہی کیوں نہ دی جائے یا بچہ کی پیدائش کی خبر کیوں نہ دی جائے۔

حضرت خالد کہا کرتے تھے کہ قرآن پاک زیادہ تعلیم کے باعث میں جہاد سے باز رہا۔ ان کے پاس جس وقت کوئی مال آتا تھا۔ تو یہ اس مال کو اسی وقت ہی تقسیم کر دیتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس مال کے بارے میں کوئی اعداد و شمار نہیں بھیجتے تھے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ خالد کو لکھ کر بھیجیں کہ میری اجازت حاصل کئے بغیر بالکل کوئی مال لوگوں میں تقسیم نہ کریں۔ پس اسی طرح ہی حضرت صدیق نے لکھ بھیجا۔ حضرت خالد نے اس کا یہ جواب دیا مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کہ جو میں چاہوں وہ کروں اور جسے جو چاہوں اسے دوں۔ اگر ایسا آپ نہ کریں تو پھر آپ جانیں یا آپ کا کام۔

حضرت کا مزاج تند و تیز تھا اور خلق سے یکسوئی و علیحدگی تھی۔ جیسے کہ بہادروں کی یہ صفت ہوتی ہے ایک بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کچھ سخت سست کیا۔ پس حضرت عمار نے ان سے کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے ساتھ کبھی کوئی بات میں نہیں کروں گا۔ ازاں بعد عمار رضی اللہ عنہ آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت کی خدمت میں شکایت پیش کی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے حضرت خالد کو فرمایا کہ اے خالد! تمہارا عمار سے کیا کام ہے۔ یہ تو وہ شخص ہے جو بدر میں حاضر ہوا تھا اور یہ جنتی ہے۔ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ خالد اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے۔ ازاں بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے معذرت طلب ہوئے۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ اس کے بعد ہمیشہ میں عمار کے ساتھ محبت کرتا رہا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی آنحضرت کی بارگاہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ اے خالد! تم ایسے آدمی کو کس سبب سے تنگ کرتے ہو جو کہ بدر میں حاضر تھا۔ خواہ احد پہاڑ کے برابر تم سونا خیرات کرو اور تقسیم کرو پھر بھی اس کے عمل کی برابر نہیں ہو سکے گی۔ حضرت خالد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ میرے پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے مجھے تکلیف دینا شروع کیا۔ تو میں نے اس کا جواب اس طرح سے دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ خالد کو ایذاء مت دیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ مختصر یہ کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد نے یہ کہا کہ یا تو تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو کہ جو میں چاہوں اور جس کو چاہوں میں دوں ورنہ تم جانو اور تمہارے کام۔ تم اپنا کام مجھ سے لے لو۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی بات کرنے کی گنجائش مل گئی۔ حضرت عمر اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما کے درمیان بہت دنوں سے کوئی بات تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کو مشورہ دیا کہ خالد کو معزول فرما دیں۔ پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری طرف سے خالد کو یہ خبر کون جا کر دے گا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم جانو اور تمہارا کام۔ پس انہوں نے سفر کے لئے تیار ہونا شروع کر دیا۔ دیگر صحابہ نے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر دریافت کیا کہ کیا سبب ہے جو حضرت عمر آپ کو چھوڑ کر باہر جا رہے ہیں۔ جبکہ آپ کے پاس ان کی ضرورت ہے نیز یہ کہ حضرت خالد کو معزول کیوں کرتے ہیں۔ جبکہ ان کی کارکردگی بڑی اعلیٰ اور نمایاں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر اس بارے میں کیا کروں صحابہ نے کہا کہ آپ حضرت عمر کو یہاں ہی رہنے کا حکم دیں اور خالد کو بھی لکھ بھیجیں کہ وہ اپنا کام جاری رکھے پس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرح عمل کیا ازاں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے خالد کو لکھ بھیجا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی چیز کسی کو نہ دی جائے خواہ وہ بکری ہو یا اونٹ۔ حضرت خالد نے پہلے جیسا جواب بھی لکھ کر بھیجا جیسے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور اپنے پاس طلب فرمالیا۔

علاوہ ازیں دیگر سبب حضرت خالد کو معزولی کا یہ تھا کہ خلافت صدیقی کے دوران حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا لوگوں نے کہا کہ مالک مسلمان تھا اور اسے قتل کر دیا گیا ہے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے مالک کے قتل کے بارے میں اختلاف کیا اور انہوں نے قسم بھی کھائی کہ خالد رضی اللہ عنہ کے علم کے نیچے کافر قتل ہوئے ہیں۔

مولف استیعاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت خالد نے زیادہ تر مرتدین کو قتل کیا تھا اور ان مرتدین میں سے ہی مسلم اور مالک دونوں تھے۔ اصابہ میں منقول ہے کہ مالک بن نویرہ تمیمی یربوعی کی کنیت ابو حنظلہ ہے اور حفول ان کا لقب تھا۔ وہ فارس کے لوگوں میں ایک عظیم اہل زبان شاعر تھا۔ ایام جاہلیت میں یہ یربوع کے سواروں میں شامل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے یہ اپنی قوم پر صدقات کی وصولی کے لئے عامل مقرر کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا وصال ہو جانے پر اس نے اموال صدقات روک لئے اور اس نے اپنی قوم میں بھی تفرقہ ڈالا۔ اس نے یہ شعر کہا۔

نقلت خذوا اموالكم غير خائف — ولا ناظر فيما يجيئ من الغد
فان قام بالدين المحقق قائم — اطعنا وقلنا الدين دين محمد

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مالک بن نویرا اس طرح کرتا تھا۔ مجھے تمہارے آقا پر گمان نہیں ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے یوں کہا۔ اس کی یہ گستاخی کلامی حضرت خالد کے لئے بڑی گراں تھی۔ لہٰذا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حضرت ضرار بن ازور اسدی نے اس کی گردن اڑا دی۔ جب حضرت خالد کو روم کے خلاف جنگ سے فراغت حاصل ہوئی تو انہوں نے مالک بن نویرا کی زوجہ کے ساتھ خود نکاح کر لیا۔ اس کا نام تھا ام تمیم بنت المنہل۔ یہ بڑی حسین عورت تھی۔ لیکن مالک کو اس کی خوبصورت زوجہ کا باعث قتل نہیں گیا تھا جیسے کہ تہمت لگاتے ہیں۔

مالک بن نویرا کے بھائی کا نام متمم بن نویرا تھا۔ یہ بھی شاعر تھا اس نے مالک بن نویرا کی موت پر اس کا مرثیہ کا لکھا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ظلم کی بڑی تفصیل پیش کی۔ پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو لکھ بھیجا کہ تم مالک کی بیوی کو اپنے سے علیحدہ کر دو اور اس مالک کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد

پر سختی کی۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت خالد کو معذور تصور کیا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خالد کی تلوار میں منہ ہے۔ تو اس کی ظاہرا" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا یہ خطا خالد سے ہوئی ہے تلوار اس میں بے گناہ ہے۔ جو کہ رب تعالیٰ نے اہل شرک پر کھینچی ہے۔ ازاں بعد خالد کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف میں طلب کیا۔ وہ مدینہ شریف میں داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تنہا پایا اور عمر رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے حضرت صدیق نے مالک کے قتل کی وجہ دریافت کی تو خالد نے اس کی وجہ بیان کر دی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دریافت کیا تم نے اس کی زوجہ کے ساتھ نکاح کیوں کر لیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ بیوہ تھی میں نے پیام نکاح بھیجا۔ اس کے بعد حضرت خالد کہنے لگے کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا تھا۔ **خالد سیف من السیوف اللّٰہ وھل یخری سیف اللّٰہ الا علی الحق** اتنا کہہ کر حضرت خالد وہاں سے باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے ان سے حال دریافت کیا۔ حضرت خالد نے جواب دیا۔ کہ خلیفہ الرسول نے مجھے رخصت دے دی ہے اور مجھے واپس اپنی جگہ پر روانہ کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں جو تھا وہ خالد پر ظاہر نہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وقت خلیفہ بنے تو حضرت خالد کو بلایا۔ ان پر زجر کیا اور سختی فرمائی۔ حضرت خالد نے جو جواب و عذر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تھا وہی عذر دربار فاروقی میں عرض کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے مقام تہمت پر تقویٰ کو نہیں اپنایا ہے۔ بہرکیف حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معافی دے دی۔ شفقت فرمائی اور ان کے حق میں کہا۔ **رحم اللّٰہ خالدا** اللہ خالد پر رحم فرمائے نیز یہ بھی فرمایا کہ خالد پر ہرگز میں عتاب نہ کرتا لیکن سبب یہ تھا کہ حال پر انہوں نے زیادتی کا ارتکاب کیا کچھ روایتیں آئی ہیں جن میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خالد نے بڑے کارہائے نمایاں ادا کئے ہیں میں خدشہ محسوس کرتا ہوں کہ خالد کے دل میں عجب نہ پیدا ہو جائے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں کاتبوں میں شمار ہیں۔ قبل ازیں پاسبانی کے باب میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ پاسبانوں اور کاتبوں دونوں جماعتوں میں شریک تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عبداللہ بن رواہ بھی کاتبان بارگاہ رسالت میں شمار ہیں۔ یہ ابو محمد کنیت رکھتے تھے۔ یہ انصار کے نقیبوں میں سے ہیں۔ سابقین اولین میں سے ہیں اور یہ انصاری خزرجی ہیں۔ کچھ علماء نے بتایا ہے کہ یہ ابو محمد اور ابو رواحہ کنیت رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو سلسلہ مواخات میں ان کا بھائی بنایا تھا۔ عبداللہ بن رواحہ ایام جاہلیت میں بھی ایک بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ یہ بیعت عقبہ غزوہ بدر' احد' خندق اور دیگر جملہ غزوات میں شامل تھے سوائے فتح مکہ اور بعد کے غزوات کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آٹھویں سال

ہجری کے دوران غزوہ موتہ میں یہ شرف شہادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔

جب لوگوں نے مسلمانوں کو موتہ کی طرف الوداع کیا تو دعا کی اور نداء بلند کی کہ سلامت جاؤ اور سلامت واپس آؤ۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ شعر۔

لکنی اسال الرحمن مغفرۃ
وضربتہ ذات فرع تقزف الزبدا

پس یہ شہادت کی طلب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جیسے کہ ذکر گزر چکا ہے اور یہ اسلام کے شاعروں میں سے تھے جو کہ کفار کے ایذاء دینے والے اقوال کا رد کرتے تھے۔ ان کے اور ان کے دو دوستوں حسان بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔ **الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وذکر اللہ کثیرا وانتصرو من بعد ماظلمو** لاحیہ عبداللہ بن رواحہ نے روایت کی ہے اور ان سے ابن عباس ' اسامہ بن زید اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں اور ان سے تابعین کی جماعت مثلاً ابی سلمہ بن عبدالرحمن اور عکرمہ وغیرہم روایت لیتے ہیں اور عبداللہ بن رواحہ آنحضرت کے لئے کتابت کرتے تھے اور یہی وہ شخص ہیں جو بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ شریف لائے تھے۔

اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس سواروں کے ساتھ اسیکر بن ہذام یہودی کی طرف بھیجا تھا خیبر میں پس انہوں نے اس کو مار ڈالا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **نعم الرجل** عبداللہ بن رواحہ۔ یہ طویل حدیث ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن رواحہ جب اپنے دوستوں سے کسی سے ملاقات کرتے تھے تو کہتے تھے۔ کہ بیٹھ جائیں تاکہ ایک گھڑی اپنے پروردگار پر ایمان لائیں الحدیث۔

اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ بطریق ثابت اخراج کیا ہے ابو الیلیٰ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے۔ پس اس وقت عبداللہ بن رواحہ آئے۔ انہوں نے آنحضرت کی آواز سنی کہ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پس عبداللہ بن رواحہ بھی اسی جگہ بیٹھ جائے جہاں پر وہ تھے یعنی مسجد سے باہر پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو ان کے حق میں فرمایا اللہ تعالیٰ تم میں جذبہ فرمانبرداری کو اور زیادہ فرمائے۔ ایک مرد نے عبداللہ بن رواحہ کی بیوی سے نکاح کر لیا اس کے بعد اس آدمی نے اس سے عبداللہ بن رواحہ کے اعمال کے متعلق دریافت کیا۔ تو اس نے بتایا کہ وہ ایسے تھے کہ جب اپنے گھر سے باہر جانا چاہتے تھے تو پہلے دو رکعت نماز ادا کرتے تھے گھر میں اور انہوں نے یہ عمل ہرگز ترک نہیں کیا تھا۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ **والشعراء یتبعھم الغاون** تو عبداللہ رواحہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جان لیا ہے کہ میں ان میں سے ایک ہوں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ **الا الذین امنوا وعملوا**

الصالحات الایہ اور بہترین بات جو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان پاک میں کہی ہے وہ یہ ہے۔

ولم تکن فیه آیات مبینة کانت بدیهته ینتك بالخیر

اور اس میں ایک گونہ تلمیح ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اس قول سے۔ بکاء زیتہا یعنی ولولم تمسسه نار جیسے کہ اس رسالہ میں کہا گیا ہوا ہے جو کہ آیت پاک اللّٰہ نور السموت والارض کی تفسیر میں لکھا گیا ہے اور مواہب الدینہ میں اور حراس میں بھی مذکور ہے کہ انہوں نے کہا۔ احد کے دن شمشیر لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سر مبارک پر کھڑے رہے تھے۔ جس طرح کہ اس کے مقام پر بیان ہو چکا ہے اور اسی جگہ میں ان کے عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ مذاکرہ اور مغیرہ کے ابتدائے اسلام کے بارے میں معلوم ہوا ہے اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جن کے حق صحبت اور اس کی فضیلت کے باعث ان کے بارے میں اہل سنت و جماعت اپنی زبانوں کو بدگوئی سے باز رکھتے ہیں لیکن جو کچھ اہل سیر نے علماء سے ذکر ہے وہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

المغیرہ بن شعبہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور ابو عیسیٰ نے کہا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر ثقفی اسلام لائے عام الخندق میں اور مدینہ شریف آئے اور بعض کہتے ہیں وہ پہلے حدیبیہ میں آئے تھے۔ ان سے ان کی اولاد نے روایت کیا ہے۔ عروہ' حمزہ' موٹی اور ورانے اور ان سے ابو بردہ بن اشعری اور شعبی وغیرہ ایک کثیر جماعت نے روایت اخذ کی ہے اور اصلبہ میں کہا ہے کہ قبل از حدیبیہ اسلام لائے اور بیت الرضوان میں حاضر ہوئے اور یہ دہات عرب میں سے تھے۔ یعنی بزرگوں اور کارپرداز شخصیات سے تھے۔ داہیہ سخت اور دشوار کام کو کہتے ہیں اور ان کو مغیرۃ الرائے کہتے تھے اور کہا ہے کہ دہات عرب چار تھے۔ معاویہ بن ابی سفیان' اور عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ اور زیادہ اور استیعاب میں کہا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ بھی ان سے کمتر دہات نہ تھے از روئے کرم اور فضیلت جس کے یہ حامل تھے۔

اور مغیرہ بن شعبہ لمبے قد کے تھے اور بزرگ چشم سفید بالوں والے تھے اور کندھوں کے درمیان چوڑے چکلے بازو تھے۔ اور حضرت عمر نے ان کو بصرہ کا والی بنایا تھا اور انہوں نے ہمدان اور کچھ دیگر شہر فتح کئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ولایت چھوڑ دی۔ کیونکہ ان پر فاحشہ کام کے صدور کی تہمت لگی تھی۔ جس پر ابو بکرۃ وغیرہ نے گواہی دی تھی۔ گو ان کی یہ گواہی بحکم شرح مکمل نہ ہو سکی اور کہتے ہیں کہ مغیرہ نے اسلام میں تین سو عورتوں سے نکاح کیا اور بعض نے ایک ہزار تک کہا ہے۔ اس کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنایا گیا اور یہ بدستور کوفہ کے گورنر رہے حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو برقرار رکھا اور جب حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں مخالفت ہو گئی۔ تو انہوں نے جنگ صفین سے علیحدگی کر لی اور جب حکمین کا قبضہ رونما ہوا تو یہ معاویہ کی طرف مل گئے اور امام حسن بن علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں مصالحت ہو گئی اور معاویہ کے ساتھ اجتماع ہو گیا تو انہوں نے معاویہ کی بیعت کی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے یزید کے امارت کے لئے تدبیر کی تھی اور لوگوں کو اس پر رضامند

کیا۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ سے طلب کیا۔ انہوں نے دیر کردی۔ تو حضرت معاویہ نے ان پر عتاب کیا تو انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آنے میں تاخیر کی وجہ تقصیر خدمت نہیں ہے کیونکہ میں آپ کی خدمت میں یہاں مشغول ہوں اور وہ خدمت یزید کی امارت کے لئے اہتمام کرنا ہے۔ پس کوفہ پر ان کی امارت ولایت قائم رہی اور حکومت جاری رہی یہاں تک کہ یہ کوفہ میں ۵۰ھ میں فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے عروہ نامی کو اپنی موت کے وقت کوفہ پر خلیفہ بنایا۔ لیکن معاویہ نے اسے قبول نہ کیا اور کوفہ اور بصرہ دونوں کا گورنر زیاد کو بنایا اور ان کے ساتھ عراق کے لوگوں کو جمع کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے در خلافت پر گیا اور اجازت چاہی۔ لوگوں نے کہا کہ ابو عیسیٰ اجازت چاہتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا گویا کہ حضرت عمر نے اس کنیت کو مکروہ جانا لوگوں نے کہا کہ ان کی یہ کنیت پیغمبر خدا نے رکھی تھی تو حضرت عمر نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم مغفور ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے تھے لیکن ہمارے لئے مشکل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔ مغیرہ بن شعبہ سے کہا۔ پس نہیں ہے کہ تمہاری کنیت ابی عبداللہ کی جائے اور اس حکایت کی صحت میں علماء کو سخن ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ مغیرہ بن شعبہ ان کے پاس آئے اور کہا اے امیر المومنین! میرے پاس آپ کے لئے نصیحت اور خیر خواہی ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے تو کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی خلافت مستحکم ہو تو آپ کوفہ پر طلحہ بن عبداللہ کو والی مقرر کر دیں اور بصرہ پر زبیر بن العوام کو والی بنائیں اور معاویہ کو ان کے مرتبہ پر ہی شام میں قائم رکھیں۔ تاکہ وہ آپ کی طاعت کو لازم سمجھے اور جب استحکام مل جائے تو اس کو بدل دینا جس طرح آپ چاہیں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ طلحہ اور زبیر کے بارے میں غور کرتا ہوں کہ اس بارے میں کیا نیتی ہے۔ لیکن معاویہ کے متعلق ہرگز نہیں واللہ میں اپنی طبیعت کو اس کے برقرار رکھنے پر آمادہ نہیں پاتا ہوں اور اس سے دوستی گوارا نہیں اور میں اس کو ہٹانا چاہتا ہوں۔ اگر وہ انکار کرے گا تو اسے خدا کے سپرد کروں گا۔ مغیرہ واپس گئے اور امیر المومنین سے بڑے غصے میں لوٹے اس لئے کہ اس کی نصیحت کو پسند نہ کیا۔ اگلے دن پھر مغیرہ آئے اور کہا کہ کل جو کچھ میں نے کہا تھا اس پر میں نے خود سوچ بچار کی ہے اور کہ جو آپ نے جواب دیا تھا۔ پس میں نے جان لیا کہ آپ کو خیر پر توفیق حاصل ہے اور آپ نے حق کو طلب کیا۔ اور جب مغیرہ باہر نکلے۔ تو اس حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی اور پھر یہ اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں گئے اور پوچھا کہ یہ آپ سے کیا کہتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ کل مجھے اس اس طرح سے نصیحت کرتا تھا اور آج اس طرح کہتا ہے تو امام نے کہا کہ کل نصیحت کی تھی اور آج وہ خوش ہوا۔ پس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اگر معاویہ کو مقرر رکھوں تو جو کچھ حق

تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کا میں مصدوق ہوں گا وما کنت متخذ المصلین عضدا اور اسی طرح سے جیسے کہ مغیرہ نے کہا تھا طلحہ کے بارے میں بھی ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔ اس جگہ بھی قبول نہ کیا اور آخر کار طلحہ اور زبیر خلاف ہو گئے جیسے کہ پہلے معلوم ہوا ہے۔

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ :۔ عمر بن العاص بن وائل قرشی سہمی ہیں یہ سہم بن عمر بطنی سے منسوب ہیں قریش میں اور ابو عبد اللہ ان کی کنیت تھی اور ابو محمد بھی ان کو کہا جاتا تھا یہ بقول صحیح ھ میں ایمان لائے جیسے کہ مذکور ہو چکا ہے۔ اور بعض نے حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام لانا بیان کیا ہے جب یہ اور خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ حجبی حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف بھیج دیا ہے اور واقدی نے کہا ہے کہ ھ میں عمرو بن العاص نجاشی شاہ حبشہ سے واپس مسلمان کی حیثیت سے آئے تھے اور تحقیق یہ نجاشی کے پاس مسلمان ہو گئے تھے اور سید الانام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دین کے معتقد ہو گئے تھے کیونکہ ان سے نجاشی نے کہا تھا کہ اے عمرو! تمہارے ابن عم کا دین کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم وہ حقیقتاً" رسول خدا ہیں عمرو بن العاص نے کہا کہ کیا آپ یہ یقین و صدق سے کہتے ہیں یا کہ شک کے ساتھ۔ نجاشی نے کہا۔ واللہ میں از روئے یقین کہتا ہوں۔ پس عمرو بن العاص نجاشی کے دربار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار میں فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے چل کر آئے اور ان کو سرایا وغیرہ میں بھیجنے کے باقی حالات سابقاً" مذکور ہو چکے ہیں یہاں اعادہ کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے ماتحت کام کیا اور حضرت عمر فاروق نے ان کو مصر کی طرف بھیجا۔ انہوں نے مصر کو فتح کیا اور یہ والی مصر رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو چار سال یا اس سے زیادہ عرصہ ان کو والی مصر بدستور قائم رکھا۔ اس کے بعد معزول کیا۔ مصر کا والی عبد اللہ بن ابی سرح کو والی بنایا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے برادر رضاعی تھے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس کو فتح کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ تو عمرو بن العاص نے معاویہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے ساتھ ملحق ہو گئے اور ان کے مدار کار بنے۔ ان کے ساتھ جنگ صفین میں حاضر ہوئے اور اس میں تحکیم کا قصہ واقع ہوا۔ جیسے کہ وہ معلوم اور مشہور ہے اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے اپنی امارت کے دوران مصر کو علیحدہ کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ وہاں ہی عید الفطر کے دن ۴۳ھ میں اور ۴۱ھ بھی کہا گیا ہے اور ۵۱ھ بھی کہا گیا ہے ان کی وفات ہوئی اور اول قول اصح ہے۔ پس معاویہ نے ان کے بیٹے عبد اللہ بن عمرو کو والی بنا دیا ان کی عمر نوے سال تھی اور ننانوے سال بھی کہا گیا ہے ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھائی ان کے بعد انہوں نے لوگوں کے ساتھ نماز عید پڑھائی۔ اس کے بعد معاویہ نے عبد اللہ بن عمرو کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کو والی بنایا۔

اور علماء نے کہا ہے کہ عمرو بن العاص عرب کے داناؤں اور بہادروں میں سے تھے اور دہات اور دانشمند و فرزانہ لوگوں

کے یہ سردار تھے۔ فراخ چشم تھے اور کوتاہ قد تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ جب کسی مرد کو دیکھتے کہ سخن وفہم کے لحاظ سے ان کے سامنے عاجز آگیا ہے تو کہتے تھے سبحان اللہ خالق ھذا وعمرو۔

اور تعجب ہے کہ باوجود ایسی عقل وفہم کے یہ علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر معاویہ سے ملحق ہو گئے حکیم فارابی نے اپنے رسالہ "تقاسیم عقل" میں کہا ہے۔ کہ عقل کی اطلاق کی چند حالتیں ہیں کبھی قوت عاقلہ پر نفس ناطقہ اطلاق کرتا ہے اور کبھی ان امور کی دریافت پر جن میں مبداء اور معاد کی بہتری ہوتی ہے اور کبھی دنیا کی اغراض ومقاصد اور اس کی حرکات وسکنات کی دریافت پر اگرچہ وہ نفس الامر اور حق کے موافق نہیں ہوتا۔ جیسے کہ عمرو بن العاص اور ان کے اضراب واشباہ ظاہر ہیں۔

عمرو بن العاص کی ولادت حضرت عمر بن خطاب کی ولادت سے پیشتر ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ مجھے عمر بن خطاب کی پیدائش کی رات یاد ہے۔ اصابہ میں مذکور ہے کہ زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے عمرو بن العاص سے پوچھا کہ تجھے کیا چیز اسلام میں لے آئی جبکہ تو عقل وفراست میں ایک منفرد شخص ہے انہوں نے اسے جواب دیا۔ کہ ہم ایک ایسی قوم کے ساتھ۔ جس کو ہم پر بلادستی اور غلبہ حاصل تھا اور وہ ایسے تھے کہ ان کی جہالت وعناد عقلیں پہاڑوں کی طرح تھیں یعنی ثابت وراسخ اور مستند ومستقل تھیں۔ ظاہرا" اس سے دور جاہلیت میں جہالت وعناد میں ان کا ثبوت اور اثر ورسوخ ہوگا اور جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اصحابہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے دشمن کی راہ اختیار کی اور انکار کیا ہم بھی ان کے موافق ومتابع رہے اور ہمیں اس سے کوئی چارہ نہ تھا اور جب وہ دنیا سے چلے گئے اور گم ہو گئے اور ہم خود کار پرداز بنے تو ہم نے غور وخوض کیا اور تدبیر کی جو کہ حق بین تھی۔ پس میرے دل میں اسلام کی صحت محسوس ہوئی اور دیگر قریش کو اس حقیقت سے شناسائی میرے بعد ہوئی۔ میں ان سے تیز ثابت ہوا۔ پس انہوں نے میرے پاس ایک آدمی کو بھیجا۔ اس نے اس بارے میں میرے ساتھ مناظرہ کیا پس میں نے اس آدمی سے کہا۔ میں تجھ کو خدائے پروردگار کی قسم دیتا ہوں کہ بتاؤ ہم زیادہ راہ راست پر ہیں یا کہ فارس اور روم والے۔ اس نے کہا کہ ہم زیادہ راہ راست پر ہیں۔ پھر میں نے کہا کہو کہ وہ عیش وکامرانی میں زیادہ ہیں یا کہ ہم۔ تو اس نے کہا کہ وہ ہیں میں نے کہا کہ اگر ہمیں ان پر فضیلت صرف اسی دنیا اور اسی جہان میں ہو تو اس کا فائدہ ہے۔ حالانکہ وہ ہمارے مقابلہ میں دین ودنیا میں عظیم تر اور بالاتر ہیں۔

اور کہ تحقیق میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو موت کے بعد اٹھائے جانے کا کہتے ہیں اور کہ نیکو کاروں کو ان کے نیک اعمال کی جزاء دی جائے گی اور بدوں کو بد اعمالیوں کی۔ یہ حق ہے اور باطل میں خیر نہیں ہے۔

اور جب حضرت عمرو بن العاص اسلام لائے اور آنحضرت نے ان کا استقبال کیا۔ ان کو اپنے نزدیک لائے اس کی معرفت کاروانی اور بہادری کی وجہ سے اور غزوہ ذوات السلاسل میں ان کو سپہ سالار بنایا اور ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح کو ہمراہ بھیج کر مزید تائید فرمائی اور آنحضرت کو معلوم ہوا کہ عمرو بن العاص ایک کاروان ہے۔ حتیٰ کہ ایک امر میں جب مناقشہ پڑ گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے حرکت کی اور مداخلت کی اور انکار کیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! اس کو اس کے

حال پر چھوڑ دو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے اس کو جنگ کا شائستہ کار اور اس کی تدبیر کو جانتے ہوئے اس کو امیر لشکر بنایا ہے اس واقع کی تفصیل اس کتاب میں سابقاً" مذکور ہو چکی ہے۔ اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔

انہوں نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام 'حلب' انطاکیہ اور فلسطین کو فتح کیا اور جب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے کام پر نظر ڈالی تو کہا کہ ابو عبیدہ کو اس دنیا کی زندگی میں امیر لشکر ہونا چاہیے۔

اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں عبد اللہ اور محمد نے روایت کی ہے اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور ابو عثمان نہدی اور ان کی ایک کثیر جماعت نے بھی ان سے روایت کی ہے اور احمد بن جنبل نے طلحہؓ سے روایت کیا ہے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ عمرو بن العاص من صالحی قریش نیز روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمرو! اپنا لباس اور اسلحہ پہن لو اور میرے سامنے آؤ۔ میں تجھے کسی طرف بھیجنا چاہتا ہوں۔ کہ تو غنیمت کرے اور تجھے کچھ مال حاصل ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں مال کے لئے اسلام نہیں لایا ہوں بلکہ اسلام کی محبت و رغبت سے مسلمان ہوا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں۔ **المال الصالح للمرء الصالح** نیز بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ **اسلم الناس وامن عمرو بن العاص ظاہر الناس** سے مراد ان کی قوم ہوگی اور ان کی شان میں دیگر احادیث بھی روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور عمرو بن العاص کے وصال کا واقعہ بھی یونہی خالی نہیں ہے اور مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ اس عالم سے رخصت ہوتے وقت عمرو بن العاص بڑے خوفزدہ اور مضطرب ہوئے۔ لوگوں کی ایک جماعت ان کی عیادت کے لئے آئی۔ پس بڑی دیر تک روتے رہے اور دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ ان کے بیٹے عبد اللہ بن عمرو نے پوچھا کہ اے ابا جان یہ خوف و فزع کس چیز کے باعث ہے۔ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے اور غزوات میں شریک رہے اور آنحضرت سے بشارتیں حاصل ہوئیں۔ پس انہوں نے لوگوں کی طرف رخ کیا اور کہا اے میرے بیٹے! مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں۔ اپنی اول عمر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کو دشمن گردانتا رہا اور شدید دشمنی کی۔ اگر اس حالت میں جاتا تو اہل نار سے ہوتا۔ اس کے بعد مسلمان ہوا اور ان کی صحبت حاصل ہوئی اور اس طرح ہو گیا کہ رسول خدا سے زیادہ محبوب مجھے اور چیز کوئی نہ تھی۔ یہاں تک کہ میں غایت ادب و حیاء اور اجلال کے باعث ان کی طرف نظر نہ کر سکتا تھا اور کہا جائے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ اصحابہ وسلم کا وصف بیان کروں کہ کس طرح کا حلیہ شریف تھا۔ تو نہیں کر سکتا کیونکہ ان پر نظر ڈالنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اگر اس حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاتا تو امید رکھتا کہ اہل بہشت سے ہو تا بعد ازاں امارت و ولایت میں گذاری اور اس میں مبتلا ہو گیا اور اس مسافر خانہ دنیا سے مجھے ملا جو کچھ کہ ملا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا حال کیا ہو گا۔ پس جب میں مروں تو میرے ہمراہ کوئی نوحہ گر نہ ہو اور جب دفن کرو گے تو مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا اور میری قبر کے گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں کہ اونٹ کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے

تاکہ تمہارا استیناس کروں اور دیکھوں کہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (کمافی جامع الاصول من حدیث مسلم)۔

اور بیان کیا گیا ہے کہ جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں مقتول ہوئے۔ عمرو بن العاص امیر معاویہ کے پاس آئے اور حیرت و ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عمار مارے گئے ہیں اور میں نے آنحضرت سے سنا ہے کہ عمار کو فرمایا۔ تقتلک فئته الباغية اور چونکہ عمار ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں تو ہم ہی منہ الباغیہ ہیں۔ معاویہ کہنے لگے کہ تو عجب مرد ہے کہ اپنے ہی پیشاب میں پھسلتے ہو۔ حقیقت میں عمار کو علی نے مارا ہے۔ جو ان کو جنگ کے لئے لائے اور علماء نے کہا ہے کہ یہ تاویل باطل ہے۔ ورنہ یہ بھی لازم آئے گا کہ حمزہ کے قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوں اور اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص میں خوف اور ملاحظہ حق موجود تھا اور بخاری میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے قصہ صلح میں موجود مذکور ہے کہ کان خیر الرجلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (واللہ اعلم)

عبداللہ بن عبداللہ:۔ عبداللہ بن ابی سلول مشہور منافق ہے اور راس المنافقین کہلاتا تھا وہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا اصل میں متولی تھا اور بھی اعمال شنیعہ تھے جو احاطہ شمار سے باہر ہیں وہ اعیان خزرج سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس نے انفاق و حسد اور بغاوت کی راہ اختیار کی اور اس کی حیات و ممات کے حالات سابقاً مذکور ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک فرزند عبداللہ بن عبداللہ تھے وہ مومن و مخلص اور صدیق تھے۔ ان کا نام حباب تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے ہمراہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں حاضر رہے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاتبوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ یوم یمامہ میں شہید ہوئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۱۲ھ میں۔

ان سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جہم بن سعد نے روایت کیا ہے۔ اصابہ میں جہم بن سعد اسلمی سے لکھا ہے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے کاتبوں میں لکھا گیا ہے اور زبیر رضی اللہ عنہ اموال صدقات کی کتابت کرتے تھے اور اس کی مانند مفسر قرطبی نے "مولد نبوی" میں تحریر کیا ہے۔ جو ان کی تالیفات سے ہے جہم بن الصلت بن مخرمہ بن عبدالمطلب بن عبدالمناف القرشی المطلبی۔ استیعاب میں کہا ہے کہ یہ عام خیبر میں اسلام لائے تھے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو خیبر میں ان کو تیس وسق عطا فرمائے اور اصابہ میں بیان ہوا ہے۔ کہ وہ خط و کتابت لکھتے تھے اور تحقیق وہ رسول خدا کے لئے لکھا کرتے تھے اور ابن اسحاق نے مغازی میں کہا ہے کہ اب رسول خدا تبوک میں پہنچے۔ تو یمنہ ابن رویہ آیا۔ اس نے صلح کر لی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے اس کے لئے ایک مکتوب لکھا وہ تحریر اب بھی ان کے پاس ہے اور تحریر کرنے والے جہیم بن الصلت تھے۔ اور جہیم اور زبیر رضی اللہ عنہما صدقات لکھا کرتے تھے۔

ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ:۔ ارقم بن ابی ارقم اولین قدیم الاسلام مہاجرین سے ہیں۔ یہ ایمان لانے والے

ساتویں شخص تھے اور بعض نے کہا ہے کہ دس آدمیوں کے بعد یہ ایمان لائے۔ پس ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب دار ارقم میں مخفی طور پر دعوت اسلام دیتے تھے اسلام کے ابتدائی دور میں یہاں تک کہ وہاں سے باہر آگئے۔ دار ارقم مکہ شریف میں کوہ صفا پر تھا اور اس میں صحابہ کبار کی ایک بڑی جماعت ایمان لائی حتیٰ کہ چالیس کی تعداد ہو گئی اور ان میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور چالیس کی تعداد جب مکمل ہو گئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے باہر آگئے ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور انہوں نے مدینہ شریف میں ۵۵ھ میں وصال پایا اور انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھائی اور وہ وہاں موجود نہ تھے مروان نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک صحابی کو کسی موجود شخص کی وجہ سے کیوں روکے رکھوں۔ لیکن عبداللہ بن ارقم نے انکار کیا مروان کے سامنے اور انتظار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ آئے اور نماز پڑھائی۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ:۔ یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ ابو محمد انصاری خزرجی حارثی ہیں جو کہ قبیلہ بنی الحارث بن خزرج صاحب اذان سے ہیں۔ انہوں نے اذان خواب میں سنی تھی۔ پس ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اذان بلال کو بتاؤ تاکہ وہ یہ اذان کہیں۔ بعض نے ثعلبہ کے نسب میں زیادہ کیا ہے اور کہا ہے کہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ۔ لیکن اس میں سے علبہ کا اسقاط و حذف ہی صواب و معروف ہے اور ثعلبہ بن عبدربہ عبداللہ کے چچا اور زید کے بھائی ہیں۔ اس کو ان کے نسب میں شامل کیا گیا ہے اور یہ خطا کی ہے۔

اور یہ عبداللہ بن زید عبدربہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کو صاحب اذان کہتے ہیں اور ان کو آنحضرت کے کاتبوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ عقبہ میں اور بدر میں اور جملہ مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ حاضر تھے اور فتح مکہ کے روز ان کے پاس بنی الحارث بن خزرج کا جھنڈا تھا ان سے سعید بن المسیب اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور ان کے فرزند محمد بن عبداللہ بن زید نے روایت کی ہے (کذا ذکر فی الاستیعاب) اور اصابہ میں اس طرح مذکور ہوا ہے۔ نیز کہا ہے کہ ترمذی نے کہا ہے کہ ان سے صرف ایک حدیث شناخت میں آئی ہے۔ یعنی حدیث اذان اور ابن عدی اور بغوی اور دیگر ایک کثیر جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث ان سے وارد نہیں ہوئی ہے اور شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے بلکہ ان سے متعدد احادیث آئی ہیں چھ یا سات احادیث۔

اور مدائنی نے محمد بن عبداللہ بن زید سے نقل کیا ہے کہ **توفی اثنتین وثلثین وهو ابن اربع وستین** اور ان کی نماز جنازہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی اور حاکم نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ غزوہ احد میں شہید کئے گئے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ عمرو بن عبدالعزیز کے پاس عبداللہ بن زید کی بیٹی آئی اور کہا کہ میں عبداللہ بن زید کی دختر ہوں۔ جو کہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور احد میں شہید ہوئے تھے۔ پس عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کہا کہ طلب کرو مجھ سے جو تم چاہتی ہو پس اس نے مانگا اور جو کچھ اس نے مانگا اسے دیا گیا۔

اور معلوم رہے کہ ایک عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ صحابی دیگر بھی ہیں۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب وضو کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری مازنی یہ قبیلہ بنی مازن بن النجار سے ہیں ان کی کنیت بھی ابو محمد ہے۔ یہ احد میں حاضر تھے۔ لیکن بدر میں حاضر نہ تھے اور حاکم اور ابن مندہ کے نزدیک یہ ہے کہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے وضوء کی حدیث اور چند دیگر احادیث روایت کی ہیں۔

اور مسیلمہ لعنۃ اللہ علیہ کے بھائی کو خبیب بن زید نے مار دیا تھا اور جب یمامہ پر لوگوں نے چڑھائی کی۔ تو یہ عبداللہ بن مسیلمہ کے قتل کرنے میں وحشی بن حرب کے ساتھ شریک ہوئے اور ۶۳ھ میں شہید ہوئے تھے۔ ان سے ابن مسیب اور ان کے بھتیجے عباد بن تمیم بن زید بن عاصم نے روایت کی ہے اور واسع بن حبان وغیرہ نے اور اصابہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ صحابہ میں مستغفری تھے اور مرزبانی نے ذکر کیا ہے کہ وہ اور ارقم دور انصار میں موجود تھے اور تاریخ معتصم بن صالح میں مذکور ہوا ہے کہ علاء ابن عتبہ اور ارقم عہود اور معاملات لکھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ:۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ذکر اس میں سابقاً" گذر رہو چکا ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ:۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ یہ کبار صحابہ سے تھے اور یہ صاحب سر رسول اللہ ہیں۔ ان کے پاس منافقوں کے متعلق علم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان کو نفاق کی صفات و علامات سکھائی تھیں اور یہ تمام منافقوں کو ان کے اسماء صفات سمیت جانتے تھے کہ کون کون ہیں اور مسلم نے حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ حذیفہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مجھے خبر دے دی تھی روز قیامت وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث کی اور تمام فتنوں کی۔ اس سے ان کا مطلب ہو گا۔ واقعات و حوادث کی کلیات اور فتنے برپا ہونے تھے ان کی بعض جزئیات بھی شاید کسی حد تک مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فتنہ کی حدیث اور علامات نفاق دریافت فرمایا کرتے تھے۔

سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاروق نے پوچھا کیا تم مجھ میں نفاق کی کوئی علامت دیکھتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہاں میرے سننے میں اس قدر آیا ہے کہ تمہارے کھانے میں دو رنگ کے کھانے شامل ہوتے ہیں تو حضرت عمر نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ کبھی ایسے نہیں ہوا اس بارے میں تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ حضرت عمر انڈہ کھا رہے تھے انڈے میں زردی اور سفیدی دونوں رنگ موجود تھے۔ جس سے دیکھنے والے کو دو رنگ کے کھانوں کا شک ہوا۔ دیگر صحابہ بھی ان سے نفاق کی نشانیاں دریافت کیا کرتے تھے۔ نماز جنازہ پڑھانا ہوتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ کے آنے تک ٹھہرے رہتے تھے وہ آکر نماز میں شامل ہو جاتے تھے تو حضرت فاروق نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ کے والد کا نام حسل تھا۔ کچھ حضرات نے حسیل تحریر کیا ہے۔ وہ جابر بن اسید عبسی کے بیٹے تھے۔ عبسی سے مراد نسبت ہے قبیلہ عبس بن بغیض سے اور حذیفہ کے والد کا لقب یمان ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کوئی آدمی قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد یہ فرار ہوئے اور مدینہ شریف میں آگئے اور انصار قبیلہ بنی اشہل کے حلیف ہو گئے۔ پس قوم نے ان کا یمان نام رکھا کیونکہ یہ حلیف یمان ہو گئے تھے۔ مراد یہ کہ یہ انصار میں سے ہو گئے۔

یمان کا لفظ یمن سے بنا ہے۔ یمن کا معنی قسم ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ یہ دونوں غزوہ احد میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابہ کرام کے ہاتھوں ان کے والد شک کی بنا پر مقتول ہوئے کیونکہ مشرکوں کے ساتھ لڑتے لڑتے وہ باہر نکل گئے اور غلط فہمی کی بنا پر مقتول ہوئے حالانکہ حضرت حذیفہ چلا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے بندو! یہ تو میرے باپ ہیں۔ لیکن انہوں نے نہ چھوڑا اور یہ شہید کر دیئے گئے۔ پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ **یغفر اللہ لکم۔**

حضرت عروہ نے کہا ہے کہ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے قاتلوں کے حق میں ہمیشہ بخشش کی دعا کرتے رہتے تھے جب تک وہ حیات رہے ان کے والد نے بدر میں حاضر ہونے سے حذیفہ کو روک دیا تھا۔ کیونکہ مشرکین ان کے باپ کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ لہٰذا وہ باز رہے اور غزوہ خندق میں شرکت۔ وہ یوں ہے کہ حضرت حذیفہ جملہ مشاہد و غزوات میں شامل رہے۔ ان کا وصال ۲۲ھ میں ہوا۔

لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ فتنوں میں سے شدید ترین فتنہ کون سا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جس وقت تمہارے آگے خیر اور شر دونوں رکھے جائیں اور تم دونوں میں سے کسی کو بھی دریافت نہ کر سکو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت برپا نہ ہو گی جب تک ہر قبیلہ پر منافق سردار امیر نہ ہو جائے۔ حضرت حذیفہ ہی سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہر شخص خیر کی باتیں پوچھا کرتا تھا لیکن میں ہمیشہ شر کے متعلق پوچھتا تھا۔ وہ اس لئے کہ اس میں پرہیز کر سکوں۔

حضرت عمر حضرت علی اور ابو الدرداء وغیرہم رضی اللہ عنہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت اخذ کی ہے۔ ان کا وصال ۳۵ھ میں مداین میں ہوا اور وہاں پر ہی ان کی قبر موجود ہے اور ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند راتیں بعد میں ان کی رحلت ہوئی جبکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز تھا یعنی ۳۶ھ میں۔ انہوں نے جنگ جمل کا زمانہ نہیں پایا۔ ان کے دونوں بیٹے صفوان اور دوسرا سعید جنگ صفین میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ وہ حضرت علی مرتضیٰ کی متابعت میں اس لئے تھے کہ ان کے والد سے یہ ان کی وصیت ہوئی تھی۔

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاتبوں میں سے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان کا مشہور نام بریدہ اسلمی ہے۔ ابو عبد اللہ ان کی کنیت ہے اور ایک قول کے مطابق کنیت ابو سہل ہے۔ اور ابو ساسان بھی ایک قول میں آئی ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ابو عامر نام تھا اور لقب بریدہ ہے۔

قبل از بدر یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ بدر میں شامل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہجرت کر کے مقام کراع الغیم پر آئے۔ یہ مقام دونوں حرمین کے وسط میں ایک وادی کا نام ہے۔ مکہ مکرمہ میں سے وہاں تک دو منزل کی راہ تھے۔ تو قریش نے بریدہ کو تیار کیا۔ کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو واپس لے آئیں اور یا ان کو شہید کر دیں۔ اس کا معاوضہ ایک صد اونٹ طے پایا۔ (پس بریدہ ستر سواروں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے۔ آنحضرت نے پوچھا۔ تیرا کیا نام ہے اور تو کون ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں بریدہ ہوں آنحضرت نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ انور پھیرا اور کہا برد امرنا ہمارے کام میں خوشی اور ٹھنڈک آگئی ہے پھر آپ نے پوچھا کہ کس قبیلہ سے متعلق ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ قبیلہ اسلم سے ہوں۔ تو آنحضرت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں سلامتی میسر ہوئی ہے اور آخر کار سلامتی ہے۔ پھر آنحضرت نے پوچھا کہ بنی اسلم کی کس شاخ سے تمہارا تعلق ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں بنی سکہم سے ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تیرا حصہ اور نصیب تمہیں مل گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بری فال نہ لیتے تھے البتہ اچھی فال لیا کرتے تھے۔ جسے تفاؤل کہتے ہیں بالخصوص اسماء سے بریدہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گئے پھر کہا یا رسول اللہ! فوج کے ساتھ علم ہونا چاہیے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پگڑی شریف کو پھاڑ کر نیزے پر آویزاں کر دیا اور ان کو آگے آگے روانہ کیا۔ ازاں بعد انہوں نے اپنے شہروں میں واپس جا کر کچھ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی۔ غزوہ بدر میں یہ حاضر ہوئے تھے۔ احد میں شامل ہوئے۔ حیرانی کی بات ہے کہ اتنی دیر تک یہ متوقف رہے اور بارگاہ رسالت میں حاضری نہ دی۔ یہ حدیبیہ میں حاضر تھے اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیگر سولہ غزوات میں شامل رہے ہیں۔ (کمافی الصحیحین)۔ یہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کی متابعت میں تھے۔

یہ یمن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں جب واپس چلے تو انہوں نے آنجناب کی خدمت اقدس میں حضرت علی کے بارے میں شکایت پیش کی۔ اسی شکایت کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم غدیر پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ خطبے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و موالات قائم کرنے کی نصیحت فرمائی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ازاں بعد میرے نزدیک علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ اپنے مناسب مقام پر اس واقعہ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے انہوں نے خلافت عثمانیہ کے دوران خراسان پر بھی جہاد کیا تھا اور پھر اس کے بعد یہ مدینہ شریف میں ہی قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد پھر بصرہ میں چلے گئے۔ بصرہ سے یہ خراسان پر جہاد کی خاطر روانہ ہو گئے اور یزید بن معاویہ کے دور حکومت کے دوران انہوں نے خراسان میں ہی رحلت فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بارگاہ رسالت کے کاتبوں میں سے ایک کاتب حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اصابہ میں ایسے دو نام مذکور ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک حصین بن نمیر انصاری ہیں اور ان کا ذکر ابن

اسحاق نے غزوہ تبوک میں کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اموال صدقہ پر یہ حصین بن نمیر حملہ آور ہوا۔ کسی حد تک کچھ مال چھین بھی لیا۔ ازاں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر نہایت افسوس ہے کیا چیز ہے جس نے اس برے کام پر تجھے اکسایا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں سوچتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس بارے میں آپ کو خبر نہ دے گا۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اس سے آگاہ کر دیا ہے۔ پس میں اب شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔ اس سے قبل آپ پر میرا ایمان اور یقین کامل نہیں تھا۔ پس آنحضرت نے اس سے درگزر کی اور اس کے حق میں بخشش طلب فرمائی۔ (رواہ بیہقی فی دلائل وسنن کبیر)۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ دیگر بھی ایک شخص کا نام حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ ہے اور میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ یہ وہی مذکور حصین بن نمیر ہیں یا یہ دوسرے ہیں۔ ان کا تذکرہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ اردن پر والی مقرر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ مفتوحہ علاقوں پر صحابہ کو والی مقرر فرماتے تھے۔ ابن عساکر نے ان حصین بن نمیر اور دوسرے حصین بن غیر سکونی کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ حصین بن نمیر سکونی کوفہ والوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے یزید بن معاویہ کی طرف سے امیر بنائے گئے تھے اور یہ تو عیاں ہے کہ یہ ان حصین بن نمیر کے علاوہ تھے۔ واللہ اعلم۔ ابو علی سکویہ حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی کتاب "تجارب الامم" میں آنحضرت کے کاتبوں میں شمار کرتے ہیں۔

اس کی مانند عباس بن محمد بھی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ تذکرہ تاریخ کی کتاب میں کیا ہے۔ جو انہوں نے معتصم کے واسطے لکھی تھی۔ وہاں لکھتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوائج رقم کیا کرتے تھے۔ اور اس کی مانند دوسرے لوگ بھی جنہوں نے آنحضرت کے کاتبوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر دو صحابی آنحضرت کے دیوانات کو قلمبند کیا کرتے تھے اور اس کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ہیں حصین بن فایک بن سعید بن جعفر بن الحارث بن سکانہ۔ یہ حمص کے شریف لوگوں میں سے تھے اور ان کے فرزند یزید اور ان کا پوتا معاویہ بن یزید دونوں حمص کے والی رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عبداللہ بن سعد ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے کاتبوں میں سے ہیں۔ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی برادر بھی تھے۔ ان کی والدہ کا دودھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیا تھا۔ والدہ کا نام سعدیہ تھا۔

سیرت نگار حضرات نے کہا ہے کہ ان کا باپ بہت بڑے منافقوں میں سے تھا۔ یہ وہی شخص تھا۔ جس کے قتل کو آنحضرت نے فتح مکہ کے دن مباح کہا تھا۔ اس کی معیت میں ابن خطل وغیرہم کا ایک گروہ اور بھی تھا۔ یہ چیز تفصیلاً اس سے قبل مذکور ہو چکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دامن عفو و شفاعت میں انہیں پناہ ملی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منظور نہ فرمائی اگرچہ متعدد بار آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے بیعت لینے میں مشغول تھے۔ ان لوگوں کے درمیان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو بھی کھڑا دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ عبداللہ بیعت کرنے کے لئے حاضر ہے اس بیعت کو قبول فرمائیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرہ انور دوسرے صحابہ کی جانب موڑ لیا اور فرمایا جب میں نے اپنا ہاتھ بیعت لینے سے پیچھے کھینچ لیا تھا کیا اس وقت تم میں سے اٹھنے والا کوئی شخص نہ تھا جو اس کو اسی وقت قتل کر دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اگر اپنی چشم مبارک سے ہم کو اشارہ ہی فرما دیتے تو ہم فی الفور اس کی گردن اڑا دیتے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا یہ بات کسی بھی نبی کو زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھ سے خیانت کرے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ الحاح اور زاری کی اور اس کے لئے خدمت اقدس میں التجا کی پس آنحضرت نے اس کی توبہ کو قبول فرمالیا اور اس کے قتل سے درگزر فرمائی۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح آنحضرت کی بارگاہ میں کاتب وحی تھے۔ ان کو شیطان نے گمراہ کر دیا اور کہنا شروع کیا کہ آنحضرت کو بالکل کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا فرمایا ہے آپ نے اور لکھا کیا گیا ہے (العیاذ باللہ)۔ جو میری خواہش ہوتی ہے وہ میں تحریر کر دیتا ہوں ازاں بعد یہ مرتد ہوئے اور کفار سے جاملے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کو قتل کر دینے کا حکم فرما دیا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش کی بنا پر آنحضرت نے اس کو معاف فرما دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح مصر کے وقت یہ وہاں حاضر آئے اور مصر کی فتح کے وقت یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسلامی لشکر کے میمنہ میں شامل تھے۔ بعد ازاں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ مصر کے حاکم بھی مقرر کئے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ جب ہوا تو اس وقت یہ عبداللہ عسقلان میں موجود تھے اور یا رملہ میں تھے اور انہوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی یعنی نہ ہی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے۔ ان کا وصال ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں ہوا۔ بعض کے نزدیک یہ جنگ صفین میں شامل تھے۔ اور ۵۷ھ تک حیات تھے۔ (ذکرۃ ابن مندہ)۔

سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ دور خلافت عثمانیہ رضی اللہ عنہ میں انہوں نے افریقہ کو فتح کیا۔ ازاں بعد ان کو مصر کا والی متعین کیا گیا۔ یہ ۳۵ھ تک مصر کے والی رہے۔ ازاں بعد یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے۔ اور مصر پر حاکم حضرت سائب بن ہشام رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔ انہوں نے تین مرتبہ کہا یعنی افریقہ میں اور ذات السواری میں اور روم کے علاقہ کے اساور میں افریقہ کی فتح عظیم تر تھی۔ فارس کے حصے سے ان کو تین ہزار دینار میسر ہوئے تھے۔ ان کی ولایت کے دوران یہ لوگوں کے پسندیدہ اور مقبول حکمران تھا۔ ارباب سیر نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ یہ عبداللہ بن سرح رضی اللہ عنہ جانب رملہ چلے جا رہے تھے صبح کی نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے دعا کی یا الٰہی میری زندگی کا آخری وقت صبح کی نماز میں فرما دے۔ ازاں بعد وضو کر کے نماز ادا کی۔ دائیں طرف سلام پھیر لیا۔ لیکن ابھی بائیں طرف سلام پھیرنا چاہتے ہی تھے کہ ان کی

روح قبض کرلی گئی۔ رضی اللہ عنہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی توبہ صحیح اور مقبول تھی اور ان کا انجام اچھا ہو گیا۔

کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گذاو

استیعاب میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے توبہ کی اور مسلمان ہو گئے ان کا اسلام حسن ہو اور اس سے بعد کی زندگی میں ان سے کوئی عمل اسلام کے خلاف سرزد نہ ہوا۔ یہ قریش کے بہادر اور عقلاء میں سے ایک تھے۔

حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ:۔ یہ ابو سلمہ بن عبدالاسد قریشی رضی اللہ عنہ بھی کاتبوں میں سے ہیں ان کا نام عبداللہ ہے لیکن ان کی شہرت ان کی کنیت سے ہے۔ یہ رضاعت کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ ابولہب کی لونڈی جس کا نام ثویبہ تھا اس نے انہیں چار چار سال کے وقفہ سے دودھ پلایا تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت کو دودھ پلایا۔ ازاں بعد حمزہ رضی اللہ عنہ نے پیا اور ان کے بعد ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔ اسلام میں دس سابقین اولین میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ ان کی والدہ آنحضرت کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ بدر سے واپسی کے بعد مدینہ شریف میں ان کا وصال ہوا تھا۔ یہ ابن مندہ نے کہا ہے اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ احد کے بعد یہ رحلت فرما ہوئے تھے اور یہ ہی صحیح ہے۔ یہ احد سے زخمی حالت میں لوٹے تھے۔ زخم ٹھیک ہو چکے تھے۔ پھر آنحضرت نے بنی سعد کی طرف ۴ھ صفر کے مہینے میں لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہاں پر ان کے زخم دوبارہ کھل گئے اور ان کا وصال ہو گیا۔

ابن عبدالبر کے نزدیک جمادی الاخریٰ میں ۳ھ میں ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں کے بعد یہ اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ہجرت کر کے سب سے پہلے مدینہ شریف آئے تھے اس سے قبل ازواج مطہرات کے باب میں آنحضرت کے ام سلمہ ام المومنین کے ساتھ نکاح فرمانے کا تذکرہ گزر چکا ہے جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے تو آنحضرت نے یہ دعا فرمائی تھی **اللھم اغفر لابی سلمه وارفع درجة فی المھدیین واخلفه فی عقبه فی الغابرین واغفرلنا وله یارب العالمین وافتح له فی قبره ونور له فیه۔**

حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ:۔ حویطب بن عبدالعزیٰ قرشی عامری بھی کاتبوں میں شمار ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے یا ابو الاصبغ ہے۔ یہ فتح مکہ کے بعد کے اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور یہ مولفۃ القلوب میں شامل ہیں۔ یہ کم و بیش ساٹھ سال زندہ رہے تھے۔ حنین اور طائف میں حاضر تھے اور حنین کے مال غنیمت سے ان کو ایک سو اونٹ ملے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جن آدمیوں کے لئے تحدید حرم کا حکم فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین کی تھی ان میں یہ بھی شامل تھے۔ ان کی عمر ایک صد بیس برس ہوئی۔ امام بخاری نے اس طرح اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ ان کا وصال ۵۴ھ میں امیر معاویہ کے زمانہ حکومت میں ہوا تھا اور بعض نے آخر امارت میں ان کی

رحلت بیان کی ہے اور ابن معین کا قول ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ ان کی کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہو۔ واقدی عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا ہے کہ حویطب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ میں صلح حدیبیہ سے واپس آیا۔ قریش کی جانب سے سہل بن عمرو کے ہمراہ میں بھی بغرض مصالحت آیا تھا۔ مجھے پکا یقین تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہی غالب رہیں گے۔ اس کے بعد لمبا تذکرہ بیان کیا ہے۔ ان ہی سے ایک روایت یہ ہے کہ مشرکوں کے ہمراہ بدر میں بھی حاضر تھا اور میں نے خود دیکھا کہ فرشتے آسمان سے اترتے تھے اور جنگ کرتے تھے۔ لیکن میں نے کسی قریشی آدمی کو یہ نہ بتایا۔

مروان بن حکم نے ایک روز حویطب رضی اللہ عنہ کو پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ تم چھوٹوں اور ہم عمروں کے بعد اسلام لائے تو حضرت حویطب نے جواب دیا۔ اللّٰہ المستعان خداتعالیٰ کی سوگند متعدد بار میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسلام میں سبقت کروں۔ لیکن تمہارا والد ہر دفعہ مجھے روکتا ہی رہا اور ہر دفعہ وہ کہتا تھا کہ اپنے درجہ شرافت کو کیوں چھوڑتے ہو اور اپنے آباؤ اجداد کے دین سے نئے دین کی طرف رجوع کرتے ہو اور صرف تنہا ایک آدمی کے تابع ہوتے ہو۔ پس مروان شرمسار ہوا اور چپ ہو گیا۔

مروان نے حویطب سے یہ سنا تو اپنے والد کے انجام کے بارے میں بڑا متفکر اور مضطرب ہوا ازاں بعد حویطب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قریش کے بڑے آدمیوں سے اپنے دین پر قائم رہنے والا اور اسلام سے نفرت کرنے والا مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ مکہ شریف مفتوح ہوا اور تقدیر میں لکھا تھا وہ واقع ہو گیا۔

حضرت حویطب رضی اللہ عنہ سے طبقات ابن سعد میں ابن المنذر وغیرہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس وقت مکہ میں داخل ہوئے تھے تو مجھے انتہائی خوف و ہراس ہوا۔ اس کے بعد طویل واقعہ ذکر کیا اور کہا کہ میں عوف کے گھر میں جا کر ٹھہرا۔ ناگاہ مجھ سے ابوذر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی۔ میں ان سے واقف تھا۔ انہیں سلام کرنے کے بعد میں نے اپنا حال ان کو بتایا۔ ابوذر کہنے لگے کہ تم بے خوف و خطر اپنے اہل و عیال میں جا کر رہو۔ ازاں بعد ابوذر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر میرے حق میں معافی کی التماس کی۔ اس کے بعد میرے پاس آ کر کہنے لگے کہ آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر احسان کرنے والے ہیں اور وہ سب سے زیادہ حوصلہ مند ہیں ان کی شرافت اور عزت تمہاری شرافت و عزت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جب تمہاری ملاقات ہو تو تم یوں کہنا۔ السلام علیک یایها النبی ورحمة اللّٰہ میں نے اس طرح عمل کیا۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ وعلیک السلام ازاں بعد میں نے دین اسلام کی حقانیت کی گواہی دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسرور ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ الحمد للّٰہ وهداک اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قرضہ لینے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ میں نے چالیس ہزار بطور قرض پیش کئے۔

میں آنحضرت کے ہمراہ حنین اور طائف میں حاضر رہا اور آپ نے مجھے غنائم سے حصہ عطا فرمایا اس کے بعد حویطب

مدینہ شریف چلے گئے اور وہاں پر رہائش پذیر ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال وہیں ہو گیا۔ ان کا جو مکہ شریف میں مکان تھا وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ انہوں نے بعوض چالیس ہزار دینار بیچ دیا۔ اس پر لوگ کہنے لگے کہ اب تو تم بڑے امیر بن گئے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جس کے سامنے کسی چیز کو کوئی اہمیت نہ ہو اس کے سامنے یہ مال کیا وقعت رکھتا ہے ان باتوں سے پتہ چلتا ہے یہ ان مولفتہ القلوب میں سے ایک فرد تھے جن کا اسلام حسن ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ :۔ حضرت حاطب بن عمرو بھی کاتبوں میں شمار ہیں۔ استیعاب اور اصابہ دونوں کتب میں ان حاطب کے علاوہ ایک اور حاطب بن ابی بلتعہ بھی مذکور ہوئے ہیں کیونکہ حاطب نام کے دو اشخاص مشہور ہیں۔ ایک ہیں حاطب بن عمرو بن عبداللہ بن عبدالشمس بن عبدود۔ ازاں بعد استیعاب میں کہا گیا ہے کہ ابن عقبہ نے ان کو بنو عامر سے بدر میں حاضر آنے والے لوگوں میں شمار کیا ہے۔ آنحضرت کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل یہ مسلمان ہو چکے تھے اور حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شامل تھے (رواہ ابن اسحاق) لیکن بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ صرف پہلی ہجرت میں تھے۔ واقدی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ ہی ثبوت کو پہنچی ہے اور ابن اسحاق اور واقدی دونوں نے ان کو بدر کے حاضرین میں شمار کیا ہے۔

اور اصابہ میں مذکور ہے کہ حاطب بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود قرشی عامری ہیں اور سہیل بن عمرو کے بھائی تھے اور ان کو سابقین اولین میں شامل سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے یہ پہلے آدمی تھے۔ زہری بھی اس پر جزم کرتے ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بدر میں حاضر ہونے والوں میں سے ایک ہیں۔

دوسرے ہیں حاطب بن عمرو بن عتیک بن امیہ بن زید بن مالک اوس۔ یہ بھی بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ لیکن ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ بدر والوں میں نہیں کیا ہے استیعاب میں صرف اتنا ہی مذکور ہے اور اصحابہ میں ہے کہ حاطب بن عمرو بن عتیک انصاری اوسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابو عمرو نے ذکر کیا ہے کہ یہ بدر میں شامل تھے اور ابن اسحاق انہیں بدریوں میں بیان نہیں کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک بھی انکار بدری ہونا پایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو آنحضرت کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ان دو کتب میں حاطب بن عمرو واؤ کے ساتھ مذکور ہے جبکہ روضتہ الاحباب کے صحیح موجودہ نسخہ میں واؤ کے بغیر مذکور ہے۔

ابن خطل مرتد :۔ ابن خطل بھی کاتب تھے۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ قبل ازیں عام الفتح میں اس کے احوال مذکور ہو چکے ہیں یہ فتح مکہ سے قبل مدینہ شریف آیا۔ اسلام لایا۔ آنحضرت نے اس کو عبداللہ نام سے موسوم کیا اور اسی کے قبیلہ میں اس کو صدقات کی وصولی پر مامور فرمایا وہاں جا کر اس نے صدقات وصول کئے پھر مرتد ہو کر صدقہ کے جانوروں کو مکہ میں لے گیا۔ قریش سے اس نے کہا کہ تمہارے دین سے بہتر میں نے کوئی اور دین نہیں دیکھا۔ اس نے فتح مکہ کے روز بیت اللہ شریف کی پناہ لی۔ یہ اس کے غلاف میں چھپا۔ ایک صحابی نے اس کو دیکھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض

کیا کہ خانہ کعبہ کے غلاف میں ابن خطل پوشیدہ ہے۔ آنحضرت نے اس کو قتل کر دینے کا حکم صادر فرمایا لہٰذا آنحضور کے حکم کے مطابق اس کو اسی جگہ پر قتل کر دیا گیا۔ انتہیٰ۔ اپنے ارتداد سے پہلے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے کہ یہ کتابت کرتا ہو لیکن یہ مذکور نہیں ہے اور اگر یہ کاتب بھی تھا تو اسے اس کے مرتد ہو جانے کے باعث صحابہ میں بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ وجہ ہے کہ اسماء اگر جال میں اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی سوائے اس قدر جو اس کے حال میں مذکور ہوا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:۔ ان کاتبوں میں سے ایک کاتب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ یہ ابو المنذر اور ابو الطفیل کنیت رکھتے تھے اور یہ ابی بن کعب بن المنذر ہیں۔ دیگر ایک قول کے مطابق یہ ہیں ابی بن کعب بن قیس انصاری خزرجی بخاری مغازی اور مدنی۔ یہ عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے تھے اور بدر میں بھی موجود تھے۔ ازاں بعد کے غزوات میں انہوں نے شرکت کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں کتابت وحی کی کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ پاک میں قرآن پاک کو حفظ کرنے والے چھ آدمیوں میں ایک یہ بھی ہیں اور آنحضرت کے زمانہ پاک میں قرآن پاک جمع کرنے والے چار آدمیوں میں سے یہ ایک ہیں۔ یہ کتاب اللہ کے قاریوں میں سے ہیں اور صحابہ میں جو فقہا تھا ان میں سے ایک فقیہہ یہ ابی بن کعب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو ابو المنذر کی کنیت کے ساتھ پکارتے ہیں اور ان کو حضرت عمر فاروق اعظم ابو الطفیل کنیت سے مخاطب کیا کرتے تھے اور ان کو آنحضرت نے سید الانصار کا لقب عطا فرمایا تھا۔ جبکہ ان کا لقب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سید المسلین رکھا تھا اور یہاں المسلمین کا مطلب انصار ہی ہوں گے یا مسلمان کی کوئی مخصوص جماعت ہو گی۔ جس طرح کہ عیاں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابی بن کعب کو مخاطب فرما کر ان سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم فرمایا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ تلاوت قرآن کروں اور تمہیں میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ میرا نام لیا ہے۔ تو آنحضرت نے یہ آیت پاک پڑھی **قل بفضل اللّٰہ وبرحمته فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون**

دیگر ایک روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں تمہارے سامنے سورہ قرآنی **لم یکن الذین کفروا** تلاوت کروں تو ابی بن کعب نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آنحضرت نے جواب دیا۔ ہاں تمہارا نام لیا ہے۔ تو حضرت ابی رونا شروع کیا اور ایک روایت میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابی بن کعب دونوں ہی خوشی کے آنسو رونے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو المنذر! تمہیں علم سزاوار ہو۔ آپ نے اس وقت یہ کہا تھا جبکہ آپ نے ابی سے دریافت کیا تھا۔ کہ اے ابو المنذر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں کون سی آیت ہے جو عظیم تر ہے تو حضرت ابی نے جواب دیا۔ **اللّٰہ ورسوله اعلم** اس کے بعد دوبارہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اے ابو المنذر! قرآن پاک میں جو اعظم آیت ہے کیا تم اس سے واقف ہو۔ تو حضرت ابی نے عرض کیا۔ **لا اله الا ھو الحیی القیوم** تو آنحضرت نے فرمایا۔ تیرا علم تجھے سزاوار ہو اور آنحضرت

نے ابی کے علم کے باعث ان کی مدح و توصیف فرمائی۔ ابی کو اس آیت کا علم اللہ کی طرف سے الہام اور اعلام سے ہوا اور یا بوجہ تصرف سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ جس طرح کہ روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوسری دفعہ اپنا ہاتھ مبارک ابی کے سینہ پر رکھا تو اس سے ابی کو اس آیت کا علم ہو گیا اور واقدی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت بجالانے والے سب سے اول آدمی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور انہوں نے ہی خط کے آخر پر یہ تحریر کیا تھا۔ کہ فلاں بن فلاں نے تحریر کیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قد مبارک درمیانہ سا تھا۔ ان کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے سر کے بالوں کو مہندی کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابی سے نوازل و حوادث کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور مفصلات سے تحاکم کیا کرتے تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی جماعت نے روایت اخذ کی ہے۔ ان کا وصال شریف ۱۹ھ یا ۳۶ھ اور یا ۳۲ھ میں ہوا تھا جبکہ خلافت فاروقی کا زمانہ تھا۔ ان کے وصال خلافت عثمانہ کے دوران بیان کیا ہے اور یہی قول بہتر طور پر ثابت شدہ ہے۔ ابن عبدالبر کے نزدیک اکثریت اس مذہب پر ہے کہ ابی بن کعب کی رحلت خلافت فاروقی کے زمانہ میں ہوئی اور امام بغوی امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا وصال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے جو پہلے جمعہ کا روز تھا اس دن ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ ان کے وصال کے سن کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مسلمان آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ان بیماریوں کا کچھ ہمیں فائدہ بھی ہوتا ہے جو کہ ہمیں آتی ہیں۔ تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ یہ بیماریاں جو لاحق ہوتی ہیں۔ یہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ تو اس نے عرض کیا کہ خواہ بیماری تھوڑی ہو آنحضرت نے فرمایا ہاں خواہ ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ پس حضرت ابی بن کعب نے اپنی خاطر دعا کی آخر وقت تک ان کا بخار رفع نہ ہو اور حج اور عمرہ اور نماز اور جہاد اور فرض جماعت کے لئے رکاوٹ بھی نہ بنے لہٰذا وہ ہمیشہ بیمار رہتے تھے اور بخار رہتا تھا۔ حتیٰ کہ انکا وصال ہو گیا۔ (رواہ ابو یعلیٰ) اور ابن حبان کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک کاتب حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ قرشی زہری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ عام الفتح میں یہ مسلمان ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طلقاء میں سے ایک یہ بھی تھے۔ یہ آنحضرت کی بارگاہ میں مراسلات کی کتابت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو اس حد تک دیانتدار سمجھتے تھے۔ کہ آپ انہیں فرماتے تھے کہ فلاں کی جانب خط لکھو۔ لیکن آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ یہ بات لکھنا جب خط لکھ کر آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے آنحضرت کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ مکتوب پڑھنے کے بغیر ہی آنحضرت اس پر اپنی مہر ثبت فرما

دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے بھی کتابت کرتے رہے تھے۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا تنخواہ والی بیت المال بھی متعین فرمایا۔ بعد ازاں یہ اس سے مستعفی ہو گئے اور ان کا استعفے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے منظور فرمالیا۔ مالک کا بیان ہے کہ میں جانتا ہوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن رقم کو تیس ہزار درہم کا انعام بھی عطا فرمایا تھا لیکن عبداللہ نے اسے قبول نہ کیا تھا اور جواب میں کہا کہ میں یہ خدمت فی سبیل اللہ بجالایا ہوں دیگر ایک روایت میں تیس لاکھ بھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک مامون و مختار تھے حتیٰ کہ اس بارے میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا ہے کہ ہم لوگ اس پر معترض نہ ہوتے تو عبداللہ بن ارقم کو میں اپنا خلیفہ مقرر کرتا۔ عبداللہ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے والا کوئی نہ دیکھا گیا تھا۔ نیز انہیں فرماتے تھے کہ اگر پہلوں کی مانند آپ کی قوم ہوتی تو تم پر ہرگز کسی کو مقدم نہ کرتا۔ حضرت عبداللہ سے عروہ بن زبیر اور حضرت عمر کے غلام اسلم روایت اخذ کرتے ہیں اور اربعہ نے بھی ان سے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی ہے کہ ارشاد فرمایا کہ عشاء کا وقت ہو جائے اور قضائے حاجت درکار ہو۔ تو پہلے قضائے حاجت سے فراغت حاصل کرو۔ یہ حدیث صاحب المشکوۃ باب الجماعت اور اس کی فضیلت کے سلسلہ میں ذکر کرتے ہیں۔ یہ حدیث ان الفاظ پر مشتمل ہے۔ **اذا اقیمۃ الصلوۃ ووجد احدکم الخلاء فلیبداء باالخلاء** حضرت عبداللہ بن ارقم کا وصال خلافت عثمانیہ کے دوران ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔

مذکور بالا تمام اسماء روضۃ الاحباب میں مذکور ہوئے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر نام وہ ہیں جو کتابت کے عنوان کے تحت استیعاب میں مذکور نہیں ہوئے۔ ہاں استیعاب اور مواہب الدینہ میں ایک اور بھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت معیقب بن ابی فاطمہ :۔ حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی سابقین اولین میں سے ہیں انہوں نے جملہ غزوات میں شمولیت کی تھی اور ان کا وصال عثمانی خلافت کے دوران ہوا اور یا خلافت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوران مواہب الدینہ میں صرف اتنا کچھ ہی مذکور ہوا ہے۔

استیعاب میں آیا ہے کہ یہ سعید بن العاص کے موالی ہیں اور موسیٰ بن عقبہ بھی ابن شہاب سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگوں کا گمان ہے کہ یہ دوس سے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں نے ان کو دوسی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سعید بن العاص کے حلیف ہیں یہ مکہ کے پرانے مسلمانوں میں سے ہیں حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں یہ بھی تھے اور یہ حبشہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لائے۔ تو یہ بھی مدینہ پاک میں آ گئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خیبر آ کر حاضر ہوئے تھے اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے بھی پہلے آ گئے تھے۔ یہ آنحضرت کی مہر مبارک کے انچارج تھے۔ مدینہ شریف میں بیت المال کے یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف

سے انچارج مقرر کئے گئے تھے۔ ازاں بعد یہ جذام کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ جس کا علاج حسب ہدایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حنظل کے ساتھ کیا گیا ازاں بعد یہ اپنے کام سے علیحدہ ہی رہے اور جب عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا تو انہوں نے رحلت فرمائی کچھ سیرت نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا وصال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ۴۰ھ میں ہوا۔

حضرت معیقب سے تھوڑی سی احادیث روایت ہوئی ہیں۔ ان سے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ **ویل للاعقاب من النار** ان سے جو دوسری حدیث روایت کی گئی ہے وہ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس کے کاتبوں کا ذکر مکمل شد

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

افادہ:۔ مولف استیعاب میں کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پہلے وحی کی کتابت پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مقرر تھے بعد میں زید بن ثابت بھی اس کام میں ان کے ساتھ ہو گئے۔

اور زید بن ثابت جملہ صحابہ میں کتابت وحی کے لئے لازم ترین تھے۔ انہوں نے بڑی کثرت سے وہ خطوط اور مکتوبات تحریر کئے جو لوگوں کو ارسال کئے گئے تھے محمد بن سعید بروایت واقدی اپنے مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ سب پہلے رسول رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وحی کی کتابت مدینہ پاک میں کرنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کی عدم موجودگی کے وقت رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب فرما لیتے تھے اور ان سے وحی تحریر کراتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی وقت کوئی زمین کا قطعہ اگر کسی کو عطا فرماتے تھے۔ تو وہاں لوگوں کے ہمراہ حضرت ابی کو آنحضرت روانہ کرتے تھے۔

قریش میں سے سب سے پہلے آدمی جنہوں نے کتابت کا کام کیا۔ وہ عبداللہ بن ابی سعد بن ابی سرح ہیں۔ بعد میں وہ مرتد ہو گیا تھا اور مکہ کی طرف چلا گیا تھا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پاک نازل فرمائی۔ **ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا اوقال اوحى الى ولم يوحٰ اليه شيئ** کون شخص اس سے زیادہ ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر کذب کا اطلاق کرے اور کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے جبکہ یہ حال کہ اس پر ہرگز وحی نازل نہیں کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں مراسلت کی کتابت کرنے کے لئے مستقل طور پر حضرت عبداللہ بن ارقم زہری رضی اللہ عنہ مقرر شدہ تھے اور جس وقت آنحضرت کسی سے کوئی عہد وغیرہ کرتے تھے تو ایسے عہود کی کتابت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے کتابت کرنے والوں میں حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شمار کئے گئے ہیں ان کو کاتبوں کے زمرہ میں ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے اور مزید یہ بھی تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب' عثمان ذوالنورین علی مرتضٰی زبیر بن العوام' خالد اور ابان رضی اللہ عنہم یہ سب بھی کتابت کیا کرتے تھے ان میں سے اکثر وہ ہیں جنہیں صاحب استیعاب نے بھی بیان کیا ہے اور ان تفصیلات کے بعد ان کے حالات و کوائف رقم کئے ہیں۔

اور واضح ہو کہ جو مکتوبات و فرمودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں اور امراء کو تحریر کئے گئے تھے اور بھیجے گئے تھے اور جو کہ ۶ھ کے واقعات میں بعد از قضیہ حدیبیہ مذکور ہو چکے ہیں ان میں وہ مراسلات بھی شامل ہیں جو کہ صدقات و زکوٰۃ اور معاملات کے شرائع اور احکام پر مشتمل صحابہ کرام کو تحریر کئے گئے تھے۔ ان کو یہاں پر عربی زبان میں نقل کر دینا مناسب نہیں ہے۔ وضع کتاب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اگر ترجمہ نقل کریں تو اصل عبارت کی حلاوت و چاشنی باقی نہیں رہتی اور حسن و دبدبہ بھی مفقود ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ مکتوبات و رسائل دوسری قسم میں شامل ہیں جو کہ کچھ عربی نبیوں کی زبان اور ان کی لغت کے مطابق تحریر کئے گئے اور ان کی تحسین رخونی کو واشگاف کرنے والے بڑے بڑے فصحاء عرب اور بلغاء عرب ہیں اور انہیں دیکھ پڑھ کر عقل شرمندہ اور فہم حیران ہوتا ہے۔ اس قسم کے کچھ مراسلات کتاب الشفاء میں مذکور و مسطور ہیں جو کہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ کی تالیف ہے۔ آنحضرت کے ظاہر معجزات میں یہ مکتوبات فی الحقیقت شامل ہیں کیونکہ آنحضرت خود نہ کہیں گئے تھے اور نہ ہی آنحضرت نے کسی اہل زبان اور اس قبیلہ کے افراد کے ساتھ کوئی صحبت رکھی تھی ان کی لغت بھی آپ نے نہ دیکھی پڑھی تھی اور اس کے متعلق کسی سے سیکھا بھی نہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کا یہ اعجاز آنحضرت کے بھیجے ہوئے سفیروں اور مقاصدوں میں بھی عیاں ہے جو کہ آپ نے بادشاہوں اور امراء کی جانب بھیجے تھے آنحضرت جو سفیر اور قاصد جس قوم کی طرف بھیجے تھے وہاں پہنچ کر وہ اسی قوم کے زبان میں اور اس قوم کی لغت میں گفتگو فرماتے تھے اور قوم کی باتوں کا جواب۔

XX

باب ھشتم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراور قاصد

یہاں پر وہ قاصد اور سفیر مذکور ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طرف سے سلاطین اور امراء کی طرف بھیجے گئے تھے۔ روضتہ الاحباب میں گیارہ اشخاص اور ان کے اسماء مذکور ہیں۔ لیکن ان کے دیگر حالات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ سب ایک مقام پر اکٹھے مذکور ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ مناسب تر ہو گا کہ جو کچھ بیان ہوا ہے اور جو مذکور نہیں ہوا سب کو اکٹھا بیان کیا جائے۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک قاصد حضرت عمرو بن امیہ ضمری ہیں۔ یہ بنی ضمرہ بن عبد مناف کنانی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دلیر اور بہادر صحابہ کرام میں سے ایک تھے اور عرب کے جرأتمند اور تجربہ کار جوانوں میں سے تھے۔ بدر اور احد میں مشرکین کے ساتھ شامل تھے۔ میدان احد سے جب مشرکوں کا لشکر فرار ہوا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بیر معونہ کا جہاد ان کا اولین جہاد فی الاسلام ہے۔ اس دن یہ عامر بن طفیل کے ہاتھوں قید کئے گئے اس کے بعد ان کی پیشانی سے ان کے بالوں کو کاٹنے کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔

ان کو اپنا نامہ مبارک دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کی طرف بھیجا۔ نجاشی نے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ آنحضرت کے مکتوب کو موصول کیا۔ اسے اپنے لئے باعث صد سعادت تصور کیا اور مسلمان ہو گیا بعد ازاں آنحضرت نے اپنا دوسرا مکتوب شریف ارسال کیا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ سیدہ ام حبیبہ راضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا جائے یہ تذکرہ قبل ازیں ہو چکا ہے۔ مواہب الدینہ میں نقل کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی طرف بھی مکتوب مبارک دے کر عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔ نیز ان کو قیصر روم کے ایک صوبے کے والی کی طرف بھی بھیجا گیا تھا۔ جس کا نام فردہ بن عمرو جذامی تھا۔ انہوں نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے ایک خط لکھا اور آنحضرت کی خدمت اقدس میں ارسال کیا اور ہدایہ و تحائف کے طور پر ایک بغلہ شہباء جو کہ فضہ کہلاتا تھا اور ضراب نام کا ایک گھوڑا چند ملبوسات اور سندس سے بنائی گئی مطلا قبا مسعود بن سعد کے ہاتھ آنحضرت کی خدمت میں بھیجے ان کے یہ ہدایا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبول فرمائے اور بارہ اوقیہ (سونا یا چاندی) مسعود بن سعد کو آپ نے عطا فرمائے۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزندوں جعفر اور عبد اللہ اور شعبی اور ابو قلابہ حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ یہ حجاز کے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور کئی مقامات پر ان کا ذکر آیا ہے۔ ان کا وصال مبارک مدینہ شریف میں ہوا۔

اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت تھا اور ایک قول میں بیان کیا گیا ہے ۵۰ھ میں رحلت ہوئی تھی۔

حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ :- بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصدین میں سے حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کی نسبت قبیلہ کلب بن ابرہ سے ہے۔ یہ بڑے مشہور صحابی ہیں اور یہ اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے بے مثل تھے جس وقت یہ باہر آتے تھے تو آدمی اور عورتیں ان کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے تھے یہ وہ آدمی ہیں جن کی شکل و صورت سے مشابہ صورت میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تھے بدر میں یہ حاضر نہیں تھے لیکن اس کے بعد کے تمام غزوات میں شامل رہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ سب سے پہلی دفعہ غزوہ خندق میں حاضر ہوئے تھے یہ بیعت رضوان میں شامل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قیصر روم کے پاس بھیجا تھا۔ وہ قصہ قبل ازیں مسطور ہو چکا ہے ان سے امام احمد بطریق شعبی روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی خاطر میں گھوڑی پر گدھے کو چھوڑوں تاکہ اس سے آپ کے سوار ہونے کے لئے بغلہ پیدا ہو اور آپ اس پر سواری فرمایا کریں آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ علم نہ رکھنے والے اس طرح کیا کرتے ہیں۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک حیات رہے۔

حضرت عبداللہ حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ :- حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے قاصدوں میں شمار ہیں قریش کی ایک شاخ کا نام سہم بن عمرو تھا۔ ان کی اس کے ساتھ نسبت ہے۔ ابو حذافہ کنیت رکھتے تھے۔ یہ مہاجر ہیں قدیم الاسلام ہیں اور سابقین الاولین سے ہیں۔ یہ حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ میں اپنے بھائی قیس بن حذافہ کے ساتھ شامل تھے فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا۔ جو کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ بڑے ظریف الطبع تھے فطرت مزاحیہ تھی۔

ایک دفعہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سواری کا تنگ اتنا ڈھیلا باندھا جس سے آنحضرت نیچے آ رہے۔ ان کا مقصد تھا کہ سواری کا تنگ درست کرنے کی خدمت کا موقع دوبارہ میسر ہو اور آنحضرت بھی اس سے خوش طبعی فرمائیں۔

ایک دفعہ ان کے مزاح کا یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار آنحضرت نے انہیں ایک لشکر کا سالار متعین فرمایا انہوں نے اپنی فوج کو حکم کہ فرمایا کہ لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کرو۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو حکم دیا کہ اس آگ میں داخل ہو جائیں۔ لشکریوں نے اس سے انکار کر دیا۔ یہ کہنے لگے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میری فرمانبرداری میں ہیں۔ کیا آنحضرت نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی لوگوں نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس واسطے ہم ایمان لائے ہیں اور آپ کی تابع حکم ہیں کہ آگ سے ہمیں چھٹکارا مل جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کے متعلق پتہ چلا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ لا طاعۃ

المخلوق فی معصیة الخالق اسی طرح استیعاب اور اصابہ میں مذکور ہوا ہے۔
جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی یہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان کی خواہش تھی کہ انہیں کافر بنالیا جائے۔ لہذا انہوں نے ان پر بہت سختیاں روا رکھیں۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو بڑا مستحکم اور محفوظ رکھا اور رومیوں سے انہیں نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح استیعاب میں بھی لکھا ہے۔
اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومی ان کی استقامت سے پریشان ہو گئے تھے اور انہوں نے ان کو رہا کر دیا تھا اور اصابہ میں سیرت نگار حضرات سے منقول ہے کہ یہ بات عبداللہ بن حذافہ کے مناقب سے ہے کہ روم کے لوگوں نے ان کو گرفتار کیا۔ روم کے بادشاہ نے ان کو عیسائی بننے کے لئے حکم دیا اور کہا کہ اس طرح تم میری سلطنت میں بالکل بے خوف و خطر رہ سکو گے۔ لیکن انہوں نے صاف انکار فرمایا۔ پس بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ ان کو سولی پر لٹکائیں اور ان پر تیروں کی بارش کی جائے۔ لیکن ایسے کرنے سے بھی ان کو کوئی زخم نہ آیا۔ پس سولی سے نیچے اتار دیئے گئے۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ دیگ میں پانی خوب ابالا جائے اور ان کو اس میں پھینکا جائے۔ جس میں ان کی ہڈیاں جل جائیں۔ اس طرح بھی ہوا لیکن اس میں بھی محفوظ ہی رہے۔ اس کے بعد ان کو قیصر کے روبرو پیش کیا گیا تو قیصر رونے لگا اور کہا کہ اسے چھوڑ دیا جائے ازاں بعد قیصر نے ان کا حال دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا کہ کیا تمہاری خواہش ہے انہوں نے کہا کہ ہاں میری ایک آرزو یہ ہے کہ میرے ساتھ جو ایک سو آدمی ہیں ان کو بھی اسی طرح کا عذاب دیا جائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور ان کو اسلام کے ساتھ محبت اور زیادہ ہو۔ اس پر قیصر بڑا حیران ہوا اور پھر اس نے کہا کہ میرے سر کو تم بوسہ دو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے کہا کیا تم میرے ساتھی لوگوں کو بھی رہا کر دو گے۔ قیصر مان گیا۔ پس انہوں نے اٹھ کر قیصر کے سر کو بوسہ دیا۔ اس پر قیصر نے ان کے سمیت سب اہل اسلام کو رہا کر دیئے۔
لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں گئے تو حضرت عمر نے خود ان کے سر کو بوسہ دیا شیخ نے فرمایا کہ اس قصہ کی تائید و شہادت میں ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرسل حدیث بیان کی ہے اور اس کے حق میں دوسری شہادت انہوں نے فوائد ہشام بن عمرو سے مرسل طور پر بیان کی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ:- حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے قاصدوں میں سے ہیں یہ بھی آنحضرت کے ایک مشہور صحابی ہوئے ہیں۔ ابو عبداللہ کنیت ہے اور دیگر ایک قول کے مطابق کنیت ابو محمد ہے یہ قریش کے ساتھ حلف میں شامل تھے۔ بعض نے ان کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا حلیف بیان کیا ہے اور کچھ یوں کہتے ہیں کہ قریش میں سے ایک آدمی کے یہ مکاتب غلام تھے۔ اس کا نام تھا عبداللہ حمید۔ اولاً اس نے انہیں مکاتب کیا ازاں بعد کتابت سے آزاد کر دیا اور بالکل ہی آزادی بخش دی۔ یہ یمن کے باشندہ تھے۔ یہ بدر سے لے کر احد اور خندق اور دیگر جملہ غزوات میں حاضر تھے۔ ان کا وصال مدینہ شریف میں ہوا۔ ۳۰ھ تھا اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ انہوں نے پینسٹھ برس کی عمر پائی اور ان کی جنازے کی نماز پڑھنے والے حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ جو کہ سابقاً ذکر ہو چکا ہے اور اصابہ میں مرزبانی سے منقول ہے کہ معجم الشعرا میں بیان کیا گیا ہے کہ جاہلیت کے دور میں قریش کے سواروں اور شاعروں میں حاطب بھی شامل تھے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے متعدد احادیث کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کی ہے۔ جن میں سے ایک روایت یہ ہے۔ من رانی بعد موتی فکانما رانی فی حیاتی ومن مات فی احد الحرمین بعث فی الامین یوم القیامة

استیعاب کے مولف بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کے علاوہ کوئی دیگر حدیث میں نے ان سے مروی نہیں پائی اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ صاحب استیعاب کی یہ بات علماء کے نزدیک بڑی حیرانی کا باعث ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن کی روایت انہوں نے کی ہے۔

ابن السکن بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیه عن جده روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میں نے سنا کہ ایک مسلمان کی بیویاں بہشت میں ستر اور تمیں ہوں گی۔ ستر بیویاں ہوں گی اور مولف اصابہ فرماتے ہیں کہ تین دیگر احادیث میں ان میں سے مروی شدہ دیکھی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث کی سند یہ ہے۔ ابن شاہین بطریقہ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیه عن جده نقل کرتے ہیں۔ حضرت حاطب نے فرمایا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کی طرف بھیجا۔ میں آنحضرت کا نامہ مبارک لے کر اس کے پاس گیا۔ (الحدیث) اور جو دوسری ہے وہ بھی ابن مندہ نے اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ مرفوع ہے اور یہ ہے من اغتسل یوم الجمعته الحدیث (الحدیث) اور جو تیسری حدیث ہے وہ حاکم بطریق صفوان بن سلیم عن حاطب بن ابی بلتعه روایت کرتے ہیں وہ یوں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی کرم اللہ وجہ الکریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ ہاتھ میں ڈھال لئے ہوئے تھے جس میں پانی تھا الحدیث۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ غزوہ کے دوران یہ پانی لایا گیا تھا۔۔۔۔۔ جس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زخم آ گئے تھے اور علی رضی اللہ عنہ پانی لائے تھے مقصد تھا کہ زخموں کو دھویا جائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ نے چٹائی جلائی۔ اس کی راکھ ان زخموں پر ڈالی۔ یہ بھی اپنے مناسب مقام پر سابقاً گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ:۔ آنحضرت کے سفیروں میں حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ بھی شمار ہیں لوگ ان کو ابو وہب الاسدی حلیف بنی عبدالشمس بھی کہتے ہیں ابو وہب کنیت رکھتے ہیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ یہ مہاجر ہیں۔ سابقین اولین سے ہیں اور حبشہ کی ہجرت کرنے والوں سے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ وہ بدر میں شامل ہوئے تھے۔

ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ شجاع بن وہب غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک تھے صاحب استیعاب بیان کرتے ہیں کہ میرے علم میں ان کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں حارث بن شمر غسانی کے

پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ یہ نحیف الجثہ طویل القامت اور کوزہ پشت آدمی تھے۔ یہ یمامہ کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے تھے اور چالیس سال سے کچھ زیادہ انہوں نے عمر پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- بھی قاصدوں میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اپنا نامہ مبارک دے کر ہوذہ بن علی حنفی کے پاس بھیجا تھا۔ جیسے اس سے قبل مذکور ہو چکا ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اپنے باپ کے ہمراہ یہ جنگ یمامہ میں شامل ہوئے تھے اور وہاں پر ہی شہادت سے مشرف ہوئے تھے۔ لیکن ابو معشر کا قول ہے کہ شہید نہیں ہوئے تھے اور استیعاب کے مولف بیان کرتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہی صحیح ہے نیز کہتے ہیں کہ زہیر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابہ کرام کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حلے زیب تن کرائے۔ ایک حلہ زائد بچ گیا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کسی ایسے جوان کے بارے میں بتایا جائے جس نے خود اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہو تو لوگوں نے ان کو بتایا کہ عبداللہ بن عمر ہیں آپ نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ سلیط بن عمرو ہیں۔ پس وہ باقی ماندہ حلہ ان کو پہنا دیا گیا۔

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ:- حضرت علاء بن الحضرمی بھی ان سفیروں میں سے ہیں ان کا تذکرہ کاتبوں میں بھی سابقاً گزر چکا ہے۔ یعنی کہ وہ کتابت بھی کرتے تھے اور آنحضرت کے یہ قاصد اور سفیر بھی تھے۔ ارباب سیر سے باب ارسال رسل میں ہم نے اس سے قبل بیان کیا ہے۔ کہ منذر بن ساری جو کہ بحرین کا گورنر تھا اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور اپنا نامہ مبارک تحریر کر کے ان کو دیا۔ ان کے قصہ کا مفصل ذکر مواہب الدینہ میں کیا گیا ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:- حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی سفیروں میں شمار ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت جریر کو طائف کے ایک بادشاہ ذی الکلاع نامی کی طرف روانہ فرمایا ھ کے واقعات میں بعد از حجتہ الاوداع ان کا یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ یہ حسین و جمیل شکل و صورت کے مالک تھے اور فضل و کمال رکھتے تھے۔ یہ ابو عبداللہ کنیت رکھتے ہیں۔ دیگر ایک قول کے مطابق کنیت ابو عمر ہے۔ یہ بجیلی اور یمانی کہلاتے ہیں۔ قبیلہ بجیلا کی طرف نسبت سے بجیلی ہیں۔ یہ نام اس قبیلہ کی ماں کا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ کب اسلام لائے تھے بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جس میں نبی اکرم کا وصال واقع ہوا تھا۔ یہ بھی اس سال مسلمان ہوئے تھے اور یہ بھی ایک قول آیا ہے کہ نبی کریم کے وصال سے چالیس دن پہلے یہ مسلمان ہو گئے تھے اس پر ابن عبدالبر جزم فرماتے ہیں۔

اصابہ میں مذکور ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ صحیحین میں وارد ہوا ہے کہ حجتہ الوداع کا دن تھا۔ اس میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو چپ کرا دو اور واقدی یوں جزم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ھ میں موجود تھے جبکہ ان کی رحلت ہو گئی۔ کیونکہ نجاشی کا وصل ھ میں ہوا تھا۔

القصہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی چادر بچھائی ان کو اوپر بٹھایا اور ان کی بڑی عزت کی اور آنحضرت نے اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ جس وقت کسی قوم کا بزرگ تمہارے پاس آئے تو تم اس کا احترام بجالاؤ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم ایسے آدمی ہو جس کی صورت حق تعالیٰ نے اچھی بنائی ہے۔ تمہاری سیرت بھی اچھی بناوے۔ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ میں تشریف فرما تھے۔ اس مجلس صحابہ میں زیادہ لوگ یمنی تھے۔ اچانک آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی اس وقت تمہارے پاس آرہا ہے جو یمن کے لوگوں میں بہترین ہے۔ پس ناگاہ حضرت جریر بن عبداللہ بجیلی ظاہر ہوئے وہ ثینیتہ الوداع سے دکھائی دیئے انہوں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور دیگر صحابہ کو سلام عرض کیا۔ سلام کا جواب سب نے دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک بچھادی اور ارشاد فرمایا۔ جریر اس پر بیٹھو۔ وہ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان کی جانب توجہ مبذول فرمائی اور گفتگو کا آغاز فرمایا۔ جس وقت وہ اٹھ کر چلے گئے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! جریر کے لئے آپ کا جو عمل ہم نے دیکھا ہے وہ قبل ازیں بھی کسی کے لئے آپ نے اس طرح نہیں کیا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ہاں! یہ اپنی قوم کا سردار ہے اور تمہارے پاس جس وقت کسی قوم کا سردار آئے تو تم بھی اس کی عزت واحترام کیا کرو۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ جس وقت مدینہ شریف کے میں نزدیک آگیا تو اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے بعد میں نے جامہ دانی سے اپنا لباس نکالا اور لباس تبدیل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت آنحضرت خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ سب لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ پس میں نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے دریافت کیا کہ کیا اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات میرے بارے میں فرمائی تھی۔ اس نے بتایا ہاں۔ تمہارے متعلق آپ نے اچھی بات فرمائی تھی۔ یہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے ہی دوران خطبہ آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارے پاس جلدی ایک آدمی یمن کے دور دراز علاقہ سے آئے گا اس کے چہرے پر فرشتے نے اپنا ہاتھ پھیرا ہے۔ (یعنی کہ وہ بڑا حسین وجمیل شخص ہے)۔ جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایسی نعمت عطا فرمائی۔ جریر بدیع الجمال اور سید مطاع شخص تھے۔

ترمذی شمائل میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جریر رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت سے حسین تر صورت میں نے کسی کی نہیں دیکھی سوائے اس خبر کے جو کہ یوسف علیہ السلام کے متعلق ہمیں ملی ہے اور یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت جریر کو اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں باہر سے مختلف وفود حاضر ہوتے تھے تو آپ مجھ کو وہاں بلواتے تھے تو میں اچھے لباس میں ملبوس ہو کر مجلس مبارک میں حاضر ہو جاتا تھا

اور آنحضرت مجھ پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ ان کے قد کے بارے میں چھ ہاتھ روایت ہوا ہے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں روایت کیا گیا ہے کہ جس وقت سے میں مسلمان ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھے اپنی نظروں سے دور نہ ہونے دیتے تھے اور آپ جس وقت بھی میری جانب نظر فرماتے تھے تو متبسم ہوتے تھے اور میرے سامنے آپ ہمیشہ متبسم ہی رہا کرتے تھے۔

حضرت ابوذرعہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم سے ہر مسلمان کے لئے نصیحت و خیر خواہی پر بیعت ہوا ہوں۔ جب جریر رضی اللہ عنہ کوئی شے خرید اکرتے تھے تو فرماتے تھے واللہ یہ چیز میری ادا کردہ قیمت سے زیادہ ہے مثال کے طور پر اگر کوئی گھوڑا خرید فرماتے اور بیچنے والا اس کی قیمت ایک ہزار درہم کہتا تو جریر یہاں تک اس کی قیمت زیادہ کر دیتے تھے کہ چار ہزار تک کر دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جریر کو تیس مسلمانوں کو ساتھ دے کر ذوالحلیفہ میں موجود بت خانہ منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ تو حضرت جریر نے عرض کیا یا رسول اللہ! گھوڑے کی پیٹھ پر مجھ سے جم کر بیٹھا نہیں جاتا۔ تو میرے سینہ پر آنحضرت نے اپنا دست تصرف پھیرا۔ حتی کہ اس کی خنکی میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ **اللھم ثبتہ واجعلہ ھادیا مھدیا** ازاں بعد انہوں نے ذوالحلیفہ پہنچ کر وہاں کے بت خانے کو برباد کر دیا۔

عراق کی جنگ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بجیلہ کے جملہ افراد پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتے تھے اور ان کو آگے بڑھاتے تھے۔ قادسیہ کی جنگ میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے شہر میں رہائش اختیار کی۔ وہاں پر ان کا مکان تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج ان کو طلب کیا لیکن یہ وہاں نہ گئے آخر میں انہوں نے ہردو فریق سے علیحدگی اختیار کر لی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۵۱ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس مبارک میں حاضر تھے مجلس کے اندر کسی سے ہوا خارج ہوئی تو مجلس میں بدبو پھیلی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی ہوا خارج ہوئی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اٹھے اور جا کر وضو کرے۔ اس پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کہا یا امیر المومنین! تمام حاضر لوگوں کو حکم فرمائیں کہ وہ جا کر وضوء کر کے آئیں۔ تاکہ کسی کا راز فشاء نہ ہو اور اس کا یہ عیب پنہاں ہی رہے۔ پس انہوں نے حکم فرمایا کہ تمام لوگ جا کر وضوء کر کے آئیں۔ حضرت جریر کی یہ بات حضرت عمر کو بڑی پسند آئی اور فرمایا کہ جریر! تم جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی ہمیشہ ایک مرد رشید رہے ہو۔ **(کما ذکر فی الاستیعاب)**۔ کسی قصہ کی کتاب میں میں نے امیر المومنین کا یہ اثر دیکھا تھا لیکن اب پتہ چلا ہے کہ یہ بات حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے سفیروں میں سے حضرت مہاجر بن امیہ المغیرہ قرشی مخزومی بھی ہیں۔ یہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بہن بھائی ایک

ماں باپ کی اولاد تھے ان کا نام ولید تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم نے ان کے اس نام سے کراہت فرمائی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بھائی ولید مہاجر ہو کر یہاں آئے ہیں۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ ھو المھاجر یعنی ان کا نام بھی مہاجر ہی ہے اس سے سیدہ ام سلمہ کو معلوم ہو گیا کہ آپ نے ولید کا نام بدل کر مہاجر رکھ دیا ہے۔ سیدہ نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ان کا نام اب مہاجر ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت مہاجر بن امیہ کو یمن کے حاکم حارث بن عبد کلال حمیری کی جانب روانہ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں کندہ اور صدف کے صدقات کے لئے عامل بھی متعین فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو یمن کا والی مقرر کیا۔ حضرت موت میں جو بحر کا قلعہ تھا وہ بھی انہوں نے ہی فتح کیا تھا۔ وہاں پر یہ زیاد بن لبید انصاری کے ساتھ کافروں کے گھیرے میں آ چکے تھے۔ استیعاب میں اسی طرح مذکور ہوا ہے اور اصابہ میں یوں آیا ہے کہ یہ مشرکین کے ہمراہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ وہاں پر ہشام اور مسعود نامی ان کے دو بھائی مقتول ہوئے تھے اور ذکر کیا گیا ہے کہ یہ تبوک میں بیٹھے رہے تھے تو ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم سے سیدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت سے مسلسل معذرت خواہی کرتی رہی حتیٰ کہ آنحضرت نے ان کو معافی عطا فرمائی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ان سفیروں میں ہی شمار کئے گئے ہیں۔ ملک عمان کے جلندر کے فرزندوں جیفر اور عبد کی طرف آنحضرت نے ان کو روانہ کیا۔ ھ کے واقعات میں ان کا یہ قصہ مفصل مذکور ہو چکا ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد مذکور ہے اور کاتبوں کے ساتھ بھی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حالات مذکور ہو چکے ہیں۔

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ:- حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ بھی ان سفیروں میں سے ہیں۔ یہ ابو مسعود یا ابو یعفور کنیت رکھتے تھے۔ اپنے جد کے ساتھ منسوب ہونے سے ثقفی ہیں۔ جد کا نام ثقیف تھا۔ صلح حدیبیہ میں یہ بحیثیت کافر حاضر ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طائف سے ھ میں مراجعت اختیار فرمائی تو اس وقت یہ خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے گھر متعدد بیویاں تھیں۔ آنحضرت نے حکم فرمایا کہ ان میں سے صرف چار کو اپنے پاس روکے رکھو باقی تمام کو طلاق دے دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم سے انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ وہاں واپس جانے پر وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ اس پر عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ مجھے اپنے اکابر کے مقابلے میں بھی محبوب تر گردانتے ہیں۔ اپنے قبیلہ میں عروہ محبوب اور مطاع تھے انہوں نے واپس قوم میں جا کر ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو منظور نہ کیا۔ صبح کا وقت ہو گیا تو حضرت عروہ نے اپنے گھر میں موجود

غرفہ پر کھڑے ہو کر نماز کے لئے اذان بلند کی۔ جس وقت یہ شہادتیں بلند کر رہے تھے تو ثقیف کے کسی مقرر شدہ شخص نے ان پر تیر پھینکا۔ دیگر ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور ان کو ایک تیر آ کر لگ گیا' اور اسی کے ساتھ انہوں نے شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ۔ ان کی شہادت پانے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کو ملی تو آپ نے فرمایا۔ عروہ کی مثال اس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ تو قوم نے اس کو شہید کر دیا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اپنے خون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ تو عروہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کرامت میسر آئی ہے۔ اس شہادت کو میری طرف بھیجا ہے۔ ان پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے افسوس اور رنج کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے۔ **وقال الذین کفروا لو لا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم** (یعنی کافروں نے کہا کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا)۔ ابن عباس' عکرمہ اور محمد بن کعب اور سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ یہاں پر قریتین سے مراد مکہ شریف اور طائف کی بستیاں ہیں۔ لیکن کسی مخصوص شخص کی تحصیص پر اختلاف آیا ہے۔ قتادہ کے نزدیک یہاں عروہ بن مسعود اور عتبہ بن ربیعہ مراد لئے گئے ہیں بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ مکہ سے ولید بن مغیرہ اور طائف سے عبدیالیل مراد ہیں قتادہ کا قول ہے کہ بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی مراد ہیں اور یہی قول اکثریت کا ہے۔

حدیث پاک میں روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام میرے سامنے لائے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام چھریرے جسم کے ساتھ مجھے نظر آئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ان کی مشابہت عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ بہت زیادہ تھی۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ان کی مشابہت تمہارے آقا سے بہت زیادہ تھی۔ یہاں پر آنحضرت نے اپنی ذاتی مشابہت و جسامت مراد لی ہے اور جبرئیل علیہ السلام کو میں نے دیکھا دحیہ کلبی کو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت ہے۔

روضۃ الاحباب میں یہ گیارہ اشخاص سفراء کی حیثیت سے مذکور ہوئے ہیں اور اس کے بعد کہا گیا ہے کہ کچھ سیرت نگاروں نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو سفیروں میں شمار کیا ہے اور بعض ارباب سیر نے وترہ بن محصن اور خبیب بن زید بن عاصم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں میں شمار کئے ہیں۔ اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ اصحابہ وسلم کے سفیر اور قاصد تعداد میں تک پہنچتے ہیں اور مواہب الدینہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔ عینیہ بن حصین بریرہ' عباد بن بشر رافع بن مکیث' ضحاک بن سفیان' بشر بن سفیان اور عبداللہ بن نسیر جو کہ آزاد شخص تھے رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کو سفیروں اور قاصدوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ان کے جدا جدا حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی شہرت ان کی کنیت سے ہے جبکہ ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے یہ اشعر سے نسبت رکھتے ہیں۔ اشعران کے اباؤ اجداد میں سے ایک کا نام تھا۔ یہ یمن کے علاقہ میں سباء کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شمار اکابر صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ یہ آکر مکہ شریف میں مقیم ہو گئے تھے اور سعید بن العاص بن امیہ کے یہ حلیف بن گئے تھے۔ انہوں نے مکہ میں ہی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت حبشہ میں یہ شامل تھے۔ پھر حبشہ سے یہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ واپس خیبر میں آکر حاضر ہوئے۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اسلام کے شروع میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور ازاں بعد واپس اپنے ملک یمن میں روانہ ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت میں نہ شامل ہوئے اصلیہ میں مذکور ہے کہ یہ قول اکثریت کا ہے۔ کیونکہ سیرت نگار اکابرین یعنی موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق اور واقدی نے مہاجرین حبشہ میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ پھر خیبر کی فتح کے بعد یہ پچاس اشعری اشخاص کو ہمراہ لے کر مدینہ میں آئے اور بعض نے یوں بھی بتایا ہے کہ کشتی ان کو حبشہ کی طرف لے گئی اور پھر وہاں سے یہ مدینہ شریف کی طرف آئے تھے اور حبشہ سے یہ جعفر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کچھ علاقوں کا والی مقرر فرمایا جیسے کہ زبید اور عون کے علاقے ہیں اور یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے والی مقرر کیے گئے۔ جب یہ معزول ہوئے تو بصرہ کا حاکم حضرت مغیرہ بن شعبہ بنا دیئے گئے یہ ۲۰ھ کا واقعہ ہے انہوں نے اہواز اور اصفہان فتح کر لئے۔ یہ بصرہ کے حکمران حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز تک رہے۔ انہوں نے ان کو بصرہ کی حکومت سے علیحدہ کر کے کوفہ کا والی متعین کر دیا۔ یہاں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک متواتر یہ حاکم رہے۔ قضیہ تحکیم تک ابو موسیٰ اشعری وہاں پر ہی رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر ان کو وہاں سے علیحدہ کر دیا۔ ازاں بعد یہ مکہ شریف میں آکر گوشہ نشین ہو گئے اور انہوں نے کسی ایک فریق کے ساتھ بھی اپنا تعلق نہ رکھا۔ حتیٰ کہ مکہ شریف ہی انہوں نے ۵۲ھ میں یا ۵۰ھ میں یا ۴۴ھ میں رحلت فرمائی۔ دیگر ایک قول ہے کہ ان کا وصال مدینہ پاک میں ہوا۔ انہوں نے چھیاسٹھ برس کی عمر پائی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہلکے جسم کے کوتاہ قد شخص تھے۔ جس طرح کہ یمن کے لوگ عموماً ہوا کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور خلفاء راشدین اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور عمار رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی ہے۔ ان سے آگے ان کے فرزندوں موسیٰ' ابراہیم' ابو بردہ اور ان کی زوجہ ام عبداللہ نے روایت کی ہے اور تابعین کی جماعت میں سے سعید ابن المسیب' ابو عثمان نہدی اور ابو الاسود وغیر ہم نے روایت کیا ہے اور یہ تابعین کبار میں سے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری بصری کے لوگوں میں افقہ اور اقراء تھے۔ شعبی کا قول ہے کہ علم کی نہایت چھ آدمیوں پر ہوئی ہے۔ جن میں انہوں نے ابو موسیٰ اشعری بھی شمار کیے ہیں۔

بخاری نے شعبی کے طریق پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "العلماء ستة"۔ اور مدینی کا قول ہے کہ چار اشخاص ہیں۔ یعنی حضرت عمر اور ابو موسیٰ اشعری اور زید بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ کا قول

ہے کہ اہل بصرہ کے لئے بصرہ میں ابو موسیٰ اشعری سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا۔ ابو موسیٰ حسین و دلکش آواز کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے۔ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو موسیٰ اشعری کو ایک مزمار آل داؤد کے مزامیر میں سے عطا ہوا ہے اور ابو عثمان نہدی کا قول ہے کہ میں نے برط اور مزمار کی بھی آواز اتنی حسین نہیں سنی ہے۔ جتنی کہ تلاوت قرآن میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس وقت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کبھی ملاقات ہوا کرتی تھی تو فرمایا کرتے تھے کہ اے ابو موسیٰ! ہم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاؤ۔ مراد یہ ہے اس سے کہ قرآن کی تلاوت کر کے ہمیں خدا تعالیٰ کی یاد دلاؤ۔ دیگر ایک روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ فرمایا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے حضور لے چلو اور یہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد دلانے اور اس کی طرف ذوق و شوق دلانے والی چیز قرآن پاک کی تلاوت سننے سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔ اس لئے کہ عرب کے باشندے حسن و صوت کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔

سنت میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک شب کے دوران قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم ان کی آواز تلاوت پر اپنے کان مبارک لگائے ہوئے تھے۔ دن چڑھا تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ ابو موسیٰ اشعری! تم قرآن پاک بہت اچھا پڑھتے ہو۔ میں تمہاری قرات پر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس پر ابو موسیٰ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے افسوس ہے کہ اگر میرے علم میں یہ بات ہوتی کہ آپ بھی سماعت فرما رہے ہیں تو میں زیادہ بہتر اور مزین و حسین آواز میں تلاوت کرتا۔ حدیث شریف ہے وارد ہوا ہے۔ **ذینوا القرآن باصواتکم** دیگر ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ **بلحون العرب ما اذن اللّٰہ بشیئی کاذنہ لنبیی الجہربا القرآن** ایک اور روایت یوں ہے۔ **یجہربا القرآن** اور حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ **لیس منا من لم یتغن بالقرآن** یہ بحث سابقاً بھی مذکور ہو چکی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ:۔ حضرت معاذ بن جبل انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ علم حلال و حرام میں امام مسلمہ تھے اور نجبا اور اخیار صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ نہایت بہادر جوانمرد اور اعلیٰ ہمت کے مالک تھے۔ صحابہ کرام میں ان کی عظمت و توقیر تھی۔ یہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جن کے ذکر کے وقت بے ساختہ طور پر منہ سے اللہ اکبر اور سبحان اللہ کے الفاظ میں تکبیر و تسبیح پکار اٹھتے ہیں۔ عقبہ میں حاضر ہونے والے ستر انصاریوں میں سے ایک ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے عہد مبارک میں جن لوگوں نے قرآن کو جمع کیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہیں۔

صحیح حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً" روایت کیا گیا ہے کہ **اقراء والقران من اربعة** تم لوگ چار شخصوں سے قرآن سیکھا کرو۔ ان چار میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے سلسلہ مواخات میں برادر بنایا تھا نیز ان کے بارے میں یوں بھی کہا گیا ہے۔ **اخی بینه وبین جعفر بن ابی طالب** ان کے اور جعفر بن ابی طالب کے مابین بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ ویسے تو سب اہل اسلام آپس میں

بھائی بھائی ہیں لیکن یہاں پر خاص نسبت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور بعض بعض کے ساتھ مخصوص فرمادیئے گئے۔ اس میں پہلی حکمت کے علم بہتر طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کو ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مواخات قائم کی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور دیگر سب غزوات میں شامل تھے۔ ابھی ان کی عمر اٹھائیس کی تھی جبکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی طرف بحیثیت قاضی اور معلم بھیجا تھا اور انہیں یہ بھی اختیار مرحمت فرمایا گیا تھا کہ یمن کے علاقہ میں صدقات پر جو اموال مقرر کئے گئے تھے حضرت معاذ ان سے صدقات کے اموال کو وصول کریں اور وہاں کے حقداروں میں تقسیم کردیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے اظہار کے لئے صرف یہ ہی کفایت کر جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی رائے کو کتاب و سنت کے برابر قرار دیا ہے۔ انہیں یمن کی جانب رخصت کرتے وقت آنحضرت نے انہیں ارشاد فرمایا۔ کہ معاذ! تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ صادر کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جو کچھ اللہ کی کتاب میں ہے پھر فرمایا کہ اگر کتاب تم کو نہ ملے تو تم پر ظاہر نہ ہو تو پھر تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل پذیر ہوں گا۔ آنحضرت نے فرمایا اگر سنت رسول میں بھی بھی تم پاؤ پھر کس طرح فیصلہ دو گے انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اجتہاد کروں گا اور راہ صواب پانے کا قصد کروں گا اور اپنی رائے کے مطابق کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ سن کر شکر ادا کرتے ہوئے اپنا ہاتھ مبارک بلند کیا اور ارشاد فرمایا۔ **الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضی اللہ ورسولہ**

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واصحابہ وسلم کا یہ ارشاد عالیہ اس امت کے جملہ مجتہدین اور ان کے اجتہاد کے واسطے حجت و دلیل ہے اور ان تمام مجتہدین کے امام و مقتداء حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کا ارشاد مبارک کہ قیامت کے دن حضرت معاذ بن جبل علماء کے امام کی صورت میں اٹھیں گے۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ امت کے علماء جس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو سب سے آگے آگے معاذ بن جبل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ معاذ رضی اللہ عنہ پر مباہات کرے گا۔

حدیث پاک میں مذکور ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ہر چیز ایمان لائے ہوئے ہیں۔ یہاں تک ان کی جو انگشتری ہے وہ بھی ایمان قبول کئے ہوئے ہے۔ آنحضرت کے اس ارشاد پاک میں اشارہ اور دلیل ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے صادر فرمائے ہوئے تمام فتویٰ صحیح درست ہیں اور آنحضرت نے فرمایا۔ **اعلمهم بالحلال والحرام** یہ حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل یمن کی طرف تحریر فرمایا کہ میں نے یہاں سے بہترین شخص تمہاری طرف روانہ کیا ہے۔

مسروق سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس ہم بیٹھے تھے جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھا۔ **ان معاذا كان امة قانتا للہ** اس وقت مجلس میں فروہ بن نوفل بھی موجود تھے۔ وہ کہنے لگے کہ

ابن مسعود اس آیت کو بھول چکے ہیں اور فراموشی کے عالم میں اس طرح انہوں نے پڑھا ہے یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے آیت بھولی تو نہیں بلکہ میں نے آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ تشبیہ میں معاذ بن جبل کا نام لیا ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دینا ہمارا معمول تھا۔

یہ حکایت استیعاب میں یوں مذکور ہوئی ہے کہ جس وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پاک پڑھی۔ ان معاذا کان امة قانتا للہ حنیفا لم یک من المشرکین تو اس وقت فردہ اشجعی کہنے لگے اے ابو عبدالرحمٰن! حق تعالیٰ سبحانہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ انا معاذا کان امة میں نے دیکھا کہ انہوں نے دوبارہ اسی طرح پڑھا ہے تو میں سمجھ گیا کہ یہ عمداً" اس طرح پڑھتے ہیں۔ بھول کر یوں نہیں پڑھ رہے ہیں۔ پس میں چپ ہو گیا۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمہیں علم ہے کہ امت کون ہے؟ اور قانت کس کو کیا گیا ہے میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر ہی جانتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ امت وہ ہے جو خیر کی تعلیم کرتا ہے اور اس کی پیروی کی جاتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا مطیع و منقاد ہو وہ قانت ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کے مطابق ہیں۔ وہ خیر کی تعلیم دینے والے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت اور اطاعت کرنے والے ہیں۔

سیرت نگار حضرات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا۔ تو آپ نے ان کو فرمایا کہ ہدیہ تمہارے واسطے حلال ہے۔ اگر کہیں سے تمہارا پاس ہدیہ بھیجا جائے تو تم اس کو قبول کرنا۔ اور حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آنحضرت نے دعا فرمائی کہ اللہ تمہارے آگے پیچھے اور دائیں بائیں محفوظ فرمائے۔ اور پھر فرمایا اے معاذ! تمہارے لئے مجھے یہ پسند ہے کہ تم نماز کے بعد تین بار یہ پڑھا کرو۔ یا رب اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک

ابو نعیم نے حلیہ میں ان کی تعریف درج کی ہے اور کہا ہے کہ وہ امام الفقہا ہیں اور مخزن العلماء ہیں اور بدر اور دوسرے جملہ غزوات میں یہ شامل ہوئے تھے۔ انصاری جوانوں میں یہ علم 'حیا اور سخاوت کے لحاظ سے سب سے افضل مقام کے حامل ہیں۔ یہ خوبصورت اور حسین تھے۔ نیک خصائل کے حامل تھے اور پاکیزہ ترین آدمی تھے۔ دیگر ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ کہ وہ سفید رنگت کی درخشاں چہرہ کے حامل تھے ان کے دانت چمکدار اور آنکھیں سرگین تھیں۔ کعب بن مالک کا قول ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ جوان خوبصورت اور سخاوت کرنے والے تھے اور وہ ہم قوم جوانوں میں بہترین تھے۔ جو کچھ بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمایا واقدی کا قول ہے وہ بہت ہی حسن و جمال والے تھے اور انہوں نے تمام غزوات میں شمولیت کی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہے اور حضرت عمرو بن العاص ابن عمر' عبداللہ بن العاص' عبداللہ بن روفی' انس بن مالک' ابو قتادہ انصاری اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرھم صحابہ کرام نے احادیث اخذ روایت کی ہیں اور تابعین کبار کی ایک بڑی جماعت بھی ان سے روایت کرتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ انہوں نے کبھی کچھ اپنے پاس باقی نہیں بچا رکھا تھا۔ اس واسطے یہ دائمی مقروض شخص تھے۔ حتیٰ کہ ان کا سارا مال بھی قرض میں گھیر لیا گیا تھا۔ لہٰذا پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ قرض خواہوں کو طلب فرما کر قرضہ معاف کرا دیں لیکن قرضہ دینے والوں نے قرضہ معاف کرنے سے گریز کیا۔ اگر وہ قرض خواہ کسی کے باعث کسی کو قرضہ معاف کرتے تو لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قرضہ ضرور معاف کر دیتے۔ معاذ بن جبل یمن سے اس وقت واپس آئے تھے جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور پھر شام کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ جس وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانگی اختیار کر رہے تھے تو حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت صدیق اکبر سے گزارش کی کہ وہ معاذ کو شام جانے سے باز رکھیں۔ کیونکہ مدینے کے باشندوں کو معاذ کی فقہ اور فتوے کی ضرورت ہے لہٰذا ان کے چلے جانے سے یہاں پر خلل پڑ جائے گا۔ لہٰذا اہل مدینہ کی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے معاذ کو روکا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ ایک شخص جو طلب گار وو درجہ شہادت ہو اس کو میں کس طرح باز رکھ سکتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ آدمی اگر اپنے گھر کے اندر بستر پر لیٹا ہو۔ تو بھی اس کو شہادت کا ثواب عطا فرمایا جاتا ہے۔

جب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ وصال پا گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا لیکن اس برس کے دوران طاعون عمواس سے اردن میں ان کا بھی وصال ہو گیا یہ ۱۷ھ یا ۱۸ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت معاذ اس وقت تینتیس برس یا چونتیس سال اور یا اڑتالیس برس عمر کے تھے۔ ازاں بعد وہاں پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عامل متعین فرمایا گیا۔

طاعون کا مرض پھیلنے کے وقت عمرو بن العاص نے لوگوں کو کہہ دیا تھا کہ یہ بیماری آگ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا یہاں سے کسی دوسری جگہ پر منتقل ہو جاؤ۔ اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عجیب قسم کے بے وقوف ہو اور تم اور تمہارے لوگ سب ہی گدھے سے بھی بڑھ کر بیوقوف ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ امت حق میں رحمت ہے۔ اے خدا تعالیٰ! معاذ اور معاذ کے لوگوں کو ان میں سے تو یاد فرمالے جنہیں تو نے اے اللہ! رحمت میں یاد فرمایا ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ طاعون کا مرض جب عام پھیل گیا تو حضرت معاذ نے عرض کیا۔ یا خدایا! تیری طرف سے یہ مرض تیرے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ لہٰذا اے اللہ تعالیٰ معاذ اور اس کے گھر والوں کو اس کے حق سے محروم نہ رکھ۔ جس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ طاعون کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور ان کا وقت وصال آیا تو انہوں نے کہا۔ **احنق خنقک** یعنی اس طرح شدت سے گلا گھونٹ جیسے کہ تو گھونٹنا چاہتا ہے۔ **لو عزتک لتعلم انی احبک** تیری عزت کو سوگند تجھے یہ یقینی طور پر علم ہے کہ تو مجھے محبوب ہے۔ (کما قال واللہ اعلم)

نقل کیا گیا ہے کہ ایک عورت کا خاوند عرصہ دو برس سے مفقود الخبر تھا۔ جس وقت وہ واپس گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی حاملہ ہے۔ لہٰذا اس نے اپنا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت انصاف میں دائر کیا۔ حضرت عمر نے عورت کے لئے سنگساری کا حکم فرمایا۔ تو حضرت معاذ بن جلیل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ کو عورت پر سربراہی میسر ہے نہ کہ اس کے پیٹ میں موجود بچہ پر بھی۔ بچہ پر آپ کو ولایت حاصل نہیں ہے پس حضرت عمر نے بچہ کی ولادت تک عورت کو مقید رکھنے کا حکم دیا ازاں بعد عورت نے دو سال کا بچہ جنا۔ بچہ کی پیدائش پر عورت کے خاوند نے اس بچہ میں اپنی مشابہت دیکھی تو پکار اٹھا۔ ابنی ابنی ورب الکعبہ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا کہ اگر عورت کے ہاں اس کے شوہر سے مشابہ بچہ پیدا نہ ہوتا تو عورت عاجز ہوتی۔ نیز اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا تھا۔ یہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حیات ظاہرہ کے دوران اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوران بھی فتویٰ صادر فرمایا کرتے تھے اہل سیر نے کہا ہے کہ جس وقت معاذ رضی اللہ عنہ کا وقت وصال تھا۔ تو آپ کے پاس موجود لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کس بات کی وجہ سے روتے ہو۔ لوگ کہنے لگے کہ آپ کے علم پر ہم رو رہے ہیں جو آپ کے وصال کے باعث اب منقطع ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ علم اور ایمان اپنی جگہ پر موجود رہے گا حتیٰ کہ قیامت تک۔ علم و ایمان کی پیروی کی طلب رکھنے والے حضرات اسے کتاب و سنت میں ڈھونڈیں اور ہر بات کو کتاب پر پرکھ لیا کریں اور کتاب کو اپنی بات پر نہ پرکھیں۔ حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کریں ان کی عدم موجودگی میں یہ چار آدمی ہیں آپ ان سے علم حاصل کر سکتے ہیں۔ عویمر' ابن مسعود' سلمان الخیر اور ابن سلام رضی اللہ عنہم۔ یہ ابن سلام پہلے یہودی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو دس شخص جنت میں داخل ہونے والے ہیں ان میں سے ایک عبداللہ بن سلام بھی ہیں اور یہ دسویں ہیں نیز فرمایا کہ عالم کو ذلیل کرنے سے پرہیز کرو اور حق کو محفوظ رکھو۔ ہر آدمی اس پر عمل پیرا ہو اور باطل کو دفع کرے اور اس طرح عمل کرنے والا شخص کائنا من کان ہو گا۔ مراد یہ ہے وہ اس طرح کا ہو گا جس طرح کہ اسے ہونا چاہیے۔

حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو کلاب کی طرف روانہ فرمایا تا کہ ان کے اموال یہ وہاں جا کر ان پر تقسیم فرمائیں اور باقی کچھ نہ رکھیں۔ پس یہ گئے تمام اموال تقسیم فرما دینے کے بعد اپنی وہ کملی جو اپنے ساتھ لے گئے تھے اس میں ملبوس واپس آ پہنچے۔ یہ کملی کو کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے ان کو کہا کہ جہاں سے تم آئے ہو وہ ایسی جگہ تھی کہ عمال وہاں سے اپنے اہل و عیال کے واسطے کافی کچھ لاتے ہیں۔ لیکن تم کیا لے کر آئے ہو۔ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجھ پر ایک اور نگران متعین شدہ تھا زوجہ نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک امین مانے جاتے تھے۔ تو ابوبکر اور عمر آپ پر نگران قائم کرتے ہیں پس ان کی زوجہ نے دیگر عورتوں کے ساتھ جا کر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی زبان کھولی۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے معاذ کو طلب فرما کر دریافت فرمایا کہ کون نگران تھا جو تم پر میری طرف سے مقرر کیا گیا تھا۔ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! اپنی بیوی کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی دیگر عذر میرے پاس موجود نہ تھا۔ لہٰذا اس طرح کہنے سے میں عذر پیش کر سکا اور رمز و کنایا کے طور پر یہ میں نے کیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور کچھ مال بھی آپ نے دیا یہ لے جاؤ اور اس کے ساتھ اپنی زوجہ کو راضی کر لو۔

ابن جریر نے فرمایا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نگہبان کہا تھا۔ اس سے مراد ہے اپنے رب تعالیٰ کا علم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بڑے کثیر مناقب و فضائل ہیں جو مذکور ہیں اللہ تعالیٰ کے بڑے مقرب اور خاص بندوں میں سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

حضرت وبرہ بن محسن:۔ یہ وبرہ بن محسن نامی شخص ہیں جبکہ عام طور پر ان کو انہیں ابن محسن ہی پکارا جاتا ہے اور استیعاب میں مذکور ہے کہ لوگ ان کو براء بن مسہر حنفی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ صحبت سے مشرف ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ان کے ہمراہ وہ جماعت تھی جن میں ابن النواحہ بھی تھے ان میں سے مسلمان ہو جانے والے وبرہ بن محسن ہی تھے۔ محسن خزاعی کا قول ہے کہ انہیں شرف صحبت نبوی حاصل تھا اور ان کو ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فروز دیلمی اور حشیش دیلمی کی طرف علاقہ یمن میں بھیجا تھا تاکہ وہ اسود عنسی کو قتل کر دیں۔ اسود عنسی دعویٰ نبوت کئے ہوئے تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قاصدوں کے ذریعے 'اسود' مسیلمہ اور طلیحہ کو قتل کرایا تھا اور فی سبیل اللہ نصرت دین سے ان کو کوئی چیز روک نہ سکی استیعاب کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وبرہ بن محسن یا ابن محسن آنحضرت کے قاصد تھے نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وبرہ بن مسہر حنفی نام کا بھی کوئی شخص ضرور تھا جو کہ آنحضرت کا صحابی تھا۔ اصابہ کے اندر پہلے وبرہ بن مسہر حنفی کا تذکرہ ہے اور ازاں بعد وبر بن محسن کلبی کا بیان کیا ہے اور ہر دو کے لئے شرف صحبت میسر تحریر کیا ہے اور پھر براہ بن محش سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ صنعا میں جب پہنچ جاؤ گے تو وہاں پر صنعاء میں پہاڑ کے سامنے ایک مسجد ہے تم اس میں نماز ادا کرنا جس وقت اسود عنسی مقتول ہو گیا تو براء کہنے لگے کہ جس مقام پر آنحضرت نے نماز پڑھنے کے لئے فرمایا تھا وہ جگہ یہی ہے اور براہ بن مسہر کے بارے میں ہے کہ مسیلمہ کذاب نے انہیں ابن نواحہ اور ابن معان حنفی کے ہمراہ بھیجا تھا۔ ان کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ یہ آنحضرت کی خدمت میں آئے۔ آپ کی رسالت حقا کی شہادت دی مسیلمہ کا جھوٹا ہونا انہوں نے تسلیم کیا۔ (تدبر)۔

حضرت خبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ:۔ یہ حضرت خبیب بن زید بن عاصم انصاری مازنی بخاری رضی

اللہ عنہ ہیں جو کہ عبداللہ بن رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ بدر ' احد اور خندق میں حاضر تھے ابن اسحاق کے نزدیک یہ عقبہ میں بھی حاضر تھے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے پاس یمامہ میں بھیجا تھا مسیلمہ کذاب انہیں کہتا تھا کہ کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ مسیلمہ خدا کا رسول ہے تو جواب میں یہ کہتے تھے کہ مجھ کو سنائی کچھ نہیں دیتا ہے میں کانوں سے بہرہ ہوں۔ اس لعنتی نے متعدد بار ان سے یہ بات کہی اور آخر کار اس لعنتی نے ان کو شہید کر دیا اور ان کے اعضاء کاٹ دیئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

یمامہ کی جب جنگ ہوئی تو ان کے بھائی عبداللہ بن زید بھی اس جنگ میں شامل ہوئے۔ حضرت خبیب کی شہادت کے بعد ان کی والدہ نے یہ منت مانی ہوئی تھی کہ جس وقت تک مسیلمہ نہ مارا جائے گا میں غسل نہیں کروں گی مندرجہ بالا تمام اسماء گرامی روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ بھی چند اسماء مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں اب ہم وہ یہاں بیان کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ:۔ یہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بنو سلیم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہ انصاری اور اشہلی ہیں۔ یہ قبل از سعد بن معاذ مسلمان ہوئے تھے اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے بدر اور احد اور دوسرے جملہ غزوات میں حصہ لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بڑے خدمتگار شخص تھے۔ یہ آپ کی پاسبانی بھی کیا کرتے تھے۔ یہی سبب ہے یہ بارگاہ رسالت کے پاسبانوں میں سے بھی مذکور ہوئے ہیں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ:۔ یہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بن غفار اور بنو اسلم کی طرف حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجے گئے تھے۔ ان کا حال آنحضرت کے کاتبوں میں مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ:۔ ایک وہ ہیں رافع ہیں جن کا نام ہے رافع بن مکیث جہنی وہ بیعت الرضوان میں شامل تھے لیکن یہ رافع وہ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن اپنے ہاتھ میں قبیلہ جہنیہ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو قبیلہ جہنیہ میں اموال صدقات کا عامل بھی مقرر فرمایا تھا یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جابیہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔

ان کی ایک حدیث ابوداؤد میں روایت کی گئی ہے اور ان کے بیٹے حارث بن رافع کی سند سے مروی ہے۔ اصابہ میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے اور استیعاب میں اس طرح مذکور ہے کہ رافع بن مکیث جہنی بھائی ہیں جندب بن مکیث کے۔ یہ حدیبیہ میں حضر ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا آگ ظاہر ہو گئی اور وہ آگ لوگوں کو گھیر کر محشر کی جانب لے جائے گی۔ بشر بن رافع ان کے فرزند نے یہ ان سے روایت کیا ہے۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ:۔ ایک ہیں ضحاک بن سفیان بن عدوف بن ابی بکر بن کلاب الکلابی

ان کی کنیت ابو سعید بتائی گئی ہے۔ ابن حبان اور ابن السکن کے اقوال کے مطابق ان کو صحبت کا شرف حاصل ہے۔ ابو عبید بھی کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت کی صحبت سے مشرف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے واسطے علم تیار کر کے دیا تھا۔ واقدی کا قول ہے کہ اپنی قوم بنو کلاب کے صدقات پر متعینہ عامل تھے اور یہ قریش پر حاکم بنائے گئے تھے۔ ان کا شمار مدینہ کے باشندوں میں ہے اور یہ بہادروں میں شمار ہیں۔ یہ اکیلے ایک سو آدمیوں کے برابر تصور کئے جاتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے یہ لشکر کی طرف بھیجے گئے تھے اور آنحضرت نے ان کو لکھا تھا کہ اشیم ضبابی کی زوجہ کا وارث بنائیں اس لئے کہ وہ غلطی اور خطا سے مقتول ہو گئے تھے۔

ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کی جانب سے ان کی خاوند کی دیت ادا کی۔ انہوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس شہادت دی۔ یہ حدیث اصحاب سنن کی روایت کردہ ہے اور مشکوٰۃ میں بھی یہ موجود ہے۔ ان کے بارے حسن بصری فرماتے ہیں کہ جوانمرد تھے۔ یہ اپنی تلوار اپنے ساتھ حمائل کر لیتے تھے اور آنحضرت کے سرہانے پاسبانی پر کھڑے ہوتے تھے۔ لہٰذا اگر ان کا تذکرہ پاسبانوں کی جماعت میں کرنا بھی مناسب تھا۔

حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ:۔ یہ ہیں حضرت بشر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ یہ عدوی بھی کہلاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں کعب کی طرف بھیجا تھا۔

حضرت عبداللہ بن لبیہ رضی اللہ عنہ:۔ ابی حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن لبیہ ازد قبیلہ کے فرد تھے آنحضرت کی طرف سے یہ بنو لتبان کے صدقات پر عامل مقرر ہوئے لوگوں نے وہاں پر ان کے واسطے ہدیے اور تحفے بھیجے۔ وہاں سے جس وقت یہ واپس آئے تو مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ اموال صدقہ تمہاری خاطر ہے۔ میں یہ تمہارے واسطے یہاں لایا ہوں اور یہ مال میرے لئے ہے۔ مراد یہ کہ یہ مجھے ہدایا اور تحائف دیئے گئے تھے۔ انہوں نے دیانتداری قائم رکھی اور کوئی چیز اپنے گھر نہ لے کر گئے اور انہوں نے صحابہ کو کہا کہ آنحضرت کو اس کے بارے میں بتائیں گے تو جو وہ حکم فرمائیں گے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دی گئی۔ تو آنجناب نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا تم میں سے کسی شخص کو میں کوئی کام سرانجام دینے کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کام کی ولایت حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا ہوئی ہے اس کے بعد تم میں سے ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے واسطے ہے اور یہ میری خدمت میں پیش کش کی گئی ہے وہ شخص کیوں نہ اپنے باپ یا والدہ کے گھر میں ہی بیٹھا رہا۔ تاکہ دیکھ لیا جاتا کہ اس کے لئے کوئی پیش کش بھیجتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو ہدایا اور تحائف بھیجے گئے وہ بھی اسی عمل اور وسیلہ کے باعث ہے جس پر وہ شخص عامل مقرر کیا جاتا ہے لہٰذا ایسے تمام ہدایہ بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ ازاں بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس زکوٰۃ کے مال سے کوئی شخص ہرگز کوئی چیز نہ لے۔ اگر لے گا تو روز قیامت اس مال کو

اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لے کر آئے گا۔ اس کو وہ چیز آواز دے رہی ہو گی اور فریاد بلند کر رہی ہو گی۔ خواہ وہ چیز اونٹ ہو یا گائے یا بکری۔ ازاں بعد نبی کریم نے اپنا دست اقدس اس قدر بلند فرمایا کہ ہمیں آنجناب کی بغل مبارک کی سفیدی دکھائی دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللھم ھل بلغت یعنی اے اللہ تعالیٰ! کیا میں نے پہنچادیا۔ (رواہ بخاری و مسلم)

حضرت عینیہ بن حصین فزاری:۔ عینیہ بن حصین فزاری بھی آنحضرت کے قاصدوں میں شمار ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ان کو بنی تمیم کے پاس بھیجا تھا۔ عرب کے بڑے بدمزاج و درشت سیرت کم ظرف لوگوں میں سے تھے اور ان کا شمار مولفتہ القلوب میں ہے (واللہ اعلم) ان کا اسلام حسن ہوا کئی مقامات پر ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اس سے ان کی خشونت و غفلت اور بد فطرتی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بنی تمیم کے زیادہ تر لوگ اسی قسم کے تھے۔

حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کعبی جس وقت آنحضرت کی طرف سے بنو کعب سے وصولی صدقات کی روانہ کئے گئے۔ جیسے کہ پہلے مذکر ہو چکا ہے۔ بنی کعب کو حکم فرمایا کہ وہ صدقات کے جانوروں کو لا کر جمع کریں وہ مویشی اور دوسرے اموال زکوۃ لے کر آئے۔ بنو تمیم نے دیکھا کہ یہ تو بہت سا مال ہے۔ یہ ان کی ذاتی سفلہ طبعی کی سوچ تھی۔ انہوں نے بنی کعب سے کہا تم اس قدر زیادہ مال چھوڑ رہے ہو تو بنی کعب کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اسلام کی متابعت کرتے ہیں اور اسلام میں زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔ بنی تمیم کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم تو یہاں سے ایک اونٹ بھی کسی کو لے کر نہ جانے دیں گے۔ پس انہوں نے اپنے ہتھیار پہنے اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بہتر جانا کہ وہاں سے بھاگ جائیں لہٰذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ میں مدینہ شریف میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ آنحضرت نے بنی تمیم پر لشکر کشی کرنی چاہی آپ نے ارشاد فرمایا کون ہے جو وہاں جا کر ان سے سرکشی کا انتقال پورا کرے۔ حضرت عینیہ بن حصین پہلے ہی بنی تمیم سے مخالفت رکھتے تھے کہنے لگے یا رسول اللہ میں یہ مہم سرانجام دوں گا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ و آلہ و سلم نے ان کے ہمراہ مہاجر اور انصار میں سے پچاس سوار بھیج دیئے۔ یہ وہاں پر بنی تمیم پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے لائے اور ان پر خوب تاخت کی۔ بنی تمیم روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریادی ہوئے کہ کس بنا پر ہمارے بچے عورتیں وغیرہ قید کرائی ہیں اور ہمیں بھی لوٹ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کلائی نزاع کیا اور فخر و مفاخرت بھی کرتے تھے۔ یہ ایک لمبا واقعہ ۹ھ کے واقعات ہیں قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔

یہ تھوڑے سے اشخاص کے اسماء مواہب الدینہ میں قاصدوں کے بیان میں مذکور ہوئے ہیں لیکن پوشیدہ نہ رہے کہ ان کو قاصدوں میں شمار و بیان کرنا نامناسب ہے یہ تو عمال کی جماعت میں شمار کئے جاتے زیادہ موزوں تھے۔

XX

باب نہم
بارگاہ رسالت کے عمال کا تذکرہ

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبائل سے صدقات و زکوۃ کی وصولی کے لئے کچھ اشخاص کو عمال مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ابو محمد قرشی زہری ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ ان کو بنی کلب سے صدقات و زکوۃ پر عامل مقرر کیا گیا۔ عام الفیل سے دس برس بعد میں ان کی ولادت ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں یہ عبد الکعب یا عبد عمرو کے نام سے موسوم تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے عبد الرحمٰن رکھ دیا اور ان کی ماں کا نام شفاء بنت عبد بن حارث بن زہرہ تھا۔ یہ قدیم الاسلام تھے۔ یہ مع اپنی والدہ کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ یہ حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شامل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ انہوں نے غزوات میں بھی شرکت کی۔ احد کے دن یہ ثابت قدم اور مستحکم رہے۔ ان کے پیچھے غزوہ تبوک میں آنحضرت نے بھی نماز ادا کی تھی۔

حدیث پاک میں یہ قصہ اس طرح سے مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحرا میں تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ واپس لائے تو (نماز جماعت کے ساتھ کھڑی تھی) عبد الرحمٰن بن عوف نے پیچھے ہٹ جانا چاہا لیکن آنحضرت نے اشارہ فرمایا کہ وہ بدستور اپنے مقام پر قائم رہیں تو آنحضرت نے نماز کی ایک رکعت عبد الرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں ادا کی اور اس کے بعد آپ نے مسبوق کی طرح باقی نماز پوری فرمائی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اغنیاء صحابہ شمار ہوتے ہیں۔ یہ مدینہ شریف ہجرت کر کے گئے تھے اور مدینہ شریف تجارت کا کاروبار سے انہیں یہ تونگری حاصل ہوئی۔

کتب سیرت میں ارباب سیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس انصاری صحابی کے ساتھ عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کو سلسلہ مواخات میں بھائی بنایا تھا۔ اس نے ان سے کہا تھا کہ میں دو بیویاں رکھتا ہوں اور باغات بھی میرے بہت ہیں دونوں میں سے ایک بیوی کو میں تمہاری خاطر طلاق دے دیتا ہوں اور باغات سارے کے سارے آپ کے اور میرے مشترکہ ہوں گے۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بیوں میں تمہیں برکت عطا فرمائے اور تمہارے اموال میں بھی اضافہ فرمائے مجھ کو صرف بازار کا راستہ دکھادو اور کس شے کی مجھے ضرورت نہ ہے اس کے بعد انہوں نے بازار میں جا کر خرید و فروخت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس قدر برکت کشائش ان کے کاروبار میں

ہوئی کہ یہ نہایت غنی اور تونگر ہو گئے اور بے شمار مال کے مالک بنے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے وصال کے وقت ان کے ہاں چار بیویاں تھیں۔ چوتھائی مال پر وہ رضامند ہوئیں۔ کیونکہ میراث سے چوتھا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو اسی ہزار درہم حاصل ہوئے۔ بعض نے اسی ہزار دینار بتائے ہیں۔ واللہ اعلم۔ انہوں نے ایک سو بدری صحابہ کے حق میں بھی وصیت کی تھی۔ ہر ایک صحابی کو چار چار سو دینار حاصل ہوئے اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے چار ہزار دینار صدقہ میں بھی دیئے تھے اور انہوں نے فی سبیل اللہ پانچ سو گھوڑوں پر اور پانچ صد راحلہ پر لوگوں کو سوار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی کفالت عبدالرحمٰن بن عوف کرتے تھے۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشارہ کیا جانا بھی معلوم ہوا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تیرے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب فرمائے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج پاک کی کفالت کیا کرتے تھے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان فرمائی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت میں عبدالرحمٰن بن عوف کو میں گھٹنوں پر چلتا ہوا دیکھتا ہوں۔ پس انہوں نے وہ سارا قافلہ اس کے شکرانہ نعمت میں صدقہ کر دیا۔ وہ قافلہ شام کی طرف آرہا تھا اور دیگر ایک روایت میں مذکور ہوا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں موجود تھیں۔ ناگاہ ان کو ایک آواز سنائی دی۔ اس آواز کے ساتھ سارا مدینہ شہر ہل گیا۔ اور ہل گیا پس سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ یہ شور کیوں ہے۔ تو لوگ کہنے لگے کہ شام سے عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک قافلہ آیا ہے۔ وہ قافلہ سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔ ازاں بعد سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معلوم رہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف بہشت میں گھٹنوں کے بل چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جیسے کہ چھوٹے بچے چلتے ہیں۔ یہ حدیث ہوتے ہوتے عبدالرحمٰن تک پہنچ گئی۔ پس وہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو اس طرح کی حدیث پہنچائی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ حدیث بتائی۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ سے کہا۔ آپ کو میں گواہ بناتا ہوں کہ یہ میرے سارے اونٹ اپنے سازو سامان کجاوں اور چادروں سمیت میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں (رواہ احمد ابو نعیم)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن عوف! تو تونگروں میں سے ہے اور جنت میں تو اس طرح داخل ہو گا جیسے بچے گھٹنوں کے بل چل رہے ہوتے ہیں۔ تم قرض دو تا کہ حق تعالیٰ تیرے پاؤں کھول دے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کون سی چیز قرض دوں تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا مال جو تم کماتے ہو۔ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا سارے مال سے علیحدہ ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا ہاں سارے مال سے علیحدہ ہو جاؤ۔ پس وہ آنحضرت کے فرمانے کے مطابق عمل کرنے کے لئے باہر آ گئے۔ آنحضرت نے کسی کو ان کے پیچھے بھیجا۔ جو ان

سے جاکر کہے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے ہیں اور انہوں نے آکر بتایا ہے کہ ابن عوف کو فرمائیں۔ کہ وہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرے۔ مساکین کو کھانا کھلائے۔ مانگنے والوں کو عطا کرے اور اس کام کو اپنے اہل و عیال سے شروع کرے۔ اس پر وہ عمل پذیر ہوں گے تو ان کو جو چیز عارض ہے اس کے ازالہ کا سبب بن جائے گا۔ یہ بیان ابن عساکر اور ابن عدی کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عتبہ کو فرمایا۔ کہ تم سید المرسلین عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح کرو۔

اور ابو نعیم اور ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حواری کہتے تھے۔ وہ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ ان کا قد لمبا تھا۔ پتلا چہرہ اور ان کا رنگ گورا سرخی مائل تھا۔ ان کی ہتھیلیاں نرم و گداز تھیں اور پاؤں سے لنگڑاتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ بدر میں انہیں بیس زخم آئے تھے اور پاؤں میں بھی چند زخم آئے تھے۔ لہٰذا وہ لنگڑانے لگے۔

غزوہ احد کے دوران فرشتے بھی ان کے ساتھ مدد کرتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جو سنا ہوا تھا۔ اس کے مطابق یہ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دوران فتاویٰ صادر کرتے تھے۔ ان کا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ نزاع واقع ہو گیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے خالد اگر احد پہاڑ کے برابر بھی تمہارے پاس اگر سونا ہو جسے تم ایک ایک قیراط کر کے اللہ کی راہ میں صدقہ کرو پھر بھی وہ عبدالرحمٰن کے ایک شب و روز کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو انہوں نے اللہ کی راہ میں بسر کی۔ یہ ابن عساکر کی روایت ہے اور انہوں نے یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ ان سے پھر ابن عساکر اور ان کے بیٹے ابراہیم نے حمید نے اور مصعب اور ابو سلمہ روایات کرتے ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف کے فرزند ابو سلمہ دین کے اماموں میں سے اور اعلام کبار میں سے تھے۔ ان کے بھانجے مسور بن مخرمہ نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وصال ھ میں ہوا اور یہ قبرستان بقیع میں خون ہوئے انہوں بہتر برس یا پچھتر برس اور یا اٹھتر برس کی عمر پائی۔ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی علالت کے وقت اپنے بعد وخلیفہ بننے کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی تحریر کیا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ یا اللہ مجھے عثمان سے پہلے ہی موت عطا فرما۔ لہٰذا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چھ مہینے پیشتر ہی وصال پا گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کی رحلت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **ذھب ابن عوف فقد اورکت صعوجا وسبقت له زهقا** اے کددھا مطلب یہ ہے کہ ابن عوف چلے گئے۔ وہ بے شک پاک اور صاف تھے۔ وہ اپنی تلچھٹ اور بچے کھچے کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ مرض موت کی وجہ سے ان پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ ہوش آنے پر انہوں نے فرمایا کہ دو فرشتے جو بڑے سخت اور خشن تھے

میرے پاس آئے وہ کہنے لگے چلو تمہارا محاکمہ عزیز اور امین کے پاس لے چلتے ہیں اس کے بعد دیگر ایک فرشتہ ان سے آکر ملا۔ اس نے پوچھا کہ ان کو تم کہاں لے کر جارہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا محاکمہ کریں گے۔ پس ان دونوں فرشتوں کو اس فرشتہ نے کہا کہ تم جو کچھ لے کر جانا چاہتے ہو اس کو تم چھوڑ دو۔ سبب یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں سعادت مندی ان کی اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ہوتے ہوئے ہی لکھ دی گئی تھے۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ (رواہ ابو نعیم)

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ اس طرح سے ہے۔ وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنے باپ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے ایک ایک برس کا عرصہ پہلے یمن کی جانب سفر میں تھا عکان بن کے پاس میں نے قیام کیا جو ایک بوڑھا شخص تھا وہ بڑی لمبی عمر کا شخص تھا میں ہمیشہ اس کے پاس قیام کیا کرتا تھا اور ہمیشہ ہی وہ مجھ کو مکہ شریف کے حالات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے اور وہ پوچھا کرتے تھے کہ کیا وہ مقدس شخصیت تمہارے درمیان ظاہر ہو چکی ہے اور کیا اس کے بارے میں چرچا ہونا شروع ہو چکا ہے؟ کیا تمہارے دین کے خلاف کسی نے تم میں سے اپنا دین حق واضح بیان کی اہے۔ میں جواب میں کہا کرتا تھا کہ ابھی تک اس ہستی پاک کا ظہور نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد میں وہاں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کیا تمہاری تجارت سے بھی زیادہ بہتر تم کو میں خوشخبری بتادوں۔ پھر اس نے بتایا کہ تمہاری قوم میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمادیا ہے۔ اللہ نے اس پر اپنی ایک کتاب بھی اتاری ہے۔ اس کتاب میں بت پرستی سے منع کیا ہے۔ اس میں اسلام کی طرف بلایا گیا ہے۔ وہ نبی مکرم ہے۔ دعوت حق پیش کرتا ہے اور اسی کا اثبات کرتا ہے۔ وہ باطل سے روکتا ہے اور باطل کا وہ ابطال کرتا ہے۔ بنو ہاشم میں سے وہ ظاہر ہوا ہے۔ تم ان کے برادروں سے ہو۔ اے عبدالرحمٰن یہ بات اچھی طرح اپنے پلے باندھ لو اور بڑی جلدی ان کی خدمت میں پہنچو۔ ان کو تقویت دو اور ان کی تصدیق کرو اور ان کی بارگاہ مقدسہ میں میری جانب سے یہ اشعار عرض کردینا۔ (ابیات یہ ہے۔)

اشہد باللّٰہ ذی العالی وخالق الیل والصباح
انک فی الیسر من القریش یا ابن المسعدی من الزیاح
ارسلت مدعوا انی یقین ترشد للحق والفلاح
ینکرو السنن رکبی عن بکرۃ السیرو السرواح
نصرت جلساء الارض بیتی قنقص من فوقی جناحی
انثنادی بالدیار بعد فانت حرزی والمستراحی
اشہد با للّٰہ رب موسیٰ انمک ارسلت بالباطاح
فکن شفیعی الی ملیک ید عو البرایا الی الفلاح

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے یہ شعر یاد کر لئے تھے اور وہاں سے مکہ کو مراجعت کی۔ یہاں

آکر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب میری ملاقات ہوئی میں نے تمام ماجرے سے ان کو آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ساری خلق کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا آؤ ان کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ اس کے بعد میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے میں نے بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے اذن مانگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا مجھے تمہارا چہرہ خوش باش دکھائی دیتا ہے اور مجھے اس سے بہتری کی امید ہے۔ اے ابو محمد! مجھے بتاؤ کہ تم کیا خبر لے کر آئے ہو۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کونسی خبر کے متعلق دریافت فرما رہے ہیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس ایک امانت ہے جو لائے ہو۔ وہ امانت تم پہنچادو اور اس کے متعلق بتاؤ۔ اور تم لوگ جان لو کہ ابنائے حمیر مومنوں میں سے خواص مومنین ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ ازاں بعد میں نے اسلام قبول کر لیا اور میں نے یہ گواہی دی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کے وہ اشعار جو اس حمیری آدمی نے سنائے تھے وہ میں نے پڑھ کر سنائے آنحضرت نے فرمایا کہ کس قدر خوش بختی ہے۔ ان لوگوں کی جو مجھ پر بلا دیکھے ایمان لے آئے اور میرے سامنے حاضر بھی نہ ہوئے اور میری تصدیق بھی کی۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ (رواہ ابن عساکر)۔ اور اس حدیث کے الفاظ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں نقل کئے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ:- عمال میں سے ایک عامل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی ہیں۔ قبیلہ بنو طے سے متعلق ہیں۔ آنحضرت نے ان کے قبیلہ پر ہی ان کو عامل مقرر کیا اور وہاں بھیجا۔ یہ اپنے سخی والد کے سخی بیٹے تھے۔ ابو طریف ان کی کنیت ہے۔ پہلے یہ نصرانی دین رکھتے تھے۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنی قوم میں حضرت عدی بڑے شریف، عزیز اور فاضل تھے اور بڑے حاضر جواب اور مہربان تھے اور خطیب بھی تھے۔

حضرت عدی سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس وقت سے میں مسلمان ہو گیا ہوں نماز کا کوئی وقت نہیں آیا جس کا مجھے شوق نہ ہو۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ وضو سے ہوتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اموال صدقات لے کر یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ یہ اپنی ہم قوم لوگوں سمیت اسلام پر مستحکم رہے۔ انہوں نے اپنے ہم قوموں کو اسلام سے برگشتہ ہونے سے باز رکھا۔ عراق کی فتوحات میں یہ حاضر تھے بعد میں انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی جنگ جمل کے دوران یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب تھے اور یہ اس جنگ میں اپنی ایک آنکھ سے محروم ہو گئے تھے۔ انہوں نے جنگ صفین اور جنگ نہروان میں بھی حصہ لیا تھا۔ انہیں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب میں آیا تو آپ نے میری خاطر وسیع و کشادہ جگہ دی اور آپ نے مجھ کو بٹھانے کی خاطر خود جنبش فرمائی ایک دن آنحضرت اپنے گھر میں تھے اور آپ کا

گھر مبارک صحابہ سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت آپ نے میری خاطر جگہ میں وسعت فرما کر مجھ کو اپنے ساتھ پہلو میں بیٹھنے کے لئے جگہ عطا فرمائی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے شعبی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک قوم کے لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر دوسرے ایک آدمی کی جانب متوجہ ہوئے میری طرف التفات نہ فرمائی پس میں نے ان کے روبرو ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ نے مجھ کو پہچانا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہاں تم نے اس وقت اسلام قبول کیا تھا جبکہ دوسرے لوگ منکر تھے اور تم اس وقت حق آشنا ہوئے تھے جبکہ دوسرے لوگ حق شناسی سے محروم تھے۔ تم نے وفاکشی کا ثبوت دیا جبکہ دوسرے لوگوں نے بے وفائی کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سب سے پہلا صدقہ صحابہ کرام تک پہنچنے والا بنی طے کا صدقہ ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور کوفہ و بصرہ کے لوگوں کی ایک بڑی جماعت ہے جنہوں نے حضرت عدی سے روایت اخذ کی ہے۔ جیسے کہ ہمام بن الحارث عامر شعبی' ابو اسحاق ہمدانی اور خیثمہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ وغیرہ حضرت عدی کی روایت کردہ زیادہ تر احادیث شکار کرنے کے بارے میں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بہت شکار کے عادی تھے اور ان کی متابعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وادی عتیق تک خود جایا کرتے تھے۔ سیرت نگاروں نے کہا کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے ایک سو درہم طلب کئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو مجھ سے جو کہ حاتم کا فرزند ہے ایک سو درہم مانگ رہے ہو۔ خدا تعالیٰ کی سوگند میں نہیں دوں گا۔

نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شاعر نے ان کی مدح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ کہنے لگے۔ تھوڑی دیر توقف کرو تاکہ میں پہلے جائزہ لے لوں کہ میرے گھر میں کیا کچھ ہے تاکہ اس کے مطابق ہی تم میری مدح کرو۔ پس وہ اپنے گھر چلے گئے اور جس قدر مال نقد اور جنس کی صورت میں تھا اور جو بھی غلام اور گھوڑے تھے وہ تمام لا کر اس شاعر کو دے دیئے ان کے باقی حالات اور ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس سے پہلے وفد بنی طے کے ذکر میں سابقاً گزر چکا ہے رضی اللہ عنہ۔

حضرت عینیہ بن حصین رضی اللہ عنہ:- حضرت عینیہ بن فرازہ رضی اللہ عنہ بھی عمال میں سے تھے ھ کے شروع میں ان کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسلام قبول کرنے والے تمام مسلمان قبائل میں اموال صدقہ کی وصولی کے واسطے عمال بھیجے تھے۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو کعب کے صدقات و زکوٰۃ اکٹھے کرنے کے بعد لانے والے تھے اسی وقت بنو تمیم نے ان کو روکا تھا۔ روکنے کی وجہ صرف بنو تمیم کی خساست و کمینگی اور ان کی جہالت و جفا اور قساوت قلبی اور عدم حسن اسلام تھے۔ یہ تذکرہ تفصیلاً پہلے ہو چکا ہے۔

یہ حیران کن بات ہے کہ عمال کے تذکرہ میں روضۃ الاحباب میں حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں آیا۔ شاید اس کا نام اس واسطے چھوڑا گیا کہ وہ اموال صدقات لینے گئے تھے لیکن بغیر مال کے ہی وہاں سے فرار ہو کر چلے آئے تھے اور وہ تو تھے بھی اکیلے ہی ان کے ساتھ کوئی لشکر نہیں بھیجا گیا تھا لہٰذا وہ کیا کر سکتے تھے اور حضرت عینیہ رضی اللہ عنہ اپنے

ساتھ ایک لشکر لے کر گئے تھے یہی وجہ ہے کہ یہ لشکر "سریہ عینیہ بن حصین کے نام سے موسوم کیا گیا۔

روضتہ الاحباب میں کچھ ایسے عامل بھی مذکور ہوئے ہیں۔ جن کے حالات کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا لہٰذا بڑی جستجو کے بعد ہم ان کے حالات یہاں درج کرتے ہیں۔

حضرت ایاس بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ:- حضرت ایاس بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو اسد کے پاس عامل کی حیثیت سے بھیجا مجھے ان کا نام سیرت کی ان کتابوں میں نہیں ملا۔ (واللہ اعلم)

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ:- ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ بھی ایک عامل صدقات ہیں۔ یہ بنی المصطلق کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے برادر ہیں۔ ابو ذہب ان کی کنیت تھی یہ اپنے بھائی خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے برادر ہیں۔ ابو ذہب ان کی کنیت تھی یہ اپنے بھائی خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ سمیت اسلام میں داخل ہوئے۔ استیعاب میں صرف اسی قدر مذکور ہوا ہے اور اصابہ میں ان کا نام عمارہ بن عقبہ لکھا ہے۔ انہیں بنی المصطلق کی طرف بھیجنے کا تذکرہ سابقاً" مذکور ہو چکا ہے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بطور عامل اپنی تعیناتی کے بعد یہ قبیلہ بنی المصطلق کے پاس مسلح ہو کر گئے۔ قبیلہ کے لوگوں سے ان کا دل خوفزدہ تھا یہ واپس آگئے اور بتایا کہ وہ لوگ دین سے پھر گئے ہیں اور صدقہ ادا کرنے سے منکر ہیں۔ پس آنحضرت نے تحقیق کے واسطے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر بتایا کہ وہ اسلام پر مستحکم ہیں۔ پس اس وقت اس آیت پاک کا نزول ہوا۔ **یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا** اے ایماندار لوگو! اگر کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ لہٰذا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے پر ان کو کوفہ کا والی بنایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ کو معزول کیا۔ حضرت سعد خلافت فاروقی کے زمانہ سے کوفہ کے حاکم تھے۔ صحابہ کرام نے یہ بات ناپسند کی۔ ولید کوفہ میں آئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ہمارے بعد یہاں پر تم کس طرح حاکم اور عامل رہ سکتے ہو۔ یا تیرے بعد میں بے وقوف اور نادان رہوں گا۔ حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو اسحاق! آپ خود کو اس طرح کے الفاظ سے مخاطب نہ کریں۔

ابن مسعود رضی عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ ولید رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو انہوں نے (یعنی حضرت سعد نے) فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے بعد تم یہاں پر نیک عمل کرنے والے ہو گے یا کہ تم کو لوگ خراب کر دیں گے۔ استیعاب اور اصابہ دونوں کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ فصیح الزبان شاعر اور کریم و حلیم تھے یہ سخی آدمی تھے اور قریش میں سے ایک بہادر شخص تھے۔ یہ قریش کے لشکروں میں سے تھے۔ لیکن بہت سی خبریں آئی ہیں کہ ان کا حال اچھا نہ تھا اور افعال اچھے نہ تھے۔ ان کی شراب نوشی ثابت شدہ ہے۔

صحیحین میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی بنا پر حد نافذ کردی تھی اور اس کو معزول کردیا تھا۔ بخاری میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس پر حد نافذ کردو اور ابن شوذب سے استیعاب میں نقل کیا گیا ہے کہ صبح کی چار رکعتوں پر مشتمل ولید نے لوگوں کو پڑھائی۔ ازاں بعد لوگوں کی طرف منہ کیا اور کہا کہ کیا اور پڑھاؤں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج کے روز سے ہمیشہ تمہاری طرف سے ہم زیادتی میں مبتلا ہیں۔ اصابہ میں مذکور ہے کہ کوفہ کے کچھ باشندوں نے ولید کی ناحق ہونے پر شہادت دی ہے اور ابن عبدالبر کا قول ہے کہ اس بارے میں فراہم کردہ جملہ اخبار منکر ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت حارث بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ:۔ حضرت حارث بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ ایک عامل زکوۃ و صدقات ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت مبارک کے وقت ان پر ان کی قوم کا ایک خون واجب تھا۔ اس سے ان کو اسلام کی بناء پر نجات ملی۔ نقل کیا گیا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی بیٹی کے لئے پیغام دیا تو اس نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کو آپ کے نکاح میں دینے پر راضی نہیں کیونکہ میری لڑکی کو برص کی بیماری ہے اور اصل میں اس کو برص کا مرض نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ آنحضرت نے رخصت ہو کر اپنے گھر گئے تو دیکھا کہ بیٹی واقعی برص میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس کی شادی اس نے اپنے چچا زاد زید بن حمزہ مزنی سے کردی۔ اس سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ اس کا مشہور نام ابوالرصا تھا۔

بنی مرہ کا جو وفد آیا تھا وہ تیرہ شخصوں پر مشتمل تھا۔ تبوک سے واپس جانے کے بعد یہ وفد حاضر ہوا تھا اور یہ وفد بیت الحارث میں ٹھہرا اور ازاں بعد آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد نبوی میں تھے۔ حارث نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ کے خاندان اور آپ کی قوم سے ہمارا تعلق ہے مراد یہ کہ ہم لوئی بن غالب کی اولاد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو اس کے بعد قبیلہ بنو مرہ کے پاس ہی روانہ کیا۔ تو حارث نے کہا یا رسول اللہ! کوئی شخص ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ جو ہماری قوم والوں کے آپ کے دین کی دعوت پیش کرے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ پس آنحضرت نے انصار میں سے ایک آدمی کو ان کے ہمراہ کردیا اور وہاں گئے تو حارث کی قوم کے لوگوں نے اس کو قتل کردیا۔ اور یہ حارث اپنی قوم کو اس عمل سے روک نہ سکے۔ بعد میں حارث نے آکر معذرت طلب کی۔ ان بارے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے کہے ہوئے اشعار ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث کی معذرت طلبی منظور نہ فرمائی گئی پس حارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حسان بن ثابت سے میں آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی معذرت طلبی کو مقبول فرمایا۔ مقتول کی دیت کے طور پر قاتل نے اونٹ بھیج دیئے آنحضرت نے قبول فرمائے اور ان اونٹوں کو اس انصاری مقتول کی قوم کی طرف روانہ فرمادیا۔

حضرت مسعود بن رجیل رضی اللہ عنہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال میں سے ایک حضرت مسعود بن رجیل اشجعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بنو عبداللہ بن غطفان سے ہیں اور انہی جس پر عامل متعین ہوئے تھے۔ جنگ احزاب کے وقت یہ اپنی قوم اشجع کے امیر تھے اور اہل اسلام کے خلاف جنگ میں تھے۔ بعد ازاں یہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام حسن ہوا۔ ان کا تذکرہ ابو جعفر طبری کرتے ہیں اور اس کی مانند استیعاب میں بھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت انجم بن صفیان رضی اللہ عنہ:۔ حضرت انجم بن سفیان بھی عاملوں سے ہیں۔ ان کو ان کو عذرہ' مسلامان ولی' جہنیہ اور ابنی پر عامل مقرر کیا گیا تھا۔ ان کا نام مجھے کتب میں نہیں ملا۔ لیکن ان قبیلوں کا ذکر موجود ہے اور ان کی طرف عاملوں کو بھیجنا اور لشکروں کو ان کی جانب روانہ کرنا بیان کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ بھی ایک عامل ہیں۔ یہ بنو سلیم قبیلہ پر عامل ہو کر گئے تھے۔ ان کا نام بھی مجھے کتب سیر میں دکھائی نہیں دیا ہاں عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ ایک شاعر اور یکے از مولفتہ القلوب کا تذکرہ ہے۔ ان کے بارے میں ہم قبل ذکر کر چکے ہیں اور ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی یہ شخص اپنے لئے شراب حرام قرار دیئے ہوئے تھا۔ لیکن ان کے عامل بنائے جانے کے بارے میں علم نہ ہو سکا اور روضۃ الاحباب کا صحیح نسخہ جو ہے اس میں ان کا نام عباس بن مدارس لکھا ہے یعنی دال را سے مقدس رکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت لبید بن حاصب رضی اللہ عنہ:۔ حضرت لبید بن حاصب رضی اللہ عنہ بھی عمال سے ہیں ان کو قبیلہ دارم پر عامل متعین کیا تھا۔ مجھے ان کا نام بھی کتب سیر میں معلوم ہوا۔

حضرت عامر بن مالک رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ عامری کلابی رضی اللہ عنہ بھی ایک عامل صدقات ہیں۔ ان کو بنی عامر بن صعصعہ پر مقرر کیا تھا۔ یہ ملاعب الالسنہ کہلاتے تھے انہوں نے سیلمان تیمی کی روایت سے ابی عثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون اور غرق شہادت ہے۔ استیعاب صرف اسی قدر بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ ابن قانع ان کو صحابہ میں بیان کرتے ہیں۔

اور اصابہ کے اندر ان کے حالات میں طویل کلام مذکور ہوا ہے اور ایک بڑی کثیر جماعت صحابی بیان کرتی ہے جیسے کہ دار قطنی' ابن السکن اور ابن شاہین وغیرہم اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسی شخص کو ملاعب الاسنہ نے بھیجا اور دریافت کیا میرے بھتیجے کے درد شکم جو ہوتا ہے اس کا علاج کیا دوائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف شہد بھیج دیا۔ وہ شہد ان کو پلایا گیا تو تندرست ہو گیا۔

یہ حدیث دیگر سند سے یوں روایت کی گئی ہے کہ عامر بن مالک نے کسی آدمی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا اور شہد کے واسطے درخواست کی۔ پس آنحضرت نے ان کو ایک کپی شہد سے بھری ہوئی بھیج دی۔ علاوہ ازیں یہ بھی روایت کیا گیا ہے یہ ملاعب الاسنہ غزوہ تبوک کے بعد آنحضرت کی بارگاہ میں آئے تھے آنحضرت نے ان کو اسلام کی طرف بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بعد ازاں آنحضرت کی خدمت میں انہوں نے ہدیہ ارسال کیا۔ وہ ہدیہ آنحضور نے قبول نہ فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ مشرک کی طرف سے ہدیہ میں قبول نہیں فرماتا۔ بعض اسناد سے تبوک کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسی قدر مذکور ہے کہ عامر بن مالک آئے ان کو ملاعب الاسنہ کہا جاتا تھا۔ آنحضرت نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی اس کے بعد عامر بن مالک نے جب ہدیہ بھیجا تو آنحضرت نے وہ قبول نہ فرمایا۔ کہ میں مشرک سے ہدیہ قبول نہیں فرماتا ہوں۔

عامر بن مالک نے درخواست کی کہ آپ میرے ہمراہ جس آدمی کو چاہیں بھیجیں وہ وہ میری پناہ میں داخل ہو گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ربعلی کو روانہ کیا۔ نیز معونہ کا طویل بیان سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔ مولف اصلیہ یوں لکھتے ہیں کہ جو لوگ جس چیز پر اعتماد کرتے ہوئے ان کو صحابہ کے زمرہ میں داخل گردانتے ہیں وہ چیز جس کی روایت ان سے ہوئی ہے وہ ان کے اسلام میں واضح نہیں ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بنی جعفر اور بنی ابوبکر کے پچیس آدمی حاضر ہوئے ان میں عامر بن مالک بن جعفر بھی شامل تھا۔ آنحضرت نے ان پر اپنی نظر کرم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم پر یہ شخص عامل مقرر فرماتا ہے اور ساتھ ہی ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کی جانب آپ نے اشارہ فرمایا اور پھر آپ نے عامر بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم بنی جعفر پر عامل ہو۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے آنحضرت سے گزارش کی کہ میرے حق میں دعائے خیر فرما دیں۔ اس حدیث سے یہ دلالت ہوتی ہے کہ قبل ازاں عامر بن مالک عذر کرتے تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (انتہی کلام صحابہ)

سمھ کے واقعات میں ایک واقعہ بیر معونہ بھی مذکور ہو چکا ہے اس میں عامر بن مالک کا قصہ بھی آتا ہے۔ وہاں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کو اسلام لانے کی توفیق حاصل نہ ہوئی۔ لیکن انہوں نے اسلامی لشکر کی حمایت کی۔ اس مقام پر وہ عامل مذکور ہوئے ہیں تو یہ ظاہر ہو گیا کہ اسلام کی حمایت و رعایت کی وجہ سے ان کو عامل کیا گیا تھا۔

حضرت سعد' عوف اور ضحاک اور رضی اللہ عنہم:۔ حضرت سعد بن مالک' عوف بن مالک نصری اور ضحاک کلابی رضی اللہ عنہم بھی عمال میں سے ہیں۔ یہ بنی کلاب پر عامل مقرر ہوئے تھے یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ ان تینوں کا تقرر بنی کلاب کے قبیلہ پر کیا گیا تھا۔ نیز یہ بھی پتہ چل گیا کہ بنی عامر اور بنی کلاب ایک ہی ہیں۔ ان میں ایک حضرت سعد بن مالک بن خالد انصاری ساعدی یہ وہ ہیں جو غزوہ بدر میں شمولیت کی خاطر تیار ہو گئے تھے لیکن بیمار پڑ گئے اور بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ انہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حصہ عطا فرمایا تھا اور تیسرے ہیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہو جانے والے سعد بن مالک۔ یہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور چوتھے ہیں سعد بن مالک عذری۔ ان کی

نسبت بنی عذرہ سے ہے یہ بھی بنی عذرہ کے وفد کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے تھے۔

اصابہ میں حضرت ابو عمرو بن الحریث العذری سے روایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اجداد کی کتاب میں دیکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ۹ھ میں ہم بارہ آدمیوں کے وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حمزہ بن نعمان اور سعد اور سلیم جو مالک کے بیٹے تھے بھی وفد میں شامل تھے۔ جیسے کہ مذکور ہو چکا ہے۔ تو یہ واضح ہے کہ سعد بن مالک سے یہاں پر وہ ہی مراد ہیں۔ رضی تعالیٰ عنہ اور اسی اصابہ میں عوف بن مالک کے ضمن میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاملوں میں عوف بن مالک نضری کا خلیفہ نے ذکر کیا ہے۔ جنہیں ہوازن' نضر اور ثقیف قبیلوں پر عامل بنا کر بھیجا گیا تھا اور کہا ہے کہ ان کا نام تبدیل ہو چکا ہے۔ یعنی کہ شہرت مالک بن عوف کی ہے لیکن حقیقت میں وہ عوف بن مالک بن سعید بن بروع ابو علی النضری ہیں۔ غزوہ حنین میں وہ مشرکین کے سردار تھے۔ مشرکین کو شکست فاش ہونے پر مالک بن عوف طائف میں چلے گئے۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے یہ اعلان فرمایا گیا کہ وہ اسلام قبول کر کے آ جائے گا تو اس کے اہل و عیال اسے واپس کر دیئے جائیں گے اور مزید بر آں اس کو ایک صد اونٹ انعام میں بھی عطا فرمائے جائیں گے۔ جیسے کہ دیگر مولفتہ القلوب کو انعامات عطا فرمائے ہیں۔

ازاں بعد مالک بن عوف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قصیدہ پیش کیا ازاں بعد اس کے قبیلے کے مسلمان شدہ لوگوں پر اس کو آنحضرت نے عامل متعین فرما دیا۔ شیخ اسی طرح ہی اصابہ میں فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ضحاک بن صفیان بن عوف بن ابو بکر کلاب کلابی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو سعید ہے وہ اپنی ہی قوم پر عامل صدقات تھے۔ وہ بہادر اور شجاع شخص تھے اور وہ اکیلے ہی ایک سو سواروں کے برابر تسلیم کئے جاتے تھے ان کو ایک لشکر کا سالار بنا کر آنحضرت نے بھیجا تھا۔ امام حسن بصری ان سے ایک حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ اسے بغوی نے نقل کیا ہے اور ابن قانع بھی اسے نقل کرتے ہیں۔ کہ وہ تلوار کے بڑے دھنی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے کی جانب وہ اپنے ساتھ تلوار لٹکائے ہوئے پاسبانی کے فرائض انجام دینے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بارگاہ رسالت کے پاسبانوں میں بھی مذکور ہوں تو یہ گنجائش ہے۔

لیکن جو اسماء گرامی روضتہ الاحباب میں ۹ھ کے واقعات میں عمال میں بیان کئے گئے ہیں یہاں پر وہ عمال میں ذکر کئے نہیں گئے۔ ان میں سے ایک حضرت بریدہ ہیں۔ یہ کعب بن مالک کی روایت کے مطابق کاتبوں میں مذکور ہوئے ہیں۔

xx

باب دہم
موذن، خطیب، شاعر اور حدی خواں

بارگاہ رسالت کے موذن:۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح حبشی، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بارگاہ میں موذن تھے ان کی والدہ محترمہ کا نام حمامہ تھا۔ حضرت بلال کی کنیت ابو عبد اللہ تھی ابو عبد اللہ تھی یا ابو بازن، سرات کے باشندہ تھے مکہ اور یمن کے درمیان سرات نام کی ایک جگہ ہے۔ یہ قدیم الاسلام اور صادق الایمان تھے اور طاہر القلب صحابی تھے۔ مکہ شریف میں سب سے پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کرنے والے یہی حضرت ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سات شخص ہیں جنہوں نے اپنے اسلام کا پہلے اظہار فرمایا۔ وہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو اسلام ظاہر کرنے سے اس لئے ممانعت کی گئی تھی کہ ان کے چچا ابو طالب کے لئے باعث غم نہ ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی قدم کے سبب ممانعت کی گئی۔ اور دوسرے جو صحابہ کرام تھے انہیں مشرکوں نے پکڑا اور بڑی اذیتناک سزائیں دیں۔ انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر گرم دھوپ میں بٹھایا جاتا تھا۔ کوئی بھی مسلمان ایسا نہ تھا جس کو مشرک پکڑ نہ لیتے تھے اور مارتے نہ تھے۔ جیسا وہ مشرک چاہتے تھے ان کے ساتھ سلوک روا رکھتے تھے ان کا عمل رخصت پر تھا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو نہایت کمتر خیال کرتے ہوئے بھی دین حق پر نہایت مستحکم رہے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اذیتوں اور سزاؤں کو کوئی وقعت نہ دی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مالک کا نام امیہ بن خلف جمحی تھا۔ یہ حضرت بلال کو اس وقت ریگزار میں لے جاتا تھا۔ جبکہ سخت دوپہر اور دھوپ ہوتی تھی۔ پھر ان کے گلے میں رسی باندھ کر ان کو گرم ریت پر لٹا دیتا تھا۔ سینے پر بھاری پتھر سخت گرم رکھ دیتا تھا اور پتھر سے اوپر سے کوٹا کرتا تھا اور انہیں کہا کرتا تھا کہ اس پتھر کے نیچے ہی مر جاؤ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے لائے ہوئے دین سے انکار کرو۔ پھر یہ رسی سے خوب باندھ کر مکہ کے کوچوں میں گھمایا کرتا تھا۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے کہ احد احد پکارے جاتے تھے اور دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ پکارتے تھے۔ اللہ اللہ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف تقدیر اس کافر کی یوں تھی کہ غزوہ بدر میں وہی کافر بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ ملعون کافر اپنے معمول کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سزا دے رہا تھا اتفاق سے

اس راہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے۔ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوسرے ایک حبشی نسل غلام کے عوض میں خرید لیا اور اس کے بعد انہیں آزاد فرمایا۔ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو خریدا۔ اس وقت ایک بڑے گراں پتھر کے نیچے ان کو دبایا ہوا تھا اور یہ بھی روایت ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم اپنے مال رکھتے تو بلال کو ہم ضرور خرید لیتے۔ ازاں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے آپ نے کہا کہ آپ میری خاطر حضرت بلال کو خرید کر لیں۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کی زوجہ کے پاس گئے اس لئے کہ بلال اس کے لے پالک تھے۔ انہوں نے اس کو کہا کہ تمہارا جو بلال نامی غلام ہے کیا تم خواہش کرتی ہو کہ اس کو تم فروخت کر لو پیشتر اس کے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں اس کی قیمت بھی وصول نہ ہو وہ کہنے لگی کہ تمہارے وہ کس کام کا وہ تو بڑا خبیث ہے اور کسی طور مفید نہیں ہے۔ حضرت عباس اس کے بعد دوبارہ اس کو ملے اور پھر وہی اپنی بات دہرائی۔ ازاں بعد عباس رضی اللہ عنہ نے بلال کو خرید لیا اور خرید کر اسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ تو اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی عطا فرمائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کبھی کبھی اس طرح فرماتے تھے۔ ابوبکر سیدنا اعتق سیدنا یعنی بلالا۔

عام طور پر یوں مشہور ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کو منتقل ہو گئے تھے گو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ازحد اصرار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ یہاں مدینہ میں مقیم رہ کر اذان کہا کریں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اے ابو! آپ نے مجھے خریدا اور پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد فرمایا تھا اور مجھے امید ہے کہ آپ اس وقت بھی مجھ کو آزادی عطا فرمائیں گے اور پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ ملک شام میں چلے گئے۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے اذان کہی اور روایت کیا گیا ہے کہ ابوجہل ملعون حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ان سے کہنے لگا کہ کیا تم بھی وہی کچھ کہتے ہو جو کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کہا کرتے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد اس نے حضرت بلال کو پکڑا اور ان کے منہ کے بل ان کو نیچے گرا دیا۔ پھر ان کو گرم دھوپ میں زمین پر لٹایا اور ان کے سینہ پر چکی کا پاٹ رکھا۔ اس حالت میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے کہ اپنے منہ سے بلند آواز پکارتے تھے۔ احد' احد' پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی دوست کو وہاں بھیج کر اس کی معرفت حضرت بلال کو خرید لیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے وہاں سے چلے جانے کے لئے اجازت مانگی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ وہ چیز کیا ہے جو تمہارے میرے پاس رہنے اور اذان کہنے میں مانع ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے لئے اذان کہتا رہا ہوں۔ وہ میرے لئے ولی نعمت تھے اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے یہ سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ افضل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ یہ روایت مشہورہ کے برعکس ہے۔

اور ارباب سیر نے کہا ہے کہ جس وقت فاروقی عہد خلافت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام میں تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں پر تھے۔ اس وقت انہوں نے ان کی خاطر اذان کہی اس پر حضرت عمر اور ان کے ساتھ والے سب رونے لگے اور کہا جاتا ہے کہ اس دن جتنا یہ روئے تھے اس سے بڑھ کر اور شدید روتے ہوئے کبھی کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ علاوہ ازیں بھی ایک بار جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ شریف لائے تو اذان دینا شروع کیا۔ لیکن یہ اپنی اذان کو مکمل نہ کر سکے تھے اور یوں ہوا کہ شام میں چلے جانے کے بعد چھ ماہ کا عرصہ گزرا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ اس قدر ظلم کرتے ہو کہ تم ہماری زیارت کے واسطے بھی نہیں آتے ہو پس حضرت بلال اسی وقت بلا توقف مدینہ شریف کی طرف چل پڑے۔ مدینہ شریف کے نزدیک آکر انہوں نے کسی سے جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا حال دریافت کیا۔ بتایا گیا کہ سیدہ فاطمہ رضی یاللہ عنہا جنت سدھار چکی ہوئی ہیں اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہا دونوں ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں آئے۔ لوگوں میں سے کوئی یہ جرات نہیں کرتا تھا کہ وہ حضرت بلال کو کہے کہ وہ اذان کہیں۔ پس لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست گزار ہوئے کہ بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہلوائیں اور ان کا حکم ہرگز نہیں رد کر سکتے۔ پس امام حسین رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ پس امام حسین رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کے لئے اس جگہ پر آ کھڑے ہوئے جس پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کھڑے ہو کر اذان کہتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی۔ لوگوں کو پھر وہی آواز تازہ ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات ظاہری میں موجود تھے۔ لوگوں نے رونا شروع کر دیا اور جس وقت اشہد ان لا الہ الا اللّٰہ کی آواز بلند کی گئی۔ تو گریہ کا شور حد سے زیادہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب کہا گیا اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ تو سارے شہر میں زلزلے کی مانند ہوا اور کہرام اور رونے کا شور اس قدر مچا جیسے آج ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کا دن ہو۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ میں طاقت نہ تھی کہ وہ اذان کہہ سکیں اور نہ لوگ ہی برداشت کی سکت رکھتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچازاد حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کا سلسلہ مواخات میں بھائی بنایا۔ (کذا فی الاستیعاب) اور اصابہ میں مذکور ہے کہ حضرت بلال اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو آپس میں بھائی بھائی بنایا گیا اور امام مالک کی موطا میں مزکور ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملی

ہے کہ آپ نے فرمایا اے بلال! کیا حال ہے کہ جب میں جنت میں تھا تو مجھے تمہاری جوتیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بتاؤ کہ تمہارا کون سا عمل ہے جس کے باعث یہ ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھ کو فرض کردہ نمازیں میں خوب طہارت کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ یہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت بلال رو پڑتے تھے۔

امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا السباق اربعة انا سابق العرب وبلال الحبشة الحدیث حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب شمار سے باہر ہیں۔ ان کا رنگ گہرا سیاہ تھا کمزور اور لمبا جسم تھا۔ بازو پتلے پتلے تھے۔ ان کا وصال دمشق میں ہوا ان کو باب صغیر کے نزدیک دفن کیا گیا۔ وصال شریف کا سن ۲۰ یا ۲۱ ھ میں ہے۔ دیگر ایک قول میں ہے کہ یہ حلب میں رحلت فرما ہوئے تھے اور اسی جگہ ان کو دفن کیا گیا تھا لیکن اول قول صحیح ہے۔ ساٹھ سال سے کچھ زیادہ ان کی عمر تھی یا تریسٹھ سال تھی اور ایک قول ستر برس ہے۔ صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ جیسے کہ حضرت ابو بکر' عمر' اسامہ ابن زید' عبداللہ بن عمر' کعب بن عجرہ' براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم اور کوفہ' مدینہ اور شام کے بڑے بڑے تابعین کی جماعت نے بھی ان سے احادیث اخذ کی ہیں۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ:- حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آنحضرت کے دوسرے موذن ہیں عبداللہ بن عمران کا نام ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نام عمرو بن قیس بن زائدہ ہے کچھ حضرات نے عبداللہ بن صریح بن قیس کہا ہے۔ عبداللہ بن زایدہ نام بتانے والے ان کی نسبت ان کے جد کی طرف کرتے ہیں۔ یہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ قرشی اور عامری ہیں۔ یہ بنی عامر بن لوی سے منسوب ہیں ان کی والدہ محترمہ عاتکہ بنت عبداللہ بن مخزومی ہیں۔ یہ مکہ کے باشندے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پیشتر ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت پذیر ہو چکے تھے واقدی کا قول ہے کہ انہوں نے بدر سے تھوڑی مدت بعد ہجرت کی۔ اکثر غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو اپنے بعد مدینہ شریف میں خلیفہ بنایا تھا کچھ روایات آئی ہیں ان میں مذکور ہے کہ تیرہ دفعہ یہ خلیفہ بنائے گئے۔ یہ غزوہ تبوک کے وقت بھی خلیفہ بنے تھے جبکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اہل و عیال کی خاطر پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بھی اذان کہتے تھے۔ قرآن پاک میں موجود سورۃ عبس وتولی ان کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے مدینہ شریف میں رحلت فرمائی۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ یہ جنگ قادسیہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کا بڑا تذکرہ آیا ہے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے تیسرے موذن کا نام حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ہے یہ اوس بن مغیرہ جمحی قرشی نام رکھتے تھے لیکن کنیت ان کے نام پر غالب آئی۔ مکہ شریف میں آنحضرت کے لئے اذان دیتے تھے۔

ابن محیر کا قول ہے میں نے ابو محذورہ کو دیکھا ہے کہ ان کے سر پر بال تھے۔ ان سے میں نے دریافت کیا کہ اپنے بالوں کو کٹواتے نہیں اس کا کیا سبب ہے تو انہوں نے جواب دیا ایسا شخص میں نہیں ہوں کہ ان بالوں کو میں کٹواؤں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مس فرمایا ہے اور ان میں برکت کی دعا فرمائی ہے انہوں نے ھ میں مکہ مکرمہ میں رحلت فرمائی۔ دیگر ایک قول کے مطابق وہ اس کے بعد رحلت فرما ہوئے۔ وہ ہجرت میں شامل نہ تھے۔ مکہ میں ہی قیام رکھا ان کے فرزند عبدالمطلب اور ان کے علاوہ عبداللہ بن محیریز اور ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں۔ ان سے مسلم اور اربعہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع فرمایا کرتے تھے۔ اور اقامت میں تثنیہ کرتے تھے۔ جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع نہ کرتے تھے۔ اور وہ اقامت میں افراد کرتے تھے۔ اور کچھ موذن اذان میں ترجیع نہ کرتے تھے۔ اور نہ ہی وہ اقامت میں تثنیہ کرنے والے تھے۔ اس بارے میں ہر موذن کا اپنا اختیار کردہ ایک طریقہ تھا۔ اور ہمارا مذہب ہے کہ اذان میں ہم ترجیح کرتے ہیں۔ اور اقامت میں تثنیہ کرتے ہیں اپنے مناسب مقام پر اس کی تحقیق ہم نے ذکر کی ہے۔

حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ:- حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ آنحضرت کے چوتھے موذن ہیں۔ انہیں سعد قرظی بھی پکارا جاتا ہے۔ ان کا اسم گرامی سعد بن عائذ ہے۔ یہ مولائے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی شہرت بطور سعد قرظ ہے۔ یہ صحبت کا شرف حاصل کئے ہوئے تھے۔ ان کا نام سعد قرظ ہونے سبب یہ ہے کہ قرظ کی تجارت میں مشغول تھے۔ اس میں ان کو بڑا نفع حاصل ہوتا تھا۔ قبل ازیں جس چیز کی بھی انہوں نے تجارت کی تھی اس میں ان کو نقصان ہوتا رہا تھا۔ بعد میں قرظ کی تجارت انہوں نے کرنا شروع کیا قرظ سے مراد ورق سلم ہے۔ اس سے چمڑے کو پکاتے ہیں اس سے پکایا ہوا چمڑا ادیم قرظی کہلاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں قباء کی مسجد میں موذن مقرر فرمایا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت مبارک اور بلال رضی اللہ عنہ کے ترک اذان کے بعد حضرت سعد و قرظی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں منتقل کئے گئے۔ حتیٰ کہ اپنی تمام زندگی مسجد میں یہ اذان دیتے رہے۔ پھر اذان کی وراثت ان کی اولاد کو حاصل ہوئی اور امام مالک کے زمانہ تک ان کی اولاد ہی اذان دیتی رہی بلکہ ان کے بعد بھی۔

کچھ روایات میں یوں مذکور ہوا ہے کہ حضرت قرظی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اذان کہنے کے واسطے منتقل کرایا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اس سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی اذان دیا کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دیتے رہے۔ ایسا امکان تو اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ شریف سے ملک شام میں جا چکے ہوں گے۔ زمانہ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہو گا۔ یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہو گا۔ جیسے کہ قبل ازیں اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت سعد قرضی رضی یاللہ عنہ ھ تک حیات رہے جبکہ حجاز پر حجاج والی تھا۔

شعرائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعراء میں سے تین شاعروہ ہوئے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں پر سے کفار کے شر دفع فرماتے تھے اور ان کے شر کو روکتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت گوئی کرتے تھے اور کفار کی خدمت اور ہجو کہتے تھے۔ یہ ہیں حضرت حسان بن ثابت' کعب بن مالک' اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم۔

روضۃ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے کہ مردوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک صد ساٹھ خدام وہ تھے جو کہ شعراء تھے اور عورتوں سے بارہ عورتیں آپ کی خادمائیں اور شعراء تھیں۔ انتہیٰ۔ مذکور بالا تین شاعروں کے علاوہ بھی مشاہیر شعراء کرام تھے جیسے کہ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر نابغہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جنہوں نے لمبی عمر پائی تھی۔ ان کی عمر دو سو برس یا ایک سو اسی برس کی تھی۔ بڑی عجیب و غریب کہانیاں اس کے بارے میں مشہور ہیں۔ دوسرے تھے حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ یہ جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی بڑے شریف ہوئے ہیں۔ ان کی عمر ایک صد چالیس سال یا ایک صد چون سال ہوئی۔ تیسرے شاعر حضرت سحبان وائل رضی اللہ عنہ تھے۔ فصاحت اور بلاغت کے بارے میں ان کی کہانیاں بری مشہور ہیں۔ جیسے کہ ماقل شہامت میں اور شیخ ابن حجر اپنی اصابہ میں نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سحبان وائل کے متعلق حکایات مشہور موجود ہیں اور ابن عساکر نے وہ حکایات اپنی تاریخ میں بیان کی ہیں۔

اور ابن عساکر کہتے ہیں کہ وہ مخضرمین کی قسم سے ہیں جن کو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میسر آئے ہیں۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ میسر ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری ثابت نہیں ہوئی۔ خواہ وہ آنحضرت کی حیات مبارک میں مسلمان ہوئے یا بعد میں اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ صحابی نہیں تھے۔ اگر کچھ علماء ان کو معرفۃ الصحابہ میں بہت بیان کریں تو اس سے بھی صحابیت ثابت نہ ہوگی۔ لیکن ان علماء نے یہ صراحت فرمادی ہے کہ ان کا تذکرہ وہاں کئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ صحابہ کے متصل ہیں۔ اصل میں وہ صحابی نہیں ہیں۔ ابن عبدالبر اپنی کتاب میں اس بات کو خوب صراحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

شیخ ابن حجر اپنی کتاب الاصابہ فی معرفت الصحابہ میں صحابہ کرام کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔ ان جیسے لوگوں کو انہوں نے صحابہ کی تیسری قسم شمار کیا ہے اور اول قسم میں ثابت شدہ صحابیت کے حامل اشخاص شامل کئے ہیں۔ خواہ آنحضرت سے انہوں نے خود روایت کیا ہو یا ان سے دوسروں نے روایت کیا ہو۔ اور ان کی سند بھی خواہ صحیح ہو یا حسن یا ضعیف بھی کیوں نہ ہو یا طرق روایت ایسا ہو کہ ان کی صحابیت پر اس سے دلالت ہوتی ہو۔ وہ ہر لحاظ سے صحابی ہی ہیں۔

دوسری قسم میں وہ صحابہ شمار کئے ہیں جنہیں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بصورت لڑکے یا لڑکیاں ملاحظہ کیا ہو۔ جبکہ ابھی وہ طفلانہ عمروں میں تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال

شریف کے وقت بھی بالغ نہ ہوئے تھے اور باوجود اس امر کے کہ یہ صحابی نہیں ان کے بارے میں پھر بھی بیان کیا جاتا ہے تو ان کے صحابہ سے ملحق ہونے کی وجہ سے۔ نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کو بارگاہ رسالت میں اپنے بچوں کو حاضر کرنے کی خواہش اور شوق ہوتا تھا۔ بالخصوص ان کی پیدائش کے موقع پر اس لئے کہ آنحضرت تحنیک تسمیہ فرمایا اور برکت کے لئے دعا فرمایا دیں۔ شیخ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سحبان وائل کے بارے میں ابن عساکر کی کہی ہوئی بات ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ بھی صحابہ کی تیسری قسم میں شمار ہوں گے کیونکہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک جاہل آدمی تھا۔

خطبات میں ابو نعیم کا قول ہے کہ سحبان وائل عرب کا غیر مدافع خطیب تھا۔ خطبہ دینے کے وقت کوئی لفظ یہ دہراتا نہ تھا۔ توقف بھی کرتا تھا۔ اور سوچتا بھی نہیں تھا۔ اور تسلسل قائم رکھتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے شعراء کرام میں سحبان وائل شمار نہیں تھا اسے آنحضرت کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی اور نہ ہی خلفائے رابعہ ہی کو دیکھا یا پایا تھا۔ ہاں اتنی بات تحقیق شدہ ہے کہ وہ ایک مسلمان تھا۔ خواہ وہ آنحضرت نے زمانہ اقدس میں ہی مسلمان ہوا ہو یا اس کے بعد ایمان لایا ہو۔ اس کی عمر کے بارے میں اور اس کی وفات کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ واللہ اعلم۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ :۔ نام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کنیت ابو الولید یا عبد الرحمٰن یا ابو الحسام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دربار اقدس کے شاعر تھے۔ ان کا نام حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام انصاری بخاری مرزی ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت اور عہد اسلامی کے فحول شعراء میں سے ایک ہیں اور عرب کے لوگوں کا ان کے اہل بدر اور اہل یثرب ہونے پر اجماع ہے۔ یہ چوٹی کے درجہ کے شاعر ہوئے ہیں ان کے بعد عبد القیس آتے ہیں مرتبہ کے لحاظ سے اور پھر ثقیف کا درجہ ہے اور اہل عرب کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اشعر اہل مدینہ ہیں انہوں نے ایک سو بیس برس عمر پائی۔ ان کے والد ثابت کی عمر بھی ایک صد بیس برس تھی اور دادا المنذر بھی اسی قدر عمر پانے والے تھے۔

ابو نعیم نے کہا ہے کہ عرب میں سے کسی بھی ایسے شخص کا سلسلہ نسب معلوم نہیں ہوا جن کے اجداد کے عمریں اس طرح برابر ہوتی ہوں جیسے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ بات بیان کرتے ہوئے ان کے فرزند عبد الرحمٰن بن حسان خوب سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور پاؤں دراز کر لیتے تھے اور خوب ہنستے تھے کہ اپنی موت سے بے فکر ہو جاتے تھے اور ان کا خیال ہوتا تھا کہ شاید میری بھی اس قدر عمر ہوگی۔ لیکن ابھی یہ ارتالیس سال ہی کے ہوئے تھے کہ وصال ہو گیا۔ اصمعی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فحول شاعروں سے ہیں اور ابو حاتم نے بیان کیا کہ چھوٹے موٹے شعر ان سے روایت ہوئے ہیں تو اس پر اصمعی کہتے ہیں کہ ان چیزوں کو ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہیں۔

ابو حاتم نے ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔ شعرائے خیر پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو افضل گردانا جاتا

ہے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ انصار کے شاعر تھے اور عہد نبوت کے دوران وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاعر تھے۔ عہد اسلام کی ان کی تمام تر شاعری خیر و برکت کی حامل ہے۔ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں ان کے کہے ہوئے اشعار زیادہ اجود اور عمدہ تھے بہ نسبت ان اشعار کے جو انہوں نے عہد اسلامی میں کہے تھے کیونکہ اسلام میں جھوٹ بولنے کی ممانعت ہے اور اشعار کذب اور توصیف کے مبالغہ کے ساتھ زیادہ مذین ہوتے ہیں۔ اس قسم کی تذئین اشعار ناحق ہوتی ہے۔ یہ تمام کذب ہے۔ حسان رضی اللہ عنہ کی عمر کے ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے اور ساٹھ سال کی ان کی باقی عمر اسلام میں گزری تھی۔ انہوں نے بلغہ اور ور عشی دونوں کو پایا تھا اور دونوں کو اپنے اشعار سنائے تھے۔ ان دونوں نے انہیں مسلم رکھا اور کہا کہ تم ایک شاعر آدمی ہو۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اہل شرک کی مذمت اور ہجو اپنے اشعار میں بیان کی۔ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالیہ میں گستاخی کرتے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن زبعری اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ اور عمرو بن العاص وغیرہم۔ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی مسلمان نے کہا کہ جو لوگ مسلمانوں کی ہجو کرتے ہیں آپ بھی ان کی مذمت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مجھے اجازت فرمائی جائے تو پھر میں ایسے کر سکتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک تک اس بات کے پہنچنے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے علی مناسب نہیں ہے۔ جیسے کہ ان لوگوں کو خواہش ہے اور علی خود بھی ایسا کرنا نہیں چاہیں گے جیسے کہ تمہاری خواہش ہے۔ ازاں بعد آپ نے فرمایا کہ کون ہے؟ جو مسلمانوں کا دفاع کرے۔ جس آدمی نے اپنے اسلحہ کے ذریعے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے وہ آدمی زبانوں کے اس میدان میں بھی مدد کرے تو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر گزارش کی۔ یا رسول اللہ! یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ ان کی ہجو مذمت کرنے کا تم کیا طریقہ اختیار کرو گے حالانکہ تمہارا نسب ان میں ہے اور میں بھی اپنا نسب ان کے ساتھ رکھتا ہوں۔ ابوسفیان کی ہجو و مذمت کرنے کا طریقہ تمہارے پاس کیا ہو گا جبکہ وہ ابن عم ہیں۔ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں سے میں آپ کے علیحدہ کرلوں گا جیسے کہ آٹے سے بال کو نکال لیا جاتا ہے۔ پھر آنحضرت نے ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہ تم سب سے زیادہ علم نسب جاننے والے ہیں۔ حضرت حسان حضرت ابوبکر کی خدمت میں گئے۔ تو انہوں نے ان کو ان کے نسبوں سے آگاہ فرمایا۔ انہوں نے یہ بتایا کہ تم اپنے آپ کو فلاں فلاں سے باز رکھو اور فلاں اور فلاں شخص کو یاد کر لینا۔

ازاں بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مشرکین کی مذمت کرنا اور ہجو کہنا شروع کر دیا۔ قریش کو حسان کے شعر سننے کے بعد پتہ چل گیا کہ یہ شعر حسان نے اپنے آپ نہیں کہے بلکہ ابن ابی قحافہ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہیں حضرت حسان نے ابوسفیان بن الحارث کی خوب مذمت کی۔ ابوسفیان نے یہ اشعار سن کر کہا کہ ان اشعار میں ابن ابو قحافہ غائب نہیں

ہیں۔(یعنی وہ ظاہر ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے واسطے مسجد نبوی میں منبر بچھوا دیتے تھے تاکہ حسان اس پر کھڑے ہو جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت بیان کریں اور آنحضرت کے دشمنوں کی ہجو بیان کریں اور مذمت کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **ان اللہ یؤید حسان بروح القدس مادام ینافح عن رسول اللہ** دیگر ایک روایت میں لفظ یفاخر آیا ہے یعنی فخر بیان کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اہل شرک کے لئے حسان کا شعر تیر سے زیادہ چلنے والا اور اس سے زیادہ شدت والا ہے۔ نیز یہ بھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جسے زبان عطا فرمائی ہو اور اسے قوت گویائی اور قدرت عطا کی ہو تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت اور مدح بیان کرنی چاہیے اور آپ کی دشمنوں کی ہجو بیان کرنے اور مذمت کرنے میں سستی نہ کرنی چاہیے کیونکہ یہ سب سے اچھا عمل ہے۔

ارباب سیر نے کہا ہے کہ حسان رضی اللہ عنہ یہی کیا کرتے تھے۔ وہ اہل شرک کے وقائع اور ان کے ایام و مآثر میں معارضہ کیا کرتے تھے اور ان کی مذمت بیان کرتے تھے۔ وہ قباحتیں اور برائیاں بیان کیا کرتے تھے جن کے وہ حامل تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت حسان کے پاس سے گزرے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حسان مسجد نبوی میں اشعار پڑھتے ہیں۔ انہوں نے حسان رضی اللہ عنہ کی طرف کچھ گھوری سی نکالی اور فرمایا کہ تم مسجد میں شعر پڑھ رہے ہو۔ تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میں وہ ہوں جس نے تم میں سے بہتر اور افضل ذات کے سامنے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روبرو مسجد میں اشعار سنائے ہیں یہ سنا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کرلی۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بہترین اشعار وہ ہیں جو انہوں نے فی البدیہہ کہے تھے جس وقت کہ وہاں پر قبیلہ بنو تمیم کا ایک وفد آیا بیٹھا تھا۔ جیسے کہ سابقاً بیان ہوا۔ عین اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ شریف ترتیب دے لیا۔ حضرت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے خطبہ کہا۔ ان چیزوں کو بن کر بنی تمیم کے وفد نے اپنے عجز کو تسلیم کیا اور اپنی عاجزی اور کم عقلی کا اعتراف بھی کیا اور وہ کہہ اٹھے کہ ہمارے شاعروں کے مقابلے میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے شاعر بہتر ہیں نقل میں آیا ہے کہ اہل اسلام اور منافقت کے درمیان میں حسان ایک علامت ہے۔ منافق کو ان سے ہرگز دوستی نہیں ہے اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ ہرگز کوئی دشمنی نہیں۔ نیز آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ حسان کو برا مت کہیں اس لئے کہ اس کا کام رسول کی جانب سے آپ کے دشمنوں سے مناقحت' دشمنی اور معارضت کرنا ہے۔

حضرت حسان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کسی بھی غزوہ میں حاضر نہ ہوئے۔ بلکہ شیعہ لوگ تو اس قدر مکروہ و ناپسندیدہ باتیں ان کے بارے میں کہتے ہیں جو کہ یہاں بیان کرنا مناسب نہ ہے اور ابن کلبی کا قول ہے کہ حسان سخن گو تھے اور شجاع تھے۔ وہ ایک بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو جبن پیدا ہو گیا تھا۔ ان کو ایسا اس وقت سے ہو گیا۔ جب صفوان بن المعطل نے ان کو تلوار ماری تھی۔ لیکن کچھ علماء فرماتے ہیں کہ ان کو جبن نہ ہوا تھا۔ علاوہ ان کی مذمت میں جو اخبار وہ علماء ان سے بھی انکار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان میں جبن پایا جاتا تو اس کو بیان کر کے دین کے دشمن کی ہجو و

مذمت ضرور بیان کرتے کیونکہ حسان رضی اللہ عنہ نے خود متعدد قوموں کی ہجو بیان کی تھی اور مذمت کی تھی۔ لہٰذا اگر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کمزور دل اور بزدل ہوتے تو دشمن ان کی خدمت کرنے سے نہ چوکتے ہاں ان کی خطاؤں سے یہ ہے کہ وہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اہل افک میں تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کس طرح اس میں داخل ہو گئے لیکن سیدہ عائشہ کے نزدیک حسان رضی اللہ عنہ کو اگر کوئی برا جانتا تو وہ فرمایا کرتی تھیں کہ حسان کو گالی مت دو۔ اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے مناقحت و مفاخرت کیا کرتے تھے۔

ابن القریعہ کا قول ہے کہ مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ حسان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمنوں سے اپنی زبان کے ساتھ منازعت کرتے تھے۔ قریعہ بنت خالد حسان کی ماں ہیں اور وہ خذرجیہ تھیں۔ وہ اسلام لائی تھیں اور حضرت حسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرنے والی بھی وہی ہیں اور بیعت کرائی تھی۔ حسان رضی اللہ عنہ نے اس برے فعل سے توبہ کرلی ہے اور ایسا کرنے والوں پر جب قذفہ کی حد جاری فرمادی گئی تو اس کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی منقبت بیان کیا کرتے تھے۔ عمر کے آخری حصے میں یہ آنکھوں سے نابینا ہو گئے تھے۔ ان کا وصال ۴۰ھ میں ہوا۔ جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوسرے درباری شاعر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی یا ابو عبداللہ تھی۔ یہ انصاری سے بنو خزرج سے تھے۔ سلمی مدنی ہیں اور صحابی ہیں یہ عقبہ ثانیہ میں موجود تھے حضرت کعب رضی اللہ عنہ ثالثہ میں شامل ہونے والے ستر صحابہ میں شامل تھے۔ غزوہ بدر میں یہ شامل تھے یا نہیں اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دیگر تمام غزوات میں یہ حاضر تھے سوائے غزوہ تبوک کے بعض کے نزدیک یہ بدری بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔ غزوہ احد کے دوران ان کو گیارہ زخم آئے تھے اور غزوہ تبوک کے وقت تین آدمیوں نے تخلف کیا تھا۔ یہ ان میں سے ایک ہیں۔ بعد میں انہوں نے توبہ کی اور رحمت الٰہی کے جویاں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحم فرمایا گیا۔ توبہ قبول ہوئی یہ تذکرہ نویں سال ہجرت میں ہو چکا ہوا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شاعر تھے۔ عمدہ شعر کہنے والے اور اطاعت گزار تھے۔ جاہلیت ہی میں شعر گوئی کرنے لگے اور مشہور شاعر تھے۔ اسلام کے بعد یہ کفار کو شعروں کے ذریعے جنگ سے خوفزدہ کرتے تھے جبکہ حسان رضی اللہ عنہ کفار کی ہجو کرتے تھے اور مذمت بیان کرتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے فرزندوں عبداللہ، عبدالرحمٰن اور محمد نیز عبداللہ بن عباس، حضرت جابر عبداللہ، ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات نے روایت کی ہے۔ ستر سال کی عمر میں ۵۳ھ یا ۵۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ :۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم کے تیسرے شاعر تھے۔ یہ انصار سے بنو خزرج سے تھے۔ سابقین اولین سے ہیں۔ انصار کے نقباء سے ہیں۔ یہ عقبہ ثالثہ' غزوہ خندق غزوہ احد اور تمام مشاہدات میں شامل تھے لیکن فتح مکہ اور بعد کے غزوات میں یہ حاضر نہ تھے۔ اس لئے غزوہ موتہ میں شہادت پا چکے تھے۔ کافروں کی بت پرستی اور ان کے کفر پر ان کو تنبیہہ کرتے تھے اور ان کی زجر و توبیخ کیا کرتے تھے۔ مکتوبات نبوی کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ سابقاً گزر چکا ہے۔

آنحضرت کے دوسرے شعراء:۔ وصل:۔ مذکورہ بالا تین صحابی شعرا کے علاوہ بھی صحابہ کرام میں شعرا حضرات تھے۔ جیسے کہ ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب۔ عباس بن مرداس سلمی۔ عدی بن حاتم طائی۔ رضی اللہ عنہم۔ ان تمام کے احوال ان کے اپنے علیحدہ علیحدہ مقام پر مذکور ہو چکے ہیں۔ ایک عمدہ اور اچھے شاعر حمید بن نور الہلالی تھے۔ آنحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک قصیدہ کہا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

۔ اصبح قلبی من سلیمی مقصدا ان اخطاء منہا وان تعبدا

اور اس قصیدہ کا آخری شعر یہ تھا۔

۔ حتی اتنا ربنا محمد نتلوا من اللہ کتابا مرشدا

سیرت نگاروں کے مطابق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کیا ہے اور ان سے آگے زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور اصابہ میں آیا ہے کہ محمد بن سلام جمحی نے ان کو چوتھے طبقہ شعرائے اسلام میں شمار کیا ہے جبکہ مرزبانی کے قول کے مطابق وہ عرب کے فصیح شاعروں میں سے تھے۔ اگر کوئی ہجو کہتا تھا تو یہ اس پر غالب آجاتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایک وفد کے طور پر یہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک یہ حیات تھے۔

ابو الطفیل بن عامر بن واثلہ لیثی کنانی بھی ایک شاعر تھے' بعض کے نزدیک یہ عمر بن واثلہ نامی تھے لیکن اولیٰ و اکثر زیادہ مشہور پہلا نام ہی ہے۔ احد کے دن ان کی ولادت ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہجرت کے بعد آپ کی حیات ظاہری کے زمانہ کے انہوں نے آٹھ سال ہی پائے۔ اس کے بعد یہ کوفہ مقیم ہو گئے اور انہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل رہی۔ یہ حضرت کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو جانے کے بعد یہ مکہ شریف میں آگئے۔ اور اپنے وصال تک یہ وہاں پر ہی رہائش پذیر رہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کا وصال ۱۰۷ھ یا ۱۱۰ میں ہوا تھا۔ اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان کی عمر کتنی تھی بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بدستور کوفہ میں مقیم رہے تھے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے والے یہ ہی آخری آدمی تھے۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ عام طور پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ سوائے میرے کوئی ایسا آدمی تمام روئے زمین پر نہیں ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا ہو عامر بن واثلہ بڑے اچھے شاعر' عالم' فاضل اور حاضر جواب شخص

تھے۔ انہوں نے کہا۔ **وما شاب راسی سنتین مابعث علی ولکنی شینا**

ابو قانع استیعاب میں کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تشیع اور تفضل کیا کرتے تھے اور شیخین کریمین حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم پر ان کو انشاء اور استثناء کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ رحم کا اظہار کیا کرتے تھے۔

سیرت نگار حضرات کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے دوست ابوالحسن رضی اللہ عنہ پر تمہارے متعلق غم اور رنج کا ہونا کس طرح کا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میرا حزن اور ملال اس قسم کا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ام موسیٰ کا غم تھا اور تقصیر کے لئے خدا کے دربار میں شکایت پیش کرتا ہوں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی یااللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ نہیں۔ میں تو حضرت عثمان کے حامی اور مددگاروں میں تھا۔ امیر معاویہ نے پوچھا کہ ان کے ساتھ مدد کرنے والوں میں سے ہونے سے کس چیز نے تم کو باز رکھا۔ ابن عامر نے کہا کہ تم کو کس چیز نے روکا تھا کہ تم ان کی مدد کو پہنچتے جس وقت کہ یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ حالانکہ تم ملک شام کے حکمران تھے اور تمام لوگ تمہارے ماتحت تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ کہنے لگے کیا تم دیکھ نہیں چکے ہو کہ میں نے ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں یہ تو میں نے دیکھا ہے لیکن تمہارا حال اس طرح کا ہے جیسے فلاں قبیلہ کے آدمی نے کہا ہے کہ۔

لام تفتیک بعد الموت تندی وفی حیاتی مازوتنی زادی

حضرت ایمن بن حذیمہ رضی اللہ عنہ:۔ حضرت ایمن بن خذیمہ اسدی رضی اللہ عنہ دیگر ایک شاعر ہوئے ہیں۔ یہ بنی اسد بن خذیمہ سے تھے۔ جس دن مکہ فتح ہوا تھا۔ یہ اسلام لائے تھے۔ یہ مولائے کو الا تھے۔ انہوں نے اپنے باپ اور چچا سے روایت کیا ہے وہ شام کے باشندہ تھے اور بہترین قسم کے شاعر ہوئے ہیں۔ شعبی سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس مروان نے کسی آدمی کو بھیجا۔ کہ تم ہمارے پاس کیوں نہیں آتے ہو اور قتال کیوں نہیں کرتے ہو ہمارے ساتھ۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے باپ اور چچا بدر میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے میرے لئے یہ عہد کیا ہے کہ میں کسی مسلمان آدمی سے قتال نہیں کروں گا اور **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کہنے والوں سے اور اگر تو مجھے جہنم کی آگ سے برات کا پروانہ دے دو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس مروان نے کہا کہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

اور دار قطنی نے کہا ہے کہ ایمن بن خزیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور ابن عبد البر استیعاب کہتے ہیں کہ مجھے ان کی کوئی روایت نہیں ملی ہے۔ لیکن ان کے والد اور چچا سے روایت ملی ہے۔ اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ ترمذی بروایت ایمن بن خزیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اسے غریب حدیث کے حکم میں رکھا ہے اور کہا کہ مجھے یہ علم نہیں ہو سکا کہ حضرت ایمن نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور ابن عبد البر

اس حدیث سے واقف نہ ہوئے۔

اور مرودیہ نے کامل میں کہا ہے کہ یہ صحبت یافتہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں سے ایک شعر نقل کیا ہے۔ گویا کہ اس نے مرثیہ کہا ہوگا۔ اور صوالی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ایمن بن خزیم کو خلیل الخلفا کہا جاتا تھا اس لئے کہ اس کی فصاحت کے باعث خلفا ان کو اچھا جانتے تھے اور ان کو برص کا نشان تھا۔ جسے یہ زعفران کے رنگ سے رنگین کرتے تھے۔ اور عبدالعزیز مروان جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز والی مصر کے والد تھے وہ ان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان کو برص کی وجہ سے کوئی نہ کوئی چیز دیتے رہتے تھے۔

اعشیٰ بن مازن رضی اللہ عنہ:۔ اعشیٰ بن مازن بن عمرو بن تمیم بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور یہ شاعر تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شعر ترتیب دیا جس میں عورتوں کے بارے میں شکایت کی گئی تھی اور اس میں مصرع تھا۔

ع هن شر غالب لمن غلب

آنحضرت نے وہ مصرع یوں دہرایا اور فرمایا۔ وامن شر لمن غلب اور کہا جاتا ہے۔ کہ ان اعشیٰ بن مازن کا نام عبداللہ ہے۔

اسود بن سریع السعدی التمعیمی:۔ اسود بن سریع السعدی التمیمی ابو عبداللہ بصرہ میں آ گئے۔ یہ ایک واعظ اور شاعر محسن تھے یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بصرہ کے مسجد میں وعظ فرمایا۔ ان سے حسن بصری نے روایت کی ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لئے وہ محامد بیان کروں جن کے ساتھ میں نے اپنے پروردگار تعالیٰ کی حمد بیان کی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا تحقیق تیرے پروردگار کی حمد کی جاتی۔ یعنی کہ ان کی یہ بات آنحضرت پر گراں گزری۔ مراد یہ ہے کہ تو کیا کہتا ہے تمام عالم اس ذات عزو جل کی مدح و ستائش کرتا ہے۔ وان من شیئی یسبح بحمدہ یا اس کی تقریر اور تحسین مراد ہے۔ یعنی تم نے خوب کیا ہے۔ تمام عالم اس اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اور اس سے زیادہ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ (کذافی الاستیعاب)

اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حسن بصری نے روایت کیا ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے۔ کہ انہوں نے اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۲ھ میں رحلت فرمائی۔ انہوں نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے۔ تو اسود بمعہ اپنے اہل و عیال کشتی پر سوار ہو کر نکل گئے۔ اور اس کے بعد پھر نہ دیکھے گئے۔

معلوم رہے کہ شعرائے اسلام بہت تھے۔ ان سے وہ بھی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت کا شرف اور آنحضرت سے روایت ثابت ہوئے ہوں یا نہ ثابت ہوئے ہوں اور ہم صرف لبید اور بابغہ دو شاعروں کا حال بیان

کر کے اس تذکرہ کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ :۔ حضرت لبید بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہ ایک شاعر اسلام ہوئے ہیں ان کی کنیت ابو عقیل ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں کنیت ابو عقیل ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں وفد کے ساتھ حاضر ہو کر بنو جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کا رعد بیان کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کا اسلام نیک ہوا۔ یہ فارس کے باشندہ تھے۔ بہادر تھے اور بڑے اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں اسلامی عہد میں بھی شعر کہے۔ جاہلیت کے دور میں۔ یہ بہت زیادہ شعر کہا کرتے تھے لیکن مسلمان ہو کر شعر کہنا چھوڑ دیا۔ ترک شعر سے ظاہرا" مراد ہو گا کہ شعر کہنا کم کر دیا۔ نیز مراد ہو گا کہ عالم شعراء کا مدح اور ذم بیان کرنے کا طریقہ انہوں نے چھوڑ دیا ہو گا۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منبر پر ارشاد فرمایا **اصدق کلمة قالها الشاعر لبید الا کل شیئی ما خلا اللّٰہ باطل** بہت سچی بات ہے جو لبید شاعر نے کہی۔ کہ سوائے اللہ تعالیٰ ہر شے باطل ہے مراد یہ کہ فنا ہو جانے والی ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ اچھا شعر ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد اس نے یہ شعر کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن اہل اخبار کی اکثریت اس پر ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد لبید نے شعر کہنا چھوڑ دیا اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر گوئی نہ کی سوائے اس ایک قصیدہ کے جس میں سے ایک شعر یہ ہے۔

۔ **الحمد للّٰہ اذ لم یاتنی لرجل حق اکتسب من الاسلام سربالا**

بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے اس عقیدہ کے علاوہ بھی کچھ اشعار بیان کئے ہیں اور ان میں سے یہ ایک شعر بھی ہے۔

۔ **ماعات المراۃ الکریم لنفسه والمرء یصلحه والقرین الصالح**

سیرت نگار حضرت نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت لبید کو فرمایا کہ اے ابو عقیل اپنے چند اشعار مجھ کو سناؤ۔ تو انہوں نے جواب عرض کیا کہ اب میں شعر نہیں کہا کرتا خصوصا" جس وقت سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۃ بقرہ اور العمران کی تعلیم عطا فرمائی ہے یعنی قرآن میں سے ان دو سورتوں کی تخصیص ان کی فضیلت و عظمت کے باعث کی ہو گی۔ واللہ اعلم۔ یا ممکن ہے کہ اس وقت یہی دو عظمت والی سورتیں ان کو حفظ ہوں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وظیفہ میں پانچ سو کا اضافہ فرما دیا۔ جبکہ اس سے قبل دو ہزار تھا۔

اور استیعاب میں بیان کیا گیا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے کہا کہ صرف دو ہزار ہی وظیفہ کافی تھا۔ یہ پانچ صد کس واسطے دے دیئے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ پانچ کو کم کر دیا جائے لبید کہنے لگے کہ عنقریب ہی میرا وصال ہو جائے گا۔ لہذا یہ دو ہزار بھی بچ جائیں گے۔ پس تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت لبید رضی اللہ عنہ

نے رحلت فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

بعض نے یوں بھی بیان کیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت لبید رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں چلے گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جب ان کی جانب سے کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے تو لبید کوفہ گئے اور وہاں رہائش اختیار کر لی۔ یہ قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں بیس اونٹ بھیجے وہ اونٹ انہوں نے اپنی طرف سے ذبح کر دیئے۔

اور مبرد وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ایک نذر مانی تھی۔ کہ جس وقت باد صبا چلنا شروع ہو گی میں ذبح کر کے لوگوں کو گوشت کھلاؤں گا پس وہ کوفہ گئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جب باد صباء کو چلتے دیکھا تو لوگوں کو لبید کی مدد کرنے کے لئے کہا اور بعض کا قول یوں ہے کہ لبید رضی اللہ عنہ نے نذر نہیں مانی تھی۔ بلکہ جس وقت باد صباء چلنے لگی تو انہوں نے لوگوں کو ضیافت پر بلایا۔ اس وقت یہ کوفہ میں مقیم تھے۔ ولید بن عقبہ کو معلوم ہوا جو کہ اس وقت حاکم کوفہ تھے تو اس نے خطبہ دیا اور کہا کہ تمہیں یہ پتہ ہے کہ ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے ایک نذر مانی ہوئی ہے اس لئے تم اپنے بھائی کی مدد کرو پس خطبہ کے بعد منبر سے اترے اور لوگوں کو لبید رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ تب لبید نے اپنی نذر کو پورا کیا۔ مبرد کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بتایا ہے کہ لبید کے اپنے پاس سواری والے ہزار جانور جمع ہو چکے تھے۔ ولید نے اس وقت آپ کا ایک قصیدہ بیان کیا۔ اس قصیدہ کا پہلا شعر یہ تھا۔

ارے الجوار فتحل التصير به هبت رياح ابی عقيل
اعزالوجه ابيض عامری طويل الباع کا سيت العقيل

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لبید پر رحم فرمائے کیسی اچھی بات اس نے کہی ہے۔

ذہب الذين يعاش فی اكنافهيم وبقيت من خلف كحملته الاجزب

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ لبید نے اپنے زمانہ میں کہا تھا۔ کیا ہوتا اگر وہ ہمارا یہ زمانہ دیکھتے اور عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ کس طرح ہوتا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارا زمانہ پاتیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ میرے سامنے لبید کے کہے ہوئے بارہ ہزار اشعار بیان ہوئے ہیں اور استیعاب کے مولف نے بیان کیا ہے کہ ولید بن ربیعہ عامری اور علقمہ بن علاثہ عامریہ دونوں حضرات مولفتہ القلوب میں شامل ہیں اور علقمہ بھی بڑے عمدہ شعراء میں سے ہیں۔

منقول ہے کہ لبید کے جس وقت یہ شعر کہا۔

الا كل شيئی ما خلا الله باطل وكل نعيم لا محالة زائل

تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ نعیم وہ جنت ہے جو کبھی زائل نہیں ہو گی۔ بس لبید کو غصہ آگیا اور انہوں نے یہ شعر مزید کہا۔

۔ سواری جنت الفردوس این تمنها سیفی وان الموت لابد نازل

حضرت لبیدؓ رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے کچھ حضرات نے ایک صد چالیس برس بیان کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک سو ستاون برس تھی اور بعض نے ایک سو ساٹھ برس بھی کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ :۔ ان کے نام کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ بعض نے قیس بن عبداللہ بتایا ہے بعض نے صاحبان بن قیس بن عبداللہ بن عمرو بن عرس بن ربیعہ بن جعدہ کہا ہے۔ لیکن ان کی عام شہرت نابغہ کے نام سے ہے اس لئے کہ وہ جہالت کے زمانہ میں شعر کہتے تھے۔ بعد ازاں عرصہ تیس برس بالکل کوئی شعر نہ کہا۔ ازاں بعد دوبارہ شعر کہنا شروع کر دیا اور ان کا نام نابغہ پکارنے لگے۔

نابغہ کا لفظ نبغ سے بنا ہے۔ نبوغ کے معنی ہیں ظاہر ہونا حالانکہ اصل میں عمدہ شعر کہنے والا نہ ہو اور ایک جماعت شعراء کی ہے جو نوابغ شعراء ہیں۔ مثال کے طور پر نابغہ جعدی اور دوسرے نابغہ ذبیانی جن کی نسبت ذبیان بن تغیض سے ہے۔

نابغہ جعدی حقیقت میں شاعر ہی تھا۔ لیکن اس نے بڑی مدت تک شعر کہنا بند رکھا۔ گویا کہ وہ شاعر نہ رہا اس کے بعد پھر شعر کہنا شروع کر دیا تو یہ ظاہر ہو گئے اور نابغہ بطور مبالغہ ہے۔ قاموس (لغت کی کتاب) میں آیا ہے۔ نبغ فلان قال الشعراء وجار لم یکن شاعر نابغہ شاعر محسن ہے اور جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں طویل عمر والے ہیں۔ نابغہ ذبیانی سے زیادہ اس نابغہ کی عمر تھی۔ کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ایک سو اسی برس تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ دو سو برس عمر تھی۔ کچھ حضرات دو صد بیس سال بتاتے ہیں اور اصمعی نے کہا ہے کہ ان کی عمر دو سو تیس برس ہوئی۔ لیکن قول اول اصح ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ حیات رہے جاہلیت کے زمانہ میں ابراہیمی دین کے بارے میں یہ ذکر کیا کرتے تھے۔ اور نماز روزہ اور استغفار بھی پڑھتے تھے۔ انہوں نے جو شعر کہے ہیں ان سے توحید الٰہیہ، بعثت نبوی کے اقرار اور آخرت میں جزائے اعمال اور جنت و دوزخ پر دلالت ہوتی ہے۔ جیسے کہ امیہ ابی الصلت کے شعروں میں ہے۔ اس کے بعد اور بھی شعر ہیں اور لوگوں کی اکثریت کے نزدیک وہ بھی اس کے ہی ہیں۔ لیکن بعض کہتے ہیں۔ کہ نہیں بلکہ یہ شعر امیہ بن ابی الصلت کے ہیں۔۔

۔ الحمد للّٰه لا شریک له ومن لم یقلها فنفسه ظالما

من لم یقلها یصلیی الجحاء ویشفع حرہا وجهه وان زعما

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یونس بن حبیب 'حملو الروایتہ' محمد بن سلام اور علی بن سلیمان الاخفش نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اشعار نابغہ کے ہیں اور ان سے ہی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پیش ہوا اور ایک قصیدہ پیش کیا اس میں کہا ہے۔

۔ اتیت رسول اللّٰه اذ ا جاء بالهد ی ویتلو کتابا کالمخبر سوا۔

ان میں کچھ اشعار وہ بھی ہیں جن میں مفاخرت پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ میں نے یہ شعر پڑھا۔

- بغاء السماء يجد ناوعد ونا	انا لمرجفون ذ الک مظہرا

پہلے مصرعہ میں دیگر ایک روایت میں آیا ہے۔ علونا طریقہا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ این المظھرہ یا ابی لیلیٰ اے ابو لیلیٰ وہ کہاں تک وہ مظہر ہے۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے ابی ابن لا ام لک اس نے کہا الی الجنة تو آنحضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ ٹھیک ہے۔ پھر یہ پڑھا۔

- ولا خیر فی حلہ اذ ا لم یکن لہ	بوادر یحمی صفوۃ ان یکدرہ

ولا خیر فی جہل اذ ا لم یکن لہ	حلیم اذ ا ما اور ںالا مرا مدرا

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے درست کہا ہے اور عمدہ کہا ہے اور فرمایا یفیض اللّٰہ فاک ازاں بعد ایک سو بیس سال گذرنے کے بعد پھر ان کو میں نے دیکھا۔ اس وقت بھی ان کے سب دانت اچھی حالت میں تھے اور تمام لوگوں کے دانتوں سے زیادہ مضبوط تھے کوئی دانت اگر اکھڑتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا دانت اگ آتا تھا اور ژالہ کی طرح سب دانت چمکدار سفید تھے اور تاباں تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت نے ان کے منہ کے لئے دعا فرمائی تھی۔ حتیٰ کہ نابغہ نے اپنا مکمل قصیدہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا یہ ایک لمبا قصیدہ ہے۔ اس میں تقریباً دو سو اشعار ہیں اور ان تمام اشعار میں آنحضرت کی نعت اور ہے۔

یہ نابغہ جعدی خلفائے راشدین کے پاس بھی آتے جاتے رہتے تھے اور مسجد حرام میں داخل ہوئے تو بہت سے اشعار انہوں نے کہے۔ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے نابغہ، تمہارے یہ اشعار تمہارے لئے وسیلہ اور تمہارے مددگار ہیں ہمارے نزدیک اور اللہ تعالیٰ کے پاس یہ تمہارے لئے جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور تم کو اس کا اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ کے مال میں تمہارے دو حق ہیں۔ ایک حق رویت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور دوسرا تمہارا حق ہے اہل اسلام میں ہونے کی وجہ سے۔ اس کے بعد ان کو استر خانہ میں لے گئے اور ایک جوان ناقہ عطا کی۔ متعدد عمدہ گھوڑے اور گندم اور کھجوریں اور کپڑوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ نابغہ جلدی سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے ابو لیلیٰ مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم کو فاقہ کی مشقت اٹھانی پڑی پھر نابغہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی ہے۔ وہ حدیث قریش کے مناقب پر مشتمل ہے اور اس میں ہے کہ یہ جنت میں انبیاء سے ایک درجہ کم پر ہوں گے۔

نابغہ کا یہ قصیدہ سلسلہ شعراء میں بیان کیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ کی کتاب جمع الجوامع کی تبویب پر شیخ اجل امام علی متقی رحمتہ اللہ نے جامع کبیر کتاب لکھی ہے اس میں یہ قصیدہ نابغہ بیان ہے۔ طرماح شاعر سے لے کر فرزوق شاعر تک وہاں بیان کیا گیا ہے۔ کہا کہ میں نے نابغہ بن جعدہ رضی اللہ عنہ شاعر سے لے کر فرزوق شاعر تک وہاں بیان کیا گیا ہے۔ کہا کہ میں نے نابغہ بن جعدہ رضی اللہ عنہ شاعر سے ملاقات کی ہے۔ میں نے انہیں پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہے۔ میں نے انہیں پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ یہ قصیدہ میں نے آنحضرت کے سامنے پڑھا اس کے بعد آنحضرت کے رخ انور کی طرف میں

نے نظر کی۔ تو جلال کے آثار نمایاں تھے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ الیٰ ایین یا ابالیلیٰ میں نے جواب عرض کیا۔ الیٰ الجنة یا رسول اللہ! تو آنحضرت نے فرمایا۔ الیٰ الجنة انشاء اللّٰه آنحضرت کے رخ منور پر جو جلال کے آثار تھے وہ مفاخرت کی وجہ پر تھے۔ جو کہ اس قصیدہ میں موجود ہے۔

تاریخ اصفہان میں ابو نعیم لکھتے ہیں کہ نابغہ بن عبداللہ ایک شاعر تھا اور اصفہان سے اس کا تعلق تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے وہ اصفہان کا والی مقرر تھا۔ اس کے بارے میں بہت حکایات واخبار آئی ہیں۔

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب حضرات

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خطباء کا ذکر بھی شعراء اور موذنین و کتاب کی طرح جمع کے صیغہ میں آیا ہے۔ لیکن سیر کی کتب میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ایک شخص ہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور خطباء سے وہ خطیب حضرات مراد نہیں ہیں جو جمعہ اور عیدین کے مواقع پر خطبے دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ کام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم بذات خود ہی سرانجام دیتے تھے اور یہ جو خطبا کا ذکر ہے یہ خطیب کسی قوم کے ہوتے تھے۔ اگر کوئی قوم اپنی مفاخرت اور مکابرت اور اپنے تعصب کا اظہار کرنے کے لئے کھڑی ہو تو اس کی طرف سے یہ ان کا خطیب ان کے ساتھ کھڑا ہو کر معاوضہ اور مصادقہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ غالب آجائے۔ جیسے بنو تمیم کے جہال آئے تھے۔ وہ اپنے خطیبوں اور شاعروں کو اپنے ساتھ لائے اور مفاخرت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کے شاعروں سے معاوضہ کریں۔ تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے بدایت وارتجال کے طریق پر قصیدہ غرا پڑھا اور آپ غالب آ گئے اس طرح آنحضرت نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ان کے خطیبوں کا جواب پیش کریں۔ پس حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ فی البدیہہ طور پر پڑھا۔ وہ خطبہ مقابل قوم کے فہموں سے بھی ورا تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ چپ ہو گئے یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے تائید و نصرت اور تقویت کی بنا پر تھا۔ بنو تمیم کا بزرگ ترین آدمی اقرع بن حابس تھا۔ اس نے کہا خدا کی قسم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عالم غیب سے تائید اور مدد حاصل ہے اور ہم یہ تسلیم کرتے ہوئے جھجکتے نہیں ہیں۔ کہ آنحضرت کے شاعر ہمارے شاعروں سے افضل ہیں اور آپ کے خطیب ہمارے خطیبوں کے مقابلہ میں برتر ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حق و انصاف کی راہ اختیار کی اور آنحضرت کے اطاعت گزار بن گئے۔ ان کا پر مفصل قصہ ۹ھ کے واقعات کے شروع میں مذکر ہو چکا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:۔ یہ ہیں حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابو محمد اور ابو عبدالرحمٰن ہے۔ یہ انصار کے خطیب تھے اور ان کو خطیب رسول اللہ بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے غزوہ احد

اور بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ مولف اصابہ نے فرمایا ہے کہ سیرت نگاروں نے ان کو بدر کے اصحاب مغازی میں شمار کیا ہے اور ان کا پہلا غزوہ احد ہے پھر بعد کے تمام غزوات میں یہ حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو اس مشہور قصہ کے دوران جنت کی خوشخبری بھی دی تھی۔

یہ قصہ وہی ہے جبکہ اس آیت کا نزول ہوا تھا۔ **یایها الذین امنو لا ترفعو اصواتکم** اس وقت یہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے تھے۔ اور مجلس نبوی میں حاضری چھوڑ دی۔ اس لئے کہ یہ جہیر الصوت تھے۔ پھر آنحضور نے ان کو اپنے پاس طلب فرمایا اور ان کو جنت کی خوشخبری دی تھی۔ آنحضرت کے کاتبوں کے بیان میں یہ سابقاً" مذکور ہو چکا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ **نعم الرجل ثابت بن قیس** پھر آپ نے خصوصاً" ان کے لئے فرمایا۔ **یعیش حمیدا ویقتل شهیدا** ان کی زندگی پسندیدہ ہے اور ان کو شہادت کی موت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لائے تو آپ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس سے اس چیز کو باز رکھتا ہوں۔ جس کو میں اپنی ذات اور اپنی اولاد سے منع رکھتا ہوں۔ لہٰذا میرے لئے اس کی جزاء کیا ہو گی آنحضرت نے ارشاد فرمایا تمہار جزاء جنت ہو گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ جنگ یمامہ زور پر آئی تو لوگ متفرق و منتشر ہوئے تو میں نے ثابت بن قیس سے کہا کہ اے میرے چچا! لوگ بڑی دشواری میں مبتلا ہیں۔ ازاں بعد میں نے دیکھا اور وہ اپنی رانوں سے اپنا تہبند اٹھاتے تھے اور ہاتھ پاؤں مارتے جاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی معیت میں ہم اس طرح جنگ نہیں کیا کرتے تھے اور حسب عادت ہمارے جنگ کا انداز یہی ہوتا تھا جس میں اپنے آپ کو بچانے کا قصد کیا جاتا ہے۔ لیکن اے میرے خدا! میں اس سے بیزار ہوں جیسے کہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں پس گھمسان کی جنگ کرنے لگے اور شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

دیگر ایک روایت میں ہے کہ جنگ یمامہ کا روز آیا تو ثابت بن قیس خالد بن قیس خالد بن ولید کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف آگے بڑھے۔ دونوں فوجیں ایک دوسری سے ٹکرائیں معرکہ جنگ گرم اور وسیع ہو گیا۔ لوگ متفرق ہو گئے۔ ثابت رضی اللہ عنہ اور سالم رضی اللہ عنہ مولائے ابو حذیفہ کہنے لگے کہ یہ کیا ہے جو لوگ کر رہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ یوں جنگ نہ کرتے تھے ازاں بعد انہوں نے ایک گڑھا کھودا۔ اس گڑھے میں اپنے پاؤں مضبوط رکھے اور جنگ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ شہادت پائی۔

اس مقام پر بڑی عجیب و غریب حکایت طبری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جنگ یمامہ کے روز حضرت ثابت بن قیس ایک خوبصورت زرہ پہنے ہوئے تھے۔ یہ شہید ہوئے تو قریب سے گزرنے والے ایک مسلمان نے وہ زرہ اتار لی۔ پس ثابت بن قیس اپنی فوج کے ایک شخص کے پاس خواب میں آکر کہنے لگے۔ کہ یہ خواب نیک ہے۔ تم کو میں

ایک وصیت کرتا ہوں۔ میں جب شہید ہوا تو فلاں آدمی نے میری زرہ اتار لی۔ فلاں گوشہ میں فلاں مقام پر اس کا گھر واقع ہے وہ اس قسم کا گھوڑا رکھتا ہے اتنی بڑی رسی کے برابر بھی پھاند سکتا ہے۔ جس سے کہ گھوڑا باندھا جائے۔ وہ اپنے گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جہاں چاہے چرتا پھرے۔ اس نے میری زرہ پر ایک دیگ رکھی ہوئی ہے۔ اس کے اوپر ایک اور دیگ ہے اور اس آدمی کی یہ علامت ہے اور زرہ اس طرح کی ہے تم خالد کے پاس جاکر کہنا کہ وہ زرہ اس شخص سے حاصل کریں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا وہ اس زرہ کو فروخت کردیں اور اس کی قیمت سے میرا وہ قرضہ اتار دیں جو مجھ پر واجب الادا ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ وہ قیمت غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردیں اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد کردیں۔

وہ شخص خواب سے بیدار ہو کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ پس حضرت خالد نے کسی کو بھیجا کہ وہ جاکر زرہ لائے۔ وہ زرہ لے آیا۔ پھر یہ خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا۔ تو انہوں نے خواب میں کی گئی وصیت کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا اور ہمیں معلوم نہیں ہے کہ کسی شخص نے موت کے بعد بھی اپنی وصیت نافذ کی ہو سوائے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

آنحضرت کے حداۃ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حدی پڑھنے والے صحابہ کرام بھی کئی ہیں۔ ے ھ کے واقعات کے بیان میں حدی خوان مذکور ہو چکے ہیں۔

غزوہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر فرما رہے تھے۔ دوران سفر ایک شب کے وقت حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کچھ رجزیہ اشعار حدی کے طور پر پڑھتے جا رہے تھے۔ یہ اشعار ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے کہے ہوئے تھے۔ وہ کچھ یوں شروع ہوتے تھے **اللھم مولا انت** آخر تک یہ اشعار سنتے سنتے سب صحابہ کرام پر وجد کا عالم جاری تھا۔ جھومتے جاتے تھے اور اونٹ بڑی تیز رفتاری سے چلنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے جو حدی پڑھ رہا ہے عرض کیا گیا کہ یہ ابن الاکوع ہیں۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ رحمتہ اللہ۔ دیگر ایک روایت میں مذکور ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا **عفر لک ربک** عامر بن الاکوع جس وقت خاموش ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ سے فرمایا کیا تم ہمارے واسطے حدی کہو گے؟ پس انہوں نے حدی کہنا شروع کردیا۔ ان کو بھی آنحضرت نے جنت کی خوشخبری دی۔

حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ آنحضور کے ایک صحابی ہیں۔ وہ غلام تھے اور حبشی النسل تھے۔ قبل ازیں موالی نبوت کے بیان میں وہ مذکور ہو چکے ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہراء بن مالک رضی اللہ عنہ ان کے بھائی آدمیوں کے واسطے حدی پڑھا کرتے تھے۔ جبکہ حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ مستورات کے واسطے حدی پڑھا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے اے انجشہ اونٹوں کو آہستہ چلاؤ اس لئے کہ آبگینے ٹوٹ نہ جائیں آبگینوں شیشے سے مراد عورتیں تھیں۔ عورتیں کمزور صنف ہے اور اونٹ تیز رفتار ہونے سے عورتوں کو تکلیف محسوس ہوتی ہے

اور بعض کے نزدیک اس سے رفع خاطر مقصود تھا۔ جو کہ غنا کے سننے سے میسر ہوتا ہے جیسے کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

xx

باب یازدھم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اسلحہ جات اور سامان حرب

تلوار:۔ تذکروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دس عدد تلواروں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ آیا یہ تمام کی تمام دس تلواریں آنحضرت کے پاس ایک ہی وقت پر اکٹھی موجود تھیں۔ یا کہ مختلف اوقات پر آپ کے پاس مختلف اعداد میں موجود ہیں جو کہ آنحضرت کی حیات ظاہری میں دس کے عدد تک شمار میں آئیں۔

ذوالفقار:۔ آنحضرت کی ایک تلوار کا نام ذوالفقار تھا۔ سیرت نگار حضرات نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت کو غزوہ بدر کے دن یہ تلوار حاصل ہوئی تھی اور جملہ غزوات میں یہ مستعمل رہی اور بعد میں آنحضرت نے اپنی یہ تلوار امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ اس میں دوسرا مفہوم پایا جاتا ہے۔ آنحضرت کے دوسرے ہتھیاروں اور گھوڑوں یا دیگر جانوروں کا حال بھی اس کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

ماثور:۔ آنحضرت کی دیگر ایک تلوار کو ماثور کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ قاموس میں اس کی وضاحت یوں بیان ہوئی ہے۔ **الا ثروایذ سیف ویکسر کالا یثرو سیف ماثور فی حسنه** اور صراح میں یوں مندرج ہے **اوثار بفتح گوهر شمشیر والاثور السیف الذی یقال انه من عمل الجن وقال الاصمعی ولیس من الاثر الذی هوا الفرید (کذافی الصراح)**

مولف مواہب الدینہ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیت میں پہلی آنیوالی تلوار یہی ہے۔ سیر نگار جو لکھتے ہیں کہ تلوار کے ساتھ آنحضرت نے ہجرت فرمائی۔ وہ تلوار بھی یہی ہے۔

عضب:۔ یہ غضب نامی آنحضور کی خدمت اقدس میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہدیہ کے طور پر پیش کی۔ اس وقت آنحضرت میدان بدر کی جانب سفر میں تھے۔ قاموس میں مذکور ہے کہ **العب القطع والضرب والطعن والسیف** اور صراح میں آیا ہے۔ "غضب بریدن و شمشیر براں"

مخذوم:۔ مخزم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی چوتھی تلوار ہے۔ اس ضمن میں قاموس میں مرقوم ہے **خذمہ قطعہ وسیف خذم کلکتف وکصور** و معظم قاطع اور صراح میں ہے۔ خذم بریدن و تخذیم پارہ پارہ کردن مخذم بالکسر تیغ براں

ذوالفقار:۔ یہ آنحضرت کی آٹھویں تلوار تھی۔ پہلے یہ تلوار منبہ بن الحجاج سہمی کے پاس ہوتی تھی۔ بدر میں اس کا بیٹا عاص بن منبہ یہ تلوار لے کر آیا تھا۔ اس کے درمیان میں فقار ظہر تھے یعنی پشت کی مہریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس تلوار کو اپنے سے جدا نہ کیا کرتے تھے اور ہر جنگ کے دوران یہ تلوار آپ کے پاس ہوتی تھی اور قبیعہ' قلع' ذابہ' نعل' مکراب اور اس کا سب سامان چاندی کا بنا ہوا تھا۔ عاص بن منبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ تو یہ تلوار حضرت علی نے آنحضرت کے حضور پیش کی۔ آنحضرت نے اپنے واسطے اس تلوار کو پسند فرمالیا اور جب غزوہ احزاب واقع ہوا تو یہی تلوار آنحضرت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ اسی تلوار اور صاحب تلوار کی شان میں کہا گیا ہے۔ **لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار** جس طرح روضۃ الاحباب میں بیان ہوا ہے کہ یہ مواہب میں مذکور تلوار نہیں۔ یہ تلوار وہ ہے جو ان کو ان کے والد ماجد سے دستیاب ہوئی تھی میراث میں اور کہا ہے کہ اس فقیر کے خیال میں وہ تلوار قضب ہے۔ کچھ ارباب سیر نے کہا ہے کہ قضب اور ذوالفقار دونوں نام ایک ہی تلوار کے نام ہیں۔

آنحضرت کی زرہ مبارک:۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک زرہ شریف کو سعدیہ اور معدیہ کہتے ہیں اور دوسری زرہ شریف فضہ نام کی ہے۔ بنو قینقاع کے یہود کے ہتھیاروں سے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں۔

مواہب الدینہ نے لکھا ہے سعدیہ نام کی زرہ وہ تھی جو داؤد علیہ السلام کے پاس ہوتی تھی۔ جب انہوں نے بادشاہ جالوت کو مارا تھا اس وقت آپ یہی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ علاوہ آنحضرت صلے کی ایک اور بھی زرہ تھی اسے ذات الفضول کہتے تھے۔ اس کی لمبائی اور کشادگی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف فرما ہوئے تھے اس وقت یہ زرہ ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی۔ اس میں چاندی سے بنائے ہوئے کڑے (Rings) بھی چار عدد تھے۔ دو کڑے کندھوں کی جانب لگے ہوتے تھے اور سینہ کی طرف دو کڑے تھے۔ یہی زرہ شریف تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی ابو شحم کے پاس گروی رکھی گئی تھی۔ نبی کریم صلی الہ علیہ والہ وسلم نے غزوہ احد میں یہ پہلے زرہ پہنی تھی اور اس کے اوپر فضہ پہنی ہوئی تھی اور حنین اور خیبر کے روز آنحضرت نے سعدیہ اور ذات الفضول نامی زرہیں زیب تن فرمائی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک زرہ شریف کا نام "ذات الحواشی وترا" تھا۔ چونکہ وہ زرہ منفرد قسم کی تھی اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کی ایک زرہ شریف کا نام حریف تھا۔ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس کا یہ نام رکھنے کی کیا وجہ تھی۔ نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ جس کا نام ذات الفضول تھا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آنحضرت کے وصال کے بعد بھی یمن و برکت کی خاطر اپنے پاس رکھی تھی اور یہی زرہ شریف آپ جنگوں میں پہنا کرتے تھے اور جیسے کہ سیرت نگار حضرات لکھتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دوران بھی یہی زرہ پہنی تھی۔

کچھ ارباب سیر تحریر کرتے ہیں جو زرہ داؤد علیہ وسلم نے بوقت قتل جالوت پہنی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس موجود تھی اس کا نام روحا" تھا۔ (کمافی روضتہ الاحباب) اور مواہب الدینہ میں زرہ سعدیہ کو داؤدی زرہ لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مغفر شریف:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دو مغفر شریف تھے۔ ایک مغفر کا نام موشح تھا اور دوسرے کا نام ذوالبوع تھا۔ منبر کے وزن پر مغفر اور کتابت کے وزن پر مغفرت اور کتابت اس چیز کو کہتے ہیں جو بنی ہوئی ہوتی ہے اور ٹوپی کے نیچے اس کو پہنتے ہیں اور یا اس چادر کو کہا جاتا ہے۔ جس سے مسلح آدمی اپنے آپ کو ڈھانپ لیتا ہے ارباب سیر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بیضہ نام کا ایک خود شریف بھی ہوتا تھا۔ آنحضرت اس خود کو احد کے دن پہنے ہوئے تھے اس خود کی ایک کڑی آنحضور کے چہرہ انور میں چبھ گئی تھی۔ اسی سے رخ مبارک اور آپ کا سر انور مجروح ہوئے اور خون آلودہ ہو گئے تھے۔ سیرت نگار حضرات مغفر اور بیضہ میں تفریق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مغفر کی صورت مانند طاقیہ ہوتی ہے اور یہ زیادہ مرتبہ ناک پر ڈھلک کر آجاتی ہے۔ جبکہ بیضہ لمبائی میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ اوپر کو ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ جیسے کہ مرغی کے نصف انڈے کی صورت ہوتی ہے۔ بیضہ من کی سنگلیاں سی ہوتی ہیں۔ ان سے گردن اور چہرہ اور کندھوں کا کچھ حصہ مخفی رہتے ہیں۔

ڈھال شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تین ڈھالیں تھیں۔ ایک ڈھال کا نام ازلق تھا۔ یہ لفظ زلق سے بنایا گیا ہے اس کا معنی حرکت کرنا ہوتا ہے۔ دوسری ڈھال کا نام فتق تھا۔ اس کا معنی ہے شگافتین یا کشادن یعنی شگاف ڈالنا یا کھولنا۔ تیسری ڈھال کا نام تھا وفر۔ اس سے نام رکھنا یا زیادہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

روایت میں وراد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ان تین کے علاوہ بھی ایک ڈھال شریف ہوتی تھی جس میں کبش یا عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آنحضرت کی خدمت میں یہ بطور تحفہ آئی تھی۔ آنحضرت نے اس تصویر کو دیکھا تو اس سے کراہت فرماتے آپ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وہ تصویر وہاں سے مٹا دی۔ روضتہ الاحباب کے مولف نے لکھا ہے کہ یہ علم نہیں ہے کہ یہ ان ہی پہلی تین ڈھالوں میں سے ایک ڈھال تھی جو مذکور ہوئی ہیں یا کہ ان کے علاوہ تھی۔ بہر حال ہر دو صورت کا احتمال ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت کا نیزہ شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چار عدد نیزے تھے۔ بنو قینقاع یہوذی قبیلہ کے اسلحہ سے آپ نے تین نیزوں کو اپنے لئے پسند فرمالیا تھا اور چوتھے نیزے کا نام مثوی تھا۔ یہ ثوی سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کا معنی اقامت ہے اس کو ثنی بھی کہا جاتا تھا۔ یہ ثنی سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں دوہرا ہونا اور بعض کے نزدیک ان دونوں ناموں کے دو علیحدہ علیحدہ نیزے تھے اور دوسرے دو نیزوں کے کوئی نام نہیں تھے۔

آنحضرت کا حربہ شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حربہ جات متعدد تھے۔ ایک کا نام نبغہ تھا۔

دوسرے کا نام بیضہ تھا۔ تیسرے کو عنزہ کہا جاتا تھا اور صراح (لغت کی کتاب) میں آیا ہے کہ حربہ چوب دستی کو کہا جاتا ہے۔ بعض اس سے مراد چھوٹا تیر لیتے ہیں۔ حربہ کی جمع حراب ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ **والحبشة کافوا یلعبون بالحراب** آنحضرت کے ایک حربہ کو نبعہ کہا جاتا تھا۔ نبع وہ درخت ہوتا ہے جس کی لکڑی سے کمان بناتے ہیں اور اس کی شاخوں سے تیر بناتے ہیں۔ اس کی لکڑی نبع کہلاتی ہے اور اس کے حصہ کو نبعہ کہتے ہیں۔

دوسرے حربہ کو بیضہ کہا جاتا تھا۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفید رنگ کی لکڑی سے یہ بنایا گیا تھا۔ تیسرے حربہ کا نام عنزۃ القرتھا۔ یہ تیر کی مانند ہوتا ہے۔ آنحضرت کے خادم یہ حربہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے تاکہ اس سے سترہ بنایا جائے یا اس سے استنجا کی خاطر مٹی کے ڈھیلے کھود سکیں۔ روز عیدان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے گاڑ دیا جاتا تھا۔

کمان مبارک:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چھ کمانیں رکھتے تھے۔ یہ کمانیں بھی قینقاع کے اسلحہ میں سے حاصل ہوئی تھیں ایک نبع کے درخت سے بنائی گئی تھی۔ اس کو صفرا اور کتوم کہا جاتا یہ غزوہ احد میں ٹوٹ گئی تھی تو ابو قتادہ نے اس کو پکڑ لیا تھا۔ اور ایک کمان کو متصلہ کہتے تھے۔ اس کی کمر میں تین حلقے تھے جو چاندی کے بنے ہوئے تھے۔

آنحضرت کا خیمہ شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خیمہ مبارک بھی تھا۔ اس کا نام کن پکارا جاتا تھا۔ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کن ایک قوم کا نام ہے اصل میں کن اور کیان سے پوشش کے معانی مراد ہیں اس کی جمع اکنان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے مخلوق پر احسان فرماتے ہوئے فرمایا ہے۔ **وجعل لکم من الجبال اکنة** اور اکنتہ بھی کن کی جمع ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وجعلنا علی قلوبھم اکنة** اور کنانہ سے تیر رواں معنی ہیں اور آتشدان کا نون کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ جات دبیز ہوا کرتے تھے اور کے بنے ہوئے بھی ہوتے تھے۔

ایک حدیث پاک میں مذکور ہے کہ جس خیمہ پاک میں آنحضرت ہوا کرتے تھے وہ چھوٹا سا خیمہ تھا صحابی آئے تو آنحضرت نے انہیں خیمہ کے اندر بلایا۔ تو وہ صحابی مزاح اور مطائبہ کے طور پر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ کیا میں اپنے مکمل جسم سمیت اندر داخل ہو جاؤں۔ اس سے مراد یہ تھی کہ اتنا تنگ خیمہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہی بہت تھوڑا تھا اس میں مزید کیسے کوئی آسکتا ہے۔ جواب میں آنحضرت نے بھی خوش طبعی کی حالت میں فرمایا کہ ہاں پورے جسم سمیت اندر آجاؤ۔

علم مبارک:۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد علم اور جھنڈے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک علم مبارک سیاہ رنگ کا تھا اس کا نام عقاب تھا۔ دیگر آپ کا علم سفید رنگ میں تھا۔ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کی پاک چادروں سے بھی علم تیار فرما لیتے تھے۔

جانور:۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جانور یعنی آپ کے گھوڑے، خچر، اونٹ، دراز گوش اور بکریاں

بڑی کثرت سے تھے۔ لیکن اس کا ثبوت میسر نہیں ہوا کہ آیا آپ کوئی گائے یا بھینس وغیرہ بھی رکھا کرتے تھے یا کہ نہیں۔
آنجناب کے گھوڑوں کی تعداد دس بتائی گئی ہے۔ ان کے نام بھی مندرج ہیں۔ پہلا گھوڑا بنام سکب و سکیب تھا۔ اس کے حقیقی معانی ہیں پانی بہانہ سکب الماء سکباسیہ فالنصب ماء ساکب و مسکوب بولا جاتا ہے۔ ساکب لفظی نسبت ہے جیسے کہ تامل اور لابن۔ "ماء سکب" بھی کہا جاتا ہے۔ ہر لحاظ سے وصف مصدر برائے مبالغہ ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گھوڑے کا سکب نام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آنجناب کا گھوڑا پانی کے بہاؤ کی طرح رفتار میں رواں دواں تھا سکب وہ گھوڑا ہوتا ہے جو اپنی رفتار کے لحاظ سے بڑا عمدہ اور تیز اور سریع السیر ہوتا ہے۔ اور وہ پانی کی طرح رواں دواں بھی ہو۔ قاموس میں لکھا ہے کہ سکب وہ گھوڑا کہلاتا ہے جو تیز رفتار والا اور ثابت قدم ہو۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے مبارک کا نام تھا۔

یہی وہ اول گھوڑا ہے جو آنحضرت کی ملکیت میں سب سے پہلے آیا تھا۔ آنحضرت نے دس اوقیہ کے عوض اس کو خرید فرمایا تھا۔ آپ اس گھوڑے پر جلوہ فرمایا کرتے تھے۔ اس کے سابقہ مالک کے پاس اس کا نام ضرمین ہوتا تھا آنحضرت کے پاس جب آیا تو آپ نے نام تبدیل کر کے اس کی بجائے سکب نام رکھ دیا۔ آپ اس پر مقابلہ میں دوڑ لگواتے تھے تو یہ گھوڑا سب سے آگے نکل جاتا تھا۔ آنحضرت کو بڑا پسند تھا۔ اور آپ اس سے بہت خوش و مسرور تھے آنحضرت کا یہ گھوڑا کیت اغر محجل طلق ایمنی تھا۔ جو گھوڑا سیاہی اور سرخی کے درمیانی رنگ کا حامل ہوتا ہے اور اس کو کیت کہا جاتا ہے۔ اور اغراس اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جس کے ماتھے پر ایک درہم سے زیادہ بڑا سفیدی کا داغ ہوتا ہے اس سفیدی کو غرہ کہتے ہیں فرس اغر اور رجل اغر بھی بولا جاتا ہے یعنی کہ شریف (کذافی الصراح)۔ اور لغت کی کتاب قاموس میں آیا ہے۔ کہ مطلق سفیدی کو کہا جاتا ہے۔

اور محجل وہ گوڑا ہوتا ہے جس کے دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ سفید ہوتے ہیں اور ایک ہاتھ سفید نہ ہو۔ صراح میں ہے کہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھ سفید نہ ہوں۔ ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ سکیب نام کا گھوڑا ادہم تھا۔ مطلب یہ کہ اس کا رنگ کالا تھا۔ جیسے کہ بولتے ہیں۔ "فرس ادہم"۔ جیر ادہم اور ناقہ رہمائی اور حدیث پاک میں وارد ہوا ہے۔ خیر الخیل ادھم برکت والا گھوڑا سیاہ ہی ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی روایت کیا گیا ہے علیکم بکل کیت اغرو محجل لوا شغراغر محجل۔ اشقر اور کیت میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ کیت گھوڑے کی بال اور دم سیاہ رنگ کی ہوتی ہے جبکہ اشقر میں سرخ رنگ کی۔ صراح میں مذکور ہے کہ شقرہ سے سرخی و سفیدی ہوتی ہے اور اس کی لغت اشقر ہے اور وہ گھوڑا اشقر کہلاتا ہے جو سرخ ایال اور دم والا ہوتا ہے۔ (ایال سے مراد گردن کے بال ہوتے ہیں) اور جبکہ باقی تمام جسم سرخ ہو تو وہ کیت کہلاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دوسرا گھوڑا مرتجز تھا۔ یہ رجز سے اخذ شدہ ہے۔ رجز ایک قسم کا وزن شعری ہے اور تین مرتبہ اس کا وزن مستفعلن ہے۔ فن شعر استاد اور موجد خلیل ہے وہ اسے شعر تسلیم نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اس کو آدھا بیت یا ثلث بیت مانتا ہے اور اس قسم کے جو اشعار کچھ احادیث میں بھی وارد ہوئے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔ یہ گھوڑا اس نام

سے اس لئے موسوم کیا گیا تھا کہ اس کی ہنہناہٹ خوب تھی۔ یہ گھوڑا ایک اعرابی سے خریدا تھا اس کا نام سواد بن الحارث بن ظالم تھا۔ یہ بنو تمیم یا بنو مرہ سے تھا۔ گھوڑا بیچ دینے کے بعد وہ پھر منکر ہو گیا تھا تو حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری نے شہادت دی تھی۔ اور ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر کہا گیا۔ جس سے ان کا نام ذوالشہادتین ہوا۔

تیسرے گھوڑے کا نام لزاز تھا۔ یہ گھوڑا اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے بطور ہدیہ آیا تھا۔ سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت کو یہ گھوڑا بڑا محبوب تھا اور زیادہ تر آپ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر سفر فرمایا کرتے تھے۔ قاموس میں لزاز کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔ شدت و اصلاق اور الزام اور لفظ مزاز بروزن کتاب ہے۔ یہ گھوڑا مقوقس نے حضرت ماریہ قبطیہ کے ہمراہ بطور ہدیہ ارسال کیا تھا۔ اور لزیز کے معانی ہوتے ہیں۔ پر گوشت 'مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ شدت تلزز اور اجتماع خلقت کے سبب سے یہ گھوڑا اس نام سے موسوم ہوا۔ "ولزبالشیئی اے فرق بہ" یعنی کہ یہ اپنے مطلوب سے مل گیا۔ اس کی تیز رفتاری کے باعث اس کا یہ نام ہوا۔ اور روضۃ الاحباب میں لکھا گیا ہے کہ لزاز کے معانی ہوتے ہیں۔ سیدھا باندھنا۔ شدید دشمن آدمی کو مرواتر کہا جاتا ہے اور یہ گھوڑا اس لئے کہلاتا تھا کہ بڑا محکم اور تیز دو تھا۔ (انتہی) جو کچھ مذکور ہو چکا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ لزاز کے نام سے اس گھوڑے کا موسوم ہونا وصف مصدر کی قبیل سے ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے گھوڑے کے نام لحیف تھا۔ یہ گھوڑا ربیعہ بن البراء نے ہدیہ پیش کیا تھا۔ اس کے بدل میں آنحضرت نے کچھ اونٹ عطا فرمائے تھے۔ لحف کا معنی ہے لحاف میں پوشیدہ ہونا اور التحاف کے معانی ہیں۔ جسم پر کپڑا لپیٹ لینا اور لپیٹی جانے والی چیز لحاف کہلاتی ہے گھوڑے کا موٹا ہونا اور بڑا ہونا اس کے لحاف نام کا سبب ہے گویا کہ یہ گھوڑا زمین کو لپیٹے جاتا تھا اور دم طوالت کی وجہ سے زمین پر چھوتی تھی۔ فعیل۔ بمعنی فاعل ہے۔ **یقال الحف ارجل باللحاف اے طرحہ علیہ** کچھ کتب میں ضم لام اور فتح حاء کے ساتھ لحیف آیا ہے۔ لیکن صحیح اور اصح فتح لام اور کسر حاء سے ہے۔ جیسے کہ روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں بیان ہوا ہے۔ اور اس لفظ کو جیم اور خاء کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔ مولف نہایہ نے بیان کیا ہے کہ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی۔ حاء کے ساتھ ہی یہ مشہور ہے۔ (کمافی مواہب)۔ اور قاموس میں اس کو حاء مہملہ اور خاء معجمہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ہر دو جگہ پر کہا گیا ہے کہ یہ امیر اور زبیر کے وزن پر ہے۔

نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پانچواں گھوڑا مبارک ورد تھا۔ اس کا معنی ہے گلاب۔ جو گھوڑا کمیت اور اشقر کے درمیانی درجہ کا ہوتا ہے اسے ورد کہا جاتا ہے بعض اوقات اس رنگ کا ہوتا ہے تو اس پر بھی یہ نام وارد ہوتا ہے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے یہ گھوڑا بطور پیش خدمت کیا۔ بعد میں آنحضرت نے یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اور فاروق اعظم نے یہ گھوڑا ایک غازی کو عطا فرمایا تھا تاکہ وہ سوار ہو کر جہاد میں حصہ لے۔ اس کے بل یہ گھوڑا نہایت لاغر اور کمزور ہو گیا اور اس نے اس کو بیچنا شروع کر دیا اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ دوبارہ اس سے خرید کر لیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ صدقہ کر دی گئی چیز دوبارہ لوٹائی نہیں

چاہیے۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چھٹے گھوڑے کا نام ضریس تھا جو کنواں پتھر کے ساتھ وسیع کیا ہو اس کو ضریس کہا جاتا ہے۔ یہ گھوڑا اپنی مضبوطی کے باعث ضریس کہلایا (کمافی روضۃ الاحباب) اور قاموس سے پتہ چلتا ہے کہ جس پتھر سے کنویں کو وسعت دی گئی ہو وہ پتھر ضرس کہلاتا ہے اور یہ نام اس گھوڑے کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فزاری سے خرید اتھا اور آپ کا نام تبدیل کر کے سکب نام رکھ دیا گیا تھا۔ اور پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ اگر اس طرح ہی ہے تو پھر اس کا تذکرہ سکب کے ساتھ کرنا مناسب نظر نہیں آتا۔

ظرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتویں گھوڑے کا نام تھا۔ یہ گھوڑا بھی ہدیہ ہوا تھا۔ اور ہدیہ کرنے والے حضرت فروہ بن عمرو خدامی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے متعلق قاموس میں یوں لکھا ہے۔ "ظرب کتف 'الجبل مبسط اور اصغیرو فرس النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔" اور روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ ظربت حوافر الدبة اے راشدت وصلیت اور یہ گھوڑا اپنی صلابت اور شدت کے سبب سے ظرب کہلاتا تھا۔

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آٹھواں گھوڑا الملاوح تھا۔ بضم میم و کسر واؤ۔ قبل ازاں اس گھوڑے کے مالک حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ تھے۔ روضۃ الاحباب کے حاشیہ پر مندرج ہے کہ ملواح اور ملاوح وہ گھوڑا ہوتا ہے جو دبلا ہو اور وہ موٹا نہ ہو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نویں گھوڑے کا نام سبحہ تھا۔ یہ سباحت سے ماخوذ ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے۔ پیرنا السوابخ الخیل یسبحها یریدها فی سیرها اور مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے۔ فرس مسابح اذا کان حسن احد ایدین فی الحبری اور ابن التین نے کہا ہے کہ یہ گھوڑا اشقر تھا۔ جو ایک اعرابی سے بعوض دس اونٹ خرید اگیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دسواں گھوڑا بحر کہلاتا ہے۔ یقال فرس بحر اے واسع البحری قاموس میں یوں لکھا ہے البحر الجواد۔ یہ گھوڑا یمن سے آمدہ تاجروں سے خرید فرمایا تھا۔ آنحضرت نے تین دفعہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر مسابقت فرمائی تھی اور ہر سہ دفعہ یہ گھوڑا سبقت لے گیا پس آنحضرت نے اس کی پیشانی مبارک پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور فرمایا ما انت الا بحر فسمیت بحر اوکانت بیضاء (رواہ بخاری)۔ تو دریا ہے میں نے تیرا نام بحر رکھ دیا وہ گھوڑا سفید رنگ میں تھا اور ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ کیت گھوڑا تھا۔

زیادہ تر کتب سیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یہ دس گھوڑے مذکور ہوئے ہیں کچھ حضرات مزید نام بھی بیان کرتے ہیں مثلاً ابلق ذواعقال' ذواللمہ' مرتجل' تراوح' سرحان' یعسوب' نحیب' ادہم' سجاء کحل' طرف اور مندوب وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ اہل سیر نے آنحضرت کے گھوڑے بہت سے بیان کئے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ کس کس جنس سے تھے گھوڑوں کی بے شمار جنسیں ہیں جیسے کہ عراقی گھوڑے اور ترکی گھوڑے وغیرہ وغیرہ۔

ظاہرا" معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گھوڑے عربی النسل تھے جیسے کہ ان شہروں میں متعارف ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نزدیک بعد از ازواج مطہرات گھوڑا سب سے بڑھ کر محبوب تھا اور تیسری چیز یہ ہی ہے جو اس حدیث میں حبب الی من امور دنیاکم ثلث اور وہ تیسری چیز متروک ہو چکی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اشقر' ارثم' اقرح' محجل اور مطلق الیمین گھوڑے زیادہ پسند فرماتے تھے قبل ازیں اشقر' محجل اور مطلق الیمین کے معانی ہم بیان کر چکے ہیں اور ارثم وہ گھوڑا ہوتا ہے جو ناک اور نیچے والے ہونٹ سفید رکھتا ہو اور اقرح وہ گھوڑا ہوتا ہے۔ جس کے ماتھے پر غرہ سے کم سفیدی ہوتی ہے اور گھوڑے کی فضیلت میں بڑی کثرت سے احادیث و اخبار آئی ہیں۔

نبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے کے ماتھے کے بالوں کو بل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ الاجر والغنیمۃ قیامت تک گھوڑا اپنی پیشانی میں خیر کے ساتھ بندھا گیا ہے اور اجر غنیمت کے ساتھ یہ وابستہ ہے۔ ناصیہ سے مطلب ہے وہ بال جو گھوڑے کے ماتھے پر آویزاں ہوتے ہیں اور ناصیہ کا ذکر خصوصا اس زینت کے باعث فرمایا جو اس میں ہوتی ہے اور یہ گھوڑے کے مکمل بدن کا ذکر ہے اشارۃ جیسے کہ کہتے ہیں۔ فلاں شخص کی پیشانی بڑی مبارک ہے اور وہ برکت والی ذات ہے اور گھوڑے کی فضیلت و شرف میں یہی کافی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد ربانی یوں ہے۔ والعادیات ضبحا الی آخر سورہ۔ اس سے خیل غزاۃ مراد ہے۔

حدیث میں منع کیا گیا ہے گھوڑے کو ذلیل کرنے' اس پر بوجھ لادنے یا ایسا کام اس سے لینے سے حاکم نشاپوری عظما محدثین سے ہیں وہ حیوۃ الحیوان میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا کرنے کی خواہش فرمائی تو جنوب کی ہوا کو ارشاد فرمایا کہ تم سے میں ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جس کے لئے وہ باعث دوستوں کو عزت حاصل ہو گی اور اہل طاعت کے لئے وہ باعث عزت و عظمت ہو گی۔ تو جنوبی ہوا نے عرض کیا۔ یا رب! تو ہم سے اس طرح کی مخلوق کی تخلیق فرما۔ پس حق سبحانہ' تعالیٰ نے اس سے ایک مٹھی بھری اور اس سے گھوڑے کی تخلیق فرمائی۔ دیگر ایک روایت میں ہے کہ کمیت گھوڑا پیدا فرمایا اور اس سے فرمایا کہ تجھے میں نے پیدا کیا ہے تمہاری پیشانی میں خیر ودیعت کی ہے۔ تجھ پر سواری کر کے غنائم حاصل کریں گے اور تیری پیدائش اس طرح کی فرمائی ہے کہ تو پروں کے بغیر بھی طرار سے بھر کر دوڑے گا وانت المطلب وانت المهبرت تمہاری سواری جوان مردوں کے واسطے بنائی ہے جو تسبیح و تحمید پڑھیں گے اور تہلیل و تکبیر بلند کریں گے۔

ملائکہ کو معلوم ہوا کہ گھوڑے کی تخلیق فرمائی ہے تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ اے ہمارے رب! ہم تیرے بندے تیری تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر بجالانے والے ہیں۔ تو نے ہمارے واسطے کیا تخلیق فرمائی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے واسطے بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح طویل گردنوں والے گھوڑے تخلیق فرمائے تاکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ حکم فرمائے اس کی مدد کریں۔ تخلیق خیل کے وقت گھوڑوں کے پاؤں اور دیگر

اعضاء کی تکمیل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اہل شرک کے دلوں کو اپنی اپنی ہنہناہٹ سے خوفزدہ کرو اور ان تمام کے کانوں تک اپنی آواز کو پہنچادو اور اس طریقہ سے ان کو رسوا اور ذلیل کرو۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ان کے سامنے جملہ مخلوق پیش کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میری مخلوق ہے اس میں سے تجھے جو اچھی لگتی ہے اس کو اپنے واسطے تم پسند کرلو پس آدم علیہ السلام گھوڑا پسند کیا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ تم نے ہمیشہ کے لئے اپنی اور اپنی اولاد کی عزت اختیار کی ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ جبریل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم جنوبی ہوا سے ایک مٹھی بھرو۔ پھر اس سے ایک کیت گھوڑے کی تخلیق فرمائی۔ الیٰ آخر الحدیث۔

جنوبی ہوا سے جبریل کو مٹھی بھرنے کا حکم اور عزرائیل کو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے لئے مٹھی بھر کرلانے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ خاک کی خاصیت بخل ہے اور عزرائیل علیہ السلام کی طبیعت میں قہر و جبر موجود ہے لہٰذا وہ اس سے مٹھی بھریں اور اس کے مقابلہ میں ہوا میں سکاوت ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی توصیف میں روایت ہوا ہے۔ کہ کان فی رمضان کالریح امرسلہ رمضان شریف کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باد نسیم کی طرح ہوتے تھے لہٰذا یہاں پر جبریل علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ رفق اور نرمی سے مٹھی بھرلیں۔

جبریل علیہ السلام کو بھی گھوڑے سے ایک قسم کی نسبت اور تعلق ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں لگے رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام کا جو گھوڑا تھا اس کا نام حیزوم ہے۔ (واللہ اعلم)۔ علاوہ ازیں مولف حیاۃ الحیوان نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے گھوڑے پر سواری فرمائی تھی۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام اعراب ہوا۔ قبل ازاں دیگر وحشی جانوروں کی طرح یہ بھی وحشی جانور ہی تھا اور اللہ تعالیٰ نے جس وقت حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ کعبہ بلند کردو تو یہ بھی فرمایا تھا کہ تمہیں میں ایک خزانہ عطا کروں گا جو کہ صرف تمہاری خاطر محفوظ کیا ہوا ہے بعد ازاں اسماعیل علیہ السلام کو وحی فرمائی گئی کہ باہر نکل کر اس خزانہ کی جستجو کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک دعا الہام فرمادی جس کے نتیجہ میں اسماعیل علیہ السلام پر عرب کی سرزمین پر موجود ہر کوئی آپ کے پکارنے پر حاضر ہو جاتا تھا۔ ازاں بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو گھوڑوں کی پیشانیوں پر قدرت عطا فرمائی اور آپ کے لئے گھوڑے مسخر کردیئے گئے اور آپ کے گرویدہ بنادیئے یہی سبب ہے کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ارکبوا الخیل فانھا میراث ابیکم اسمٰعیل (رواہ نسائی)۔ یعنی کہ تم گھوڑوں پر سواری کیا کرو یہ تمہارے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کی میراث سے ہیں۔

آنحضرت کے بغل (خچر):۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں کئی ایک خچر تھے۔ آپ کے ایک خچر کا نام دلدل تھا۔ آپ کا یہ خچر سفید و سیاہ ملے جلے رنگ کا تھا شہار رنگ سے مراد یہی ہوتا ہے (کمافی القاموس) یہ خچر بطور ہدیہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مقوقس شاہ مصر نے بھیجا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سواری فرمایا کرتے تھے۔ ازاں بعد یہ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آیا۔ جیسے کہ ہم قبل

ازیں سلاطین و امراء کے نام خطوط کے بیان میں تذکرہ کر چکے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت آنحضرت کی خدمت میں یہ دلدل پیش کیا گیا۔ تو آپ نے مجھ کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اون اور چھلکے کی چند اں مقدار لے آنے کے لئے بھیجا اون سے آپ نے دلدل کے لئے رسی تیار کی اور باگیں تیار فرمائیں۔ اس کے بعد آپ اپنے بیت نبوی میں گئے اور اپنا کمبل لائے۔ اسے چار تہوں میں کر کے دلدل کی پشت پر ڈال دیا اور بسم اللہ شریف پڑھ کر دلدل پر سواری فرمائی اور مجھ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ عہد اسلام میں سواری کے لئے استعمال کیا جانے والا یہ اولین خچر تھا۔

مولف حیاۃ الحیوان نے فرمایا ہے کہ محدثین کا اس امر پر اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ دلدل شریف نہ نر تھا اور نہ ہی یہ مادہ۔ (واللہ اعلم)۔

طبرانی اپنی مجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ حنین میں جس وقت مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے اس بغلہ شریف پر سواری فرمائے ہوئے تھے جسے دلدل فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اسے فرمایا۔ اے دلدل زمین کے قریب ہو تو دلدل نے اپنے سینہ زمین کے ساتھ لگا دیا۔ حتیٰ کہ آپ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی۔ وہ اعدائے دین کے موتہوں پر پھینک دی اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔ **ھم لا ینصرون** پس وہ ہزیمت کھا کر فرار ہوئے۔ جیسے کہ سابقاً مذکور ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دیگر ایک خچر فضہ نام کا تھا۔ یہ خچر فروہ بن عمرو حزامی نے آنجناب کی خدمت ہدیہ پیش کیا تھا۔ بعض کے نزدیک دلدل اور فضہ ایک ہی خچر تھا اور یہ بات اس قول کے زیادہ مناسب و موافق ہے جو کہ کچھ حضرات نے کہی ہے یعنی کہ دلدل کا رنگ سفید تھا شہبانہ تھا یہ خچر آنحضرت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔

علاوہ ازیں اور بھی ایک خچر آنحضرت کا تھا اس کا نام ایلیہ تھا اور یہ ابن العلاء صاحب ایلہ نے ارسال کیا تھا۔ دیگر ایک خچر دومتہ الجندل سے بھی آیا تھا اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک خچر آنجناب کی بارگاہ میں بھیجا تھا۔ ان کے علاوہ بھی بعض نے کہا ہے کہ ایک خچر تھا جو کہ کسریٰ نے بھیجا تھا لیکن یہ بات بڑی بعید ہے کیونکہ وہ بے نصیب تو ایسا تھا کہ اس نے آنحضرت کے ارشاد نامہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور بڑی گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کیا تھا۔ اس سے ہدیہ بھیجا جانا بعید از قیاس ہے۔

معلوم رہے کہ گدھے اور گھوڑے کے مرکب کو خچر کیا جاتا ہے۔ مرکب ہونے کے باعث اس کے اعضاء گدھے کا اعضاء کی سختی اور گھوڑے کے اعضاء کی طوالت لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی ہنہناہٹ شحیج (شین اور دو جیم) کہلاتی ہے وہ بھی مرکب ہوتی ہے اس کی ہنہناہٹ میں گھوڑے کی ہنہناٹ اور گدھے کی نہق دونوں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ خچر عقیم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی بچہ آگے پیدا نہیں ہوتا اور عام طور پر یوں مشہور ہے کہ گھوڑوں کو گدھے سے جفتی کرایا جائے تو خچر پیدا ہوتا ہے جیسے کہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ ایک خچر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔

آپ نے اسے بہت پسند فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آیا ہم گھوڑوں پر گدھوں کو چھوڑیں تاکہ خچر پیدا ہوں لیکن آنحضرت اس پر رضامند نہ ہوئے اور فرمایا کہ ایسا کام بے علم لوگ کیا کرتے ہیں۔

آنحضرت کی طرف سے یہ ممانعت جو آئی ہے اس کے متعلق علماء نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے مکروہ جانا ہے کہ کوئی جانور غیر جنسی پر چھوڑا جائے اور بعض نے کہا ہے۔ یہ تقلیل نوع فرس کا یہ موجب ہوتا ہے گھوڑے کے منافع میں تعطل کا سبب ہے۔ کیونکہ اس سے دارومدار سواری اور رکض و طلب میسر ہیں اور حرب و عزت اور حصول غنائم بھی ہیں۔ (واللہ اعلم)

اور جو عبارت حیات الحیوان میں آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں طریقوں سے خچر کی پیدائش ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر نر گدھا ہو تو گھوڑے سے زیادہ سخت خچر ہوتا ہے اور اگر نر گھوڑا ہو تو گدھی سے پیدا ہونے والے خچر گدھے سے مشابہت رکھتا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اس کا ہر عضو تو گھوڑے اور گدھے کے بین بین ہوتا ہے اور اس کی خارجی صفات بھی اسی طرح ہوتے ہیں یعنی گھوڑے کی مانند ذکاوت نہیں ہوتی نہ ہی گدھے کی مانند حماقت ہوتی ہے باوجود اس بات کے اس کی تعریف میں آیا ہے کہ جس راستہ سے وہ ایک بار گزر جائے اسے یاد رکھتا ہے۔ وہ سواری کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اور وہ بوجھ برداشت کرنے اور دور کا سفر طے کرنے میں بھی دیگر جانوروں پر فوقیت کا حامل ہوتا ہے۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جیسے ابن عساکر اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں۔ کہ فرمایا کہ پہلے خچر سے توالد اور تناسل ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے واسطے لکڑیاں فراہم کرنے کے کام اور آپ کی تیز رفتار سواری کے لئے یہ مضبوط سواری ثابت ہوئی تھی تو آپ نے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو حق تعالیٰ نے اس کی نسل منقطع فرمادی۔ علاوہ ازیں ایک نہایت عجیب قسم کی بات حیات الحیوان میں اسماعیل بن حماد بن ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک رافضی جو کہ ایک چکی رکھتا تھا ہماری بستی میں تھا۔ اس کے پاس دو خچر تھے ایک کا نام ابوبکر رکھا ہوا تھا اور دوسرے کا نام عمر رکھا تھا اور ہر دو کی بڑی تذلیل اور اہانت کیا کرتا تھا۔ ایک دن یوں ہوا کہ دونوں میں سے ایک خچر نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے مار ڈالا۔ اس بات کی خبر میرے دادا کو ہوئی یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اور ساری کیفیت سے وہ واقف ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور پتہ کرو کہ دونوں میں سے کونسا خچر ہے جس نے اس کو جہنم رسید کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق تو وہ وہی خچر ہو گا جسے وہ عمر کے نام سے پکارتا تھا۔ پس تحقیق کرنے پر بات وہی نکلی جیسے کہ امام صاحب نے بتایا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دراز گوش:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تین دراز گوش (یعنی گدھے) تھے۔ ایک کا نام عفیر تھا بروزن زبیر۔ یہ حمار مقوقس کا بھیجا ہوا تھا۔ دوسرے کا نام یعفور تھا۔ یہ فروہ جزامی نے ہدیہ پیش کیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عفیر اور یعفور دونوں نام ایک ہی دراز گوش کے تھے۔ مٹیالے رنگ کو عفرہ کیا جاتا ہے اور جو سرخ رنگ سفید پر غالب ہو اس کو اعفر از ظبا کہا جاتا ہے۔

آنحضرت کا تیسرا دراز گوش وہ تھا جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ لائے تھے۔ حیات الحیوان میں بیان کیا گیا ہے کہ دراز گوش کی تعریف اور مذمت میں لوگوں کے متعدد اقوال آئے ہیں ان اقوال کے اختلاف کی بنا محبت' غرض و غایت اور مصالح ہیں۔ لہذا کچھ ارباب سلف سے منقول ہوا ہے کہ کچھ لوگ براذین کی سواری سے چھوٹے گدھے کی سواری کو بہتر سمجھتے ہیں۔ براذین ترکی نسل کے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے یہ بوجھ اٹھاتا ہے اور منزل پر پہنچاتا ہے یہ بیمار بھی کبھی کبھار ہی ہوتا ہے اور چارہ بھی اس کا ہلکا ہوتا ہے۔ اس میں موؤنت تھوڑی ہوتی ہے اور معونت زیادہ پائی جاتی ہے اس کا نیچے کو اترنا آسان تر ہوتا ہے اوپر تیزی سے چڑھتا ہے۔ گویا کہ اونٹ خچر اور گھوڑے کے بعد اس کی سواری کی فضیلت میں یہی کچھ کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دراز گوش پر سواری فرمائی ہے۔

اور کچھ احادیث کے کلام کے سیاق سے ثابت ہوتا ہے کہ تواضع اور ترک تفاخر اس سے ملحوظ رہتا ہے۔ امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ گدھے پر انبیاء علیہم السلام سوار ہوا کرتے تھے۔ وہ پشمینیہ کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ بکری کا دودھ دوہیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس ایک دراز گوش تھا جو کہ مقوقس کا بھیجا ہوا تھا۔ اس کا نام عفیر تھا۔ قاضی عیاض اسے غین کے ساتھ غفیر تحریر کرتے ہیں اور شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ کی خطا ہے اور کہا گیا ہے کہ جس وقت خیبر مفتوح ہوا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایک سیاہ رنگ کا دراز گوش ہاتھ آیا اس نے آنحضرت کے ساتھ کلام کیا۔ آنحضرت نے اس سے اس کا نام دریافت فرمایا تو اس نے بتایا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل میں ساٹھ گدھے پیدا فرمائے ہیں۔ جن پر سوائے انبیاء سے کرام کے دوسرے کسی نے سواری نہیں کی اور اب میں بھی یہ توقع لئے ہوئے ہوں آپ مجھ پر سواری نہیں کی اور اب میں بھی یہ توقع لئے ہوئے ہوں کہ آپ پر مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ اس وقت میرے جد کی نسل میں سے کوئی باقی نہیں سوائے میرے اور سلسلہ انبیاء سے سوائے آپ حضور کے کوئی نبی اس وقت باقی نہیں ہے اور آپ سے قبل میں ایک یہودی شخص کا مقبوضہ رہا ہوں میں اس کو جان بوجھ کر اپنے اوپر سے گرایا کرتا تھا۔ وہ یہودی میرے پیٹ پر دکھ دیتا تھا اور کمر پر کوڑے مارا کرتا تھا۔ آنحضرت نے اس کو فرمایا کہ تو یعفور ہے یعنی تمہارا نام یعفور ہے۔ کیا تمہیں مادہ کی خواہش ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے مادہ کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب ضرورت محسوس کیا کرتے تھے۔ تو اس پر سوار ہوتے تھے۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس حملو کو کسی شخص کو طلب کرنا ہوتا تو اس کے دروازہ پر بھیجا کرتے تھے تاکہ اس کو بلا کر لائے وہ جا کر اپنے سر کے ساتھ اس کے گھر کے دروازہ کو ہلایا کرتا تھا۔ مالک باہر نکل کر دیکھتا تھا تو یعفور اسے اشارہ سے سمجھاتا تھا۔ تو اس آدمی کو پتہ چل جاتا تھا کہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں طلب فرمایا گیا ہے۔ پس وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد یعفور نے اپنے آپ کو ایک کنویں پر آ کر اس میں گرا دیا اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ یعفور کی یہ ہلاکت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم کی جدائی کے باعث بے صبری اور ناطاقتی کے سبب سے تھی۔ ازاں بعد وہ کنواں ہی اس کی قبر بن گیا جیسے کہ ہم نے باب وفات میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کی صحت پر کچھ عالمان حدیث کو کلام ہے۔ یہ حدیث امام سہیلی نے کتاب التعریف والا علام میں درج کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ آنحضرت کا ایک معجزہ ہے کہ اس چوپائے پر اس کا ظہور ہوا۔

قشیری کے رسالہ میں کرامات الاولیاء کے باب میں ہے کہ میں نے ابو حاتم سمیستانی سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابونصر سراج سے سنا اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن احمد رازی سے سنا اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان خواص سے سنا اور انہوں نے فرمایا کہ ایک روز میں گدھے پر سواری کئے ہوئے تھا۔ اس کو مکھیاں تنگ کر رہی تھیں اور بار بار وہ اپنا سر ہلاتا جاتا تھا۔ میں اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی کے ساتھ اس کو مارتا تھا تو اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا تم خود بھی اپنے سر پر مارو۔ تم کو بھی مارا جائے گا۔ مراد اس سے یہ ہے کہ مجھے تو مارتے ہو اس کے بدلے میں تم کو بھی مار پڑے گی۔

اور ایک تعجب خیز خبر مولف حیات الحیوان حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل میں لائے ہیں وہ یہ کہ ایک آدمی کسی صومعہ کے اندر عبادت کیا کرتا تھا۔ جس وقت بارش برسی اور زمین پر گھاس اگی تو وہ آدمی باہر آیا اور دیکھا کہ ایک گدھا گھاس چر رہا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اے میرے رب! اگر تیرا کوئی گدھا ہو تو اس کو میں چرایا کروں اور اس کی خدمت کیا کروں۔ اس وقت کے پیغمبر تک جب اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے ممانعت فرمائی اور اس کے لئے بددعا فرمائی۔ پس ان میں وحی اتری کہ میں اپنے بندوں کو ان کی عقول اور صدق توجہ کے لحاظ سے انہیں جزا عطا کرتا ہوں۔ یہ احادیث ابونعیم نے زید بن اسلم کی روایت کے ساتھ حلیہ میں نقل کیا ہے اور جو حکایت مثنوی مولانا روم میں مندرج ہے اسی طرح کی یہ بھی حکایت ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

؎ دید موسی یک شبانے را براہ ۔۔۔ گواہش نالید وحی گفت اے الٰہ

علم کے مطابق اس بات کی حقیقت یوں ہے کہ وہ ایک جاہل شخص تھا۔ اور کچھ ایسی صفات بیان کر رہا تھا۔ جو صفت تنزیہہ اور تقدیس سے تعلق رکھنے والی تھیں اور علماء بیان کرتے ہیں کہ اصل ایمان حاصل کرنے کے لئے بالفعل یہ علم مشروط نہیں ہے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی باندی سے دریافت فرمایا تھا "این اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کہاں ہے۔ تو اس نے جواب عرض کیا کہ وہ آسمان پر ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمادیا کہ وہ مسلمان ہے کیونکہ زمین پر مانے جانے والے جملہ نام نہاد معبودوں کی اس نے نفی کر دی تھی یہ جو آدمی تھا یہ اپنے عقیدہ و ایمان کے مطابق اللہ جل شانہ کے ساتھ انتہا درجہ کی محبت اور صدق و اخلاص رکھتا تھا اور یہ بات بھی اس کے منہ سے اسی جذباتی حالت میں نکلی تھی اس کو مغرور تصور کیا گیا اور اس کی یہ نسبت مقبول بھی ہوئی کیونکہ کلام الجانین بطوری والا یردی یعنی دیوانہ لوگوں کی باتیں ان کا حال ہوا کرتی ہیں۔ ان کا بیان نہیں کیا جاتا۔

آنحضرت کے اونٹ:۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پندرہ سے زیادہ اونٹ تھے۔ ایک کا نام قصوا تھا۔ اونٹ کے کان کے گوشہ کو چیرنا قصواء کہلاتا ہے اور چیرے ہوئے کان والا اونٹ مقصو کہلاتا ہے اور مادہ اونٹنی قصواء یا شاہ

قصوی کہلاتی ہے اور جمل کو قصا نہیں کیا جاتا بلکہ وہ مقصویا مقصی کہلاتا ہے اس میں ترک کیا ہے۔ (کمافی الصحاح)۔ لیکن قاموس میں ہے کہ ناقہ کو قصوا یا مقصو پکارا جاتا ہے۔ اور جمل کو اقصیٰ اور مقصو کہتے ہیں جیسے کہ "امراۃ حسنا" کہا جاتا ہے اور رجل احسن نہیں کہا جاتا ہے۔

سیرت نگار حضرات نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کے کان کٹے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ پیدائش سے ہی اس کے کان اس طرح کے تھے کہ اس کا ایک طرف کا کان معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کٹا ہوا ہوتا ہے۔ آنحضرت نے یہ اونٹنی ہجرت کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدی تھی۔ جیسے کہ ہم باب ہجرت میں بیان کرچکے ہیں۔ ہجرت کے دوران آپ اسی پر سوار ہوئے تھے اور یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کی گئی تھی کہ جہاں پر وہ جائے اور بیٹھے۔ حدیبیہ کے سفر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اسی ناقہ پر سواری فرمائی تھی اور سفرو حضر میں اس پر ہی آپ سوار ہوا کرتے تھے۔ اس پر سواری کے دوران وحی بھی نازل ہوجایا کرتی۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ سوائے اس ناقہ کے کوئی دوسری ناقہ وحی کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اونٹوں کے اسماء میں عضاء اور جذعا بھی مذکور ہوئے ہیں اور عصب بھی ۔ معنی کان چیرنا آیا ہے اور کبش کے معنی سینگ کا ٹوٹنا آیا ہے۔ اور یہ ہی معانی جذعا کے مذکور ہوئے ہیں اور ہاتھ کان اور ہونٹوں کے چیرنے میں بھی آیا ہے۔

کچھ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام اس ایک ہی ناقہ کے تھے جسے ہم قصوا کہتے ہیں کیونکہ اس کو قصوا کہتے ہیں اور معانی کے لحاظ سے اس میں قصوا، جدعا اور عصبی وغیرہ کوئی چیز موجود نہیں تھی بلکہ اس کے کان اس طرح کی مشابہت رکھتے تھے۔ جیسے کہ اوپر بیان کیا ہے اونٹوں کے ناموں میں صرما اور سلمنا نام بھی مذکور ہوئے ہیں اور ایک نام مخضرمہ بھی بیان ہوا ہے۔ یہ تمام نام قطع کرنا اور کاٹنے کے معانی میں آتے ہیں۔ ناقہ مصرمہ کے معنی ہوتے ہیں۔ جس کے پستانوں کے سر کٹے ہوئے ہوں اور جڑ سے کان اکھڑا ہوا ہونا سلم کہلاتا ہے۔ مصرمہ ناقہ وہ کہلاتی ہے جس کے کان کا ایک کونہ کاٹا ہوا ہوتا ہے۔ اہل سیر نے یہ بھی کہا کہ یہ تمام نام بھی اسی ایک قصوا ہی کے ہیں۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اونٹنی عضبا تھی۔ دوسری کوئی اونٹنی اس سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ ناگاہ ایک مرتبہ ایک اعرابی جو شتر جوانہ پر سوار تھا اور بوجھ بھی لادے ہوئے تھا۔ آیا۔ اس کا وہ اونٹ عضبا سے دوڑ میں آگے نکل گیا اور یہ چیز صحابہ کرام نے نہایت ناپسند کی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز کو بلند نہ کرے بلکہ وہ اس کو پست کرے۔ ابوجہل کا بھی ایک اونٹ غزوہ بدر کے غنیمت کے مال میں ہاتھ لگا تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا چھلہ ڈالا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں وہ اونٹ مشرکین کو بھڑکانے کے لئے ہدی میں بھی بھیجا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیس اونٹ دودھ دینے والے تھے۔ وہ مدینہ شریف کے نواحہ میں غابہ کے مقام پر

چرتے تھے۔ وہاں سے ہر شب کو دو عدد مشکیزے دودھ لایا جاتا تھا۔ وہ دودھ آنحضرت کے اہل و عیال کے لئے استعمال کیا جاتا تھا آنحضرت کے دودھ والے اونٹوں کی کل تعداد پینتالیس تھی۔ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر کئے تھے۔ سیر کی کتب میں ان کے نام لکھے گئے ہیں۔

بکریاں:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیت میں دودھ دینے والی سات بکریاں تھیں۔ یہ بکریاں ایمن رضی اللہ عنہا چرا لایا کرتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اپنے جس گھر میں شب بسری کی باری ہوتی تھی۔ وہ بکریوں کا دودھ بھی اس گھر میں ہی لایا کرتی تھیں۔ ان بکریوں کے نام بھی کتب سیر میں بیان کئے گئے ہیں (واللہ اعلم)

محجن:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک محجن رکھتے تھے۔ یہ چوگان کو کہتے ہیں۔ ایک مقولہ ہے محجن یعنی جذب و عطف و صد و صرف فلانا صرفہ و جذبہ با لمحجن۔ محجن بروزن منبر ہے۔ یہ ایک لکڑی ہوتی ہے اس کا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے اور ٹیڑھی چیز محجن کہلاتی ہے۔ آنحضرت کی اس محجن کا طول ایک گز یا اس سے کچھ زیادہ تھا۔ آپ اس کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ سواری پر بھی اس پر سہارا لے کر سوار ہوا کرتے تھے پھر دونوں ہاتھوں کے آگے اونٹ پر اس کو رکھ لیتے تھے۔ (کذا قیل)

مخصرہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک مخصرہ بھی تھا۔ اس کو عرجون کہا جاتا تھا۔ مخصرہ آدمی کا درمیانی حصہ ہوتا ہے جو تہی گلہ کہلاتا ہے اور اختصار کے معانی ہوتے ہیں تہی گلہ پر ہاتھ رکھ کر اس پر ٹیک لگانا اور مخصرہ وہ چیز ہوتی ہے جس سے آدمی ٹیک لگاتا ہے اور اس کی حفاظت عصاء اور مکلوہ اور مقرعہ اور قصب کی طرح کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم باہر تشریف فرما ہوئے تو آپ کے ساتھ آپ کا مخصرہ تھا اور سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ بادشاہوں کے شعار میں سے مخصرہ ہے۔

عصاء مبارک:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک عصاء مبارک بھی تھا۔ آپ اس پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور آپ کا ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اخلاق سے عصاء پر ٹیک لگانا بھی ہے اور کھجور کی جو ٹہنی جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے اس کو عرجون کہتے ہیں۔ گویا مراد یہ ہے کہ آنحضرت کے مخصرہ کو عرجون کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یا پھر کھجور کی شاک ہی آپ کی مخصرہ تھی۔ (واللہ اعلم) اور شوحط کی لکڑی سے بنایا ہوا قصب تھا اس کو ممشوق کہتے ہیں اور قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ درخت کی شاخ کو قضیب کہا جاتا ہے اور یہ نام آنحضرت کی مبارک تلوار کا تھا۔ بعض اوقات آپ ہاتھ مبارک میں درخت کی شاخ بھی پکڑا کرتے تھے۔ وہ درخت شوحط کہلاتا ہے۔ قاموس کہا گیا ہے۔ **الشوحة شجر يتخذ منه القسيى اوضرب من التبع** جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور طویل اور باریک ممشوق بھی قضیب کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ قاموس میں کہا گیا ہے۔

آپ کا پیالہ شریف:۔ آنحضرت کا پیالہ تھا۔ وہ ریان کہلاتا تھا۔ یان رے سے بنا ہے۔ معانی ہیں سیرابی۔ پیالے میں

پانی دودھ شربت وغیرہ پیتے ہیں اس لئے کا مناسب نام ریان رکھا گیا ہے۔ دیگر ایک پیالہ شریف بھی تھا اسے مغیث کہا جاتا تھا۔ یہ غیث سے مشتق ہے۔ اس کے معانی ہیں بارش علاوہ ازیں ایک اور پیالہ تھا اس کا نام مضبب تھا۔ اس پر تین مقامات پر چاندی کی کیلیں لگی ہوئی تھیں اس میں ایک حلقہ بھی نصب تھا۔ اس سے اس کو لٹکالیا جاتا تھا۔ علاوہ ان کے ایک اور پیالہ عیدان بھی تھا حدیث پاک میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الہ وسلم کا ایک پیالہ عیدان کا بنایا ہوا تھا۔ یہ پیالہ آنحضرت کے سرہانے رکھا کرتے تھے۔ آپ اس میں بول شریف فرمایا کرتے تھے۔ عیدان کا لفظ دو طرح سے آیا ہے اور عین کی کسر کے ساتھ صحیح کہا گیا ہے۔ یہ عود کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں لکڑی اور اجزاء کے اعتبار سے یہ جمع ہے۔ دوسرا لفظ عیدان عین کی فتح کے ساتھ ہے اس نام کا ایک درخت ہوتا ہے۔ مجمع البحار میں آیا ہے کہ عیدان بکسر عین مہملہ جمع ہے عیدانہ کی جو کہ ایک لمبا درخت ہے۔ اس پر اوپر سے نیچے تک پتے نہیں لگتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک پیالہ شریف زجاج کا بنا ہوا تھا یعنی شیشہ کا۔ وہ کسی بادشاہ کی طرف سے ہدیہ آیا تھا اور آپ کی ایک تودے تھی یعنی کہ طغار۔ یہ پتھر کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کو رمخضب کہا جاتا تھا۔ اس کا ذکر احادیث میں بہت آیا ہے اور آنحضرت کی ایک مرکن تھی۔ مرکن کے معانی طغار ہوتے ہیں۔ آنحضرت کی ایک طغار پیتل سے بنائی ہوئی بھی تھی۔ آنحضرت کا ایک مغتسل بھی ہوتا تھا۔ اس کو صادرہ کہا جاتا تھا۔ یہ چمڑے کا بنا ہوا ایک برتن تھا اس کے ساتھ آپ نہلایا کرتے تھے۔ اس کو واڑہ بھی کہا جاتا تھا۔ جس برتن سے پانی نکالا جاتا ہے اس کو صادرہ کہا جاتا ہے اور جس برتن میں پانی بھرا جاتا ہے اس کو واردہ کہا جاتا ہے۔ یہاں پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام پر یہ اعتبار مقصود اور معانی صادرہ کہنا موزوں تر رہے گا بجائے واردہ کے۔

آنحضرت کے گھر کا سامان:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ایک مدہن ہوتا تھا۔ یہ آئینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جمال باکمال کا مشاہدہ فرماتے تھے اور یہ حق ہے کہ صرف آپ ہی کو لائق ہے کہ آپ آئینہ ملاحظہ فرمائیں کیونکہ رب تعالی کے مظہر جلال و جمال صرف آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔

ربعہ آئینہ دان کو کہتے ہیں۔ اس میں آئینہ رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق قاموس آیا ہے کہ ربعہ عطردان اور مصحف کے صندوق کی طرح ہوتا ہے اور اسکندریہ سے ربعہ کی صفت اس لئے کی گئی ہے یہ بھی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مقوقس نے اسکندریہ سے بھیجا تھا۔ بطور ہدیہ' اور روضۃ الاحباب میں اس کو طبلہ کہا گیا ہے اور کہا گیا ہے اس طبلہ میں کنگھی اور مسواک مبارک' قینچی' سرمہ دانی اور ایک آئینہ ہوتا تھا۔ کچھ ارباب سیر نے استرہ اور چقماق کا تذکرہ کیا ہے۔ آئینہ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدلہ رکھا ہوا تھا۔ یہ لفظ تدلہ سے ہے۔ تدلہ کے معنی ہوتے ہیں عشق کے دوران عقل نہ رہنا اور مدہوش ہو جانا۔ اس لئے کہ اپنے آپ پر خود ہی عاشق ہو جاتے تھے اور یا دیگر لوگ جب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جلوہ کمال کی زیارت کرتے تھے از خود رفتہ ہو جاتے اور فریفتہ حسن نبوت ہو جاتے تھے۔ (تعالی اللہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک کنگھی (مشط) ہوتی ہے۔ یہ عاج کی بنی ہوئی کنگھی تھی۔ حدیث شریف میں مذکور ہے۔ **کان لہ مشط من عاج** عوام لوگ عاج کا مطلب ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی سمجھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہر تسلیم ہے۔ اس لئے کہ ہڈی میں موت نہیں آتی ہے۔ کیونکہ اس میں عدم حیات ہے۔ اسی حدیث پاک کی رو سے ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی کی تجارت کے جواز پر دلیل و حجت قائم کرتے ہیں۔ علماء کا بیان ہے کچھ اہل سلف اس سے کنگھی بنایا کرتے تھے۔ امام شافعی اس کو نجس گردانتے ہیں اور دریائی کچھوے کی اوپر کی پشت کی ہڈی کو بھی عاج کہتے ہیں یا اس سے مراد مویشی کی پشت کی ہڈی ہے۔ اس سے کنگن اور کنگھی بنائی جاتی تھی۔ اس کو ذیل پکارتے تھے۔ (بفتح ذال) اور حدیث مبارک میں جو مذکور ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سیدہ فاطمتہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے واسطے عاج سے بنایا ہوا ایک قلبہ خرید فرمایا تھا۔ اس قلبے سے مراد یہ ذیل ہی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک سرمہ دانی بھی رکھی ہوئی تھی جسے مکحلہ کہتے ہیں۔ اس سے آنحضرت ہر شب کو سونے سے قبل تین تین سلائیاں اپنی آنکھوں مبارک میں سرمہ لگاتے تھے اور ایک روایت میں طریقہ یوں بیان ہوا ہے کہ آپ پہلے دوبارہ سلائی دائیں آنکھ میں لگاتے تھے اس کے بعد تین دفعہ سلائی بائیں آنکھ میں لگاتے تھے اور ازاں بعد ایک مرتبہ پھر سلائی دائیں آنکھ میں پھیرتے تھے۔ یہ اس لئے کرتے تھے کہ دائیں آنکھ سے یہ عمل شروع کیا جائے اور دائیں پر ہی اس کا اختتام ہو۔ لیکن طریقہ اول ہی صحیح اور مشہور ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاں ایک عدد قصعہ بھی موجود تھا۔ اس کا نام غرا تھا اس میں چار عدد حلقے لگے ہوئے تھے۔ قصعہ ایک برتن کو کہا جاتا ہے۔ بڑے برتن کو جفنہ بھی کہہ لیتے ہیں اور صحفہ بھی پکار لیتے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک صحفہ ایسا برتن ہے۔ جو پانچ آدمیوں کی شکم سیری کے لئے کافی ہوتا ہے اور قصعہ وہ برتن ہوتا ہے۔ جس میں دس شخص پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ ان تینوں الفاظ کی جمع فعال کے وزن پر ہے۔ یعنی قصاع' جفان اور صحاف۔

صحاح میں نسائی سے نقل کیا گیا ہے کہ جفنہ سب سے بڑا برتن ہوتا ہے اس کے بعد دوسرے درجہ پر قصعہ ہوتا ہے۔ اس سے دس آدمی شکم سیر ہوتے ہیں۔ پھر صحفہ برتن ہے جو سات اشخاص کی آسودگی کے لئے کافی ہوتا ہے ازاں بعد ملیکہ کا درجہ ہے۔ یہ دو یا تین آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک صاع اور ایک مد بھی ہوتے تھے۔ ان کو ناپ کر فطرانہ نکالتے تھے۔ (کذا قیل)۔ کھانا وغیرہ بھی ناپ کر ہی پکایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ کھانا ناپ کر خرچ کیا کرو۔ یہ صاع اور مد دو مختلف سائز کے پیمانے ہیں۔ چار مد کے برابر ایک صاع ہوتا ہے اور حجاز والوں کے نزدیک ایک مد ایک رطل اور تہائی کے برابر ہوتا ہے اور عراق والوں کے نزدیک دو رطل کے برابر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاں ایک عدد پلنگ بھی موجود تھا۔ اس کی پٹیاں اور پائے مبارک سے بنائے ہوئے تھے۔ اس پر چمڑے کا بستر ہوتا تھا۔ بستر میں چھلڑیں۔ بھری ہوئی ہوتی تھیں۔ اس کے اوپر ٹاٹ (پلاس) ہوتا تھا۔ اس کی دو

تھیں بنا کر آپ رات کو اس کا سرہانہ بنالیتے تھے۔

آنحضرت کی انگوٹھی مبارک:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چاندی کی بنی ہوئی انگوٹھی تھی۔ اس کا نگینہ بھی چاندی کا ہی تھا۔ مواہب الدینہ میں کہا گیا ہے کہ انگوٹھی لوہے کی بھی تھی۔ اس پر چاندی کا ملمع کیا ہوا تھا اور حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی منع فرمائی گئی ہے۔ یہ ملمع شدہ لوہے کی انگوٹھی کا ذکر یا تو صرف جواز کے لئے ہو گا اور یا یہ ابتدائے حال کی بات ہو گی۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت کے موزے مبارک اور جبہ شریف:۔ آپ کے پاس دو عدد موزے سادے سے موزے تھے۔ یہ موزے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھیجے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کو سفروں میں پہنا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تین عدد جبے تھے۔ یہ جبے آپ دوران جنگ پہنا کرتے تھے۔ ایک جبہ سبز سندس کا بنا ہوا تھا۔ دوسرا اطلس کا تھا اور تیسرے جبہ کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون سے کپڑے سے بنایا گیا تھا۔

جبہ ایسا کپڑا ہوتا ہے جس کو کٹ کر سیتے ہیں۔ اگر جیب لگائی جائے تو وہ قمیض ہوتی ہے اگر جیب نہ ہو تو وہ قبا کہلاتی ہے۔ اور جبہ ان سب کو شامل ہوتا ہے لیکن چادر اور عمامہ جبہ نہیں کہلاتے۔

طیالسہ جمع ہے طیلسان کی۔ یہ طیلسان سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ یہ عجم کے ملبوسات سے ہے۔ یہ سیاہ رنگ کا اور گول صورت کا ہوتا ہے اس کا تانا بانا سب پشم سے ہی ہوتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جبہ شریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصل پاک کے بعد سیدہ عائشہ سے یہ جبہ میں نے حاصل کر لیا۔ اس جبہ کو دھو کر وہ پانی شفایابی کی خاطر میں مریضوں کو دیا کرتی تھیں۔ (رواہ مسلم)۔

آنحضرت کا عمامہ شریف:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک عمامہ مبارک کو سحاب فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر ایک عمامہ شریف سیاہ رنگ کا بھی تھا۔ مولف روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واہ وسلم کے اس دنیا سے وصال کے وقت آپ کے جو ملبوسات موجود تھے وہ یہ ہیں۔ روبرو، جرہ، صحاوی جامہ، عمانی تہبند، سحولی قمیص، یعنی جبہ شریف قیمہ تلیفہ سفید رنگ کی چادر اور ایک عدد رضائی (لحاف)۔ یہ لحاف ورس سے رنگیں کیا ہوا تھا اور آپ کے پاس کچھ طاقیہ خود بھی تھے۔

واضح ہو کہ بردبضم باء چادر کو کہتے ہیں (کذافی الصراح) اور حبرہ بکسر حاء اور فتح باء ایک قسم کا کپڑا ہے۔ صراح میں بتایا ہے کہ برد یمانی اور صحاری ایک قریہ صحار نام سے منسوب ہے۔ یہ بستی یمن میں واقع ہے۔

حدیث پاک میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صحاری کپڑوں سے تکفین کی گئی تھی اور کہا جاتا ہے کہ صحر سے صحاری بنا ہے اور ہلکی سی سرخی جو غبرہ کی طرح ہو کو صحرہ کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے ثوب اصحر و صحاری۔ عمانی

بضم عین اور تخفیف میم۔ یہ یمن کے ایک شہر کا نام ہے "عمن بالمکان او اقام بہ۔" اور شام میں جو واقع ہے وہ عین کی فتح اور میم کی تشدید سے ہے اور قاموس میں آیا ہے کہ غراب کے وزن کے مطابق عمان ایک شہر ہے یمن میں اور شداد کے وزن پر عمان شام کا بھی ایک شہر ہے۔

اور حدیث پاک میں یوں بھی مذکور ہے کہ کفن سحولی کپڑوں کا دیا گیا تھا۔ سحولی سین کی فتح سے ہے۔ اور یا سین کی ضم سے ہے۔ فتح کے ساتھ سحولی معنی کے اعتبار سے قصار کی جانب منسوب ہوتا ہے کیونکہ وہاں پر اس کی دھلائی کی جاتی ہے اور اس کو سفید کرتے ہیں۔ اور یا یہ قصبہ سحول کی طرف منسوب ہے جو کہ یمن میں واقع ہے اور سحل اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو یہ ثوب کی جمع ہے۔ یہ سوت کا بنا ہوا سفید رنگ کا بڑا صاف کپڑا ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ضمہ کے ساتھ اس کی نسبت قصبہ سے ہے اور جو خمیصہ ہے وہ ایک مشہور گھاس از قسم فرسے بنتا ہے اور یا یہ نقشین اون سے بنایا جاتا ہے۔ بعض نے اس کو سیاہ رنگ سے مقید کیا ہے۔ اور صراح میں بتایا گیا ہے کہ سیاہ رنگ کا چوکر کمبل ہوتا ہے اس کے دو نام ہیں۔ قطیفہ ریشم سے بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ ہو تو یہ ایک چادر کو کہا جاتا ہے۔ جو سوتی ہوتی ہے اور ورس فتح وال کے ساتھ یہ ایک گھاس ہوتی ہے اس سے کپڑے کو رنگین کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے پیچھے نہ درہم چھوڑے نہ دینار۔ نہ بکریاں یا اونٹ ہی چھوڑے اور راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام کے متعلق شک ہے اور اس کے برعکس نہیں جو کہ ذکر کیا گیا ہے یعنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھوڑے اونٹ اور خدام و غلام تھے۔ آنحضرت نے وہ سب صرف فرما دیئے تھے اور تقسیم فرما دیئے تھے اور ان کو آزادی بخش دی تھی اور بنی نضیر اور فدک والی املاک مسلمانوں کے لئے وقف شدہ تھیں وہ مسلمانوں کی ضروریات اور آنحضرت کے اہل بیت کے حوائج اور نفقہ وغیرہ پر خرچ کی جاتی تھیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چند تبرکات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے وہ اپنے گھر میں اچھی طرح محفوظ کیا ہوا تھا۔ وہ روزانہ ان کی ایک بار زیارت کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات کوئی معزز شخص آتا تھا تو وہ اس کو اس مکان میں لے جا کر تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "**میراث اکرامکم اللہ واعزکم بہ**" اور سیرت نگار حضرات بیان کرتے ہیں کہ اس مکان کے اندر ایک عدد پلنگ اور چمڑے کا ایک عدد گدا چھلڑے سے ملفوف ایک عدد جوڑا موزے شریف' قطیفہ' چکی اور ایک عدد ترکش بمعہ چند تیروں کے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اس قطیفہ مبارک میں ہنوز نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سر اقدس کی تراوٹ موجود تھی۔ ایک آدمی سخت بیمار تھا اس کو شقلنہ ہوتی تھی۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ حضرت عمر نے وہ قطیفہ تھوڑا سا دھو کر پانی اس آدمی کی ناک میں ٹپکایا پس وہ مریض صحیاب ہو گیا۔

تکملہ

اس تکملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی وہ صفات بیان کی ہیں جو اہل معرفت حضرات نے اپنے الفاظ میں بیان کی ہیں۔ نیز اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں توجہ کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے نیز آنجناب سے استمداد اور استعانت کے بیان میں ہے۔

واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے احوال و اوصاف مبارک دو طرح کے ہیں ایک قسم وہ ہے جن کو ثقہ راویوں سے احادیث اور اخبار میں نقل کئے گئے ہیں اور سیرت کی کتب میں جن اخلاق و اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اس امر کا کافی بڑا ثبوت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جملہ انبیاء اور رسولوں میں سب سے افضل اور اکمل ہیں۔ دوسری قسم ان اوصاف و احوال کی ہے جو مکاشفان اسرار حقیقت اور انوار وحدت کا مشاہدہ کرنے والوں نے بصیرت کی آنکھ سے دیکھے اور ان کا اظہار و ابراز کیا ہے پہلی قسم عون عنایت الٰہیہ سے سابقہ ابواب میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اب میں دوسری قسم کے احوال و اوصاف کی تکمیل و تتمیم کرتا ہوں۔ بیدہ التوفیق۔

واضح رہے اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے ذاتی اسماء سے پیدا فرمائے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتیہ سے اولیاء کرام کی تخلیق ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ سے پیدا کی گئی ہے۔ سید المرسلین صلوۃ اللہ وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین ذات حق سے پیدا شدہ ہیں۔ آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کا ظہور حق بالذات ہے اور ظہور و بروز کے اقتضاء سے زیادہ اور ظاہر تر صفات و اسماء میں۔ اس لئے حق تعالیٰ کی صفات سے ہر صفت میں خوب ظہور ہوا ہے اور جمال اور جلال سے جو کچھ بھی مخصوص شدہ تھا اس کا ظہور ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہر اسم پاک اپنے معنوی کمال کے اقتضاء کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔ اور جیسے کہ حقیقت سریہ پر بطون میں اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کی کنہ خفا میں تھی وہ اسی طرح باقی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اسمائے صفات کے حقائق مشہد معنوی میں اکٹھے ہوئے۔ **نات حیث لا کیف ولا این** اور آواز دی گئی۔

اور آواز دی گئی اور الہام کے طور پر فرمایا گیا۔ میں نے اس کمال کا اظہار کر دیا اور حد و شمار سے باہر مقامات جلال و جمال کو ظاہر فرما دیا پھر بھی یہ تمام وحدت کے سمندر سے ایک قطرہ ہیں اور ذات بیضاء کا ایک ذرہ ہے۔ ہیہات کہاں ہمارا اجتماع اور کہاں حقیقت ذات اور کہاں شیون ذاتیہ حق کا اظہار اور کہاں اسمائیہ و صفاتیہ حقائق کا بروز پس پھر عبارت منیہ کی کنہ سے اشارہ ہوا کہ میں اپنی ذات سے نکل کر ایک حقیقت کی تخلیق فرماتا ہوں۔ جس میں تمام کمالات اسماء و صفات شیونات ذات ہوں اور اس میں اس طرح کا بروز ابراز کروں جو عین مکنونات خود ہے اور اس طرح کا ظہور واقع فرماؤں جو کہ عین بطون ہے جو صورت ربیہ سے متصور ہو اور مشاہد رفیعہ اس کی منزل ہو اور وہ تمہارے واسطے نشاۃ رفیع ہو اور انشاء بدیع کی جامع ہو اور اپنی حد کے اندر وہ ممتاز ہو اور کنہ کمال میں وہ مرموز بھی ہو کہ وہ پہچانی بھی نہ جائے اور اس کی توصیف نہ کی جا سکے۔ اس کی نسبت مظہراتم ' اکمل ' محلی اعز و افضل ہو تمہارے مظاہرہ عظمیہ و محال کریمہ کے مقابلہ میں۔ جس طرح ذات کو صفات سے نسبت ہے تاکہ میری برتری کے مطابق میری بنا بھی کامل ہو۔ اس کے نام اشتقاق حمد سے کر کے محمد ' احمد اور محمود اس کا نام رکھا

ہے۔ اس کو میں نے علیٰ تخلیق کیا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوائے حمد تھمایا ہے اور وسیلہ عظمیٰ اس کا مقام بنادیا ہے۔ لہٰذا جملہ دیگر انبیاء علیہم السلام اللہ کے اسماء و صفات کے مظہر ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجلال و اکرام کے مرتبہ کے ختام ہیں اور اولیاء و انبیاء سب بالواسطہ ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات حق سے خلقت یافتہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا آنحضرت پر ظہور بالذات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سواء دیگر تمام سے جملہ صفات اور کمالات کے اعتبار سے فائق ہیں اور منفرد المقام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین مبارک بھی باقی جملہ ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے۔ کیونکہ جب بروز ذات ہو تو صفات مشہور نہیں ہوتے اور یہی سبب ہے کہ عرش سے اوپر تک آنحضرت کو عروج حاصل ہے۔ کیونکہ جملہ اسماء پر ذات کو فوقیت حاصل ہے اور رحمانیت حق کے آنحضرت محل ہیں اور یہ رحمانیت حق عرش کی نسبت فوق تر اور وسیع تر ہے اور عرش تو محیط اجسام ہی ہے جبکہ رحمت ہر شئے پر وسعت رکھتی ہے۔" رحمتی وسعت کل شیئی" لہٰذا حقیقت محمدیہ تمام موجودات کے لئے مصدر اور تمام کا مبداء اور جمیع فیوض و برکات کے لئے واسطہ اور سرچشمہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی کل مقام وعلی کل حال)

وصل:۔ حضرت احدیت محل اسماء و صفات ہے۔ اور ذات کمالیت آپ پر عاشق ہو گئی جیسے کہ اسم کو اپنے مسمی کے ساتھ اور صفت کو اپنے موصوف کے ساتھ عشق ہوتا ہے اور ان کمالات معانی میں سے ہر معنی اپنی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کرتا مگر اسی کی جانب اور نہ اپنی ہویت پر ہی دلالت کناں ہے۔ مگر اسی پر لہٰذا یہ جو کمالات مشار الیہ ان میں سے کوئی کمال متحقق ہو تو اسی پر وہ معصوف ہے اور اسی کا تابع ہو گا اور اسی میں صفت نوریت کی اصل منحصر ہے اور اس کے اسماء میں سے نور ہے۔ گو جمیع انبیاء و اولیاء اس صفت نوری سے متصف ہیں اور اسی صفت نوری کے ساتھ وہ مستحقق ہیں جبکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صفت کی اصل ہیں اور حقیقت ہیں اور حقیقت شیئی اور متحقق بالشئی میں فرق عظیم ہے۔ جملہ موجودات اسی نور کے مظاہر اور محل ظہور ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ "انا من نور اللہ والمومنین من نوری" یعنی میں ہی اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں دیگر تمام مومنین میرے نور سے ہیں۔

ایک روایت یوں بھی ہے۔ انا من اللہ والمومنون منی میں اللہ سے ہوں اور کل مومنین مجھ سے ہیں۔ یہ اشارہ بھی مذکور مفہوم کی طرف ہی ہے۔ یہ مومنوں کی جو تخصیص کی گئی ہے یہ اتفاقی اور مناسبت و موافقت مقام کے اعتبار سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وجود کونیہ کے ساتھ نزول فرمایا تو آنجناب کی وساطت سے جملہ عقول، نفوس، لوح و قلم، عرش و کرسی، افلاک و کواکب، ارکان و معادن، نباتات و حیوانات اور یہ انسان تخلیق یافتہ ہوئے اور یہ انسان جملہ حقائق کونیہ کا جامع نسخہ ہے اور اسی واسطہ سے کارخانہ وجود پیوستہ یہ انتظام ہوا اسی ترتیب سے نے جو کلام حکماء وعرفا میں مسطور ہے۔ اس لئے کہ گنتی میں موجود ترتیب کے مطابق ہی موجودات کی ترتیب موجود ہے۔ یعنی ایک بعد دو اور دو کا وجود ممکن نہیں جب تک متحقق نہیں۔ اس طرح چار کا عدد ہے اور چار متحقق نہیں جب اس میں تین کی شمولیت

نہیں۔ اس کی مانند اوپر تک گنتے جائیں پس معلوم ہوا کہ کوئی عدد موجود نہیں ہو سکتا تھا آنکہ ماقبل موجودات تسلیم نہ کئے جائیں اور یہ تمام واحد سے موجود ہوئے ہیں یعنی ایک سے اور واحد عدد نہیں۔ کیونکہ جب کوئی عدد دوسرے عدد سے ضرب کھاتا ہے تو اس سے عدد بر آمد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک جملہ اعداد کو ایک کے ساتھ ضرب دیا جائے تو کوئی چیز بر آمد نہ ہوگی۔ لہٰذا عقل اول ہی تمام عالم کے وجود کی اصل ہے اور عقل اول حقیقت روح محمدی ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ عالم امر کیوں نہ ہو اور خواہ عالم خلق ہو۔ جمیع علل کی فی الحقیقت وہ ہی علت ہے۔ (اب غور فرمائیں) کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ذات پاک و منزہ ہے اس بات سے کہ وہ کسی شئی کے وجود کی علت ہو۔ پس مذکورہ بیان سے حقیقت وجود محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیل کا پتہ چل گیا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی اول وجود اور آخر وجود ہیں مذکورہ مفہوم و معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد عالیہ میں یوں ظاہر فرمائے کہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت زمانے نے اس ہیئت پر کروٹ بدل لی جو کہ تخلیق آسمانی کے وقت پر تھی اور وجود کا دائرہ درجات عالیہ میں موجودہ صورت و معانی میں اس کے ظہور سے ہی تکمیل پذیر ہوا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح بطون ذات میں ذات کے ساتھ اقرب خلق ہیں۔ آخر میں بھی آپ ویسے ہی حیات کے اعتبار سے اعلیٰ و اکمل خلق ہوں گے۔ یہی وہ مقام ہے جس کا نام وسیلہ رکھا گیا ہے اور اس کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے واسطے اس کی دعا فرمانے کا امت کو حکم صادر ہوا ہے۔ وسیلہ کے معنی ہوتے ہیں سبب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی ابتدا میں وجود خلق کے پہلے سبب ہیں اور آخر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلق کے قرب کے سبب ہوں گے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی اقرب صوری و معنوی ہر دو میسر ہوئے اور آپ کے علومکان اور علومکانیت دونوں کامل ہوئے۔ اور وصفاً" اور حالاً" اکمل عالم ہوئے۔ اور صورتاً" اور معناً" اعظم الشان ہوئے اور خلقت کے اعتبار سے اتم و اعدل ہوئے۔ **علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اتمہا واکملہا**

وصل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمل خلقت اور اس کا اعتدال اور اس صورت و معنی کے جمال و جلال کا ظہور اس حد تک ہے کہ حیطہ حصر و شمار سے باہر ہے اور جو کچھ علماء و عرفاء نے ذکر کیا ہے وہ دریا میں سے ایک قطرہ اور بیضاء کے مقابلے میں ایک ذرہ کی مانند ہے۔

جان لیں کہ موجودہ مراتب و مقامات کے اعتبار سے مطلق نظر کا وجود دو قسموں پر منقسم ہے ایک قسم لطیف ہے جیسے کہ معنی اور ارواح اور اس کا اشباہ۔ اور دوسری قسم کثیف ہے۔ جیسے کہ صورت و اشکال اور اجسام وغیرہ اور ان دونوں قسموں میں سے ہر قسم کی دو دو مزید نو عیتیں ہیں ایک اعلیٰ طرف ہے اور دوسری ادنیٰ طرف۔ پس اعلیٰ طرف معنوی ہے جیسے کہ انسان میں تخلق و تحقق بہ صفات الٰہیہ اور اخلاق کمودہ اور تمام مراتب کمالات معنوی اور اس علو کو علو مکانت کہتے ہیں اور اس کی نہایت خدا کے نزدیک ہے اور وہ ذات جل جلالہ ہی عطا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے اپنے نزدیک بزرگ کرنا چاہتا ہے اور جس کی تعظیم کا ارادہ فرماتا ہے اس میں یہ کمالات و مراتب جمع فرما دیتا ہے۔ اور اعلیٰ طرف صوری' افعال حسنہ

اعمال صالحہ' صور حسنہ' اشکال لطیفہ اور اماکن علیہ منیفہ ہیں۔ اور اس صوری علو کو علو مکان کہتے ہیں۔ اور اعلیٰ مکان جنت ہے اپنے درجات و مراتب کے فرق کے ساتھ اور اس کا درجہ اعلیٰ وسیلہ ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو وہ مقام وسیلہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اصحابہ وسلم اس علو مکان کے لئے مخصوص ہیں اور اس طرح سے وہ علو مکانت کے لئے بھی مخصوص ہیں کیونکہ ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دوسرا زیادہ قدر و منزلت والا نہیں ہے اور حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی شفاعت کو تمہارے لئے پنہاں رکھا ہے۔ اور کسی پیغمبر کے لئے اس کو پنہاں نہیں رکھا ہے۔

حضرت ابو جعفر محمد بن علی الحسین سلام اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اہل زمین و آسمان پر شرف کو مکمل فرمایا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ میں روز قیامت عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور وہاں میرے سوا کوئی اور شخص کھڑا نہ ہو سکے گا اور فرمایا کہ آدمیوں کو دوبارہ قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا اور جب وہ درگاہ الٰہیہ میں آئیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ ناامید ہوں گے تو میں ان کو بشارت دینے والا ہوں گا۔ لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولاد آدم میں سے میں سب سے زیادہ گرامی قدر ہوں اور فخر نہیں کرتا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب درگاہ پاک میں آئیں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب وہ خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔ اور وہ سنیں گے۔ جب ان پر نجات کے سب دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ تو میں ان کا شفیع ہوں گا۔ اور لوائے کرام میرے ہاتھ میں ہے۔ اور پروردگار کے پاس میں تمام اولاد آدم سے زیادہ اکرم و بزرگ ہوں۔ اور روایت میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **انا سید ولد آدم یوم القیامہ وبیدی لواء الحمد ولا فخر** اور کوئی ایسا پیغمبر کوئی نہیں آدم علیہ السلام سمیت مگر یہ کہ وہ میرے جھنڈے تلے ہوگا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ آگاہ رہو کہ میں خدا تعالیٰ کا حبیب ہوں اور انہی سے ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ **انا اکرم الاولین والاخرین ولا فخر اللھم صلی وسلم علیہ۔**

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہوا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں زمین کے مشارق و مغارب میں گھوما ہوں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فاضل تر کوئی دیگر شخص میں نے دیکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی اکملیت اور تمام صوری و معنوی کمالات پر آنحضرت کے محیط ہونے کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں جو احاطہ شمار و حصر میں لانا ناممکن ہے اور آپ کی افضلیت اور اکملیت میں کسی کو کوئی تنازع و اعتراض نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی علو مکانت ہے۔ جس کی تعبیر اسماء وصفات کے حقائق ہیں اور علو مکان سے تعبیر ہے مقام وسیلہ اور مقام محمود۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تمام مخلوقات میں سے مکان کے لحاظ سے اور مکانت کے اعتبار سے افضل ہیں اور صورت ومعنی کے لحاظ سے نہایت علو وجودی آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ طرف اعلیٰ کے بارے میں بیان ہے جس سے کہ مکان اور مکانت دونوں تعبیر ہیں اور دونوں طرفوں کی دونوں نو میتیں بیان ہو گئی ہیں۔

جہاں تک دونوں اطراف کی ادنیٰ نو میتوں کی بات ہے جس سے سقوط مکان اور سقوط مکانت مراد لیا جاتا ہے۔ وہ دونوں نو میتیں شیطان کے حصہ میں آئی ہیں اور شیطان کے پیروکار اشقیاء کے لئے ہی وہ حد ومقام ہے۔ **نعوذ باللہ من ذالک** اب اس باب میں دو وصل کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔

پہلی وصل:۔ کمالات معنوی:۔ وصل اول میں وہ کمالات معنوی بیان کئے جاتے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علو مکانت میں پروردگار کی بارگاہ میں حاصل ہے۔ یہ دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک قسم کمالی ہے۔ اس کے ساتھ کاملین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین متخلق و متحقق ہوئے ہیں۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ **تخلقوا باخلاق اللہ** دوسری قسم کو کمل کونی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ کاملین متصف اور متخلق ہوئے ہیں اور ان تمام صفات کا مجموعہ "مکارم اخلاق ہے۔"

اور یہ چیز پوشیدہ نہیں ہے کہ ذات حق تعالیٰ نے کسی بھی ذات مخلوق میں اس قدر مکارم اخلاق عطا نہیں فرمائے ہیں جتنے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مکارم اخلاق اور محامد صفات کو جمع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ جملہ مکارم اخلاق آپ کے ساتھ ہی پیدا ہوئے اور آپ کے ذریعے ہی وہ تکمیل پذیر ہوئے اور آپ ہی پر ختم ہوئے اور مکمل ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے بارے میں فرمایا۔ **انک لعلی خلق عظیم** کتب احادیث وسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور خصائل جلیلہ اس حد تک اٹی پڑی ہیں کہ حد وسلب اور شمار سے باہر ہیں۔

حضرت عارف کامل شیخ عبدالکریم حنبلی رحمتہ اللہ جو کہ مولف کتاب قاموس اعظم و قابوس اقدم ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں مذکور ہوا ہے وہ دریا سے ایک قطرہ ہے اور جو کچھ ابھی مذکور نہیں ہو سکا ہے۔ ان مکارم سے سوائے آنحضرت کے کوئی متصف نہیں ہوا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں۔ کسی دوسرے میں ان کو جمع نہیں کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم ان سب مکارم اخلاق کے جامع ہیں۔ اس سے معلوم اور عیاں ہوتا ہے کہ آپ کا خلق معنوی کا کمال کس قدر اکمل ہے۔

اور جہاں تک کمل حقی کا ذکر ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو عطا فرمایا ہے اور آپ کو اس سے مخصوص فرمایا ہے وہ ادراک کے احاطہ میں نے والی مقدار سے فزوں تر ہے اور غور وفکر اور پہچان کی حدود سے بیرون ہے۔ اس کی کوئی حد ونہایت اور غایت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع اخلاق الٰہیہ اور صفات ربوبیہ سے

متحقق شدہ ہیں۔ شیخ مذکور عبدالکریم حنبلی رحمتہ اللہ اپنی کتاب "کمالات الٰہیہ در صفات محمدیہ" میں ایک ایک علیحدہ علیحدہ اور ایک ایک رسم جدا جدا بیان فرماتے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں بیان کی ہیں کہ جن سے کتاب عزیز میں ان اخلاق الٰہیہ اور صفات ربوبیہ پر تصریحاً" یا اشارتاً" یا تلویحاً" دلالت ہوتی ہے۔ منجملہ ان میں سے ایک "اسم اللہ" ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس اسم کا مظہر ہونا اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ **وما رمیت ولا کن اللہ رمی**۔ خاک کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نیز فرمایا۔ **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم** اور شیخ قدس نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ ارشاد بھی انہی معانی پر مشتمل ہے۔ **انا عبد اللہ** اپنے رب کے ساتھ یہ آپ کی عبودیت آنحضرت کے اسم گرامی کے ساتھ آپ کی عبودیت آنحضرت کے اسم گرامی کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ آپ ہی اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہیں۔ شیخ رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ یہ بات جو کہ آنحضرت کے واسطے ہے اس کو تعظیم حق میں بعید اور محال نہ گردانا جائے۔ کیونکہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی نزاہت میں طعن نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے کمال میں کمی کا باعث بنتی ہے۔

یہ بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) خصہ اللہ . بمزید العلم والیقین کہتا ہے کہ تعجب ہے حضرت شیخ قدس پر کہ اسی بات پر معذرت طلب ہونے لگے ہیں۔ یعنی کہ صرف اس قدر ہی شان نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیان کرنے پر کمال الٰہیہ میں کمی کا شبہ ہونے لگا ہے۔ جبکہ حقیقت میں آنحضرت سراپا اور عین کمال الٰہی ہیں۔ اس میں معذرت خواہ ہونے کی کوئی موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ذات پیدا فرمائی ہے اور ظاہر کی ہے اور حقیقت محمدیہ اکمل شیونات الٰہیہ اور مظہر کمال نامتناہی ہے اس میں کوئی شک نہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے اسماء کثیرہ سے موسوم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ اسمائے حسنیٰ میں تعلق اور تحقق ہونے کا امکان مشہور ہے ورنہ اس جلیل اسم میں سوائے تعلق کے اور حاصل نہ ہے اور نہ ہی اس کا تحقق ہی ممکن ہے اور شیخ قدس کا کلام اس بارے میں ناظر ہے کہ نبی کریم کو اس اسم جلیل سے تخلق ہے اور اس اسم جلیل کے مفہوم میں تمام صفات کمالیہ کا اجتماع ہے اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جمیع کمالات لئے ہوئے ہے۔ لہٰذا جس قدر بیان ہو چکا ہے۔ اس سے وضاحت ہو گئی ہے لیکن اس میں ہرگز شبہ نہ ہے کہ الوہیت کا مرتبہ صرف اور صرف ذات الٰہی کا ہے۔ خدا خدا ہے اور بندہ صرف بندہ ہے۔ اور خدا کے بندہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ شیخ قدس فرماتے ہیں جو بندگی خدا کے ساتھ آنحضرت کو مخصوص ہے یہ مستقاضی ہے کہ آپ تمام صفات کمال سے متصف ہوں اور اسم باری تعالیٰ سے موسوم ہوں۔ یعنی کہ یہ بات فنا اور بقا پر مبنی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات و صفات میں فنا شدہ ہیں۔ تو لا محالہ وہ ان کے ساتھ ہی باقی ہیں اور ان کے ساتھ متصف ہیں حضرت شیخ قدس سرہ حقیقت محمدیہ کے دریائے فضل میں جس کی تعبیر وحدت ہے اس طرح سے مستغرق ہو چکے ہیں کہ ان کی نظر بصیرت کے سامنے دوئی کا نقش بالکل معدوم ہو چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت شیخ قدس سرہ نے کہا ہے کہ منجملہ اسماء کے ایک اسم "النور" ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام پاک ہے۔ **لقد جاءکم من اللّٰہ نور وکتاب مبین** نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور کتاب یعنی القرآن ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور کتاب مبین یعنی قرآن آیا۔

منجملہ اسماء ایک اسم "الحق" ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **جاء الحق من ربکم** تمہارے رب کی طرف سے حق آیا۔ اور نیز فرمایا ہے۔ **کذبوا بالحق لما جاءھم** کافروں نے حق کی تکذیب کی جب ان کے پاس حق تشریف فرما ہوئے۔ یعنی کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تشریف لائے۔

انہی میں سے ایک اسم "الرؤف" ہے اور ایک اسم "الرحیم" ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **بالمومنین رؤف الرحیم** اور ایک اسم "الکریم" ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **انہ لقول رسول کریم** یہ عزت والے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا قول اور فرمودہ ہے۔ ایک اسم پاک "عظیم" ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وانک لعلی خلق عظیم** اسم عظیم کا وصف ہے خلق۔ پس آنحضرت کو عظمت کے ساتھ موصوف فرمایا گیا ہے۔

ایک اسم البیہ ہے۔ "الشہید"۔ اور ایک اسم پاک ہے "الشاہد" اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق فرماتے ہیں (بقول عیسیٰ علیہ السلام) حکایت کے طریقے سے۔ **وانت علی کل شیئی شہید** اے اللہ تعالیٰ تو ہی ہر شے پر گواہ ہے اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے لئے ارشاد ایسے ہے **ویکون الرسول علیکم شہیدا** اور یہ رسول تم پر گواہ ہے۔

شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو اپنے اسماء سے موسوم فرمایا ہے۔ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں یہ نام ہیں۔ الخبیر' الفتاح' الشکور' العلیم' العلام' الاول' الاخر' القوی' الولی' الغفور' الہادی المومن' المبین' الداعی' العزیز وغیرہ یہ اسماء پاک حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو بھی ان اسماء سے موسوم فرمایا ہے۔ اس ضمن میں قاضی عیاض ہر نام کے لئے قرآن پاک سے آیہ کریمہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ تاکہ کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہ ملے اور کوئی مجادل اس میں نزاع نہ کرنے پائے اور پھر فرماتے ہیں کہ "اس کتاب میں صرف اس پر میں اکتفا کرتا ہوں" کیونکہ اہل تحقیق کو اس میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جمیع اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ سے متصف و متحقق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر کمالات بخشے گئے ہیں۔ کہ سوائے آنجناب کے دیگر کوئی ہستی سزاوار نہیں ہے۔ **کان خلقہ قرآن** آنجناب کا خلق قرآن پاک ہے اور قرآن پاک خدا تعالیٰ کا کلام پاک ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کی صفات کو خلق محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ٹھہرایا ہے اور چونکہ وہ اس چیز سے مطلع تھیں لہٰذا انہوں نے اپنی معرفت و ادراک کی داد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن پاک میں۔ **انہ لقول رسول کریم** بے شک قرآن پاک عزت والے رسول کا قول پاک ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔ پس اللہ

تعالیٰ کی صفات عظیمہ کے ساتھ متصف و متحقق ہونے کے بارے میں سوچ و فکر درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے پاک اور صفات عالیہ میں مقام تخلف پر اپنا ایک خلیفہ اور قائم مقام پیدا فرمایا اور تدبر لازم ہے اس لئے کہ اس کے تحت اسرار شریفہ بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم اور تم سب کو اس کی حقیقت کا ادراک اور آگاہی نصیب فرمائے (آمین واللہ الہادی)۔

وصل دوم (صوری کمالات):۔ کمالات صوری وہ کمالات ہیں جو اس بات کے شاہد ہیں کہ آنحضرت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدسیہ میں علو مکان سے متحقق ہیں۔ ان کمالات صوریہ کی تین اقسام ہیں۔ یعنی ذاتی فعلی اور قولی۔

قسم اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پاک اور آپ کی صورت جمیلہ ہے اور آنحضرت کی ذات شریفہ اجمل ذوات ہے اور اکمل و افضل اور اظہر و انوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صورت حبیبہ احسن تھی اور اجمل و اجلا ازکائے صور تھی۔ علماء کرام کو آنحضرت کے حلیہ شریف کے بارے میں جو کچھ اور جہاں تک میسر آیا انہوں نے جمع کیا اور قلمبند فرمایا اور بیان کیا شکر اللہ سعیہم یہ اس لئے کیا کہ آنحضرت کا جمال پاک تصور اور مطالعہ کمال میں رہے اور ہر ساعت ملحوظ خاطر رہے۔ اس میں مشق ہو سکے اور اس میں مراقبہ کیا جا سکے اور اپنا اس کو نصب العین بنایا جا سکے۔ تاکہ یہ جمال جانفزا پیش نظر رہنے سے دائمی محبت قائم ہو سکے اور کبھی فراق و جدائی واقع نہ ہو سکے۔ کمال و وصل کے حصول میں یہ اقرب طریقہ ہے اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے درجہ صحبت حاصل ہوتا ہے اور وافر النصاب اصحاب میں شمولیت کا یہ ذریعہ ہے۔ اس کے باعث صحبت معنوی' سعادت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ کا حصول ہوتا ہے۔ اور اتصال و دوام کے طریق کے مطابق اگر اس پر استطاعت حاصل نہ ہو تو پھر صلوٰۃ و سلام کے وقت ہی اس حلیہ پاک جانفزا کو اپنی کتاب میں رکھا جائے اور معلوم رہے کہ صلوٰۃ و سلام راستے کا نور ہے اور آنحضرت کے واسطے اقرب طرق ہے۔ **وباللہ التوفیق**۔

دوسری قسم کمالات فعلی کی ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے افعال پاک اور احوال مرضیہ شامل ہیں۔ جو کہ معلوم ہیں اور ماثور ہیں اور ان کے ساتھ صحف و دفاتر بھرے پڑے ہیں اور اس باب میں صرف یہ بات کفایت نہیں کرپاتی کہ تمام جہاں اور اہل جہاں کے جمیع اعمال و صفات آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میزان میں ہیں اس لئے رشد و ہدایت کے جمیع طریقوں کے بانی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی ہیں اور آپ کی وہ ذات ہے جس نے لوگوں کو گمراہی سے نکالا۔ آپ نے ہی احکام وضع فرمائے اور سنت قائم فرمائی۔ آپ ہی نے نماز روزہ وغیرہ قائم فرمائے اور آپ ہی نے حلال و حرام میں تمیز عطا فرمائی۔ اور جو بھی بھلائی اہل جہان کے لئے وجود پذیر ہوئی سب آپ ہی کے وجود باجود کے صدقہ اور ذریعہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ **من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل الی یوم القیامۃ** جس نے کوئی اچھی سنت قائم کی اس کے لئے اس کے حق میں اجر ہے اور جو لوگ قیامت تک اس پر عمل کرنے والے ہوتے رہیں گے ان سب کے اجر کے برابر بھی اس کو اجر عطا ہوگا۔ پس ان سب کے اجور آنحضرت کے واسطے ہیں۔ لہٰذا سب مخلوق کے اجر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے میزان اجر میں ہیں۔

بلکہ حقیقتاً یوں ہے کہ کل مخلوق کے اجور آنحضرت کے فضل کے سمندر سے ایک قطرہ ہیں اور ان سب کے لئے

آپ کل ہیں اور سب کے اصل ہیں۔ اور وہ جملہ آپ کے اجزاء اور فروع ہیں کیونکہ کسی کو طاقت و قدرت نہیں ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شدت اعمال اور قوت احوال کو احاطہ بیان میں لاسکے۔ پس جو کچھ وارد ہو چکا ہے اور مذکور ہو چکا ہے یہی کافی ہے۔ کہ آنجناب کے پاؤں مبارک لمبے قیام سے ورم کر جاتے تھے۔ حالانکہ آپ ماتقدم وما تاخر زنوب سے واضح طور پر مغفور ہیں۔ نیز آیا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے دست قدرت میں زمین نے تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں آپ اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔ جبکہ حال یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ آپ کی خاطر میں زمین میں جمیع پہاڑوں کو سونا کر دوں۔ لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے کہ آپ نے اس سے انکار فرمایا اور فقر اختیار فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں، بحرین کا مال پیش کیا گیا تو اتنا بھی آپ نے گوارا نہ فرمایا کہ اپنی گوشہ چشم سے ہی اس پر ایک نظر ڈالتے اور نہ ہی اس میں سے کچھ چیز اپنے گھر میں ہی لے گئے۔ حالانکہ گھر کی کیفیت اس وقت یہ تھی کہ کھانا تک موجود نہ تھا سوائے دو عدد سیاہ کھجوروں اور پانی کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صوری کمالات اس حد سے ورا الوراء ہیں کہ انہیں احاطہ شمار میں لایا جاسکے مذکورہ سب باتیں صرف نمونہ کے طور پر ہیں۔

آنحضرت کے صوری کمالات کی تیسری قسم قولی ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقوال فصیحہ اور کمالات بلیغہ شامل ہیں جن کے ساتھ کتب اسلام مملوو مشحون ہیں۔ یہ تمام یوں ہیں جیسے کہ سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہو اور روشنی کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہو۔ قرآن پاک میں جو ارشاد الٰہیہ آپ کے حق میں وارد ہے اور وہ آپ کا ہی کلام ہے اور باطن میں یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** آنحضرت اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ وہی ہے جو ان پر نازل فرمائی گئی ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی حدیث پاک کے ایک ایک کلمہ پر اگر تدبر کیا جائے تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ ہر کلمہ بہر پہلو ہر ہر حقیقت کا جامع اور محاسن ہے اور نبی کریم نے خدا تعالیٰ کی مخلوق کو ہر چیز کی ہدایت فرمائی ہے اور ایسی فضیلت نہیں چھوڑی جس پر آپ نے متنبہ نہ فرما دیا ہو۔ بنا برایں حق تعالیٰ کی جانب سے آپ کو خاتم النبین بنایا گیا۔ کیونکہ آپ خبرداری و آگاہی کے ہر دقیقہ کو احاطہ فرمائے ہوئے تھے اور آپ کو ہر طریق پر حقیقت سے آشنائی عطا کی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کسی بھی ھادیو مرشد کی ہرگز کوئی حاجت نہ رہ گئی اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز ہوئے جیسے کہ شروع میں آپ سابقین النبین ہیں۔ جب آدم علیہ السلام بین الماء والطین تھے آپ عظیم بزرگی کے حامل ہیں اور مرتبہ کریمہ پر سرفراز ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ ومحبنیہ وسلم۔

وصل:۔ جملہ موجودات کے مقابلے میں نبی کریم رؤف و رحیم ایسی قابلیت رکھتے ہیں جیسے کہ سمندر کی قابلیت ایک قطرہ کے مقابلہ میں ہے۔ معلوم ہو فیض الٰہیہ فیض کو قبول کرنے والوں کی تفاوت کے مطابق متفاوت ہوتا ہے۔ جیسے کہ آفتاب کی شعائیں آئینہ میں بہت دکھائی دیتی ہیں اور آئینہ آفتاب کے باعث یوں روشن ہو جاتا ہے کہ کسی کو تاب نہیں ہوتی

کہ اس کو دیکھ ہی سکے۔ اس دیکھنے میں آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں جبکہ اسی آفتاب کی وہی شعائیں جلوات پر پڑنے سے ایسا حال ظاہر نہیں ہوتا ہے اور یہی حال آئینہ کا ہے۔ اگر آئینہ معتدل قسم سے ہے تو اس میں سے چہرہ بھی معتدل ہی دکھائی دیتا ہے اور مستطیل صورت آئینہ سے چہرہ بھی طوالت میں نظر آتا ہے اور عریض آئینہ عریض چہرہ دکھاتا ہے اور چھوٹے سے شیشہ میں چھوٹا سا چہرہ دکھائی دیتا ہے اور بڑے آئینہ میں بڑا چہرہ۔ لہٰذا یہ پتہ چل گیا کہ قابلیت کے اندازہ کے مطابق ہی ثبوت فیض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے۔ وہ ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھے ہوئے ہے جبکہ قابلیتیں مختلف ہیں۔ تو قوابل کے مطابق ہی مخلوق میں فیض کا ظہور ہے۔

حق تعالیٰ جل جلالہ اپنے اسماء و صفات میں اپنی شان کے مطابق ظہور نہیں ہے جس طرح کا ظہور اسم "منتقم" میں ہے۔ لہٰذا ظاہر ایک ہے اور مظاہر چونکہ مختلف ہیں اس لئے ظہور بھی مختلف ہیں۔ مظاہر کے اندر ان کی قابلیتوں کے مطابق ظہور حق ہے اور اشیاء کی قوابل ان کے محلات کے ساتھ ہوتی ہیں۔ جن کا ان سے ظہور ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کے اسم "منعم" کے مظہر کچھ محل نعمت ہیں اور اسم "منتقم" کے بھی مظہر بعض محل نقمت ہیں اور یہ دونوں اسماء الٰہیہ منعم اور منتقم قدیم ہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی صفات کے اثر سے موجود ہے۔ پس اس عالم کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات کے حد و اثر کے مقام میں ہے۔

معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی اسم سے جملہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ لہٰذا ان کے محامد وہ اسماء ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتیہ سے اولیاء کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس ان کے محامد وہ اسماء صفاتیہ ہیں۔ باقی ماندہ جمیع موجودات صفات فعلیہ سے پیدا شدہ ہے۔ ان کے محامد وہ صفات فعلیہ ہیں اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کی ذات سے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ پس آنحضرت کا مقام اور حد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور آنحضرت پر حق کا ظہور بھی بالذات ہے یہی وجہ ہے کہ آپ جملہ صفات کے ساتھ منفرد المقام ہیں کیونکہ ذات کی جانب صفات راجع ہوتی ہیں اور آپ کا دین جمیع ادیان کا ناسخ ہے۔ کیونکہ جب بروز ذات ہے تو شہود ذات مفقود ہو جاتا ہے۔ ہاں ان کا علم باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت تو علیٰ حالہ باقی ہے وہ منسوخ نہیں ہوئی اور ان کے صرف ادیان متعلقہ ہی منسوخ ہوئے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم دائماً ابداً کی قابلیت سمندر کی طرح ہے اور دوسرے انبیاء اور اولیاء کی قوابل نہروں اور چشموں کی طرح ہیں اور باقی سارے جہان کی قابلیت یوں ہے جیسے ان کے قطرات یہ ملفوظات حضرت شیخ قدس سرہ کے ہیں اور اس بندہ حقیر (شیخ عبدالحق دہلوی) کی زبان پر یوں وارد ہوا ہے کہ یہ جملہ مثالیں جو اقرب 'کنزان' اقداح غرف 'قطرات اور بحر وغیرہ ہیں یہ اس لئے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم مجموعہ عام ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کی وہ روح مقدسہ ہے جو عقل اول ہے اور جملہ عالم اسی میں سے تخلیق یافتہ ہیں۔ لہٰذا جمیع موجوات کی قابلیتوں کے مساوی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلیت ہے۔ آپ کی ذات ہی مستفیض اول ہے اور مفیض ثانی بھی اور آپ ہی کی ذات مقدسہ کی طرف ذاتی فیض قدس متوجہ ہے۔ اور دیگر تمام موجودات اور مخلوقات کی طرف ان کی قابلیتوں کے مطابق آنحضرت کی ذات سے فیض متوجہ ہے۔ پس آپ ہی تمام

موجودات کے کل ہیں۔ اور آپ ہی کل شیئی ہے۔ وھو الکل اور آپ ہی کی ذات کل ہے اور اللہ تعالیٰ کل الکل ہے۔
حضرت امام عبداللہ یافعی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدح شریف میں ہے۔

یا واحد الدھر و یاعین الوجودی
ویاغیث الانام ہادی کل حیران
(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسم کی قابلیت کل ہے اور جمیع اکوان یعنی کہ انبیاء و مرسلین' فرشتے مقربین اور جمیع اولیاء صدیقین اور مومنین کی قابلیتیں جزوی ہیں۔ لہٰذا وہ تمام کے تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقام بلند کی انتہا کے ادراک و فہم سے عاجز ہیں اور آنحضرت کی شان رفیع کے طوق سے عاجز و قاصر رہیں گے۔ پس جب یہ معلوم ہو چکا اور خوب پہچان لیا گیا کہ کل انبیاء و مرسلین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے در اقدس کی رفعت کے سامنے اپنے سر جھکا دیئے اور آنحضرت کی شان بلند اور آپ کی عظمت کے سامنے زمین مذلت پر اپنی گردنیں جھکا دیں تو مندرجہ ذیل عہد سے یہی مراد ہوا۔ یعنی یہ عہد و میثاق انبیاء کرام علیہم السلام سے اخذ کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لانا آپ کی مدد کرنا ارشاد ربانی ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومتن بہ ولتنصرنہ

وہ موقع یاد میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ تمہیں کتاب و حکمت سے عطا ہوا ہو گا پھر تمہارے رسول تشریف لائیں اور تصدیق کریں تمہارے ساتھ جو کچھ ہو گا۔ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

جمیع اولیاء مقربین اپنی شان رفیع کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عروہ وثقی کے ذریعے اور تمسک سے عروج حاصل کرتے ہیں۔ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ کا دروازہ ہر طرف سے بند ہے لیکن سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دروازہ کھلا ہے اور سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازہ کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی کا ہر راستہ بند ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازہ ظاہری اور باطنی طور پر حاضری دے کر آپ ہی کی اتباع اختیار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکے اور اگر راستہ میں یہ رکاوٹ و بندش آڑے نہ آتی تو آنحضرت کے بعد اولیاء کرام بھی وہی دعویٰ بلند کرتے جو آپ سے قبل کے انبیاء نے کیا۔ امت محمدیہ کے اولیاء باطن میں اسی چیز سے مشرف ہوئے ہیں جو کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے بظاہر پائی تھی۔ اولیاء کرام نبوت حاصل نہ کر سکے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے۔

نبوت کے خاتمہ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ جو کچھ انبیاء کو میسر ہوا وہ نبوت سے ہوا اور تمام ادیان میں جو کچھ مشروع

کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا اذن سے کیا گیا۔ حتیٰ کہ دین محمدی کا ظہور ہوا تو سابقہ جملہ ادیان منسوخ ہو گئے کیونکہ وہ تمام دین جزئی تھے اور دین محمدی کلی دین ہے اور کل پر جز غالب نہیں آسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو کلیت کے حصول اس لئے ہے کہ آپ کو جملہ مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے جبکہ دیگر تمام انبیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی متعلقہ اقوام کی طرف ہی بھیجے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادیان کی یہ حالت تھی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین اپنے اندر تمام عالم کی قوت کا حامل ہے۔ خواہ وہ عرش ہو یا کرسی ہو اور افلاک اور املاک زمین و آسمان ہوں یا کہ وہ شمس و قمر یا دیگر کواکب ہوں۔ پانی ہو یا مٹی۔ خواہ وہ درخت ہو یا حیوانات اور جن و انس ہوں۔ جو کچھ تخلیق کیا گیا یا جائے گا۔ سب کا سب اس دین حق کی قوت کے تحت ہو گا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان تمام پر جمعیت کبریٰ کی زیادتی کی گئی جو کہ بالخصوص اس کی حقیقت و اصلیت ہے۔ یہی چیز قاب قوسین کی تعبیر کی گئی ہے اور یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے۔ سوائے آپ کے کسی کو اس سے کچھ حصہ بھی میسر نہیں ہے۔ ماسوائے اس کے اگر کسی کو کوئی وسعت و قابلیت کسی قدر میسر تھی تو اس کے مطابق اسے حصہ ملا۔ لہٰذا اس میں اچھی طرح سے غور و تدبر لازم ہے اسے سمجھ کر اس میں گم ہو جانا چاہیے۔ جس طرح دریا میں قطرہ کو فنا ہوتی ہے اسی طرح اس کے ساتھ آپ کو ہو جانا چاہیے۔ تاکہ سعادت کبریٰ اور مکان زلفی پر فائز ہو جائیں۔ اس میں سر جلیل اور امر نبیل کا نکتہ مضمر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے نصیبہ میں اس نکتہ کا شعور ہے تو تجھے سمجھ میں آجائے گا اور اسی بحر محمدی میں فنا ہونے کی طرف سیدی عارف شیخ ابوالغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے **خضینا بحرا وقف الانبیاء علی ساحلہ** میں اس بحر محمدی میں تیراکی کر چکا ہوں۔ جبکہ انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے ہیں۔ ان کا بحر محمدی میں فنا اور انبیاء کا ساحل پر ہی کھڑے رہنا اس بنا پر ہے کہ طوق حقیقی صرف ان کو مخص ہوتا ہے جو آنحضرت کے بعد آئے اور صورت میں آپ کی متابعت میں ہو۔ پس جو اولیاء کامل ہیں وہ آنحضرت کی صورت و معنی میں ملحق ہیں اور وہ دریائے عوق میں داخل شدہ ہیں بخلاف انبیاء سابقین کے۔ وہ صرف حکماً آنحضرت کے لاحق ہیں اور معنی کے لحاظ سے آنحضرت کے تابع اور لاحق ہیں اور صورت کے لحاظ سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام بحر لحوق کے ساحل پر کھڑے ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات کی حد میں متبوع ہیں اور اپنے سے کسی غیر کے وہ صورت میں تابع نہ ہیں۔ صرف معنی میں تابع ہیں جبکہ امت محمدیہ کے اولیاء آنحضرت کے حکمی، معنی اور صورت و معنی کے لحاظ سے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے کہ بحر محمدی میں اپنے وجود کے قطرہ کو فنا کرے۔ بے شک وہ سعادت کبریٰ مکانت زلفی پر فائز ہوا اور اس کو ہی اس طرح فرمانا زیب دیتا ہے جیسے کہ کتب الوقت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی اس نقش پا پر میں نے اپنا قدم رکھا ہے سوائے نبوت کے قدم کے کیونکہ وہ آنحضرت کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

پس آپ بھی کوشش کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ ملحق ہو جائیں اور آپ کی متابعت کے

سمندر میں غرقابی حاصل کریں۔ ونقلنا اللہ ایاک کذالک

وصل :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک حبیب ہونے کے اسرار بیان کرنے کے لئے اور آنحضرت کی مرکزیت محبوبیت کے بیان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث پاک روایت ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ایک روز صحابہ آنحضرت کے تشریف لانے کا بیٹھ کر انتظار کر رہے تھے۔ پس آنحضرت باہر تشریف لائے اور ان کے قریب آئے اور آپ نے سماعت فرمایا کہ ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ دوسرے نے کہا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام کرنا بھی تعجب خیز ہے کہ فرمایا ہے۔ **وکلمۃ اللہ تکلیما** تیسرا آدمی کہنے لگا۔ کہ عیسیٰ بھی **کلمۃ اللہ** اور روح اللہ ہیں۔ چوتھے نے کہا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔ پھر آنحضرت نے ان سے سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری بات چیت اور حیرانی کو دیکھا ہے اور سنا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ ابراہیم خدا تعالیٰ کے خلیل ہیں اور موسیٰ اللہ تعالیٰ کے کلیم اور نجی ہیں اور عیسیٰ روح اللہ ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا ہے اور تم جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا تعالیٰ کا حبیب ہوں اور میں فخر نہیں کرتا۔ میں لوائے حمد کا حامل ہوں قیامت کے دن اور یہ فخر نہیں ہے۔ میں ہی اولین شفیع اور مقبول الشفاعت ہوں اور فخریہ نہیں۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کی کنڈی کھٹکھٹائے گا اور میرے واسطے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور پہلے جنت میں داخل ہونے والا میں ہی ہوں گا۔ اور حال یہ ہو گا کہ امت کے فقرا میرے ہمراہ ہوں گے اور میں اولین و آخرین میں اکرم ہوں اور یہ فخریہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات میں جامع اور آپ کی افضلیت میں یہ اکمل حدیث پاک ہے قبل ازیں آنحضرت کے علو مکان اور علو مکانت مذکور ہو چکا ہے۔ اب یہاں آپ کے واسطے اسم پاک حبیب کی تخصیص بیان کریں گے۔ لہذا خوب معلوم رہے کہ حبی مقام مقامات کمالیہ میں اعلیٰ ہے۔ بے شک حدیث قدسی میں آیا ہے۔ **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان عرف فخلقت الخلق وتعرفت الیھم فی عرفونی وعرفت بھم** میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا مجھے پسند ہوا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسے اپنی پہچان کرائی اور مخلوق نے مجھے پہچان لیا۔ توجہ بالحب اول پیدائش ہے۔ اس کا جناب الٰہیہ سے مخلوقات کی ایجاد میں وقوع ہوا۔ باقی سب مخلوقات اس کی فرع ہیں اور حب کے واسطے سے جملہ حقائق کا ظہور ہوا۔

اگر حب نہ ہوتی تو مخلوق کی تخلیق واقع نہ ہوتی اور مخلوق کی پیدائش نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے کوئی واقف نہ ہوتا اور یاد رہے کہ مخلوق کا ظہور روح مطہر محمدی کے واسطہ سے ہے جیسے کہ سابقاً معلوم ہو چکا ہے۔ پس اگر روح محمدی نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ کو کوئی نہ جانتا۔ کیونکہ کسی کا وجود ہی نہ ہوتا۔ پس موجودات کے وجود کے لئے واسطہ اولیٰ حب ہے اور ہرگز شک نہیں ہے کہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو معراج کی رات ارشاد فرمایا۔ **لو لاک لما خلقت الافلاک** اس سے پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مخفی خزانہ کی معرفت کے لئے توجہ

حبی کے مقصد تھے اور آپ کے سوا کسی اور کا نہیں ہے۔

اور جس کسی نے آپ کی امت میں سے آپ کی اتباع کی اس کو اللہ تعالیٰ نے محبوب بنایا۔ قرآن میں ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ اور تمام مخلوق آپ ہی سے اللہ کے حکم سے وجود میں آئی۔ ارشاد فرمایا گیا۔ انا من اللّٰہ والمؤمنون من نوری میں اللہ کی ذات سے مخلوق ہوں اور تمام مومنین میرے نور سے ہیں۔ یہ اللہ سے منسوب ہونے کی خصوصیت صرف امت محمدیہ کو حاصل ہے دیگر کسی امت کو یہ حاصل نہیں ہے۔ پچھلی امتوں میں سے جو کوئی بھی یہ دعویٰ کرتا تھا۔ کہ احباء اللّٰہ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کی تکذیب فرمائی ہے اور متبعین محمدیہ کے واسطے حب کا اثبات فرمایا ہے۔ کیونکہ ہر امت اپنے نبی سے مخلوق ہوتی ہے اور اس کا اطلاق بھی اسی متعلقہ نبی سے ہے اور سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کوئی حبیب نہیں ہے۔ تو لازم ہوا کہ آپ کی امت ہی محبت کے ساتھ مخصوص قرار پائے۔

اب معلوم ہو کہ حب کے نو مراتب ہیں۔ ان میں سے ایک مرتبہ خالق میں ہے باقی سب مخلوق میں ہیں۔ جو پہلا مرتبہ خالق میں ہے وہی حب کہلاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ظہور کے اثر کی خاطر کوئی حرکت ہو۔ حب میں جب یہ کیفیت ہو تو ارادہ حاصل ہوتا ہے۔

فی الحقیقت ارادہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ مرتبہ خلق میں حب کا پہلا مرتبہ میلان ہے اس سے مراد مطلوب کی طرف دل کی کشش اور جھکاؤ ہے۔ جب یہ زیادہ ہو جاتا ہے تو اس کو رغبت کہا جاتا ہے اور جب رغبت میں زیادہ ہو تو طلب کہلاتا ہے اور طلب میں اضافہ ہو تو اس کو ولع کہا جاتا ہے اور ولع شدت پذیر ہو اور دوامی ہو جائے تو اس کو صابہ کہتے ہیں اور اس میں جب قوت آجائے اور یہ دل میں اتر جائے اور مطلوب و مراد سے انسیت ہو جائے تو اس کو ہوا کہا جاتا ہے اور ہوا کا جب غلبہ ہو اور دل پر چھا جائے اس کو شغف کہا جاتا ہے اور وہ اس حیثیت میں ہوتی ہے کہ محب کو اپنے آپ سے فانی کردے اور اپنے نفس سے فانی ہو کر جب وہ نمودار ہو تو اس کو اعزام کہا جاتا ہے اور اس کو جب استحکام اور پختگی حاصل ہوتی ہے اور ظاہر اور متمکن ہو جاتی ہے اور محب اپنے نفس سے فانی ہو جاتا ہے اور من جانب حبیب بھی شیٔی واحد کی حیثیت میں ہو جائے تو اس کو حب مطلق کہا جاتا ہے اس کو عشق بھی کہتے ہیں اور مخلوق کے واسطے محبت میں آخری مرتبہ یہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں محب حبیب ہو جاتا ہے اور حبیب محب ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کا رنگ دوسرے پر وارد ہو جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ روح عاشق صورت معشوق میں متمکن ہو جاتی ہے اور اس صورت روحانیہ کا تعلق اس کے دل سے ہو جاتا ہے اور اس صورت میں ان کا باہمی فک و مفارقت اور انفعا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے۔

رق الزجاج ورق الخم

اصل میں یہ نو مراتب حب مخلوق کے واسطے ہیں خدا تعالیٰ کے واسطے ان کا اطلاق نہیں کیا جاتا سوائے اس کے کہ یہ تمام مرتبے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ لیکن حب اور ارادہ فی الحقیقت اللہ کے واسطے ہے اور حب کا ایک اور مرتبہ بھی ہے۔

اس کا ظہور حق اور خلق میں ہوتا ہے۔ اس کا نام مرتبہ جامعہ ہے۔ اسے دوم قرار دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ودود ہے حق تعالیٰ جسے چاہے اپنے بندوں میں سے دوست رکھتا ہے اور بندے اس کو دوست رکھتے ہیں یہ دونوں مرتبہ میں مشترک ہیں اللہ کا ارشاد ہے۔ **فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ** جلدی ہی اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جسے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ظاہری عالم میں دونوں اطراف سے واقع ہونے کی وجہ سے عشق کے مراتب میں یہ مرتبہ انتہائی ہے اور اللہ تعالیٰ پر فوقیت رکھنے والا مرتبہ خلق میں کوئی نہیں ہے۔ **اذھو نار اللّٰہ الموقدۃ التی تطلع علی الانبدۃ** (فافہم)۔

وصل:۔ آنحضرت سے تعلق کی کیفیت اور آنحضرت کے دروازہ پر حاضری کی برکت کے بیان میں یہ فصل ہے معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو پسند فرماتا ہے اور آپ کو اس نے قیامت کے دن شفیع بنایا ہے۔ یہ مقام قرب عزت اور محبت کے لوازمات سے ہے اور آپ کے لئے یہ شفاعت عام قرار دی گئی ہے۔ شفاعت کے عموم میں سوائے آپ کے دوسرا کوئی نہیں۔ یہ راز ہے اس میں کہ آنحضرت سب مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور تمام مخلوق کے آپ نگہبان ہیں اور پیشرو ہیں اور ہر راعی اپنی رعایا کا نگہبان اور جوابدہ ہے۔ ان کے اعمال کی رعایت رکھنا اس پر ضروری ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت پر امت کی دنیوی اور آخروی مصلحتیں واجب فرمائی ہیں۔ اس لئے اس کی توفیق آنحضرت کی دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے وسیلہ کا وعدہ کیا جو کہ مقام محمود ہے۔ اصل میں وسیلہ سے مراد یہی ہے کہ آپ مطلوب تک رسائی کے وسیلہ و واسطہ ہیں اور وہ ہے شفاعت۔ اور اسی معنی و مفہوم کی ایک منزلت کی صورت فردوس اعلیٰ میں ہے۔ یہ منزل جنت کی منزلوں میں ارفع منزل ہے۔ آنحضرت وہاں پر ہوں گے اور ظاہری و باطنی معانی اور کمالات طواف کرتے ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابتدائے وجود و ظہور میں مخلوقات کے لئے واسطہ و وسیلہ ہیں اس طرح آپ مخلوق کی نہایت پر بھی اس کے لئے واسطہ و وسیلہ ہیں یہ اقامت فی الجنتہ کے واسطے ہے۔ پس آپ کا وجود اور دوسری جو بھی اشیاء ہیں جو وجود کی حامل ہیں ان کے لئے ازل و ابد اور اول و آخرین سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات کے دوسرا کوئی واسطہ و وسیلہ نہ ہے۔ **اللھم صلی اعلی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم** لہٰذا اے صدق طلب رکھنے والے! تجھے واجب و سزاوار ہے کہ ان کی بارگاہ بے کس پناہ میں تعلق پیدا کرلو۔ اور صرف ان کے ہی در اقدس پر ڈیرہ جمالو تا کہ ہر دو جانب سے تعلق اور لگاؤ میسر ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس وقت بھی کوئی جنت کی آرزو کرتا تھا تو آپ فرماتے تھے۔ **اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود** اس کو حکم فرماتے تھے۔ کہ نفس پر کثرت سجود طلب اور سعی سے اعانت کرو۔ تا کہ تم مطلوب کو پاؤ اور اتم و اکمل طور پر مقصد بر آئے۔ صرف یہی سبب ہے کہ اولیاء کاملین کا یہ قاعدہ ہے کہ آنحضرت کی بارگاہ اقدس سے متعلق ہو کر آپ ہی کے در پر جبہ سائی میں مصروف رہتے ہیں اور اہل کمل کا یہی طریقہ ہمیشہ رہتا ہے اور جس کے حق میں مشیت ربی تکمیل اور اعلیٰ مرتبہ تک رسائی کے لئے ہوگئی اس کو اس کی توفیق عطا فرمائی اور جس وقت بارگاہ اقدس کی

منزلوں میں کسی منزل پر اولیاء کاملین حاضر ہوئے ہیں جہاں پر بارگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نظر ڈالنے کا امکان ہو تو جو انوار الٰہیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ پر نازل ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ان کی طرف بھاگتے ہیں۔ اور بارگاہ الٰہیہ کے کلمہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب پھیرتے ہیں اور دیگر ہر طرف سے غافل شعار ہوتے ہیں جس کے مقتضی کمالات الٰہیہ میں سے ان کے حقائق ہوتے ہیں اور آنحضرت کی بارگاہ کے ادب کے پیش نظر اپنے کمالات کو گم کر دیتے ہیں۔

اس حالت کی برکت کی وجہ سے انہیں اس چیز سے وافر میسر آتے ہیں جس کی شرح امکان سے باہر ہے۔ اس دوران سماعت و بصارت محمدی کے ساتھ وہ کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں۔ جو قابلیت محمدی کے مناسب ہوتا ہے اور جو کسی کی ذات میں قوت نہ ہیں اور انہیں محمدی خلعتوں میں خلعت پہناتے جاتے ہیں جن کا امکان سوائے اس طریقہ کے نہیں ہے۔

اور یہی مراد ہے شیخ ابو الغیث بن جمیل کے قول سے جو انہوں نے کہا کہ ہم نے سمندر میں تیراکی کی ہے جبکہ انبیاء کرام کنارے پر کھڑے ہیں۔ یہاں بحر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوصہ شریعت ہے اور دوسرے انبیاء اسلام کی شریعت مراد نہیں ہے۔ پس جسے ظاہری و باطنی طور پر نسبت محمدیہ حاصل ہوئی وہ صورت اور معانی ہر دو لحاظ سے کما اتباع محمدی کے باعث حقیقت محمدیہ کے سمندر میں داخل ہو گیا۔ اس طرح وہ محمدی قابلیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کچھ چیزیں حاصل کرتے ہیں۔ تم اس مفہوم و مطالب کو جان گئے ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور کو اپنے اوپر لازم گردانو اور آپ کے در پر بستر جمانا ضروری گردان لو۔

اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ اس تعلق کی کیفیت اور آنجناب کی بارگاہ عظیم کی ملازمت کا حصول ہم نہیں پا سکتے تو لہٰذا یہ کیسے حاصل کیا جائے تو معلوم رہے کہ آنحضرت سے دو طرح سے متعلق ہوا جاتا ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ صوری تعلق ہو۔ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔ ایک قسم کمال اتباع پر استقامت اور قول و فعل کے لحاظ سے کتاب و سنت کے احکام و نہی پر مواظبت ہوتا ہے اور ائمہ اربعہ والا عقیدہ ہونا چاہیے یعنی امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ علماء محققین اس پر اجماع کئے ہوئے ہیں کہ یہ چاروں ائمہ حق والے ہیں اور یہی جماعت انشاء اللہ قیامت کے دن ناجی ہوگی۔ اس اتباع صوری کا کمال اس میں ہوتا ہے کہ عزائم امور کے فعل پر اعتماد کرے۔ رخصت کی طرف میلان نہ رکھے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزائم پر عامل ہونے کا حکم فرمایا ہے اور فرمایا **صبر کما صبر اولعزم من ارسل** اور اولو العزم انبیاء پانچ ہیں۔ جو اس آیت میں بیان ہوئے ہیں **شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا والذین اوحینا الیک وما وصی بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ** پس کامل الاتباع تابع کو عزائم امور کا اتباع کرنا چاہیے اور رخصت اور سہولت کی جانب مائل نہ ہو۔ یہی اسلام کا مقام ہے۔ ہم وہی چیز تمہارے واسطے بھی چاہتے ہیں جو اپنے لئے چاہتے ہیں۔ یہ قربت اور صدیقیت کا مقام ہے۔ اور یہ مشروط ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزائم امور میں اتباع اور عمل کرنے

کے ساتھ اور تا آنکہ تم نفس کی شناسائی اور اس کے اسباب وعلل کی پہچان نہ کرلو تم عزائم امور پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھو گے جیسا کہ اتباع وعمل کا حق ہے۔ یہ صرف اہل اللہ میں سے کسی کامل شیخ کے واسطہ سے میسر ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں وہ تمہارا رہنما ہو سکتا ہے اور وہ ہر وقت تمہاری حالت کے مطابق اعمال واحوال کی پہچان کر سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت امر میں ایک عرصہ غار حرا میں معروف عبادت الٰہی رہے تھے۔ جب نہایت ہو گئی اور عظیم الشان ہو گئی۔ اس خلوت نشینی اور عبادت کو ترک کر دیا اور سوائے رمضان شریف کے آخری عشرہ کے سارا سال اپنے صحابہ کے ساتھ رہنے لگے اور ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ طالب اس چیز کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے سوائے اس کے کہ شیخ مرشد کا واسطہ ووسیلہ اپنائے صرف اس سے رہنمائی ہو سکتی ہے۔ یا بواسطہ جذب الٰہی کے جو اس ضمن میں اس پر کشف ہوا ہو۔ ہماری گفتگو مجذوب سے ہے۔ پس اے دانشمند! اتباع محمدی کے طالب کے لئے ہماری گفتگو واضح ہے۔ پس تم کو کسی شیخ کی تلاش کرنی چاہیے۔ جو تمہاری مدد کرے کہ تم کو تمہاری اپنی حالت کی معرفت ہو جائے اور معرفت الٰہی بھی حاصل ہو اور اس طرح کا شیخ حاصل ہو جانے کے بعد اس کے حکم کے خلاف ہرگز نہ عمل کرو نہ ہی اس سے علیحدہ ہونا خواہ مصائب وبلا سے تم تباہ کیوں نہ ہو جاؤ۔ اس کی حکم عدولی ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی کوئی حال اپنا اس سے پوشیدہ رکھنا اور کوئی گناہ تم سے واقع ہو ہی جائے تو بھی اپنے شیخ سے عرض کرو کہ وہ اسے تم سے دفع کرنے کی جدوجہد کرے گا اور اس کا علاج بھی کرے گا تمہارے حال کے مطابق یا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کر کے شفاعت کرے گا اور اس ذلت سے نجات دلائے گا اور اگر تمہیں کوئی ایسا کامل شیخ میسر نہ آسکے تو تمہیں اہل اللہ کا طریقہ اختیار کر لینا۔ اہل اللہ کے چار ہی طریقے ہیں۔

(i) ایک طریقہ ہے فراغ قلب کل یعنی دنیا و آخرت میں ماسوائے اللہ کی طرف میلان سے دل کو خالی کر دینا۔

(ii) دوسرا طریقہ ہے اقبال علی اللہ کل اللہ تعالیٰ سے مکمل لوح محبت کرنا جس میں اغراض و خطرات اور عدم التفات اور طلب عوض ہرگز نہ ہو۔

(iii) تیسرا طریقہ نفس کی مخالفت کرنا ہے۔ یعنی ہر چیز جو نفس اپنی پرورش کے لئے طلب کرے اس کی مخالفت کی جائے اور ماسوا اللہ کو ترک کر دینا سب سے بڑھ کر نفس کی مخالفت ہے اور یہ ترک نظر' اعتقاد اور علم میں ہے۔

(iv) چوتھا طریقہ ہے دائمی ذکر۔ اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے جماو جلال کو دیکھتے ہوئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا۔ یہ ذکر لسانی ہو یا قلبی' روحی ہو یا سری خواہ یہ ذکر ان تمام طریقوں کے ساتھ ہو جو اپنے مناسب مقام پر مذکور ہوئے ہیں۔

پہلی نوع کی دوسری قسم تعلق صوری اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت شدید محبت کے ساتھ اتباع کی جائے۔ تاکہ آنحضرت سے اپنی محبت کا ذوق اپنے تمام وجود میں پایا جائے حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم میں اپنے قلب و روح' جسم و جان اور اپنے سر اور اپنے ہر ہر بال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو پاتا

ہوں جس طرح کہ سرد پانی کی سیرابی اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ جبکہ میں سخت پیاس اور نہایت گرمی کی حالت میں ٹھنڈا پانی نوش کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت ہر شخص کے لئے فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم نبی مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی قریب تر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من انفسہ و مالہ وولدہ اور اگر تم اپنے آپ میں ایسی محبت کا فقدان دیکھتے ہو۔ تو پھر جان لو کہ تم ناقص ایمان رکھتے ہو۔ لہذا تم توبہ اور استغفار کرو اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور زیادہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر کرو۔ آپ کا نہایت ادب بجالاؤ۔ اور ممنوعہ چیزوں سے بچتے رہو اور دل میں توقع رکھو۔ کہ مجھے اگر ایسی حالت نصیب ہو گئی تو آنحضرت کے ساتھ میرا حشر ہو گا۔ کیونکہ آنحضرت نے ہی یہ فرمایا۔ المرء مع من احب آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے اسے محبت ہے۔

آپ پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ نوع اول میں میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ صوری تعلق کے بارے میں ہے۔ اور یہ اس وقت تک میسر نہیں ہوتا جب تک کہ ظاہراً" شریعت پر اور طریقت میں عزائم پر عمل نہ کیا جائے اور آنحضرت کے ساتھ مکمل محبت میں فنا اور ظاہراً" باطناً" آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نہایت تعظیم نہ کی جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم کے سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ آنجناب کے صحابہ کرام اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ بھی ادب و احترام بجالایا جائے اور ان سے محبت کی جائے۔ ان کے ساتھ محبت کرنے میں اور ادب بجا لانے میں ہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور ادب ہے۔ واللہ الموافق والھادی

وصل:۔ نوع ثانی ہے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ معنوی تعلق۔ اس میں بھی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صورت بدیع امثل دائماً" پیش نظر رکھی جائے۔ اگر کبھی تمہیں خواب میں جمال باکمال کی زیارت ہو چکی ہے تو وہ صورت موصوفہ جو خواب میں دیکھی اپنے سامنے حاضر رکھو اور خواب میں کبھی یہ شرف حاصل نہیں ہوا اور یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ اس صورت موصوفہ کو بعینہٖ اپنے سامنے حاضر رکھ سکو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر خوب کیا کرو۔ آپ پر درود سلام بھیجتے رہو اور دوران ذکر یوں ہو جاؤ۔ جیسے کہ آنحضرت آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہارا کلام خود سماعت فرما رہے ہیں اور کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آنحضرت کے جلال و عظمت اور حیاء و ادب کے ساتھ زیارت کر رہے ہو اور یہ کہ آنحضرت بھی خود تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صفات الٰہیہ سے متصف ہیں۔ صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انا جلیس من ذکرنی جو میرا ذکر کرے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس صفت الٰہی کا وافر حصہ میسر ہے کیونکہ وصف الٰہی کی معرفت آپ کی معروف صفت ہے اور سب لوگوں سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عارف ہیں۔

اے طالب! اب دیکھو کہ اگر تم اپنے کو اس صفت میں نہیں بنا سکتے ہو تو کبھی اگر تم نے آنحضرت کی قبر انور دیکھی ہے

آپ کا روضہ انور اور قبہ شریف دیکھا ہے۔ تو اس کو اپنے ذہن میں جمالو اور جب آنحضرت کے ذکر میں مشغول ہوتے ہو اور درود و سلام پڑھتے ہو تو یوں بن جاؤ۔ جیسے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضۂ پاک کے سامنے تعظیم و اجلال کے ساتھ کھڑے ہو۔ حتی کہ تم ظاہرا" اور باطنا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کو دیکھو اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو روضۂ پاک کو دیکھ سکو اور تم نے قبر انور کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا ہے۔ تو پھر آپ پر تم ہر وقت درود و سلام بھیجتے رہو اور تصور یوں رکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سماعت فرما رہے تھے اور نہایت ادب و احترام کی حالت اختیار کرو تا کہ تمہارا بھیجا ہوا صلوۃ و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت کے ساتھ بارگاہ عام پناہ میں پیش ہو۔ جمع قلب اور حضوری دبڑی موثر ہے اور صلوۃ و سلام بھیجتے ہوئے کسی دیگر کام میں مشغول ہونے سے شرم رکھو۔ تاکہ تمہارا درود و سلام ایک بے روح جسم کی طرح نہ ہو۔ یاد رکھو کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے۔ اس کا انحصار اس کے حضور قلب کے ساتھ کیا ہوا عمل زندہ ہے اور اگر دوران عمل غفلت شعار ہو اور غیر سے مشغول ہو تو وہ عمل بے روح جسم کی طرح ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے **انما الاعمال بالنیات** جملہ اعمال کا دار و مدار نیتوں اور دلی ارادوں پر ہے۔

حضرت شیخ کا قول ہے کہ میں نے سیدہ شیخ الشیخ اسماعیل جیرتی قدس سرہ سے سنا کہ ایک روز انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ بلانیت عمل شروع کر دیتا ہے اور پھر وہ اس اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے لگے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ عمل شروع کر لینے کے بعد بھی وہ نیت کرے۔ یہ ایسے ہی ہو گا گویا کہ روح پھونک دی اور اگر پہلے کوئی عمل بری نیت سے شروع کیا اور دوران عمل وہ بری نیت ترک کر کے نیک نیت کر لی۔ تو حسن صورت یہ بھی اس کے لئے فائدہ مند ہو گا۔ اس کے باعث اس کا عمل زندہ اور کامل ہو جاتا ہے۔ پس کوئی شک نہیں ہے کہ شیخ قدس سرہ نے جو فرمایا وہ صحیح ہے۔

تمہیں آگاہی ہو چکی ہے کہ تعلق معنوی کی پہلی قسم میں ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک صورت پاک کا تصور کر لینا چاہیے نیز اس چیز کا بھی تصور ہو جو آنحضرت کے ساتھ متعلق اور ہیبت اور جلال و کمال و نہایت احترام سے اس پر ہمیشہ قائم رہنا ضروری سمجھو۔ تو تمہیں سعادت کبریٰ اور مکانات زلفیٰ حاصل ہو گی۔ (واللہ الموفق)

تعلق معنوی کی دوسری قسم :۔ دوسری قسم یہ ہے کہ موصوف حقیقت کاملہ بکمال اوصاف جو کہ جمال و جلال کی طرح جامع ہے اور خدائے کبیر متعال کی صفات سے موصوف ہے اور ازل و ابد میں اللہ تعالیٰ کے نور سے مشرف ہے اور ہر کمال حقی و خلقی کو لئے ہوئے ہے ہر فضیلت کی حامل وجود صورت و معنی حقیقت کے عینا" شہادۃ" ظاہرا" و باطنا" تصور میں حاضر کرنا ہے اور یہ اس وقت تک محال ہے جب تک یہ نہ جان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہر دو جوانب میں ذاتی اور صفاتی حقیقت ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق نور ذات سے ہے اور ذات الہیہ کے اسماء صفات اور افعال و آثار کی حکمی و عینی جامعیت لئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں فرمایا ہے کہ **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی**

یہ آیت پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کمالات منیفہ میں سے ہے۔ لہٰذا میں اس کے معانی کی حقیقت واضح کرنے کے لئے ایک مثل بیان کرتا ہوں۔ تاکہ اس کا تصور تمہارے ذہن میں آسکے اور تم اس مثل کو دیکھ لوگے تو معانی انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے شعور میں متحقق ہو جائیں گے۔ تم یوں جانو کہ سارا وجود ایک دائرہ کی طرح ہے۔ اسے ایک خط سے دو برابر نصفوں میں تقسیم کر دیا ہوا ہے۔ وہ خط دائرہ کے مرکز پر سے گزرتا ہے۔ نصف اعلیٰ کا نام وجود قدیم' واجب الوجود اور حق بزرگ ہے اور تقسیم و انقسام سے یہ پاک ہے اور دائرہ کا جو نصف اسفل ہے۔ اس کا نام وجود محدث و ممکن اور خلق ہے اور دائرہ کار کا ہر نصف ایک قوس ہے اور اس قوس کا وتر خط واحد ہے۔ لہٰذا وہی خط دائرہ کی قوس کا وتر ہے اور دائرہ کے ہر نصف کے ایک قوس بن جانے کی بنا بھی یہی خط ہے اور یہی خط جو کہ وتر ہے قاب قوسین سے موسوم ہے۔ پس تم جان لو کمالات الٰہی اور کمالات خلقیہ کا صورتاً" اور معناً" جامع مقام محمدی ہے۔ مثالیہ وجود کے دائرہ کی شکل یوں ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عالم برزخ میں حق والحقائق کی حقیقت اس لئے ہیں کہ آپ ہی حقیقت الحقائق ہیں اور فوق ہیں۔ یہی سبب ہے کہ معراج کی رات آپ کے مقام عرش ہوا اور مخلوقات کی آخری حد عرش ہے اس سے اوپر کوئی مخلوق موجود نہیں۔ پس جملہ مخلوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تحت ہیں اور آنحضرت کا رب تعالیٰ ہی آپ کے اوپر ہے۔ اور آپ کے قریب ہی مستوی ہے لہٰذا حق اور خلق کی وسط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برزخ محسوسہ کی صورت میں ہیں اور ہر دو صفت سے دونوں اطراف میں صورت معناً حکماً" و عیناً" متصف ہیں۔ میرا مذکورہ بیان تم سمجھ چکے ہو تو اب تمہارے واسطے آسان ہو گیا ہے تم کمل محمدی کا کماحقہ انشاء اللہ استحضار کر سکو گے۔

تنبیہہ:۔ یہ واضح رہے کہ ہر عالم میں اس عالم کے مطابق حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک ظہور ہے۔ عالم اجسام میں جس طرح آپ کا ظہور ہے۔ آپ کا ظہور عالم ارواح میں یوں نہیں ہے۔ کیونکہ عالم اجسام بڑا تنگ ہے۔ اس میں عام روحانیات کی طرح کی وسعت نہیں ہے اور جیسے کہ عالم ارواح میں آنحضرت کا ظہور ہے عالم معانی میں آپ کا ظہور اس کی طرح پر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم ارواہ کے مقابلہ میں عالم معانی لطیف تر اور وسیع تر ہے اور جس طرح آنحضرت کا ظہور زمین پر ہے آپ کا ظہور آسمان پر اس کی مانند نہیں ہے اور جیسا آپ کا ظہور آسمان پر ہے اس کی طرح کا ظہور یمین عرش پر نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر این اور کیف نہیں ہیں۔ پس جان لو کہ ہر اعلیٰ مقام پر اس سے نچلے مقام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ظہور اکمل و اتم ہوتا ہے اور آنحضرت ہر مقام پر متعلقہ ظہور کے متعلقہ خاص جلات و ہیبت اور اسرار ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک بھی ہے کہ جہاں پر کسی نبی اور ولی کو طاقت نہیں ہے کہ وہاں پر آنحضرت کے ظہور کی طرف ایک نظر بھی اٹھا کر دیکھ سکے اور یہی مفہوم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا۔ لی مع اللہ وقت لایسعی فیہ غیر ربی اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ لی مع اللہ وقت لا یعنی فیہ لملک مقرب ولا نبی مرسل پس اے برادر! بلند ہمتی اختیار کرو تاکہ تم اعلیٰ مقامات پر حقیقت کبریٰ کا نظارہ کر سکو فانما ھو ھو۔ فافہم۔

اے برادر تم کو وصیت ہے میری طرف سے کہ ہمیشہ صورت و معانی کو دیکھو۔ گو تم متکلف ہو اور مستحضر ہو۔ جلدی ہی ان کے ساتھ تمہاری روح کو الفت و انس ہو گا اور بالکل ظاہرا" تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جمال باکمال دکھائی دے گا اور آنجناب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تمہیں ہمکلامی کی سعادت نصیب ہو گی اور آنحضرت تمہیں جواب مرحمت فرمائیں گے۔ تم عرض کرو گے اور آنحضرت تم کو مخاطب فرمائیں گے۔ پس تم اس وقت صحابہ عظام کے درجہ پر فائز ہو گے اور ان کے ساتھ تم انشاء اللہ لاحق ہو چکے ہو گے۔

وصل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں تخیل میں حاضر رہنا اور آنحضور کی صورت لطیفہ کو معانی عزیزہ منیفہ کے ساتھ پیش نظر رکھنا باوجود تفکر و تصور کے ذریعے ہونے کے بارگاہ عزت میں حاضری کا باعث اور آنحضرت کی بارگاہ قرب میں واصل ہونے کا سبب ہے۔ کیا تم یہ ملاحظہ نہیں کر چکے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اصدق القائلین ہیں اور آپ نے فرمایا ہے۔ **اکثر لم علی صلوۃ اقربکم منی** مجھ پر کثرت سے صلوۃ بھیجو۔ وہ تمہیں میرے قریب کرے گی۔ اس سے یہی مراد ہے کہ تمہارا کثرت درود میرے قرب کا باعث ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ درود خواں شخص دل کے تعلق سے آنحضرت کے جمال باکمال کے ساتھ پیوستہ ہو جاتا ہے اور آنجناب کی روحانی صورت پر دل سے عاشق ہو جاتا ہے تو اس طرح سے وہ آنحضرت کے قریب ہو جاتا ہے اور آنحضرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ **والمرء مع من احب** یہاں پر دیگر ایک نکتہ بھی موجود ہے۔ جو کہ آنحضرت کی حدیث پاک میں روایت ہے۔ یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ دعا کرنے والا شخص جس وقت اپنے مسلمان بھائی کے حق میں کوئی دعا کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے کہتے ہیں۔ کہ **لک مثل نالک** اس کی مانند تمہارے لئے بھی ہو اور کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں رکھتا کہ فرشتوں کی دعا مقبول ہے۔ پس درود خواں شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوۃ بھیجتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اس طرح درود خوان شخص پر اس کا پڑھا ہوا درود اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں دونوں ہی لوٹ کر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث پاک میں روایت ہوا ہے کہ **من صلی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر** جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ دس بار اس پر رحمتیں بھیجتا ہے یہاں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ درود خواں شخص کو حقیقت قریب میسر ہوتی ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ محشور ہوتا ہے۔ (اب تدبر لازم ہے) کہ زبان سے کہنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے تو قلب و روح اور میسر کے ساتھ جو درود بھیجتا ہے۔ اس کا حال کیسا ہو گا۔

درود و صلوۃ کا معانی ہیں قرب و اجتماعی اور امتثال و اقبال (کمافی لغت)۔ اور درود ظاہری طور پر بھیجنے کے عمل کا یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ جنت میں قرب مکانی ملتا ہے۔ تو غور کرو کہ باطنی محمل' آنحضرت سے تعلق' آپ سے توجہ' مراقبہ اور آپ کی صورت و معانی ہمیشہ تصور و تحیلی میں حاضر رکھنے کا نتیجہ کیا کچھ ہو گا۔ بے شک وہ قرب مکانت ہو گا اور قرب مکانت یہ ہے۔ **فی مقحد صدق ملیک مقتدر** اس مقام پر نہ این ہے نہ کیف ہے۔ فافہم۔

اشارہ:۔ معلوم رہے جس وقت کسی کامل ولی کو خدا کی معرفت زیادہ حاصل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے

وجود میں ذکر الٰہی کو ساکن و برقرار کردیا جاتا ہے اور اس کو بھولتا نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معرفت ولی کامل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے تو اس پر حیرت و استجاب طاری ہو جاتا ہے اور آنحضرت کے ذکرت کے وقت اس پر آثار کا ظہور ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا کے ساتھ جو ولی کی معرفت ہے وہ اس کی اپنی قابلیت کے مطابق ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس اس کا جو مقام و محل ہوتا ہے وہاں پر وہ ساکن ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس اسے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ آنحضور کی قابلیت کے مطابق خدا تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا ولی کی اس کی برداشت کی طاقت نہیں ہوتی جو وہاں ساکن و ثابت رہ سکے اور اس پر آثار ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کے اطوار بلند تر ہوتے ہیں اور جس وقت ولی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے غیر سے کامل تر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متمکن تر ہوتا ہے اور معرفت الٰہیہ میں علی الاطلاق وہ زیادہ داخل ہوتا ہے۔

اشارہ:۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں سے اگر کسی تجلی میں کوئی ولی آنحضرت کو دیکھتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس ولی کو وہ خلعت زیب تن کرا دیتے ہیں جو کہ خلع کمالیہ سے ہوتی ہے اور وہ خلعت اسے عطا فرما دیتے ہیں وہ خلعت اس کے پاس ہی رہتی ہے۔ اگر زیارت کرنے والا وہ ولی کامل اس قدر برداشت و قوت کا حامل ہو کہ اس کا پہننا اس کے لئے ممکن ہو سکے تو وہ اس کو پہن لیتا ہے اگر نہ ہو تو اس کو وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو پھر وہ اس کو آخرت میں پہنتا ہے پس جسے بھی یہ خلعت عطا ہوئی اس نے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرور پہنا ہے۔ اس کو یہ قوت و استعداد اس ولی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب عطا کی جاتی ہے۔ ازاں بعد وہ ولی اس ولی کی تجلیات میں سے جب کسی تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے جس کے پاس خلعت نبوت موجود ہوتی ہے تو وہ ولی وہ خلعت اس ولی کو پہناتا ہے اور یہ جو دوسرا ولی دیکھنے والا ہوتا ہے اسے وہ خلعت آنحضرت کی طرف سے عطا کرتا ہے اس کے بعد عطا کرنے والے ولی کے لئے مقام محمدی سے اور زیادہ کامل تر خلعت عطا کی جاتی ہے بعوض سابقہ عطا کردہ خلعت کے۔ پھر اگر اور کوئی ولی اسے اس حالت میں مشاہدہ کرتا ہے تو وہ خلعت پھر اس ولی کو دے دی جاتی ہے اور دینے والا اس سے بہتر خلعت بارگاہ نبوت سے پالیتا ہے۔

اس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ محمدیہ سے بے حد و بے نہایت و شمار خلعتیں اولیا میں تقسیم کی جاتی ہیں اور یہ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس ازلی وقت سے جاری و ساری ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کو اس کی وجہ سے مقام نبوت ملا تھا۔ لیکن مقام نبوت تک اولیاء کو رسائی نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اکمل خلعت میں مشاہدہ زیارت کرنے والے یہی پہلے اشخاص ہیں۔ وہ خلعت اس وقت آنحضرت کی شوکت و شان کے مطابق و موافق تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ عادت کریمہ اور طریقہ جلیلہ دیکھنے والے تمام حضرات کے واسطے ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت کے جمال باکمال کو تا ابد مشاہدہ کرتے رہیں

گے۔

(صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔)

۲۵ ذالقعد ۱۴۰۵ھ

مطابق ۱۳/ اگست ۱۹۸۵ء

تمام ترحمد اس رب العالمین کے لئے ہے جس نے اس خاک پائے محمدی بندہ حقیر محمد اشرف بن غلام محی الدین کو توفیق ارزانی فرمائی کہ کتاب مدارج النبوت کا اردو ترجمہ کر پایا اس کے بے حد و نہایت شکر گزار ہوں اور بے شمار ولا محدود صلوۃ و سلام جاریہ سلسلہ اس حبیب کریم رؤف و رحیم پر اور ان کی آل پر کہ ان کی شفقت پیغمبری اور نظر کرم نے بندہ کو اس کار گراں پر راغب و مامور رکھا۔

مولا یا صلی وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

عبد المصطفیٰ محمد اشرف ولد غلام محی الدین بوبک

مرالوی فاروق آبادی

۲۵ ذالقعد ۱۴۰۵ھ بروز شنبہ

○ ○ ○